

انوار البیان

علامہ اہم اردو قلم

محقق و مصنف: مولانا محمد رفیع الرحمن
محقق و مصنف: مولانا محمد رفیع الرحمن

دارالانشاء

اردو بازار، کراچی

فون: 2213709-221

انوار البيان

في كشف اسرار القرآن

عام فہم اردو تفسیر

انوار البیان

فی کشف اسرار القرآن

سلیس اور عام فہم اردو میں پہلی جامع اور مفصل تفسیر جس میں تفسیر القرآن بالقرآن اور تفسیر القرآن
بالحدیث کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے، دلنشین انداز میں احکام و مسائل اور مواعظ و نصائح کی
تشریحات، اسباب نزول کا مفصل بیان، تفسیر حدیث و فقہ کے حوالوں کے ساتھ

جلد اول
پارہ ۱ تا ۵

محقق العصر محمد عاشق الہی مہاجر مدنی
حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ

ادو کا بازار نمبر ۱۱۱۱
کراچی پاکستان 2213768

دارالاشاعت

کمپیوٹر کتابت کے جملہ حقوق ملکیت بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : نومبر ۲۰۰۶ء علمی گرافکس
ضخامت : 728 صفحات

مصححین: مولانا محمد شفیع کشمیری صاحب (فاضل جامعہ علوم اسلامیہ جامعہ بنوری ٹاؤن)

مولانا سرفراز احمد صاحب (فاضل جامعہ علوم اسلامیہ جامعہ بنوری ٹاؤن)

مولانا عرفان صاحب (فاضل مدرسہ عربیہ دارالاندلس بنوری ٹاؤن)

تصدیق نامہ

میں نے تفسیر ”انوار البیان فی کشف اسرار القرآن“ کے متن قرآن کریم کو بغور
پڑھا جو کئی نظر آئی اصلاح کر دی گئی۔ اب الحمد للہ اس میں کوئی غلطی نہیں۔ انشاء اللہ



23/08/06

محمد شفیع (فاضل جامعہ علوم اسلامیہ جامعہ بنوری ٹاؤن)

رجسٹرڈ پرنٹرز: ریکٹر کوٹاف سندھ سہرہ چار ۲۰۰۲/338 R ROAUQ

﴿..... ملنے کے پتے﴾

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور

بیت العلوم 20 تاہمہ روڈ لاہور

مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور

یونیورسٹی بک انجمنی خیبر بازار پشاور

مکتبہ اسلامیہ گامی انوار ایبٹ آباد

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی

بیت القرآن اردو بازار کراچی

بیت القلم قابل اشرف المدارس گلشن اقبال باک ۲ کراچی

مکتبہ اسلامیہ مین پور بازار۔ فیصل آباد

مکتبہ المعارف خٹا۔ جنگلی۔ پشاور

کتاب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ رولہ بازار، اڈالینڈی

﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.
London
Tel.: 020 8911 9797, Fax: 020 8911 8999
Email: sales@azharacademy.com.
Website: www.azharacademy.com

﴿امریکہ میں ملنے کے پتے﴾

DARUL ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BURLINGAME, CA 94010, U.S.A

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BENTLEY HOUSTON,
TX-77074, U.S.A

فہرست تفسیر انوار البیان

(جلد اول از پارہ ۱ تا ۵)

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۸	مُنافِقوں کے بارے میں دو اہم مثالیں	۲۹	سورۃ الفاتحہ پاور فہنڈر
۵۰	دعوتِ توحید اور دلائلِ توحید	۲۹	سورۃ الفاتحہ کے اسماء اور فضائل
۵۱	رسالتِ محمدیہ کی دلیل اور قرآن پاک کا اعجاز	۳۱	تعوذ اور تسمیہ کا بیان
۵۲	قرآن کے مقابلہ سے ہمیشہ عاجز رہیں گے	۳۲	سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں
۵۳	اہل ایمان کو جنت کی بشارت	۳۲	رَبِّ الْعَالَمِينَ کا معنی اور مطلب
	قرآنی مثالوں سے مؤمنین کا ایمان پختہ ہونا اور	۳۳	الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
۵۵	منکرین کا بے جا اعتراض کرنا	۳۳	مِلَلَاتِ یَوْمِ الدِّیْنِ
۵۶	قرآنی مثالیں فاسقوں کے لئے گمراہی کا سبب ہیں	۳۴	معبود اور مستعان صرف اللہ کی ذات ہے
۵۷	فاسقوں کے اوصاف	۳۴	صراطِ مستقیم کی دعا
۵۸	مگر دعوتِ توحید	۳۵	صراطِ مستقیم والے کون حضرات ہیں
۵۹	ارض و سماء کی تخلیق کا بیان	۳۶	مغضوب علیہم اور ضالین کے راستہ سے بچنے کی دعا
	حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کا اعلان اور فرشتوں کی	۳۷	آمین
۶۰	معروض	۳۷	فائدہ
	حضرت آدم علیہ السلام کو اشیاء کے نام بتا کر فرشتوں سے	۳۸	سورۃ الفاتحہ شفا ہے
۶۲	سوال فرماتا	۳۹	سورۃ البقرہ
۶۲	فرشتوں کا بجز اور اقرار	۳۹	فضائل سورۃ البقرہ
۶۳	حضرت آدم کا علم و فضل ظاہر ہونا	۴۰	حروف مقطعات کی بحث
۶۴	فرشتوں کا آدم کو سجدہ کرنا اور ابلیس کا انکاری ہونا	۴۱	قرآن مجید بلا رب اللہ کی کتاب ہے
۶۴	سجدہ تعظیسی کی بحث اور اس کا حکم	۴۱	قرآن مجید متقیوں کیلئے ہدایت ہے
۶۵	ابلیس کی بدتمیزی اور بدبختی	۴۱	متقین کی صفات
۶۶	ابلیس کی بنی آدم سے دشمنی	۴۲	کافروں کی گمراہی اور آخرت میں بد حالی
	حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کو جنت میں رہنے کا	۴۳	منافقین کی تاریخ اور نفاق کے امباب
۶۶	حکم اور ایک خاص درخت سے بچنے کی ہدایت	۴۶	مُنافِقوں کے دعوے اور ان کا طریق کار
	حضرت آدم علیہ السلام و حواء کو شیطان کا بہکانا اور جنت	۴۷	منافقین نے ہدایت کے بدلہ گمراہی خرید لی
۶۷	سے نکالا جانا		

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۸۲	نماز اور زکوٰۃ کا حکم	۶۸	حضرت آدم علیہ السلام کا توبہ کرنا اور توبہ قبول ہونا
۸۳	مبلغ اور داعی اپنے نفس کو نہ بھولے		ہدایت قبول کرنے والوں کے لئے انعام اور کافروں
۸۳	بے عمل واعظوں کی سزا	۶۹	کیلئے دوزخ کا داخلہ
۸۴	فائدہ	۷۰	فوائد ضروریہ متعلقہ واقعہ حضرت آدم علیہ السلام
۸۴	صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ مدد حاصل کرو	۷۰	انسان کو خلافت ارضی کے لئے پیدا فرمایا
۸۵	نماز کی اہمیت	۷۱	علم بہت بڑی دولت ہے
۸۵	خشوع کی ضرورت	۷۱	جو علم میں بڑھ کر ہو اس کی برتری تسلیم کرنی چاہیے
۸۶	خشوع والے کون ہیں؟	۷۲	توبہ کی اہمیت اور ضرورت
۸۶	قیامت کے دن نفسا نفسی	۷۲	تکبر بڑی بلا ہے
۸۷	جن کو شفاعت کی اجازت ہوگی وہی سفارش کر سکیں گے	۷۳	گناہوں کی وجہ سے نعمتیں چھین لی جاتی ہیں
۸۸	مصر میں بنی اسرائیل کی مظلومیت	۷۴	شرم اور حیا انسان کا فطری وصف ہے
	بنی اسرائیل کا سمندر پار کر کے نجات پانا اور آل فرعون	۷۴	ہدایت قبول کرنے پر انعام
۸۹	کا غرق ہونا	۷۶	بنی اسرائیل کا تعارف
	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طور پر جانا اور بنی اسرائیل	۷۶	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وطن اور اولاد
۹۰	کا پچھڑے کی عبادت کرنا	۷۶	بنی اسرائیل مصر میں
	سامری سنار کا زیورات سے پچھڑا بنانا اور بنی اسرائیل	۷۶	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور دعوت
۹۰	کا اس کو معبود بنالینا	۷۶	بنی اسرائیل کا مصر سے نکلنا
۹۱	سامری کو بدعنوان اور پچھڑے کا انجام	۷۷	مصر سے نکل کر چالیس سال میں وطن پہنچے
۹۱	توریت شریف عطا فرمانے کا انعام	۷۷	یہودی مدینہ میں کب آئے؟
	گوسالہ پرستی کر نیوالوں کی توبہ اور اس بارے میں	۷۸	اوس و خزرج کا مدینہ میں آ کر آباد ہونا
۹۲	جانوں کو قتل کرنا	۷۸	یہود کے قبیلوں اور اوس و خزرج میں لڑائیاں
	بنی اسرائیل کی بیجا جسارت اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کو	۷۸	اوس و خزرج کا اسلام قبول کرنا
۹۳	دیکھنے کا سوال	۷۸	ہجرت مدینہ
	میدان تیرہ میں بنی اسرائیل پر بادلوں کا سایہ کرنا اور	۷۸	یہودیوں کا عناد اور قبول حق سے انحراف
۹۳	من اور سلوٰی نازل ہونا	۷۹	بنی اسرائیل کو انعامات کی یاد دہانی
	ایک بستی میں خشوع کے ساتھ داخل ہونے کا حکم اور	۸۰	بنی اسرائیل کو اسلام قبول کرنے کی دعوت
۹۵	بنی اسرائیل کی شرارت اور اس پر عذاب آنا	۸۱	حق کو باطل کے ساتھ مت ملاؤ اور حق کو مت چھپاؤ

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۱۳	یہودیوں کی منافقت		میدان تہ میں بنی اسرائیل کیلئے پتھر سے پانی کے چشمے پھوٹنا
۱۱۳	یہودیوں کی جھوٹی آرزوئیں	۹۶	بنی اسرائیل کا کہنا کہ ہم ایک کھانے پر صبر نہیں کر سکتے ہمیں پیاز، لہسن چاہیے!
۱۱۴	علمائے یہود کا غلط مسائل بتانا اور رشوت لینا	۹۷	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ناراضگی
	یہود کی جھوٹی خوش گمانی کہ دوزخ میں صرف چند دن کے لئے جائیں گے	۹۸	یہودیوں پر ذلت اور مسکنت مار دی گئی
۱۱۵	دور حاضر کے کافروں کی خوش گمانی	۹۸	یہودیوں نے انبیاء کرام کو قتل کیا اس لئے غضب الہی کے مستحق ہو گئے
۱۱۶	اصحاب الجحہ کون ہیں اور اصحاب النار کون ہیں؟	۹۸	یہودیوں کی حکومت سے متعلق ایک سوال
۱۱۷	بنی اسرائیل سے عہد و پیمان اور ان کا انحراف	۹۹	صرف ایمان اور عمل صالح ہی مددِ نجات ہے
۱۱۹	یہودیوں کی ایک خاص خلاف ورزی کا تذکرہ	۹۹	خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عامہ
	مسلمانوں کو تنبیہ جو پورے دین پر عمل کرنے کو تیار نہیں	۱۰۰	حدثِ ادیان کا فتنہ اور اس کی تردید
۱۲۰	یہودی بعض نبیوں کی صرف تکذیب کرتے تھے اور بعض کو قتل کر دیتے تھے	۱۰۱	یہود کی وجہ تسمیہ
۱۲۱	یہودیوں کا کہنا کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں اور اس کی تردید	۱۰۱	الوصاری
۱۲۲	یہودیوں نے جانتے بوجھتے ہوئے عناد اور ضد کی وجہ سے اسلام قبول نہیں کیا	۱۰۱	الصائبین
۱۲۳	یہودیوں کا یہ کہنا کہ ہم تو ریت کے علاوہ کسی کتاب کو نہیں مانتے اور اس پر ان سے سوال	۱۰۲	فائدہ
	یہودیوں سے عہد و پیمان اور ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت	۱۰۳	بنی اسرائیل سے پختہ عہد لینا پھر ان کا مخرف ہو جانا
۱۲۶	فائدہ	۱۰۳	یہودیوں کا سینجر کے دن میں زیادتی کرنا اور بندر بنادیا جانا
۱۲۶	یہودیوں کو دعوتِ مبطلہ کی تمنا کریں	۱۰۳	ذبح بقرہ کا قصہ، یہود کی کج بخشی
۱۲۷	یہودیوں کا کفریہ قول کہ جبریل ہمارا دشمن ہے	۱۰۶	مردہ کا زندہ ہونے کا ایک واقعہ اور قصہ سابقہ کا تکرار
۱۲۸	آیاتِ یتنات کا انکار فاسقوں ہی کا کام ہے	۱۰۸	یہودیوں کی قلبی قسادت کا تذکرہ
۱۲۹	یہودیوں کی ایک جماعت ہر عہد کی خلاف ورزی کرتی رہی ہے	۱۰۹	امتِ محمدیہ کو حکم کہ قاسی القلب نہ بنیں
۱۲۹		۱۱۰	غیر ذی روح میں حیات ہے، سب چیزیں اللہ کی تسبیح میں مشغول رہتی ہیں
		۱۱۰	یہودیوں میں عناد ہے ان سے ایمان قبول کرنے کی امید نہ رکھی جائے

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۵۱	جدھر زخ کروادھر اللہ کا زخ ہے	۱۳۰	اہل کتاب نے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا
۱۵۲	جب قبیلہ کا قانون		باہل میں جاؤ وگروں کا زور اور یہود کا جاؤ وکے
۱۵۳	قبلہ کے مسائل	۱۳۱	پیچھے لگنا
۱۵۳	مسئلہ	۱۳۱	ہاروت و ماروت کے ذریعہ امتحان
۱۵۳	مسئلہ	۱۳۲	جادو کے بعض اثرات
۱۵۳	مسئلہ	۱۳۲	جادو کا اثر باذن اللہ ہوتا ہے
۱۵۳	مسئلہ	۱۳۲	جادو کے اسباب خفیہ
۱۵۳	مسئلہ	۱۳۲	سحرہ فرعون کا مکمل
۱۵۳	مسئلہ	۱۳۲	معجزہ اور سحر میں فرق
۱۵۴	مسئلہ	۱۳۵	کرامت اور سحر میں فرق
۱۵۴	حکمت تعیین قبلہ	۱۳۵	سحر فتنہ بھی ہے اور کفر بھی
۱۵۴	فائدہ	۱۳۷	مسئلہ
۱۵۵	اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کر نیوالوں کی گمراہی	۱۳۷	مسئلہ
۱۵۶	اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی حلیم نہیں	۱۳۸	فائدہ
۱۵۷	جابلوں کی باتیں کہ اللہ ہم سے بات کیوں نہیں کرتا	۱۴۰	راجعنا کہنے کی ممانعت اور یہود کی شرارت
	حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشیر و نذیر بنا کر	۱۴۰	لا تَقُولُوا رَاعِنَا سے استنباط احکام
۱۵۸	بیچھے گئے		یہودیوں اور مشرکوں کو یہ گوارا نہیں کہ مسلمان پر کوئی
	یہود و نصاریٰ راضی نہیں ہو سکتے جب تک اُن کے	۱۴۱	خیر نازل ہو
۱۵۹	دین کا اتباع نہ کیا جائے	۱۴۲	نسخ آیات کی حکمت
۱۶۰	فائدہ	۱۴۲	بے جا سبالات کی ممانعت
۱۶۰	مسلمانوں کو تنبیہ	۱۴۵	کفار چاہتے ہیں کہ تمہیں کافر بنا لیں
	جن کو کتاب ملی ہے وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا		یہود و نصاریٰ کا قول کہ جنت میں ہم ہی جائیں گے
۱۶۱	کہ تلاوت کا حق ہے	۱۴۶	اور اس کی تردید
۱۶۲	بنی اسرائیل کو نعمتوں کی مکرر یاد دہانی	۱۴۷	عند اللہ جنتی کون ہے
۱۶۲	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آزمائشوں میں پورا اترنا		یہود و نصاریٰ کا آپس میں نزاع اور اُن کی باتوں کی
	اور ان کی امامت کا اعلان فرمانا	۱۴۸	تردید
۱۶۳	کلمات کی تشریح اور توضیح جن کے ذریعے آزمایا گیا	۱۵۰	اللہ کی مسجدوں میں ذکر سے روکنا بہت بڑا ظلم ہے

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۱۸۵	اگر دشمنان دین اسلام نہ لائیں تو وہ مخالفت پر ہی ٹٹے ہوئے ہیں	۱۶۵	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امامت
۱۸۵	ہم کو اللہ تعالیٰ نے رنگ دیا ہے	۱۶۶	کعبہ شریف کو مرجع اور جائے امن بنایا
۱۸۶	اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے	۱۶۸	بیت اللہ کو پاک کرنے کا حکم
۱۸۷	یہود و نصاریٰ کے اس قول کی تردید کہ ابراہیم اور اسمعیل اور اسحاق اور یعقوب یہودی یا نصرانی تھے	۱۶۸	طواف کا ثواب
۱۸۸	نسب پر غور کرنے والوں کو تنبیہ	۱۶۸	مسجد حرام میں نماز کا ثواب
۱۸۹	چارہ فہرست	۱۶۹	اہل مکہ کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا
۱۸۹	تحویل قبلہ پر یہود و قوفوں کا اعتراض اور اُن کا جواب	۱۶۹	مکہ معظمہ میں دُنیا بھر کے پھل
۱۹۰	اُمّت محمدیہ ساری اُمّتوں سے افضل ہے	۱۶۹	مدینہ منورہ کیلئے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا
۱۹۰	دوسری اُمّتوں کے مقابلہ میں اس اُمّت کی گواہی اور اس پر فضیلہ	۱۷۰	حضرت ابراہیم اور حضرت اسمعیل علیہما السلام کا کعبہ شریف تعمیر کرنا
۱۹۱	اُمّت محمدیہ کی آپس میں گواہی پر بخشش کے فضیلہ	۱۷۱	اُمّت مسلمہ کے لئے دعا اور اُس کی قبولیت
۱۹۲	اُمّت محمدیہ کا اعتدال اور لفظ وَسَط کی تشریح	۱۷۲	مناسک حج جاننے کے لئے دعا
۱۹۳	تحویل قبلہ امتحان کے لئے ہے	۱۷۳	اہل مکہ میں سے ایک رسول بھیجنے کی درخواست اور اس کی قبولیت
۱۹۴	قبلہ اولیٰ کی طرف جو نمازیں پڑھی گئیں اُن کا ثواب ضائع نہیں	۱۷۴	جس رسول کے آنے کی دعا کی اس کی صفات
۱۹۴	کعبہ شریف کی طرف رخ کرنے کا حکم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شدت سے اس کا انتظار	۱۷۴	تلاوت کتاب
۱۹۵	جہت قبلہ سے تھوڑا سا انحراف مفسدِ صلوة نہیں	۱۷۵	تلاوت قرآن کے فضائل
۱۹۵	کعبہ شریف کو قبلہ بنانے میں حکمت	۱۷۵	کتاب اور حکمت کی تعلیم
۱۹۶	یہود و نصاریٰ کی ضد اور عناد کا مزید تذکرہ	۱۷۶	تزکیہ نفوس
۱۹۷	اہل کتاب رسول اللہ ﷺ کو پہچانتے ہیں اور حق چھپاتے ہیں	۱۷۷	ملت ابراہیمی سے دینی اعراض کرے گا جو احمق ہو
۱۹۸	ہر ملت کا قبلہ الگ الگ ہے	۱۷۸	اسلام کا معنی اور مفہوم
۱۹۹	دُنیا میں جہاں بھی ہوں مسجد حرام کی طرف رخ کر کے نماز پڑھیں	۱۸۰	دین اسلام کے علاوہ ہر دین مردود ہے
		۱۸۱	ملت ابراہیمی کی وصیت
		۱۸۲	فائدہ: (۱)
		۱۸۲	فائدہ: (۲)
		۱۸۲	یہودیوں کے اس غرور کا جواب کہ ہم نبیوں کی اولاد ہیں
		۱۸۳	اللہ کے تمام نبیوں اور تمام کتابوں پر ایمان لانے کا حکم

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۱۶	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علمی جواب	۱۹۹	قبلہ بدلنے پر یہودیوں کی جھٹ ہو گئی
۲۱۶	سعی کے مسائل	۲۰۰	اہل ایمان کے لئے تکمیل نعمت
۲۱۶	مسئلہ	۲۰۱	فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ کی تفسیر
۲۱۶	مسئلہ	۲۰۱	ذکر اللہ کے فضائل
۲۱۶	مسئلہ	۲۰۲	شکر کی فضیلت اور اہمیت
۲۱۶	مسئلہ	۲۰۳	صبر اور صلوة کے ذریعہ مدد مانگنے کا حکم
۲۱۶	مسئلہ	۲۰۳	صبر کی فضیلت اور اہمیت
۲۱۷	مسئلہ	۲۰۴	دفع مصائب کے لئے نماز
۲۱۷	مسئلہ	۲۰۴	شہداء کے فضائل
۲۱۷	حق چھپانے والوں کی سزا	۲۰۶	حقوق العباد کے علاوہ شہید کا سب کچھ معاف ہے
۲۱۸	حق چھپانے اور گمراہ کرنے والوں کی توبہ کی شرائط	۲۰۶	جہاد میں اخلاص کی ضرورت
۲۱۹	فائدہ اولیٰ		وطنی اور قومی جنگ میں قتل ہونے والے شہید نہیں
۲۱۹	فائدہ ثانیہ		ہیں
۲۲۰	کفر پر مرنے والوں پر لعنت اور عذاب	۲۰۷	مختلف طریقوں سے آزمائش ہوگی
۲۲۱	لعنت کرنے سے متعلق مسائل	۲۰۷	مؤمن بندوں کو مصائب کا فائدہ
۲۲۲	مسئلہ	۲۰۹	صابرین کی ایک خاص صفت
۲۲۲	معبود حقیقی ایک ہی ہے	۲۱۰	صَلُّوْا مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةً
۲۲۳	توحید کے دلائل کا بیان	۲۱۱	صبر سے متعلق چند فوائد
۲۲۳	آسمان و زمین کی تخلیق	۲۱۱	فائدہ (۱)
۲۲۳	رات دن کا آنا جانا	۲۱۱	فائدہ (۲)
۲۲۴	سمندروں میں جہازوں کا چلنا	۲۱۲	فائدہ (۳)
۲۲۵	بارش کا نازل فرمانا	۲۱۳	فائدہ (۴)
۲۲۶	جانوروں کا پیدا فرمانا اور زمین میں پھیلانا	۲۱۳	فائدہ (۵)
۲۲۶	ہواؤں کو مختلف رُخوں پر چلانا	۲۱۳	فائدہ (۶)
۲۲۶	بادلوں کی تسخیر		حج و عمرہ میں صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کی
	مشرکین کی باطل معبودوں سے محبت اور اس پر سخت	۲۱۴	مشروعیت اور اس کی ابتداء
۲۲۸	عذاب	۲۱۵	زمانہ جاہلیت میں صفا و مروہ کی سعی

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۲۸	نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا	۲۲۸	اہل ایمان کو اللہ سے سب سے زیادہ محبت ہے
۲۲۹	عہد پورا کرنا	۲۲۹	قیامت کے دن متبوعین کا اپنے ماننے والوں سے
۲۳۰	مسئلہ	۲۲۹	بیزاری ظاہر کرنا اور اس وقت ان کو پیشانی ہونا
۲۳۱	صابرین کی فضیلت	۲۳۰	حلال کھانے اور شیطان کے اتباع سے پرہیز کرنے
۲۳۲	قصاص اور دیت کے بعض احکام	۲۳۰	کا حکم
۲۳۳	قصاص وارثوں کا حق ہے	۲۳۱	تحلیل و تحریم کا حق صرف اللہ ہی کو ہے
۲۳۴	قصاص کے عوض مال لینے کی مشروعیت اُمتِ محمدیہ	۲۳۱	باپ دادے ہدایت پر نہ ہوں تو اُن کا اتباع اور
۲۳۴	کے لئے تخفیف اور رحمت ہے	۲۳۱	اقتداء باعثِ ہلاکت ہے
۲۳۴	قانونِ قصاص میں بڑی زندگی ہے	۲۳۲	کافروں کی ایک مثال
۲۳۵	قصاص عینِ عدل ہے، اس کو ظلم کہنا ظلم ہے	۲۳۲	کافر بہرے، گونگے، اندھے ہیں
۲۳۵	قصاص یا دیت معاف کرنا سربراہِ مملکت کے اختیار	۲۳۳	حلال کھانے اور شکر ادا کرنے کا حکم
۲۳۵	میں نہیں ہے	۲۳۳	حرام کھانے کا وبال
۲۳۶	وصیت کے احکام	۲۳۳	حرام کی کمائی کی چند صورتیں
۲۳۶	وصیت نافذ کرنے سے پہلے قرضے ادا کئے جائیں	۲۳۴	حرام مال کا وبال
۲۳۶	گے	۲۳۵	محرمات کا اجماعی بیان اور اضطراب کا حکم
۲۳۶	مسئلہ	۲۳۶	کتاب اللہ کی تحریف کرنے والوں کا انجام
۲۳۷	حج بدل کی وصیت	۲۳۷	اعمالِ حسنة اور اخلاقِ عالیہ کا بیان
۲۳۷	مسئلہ	۲۳۸	اللہ کی رضا کے لئے مال خرچ کرنا
۲۳۷	گناہ کی وصیت کرنا گناہ	۲۳۸	افضل الصدقة
۲۳۷	وارثوں کے لئے مال چھوڑنا بھی ثواب ہے	۲۳۸	رشتہ داروں پر خرچ کرنے کی فضیلت
۲۳۷	وصیت میں دیر نہ کی جائے	۲۳۹	قیموں پر مال خرچ کرنے کی فضیلت
۲۳۸	وصیت کو بدلنے کا گناہ	۲۳۹	مساکین پر مال خرچ کرنا
۲۳۸	رمضان کے روزوں کی فرضیت اور ان کے ضروری	۲۴۰	مسافر پر مال خرچ کرنا
۲۳۹	احکام	۲۴۰	سوال کرنے والوں کو دینے کا حکم
۲۴۰	روزہ سے صفت تقویٰ پیدا ہوتی ہے	۲۴۰	بھیک مانگنے کا پیشہ اختیار کرنے کی ممانعت
۲۴۱	روزوں کے احکام میں تین انقلاب	۲۴۰	مسئلہ
۲۴۳	قرآن مجید رمضان المبارک میں نازل کیا گیا	۲۴۱	غلاموں کی آزادی میں مال خرچ کرنا

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۳۶۶	حدود اللہ سے آگے بڑھنے کی ممانعت		مریض اور مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت اور بعد
۲۶۶	باطل طریقوں سے مال کھانے کی ممانعت	۲۵۴	میں قضا رکھنے کا حکم
۲۶۶	حاکم کے فیصلہ کر دینے سے کسی کا مال حلال نہیں ہو جاتا	۲۵۴	مسئلہ
۲۶۸	چاندوں میں کسی بیشی کیوں ہوتی ہے	۲۵۵	مسئلہ
۲۶۸	شریعت اسلامیہ میں قمری مہینوں کا اعتبار ہے	۲۵۶	حاملہ اور مرضعہ کے لئے رخصت
	دینی امور کو قمری مہینوں سے متعلق کرنے میں	۲۵۶	حیض اور نفاس والی عورت کا حکم
۲۶۸	آسانی ہے	۲۵۶	اللہ تعالیٰ نے دین میں آسانی رکھی ہے
۲۶۹	گھروں کے دروازوں سے آنے کا حکم	۲۵۷	دعا کی فضیلت اور آداب
	اپنی طرف سے کسی کام میں ثواب یا گناہ سمجھ لینا	۲۶۰	تکملہ احکام صیام
۲۶۹	بدعت ہے	۲۶۱	زن و شوہر کے تعلقات کا لطیف انداز میں بیان
۲۷۰	علماء جصاص کا ایک استنباط	۲۶۱	ابتغائے اولاد کا حکم
۲۷۰	اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتال کرنے کا حکم اور ظلم و زیادتی سے	۲۶۱	صبح صادق تک کھانے پینے کی اجازت
	پرہیز کرنے کی تاکید	۲۶۲	مسئلہ
۲۷۱	فتنہ گری قتل سے زیادہ سخت ہے	۲۶۲	اعتکاف کے فضائل اور مسائل
۲۷۱	دفاع کے لئے قتال کرنا	۲۶۳	نفل روزوں کا بیان
۲۷۲	قتال کب تک ہونا چاہیے	۲۶۳	شش عید کے روزے
۲۷۲	قتال کرنے میں کیا نیت ہو؟	۲۶۳	پیر اور جمعرات کا روزہ
۲۷۲	فائدہ	۲۶۳	ایام بیض کے روزے
۲۷۲	فتنوں کو دبانے کے لئے جنگ کرنا	۲۶۴	عاشوراء کا روزہ
۲۷۳	جو مشرک اسلام قبول کر لیں ان کو قتل کرنا جائز نہیں	۲۶۴	عشرہ ذی الحجہ کے روزے
۲۷۴	مشرکین کی زیادتی کا جواب	۲۶۴	فائدہ
۲۷۴	اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے	۲۶۵	فائدہ
۲۷۵	اپنے کو ہلاکت میں ڈالنے کی ممانعت		سال بھر میں پانچ دن ایسے ہیں جن میں روزہ رکھنا
۲۷۵	جہاد کی اہمیت اور ضرورت	۲۶۵	حرام ہے
۲۷۶	صفت احسان اختیار کرنے کا حکم	۲۶۵	مسئلہ
۲۷۶	حج اور عمرہ کے احکام	۲۶۵	روزانہ نفلی روزہ رکھنا محمود نہیں۔ فائدہ
۲۷۷	حج نہ کرنے پر توبہ	۲۶۵	نفلی صیام

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۲۹۰	رمی جبار کے بعض مسائل	۲۷۷	احرام کے ممنوعات
۲۹۰	۱۳ اذی الحجہ کی رمی چھوڑ دینا جائز ہے	۲۷۸	احصار کے احکام
۲۹۲	میضی باتیں کر نیوالے مُنافقوں اور مُفسدوں کا تذکرہ	۲۷۸	حج و عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد پورا کرنا لازم ہے
۲۹۲	اض بن شریق کی حرکت	۲۷۹	احصار زائل ہو جانے کے بعد
۲۹۳	جھگڑالو اور جب زبان کی مذمت	۲۷۹	مسئلہ
۲۹۳	تکبر کی مذمت	۲۷۹	مسئلہ
۲۹۳	تکبر کیا ہے؟	۲۷۹	فائت الحج کا حکم
	اللہ کی رضا کے لئے جان و مال خرچ کرنے والوں کی	۲۷۹	مسئلہ
۲۹۴	فضیلت	۲۷۹	عذر کی وجہ سے ارتکاب جنایت کا حکم
۲۹۵	اسلام میں پورے طور پر داخل ہونے کا حکم	۲۸۰	مسئلہ
	زندگی کے تمام شعبوں میں ہر شخص اسلام کے احکام	۲۵۰	مسئلہ
۲۹۵	کا پابند ہے	۲۸۰	تمتع اور قرآن کا بیان
۲۹۶	اصحاب حکومت کی بے راہی	۲۸۱	تمتع اور قارن پر قربانی واجب ہے
۲۹۷	حق قبول نہ کرنے پر وعید	۲۸۱	تمتع اور قرآن کی قربانی کا بدل
۲۹۷	فائدہ	۲۸۱	مسئلہ
۲۹۷	بنی اسرائیل کی ناشکری اور اس پر عذاب	۲۸۱	مسئلہ
	کافروں کے لئے دنیا کا مزین ہونا اور ان کا ایمان	۲۸۲	مسئلہ
۲۹۸	دالوں پر ہنسنا	۲۸۲	مسئلہ
	سارے انسان اُمتِ واحدہ تھے، حق واضح ہونے	۲۸۲	حج کے مہینوں کا تذکرہ اور حج کے بعض احکام
۲۹۹	کے بعد عناد اور ضد کی وجہ سے مختلف فرقے ہو گئے	۲۸۳	حج میں گناہوں سے بچنے کی تاکید
	مصائب میں مسلمانوں کو صبر کی تلقین اور ائمہ سابقہ	۲۸۳	لڑائی جھگڑے سے بچنے کا حکم
۳۰۰	کے مسلمانوں سے عبرت حاصل کرنے کی تعلیم	۲۸۴	جو بھی خیر کا کام کر وہ اللہ کو معلوم ہے
۳۰۲	کن مواقع میں مال خرچ کیا جائے	۲۸۴	مخلوق سے سوال کرنے کی ممانعت
۳۰۳	جہاد کی فریضیت اور ترغیب		حج میں خرید و فروخت کی اجازت اور مشعر حرام میں
۳۰۴	جہاد کے بعض احکام	۲۸۵	اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا حکم
۳۰۵	مجاہدین کے فضائل	۲۸۸	ایام منیٰ میں ذکر اللہ میں مشغول ہونے کا حکم
۳۰۶	جہاد میں مال خرچ کرنے کا ثواب	۲۸۹	ایام تشریق میں ذکر اللہ اور رمی جبار کی مشغولیت

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۳۳۰	اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق بنانے کی ممانعت	۳۰۶	جہاد پر دشمنان اسلام کا اعتراض اور اس کا جواب
۳۳۱	اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو		ممکن ہے کہ کوئی چیز تمہیں ناگوار ہو اور وہ تمہارے
۳۳۱	مسئلہ	۳۰۷	لئے بہتر ہو
۳۳۱	فائدہ		اللہ تعالیٰ کی راہ سے اور مسجد حرام سے روکنا اور فتنہ
	مطلقہ عورتیں سابقہ شوہروں سے نکاح کرنا چاہیں تو	۳۰۸	پردازی کرنا جرم کے اعتبار سے قتل سے بڑھ کر ہے
۳۳۲	اس میں رکاوٹ نہ ڈالیں	۳۱۰	مرتد کے احکام
۳۳۳	بچوں کو دودھ پلانے کے احکام	۳۱۱	لَا اِنْخِرَافُ فِي الْبُذُنِ کے عہد میں مرتد شامل نہیں
۳۳۵	ماں کو یا باپ کو اولاد کی وجہ سے ضرر نہ دیا جائے	۳۱۱	فائدہ
۳۳۵	باپ نہ ہو تو وارث ذمہ دار ہے	۳۱۲	شراب اور جوئے کی حرمت
۳۳۵	مسئلہ	۳۱۲	فی سبیل اللہ کیا خرچ کریں؟
	دو سال سے پہلے بھی باہمی مشورہ سے دودھ چھڑا	۳۱۳	مشرک مردوں اور عورتوں سے نکاح کرنے کی ممانعت
۳۳۶	سکتے ہیں	۳۱۳	فائدہ
۳۳۶	أُجْرَتِ پر دودھ پلوانے کے مسائل	۳۱۶	حیض والی عورت سے متعلقہ احکام
۳۳۶	مسئلہ	۳۱۷	وطی فی الدبر کی حرمت اور یہود کی ایک بات کی تردید
۳۳۶	مسئلہ	۳۱۹	اپنی قسموں کو نیکی اور تقویٰ سے بچنے کا ذریعہ نہ بناؤ
۳۳۶	مسئلہ	۳۲۰	قسموں کی قسموں کا بیان اور ان کے احکام
۳۳۶	مسئلہ	۳۲۱	بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کا بیان
۳۳۷	شوہر کی موت پر عدت گزارنے کے احکام	۳۲۱	فائدہ اولیٰ
۳۳۷	مسئلہ	۳۲۲	فائدہ ثانیہ
۳۳۷	مسئلہ	۳۲۲	فائدہ ثالثہ
۳۳۸	یہود عورتوں کو صریح پیغام نکاح دینے کی ممانعت	۳۲۲	مطلقہ عورتوں کی عدت کا بیان
۳۳۹	مہر اور مہر کے احکام	۳۲۵	اسلام میں عورت کی حیثیت
۳۴۰	تمام نمازوں اور خاص کر صلوٰۃ و سطیٰ کی محافظت کا حکم	۳۲۵	یورپین اقوام میں عورت کی بے آبروئی
۳۴۱	دشمنوں کا جہوم ہو تو نماز کیسے پڑھی جائے؟	۳۲۶	مردوں کو عورتوں پر فوقیت ہے
۳۴۲	بیویوں کے لئے وصیت کرنا	۳۲۷	طلاق اور خلع کے چند احکام
۳۴۲	مطلقہ عورتوں کو مہر دینے کی تاکید	۳۲۹	فائدہ
۳۴۳	بنی اسرائیل کا ایک واقعہ	۳۳۰	مطلقہ عورتوں کو ضرر پہنچانے کی ممانعت

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۳۷۳	جو کچھ خرچ کرو گے یا نذر مانو گے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے	۳۳۵	اللہ کی رضا کے لئے صدقہ خیرات کرنے کی فضیلت
۳۷۴	مسئلہ	۳۳۷	بنی اسرائیل کا ایک واقعہ اور طالوت کی بادشاہت کا ذکر
۳۷۴	صدقات کو ظاہر کر کے یا پوشیدہ طریقہ پر دینا	۳۳۹	طالوت کے لشکر کا عمائد پر غالب ہونا اور جالوت کا مقتول ہونا
۳۷۶	جو کچھ بھی اچھا مال خرچ کرو گے اس کا بدلہ تمہیں مل جائے گا	۳۵۲	پارہ نمبر ۳
۳۷۷	مسئلہ	۳۵۲	حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان فرق مراتب
۳۷۷	فی سبیل اللہ کام کرنے والوں پر خرچ کرنے کا حکم	۳۵۳	روز قیامت آنے سے پہلے اللہ کے لئے خرچ کر لو
۳۷۹	رات دن مال خرچ کر نیوالوں کی فضیلت اور منقبت	۳۵۴	اللہ جل شانہ کی صفات جلیلہ کا بیان
۳۷۹	سود خوروں کی مذمت	۳۵۷	فائدہ
۳۸۲	صدقات کی برکات اور سود کی بربادی	۳۵۷	دین میں زبردستی نہیں ہے
۳۸۳	مومنوں، نمازیوں اور زکوٰۃ دینے والوں کا اجر و ثواب	۳۶۰	اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ولی ہیں اور کافروں کے اولیاء شیطاں ہیں
۳۸۴	سود خوروں کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان جنگ	۳۶۱	ایک کافر بادشاہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مباحثہ
۳۸۵	فائدہ	۳۶۲	مردہ کو زندہ فرمانے کا ایک واقعہ
۳۸۵	تنگدست قرض دار کو مہلت دینا	۳۶۴	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال پر پرندوں کا زندہ ہونا
۳۸۷	مدائنت اور کتابت اور شہادت کے ضروری مسائل	۳۶۵	فی سبیل اللہ خرچ کرنے والوں کا اجر و ثواب
۳۹۰	رہن کا حکم اور گواہی چھپانے کی مذمت	۳۶۶	فی سبیل اللہ خرچ کرنے کے آداب اور بریا کاروں کے صدقات کی مثال
۳۹۱	مسئلہ	۳۶۸	اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خرچ کرنے والوں کی مثال
۳۹۱	خطا اور نسیان کی معافی اور چند دعاؤں کی تلقین	۳۶۹	عبادات اور طاعات کو باطل کر دینے والوں کی مثال
۳۹۷	سورہ آل عمران	۳۷۰	اللہ کی رضا کے لئے عمدہ مال خرچ کرنے کا حکم
۳۹۷	نصاری کے ایک وفد سے گفتگو اور انکی باتوں کی تردید	۳۷۰	مسئلہ
۳۹۸	سورہ آل عمران کی فضیلت	۳۷۰	مسئلہ
۳۹۹	آلہم	۳۷۱	فائدہ
۳۹۹	الْحَيِّ الْقَيُّومُ کی تفسیر	۳۷۱	شیطان تنگدستی سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالیٰ مغفرت اور فضل کا وعدہ فرماتا ہے
۳۹۹	کُتِبَ سَآوِیۃً تَذَکَّرَہ		
۳۹۹	فَرَقَانَ سے کیا مراد ہے؟		
۴۰۰	منکرین کے لئے وعید		

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
	یہودیوں کا اللہ کی کتاب سے اغراض کرنا اور خوش فہمی میں مبتلا ہونا	۴۰۰	اللہ پر کوئی چیز مخفی نہیں
۴۱۵	یہودیوں کے خیالات اور آرزوئیں	۴۰۰	اللہ جیسے چاہے رحم مادر میں تصویر بناتا ہے
۴۱۵	اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے	۴۰۱	محکمات اور مشابہات کا مطلب
۴۱۶	قدرت خداوندی کے بعض مظاہرے	۴۰۲	راستخین فی العلم کا طریقہ
۴۱۶	اہل ایمان کو حکم کہ کافروں سے دوستی نہ کریں	۴۰۳	راستخین فی العلم کی دعا
۴۱۷	کافروں سے محبت کرنے کے نتائج	۴۰۴	آخرت میں اموال و اولاد کا نہیں آئیں گے
۴۱۸	کافروں سے موالات کرنے والوں کیلئے وعید شدید	۴۰۵	یہودیوں کو نصیحت کہ واقعہ بدر سے عبرت لیں
۴۱۹	مواسات اور مدارات کس حد تک جائز ہے؟	۴۰۵	یہودیوں کی ذہنائی
۴۱۹	ردافض کا تعلق اور اس کی تردید	۴۰۵	غزوہ بدر کا منظر
۴۲۰	اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے	۴۰۷	لوگوں کیلئے دنیاوی مرغوبات مزین کر دی گئی ہیں
۴۲۱	قیامت کے دن کی پریشانی	۴۰۸	الْفَنَاطِیْرِ
۴۲۱	اگر اللہ تعالیٰ سے محبت ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرو	۴۰۸	الْحَبْلِ الْمُسَوِّمَةِ
۴۲۲	محبت کے دعویداروں کو تنبیہ	۴۰۸	وَالْاِنْعَامِ وَالْخَوْتُ
۴۲۲	منکرین حدیث کی تردید	۴۰۹	اہل تقویٰ کا آخرت میں انعام
۴۲۳	حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کی نذر اور ان کی ولادت اور کفالت کا تذکرہ	۴۰۹	رضائے الہی
۴۲۳	حضرت مریم علیہا السلام کا نشوونما اور حضرت زکریا کی کفالت	۴۰۹	الصَّابِرِیْنَ
۴۲۵	حضرت مریم علیہا السلام کے پاس غیب سے بچل آنا	۴۱۰	وَالصَّادِقِیْنَ
۴۲۷	اولاد کے لئے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا	۴۱۰	وَالْقَانِیْنَ
۴۲۷	حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری	۴۱۰	وَالْمُنْفِقِیْنَ
۴۲۷	حضور کا معنی	۴۱۰	وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ
۴۲۷	صالحین کا مصداق	۴۱۰	رات کو اٹھنے کی فضیلت
۴۲۷	حضرت زکریا علیہ السلام کو استعجاب اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب	۴۱۱	توحید پر گواہی
۴۲۸		۴۱۲	اہل علم کون ہیں؟
		۴۱۲	قَائِلًا بِاَلْقَسَطِ
		۴۱۲	اللہ کے نزدیک صرف دین اسلام معتبر ہے
		۴۱۳	کافروں کے لئے عذاب کی وعید
		۴۱۳	کافروں کے اعمال اکارت ہیں

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۴۳۹	یہودیوں کا حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے قتل کا منصوبہ بنانا	۴۲۹	نکاح کی شرعی حیثیت
۴۳۹	اور اس میں ناکام ہونا		فرشتوں کا حضرت مریم علیہا السلام کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ
۴۳۹	مکر کا معنی	۴۲۹	نے تمہیں چن لیا ہے
۴۴۰	مُتَوَفِّیْکَ اور زَافِعُکَ کی تفسیر	۴۳۰	حضرت مریم علیہا السلام کی فضیلت
۴۴۱	قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دنیا میں	۴۳۰	حضرت سیدہ فاطمہؑ کی فضیلت
	تشریف لانا	۴۳۰	حضرت خدیجہؑ کی فضیلت
۴۴۱	حیاتِ مسیح (علیہ السلام) کا انکار کرنا قرآن کے منکر ہیں	۴۳۰	حضرت عائشہ صدیقہؓ کی فضیلت
۴۴۱	مُطَهَّرُکَ کی دوسری کی تفسیر	۴۳۱	حضرت آسیہؑ کی فضیلت
۴۴۲	جَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا	۴۳۱	وَإِذْ كُنَّا مَعَ الْوَاقِعِينَ کی تفسیر
۴۴۳	کافروں کے لئے وعید عذاب شدید اور اہل ایمان	۴۳۱	نبوتِ محمدیہؐ پر واضح دلیل
۴۴۳	کے لئے اجر و ثواب کا وعدہ	۴۳۲	حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت کیلئے قرعہ اندازی
	حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی پیدائش حضرت آدم (علیہ السلام) کی	۴۳۳	فائدہ
۴۴۴	طرح سے ہے		حضرت مریم کو حضرت مسیح عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش
۴۴۵	نصاری کو دعوتِ مہابلہ	۴۳۳	کی خوشخبری
۴۴۶	مہابلہ کا طریقہ	۴۳۳	کلمۃ اللہ اور مسیح کا مطلب
۴۴۶	نصاری کا مہابلہ سے فرار	۴۳۴	وَجِبَّتْ فِيهَا الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ
۴۴۶	نصاری نجران سے مال لینے پر صلح	۴۳۴	حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تصدیق
۴۴۷	اہل کتاب کو توحید کی دعوت	۴۳۴	فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا
	اہل کتاب کی اس بات کی تردید کہ حضرت ابراہیم	۴۳۵	بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ کی پیدائش
۴۴۹	علیہ السلام یہودی یا نصرانی تھے		حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منصب کی ذمہ داری اور
۴۴۹	حضرت ابراہیم سے زیادہ خصوصی تعلق والا کون ہے؟	۴۳۶	اُن کے معجزات
۴۵۰	اللہ مومنین کا ولی ہے	۴۳۶	معجزات کی تفصیل
۴۵۰	اہل کتاب کی خواہش کہ مسلمانوں کو گمراہ کر دیں	۴۳۷	دعوتِ توحید
	اے اہل کتاب! تم کیوں کفر اختیار کرتے ہو اور حق	۴۳۷	فائدہ
۴۵۱	کو باطل کے ساتھ کیوں ملا تے ہو؟		عامۃ بنی اسرائیل کا کفر اختیار کرنا اور حواریوں کا
۴۵۱	یہودیوں کی ایک مکاری کا تذکرہ	۴۳۸	حضرت عیسیٰ کی مدد کے لئے کھڑا ہونا
۴۵۳	اہل کتاب کی امانت داری اور خیانت کا تذکرہ	۴۳۸	حواری کون تھے؟

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۴۷۲	آیات بینات اور مقام ابراہیم		یہودیوں کا یہ جھوٹ کہ ہمیں اُن پڑھوں کا مال مارنا حلال ہے
۴۷۲	حرم مکہ کا جائے امن ہونا	۴۷۴	جھوٹے فقیروں کا طریق کار
۴۷۳	حج کی فرضیت	۴۷۴	مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ کی تفسیر
۴۷۳	استطاعت کیا ہے	۴۷۵	اللہ تعالیٰ کے عہد کے عوض دنیا کمانے والوں کو تنبیہ
۴۷۴	ترک حج پر وعیدیں	۴۷۶	جھوٹی قسم اور اُس کا وبال
	یہودیوں کی شرارت سے مسلمانوں میں انتشار اور	۴۷۶	بعض اہل کتاب، کتاب اللہ میں تحریف کرتے ہیں
۴۷۵	مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کا حکم!		اور کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے ہے
۴۷۶	اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ کا مطلب	۴۷۸	ہرنبی کی یہ دعوت ہوتی تھی کہ اللہ والے بن جاؤ
	اسلام پر مرنے اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے کا	۴۷۹	رہائی کون ہیں؟
۴۷۶	حکم اور افتراق کی ممانعت	۴۸۰	غیر اللہ کو رب بنانے کی ممانعت
۴۷۷	اللہ تعالیٰ کی نعت کی یاد دہانی	۴۸۰	حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے اللہ تعالیٰ کا عہد لینا
۴۷۷	ضروری تنبیہ	۴۸۱	خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت
۴۷۸	فائدہ	۴۸۲	دین اسلام ہی اللہ کے نزدیک معتبر ہے
۴۷۸	افتراق کے اسباب، اتحاد کا طریقہ	۴۸۳	طَوْغًا وَ كِبْرًا کی تفسیر
	ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے جو خیر کی دعوت	۴۸۴	دین اسلام کے سوا کوئی دین عند اللہ مقبول نہیں
۴۷۹	دیتی ہو، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتی ہو	۴۸۵	مرتدوں اور کافروں کی سزا
۴۸۰	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت		
۴۸۰	اصحاب اقتدار کی غفلت		
	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑنے پر دنیا میں		
۴۸۱	عذاب		
۴۸۲	فائدہ		
۴۸۲	کامیاب کون لوگ ہیں؟		
	دلائل سے حق واضح ہونے کے بعد انحراف کرنے		
۴۸۲	والوں کی سزا		
۴۸۳	قیامت کے دن اہل کفر کی بد صورتی		
۴۸۴	امت محمدیہ کی امتیازی صفات		
۴۸۴	اکثر اہل کتاب فرمانبرداری سے خارج ہیں		
۴۸۵	یہودیوں کی شرارت سے مسلمانوں میں انتشار اور		

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۵۰۰	مسلمانوں کو تسلی	۴۸۵	یہودی موجودہ حکومت
۵۰۱	واقعہ اُحد کی حکمتیں	۴۸۶	بعض اہل کتاب کی تعریف جنہوں نے اسلام قبول کیا
۵۰۱	کیا جنت میں بغیر جہاد اور صبر کے داخل ہو جاؤ گے؟		کافروں کے اموال اور اولاد عذاب سے نہ بچا سکیں گے
۵۰۱	شہادت کی آرزو کرنے والوں سے خطاب	۴۸۶	
	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر پر پریشان ہونے والوں کو تنبیہ	۴۸۸	کافروں کو راز دار نہ بناؤ
۵۰۱		۴۸۸	مسلمانوں کی بد حالی
۵۰۴	مشرک ابی بن خلف کا قتل	۴۸۸	کافروں کو خیر خواہ سمجھنے کی بیوقوفی
۵۰۵	حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا خطاب	۴۸۸	مسلمانوں کی غفلت پر سرزنش
۵۰۵	ہر شخص کو اجل مقرر پر موت آئے گی	۴۸۹	فائدہ
۵۰۶	دور حاضر کے مقررین اور اصحاب جہاد کو تنبیہ	۴۹۰	غزوہ اُحد کا تذکرہ
	انبیاء سابقین علیہم السلام کے ساتھیوں کے مجاہدات اور ان کی دعائیں	۴۹۰	غزوہ اُحد کے موقع پر صحابہ کرامؓ سے مشورہ
۵۰۷		۴۹۲	غزوہ بدر کی فتح یابی کا تذکرہ
۵۰۸	کافروں کی اطاعت نہ کرو	۴۹۳	مدد صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے
۵۰۹	کافروں کے قلوب میں رعب ڈالنے کا وعدہ	۴۹۴	اللہ تعالیٰ کو سب کچھ اختیار ہے
	وہن حق وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہو		سو دکھانے کی ممانعت اور مغفرت خداوندی کی طرف
۵۰۹		۴۹۵	بڑھنے میں جلدی کرنے کا حکم
۵۱۱	غزوہ اُحد میں شکست کے اسباب کیا تھے؟	۴۹۶	جنت کا طول و عرض
۵۱۲	غم پہنچنے میں بھی حکمت	۴۹۷	متقیوں کی بعض صفات
۵۱۲	غم غلط کرنے کے لئے نیند کا غلبہ	۴۹۷	غصہ پینے کی فضیلت
۵۱۳	صحابہؓ کی معافی کا اعلان	۴۹۸	معاف کرنے کی فضیلت
۵۱۳	کافروں کی طرح نہ ہو جاؤ جن کو جہاد میں جانا پسند نہیں	۴۹۸	محسنین اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں
	اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت دنیاوی سامان سے بہتر ہے	۴۹۸	حضرت زین العابدینؓ کا ایک واقعہ
۵۱۴		۴۹۸	توبہ و استغفار کی فضیلت
۵۱۴	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ	۴۹۹	اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی گناہوں کا بخشے والا نہیں ہے
۵۱۴	خوش خلقی کا بلند مرتبہ	۴۹۹	نیک بندوں کا ثواب
۵۱۵	مقامین اور مُرشدین خوش خلقی اختیار کریں	۴۹۹	اُمم سابقہ سے عبرت
۵۱۶	مشورہ کی ضرورت اور اہمیت	۵۰۰	تم ہی بلند ہو گے اگر مؤمن ہو

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۵۴۱	مہاجرین اور مجاہدین کا ثواب	۵۱۶	مشورہ کی شرعی حیثیت
۵۴۲	کافروں کے احوال و اموال دیکھ کر دھوکہ نہ کھائیں	۵۱۷	موجودہ جمہوریت اور اُس کا تعارف
۵۴۲	مستقیوں کا ثواب	۵۱۸	حضرات خلفائے اربعہ <small>ؓ</small> کا انتخاب
۵۴۳	مؤمنین اہل کتاب کا اجر	۵۲۰	اللہ تعالیٰ مدد فرمائے تو کوئی غالب نہیں ہو سکتا
۵۴۳	اہل ایمان کو چند نصیحتیں		جو شخص خیانت کرے گا قیامت کے دن ساتھ لے کر آئے گا
۵۴۶	فائدہ	۵۲۱	اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب اس جیسا نہیں جو ناراضگی کا مستحق ہو
۵۴۷	سورة النساء	۵۲۲	اپنا رسول بھیج کر اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا
۵۴۷	بنی آدم کی تخلیق کا تذکرہ، اور قیوموں کے مال کھانے کی ممانعت	۵۲۳	مسلمانوں کو تسلی اور منافقوں کی بد حالی کا بیان
۵۴۸	حضرت حوا کی تخلیق	۵۲۴	جنگ میں شرکت نہ کرنے سے موت سے چھٹکارہ نہیں ہو سکتا
۵۴۸	اللہ سے ڈرنے کا حکم	۵۲۵	شہداء زندہ ہیں اور خوش ہیں
۵۴۸	صلہ رحمی کا حکم اور قطع رحمی کا وبال		صحابہ <small>ؓ</small> کی تعریف جنہوں نے زخم خوردہ ہونے کے باوجود اللہ اور اس کے رسول <small>ﷺ</small> کا حکم مانا
۵۵۰	اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے	۵۲۷	جو ادگ تیزی کے ساتھ کفر میں گرتے ہیں ان کے عمل سے رنجیدہ نہ ہوں
۵۵۰	اموال یتامی کے بارے میں تین حکم	۵۲۸	اللہ تعالیٰ اچھے اور بُرے لوگوں میں امتیاز فرمائے گا
۵۵۰	یتامی کے اموال دے دو	۵۳۰	جو لوگ بخیل ہیں وہ بخل کو اپنے حق میں اچھا نہ سمجھیں
۵۵۰	یتامی کے اچھے مال کو بُرے مال سے تبدیل نہ کرو	۵۳۱	یہود کی یہودگی اور ان کے لئے عذاب کی وعید
۵۵۰	یتامی کے مال کو اپنے مال میں ملا کر نہ کھا جاؤ	۵۳۲	بر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے
۵۵۱	فائدہ	۵۳۳	کامیاب کون ہے؟
۵۵۱	یتیم بچیوں کے نکاح کرنے کے بارے میں ہدایات	۵۳۴	دنیا دھوکہ کا سامان ہے
۵۵۲	چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت اور عدل کرنے کا حکم	۵۳۵	جانوں اور مالوں میں تمہاری ضرورت آزمائش ہوگی
۵۵۲	فائدہ	۵۳۶	اہل کتاب سے بیٹھا لینا اور ان کا عہد سے پھر جانا
۵۵۳	فائدہ	۵۳۸	عقلمندوں کی صفات اور ان کی دعائیں
۵۵۳	باندیوں سے جماع کرنے کی اجازت	۵۴۱	دعاؤں کی مقبولیت
۵۵۳	کافر قیدیوں کو غلام باندی بنانے میں حکمت		
۵۵۴	فائدہ نمبر (۲)		
	نوکرانیاں باندیاں نہیں ہیں ان سے جماع کرنا حرام		

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۵۶۷	فائدہ	۵۵۴	ہے اور آزاد لڑکے اور لڑکی کو فروخت کرنا بھی حرام ہے
۵۶۷	مسئلہ	۵۵۴	کیسی عورتوں سے نکاح کیا جائے
۵۶۷	مسئلہ	۵۵۵	اچھی بیوی کی صفات
۵۶۷	میراث کے بعض احکام مسئلہ	۵۵۵	نکاح کرنا شرعی ضرورت ہے
۵۶۷	فائدہ	۵۵۵	توت مردانہ زائل کرنے کی ممانعت
۵۶۸	مسئلہ	۵۵۶	عورتوں کے مبراہ کرنے کا حکم
۵۶۸	مسئلہ	۵۵۶	وہ معافی معتبر ہے جو طیب نفس سے ہو
	اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم اور نافرمانی پر وعید	۵۵۷	یتیم بچوں کے مالوں کے بارے میں چند ہدایات
۵۶۸	ضروری مسائل و فوائد متعلقہ میراث	۵۵۹	فائدہ
۵۶۹	احکام متعلقہ مرد و زن جو فواحش کے مرتکب ہوں	۵۶۰	میراث میں مردوں اور عورتوں کے حصے مقرر ہیں
۵۷۰	غیر فطری طریقے پر قضا، شہوت کرنے والوں کی سزا		یتیموں کا مال کھانے پر سخت وعید اور ان کے مالوں کی
۵۷۱	توبہ کی ضرورت اور اس کا طریقہ	۵۶۰	نگرانی کا حکم
۵۷۲	توبہ کی حقیقت	۵۶۲	میراث پانے والوں کے حصوں کی تفصیل
۵۷۲	فائدہ	۵۶۳	فائدہ
۵۷۳	موت کے وقت توبہ قبول نہیں ہوتی	۵۶۳	فائدہ ثانیہ
	جبر و اکراہ کے ساتھ عورتوں کی جان و مال کا وارث بننے کی ممانعت	۵۶۳	بہنوں کو میراث سے محروم کرنا حرام ہے
۵۷۳	عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت کا حکم	۵۶۴	فائدہ
۵۷۵	بیویوں کو جو کچھ دے دیا ہو اسکے واپس لینے کی ممانعت	۵۶۴	میراث میں شوہر اور بیوی کا حصہ
۵۷۶	والد کی بیوی سے نکاح کرنے کی حرمت	۵۶۵	فائدہ
۵۷۷	بن عورتوں سے نکاح حرام ہے ان کا تفصیلی بیان	۵۶۵	اخیا فی بہن بھائی کا حصہ
۵۷۷	محرمات ابدیہ	۵۶۶	یعنی اور علاقائی بہن بھائیوں کا حصہ
۵۷۷	محرمات نسبہ		میراث کے مقررہ حصے اداے دین اور انفاذ وصیت
۵۷۸	محرمات بالرضاع	۵۶۶	کے بعد دیئے جائیں گے
۵۷۸	مسئلہ	۵۶۶	اداے دین انفاذ وصیت سے مقدم ہے
۵۷۸	مسئلہ	۵۶۶	وصیت تہائی مال میں نافذ ہوگی
۵۷۸	مسئلہ	۵۶۷	وصیت کے بعض احکام
۵۷۸	مسئلہ	۵۶۷	مسئلہ

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۵۸۷	باطل طریقے پر مال کھانے کی ممانعت اور تجارت کا اصول	۵۷۹	مسئلہ
۵۸۸	چند غیر شرعی معاملات کا تذکرہ	۵۷۹	مسئلہ
۵۸۹	خودکشی کا گناہ	۵۷۹	مسئلہ
۵۸۹	تکفیر سینات کا وعدہ	۵۷۹	محرمات بالمصاہرہ
۵۹۲	کبیرہ گناہ کون سے ہیں؟	۵۷۹	مسئلہ
۵۹۲	کبیرہ گناہوں کی فہرست	۵۷۹	مسئلہ
۵۹۶	صغیرہ گناہوں کی فہرست	۵۷۹	منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنے کا حکم
۵۹۹	فائدہ	۵۷۸	مسئلہ
	امور غیر اختیاریہ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی آرزومت کرو	۵۸۰	فائدہ
۵۹۹	مولی الموالاة کی میراث	۵۸۰	جمع بین الاختین کی حرمت
۶۰۲	زن اور شہر کے بارے میں چند ہدایات	۵۸۰	فائدہ
۶۰۲	مرد عورتوں پر حاکم ہیں	۵۸۰	فائدہ
۶۰۲	صلوات کی تعریف	۵۸۰	فائدہ
۶۰۳	نافرمان عورتوں کے بارے میں ہدایات	۵۸۱	پیارے نسب
۶۰۴	عورتوں کو مارنے کے بارے میں تنبیہ		جو عورت کسی کے نکاح میں ہو اس سے نکاح کرنے کی حرمت
۶۰۵	میاں بیوی کے درمیان مخالفت ہو جائے تو دو آدمی موافقت کرانے کے لئے بھیجے جائیں	۵۸۱	مہروں کے ذریعہ ازواج طلب کرہ
	والدین، اقربا، پڑوسی، یتیمی، مساکین اور مسافروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم	۵۸۲	نکاح سے غفلت و عصمت مقصود ہے
۶۰۷	پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کا حکم	۵۸۲	متعہ کی حرمت
۶۰۷	غلام باندیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم	۵۸۲	مہر کی ادائیگی کا حکم
۶۰۹	تکبر کی مذمت	۵۸۳	باندیوں سے نکاح کرنے کی اجازت
۶۰۹	منجھنے سے نیچے کپڑا پہننا تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے		اللہ تعالیٰ کو منظور ہے کہ تمہاری توبہ قبول فرمائے اور نفس کی خواہشوں کے پیچھے چلنے والے تمہیں راہ حق سے ہٹانا چاہتے ہیں
۶۱۰	تکبر کے چند شعبے	۵۸۵	احکام شرعیہ میں انسانی کمزوریوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے
۶۱۱	نجل کی مذمت	۵۸۶	شہوت پرستوں کا طریق کار
		۵۸۶	حیا و شرم انبیاء کرام علیہم السلام کے اخلاق عالیہ میں سے ہیں

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۶۲۴	سود کھانا اور سود کا کتب اور گواہ بننا	۶۱۱	ریا کاری کے طور پر مال خرچ کرنے کی مذمت
۶۲۴	رشوت کا لینا دینا اور اس کا واسطہ بننا	۶۱۲	اللہ تعالیٰ ذرہ بھر بھی ظلم نہ کرے گا
۶۲۴	ضرورت کے وقت غلہ روکنا	۶۱۳	قیامت کے دن ہر امت کے ساتھ ایک گواہ ہوگا
۶۲۴	جاندار چیز کو تیر اندازی کا نشانہ بنانا	۶۱۳	قیامت کے دن کافروں کی آرزو کہ کاش زمین کا پیوند ہو جاتے
۶۲۴	مردوں کو زنانہ پن اور عورتوں کو مردانہ وضع اختیار کرنا	۶۱۴	حالت نشہ میں نماز پڑھنے کی ممانعت
۶۲۴	مردوں کو عورتوں کا اور عورتوں کو مردوں کا لباس پہننا	۶۱۴	تیمم کے مسائل
۶۲۴	کسی مرد یا عورت سے اغلام کرنا سبب لعنت ہے	۶۱۶	تیمم کا طریقہ
۶۲۵	عورتوں کا بالوں میں بال ملانا اور گودوانا	۶۱۷	یہودیوں کی شرارت اور شقاوت
۶۲۵	عیب چھپا کر بیچ دینا	۶۱۸	یہود کا ملعون ہونا
۶۲۵	غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا اور زمین کی حد بندی کی نشانی چرانا	۶۱۹	شرک بہت بڑا گناہ ہے اور مشرک کی بخشش نہیں ہوگی
۶۲۵	نامحرم مرد و عورت کا دیکھنا اور دکھانا موجب لعنت ہے	۶۱۹	مشرکوں کے علاوہ دوسرے کافروں کی بھی بخشش نہ ہوگی
۶۲۵	نسب بدلنا	۶۲۰	یہودیوں کی مذمت جو اپنے کو پاکیزہ بتاتے تھے
۶۲۶	مُحْلِلٌ اور مُحْلِلٌ لَہ	۶۲۱	تزکیہ نفس کی ضرورت و اہمیت
۶۲۶	نامینا کو غلط راستہ پر ڈال دینا اور والدین کو تکلیف دینا	۶۲۱	اپنی تعریف کرنے کی ممانعت
۶۲۶	پیسے کا غلام بننا	۶۲۱	تحدیث بالنعمة کی اجازت
۶۲۷	یہودیوں کو بغض اور حسد کھا گیا	۶۲۱	یہودیوں کی جسارت جنہوں نے شرک کو توحید سے افضل بتا دیا
۶۲۷	آل ابراہیم کو اللہ نے کتاب اور حکمت اور ملک عظیم عطا فرمایا	۶۲۲	حب اور طاغوت کا معنی
۶۲۸	کافروں کو دوزخ میں سخت عذاب، کھالوں کا بار بار جلنا اور بار بار نئی کھال پیدا ہونا اور اہل ایمان کا جنتوں میں عیش کرنا	۶۲۲	شراب کے بارے میں دس آدمیوں پر لعنت
۶۲۹	امانت کی ادائیگی اور فیصلوں میں انصاف کا حکم	۶۲۳	مسلمان کو نقصان پہنچانا یا اس کے ساتھ مکاری کرنا
۶۳۰	امانتوں کی تفصیل	۶۲۳	تقدیر کو جھٹلانا اور کتاب اللہ میں کچھ بڑھا دینا
۶۳۱	امانتداری ایمانی تقاضوں میں سے ہے	۶۲۳	عورتوں کا قبروں پر جانا اور وہاں چراغ جلانا
۶۳۱	اداروں کے اموال کی حفاظت میں امانتداری	۶۲۳	نوحہ کرنے والی اور نوحہ سننے والی پر لعنت
۶۳۲	نا اہلوں کو عہد دے دینا خیانت ہے	۶۱۳	شوہر کی نافرمانی
۶۳۳	کام پورا نہ کرنا اور تنخواہ پوری لینا خیانت ہے	۶۲۴	حضرات صحابہ کرامؓ کو برا کہنا

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۶۳۵	جانوں کے قتل کرنے اور گھروں سے نکلنے کا حکم ہوتا تو تھوڑے افراد عمل کرتے	۶۳۳	مجلس امانت کے ساتھ ہیں
۶۳۷	اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرنے والوں کے لئے بشارت عظیمہ	۶۳۳	مشورہ دینا امانت ہے
۶۳۷	جس سے محبت ہو اسی کے ساتھ ہوں گے	۶۳۳	بلا اجازت کسی کے گھر میں نظر ڈالنا خیانت ہے
۶۳۸	حضرت ربیعہ بن کعب کا واقعہ	۶۳۴	عدل و انصاف کا حکم
۶۳۹	جنت کے بالا خانے	۶۳۴	قرآن وحدیث کی خلاف فیصلے ظالمانہ ہیں
۶۵۰	و شمنوں سے ہوشیار رہنے اور قتال کرنے کا حکم	۶۳۴	ظالمانہ فیصاوں کی وجہ سے مصائب کی کثرت
۶۵۱	منافقوں کا طرز عمل	۶۳۵	تقویٰ کے بغیر انصاف نہیں ہو سکتا
۶۵۱	جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت	۶۳۵	انصاف کے فیصلے کرنے والوں کے لئے بشارت اور ظالموں کی ہلاکت
۶۵۲	قتال کے دواعی ہوتے ہوئے قتال کیوں نہیں کرتے؟	۶۳۶	حاکموں کو ضروری تنبیہ
۶۵۳	مؤمن اور کافر کی جنگ میں نیتوں کا فرق	۶۳۶	حاکم کیسے شخص کو بنایا جائے؟
۶۵۳	قتال سے پہلو تہی کرنے والوں کا تذکرہ	۶۳۷	اللہ تعالیٰ کی نصیحت قبول کرنے میں خیر ہے
۶۵۴	حُب و نیا بزولی کا سبب ہے	۶۳۸	اللہ اور رسول اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم اور امور متنازعہ میں کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنا فرمان
۶۵۵	تم جہاں کہیں بھی ہو گے موت پکڑ لے گی	۶۳۹	اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی فرمانبرداری نہیں ہے
۶۵۵	منافقوں اور یہودیوں کی احمقانہ باتیں	۶۳۹	أُولُو الْأَرْحَامِ سے کون مراد ہیں؟
۶۵۶	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے	۶۴۰	رفع تنازع کے لئے کیا کیا جائے؟
۶۵۷	فتنہ انکار حدیث پر ایک نظر	۶۴۰	مسلم حکومتوں کا غلط طریق کار
۶۵۷	آپ کا کام صرف ابلاغ ہے	۶۴۰	بدعت اور سنت ہونے کا معیار
۶۵۸	منافقین کی ایک عادت بد کا تذکرہ	۶۴۱	ایک منافق کا واقعہ جو یہودی کے پاس فیصلہ لے گیا
۶۵۸	قرآن میں تدبیر کرنے کی ترغیب	۶۴۲	غیر اسلامی قانون کا سہارا لینے والے کی مذمت
۶۵۸	قرآن میں تدبیر کرنے کے اہل کون ہیں؟	۶۴۲	منافق مذکور کے قبیلہ والوں کی غلط تاویلیں
۶۵۹	تفسیر بالرائے کی قباحت	۶۴۳	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اطاعت ہی کیلئے ہے
۶۵۹	حضرت صدیق اکبرؓ کی احتیاط	۶۴۳	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو دل و جان سے قبول کئے بغیر مؤمن نہ ہوں گے
۶۶۰	مفسر کی ذمہ داریاں	۶۴۵	دور حاضر کے لوگوں کی بد حالی
۶۶۰	بے پڑھے مفسرین کو تنبیہ		

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۶۷۰	مسئلہ	۶۶۱	غیر محقق بات کو پھیلانے کی مذمت اور خبروں کو اہل علم تک پہنچانے کی اہمیت
۶۷۰	مسئلہ	۶۶۱	منافقین کی عادت بد کا تذکرہ
۶۷۰	مسئلہ	۶۶۲	اللہ کا فضل اور رحمت
۶۷۰	مسئلہ	۶۶۲	فائدہ (۱)
۶۷۰	مسئلہ	۶۶۲	فائدہ (۲)
۶۷۰	مسئلہ	۶۶۳	اللہ کی راہ میں قتال کیجئے، اہل ایمان کو ترغیب دیجئے
۶۷۰	مسئلہ	۶۶۳	اچھی سفارش کا ثواب اور بُری سفارش کا گناہ
۶۷۰	مسئلہ	۶۶۴	مسئلہ
۶۷۰	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ قیامت کے دن سب کو جمع فرمائے گا	۶۶۵	فائدہ
۶۷۱	منافقوں اور دشمنوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے	۶۶۵	مسئلہ
۶۷۳	قتلِ خطا کے مسائل	۶۶۵	سلام اور جواب سلام کے احکام و مسائل
۶۷۴	دیت اور کفار و ادا کرنے کا حکم	۶۶۶	سلام کی ابتداء
۶۷۴	غلام آزاد کرنا یا دو ماہ کے روزے	۶۶۶	ان کلمات کا تذکرہ جو غیر اقوام کے یہاں ملاقات کے وقت استعمال کئے جاتے ہیں
۶۷۵	تنبیہ	۶۶۶	سلام کی کثرت محبوب ہے
۶۷۵	مسائل متعلقہ دیت: مسئلہ	۶۶۷	راستہ کے حقوق
۶۷۵	مسئلہ	۶۶۷	کسی مجلس میں یا کسی گھر میں جائیں تو سلام کریں
۶۷۶	مسئلہ	۶۶۷	اپنے گھر والوں کو سلام
۶۷۶	مسئلہ	۶۶۷	ابتداء بالسلام کی فضیلت
۶۷۶	مسئلہ	۶۶۹	چند مسائل
۶۷۶	مسئلہ	۶۶۹	مسئلہ
۶۷۶	مسئلہ	۶۶۹	مسئلہ
۶۷۶	مسئلہ	۶۶۹	مسئلہ
۶۷۶	قتلِ شبہ عم	۶۶۹	مسئلہ
۶۷۷	مسئلہ	۶۶۹	مسئلہ
۶۷۷	مسئلہ	۶۶۹	مسئلہ

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۶۹۱	مسافر اگر پوری چار رکعت پڑھ لے؟	۶۷۷	قتل کی کچھ اور صورتیں
۶۹۳	صلوٰۃ الخوف کا طریقہ اور اس کے بعض احکام	۶۷۷	مسئلہ
۶۹۴	مسئلہ	۶۷۷	مسئلہ
۶۹۴	مسئلہ	۶۷۷	مسئلہ
۶۹۵	فی سبیل اللہ نماز روزہ اور ذکر کا ثواب	۶۷۷	فائدہ
۶۹۵	مسئلہ	۶۷۸	کسی مؤمن کو قصد قتل کرنے کا گناہ عظیم
۶۹۵	دشمنوں کا پیچھا کرنے میں سستی نہ دکھاؤ	۶۷۹	فائدہ
۶۹۶	اگر تم دکھ پاتے ہو تو دشمن بھی تو تکلیف اٹھاتے ہیں	۶۸۰	مسئلہ
۶۹۸	ایک منافق کا چوری کرنا اور اس کی طرف سے دفاع کرنے پر چند تنبیہات	۶۸۰	مسئلہ
۶۹۹	منکر بن حدیث کی تردید	۶۸۰	مسئلہ
۶۹۹	خیانت کرنے والوں کی طرفنداری کی ممانعت	۶۸۰	جو شخص اپنا اسلام ظاہر کرے اسے یوں نہ کہو کہ تو مؤمن نہیں
۷۰۰	اپنا جرم کسی دوسرے پر ڈالنے کی مذمت اور اس پر وعید	۶۸۱	فائدہ (۱)
۷۰۱	فائدہ	۶۸۲	فائدہ (۲)
۷۰۱	کون سے مشوروں میں خیر ہے؟	۶۸۳	فائدہ (۳)
۷۰۱	صلح کرادینے کی فضیلت	۶۸۴	محابدین اور قاعدین برابر نہیں
۷۰۲	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف راہ اختیار کرنا	۶۸۴	وَكُنْ لَّآ وَعَدَ اللّٰهُ الْخُسْفٰی
۷۰۲	داخلہ دوزخ کا سبب ہے	۶۸۴	فائدہ
۷۰۲	اجماع امت بھی حجت ہے	۶۸۴	کافروں کے درمیان رہنے والوں کو تنبیہ
۷۰۳	گمراہوں کی ایک جاہلانہ بات کی تردید	۶۸۶	یورپ اور امریکہ جا کر بسنے والے اپنے دین و ایمان اور اعمال کی فکر کریں
۷۰۳	مشرکین کی بخشش نہیں وہ دُور کی گمراہی میں ہیں	۶۸۷	فی سبیل اللہ ہجرت کرنے والوں کے لئے وعدے
۷۰۳	فائدہ	۶۸۸	ہجرت کا ثواب
۷۰۴	مشرکین مورتیوں کی پوجا کرتے ہیں اور شیطان کے فرمانبردار ہیں	۶۸۸	اصل ہجرت یہ ہے کہ گناہ چھوڑ دیئے جائیں
۷۰۵	تغییر خالق اللہ	۶۸۹	انصار مدینہ کا بے مثال عمل
۷۰۶	شیطان جھوٹے وعدے کرتا ہے اور آرزوؤں پر ڈالتا ہے	۶۹۰	سفر میں نماز قصر پڑھنے کا بیان
		۶۹۱	سفر میں سنتیں پڑھنے کا حکم

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۷۱۸	گواہیوں اور فیصلوں میں رشتہ داریوں کو نہ دیکھا جائے	۷۰۷	اہل ایمان کے لئے بشارت اور آزمائشوں پر بھروسہ کرنے کی ممانعت
۷۱۸	اسلام ظلم کا ساتھی نہیں	۷۰۸	برے اعمال کا بدلہ ملے گا
۷۱۹	اللہ پر اور اس کے رسولوں اور کتابوں فرشتوں اور یوم آخرت پر ایمان لانے کا حکم	۷۰۹	مؤمنین مؤمنات کے لئے بھرپور ثواب
۷۲۰	عزت اللہ ہی کے لئے ہے	۷۰۹	محسنین کی تعریف
۷۲۲	کافروں کی مجلس میں بیٹھنے کی ممانعت اور منافقین کی دوغلی باتوں کا تذکرہ	۷۱۱	یتیم بچوں اور یتیموں کے حقوق کی نگہداشت کا حکم
۷۲۵	منافقوں کی چال بازی اور امور دینیہ میں کسل مندی کا تذکرہ اور مسلمانوں کو حکم کہ کافروں کو دوست نہ بنائیں	۷۱۲	میاں بیوی کا آپس میں صلح کر لینا، اور بیویوں میں انصاف کرنا
۷۲۶	فائدہ	۷۱۵	آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے، وہ غنی اور حمید ہے، سمیع اور بصیر ہے
۷۲۷	فائدہ	۷۱۶	سچی گواہی دینے اور انصاف پر قائم رہنے کا حکم
		۷۱۸	فائدہ
		۷۱۸	فائدہ





کی

سورۃ الفاتحہ

۷ آیتیں اور ۱ رکوع

ایات ۷ (۱) سورۃ الفاتحہ (۵) رکوع ۱

سورۃ الفاتحہ کا یہ میں نازل ہوئی اس میں سات آیتیں ہیں اور ایک رکوع ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا: ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ۝ إِيَّاكَ

سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے سارے جہانوں کا۔ جو سب سے بڑا مہربان بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ مالک ہے روز جزا کا۔ ہم تیری ہی

نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ

عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، چار ہم کو سیدھے راستہ پر۔ جو ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر تُو نے

عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝

انعام فرمایا، جن پر غصہ نہیں کیا گیا اور جو گمراہ نہیں ہیں۔

سورۃ فاتحہ کے اسماء اور فضائل سورۃ فاتحہ کی ہے، بعض علما نے اسے مدنی بھی کہا ہے اور بعض علما نے تفسیر نے فرمایا کہ یہ سورت دو بار نازل ہوئی ہے ایک بار مکہ میں اور ایک بار مدینہ میں، اس سورت کے بہت سے نام ہیں سب سے زیادہ مشہور نام الفاتحہ ہے۔ تفسیر اتقان میں پچیس (۲۵) نام ذکر کئے ہیں، جن میں چند نام یہ ہیں: ۱۔ فاتحۃ الکتاب، ۲۔ فاتحۃ القرآن، ۳۔ ام الکتاب، ۴۔ ام القرآن، ۵۔ أوسع المثانی، ۶۔ سورۃ المناجاة، ۷۔ سورت اللہ، ۸۔ سورۃ الحمد، ۹۔ سورۃ الشکر۔

سورۃ حجر میں فرمایا ہے: وَلَقَدْ أَنْبَأْتَكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنِ الْعَظِيمِ

(اور ہم نے آپ کو سات آیتیں دیں، جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم ویا)۔

السبع (سات) اس لئے فرمایا کہ اس میں سات آیات ہیں اور مشائی اس لئے فرمایا کہ یہ سورت بار بار پڑھی جاتی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ص ۶۳۲ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کا نام ام الکتاب اس لئے رکھا گیا کہ یہ مصاحف میں بالکل شروع میں لکھی جاتی ہے اور نماز میں بھی اسی سے قرأت شروع کی جاتی ہے اور سورۃ فاتحہ کی یہ بھی بہت بڑی فضیلت ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔

احادیث شریفہ میں سورۃ فاتحہ کی بہت سی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں، صحیح بخاری ص ۶۳۲ ج ۲ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

سورۃ فاتحہ اعظمہ سورۃ فی القرآن (یعنی قرآن کی تقسیم ترین سورت) فرمایا سنن ترمذی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ فاتحہ کے بارے میں فرمایا کہ اللہ کی قسم اس جیسی سورت نہ تو ریت میں اُتاری گئی نہ انجیل میں نہ زبور میں نہ قرآن میں۔ (باب مساجد فی فضل فاتحۃ الکتاب)۔ حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ فاتحہ کو افضل القرآن بتایا۔ (دہشتہ ص ۵ ج ۱) فضل احادیث میں سورۃ فاتحہ کو وہ بتائی قرآن کے برابر فرمایا ہے۔ (درمنثور ص ۵ ج ۱)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چار چیزیں اُس خزانہ سے اُتاری گئی ہیں جو عرش کے نیچے ہے ان چار کے علاوہ اس میں سے کوئی چیز نہیں اُتاری گئی۔ (۱) اُم الکتاب، (۲) آیۃ الکرسی، (۳) سورۃ بقرہ کی آخری آیت۔ (۴) سورۃ دھر۔ (درمنثور ص ۵ ج ۱) منظر انبیاء علیہم السلام فی اختارہ

حضرت جابر تابعی نے فرمایا کہ انیس ماعون چار مرتبہ روزانہ ایک تو اس وقت روز یا جب سورۃ فاتحہ نازل ہوئی، دوسرے اُس وقت جب وہ مہون قرار دیا، تیسرے جب زمین پر اُتار لیا، چوتھے جب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اُس کو سونپ دیا۔ (درمنثور ص ۵ ج ۱)

صحیح مسلم (ص ۱۲ ج ۱) میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام فرمایا اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجے ہوئے تھے کہ آسمان کی طرف سے ایک آواز سن، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور کہا کہ یہ آسمان کا ایک دروازہ کھولا گیا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا تھا، ایک فرشتہ نازل ہوا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ ایک فرشتہ ہے جو آج سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اُترا، اس فرشتہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور عرض کیا کہ آپ خوش خبری سن لیجئے، بدو در آپ کو ایسے ملے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں ملے۔ (۱) فاتحۃ الکتاب، (۲) سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتیں (ان میں دعا ہے اور چونکہ یہ دعا اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی ہے اس لئے مقبول ہے) ان دونوں میں سے جو بھی چاہو آپ تلاوت کریں گے اللہ تعالیٰ ضرور آپ کا سوال پورا فرمائیں گے۔

تفسیر القرآن میں ہے کہ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ سورۃ فاتحہ میں (ایمانی طور پر) قرآن شریف کے تمام مقاصد اور مضامین جمع کر دیئے ہیں یہ سورت مطلع القرآن ہے اور یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ یہ سورت پورے قرآن شریف کے لئے براءت استنبال کا حکم رکھتی ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ قرآن شریف اور تمام آسمانی ادیان چار علوم پر مشتمل ہیں۔ اول: علم الاعداد جس میں تین چیزیں ہیں (۱) اللہ پاک کی ذات و صفات و جاننا، اسکی طرف سورۃ فاتحہ میں شروع کی دو آیتوں میں اشارہ ہے۔ (۲) نبوت و رسالت، اس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ ہے۔ (۳) قیامت، اس کی طرف صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ ہے۔ دوم: علم العبادات، اس کی طرف ابراہیم علیہ السلام نے اشارہ ہے۔ سوم: علم الساکین یعنی نفس کو داب شرع کا پابند بنانا اور احکام خداوندی کی فرمانبرداری پر آمادہ کرنا اس کی طرف واثق بن عبد اللہ بن مسعودؓ میں اور ابوداؤد السمرطیؓ المستفیض میں اشارہ ہے۔ چہارم: علم القصد یعنی گزشتہ امتوں کے واقعات، ان واقعات سے یہ فرض ہے کہ فرماں برداروں کی سعادت و کامیابی اور نافرمانوں کی بدبختی و بربادی معلوم کر کے ہیرت حاصل کی جائے اس مقصد کی طرف صراط اللہ تعالیٰ علیہم غفر اللہ عنہم ولا الضالین میں اشارہ ہے۔

مسلم شریف (ص ۱۲ ج ۱) میں ہے کہ آنحضرت فرمایا اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: میں نے نماز کو (یعنی نماز کے اہم ترین حصہ کو) اپنے اور بندہ کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر دیا ہے اور بندہ جو ہدال کرے اس کے لئے وہی ہے (اسکے بعد اس تقسیم کی تفصیل اس طرح بیان فرمائی کہ) جب بندہ کہتا ہے الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ خبیدنی عیدنی (یعنی میرے بندہ نے میری تعریف کی) پھر جب وہ کہتا ہے الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ائسنی علی

عبدی (یعنی میرے بندہ نے میری بڑائی بیان کی) پھر جب وہ کہتا ہے: **يَوْمَ الدِّينِ** تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **فَجَذَبْنِي غَبْدِي** (یعنی بندہ نے میری بزرگی بیان کی) پھر جب وہ کہتا ہے: **إِنَّا لَبِئْسَ لَكَ تَسْبِيحٌ** تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان ہے اور میرا بندہ جو سوال کرے اس کے لئے وہی ہے۔ (یہ آیت اللہ تعالیٰ اور بندہ کے درمیان ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں جہاں بندہ نے اپنی بندگی کا اعلان اور اقرار کیا اور مدد مانگنے کے لئے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کو خاص کر لیا اور مان لیا اور اس طرح خود کو رحمت و نعمت کی نوازش کے قابل بنالیا، ہاں اس نے بلا شرکت غیرے اللہ پاک کی عبودیت کا بھی اعلان کیا اور یہ بھی مانا اور جانا اور دوسروں کو بتایا کہ جس سے مدد مانگی جائے وہ صرف اللہ پاک رؤف و رحیم، احد و صمد ہے جو سب کچھ دے سکتا ہے اور جس کے سبب محتاج ہیں اور جس کے قبضہ میں ہر چیز ہے اور جس کسی کے پاس قلیل و کثیر جو کچھ بھی ہے سب اسی کا دیا ہوا ہے) پھر جب بندہ کہتا ہے: **إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ** صراطِ الذِّینِ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ **ذُ** غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ **وَلَا الضَّالِّينَ** تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ میرے بندہ کے لئے ہے اور میرا بندہ جو سوال کرے اس کے لئے وہی ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے اور بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

تعوذ اور تسمیہ کا بیان..... جب قرآن مجید کی تلاوت شروع کی جائے تو اوّل **أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ** پڑھا جائے۔ سورۃ نحل میں ارشاد ہے: **فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ** (سو جب تو قرآن پڑھنا شروع کرے تو اللہ کی پناہ مانگ لے شیطان مردود سے) اور اس کے بعد **بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ** پڑھا جائے۔

جب کسی مکان میں رہنے کا ارادہ کیا جاتا ہے تو اس کو تکلیف دینے والی چیزوں سے صاف ستھرا کرتے ہیں پھر اس کو نہایت دیتے ہیں یعنی رنگ و روغن کرتے ہیں۔ اسی طرح سے جب تلاوت شروع کریں تو پہلے اپنے دل کو شیطان مردود کے وسوسوں سے پاک کریں اس کے لئے **أَعُوذُ بِاللّٰهِ** (آخر تک) پڑھی جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر دل کو مزین کریں۔ نماز میں سب سے پہلے سورۃ فاتحہ پڑھی جاتی ہے اور اس کو شروع کرنے سے پہلے دل کو شیطانی وسوسوں سے صاف کیا جاتا ہے اور اللہ کے نام سے دل کو مزین کیا جاتا ہے۔ جب آدمی نماز شروع کرے تو ان چیزوں سے ذہن فارغ کر لے جن میں شیطان لگائے رہتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل بنانے والی ہیں۔ سورۃ فاتحہ کے علاوہ بھی جب بھی کوئی سورت شروع کرے۔ **بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ** پڑھے، البتہ سورۃ انفال ختم کر کے سورۃ برأت شروع کرے تو **بِسْمِ اللَّهِ** نہ پڑھے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک **بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ** قرآن شریف کی ایک آیت ہے جو سورتوں کے درمیان فصل کرنے کے لئے نازل کی گئی ہے لیکن سورۃ فاتحہ یا اس کے علاوہ کسی دوسری سورت کا جزو نہیں ہے، البتہ سورۃ نمل کے دوسرے رکوع میں جو ایک جگہ **بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ** ہے وہ سورۃ نمل کا جزو ہے، ساری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ سورۃ فاتحہ میں سات آیات ہیں جو حضرات **بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ** کو سورۃ فاتحہ کا جزو مانتے ہیں؛ وہ اس کو ایک آیت شمار کرتے ہیں اور **الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ** سے لے کر ختم سورت تک چھ آیات شمار کرتے ہیں (حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے) اور جن ائمہ اور قراء کے نزدیک **بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ** سورۃ فاتحہ کا جزو نہیں ہے ان کے نزدیک **غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ** ساتویں آیت

ہے۔ (محکم دلائل صفحہ ۳۹ ج ۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر قسم کے علم نہ دیا گیا تھا جب تک کہ بنسبح اللہ الرحمن الرحیم نازل نہ ہو جاتی تھی جب بنسبح اللہ الرحمن الرحیم کو نزول ہوا تو آپ سمجھ لیتے تھے کہ ہر قسم کے علم اور اب نئی صورت شروع ہو رہی ہے۔ (در منثور صفحہ ۱)

تفسیر - عالم ائمہ میں (ج ۳ صفحہ ۱) میں لکھا ہے کہ بنسبح اللہ الرحمن الرحیم ہر صورت کے شروع میں دونا اللہ پاک کی طرف سے بندوں کو تعلیم ہے کہ قرأت سے پہلے اس کو پڑھیں اور قرأت شروع کرنے کا ادب جان لیں۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے خاص ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے

سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں اول کی تین آیات میں اللہ پاک کی تعریف اور اسماءات اور اللہ پاک کی بڑی بڑی صفات ذکر کی گئی ہیں جو دیگر صفات کا ایک کوا بھی شامل ہیں۔

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں۔ اس دونوں کو واضح اور ثابت کرنے میں مذکورہ صفات کو بڑا دخل ہے یعنی جو اسماءات پاک ایسی ایسی صفات سے متصف ہے ظاہر ہے کہ ہر تعریف کی مستحق ہے۔ جتنی تعریفیں آج تک دی گئی ہیں یا آئندہ دنیا و آخرت میں دیوں گی اور حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہیں جو اللہ تعالیٰ کی تعریف کسی نے کی ہے یا آئندہ ہوگی کرے گا اس کا اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہوگا تو ظاہر ہے اور تعریفیں اس کی مخلوق کی کی جاتی ہیں یا آئندہ دی جائیں گی یا گزشتہ تمام زمانوں میں دی چکی ہیں وہ بھی درحقیقت اللہ پاک کی ہی تعریفیں ہیں کیونکہ ہر صاحب کمال کو اس نے وجہ و بنیاد ہے اور کمال سے نوازا ہے اور کمال اور صاحب کمال کی پرورش فرمائی ہے اور اپنی رحمت سے ان کمالات کو برقی کرنا ہے لہذا میں ام اختصا اور امتیاز کے لئے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو حقیقی اور مستحق حمد اللہ تعالیٰ ہی ہے اگر کوئی اللہ کی حمد نہ کرے تو اس کی حمد و ست حقیقیہ میں ذرا فرق نہیں آتا۔

رَبُّ الْعَالَمِينَ کا معنی اور مطلب عربی زبان میں بمعنی مالک بمعنی آتا ہے اور بمعنی پروردگار (پالنے والا) بھی آتا ہے۔ (محکم دلائل) یہاں دونوں معنی درست ہیں۔ اللہ پاک تمام جہانوں کے مالک ہیں اور پالنے والے بھی۔ الْعَالَمِينَ عالم کی جمع ہے عالم (بروزن فاعل الفتح الحین) علم سے لیا گیا ہے۔ عربی قاعدہ کی رو سے فاعل کا وزن ماضی استحقاق کے آگے کے لئے آتا ہے۔ عالم کا مادہ و استحقاق علم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق عالم ہے اس لئے کہ اپنے خالق (پیدا کرنے والے) کے علوم دہنے کا ذریعہ ہے۔ یوں تو ساری مخلوق بحیثیت مخلوق کے ایک عالم ہے لیکن مخلوق کی بے شمار قسمیں ہیں۔ ہر قسم کو علیحدہ علیحدہ عالم قرار دیکر جمع (عالمین) لائی گئی ہو گی اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ خدائے پاک کے جاننے اور پہچاننے کے لئے ایک عالم (بلکہ اس کا ایک ذریعہ بھی) کو کافی ہے لیکن عالم اتنے زیادہ اور بے شمار ہیں کہ ان کو دیکھ کر اگر کوئی کورتہ فخر و بد باطن خدائے پاک کو نہ پہچانے تو اس کی حروی و بد نصیبی و جہالت اور حماقت کے سوا اور کیا ہے۔ ہر جہ جس کو ایک عالم بتا کر اللہ پاک کو سب عالموں کا رب بتانے میں ان شرکوں اور جاہلوں کی بھی ترویج ہے جو بعض مخلوقات کو جدا دانتے ہیں اور ان کو چھوڑ کر مخلوق و مملوک کے سامنے جہنم نیاز رکھتے ہیں۔ مقاتل بن حبان نے فرمایا کہ عالم اتنی ہزار ہیں چالیس ہزار ہشتی ہیں۔ ہر ایک میں ہزار ہزار نور ہیں۔

حضرت وہب بن منبہؓ نے فرمایا کہ عالموں کی تعداد اٹھارہ ہزار ہے لیکن صحیح بات وہ ہے جو جناب کعب الاحبارؓ نے فرمائی کہ عالموں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا انہوں نے اپنے استدلال میں یہ آیت تلاوت فرمائی۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ط۔ (عالم انجیل ص ۱۰۰)۔

اللہ جل شانہ سارے جہانوں کا خالق بھی ہے اور مالک بھی اور پرورش کرنے والا بھی اس نے صرف وجود ہی نہیں دیا بلکہ مخلوق کو زندہ رکھنے کے اسباب بھی پیدا فرمائے۔ وہ رزق بھی دیتا ہے کھلاتا پلاتا بھی ہے ہر فرد تک رزق پہنچاتا ہے۔ جب کھانے والا رزق کھا لیتا ہے تو وہ اس رزق کو پہنچاتا ہے۔ جس سے جسم بڑھتا ہے خون پیدا ہوتا ہے رگوں میں دوڑتا ہے اور یہ سب بتائے حیات کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ جتنے بھی اسباب معاش ہیں اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمائے ہیں، ان سب سے شان ربو بیت اچھی طرح واضح ہوتی ہے۔ نئی نئی تحقیقات سے اجسام کے پلنے بڑھنے کے جو راز منکشف ہوئے ہیں انسانی عقل و شعور کے لئے بہت حیرت ناک ہیں۔ زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں کو دیکھا جائے۔ طرح طرح کے غلے پھل اور میوے مختلف ہنریاں ترکاریاں وجود میں آ رہی ہیں انسان اور جانوران کو کھاتے ہیں اور پرورش پاتے ہیں۔ جس کا جو رزق مقرر ہے وہ اس کو ضرور پہنچ کر رہتا ہے ایک بڑا عظیم کی پیدا شدہ چیزیں دوسرے بڑا عظیم کے اوگ کھا کر اور استعمال کر کے جی رہے ہیں۔

پالنے کے منہبوم میں صرف جسمانی غذا کی ہی نہیں آتیں بلکہ ہر وہ چیز آ جاتی ہے جو زندگی اور بقا کا ذریعہ ہو۔ اجسام کی پرورش کے ساتھ روح کی پرورش بھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو زندگی کے لئے اصل چیز ہے اور جو معیشت کے آلات اور اسباب ہیں اور جو جسم کے اعضا، اور جو ارح ہیں یہ سب پرورش کا ذریعہ ہیں۔

الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ مَلِكٍ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝

بہت بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ روز جزا کا مالک ہے۔

الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ: یہ دونوں مباحذ کے صیغے ہیں رحم سے مشتق ہیں، بعض علماء کا قول ہے کہ: دونوں کا ایک معنی ہے اور اکثر علماء یہ فرماتے ہیں کہ رَحْمٰن میں رحیم سے زیادہ مبالغہ ہے چونکہ دونوں ہی مبالغہ کے صیغے ہیں اس لئے ہر ایک کے ترجمہ میں معنی مبالغہ کا خیال رکھا جاتا ہے۔ رَحْمٰن اللہ پاک کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے اور رحیم اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کی مخلوق کے لئے بھی استعمال ہو سکتا ہے کما قال تبارک وتعالیٰ فی شان نبیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَوْقٌ رَحِيْمٌ ط۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ کا برابر مظاہرہ ہوتا رہتا ہے وہ ساری مخلوق پر رحم فرماتا ہے، سب کا وجود اور بقا آرام و سکون سب اسی کی رحمت سے ہے۔

مَلِكٍ يَوْمَ الدِّيْنِ: دین جزا اور بدلہ کو کہتے ہیں یَوْمَ الدِّيْنِ بدلہ کا دن، اس سے قیامت کا روز مراد ہے۔ اس روز خیر و شر کے بدلوں کا فیصلہ ہوگا ہر شخص اپنے اپنے عمل کا نتیجہ پائے گا۔ اللہ پاک کے رحم و کرم کے سوا کوئی راستہ جان چھونے کا نہ ہوگا اگر کوئی۔ غبارش کرنا چاہے گا تو بغیر اجازت مالک یوم الدین جل مجدہ۔ غبارش نہیں کر سکے گا، اس روز کسی کی مجازی حکومت و حاکمیت بھی نہ ہوگی۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی شَآنَهُ الْمَلِكُ يَوْمَ الْحَقِّ لِلرَّحْمٰنِ وَقَالَ جَلَّ جلاله لِمَنْ الْمَلِكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ وَقَالَ عَزَّاسْمه يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ط وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلّٰهِ۔ اللہ تعالیٰ شانہ صرف قاضی یوم الدین ہی نہیں بلکہ مَلِكٌ یوم الدین بھی ہے۔ بعض مرتبہ دنیا میں ایسا ہوتا ہے کہ قاضی (جج) فیصلہ تو کرتا ہے مگر ملک اور قانون کا مالک نہیں ہوتا۔ بادشاہ ملک یا مجلس قانون ساز

کے مرتب کردہ دستور کا پابند ہوتا ہے اور اسی کے دائرہ قانون میں فیصلہ کرتا ہے۔ اللہ جل شانہ مالک الملک ہے، قاضی روز جزا ہے اور مالک روز جزا بھی۔ اس پر کسی کا کوئی قانون اور کوئی حکم لاگو نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ رد نہیں ہو سکتا، اس کے خلاف اپیل نہیں ہو سکتی..... وہاں دنیا کے حاکموں اور فیصلے کرنے والوں کے فیصلے بھی ہوں گے اور جانوروں تک نے جو ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی کی تھی اس کا بھی فیصلہ ہوگا۔ دنیا کے بادشاہ اور بڑے بڑے تسلط اور بد بد والے لخرموں کی صف میں کھڑے ہوں گے اور اپنے اپنے فعل اور کردار کا فیصلہ سنیں گے اور اس فیصلے کے مطابق فعل ہوگا لَا مَعْصِيَةَ لِحُكْمِهِ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

معبود اور مُستعان صرف اللہ کی ذات ہے..... شروع سورۃ سے مَبْلُغُ نَوْمِ الدِّينِ تک اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کا بیان تھا۔ اس بیان میں اگرچہ غیبت کا عنوان تھا لیکن جب بندہ نے مستحق حمد کی حمد بیان کرنے میں صفات کمال اور مظاہر جلال و جمال کا یقینی طور پر انداز کر لیا تو اس مستحق حمد سے خطاب کرنے اور مدد مانگنے کے لئے جذبہ میں آکر خطاب کرنے لگا، اول مخاطب ہو کر یہ اعلان کیا کہ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، اور پھر اپنی سب سے بڑی ضرورت کا سوال کیا کہ ہم کو صراطِ مستقیم دکھا دے۔ کافِ غمیر خطاب نَعْبُدُ اور نَسْتَعِينُ کا مفہول ہے اس کو غمیر غمیر بنا کر فعل سے مقدم لانے سے فنی میں خسر پیدا ہو گیا۔ اہل باغیت نے بتایا کہ تقدیم ماحقہ التاخیر مفید حصر ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ترجمہ یہ ہو گیا کہ ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ سے مدد مانگتے ہیں۔ سورۃ فاتحہ پڑھنے والا گوواحد شخص ہوتا ہے۔ لیکن صیغہ جمع متکلم لا کر دوسروں کو بھی اپنے ساتھ شریک کر لیتا ہے اور اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ ساری مخلوق کا تو ہی معبود ہے اور ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ جو لوگ مشرک ہیں وہ گمراہ ہیں اور غلطی پر ہیں ان کا معبود حقیقی بھی تو ہے، ہم ساری بنی نوع انسان کی طرف سے اور سارے جنات اور فرشتوں کی طرف سے بلکہ ساری مخلوق کی طرف سے اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ صرف تو ہی عبادت کے لائق ہے۔ اس کے بعد یوں عرض کیا کہ ہم صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ جب خداوند قدوس جل مجدہ ہر چیز کا خالق بھی ہے، مالک بھی ہے، معبود حقیقی بھی ہے۔ قادر مطلق بھی ہے تو اس کے سوا کوئی نہیں جس سے مدد مانگی جائے۔ عبادت بھی صرف اسی کی کرتے ہیں اور مدد بھی صرف اسی سے لیتے ہیں اس میں بھی صیغہ خطاب کا استعمال کیا اور یہ اعلان کیا کہ اے اللہ تعالیٰ ہم صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ تو ہی مدد کرنے والا ہے تیرے سوا کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معبود اور مددگار ماننے کے بعد کسی دوسرے کو عبادت اور استعانت (مدد مانگنے) کے لئے پکارنا اعلان اِثْبَاتِ نَعْبُدُ وَإِنَّا لَكُنْ سَائِلُونَ کی صریح خلاف ورزی ہے۔ اس آیت میں شرک فی العبادت اور شرک فی الاستعانت دونوں کی نفی علی وجہ الکمال کر دی گئی ہے۔ ویوی ویدیتا مزار، قبر، ولی، پیر، قمریہ یا اور کسی چیز کو حاجت روا شکل کشا سمجھنا اور اسکے سامنے سجدہ کرنا شرک ہے۔

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝

ہم کو سیدھا راستہ دکھا۔

صراطِ مستقیم کی دعا:..... راجح دکھانا اور مطلوب حق تک پہنچانا یہ سب کچھ ہدایت کے مفہوم میں داخل ہے۔ مدد مانگنے کے ذیل میں

جہاں اور باتیں ہیں وہاں ہدایت کی طلب بھی ہے اور حقیقت ہدایت ہی مخلوق کے لئے سب سے بڑی نعمت ہے اگر سب کچھ موجود ہو اور بندہ ہدایت پر نہ ہو عقیدہ اور عمل سے گمراہ ہو تو دنیاوی چیزوں سے تھوڑا بہت فائدہ اٹھا کر مذاب و وزخ میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ اس اعتبار سے حقیقی نعمت ہدایت ہی ہوئی۔ لہذا یہ کہہ کر کہ ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں فوراً ہدایت کا سوال کر لیا گیا۔ یعنی صحیح راستہ پر چلانے کی دعا کر لی گئی۔ صحیح راستہ کون سا ہے اس کی تعین کے لئے صِرَاطُ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ لایا گیا جس کی تفسیر ابھی آتی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ جو لوگ مومن ہیں قرآن کو ماننے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں وہ تو ہدایت پر ہیں ہی ان لوگوں سے بار بار ہدایت کا سوال کیوں کر لیا جاتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہدایت یافتہ ہوتے ہوئے ہدایت کی دعا کرنا موت تک ہدایت پر رہنے اور ثابت قدم رہنے کا سوال ہے جیسا کہ دوسری آیت میں اہل ایمان کی دعا کا اس طرح تذکرہ فرمایا ہے۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبُنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ (اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو حق سے نہ ہٹا دیجئے بعد اس کے کہ آپ نے ہمیں ہدایت دی اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرمادیجئے، بے شک آپ بہت زیادہ دینے والے ہیں) قَالَ النَّسْفِيُّ اٰیْ ثَبَتَا عَلٰی الْمَنَاجِیْ الْوَاضِحِ كَقَوْلِكَ لِلْقَانِمِ قُمْ حَتّٰی اَعُوْذَ الْیَكِ اٰیْ ثَبَتَ عَلٰی مَا اَنْتَ عَلَیْهِ اَوْ اَهْدِنَا فِی الْاَسْتِقْبَالِ کَمَا هَدَيْتَنَا فِی الْحَالِ۔ (مدارک التنزیل ص ۷۷ ج ۱)

علامہ نسفی فرماتے ہیں یعنی ہمیں صراطِ مستقیم پر ثابت قدم فرما جیسا کہ کھڑے ہوئے شخص سے کہا جائے، کھڑا رہ یہاں تک کہ میں تیرے پاس لوٹ آؤں مطلب یہ ہے کہ اپنی حالت پر ثابت قدم رہو۔ یا مطلب یہ ہے کہ ہمیں زمانہ مستقبل میں بھی ہدایت سے نوازا جیسا کہ آؤنے ہمیں زمانہ حال میں ہدایت سے نوازا ہے۔

صِرَاطُ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

راستہ ان حضرات کا جن پر آپ نے انعام فرمایا

صراطِ مستقیم والے کون حضرات ہیں..... صِرَاطُ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ان الفاظ میں صراطِ مستقیم کی تعین کر دی گئی۔ صراطِ مستقیم (سیدھا راستہ) کیا ہے جتنی جماعتیں اور قومیں دنیا میں بستی ہیں وہ اپنے آپ کو ہدایت پر ہی سمجھتی ہیں۔ لیکن وہ کون سا راستہ ہے جسے سیدھا راستہ مانا جائے اور جس پر چلنے سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوگی اور آخرت میں نجات ہوگی اس کے بتانے کے لئے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کا راستہ صراطِ مستقیم ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا۔ یہ حضرات کون ہیں ان کا ذکر سورۃ نساء کی اس آیت میں ہے۔ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا۔ (اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے یہ اشخاص ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء، صدیقین اور شہداء اور صالحین اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں) اس سے واضح ہو گیا کہ ان حضرات پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے۔ سورۃ فاتحہ میں ان ہی حضرات کے راستہ کو صراطِ مستقیم یعنی صحیح اور سیدھا راستہ بتایا گیا ہے۔

غَيْرِ الْبَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ

جن پر غصہ نہیں کیا گیا اور جو گمراہ نہیں ہیں۔

مغضوب علیہم اور ضالین کے راستے سے بچنے کی دعا..... غَسِرَ الْمَغْضُوبُ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝ (جن پر غصہ نہیں کیا گیا اور جو گمراہ نہیں ہیں) یہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے عفو کی رحمت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے اللہ جن حضرات پر آپ نے انعام فرمایا ہے یہ وہ حضرات ہیں جن پر آپ کا غصہ نہیں اور جو گمراہ نہیں ہیں۔ مفسر ابن کثیر نے بعض روایات ایسی نقل کی ہیں جن میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ الْمَغْضُوبُ عَلَيْهِمْ سے یہود اور الضَّالِّينَ سے نصاریٰ مروا ہیں۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ یہودیوں کے بارے میں سورۃ بقرہ میں فرمایا: فَبِغْضِ عَلِيٍّ غَضِبَ كُودُ غَضَبٍ بِغَضَبِ عَلِيٍّ مَسْخُوفٌ اور نصاریٰ کے بارے میں سورۃ مائدہ میں فرمایا: وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَصْلُوا كَذِبًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ (ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو پہلے گمراہ ہو چکے ہیں اور انہوں نے بہت سوں کو گمراہ کیا اور سیدھے راستے سے ہٹ چکے ہیں) یہودیوں نے علم ہوتے ہوئے عمل کو کھویا اور حق کو ٹھکرا دیا، نصاریٰ علم کے مدعی نہ تھے اور علم سے خالی بھی تھے لیکن اپنے آپ کو عبادت گزار سمجھتے تھے۔ اُن کے راہب پہاڑوں میں رہتے تھے اور عبادت میں طرح طرح کی مشقتیں جھیلنے تھے اور عبادت کے طریقہ انہوں نے خود نکالے تھے۔ یہ لوگ راہِ حق سے ہٹا کر گمراہ ہوئے، جو شخص علم ہوتے ہوئے عمل چھوڑ دے وہ زیادہ مستحق غضب ہوتا ہے اس لئے صفت مغضوبیت یہودیوں کے لئے خاص طور سے ذکر کی گئی اور نصاریٰ نے نمل کا ارادہ کیا لیکن بے علمی کی وجہ سے طریقہ غلط اختیار کر گئے اور اتباعِ حق کو چھوڑ کر بے راہ ہو گئے۔ مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اہل ایمان کا طریقہ یہ ہے کہ حق کا علم بھی ہو اور اس پر عمل بھی ہو۔ پھر لکھتے ہیں۔ وکل من اليهود والنصارى ضال مغضوب علیہ لکن اخص او صاف اليهود الغضب و اخص او صاف النصارى الضلال (ص ۹۶ ج ۱) یعنی ہیں تو دونوں ہی فریق (یہود و نصاریٰ) گمراہ اور مغضوبِ غایہ، لیکن مغضوبیت کی شان یہودیوں میں زیادہ ہے (اس لئے خصوصیت کے ساتھ اُن کی طرف مغضوبیت کی نسبت کی گئی) اور نصاریٰ کے اوصاف میں خاص طور پر ضلال زیادہ واضح ہے (اس لئے ان کو ضالین فرمایا)۔

یہودیوں کی شرارت، عناد اور بدکاریاں اور ہیس۔ بدکاریاں جو سورۃ بقرہ میں اور دوسری سورتوں میں بیان کی گئی ہیں اُن کے جاننے کے بعد ہر صاحبِ عقل یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوتا ہے کہ یہ لوگ قصدِ ارادۃ ایسی حرکتیں کرتے تھے جن سے اللہ تعالیٰ کے رحم کے زیادہ سے زیادہ مستحق ہوتے چلے گئے۔

سورۃ فاتحہ کے ختم پر اہل ایمان سے یہ دعا کرائی گئی ہے کہ یہودیوں اور نصاریوں دونوں جماعتوں کے طریقوں سے ملحدہ اور بیزار رہیں۔ نماز میں بار بار سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں اور یہود و نصاریٰ کے طریقوں سے بچنے کی دعا مانگتے ہیں۔ اب مسلمان غور کر لیں کہ وہ ان دونوں جماعتوں کے طور طریق سے کس قدر زور ہیں اور جن حضرات پر انعام ہوا یعنی حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام اور صدیقین اور صالحین ان کے طریقوں سے کتنے قریب ہیں۔ حکومت، سیاست، معاشرت، شکل و صورت، لباس، کسبِ مال، تجارت، معیشت و معاشرت غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ میں غور کر لیں۔ اُمتِ محمدیہ میں یہود و نصاریٰ کی مشابہت اور ان کا اتباع پایا جاتا ہے عوام میں بھی اور خواص میں بھی، جو لوگ نماز پڑھتے ہیں اور نماز میں دُعا کرتے ہیں کہ ہمیں مغضوب علیہم اور ضالین کے راستے سے بچاؤ لوگ بھی ان کی اتباع سے پرہیز نہیں کرتے۔ بعض اکابر نے فرمایا کہ اس اُمت میں سے جو عالم بگڑے گا اس کے اندر یہود کی صفات سے مشابہت ہوگی اور جو عابد بگڑے گا اس کے اندر نصاریٰ کی مشابہت ہوگی درحقیقت صحیح فرمایا اُمت کا حال نظروں کے سامنے ہے جو مغضوب اور ضالین ہیں لوگوں کو انہیں کے طریقے محبوب ہیں۔ (اعاذنا اللہ من ذلک)

جن حضرات پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ان کے راستہ کے علاوہ جتنے بھی دین، مذہب، فرقے، جماعتیں، پارٹیاں، قوانین ہیں سب ہی صراطِ مستقیم سے خارج ہیں اور مومن موحّد کے لئے ان سب سے بچنا فرض و واجب ہے۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ یہود و نصاریٰ کے راستہ سے بچنے کی ذمہ داری کی گئی کہ ایک مسلمان بت پرست و بری منکر خدا بنوگا اور انہیں کر سکتا اور اہل کتاب کے راستوں کو اختیار کر سکتا ہے، اہل کتاب کے وہ ذوق و فرحوں کا نام نہیں لیا گیا بلکہ ان کے انجام کار ہی کو ان کا لقب بنا کر ذکر فرمایا، جس میں دو امر کی طرف اشارہ ہے۔ اول، یہ کہ انبیاء، صلحاء، صدیقین و شہداء کے راستہ سے ہٹنے کا انجام مراد سے بھٹک جانا اور خدا کے پاک کے غصہ میں آ جانا ہے۔ دوسرے یہ کہ صراطِ مستقیم کے خلاف صرف یہود و نصاریٰ ہی کا راستہ نہیں ہے بلکہ جو بھی یہود و نصاریٰ کے عقائد و کردار اوصاف و اخلاق اختیار کرے گا اس کے نتیجہ میں غضبِ علیہ اور ضلالت ہوگا (خوابزد و خواہد جماعت) (الہذا سکر راستہ سے بچنا بھی فرض ہوگا)۔

آمین سورۃ فاتحہ کے ختم پر نماز میں اور خارج نماز آمین کہنا مسنون ہے اور اس کے علاوہ بھی جو دعا کی جائے اس کے آخر میں آمین کہا جائے۔ احادیث شریفہ میں اس کی فضیلت اور ترغیب وارد ہوئی ہے۔ آمین کا معنی ہے کہ اے اللہ قبول فرما۔ ایک مرتبہ دعا کی پھر دعا کی قبولیت کی دعا کی یہ میل کر گویا دو مرتبہ دعا: وجاتی ہے۔

معالم المتزیل (ص ۴۲ ج ۱) میں لکھا ہے کہ وَلَا الضَّالِّینَ کے بعد ذرا ٹھہر کر آمین کہے (تاکہ سورۃ فاتحہ کا جزو ہونے کا ایسا نام نہ ہو)۔ یہ کہہ آمین قرآن مجید کا جزو نہیں ہے اس لئے قرآن مجید میں لکھا نہیں جاتا لیکن پڑھا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہودیوں نے تمہاری کسی چیز پر اتنا حسد نہیں کیا جتنا آمین کہنے پر حسد کیا ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہودیوں نے تم سے تین چیزوں پر حسد کیا ہے۔ ۱۔ سلام کو پھینا ۲۔ نماز میں صفیں قائم کرنا ۳۔ آمین کہنا۔ (یہ روایات درمنثور میں نقل کی گئی ہیں)

فائدہ بعض غیر مسلموں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اپنی تعریف خود کرنا ٹھیک نہیں ہے پھر خدائے تعالیٰ نے اپنی تعریف خود کیوں کی؟ اس کا ایک جواب مفسرین کے اس قول سے نقل سکتا ہے کہ یہ مضمون بندوں کی زبانی ادا کرایا گیا ہے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہ سے پہلے فُوَلُوْا (صفی امر) مقتدر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بندوں کو حکم فرمایا ہے کہ یوں کہو اور چونکہ بندہ کی زبانی اول کی تین آیات ادا کرانی گئی ہیں اس لئے اِنَّا لَنَعْبُدُہٗ وَاِنَّا لَنَسْتَعِیْنُ بھی اول کی تین آیات کے ساتھ اس صورت میں مضمون واحد ہو کر مسلسل ہو جائے گا۔ لیکن یہ جواب جزوی طور پر سورۃ فاتحہ کے بارے میں ہو سکتا ہے قرآن شریف میں جگہ جگہ اللہ پاک کی حمد بیان کی گئی ہے اور حدیث شریف میں صاف اس طرح آیا ہے کہ لَا اَحْصِیْ ثَنَاءَ عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَنْتَ عَلٰی نَفْسِکَ۔ (اے اللہ! میں ایسی تعریف تیری بیان نہیں کر سکتا جیسی تُو نے اپنی تعریف بیان کی ہے) اس سے صاف معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ خود اپنی تعریف بیان کرتے ہیں، پس غیر مسلموں کے سوال مذکور کا ایسا ٹھیک کلی جواب جو ہر موقع پر جواب بن سکے یہ ہے کہ خالق کو مخلوق پر قیاس کرنا ہی غلط ہے۔ بلاشبہ مخلوق کے لئے خود ستائی بری بات ہے لیکن خالق اگر اپنی تعریف کرے تو یہ کوئی بے جا نہیں ہے، بلکہ صحیح اور درست ہے۔ اول اس پر غور کرنا چاہیے کہ خود ستائی بری چیز کیوں ہے؟ اس کی وجہ غور کرنے اور اہل عقل و دانش کے بتانے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ خود ستائی سے عجب (خود پسندی) اور تکبر پیدا ہوتا ہے اور خالق کمال رب العالمین جل مجدہ سے غفلت ہو جاتی ہے اور انسان کا ذہن خالق کی حمد اور خالق کے کمالات سے ہٹ کر خود اپنی ذات میں الجھ جاتا ہے اور رب العالمین خالق کل شئی اپنی خود تعریف کرے تو یہ کسی خرابی کا باعث نہیں ہے اللہ پاک سے اوپر کوئی نہیں ہے اور وہ ایسا بڑا ہے کہ سب کی بڑائیاں اس کے سامنے نیچ ہیں اور ہر بڑے کو اس نے بڑائی دی ہے۔ لفظ تکبر میں تکلف کے معنی پوشیدہ ہیں یعنی جو بڑا نہیں وہ بڑا ہے اس کو تکبر کہتے ہیں۔ اللہ پاک کی بڑائی کامل ہے تکلف سے نہیں ہے وہ سب کا خالق ہے اس کا کوئی

خالق نہیں البذا اس کو اپنی تعریف کا پورا پورا حق ہے۔ اگر وہ اپنی تعریف کرے تو یہ لازم نہیں آتا کہ جو بڑ نہیں اس نے بڑائی کا دعویٰ کیا اور یہ بھی لازم نہیں آتا کہ اپنے خالق کو چھوڑ کر اپنی تعریف میں مشغول ہوا۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَوَّلًا وَاٰخِرًا وَظَاهِرًا وَبَاطِنًا اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ لَا اَحْصٰی ثَنًا عَلَیْكَ اَنْتَ کَمَا اَثَبْتَ عَلٰی نَفْسِکَ۔

سورۃ فاتحہ شفاء ہے..... سورۃ فاتحہ کا ایک نام شافیہ (یعنی شفا دینے والی ہے) بھی ہے اس کے مضامین جس طرح مومن موحّد کے لئے باطنی اور روحانی شفاء کا باعث ہیں اسی طرح اس کے الفاظ جسمانی امراض و تکالیف اور دکھ و روع کے لئے شفا بن جاتے ہیں حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض سے نجات دلانے کے لئے سورۃ فاتحہ پڑھ کر مجھ پر دم کرتے ہوئے تھکا کر دیا، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ فاتحہ الکتاب زہر کے لئے شفاء ہے۔ حضرت عبدالملک بن نمیر نے (مرسلہ) روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فاتحہ الکتاب ہر مرض کے لئے شفاء ہے۔ (یہ سب روایات درمنثور میں ہیں)۔

حصن حصین میں (ابو داؤد اور نسائی سے نقل کیا) ہے کہ جس کی عقل ٹھکانے نہ ہو تین روز صبح شام سورۃ فاتحہ کے ذریعہ جہاز اجاڑے (جہاز نہ والا)۔ سورۃ فاتحہ کو پوری پڑھ کر اپنا تھوک (منہ) میں جمع کر کے تھکا کر دے اور ترمذی شریف سے نقل کیا کہ جس کو سانپ، بچھوؤں لیوے سات مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھ کر جہاز اجاڑے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ (سفر میں) ایک تالاب پر گزرے وہاں ایک آدمی کو بچھو نے ڈس لیا تھا۔ وہاں جو قبیلہ مقیم تھا اُن میں سے ایک آدمی ان حضرات کے پاس آیا اور اُس نے کہا کیا تم میں کوئی شخص جہاز پھونک کرنے والا ہے۔ یہ سن کر اُن حضرات میں سے ایک صاحب چلے گئے اور اُنہوں نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کر دیا اور کچھ بکریاں لینے کی شرط لگالی وہ شخص اچھا ہو گیا، اور یہ بکریاں لے کر اپنے رفقاء کے پاس آ گئے۔ انہوں نے ان بکریوں کا لینا اچھا نہ جانا اور کہنے لگے کہ تم نے اللہ کی کتاب پر اجرت لے لی۔ جب مدینہ منورہ میں واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اُنہوں نے کتاب اللہ پر اجرت لی ہے آپ نے فرمایا بلاشبہ کتاب اللہ ان سب چیزوں میں اجرت لینے کے لئے زیادہ واجب ہے۔ جن پر تم اجرت لیتے ہو۔ (صحیح بخاری ص ۸۵۳ ج ۲) اس حدیث کی وجہ سے جہاز پھونک کی اجرت لینا جائز ہے۔ بشرطیکہ کلام صحیح ہو و شکر کیہ کا ام نہ ہو۔

رات کو حفاظت کے لئے سورۃ فاتحہ پڑھنا..... حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تو نے بستر پر اپنا پیلو رکھا اور فاتحہ الکتاب اور قل ھُوَ اللہ اُخِذْ (ختم سورت تک) پڑھ لی تو موت کے ہر چیز سے تجھے امان مل گئی۔ (درمنثور)

وَلَقَدْ تَمَّ نَفْسِیْرَ فَاتِحَةِ الْکِتَابِ بِحَمْدِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَحَسَنَ تَوْفِیْقِهِ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیْبًا مَّبَارَکًا قَبِیْہ.....



مدنی

سورۃ البقرہ

۲۸۶ آیتیں ۴۰ رکوع

﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ﴾ (۱) سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَكِّيَّةٌ (۸۷) ﴿كُلُّوا مِنْ ثَمَرِهِا

سورۃ بقرہ مدینہ میں نازل ہوئی اس میں دوسو چھیاسی آیتیں اور ۴۰ رکوع ہیں۔

﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ﴾

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الَمْ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۱ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ

الہم۔ یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اس میں ہدایت ہے متقیوں کے لئے۔ جو ایمان لاتے ہیں غیب پر

وَيَقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۲ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا

اور قائم کرتے ہیں نماز کو اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اُس پر جو

اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۝۳ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُوْنَ ۝۴ اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًى مِّنْ

اُمارا گیا آپ کی طرف اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے اور آخرت پر وہ یقین رکھتے ہیں۔ یہ لوگ بڑی ہدایت پر ہیں اپنے

رَبِّهِمْ ۝۵ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۶

رب کی طرف سے اور یہ لوگ ہی کامیاب ہیں۔

مصحف عثمانی کی ترتیب کے لحاظ سے یہ دوسری سورت ہے۔ اس سورت میں بقرہ کا تذکرہ ہے اس لئے سورۃ البقرہ کے نام سے موسوم ہوئی۔ روایت حدیث میں اس کا یہ نام آیا ہے۔

فضائل سورۃ بقرہ..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ (یعنی ذکر و تلاوت سے گھروں کو خالی نہ رکھو جیسا کہ قبریں خالی ہوتی ہیں) بے شک شیطان اُس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورۃ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔ (سنن ترمذی ص ۴۰۸)

اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ قرآن پڑھو کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنے لوگوں کے لئے سفارش کرنے والا بن کر آئے گا۔ دروشتن چیزوں کو پڑھو (یعنی سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران کو، کیونکہ وہ دونوں قیامت کے دن اس طرح آئیں گی جیسے بادل ہوں یا جیسے پرندوں کی دو جماعتیں صف بنائے ہوئے ہوں۔

اپنے لوگوں کے لئے خوب زوردار سفارش کریں گی۔ سورۃ البقرہ کو پڑھو کیونکہ اس کا حاصل کر لینا برکت ہے اور اس کا چھوڑ دینا حسرت ہے اور وہ اہل باطل کے بس کی نہیں۔ (صحیح مسلم ص ۲۰ ج ۱)

اہل باطل کے بس کی نہیں، یعنی وہ اسے حفظ نہیں کر سکتے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اہل باطل سے جاوگر مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ سورہ بقرہ کے پڑھنے والے پر جاوہ کا اثر نہیں ہو سکتا۔ (ابن کثیر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کا ایک بلند حصہ ہوتا ہے اور قرآن کا بلند حصہ سورۃ بقرہ ہے۔ اس میں ایک آیت ہے جو قرآن کی سب آیتوں کی سردار ہے وہ آیت الکرسی ہے، جس گھر میں پڑھی جائے گی اس میں سے شیطان ضرور بھاگ جائے گا۔ (الترمذی فی السنن ص ۲۰۸، الحاکم صحیحہ کما فی الدر المنثور، ص ۲۰۱) سورۃ بقرہ کو سب سے بڑی سورت ہونے کے اعتبار سے قرآن کا بلند حصہ فرمایا نیز اس اعتبار سے بھی کہ اس میں احکام کثیر تعداد میں مذکور ہیں اور یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس میں جہاد کا حکم ہے جس سے رفعت اور بلندی حاصل ہوتی ہے۔ واللہ اعلم (مرقات شرح مشکوٰۃ)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ سورہ بقرہ اور سورہ نسا، سورہ حج اور سورہ نور کو سیکھو کیونکہ ان میں فرائض ہیں۔ (درمنثور)

حروف مقطعات کی بحث

التمّ یہ حروف مقطعات میں سے ہے اور حروف مقطعات آیتوں کے شروع میں آنے ہیں اور مزید یہ ہیں التّم، التمر، التمص، التمر، حم، حم عسق، کھنوعص، طس، طستم، ظہ، یس، ص، ق، ن۔

ان میں اتم چہ جگہ ہے اور اتر پانچ جگہ ہے اور حتم چہ جگہ ہے اور غستم دو جگہ ہے۔ اور ان کے علاوہ باقی سب ایک ایک جگہ ہیں کیونکہ یہ تباہیات میں سے ہیں اس لئے مفسرین ان کے سامنے یوں لکھ دیتے ہیں۔ اللہ اعلم بمراده بذلك۔ (اللہ کو اس کا معنی معلوم ہے)

بہت سے اکابر جن میں خلفاء اربعہ اور ابن مسعودؓ بھی ہیں ان کا موقف یہی ہے جیسا کہ ابن کثیرؒ نے نقل کیا ہے۔ بعض حضرات نے ان کے کچھ معانی بھی بتائے ہیں کسی نے کہا ہے کہ یہ ان سورتوں کے نام ہیں جن کے شروع میں آئے ہیں۔ حضرت مجاہدؒ کا قول ہے کہ اتم قرآن کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ حضرت شعبہؒ نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء گرامی ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ اتم لفظ اللہ کا پہلا حرف ہے اور لام اللہ کے نام لطیف کا پہلا حرف ہے اور میم مجید کا پہلا حرف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ الف سے الاء اللہ یعنی اللہ کی نعمتیں اور لام سے لطف اللہ یعنی اللہ کی مہربانی اور میم سے مجد اللہ یعنی اللہ کی بزرگی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے لیکن اس میں سے کوئی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہے۔ مفسرین نے حروف مقطعات کے ذریعہ سورتیں شروع کرنے کی یہ حکمت بھی لکھی ہے کہ اہل عرب کو بتانا تھا کہ یہ کتاب جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے اس کے کلمات انہیں حروف سے مرکب ہیں جو تمہاری گفتگو اور محاورات میں استعمال ہوتے ہیں۔ تم فصیح بلغ ہو اس جیسی کتاب بنا کر لاؤ۔

جب ماہرین اس عجمی کتاب بنا کر نہیں لے سکتے تو ایک امی جس نے کسی سے کچھ نہیں پڑھا اس کے بارے میں کیسے کہتے: وہ کہ اس نے اپنے پاس سے بنالیا۔ اگر یہ کلام کسی غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو تم لوگ اس جیسا کلام بنانے سے کیوں عاجز رہ جاتے۔ اس کے علاوہ اور بھی حکمتیں بیان کی ہیں جو مفسر بیضاوی نے لکھی ہیں۔ ان حروف کو اسی طرح الگ الگ پڑھا جاتا ہے ان میں تجوید کے قواعد کے مطابق

مد بھی ہیں جو مد حرفی مشکل اور مد حرفی مخفف کے نام سے کتب تجوید میں بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اللہ کی کتاب کا ایک حرف پڑھا تو اس کی وجہ سے اُسے ایک نیکی ملے گی اور نیکی دس نیکیوں کے برابر دگی میں یہ نہیں کہتا کہ الہم ایک حرف ہے (بلکہ) الف ایک طرف ہے اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ (رواہ الترمذی ص ۴۱۳ وقال حدیث حسن صحیح)

قرآن مجید بلا ریب اللہ کی کتاب ہے

ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ (یہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں) مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی۔ اس کا وحی الہی، دانا اور خداوند قدوس کی طرف سے نازل، دنیا یہ ایک ایسی چیز ہے جس میں نظر صحیح کی جائے تو کسی عاقل کے لئے کسی طرح کے کسی شک کی کوئی گنجائش نہیں اگر کسی کو کوئی شک ہے تو اس کی کج فہمی کی وجہ سے ہے اس کے شک کا اعتبار نہیں اور جو شخص فکر و تدبیر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ واقعی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے لیکن پھر بھی منکر ہے اور کہتا ہے کہ مجھے شک ہے تو اسے حقیقت میں شک نہیں ہے۔ ضد اور عناد نے اُسے اس پر آمادہ کیا ہے کہ حق اور حقیقت کا انکار کرے۔

قرآن مجید متقیوں کیلئے ہدایت ہے

هُدًى لِلْمُتَّقِينَ (یہ کتاب ہدایت ہے متقیوں کیلئے) سورۃ البقرہ میں دوسری جگہ (رکوع ۲۳) میں قرآن مجید کو هُدًى لِلنَّاسِ فرمایا اور یہاں هُدًى لِلْمُتَّقِينَ فرمایا ہے، دونوں باتیں صحیح ہیں۔ قرآن کی ہدایت عام ہے ہر انسان کو قرآن نے حق کی دعوت دی ہے اور بار بار سمجھایا ہے اور دلائل پیش کئے ہیں جن کو سامنے رکھ کر تھوڑی سی سمجھ رکھنے والا بھی ہدایت پر آ سکتا ہے لیکن چونکہ اس سے وہی لوگ نفع حاصل کرتے ہیں جو اپنی عقل و فکر کو استعمال کر کے حق قبول کرتے ہیں اور یہ طے کر چکے ہیں کہ ہمیں گمراہی میں نہیں رہنا اور شرک و کفر سے بچنا ہے اس لئے یہاں هُدًى لِلْمُتَّقِينَ فرمایا لفظ ابتغاء (جس سے متقی کا لفظ ماخوذ ہے اور اس کی جمع متقیین ہے) اس کا معنی پہنچنے کا ہے اور ڈرنے کے معنی میں بھی لیا جاتا ہے۔ لفظ تصوی اور استقاء دونوں کا مادہ ایک ہی ہے شرک و کفر سے بچنا اور ایمان قبول کر کے چھوٹے بڑے گناہوں سے بچنا اور مزید ترقی کر کے مشتبہات سے بچنا اور اپنے باطن کو صرف ذات حق تعالیٰ شانہ ہی میں مشغول رکھنا اور اُسی کی طرف متوجہ رہنا یہ سب تقویٰ میں آتا ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ میں جو یہ بات بتائی گئی تھی کہ اس میں ہدایت پر ثابت رہنے کی دعا ہے یہاں بھی وہ بات کہی جاسکتی ہے جو لوگ متقی ہیں۔ قرآن مجید پڑھ کر اور سن کر ان کی صفیہ تقویٰ میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے اور ایمان بڑھ جاتا ہے (فَزَادْنَاهُمْ إِيْمَانًا وَهُمْ يُسْتَبْشِرُونَ)۔

متقیین کی صفات..... اس کے بعد متقیین کی صفات بیان فرمائیں اول یہ کہ وہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جن باتوں کی خبر دی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو باتیں بتائی ہیں ماضی سے متعلق ہوں یا مستقبل سے اُن سب کو مانتے ہیں اور اُن پر ایمان لاتے ہیں، بغیر دیکھے صرف خبر پر ایمان لے آنا یہ ایمان بالغیب ہے اور ایمان بالغیب ہی معتبر ہے۔ جب قیامت کا دن ہو گا تو وہاں کے حالات سب ہی دیکھ لیں گے اور مان لیں گے لیکن دیکھنے کے بعد مان لینا اور ایمان لانا معتبر نہیں۔

متقیوں کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی وَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ یعنی وہ نماز قائم کرتے ہیں نَصَلُّونَ نہیں فرمایا بلکہ وَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ فرمایا، نماز قائم کرنا یہ ہے کہ نماز کے فرائض و واجبات و سنن و مستحبات سب کو خوب دھیان اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کیا جائے۔ تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد نقل کیا ہے: اِقَامَةُ الصَّلَاةِ اِتِمَامُ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ وَالتَّلَاوَةِ وَالْخُشُوعِ وَالْاِقْبَالِ

علیہا فیہا یعنی نماز کا قائم کرنا یہ ہے کہ رکوع جہد و پورا پورا ادا کیا جائے اور تلاوت بھی صحیح ہو اور نماز میں خشوع بھی ہو اور نماز پڑھتے وقت نماز کا ہشیان بھی ہو۔

پھر فرمایا: وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ (اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہیں) متقیوں کی صفت اقامت الصلوٰۃ بیان کرنے کے بعد (جو عبادات دینیہ میں سے سب سے اہم اور سب سے بڑی عبادت ہے) مالی عبادت کا ذکر فرمایا۔ یعنی متقیوں کی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا ہے۔ اس میں سے اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ اس میں مالی فرائض (زکوٰۃ اور عشر) اور واجبات (صدقہ فطر وغیرہ) غلی صدقات سب داخل ہیں۔

پھر فرمایا: وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (جو لوگ متقی ہیں وہ اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا) ایمان وہ معتبر ہے جس میں اللہ تعالیٰ پر اس کے تمام رسولوں پر اور اس کی تمام کتابوں پر ایمان ہو۔ اللہ تعالیٰ کے کسی ایک نبی یا اس کی کسی ایک کتاب کا انکار کرنا بھی کفر ہے۔ لَانْفِرَقَ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ میں اسی بات کا اعلان کیا گیا ہے وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ کے غوم میں قرآن کریم سے پہلی تمام کتابوں اور صحیفوں پر ایمان لانا شامل ہے۔ بعض صحیفوں کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے (صحف ابراہیم و موسیٰ) اللہ تعالیٰ کی جن کتابوں اور صحیفوں کا علم ہے اور جن کا علم نہیں، ان سب پر ایمان لانا اور اللہ کی کتاب ماننا فرض ہے۔

پھر فرمایا: وَبِالْخِزْيَةِ هُمْ يُوَفِّيُونَ (اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں) ایمان کے تین اہم جزو ہیں۔ توحید، رسالت اور موت کے بعد زندہ ہونے پر ایمان لانا، یہاں ان تینوں چیزوں کو بتا دیا ہے اور ساتھ ہی نماز اور زکوٰۃ کا بھی ذکر فرما دیا کیونکہ ایمان قلبی کے بعد دوسرا درجہ نماز کا ہے اور اس کے بعد زکوٰۃ ہے۔ ایک فریضہ دینیہ اور دوسرا فریضہ مالیہ بیان فرما دیا۔

اُولَٰئِكَ عَلٰی هٰذِهِۦ مِنْ رَبِّهِمْ (آخر تک) اس آیت میں اُن لوگوں کے لئے ہدایت پر ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔ جن کی صفات پہلے بیان ہوئیں۔ ان کو اس بات کی سند دی گئی ہے کہ یہ ہدایت پر ہیں اور حقیقی اور واقعی کامیابی انہی کو حاصل ہونے والی ہے۔ جو آخرت میں اللہ کی رضا اور دخول جنت کی صورت میں حاصل ہوگی۔ اللہ کی رضا سے بڑھ کر کوئی کامیابی نہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ حَتَّمَ اللَّهُ

بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے بڑبڑ ہے کہ آپ اُن کو ڈرا کیں یا نہ ڈرا کیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے

عَلٰی قُلُوبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ وَعَلٰی أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝

نمبر لگا دی اُن کے دلوں پر، اور اُن کے سننے کی قوت پر، اور اُن کی آنکھوں پر بڑا پردہ ہے۔ اور اُن کے لئے بڑا عذاب ہے۔

کافروں کی گمراہی اور آخرت میں بد حالی

اہل ایمان کے اوصاف بیان فرمانے کے بعد ان آیات میں اُن کافروں کا ذکر فرمایا ہے جن کا اللہ کے علم میں خاتمہ کفر پر ہونا ہے اور جو لوگ حق واضح ہوتے ہوئے اور حق و باطل کو سمجھتے ہوئے کفر پر جتے ہوئے ہیں۔ اور انہوں نے طے کر رکھا ہے کہ ہمیں ہرگز کسی حالت میں اسلام قبول نہیں کرنا۔ اللہ جل شانہ نے ہر شخص کو فطرت ایمانیہ پر پیدا فرمایا پھر اس کے ماں باپ اس کو کفر پر ڈال دیتے ہیں

اور وہ اپنے ماحول اور معاشرہ کی وجہ سے ایمانی استعداد کو کھو بیٹھتا ہے اور اپنے کو اس درجہ میں پہنچا دیتا ہے کہ کسی قیمت پر اسلام قبول کرنے کو تیار نہیں۔ جب انہوں نے اپنی شرارت اور عناد کی وجہ سے اپنی استعداد خود برباد کر دی تو اپنی تباہی کا سبب وہ خود ہی بن گئے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کے تمام افعال کا خالق ہے اس لئے اس خلق افعال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی جسے مہر لگانے سے تعبیر کیا گیا۔ یہ مسئلہ قدرے باریک ہے اسی لئے اسی احتمال پر ہم اکتفا کرتے ہیں جو لوگ کافر ہیں خواہ یہود و نصاریٰ ہوں خواہ ہندو مشرک ہوں خواہ وہ سری کسی قوم کے افراد ہوں اہل اسلام ان سے ملتے رہتے ہیں اور دلیل سے ان کو عاجز اور خاموش کر دیتے ہیں اور ان میں لاکھوں افراد ایسے ہیں جو قرآن اور اسلام کو حق جانتے ہیں پھر بھی نہ صرف یہ کہ خود اسلام قبول نہیں کرتے بلکہ دوسروں کو بھی اسلام قبول کرنے سے روکتے ہیں اور جو کوئی اسلام قبول کر لیتا ہے اس کو کفر میں واپس لانے کی کوشش کرتے ہیں اور اسلام کو حق جانتے ہوئے قومی یا مذہبی عنصیت کے باعث اسلام کی خلاف کتابیں لکھتے ہیں ان کے احوال اور اقوال پر نظر کرو تو ان کا غنا، اور ان کا حال معلوم کرنے کے بعد آیت **سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَاذَنُوكُمُ ام لَمْ تَذَرُوهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ** کا مطلب بالکل واضح طور پر سمجھ میں آ جاتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ ۝ يَخُذُ عَوْنَ

اور بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخری دن پر ایمان لائے۔ حالانکہ وہ ایمان والے نہیں ہیں۔ وہ دھوکہ دیتے ہیں

اللّٰهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا۟ وَيَا خُذْ عَوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ

اللہ کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نہیں دھوکہ دیتے مگر اپنی جانوں کو اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ ان کے دلوں میں بڑا روگ ہے سو اللہ

اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝

نے ان کا روگ بڑھا دیا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے اس لیے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔

منافقین کی تاریخ اور نفاق کے اسباب

جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے اور دین اسلام خوب پھیلنے لگا تو یہودیوں اور خاص کر ان کے علماء اور احبار کو یہ بات زیادہ کھلی اور یہ لوگ دشمنی پر اتر آئے کچھ لوگ اہل اور خزع میں سے بھی اسلام کے مخالف ہو گئے۔ اسلام کی اشاعت عام ہو جانے کے بعد مکمل کر یہ لوگ مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اور دشمنی کے اظہار سے بھی عاجز تھے اس لئے انہوں نے یہ چال چلی کہ ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا، اندر سے کافر تھے اور ظاہر میں مسلمان تھے۔ ان کا سردار عبداللہ بن ابی تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے سے پہلے اہل اور خزع نے عبداللہ بن ابی کو اپنا بادشاہ بنانے اور اس کو تاج پہنانے کا مشورہ کیا تھا سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے کسی کی سرداری نہیں چل سکتی تھی اس نے اور اس کے ساتھیوں نے ظاہری طور پر اسلام قبول کر کے اپنے کو مسلمانوں میں شمار کرا دیا اور اندر سے اسلام کی کاٹ میں لگے رہے۔ ان کے اس طریقہ کار میں یہ راز پوشیدہ تھا کہ اسلام قبول کرنے پر جو منافع ہیں وہ بھی ملتے رہیں اور کنبے اور قبیلے سے باہر بھی نہ ہوں اور اہل کفر سے بھی گئے جوڑ رہے۔ اور ان سے بھی فائدہ ملتا رہے۔

اور یہ بھی پیش نظر تھا کہ اگر العیاذ باللہ اسلام اور داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام اور بقا زیادہ دیر تک نہ رہے تو حسب سابق پھر سرداری مل جائے گی لہذا یہ اہل کفر سے مسلمان اور اندر سے کافر رہے اور اسلام اور داعی اسلام کی ناکامی کے انتظار میں رہنے لگے مسلمانوں

سے کہتے تھے کہ ہم مؤمن ہیں اور اس طرح سے اللہ کو اور ایمان والوں کو ہتھوکہ دیتے تھے اور خالص کافروں سے تنہائیوں میں ملتے تھے تو کہتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ یہ لوگ اپنے کو مسلمان ظاہر کرنے کے لئے نمازیں بھی پڑھتے تھے لیکن چونکہ دل سے نمازیں نہ تھے اس لئے جماعتوں کی حاضری میں سستی کرتے تھے اور الگساتے ہوئے اوپر کے دل سے نماز پڑھتے تھے جہادوں میں بھی شریک ہونے کے لئے ساتھ لگ جاتے تھے لیکن کبھی تو درمیان سے واپس آگئے اور کبھی ساتھ رہتے ہوئے بنی مکہ و فرب کو کام میں لاتے رہے۔ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو تکلیفیں پہنچانے اور دل دکھانے کی تدبیریں کرتے رہتے تھے جھوٹی قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں، اور اسلام کے خلاف منصوبے بنا کر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے والی باتیں کر کے صاف انکار کر جاتے تھے اور قسم کھا جاتے تھے کہ تم نے تو نہیں کہا۔

ان لوگوں کے حالات سورۃ البقرہ کے دوسرے رکوع میں اور سورۃ نساء کے رکوع ۲۱ میں اور سورۃ منافقون اور سورۃ حشر میں بیان کئے گئے ہیں اور سورہ ہنر آیت میں خوب زیادہ ان کی قلمی کھولی گئی ہے۔ سیرت کی کتابوں میں ان لوگوں کے نام بھی لکھے ہیں کہ یہ کون کون تھے اور کس قبیلہ سے تھے۔ البدایہ والنہایہ اوائل کتاب المغازی ص ۳۳۶ تا ۳۴۰ ج ۳ میں یہودی علماء اور احبار جنہوں نے اسلام اور داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل کرمخالفت اختیار کی اور خوب زیادہ دشمنی میں لگ گئے ان کے نام اور ان لوگوں کے نام جو یہودیوں اور اوس و خزرج میں سے منافق بنے ہوئے تھے واضح طور پر ذکر کئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ مروت کا برتاؤ فرماتے رہے اور ان کی ایذاؤں کو سہتہ رہے۔ آپ احسن اسلوب سے اپنی دعوت کو لے کر آگے بڑھتے رہے اور دین اسلام کو برابر ترقی ہوتی رہی۔ اس میں جہاں یہ حکمت تھی کہ شاید یہ لوگ مخلص مسلمان ہو جائیں وہاں یہ مصلحت بھی تھی کہ اگر ان کے ساتھ سختی کریں گے تو عرب کے دوسرے قبائل جو مسلمان نہیں ہوئے اور صحیح صورت حال انہیں معلوم نہیں وہ اسلام کے قریب آنے کے بجائے اور دور ہو جائیں گے اور شیطان ان کو یہ سمجھائے گا کہ دیکھو محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا اپنے ماننے والوں کے ساتھ کیسا برتاؤ ہے۔ بالآخر ایک دن وہ آیا کہ یہ لوگ سختی اور ذلت کے ساتھ مسجد نبویؐ سے نکال دیے گئے۔ جس کی تفصیل سیرت ابن ہشام (جلد ثانی کے اوائل) میں مذکور ہے۔ مذکورہ بالا آیات میں اور ان کے بعد والی چند آیتوں میں منافقین کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اول تو یہ فرمایا کہ یہ لوگ اس بات کے مدعی ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور یوم آخرت پر بھی ایمان لائے پھر فرمایا کہ ان لوگوں کا یہ دعویٰ سراسر جھوٹ ہے۔ یہ اہل ایمان نہیں ہیں۔ ایمان فعل قلب ہے۔ صرف زبانی دعویٰ سے کوئی شخص مسلمان نہیں ہوگا۔ جب تک دل سے ان چیزوں کی تصدیق نہ کرے جو اللہ نے اپنے نبیوں کے ذریعہ بتائی ہیں اور جن پر ایمان لانے کا حکم فرمایا ہے اس وقت تک کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا۔ منافقین کے اس دو غلطے پر کو کڑوہ کہتے ہیں کہ ہم مؤمن ہیں، حالانکہ مؤمن نہیں۔ سورۃ مائدہ میں اس طرح بیان فرمایا:..... مَنْ الذِّينَ قَالُوا اٰمَنَّا بِاَقْوَامِهِمْ وَلَمْ يُوْثِقُوْا لَهُمْ (یعنی ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے مومنوں سے کہا کہ ہم ایمان لائے اور حال یہ کہ ان کے دل ایمان نہیں لائے) اس دورگی اور دو غلطے پر کو قرآن وحدیث میں نفاق اور منافقت سے تعبیر کیا گیا ہے اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں۔ ان کو منافق فرمایا گیا ہے۔

یہ کلمہ لفظ "نفاق" سے ماخوذ ہے۔ نفاق اُس سرنگ کو کہتے ہیں جس میں دونوں طرف سے راستہ ہو چونکہ منافقین اسلام میں ایک دروازہ سے داخل ہوتے ہیں اور دوسرے دروازہ سے نکل جاتے ہیں اس لئے ان کے اس عمل کا نام نفاق رکھا گیا۔ مفردات امام راغب میں ہے: وَمِنْهُ النِّفَاقُ وَهُوَ الدُّخُولُ فِي الشَّرْعِ مِنْ بَابٍ وَالخُرُوجُ عَنْهُ مِنْ بَابٍ وَاعْلَى ذَلِكَ نَبِهَ تَعَالَى بِقَوْلِهِ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ اِی الْخَارِجُوْنَ مِنَ الشَّرْعِ۔ منافقت کفر کی بدترین اور خبیث ترین قسم ہے۔ اس میں کفر بھی ہے، جھوٹ بھی ہے، دھوکہ دہی بھی ہے۔ ایسے لوگ صرف ہندوں ہی کو دھوکہ نہیں دیتے بلکہ اللہ تعالیٰ کو بھی دھوکہ دیتے ہیں اور ایمان اور اہل ایمان کا مذاق بناتے

ہیں اور جو کھلے کافر ہیں ان کو بھی دھوکہ دیتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ ہم تم میں سے ہیں اور حال یہ ہے کہ وہ کسی میں سے نہیں جس کو سورۃ نسا میں ایوں فرمایا ہے۔ **يُرَاءُ ذُنُ النَّاسِ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا مُّذَبِّذِينَ بَيْنَ ذَلِكَ لَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ وَلَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ** (یعنی وہ لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کو بھول کر تھوڑا بہت یاد کرتے ہیں اور ایمان اور کفر کے درمیان مذذب ہیں نہ ان کی طرف ہیں اور نہ ان کی طرف) بجز اس کی یہ ہے کہ منافق کسی کا نہیں، دتا وہ صرف اپنا دوتا ہے۔ جہاں دُنیا اور دُنیاوی منافع دیکھتا ہے وہیں دیکھ کر اسی طرف ہو جاتا ہے اور اتنے ہی وقت کے لئے ہوتا ہے جتنے وقت تک ضرورت محسوس کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ منافق کی مثال ایسی ہے جیسے بکریوں کے دو ریوزوں کے درمیان ایک بکری ہے وہ گا بھن بھننے کے لئے کبھی اس ریوز کی طرف جاتی ہے کبھی اس ریوز کی طرف جاتی ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۱۷)

منافقین اپنے اس عمل کو چالبازی اور ہوشیاری سمجھتے ہیں کہ تم نے خوب اللہ تعالیٰ اور مومنین کو دھوکہ دیا اور اپنا کام نکالا، حالانکہ اس دھوکہ دہی اور چالبازی کا برا انجام خود انہی کے سامنے آئے گا اور یہ چالبازی انہی کے لئے وبال جان بنے گی وہ سمجھتے ہیں کہ تم خوب سمجھتے ہیں حالانکہ اپنے اصل نفع اور نقصان تک کو نہیں سمجھتے۔

نفاق کا مرض بہت پرانا ہے اور اس میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ زمانہ نبوت کے منافقین اس مرض میں مبتلا تھے۔ جیسے جیسے اسلام آگے بڑھتا گیا منافقوں کا نفاق بھی بڑھتا رہا۔ مرض نفاق خد اور کذب دنیا کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، دُنیا میں ایسا شخص ذلیل ہوتا ہے اور آخرت میں منافق کے لئے سخت سزا ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا نفاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا۔ آج تو یا اسلام ہے یا کفر ہے۔ اُن کا یہ ارشاد امام بخاری نے نقل کیا ہے۔ شرح حدیث نے فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ ہم لوگوں کا حال نہیں جانتے اس لئے ہم کسی مدعی اسلام کو یوں نہیں کہیں گے کہ یہ منافق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ پاک کی طرف سے اس زمانہ کے منافقوں کے نفاق کا علم تھا۔ اس لئے متعین طریقے پر ان کو منافق قرار دیا گیا، ہم ظاہر کے مکلف ہیں جو شخص کہے گا میں مسلمان ہوں اس کو مسلمان سمجھیں گے، جب تک کہ اس سے کفر کا کوئی کلمہ یا کفر کا کوئی کام صادر نہ ہو اگر کسی کے بارے میں اندازہ ہو کہ یہ ظاہر میں مسلمان بننا ہے، اندر سے مسلمان نہیں ہے اسے منافق کہے بغیر اپنی حفاظت کریں گے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ١٠ إِلَّا إِنَّهُمْ هُمُ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد مت کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح ہی کرنے والے ہیں۔ خبردار! بلاشبہ یہی لوگ **الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ لَا يَشْعُرُونَ ١١** **وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ امْنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنْتُمُ**

مفسد ہیں لیکن نہیں سمجھتے ہیں۔ اور جب کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جیسا کہ اور لوگ ایمان لائے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم ایمان لائے ہیں

كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ١٢ إِلَّا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَكِنْ لَا يَعْلَمُونَ ١٣ **وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا**

جیسے یہ بیوقوف ایمان لے آئے، خبردار! بلاشبہ یہی بیوقوف ہیں لیکن نہیں جانتے۔ اور جب یہ لوگ ان سے ملتے ہیں جو ایمان لائے تو کہتے ہیں کہ ہم

قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شُيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ ١٤ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزَؤُونَ ١٥ **اللَّهُ**

ایمان لے آئے اور جب تنہائیوں میں اپنے شیطانوں کے پاس ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بے شک ہم تو تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو صرف مذاق بنانے والے ہیں۔ اللہ ان کا

يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝

نفاق بناتا ہے اور ان کو ذلیل بننے پر باجے دہانی سرکشی میں اندھے ہو کر جھٹک رہے ہیں۔

منافقوں کے دعوے اور ان کا طریق کار

ان آیات میں منافقین کے بعض دعوے نقل فرمائے ہیں اور ان کا طریقہ کار ذکر فرمایا ہے اور وہ یہ کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ زمین میں فساد نہ کرو تو وہ کہتے تھے کہ اچی ہم کہاں فساد کہاں؟ ہمارا کام تو اصلاح کرنا ہی ہے۔ ان کی تردید میں فرمایا کہ خبردار بلاشبہ یہ لوگ فساد ہی ہیں لیکن اس کا شعور نہیں رکھتے، جس فساد میں یہ لوگ مبتلا تھے اُس میں کئی طرح سے حصہ لیتے تھے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف فتنے کھڑے کرتے تھے اور دشمنان اسلام کو لڑائیوں پر آمادہ کرتے تھے اور مسلمانوں کے جمید دشمنوں تک پہنچاتے تھے۔ اور جو لوگ مسلمان ہونے کا ارادہ کرتے ان کو اسلام سے روکنے کا سبب بنتے تھے اور مسلمانوں کا مذاق بناتے تھے فساد کے کاموں میں مبتلا ہوتے ہوئے ان کا دعویٰ یہ تھا کہ ہم تو اصلاح ہی کرنے والے ہیں۔ مفسر ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ ان کا مطلب یہ تھا کہ ہم دونوں فریق یعنی مسلمین اور کافرین کی مدارات کرتے ہیں۔ دونوں میں جوڑ لگانے اور دونوں کے تعلقات استوار کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ (و کذا نقلہ السيوطي عن ابن عباس في الدر) انہوں نے اپنے نفاق کو اصلاح سے تعبیر کیا، ان کا دعویٰ جھوٹ تھا۔ دونوں فریق میں سے ہر فریق ان کو اپنی جماعت سے علیحدہ سمجھتا تھا۔ (لا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ) جس شخص سے دونوں جانب میں سے کوئی بھی مطمئن نہ ہو وہ کیا جوڑ بٹھا سکتا ہے۔ پھر ایمان اور کفر میں جوڑ بٹھانے کا ارادہ کرنا بھی مزید کفر ہے۔ ایمان اور کفر کا جوڑ بیٹھ ہی نہیں سکتا۔ لہذا ان کا دعوائے اصلاح صرف دھوکہ ہے اور وہ اس کے نتیجے سے ناواقف ہیں، ان کے نفل سے جو فساد پھیلتا ہے اس کو نہیں سمجھتے اور آخرت میں جو اس کا وبال ان پر پڑے گا اس کو نہیں جانتے۔

اور جب ان سے کہا جاتا تھا کہ ایمان لے آؤ یعنی دین اسلام کو سچے دل سے قبول کرو تو وہ کہتے تھے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ تو بے وقوف ہیں ہم بیوقوفی کا کام کیوں کریں۔ حضرات صحابہ اور خاص کر انصار کے دونوں قبیلے اس اور نزع جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کو انہوں نے بیوقوف بنایا اور گویا اپنے سمجھ دار اور ہوشیار ہونے کا دعویٰ کیا۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ بلاشبہ یہ خود بے وقوف ہیں لیکن جانتے نہیں ہیں۔ جس نے ایمان کھویا کفر اختیار کیا اسلام کو نقصان پہنچایا اپنی آخرت برباد کی اور دنیا میں مؤمنین اور کافرین دونوں کے نزدیک مطعون اور قابل ملامت ہوا اس کی بیوقوفی میں کیا شک ہے؟

منافقین کا یہ طریقہ تھا کہ مؤمنین سے کہتے تھے کہ ہم تو ایمان لا چکے ہیں اور جب تنباہیوں میں اپنے شیطانوں یعنی کفر کے سرغنوں کے پاس جاتے تھے جو کھلے کافر تھے تو ان سے کہتے تھے کہ بلاشبہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں یہ جو ہم مسلمانوں سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں یہ تو ہمارا مذاق ہے۔ ان کا مذاق بنانے کے لئے بطور دل لگی ہم ان کے سامنے ان کی جماعت میں ہونے کا اقرار کر لیتے ہیں لیکن اندر سے اور دل سے ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ (قال ابن عباس كان رجال من اليهود اذا لقوا اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم او بعضهم قالوا انا على دينكم واذا خلوا الى شياطينهم وهم اخوانهم قالوا انا معكم اى على مثل ما انتم عليه انما نحن مستهزءون ساخرون)۔ (درمنثور ص ۳۱ ج ۱)

انہوں نے یہ جو کہا کہ ہم مسلمانوں کا مذاق بناتے ہیں اس کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کا مذاق بناتا ہے یعنی وہ ان کے اس

استبزا اور مذاق بنانے کا بدلہ دے گا انہوں نے استبزا کر کے مسلمانوں کے ساتھ جو خفارت کا معاملہ کیا اس کی پاداش میں آخرت میں ذلیل و ردا ہوں گے اور ان کے استبزا کا بدلہ بالآخر انہیں پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جیل دے رہا ہے۔ وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم بہت فائدہ میں ہیں حالانکہ وہ دوزخ کی طرف جا رہے ہیں یہاں دنیا میں مسلمانوں کی طرف اشارے کرتے ہیں زبانوں سے کنکھوں سے ان کا مذاق بناتے ہیں۔ آخرت میں مؤمنین ان پر نہیں گے۔ قَالِیَوْمَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا مِنَ الْکُفَّارِ یَضْحَکُوْنَ سورہ حدید کے دوسرے رکوع میں منافقین کے پیش آنے والے ایک استبزا کا ذکر ہے۔ فَضْرَبَ بَیْنَهُمْ بَسْمُورًا لَّہٗ تَابُ طَبَاطْنَةُ فِیْہِ الرَّحْمَةُ وَظَٰہِرُہٗ مِنْ قِبَلِہٖ الْغَدَابُ جس کی تفسیر ان شاء اللہ اپنی جگہ پر بیان ہوگی۔

دنیا میں منافقین اپنے مال اور جائیداد وغیرہ میں مشغول ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ ہم کامیاب ہیں ان کا سمجھنا غلط ہے ان کا مال اور جائیداد ان کو گمراہی اور سرکشی میں لگائے ہوئے ہے اور اسی گمراہی میں حیران اور سرگرداں ہو کر بھٹک رہے ہیں۔ دنیاوی مال اور جائیداد سے جھوٹا کھانا اور یہ سمجھنا کہ کفر کے ہوتے ہوئے یہ ہمارے لئے مفید اور نافع ہے بہت بڑا دھوکہ ہے۔ سورہ مؤمنون میں فرمایا۔ اِیْنَحْسَبُوْنَ اَنْہُمْ اِنَّمَا نَبْدُلُہُمْ بِہٖ مِنْ مَّالٍ وَنَبْنِیْ نَسَارَۃً لِّیْمٍ فِی الْخُبْرَاتِ بَلْ لَا یَشْعُرُوْنَ (کیا یہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کو جو کچھ مال اور بیٹے دیئے چلے جاتے ہیں (اس طرح) ہم ان کو جلدی جلدی فائدہ سے پہنچا رہے ہیں (بات یوں نہیں ہے) بلکہ یہ لوگ جانتے نہیں ہیں)۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اَشْتَرُوا الضَّلٰلَۃَ بِالْہٰدِیِّ فَمَا رَبَحَتْ تِجَارَتُہُمْ وَمَا کَانُوْا مُہْتَدِیْنَ ۝۱۱

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلہ گمراہی خرید لی، سو ان کی تجارت نفع مند نہ ہوئی اور نہ وہ ہدایت پر چلنے والے بنے۔

منافقین نے ہدایت کے بدلہ گمراہی خرید لی

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ہر شخص کو فطرت ایمان پر پیدا فرمایا پھر عقل اور ہوش بھی دیا اور انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ کتنا میں نازل فرمائیں اس سب کے باوجود اگر کوئی شخص ہدایت کو اختیار نہ کرے اور گمراہی کو اختیار کرے تو یہ ہدایت کے بدلے گمراہی خریدنے والا بن گیا اس نے اپنی عقل و بصیرت کی پونجی کو جس کے ذریعہ ہدایت پر چل سکتا تھا، ضائع کر دیا اور گمراہی اختیار کر لی۔ یعنی اپنی پونجی گمراہی حاصل کرنے میں لگا دی ایسے لوگوں کی یہ تجارت نفع مند نہیں، بلکہ ہر امر نقصان اور خسران کا باعث ہے۔ حقیر دنیا کے لئے گمراہی لی، ہدایت سے منہ موڑا، آخرت کی بربادی کو خریدا، فطرت سلیمہ جو ان کی پونجی تھی اس کو برباد کیا ایسی تجارت میں نفع کہاں؟ نقصان کو نفع سمجھنا بہت بڑی حماقت اور خود فریبی ہے۔ اہل ایمان کو دھوکہ دیا ان کو یہ قیوف بنایا اور خود ہی دھوکہ میں پڑے اور برباد ہوئے۔

مَثَلُہُمْ کَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّا اَضَاءَتْ مَا حَوْلَہٗ ذَہَبَ اللّٰہُ بَنُوْرُہُمْ

ان کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی پھر جب اس آگ نے اس شخص کے آس پاس کو روشن کر دیا تو اللہ تعالیٰ ایمان کی روشنی کو ختم کر دیا

وَتَرَکَہُمْ فِی ظُلُمٰتٍ لَا یُبْصِرُوْنَ ۝۱۲ صُمُّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَہُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ۝۱۳

اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ وہ دیکھ نہیں رہے ہیں۔ بے ادب بہرے ہیں، گونگے ہیں اندھے ہیں پس یہ لوگ رجوع نہ ہوں گے۔

منافقوں کے بارے میں دو اہم مثالیں

منافقوں نے ظاہر فی طور پر اسلام قبول کر لیا اور دل میں اُن کے ایمان نہ تھا ظاہری ایمان قبول کرنے سے جو کچھ انہیں دنیاوی فائدہ پہنچ گیا مثلاً جان و مال محفوظ کر لیا کہ مسلمان ان سے تعرض نہ کریں اس کو اولاً ایسے شخص سے تشبیہ دی جو اندھیری رات میں آگ جلانے اور اس روشنی سے راستہ دیکھنے کا فائدہ حاصل کرتا چاہے، اور اُن لوگوں کا جو انجام ہونے والا ہے کہ مرتے ہی سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے اس کو اس آگ کے بجھانے سے تشبیہ دی جس کو انہوں نے روشنی کے لے جلایا تھا، دنیا میں جھوٹے مُنہ سے ایمان ظاہر کر کے ذرا سا فائدہ اٹھالیا اور ہمیشہ کے لئے عذاب الیم میں گرفتار ہوئے جیسے کوئی شخص اندھیری رات میں آگ جلانے اور روشنی ہو جائے تو وہ روشنی اللہ تعالیٰ شانہ ختم فرما دے اور یہ آگ جلانے والا اندھیروں میں حیران کھرا رہ جائے نہ کچھ دیکھ سکے نہ بوجھ سکے۔ منافقوں نے اپنے طور پر بڑی ہوشیاری کی کہ ایمان ظاہر کر کے دنیا کا کچھ فائدہ اٹھالیا لیکن دل میں جو کفر گھسا دیا ہے اس کی وجہ سے موت کے بعد جن مصیبتوں میں گرفتار ہوں گے اس کو نہ سوجھایا اور کفر میں بڑھتے بڑھتے اس درجے پر پہنچ گئے کہ بہرے بھی ہیں حق سُننے کے قابل نہ رہے اور گونگے بھی ہیں جن کے مُنہ سے کلمہ حق ادا نہیں ہو سکتا اور اندھے بھی ہیں جو راہِ حق نہیں دیکھ سکتے۔ اپنا نفع نقصان جاننے اور سمجھنے سے غافل ہیں۔ اُن کے بارے میں اب نہ سوچا جائے کہ حق کی طرف رجوع کریں گے اور دل سے مسلمان ہوں گے۔ ذکر ابن کثیر فی شرح المثل عدد اقوال وقد احتجونا ما نقله عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال هذا مثل ضربہ اللہ للمنافقین انہم کانوا یعنزون بالاسلام فیناکحہم المسلمون ویواؤنہم ویقاسمونہم النبی فلما ماتوا سلہم اللہ ذلک العز کما سلب صاحب النار ضوءہ۔ (ابن کثیر نے لفظ مثل کی شرح میں متعدد اقوال ذکر کئے ہیں اور ہم نے ان میں سے صرف اسی قول کو اختیار کیا ہے جو ابن عباس سے منقول ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ مثال اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے لئے بیان فرمائی ہے کہ: اسلام کے ذریعے عزت حاصل کر لیتے ہیں مسلمان ان سے مناکحت کرنے لگتے ہیں اور وہ باشت اور مال غنیمت ان میں تقسیم کرتے ہیں لیکن مرتے ہی انکی یہ عزت جاتی رہتی ہے جیسے آگ بجھتی ہی اسکی روشنی آگ جلانے والے سے جاتی رہتی ہے۔)

أَوْ كَصَيْبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَّجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ

یا ان کی ایسی مثال ہے جیسے آسمان سے تیز ہرش برق ہو اُس میں اندھیراں ہوں اور گرج ہو اور بجلی ہو یہ لوگ موت کے اندیشے کے سبب اپنے کانوں میں

مِنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۚ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ۝ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ

اُڑھایاں دے رہے ہیں مڑک کی جگہ سے، اور اللہ تعالیٰ احاطہ کئے ہوئے ہے کافروں کو قریب ہے کہ بجلی ان کی بینائی کو اُچھلے

كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِيهِ ۖ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ

جب بھی ان کے لئے روشنی ہوتی تو اس میں چلتا شرب کر دیا اور جب اندھیرا ہو گیا تو کھڑے کے کھڑے رہ گئے، اور اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کے سننے

وَأَبْصَارَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

اور دیکھنے کی قوتوں کو ختم فرما دے، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

دوسری مثال: ان دو آیتوں میں منافقین کی دوسری مثال پیش فرمائی جیسے تیز بارش ہو، اندھیریاں چھائی ہوئی ہوں، گرج بھی ہو اور بجلی کی چمک بھی ہو، موت کا سامنا ہو۔ جو لوگ وہاں موجود ہوں کڑک کی آواز سے خوف زدہ ہو رہے ہیں اور ڈر رہے ہیں کہ ابھی موت آ جائے گی۔ کڑک کی آواز کی وجہ سے کانوں میں انگلیاں رہ گئے ہوں۔ سخت بجلی اُنکی آنکھوں کی روشنی سلب کرنے کو ہے اسی حیرانی اور پریشانی میں کھڑے کھڑے جب ذرا بجلی چمکتی ہے تو اس کی روشنی میں ایک دو قدم چل لیتے ہیں اور جب اندھیرا چھا جاتا ہے تو حیران سرگردان کھڑے رہ جاتے ہیں۔ منافقوں کی یہی حالت ہے جب غلبہ اسلام کو دیکھتے ہیں اور اس کا نور پھیلتا ہوا نظر آتا ہے تو اس کی طرف بڑھنے لگتے ہیں پھر جب دنیا کی محبت زور پکڑتی ہے اور دنیاوی فائدے کفر اختیار کئے رہنے میں نظر آتے ہیں تو کھڑے کھڑے اس کی طرف جاتے ہیں یعنی ایمان کی طرف بڑھنے سے رُک جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم و قدرت سے سب کا احاطہ کئے ہوئے ہے اس کی طرف بڑھنا اور اس کا دین قبول کرنا لازم ہے۔ دو چاہے تو سننے اور دیکھنے کی ساری قوتیں ختم فرما دے اور بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

مفسر بیضاوی لکھتے ہیں کہ منافقین کو احبابِ صیب (بارش والوں) سے تشبیہ دی اور اُن کے (ظاہری) ایمان کو جو کفر اور دھوکے بازی کے ساتھ ملا ہوا تھا ایسی بارش سے تشبیہ دی جس میں اندھیریاں ہوں، اور گرج ہو اور بجلی ہو یہ تشبیہ اس اعتبار سے ہے کہ بارش اگر چہ فی نفسہ نافع ہے لیکن جب مذکورہ صورت میں بارش نازل ہوئی تو اس کا نفع ضرر سے بدل گیا اور منافقین نے جو اتفاق اس لئے اختیار کیا کہ مؤمنین کی طرف سے جو تکالیف پہنچنے والی ہوں اور کئے کافروں کی طرف سے جو تکالیف پہنچتی ہوں ان سے بچاؤ ہو جائے ان کی اس منافقت کو کانوں میں انگلیاں دینے سے تشبیہ دی جیسے کوئی شخص بجلیوں کی کڑک سے اپنے کانوں میں انگلیاں دے رہا ہو اور موت سے ڈر رہا ہو تو جس طرح کانوں میں انگلیاں دینے سے اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر کے فیصلے کو نہیں مالا جاسکتا اسی طرح سے منافقت اختیار کرنے سے مصائب و آلام سے حفاظت نہیں ہو سکتی اور شدت الامر کی وجہ سے جو ان کو حیرانی اور یہ پریشانی تھی کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں اسے بجلی سے تشبیہ دی کہ کوئی موقع پاتے ہیں تو ذرا اپنے مقاصد میں آگے بڑھ جاتے ہیں مگر ساتھ ہی یہ خوف لگا ہوا ہے کہ بجلی ان کی آنکھیں نہ اچک لے۔ لہذا چند قدم چلتے ہیں پھر جب بجلی کی چمک ختم ہو جاتی ہے تو بلا جس و حرکت کھڑے کھڑے رہ جاتے ہیں۔

اور پھر دوسری طرح سے بھی اس تشبیہ کی تقریر کی ہے۔ (رائن فیضاوی ص ۳۹ ج ۱) بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ بجلی مثال اُن منافقوں کے بارے میں پیش فرمائی ہے جو بہت مضبوطی کیساتھ کفر پر جتے ہوئے تھے اُن کے بارے میں فرمایا: **وَتَرَكْنَهُمْ فِيْ ظُلُمَاتٍ لَاْ يَبْصُرُوْنَ**۔

اور دوسری مثال اُن منافقوں کے بارے میں ہے جن کو اسلام کے بارے میں تردد تھا کبھی اس کی حقانیت دل میں آتی تو اس کی طرف مائل ہونے لگتے اور جب دنیاوی اغراض سامنے آتیں اور دنیا کی محبت زور پکڑ لیتی تو وہ میاں ختم ہو جاتا تھا اور کفر ہی پر جتہ رہ جاتے تھے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٠﴾

اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تم کو پیدا فرمایا اور اُن لوگوں کو بھی پیدا فرمایا جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً ۖ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنْ

جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو بچھوٹا اور آسمان کو چھتہ اور اُنرا آسمان سے پانی، پھر نکال دیا اس کے ذریعہ

الشَّارِبِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

پنچوں سے تمہارے لئے رزق، لہذا امت بناؤ اللہ کے لئے مقابل، حالانکہ تم جانتے ہو۔

دعوتِ توحید اور دلائلِ توحید

مؤمنینِ مخلصین اور کافرین اور منافقین کا ذکر کرنے کے بعد اب دلائل کے ساتھ توحید کی دعوت دی گئی۔ اور اللہ جل شانہ کی شانِ خالقیت اور شانِ ربوبیت بیان فرمائی اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور نعمت کا تذکرہ فرمایا جس کا مظاہرہ سب کے سامنے ہے اور ایک کم سمجھ آدمی بھی اس کو دیکھتا ہے۔

اول: تو یہ فرمایا کہ (کہ تم اپنے رب کی عبادت کرو جو تمہاری پرورش فرماتا ہے اور یہی نہیں کہ صرف پرورش فرماتا ہے بلکہ اس نے تم کو وجود بھی بخشا ہے، ممکن ہے کوئی نا سمجھ یہ کہنے لگتا کہ مجھے تو میرے ماں باپ نے پیدا کیا اس وہم کو دفع فرمانے کے لئے نورانی یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ تم سے پہلے ہیں ان سب کو اسی نے پیدا فرمایا ہے اس نے وجود بھی دیا اور وہ وجود کو باقی رکھے ہوئے بھی ہے اور وجود کے باقی رہنے کے جو اسباب ہیں وہ بھی اسی نے پیدا فرمائے ہیں، پھر یہ فرمایا کہ جب اسی ذاتِ پاک کی عبادت کو اختیار کرو گے اسی میں لگو گے تو تم کو مصیبتِ تقویٰ حاصل ہوگی۔ تقویٰ عربی زبان میں بچنے اور پرہیز کرنے کو کہتے ہیں اور اس کے بہت سے درجات ہیں۔ سب سے بڑا درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذاتِ پاک کا مراقبہ رکھے اور ہر وقت اسی کی طرف دل و دماغ کو متوجہ رکھے اسی کے لئے جیسے اور اسی کے لئے مرے، چھوٹے بڑے گناہوں سے بچنا بھی تقویٰ کے مفہوم میں داخل ہے۔ جب کسی کو خلوت اور جاوت میں اللہ تعالیٰ شانہ کی ذاتِ پاک کا استحضار رہے گا تو کہاں گناہ کر سکے گا اور جب گناہوں سے بچے گا تو ظاہر ہے دوزخ سے بھی محفوظ رہے گا۔ اسی لئے بعض مفسرین نے اس کا ترجمہ یوں لکھا ہے "تا کہ تم دوزخ سے بچو"۔ سب سے بڑا گناہ شرک ہے۔ شرک سے بھی بچے اور توحید کو اختیار کرے جو سب سے بڑی عبادت ہے اور چھوٹے بڑے گناہوں سے بھی پرہیز کرے، ایسا کریگا تو ظاہر ہے کہ دوزخ سے ضرور اس کی حفاظت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور شانِ خالقیت کا مظاہرہ تو ہر چھوٹی بڑی چیز میں ہوتا ہے لیکن بہت واضح چیزیں جو سب کے سامنے ہیں اور کم سمجھ بھی جن کو سمجھتا اور جانتا ہے اُن میں سے تین چیزیں بیان فرمائیں۔

اول: جن میں سے اول یہ ہے کہ اُس نے زمین کو پیدا فرمایا۔ یہ زمین سب کے سامنے ہے اس پر بستے ہیں اور رہتے سبتے ہیں اگر کوئی ناپینا ہو تو وہ بھی یہ تو جانتا ہی ہے کہ میں کس چیز پر آباد ہوں کس چیز پر چل پھر رہا ہوں، جو زمین ہے اس کا وجود ہی بتاتا ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا بڑی قدرت والا ہے پھر زمین کا وجود محض وجود ہی نہیں بلکہ انسانوں کے لئے اس کا وجود بہت بڑی نعمت ہے ساری زمین انسانوں کے لئے بچھونا ہے جس پر رہتے سبتے ہیں، چلتے پھرتے ہیں، اس کے اتنے بڑے پھیلاؤ میں انسانوں کے رہنے کے مکانات بنانے، چلنے پھرنے، سفر کرنے، حاجتیں پوری کرنے کے مواقع ہیں، اگر زمین پر پہاڑ ہی پہاڑ ہوتے یا پانی ہی پانی ہوتا تو اس پر رہنا دشوار ہو جاتا۔

دوم: زمین کے ساتھ ہی آسمان کا ذکر فرمایا اور وہ یہ کہ آسمان کو تمہارے لئے چھت بنایا۔ یہ چھت ستاروں سے مزین ہے، دیکھنے میں بھلی معلوم ہوتی ہے، اس کی طرف نظر کرنے سے فرحت اور بشارت محسوس ہوتی ہے۔ صاحبِ بیان القرآن نے اپنے رسالہ رفیع البناء کے آخر میں لکھا ہے کہ بعض حکماء کا قول ہے کہ آسمان کی طرف دیکھنے سے دس فائدے ہیں۔ (۱) غم کا کم ہونا،

(۲) وسواس کی تکلیل، (۳) وہم اور خوف کا ازالہ، (۴) اللہ کی یاد، (۵) قلب میں اللہ کی عظمت کا پھیل جانا، (۶) افکارِ ردیہ کا جاتا رہنا، (۷) سببِ ادوی مرض کے لئے نافع ہے، (۸) مشتاق کی تسلی، (۹) محبین کا مونس ہونا، (۱۰) دُعا کر نیوالوں کا قبلہ ہے۔ ۱۱ نقلہ عن کتاب الحکمة للغزالی۔

سوم: پھر بارش کے پانی کا تذکرہ کیا اور یہ فرمایا کہ اللہ جل شانہ نے آسمان سے پانی اتارا اور اس کے ذریعہ طرح طرح کے پھل پیدا فرمائے جو بنی نوع انسان کے لئے رزق ہیں اور خدا ہیں ان کے ذریعہ انسانوں کی پرورش اور بقاء ہے، اس میں دلائل قدرت بھی ہیں اور شان ربوبیت کا اظہار بھی ہے۔ ایک ہی زمین ہے اس میں طرح طرح کے پھل ہیں جن کے رنگ بھی مختلف ہیں مزے بھی مختلف ہیں۔ آخر میں فرمایا کہ جب اپنے رب اور خالق کو تم نے اس کے دلائل قدرت کے ذریعہ اور اس کی نعمتوں کے واسطے سے پہچان لیا تو عقل اور سمجھ کا تقاضا ہے کہ صرف اسی کی عبادت کرو اس کو ایک جانو اور ایک مانو اس کی ادبیت اور ربوبیت کا اقرار کرو اور اس کے مقابل شریک مت ٹھہراؤ۔ اُس کے علاوہ نہ کوئی رب ہے نہ کوئی خالق ہے نہ نعمتیں دینے والا ہے، نہ زندگی کے اسباب پیدا کر نیوالا ہے۔ ان سب باتوں کو جانتے اور سمجھتے ہوئے اس کے لئے شریک تجویز کرنا اور کسی کو اس کے علاوہ عبادت کا مستحق سمجھنا علم و فہم اور عقل و دانش کے خلاف ہے۔

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ ۖ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ

اور اگر تم اس کتاب کی طرف سے شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کی تو لے آؤ کوئی سورت جو اس جیسی ہو اور بناؤ اپنے مددگاروں کو

مَنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۱﴾

اللہ تعالیٰ کے سوا اگر تم سچے ہو۔

رسالتِ محمدیہ ﷺ کی دلیل اور قرآن پاک کا اعجاز

توحید کے ثابت کرنے کے بعد رسالت کے ماننے اور تسلیم کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے، کوئی شخص خالق و مالک کو مان لے تو اس کی معرفت کی بھی ضرورت رہتی ہے، اس کی ذات و صفات کو جاننا اور ماننا لازم ہے اور ان کا علم خود بخود نہیں ہو سکتا اور خالق و مالک جل مجدہ کی عبادت کے طریقے اپنے پاس سے ایجاد نہیں کئے جاسکتے۔ لہذا ان سب چیزوں کے سمجھانے اور بتانے کے لئے اللہ جل شانہ نے حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا جو انسان تھے اور انسانوں سے انسان کی زبان میں بات کرتے تھے، جتنے بھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے ان کی نبوت ثابت کرنے کے لئے ہر ایک زمانہ کے ماحول کے اعتبار سے معجزات دیئے گئے۔ آخر الانبیاء سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطہِ عرب میں پیدا ہوئے، مکہ معظمہ آپ کا وطن تھا جو جزیرہ عرب میں واقع ہے۔ اس زمانہ میں فصاحت و بلاغت کا بڑا چرچا تھا، اہل عرب جب مختلف مواقع میں جمع ہوتے تھے تو مقابلے کے طور پر مختلف قبائل اپنے اپنے قصیدے سنایا کرتے تھے۔ جس کا قصیدہ بہت زیادہ فصیح و بلیغ سمجھا جاتا اس کو کعبہ شریف پر لڑکا دیتے تھے اور یہ گویا ایک قسم کا چیلنج ہوتا تھا کہ کوئی شخص اس کے مقابلہ میں قصیدہ لکھ کر پیش کرے۔

حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت عامہ سارے عالم کے انسانوں کے لئے ہے، قیامت آنے تک

آپ ہی رسول ہیں۔ آپ ہی کے لئے دوسے دین کو قبول کرنے میں سب کی نجات ہے آپ سے بے شمار خیرات کا ظہور ہوا جو حدیث اور سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اور ان خیرات پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان خیرات میں بہت بڑا خیر واللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے جو آپ پر نازل ہوئی جس کا نام قرآن مجید ہے۔ اس زمانہ میں چونکہ فصاحت و بلاغت کا بہت چرچا تھا اور مخاطبین اولین چونکہ اہل عرب ہی تھے۔ اس لئے یہ ایک ایسا عجز و دیریا گیا جس کی فصاحت و بلاغت کے سامنے تمام شعراء عرب عاجز رہ گئے (اور اس کو دیکھ کر بہت سے شعراء نے کلام کہنا ہی چھوڑ دیا جن میں حضرت لبید بن ربیعہ بھی تھے۔ ان کا قصیدہ بھی اُن قصائد میں شامل ہے جن کو مقابلہ کے لئے کعبہ شریف پر لڑکا دیا جاتا تھا۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان سے دریافت کر لیا کہ زمانہ اسلام میں آپ نے کیا اشعار کہے ہیں انہوں نے جواب دیا۔ ابدلنی اللہ بالشعر سورۃ البقرہ و سورۃ آل عمران۔ (الاصابہ ص ۳۲۶)۔

مذکور بالا آیت میں اہل عرب کو قرآن جیسی کوئی نورت بنا کر پیش کرنے کے لئے متحدی کی گئی ہے یعنی مقابلہ میں کوئی سورت لانے کا چیلنج کیا گیا ہے اور فرمایا ہے کہ تم سب اپنے حامیوں اور مددگاروں کو بلاؤ اور اللہ تعالیٰ کے ہوا سارے حمایتیوں کو جمع کرو پھر قرآن کریم جیسی کوئی سورت بنا کر پیش کرو۔ پہلے دس سورتیں بنا کر لانے کا چیلنج کیا گیا تھا پھر ایک سورت لانے کے لئے فرمایا گیا تمام نصحاء، باغاء، ایک چھوٹی سے چھوٹی نورت بھی بنا کر نہ لاسکے اور یکسر عاجز رہ گئے۔ سورۃ یونس میں ارشاد فرمایا:

قُلْ فَاتُوا بَسُورَةً مِثْلَهُ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ ذُرِّيَةِ اللَّهِ اِنْ نَحْنُمْ ضَافِقِينَ

(آپ فرمادیجئے کہ لے آؤ تم کوئی سورت اس جیسی، اور بلاؤ جس کو بھی بلا سکتے ہو، واللہ کے ہوا اگر تم بچے ہو)۔

قرآن کریم کا عجز و نا ایسی ظاہر بات ہے جو سب کے سامنے ہے اور سب کو اس کا اقرار ہے دشمن بھی اس کو جانتے اور مانتے رہے ہیں۔ زمانہ نزول قرآن میں بعضے جاہلوں نے تو یہ کہہ کر اپنی خفت مٹانے کی کوشش کی کہ۔ لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا (اگر ہم چاہیں تو اس جیسا کہہ دیں) لیکن کرکچھ نہ سکے اور کچھ لوگوں نے قرآن کے مقابلہ میں کچھ عبارتیں بنائیں پھر خود ہی آپس میں مل کر بیٹھے تو تسلیم کر لیا کہ یہ قرآن جیسی نہ بنی اور آج تک بھی کوئی بنا کر نہ لاسکا اور نہ لاسکے گا۔ جیسا کہ اگلی آیت میں ارشاد ہے اور سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا:

قُلْ لِّئِنْ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ يَّاتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا

(آپ فرمادیجئے کہ یہ بات ضروری ہے کہ اگر جمع ہو جائیں تمام انسان اور تمام جنات کہ وہ لے آئیں اس قرآن جیسا تو نہیں لائیں گے اس جیسا اگر چہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں)۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ ﴿۷۶﴾

سو اگر تم نہ کرو اور ہرگز نہیں کر سکو گے، سو وہ آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، وہ تیار کی گئی ہے کافروں کے لئے۔

قرآن کے مقابلہ سے ہمیشہ عاجز رہیں گے

اس آیت میں فرمایا ہے کہ تم ہرگز قرآن کے مقابلہ میں اس جیسی کوئی سورت بنا کر نہیں لاسکتے ہو اور کبھی بھی نہ لاسکو گے۔ اس میں رہتی دنیا تک کے لئے قرآن کے دنیا میں باقی رہنے کی پیشین گوئی کے ساتھ یہ پیشین گوئی بھی ہے کہ اس جیسا کوئی بھی جماعت یا کوئی فرد نہیں بنا سکتا۔ یہ دونوں پیشین گوئیاں صادق ہیں سچی ہیں سب کے سامنے ہیں چونکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت عام ہے تمام

افراد انسانی جب تک بھی دنیا میں رہیں ان پر فرض ہے کہ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کا دین قبول کریں۔ چونکہ سارے انسانوں کے لئے سارے زمانوں اور سارے مکانوں میں آپ کی دعوت ہے اور یہ دعوت قیامت آنے تک ہے اس لئے کسی ایسے معجزہ کی بھی ضرورت تھی جو ہمیشہ زندہ اور تابندہ رہے یہ معجزہ قرآن مجید ہے جو اللہ کا کلام ہے اور اس کا مقابلہ کرنے سے ہمیشہ کے لئے تمام انسان اور جنات افراد اور جماعتیں عاجز ہیں اور عاجز رہیں گے۔

قرآن موجود ہے اس کی دعوت عام ہے اس کی حقانیت اور سچائی واضح ہے پھر بھی کفر میں اور شرک میں بے شمار قومیں کروڑوں افراد بتلا ہیں قرآن سنتے ہیں اور اس کو حق جانتے ہیں لیکن ماننے نہیں۔ عناد اور ضد اور تعصب قومی اور مذہبی نے انکو دعوت قرآن کے ماننے سے اور اسلام قبول کرنے سے روک رکھا ہے سب کچھ جانتے ہوئے پھر اسلام قبول نہ کرنا اپنے لئے عذاب آخرت مول لینا ہے اسی لئے ارشاد فرمایا کہ اگر تم قرآن کے مقابلہ میں کوئی سورت نہیں لا سکتے اور ہرگز نہیں لا سکو گے تو دوزخ کی آگ سے اپنے کو بچاؤ یعنی قرآن لانے والے کی رسالت اور دعوت کے منکر ہو کر عذاب دائمی کے مستحق نہ بنو اور دیکھتے بھالتے دھکتے ہوئی آگ کا ایندھن نہ بنو اس آگ کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ انسان تو وہی ہیں جو اس کے منکر ہیں اور ایمان لانے کو تیار نہیں اور پتھروں کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ پتھر جن کی دنیا میں شرکین عبادت کیا کرتے تھے، دوزخ میں ہوں گے۔ سورۃ انبیاء میں فرمایا: اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ خَصَبٌ جَبَلٍهُمْ اَنْتُمْ لَبِئْسَ مَا تَدْعُوْنَ۔ (بے شک تم اور وہ جن کی تم عبادت کرتے ہو، دوزخ کا ایندھن ہوں گے، تم اس پر وارد ہونے والے ہو)۔

تفسیر درمنثور میں (ص ۳۶ ج ۱) بحوالہ طبرانی، حاکم اور بیہقی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ پتھر جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے وَقُوْذَهَا النَّاسُ وَالْجِنُّ اِذَا فِيهَا مِنْ شَيْءٍ کے لئے باغات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے جیسے چاہا پیدا فرمادیا۔

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اَنَّ لَهُمْ جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلَّمَا رُزِقُوا

اور بشارت دیجئے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے کہ بلاشبہ ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جب کبھی بھی ان کو ان باغوں میں

مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رَزِقُوا قَالُوا هَذَا الَّذِي رَزَقْنَا مِنْ قَبْلُ ۖ وَأُتَوِيهِ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ

سے کوئی پھل بطور غذا کے دیا جائے گا تو کہیں گے کہ یہ وہی ہے جو ہمیں اس سے پہلے دیا گیا، اور انکو ہم پھل چلے دیئے جائیں گے اور ان کے لئے ان

فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۵۰﴾

باغوں میں بیویاں ہوں گی جو پاکیزہ بنائی ہوئی ہیں، اور وہ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے۔

اہل ایمان کو جنت کی بشارت

کافروں کی سزا بتانے کے بعد (جو اوپر کی آیت میں مذکور ہوئی) اس آیت میں اہل ایمان اور اعمال صالحہ والے بندوں کی جزا ذکر فرمائی ہے جو طرح طرح کی نعمتوں کی صورتوں میں ظاہر ہوگی۔

اول: تو یہ فرمایا کہ یہ لوگ باغوں میں رہیں گے۔ یہ باغات دارالنعیم میں ہوں گے جسے جنت کہا جاتا ہے ان باغوں میں رہنے کے لئے مکان بھی ہوں گے جیسا کہ سورہ صف میں وَمَسَاكِنُ طَيِّبَةً فَبِئْسَ جَنَاتٌ عُذْنُ فرمایا ہے۔ ان باغات میں نہریں جاری ہوں گی۔ جو

صاف ستھرے پانی کی ہوں گی جس میں کسی طرح کا تغیر نہ ہو، توگا، اور وہ صبح کی نہریں ہوں گی جن کا مزہ تبدیل نہ ہو اور نہ وہ شرب کی نہریں ہوں گی جو پینے والوں کے لئے لذت کا ذریعہ ہوں گی اور صاف ستھرے شہد کی نہریں ہوں گی جیسا کہ سورہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ان نہروں کا ذکر فرمایا ہے۔ اور جو شراب وہاں پی جائے گی وہ لذت کے لئے ہوگی اس سے نہ نشا آئے گا اور نہ سر میں درد ہوگا۔ سورۃ الصافات میں فرمایا ہے لَا فَبِقِيَّاهُ غَوْلٰی وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ۝ (ناس میں وہ دوسرے توگا نہ اس سے عقل میں فتور آئے گا)۔

دوم: یہ فرمایا کہ ان پانچوں کے درختوں میں جو پھل ہوں گے وہ ان کو کھانے کے لئے پیش کئے جائیں گے اور جب کبھی بھی کوئی پھل لایا جائے گا تو کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہمیں اس سے پہلے دیا گیا تھا اور جب اس کی یہ ہوگی کہ وہ پھل آپس میں ہم شکل ہوں گے اگرچہ لذت اور مزے میں مختلف ہوں گے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ من قبل سے یہ مراد ہے کہ دنیا میں جو پھل ہمیں دینے گئے تھے یہ اسی جیسا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ جنت میں جو پھل دینے جائیں گے ان کے بارے میں کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ابھی پہلے کھایا تھا۔ مفسر بیضاوی فرماتے ہیں کہ پہلے معنی لینا زیادہ ظاہر ہے تاکہ لفظ تَحْلُمَا کا غوم باقی رہے (کیونکہ جنت میں سب سے پہلے پھل ملے گا اس کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ وہی ہے جو اس سے پہلے دیا گیا تھا اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب من قبل سے دنیا والے پھل مراد لیے جائیں) لیکن صاحب تفسیر نسفی لکھتے ہیں: وَالْضَّمِيرُ فِي بَدْوِ رَجْعٍ إِلَى الْمَرْزُوقِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لِأَنَّ قَوْلَهُ هَذَا الَّذِي رَزَقْنَا مِنْ قَبْلِ أَنْطَوَى تَحْتَهُ ذِكْرُ مَا رَزَقُوهُ فِي الدَّارِ بَيْنَ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا یہ کہنا کہ ”یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے چکا ہے“ دونوں پھلوں کے بارے میں ہے، دنیا والے پھل اور جو پھل وہاں دینے جاتے رہیں گے دونوں مراد ہیں جو پھل ان کو دینے جائیں گے دیکھنے میں بظاہر دنیاوی پھلوں کے مشابہ ہوں گے، جس چیز کو پہلے دیکھا ہو اس سے انس اور الفت زیادہ ہوتی ہے اور اس کی طرف طبعی میلان زیادہ ہوتا ہے اس لئے ظاہری صورت میں وہ پھل دنیا والے پھلوں کی طرح ہوں گے اور حقیقت میں ان کا مزہ اور کیف دوسرا ہی ہوگا۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جنت کے پھلوں سے دنیا میں کوئی پھل نہیں بس ناموں کی مشابہت ہے یعنی پھلوں کو دیکھ کر اہل جنت کہیں گے کہ یہ سیب ہیں، یہ انار ہیں ہم نے اس کو دنیا میں کھایا تھا۔ لیکن وہ مزے میں دنیاوی پھل کی طرح نہ ہوں گے بلکہ ان کا مزہ اور کیف جنت کے اعتبار سے ہوگا جیسا کہ سورۃ آلہ سجده میں فرمایا ہے فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ۔ بعض حضرات نے یہ اشکال کیا ہے کہ دنیا والے پھل مراد لئے جائیں تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جنتی پھل صرف انہی پھلوں کے مشابہ ہوں جو دنیا میں تھے، یہ اشکال کوئی وزن دار نہیں ہے اس لئے کہ اگر شروع و اختلا کے وقت دنیا والے پھلوں کے مشابہ دیئے جائیں اور پھر ان پھلوں کے انواع و اقسام پیش کئے جاتے رہیں جو دنیاوی پھلوں کے مشابہ نہ ہوں اور ان میں آپس میں مشابہت ہو تو اس میں کوئی بات عقل و فہم سے بعید نہیں ہے۔ اہل جنت کو بار بار اور ہمیشہ ایسے پھل دیئے جانا کہ جن میں ظاہری مشابہت ہو اور حقیقت میں مزہ اور کیف الگ الگ ہو اس سے بہت زیادہ استغراب و استعجاب ہوگا اور اس سے خوشی وہ بالا ہوگی۔

سوم: یہ فرمایا کہ ان اوگوں کے لئے دیویاں ہوں گی جو پاکیزہ و ناپائی ہوئی ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: مَطْهَرَةٌ مِنَ الْقَذَى وَالْإِذَى کہ وہ گندگی اور تکلیف دینے والی چیز سے پاک ہوں گی۔ اور حضرت مجاہدؓ نے فرمایا: مِنَ الْحَيْضِ وَالْغَائِطِ وَالْبَوْلِ وَالنَّخَامِ وَالْبَصَاقِ وَالْمَنَى وَالْوَلَدِ۔ یعنی وہ دیویاں حیض سے، اور پیشاب پاخانہ سے، ناک سے نکلنے والے باغم سے، تھوک سے اور مٹی سے پاک و صاف ہوں گی اور اولاد بھی نہ ہوگی جس کے باعث نفاس آتا ہے۔ حضرت قتادہؓ نے فرمایا: مَطْهَرَةٌ مِنَ الْإِذَى وَالْمَنَامِ یعنی وہ

بیویاں ہر تکلیف والی چیز سے اور نافرمانی سے پاک ہوں گی۔ ان سب اقوال کا خلاصہ یہ نکلا کہ اُن عورتوں میں کسی قسم کی کوئی چیز گنہ والی اور تکلیف دینے والی نہ ہوگی۔ اُن کا ظاہر اور باطن سب کچھ عمدہ اور بہترین ہوگا۔ شوہروں کی بات مانیں گی نافرمانی نام کو کبھی نہ ہوگی۔ (مذکورہ اقوال تفسیر ابن کثیر میں نقل کئے گئے ہیں) منسر بیضاوی لکھتے ہیں کہ مُطَهَّرَةٌ (باب تفعیل سے) فرمایا اور ظاہر اس نہیں فرمایا اس سے ان کی طہارت اور پاکیزگی کو نہایت اعلیٰ طریقے پر بیان فرمانا مقصود ہے کہ ان کو ایک پاک کرنے والے نے پاک بنایا ہے اور وہ پاک بنانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

ان بیویوں کا حسن و جمال دوسری آیات میں بیان فرمایا ہے۔ سورۃ رُحْمٰن میں ارشاد فرمایا: كَانَهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْأَمْزُجَانِ (گویا کہ وہ یاقوت اور مرجان ہیں) اور سورۃ واقعہ میں فرمایا: وَخُورٌ عَيْنٌ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ۔ (وہ سفید رنگ کی بڑی بڑی آنکھوں والی ہوں گی گویا کہ وہ چھپے ہوئے موتیوں کی طرح ہیں)۔

چہارم: یہ فرمایا لَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ یعنی اہل جنت ہمیشہ ان باغوں میں رہیں گے۔ نہ وہاں سے نکلیں گے اور نہ نکالے جائیں گے، نہ نکلتا چاہیں گے۔ کما فی سورۃ الکہف لَا يَسْغَوْنَ غَيْظًا حَوْلًا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل جنت کو خوشخبری سننے کیلئے) ایک بندہ اپنے والا پکار کر ندا دے گا تمہارے لئے یہ بات طے کر دی گئی ہے کہ تندرست رہو گے لہذا کبھی بھی بیمار نہ ہو گے اور یہ کہ زندہ رہو گے۔ کبھی تمہیں موت نہ آئے گی۔ اور جو ان روز گئے کبھی بوڑھے نہ ہو گے اور یہ کہ نعمتوں میں رہو گے۔ پس تم کو کبھی محتاجگی نہ ہوگی۔ (صحیح مسلم ص ۳۸ ج ۲)

دُنیا کی نعمتوں میں کدورت ملی ہوئی ہے۔ خوشی کے ساتھ رنج ہے، تندرستی کے ساتھ بیماری ہے۔ ہنہواؤں کے ساتھ کانٹے ہیں۔ مال اور عہدوں کے ساتھ دوسروں کا حسد اور دشمنی ہے اور سب سے آخر بات یہ ہے کہ سب نعمتیں فانی ہیں، صاحب نعمت بھی فانی ہے، نعمتوں کا دوام اور ہمیشگی کسی کیلئے نہیں۔ آخرت کی نعمتیں ابدی ہیں دائمی ہیں ہمیشہ کے لئے ہیں۔ ان کے زوال اور چھن جانے کا کوئی اندیشہ نہ ہوگا۔ زندگی بھی دائمی ہوگی۔ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ان کی شان میں فرمایا ہے۔ (جعلنا اللہ تعالیٰ منهم)

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَنْجِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةٌ فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ

بے شک اللہ تعالیٰ اس بات سے نہیں شرماتا کہ کوئی بھی مثال بیان فرمائے پھر ہو یا اس سے بھی بڑھی ہوئی کوئی چیز ہو، جو لوگ ایمان لائے وہ جانتے ہیں کہ

أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۚ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا ۖ

بلاشبہ یہ مثال حق ہے ان کے رب کی طرف سے اور یہ دو لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا سو یہ کہتے ہیں کیا ارادہ کیا اللہ نے اس کے ذریعہ مثال دینے کا۔

قرآنی مثالوں سے مؤمنین کا ایمان پختہ ہونا اور منکرین کا بے جا اعتراض کرنا

کتاب اللہ کے منکرین کی سزا اور اہل ایمان کی جزا بنانے کے بعد کتاب اللہ کے منکروں کے ایک اشکال اور اعتراض کا جواب دیا جا رہا ہے۔ مخالفین اور معاندین سے یہ توند ہو کہ کتاب اللہ کے مقابلہ میں کوئی سورت بنا کر لاتے لیکن انہوں نے ایک اعتراض کر دیا اور اس اعتراض میں قرآن کے کتاب اللہ ہونے کا انکار منہم ہے۔ حضرت قتادہؓ سے منقول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عکبوت (مکڑی) اور ذاباب (کھسی) کا قرآن مجید میں تذکرہ فرمایا تو مشرکین کہنے لگے اس میں تو مکڑی اور کھسی کا تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

اس حقیر مثال سے کیا ارادہ کیا ہوگا۔ (ابن کثیر) اور یہ استنبہام انکاری ہے مطلب یہ تھا کہ یہ مثال اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں ہے۔ لہذا یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہو سکتا۔ تفسیر نفسی میں ہے کہ جب مکلفی اور مکلفی کا ذکر کتاب اللہ میں سنا تو یہ دہشتے اور کہنے لگے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے کلام سے ملتی جلتی بات نہیں ہے مقصد ان کا بھی کتاب اللہ کا انکار کرنا ہی تھا۔ (ص ۳۵ ج ۱) ان لوگوں نے یہ نہ دیکھا کہ مثال ممثل لہ کے مطابق ہونی چاہیے۔ مثال دینے والے کی عظمت کو اور جس چیز کی مثال دی گئی اسکی حقارت کو سامنے رکھ کر قیاس و وزن لگے اور یہ نتیجہ نکالا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں ان چیزوں کا ذکر نہیں ہو سکتا۔

اللہ جل شانہ نے ان معاندین اور مرتضیٰ کی تردید فرمائی اور ان کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس سے نہیں شرماتا کہ کوئی چیز مثال میں پیش فرماوے خواہ چھری ہو یا اس سے بھی بڑھ کر کوئی چیز ہو (بڑھ کر ہونے میں دونوں صورتیں آ جاتی ہیں حقارت اور چھوٹا ہونے میں بڑھ کر ہو یا جسامت میں بڑھ کر ہو) اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اہل ایمان کو اس میں کوئی تردد نہیں ہوتا کہ یہ مثال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ (کیونکہ مثال اپنی جگہ ٹھیک ہے ممثل لہ کے مطابق ہے) وہ یقین رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مثال واقعی صحیح ہے، موقع کے مطابق ہے، ہمارے رب کی طرف سے ہے اور کافر لوگ عناد کرتے ہیں اور ماننے سے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس حقیر چیز سے اللہ تعالیٰ نے کیا ارادہ فرمایا ہے۔

يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ۝ الَّذِينَ

اسکے راہ اللہ تعالیٰ بہت لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور اسکے بہت بہت سوں کو ہدایت دیتے ہیں اور اسکے ذریعہ نہیں گمراہ کرتے مگر فاسقین اور افساد کرنے والوں کو۔ جو

يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ

اللہ کے بند کو توڑتے ہیں اس کی مضبوطی کے بعد اور کاٹتے ہیں اُن چیزوں کو جن کو جوڑنے رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور فساد کرتے ہیں

فِي الْأَرْضِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝

زمین میں۔ یہ لوگ ہارنے والے ہیں۔

قرآنی مثالیں فاسقوں کے لئے گمراہی کا سبب ہیں

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جو طرح طرح کی مثالیں پیش فرمائی ہیں، سمجھانے کے لئے اور معاندین کو راہ حق پر لانے کے لئے ہیں لیکن ان لوگوں میں بہت سے لوگ ان مثالوں پر اعتراض کرتے ہیں اور اُن کا یہ انکار اور عناد ضلال اور اضلال کا سبب ہو جاتا ہے اور جو اہل ایمان ہیں وہ مزید اپنے ایمان پر ثابت قدم ہو جاتے ہیں اور یہ جانتے اور مانتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے صحیح اور درست ہے اور موقع کے مطابق ہے۔ جو لوگ اس مثال کو اپنے لئے ذریعہ گمراہی بنا لیتے ہیں یعنی مثال پر اعتراض کر کے اپنے کفر میں مزید اضافہ کر لیتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو حکم عدولی پر کمر باندھے ہوئے ہیں ان کو غور کرنے اور حق تلاش کرنے کی عادت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کلام فصاحت الایمان کو انہوں نے اپنے لئے ذریعہ ضلال بنا لیا۔ ان میں منافقین بھی ہیں اور عام کافر بھی۔

قال ابن مسعود رضي الله عنه يضل به كثيرا يعني به المنافقين ويهدي به كثيرا يعني به المؤمنين، فيزيد هؤلاء ضلالة إلى ضلالتهم لتكذيبهم بما قد علموه حقاً بقينا من المثل الذي ضربه الله بما ضرب لهم وإنه لما ضرب له

موافق فذلک اضلال اللہ ایاہم بہ ویبغی بہ یعنی بالمثل کثیرا من اہل الایمان والتصدیق فیزیدہم ہدی الی ہدایہم وایمانا الی ایمانہم لتصدیقہم بما قد علموہ حقا یقینا انہ موافق لما ضربه اللہ لہ مثلا و اقرارہم بہ وذلک ہدایۃ من اللہ لہم بہ (من ابن کثیر) والاضلال خلق فعل الضلال فی العبد والہدایۃ خلق فعل الہتداء ہذا ہو الحقیقۃ عند اہل السنۃ (تفسیر نسفی) (ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ یضلل بہ کثیرا) (اللہ تعالیٰ بہت سوں کو اس کے ذریعہ گمراہ کرتے ہیں) سے منافقین مراد ہیں اور ویبغی بہ کثیرا (اور بہت سوں کو اس کے ذریعہ ہدایت دیتے ہیں) سے مؤمنین مراد ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ منافقین کو ضلالت و رضالت زیادہ کرتے ہیں کیونکہ وہ اس مثال کو یقینی طور پر حق جاننے کے باوجود جھٹلاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بیان فرمائی ہے اور اس بات کی تکذیب کرتے ہیں کہ یہ مثال اس واقعہ کے موافق ہے جس کے لئے اللہ نے اسے بیان فرمایا ہے۔ پس ان کا اس مثال پر تکذیب کرنا ہی حق تعالیٰ کی طرف سے انہیں مثال کے ذریعہ گمراہ کرنا ہے اور ہدایت دیتا ہے اس مثال کے ذریعہ بہت سے اہل ایمان و تصدیق کو پھر انہیں ہدایت در ہدایت اور ایمان و ایمان زیادہ کرتا ہے کیونکہ وہ اس مثال کی جیسے وہ یقینی طور پر جانتے ہیں کہ یہ اس واقعہ کے عین موافق ہے جس کے لئے اللہ نے اسے بیان فرمایا ہے تصدیق کرتے ہیں اور اس کی حقانیت کا اقرار کرتے ہیں۔ یہ تصدیق کرنا ہی حق تعالیٰ کی جانب سے اس مثال کے ذریعہ انہیں ہدایت کرنا ہے اور ضلال (گمراہ کرنا) انسان کے اندر فعل گمراہی پیدا کرنے کا نام ہے اور ہدایت انسان میں فعل رہنمائی پیدا کرنے کا نام ہے۔ اہل سنت کے نزدیک یہی قول حق ہے)

فاسقوں کے اوصاف

پھر ان فاسقوں^(۱) یعنی حکم عدولی کرنے والوں اور بدلت رسانی کے خلاف چلنے والوں کے کچھ اوصاف ذکر فرمائے۔
وصف اول: وہ یہ کہ یہ لوگ اللہ کے عہد کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑتے ہیں۔ اس عہد سے یا تو عقل انسانی مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمائی ہے اور یہ عقل دنیا میں انسان پر حجت ہے اور ایک طرح کا عہد ہے کہ انسان اپنی عقل سے اپنے خالق اور مالک کو پہچانے، اور اپنے خالق اور مالک کو واحد جانے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ یا مبد السست بریکم مراد ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ جل شانہ نے حضرت آدم علیہ السلام کی ساری ذریت کو (جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھی) ان کی پشت سے نکالا جو بہت چھوٹی چھوٹی شکلوں میں چوہو نیٹوں کی طرح سے تھے۔ اور ان سے عہد لیا اور سوال فرمایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا ”بلی“ کہ ہاں آپ ہمارے رب ہیں۔ وادی نعمان میں (عرفات کے قریب) یہ عہد لیا گیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۲۳ از مسند احمد)

سورۃ اعراف کی آیت واذا اخذ ربک من بنی آدم من ظہورہم ذریعتہم واشہدہم غلیٰ انفسہم النست بریکم فقالوا بلی میں اسی عہد کا ذکر ہے۔ یہ عہد سب نے کیا پھر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس عہد کے یاد دلانے کے لئے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا۔ جن حدیثوں میں اس عہد کا ذکر ہے ان میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اقرار کے بعد فرمایا کہ میں ساتوں آدمیوں کو اور ساتوں زمینوں کو تمہارے اوپر گواہ بناتا ہوں اور تمہارے باپ آدم کو بھی تم پر گواہ بناتا ہوں۔ قیامت کے دن تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہمیں اس بات کا پتہ نہ تھا۔ تم جان لو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں اور میرے سوا کوئی رب نہیں اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ

(۱) فاسقین فاسق کی جمع ہے یہ لفظ فسق سے مشتق ہے جس کا معنی ہے حکم عدولی کرنا اور فرمانبرداری سے باہر ہو جانا یہ لفظ کافروں کے لئے بھی ہوا ہے اور گناہ کبیرہ کے مرتکب کے لئے بھی ہر ایک کی حکم عدولی اپنے عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے ہے۔

کرنا، میں تمہاری طرف رسول بھیجوں گا جو تم کو میرا یہ عہد اور میثاق یاد دلانے کے، اور تم پر اپنی کتابیں نازل کروں گا۔ انہوں نے کہا ہم اس بات کے واہ ہو گئے کہ آپ ہمارے رب ہیں اور ہمارے محبوب ہیں اور ہمارے لئے آپ کے سوا کوئی رب نہیں اور آپ کے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں۔ چنانچہ سب نے اس کا اقرار کر لیا۔ (سورۃ البقرہ ص ۲۳)

جو عہد سب نے کر لیا تھا اس کی یاد دلانے کے لئے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لاتے رہے۔ اس عہد کو توڑنا سر اسرنا انصافی ہے اور عہد سے مکر جانا اور اپنی جان پر ظلم کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے بھی عہد لیا تھا کہ جو کتاب تمہارے اوپر نازل کی گئی اس کو تم لوگوں کے سامنے بیان کرو گے اور چھپاؤ گے نہیں۔

کَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ ۖ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ (سورۃ آل عمران ص ۱۹)

یہ عہد بھی یہاں اس آیت سے مراد ہو سکتا ہے کیونکہ علماء اہل کتاب بھی قرآن کی مخالفت میں لگے ہوئے تھے۔ منافقین اور شرکین عرب کی طرح یہ لوگ بھی اسلام کے پھیلنے اور قرآن کی دعوت عام ہونے میں پوری طرح رکاوٹیں کھڑی کرتے رہتے تھے۔ وصف ثانی ان فاسقوں کا دوسرا وصف یہ بیان فرمایا کہ یہ لوگ ان چیزوں کو کھاتے ہیں جن کو جوڑے رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا، ان میں وہ احکام بھی ہیں جو فیما بین العبد و بین اللہ ہیں۔ (اللہ تعالیٰ سے بندے کا یہ تعلق ہے کہ وہ اپنے خالق اور مالک کا فرمانبردار رہے) اور وہ احکام بھی ہیں جو فیما بین العباد ہیں۔ جن میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں میں تفریق نہ کریں کہ بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں بلکہ سب پر ایمان لائیں، اور لَا تَفْرِقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ كَمَا مَعْدُوقٌ نہیں۔

اور ان احکام میں صلہ رحمی بھی ہے اور اہل ایمان سے دوستی کرنا بھی ہے۔ غرض ایمان باللہ کا جو تقاضا ہے اس کے مطابق عمل کرنا عہد کو جوڑے رکھنا ہے اور ہر وہ عمل جس میں خیر کا چھوڑنا اور شر کا اختیار کرنا ہو یہ سب اس چیز کے قطع میں آتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے جوڑے رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔ سورۃ رعد میں ایفا، عہد اور عدم نقض میثاق اور وصل ما امر اللہ کی مدح کی گئی ہے۔ اور جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم دیا گیا ہے ان کے توڑنے والوں پر لعنت کی گئی ہے۔ (سورۃ رعد کو ۳ کا ترجمہ اور تفسیر پڑھیے)

وصف ثالث: ان فاسقوں کا تیسرا وصف یہ بیان فرمایا کہ یہ زمین میں فساد کرتے ہیں، فساد بگاڑ کو کہتے ہیں اور یہ بہت جامع لفظ ہے۔ کفر اختیار کرنا، منافق بننا، شرک ہونا، اللہ کی وحدانیت کا منکر ہونا، دوسروں کو ایمان سے روکنا، حق اور اہل حق کا مذاق بنانا، حقوق کا غصب کرنا، چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا، قتل و خون کرنا جس کی شریعت میں اجازت نہیں دی گئی یہ سب فساد فی الارض میں داخل ہے۔ آخر میں فرمایا اُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ کہ یہ لوگ پورے خسارے میں ہیں۔ یہ لوگ اپنے خیال میں یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہم بہت کامیاب ہیں ایمان نہ قبول کر کے اور منافقت اختیار کر کے دنیا کے فائدوں کو ہاتھ سے جانے نہ دیا انہوں نے دنیا کے حقیر فائدوں پر نظر کی، اور آخرت کے دائمی عذاب کے مستحق بنے جس سے بڑھ کر کوئی خسارہ نہیں۔

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ۖ ثُمَّ يُمَيِّتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۵﴾

کیسے کفر کرتے ہو اللہ کے ساتھ۔ حالانکہ تم بے جان تھے سو اس نے تم کو زندگی دی پھر تم کو موت دے گا۔ پھر زندہ فرمائے گا، پھر اس کی طرف لوٹاے جاؤ گے۔

مکر و دعوتِ توحید

اس آیت میں پھر توحید کی دعوت دی گئی جو تَبَيَّنَ النَّاسُ اغْبِثُوا میں دی گئی تھی اور ارشاد ہوا ہے کہ تم اپنے خالق و مالک کے کیسے

منکر ہو رہے ہو اور اس کی توحید سے کیسے انحراف کر رہے ہو حالانکہ اس نے تم کو جو بدنشا ہے۔ تم نطفے کی حالت میں بے جان تھے۔ سو اللہ تعالیٰ نے تم کو زندگی دی تمہارا جسم بنایا اور اس میں روح چھوٹی۔ عقل کا تقاضا ہے کہ ایسی ذات پاک پر ایمان لائیں اور کفر اختیار نہ کریں اور بات اتنی ہی نہیں ہے کہ مر وہ تھے اس کے بعد اس نے زندگی بخشی بلکہ اس کے بعد یہ بھی ہے کہ جب تمہاری اجل مقررہ ختم ہوگی وہ تمہیں موت دے گا اس کے بعد پھر زندگی بخشے گا اس زندگی کے بعد اسی کی طرف اپنا دینے جاؤ گے۔ اس وقت اس دنیا میں کئے ہوئے اعمال کا حساب ہوگا۔ کفر کا اور برے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ ایمان اور عمل صالح کی جزا بھی ملے گی۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ ۚ

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے پیدا فرمایا جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب۔ پھر قوسہ فرمایا آسمان کی طرف۔ سو ٹھیک طرح بنا دیا۔ ان کو سات آسمان۔

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

اور وہ ہر چیز کو جانتے والا ہے۔

ارض و سماء کی تخلیق کا بیان

اس آیت میں اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنی شان خالقیت بیان فرمائی ہے کہ اس نے آسمان و زمین پیدا فرمائے۔ جو مخلوقات میں بڑی چیزیں ہیں اور نظروں کے سامنے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے انعامات کا بھی تذکرہ فرمایا ہے اور وہ یہ کہ اس نے تمہیں صرف پیدا کر کے نہیں چھوڑ دیا بلکہ تمہاری حاجت کی چیزیں زمین میں پیدا فرمائیں، زمین میں جو کچھ ہے وہ سب تمہارے لئے ہے شرعی قواعد اور قوانین کے مطابق اس سے نفع حاصل کر سکتے ہو۔ خود زمین انسانوں کے لئے بہت بڑی نعمت اور رحمت ہے اور اس کی سطح پر اور اس کے اندر ان گنت چیزیں ہیں۔ انسان ان سب سے مستفیع ہوتے ہیں۔ سورہ رومن میں ہے وَالْأَرْضُ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ اور سورہ ملک میں هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ۔ (اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کو تمہارے قابو کی چیز بنا دی، لہذا اس کے راستوں میں چلو پھرو اور اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور تمہیں اسی کی طرف موت کے بعد اٹھ کر جانا ہے)

زمین سے نکلنے والے چھوٹے بڑے درخت، پھل، میوے، معدنیات اور طرح طرح کی چیزیں جن کی گنتی بیان سے باہر ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں انسان کے لئے پیدا کی گئی ہیں انسان ان کو استعمال کرتے اور ان کے پیدا کرنے والے کا شکر گزار ہو۔ بعض وہ چیزیں جن میں بظاہر ضرر نظر آتا ہے وہ بھی بعض حالات میں نافع اور مفید ہیں۔ سانپ، بچھو اور سکھیا تک سے وائیں بنائی جاتی ہیں۔ البتہ نفع مند بنانے کی تدبیریں ہیں وہ بھی اللہ جل شانہ نے ذہنوں میں ڈالی ہیں۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے الا یہ کہ دلیل حرمت اور استعمال کی ممانعت کسی شرعی دلیل سے ثابت ہو جائے اور یہ بھی سمجھ لیں کہ جس طرح استعمال کے طریقے سیکھتے ہیں اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ شرعی قوانین کے مطابق استعمال کیا جائے مثلاً کوئی شخص کسی کی ملکیت غصب نہ کرے اور نافع چیز کو اپنے لئے ضرر کی چیز نہ بنالے۔ حرام چیزیں استعمال نہ کرے جس کے فروع اور مسائل جزئیہ بہت زیادہ ہیں۔ اس آیت سے اور سورہ حتم سجدہ کی آیت..... قُلْ اِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَئِذٍ۔ الایہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین پہلے

پیدا فرمائی اور اس کے بعد آسمان کی طرف توجہ فرمائی۔ جو ہوا میں تھا اُس کے سات آسمان بنا دیئے اور سورۃ النازعات میں فرمایا ہے: **وَنُفِثَ سَمَكُهَا فِسْوَٰهَا. وَاغْطِشَ لَيْلُهَا وَاخْرَجَ ضَحْیَہَا. وَالْاَرْضُ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحِیَہَا** (یعنی آسمان کی چھت کو بلند فرمایا اور اس کو ٹھیک بنایا اور اس کی رات کو تاریک بنایا اور اس کے دن کو ظاہر فرمایا اور اُس کے بعد زمین کو پھیلا دیا)۔

ان سب آیات کے ماننے سے معلوم ہوا کہ اہل زمین کا مادہ بنایا اور اس کے اوپر بھاری بھرکم پہاڑ پیدا فرمائے پھر سات آسمان بنا دیئے جو بنانے سے پہلے ہوا میں کی صورت میں تھے اس کے بعد زمین کو وہ سورۃ میں پھیلا دیا۔ **قَالَ النَّفْسُ فِی الْمَدَارِکِ وَلَا یَنَاقِضُ هٰذَا قَوْلُہِ وَالْاَرْضُ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحِیَہَا لِانْ جُورِ الْاَرْضِ تَقْدِیْمُ خَلْقِہِ خَلْقِ السَّمَاءِ وَاَمَّا دَحِیَہَا فَتَاخُرُ (ص ۳۹ ج ۱)۔**

فَسُوْنُهُنَّ سَبْعٌ سَمُوٰتٌ (یعنی آسمان کا مادہ جو ہوا میں کی صورت میں تھا جس کا ذکر سورۃ حم مجیدہ میں ہے وہی ذخائن اس کے سات آسمان بنا دیئے اور وہ اب اچھی طرح بنائے ٹھیک بنائے درست بنائے۔ ان میں نہ کچی ہے، نہ پختن ہے، نہ شگاف ہے، نہ کسی قسم کا کوئی نقص ہے۔ ساتوں آسمان جو اوپر نیچے تہہ تہہ بنے ہوئے ہیں ان میں کسی قسم کا کوئی خلل نہیں۔ سورۃ ملک میں فرمایا:

وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْعَفُوْۤرُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمُوٰتٍ طِبَاقًا مَّا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفَاقُوْۤتٍ فَاَرْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُتُوْرٍ۔ (اور روزِ برودست ہے جنتی والا ہے جس نے تہہ تہہ سات آسمان پیدا فرمائے تو خدا کی خلقت میں کوئی فرق نہیں دیکھے گا۔ ونگاہِ ذال کر دیکھ لے کیا تو اس میں کوئی خلل دیکھ رہا ہے؟)

سورۃ قیامت میں فرمایا:

اَفَلَمْ یَنْظُرُوْۤا اِلَی السَّمَاءِ فَوْقَہُمْ کَیْفَ بَنٰیہَا وَزَیْنٰہَا وَمَالَہَا مِنْ فُرُوْجٍ۔ (کیا انہوں نے نہیں دیکھا آسمان کی طرف اپنے اوپر ہم نے اس کو کیسا بنایا اور اس کو زینت دے دی اور اُس میں کوئی شگاف نہیں ہے۔)

سورۃ البقرہ کی آیت بالا کے آخر میں فرمایا: **وَهُوَ بِکُلِّ نَفْسٍ عَلِیْمٌ** (یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے) اتنے بڑے آسمان اتنی بڑی زمینیں اور ان میں جو کچھ اب ہے جو کچھ آئندہ ہوگا جو کچھ پہلے تھا اور ان کے سوا بھی جو کچھ ہے ان سب کا اس کو پورا پورا علم ہے۔ جو انسان اور جنات دنیا میں آئے ان کے لئے ہدایت بھیجی ان میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی، فرمانبردار بھی ہیں اور نافرمان بھی، ہدایت قبول کرنے والے بھی ہیں اور اُس سے منہ موڑنے والے بھی۔ اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کے فقیدہ اور عمل کا علم ہے۔ ہر ایک کے فقیدہ اور عمل کے مطابق جزا اور سزا دے گا۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ۚ قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِیْہَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْہَا

اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں پیدا کرنے والا ہوں زمین میں خلیفہ فرشتوں نے عرض کیا آپ پیدا فرمائیں گے زمین میں جو اس میں فساد کرنے کا

وِیْسِفُکَ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ ۚ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۱۰

اور فتنوں کو پھیلے گا اور ہم آپ کی تسبیح بیان کرتے ہیں جو حمد کیسا تعالیٰ ہوئی ہوئی ہے اور آپ کی پاکی بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اب شک میں جاننا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

حضرت آدمؑ کی خلافت کا اعلان اور فرشتوں کی معروض

انسان کی تخلیق سے پہلے اس زمین میں جنات رہتے تھے۔ وہ آگ سے پیدا کئے گئے تھے ان کے مزاج میں شر ہے زمین میں بہت

فساد کرتے رہے اور خون بہاتے رہے، اللہ جل شانہ نے زمین میں اپنا خلیفہ پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں۔ فرشتوں نے جنات کا حال دیکھ رکھا تھا انہوں نے سمجھا کہ زمین کا مزاج ایسا ہی ہے کہ جو اس میں رہے گا فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ گویا فرشتوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہونے والے خلیفہ میں تین قوتیں ہوں گی۔ (جن کا وجود خلافت کے لئے ضروری ہے) یعنی قوت شہوانیہ اور قوت غضبیہ، جو فساد اور خون خرابے پر آمادہ کرنے والی ہیں اور قوت عقلیہ جو معرفت باللہ اور طاعت اور فرمانبرداری پر آمادہ کرنے والی ہے تو انہوں نے یہ سمجھا کہ پہلی دو قوتوں کا تقاضا تو یہ ہے کہ ایسا خلیفہ پیدا نہ کیا جائے جس میں دونوں موجود ہوں اور قوت عقلیہ کے جو تقاضے ہیں یعنی فرمانبرداری اور اطاعت اور تسبیح و تقدیس و تہجد ہم اس میں ملے ہوئے ہیں انہوں نے اس سے پہلے ایسی کوئی مخلوق نہیں دیکھی تھی جس میں متضاد قوتیں جمع ہوں اور ان کے مجموعہ سے ایسی طبیعت پیدا ہو جائے جس سے خیر کا مظاہرہ ہو۔ عفت بھی ہو، شجاعت بھی ہو۔ عدل و انصاف بھی ہو۔ اہل شر کی سرکوبی پر قدرت بھی ہو اور پہلی دو قوتیں مہذب ہو کر قوت عقلیہ کے تابع ہو جائیں۔ لہذا وہ سوال کر بیٹھے انہوں نے پہلی دو قوتوں کے بارے میں الگ الگ غور کیا، اور یہ نہ غور کیا کہ قوت عقلیہ کے ساتھ ان دونوں کے ملنے سے کیا کچھ کمال پیدا ہو سکتا ہے۔ اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ فرشتوں نے لفظ خلیفہ سے یہ بات نکال لی کہ اس دنیا میں فساد ہی ابگ ہو گئے کیونکہ خلیفہ کی ضرورت ہی اس لئے ہے کہ اصلاح کی جائے اور اصلاح جہی ہوگی جب فساد ہو گا۔ لہذا انہوں نے بطور تعجب یہ عرض کیا کہ کیا آپ اپنی زمین میں ایسا خلیفہ بنائیں گے جو نافرمانی کرے گا، لفظ خلیفہ سے جہاں یہ بات نکلتی ہے کہ زمین میں فساد کرنے والے ہوں گے وہاں یہ بات بھی نکلتی ہے کہ اصلاح کرنے والے بھی ہوں گے لیکن انہوں نے معصیت کا حکم سب پر لگا دیا۔ جو صحیح نہیں تھا۔ قیادہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بتا دیا تھا کہ زمین میں ایسی مخلوق ہوگی جو فساد کرے گی اور خون بہائے گی۔ اس لئے انہوں نے وہ بات کہی جو اَنْتَجِعَلْ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ میں ذکر فرمائی۔ فرشتوں نے جو کچھ کہا وہ بطور اعتراض نہیں تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا کفر ہے اور فرشتے کفر سے اور ہر طرح کی معصیت سے بری اور معصوم ہیں۔ کما قال تعالیٰ لَا يَسْبِقُوْهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ (سورۃ الانبیاء) اور فرمایا لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرُوْهُمْ (سورۃ تحریم) راجع فی ذلک کلہ القرطبی و البیضاوی۔

فرشتوں نے یہ بھی کہا کہ ہم آپ کی تسبیح کرتے ہیں اور برغیب اور برنقص سے آپ کی تزیہ کرتے ہیں اور یہ تسبیح حمد کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ یعنی تسبیح کے ساتھ آپ کی حمد بھی کرتے ہیں اور ہر کمال سے آپ کو متصف جانتے ہیں اور اس کو بیان کرتے ہیں، نُسَبِّحُ کے ساتھ نُقَدِّسُ لک بھی مذکور ہے۔ یہ لفظ تقدیس سے مشتق ہے۔ تسبیح اور تقدیس کا معنی تقریباً ایک ہی ہے اور تفسیر قرطبی میں حضرت مجاہد تاہی سے نُقَدِّسُ کا معنی یوں نقل کیا ہے.....

ای نعظمک و نمجدک و نظہر ذکرک عما لا یلق بک مما نسبک الیہ الملحدون۔ (یعنی ہم تیری عظمت اور بزرگی بیان کرتے ہیں اور تیرے ذکر کو ہر اُس چیز سے پاک کرتے ہیں جس کی نسبت ملحدوں نے تیری طرف کی ہے۔) نُقَدِّسُ لک کا ایک معنی مفسر بیضاوی نے یوں لکھا ہے۔ نظہر نفوسنا عن الذنوب لاجلک۔ (یعنی ہم اپنی جانوں کو آپ کی رضا کے لئے پاک و صاف رکھتے ہیں گناہوں میں ماوث نہیں ہیں۔)

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ

اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو سکھا دیئے سارے نام، پھر ان کو فرشتوں پر پیش فرمایا، پھر فرمایا کہ مجھے بتاؤ ان چیزوں کے نام

كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۰﴾

آپ سچے ہو۔

حضرت آدم علیہ السلام کو اشیاء کے نام بتا کر فرشتوں سے سوال فرمانا

جس نئی مخلوق کے پیدا فرمانے اور زمین میں خلیفہ بنانے کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا تھا وہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا اہل توپنا بنایا گیا پھر اس میں روح پھونکی گئی۔ اور جب یہ جاندار چیز بن گئی اور جاننے اور پہچاننے کے قابل ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ساری چیزوں کے نام بتا دیئے پھر ان چیزوں کو فرشتوں پر پیش فرمایا جن کے نام حضرت آدم علیہ السلام کو بتا دیئے تھے اور فرمایا تم مجھے ان کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو۔

مفسر بیضاوی لکھتے ہیں فی زعمکم انکم احقوا بالخلافة لعصمتکم وان خلقکم واستخلافکم وھذہ صفتہم لا یلبق بالحکیم وھو وان لم یصور حوا بہ لکنہ لازم مقالہم مطالب یہ ہے کہ اگر تم اپنے خیال میں اور اس بات میں سچے ہو کہ خلافت کے زیادہ حقدار تم ہو کیونکہ تم معصوم ہو، اور یہ کہ ایسی مخلوق کا پیدا کرنا اور خلیفہ بنانا جس کی صفت فساد فی الارض اور سفک دماء ہو شان حکیم کے لائق نہیں تو تم ان چیزوں کے نام بتاؤ، یہ بات کہ ہم نسبت نئی مخلوق کے خلافت کے زیادہ مستحق ہیں صاف طور سے انہوں نے نہیں کہی تھی لیکن ان کے قول سے یہ بات بطور لزوم کے نکلتی ہے۔

لفظ آدم کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا کہ: یعنی لفظ ہے۔ جیسے آذوا اور شامخ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ عربی لفظ ہے جو اذمۃ سے مشتق ہے۔ عربی میں یہ مادہ گندم کوئی رنگ کے معنی دیتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو سب چیزوں کے نام بتا دیئے تھے حتیٰ کہ چھوٹے بڑے پھل کے نام بھی بتا دیا تھا۔ جب فرشتوں کے سامنے پیش فرما کر ان کے نام پوچھے تو وہ عاجز رہ گئے (اور سہال ہی ان کا بخیر ظاہر کرنے کیلئے کیا گیا تھا) اور اس طرح سے اللہ جل شانہ نے نئی مخلوق کی فضیلت ثابت فرمادی اور بتا دیا کہ اس نئی مخلوق میں صفت علم ایک ایسی بڑی چیز ہے جس کی وجہ سے زمین میں خلافت قائم کی جاسکتی ہے اور باقی رکھی جاسکتی ہے بغیر علم کے خلافت نہیں چل سکتی بلکہ کوئی بھی کام علم کے بغیر صحیح طریقے سے نہیں ہو سکتا۔ صحیح عمل کے لئے صحیح علم کی ضرورت ہے اور صفت علم میں یہ نئی مخلوق تم سے بڑھ کر ہے۔

قَالُوا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۳۱﴾

فرشتوں نے عرض کیا کہ ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں ہمیں اُس کے سوا کچھ علم نہیں جو آپ نے ہمیں سکھایا، بے شک آپ جاننے والے ہیں حکمت والے ہیں۔

فرشتوں کا عجز اور اقرار

جب فرشتوں نے دیکھ لیا کہ اس نئی مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے ہم کی دولت سے نوازا دیا اور جو علم اُس کو دے دیں وہ ہم میں نہیں ہیں تو

انہوں نے اپنی عاجزی کا اقرار کر لیا اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ ہم ان چیزوں کے نام نہیں بتا سکتے۔ ہمیں جو کچھ علم ہے اسی قدر ہے جو کچھ آپ نے عطا فرمایا ہے۔ اور ساتھ ہی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی کہ آپ نے جو اس مخلوق کو خلیفہ بنانے کا ارادہ فرمایا ہے بالکل صحیح ہے آپ ہر مہیب اور نقص سے پاک ہیں آپ نے جو کچھ ارادہ فرمایا اس کے متعلق کسی قسم کا کوئی سوال اٹھانا درست نہیں اور آپ علیم ہیں سبھی کچھ جانتے ہیں اور حکیم بھی ہیں آپ کا کوئی ارادہ اور فعل حکمت سے خالی نہیں۔

قَالَ يَا دُمْ اَنْبِئْهُمْ بِاسْمَائِهِمْ فَلَمَّا اَنْبَاَهُمْ بِاسْمَائِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَكُمْ اِنِّيْ اَعْلَمُ غَيْبَ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! انہوں کو بتاؤ کہ ان چیزوں کے نام بتاؤ جو جب انہوں نے انہوں کو بتا دی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا کہ جو کچھ میں جانتا

السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۰﴾

ہوں: آسمانوں اور زمین کی فہم کی چیزوں کو اور میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔

حضرت آدم علیہ السلام کا علم و فضل ظاہر ہونا

جب فرشتوں نے ان چیزوں کے نام بتانے سے اپنے عاجز ہونے کا اظہار کر دیا جو ان پر پیش کی گئی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ تم ان کے نام بتا دو۔ چنانچہ انہوں نے ان چیزوں کے نام بتا دیئے۔ فرشتوں کی عاجزی کا اور حضرت آدم علیہ السلام کے علم کا خوب اچھی طرح مظاہرہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا، کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ میں آسمان اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہوں اور وہ سب کچھ جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔ مفسر بیضاوی لکھتے ہیں کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب تم سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں تو تمہیں توقف کرنا چاہیے تھا اور اس انتظار میں رہنا مناسب تھا کہ اس نئی مخلوق کے بارے میں ایسی معلومات حاصل ہو جائیں جو اس کے فضل و کمال پر اور اس کے مستحق خلافت ہونے پر دلالت کریں۔ خلیفہ پیدا فرمانے کا اعلان سننے ہی اشکال کرنا درست نہ تھا۔

اور یہ جو فرمایا کہ میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو اس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ جو ظاہر کیا وہ یہ بات تھی جو بطور سوال عرض کی تھی کیا آپ پیدا فرمائیں گے جو زمین میں فساد اور خون خرابہ کریں گے، اور جو چھپایا اس سے مراد یہ ہے کہ ہم خلافت کے زیادہ مستحق ہیں، انہوں نے یہ بات چھپائی کہ اللہ تعالیٰ ہم سے افضل کوئی مخلوق پیدا نہ فرمائے گا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

ان آیات سے علم کی فضیلت معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ خلافت کے لئے علم ضروری ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام فرشتوں سے افضل تھے کیونکہ ان کو ان سے زیادہ علم دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے۔ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ (کیا برابر ہیں جو جانتے والے ہیں اور جو جانتے والے نہیں ہیں)۔

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰی وَاسْتَكْبَرَ ۚ وَ كَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۱۱﴾

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ سجدہ کرو آدم کو، سو انہوں نے سجدہ کر لیا، لیکن ابلیس نے سجدہ نہ کیا، اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے تھا۔

فرشتوں کا آدم کو سجدہ کرنا اور ابلیس کا انکاری ہونا

جب آدم علیہ السلام کی فضیلت ظاہر ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم فرمایا کہ ان کو سجدہ کرو۔ حکم تو پہلے سے دیا جا چکا تھا جیسا کہ سورۃ حجر اور سورۃ صافات میں ہے۔ فَإِذَا سُوِّيْتُهُ وَنُفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ (کہ جب میں اس کو بنا دوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے لئے سجدہ میں گر پڑنا)

لیکن جب ان کا علم و فضل ظاہر ہو گیا اور سجدہ کرنے کا سبب یعنی آدم کا افضل ہونا معلوم ہو گیا تو حکم سابق کا اعادہ فرمایا تاکہ فرشتے اپنے عمل سے ان کی فضیلت کا اقرار کریں اور حکم کے مطابق سجدہ میں گر پڑیں۔ لہذا وہ سب آدم کے لئے سجدہ ریز ہوئے اور آدم کی تخلیق سے پہلے ہی جو انہوں نے منہ اور زبانون خرابہ کرنے والا کہہ دیا تھا، اس کی بھی تلافی ہو گئی۔

سجدہ تعظیمی کی بحث اور اس کا حکم یہ تو یقینی طور سے ہر مسلمان جانتا ہے کہ یہ سجدہ عبادت کا نہ تھا کیونکہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے۔ پھر یہ سجدہ کون سا تھا؟ اس کے بارے میں مفسرین نے دو باتیں لکھی ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ سجدہ تو اللہ تعالیٰ ہی کو تھا اور آدم علیہ السلام کو قبلہ بنایا گیا تھا۔ اُن کو قبلہ بنانے سے بھی ان کا مرتبہ ظاہر ہو گیا۔

جیسا کہ کعبہ شریف قبلہ ہے اور اس سے اس کی فضیلت ظاہر ہے۔ اور لآذم میں جو لام ہے وہ ایسا ہی ہے۔ جیسے حضرت حسان کے اس شعر میں ہے۔

البس اول من صلی لقبيلکم واعرف الناس بالقرون والسنن

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ سجدہ تو آدم علیہ السلام ہی کو تھا لیکن یہ سجدہ تعظیمی تھا۔ سجدہ عبادت نہ تھا جیسے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اُن کو سجدہ کیا تھا۔ (بیضاوی)

شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ہے۔ خواہ کیسا ہی سجدہ ہو، سجدہ تعظیمی جو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کیا وہ اُن کی شریعت میں جائز تھا۔ یہ شریعت سابقہ کی بات تھی جو منسوخ ہو گئی۔ حضرت قیس بن سعد (صحابی) رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں شہر حیرہ میں آیا میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے علاقے کے سردار کو سجدہ کرتے ہیں۔ میں نے ہل میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے۔ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو میں نے عرض کیا کہ میں حیرہ شہر گیا تھا وہاں میں نے دیکھا کہ لوگ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں تو (میرے نزدیک) آپ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔ آپ نے فرمایا اگر تم میری قبر پر گزرو گے تو کیا سجدہ کرو گے؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا سو (اب بھی) مجھے سجدہ نہ کرو اگر میں حکم دیتا کہ کوئی شخص کسی کو سجدہ کرے تو غور تو لیں کہ آپ نے اپنے شوہروں کو سجدہ کریں اس حق کی وجہ سے جو اللہ نے شوہروں کا عورتوں پر رکھا ہے۔ (سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۲۹۱)

اس سے معلوم ہوا کہ شریعت محمدیہ میں سجدہ تعظیمی کسی کے لئے جائز نہیں، نہ زندہ کو نہ مردہ کو، نہ مرشد کو نہ قمر کو۔ اور حدیث مذکور کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن میں غیر اللہ کو سجدہ کرنے کی ممانعت وارد ہوئی۔ بعض حضرات نے سجدہ تعظیمی کی حرمت پر سورۃ جن کی آیت وَإِذْ أَلْهَمْنَا جَدَّ لَكُمْ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا سے بھی استدلال کیا ہے کہ مساجد مصدر رسمی بمعنی سجدات ہے اور اس کا عموم اور اطلاق ہر طرح کے سجدوں کو شامل ہے (ترجمہ یہ ہے کہ بلاشبہ تمام سجدے اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہیں، لہذا اللہ کے ساتھ کسی

(کو نہ پکارو)

ابلیس کی بد تمیزی اور بد بختی سورہ حجر میں فرمایا ہے۔ **فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ إِلَّا ابْلِيسَ أَبَى أَنْ يَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ** (کہ حکم سن کر فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا اس نے اس بات سے انکار کیا کہ وہ سجدہ کرے یا وہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ کیوں نہ ہوا اور تو نے سجدہ کیوں نہ کیا تو اس پر اُس نے اللہ جل شانہ نے جب اس سے سوال فرمایا کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ کیوں نہ ہوا اور تو نے سجدہ کیوں نہ کیا تو اس پر اُس نے جواب دیا کہ **أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ** (کہ میں اس سے بہتر دوں، مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا اور اس کو کچھڑ سے پیدا کیا۔)۔ (سورۃ اعراف، سورہ ص)

ابلیس ملعون نے نہ صرف یہ کہ حکم کی تعمیل نہ کی بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو غلط بتایا اور اعتراض کر بیٹھا کہ آپ نے افضل کو حکم دیا کہ غیر افضل کو سجدہ کرے یہ حکمت کے خلاف ہے۔ اُس نے اپنے خیال میں آگ کو مٹی سے افضل سمجھا اس لئے جو آگ سے پیدا ہوا ہے اس کو بھی مٹی سے پیدا شدہ شخص سے افضل سمجھ لیا۔ آگ کو مٹی سے افضل سمجھنا ہی اول تو غلط ہے۔ آگ میں فساد زیادہ ہے صلاح کم ہے۔ اور مٹی میں سراپا خوبی ہے، جو نافع ہی نافع ہے۔ اور سب سے بڑی جو خوبی کی چیز مٹی میں ہے وہ تو وضع اور فروتنی ہے پھر کام کی چیزیں سب زمین ہی سے نکلتی ہیں۔ انسانوں اور جنوں کے رہنے کی جگہ بھی زمین ہی ہے۔ پھل، میوے، غلے، ہرے بھرے باغ، کھیتیاں، سب زمین ہی سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور بہت سی وجوہ سے مٹی کو آگ پر فضیلت حاصل ہے۔ پھر مومن بندے کا کام یہ ہے کہ وہ بات ماننے حکم کی تعمیل کرے اگر چہ اپنی سمجھ کے خلاف ہی ہو۔

زبان تازہ کردن باقرار تو نیکیستن علت از کار تو !

حکم عالی سن کر اس میں حجت نکالنا کبر اور نافرمانی ہے۔ اللہ جل شانہ نے سورہ بقرہ میں فرمایا۔ **أَبِى وَأَشْتَكِبَرُ وَتَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ**۔ (یعنی ابلیس نے حکم ماننے سے انکار کیا اور تکبر کیا، اور وہ پہلے ہی سے اللہ کے علم میں کافروں میں سے تھا) اور بعض مفسرین نے **تَكَانَ** بمعنی صاڑ بھی لیا ہے یعنی وہ اب اللہ تعالیٰ پر اعتراض کر کے کافر ہو گیا۔ جب ابلیس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور اللہ تعالیٰ کا حکم سن کر جھٹ بازی کی اور حکم الہی کو حکمت کے خلاف بتایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ملعون قرار دے دیا یعنی اپنی رحمت سے محروم کر دیا اور فرمایا: **فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِينَ**۔ (کہ تو اس سے اتر تجھ کو کوئی حق نہیں کہ اس میں تکبر کرے سو نکل جا بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے)۔ (سورۃ اعراف) اور فرمایا۔ **فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَى يَوْمِ الدِّينِ**۔ (کہ تو اس سے نکل جا کیونکہ بے شک تو مردود ہے اور بیشک تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت رہے گی)۔ جو شخص قیامت کے دن تک ملعون رہ گیا اس کے بعد اُس پر رحمت ہو ہی نہیں سکتی پھر تو اس کے لئے دوزخ ہی دوزخ ہے۔ **قَالَ تَعَالَى لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَبِمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ**۔ (سورہ ص)

غرض کہ شیطان کو تکبر کھا گیا اور ہمیشہ کے لئے ملعون اور مدح و حور اور ذلیل و خوار ہو گیا۔ اس نے ملعون ہونا گوارا کیا لیکن حکم ماننا اُسے منظور نہ ہوا۔ تکبر ایسی بُری بلا ہے جو دنیا اور آخرت میں متکبر کا ناس کھودیتی ہے۔

بعض لوگوں نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ سجدہ کا حکم تو فرشتوں کو ہوا تھا۔ اور ابلیس جن میں سے تھا پھر اس نے سجدہ نہ کیا تو اس کا مواخذہ کیوں ہوا؟ یہ سوال غلط ہے کیونکہ سورۃ اعراف میں اس کی تصریح ہے کہ اس کو بھی سجدہ کرنے کا حکم تھا۔ کما قال تعالیٰ **مَا مَنَعَكَ أَنْ لَا تُسْجِدَ إِذَا أُمِرْتَ** (تجھے کس چیز نے روکا اس بات سے کہ تو سجدہ کرے جبکہ میں نے تجھ کو حکم دیا۔)

اس تصریح کے بعد اصل سوال تو ختم ہو جاتا ہے۔ رہی یہ بات کہ اس کو بالا استقلال الگ سے حکم تھا یا چونکہ فرشتوں کے ساتھ رہتا تھا۔ اور ان کے ساتھ عبادت کرتا تھا اس لئے اس کے عوم میں یہ بھی آگیا تھا یہ دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں۔ والعلہ عند اللہ العلیم۔

قرآن مجید سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس عالم بالا میں رہتا تھا جب نافرمانی کی تو وہاں سے اتر جانے اور نکل جانے کا حکم ہوا۔ وہاں اس کے اعمال و اشغال کیا تھے اس کے بارے میں بعض صحابہ اور تابعینؓ سے کچھ باتیں منقول ہیں، جو درمنثور میں ص ۵۰ ج ۱ پر لکھی ہیں۔ بظاہر یہ اسرائیلی روایات ہیں۔ بہر حال جو بھی کچھ ہو، اس نے اپنا علم بے جگہ استعمال کیا اور غرور علم میں اللہ تعالیٰ پر اعتراض کر دیا اور کفر اختیار کر کے مردود ہو گیا اور اس سے پہلے جتنی بھی عبادت کی تھی سب اکارت گئی۔

مارا گیا شیطان ایک سجدہ کے نہ کرنے سے ہزاروں برس سجدہ میں سر مارا تو کیا مارا

ابلیس کی بنی آدم سے دشمنی..... سورۃ طہ میں ہے کہ جب ابلیس نے سجدہ سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا..... رَسَا ذِمَّ اِنْ هٰذَا غَدُوْلٌ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخَوِّجُكَ مِنَ الْجَنَّةِ فَنُفِثَتْهُ (اے آدم بلاشبہ یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے سو یہ ہرگز تم کو جنت سے نکال نہ دے۔ پھر تم منسبت میں پڑ جاؤ گے)۔ اور ابلیس نے قسم کھائی کہ میں آدم کی ذریت کا ناسخ کوہوں گا۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے کہ ابلیس نے کہا..... لَا خُنْبُكَ ذَرِئَتُهُ اِلَّا قَلِيْلًا (میں ضرور ضرور اس کی ذریت کو اپنے قابو میں کر لوں گا۔ بجز تھوڑے لوگوں کے) اس مضمون کی تکمیل ان شاء اللہ سورۃ اعراف کے دوسرے رکوع کی تفسیر سے کی جائے گی۔

اس کے بعد حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کے جنت میں رہنے اور شیطان کے بہکانے کا ذکر ہے جو ابھی آتا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ابلیس کا پرانا نام عزازیل تھا۔ جب ماحون ہو گیا تو اس کا نام ابلیس رکھا گیا، اور شیطان بھی کہا جانے لگا۔ شیطان کا معنی ہے بہت زیادہ شریر یہ سب سے بڑا شیطان ہے اور اس کی ذریت بھی شیطان ہے اور بہت سے انسان بھی شیطانوں کا کام کرتے ہیں۔ اس لئے شیاطین الانس والجن فرمایا گیا ہے۔

وَقُلْنَا يَا اٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ

اور ہم نے کہا اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہا کرو اور اس میں سے خوب اچھی طرح کھاؤ، جہاں سے چاہو اور نہ قریب جانا اس

الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظَّالِمِيْنَ ﴿۲۰﴾

درخت کے در نہ تم دونوں ظلم کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کو جنت میں رہنے کا حکم اور ایک خاص درخت سے بچنے کی ہدایت اس آیت شریفہ میں یہ فرمایا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کو جنت میں رہنے کا حکم دیا اور خوب با فراغت اچھی طرح کھانے کا گھلا اختیار دے دیا۔ لیکن خاص ایک درخت کے بارے میں فرمایا کہ اس کے پاس نہ پھٹکنا۔ مقصد تو یہ تھا کہ اس میں سے مت کھانا میلن بطور مبالغہ اچھی طرح اہتمام کے ساتھ اس سے بچنے کے لئے یہ فرمایا کہ اس کے پاس بھی نہ جانا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اگر تم نے اس میں سے کھالیا تو ظالموں میں شمار ہو جاؤ گے۔ اس سے دو طرح کا ظلم مراد ہو سکتا ہے۔ اول: تو یہ کہ اس کے کھانے سے جو ممانعت کی خلاف ورزی ہوگی، یہ گناہ ہوگا اور ہر گناہ، گناہ کرنے والے کے لئے وبال ہے اور وہ اس کی وجہ سے مستحق سزا ہے۔ دوم یہ کہ

جب خلافِ رززی کر لو گے تو یہاں جن نعمتوں میں رہ رہے ہو سلب ہو جائیں گی اور یہاں سے نکلتا پڑے گا اور یہ بھی اپنی جان پر ظلم ہوگا۔
 شجرہ (درخت) جس کے کھانے سے منع فرمایا تھا وہ کون سا درخت تھا؟ اس بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ثابت نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ اور بعض دیگر صحابہؓ سے منقول ہے کہ یہ گیسوں کا درخت تھا۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ انگوڑ کا درخت تھا۔ حضرت مجاہدؓ نے فرمایا کہ وہ انجیر کا درخت تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ کھجور کا درخت تھا۔ (یہ اقوال تفسیر درمنثور میں ص ۵۲، ۵۳ ج ۱ پر درج ہیں)

صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے کہ وہ کون سا درخت تھا، ہمیں معین طریقہ پر اس کا علم یقینی نہیں ہے اور اس میں مضائقہ بھی نہیں ہے کیونکہ اس کے جاننے پر کوئی حکم شرعی موقوف نہیں ہے۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ

سو شیطان نے ان دونوں کو اس درخت کے ذریعہ سے اغزش دی، سو ان دونوں کو اس سے نکال دیا جس میں وہ تھے، اور ہم نے کہا اتر جاؤ، تم میں سے

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿۱۰﴾

بعض بعض کے دشمن ہوں گے اور تمہارے لئے زمین میں ٹھکانہ ہے اور ایک زمانہ تک نفع حاصل کرتا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا بہرہ کانا اور جنت سے نکالا جانا

اللہ جل شانہ نے آدم علیہ السلام سے فرمادیا تھا کہ دیکھو، یہ اٹیس تمہارا دشمن ہے تم دونوں کو جنت سے نہ نکال دے یعنی جنت سے نکال دیئے جانے کا ذریعہ نہ بن جائے، اور شیطان نے بھی دشمنی پر کمر باندھ لی تھی اور حضرت آدم اور ان کی بیوی اور ان کی ذریت کو تکلیف پہنچانے کا پکا ارادہ کر چکا تھا۔ وہ اس تاک میں رہا کہ ان کو کسی طرح جنت سے نکا داؤں اور یہاں کی نعمتوں سے محروم کروں۔ اُسے یہ معلوم تھا کہ ان کو ایک درخت کے کھانے سے منع فرمایا گیا ہے اگر کسی طرح ان سے اس ممانعت کی خلاف ورزی کرادوں تو ضرور ان پر عتاب ہوگا۔ جو یہاں سے نکالے جانے کا سبب بنے گا۔ چنانچہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا کہ دیکھو تم کو اس درخت کے کھانے سے اس لئے روکا گیا ہے کہ جو کوئی شخص اس درخت میں سے کھالے گا وہ ہمیشہ یہیں رہے گا۔ اور جو بادشاہی یہاں حاصل ہے اس میں کبھی ضعف نہ آئے گا، اور اس نے یہ بھی کہا کہ تم دونوں کو تمہارے رب نے اس درخت کے کھانے سے اس لئے روکا ہے کہ اس کو کھا کر فرشتے ہو جاؤ گے اور ہمیشہ زندہ رہو گے۔

(فی سورة الاعراف) مَا نَهَيْكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّا اَنْ تَكُونَا مَلَٰئِكَةً اَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِيْنَ (او فی سورۃ طہ) يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدَّلٰكَ عَلٰى شَجَرَةٍ الْخُلْدِ وَمِنْهُ لَآ يَمُوتُ ۔ اور اس نے صرف معمولی طور پر ہی ترغیب نہیں دی، بلکہ دونوں میاں بیوی سے قسم کھا کر کہا کہ بے شک میں تمہارے لئے خیر خواہی کا مشورہ دینے والا ہوں۔ (کما فی سورة الاعراف) وَقَالَسَّمْهُمَا اِنِّیْ لَكُمْ لَمِنَ النَّاصِحِيْنَ ۔ شیطان کے سمجھانے، بھگانے اور قسم کھانے سے دونوں میاں بیوی نے اُس درخت میں سے کھالیا جس سے منع فرمایا گیا تھا اور وہ ان کو فریب دے کر نیچے اتارنے میں کامیاب ہو گیا۔ فَذَلَّلْهُمَا بِغُرُودٍ اس درخت کو چکھنا تھا کہ جنت کے کپڑے ان کے تن سے جدا ہو گئے اور دونوں کی جگہیں ایک دوسرے کے سامنے ظاہر ہو گئیں اب تو جنت کے پتے اپنے جسموں پر جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے۔ جیسا کہ سورۃ اعراف اور سورۃ طہ میں مذکور ہے۔ اللہ جل شانہ نے ان کو پکار کر فرمایا کیا میں نے تم کو اس

درخت سے منع نہ کیا تھا اور کیا میں نے یہ نہ کہا تھا کہ بلاشبہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ دونوں فوراً گناہ کے اقراری ہوئے اور مغفرت طلب کرنے لگے۔ اس کا ذکر سورۃ اعراف میں ہے اور ابھی فَتَلَقَّىٰ اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهِ کی تفسیر میں بھی ان شاء اللہ ان کی توبہ کا ذکر آئے گا۔ یہاں یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ شیطان نے اُن کو کس طرح بہکا دیا اور وسوسہ کیسے ڈالا۔ جبکہ وہ وہاں سے نکال دیا گیا تھا۔ اس کے بارے میں مفسر بیضاوی نے یہ احتمال لکھا ہے کہ اعزاز کے طور پر اس کا وہاں رہنا اور داخل ہونا ممنوع قرار دیا گیا تھا اور ایسی مضبوط ممانعت نہ ہوئی تھی کہ بالکل ہی داخل نہ ہو سکے، چونکہ حضرت آدم و حواء کا ابتلاء اور امتحان مقصود تھا اس لئے وسوسہ کے لئے داخلہ کا موقع دیا گیا۔ اور ایک احتمال یہ لکھا ہے کہ دروازہ کے قریب کھڑے ہو کر وسوسہ ڈالا۔ (لیکن یہ دونوں باتیں اس پر مبنی ہیں کہ وہ جنت سے نکالا گیا تھا اور ابھی زمین پر نہیں آیا تھا۔) ان کے علاوہ دوسرے اقوال بھی ذکر کئے گئے ہیں۔ جو بھی صورت ہو اس نے وسوسہ ڈالا اور بہکا یا اور انہوں نے اس کی بات پر عمل کیا۔ جس کی وجہ سے زمین پر آنا پڑا، تکوینی طور پر جو اُن کو زمین پر بھیجنا اور خلیفہ بنانا پہلے سے طے تھا شیطان کا بہکانا اور اُن کا درخت میں سے کھالینا زمین پر آنے اور رہنے اور بسنے کا سبب بن گیا۔

جب درخت کھانے کا واقعہ پیش آ گیا تو اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ تم یہاں سے اتر جاؤ، زمین میں جا کر رہو وہاں تم میں بعض بعض کے دشمن ہوں گے اور زمین میں تم کو ٹھہرنا ہے اور ایک زمانہ تک نفع حاصل کرنا ہے۔ اس سے یا تو یہ مراد ہے کہ آدم اور حواء اور ان کی ذریت کو قیامت تک دنیا میں رہنا ہے جس کا وقت مقرر ہے، یا یہ مطلب ہے کہ اُن میں سے ہر شخص کو اپنی موت آنے تک زمین پر رہنا ہے اور تھوڑا بہت نفع حاصل کرنا ہے۔

یہاں لفظ اِهْبِطُوا (تم اتر جاؤ) جمع کا صیغہ استعمال فرمایا ہے جب دو آدمی تھے تو جمع کا صیغہ کیوں لایا گیا؟ اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ حضرت آدم و حواء اور ابلیس، تینوں کو خطاب ہے (ابلیس ابھی تک آسمانوں میں تھا، زمین پر نہیں آیا تھا) اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ صیغہ جمع اس لئے لایا گیا کہ حضرت آدم اور حضرت حواء اور اُن کی ذریت کا مجموعہ مراد ہے۔ یہ دونوں اُتارے گئے تو ساری ذریت اُتاری گئی، گوا بھی موجود نہ تھی، یہ دوسری بات زیادہ اولیٰ و اقرب ہے کیونکہ سورۃ طٰہ میں تثنیہ کا صیغہ اِهْبِطْطَا لایا گیا ہے۔ اور ابلیس کو مستقل وہاں سے اُترنے اور نکلنے کا حکم پہلے دیا جا چکا تھا جو سورۃ اعراف میں مذکور ہے۔ بَعَضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ۔ (تم میں سے بعض، بعض کے دشمن ہوں گے) اس سے بنی آدم کی آپس کی دشمنیاں بھی مراد ہو سکتی ہیں اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ شیطان تمہارا دشمن رہے گا اور تم اس کے دشمن ہو گے۔

فَتَلَقَّىٰ اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۚ اِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾

اس کے بعد آدم نے اپنے رب سے چند کلمات حاصل کر لئے۔ سو اللہ تعالیٰ نے اُن کی توبہ قبول فرمائی۔ بے شک وہ خوب زیادہ توبہ قبول فرمانے والا ہے۔ بڑا مہربان ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا توبہ کرنا اور توبہ قبول ہونا

حضرت آدم علیہ السلام اور اُن کی بیوی سے جو خطا ہو گئی اس کی وجہ سے انہیں بہت زیادہ دُعا مست تھی۔ اللہ جل شانہ کی طرف سے ان کو چند کلمات بتائے گئے کہ اُن کے ذریعے توبہ کریں، یہ کون سے کلمات تھے بعض مفسرین نے فرمایا کہ سورۃ اعراف میں جو اُن کی توبہ کے الفاظ مذکور ہیں وہی مراد ہیں یعنی رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ (اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر آپ نے ہماری مغفرت نہ فرمائی اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ضرور ضرور ہم خسارے والوں میں سے ہو

جانیں گے)

ان الفاظ میں متکلم مع الغیر کا صیغہ استعمال فرمایا جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام دونوں ہی نے مذکورہ الفاظ کے ذریعہ توبہ کی۔ حضرت ابن مسعودؓ بے منقول ہے کہ جو الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء ہوئے تھے وہ یہ الفاظ تھے:

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذَّنْبَ إِلَّا أَنْتَ۔ (اے اللہ میں آپ کی پاکی بیان کرتا ہوں اور آپ کی حمد بیان کرتا ہوں اور آپ کا نام بابرکت ہے اور آپ کی شان بلند ہے اور آپ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، لہذا مجھے بخش دیجئے بے شک آپ کے علاوہ کوئی بھی گناہ کو نہیں بخش سکتا) جو بھی الفاظ ہوں اللہ تعالیٰ نے ان کو توبہ کے الفاظ بتائے انہوں نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ اللہ تعالیٰ بڑا کریم ہے توبہ کے الفاظ خود ہی القاء فرمائے اور ان کی توبہ قبول فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ وہ توبہ قبول فرمانے والا اور بہت بڑا مہربان ہے جب کبھی بھی کوئی شخص ندامت کے ساتھ رجوع کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔

سورہ شوریٰ میں ارشاد ہے:

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ۔ (اور اللہ وہ ہے کہ جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں کو معاف فرماتا ہے اور جانتا ہے جو تم کرتے ہو)۔ معافی اور مغفرت توبہ ہوگی لیکن جنت میں واپس نہیں بسایا گیا کیونکہ تکوینی طور پر ان کو پہلے ہی سے دُنیا میں بھیجنا اور خلیفہ بنانا طے تھا ان کے دُنیا میں آنے کی وجہ سے بہت کثیر تعداد میں ان کی ذریت کے افراد مرد اور عورت ایمان اور عمل صالح کی وجہ سے مستحق جنت ہوئے۔ یہ بنی نوع انسان کا بہت بڑا فائدہ ہوا۔ اگر وہ دونوں جنت ہی میں واپس کر دیئے جاتے تو وہاں کی نعمتوں سے وہی منتفع اور متمتع رہتے اور اگر بالفرض وہاں اولاد ہوتی تو وہ اعمال صالحہ کی محنت اور گناہوں سے پرہیز کرنے کی مشقت کے بغیر ہی نعمتوں میں رہتی اور نعمتوں کی زیادہ قدر نہ ہوتی اپنی محنت سے جو چیز حاصل ہو اور دُکھ تکلیف کے بعد جو نعمتیں ملتیں ان کا مزہ اور کیف اور ہی ہوتا ہے۔

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنِ تَّبَعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا

ہم نے کہا تم سب یہاں سے اتر جاؤ، پس اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جس نے میری ہدایت کا اتباع کیا تو ان پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ

هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝

وہ رنجیدہ ہوں گے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور میری آیتوں کو جھٹلایا، یہ لوگ دوزخ والے ہیں یہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔

ہدایت قبول کرنے والوں کے لئے انعام اور کافروں کیلئے دوزخ کا داخلہ

اس سے پہلے حکم اِهْبِطُوا (اتر جاؤ) پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اس کو دوبارہ لانا تو تاکید کے لئے ہے یا پہلا حکم یہ بتانے کے لئے تھا کہ تم یہاں سے جاؤ جہاں جارہے ہو، مصیبت کی جگہ ہوگی، آپس میں دشمنی ہوگی اور وہاں تھوڑی مدت رہنا ہوگا، ہمیشگی نہ ہوگی اور دوسرا حکم یہ بتانے کے لئے ہے کہ جہاں تم کو بھیجا جا رہا ہے وہ دارالتکلیف ہے۔ وہاں قیام کرنے کے بارے میں یہ بات ذہن میں رکھو اور یہیں سے سمجھتے جاؤ کہ تمہارے خالق اور مالک کی طرف سے وہاں ہدایات آئیں گی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر آئیں گے اس کی کتابیں نازل ہوں

گی۔ ان پیغمبروں اور کتابوں پر ایمان لانا ہوگا اور ان کی تعلیمات اور ہدایات کے مطابق زندگی گزارنی ہوگی جو ہدایت کا اتباع کریں گے ان کے لئے یہاں واپس آ کر خیر ہی خیر ہے نہ انہیں کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی رنج لاحق ہوگا۔ سورہ طہ میں یوں فرمایا ہے فَلَنُصَلِّبَنَّكَ هَذَا فَلَا يَصْلُ وَلَا يَنْفَعُ (کہ جو شخص میری ہدایت کا اتباع کرے گا، سو نہ وہ گمراہ ہوگا اور نہ شقی ہوگا)۔ اور جو لوگ کفر اختیار کریں گے اور میری آیات کو جھٹلائیں گے یہ نار (آگ) والے دوزخ میں جائیں گے جس طرح اہل ایمان ہمیشہ جنت میں رہیں گے اسی طرح یہ اہل کفر ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

فوائد ضروریہ متعلقہ واقعہ حضرت آدم علیہ السلام

حضرت آدم و حوا علیہما السلام اور ان کے دشمن ابلیس ملعون کے مذکورہ واقعہ سے بڑے بڑے اہم نتائج اور فوائد معلوم ہوئے۔

انسان کو خلافت ارضی کے لئے پیدا فرمایا..... (۱) اللہ جل شانہ نے انسان کو خلافت ارضی کے لئے پیدا فرمایا۔ اس پر لازم ہے کہ اپنے خالق و مالک کا خلیفہ بن کر رہے۔ اس کے احکام پر خود بھی عمل کرے اور اپنے زور و طاقت سے احکام الہیہ کو نافذ کرے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی ایسے شخص کو صاحب اقتدار بنانا واجب ہے جو احکام الہیہ پر عمل کر سکتا ہو جو لوگ قرآن کو نہیں مانتے وہ تو اس واجب پر کیا عمل کریں گے جنہیں قرآن کے ماننے کا دعویٰ ہے وہ بھی احکام الہیہ کی تنفیذ کے حق میں نہیں ہیں۔ دنیا کے ایک بڑے حصے پر مسلمانوں کو اقتدار حاصل ہے لیکن قوانین شریعت نافذ کرنے کے لئے تیار نہیں، اس سے جان چراتے ہیں۔ دشمنان اسلام کے ترتیب دیئے ہوئے ظالمانہ قوانین کو کوڑت اور کچہری میں استعمال کرتے ہیں کیونکہ شرعی قوانین سے بہت سے دنیاوی منافع اور نفس کی لذتوں پر زور پڑتی ہے اس لئے اللہ کی خلافت سے منہ موڑے ہوئے ہیں اور خلیفۃ اللہ نہ ہونے کی وجہ سے ساری دنیا فتنہ و فساد کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے۔ جو مالک مسلمانوں کے زیر اقتدار ہیں فسادات وہیں زیادہ ہیں۔ قتل، خون کے واقعات بھی انہیں ممالک میں بہت زیادہ پیش آتے رہتے ہیں۔ مسلمان ہی مسلمان کو قتل کرتا ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسا خلیفہ بنائیں جو احکام الہیہ کو نافذ کرے اور اس بارے میں اس کی مدد کریں اور خلافت کے کام انجام دیں اور فاق بن کر يُقَظَّفُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُؤْصَلَ کا مصداق نہ بنیں۔ جو انسان اللہ تعالیٰ کی خلافت کے لئے پیدا کیا گیا اس کے اکثر افراد کو کافر ہی ہیں اور جو اسلام کے مدعی ہیں ان میں سے بھی اکثر نافرمانی پر شلے ہوئے ہیں۔ یہ انسان کی حماقت اور شقاوت ہے۔ اپنے بلند مرتبہ کو چھوڑ کر دنیا کی ذلت اور آخرت کے عذاب کے لئے اپنی جان کو تیار کر رکھا ہے یہی انسان جس کے سب سے پہلے فرد کو فرشتوں سے سجدہ کرایا گیا وہی انسان اپنے کفر کی وجہ سے دوزخ میں جانے کو تیار ہے۔ یہ تو اہل کفر ہیں اور جو مسلمان ہونے کے مدعی ہیں وہ بھی صالحین کے پیچھے نہیں لگتے۔ فاسقوں، فاجروں، بدعتیہ و ملحدوں کو اپنا لیڈر اور قائد بنا لیتے ہیں اور انہیں کو اقتدار سونپتے ہیں اور یہ لوگ خود اور صاحب اقتدار سب مل کر فساد برپا کرتے ہیں۔ قتل و خون اور لوٹ مار کی خبریں برابر آتی رہتی ہیں۔ رشوت کی گرم بازاری ہے، سودی کاروبار ہیں، سودی لین دین ہے، شرائیں پی جا رہی ہیں، زکوٰۃ نہیں دی جاتیں (بہت کم لوگ زکوٰۃ شرعی قاعدہ کے مطابق دیتے ہیں) لوگوں کے حق مارے جا رہے ہیں۔ نمازیں برباد ہیں، رمضان میں کھلے عام سب کے سامنے کھایا پیا جاتا ہے، جانتے بوجھتے گناہ کرتے ہیں اور گناہوں پر اصرار ہے، اپنا مقام بھول گئے اور معصیتوں میں لگ گئے شاید کسی کے دل میں یہ وسوسہ آئے کہ پھر تو فرشتوں نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ جو نئی مخلوق پیدا ہو رہی ہے وہ فساد ہی ہوگی اور خون خرابہ کرنے والی ہوگی۔ اس وسوسہ کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں نے تو تمام افراد انسانی کو ہی فساد اور خون خرابہ سے مصحف کر دیا تھا انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ ان میں انبیاء، کرام، علیہم الصلوٰۃ والسلام اور علماء، شہداء، عابدین، ذاکرین، قاضین، مجاہدین، نجات، حفاظ قرآن، مفسرین قرآن، محدثین، مصنفین، مصلحین و

مرشدین بھی ہوں گے۔ اگر بنی نوع انسان کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے اور خاص کر امیر محمد بن علی صاحبہ الصلوٰۃ والرحمۃ کی تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو یہ چلتا ہے کہ انسانوں میں کیسے کیسے اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والے اور اصلاح حال کے لئے جا میں وقف کرنے والے اور خلافت الہیہ کے فریضہ کو انجام دینے والے گزرے ہیں۔ فرشتوں کے سامنے اہل صلاح و فلاح کے اعمال خیر کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے اندر یکے بعد دیگرے رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے آتے رہتے ہیں اور وہ فجر اور عصر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں۔ جب وہ فرشتے واپس ہو کر اوپر جاتے ہیں جنہوں نے تمہارے ساتھ رات گزاری تو اللہ تعالیٰ شانہ اُن سے دریافت فرماتے ہیں حالانکہ وہ ان سے زیادہ جاننے والے ہیں کہ میرے بندوں کو تم نے کس حال میں چھوڑا؟ وہ عرض کرتے ہیں: سر کنناہم وہم یصلون و انیناہم وہم یصلون۔ یعنی ہم نے اُن کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے اور ہم اُن کے پاس گئے تھے تو بھی نماز پڑھ رہے تھے۔ (رواہ البخاری ص ۵۷۷ ج ۱)

اور یوم عرفہ کو جب حجاج عرفات میں جمع ہوتے ہیں تو اللہ جل شانہ اُن کو فرشتوں کے سامنے پیش فرما کر فخر فرماتے ہیں (فی حدیث جابر مرفوعاً اذا کان یوم عرفۃ ان اللہ ینزل الی السماء الدنیا فیباہی بہم الملائکۃ فیقول انظروا الی عبادی اتونی شعثاً غبراً ضاجین من کل فج عمیق۔ الحدیث۔ کما فی مشکوٰۃ ص ۲۲۹ عن شرح السنۃ) حضرت جابرؓ کی حدیث میں مرفوعاً منقول ہے کہ جب عرفہ کا دن ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف نازل فرماتے ہیں اور فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں پر فخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں میرے بندوں کو دیکھو جو پراگندہ بال غبار آلود اور راستوں میں چلاتے اور مجھے پکارتے میرے پاس آئے ہیں)

یوم عید میں بھی اسی طرح فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں کو پیش فرما کر اللہ تعالیٰ فخر فرماتے ہیں۔ (مشکوٰۃ الصالح ص ۱۸۲) علم بہت بڑی دولت ہے: (۲) علم اللہ جل شانہ کی بہت بڑی نعمت ہے اور بہت بڑی فضیلت کی چیز ہے۔ اسی کے ذریعہ اللہ جل شانہ نے فرشتوں پر حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت ظاہر فرمائی۔ علم ہر حال میں جہالت سے بہتر ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ علم کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں اور خلافت الہیہ کے کاموں میں اور اللہ تعالیٰ کی معرفت میں خرچ کرنے سے صاحب علم کی فضیلت باقی رہتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو جن چیزوں کا علم دیا گیا تھا، یہ خلافت الہیہ کو قائم اور باقی رکھنے کیلئے دیا گیا تھا انسان کو جو بھی علم ملے اس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ بننے کے لئے استعمال کیا جائے۔ جو علم مجادلہ پر ابھارے، راہ حق سے ہٹائے، وہ علم جہل ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا کہ ان من العلم جہلا (یعنی بعض علم جہالت ہوتے ہیں) کتاب وسنت کے علوم تو باعیت قرب الہی ہیں ہی دوسرے علوم بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ بن سکتے ہیں (قال تعالیٰ) وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (وقال تعالیٰ) سَنُرِیْہُمْ اٰیَاتِنَا فِی الْاَفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِہُمْ لیکن حال یہ ہو رہا ہے کہ آفاق و انفس، اشجار و اجار، جبال و بحار سے متعلق جو علوم منکشف ہو رہے ہیں، انسان ان سے اپنے دنیاوی امور میں منتفع اور متہنح ہوتا ہے لیکن جس نے یہ علوم دیئے ہیں اور یہ منافع پیدا فرمائے اور ان کی طرف لوگوں کا ذہن منتقل کیا ہے اس کی طرف متوجہ نہیں، یہ لوگ عام طور پر ملحد، کافر اور فاسق فاجر ہی ہیں۔

جو علم میں بڑھ کر ہو اس کی برتری تسلیم کرنی چاہیے: (۳) جب کسی کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ یہ شخص مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے اُس کے عالم ہونے کا اقرار کرے اور بغیر کسی پس و پیش کے اپنا عجز ظاہر کر دے اور اس میں اپنی خفت محسوس نہ کرے۔ جیسا کہ فرشتوں نے حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم ظاہر ہوتے ہی اپنے عجز کا اقرار کر لیا، جاہل ہوتے ہوئے علم کا دعویٰ کرنا اور اہل

علم سے بحث کرنا بہت بڑی حماقت ہے اور حق منکشف ہونے کے بعد باطل پر ہمار بنایہ بہت بڑی شقاوت ہے۔

توبہ کی اہمیت اور ضرورت (۴)..... بندے کا کام یہ ہے کہ جب کوئی گناہ ہو جائے فوراً توبہ کرے اور اپنے خالق و مالک کی طرف رجوع ہو، اپنے گناہ کا اقرار کرے اور مغفرت طلب کرے۔ گناہ پر اصرار نہ کرے اور گناہ کو اپنے لئے وبال سمجھے اور گناہ کو اپنی جان پر ظلم جانے۔ حضرت آدم و حوا علیہما السلام سے گناہ ہو گیا تھا یعنی وہ درخت کھا لیا تھا جس کے کھانے سے منع کیا گیا تھا اور حضرت آدم ممانعت کو اس وقت نہ ہو لے ہوئے بھی تھے۔ (کما فی سورۃ طہ) وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلِ فَنَسَىٰ وَلَمْ نُجِدْ لَهُ عِزْمًا جب ان کا مواخذہ ہوا تو انہوں نے کوئی جھٹ نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے گناہ کا اقرار کیا اور توبہ کی۔ گو بھول پر مواخذہ نہیں ہوتا مگر بھول کے اسباب اختیار کرنے پر مواخذہ ہو جاتا ہے اور بڑوں کی بڑی بات ہے ان کی وہ باتیں بھی گرفت میں آ جاتی ہیں جو دوسروں سے برگزرد کر دی جاتی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی نے کوئی کٹ جھٹی نہیں کی، نہ بھول کا بہانہ بنایا۔ اللہ جل شانہ نے ان پر رحم فرمایا اور خود ہی ایسے کلمات انکو القا فرمائے جو قبولیت توبہ کا ذریعہ بن گئے۔ قال البیضاوی عجیباً عما یرد علی العصمة انه فعله ناسیاً لقوله تعالیٰ فَنَسَىٰ وَلَمْ نُجِدْ لَهُ عِزْمًا وَلَٰكِنَّ عَوْنَهُ بَنَىٰ التَّحْفِظَ عَنْ اسباب النسيان ولعله (ای النسيان) ان حطَّ عن الامة لم يحط عن الانبياء لعظم قدرهم۔ (قاضی بیضاوی) نصصحت انبیاء پر واقع ہونے والے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت آدم سے یہ فعل بھولے سے سرزد ہوا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فَنَسَىٰ وَلَمْ نُجِدْ لَهُ عِزْمًا (یعنی آدم بھول گیا اور ہم نے اس کا ارادہ نہیں پایا) لیکن چونکہ انہوں نے بھول کے اسباب سے اپنا بچاؤ نہیں کیا اس لئے وہ عتاب الہی کے سزاوار تھے اور ممکن ہے کہ نسیان امت کے حق میں تو معاف ہو لیکن انبیاء کیلئے ان کی شان رفیع کے پیش نظر معاف نہ ہو

برخلاف ابلیس شیطان کے اس نے دانستہ طور پر اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی اور نہ صرف خلاف ورزی کی بلکہ حکم ہی کو غلط بتایا اور ذات خداوندی پر اعتراض کر بیٹھا اور اپنی خطا تسلیم نہیں کی۔ دونوں باتوں سے معلوم ہوا کہ گناہ کا اقرار کرنا اور توبہ کرنا معافی کے لئے رونا دھونا، بے چین ہونا ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کا طریقہ ہے اور تمام صالحین کا جو اپنے باپ آدم کی راہ پر تھے یہی طریقہ رہا ہے اور گناہ کر کے کٹ جھٹی کرنا اور اس کو گناہ نہ سمجھنا، گناہ کا اقرار نہ کرنا، ابلیس کا طریقہ ہے جو تمام شیطانوں کا سرغنہ ہے۔ مؤمن بندے جن کو تعلق مع اللہ حاصل ہے اور اتنا بت الی اللہ کی نعمت سے نوازے گئے ہیں وہ تو نہ صرف یہ کہ گناہ ہو جانے پر توبہ کرتے ہیں بلکہ نیکی کر کے بھی استغفار کرتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے خالق کا حق ادا نہ ہوا۔ گناہ تو بندوں سے ہو ہی جاتا ہے لیکن مغفرت کی طلب میں جلدی کرتے ہیں اور معافی مانگتے رہتے ہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: ”کل بنی آدم خطاء ون وخیر الخطائین التوابون“ یعنی تمام بنی آدم خطا کار ہیں اور خطا کاروں میں سب سے بہتر وہ ہے جو خوب توبہ کرنے والے ہیں۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارمی۔ مشکوٰۃ ص ۲۰۴)

پس بنی آدم پر لازم ہے کہ اپنے باپ آدم علیہ السلام کے طریقہ پر چلیں اور ابلیس دشمن کی راہ اختیار نہ کریں۔

تکبر بُری بلا ہے (۵)..... تکبر بہت بُری بلا ہے۔ یہ صفت انسان کو لے ڈھتی ہے۔ ابلیس علیہ اللعنة نے تکبر کیا، اللہ تعالیٰ کے حکم کو نہ مانا اور اس کو خلاف حکمت قرار دیا، تنبیہ کرنے پر بھی اپنے انکار پر اڑا رہا، ملعون اور مَطْرود اور مدحور ہونا گوارا کر لیا لیکن حکم خداوندی کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوا۔ اس نے یہ تو کہا کہ میری زندگی دُراڑ کر دی جائے اور مجھے مہلت دی جائے (اور اس میں شُرکاء پہلو تھا کیونکہ درازی عمر سے کوئی خیر مقصود نہ تھی بلکہ بنی آدم کو بہکانا، اور غلامانہ کفر و شرک میں ڈالنا مقصود تھا) اور توبہ کی طرف متوجہ نہ ہوا، جسے اپنی بڑائی کا خیال، وہ اس سے بڑے بڑے گناہ صادر ہوتے ہیں وہ حق کو ٹھکراتا ہے لوگوں کو حقیر سمجھتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کوئی

شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اُس کا کپڑا اچھا ہو اور جوتا اچھا ہو (کیا یہ تکبر ہے؟) آپؐ نے فرمایا: بے شک اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے (لہذا اچھا کپڑا اور اچھا جوتا پہننا تکبر نہیں ہے) پھر فرمایا: الکبر بطر الحق و غمط الناس یعنی تکبر یہ ہے کہ حق کو ٹھکرائے اور اس کے ماننے سے انکار کرے اور لوگوں کو ذلیل اور حقیر جانے۔ (رواہ مسلم ص ۶۵ ج ۱)

اس آفت میں امیر غریب، عالم، جاہل سب مبتلا ہوتے ہیں اور مصالین، واعظین، مرشدین کو بھی یہ مرض گھن کی طرح لگ جاتا ہے۔ اپنے اعمال کی ریاکاری، ذمہ داری کی غیبت اور تحقیر، اپنے عمل و فضل کا ظاہر کرنا، حق سامنے ہوتے ہوئے نہ ماننا، گناہ کرنا اور نصیحت و خیر خواہی کرنے والوں سے کٹ جتنی کرنا، مسئلہ غلط بتا کر یا شائع کر کے رجوع نہ کرنا اور غلطی پر اصرار کرتے رہنا اور اس طرح کی بہت سی باتیں ہیں جو پیش آتی رہتی ہیں۔ یہ سب تکبر ہے۔

اللہ جل شانہ کو تواضع پسند ہے۔ ایمان کا کمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمت عطا فرمائی اس کی قدر دانی اور شکر گزاری کرتے ہوئے اس کی مخلوق کے ساتھ عاجزی اور فروتنی کے ساتھ پیش آئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے لوگو! تواضع اختیار کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے اللہ کے لئے تواضع اختیار کی اللہ تعالیٰ اُس کو بلند فرمادیں گے جو اپنے نفس میں تواضع نہ ہوگا اور لوگوں کی نظروں میں بڑا ہوگا اور جو شخص تکبر اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو گرا دیں گے۔ وہ لوگوں کے نزدیک کتے اور خنزیر سے بھی زیادہ ذلیل ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۲، ازفتاویٰ فی شعب الایمان)

گناہوں کی وجہ سے نعمتیں چھین لی جاتی ہیں..... (۶)..... گناہ نعمتیں چھین جانے کا سبب ہیں۔ آخرت کے مواخذہ کے علاوہ دنیا میں بھی گناہ کی وجہ سے نعمتیں سلب ہو جاتی ہیں۔ حضرت آدم وحواء علیہما السلام ثمر ممنوعہ کے کھانے کے سبب جنت سے نکال دیئے گئے اور دنیاوی مصیبتوں میں اُن کو اور اُن کی ذریت کو مبتلا ہونا پڑا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: إِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يَصِيبُهُ یعنی بلاشبہ انسان گناہ کرنے کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ (متدرک حاکم ص ۴۹۳ ج ۱)

بہت سے لوگ گناہوں میں مبتلا ہیں بلکہ پوری پوری قومیں اور قبیلے گناہوں میں لت پت ہیں وہ چاہتے ہیں کہ مصیبتیں دور ہوں اور تنگدستی سے خلاصی ہو لیکن گناہ چھوڑنے کو تیار نہیں بلکہ سمجھانے والے کو آڑے ہاتھوں لے لیتے ہیں اور اُلٹے سیدھے سوال و جواب کرتے ہیں۔ سورہ اعراف میں ارشاد ہے: ... وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفُتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٌ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز کرتے تو ہم اُن پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن اُنہوں نے تکذیب کی تو ہم نے اُنکے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا)۔

متعدد احادیث میں بعض اعمال پر دنیا میں مل جانے والی سزاؤں کا خصوصی تذکرہ بھی وارد ہوا ہے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا کہ جس قوم میں زنا کا رواج ہو جائے گا وہ قحط کے ذریعہ پکڑی جائے گی اور جن لوگوں میں رشوت عام ہو جائے گی وہ لوگ زعب کے ذریعہ پکڑے جائیں گے۔ (یعنی ان کے داؤں میں رعب ڈال دیا جائے گا دشمن سے ڈریں گے، دُور سے کانپیں گے) (رواہ احمد کانی المسندۃ المصاحف ص ۳۱۳)

اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی حدود میں سے کسی حد کو قائم کرنا، اللہ کے شہروں میں چالیس رات بارش برسنے سے بہتر ہے۔ (دواہ ابن ماجہ ص ۱۸۲)

یعنی ایک حد قائم کرنے کا اتنا بڑا نفع ہے جو چالیس دن بارش ہونے کے نفع سے بھی بڑھ کر ہے۔ اب وہ لوگ غور کر لیں جو اللہ کی حدود

نافذ نہیں کرتے اور نافذ ہونے نہیں دیتے۔ وہ اللہ کی عام مخلوق پر رحم کھارہے ہیں یا ظلم کر رہے ہیں۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس قوم میں کوئی شخص قطع رحمی کرنے والا ہو ان پر رحمت نازل نہیں ہوتی۔ (تہذیب فی شعب الایمان کافی مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۰)

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام گناہوں میں سے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے مگر ماں باپ کے تکلیف دینے کو معاف نہیں فرماتا جو شخص ایسا کرے اُس کے لئے اسی دنیا میں موت سے پہلے سزا دے دیتا ہے۔ (رواہ التہذیب فی شعب الایمان کافی مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۶۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس قوم میں خیانت ظاہر ہوگی ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ رعب ڈال دے گا۔ اور جس قوم میں زنا کاری کا رواج ہو جائے گا اُن لوگوں میں موت کی کثرت ہو جائے گی اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کریں گے اُن کا رزق منقطع ہو جائے گا اور جو لوگ ظانسانہ فیصلے کریں گے اُن میں قتل و خونِ خوب زیادہ ہوگا اور جو لوگ عہد کی خلاف ورزی کریں گے اُن پر دشمن مسلط کر دیا جائے گا۔ (رواہ مالک فی الموطاء و فی حکم الرزق)

شرم اور حیا انسان کا فطری وصف ہے..... (۷)..... شرم اور حیا انسان کی فطری صفت ہے اور اس کی خلقت اور جبلت میں داخل ہے۔ حضرت آدم و حوا علیہما السلام نے جنت میں شجر ممنوعہ کھالیا تو اُن کے جسموں سے جنت کے کپڑے گر پڑے اور دونوں کی شرم کی جگہ ظاہر ہو گئی لہذا جنت کے پتے لے کر اپنے جسم پر لگانے لگے تاکہ شرم کی جگہ ڈھک جائے۔ دونوں میاں بیوی تھے پھر بھی آپس میں شرما گئے اور پردہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ انسان دنیا میں آیا تو شرم و حیا کو ساتھ لے کر آیا اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے برابر حیا کی تعلیم دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار چیزیں پیغمبروں کی عادتوں اور خصلتوں میں سے ہیں (۱) حیا، (۲) خوشبو استعمال کرنا، (۳) مسواک کرنا، (۴) نکاح کرنا۔ (رواہ الترمذی فی ابواب النکاح)

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے: ان الحیاء والایمان قورناء جمیعاً و اذا رفع احدهما رفع الآخر (اس میں شک نہیں کہ حیا اور ایمان دونوں ساتھ ساتھ ہیں جب ان میں سے ایک اٹھالیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے)۔ (رواہ التہذیب فی شعب الایمان کافی مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۲)

ہدایت قبول کرنے پر انعام..... (۸) حضرت آدم علیہ السلام کے قصے کے آخر میں یہ جو فرمایا..... فَاِمَّا يَنْتَشِرُكُمْ قَبْلِي هَذِي۔ الآية اس سے معلوم ہوا کہ انسان اس دنیا میں صرف جینے اور کمانے، کھانے اور ماں باپ بننے اور اولاد پالنے کے لئے نہیں آیا اس کو یہاں دار الحکلیف میں بھیجا گیا ہے اُسے اللہ تعالیٰ کے حکموں کا پابند کیا گیا ہے اور یہ احکام اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور کتابوں کے ذریعے پہنچتے رہے ہیں۔ ان احکام پر عمل کرنا اُسے داپس جنت میں لے جائے گا۔ اور وہی مقام بلند اور برتر مل جائے گا جہاں سے اُس کے ماں باپ آدم و حوا اس دنیا میں آئے تھے۔ جنت اپنے ماں باپ کی جگہ ہے جہاں وہ گئے وہیں ان کی وفادار اولاد پہنچ جائے گی اور ہمیشہ وہاں رہے گی، اور جو لوگ ان کے دین سے علیحدہ ہوئے انہیں وہ جگہ دوبارہ نصیب نہ ہوگی بلکہ وہ دارالعداب یعنی دوزخ میں جائیں گے۔ اختلاف دین کی وجہ سے میراث منقطع ہو جاتی ہے جو کافر ہوں گے وہ اپنے ماں باپ کے دین پر نہیں۔ اس لئے وہ مستحق میراث بھی نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے نبی تھے اُن کا دین اسلام تھا۔ اُن کی ذریت کے لئے اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو پسند فرمایا اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام آتے رہے۔ سب ہی دین اسلام کی تبلیغ کرتے رہے۔ جو اُن کے دین پر تھا وہ مسلم ہوا اور جو اُن کے دین کا منکر ہوا وہ کافر ہوا۔ بنیادی طور پر دین اسلام کے تین عقیدے ہیں۔

اول..... توحید (جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو اس طرح ماننا داخل ہے جیسا کہ وہ اپنے نزدیک ہے اور جیسا کہ اُس نے اپنے رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ اپنی پہچان کرائی ہے)

دوم..... رسالت (یعنی اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں پر ایمان لانا اور اس کی کتابوں پر ایمان لانا) کلام میں ہر اس بات کی تصدیق آجاتی ہے جو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں نے بتائی۔ فرشتوں پر ایمان لانا، تقدیر کو ماننا، جنت، دوزخ کے احوال پر ایمان لانا بھی ایمان بالرسالت میں شامل ہے اور ان سب احکام کا ماننا اور عمل پیرا ہونا بھی داخل ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچائے۔

سوم..... عباد (یعنی مرنے کے بعد زندہ ہونے اور حساب کتاب ہونے اور ایمان و کفر اور اچھے بُرے اعمال کی جزا ملنے اور جنت یا دوزخ میں داخل کئے جانے کا عقیدہ رکھنا)۔

ان تین عقائد کی ہر نبی نے تبلیغ کی ہے البتہ فروعی احکام میں حالات کے اعتبار سے فرق رہا ہے۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: انا اولی الناس بعیسی بن مریم فی الاولی والاخرۃ الانبیاء اخوة من علالت وامہاتہم شتی و دینہم واحد۔ (رواہ البخاری ص ۳۹۰ ج ۱)

یعنی میں عیسیٰ بن مریم سے سب سے زیادہ قریب تر ہوں دنیا اور عقبی میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام آپس میں عاقبتی بھائی ہیں یعنی وہیں واحد ہونے میں اس طرح ہیں جیسے باپ ایک ہو اور ماںیں کئی ہوں ان سب کا دین ایک ہے۔

لوگ اپنی جہالت سے سمجھتے ہیں کہ دین اسلام ڈیڑھ ہزار سال سے دنیا میں آیا ہے، اُن کا خیال اور عقیدہ غلط ہے انسان جب سے دنیا میں آیا ہے دین اسلام کے ساتھ آیا ہے تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اسلام کی دعوت دیتے رہے ہیں۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں، آخری رسول ہیں۔ آپ وہی دعوت لیکر تشریف لائے جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام آپ سے پہلے لے کر آئے تھے آپ پر نبوت و رسالت ختم ہو گئی لیکن آپ کی دعوت قیامت تک کے لئے ہے۔ اس دعوت کو پہنچانے اور باقی رکھنے کے لئے قرآن مجید باقی ہے اور باقی رہے گا ہر انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسلام قبول کرنے کا مامور ہے۔ کوئی یہودی ہو یا نصرانی، ہندو ہو یا بدھت پارسی، وہ کسی بھی دین کا ماننے والا ہو سب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں شامل ہیں۔ جو آپ پر ایمان لائے گا آخرت میں نجات پائے گا۔ جو منکر ہوگا دوزخی ہوگا۔ سورۃ آل عمران میں ارشاد ہے: وَفَسَنَ یَسْخَرُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا فَلَنْ یُقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔ (یعنی جو کوئی شخص اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کو چاہے گا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا وہ آخرت میں تباہ کار لوگوں میں سے ہوگا۔) (آل عمران ۸۵:۳)

سورہ سبأ (آیت: ۲۸) میں ارشاد خداوندی ہے ...

وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا وَلَیْكُنْ اَكْثَرُ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ۔

(اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے)

صحیح مسلم (ص ۸۶ ج ۱) میں ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: والذی نفس محمد بیدہ لا یسمع ہی احد من هذه الامة یہودی ولا نصرانی ثم یموت ولم یؤمن بالذی ارسلت بہ الا کان من اصحاب النار۔ (قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے میرے نبی ہونے کی خبر جس کسی انسان کو بھی پہنچے گی اور وہ اس دین پر ایمان لائے بغیر مر جائے گا جو دین لیکر میں بھیجا گیا ہوں تو وہ ضرور دوزخ والوں میں سے ہوگا، یہودی ہو یا نصرانی۔)

بنی اسرائیل کا تعارف

چونکہ آئندہ آیات میں بنی اسرائیل کا ذکر آ رہا ہے اور کئی رکوع میں ان کی شرارتیں مذکور ہیں اور سورۃ البقرہ کے علاوہ بھی قرآن مجید میں جگہ جگہ ان کا تذکرہ ہے۔ اس لئے بنی اسرائیل کا تعارف مفصل کر لیا جاتا ہے تاکہ ان سے متعلقہ مضامین کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وطن اور اولاد..... حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اصل وطن بابل کا علاقہ تھا جہاں نمرود بادشاہ تھا وہاں بت پرست رہتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد بھی بت پرست تھے آپ نے ان لوگوں کو حق کی تبلیغ کی اور توحید کی دعوت دی اور اس سلسلہ میں بہت تکلیفیں اٹھائیں۔ ان کی پوری قوم دشمن ہو گئی۔ یہاں تک کہ ان کو آگ میں ڈالا گیا۔ ان کے واقعات جگہ جگہ قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ ان کی ایک بیوی کا نام سارہ تھا جو ان کے چچا کی لڑکی تھی اور ایک بیوی کا نام ہاجرہ تھا۔ حضرت سارہ سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے اور حضرت ہاجرہ سے اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت ہاجرہ وہی ہیں جنہیں مکہ معظمہ کے چٹیل میدان میں حکم الہی چھوڑ دیا تھا۔ ان کے ساتھ حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی تھے جو اس وقت گوہ میں تھے۔ مکہ معظمہ کے بالکل ابتداء آباد کرنے والے یہی دونوں ماں بیٹے تھے۔ حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے علاوہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لڑکے تھے جن کے نام البدایہ والنہایہ (ص ۷۵ ا) میں لکھے ہیں۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کے فرزند حضرت یعقوب علیہ السلام تھے۔ جن کا لقب اسرائیل تھا۔ ان کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے اور ان کے فرزند حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے کنوئیں میں ڈال دیا تھا، جس کا قصہ سورۃ یوسف میں مذکور ہے۔

بنی اسرائیل مصر میں..... حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ اقتدار میں مصر میں جا کر رہنے لگے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات ہو گئی تب بھی یہ لوگ مصر ہی میں رہتے رہے پشتہا پشت وہاں رہنے سے ان کی نسل بھی بہت زیادہ ہو گئی اور بارہ بھائیوں کی اولاد جو بارہ قبیلوں میں منقسم تھی، مجموعی حیثیت سے ان کی تعداد چھ لاکھ تک پہنچ گئی تھی ان لوگوں کا اصل وطن کنعان تھا جو فلسطین کا علاقہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنا اصلی وطن (بابل) چھوڑ کر اور ہجرت فرما کر اس علاقہ میں آباد ہو گئے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد مکہ معظمہ میں آباد رہی اور بڑھتی رہی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل اولاد کنعان میں پھر مصر میں آباد ہو گئی۔ جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد پر مشتمل تھی۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات ہو گئی تو ان لوگوں کا اقتدار میں کچھ حصہ بھی نہ رہا۔

چونکہ یہ لوگ مصر کے اصل باشندے نہیں تھے۔ انہیں قوم کے افراد تھے اس لئے مصری قوم (قبیلہ) کے افراد ان لوگوں سے بڑی بڑی بیگاریں لیتے تھے اور ان کو بڑی طرح غلام بناد رکھا تھا۔ حد یہ ہے کہ ان کے لڑکوں کو ذبح کر دیتے تھے اور یہ ان کے سامنے عاجز محض تھے ان کے سامنے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ غلامی کی ایسی بدترین مثال دنیا کی تاریخ میں کسی قوم کی نہیں ملتی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور دعوت..... اللہ جل شانہ نے بنی اسرائیل میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ جنہوں نے اس زمانہ کے ظالم اور جاہر ترین بادشاہ فرعون کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اللہ تعالیٰ کا دین قبول کرنے کی دعوت دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے یہ بھی کہا کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے، نہ اُس نے دعوت حق کو قبول کیا اور نہ بنی اسرائیل کو ان کے ساتھ بھیجنے پر راضی ہوا اور اُس نے اعلان کیا کہ اَنَا رَبُّكُمْ الْاَعْلٰی (میں تمہارا سب سے زیادہ بلند معبود ہوں)۔

بنی اسرائیل کا مصر سے نکلنا..... بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے راتوں رات مصر سے نکل کھڑے ہوئے اور سمندر تک

پہنچ گئے۔ جب صبح کو ان کے نکلنے کا فرعون کو علم ہوا تو وہ اپنے لشکر لے کر ان کے پیچھے لگا اور سمندر پر پہنچ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی عصا مبارک سمندر پر مار دی جس سے سمندر بھٹ گیا اور اس میں راستے بن گئے اور بنی اسرائیل کے قبیلے ان راستوں سے پار ہو گئے ان کو دیکھ کر فرعون نے بھی اپنے لشکروں کو سمندر میں ڈال دیا جب فرعون اور اس کا لشکر بیچ سمندر میں آ گیا تو اللہ جل شانہ نے سمندر کو مار دیا۔ فرعون کا لشکر ڈوب گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو لے کر سمندر پار ہو گئے۔ فرعون بھی اس عظیم حادثہ میں غرق ہوا اور مر گیا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی لاش کو محفوظ رکھا جو اب بھی مصر کے عجائب گھر میں بتائی جاتی ہے۔ عبرت کے لئے اس کی لاش کو محفوظ فرمایا تاکہ لوگ خدا کی کے جھوٹے دعویدار کا انجام دیکھ لیں۔ قال تعالیٰ فَاَلْبَتَّؤْم نَنْجِيْكُمْ بِبَدَنِكُمْ لِنُكَوْنُ لِمَنْ خَلَقْنَا اٰیۃً الْاٰلِهٰیہ والنبیایہ (ص ۲۷۰ ج ۱) میں لکھا ہے کہ جب بنی اسرائیل فرعون سے نجات پا کر سمندر پار ہوئے تو اس وقت ان کی تعداد چھ لاکھ کے لگ بھگ تھی یہ تعداد بچوں اور عورتوں کے علاوہ تھی اور یہ بھی لکھا ہے کہ مصر میں ان لوگوں کے رہنے کی مدت چار سو چھپیس سال تھی۔

مصر سے نکل کر چالیس سال میں وطن پہنچے۔۔۔۔۔ بنی اسرائیل سمندر پار تو ہو گئے لیکن اب سوال تھا کہ کہاں جا کر رہیں؟ اپنے ہی علاقہ میں جانا تھا اور وہ علاقہ بہت دور بھی نہیں تھا آخر وہیں سے ان کے باپ داوے مصر میں آئے تھے اور چند دنوں میں اُنہوں پر پورا سفر قطع کر لیا تھا لیکن یہ چاہتو ان کے اپنے وطن پہنچنے میں چالیس سال لگ گئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ستاتے رہے میدان تیرہ میں چالیس سال سرگرداں پھرتے رہے (صبح کو جہاں سے چلتے تھے شام کو وہیں پہنچ جاتے تھے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تو ریت شریف ملی وہ طور پہاڑ پر تو ریت شریف لینے گئے تو پیچھے ان لوگوں نے پچھڑے کی پرستش کر لی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہم تو تمہاری بات جب مانیں گے جب ہم اللہ تعالیٰ کو اُن سے ماننے دیکھ لیں۔ ان کی غذا کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے من اور سلوٹی ملتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہم ایک کھانے پر صبر نہیں کر سکتے، ہم کو سبزی، پیاز، کھیر وغیرہ چاہیے۔ جب تو ریت شریف لے کر موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو اُنہوں نے ماننے سے انکار کر دیا۔ لہذا پہاڑ طور اکھاڑ کر ان پر سائبان کی طرح کھڑا کر دیا گیا۔ یہ واقعات اسی میدان میں پیش آئے۔ جس میں چالیس سال حیران اور سرگرداں گزارے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وہیں وفات ہو گئی۔ اُن کی وفات کے بعد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے زمانہ میں اُن کا علاقہ فتح ہوا اور بیت المقدس میں داخلہ نصیب ہوا۔ ان کو حکم ہوا تھا کہ عاجزی کے ساتھ اور خطاؤں کی معافی مانگتے ہوئے عاجزی کے ساتھ داخل ہوں اُنہوں نے اس کی خلاف ورزی کی۔ بنی اسرائیل کے یہ واقعات مختلف مواقع میں قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ بنی اسرائیل کو یہودی بھی کہا جاتا ہے۔

یہودی مدینہ میں کب آئے؟ یہودی مدینہ منورہ میں کب آئے؟ اس کے بارے میں مؤرخین نے لکھا ہے کہ ان کے وطن بیت المقدس کو جب تخت نصر (مشہور کافر بادشاہ) نے منہدم کر دیا اور وہاں کے رہنے والوں کو جلا وطن کر دیا اور بنی اسرائیل (یہود) میں سے بہت لوگوں کو قید کر لیا تو ان میں سے ایک جماعت نے حجاز کی طرف رخ کیا ان میں بعض ہادی القرئی میں اور بعض تیماء اور بعض مدینہ منورہ میں آ کر مقیم ہو گئے۔ یہاں پہلے سے کچھ لوگ بنی جرہم کے اور کچھ بقایا عمالقہ کے آباد تھے۔ اُنہوں نے کھجوروں کے باغ لگا رکھے تھے اور کھیتیاں کرتے تھے۔ یہودی اُن کے ساتھ ٹھہر گئے اور کھل مل کر رہنے لگے پھر یہ بڑھتے رہے اور بنی جرہم اور عمالقہ کم ہوتے رہے یہاں تک کہ اُن کو یہودیوں نے مدینہ منورہ سے نکال دیا اور مدینہ منورہ پوری طرح ان کے تسلط میں آ گیا اس کی عمارتیں اور کھیتیاں سب انہیں کی ہو گئیں اور ایک مدت تک جس کا علم اللہ ہی کو ہے اسی حال میں یہ لوگ مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔ (فتوح البلدان للبلخاری ص

بعض منہجین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہودی علماء بتوریت شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات پڑھتے تھے ان میں یہ بھی تھا کہ آپ کی ہجرت ایسے شہر کی طرف ہوگی جس میں کھجوریں ہوں گی اور وہود پتھریلی زمینوں کے درمیان ہوگا لہذا وہ شام سے آئے اور اس صفت کے شہر کی تلاش میں نکلے تاکہ اسی شہر میں جا کر رہیں اور مبعوث ہونے والے نبی پر ایمان لائیں اور ان کا اتباع کریں۔ جب مدینہ منورہ آئے وہاں کھجوریں دیکھیں تو وہ سمجھ گئے کہ یہی وہ شہر ہے جس کی تلاش میں ہم نکلے ہیں اور پھر وہیں رہنے لگے۔ (عمدۃ الاخبار فی مدینہ النہار ص ۳۴، ترجمہ البلدان للحموی ص ۸۲ ج ۵)

اوس و خزرج کا مدینہ میں آ کر آباد ہونا..... مدینہ منورہ کی آبادی بہت پرانی آبادی ہے اس کا پرانا نام یثرب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت فرمانے کے بعد اس کا نام مدینۃ الرسول اور طابہ ادرطیبہ معروف ہو گیا اور المدینہ نیز المدینہ المنورہ کے نام کی زیادہ شہرت ہو گئی۔ یہودیوں کے مدینہ منورہ میں آ کر رہنے کے سالہا سال کے بعد یمن کے دو قبیلے اوس و خزرج بھی مدینہ منورہ آ کر آباد ہو گئے تھے۔ جب آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو مدینہ منورہ میں تین قبیلے یہودیوں کے یعنی (۱) بنی النضیر، (۲) بنی قریظہ، (۳) بنی قریظہ، اور دو قبیلے یمن سے آ کر آباد ہونے والوں کے موجود تھے، یعنی اوس و خزرج۔ یہی دونوں قبیلے ہیں جو بعد میں انصار بنے۔

یہودیوں کے قبیلوں اور اوس و خزرج میں لڑائیاں..... یہ دونوں قبیلے بہت پرست تھے آپس میں بھی ان کی لڑائیاں ہوتی تھیں اور یہودیوں سے بھی جنگ ہوتی رہتی تھی۔ یہودی اہل کتاب تھے اور اہل علم سمجھے جاتے تھے جب یمن کے ان دونوں قبیلوں سے ان کی لڑائی ہوتی تھی تو کہا کرتے تھے کہ ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں ان کا زمانہ آئے گا ہم ان کا اتباع کر کے اور ان کے ساتھی بن کر تمہارا ناس کھودیں گے۔

اوس و خزرج کا اسلام قبول کرنا..... حج کے موقع پر پہلی ملاقات میں جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس و خزرج کے چند افراد پر اپنی دعوت پیش کی تو یہ لوگ آپس میں کہنے لگے کہ یہ تو وہی نبی معلوم ہوتا ہے جن کی تشریف آوری کی خبر یہودی دیا کرتے ہیں اور ہمیں دھمکیاں دیتے ہیں کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے تو ہم ان کے ساتھ مل کر تمہیں قتل کر دیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ آگے بڑھ جائیں لہذا ہمیں یہ دین قبول کر لینا چاہیے۔ چنانچہ یہ حضرات مسلمان ہو گئے اور مدینہ منورہ آ کر انہوں نے اسلام کی تبلیغ شروع کر دی اور انصار کے دونوں قبیلوں میں اسلام پھیل گیا۔ پھر دونوں قبیلوں کے بارہ نمائندوں نے اگلے سال موسم حج میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور آپ سے بیعت کی اور عرض کیا آپ مدینہ منورہ تشریف لے آئیں۔

ہجرت مدینہ..... چنانچہ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے آپ کی آمد سے پہلے بہت سے صحابہ ہجرت کر کے آپ کے چکے تھے۔ تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں یہ سب باتیں لکھی ہیں۔ فتوح البلدان بلاذری ص ۳۰، الروض الانفس ص ۱۶ ج ۲، سیرت ابن ہشام باب عوض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفسه علی القبائل کا مطالعہ کیا جائے۔

یہودیوں کا عناد اور قبول حق سے انحراف..... سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو یہودی یہ جاننے کے باوجود کہ آپ نبی ہیں (اور علامات پوری اتر رہی ہیں۔ جو نبی آخر الزماں کے بارے میں انہیں معلوم تھیں) منکر ہو گئے اور آپ کو نبی رسول ماننے اور اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اوس و خزرج کے لوگوں نے جو توجہ دلائی اور کہا کہ اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کرو تم ہی

تو کہا کرتے تھے کہ ایک نبی آئیں گے اور ہم ان کے ساتھ مل کر تم سے جنگ کریں گے اور تم ان کی صفات بیان کرتے تھے۔ اب کیوں منکر ہو رہے ہو۔ لیکن ان لوگوں نے ایک نہ سنی۔ (سیرۃ ابن ہشام اوائل المجلد الثانی) اور جزو چند آدمیوں کے (جن میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا نام زیادہ مشہور ہے) یہودیوں نے اسلام قبول نہیں کیا اور طرح طرح کی باتیں بناتے رہے اور کٹ جتنی پر اتر آئے، حسد اور دشمنی پر کمر باندھ لی، اسلام اور داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔ اور عبد توڑتے رہے آج تک ان کے سارے قبیلوں اور خاندانوں کا یہی حال ہے۔

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَآئِيْلُ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوا بِعَهْدِيْ اَوْفٍ بِعَهْدِكُمْ وَاَيَّايَ

اے بنی اسرائیل تم میرے احسانوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر کئے اور پورا کرو میرے عہد کو میں پورا کروں گا تمہارے عہد کو اور صرف مجھ

فَارْهَبُوْنَ ﴿۳۰﴾

ہی سے ڈرو۔

بنی اسرائیل کو انعامات کی یاد دہانی

بنی اسرائیل (اسرائیل کی اولاد) اس سے یہودی مراد ہیں۔ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے جو عبرانی زبان کا لفظ ہے اسرائیل کا معنی ہے صفوۃ اللہ یعنی اللہ کا برگزیدہ بندہ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا معنی ہے عبداللہ (اللہ کا بندہ)۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ جن کی اولاد بارہ قبیلوں پر منقسم ہے اور بنی اسرائیل کا خطاب ان سب کو شامل ہے۔ بنی اسرائیل مدینہ منورہ میں اور خیبر میں اور شام میں اور ان کے علاوہ مختلف علاقوں میں آباد تھے۔ سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عربی تھے۔ آپ کی بعثت تو سارے ہی انسانوں کے لئے ہے لیکن آپ کے اولین مخاطبین یکہ معظمہ کے رہنے والے تھے اور وہاں سے ہجرت فرمائی تو مدینہ منورہ میں اوس و خزرج اور یہودیوں کے تینوں قبیلے سامنے تھے اوس اور خزرج تو مسلمان ہو گئے لیکن یہودیوں میں سے صرف چند افراد نے اسلام قبول کیا جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو خصوصی خطاب بھی فرمایا ہے اور ان کو اپنے انعامات اور احسانات یاد دلائے ہیں۔ آیت بالا میں یہی ارشاد فرمایا ہے کہ اے بنی اسرائیل! میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم کو دی ہیں اور میرا عہد پورا کرو میں بھی تمہارا عہد پورا کروں گا اور صرف مجھ سے ڈرو۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بنی اسرائیل پر جو کچھ تھیں وہ ان کو جانتے تھے انہیں اپنی تاریخ کا پتہ تھا۔ قرآن مجید میں ان نعمتوں کا تذکرہ فرمانے میں جہاں یہود کو نصیحت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی پر ایمان لائیں وہاں سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل بھی ہیں کیونکہ آپ نے کسی سے نہیں پڑھا تھا اہل کتاب کی صحبت نہیں اٹھائی تھی۔ یہ واقعات آپ کو کہاں سے معلوم ہوئے اس کا جواب صرف یہی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتائے، آپ کا ان چیزوں کی خبر دینا، یہ سب آپ کے معجزات میں شامل ہے۔

وَاٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْا اَوَّلَ كٰفِرٍ بِهٖ ۝ وَلَا تَشْتَرُوْا

اور ایمان لائے اور اس کتاب پر جو میں نے نازل کی، اس کی تصدیق کی۔ اور نہ پہلے سے تمہارے پاس ہے اور تم اس کتاب کے انکار کرو۔ اور نہ پہلے سے تمہارے پاس ہے اور تم اس کتاب کے انکار کرو۔ اور نہ پہلے سے تمہارے پاس ہے اور تم اس کتاب کے انکار کرو۔

بِاٰیٰتِیْ شَمًا قَلِيْلًا ۝ وَاٰیٰتِیْ فَاتَمُوْنَ ۝

آیت کے عوض حقیر عارضہ مست حاصل کرو اور صرف مجھ ہی سے ڈرو۔

بنی اسرائیل کو اسلام قبول کرنے کی دعوت

بنی اسرائیل کو مزید مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم اس کتاب پر ایمان لاؤ، جو میں نے نازل کی ہے یعنی قرآن مجید، اور یہ کتاب اس کتاب کے عارض نہیں ہے جو تم کو دی گئی تھی (یعنی توریت شریف) بلکہ یہ کتاب تو اس کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی جس کو تم جانتے ہو اور مانتے ہو جو توریت و انجیل بزمانہ نزول قرآن اہل کتاب کے پاس تھیں اگرچہ ان لوگوں نے ان میں تحریفات کر دی تھیں پھر بھی ان میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات موجود تھیں۔ سورۃ اعراف میں فرمایا: الَّذِي يَجْذُوْنَهُ مَكْنُوْنًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْانْجِيلِ .. (الآیۃ)

جب یہودیوں کو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا علم ہو گیا اور یہ اہل علم تھے، اہل کتاب تھے۔ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی علامات اپنی کتاب میں پاتے تھے (اور پہچان بھی گئے کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی بشارت پہلے سے دی گئی ہے اور ہم جن کے انتظار میں برسہا برس سے مدینہ میں رہ رہے ہیں) تو ان کو سب سے پہلے ایمان لانا لازم تھا۔ اہل کتاب کا جو دوسرا فرق تھا یعنی نصاریٰ ان کے پاس سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر بہ نسبت یہودیوں کے بعد میں پہنچی مگر عظیمہ والے بے علم تھے، مشرک تھے۔ اپنے کفر اور شرک پر اڑے رہے اور رشید اور غنا پر جتے رہے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا لیکن یہودیوں کے لئے انکار کا کیا مقام تھا؟ ان کو نورانمان لینا تھا اور تصدیق کرنا تھا اور نصاریٰ سے آگے بڑھ کر اسلام قبول کرنا تھا لیکن بجائے اسلام میں آگے بڑھنے کے انہوں نے اسلام سے منحرف ہوئے اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا انکار کرنے میں پہل کر لی۔ اسی کو فرمایا کہ تم اس کتاب کے انکار کرنے والوں میں پہل کرنے والے مت بنو۔ یہاں جو اشکال پیدا ہوتا ہے کہ انکار کرنے والوں میں اہل مکہ پہل کر چکے تھے پھر یہود کو ”اول کفار“ کیسے فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اہل کتاب میں سب سے پہلے منکر یہودی ہی بنے تھے۔ کیونکہ اہل کتاب کی وہ جماعتیں تھیں: یہود اور نصاریٰ، ان دونوں میں سے یہود کو سب سے پہلے مسلمان ہونا لازم تھا۔ اول تو اس وجہ سے کہ دعوت اُن کو پہلے پہنچی، دوسرے اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علامات و بخوبی پہچان لی تھیں اور بہ نسبت نصاریٰ کے یہ لوگ اہل العلم تھے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اے یہود مدینہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلے کافر بنو۔ کیونکہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلے مخاطب یہود مدینہ ہی تھے۔

قال ابن عباس ولا تكونوا اول کافر به وعندکم فیہ من العلم ما لیس عند غیرکم، قال ابو العالیۃ ولا تكونوا اول من کفر بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم یعنی من جنسکم اهل الکتاب بعد سماعکم بمبعثہ واما قوله اول کافر به فیعنی به اول من کفر به من بنی اسرائیل لانه قد تقدمهم من کفار قریش وغیرهم من العرب بشر کثیر ..

(تفسیر ابن کثیر ص ۸۳ ج ۱) (ابن عباس فرماتے ہیں اور تم (بنی اسرائیل کو خطاب ہے) سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنے والے نہ بنو جبکہ تمہارے پاس وہ علم ہے جو دوسروں کے پاس نہیں۔ ابو العالیہ کہتے ہیں کہ جب تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر سن چکے ہو تو اب اہل کتاب میں سے تم سب سے پہلے ان کا انکار کرنے والے نہ بنو۔ اَوَّلُ کَافِرٍ سے بنی اسرائیل کے اول کافر مراد ہیں کیونکہ کفار قریش وغیرہ بہت سے عرب ان سے پہلے آپ کا انکار کر چکے تھے)

پھر فرمایا ... وَلَا تَنْشُرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا (اور میری آیات کے عوض حقیر معاوضہ مت حاصل کرو)۔ مفسرین نے اس کا ایک مطلب یہ بیان کیا ہے کہ میری آیات پر ایمان لاؤ اور میرے تمام رسولوں کی تصدیق کرو (جس میں حضرت سیدنا محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی تصدیق بھی شامل ہے) اور حقیر دنیا کے چلے جانے کی وجہ سے ایمان سے نہ رو، اگر کفر اختیار کئے رہنے میں کچھ منافع نظر آتے ہیں تو ان کو چھوڑو۔ (ابن کثیر)

ساری دنیا آخرت کے مقابلہ میں حقیر ہی ہے خواہ کتنی ہی زیادہ ہو۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ میری آیات میں تبدیل اور تحریف نہ کرو اور کتمان حق نہ کرو۔ جیسا کہ اب تک کرتے رہے ہو اور اپنے عوام سے اس کے ذریعہ دنیاوی منافع حاصل کرتے ہو۔ وَقِيلَ كَانُوا يَكْفُرُونَ الرِّشَىٰ فِي حَرْفٍ مِنَ الْحَقِّ وَيَكْتُمُونَ (من البصاوی) (اور کہا گیا ہے کہ یہود رشوت لیتے تھے اور حق کو چھپاتے اور اس میں تغیر و تبدل کر دالتے تھے)

پھر فرمایا وَإِنِّي فَاتَتْهُنَّ (کہ صرف مجھ ہی سے ڈرو) درحقیقت خوف خدا بہت بڑی چیز ہے۔ کفر اور شرک اور ہر طرح کے معاصی چھڑانے میں اس کو سب سے بڑا دخل ہے۔ اس کی طرف دوبارہ توجہ دلائی اور بطور تاکید اس کا دوبارہ اعادہ فرمایا۔ مفسر بیضاوی فرماتے ہیں کہ رہبت سے تقویٰ کی ابتدا ہوتی ہے اور چونکہ ایمان کا حکم عوام و علماء سب کو ہے اس لئے پہلی آیت کے ختم پر فَاتَتْهُنَّ فرمایا اور دوسری آیت میں جب علماء کو خصوصی خطاب ہوا تو فَاتَتْهُنَّ فرمایا، کیونکہ تقویٰ خوف و خشیت اور رہبت کا منتہی ہے۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۱﴾

اور مت ملاؤ حق کو باطل کے ساتھ اور مت چھپاؤ حق کو حالانکہ تم جانتے ہو۔

حق کو باطل کے ساتھ مت ملاؤ اور حق کو مت چھپاؤ

اس آیت میں بھی علماء یہود کو خطاب ہے یہ لوگ توریت شریف میں تحریف کر چکے تھے اور اس میں سے جو کچھ صحیح باتیں ان کے پاس باقی تھیں ان میں بھی غلط ملط کرتے تھے۔ اول تو تعلیم عام نہیں تھی اپنی قوم کے تمام افراد کو دین اور کتاب نہیں سکھاتے تھے اور توریت شریف کے اوراق منتشر کر کے رکھ رکھے تھے تَجْعَلُونَهُ قُرْطُبًا يُفَاطِسُ بُدْوَئِهَا وَتُخْفُونَ كَتَبَهَا جو شخص کوئی بات پوچھتا تو کوئی ایک ورق نکال کر اس کا مطلب جو چاہتے بتا دیتے تھے۔ اور پوچھنے والے کو خوش کرنے اور اس سے رشوت لینے کے لئے اس کی مرضی کے مطابق توریت شریف کے مضامین کی تشریح کر دیتے تھے۔ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو علامات توریت شریف میں لکھی تھیں ان کو چھپاتے تھے۔ اس حکم فرمایا کہ حق کو باطل کے ساتھ مت ملاؤ اور حق کو مت چھپاؤ۔ اس آیت کی طرف مفسرین نے گہرا خود تراشیدہ بات کو حکم خداوندی ظاہر نہ کرو، تم جانتے ہو کہ ہم ایسا کر رہے ہیں اور یہ بھی جانتے ہو کہ اس کا کیا وبال ہے۔ پھر بھی ایسی حرکت کرتے ہو۔

وَأَقِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴿۲۰﴾

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرو، رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔

نماز اور زکوٰۃ کا حکم

اس آیت میں نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نماز قائم کرنے کا مطلب سورۃ البقرہ کے شروع میں بیان ہو چکا ہے۔ نماز بدنی عبادت ہے اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔ قرآن مجید میں کمشت و ونوں کا ذکر ساتھ ساتھ آیا ہے۔ نماز میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتا ہے اللہ کا ذکر کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔ نفس میں رجوع الی اللہ اور تواضع پیدا ہوتی ہے اور نماز کی برکات اور ثمرات بہت ہیں جو علماء اسلام نے اپنی کتابوں میں بیان کئے ہیں۔ زکوٰۃ سے نفس کی کنجوسی دور ہوتی ہے اور مال کا خبث بھی دور ہوتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ یعنی نماز باجماعت پڑھو۔ جماعت کی نماز میں بہت سی حکمتیں اور فوائد ہیں۔ ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ باجماعت نماز پڑھنے سے اس کا ثواب بڑھ جاتا ہے اور ایک نماز کا ثواب ستائیس نمازوں کے ثواب کے برابر ملتا ہے۔ نماز اور زکوٰۃ کا حکم تو سبھی کو ہے۔ لیکن یہودیوں کو خصوصی خطاب اس لئے فرمایا کہ ان لوگوں میں حب جاہ و حب مال کا مرض تھا۔ نماز اور زکوٰۃ میں ان دونوں کا علاج ہے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ اس لئے فرمایا کہ یہودیوں کی نماز میں رکوع نہیں تھا مطلب یہ تھا کہ اب تک جو نماز پڑھتے رہے اب اس کو چھوڑ دو اور اب وہ نماز پڑھو جو حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہے جو رکوع اور سجدہ دونوں پر مشتمل ہے بعض علماء نے اس آیت سے فرض نماز باجماعت کے وجوب پر استدلال کیا ہے اور جو حضرات واجب نہیں کہتے ان کے نزدیک بھی نماز باجماعت بہت زیادہ مؤکد ہے۔ اس آیت شریفہ سے نماز باجماعت کی اہمیت معلوم ہوئی۔ احادیث شریفہ میں بھی اس کی بہت زیادہ تاکید آئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے، اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے بلا شک میں نے ابراہیمؑ کیا کہ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں جو جمع کر لی جائیں پھر نماز کا حکم دوں، تاکہ اذان دی جائے پھر کسی شخص کو حکم دوں جو لوگوں کا امام بنے اور میں ان لوگوں کے گھروں کی طرف چلا جاؤں جو جماعت میں حاضر نہ ہوئے۔ پھر ان کے گھروں کو ان پر جلا دوں۔ (صحیح بخاری ص ۸۹ ج ۱)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں عشاء کی جماعت قائم کرتا اور اپنے جوانوں کو حکم دیتا کہ (ان لوگوں کے گھروں میں جو کچھ ہے) آگ سے جلا دیں (جو جماعت میں نہیں آئے)۔ (رواہ احمد کما فی مشکوٰۃ ص ۹۷)

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر پڑھائی اور سلام پھیر کر فرمایا کیا فلاں شخص حاضر ہے؟ حاضرین نے عرض کیا: نہیں، فرمایا: کیا فلاں شخص حاضر ہے؟ عرض کیا: نہیں، فرمایا: بے شک یہ دونوں نمازیں (عشاء اور فجر) منافقوں پر سب نمازوں سے زیادہ بھاری ہیں اور اگر تم کو معلوم ہو جاتا کہ ان دونوں میں کیا اجر و ثواب ہے تو ان دونوں میں حاضر ہوتے اگرچہ گھٹنوں کے بل چلنا پڑتا۔ اور (فرمایا) کہ بلاشبہ پہلی نصف فرشتوں کی صف کی طرح سے ہے اور اگر تم جان لو کہ اس کی کیا فضیلت ہے تو ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو اور بلاشبہ ایک شخص کی نماز دوسرے شخص کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے سے زیادہ پاکیزہ ہے نسبت تمہا نماز پڑھنے کے، اور دو آدمیوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھنا ایک آدمی کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے سے زیادہ پاکیزہ ہے اور جتنی بھی زیادہ تعداد ہوگی، اسی قدر اللہ کو محبوب ہے۔

(رواہ ابو داؤد والنسائی کما فی المستأخر ۹۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بلاشبہ میں نے اپنا وہ زمانہ دیکھا ہے کہ نماز جماعت سے صرف وہی شخص پیچھے رہ جاتا تھا جو منافق ہوتا اور اس کا نفاق کھلا ہوا سب کو معلوم ہوتا تھا یا کوئی مریض ہوتا (بلکہ) مریض کا بھی یہ حال تھا کہ دو آدمیوں کے درمیان چل کر آتا تھا۔ یہاں تک کہ نماز میں حاضر ہو جاتا تھا۔ اور فرمایا کہ بلاشبہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت کے طریقے بتائے ہیں اور ہدایت کے طریقوں میں سے یہ بھی ہے کہ مسجد میں نماز پڑھی جائے جس میں اذان دی جاتی ہو۔ (صحیح مسلم ص ۲۳۲ ج ۱)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی تین مرد کسی جنگل یا بستی میں ہوں جن میں نماز باجماعت قائم نہ کی جاتی ہو تو ضرور شیطان ان پر غلبہ پالے گا۔ لہذا جماعت کی حاضری کو لازم کر لو کیونکہ بھیڑ یا اسی بکری کو کھاتا ہے جو گولہ سے دور ہو جائے۔ (رواہ احمد و ابوداؤد والنسائی کما فی المستأخر ۹۶)

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۳۱﴾

کیا تم لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے ہو اور اپنی جانوں کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو تو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے۔

مبلغ اور داعی اپنے نفس کو نہ بھولے

اس آیت میں بھی یہودیوں سے خطاب کیا گیا ہے چونکہ یہ لوگ قرآن کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق جانتے تھے اس لئے پوشیدہ طور پر کبھی کبھی اپنے عوام اور رشتہ داروں کو اسلام قبول کرنے کا مشورہ دیتے تھے اور خود اسلام قبول نہیں کرتے تھے۔ تفسیر ابن کثیر اور درمنثور میں حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں یہ بات نقل کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی لڑکے کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے جو آپ کی خدمت کیا کرتا تھا آپ تشریف لائے اور اس کے سر کے پاس تشریف فرما ہو گئے اور اس کو اسلام کی دعوت دی اُس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا، جو وہاں موجود تھا اس کے باپ نے کہا کہ ابوالقاسم (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات مان لے چنانچہ اُس نے اسلام قبول کر لیا اور آپ وہیں سے یہ کہتے ہوئے تشریف لائے کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے اسے روزخ سے بچا دیا۔ (صحیح بخاری ص ۸۱ ج ۱)

اس کے علاوہ بھی علماء یہود میں بے عملی عام تھی لوگوں کو نماز، روزے کا حکم کرتے تھے اور خود عمل نہیں کرتے تھے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کو عار دلانی اور فرمایا کہ جو خیر کا حکم کرے اُسے خیر میں دوسروں سے آگے بڑھنا چاہیے۔ (قالہ ابن جریر کما فی تفسیر ابن کثیر) یہاں یہ بات اگرچہ یہودیوں کی بے عملی ظاہر کرنے کے لئے بیان کی گئی ہے لیکن اس کا حکم سب کے لئے عام ہے جو بھی کوئی شخص لوگوں کو بھلائی کا حکم کرے گا اور گناہوں سے روکے گا اور خود بے عمل ہوگا اس کا انجام بُرا ہوگا اور اس طریقہ کار کی شاعت اور قباحت اُسے لے ڈوبے گی۔ بعض روایات میں ہے کہ جو عالم لوگوں کو خیر سکھاتا ہے اور خود عمل نہیں کرتا وہ اُس چراغ کی طرح ہے جس کی جلی جلتی رہتی ہے لوگوں کو روشنی پہنچتی ہے لیکن جلی خود جل جاتی ہے۔ (ابن کثیر عن الطبرانی فی المعجم الکبیر)

بے عمل واعظوں کی سزا..... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ اُن کے ہونٹ قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں۔ جب کٹ جاتے ہیں تو پھر ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے کہا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ آپ کی امت کے خطیب ہیں جو لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے

ہیں اور اپنی جانوں کو بھول جاتے ہیں حالانکہ وہ کتاب پڑھتے ہیں کیا ان کو سمجھ نہیں ہے۔ (درمنثور ص ۶۳ ج ۱۲ من التہقی من شعب الایمان ۱۰ و عزاء صاحب المسکت: ص ۳۳۸ الی شرح النبی)

حضرت انسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایک شخص کو قیامت کے دن لایا جائے گا پھر اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا جس میں اس کے پیٹ کی آنتیں نکل پڑیں گی اور وہ اپنی آنتوں کے ساتھ گھومتا پھرے گا جیسے گدھا چکی کو لے کر گھومتا ہے، دوزخ والے اس کے پاس جمع ہو جائیں گے اور اس سے کہیں گے کہ اے فلاں! تجھے کیا ہوا؟ کیا تو ہمیں اچھی باتیں نہیں بتاتا تھا اور برائی سے نہیں روکتا تھا۔ وہ جواب دے گا کہ میں تم کو اچھی باتوں کا حکم کرتا تھا اور خود نہیں کرتا تھا اور تم کو برائی سے روکتا تھا اور خود اس بُرائی کو کرتا تھا۔ (صحیح مسلم ص ۴۱۲ ج ۲)

فائدہ..... مذکورہ بالا آیات اور احادیث شریفہ کا مقصد یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں (نیکیوں کا حکم دیں، برائیوں سے روکیں) اور خود بھی عمل کریں، یہ مطلب نہیں ہے کہ نہ عمل کریں نہ امر بالمعروف کریں نہ نہی عن المنکر کریں۔ مبلغ اور مصلح کو عمل کی طرف متوجہ فرمایا گیا ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ جو عمل نہ کرے وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دینے سے اس کو خوب سمجھ لینا چاہیے۔

قال ابن کثیر فکل من الامر بالمعروف وفعله واجب ولا یسقط احدهما بترك الآخر علی اصح قولی العلماء من السلف والخلف والصحيح ان العالم یأمر بالمعروف وان لم یفعله وینہی عن المنکر وان ارتکبه۔ (ص ۸۵ ج ۱) (ابن کثیر کہتے ہیں کہ نیکی کا حکم دینا اور اس پر عمل کرنا دونوں واجب ہے اور سلف و خلف علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق ایک کے ترک سے دوسرے کا وجوب ساقط نہ ہوگا اور صحیح یہی ہے کہ عالم آدمی نیکی کا حکم دے گو وہ خود اس پر عمل نہ کرتا: اور برائی سے منع کرنے اگرچہ وہ خود اس کا ارتکاب کرتا ہو)

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْغَاشِيِينَ ۚ الَّذِينَ

اور مدد چاند صبر اور نماز کے ساتھ۔ اور بلاشبہ نماز ضرور دشوار ہے مگر غشیوں والوں پر

يُظْتَوْنَ أَنَّهُمْ مُلَاقُوا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۚ

جو یقین رکھتے ہیں کہ جب تک وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور یہ کہ وہ اس کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ مدد حاصل کرو

اس آیت شریفہ میں صبر اور نماز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے کا طریقہ بتایا ہے۔ لفظ صبر تین معنی میں آتا ہے۔ اول: طاعات پر جما رہنا خاص کر فرائض اور واجبات کو پابندی سے ادا کرنا۔ دوم: گناہوں سے پوری طرح اہتمام کے ساتھ بچنا۔ سوم: جو مصائب اور مشکلات، پریشانیوں اور اُن پر صبر کرنا۔

عام طور سے لوگوں میں یہ تیسرا معنی ہی زیادہ معروف ہے۔ تینوں قسم کا صبر اللہ تعالیٰ کی مدد کو لانے والا ہے۔ زندگی میں عموماً صبر کے مواقع پیش آتے رہتے ہیں۔ عبادات بھی صبر ہی سے ادا ہوتی ہیں۔ نفس عبادت کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اگر تیار ہوتا ہے تو صحیح طریقہ سے ادا کرنے سے بچتا ہے۔ روزہ اور جہاد تو سراپا صبر ہی ہے۔ نماز سب سے بڑی عبادت ہے، اس میں بھی صبر کا مظاہرہ ہے۔ نمازی کا ظاہر

اور باطن عبادت ہی میں مشغول ہو جاتا ہے جو نفس پر شاق ہوتا ہے صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ مدد طلب کرنے کا حکم فرمایا یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کی مدد لانے میں بڑا دخل رکھتی ہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ لیلۃ الاحزاب میں (غزوہ خندق کے موقع پر) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آیا (اُن کو ایک کام کے لئے بھیجا تھا) تو آپ چارواڑھ بھے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور آپ کی عادت تھی کہ جب کوئی مشکل درپیش ہوتی تھی تو نماز پڑھنے لگتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے غزوہ بدر کی رات میں دیکھا کہ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب لوگ سوئے ہوئے تھے آپ برابر نماز میں مشغول رہے اور صبح ہونے تک دعا کرتے رہے۔ (ابن کثیر ص ۸۷ ج ۱) اس سلسلہ کا کچھ مضمون ان شاء اللہ آیت کریمہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ کے ذیل میں آئے گا۔

مفسر ابن کثیر نے ابن جریر طبری سے نقل کیا ہے کہ اَسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ میں علماء یہود سے خطاب فرمایا ہے (وہ لوگ تحصیل دنیا کے لئے اور ریاست اور جاہ باقی رکھنے کے لئے حق چھپاتے تھے اور اسلام نہ خود قبول کرتے تھے نہ دوسروں کو قبول کرنے دیتے تھے اُن کو حکم ہوا کہ حق قبول کرو اسلام لاؤ اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں لگو، صبر اور صلاۃ کے ذریعہ اللہ کی مدد حاصل کرو جو اللہ سے نزدیک کرے گی اور برائیوں سے روکے گی اسلام قبول کرنے پر جو کچھ تکلیف پہنچ جائے، مال اور ریاست میں کمی آجائے اُسے صبر کے ساتھ برداشت کرو)۔

پھر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ آیت کا خطاب اگرچہ بنی اسرائیل کے انداز اور تحدیر کے سیاق میں وارد ہوا ہے لیکن علی سبیل التخصیص صرف یہود مخاطب نہیں ہیں بلکہ صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ مدد حاصل کرنے کا حکم یہود اور غیر یہود سب ہی کے لئے ہے۔ (ص ۸۸ ج ۱) نماز کی اہمیت..... نماز میں ظاہر اور باطن سب عبادت میں لگ جاتا ہے۔ یہ ظاہری طہارت اور باطنی تزکیہ دونوں کو شامل ہے کچھ نہ کچھ مال بھی خرچ ہوتا ہے (مثلاً وضو اور غسل کے لئے پانی حاصل کرنا پڑتا ہے اور ستر عورت کے لئے کپڑوں کا انتظام کرنا پڑتا ہے) اگر صحیح طریقہ پر نماز پڑھی جائے تو دل اور اعضاء نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، اس میں شیطان سے مقابلہ ہے اور حق تعالیٰ شانہ سے مناجات ہے، تلاوت قرآن ہے اور توحید اور رسالت کی گواہی ہے، نفس کو اس کے تقاضوں سے روکنا ہے، اس میں چلنا پھرنا، کھانا پینا اور بات کرنا ممنوع ہے۔ نماز کے بہت سے فضائل اور فوائد ہیں۔ اگر نماز کو ٹھیک طرح سے پڑھا جائے، فرائض کی پابندی کی جائے، سنتوں کا اہتمام کیا جائے، نوافل کی طرف دھیان دیا جائے تو ضرور اللہ تعالیٰ کی مدد آتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں بندہ کی طرف متوجہ ہوتی ہیں۔

خشوع کی ضرورت..... پھر فرمایا نماز ضرور دُشوار ہے مگر خشوع والوں پر دُشوار نہیں۔ خشوع دل کے جھکاؤ اور عاجزی اور فروتنی کو کہا جاتا ہے۔ جب دل میں خشوع ہوتا ہے تو اعضاء میں بھی اس کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے جو لوگ خشوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں ان کی نماز واقعی نماز ہوتی ہے، نماز میں اُن کا دل لگتا ہے نماز چھوڑنے کو بھی نہیں چاہتا، مسجد سے جائیں تو مسجد میں واپسی کے لئے دل انکار ہوتا ہے، جسے نماز کا خشوع حاصل ہو گیا اُسے ساری کامیابیاں حاصل ہو گئیں۔ (سورہ مؤمنون میں فرمایا کہ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ) بے شک وہ کامیاب ہو گئے جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔ دُنیا میں لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ طلب دُنیا کے لئے بڑی بڑی محنتیں کرتے ہیں، پہاڑ توڑتے ہیں، پتھر پھوڑتے ہیں، بہت سے لوگ اٹھارہ گھنٹے روزانہ محنت کرتے ہیں لیکن دو رکعت پڑھنا ان کے لئے مصیبت بن جاتا ہے۔ اگر نماز شروع کروں تو اس میں بھی اپنے دُنیاوی مشاغل کا ہی دھیان رکھتے ہیں خشوع نہیں ہوتا اس لئے دو رکعت پڑھنا بھی بھاری پڑ جاتا ہے۔

خشوع والے کون ہیں:..... پھر فرمایا کہ خشوع والے وہ ہیں جو یقین رکھتے ہیں کہ وہ بے شک اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور یہ کہ وہ اس کی طرف اونٹنے والے ہیں۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ خشوع ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جنہیں اس بات کا یقین ہے کہ ان کو موت کے بعد جی اٹھنا ہے اور میدانِ قیامت میں حاضر ہونا ہے اور بارگاہِ خداوندی میں پیشی دہنی ہے اور اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے، جس کو ان باتوں کا یقین ہو گا وہ نماز قضا بھی نہ کرے گا، بے وقت بھی نہ پڑھے گا، اچھی نماز بھی پڑھے گا، اس کو خشوع کی کیفیت بھی حاصل ہوگی، رکوع سجدہ بھی ٹھیک کرے گا، اس کی تلاوت بھی صحیح ہوگی۔ (قال ابن کثیر ای یعلمون انھم محشورون الیہ یوم القیامۃ معرضون علیہ وانھم الیہ واجعون ای امورھم راجعۃ الی مشیتہ فلہذا لما یفتنوا بالمعاد والجزاء سہل علیہم فعل الطاعات و ترک المنکرات۔ (ص ۸۸ ن ۱) ابن کثیر کہتے ہیں وہ (مؤمنین خاصین) جانتے ہیں کہ انہیں قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے رو برو حاضر ہونا اور اس کے حضور پیش ہونا ہے اور یہ کہ وہ اسی کی طرف اونٹنے والے ہیں یعنی ان کے تمام تر امور اللہ تعالیٰ کی مشیت کی طرف راجع ہیں لہذا جب وہ معاد اور جزاء کا یقین کرتے ہیں تو ان کیلئے طاعات کو بجالانا اور منکرات سے اجتناب کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

درحقیقت جسے یہ یقین ہو کہ یہ نماز آخرت میں نجات کا ذریعہ بنے گی اور نماز قبول ہوئی تو اور نیکیاں بھی قبول ہوں گی۔ یہ روز دہنی تو دوسرے اعمال بھی رد ہو جائیں گے (جیسا کہ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے) اور یہ کہ میری نماز کا ثواب مجھی کو مانا ہے اور اس کی وجہ سے بڑے بڑے انعامات نصیب ہوتے ہیں تو ایسا شخص بے وقت نماز کیوں پڑھے گا؟ جلدی جلدی کیوں پڑھے گا؟ اور رکوع سجدہ میں کمی کیوں کرے گا؟ درحقیقت آخرت کی پیشی اور وہاں کے عذاب و ثواب کا فکر ہو تو یہ دین کے بڑے بڑے کام کر داسکتا ہے۔ یہ نہ ہو تو صحیح طریقہ پر دو رکعت نماز پڑھنا بھی ہماری ہو جاتا ہے۔ حضرت غمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک انسان نماز سے فارغ ہوتا ہے اور اس کے لئے نماز کا دوسواں یا نوواں یا آٹھواں یا ساتواں یا چھٹا یا پانچواں یا چوتھا یا تہائی یا آدھا حصہ لکھا جاتا ہے۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی وابن حبان فی صحیحہما فی الترتیب ص ۳۴۱ ج ۲)

یہ ثواب کی کمی اور کوتاہی خود نمازی کے اپنے اخلاص، عمل اور خشوع کی کمی اور کوتاہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاِنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۷﴾

اے بنی اسرائیل تم میرے احسانوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر کئے اور اس بات کو کہ میں نے تم کو فضیلت دی جہانوں پر
وَاتَّقُوا یَوْمًا لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا
اور روز اس دن سے جس دن کوئی بھی شخص کسی کی طرف سے بھی کچھ مانگا کرے گا اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی

عَدْلٌ وَلَا هُمْ یُنصَرُونَ ﴿۷۸﴾

معاوضہ لیا جائے گا، اور نہ ان لوگوں کی مدد کی جائے گی۔

قیامت کے دن نفسا نفسی

ان دونوں آیتوں میں بھی بنی اسرائیل کو خطاب فرمایا اور مکرر اپنی نعمتوں کی یاد دہانی فرمائی۔ ان میں بہت سی نعمتوں کا تذکرہ آئندہ

آیات میں آنے والا ہے۔ یہ جو فرمایا: **وَإِنِّي قَضَيْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ** (کہ میں نے تم کو فضیلت دی جب انوں پر) اس سے اُن کے آباؤ اجداد مراد ہیں۔ جن میں انبیاء کرام علیہم السلام بھی تھے اور وہ علماء شلحا بھی تھے جنہوں نے اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھما تھا اور جنہوں نے دین خداوندی میں کسی قسم کی تحریف و تغیر نہیں کی تھی۔ ایمان اور اعمال صالحہ سے منصف تھے اور جن پر فضیلت دینے کا ذکر ہے ان سے ان کے زمانے کے لوگ مراد ہیں۔ تمام عالم کے انسان اگلی پچھلی اقوام و افراد مراد نہیں ہیں۔

حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام سے افضل ہیں اور آپ کی امت ساری امتوں سے افضل ہے جس کی تصریح **كُنْتُمْ خَيْرُ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ** میں اور **وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا** میں فرمائی ہے۔

اپنے زمانہ میں بنی اسرائیل کو دوسری اقوام پر فضیلت اور برتری حاصل تھی کیونکہ ان میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہوتے تھے اور اُن کے ماننے والے بھی ہوتے تھے اور اعمال صالحہ والے بھی موجود تھے۔ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو فترت کا زمانہ ہے (اور یہ زمانہ چھ سو سال کے لگ بھگ تھا) اس میں علماء یہود نے تو ریت شریف میں تحریف کر دی اور دین خداوندی کو بدل دیا پھر جب حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور علماء یہود نے پہچان بھی لیا کہ آپ وہی نبی ہیں جن کے آنے کا ہمیں انتظار تھا تو آپ کی نبوت اور رسالت کے منکر ہو گئے۔ تحریف و تغیر و انکار نبوت نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اپنی ہر طرح کی فضیلت کھو بیٹھے اور اب نہ صرف یہ کہ کفر اختیار کرنے والے بن گئے۔ بلکہ دین اسلام کے دشمن بن کر مستقل طریقہ پر مغضوب علیہم کی سند لے لی۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی نسل سے ہیں مگر کفر کے ساتھ نسب کوئی کام نہیں دے سکتا۔ اللہ تعالیٰ بڑا بے نیاز ہے۔ وہ ہر کافر کو دوزخ میں بھیج دے گا۔ کسی کی بھی اولاد نہ ہو۔

یہودیوں کی دنیا ظلی، حُب مال، حُب جاہ اور اس بات کا حسد کہ نبی ہم میں سے کیوں نہ آیا عربوں میں سے کیوں آیا ان چیزوں نے اُن کو برباد کر دیا۔ قرآن مجید نے خطاب کر کے اُن سے فرمایا کہ دنیا کو نہ دیکھو آخرت پر نظر کر دو۔ اُمہ وال و اولاد اور قوم اور قبیلہ قیامت کے دن بالکل کام نہیں آ سکتا وہاں نہ کوئی جان کسی کی طرف سے کوئی حق ادا کر سکتی گی (یہ نہ ہو سکے گا کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے قرضہ دے دے یا کسی طرح کا کوئی اور حق چکا دے، اور یہ نہ ہو سکے گا کہ کوئی کسی کی طرف سے عذاب بھگت لے۔)

جن کو شفاعت کی اجازت ہوگی وہی سفارش کر سکیں گے: کوئی سفارش قبول نہ کی جائے گی، بلکہ کوئی شخص کسی کے لئے سفارش کر ہی نہ سکے گا سوائے اُن لوگوں کے جن حضرات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سفارش کرنے کی اجازت ہوگی اور جن کے حق میں سفارش کرنے کی اجازت ہوگی ان ہی کے بارے میں قبول ہوگی اور کافروں کے لئے کوئی سفارش کرنے والا نہ ہوگا اور نہ ان کے لئے سفارش کی اجازت ہوگی۔

(قال الله تعالى شانه) **فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ** (و قال الله تعالى) **مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ** (و قال تعالى) **يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَ رَضِيَ لَهُ قَوْلًا ط** (و قال تعالى) **مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ**۔

وہاں عذاب سے جان چھڑانے کے لئے کوئی معاوضہ یا فدیہ بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ اول تو وہاں کسی کے پاس کچھ ہوگا ہی نہیں جو جان کا بدلہ دے کہ عذاب سے جان چھڑائے اور بالفرض کوئی دینا بھی چاہے تو قبول نہیں کیا جائے گا اور جس کے لئے عذاب کا فیصلہ ہو گیا اُسے عذاب ہی میں رہنا ہوگا۔

سورۃ آل عمران میں فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا فَلَنْ يَنْفِلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلَّةُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوْ افْتَخَدُوا بِهِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَالَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ.

(جو لوگ کافر ہوئے اور مر گئے کافر ہی ہو کر قبول نہ ہوگا کسی ایسے شخص سے زمین بھر کر سونا اگرچہ فدیہ دے اس قدر سونے کا، ان کے لئے عذاب دردناک ہے اور کوئی نہیں ہوگا ان کا مددگار)

اور سورۃ مائدہ میں فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَابِی الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ مَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ.

(جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے پاس جو کچھ زمین میں ہے وہ سب ہو اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور ہوتا کہ بدلہ میں دیں قیامت کے عذاب سے بچنے کے لئے تو ان سے قبول نہ ہوگا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔)

آخر میں فرمایا وَلَا هُمْ يَنْصُرُونَ اور روز قیامت ان لوگوں کی مدد نہ کی جائے گی۔ اول اس بات کی نفی کی گئی کہ کوئی کسی کے کام آئے۔ پھر سفارش کی نفی کی گئی پھر جان کا بدلہ قبول کئے جانے کی نفی کی گئی پھر ہر طرح کی مدد کی نفی کر دی گئی۔

وَإِذْ بَجَّيْنَاكُمْ مِّنَ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يَدَبْحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ

اور جب ہم نے تم کو آل فرعون سے نجات دی وہ تم کو سخت ترین تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری

نساءکم ۚ وَفِي ذٰلِكُمْ بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿۶۱﴾

مردوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑا امتحان تھا۔

مصر میں بنی اسرائیل کی مظلومیت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنے ایک بہت بڑے انعام کا تذکرہ فرمایا ہے پہلے گزر چکا ہے کہ بنی اسرائیل کے تمام قبیلے مصر میں رہتے تھے۔ غیر ملکی ہونے کی وجہ سے مصر کے لوگ (فرعون اور فرعون کی قوم) ان پر بڑی طرح مسلط تھے، ان کی زندگی غلاموں سے بھی بدتر تھی، ان سے بڑی بڑی بیگاریں لیتے تھے اور ایسی بدترین غلامی میں بنی اسرائیل مبتلا تھے کہ مصری لوگ ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتے تھے تو یہ ذرا بچوں بھی نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں پیدا فرمایا پھر ان کو اور ان کے بھائی ہارون علیہما السلام کو نبوت عطا فرمائی، فرعون سے ان کا مقابلہ اور مناظرہ ہوا، فرعون نے مقابلہ کے لئے جادوگر بلائے، معجزہ کے سامنے وہ لوگ نہ ٹھہر سکے اور اپنی ہار مان کر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کی وجہ سے بنی اسرائیل پر فرعون اور اس کی قوم کی اور زیادہ سختیاں بڑھ گئیں۔ اللہ جل شانہ کا موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ تم بنی اسرائیل کو لیکر مصر سے نکل کھڑے ہو اور راتوں رات رہا نہ ہو جاؤ۔ چنانچہ یہ لوگ ملک مصر سے نکل آئے اور فرعون اور اس کے لشکروں سے نجات پائی۔ اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ یہ لوگ مصر میں چار سو سال سے رہ رہے تھے۔ عرصہ دراز کی بدترین غلامی سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نجات دی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔

آیت کے اخیر میں جو لفظ بلاء ہے اس کے دو معنی مفسرین نے لکھے ہیں۔ (۱) عربی زبان میں آزمائش اور امتحان کو بھی بلاء کہتے

ہیں۔ اگر یہ معنی لئے جائیں تو ترجمہ اور مطلب یہ ہوگا کہ تم ایسی سخت تکلیفوں میں مبتلا تھے اس میں تم بڑے امتحان میں تھے (۲) بلائے کا دوسرا معنی انعام کا ہے اگر یہ معنی لئے جائیں تو ترجمہ اور مطلب یہ ہوگا کہ ایسی تکلیفوں سے اور غلامی سے نجات دینے میں تم پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔

فرعون اور اس کا لشکر بنی اسرائیل کے لڑکوں کو کیوں ذبح کرتے تھے؟ اس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ فرعون نے خواب میں دیکھا تھا یا اُسے کانٹوں نے بتایا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا جو تیرے ملک کو ختم کرنے کا ذریعہ بنے گا۔ اللہ جل شانہ کی قضاء و قدر غالب آئی ان کی تدبیر یوں ہی دھڑی رہ گئی خدا جانے کتنے لڑکوں کو قتل کر دیا۔ اسی زمانہ قتل میں نبی علیہ السلام پیدا بھی ہوئے، پہلے، بڑھے، جوان ہوئے اور فرعون ہی کے محل میں پرورش پائی پھر اس کی اور اس کی حکومت کی تباہی کا ذریعہ بنے۔

وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمْ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿٥٠﴾

اور جب ہم نے تمہاری ہجرت سے مسند کو پھار دیا پھر ہم نے تم کو نجات دے دی، اور آل فرعون کو ہم نے فرق کر دیا اس حال میں کہ تم دیکھ رہے تھے۔

بنی اسرائیل کا سمندر پار کر کے نجات پانا اور آلِ فرعون کا غرق ہونا

اس آیت شریفہ میں اہمائی طور پر مصریوں سے بنی اسرائیل کی نجات اور آل فرعون کی بربادی اور ہلاکت کا ذکر ہے۔ اللہ جل شانہ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ تم راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر مصر کی آبادیوں سے نکل جاؤ اس وقت مصر میں فرعون کی حکومت تھی فرعون مصر کے ہر فرمانروا کو کہا جاتا تھا اور اس فرعون کا نام جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھا بعض مفسرین نے ولید بتایا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اس کا نام بھی موسیٰ تھا، اس کا تعلق قوم عادی سے بتاتے ہیں یہ بڑا سرکش بادشاہ تھا اپنے آپ کو سب سے اونچا معبود منواتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو رات کو لے کر مصر کی آبادی سے نکل گئے اور سمندر کے کنارے پہنچ گئے ان کے نکلنے کی جب فرعون اور آل فرعون کو خبر لگی تو فرعون نے اپنے لشکروں کے ساتھ ان کا پیچھا کیا، بنی اسرائیل دریا کے کنارے پہنچ چکے تھے، سورج نکل چکا تھا فرعون جو اپنے لشکروں کے ساتھ پیچھے سے پہنچا تو بنی اسرائیل گھبرا گئے اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا اِنَّا لَمُدْرِكُوكُمْ (کہ ہم تو دھر لے گئے) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: كَلَّا ۚ اِنَّ مَجِیَّ رَبِّیْ سَیْبَدِّیْنِ (ہرگز نہیں بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے وہ ضرور مجھے راہ بتائے گا) اللہ جل شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ تم اپنی لاشیں سمندر میں مارو! انہوں نے سمندر میں لاشیں ماری تو سمندر پھٹ گیا اور پہاڑوں کے برابر اس کے ٹکڑے ہو گئے ان پانی کے پہاڑوں کے درمیان زمین خشک ہو گئی اور بنی اسرائیل کے قبیلے ان پہاڑوں کے درمیان سے گزر گئے۔ فرعون نے بھی اپنی جماعتوں اور لشکروں کے ساتھ ان کا پیچھا کیا اور یہ لوگ بھی سمندر میں داخل ہو گئے بنی اسرائیل کا پار ہونا تھا اور فرعون اور اس کے لشکر کا سمندر میں داخل ہونا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو ملا دیا اور فرعون اپنے لشکروں اور جماعتوں سمیت ڈوب گیا ان کے ڈوبنے کے اس منظر کو بنی اسرائیل اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے جس کو اس آیت میں وَاقْتُمْ تُنْظَرُونَ سے تعبیر فرمایا ہے۔ فرعون جب ڈوبنے لگا تو کہنے لگا کہ میں بھی ایمان لاتا ہوں کہ اس ذات کے علاوہ کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ ارشادوا الْكُفْرَ وَقَدْ غَضِیْتُ قَبْلُ وَكُنْتُ مِنَ الْمُنْكَبِدِیْنَ۔ (کیا اب ایمان لاتا ہے حالانکہ اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا اور ثبوت فساد کرنے والاوں میں سے تھا)۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا فرعون غرق ہو کر ہلاک تو ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی نعش کو محفوظ رکھا تاکہ بعد میں آنے والوں کو عبرت ہو جیسا کہ سورۃ یونس میں فرمایا ہے: قَالِیَوْمَ نُنْجِیْكَ بِبَدَنِكَ لِیَكُونَ لِمَنْ خَلَقْتَ اَدْنٰی (سو آج ہم تیری لاش کو نجات دیں گے تاکہ تیری ذات ان لوگوں

کے لئے عبرت ہو جائے جو تیرے بعد میں آنے والے ہیں) فرعون اور اس کے لشکروں کے غرق ہونے اور بنی اسرائیل کے نجات پانے کا وہ سب سے پہلا (رکوع ۳) میں اور سورہ شعراء (رکوع ۴) میں اور سورہ دخان (رکوع ۱) میں بھی مذکور ہے۔

وَإِذْ وَعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ ۚ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿۵۱﴾

اور جب وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا بھر تم لوگوں نے ان کے بعد عجلہ کو معبود بنا لیا اور تم ظالم

عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵۲﴾

کرنے والے تھے۔ پھر ہم نے اس کے بعد تم سے اور گزر کر دیا تاکہ تم شکر ادا کرو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طور پر جانا اور بنی اسرائیل کا بچھڑے کی عبادت کرنا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لیکر سمندر پار ہو گئے تو ایک میدان میں پہنچ گئے۔ یہاں سے ان کو اپنے وطن فلسطین جانا تھا لیکن چالیس سال کے بعد وہاں پہنچ سکے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے علاقے میں ان کو جانا نصیب ہوا ان کی وفات اسی میدان میں ہو گئی اور اسی عرصہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت شریف عطا ہوئی۔ طور پہاڑ اسی میدان میں ہے۔ اللہ جل شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہاں بلایا ایک مہینہ اعتکاف کرنے اور روزے رکھنے کا حکم دیا تھا۔ لیکن تیس راتیں گزرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مسواک کر لی جس سے وہ خاص قسم کی راتحہ دور ہو گئی جو روزہ رکھنے سے منہ میں پیدا ہو جاتی ہے اس کو حدیث میں خلوف فم الصائغ سے تعبیر فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ عمدہ ہے۔ (کنز العمال ج ۱۰ ص ۱۰۰)

جب یہ راتحہ دور ہو گئی تو دس دن مزید روزہ رکھنے کا حکم ہوا۔ لہذا چالیس دن کو بطور پر گزارے۔ مدت مذکورہ گزر جانے کے بعد توریت شریف عطا ہوئی۔ سورہ بقرہ میں چالیس راتوں کا ذکر ہے۔ اور سورہ اعراف میں تفصیل بیان فرمائی کہ تیس راتوں میں دس راتیں اور بڑھادی گئیں۔ لہذا چالیس راتیں پوری ہو گئیں۔ (وَأَتْمَمْنَاهَا بِعَشْرِ رَدِّهٍ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً۔)

سامری سنار کا زیورات سے بچھڑا بنانا اور بنی اسرائیل کا اس کو معبود بنالینا..... حضرت موسیٰ علیہ السلام بطور پر تشریف لے گئے اور وہاں چالیس دن لگ گئے۔ ابھران کے پیچھے ان کی قوم بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔ جس کا واقعہ یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل مصر سے نکلنے والے تھے تو انہوں نے قبلی قوم کے لوگوں سے (جو مصر کے اصل باشندہ تھے) زیورات مانگ لئے تھے۔ یہ زیورات ان لوگوں کے پاس تھے ان میں ایک آدی سامری نام کا تھا جو سنار کا کام کرتا تھا اس نے ان زیوروں کو جمع کر کے گائے کے بچھڑے کی شکل بنادی اور اس کے منہ میں مٹی ڈال دی۔ یہ وہ مٹی تھی جو اس نے حضرت جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے اٹھائی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس مٹی میں ایسا اثر ڈالا کہ اس مجسمہ سے گائے کے بچے کی آواز آنے لگی، بنی اسرائیل مصر میں بت پرستی دیکھ آئے تھے۔ جب اس کی آواز سنی تو کہنے لگے۔ هَذَا إِلَهُكُمْ وَإِلَهُ مُوسَىٰ فَتَنَسِي (یعنی یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی معبود ہے۔ سو وہ بھول گئے جو طور پر خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے لئے گئے۔) (معبودۃ العیاف باللہ یہاں موجود ہے) حضرت ہارون علیہ السلام جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پیچھے چھوڑ گئے تھے انہوں نے بنی اسرائیل کو سمجھایا اور بتایا کہ تم فتنے میں پڑ گئے۔ یہ تمہارا رب رحمن ہے میرا اتباع

کرو، میری اطاعت کرو۔ اس پر بنی اسرائیل نے کہا ہم برابر اس پتھر کے آگے پیچھے لگے رہیں گے یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام واپس آجائیں۔

سامری کو بددعا اور پتھر کے انجام..... جب موسیٰ علیہ السلام توریت شریف کی تختیاں لے کر تشریف لائے تو انہوں نے یہ ماجرا دیکھا، بہت غصہ ہوئے اور پوری صورت حال معلوم فرمائی پتہ چلا کہ سامری نے یہ حرکت کی ہے۔ اس سے بھی سوال جواب فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو بددعا دے دی اور فرمایا:

فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ

(تو جا تیرے لئے زندگی بھر یہ بات طے کر دی گئی کہ تو جسے دیکھے گا اس سے کہے گا کہ مجھے نہ چھونا) البذاہ حیران پریشان جنگل میں پھرتا رہتا تھا جب وہ کسی کو چھو لیتا تھا یا کوئی شخص اس کو چھو لیتا تو دونوں کو بخار چڑھ جاتا تھا پھر موسیٰ علیہ السلام نے اس پتھر کے کو جلا دیا اور راکھ کو سمندر میں بہا دیا اور فرمایا: اِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا. (تمہارا معبود صرف اللہ ہی ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اس کا علم ہر چیز پر حاوی ہے)۔ یہ جو فرمایا کہ ہم نے تم سے درگزر کر دیا۔ یہ ان کی توبہ کرنے کے بعد کی بات ہے۔ ان کی توبہ کا ذکر ابھی ایک آیت کے بعد آئے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۵﴾

اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فیصلہ کرنے والی چیز دے دی تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

توریت شریف عطا فرمانے کا انعام

اس آیت میں توریت شریف عطا فرمانے کا ذکر ہے۔ بنی اسرائیل پر جو اللہ تعالیٰ کے بڑے بڑے انعامات ہوئے ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان کو ایک جامع کتاب دی گئی جو احکام پر مشتمل تھی اس میں احکام دینیہ پوری طرح واضح طور پر بیان فرمادیے گئے تھے۔ سورۃ انعام میں فرمایا:

ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّعَلَّاهُمْ بَلَاغًا رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ (پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جس سے اچھی طرح عمل کرنے والوں پر نعمت پوری ہو جائے اور سب احکام کی تفصیل معلوم ہو جائے اور رہنمائی ہو اور رحمت ہو تاکہ وہ لوگ اپنے رب کے ملنے پر ایمان لائیں)۔ توریت شریف کو فرقان فرمایا یعنی حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے حلال و حرام کے درمیان فرق کرنے والی۔ یہ دونوں باتیں ٹھیک ہیں۔ اللہ کی کتاب کی یہ سب صفات ہیں۔ حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہے اور حلال و حرام کے درمیان بھی۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ الفرقان سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات مراد ہیں۔ سیاق کلام سے یہ بھی بعید نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو توریت شریف بھی دی اور معجزات بھی دیئے۔ جو ان کے دعوائے نبوت اور رسالت کو ثابت کرنے والے تھے۔ جو انعامات موسیٰ علیہ السلام پر ہوئے وہ سب بنی اسرائیل پر بھی ہیں کیونکہ بنی اسرائیل ان کی امت میں سے تھے اور خود موسیٰ علیہ السلام بھی بنی اسرائیل میں سے تھے۔ بنی اسرائیل نے اللہ کی ساری نعمتوں کی ناقدری کی اور بجائے شکر گزار ہونے کے، ناشکرے ثابت ہوئے اور ہدایت کے بجائے گمراہی اختیار کی جس کا تذکرہ آئندہ آیات میں آ رہا ہے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَفْقَهُمُ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! بے شک تم نے مجھ سے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ لہذا تم اپنے پیدا کرنے

إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۚ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۚ إِنَّهُ هُوَ

والے کی بارگاہ میں تو پرکرنے والا اپنی جانوں کو قتل کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک، پھر اُس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی، بے شک وہ بہت زیادہ

التَّوَابُ الرَّحِيمُ ﴿۵۳﴾

توبہ قبول فرمانے والا ہے، اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

گوسالہ پرستی کر نیوالوں کی توبہ اور اس بارے میں جانوں کو قتل کرنا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام توریت شریف لے کر واپس بنی اسرائیل کے پاس تشریف لائے تو دیکھا کہ بہت بڑی تعداد میں یہ ادگ گوسالہ پرستی یعنی پچھڑے کی عبادت میں مُبہمک ہو چکے ہیں اس پر انہیں بہت زیادہ غصہ آیا اور ان کو بُت پرستی سے توبہ کرنے پر متوجہ فرمایا۔ ان لوگوں کو بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توجہ دلانے سے اپنی گمراہی کا احساس ہو گیا جیسا کہ سورۃ اعراف میں فرمایا:

وَلَمَّا سَقَطَ فِيهِمْ أَيْدِيهِمْ وَرَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا قَالُوا لَئِنْ لَمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ.

(اور جب نادم ہوئے اور معلوم ہوا کہ واقعی وہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرے اور ہمیں معاف نہ کرے تو ہم بالکل نقصان میں پڑ جانے والے ہوں گے)

ان لوگوں کی توبہ کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے یہ متعین فرمایا تھا کہ وہ قتل ہو جائیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یوں حکم ہوا تھا کہ جن لوگوں نے پچھڑے کی عبادت نہیں کی تھی وہ ان لوگوں کو قتل کر دیں جنہوں نے پچھڑے کی عبادت کی۔ مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب قتل کرنا شروع کیا تو قاتلین کے سامنے پچھڑے کی عبادت کرنے والوں میں سے وہ لوگ بھی سامنے آ جاتے تھے جو ان کے رشتہ دار اور عزیز قریب تھے لہذا وہ قتل کرنے سے ہچکچاتے تھے اللہ تعالیٰ نے سیاہ بادل بھیج دیئے تاکہ ایک دوسرے کو نہ دیکھیں اور صبح سے شام تک قتل کا سلسلہ چلتا رہا حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے دُعا کی بادل ہٹا دیا اور توبہ نازل ہو گئی اس وقت تک ستر ہزار آدمی قتل کئے جا چکے تھے۔ مفسرین کے اندازِ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جنہوں نے پچھڑے کی عبادت کی تھی وہ سب ہی قتل نہیں ہوئے بلکہ ستر ہزار کے قتل ہوئے پر سب کی توبہ قبول ہو گئی۔ (بیضاوی و ابن کثیر)

آیت کریمہ میں یہ جو فرمایا کہ فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ (کہ تم اپنے پیدا کرنے والے کے حضور میں توبہ کر دو) اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ مستحق عبادت وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا اُسے چھوڑ کر تم ایسی چیز کی پرستش میں لگ گئے جس کی شکل و صورت تمہارے آدمی نے خود بنائی۔ شرک کی سزا دوزخ کا دائمی عذاب ہے اُس سے بچنے کے لئے توبہ کرو اور توبہ کی قبولیت کے لئے یہ شرط لگائی کہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو اور فرمایا کہ یہ تمہارے لئے بہتر ہے، یہ ایک وقتی تکلیف ہے جس کا سبب لینا دوزخ کے دائمی عذاب کے مقابلہ میں بہت زیادہ سہل ہے۔ اور اس عذاب سے بچنا تمہارے لئے بہت بہتر ہے۔ اُمّت محمدیہ پر اللہ جل شانہ کا بہت بڑا فضل و کرم ہے ان کی توبہ نہ اُمّت سے اور آئندہ گناہ کے نہ کرنے کا فیصلہ کر لینے پر ادھر حقوق اللہ و حقوق العباد ادا کرنے سے قبول ہو جاتی ہے۔ کوئی کیسا ہی کتنا بڑا

گناہ کرے، کفر اختیار کرے شرک کا کام کرے اس کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ سچے دل سے اسلام قبول کرے توحید و رسالت پر ایمان لائے اُس کی توبہ قبول ہے۔

وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرٰى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاخَذَتْكُمْ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ

اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز تمہاری تصدیق نہ کریں گے۔ جب تک کہ ہم اللہ کو علانیہ طور پر نہ دیکھ لیں، سو پکڑ لیا تم کو کڑک نے اور حال یہ تھا کہ تم آنکھوں

تَنْظُرُونَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵۶﴾

سے دیکھ رہے تھے۔ پھر ہم نے تم کو زندہ افھا دیا تمہاری موت کے بعد، لہذا تم شکر ادا کرو۔

بنی اسرائیل کی بیجا جسارت، اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا سوال

جب موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام توریت شریف لے کر تشریف لائے تو بنی اسرائیل کو پایا کہ اُن میں سے بہت سے لوگ پچھڑے کی عبادت کر چکے ہیں پچھڑے اور اُس کی عبادت کرنے والوں کا انجام اوپر بیان ہو چکا ہے۔ بنی اسرائیل نے گوسالہ پرستی کے علاوہ ایک اور اڑ لگائی، اور انہوں نے کہا کہ آپ جو فرما رہے ہیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔ ہمارے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟ ہم تو اس کو جب مانیں گے جب اللہ تعالیٰ ہم سے خود فرمائیں کہ یہ میری کتاب ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا چلو یہ بھی سہی تم لوگ اپنے نمائندے تیار کرو اور جو لوگ میرے ساتھ چلیں وہ روزہ رکھیں اور پاک صاف ہو کر چلیں جس دن ان کو خداوند قدوس سے ہم کلامی سے مشرف ہونے کا موقع آیا (جس کے لئے پہلے سے اجازت لی ہوئی تھی اور وقت مقرر فرما دیا تھا) تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ان ستر آدمیوں کو بھی ساتھ لے گئے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام سن کر یہ لوگ مطمئن نہ ہوئے اور دوسری کڑک بدلی اور کہنے لگے کہ ہم تمہاری بات جب مانیں گے جب ہم اللہ تعالیٰ کو علانیہ طور پر اپنے آنے سے سامنے دیکھ لیں۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ ان کو بجلی کی کڑک نے پکڑ لیا اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے لقمہ اجل بن گئے۔ جب یہ ماجرا ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فکر لاحق ہوئی کہ پہلے ہی بنی اسرائیل مجھے متم کرتے تھے اور طرح طرح کی باتیں کرتے تھے اب اتنے آدمی ہلاک ہو گئے تو میں جب یہ بیان کروں گا کہ وہ لوگ بجلی کی کڑک سے مر گئے تو خدا جانے کیا کیا باتیں بنائیں گے اور کیسے اہتمام دھریں گے لہذا انہوں نے بارگاہ خداوندی میں دعا کی جس کی وجہ سے دوبارہ زندہ کر دیئے گئے۔ اس نعمت کا شکر اُن زندہ ہونے والوں پر اور ساری قوم پر واجب ہوا۔ (سن کیٹرس ۹۳، ۹۴ ج ۱، البیضاوی ص ۷۵ ج ۱)

وَظَلَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْعَمَامَ وَانْزَلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَالسَّلٰوٰی ؕ کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ ؕ

اور ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا، اور ہم نے تمہارے اوپر من اور سلویٰ نازل کیا، جو کچھ ہم نے تم کو دیا اس میں سے پاکیزہ چیزیں کھاؤ۔

وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰکِنْ کَانُوْا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

اور انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا لیکن اپنی ہی جانوں کا نقصان کیا کرتے تھے۔

میدانِ تہ میں بنی اسرائیل پر بادلوں کا سایہ کرنا اور من اور سلویٰ نازل ہونا

جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے اور دریائے پار کے ایک بیابان جنگل میں پہنچے جہاں سے اُن کو اپنے وطن کنعان جانا تھا اور وہاں پہنچنے

میں چالیس سال لگ گئے تھے کہ جہاں سے چلتے تھے شام کو وہیں وہ جودہوتے تھے۔ (ذکرہ البیضاوی فی تفسیر قولہ تعالیٰ یسفون فی الارض) وہ سوپ اور گرمی میں چلنا اور روزانہ چلنا نہایت تکلیف دہ تھا انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہمارے لئے کچھ سایہ کا انتظام ہو گا چاہیے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ اہدٰی میں دعا کی جس کی وجہ سے اُن کے لئے بادل بھیج دیئے گئے دن میں جب وہ سفر کرتے تھے تو بادل ان پر سایہ کرتے تھے اس سایہ میں ان کا سفر طے ہوتا تھا چونکہ روزانہ سفری سفر تھا کسی طرح کی تجارت یا صنعت و حرفت یا زراعت کا موقع نہیں تھا اور کھانے کی ضرورت بدستور جس کا ہر انسان محتاج ہے تو ان کی اس حاجت کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے من اور ساڑی نازل فرمائے۔

صن کے بارے میں مابہ تفسیر کے بعد سے اقبال ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کوئی ایسی چیز تھی جو درختوں پر نازل ہو جاتی تھی۔ صبح جا کر اس میں سے جس قدر چاہتے کھا لیتے تھے۔ حضرت مجاہد نے فرمایا کہ یہ ایک قسم کا گوند تھا۔ حضرت مکرّم نے فرمایا کہ وہ کوئی چیز تھی جو جوڑتے جوڑے کے مثلاً تھی۔ حضرت قتادہ کا قول ہے کہ یہ لوگ جہاں مقیم ہوتے وہیں برف کی طرح اُن کی جگہوں میں مسن کا نزول ہو جاتا جو وہ وہ سے زیادہ سفید اور شبد سے زیادہ میٹھا ہوتا تھا۔ اور یہ طلوع فجر سے طلوع شمس تک نازل ہوتا تھا ایک دن کی ضرورت کے بقدر ہر شخص کو لینے کی اجازت تھی اس سے زیادہ کوئی لے لیتا تو وہ برفاب ہو جاتا تھا۔ البتہ جمعہ کے دن جمعہ اور سنیچر دونوں دنوں کے لئے لے لیتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب وہ (مدینہ منورہ کی کھجوروں کی ایک قسم) جنت سے ہے اور اس میں زہر سے شفا ہے اور تھمی من سے ہے اور اس کا پانی آنکھوں کے لئے شفا ہے۔ (اصحہ جہ النور مذی فی ابواب الطب وهو فی البخاری ش ۶۶۳ ج ۲ ص ۶۶۳ غیر ذکر العوۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ جو کبھی کبھی کبھی زمین پر نظر آ جاتی ہے یہ اُس منی کا بقیہ ہے جو بنی اسرائیل پر نازل ہوا تھا۔ راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میری ایک باندی چند مٹی تھی میں نے مٹی کا پانی لیکر اس کی آنکھ میں ڈالا تو وہ ٹھیک ہو گئی۔

سئلہ: یہ کیا چیز تھی؟ یہ کوئی پرندہ تھا جو غیر سے نشا بہ تھا اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے پاس خوب زیادہ تعداد میں پرندے بھیج دیتا تھا جو ہوا کے ذریعہ آ جاتے تھے وہ لوگ ان کو ذبح کر دیتے تھے اس بارے میں بھی حکم تھا کہ بقدر ضرورت لیں اور ذخیرہ بنا کر نہ رکھیں لیکن انہوں نے اس بات پر عمل نہ کیا۔ من اور ساڑی دونوں کا ذخیرہ بنایا اور جب دوسرے دن اسے دیکھتا کہ کھائیں تو اس میں بد بو آ چکی تھی اور خراب ہو چکا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت میں تغیر نہ آتا اور وہ بد بو دار نہ ہوتا۔ اور اگر وہ نہ ہوتے تو کوئی عورت کبھی بھی اپنے شوہر کی خیانت نہ کرتی۔ (صحیح بخاری ص ۶۶۹ ج ۱) مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے اللہ پر بھروسہ نہ کیا ان کے لئے حکم تھا کہ من و ساڑی اُنہما کر نہ رکھیں لیکن وہ نہ مانے اُنہما کر رکھا تو اس میں بد بو آ گئی خراب ہو گیا لہذا گوشت کے خراب ہونے کی ابتداء ان لوگوں سے ہوئی اور ان کی حرکت بد کی وجہ سے ہوئی۔ اسی طرح سے حضرت آدم کو جنت کا وہ درخت کھانے پر آمادہ کیا جس کے کھانے سے منع کیا گیا تھا پھر وہ دونوں نے کھا لیا اور دونوں دنیا میں بھیج دیئے گئے۔ شوہر کی خیانت کی ابتداء حضرت حوا سے ہوئی لہذا ان کی نسل میں بھی یہ بات باقی رہ گئی۔ (مرقاۃ شرن مشکوٰۃ کتاب الاکان باب مشرۃ النساء)

وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا

اور جب ہم نے کہا داخل ہو جاؤ اس بستی میں سو کھاؤ اس میں سے جہاں سے چاہو خوب اچھی طرح، اور داخل ہو جاؤ دروازہ میں جھکے ہوئے۔

وَقُولُوا حِطَّةٌ نَغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ ۖ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٠﴾ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي

اور یہی کہہ کر تم گناہوں کی بخشش کا سوال کرتے ہیں، ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے، اور نیکو کاروں کو اور زیادہ دیں گے۔ سو بدل دیا ان لوگوں نے جنہوں نے ظلم کیا بات کو اس

كَيْلٍ لِّلَّهِ فَأَنزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَسْتَلُونُ ﴿٢١﴾

بات کے ماوراء جو ان سے کہی گئی تھی سو ہم نے نازل کر دیا ان لوگوں پر آسمان سے عذاب جنہوں نے ظلم کیا، اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔

ایک بستی میں خشوع کے ساتھ داخل ہونے کا حکم، اور بنی اسرائیل کی شرارت اور اس پر عذاب آنا

یہ کون سی بستی ہے؟ جس میں داخل ہونے کا یہاں اس آیت شریفہ میں ذکر فرمایا ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے

بیت المقدس مراد ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ اریحا بستی تھی جس میں داخل ہونے کا حکم ہوا تھا۔ مفسرین کثیر لکھتے ہیں کہ پہلا

قول ہی صحیح ہے کیونکہ یہ مصر سے آ کر اپنے علاقہ ارض مقدسہ میں جا رہے تھے اور اریحان کے راستہ میں نہیں پڑتا تھا اور پھر لکھتے ہیں کہ یہ

واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا نہیں ہے بلکہ جب بنی اسرائیل چالیس سال میدان میں حیران سرگرداں پھرتے رہے تو حضرت

یوشع بن نون علیہ السلام کی معیت میں ان کو بیت المقدس میں داخل ہونا نصیب ہوا ان کے علاقہ میں (جسے یہ چھوڑ کر مصر چلے گئے تھے)

قوم مخالف آباد تھی۔ وہ بڑے قد آور اور قوت و شوکت والے لوگ تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب بنی اسرائیل سے فرمایا کہ چلو اس

سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے تو ان لوگوں نے کہا کہ اس میں تو بڑے جاہل قسم کے لوگ آباد ہیں۔

ہمارے بس کا نہیں جو ان سے مقابلہ کریں تم جاؤ اور تمہارا تڑپ جائے دونوں وہاں جا کر قتال کر لیں۔ ان کی اس حرکت پر چالیس سال

کے لئے بیت المقدس کی سرزمین ان پر حرام کر دی گئی پھر یوشع علیہ السلام کی سرکردگی میں بیت المقدس فتح ہوا جب بیت المقدس میں داخل

ہونے لگے تو حکم ہوا کہ اللہ جل شانہ کا شکر ادا کرتے ہوئے داخل ہوں کہ اس نے ان کا علاقہ واپس فرمایا اور اس میں فتح یابی نصیب فرمائی

اور ان کو میدانِ تیہ کی حیرانی اور پریشانی سے نجات دی۔ اور اس شکر کے اظہار کے لئے عملی طور پر یہ تجویز فرمایا کہ جھکے ہوئے داخل ہوں

تو اضع کا طریقہ اختیار کریں غرور اور تکبر کو پاس نہ آنے دیں ایسی کوئی صورت اختیار نہ کریں جس سے استہزاء کی کیفیت ظاہر ہو اور ان کو یہ

بھی حکم دیا تھا کہ حِطَّة کہتے ہوئے داخل ہوں جس کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ ہم گناہوں کی بخشش کا سوال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان

سے وعدہ فرمایا تھا کہ ایسا کرو گے تو ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے اور جو لوگ اچھے کام کرنے والے ہیں ان کے ثواب میں اور

اضافہ کر دیں گے۔ حکم کیا ہوا تھا اور حرکت کیا کی؟ اسی کو فرمایا کہ ظالموں نے اس کو بدل دیا جس کا حکم دیا تھا، ٹل کو تو اس طرح بدلا کہ جھکے

ہوئے داخل ہونے کی بجائے بچوں کی طرح اپنے دھڑوں پر گھٹنئے ہوئے داخل ہوئے جس میں ایک طرح کا استہزاء ہے اور جو معافی

ماننے کا حکم ہوا تھا اس میں اس طرح آبل بدل گیا کہ سَلُّوا جَبَّهَكُمْ لِلَّهِ سَمِعْتُمْ قَوْلَهُ تَبَتُّوا

(کمانی صحیح البخاری ص ۶۴۳ ج ۲)

جب انہوں نے ایسی حرکت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے فاسقانہ کرتوتوں کی وجہ سے ان پر عذاب نازل فرما دیا۔ یہ عذاب جو

بنی اسرائیل پر نازل ہوا تھا اس کو ”رجز“ سے تعبیر فرمایا ہے، مفسرین نے لکھا ہے کہ ان لوگوں پر طاعون بھیج دیا گیا تھا جس کی وجہ سے کثیر تعداد میں بنی اسرائیل کی موتیں ہوئیں۔ علامہ تفسیر نے یہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے کہ الطَّاعُونُ رَجْزُ عَذَابٍ غَذَبَ بِهِ مِنْ كَانَ قَبْلُكُمْ (یعنی طاعون رجز ہے جو عذاب ہے جس کے ذریعہ تم سے پہلی امتوں کو عذاب دیا گیا)۔ (ذکرہ ابن کثیر عن ابن ابی حاتم)

معاذ القزیل میں لکھا ہے کہ طاعون کی وجہ سے بنی اسرائیل کے ستر ہزار آدمی ایک ہی ساعت میں ہلاک ہو گئے۔ مومن بندوں کو ہر حال میں اپنے خالق و مالک ہی کی طرف متوجہ رہنا چاہیے جب اللہ تعالیٰ فتح اور کامرانی دے تو خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف متوجہ ہوں عاجزی اور فروتنی کو اختیار کریں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ معظمہ میں خشوع خضوع کے ساتھ داخل ہوئے فتح مکہ کے بعد حضرت ام ہانی کے گھر میں آٹھ رکعت نماز پڑھی یہ چاشت کا وقت تھا، مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ بعض علماء نے اس کو صلاۃ الضحیٰ اور بعض حضرات نے صلاۃ الفتح سے تعبیر کیا ہے جب امیر لشکر کسی شہر کو فتح کرے تو اس کے لئے مستحب ہے کہ اول مرتبہ جب داخل ہو تو آٹھ رکعت نفل پڑھے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جب فارس فتح کیا اور ایوان کسریٰ میں داخل ہوئے تو انہوں نے بھی آٹھ رکعت نماز پڑھی۔ (ابن کثیر ص ۹۹ ج ۱۷)

وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ نَضِيبًا

اور جب موسیٰ نے ان کی قوم سے پانی طلب کیا تو ہم نے کہا کہ اپنا عصا پتھر پر مارو سو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ اٹھے۔
قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِّزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۱۰﴾

ہر جماعت نے اپنے اپنے پینے کی جگہ جان لی، کھانا اور پینا، اللہ کے رزق سے اور مت خرابی کرد زمین میں فساد کرتے ہوئے۔

میدان تہ میں بنی اسرائیل کیلئے پتھر سے پانی کے چشمے پھوٹنا

یہ بھی میدان تہ کا قصہ ہے۔ اس میدان میں جب بنی اسرائیل کو پیاس لگی اور پانی کی ضرورت محسوس ہوئی تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پانی کا سوال کیا جب موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں پانی کی درخواست کی تو اللہ جل شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اپنی لٹھی کو پتھر پر مارو چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا لٹھی کا پتھر پر مارنا تھا کہ اُس پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے، علامہ اغوی نے عالم القزیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جس پتھر میں لٹھی مارنے سے چشمے جاری ہوتے تھے یہ ایک ہلاک سا پتھر تھا جو چوکور تھا۔ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تھیلے میں رہتا تھا جب پانی کی حاجت ہوتی اُسے زمین پر رکھ کر لٹھی مار دیتے تھے جس سے چشمے جاری ہو جاتے تھے۔

جب بنی اسرائیل پانی سے سیراب ہو جاتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اُس کو اٹھا کر تھیلے میں رکھ لیتے اور جب پانی لینا چاہتے تو پتھر اس میں لٹھی مار دیتے جس سے پانی نکلتا، روزانہ چھ لاکھ آدمی اس سے سیراب ہوتے تھے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے ہر قبیلے کے لئے پتھر سے چشمہ پھوٹا تھا اور ہر قبیلہ اپنے اپنے چشمے سے سیراب ہوتا تھا۔

لَقَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِّزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۱۰﴾

لَقَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِّزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۱۰﴾

جیسے جاری فرمائے یہ اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل پر بہت بڑا انعام تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بہت بڑا اجر۔ بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْلُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ۔ (کہ اللہ تعالیٰ کے رزق سے کھاؤ اور پیو اور زمین میں فساد کرنے والے نہ بنو) لَا تَعْلُوا، عشی سے مشتق ہے جو خوب زیادہ بڑا فساد کرنے کے معنی میں آتا ہے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی آپس کا قتل و قتال اور ایک دوسرے پر ظلم کرنا بہت بڑا فساد ہے۔ نعمتوں کی ناشکری کرنے سے نعمتوں سے محرومی ہو جاتی ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ نعمتوں کے مقابلہ میں ناشکری اور نافرمانی شرنا و عقنا بہت بڑی جہالت اور باعثِ بلاکت ہے۔

وَإِذْ قُلْتُمْ يَهُوּسَىٰ لَنْ تَصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِئُ

اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ ہم برگزین نہیں کریں گے ایک کھانے پر چند ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کیجئے وہ ہمارے لئے ان چیزوں میں سے نکال دے

الرَّحِيصَ مِنْ بَقْلِهَا وَفَنَافِثَتِهَا وَنُوَيْبَتِهَا وَفِئَافِثَتِهَا وَبَصِیْرَهَا قَالِ اتَّسَبَّحُ لِلَّهِ الَّذِي

جن کو زمین آگاتی ہے۔ اس کی سبزی اور کھیر اور گیہوں اور مسور اور پیاز۔ موسیٰ نے کہا کہ تم بدلے ہو اُس چیز کو

هُوَ آدَنِي بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ إِمَّا يَظُوتَا مَضْرَافًا لَكُمْ مَا سَأَلْتُمْ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ

جو گھٹیا ہے اُس چیز کے بدلے میں جو خیر ہے؟ آخر جاؤ کسی شہر میں، سو بے شک تمہارے لئے وہ ہے جو تم نے سوال کیا، اور ماروی گئی اُن لوگوں پر ذلت اور مسکنت

وَبَاءٌ وَبَغْضٍ مِّنَ اللَّهِ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيَّاتِ بِغَيْرِ

اور مستحق ہو گئے غصہ کے جو اللہ کی طرف سے تھا، یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق

الْحَقِّ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿٩٧﴾

حق کرتے تھے، یہ اس لئے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ نہ سے آگے بڑھتے تھے۔

بنی اسرائیل کا کہنا کہ ہم ایک کھانے پر صبر نہیں کر سکتے، ہمیں پیاز، لہسن چاہیے!

میدانِ تہ میں بنی اسرائیل کو دونوں وقت کھانے کے لئے من و سلوی ملتا تھا۔ انسان کا کچھ ایسا مزاج ہے کہ وہ ایک قسم کا کھانا کھاتے کھاتے بدل ہو جاتا ہے اور اس کی طبیعت کا تقاضا ہوتا ہے کہ مختلف قسم کے کھانے کھائے بنی اسرائیل من و سلوی کھاتے کھاتے اکتا گئے لیکن انہوں نے طبعی اکتاہٹ کو دیکھا اور اس بات کو نہ دیکھا کہ ہم ایسی بدترین غلامی سے نکل کر آئے ہیں جہاں ہمارے بچے ذبح کر دیئے جاتے تھے اور اُنہیں نہ کر سکتے تھے ایسے بڑے دشمن کا ہلاک اور برباد ہونا اور اس سے نجات پانا یہ اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کے سامنے کھانے کی طبعی اکتاہٹ پر صبر کر لینا معمولی بات ہے لیکن انہوں نے صبر کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ ہمارے لئے زمین سے نکلے وہی چیزیں پیدا فرمائے ہمیں بریاں چاہئیں، کھیر چاہیے، گیہوں چاہیے، مسور کی دال چاہیے اور پیاز چاہیے۔ اور طرزِ سوال بھی عجیب ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہہ رہے ہیں کہ آپ اپنے رب سے دعا کریں یہ نہیں کہتے کہ ہم سب مل کر اپنے رب سے مانگیں، گویا اپنا کوئی تعلق ہی اپنے رب سے نہیں ہے اور گویا موسیٰ علیہ السلام نے

ان کو مصر سے لاکر ایک طرح کے کھانے کی مصیبت میں ڈالا ہے لہذا وہ دعا کریں اور وہی مصیبت حل کریں۔ اُن کا شکریہ تو کجا کہ اُن کی محنتوں، کوششوں اور قربانیوں سے بدترین غلامی سے نجات پائی۔ شکریہ کی بجائے اُن کو مطعون کر رہے ہیں کہ تم نے ہم کو مصیبت میں ڈالا۔ جب مزاج بگڑ جاتا ہے تو انسان عزت اور رفعت کی قدر نہیں کرتا وہ اپنے پست ذہن کی وجہ سے پستی کو ہی پسند کرتا ہے اور ذلت کا خوگر ہو جاتا ہے اس کی طبیعت ذلیل ہو کر رہنے ہی کو پسند کرتی ہے وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ طبیعت کی خواہشوں کے مطابق جیتا رہوں، چاہے جوتے ہی پڑتے رہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ناراضگی..... حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی یہ ادا پسند نہ آئی اور فرمایا کہ تمہارے پاس عمدہ کھانا بغیر کسب معاش اور بغیر محنت مشقت کے پہنچ جاتا ہے۔ تم اس عمدہ چیز کو چھوڑ کر گھٹیا چیزیں طلب کر رہے ہو، یہ طریقہ صحیح نہیں ہے اگر تم کو سبزیاں اور ترکاریاں، دال اور پیاز چاہیے تو کسی شہر میں چلے جاؤ۔ یہ چیزیں وہاں ملیں گی۔

لفظ ”قوم“ کا معنی تفسیر کی کتابوں میں گیسوں بھی لکھا ہے اور بس بھی، دونوں ہی معنی یہاں مراد ہو سکتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ بنی ہاشم کی زبان میں قوم گیسوں کو کہا جاتا تھا۔ حضرت مجاہدؒ نے اس کا ترجمہ لہسن کیا اور حضرت ابن عباسؓ سے ایک قول یہ بھی منقول ہے۔ حضرت امام بخاریؒ نے بعض حضرات کا قول نقل کیا ہے کہ ”الحبوب التی توکل کلھا قوم“ یعنی تمام غلے جو کھائے جاتے ہیں وہ سب قوم کا مصداق ہیں۔ (راجع ابن کثیر ص ۱۰۱ ج ۱)

یہودیوں پر ذلت اور مسکنت ماردی گئی..... پھر فرمایا کہ یہود پر ذلت اور مسکنت ماردی گئی یعنی ان کے ساتھ لازم کر دی گئی۔ وہ برابر ذلیل رہیں گے، جس میں دوسری قوموں کا ماتحت ہونا جزیہ دینا مال کا حریص ہونا بہت زیادہ مال ہوتے ہوئے بھی مال کی طلب میں لگنا اور جان کھپانا یہ سب ذلت میں داخل ہے۔ صاحب معالم التنزیل (ص ۸ ج ۱) لکھتے ہیں..... فتویٰ الیہود وان کانوا میاسیر کانہم فقراء وقیل الذلۃ ہی فقر القلب فلا تری فی اهل الملل اذل واحرص علی المال من الیہود۔ (یہود پر چونکہ ذلت اور مسکنت ماردی گئی اور اُن کی جانوں کے ساتھ لگا دی گئی اس لئے تم ان کو دیکھو گے کہ مال دار ہوتے ہوئے بھی فقیر ہیں۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ذلت سے دل کا فقیر ہونا مراد ہے۔ اسی لئے تمام اہل مذاہب میں یہودیوں سے بڑھ کر کوئی قوم زیادہ ذلیل اور مال کی حریص نہیں ہے)

صاحب معالم التنزیل نے سچ فرمایا کہ مالدار ہوتے ہوئے لیچر ہونا اور پیسے کے لئے جان دینا اور تھوڑا سا نقصان ہو جانے پر بیمار پڑ جانا دل کا دورہ پڑ جانا یا اچانک مرجانا، یہ باتیں قلبی فقر کو ظاہر کرتی ہیں اور اس کے نمونے اگر دیکھنے ہوں تو ہندوستان کے بچیوں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

یہود نے انبیاء کرام کو قتل کیا اس لئے غضب الہی کے مستحق ہو گئے..... پھر فرمایا کہ وہ غضب الہی کے مستحق ہو گئے اور ذلت اور مسکنت کا ان کے ساتھ لازم ہو جانا اور غضب الہی کا مستحق ہو جانا اس وجہ سے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ اور اس کے لئے انہوں نے نافرمانی کی اور اللہ تعالیٰ کی حدود سے آگے بڑھ جاتے تھے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا قتل تو ناحق ہی ہوتا ہے لیکن بغیر الحق کی تصریح اس لئے فرمائی کہ ان کے نزدیک بھی ان کو قتل کرنا ناحق تھا پھر یہ کہ ان حضرات کے قتل کرنے پر کوئی ندامت نہیں ہوتی تھی۔ مفسر ابن کثیر نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ بنی اسرائیل نے شروع دن میں تین سو بیویوں کو قتل کر دیا (علیہم الصلوٰۃ والسلام) پھر شام کو اپنے بازاروں میں سبزیوں کا کاروبار شروع

کر دیا۔ بنی اسرائیل نے جن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو قتل کیا ان میں حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کے اسماء گرامی زیادہ مشہور ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ارشاد فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ سخت عذاب والا وہ شخص ہوگا جس نے کسی نبی کو قتل کیا یا جسے کسی نبی نے قتل کیا یا جس نے اپنے والدین میں سے کسی کو قتل کیا اور تصویر بنانے والوں کو بھی سب سے زیادہ سخت عذاب ہوگا اور اُس عالم کو بھی جس نے اپنے علم سے نفع حاصل نہ کیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۸۷۸ از تہذیبی فی شعب الایمان)

یہودیوں کی حکومت سے متعلق ایک سوال..... جب سے یہودیوں کی حکومت قائم ہوئی ہے تو کم علم یہ اشکال پیش کرنے لگے ہیں کہ قرآن مجید میں پیشین گوئی تھی کہ ان کی حکومت کبھی قائم نہ ہوگی اس پیشین گوئی کے خلاف کیسے ہو گیا؟ یہ سوال کوئی ذہنی نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں ایسی کوئی تصریح نہیں ہے بلکہ سورہ آل عمران میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو ذلت ان پر ماری گئی ہے بعض حالات میں وہ نہ رہے گی چنانچہ ارشاد ہے۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اُنْظِمُوا اِلَّا بِخَبْرٍ مِّنَ اللّٰهِ وَخَبْرٍ مِّنَ النَّاسِ (یعنی اُن پر ذلت جمادی گئی وہ جہاں کہیں پائے جائیں مگر اللہ کے کسی قانون کے ذریعے سے یا آدمیوں کے ذریعے سے) اللہ کے قانون کا مطلب تو یہ ہے کہ کوئی یہودی بوڑھا ہو عبادت میں لگا ہو مسلمانوں سے جنگ نہ کرتا ہو تو وہ قتل نہ کیا جائے گا۔ اگرچہ اس کی عبادت آخرت میں نفع دینے والی نہیں ہے۔ اور آدمیوں کے ذریعہ اس کی ذلت رک جانے کا ذریعہ یہ ہے کہ کسی قوم سے ان کی صلح ہو جائے یا کوئی قوم ان کو قوت پہنچانے لگے یا ان کی مدد کرنے لگے جس سے اُن کو تھوڑی سی عارضی عزت مل جائے۔ ظاہر ہے کہ یہودیوں کی جواب حکومت قائم ہے وہ بعض دوسری حکومتوں کی وجہ سے ہے اگر وہ ان کی مدد و معاونت چھوڑ دیں تو ایک دن بھی ان کی حکومت باقی نہیں رہ سکتی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصْرٰى وَالصَّبِيْٓنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے یہودیت اختیار کی، اور نصاریٰ اور صابئین، ان میں سے جو بھی اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائے

الْاٰخِرِ وَعَمِلْ صٰلِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷﴾

اور نیک عمل کرے سو ان کے لئے اجر ہے ان کے رب کے پاس اور ان لوگوں پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔

صرف ایمان اور عمل صالح ہی مدارِ نجات ہے

گزشتہ آیت میں ارشاد فرمایا تھا کہ یہودیوں پر ذلت اور مسکنت لازم کر دی گئی اور وہ غضب الہی کے مستحق ہوئے اور اُس کا سبب یہ بتایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں لگتے اور حدود سے آگے بڑھتے تھے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے مطرود اور مردود ہونا کوئی یہودی قوم ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہونا اور مستحق اجر و ثواب ہونا اور قیامت میں بے خوف اور بے غم ہونا کسی خاص قوم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے جو بھی کوئی شخص ایمان کی صفت سے مصطف ہوگا وہ اپنے رب کے نزدیک مستحق اجر و ثواب اور بے خوف و بے غم ہوگا۔ یہ ایمان کی صفت ہر قوم کے اپنے اپنے زمانہ کے اعتبار سے تھی۔ یہودیوں کا ایمان یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اور تورات شریف پر ایمان لائیں۔ اور ہر اُس عقیدہ کو مانیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بتایا۔ پھر جب عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر

اور انجیل شریف پر ایمان لانا اور ان کی شریعت کو پوری طرح سے ماننا اور جو کچھ انہوں نے بتایا اُس کو تسلیم کرنا یہ ان کے زمانہ کے لوگوں کا ایمان تھا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول تھا جو لوگ اُن پر ایمان نہ لائے یا ایمان تو لائے لیکن بعد میں اُن کی شریعت کو بدل دیا اور ان کے دین میں شرک داخل کر دیا، وہ لوگ مؤمن نہ رہے۔ یہودیوں نے جب اُن کی نبوت اور رسالت سے انکار کیا تو اُن میں جواب تک مؤمن تھے وہ بھی کافر ہو گئے۔

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عامہ..... پھر جب خاتم النبیین سرور عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی جن کی آمد کی خبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی مُبَشِّرًا نَبِيًّا مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ اَحْمَدُ اور جن کا تذکرہ توریت اور انجیل میں پاتے تھے بِحَدِّثِهِ مَكْنُونًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ تو اب ایمان یہ ہو گیا کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور آپ کی ہر بات تسلیم کریں۔ اسی لئے سورۃ آل عمران میں فرمایا وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ (یعنی جو شخص بھی اسلام کے علاوہ کوئی دین چاہے گا سو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا)۔ جتنی قومیں بھی دنیا میں ہستی ہیں اور جتنے اہل مذاہب آنحضرت سرور عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت دنیا میں موجود تھے یا اب موجود ہیں خواہ وہ کسی نبی کے ماننے اور پیرو ہونے کے مدعی ہوں اور خواہ کسی بھی دین پر ہوں اُن سب پر فرض ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور ہر وہ عقیدہ تسلیم کریں اور مانیں جو آپ نے بتایا۔ قیامت تک کے لئے ہر قوم ہر جماعت ہر فرد ہر علاقہ کے انسان آپ کی امت و نبوت میں شامل ہیں۔

سورۃ اعراف میں فرمایا:-

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (آپ فرمادیجئے اے لوگو! بے شک میں اللہ کا پیغمبر ہوں تم سب کی طرف)
اور سورۃ سبائیں ارشاد فرمایا:-

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر تمام انسانوں کے لئے پیغمبر بنا کر خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا، لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے)

لہذا جب سے آپ کی بعثت ہوئی ہے یہودی، نصرانی فرقہ صابین اور ہر قوم اور ہر اہل مذہب کے لئے معیارِ نجات صرف سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اور کسی قسم کا کوئی ایمان معتبر نہیں صرف یہی ایمان معتبر ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ نے جو کچھ بتایا ہے اس کو دل سے مانے اور تسلیم کرے۔

ان سب تصریحات کو سمجھ لینے کے بعد اب آیت کا ترجمہ اور مطلب سمجھ لیں کہ جو لوگ ایمان لائے یعنی سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کے اقرار ہی ہوتے ہوئے آپ کو دل سے نبی اور رسول ماننا اور یہودی اور نصرانی اور صابین میں سے جو کوئی اللہ پر ایمان لائے گا اور یوم آخرت کو مانے گا۔ اور عمل صالح کرے گا اور یہ ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر اور عمل صالح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے ایمان کے مطابق اور عمل صالح آپ کے بتائے ہوئے طریقے کے موافق ہوگا تو ایسے لوگ قیامت کے دن بے خوف اور بے غم ہوں گے۔

وحدتِ ادیان کا فتنہ اور اس کی تردید..... اتنی بڑی تفصیل ہم نے دورِ حاضر کے ملحدین اور زنادقہ کی تردید کرنے کے لئے لکھی ہے دورِ حاضر کے فتنوں میں وحدتِ ادیان کا فتنہ بھی ہے۔ بہت سے اہل باطل یہ کہتے ہیں کہ نجات اخروی کے لئے اللہ پر اور آخرت پر ایمان لانا کافی ہے۔ دین اسلام میں داخل ہونے کی ضرورت نہیں۔ (العیاذ باللہ) یہ لوگ اپنی گمراہی کو پھیلانے کے لئے آیت بالا کو پیش کرتے

ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں صرف من آمن باللہ والیوم الآخر مذکور ہے۔ ایمان بالرسول کا ذکر نہیں ہے۔ یہ لوگ جابلوں کو دھوکہ دینے کے لئے ان آیات کو سامنے نہیں رکھتے جو ہم نے اوپر ذکر کی ہیں۔ ایمان باللہ کا مطلب صرف اتنا سامنے نہیں ہے کہ اللہ کے وجود کا اقرار کرے اور انسانوں کے خود ساختہ طریقوں سے عبادت کر لیا کرے۔ اللہ پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے اس کے جاننے کا ذریعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔

یہ کیسا ایمان باللہ ہے کہ بتوں کی پوجا کریں اور اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کریں اور یہ کیسا یوم آخرت پر ایمان ہے کہ تنازع یعنی آواگوں کے قائل ہوں اور جنت دوزخ کے منکر ہوں۔ آیت شریفہ میں الذین اعنوا سے صرف اہل اسلام مراد ہیں۔

یہودی کی وجہ تسمیہ..... اور الذین ہادوا سے یہود مراد ہیں۔ ہاد یہود توبہ کرنے کے معنی میں آتا ہے چونکہ ان لوگوں نے گائے کے پچھڑے کی عبادت سے توبہ کی تھی اس لئے ان کو ان لفظوں میں یاد کیا جاتا ہے۔ انکا مشہور نام یہود ہے۔ جماعت کو یہود اور ایک شخص کو یہودی کہتے ہیں۔ بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ یہ لوگ حضرت یعقوب علیہ السلام کے سب سے بڑے بیٹے یہود کی طرف منسوب ہیں۔ اس لئے انکو یہودی کہا جاتا ہے۔ بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ یہ لفظ یہود سے مشتق ہے جو تحرک یعنی حرکت کے معنی میں ہے۔ چونکہ یہ لوگ توریت شریف پڑھتے ہوئے حرکت کرتے تھے اسی طرح ان کا یہ لقب پڑ گیا۔ (قالہ ابو عمر وابن العلاء)

النصارى..... سے وہ لوگ مراد ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کو ماننے کے مدعی ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ لفظ نصرت سے مشتق ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے من انصار یعنی الی اللہ فرمایا تو ان کے حواریوں نے نصح انصار اللہ کہا جیسا کہ سورہ صف میں مذکور ہے۔ لفظ نصاریٰ کو جمع نصران بھی بتایا گیا ہے، جیسا کہ مسکوران کی جمع سکاری ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ان لوگوں نے ایک بستی میں سکونت اختیار کی تھی جس کو "ناصرہ" کہا جاتا تھا اس کی وجہ سے ان کو نصاریٰ کہا گیا۔ بہر حال وجہ تسمیہ جو بھی ہو نصاریٰ سے وہ لوگ مراد ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے کے مدعی ہیں۔ ان عویداروں میں وہ بھی تھے جو ان کے واقعی اصلی دین پر تھے اور ان کے دین میں کسی طرح کی تغیر و تبدیل نہیں کی اور وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے ان کا دین بدل دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا بیٹا بنا دیا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو بھی معبود ماننے لگے۔ قرآن مجید میں ان کو کسی جگہ عیسائی نہیں فرمایا یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف نسبت نہیں کی۔ مشرک ان کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا۔ قرآن نے ان کے لئے لفظ نصاریٰ استعمال فرمایا ہے۔

الصّٰحِبِّیْنَ..... یہ صبا، نضبو سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ زمانہ نزول قرآن میں اس فرقہ کا وجود تھا، ان لوگوں کا دین کیا تھا، اس کے بارے میں حضرات مفسرین نے بہت سے اقوال نقل فرمائے ہیں۔ حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ یہ لوگ مجوسیت، یہودیت اور نصرانیت کے درمیان تھے۔ ان کا مستقل کوئی دین نہ تھا۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ یہ لوگ فرشتوں کی عبادت کرتے تھے۔ ابن ابی الزناد نے اپنے والد سے نقل کیا کہ یہ وہ لوگ تھے جو عراق کے قریب رہتے تھے اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لاتے تھے اور سال بھر میں تیس روزے رکھ لیتے تھے اور یس کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھتے تھے۔ عبدالرحمن بن زید نے کہا کہ یہ لوگ موصل کے جزیرہ میں تھے صرف لا الہ الا اللہ کہتے تھے۔ خلیل کا قول ہے کہ ان کا دین نصاریٰ کے دین سے ملتا جلتا تھا۔ ان کا قبلاہ جنوبی ہوا کی طرف تھا۔ یہ لوگ سمجھتے تھے کہ ہم نوح علیہ السلام کے دین پر ہیں۔ وہب بن منبہ کا قول ہے کہ یہ لوگ نہ دین یہودیت پر تھے نہ نصرانیت پر نہ مجوسیت پر اور مشرک بھی نہ تھے۔ یہ فطرت پر باقی تھے۔ اُس کا کوئی مقرر دین نہ تھا جس کا اتباع کرتے اور بعض علماء کا قول ہے کہ صابین وہ لوگ ہیں کہ

جن کو کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی۔ (آیت کی تفسیر اور توضیح کے لئے ہم نے تفسیر ابن کثیر کو سامنے رکھا اہل علم اس کی مراجعت فرمائیں) فائدہ..... صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں کہ حاصل قانون کا یہ ہے کہ ہمارے دربار میں کسی کی تخصیص نہیں جو شخص پوری اطاعت اعتقاد اور اعمال میں اختیار کرے گا خواہ وہ پہلے سے کیسا ہی ہو ہمارے یہاں مقبول اور اس کی خدمت مشکور ہے اور ظاہر ہے کہ بعد نزول قرآن کے پوری اطاعت مسلمان ہونے میں منحصر ہے مطلب یہ ہوا کہ جو مسلمان ہو جائے گا مستحق اجر و نجات اخروی ہوگا۔

اور اس قانون میں مسلمانوں کے ذکر کی ظاہر میں ضرورت نہیں کیونکہ وہ تو مسلمان ہی ہیں لیکن اس کلام میں ایک خاص بلاغت اور مضمون میں ایک خاص وقعت پیدا ہوئی اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی حاکم یا بادشاہ کسی ایسے ہی موقع پر یوں کہے کہ ہمارا قانون عام ہے خواہ کوئی موافق ہو یا مخالف جو شخص اطاعت کرے گا وہ مورد عنایات ہوگا اب ظاہر ہے کہ موافق تو اطاعت کر ہی رہا ہے، سنانا ہے اصل میں مخالف کو، لیکن اس میں نکتہ یہ ہوتا ہے کہ ہم کو جو موافقین پر عنایت ہے سو اس کی علت اُن سے کوئی ذاتی خصوصیت نہیں بلکہ ان کی صفت موافقت مدار ہے۔ ہماری عنایت کا سو مخالف بھی اگر اختیار کر لے وہ بھی اس موافق کے برابر ہو جائے گا اس لئے مخالف کے ساتھ موافق کو بھی ذکر کر دیا گیا۔

وَإِذَا أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ

اور جب ہم نے لے لیا تمہارا عہد اور اٹھا دیا تمہارے اوپر طور کو، لے لو قوت کے ساتھ جو کچھ ہم نے تم کو دیا اور یاد کرو جو کچھ اس

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ

میں ہے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ پھر اس کے بعد تم نے زبردستی کی، سو اگر نہ ہوتا تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تو

لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝

نہرہ تم تباہ کاروں میں سے ہو جاتے۔

بنی اسرائیل سے پختہ عہد لینا پھر ان کا منحرف ہو جانا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تو ریت شریف لے کر آئے اور مستقل شریعت بنی اسرائیل کو دی گئی تو بنی اسرائیل سے عہد لیا گیا کہ اللہ وحدہ لا شریک۔ کی کتاب پر ایمان لائیں اور اس کے رسول کا اتباع کریں اور اس کی شریعت پر عمل کریں گے۔ جب انہوں نے سخت احکام دیکھے تو عمل کرنے سے انکاری ہو گئے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے پہاڑ طور کو اس کی جگہ سے اکھاڑ کر ان کے اوپر کھڑا کر دیا اور فرمایا کہ ہم نے جو کچھ دیا ہے اسے قوت کے ساتھ لے لو اور جو کچھ اُس میں ہے اُسے یاد کرو۔ سورہ اعراف میں اور زیادہ واضح طریقہ پر اس کو یوں بیان فرمایا: وَإِذْ نَسَقْنَا الْجَبَلِ فَوْفَهُمْ كَانَهُ ظِلْمٌ وَظَنُوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ خُذُوا مَا آتَيْنَكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔ (اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب ہم نے پہاڑ کو اٹھا کر سائبان کی طرح اُن کے اوپر معلق کر دیا۔ اور اُن کو یقین ہو گیا کہ اب ان پر گرا اور ہم نے کہا کہ لے لو قوت کے ساتھ جو ہم نے تم کو دیا ہے اور یاد کرو، جو کچھ اس میں ہے تاکہ تم متقی ہو جاؤ۔)

جب انہوں نے دیکھا کہ واقعی پہاڑ گرنے کو ہے تو اس وقت مان لیا لیکن بعد میں اس ميثاق عظیم کو توڑ دیا اور اقرار سے پھر گئے اللہ تعالیٰ نے ان کو توبہ کرنے کی توفیق دی اور اُن کو باقی رکھا اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ان کی طرف آتے رہے اور اُن کو ہدایات دیتے رہے

اللہ کا فضل نہ ہوتا اور اس کی رحمت شامل حال نہ ہوتی تو دنیا آخرت میں برباد ہو جاتے۔ (من ابن کثیر)

شاید کسی کے دل میں یہ سوچ سہ آئے کہ دین میں تو زبردستی نہیں ہے جیسا کہ لا اکراه فی الدین میں بتایا ہے پھر پہاڑوں پر اٹھا کر بنی اسرائیل سے کیوں قول و قرار لیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اسلام قبول کرانے کے لئے زبردستی نہیں ہے، اگر کوئی قوم مسلمان نہ ہو جز یہ دیکر بنا چاہے اس سے جزیہ قبول کر لیا جائے گا۔ جس نے اسلام قبول کر لیا اس سے احکام پر زبردستی عمل کرانے کی نفی لانا خسارہ فسی السبب میں نہیں ہے اسی لئے ذمی قتل نہیں کیا جاتا اور جو شخص اسلام کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرے اسے یمن دن کی مہلت دی جائے گی اگر تین دن کے بعد اسلام میں واپس نہ آئے تو قتل کر دیا جائے گا۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدُوا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿۵۱﴾

اور البتہ تم نے ان لوگوں کو جان لیا جنہوں نے سنچر کے دن میں زیادتی کی، سو ہم نے کہا ہو جاؤ بندر ذلیل۔

فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۵۲﴾

پھر ہم نے اس کو میرٹ بنا دیا ان لوگوں کے لئے جو اس وقت سے جو تھے اور جو بعد میں آنے والے تھے۔ اور نصیحت بنا دیا ذرا نے والوں کے لئے۔

یہودیوں کا سنچر کے دن میں زیادتی کرنا اور بندر بنا دیا جانا

جیسے مسلمانوں کے لئے جمعہ کا دن معظم قرار دیا گیا ہے اسی طرح یہودیوں کے لئے سنچر کے دن کو معظم قرار دیا گیا تھا اور اس کی تعظیم کے لئے یہ حکم بھی تھا کہ اس دن مچھلی کا شکار نہ کریں۔ ایک طرف تو یہ حکم تھا اور دوسری طرف ان کا امتحان تھا اور وہ امتحان اس طرح سے تھا کہ دوسرے دنوں میں مچھلیاں عام حالات کے مطابق پانی کے اندر ہی رہتی تھیں اور سنچر کے دن خوب ابھرا بھر کر پانی پر آ جاتی تھیں جس کا تذکرہ سورہ اعراف کی آیت وَسَنُلْقِيْكُمْ غِنًى الْغُرْبَةِ النَّبِيِّ تَخَانَتْ حَاضِرَةُ الْبُخْرِ میں فرمایا ہے چونکہ سنچر کے دن مچھلیاں خوب ابھر کر سامنے آ جاتی تھیں اس لئے ان لوگوں نے ان کے پکڑنے کے لئے حیلے نکالے اور یہ کہا کہ سنچر کا دن آنے سے پہلے جال اور مچھلی پکڑنے کے کانٹے پہلے سے پانی میں ڈال دیتے تھے۔ پٹا نیچہ وہاں میں پھنسن کر رہ جاتی تھیں جب سنچر کا دن گزر جاتا تھا تو ان کو پکڑ لیتے تھے اور اپنے نفوس کو سمجھا لیتے تھے کہ ہم نے سنچر کے دن ایک مچھلی بھی نہیں پکڑی وہ تو خود سے جالوں میں اور کانٹوں میں آ گئیں اور یہ جال اور کانٹے ہم نے جمعہ کے دن ڈالے تھے ان کو منع کرنے والوں نے منع کیا تو نہ مانے لہذا اللہ پاک کی طرف سے ان پر یہ عذاب آیا کہ ان کو بندر بنا دیا گیا۔ جب یہ لوگ بندر بنا دیے گئے تو بندروں کی طرح آوازیں نکالتے تھے اُن کی دُمیں بھی پیدا ہو گئیں جو لوگ ان کو منع کرتے تھے وہ ان کے پاس گئے اور کہا کہ کیا ہم نے تم کو منع نہیں کیا تھا تو دوسرا ہلا کر جواب دیتے تھے۔

سورۃ مائدہ میں فرمایا: وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ الْبَقْرَةَ وَالْخَنَازِيرَ اس میں بتایا ہے کہ بندر اور خنزیر بنا دیے گئے یہ خنزیر بنا دینے کا واقعہ اسی موقع سے متعلق ہے جبکہ سنچر کے دن مچھلیاں پکڑنے کے جرم میں بندر بنا دیے گئے تھے یا اور کسی موقع سے متعلق ہے یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ اس بارے میں کوئی صحیح روایت نہیں ملی۔ البتہ تفسیر ابن کثیر میں آیت بِالْاَوْ لَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اَعْتَدُوا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ کے ذیل میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ سنچر کے دن زیادتی کرنے والے بندر بنا دیے گئے اور خنزیر بھی، اُن میں جو جوان تھے وہ بندر ہو گئے اور جو بوڑھے تھے وہ خنزیر بنا دیے گئے۔

حضرت ابن عباس سے یہ بھی منقول ہے کہ یہ قوم مسخ ہوئی ہے، مسخ شدہ حالت میں تین دن سے زیادہ نہیں رہی ان تین دنوں میں انہوں نے کچھ کھایا یا نہیں اور ان کی نسل بھی نہیں چلی۔ یہ جو بندروں اور خنزیروں کی نسلیں ہیں مسخ شدہ قوموں کی نسلیں نہیں ہیں بلکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مستقل مخلوق ہے۔ الجامع الصغیر میں بروایت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے۔ ما مسخ اللہ تعالیٰ من شیء فکان له عقب ولا نسل رمز لہ السیوطی بالحسن قال الہیثمی فیہ لیث بن سلیم مدلس وبقیۃ رجالہ رجال الصحیح (کسافی فیض القدیر ص ۳۶۶ ج ۵) (جو قومیں اللہ تعالیٰ نے مسخ کی ہیں ان کی بقایا جات اور نسلیں نہیں ہیں۔ سیوطی نے اس حدیث کے حسن ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور یثیمی کہتے ہیں کہ اس کی سند میں لیث بن سلیم راوی مدلس ہے اور بقیہ رجال صحیح کے رجال ہیں)

اس واقعہ کی مزید تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ سورۃ اعراف میں بیان ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عاصی کی وجہ سے کئی طرح سے عذاب آتا رہا ہے ان میں سے ایک طریقہ صورتیں مسخ کر کے ہلاک کرنے کا بھی تھا امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اب تک مسخ کے عذاب سے محفوظ چلی آ رہی ہے لیکن قرب قیامت میں مسخ ہوگا۔ جیسا کہ سنن الترمذی کتاب الفتن میں حدیث اذا اتخذ الفنی دولا کے آخر میں تصریح ہے اور صحیح بخاری کی ایک حدیث میں بھی مسخ کئے جانے کا ذکر ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۴۵۶) جتنے بھی عذاب آئے سب میں عبرت ہے ان لوگوں کے لئے بھی جو عذاب کے وقت موجود تھے اور ان کے لئے بھی جو بعد میں آنے والے ہیں اور ان عذابوں میں نصیحت بھی ہے اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے خاص کر یہ مسخ کا عذاب تو بہت ہی زیادہ عبرت ناک ہے ہلاک تو ہو ہی گئے لیکن ہلاکت سے پہلے تین دن جو بند رہے اس میں سب کے لئے بہت بڑی عبرت اور نصیحت ہے اسی لئے فرمایا کہ ہم نے اس کو عبرت بنا دیا ان لوگوں کے لئے جو اس وقت موجود تھے اور جو بعد میں آنے والے ہیں اور نصیحت بنا دیا ڈرنے والوں کے لئے فَبَجَعَلْنَاهَا لَكُم مِّنْ ذُرِّيَّتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (سورۃ اعراف ۱۷۸) اس طرف راجع ہے جس سے اہل قرئی مراد ہیں لَمَّا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا کی تفسیر کرتے ہوئے مفسر بیضاوی لکھتے ہیں کہ جس زمانہ میں ان کو مسخ کرنے کی سزا دی گئی اُس زمانہ کے لوگوں کے لئے اور ان کے بعد آنے والوں کے لئے عبرت ہو جائے اور ایک معنی یہ لکھا ہے کہ جہاں یہ واقعہ پیش آیا وہاں کی قریب کی بستیوں اور دور کی بستیوں کے لئے عبرت ہو جائے۔ حضرت ابن عباس سے بھی یہ دوسرا معنی منقول ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

عن ابن عباس لما بین یدیهما من القری وما خلفها من القری۔

اس کے بعد حضرت ابو العالیہ کا قول نقل کیا ہے۔

وما خلفها لما بقی ما بعد ہم من الناس من بنی اسرائیل ان یعملوا مثل عملہم۔

یعنی ما خلفها سے وہ بنی اسرائیل مراد ہیں جو اس غیر تاناک واقعہ کے بعد باقی رہے یہ واقعہ ان کیلئے عبرت ہے تاکہ اپنے اسلاف جیسا عمل نہ کریں۔

حضرت حسن اور قتادہؓ نے موعظۃ للمتقین کے بارے میں فرمایا کہ ان لوگوں کے بعد میں جو آنے والے ہیں ان کے لئے نصیحت ہے وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈریں گے اور خوف کھائیں گے اور عطیہ عوفیٰ نے کہا ہے کہ المتقین سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مراد ہے۔ مفسر ابن کثیر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان چیزوں کا ارتکاب نہ کرو جن کا یہود یوں نے ارتکاب کیا جیلوں کے ذریعہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال مت کرو۔ (وہذا اسناد جید)

یہود نے ایک اور بھی حیلہ کیا اور وہ یہ کہ ان پر چربی حرام کر دی گئی تھی۔ حضور لقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو انہوں نے اچھی صورت میں بنا کر بیچ دیا۔ (بخاری و مسلم کافی مشکوٰۃ ص ۲۴۱)

شرح حدیث نے اچھی صورت میں بنانے کا مطلب یہ لکھا ہے کہ چربی کو انہوں نے پگھلا دیا اور اس میں کچھ ملا کر دوسرا کوئی نام رکھ کر اس کو بیچ دیا۔ اور اس کی قیمت کھا گئے۔ اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں اس طرح کے حیلے رواج پا گئے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ شراب کو حلال کر لیں گے عرض کیا یہ کیسے ہوگا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اُس کی حرمت واضح طور پر نازل فرمائی ہے آپؐ نے فرمایا کہ یسمونها بغير اسمها فيستحلونها یعنی وہ شراب کا دوسرا نام رکھ لیں گے اور اس طرح اس کو حلال کر لیں گے۔ (رواہ الدارمی و مشکوٰۃ ص ۴۶۱)

چنانچہ آج کل ایسی باتیں سننے میں آرہی ہیں، شراب پیتے ہیں، نام دوسرا رکھ لیا ہے، سود لیتے ہیں اس کا نام نفع رکھ لیا ہے، زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنے کے لئے تدبیریں کر لیتے ہیں، تصویریں اور مورتیاں حلال کرنے کے لئے حیلے تراشتے ہیں، واڑھی موٹوں کے جواز کے لئے جھٹیں نکالتے ہیں ایسے حیلوں اور بہانوں کی تفصیلات بہت ہیں۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً ۖ قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۖ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے بیشک اللہ تم کو حکم فرماتا ہے کہ تم ایک بیل ذبح کرو، وہ کہنے لگے کیا تو ہمارا مذاق بناتا ہے؟

قَالَ أَعُودُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۚ قَالُوا ادْعُ لِنَارِكَ يَبْنَ لَنَا مَا هِيَ ۚ

موسیٰ نے کہا میں اس بات سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں کہ جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔ وہ کہنے لگے کہ تو اپنے رب سے دُعا کر ہمارے لئے بیان کر دے کہ وہ بیل کیسا ہو،

قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ ۖ لَا قَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ ۖ عَوَانٌ بَيْنَ ذَلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا

موسیٰ نے کہا بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ایسا بیل ہو جو بوڑھا نہ ہو اور بالکل جوان بھی نہ ہو ان دونوں کے درمیان ہو، سو ہم اس پر عمل کر لو جس کا تم کو

تُؤْمَرُونَ ۚ قَالُوا ادْعُ لِنَارِكَ يَبْنَ لَنَا مَا لَوْنُهَا ۖ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ

حکم دیا جا رہا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ تو اپنے رب سے دُعا کر ہمارے لئے بیان فرما دے کہ اس بیل کا رنگ کیسا ہو۔ بنی نے کہا بے شک وہ فرماتا ہے کہ

صَفْرَاءٌ ۖ فَاقْعُ لَوْنُهَا تَسْرُّ النَّظْرَيْنِ ۚ قَالُوا ادْعُ لِنَارِكَ يَبْنَ لَنَا مَا هِيَ ۚ إِنَّ الْبَقَرَ

دو تیز رنگ کا پیلا بیل ہو جو دیکھنے والوں کو خوش کرے، وہ کہنے لگے کہ تو اپنے رب سے ہمارے لئے بیان فرما دے کہ اس بیل کی پوری کیا حقیقت ہے؟ بیشک بیلوں کیسا ہے

تَشَبَهُ عَلَيْنَا ۖ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَهُمْتَدُونَ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ ۖ لَا

میں ہم کو اشتباہ ہو رہا ہے اور اللہ نے چاہا تو ہم ضرور راہ پائیں گے۔ موسیٰ نے کہا بیشک وہ فرماتا ہے کہ وہ ایسا بیل ہو جو صحیح

ذَلُولٌ تَشِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْفِي الْحَرْثَ مُسْلِمَةٌ ۖ لَا شِيعَةَ فِيهَا ۖ قَالُوا الْكَنَ جِئْتَ

سالم نکلا نہ ہو گیا ہو، وہ نہ زمین کو پھاڑتا ہو اور نہ کھیتی کو میراب کرتا ہو اس میں ذرا کوئی دھبہ نہ ہو، وہ کہنے لگے کہ اب تم نے ٹھیک طرح

بِالْحَقِّ ۖ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿۱۰﴾

طرح بیان کیا ہے، لہذا انہوں نے وہ بیل ذبح کر دیا اور حال یہ ہے کہ وہ ایسا کرنے نہ تھے۔

ذبح بقرہ کا قصہ، یہودی کج بحثی

ان آیات میں ذبح بقرہ کا واقعہ ذکر فرمایا ہے۔ بقرہ عربی زبان میں گائے اور بیل دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے بعض حضرات نے اس کا ترجمہ بیل کیا ہے اور ان کا فرمانا ہے کہ قصہ کے آخر میں یہ فرمایا ہے کہ وہ بقرہ ایسا ہو جو بیل جو تنے میں استعمال نہ کیا ہو اور کھیتی کی آبپاشی میں اس کو نہ لگایا گیا ہو۔ یہ کام چونکہ بیل ہی سے ہوتا ہے اس لئے بقرہ سے بیل مراد ہے۔ دوسرے حضرات نے اس کا ترجمہ گائے سے کیا ہے۔ چونکہ بقرہ اسم جنس ہے اس لئے گائے کا ترجمہ کرنے کی بھی گنجائش ہے۔ لیکن پہلا قول زیادہ وزن دار ہے کیونکہ قرآن کے الفاظ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

یہ واقعہ کیوں پیش آیا؟ اس کے بارے میں قرآن مجید کی اگلی آیات سے معلوم ہو رہا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص مقتول ہو گیا تھا اور قاتل کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔ لہذا قاتل کا پتہ چلانے کے لئے اللہ جل شانہ کی طرف سے یہ ارشاد ہوا کہ ایک بیل ذبح کرو اور اس بیل کے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم میں مارو چنانچہ بڑی جھٹوں کے بعد بنی اسرائیل نے ایک بیل ذبح کیا اور ذبح شدہ بیل کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم میں مار دیا۔ چنانچہ وہ مقتول زندہ ہو گیا (اور اپنا قاتل بتا کر اسی وقت دوبارہ مر گیا)

واقعہ کی تفصیل تفسیر کی کتابوں میں کئی طرح سے لکھی ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل میں ایک بوڑھا آدمی تھا جس کی کوئی اولاد نہ تھی اور مالدار بہت تھا اور اس کے بھائی کے لڑکے تنگدست تھے۔ اور ان کو چچا کی میراث بھی پہنچتی تھی۔ یہ لوگ چچا کی موت کا انتظار کرتے تھے لیکن اس کی زندگی لمبی ہوتی چلی گئی۔ لہذا شیطان نے ان کو یہ سمجھایا کہ تم اپنے چچا کو قتل کر دو تم اس کے مال کے وارث بھی ہو جاؤ گے اور اس کی دیت (خون بہا) بھی حاصل کر لو گے۔ جس جگہ کا یہ واقعہ ہے وہاں دو بستیاں تھیں جب کوئی مقتول دونوں بستیوں کے درمیان پڑا ہوا ملتا تھا تو جس بستی سے قریب تر ہوتا اس پر دیت ڈال دی جاتی تھی شیطان نے ان لوگوں کو سمجھایا کہ تم قتل کر کے دوسری بستی کے قریب ڈال دینا جس میں تمہاری سکونت نہیں ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے چچا کو رات میں قتل کر کے دوسری بستی کے قریب ڈال دیا پھر جب صبح ہوئی تو یہی قاتلین دیکھ رہے ہو گئے اور اس بستی والوں پر دعویٰ کر دیا جس کے قریب نعش کو ڈال دیا تھا۔ اور ان سے کہا کہ تمہاری بستی کے دروازے پر ہمارا چچا مقتول ملا ہے۔ ہم تم سے اس کی دیت ضرور لیکر چھوڑیں گے اس بستی کے لوگ قسم کھانے لگے اور انہوں نے کہا ہم نے نہیں قتل کیا اور نہ ہی ہمیں اس کے قاتل کا علم ہے۔ ہم نے شام سے لے کر صبح تک اپنی بستی کا دروازہ ہی نہیں کھولا، لہذا ہمارے ذمہ اس کے قتل کا الزام لگا دینا صحیح نہیں اور کوئی دیت لازم نہیں۔ مفسر سدی نے واقعہ اس طرح بیان کیا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص بہت مالدار تھا۔ اس کی ایک لڑکی تھی اور اس کے بھائی کا بیٹا تھا جو غریب تھا۔ اس نے اپنے چچا کو پیغام دیا کہ اپنی لڑکی سے میرا نکاح کر دو، چچا نے انکار کیا تو وہ غصہ ہو گیا اور اس نے چچا کے قتل کا خیال دل میں جمایا اور اپنے دل میں کہا کہ چچا کو قتل بھی کروں گا اور اس کا مال بھی لوں گا اور اس کی بیٹی سے نکاح بھی کروں گا اور اس کی دیت بھی کھا جاؤں گا۔ لہذا وہ چچا کے پاس آیا اور رات کو اپنے چچا کو ایک کاروباری ضرورت بتا کر اپنے ساتھ لے گیا اور کسی جگہ جا کر قتل کر دیا۔ جب صبح ہوئی تو اس انداز میں باتیں کر رہا ہے کہ خدا جانے میرے چچا کہاں گئے؟ جس جگہ قتل کیا تھا وہاں پہنچا دیکھا کہ وہاں کے لوگ

اُس انفس کے قریب جمع ہو رہے ہیں۔ ان لوگوں کو اس نے پکڑ لیا اور کہا کہ تم نے میرے پچا کو قتل کیا ہے لہذا اس کی ویت ادا کرو۔ و ویت کا مطالبہ کر رہا تھا اور رو رہا تھا اور سر پر مٹی ڈال رہا تھا اور بانے بانے پچا کی آوازیں لگا رہا تھا۔

واقعہ کی صورت جو بھی ہو قاتل کا پتہ چلانے کے لئے بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف رجوع کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قاتل کا پتہ چلانے کے لئے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ایک تیل ذبح کرو اور اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر مار دو۔ بات سننے کے ساتھ ہی ان کو چاہیے تھا کہ کوئی بھی ایک تیل ذبح کر کے مقتول پر مار دیتے۔ لیکن اول تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات کو مذاق اور خول بنایا، کہنے لگے کہ کہاں تیل کے گوشت کا ٹکڑا مقتول کے جسم کو مارنا اور کہاں مقتول کا زندہ ہو کر نام بتانا یہ بے جوڑ بات ہے آپ تو ہم لوگوں کا مذاق اڑا رہے ہیں ان جابلوں نے یہ نہ سوچا کہ ہمیں اللہ کا نبی ایک بات بتا رہا ہے جو اللہ کی طرف سے ہے اس میں مذاق اور خول کا وہم بھی نہیں ہو سکتا۔ لیکن وہ اپنی جہالت اور حماقت سے ایسی بات کہہ بیٹھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت ناگوار ہوا اور انہوں نے فرمایا کہ۔ أَعُوذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْفٰجِھَلِیْنَ۔ (کہ میں اس بات سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ جابلوں میں سے ہو جاؤں) ایک ادنیٰ مسلمان سے یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ اللہ کے حکم کو خول اور شطن مذاق بنائے۔ یہ تو جہالت کی بات ہے پھر اللہ کا نبی کیسے اللہ کی طرف کسی ایسے حکم کی نسبت کر سکتا ہے جو مذاق اور خول ہو۔ پھر جب تیل ذبح کرنے پر راضی ہو گئے تو طرح طرح کے سوالات کرتے گئے اور ان سوالات کے ذریعہ بندشوں اور قیدوں میں بندھتے چلے گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر وہ کوئی بھی بقرہ ذبح کر دیتے تو ان کا کام چل جاتا لیکن انہوں نے سختی کا راستہ اختیار کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بے نیکی سوالات کرتے رہے لہذا اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر حکم میں سختی فرما دی۔ وہ کہنے لگے کہ اے موسیٰ آپ ہمارے لئے اپنے رب سے دُعا کریں جو ہمیں یہ بتا دے کہ وہ تیل کیسا ہے یعنی اس کی عمر کتنی ہو۔ اس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے کہ وہ بوزہا جانور بھی نہ ہو اور بالکل کم عمر بچہ بھی نہ ہو۔ ان دونوں کی درمیانی فکرا: اور فرمایا کہ جو تم کو حکم ہو رہا ہے اس کو گزر دو۔ لیکن ان لوگوں کو الٹی چیز تھی، پھر سوال اٹھایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ اپنے رب سے ہمارے لئے یہ دُعا کر دیجئے کہ وہ ہمیں اس کا رنگ بتا دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ایسا تیل ہو جس کا رنگ پیلا خالص گہرا تیز ہو جس سے دیکھنے والوں کی طبیعت خوش ہوتی ہو۔ ان لوگوں نے پھر سوال اٹھایا کہ ہماری سمجھ میں تو پوری طرح بات نہیں آئی اپنے رب سے ہمارے لئے دُعا کیجئے کہ وہ ہمیں خوب واضح طور پر بتا دے کہ وہ تیل کیسا ہو تیل بہت سارے ہیں طرح طرح کے ہیں ہمیں اشکال ہو رہا ہے کہ کونسا تیل ذبح کریں اب کی مرتبہ بیان ہو جانے پر ان شاء اللہ ہم ضرور راہ پا جائیں گے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر وہ ان شاء اللہ نہ کہتے تو کبھی بھی ان کو پوری طرح اُس تیل کا حال بیان نہ کیا جاتا جس کے ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا۔ (درمنثور میں اس کو حدیث مرفوع بتایا ہے) لیکن مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ بظاہر حضرت ابو ہریرہؓ کا کلام ہے۔

بہر حال تیسری بار جب انہوں نے سوال کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ وہ ایسا تیل نہ ہو جسے کام کاج میں استعمال کر کے نکما کر دیا گیا ہو یعنی اس نے نہ تو کھیتوں میں بل چلایا، نہ دواور نہ آبپاشی کے لئے اسے کنویں سے پانی نکالنے میں استعمال کیا گیا ہو۔ اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ اس کا جو رنگ بتایا گیا ہے پورا تیل اسی رنگ کا ہو۔ اُس میں کسی قسم کے دوسرے رنگ کا نشان داغ دھبہ نہ ہو اور وہ جانور جسمانی طور پر صحیح سالم ہو اُس کے اعضا، میں کمی اور خرابی نہ ہو مثلاً لنگڑا، کاٹا، اندھانہ ہو۔ جب تیل کے حالات بیان ہو گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہاں اب آپ نے پوری طرح ٹھیک اور واضح بات کی ہے۔ لہذا اب اُس قسم کا جانور تلاش کرنے

لگے جیسا بیان کیا گیا تھا اور جو اُن کے سوالات کے جوابات کے بعد اپنی خاص صفات کے اعتبار سے متعین ہو چکا تھا۔ تفسیر کی کتابوں میں لکھا ہے (جو اسرائیلی روایات سے منقول ہے) کہ وہ جانوران کو بہت زیادہ مہنگا ملا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ لوگ انہیں مخصوص صفات کا تیل تلاش کر رہے تھے اسی اثناء میں ایک شخص کے پاس سے گزرے جس کے پاس مذکورہ صفات کا تیل تھا اس سے کہا یہ ہمیں بیچ دے۔ یہ لوگ قیمت لگاتے رہے اور وہ قیمت بڑھاتا رہا حتیٰ کہ اس تیل کے وزن کا دس گنا سونا دینے پر معاملہ ہوا۔ چنانچہ وہ سونا اُس نے قیمت کے طور پر لے لیا یہ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے۔ ورنہ مشور میں حضرت ابن عباسؓ سے یوں نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس تیل کی کھال دیناروں سے بھر کر دیئے کا سودا کیا۔ اور اس تیل کے مالک نے اس قدر دینار لیکر وہ تیل اُن کے حوالے کیا۔ بہر حال خدا خدا کر کے وہ لوگ ذبح کرنے پر آمادہ ہوئے اور اُس تیل کو انہوں نے ذبح کر دیا حالانکہ ان کا ڈھنگ ایسا تھا کہ وہ یہ کام کرنے والے نہیں تھے۔

وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَرَأْتُمُ فِيهَا ۚ وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿۵۰﴾

اور جب تم نے ایک جان کو قتل کر دیا پھر اس کے پارے میں ایک دوسرے پر ڈالنے لگے اور اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ اس کو ظاہر فرمائے جس کو تم چھپا رہے ہو۔

فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بَعْضَهَا ۚ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ الْمُتَوَلَّىٰ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ

جس ہم نے حکم دیا کہ اس کا ایک حصہ اس میں مارو، ایسا ہی اللہ تعالیٰ زندہ فرماتا ہے مردوں کو، اور دکھاتا ہے تم کو اپنی نشانیاں تاکہ تم

تَعْقِلُونَ ﴿۵۱﴾

عقل سے کام لو۔

مردہ زندہ ہونے کا ایک واقعہ اور قصہ سابقہ کا تکرار

ان آیات میں سابقہ قصہ کا تکرار بیان فرمایا ہے اور یہ بھی بیان فرمایا کہ ذبح بقرہ کا حکم کیوں ہوا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ تم نے ایک خون کر دیا تھا اور اس خون کو ایک دوسرے پر ڈال رہے تھے، قاتل اقراری نہیں تھا اور ہمیں منظور تھا کہ اس کے قاتل کا لوگوں کو علم ہو جائے لہذا ہم نے یہ طریقہ بتایا کہ یہ جو تیل ذبح کیا ہے اس کا کوئی ٹکڑا مقتول کی لاش سے لگا دو۔ تفسیر کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اُن لوگوں نے اس تیل کا ایک ٹکڑا لیکر مقتول کے منہ میں ڈال دیا چنانچہ وہ زندہ ہو گیا اس سے پوچھا کہ تجھے کس نے قتل کیا ہے تو اس نے کہا مجھے میرے بھائی کے بیٹے نے قتل کیا ہے۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ میرا مال لے لے اور میری بیٹی سے نکاح کر لے، یہ بات بیان کر کے وہ شخص دوبارہ مر گیا اور قصاص میں قاتل کو قتل کر دیا گیا۔

یہاں یہ سوال اٹھانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یوں بھی قدرت ہے کہ جس مردہ کو چاہے زندہ فرمائے پھر اس کے لئے تیل کا ذبح ہونا اور مقتول کو اس کے گوشت کا ٹکڑا مارا جانا کیوں مشروط کیا گیا؟ اور حقیقت اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو سمجھنا مخلوق کے بس کا کام نہیں۔ اور نہ سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نیکوین اور تشریع میں جو حکمتیں ہیں اُن میں سے کوئی سمجھ میں آ جاتی ہے کبھی سمجھ میں نہیں آتی۔ مومن بندہ کا کام ماننا اور عمل کرنا ہے۔ ذبح بقرہ سے متعلق ایک حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بنی اسرائیل کی حجت بازی اور کج روی کا حال عام لوگوں کو اور ان کے بعد میں آنے والی نسلوں کو معلوم ہو جائے تاکہ وہ ایسا نہ کریں۔ اس کے بعد اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ الْمُتَوَلَّىٰ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (ایسے ہی اللہ تعالیٰ زندہ فرماتا ہے مردوں کو اور دکھاتا

ہے تم کو اپنی نشانیاں تاکہ تم عقل سے کام لو

موت کے بعد زندہ کرنا اور حساب و کتاب کے لئے قبروں سے اٹھایا جانا قرآن وحدیث میں جگہ جگہ مذکور ہے۔ اس بات کے تسلیم کرنے سے بہت سے لوگوں کو انکار رہا ہے کہ موت کے بعد زندہ ہوں گے اُن کے اشکالات قرآن مجید میں دُور کئے گئے ہیں اور بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ نے مُردوں کو زندہ کر کے دکھایا ہے اُن مواقع میں سے ایک موقع یہ بھی تھا کہ مقتول نے حکیم خدا زندہ ہو کر قاتل کا نام بتا دیا اور یہ واقعہ حاضرین کے سامنے ہوا، سب نے دیکھ لیا کہ مُردہ زندہ ہوا۔ اور تو اتر کے ساتھ یہ قصہ لوگوں تک پہنچ گیا۔ تو اب موت کے بعد زندہ ہونے کا انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ عقل بھی یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مُردوں کے زندہ کرنے پر قدرت ہے۔ اور بعض مواقع میں حاضرین نے اپنی آنکھوں سے مُردوں کو زندہ ہوتا دیکھا ہے، عقل کو کام میں لائیں تو انکار کی کوئی وجہ نہیں۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ

پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہوئے۔ سو وہ ایسے ہو گئے جیسے پتھر ہوں یا ان سے بھی زیادہ سخت اور بلاشبہ بعض پتھر ایسے ہیں

لَهَا يَتَنَبَّرُ مِنْهُ الرِّيحُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَاءٌ يَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَاءٌ يَهْبِطُ

جن سے نہریں جاری ہو جاتی ہیں اور بلاشبہ اُن میں بعض ایسے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں پھر اُن سے پانی نکلتا ہے اور بلاشبہ اُن میں بعض ایسے ہیں جو اللہ کے

مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۰﴾

دُور سے گر پڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اُن کاموں سے بے خبر نہیں ہیں جن کو تم کرتے ہو۔

یہودیوں کی قلبی قسوت کا تذکرہ

اس آیت کریمہ میں یہودیوں کے قلوب کی قسوت اور سختی بیان فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ تمہارے دل پتھروں کی طرح سخت ہو گئے بلکہ پتھروں سے بھی زیادہ اُن میں سختی آ گئی۔ دلائل قدرت بھی دیکھتے ہیں اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل نبوت بھی دیکھتے ہیں ان کے دلوں میں ذرا خدا کا خوف نہیں ہے اور حق قبول کرنے کیلئے ذرا بھی آمادہ نہیں۔ پتھروں میں تو یہ بات ہے کہ اُن میں سے بعض ایسے ہیں جو اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔

پہلے ان کے دلوں کو سختی میں پتھروں سے تشبیہ دی جو اس اعتبار سے لوہے سے بھی سخت ہیں کہ لوہے کو بھٹی میں ڈالا جائے تو پگھل جاتا ہے لیکن کیسی ہی آگ ہو اس سے پتھر پگھلتا نہیں۔ پھر فرمایا کہ تمہارے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں کیونکہ بعض پتھروں سے تو نہریں جاری ہو جاتی ہیں اور جب پھٹتے ہیں تو ان میں سے پانی نکل آتا ہے اگر تمہارے دل نرم ہوتے تو نافرمانیوں کی وجہ سے خوب زیادہ روتے (یہ مثال ہے نہریں جاری ہونے کی) اور کچھ بھی نہیں تو تھوڑا بہت ہی روتے (یہ مثال ہے فیخرج منه الماء کی) اور آنکھوں سے آنسو نہ نکلتے تو کم سے کم دل ہی روتا (یہ مثال ہے یهبط من خشية الله کی) (من ابن کثیر)

آیت کے آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں جو کچھ کرتے ہو وہ سب کچھ جانتا ہے اس سب کی سزا پاؤ گے دنیا کی کچھ دن کی زندگی کے دھوکے میں نہ آؤ۔

اہل کتاب کے دلوں کی سختی کا قرآن مجید میں اور جگہ بھی تذکرہ فرمایا ہے۔ سورۃ مائدہ میں فرمایا فَبِمَا نَفْسُ نَبِيِّهِمْ مَبْتَازَةٌ لِّعَنَاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً (پھر ان کے میثاق توڑنے کے باعث ہم نے ان کو ملعون قرار دے دیا اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا)۔

امت محمدیہ کو حکم کہ قاسی القلب نہ بنیں..... امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو حکم ہے کہ تم اہل کتاب کی طرح سے سخت دل مت بن جاؤ۔ سورہ حدید میں ارشاد ہے

الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَتَّخِذُوا الْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ ۚ وَمَنْ يَتَّخِذْ الْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ فَلَا يَصْرِفُهُ عَنْ شَيْءٍ ۚ سَاءَ مَا يَحْكُمُ الْقَاسِي ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا لَا يَتَّخِذُوا الْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ ۚ وَمَنْ يَتَّخِذْ الْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ فَلَا يَصْرِفُهُ عَنْ شَيْءٍ ۚ سَاءَ مَا يَحْكُمُ الْقَاسِي ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا لَا يَتَّخِذُوا الْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ ۚ وَمَنْ يَتَّخِذْ الْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ فَلَا يَصْرِفُهُ عَنْ شَيْءٍ ۚ سَاءَ مَا يَحْكُمُ الْقَاسِي ۚ

فطال علیہم الأمد ففُتَّتْ قُلُوبُهُمْ وَكَبُرَتْ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ (کیا ایمان والوں کے لئے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے لئے اور جو دین حق نازل ہوا ہے اس کے لئے جبکہ جانیں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے قبل کتاب ملی تھی پھر ان پر ایک زمانہ دراز گزر گیا پھر ان کے دل سخت ہو گئے اور بہت سے آدمی ان میں سے فاسق ہیں۔)

اپنے گناہوں کو یاد کرنا اور اللہ سے مغفرت چاہنا اور اللہ کے خوف سے رہنا، یہ کسی کو حاصل ہو جائے تو بہت بڑی نعمت ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کے دُور سے زیادہ دوزخ میں داخل نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ وہ وہ سختوں میں واپس ہو جائے (جس طرح وہ وہ سختوں میں واپس نہیں جاتا اسی طرح یہ شخص دوزخ میں داخل نہ ہوگا) (الترغیب والترہیب)

حضرت عتبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! نجات کس چیز میں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھ کہ تجھے نقصان نہ پہنچاوتے اور تیرے گھر میں تیری گنجائش رہے (یعنی بلا ضرورت گھر سے باہر نہ جا) اور اپنے گناہوں پر رو کیا کر۔ (آخر جہاں ترمذی فی ابواب الزہد)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ چار چیزیں بدخمتی کی ہیں۔ (۱) آنکھوں کا جامہ دونا (یعنی ان سے آنسو نہ نکالنا) اور (۲) دل کا سخت دونا، (۳) لمبی آرزو نہ بنیں رکھنا، (۴) اور دنیا کی حرص رکھنا۔ (الترغیب ص ۲۴۵ ج ۲ عن ابی ہریرہ)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اے لوگو! روؤ اور رہنا نہ آئے تو مختلف روئے کی کوشش کرو کیونکہ دوزخ والے دوزخ میں ہاتھ دھوئیں گے کہ ان کے آنسو ان کے پیروں پر اس طرح جاری ہوں گے جیسے چھوٹی چھوٹی نہروں میں پانی جاری ہوتا ہے روتے روتے آنسو ختم ہو جائیں گے تو خون بہنے لگیں گے جس سے آنکھوں میں زخم ہو جائیں گے اور اس قدر کثرت سے خون اور آنسو جمع ہو جائیں گے کہ اگر ان میں کشتیاں چلائی جائیں تو جاری ہو جائیں۔ (مشکوٰۃ الصالحین ص ۵۰۴ من شرح اللہ) اگر کوئی شخص قبر دوزخ اور حشر کے حالات کا مراقبہ کیا کرے تو آسانی سے سخت دلی ذورہ دے سکتی ہے اور روئے کی شان پیدا دے سکتی ہے۔ ایک آدمی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرا دل سخت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کر اور مسکین کو کھانا کھلایا کر۔ (مشکوٰۃ ص ۵۰۴)

کثرت ذکر سے دل نرم ہوتا ہے اور زیادہ بولنے سے سختی آتی ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ بات نہ کیا کرو کیونکہ ذکر اللہ کے علاوہ بات کرنا دل کی سختی کا سبب ہے اور بلاشبہ لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ سے ذورہ شخص ہے جس کا دل سخت ہو۔ (رد المحتار ج ۱)

غیر ذی روح میں حیات ہے سب چیزیں اللہ کی تسبیح میں مشغول رہتی ہیں: اس آیت میں پتھروں سے پانی نکلتا اور ان سے نہریں جاری ہونا مذکور ہے اور ایسی بات ہے جو ناظروں کے سامنے ہے دنیا میں چشمے میں جھرنے ہیں پہاڑوں سے پانی نکل رہا ہے

میں عموماً لوگ اس کو جاننے اور پہچانتے ہیں اور یہ جو فرمایا کہ بعض پتھر اللہ تعالیٰ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ اس بارے میں کسی کوتاہ عقل کو شبہ ہو سکتا ہے کہ ان میں عقل و ادراک نہیں ہے پھر وہ کیسے ڈرتے ہیں اور ڈر کر گر پڑتے ہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ پتھروں میں اور دوسری جمادات میں ہمارے خیال میں ادراک اور شعور نہیں ہے کیونکہ وہ ہم سے بات نہیں کرتے اور ہمیں وہ احوال معلوم نہیں جو ان پر گزرتے ہیں۔ اور ان کا اپنے خالق سے مخلوق اور مملوک اور عبادت گزار ہونے کا جو تعلق ہے انسان اس سے واقف نہیں ہے۔ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سب چیزوں میں ادراک ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا: تَسْبِيحُ لَهُ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ط وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يَسْبِيحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ ط إِنَّهُ كَانَ خَلِيقًا غَفُورًا (تمام ساتوں آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان نہ کرتی ہو۔ لیکن تم لوگ ان کے پاکی بیان کرنے کو سمجھتے نہیں بلاشبہ وہ حلیم ہے غفور ہے) اور سورہ نور میں فرمایا:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْبِيحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرِ صَفْبٌ ط كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَواتَهُ وَتَسْبِيحَهُ ط وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ (کیا تجھ کو معلوم نہیں اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں وہ سب جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور پرندے جو پر پھیلائے ہوئے ہیں سب کو اپنی اپنی دُعا اور اپنی اپنی تسبیح معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ کو لوگوں کے سب افعال کا پورا علم ہے) صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اُحد ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ (ص ۵۸۵ ج ۲)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ مکہ مکرمہ میں ایک پتھر ہے میں اسے پہچانتا ہوں جن دنوں میں میری بعثت ہوئی وہ مجھے سلام کیا کرتا تھا۔ (صحیح مسلم ص ۲۳۵ ج ۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں مکہ مکرمہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا ہم ایک دن بعض اطراف مکہ کی طرف نکلے جو بھی درخت یا پہاڑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آتا تھا وہ السلام علیکم یا رسول اللہ کہتا تھا۔ (رواہ الترمذی فی ابواب المناقب وقال حسن غریب)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سات یا نو کنکریاں لیں ان کنکریوں نے آپ کے ہاتھ میں تسبیح پڑھی یہاں تک کہ میں نے ان کی ایسی آواز سنی جیسی شہد کی مکھوں کی جھنجھناہٹ ہوتی ہے پھر آپ نے ان کو رکھ دیا تو ان کی گویائی ختم ہو گئی۔ پھر آپ نے ان کنکریوں کو حضرت ابوبکر کے ہاتھ میں رکھ دیا تو ان کے ہاتھ میں بھی ان کنکریوں نے تسبیح پڑھی پھر حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں رکھ دیا تو ان کے ہاتھ میں بھی ان کنکریوں نے تسبیح پڑھی پھر حضرت عثمان کے ہاتھ میں رکھ دیا تو ان کے ہاتھ میں بھی ان کنکریوں نے تسبیح پڑھی اور ہر مرتبہ میں نے شہد کی مکھوں جیسی جھنجھناہٹ سنی۔ (جمع الفوائد فی ذکر کلام النبی امانات و اہمادات)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ جب جنات بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر قرآن سننے لگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کس نے بتایا کہ جنات حاضر ہیں؟ حضرت ابن مسعودؓ نے جواب دیا وہاں جو ایک درخت تھا اس نے آپ کو بتایا۔ (السنن کما فی جمع الفوائد)

اسطوانہ حنانہ کا قصہ تو مشہور و معروف ہی ہے مسجد نبوی کے لئے منبر تیار کر دیا گیا تو آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر خطبہ

دینے کے لئے تشریف فرما ہوئے اس سے پہلے مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے یہ ستون کھجور کا تھا۔ جب آپ ﷺ منبر پر تشریف لے گئے تو کھجور کا یہ تنا چننے لگا جیسے بچہ چیختا ہے آپ منبر سے اترے اور اس سے کو چٹا لیا اور اس سے ایسی آواز نکلتی تھی جیسے بچہ کی آواز ہوتی ہے جب اسے چپ کیا جاتا ہے۔ یہ تنا جو اللہ کا ذکر سنا کرتا تھا اس سے محروم ہو جانے کے باعث بچہ کی طرح چیخنے لگا۔ (رواہ البخاری ص ۵۰۶ ج ۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لئے خیر تشریف لے گئے تھے وہاں ایک یہودی عورت نے بکری کا ایک ہاتھ بھون کر پیش کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے تناول فرمایا اور آپ کے بعض صحابہ نے بھی اس میں سے کھایا پھر آپ نے فرمایا آپ لوگ ہاتھ اٹھالیں اور اس یہودی عورت کو بلا کر فرمایا کہ تو نے بکری میں زہر ملایا ہے، وہ کہنے لگی آپ کو کس نے بتایا آپ نے فرمایا مجھے بکری کے اس ہاتھ نے بتایا جو میرے ہاتھ میں ہے۔ کہنے لگی ہاں واقعی میں نے زہر ملایا ہے۔ (جمع النوائذ من الی وادو)

حسن حصین میں بحوالہ طبرانی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کا نام لیکر آواز دیتا ہے اور دریافت کرتا ہے کہ اے فلاں کیا تجھ پر کوئی ایسا شخص گزرا ہے جس نے اللہ کا ذکر کیا: وہ دوسرا پہاڑ جب جواب دیتا ہے کہ ہاں ایک شخص اللہ کا ذکر کرنے والا میرے اوپر گزرا ہے تو وہ سوال کرنے والا پہاڑ خوش ہوتا ہے۔

ان سب روایات اور واقعات سے معلوم ہوا کہ ہم جن چیزوں کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ ان میں ادراک اور احساس و شعور نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں ان کے اس احساس و ادراک کا پتہ نہیں درندہ ان میں احساس اور شعور ہے۔ واللہ کے ذکر میں مشغول رہتی ہیں اور اللہ کا ذکر سن کر خوش ہوتی ہیں۔ اور جب اللہ کی مشیت ہوتی ہے تو ان کو بولنے کی قوت دے دی جاتی ہے۔

قال العارف الرومی

آب دبا و خاک دآتش بندہ اند

بائس و تومرہ باق زندہ اند

أَفْطَمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلِمَ اللَّهِ ثُمَّ

کریا تم لوگ یہ امید رکھتے ہو کہ یہودی تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور حال یہ ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو اللہ کا کلام سنتے رہے ہیں مگر اس

يُحَرِّفُونَهُ مِن بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۵۰﴾

میں تحریف کرتے رہے ہیں اس کے بعد کہ وہ ان کو سمجھتے تھے اور جانتے تھے۔

یہودیوں میں عناد ہے ان سے ایمان قبول کرنے کی امید نہ رکھی جائے

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کی یہ امید اور آرزو ختم فرمادی کہ یہودی ایمان لائیں گے، اور فرمایا کہ ان کے اسلاف کا یہ حال تھا کہ اللہ کا کلام سنتے تھے پھر جانتے بوجھتے اور سمجھتے ہوئے اس میں تحریف کر دیتے تھے اور یہ لوگ ان پر اب تک کوئی نکیر نہیں کرتے اور طریقہ کار کو غلط نہیں بتاتے بلکہ ان سے محبت اور تعلق میں بہت آگے ہیں۔ اور جس طرح ان لوگوں نے اپنے اپنے زمانہ میں آیات یتنات کا کھلا مشاہدہ کیا پھر بھی اپنے نبیوں کی تکذیب کی اور اللہ کے کلام کی تکذیب کی اسی طرح یہ لوگ بھی معجزات اور دلائل اور شواہد دیکھتے ہیں لیکن اس

سے مس نہیں ہوتے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے۔

اس آیت شریفہ میں جو اللہ تعالیٰ کا کلام سن کر اس میں تحریف کرنے کا ذکر ہے اس کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس میں اس واقعہ کا ذکر ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر آدمیوں کو اپنے ساتھ لے گئے، وہاں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام سن لیا تھا لیکن جب قوم کے پاس واپس آئے تو انہوں نے اس کے خلاف بیان دیا جو وہاں سن کر آئے تھے۔ دوسرے حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے تو ریت شریف کی تحریف کرنا مراد ہے۔ علماء یہود رشوت لیکر حلال کو حرام اور حرام کو حلال کہہ دیتے تھے اگر کوئی شخص رشوت لے آیا تو اس کے مطابق مسئلہ بتا دیا اور جو شخص کچھ بھی نہ لایا اس کو صحیح اور حق بات بتا دی۔ یہ لوگ جو ایسی حرکت کرتے تھے جانتے بوجھے ہوئے کرتے تھے اور یہ جانتے تھے کہ ہم گناہ کر رہے ہیں۔ پھر بھی اس کو کرتے چلے جاتے تھے۔ اسی تحریف میں یہ بات بھی تھی کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات اور علامات جو تو ریت شریف میں بیان کی گئی تھیں، ان کو بدل دیا۔ اس میں وہ لوگ بھی مبتلا تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے جو لوگ خود مبتلائے تحریف ہوں اور دوسروں کو ایمان لانے سے روک رہے ہوں وہ خود کیا ایمان لائیں گے؟

وَإِذْ يَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا بِبَعْضِهِمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا

اور جب ملاقات کرتے ہیں ان لوگوں سے جو ایمان لائے تو کہتے ہیں، ایمان لے آئے ہیں اور جب آپس میں ایک دوسرے کے پاس تباہی میں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں

أَتَعِدُّونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۰﴾

کیا تم ان کو وہ چیزیں بتاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کھولی ہیں تاکہ یہ لوگ ان کے ذریعے اللہ کے پاس حجت میں تم کو غلوب کر دیں، کیا تم سمجھ نہیں رکھتے؟

أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۱۱﴾

کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ چھپاتے ہیں، اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔

یہودیوں کی منافقت

جو عام منافقین کا طریقہ تھا کہ مسلمانوں کے سامنے کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں اور تنہائیوں میں اپنے سرغٹوں سے کہتے تھے کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ اسی طرح یہودی منافق بھی مسلمانوں کے سامنے یہ ظاہر کر دیتے تھے کہ ہم ایمان لے آئے اور اسی ظاہر کرنے میں یہ بھی کہہ جاتے تھے کہ تورات شریف میں ایسا ایسا لکھا ہے اور اس میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور آپ کی علامات اور صفات موجود ہیں اور ان علامات اور صفات سے صاف ظاہر ہے کہ آپ واقعی اللہ کے سچے نبی اور رسول ہیں۔ بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب اہل مدینہ (اوس اور خزرج) نے یہود مدینہ سے مشورہ کیا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہماری ملاقات ہوئی اور ہم لوگ ان پر ایمان لائے ہیں اور وہ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لارہے ہیں، ان کے بارے میں تم لوگوں کا کیا خیال ہے تو سارہ دل یہودیوں نے کہہ دیا کہ ہاں اس پر ایمان لا کر وہ نبی ہیں۔ پھر جب تنہائیوں میں ایک دوسرے سے ملے تو آپس میں کہتے تھے تم لوگ عجیب ہو مسلمانوں کے سامنے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کرتے ہو اور ان کو یہ بھی بتاتے ہو کہ ان کا ذکر اور نعت و صفات تورات شریف میں موجود ہے تو تم اپنے اوپر حجت قائم کر رہے ہو۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو

مسلمان اللہ پاک کے حضور میں تم پر حجت قائم کر دیں گے اور خود تم اپنے اقرار سے پکڑے جاؤ گے تم نے اُن سے تو کہا کہ واقعی نبی ہیں اور خود ان کی نبوت کو نہ مانا تمہارا اقرار خود تم پر حجت ہوگا لہذا ایسی باتیں کیوں کرتے ہو جو تمہارے خلاف حجت نہیں تم اتنی بھی سمجھ نہیں رکھتے خود اپنے اقرار کی چھری سے خود اپنے فتنے کا انتظام کر رہے ہو۔ (درمنثور ص ۸۱ ج ۸، عالم التنزیل ص ۸۷ ج ۱)

یہ کیسی بیوقوفی کی بات ہے کہ مسلمان پر حق ظاہر کر کے خود اس کے خلاف کر دے تو قیامت کے دن مسلمان تم پر حجت قائم کریں گے اور وکیل سے مغلوب کر دیں گے۔ یہ نہیں سمجھتے کہ مواخذہ کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہے وہ سب کچھ جانتا ہے جو دلوں میں ہے اُسے اس کا بھی پتہ ہے اور جو کچھ ظاہر کر رہے ہیں وہ اس سے بھی باخبر ہے۔ اگر مسلمانوں سے حق کو چھپایا تو اللہ پاک کے حضور میں اس وجہ سے کفر کے عذاب سے کیونکر خلاصی ہوگی کہ ہم نے مسلمانوں کو صحیح بات نہ بتائی تھی۔ جب شقاوت کسی کو گھیر لیتی ہے تو وہ جان بوجھ کر اُسی کا راستہ اختیار کرتا ہے۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِي وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿۷۰﴾

اور اُن میں ایسے لوگ ہیں جو اُن پڑھ ہیں کتاب کا علم نہیں رکھتے، سوائے آرزوؤں کے اور وہ لوگ صرف گمانوں میں پڑ سہ دے ہیں۔

یہودیوں کی جھوٹی آرزوئیں

اس آیت میں یہودی جاہل اُن پڑھ و ام کا تذکرہ فرمایا ہے یہ لوگ نہ تو راہ شریف پڑھ سکتے تھے نہ اور کسی طرح کا علم رکھتے تھے البتہ جھوٹی آرزوؤں میں اُلجھے ہوئے تھے۔ یہ لوگ سمجھتے تھے کہ ہمیں جنت میں ضرور جانا ہے اگر عذاب بھی ہوا تو تھوڑے سے دن دوزخ میں رہیں گے اور ہم انبیاء اکرام علیہم السلام کی نسل سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور مقرب ہیں اس کی اولاد ہیں اور نبوت ہمارے ہی اندر رہ سکتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ اور بہت سی جھوٹی آرزوؤں میں مبتلا تھے خیالات کی دنیا میں پڑے ہوئے تھے اور اپنی نجات اور اللہ کے ہاں محبوب ہونے کے خیالی پلاؤں پر کھے تھے، ان کے خیال میں نہ اللہ کے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھٹلانے سے ان کے محبوب عند اللہ ہونے میں فرق آتا تھا اور نہ سود کھانے سے اُن کی دینداری کو بد لگتا تھا نہ کسی طرح کے کسی بھی برے عمل سے ان کو آخرت کا فکر لاحق ہوتا تھا۔ اپنے بارے میں جو جھوٹی آرزوئیں لئے بیٹھے تھے اور خوش کن گمانوں کی دنیا بسائے ہوئے تھے اُسی میں مست تھے۔

قَوْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ

سو بڑی خرابی ہے اُن لوگوں کے لئے جو کتاب کو لکھتے ہیں اپنے ہاتھوں سے پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے ذریعہ خرید لیں

ثَمَّ قَلِيلًا قَوْلٌ لَهُمْ مَّا كَتَبْتَ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ ﴿۷۱﴾

تھوڑی سی قیمت، سو بڑی ہلاکت ہے اُن کیلئے یہ کہ جو ان کے ہاتھوں نے لکھا ہے اور بڑی ہلاکت ہے اُن کیلئے انکی ہجرت سے جسے وہ کسب کرتے ہیں۔

علمائے یہود کا غلط مسائل بتانا اور رشوت لینا

اس آیت شریفہ میں یہودی علماء کی بد عملی اور دھاندلی اور خُپ دنیا کی ہجرت سے ان کی بربادی کا تذکرہ فرمایا ہے عوام جب علماء کے پاس جاتے تھے اور ان سے مسائل معلوم کرتے تھے اور ساتھ ہی رشوت بھی دیتے تھے تو وہ لوگ مسائل کی رضا جوئی کے لئے اُس کی مرضی کے

مطابق مسئلہ بتا دیتے تھے، خود اپنے ہاتھ سے مسئلہ لکھ دیتے تھے اور عوام کو باور کراتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور قریت شریف میں یوں ہی نازل ہوا ہے جو شخص رشوت نہ لانا اس کے لئے مسئلہ میں آدل بدل نہیں کرتے تھے۔ ان کے علاوہ تحریف کتاب اللہ کے مجرم بھی تھے اور رشوت خوری کے گناہ میں بھی مبتلا تھے۔ اللہ جل شانہ نے ان کا حال بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ ان کے لئے دونوں وجہ سے ہلاکت اور بربادی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تحریف کرنے کی وجہ سے بھی اور اس وجہ سے بھی کہ وہ حرام مال کھاتے ہیں اور باقی رہنے والی آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں حقیر دنیا کی کچھ نقدی لینے پر راضی ہیں۔ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے اپنے عوام کو بھی اسلام قبول کرنے پر آمادہ کرتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور صفت جو قریت شریف میں موجود پاتے تھے اسے واضح طور پر بتاتے تو اس میں ممکن تھا کہ ظاہری دنیا میں کمی ہو جاتی لیکن آخرت کے ثواب سے مالا مال ہو جاتے لیکن انہوں نے حقیر دنیا کو ترجیح دی اور تھوڑے سے فانی کے مقابلہ میں آخرت کی ہمیشہ رہنے والی نعمتوں سے ہاتھ دھو بیٹھے اور مستحق عذاب ہوئے۔ ان کے عوام میں اگرچہ بے پڑھے لوگ بھی تھے لیکن اتنا تو ہر عقلمند سمجھتا ہے کہ جو شخص پیسہ لے کر ایک بات بتاتا ہے اور جو پیسہ نہ دے اسے دوسری بات بتاتا ہے ایسا شخص کیسے اہل حق ہو سکتا ہے۔ ایسے شخص پر دین میں اعتماد کرنا سراسر حماقت ہے۔ جس میں سراسر ہلاکت ہے۔

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلَفَ

اور انہوں نے کہا کہ ہم کو ہرگز آگ نہ جھوئے گی مگر چند دن کتنی کے، آپ فرمائیے کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد لے لیا ہے

اللَّهُ عَهْدُهُ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۸۰﴾

سو اللہ تعالیٰ اپنے عہد کے خلاف نہ کرے گا یا اللہ کے ذمہ ایسی بات لگا رہے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے۔

یہودی کی جھوٹی خوش گمانی کہ دوزخ میں صرف چند دن کے لئے جائیں گے

اس آیت شریفہ میں یہودیوں کا ایک اور دعویٰ اور اس کی تردید مذکور ہے یہودیوں کا یہ جھوٹا دعویٰ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت منسوخ نہیں ہوگی اور اپنے بارے میں سمجھتے تھے کہ ہم اسی شریعت پر قائم ہیں اور قائم رہیں گے لہذا ہمیں عذاب کیوں ہونے لگا۔ اور عذاب ہوگا تو صرف چالیس دن عذاب ہوگا یعنی جتنے دن ہمارے آباء واجداد نے پچھڑے کی عبادت کی ہے اتنے ہی دن عذاب میں گرفتار ہوں گے اس کے بعد دوزخ سے نکل جائیں گے اور حضرت ابن عباس سے یوں منقول ہے کہ یہودیوں نے کہا کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے اور ہر ہزار سال کے بدلہ ہم کو ایک دن دوزخ میں عذاب بھگتنا ہوگا اور گنے پنے سات دن ہوں گے جو زیادہ نہیں ہیں۔ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ ہم کچھ دن دوزخ میں رہیں گے پھر ہم تو دوزخ سے نکل آئیں گے اور ہماری جگہ مسلمان دوزخ میں چلے جائیں گے۔ غزہ خیبر کے موقع پر جب ایک یہودی عورت نے زہر ملا کر بکری کا گوشت حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا تھا اس وقت آپ نے ان سے جو سوال و جواب کئے تھے ان میں یہ بھی تھا کہ آپ نے دریافت فرمایا کہ دوزخ کون ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم دوزخ میں تھوڑا سا وقت گزاریں گے پھر آپ لوگ اس میں ہمارے بعد داخل ہو جائیں گے۔ آپ نے فرمایا اور ہو جاؤ اللہ کی قسم ایسا کبھی نہ ہوگا کہ تم اس میں سے نکل جاؤ اور تمہارے بعد ہم اس میں چلے جائیں۔ مفسرین کثیر نے یہ روایات لکھی ہیں اور آخری بات جس میں خیبر کی گفتگو مذکور ہے اس کو بحوالہ مسند احمد صحیح بخاری نقل کیا ہے۔ صحیح بخاری میں یہ حدیث ص ۸۶۰ ج ۲ پر مذکور ہے۔

پہلی آیت میں یہودیوں کی آرزوؤں اور خوش گمانیوں کا جو ذکر تھا اس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ سمجھتے تھے کہ ہم دوزخ میں چند دن

ہی جائیں گے۔ وہ یہ جانتے ہوئے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں آپ پر ایمان نہ لائے اور یہ جانتے ہوئے کہ کسی نبی کو نہ ماننا کفر ہے اور کفر کی سزا دائمی ہے طرح طرح کے جھوٹے دعوے کرتے تھے اور ان کے دعوے اور آرزوئیں سب خود ساختہ تھیں جن کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں تھی، بے سند باتیں کرتے تھے اور انہیں باتوں میں مست تھے۔ اسی لئے اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا..... قُلْ اَتَّخِذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ غَيْدًا (الآیہ)۔

کہ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے فرمادیں کہ یہ جو کچھ تمہارا دعویٰ ہے کہ ہم صرف چند دن دوزخ میں رہیں گے اس کی تمہارے پاس کیا دلیل ہے کیا اللہ تعالیٰ سے تم نے کوئی عہد لیا ہے جس کی بنیاد پر تم ایسی باتیں کر رہے ہو؟ اللہ تعالیٰ ہرگز اپنے عہد کے خلاف نہیں فرماتا لیکن تم سے اس کا کوئی عہد نہیں ہے خود اپنے پاس سے اللہ کی طرف ان باتوں کی نسبت کرتے ہو جن کا تمہیں علم نہیں۔ اپنی طرف سے اپنے بارے میں کوئی شخص کوئی بھی خیال اور گمان کر کے بیٹھ جائے اور اُسی پر بھروسہ کر لے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کوئی سند اور دلیل نہ ہو تو اس کا گمان اس کے کچھ کام نہ آئے گا۔ کفر کی سزا بہر حال ملے گی خواہ کیسی خوش فہمی میں مبتلا ہو۔ یہودیوں کی حماقت تو دیکھو کہ خود اپنے اقرار سے دوزخ میں جانے کو تیار ہیں (اگرچہ چند دن دوزخ میں رہنے کا اقرار ہے) لیکن حضرت خاتم النبیین سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے لئے تیار نہیں جبکہ یہ جانتے ہیں کہ دوزخ میں ایک سیکنڈ کا عذاب بھی بہت بڑا ہوگا جس کی برداشت کسی کو نہیں ہو سکتی۔ دنیا کی اس آگ کی ایک چنگاری تھوڑی سی دیر کے لئے ہاتھ میں لینے کو کوئی بھی شخص تیار نہیں اور دوزخ میں جانے کو بڑی ہمت اور حوصلے کے ساتھ تیار ہیں۔ جبکہ دوزخ کی آگ کی گرمی دنیا کی آگ سے اُنہتر درجے زیادہ گرم ہے۔ (کمفا فی دوابة الصحیحین) جس طرح یہودی جھوٹی آرزوؤں اور خود تراشیدہ اوہام و خیالات کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں اسی طرح آج کل بہت سے فرقے ایسے ہیں جو اسلام کے دعویدار ہیں۔ لیکن کفر یہ عقائد کے حامل ہیں مثلاً قرآن کی تحریف کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے الٰہیاذ بائد ہمارے امام کے اندر حلول کیا ہے اور بہت سے لوگ جھوٹے نبی کی امت بنے ہوئے ہیں اور ان سب کو اپنی نجات کی خوش گمانی ہے حالانکہ یہ لوگ قرآنی تصریحات کے مطابق دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ بہت سے پیر فقیر جو بالکل بے عمل بلکہ بد عمل ہیں وہ صرف اس بنیاد پر اپنی نجات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ کسی بزرگ کی اولاد میں ہیں اپنی خوش گمان اور جھوٹی آرزو سے کچھ نہیں دیتا نجات کے لئے عقیدہ اور عمل صحیح ہونا ضروری ہے جو قرآن وحدیث کے مطابق ہو، بے سند آرزو اور بے سند خوش گمانی آخرت کی بربادی کا ذریعہ ہے۔ کسی کی نسل میں ہونے سے نجات نہ ہوگی۔ بنی اسرائیل بھی تو انبیاء کی اولاد ہیں پھر بھی دوزخی ہیں خوب سمجھ لیا جائے۔

دورِ حاضر کے کافروں کی خوش گمانی

جس طرح یہودی اپنے بارے میں خیالی دنیا اور خوش گمانی میں مبتلا ہیں اسی طرح دورِ حاضر کے مذاہب والے جو یہودیوں کے علاوہ ہیں وہ بھی اپنے بارے میں خوش گمانیوں کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں ان کے خود ساختہ عقائد ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس کوئی سند نہیں کہ وہ جس دین پر ہیں وہ ذریعہ نجات بنے گا۔ مشرکین اور مُت پرست اپنی ملگتی اور نجات کا عقیدہ لئے پھرتے ہیں اور اُلٹا موحدین مسلمین کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کی نجات نہ ہوگی۔

بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۸۱﴾

بال جس نے گناہ کیا اور اس کے گناہ نے اس کو گھیر لیا تو ایسے لوگ دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۸۲﴾

رہیں گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے یہ لوگ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اصحاب الجہنہ کون ہیں اور اصحاب النار کون ہیں؟

ان دو آیتوں میں پہنچتی اور دوزخی ہونے کا ضابطہ بتایا ہے اور ساتھ ہی ایک دوسرے طریقہ سے یہودیوں کے اس دعوے کی تردید بھی ہے جو اوپر کی آیت میں مذکور تھا۔ پہلی آیت میں یوں فرمایا کہ تمہارے پاس اپنے دعوے کی کوئی دلیل نہیں اور اللہ کی طرف سے تمہارے پاس کوئی سند نہیں ہے اور ان دو آیتوں میں جو ضابطہ جنت اور دوزخ کے واسطے کا ذکر فرمایا ہے اس میں یہ بتا دیا کہ تم لوگ ضابطہ کے مطابق ان لوگوں کے زمرہ میں آتے ہو جن کو ہمیشہ دائمی عذاب ہوگا۔

ارشاد فرمایا کہ تم یہ جو کہتے ہو کہ ہم دوزخ میں ہمیشہ نہ رہیں گے صرف چند دن عذاب ہوگا۔ تمہاری بات غلط ہے۔ تم ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہو۔ ضابطہ یہ ہے کہ جو شخص برائی کرے اس کی برائی ہر طرف سے اُس کو گھیر لے کہ وہ کفر اختیار کرے جو سب سے بڑی برائی ہے تو وہ دوزخ والا ہے اس میں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ تم لوگ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کے منکر ہونے کی وجہ سے کافر ہو لہذا ضابطہ کے مطابق ہمیشہ دوزخ میں رہو گے۔ اور اہل جنت وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے جنہوں نے اللہ کے سب نبیوں کو مانا خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن کریم کو مانا اور اعمال صالحہ انجام دیئے۔ یہ حضرات ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ تَبَّارَكَ الَّذِي أَحْسَنَآ وَذِي الْقُرْبَىٰ

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے مضبوط عہد لیا کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو گے اور والدین کے ساتھ اور قربات داروں اور یتیموں کے ساتھ

وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَتَوَلَّوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَآتَيْمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ

اور مسکینوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو گے اور عام لوگوں سے اچھی بات کہنا اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ وَأَنْتُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۸۳﴾

پھر تم نے روگردانی کی مگر تم میں سے تھوڑے سے لوگوں نے اور تم اعراض کرنے والے ہو۔

بنی اسرائیل سے عہد و پیمان اور ان کا انحراف

اس آیت شریفہ میں توریت شریف کے چند احکام مذکور ہیں۔ بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ نے پختہ عہد لیا تھا کہ تم ان سب کاموں کو کرنا انہوں نے عہد کر لیا لیکن ان میں سے تھوڑے سے آدمیوں کے علاوہ سب اس عہد سے پھر گئے اور عہد کی خلاف ورزی کرتے رہے۔ ان کے عہد سے پھر جانے کا ذکر فرمانے کے بعد یہ بھی فرمایا کہ وَأَنْتُمْ مُّعْرِضُونَ کہ اے یہودیو! تمہاری عادت اور مزاج ہی یہ ہے کہ حق سے

اور قبول و قرار سے اور اطاعت سے اغراض کیا کرتے ہو۔ اور خاص طور سے زمانہ نزول قرآن کے یہودیوں کو مخاطب فرمایا کہ تم بھی اپنے آباؤ اجداد کے طریق پر نہ رہو اور قبول حق سے اغراض کئے ہوئے ہو۔ آیت شریفہ میں اول تو یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور پھر والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم فرمایا اور لوگوں سے اچھی باتیں کرنے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا۔ ان چیزوں کا سابقہ امتوں کو بھی حکم تھا اور یہ ایسی چیزیں ہیں جن پر نسخ و اربعہ نہیں ہوا۔ اُمت محمدیہ بھی ان سب چیزوں کی ماور ہے۔ سورہ نساء میں فرمایا کہ **وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْغُيُوبِ وَالْخَنَازِ الْجَنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنُبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ** ط (اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اختیار کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو اور والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور اہل قرابت کے ساتھ بھی اور یتیموں کے ساتھ بھی اور مسکینوں کے ساتھ بھی اور قریب والے پروسی کے ساتھ بھی اور ذرور کے پروسی کے ساتھ بھی اور برابر میں ساتھ بیٹھنے والے کے ساتھ بھی اور ان کے ساتھ بھی جو تمہارے مالکانہ قبضہ میں ہیں)۔ (النساء: ۳۶)

نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینا کرنے کا حکم قرآن مجید میں جگہ جگہ مذکور ہے۔ سورہ بقرہ کے شروع ہی میں متقیوں کی صفات میں ان کا ذکر ہو چکا ہے۔ پھر سورہ بقرہ کے پانچویں رکوع میں اقامت صلوٰۃ اور اداء زکوٰۃ کا حکم مذکور ہے اور اسی سورہ بقرہ کے تیرہویں رکوع میں بھی ان دونوں کا حکم فرمایا ہے اور بھی جگہ جگہ نماز اور زکوٰۃ کی اہمیت اور تاکید قرآن مجید میں مذکور ہے۔ یہ جو فرمایا: **وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا** اس میں بہت عموم ہے اور یہ بہت سے احکام پر مشتمل ہے۔ اول تو یہ فرمایا کہ لوگوں سے اچھی باتیں کہو اس میں مومن کا فریضہ و بدست قسم کے انسان آگئے پھر اچھی بات میں سب کچھ آگیا نیکوئی کی راہ بتانا، نبرائی سے روکنا، نصیحت میں نرمی اختیار کرنا، گفتگو میں بڑوں کا ادب ملحوظ رکھنا، مسلح صحیح بتانا، سچ بات کہنا، کسی کو دھوکہ نہ دینا، حقوق کی وصولیابی میں نرم کلمات استعمال کرنا اور اس طرح کے بہت سارے احکام پر یہ کلمہ مشتمل ہے۔ اس میں یہودیوں سے یہ بھی مطالبہ ہے کہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور صفت جو توریت میں مذکور ہے اسے واضح طور پر ظاہر کریں اور حق اور حقیقت کو نہ چھپائیں۔ مسلمانوں پر بھی لازم ہے کہ مذکورہ احکام کی پاسداری کریں اور ان سے اغراض کر کے رُہ گردانی نہ کریں اور **وَأَنْتُمْ مُعْرِضُونَ** کا مصداق نہ بنیں۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُونَ أَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ وَأَنْتُمْ

اور جب ہم نے تم سے مہد لیا کہ تم آپس میں خونریزی نہ کرو گے اور ایک دوسرے کو اپنے گھروں سے نہ نکالو گے پھر تم نے اس کا اقرار کیا اور تم اس کی

تَشْهَدُونَ ۝ ثُمَّ أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُونَ فَرِيقًا مِنْكُمْ مِنْ دِيَارِهِمْ

گواہی بھی دیتے ہو۔ پھر تم وہ لوگ ہو جو قتل کرتے ہو اپنی جانوں کو اور نکالتے ہو انہوں میں سے ایک جماعت کو ان کے گھروں سے

تُظْهِرُونَ عَلَيْهِم بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَإِنْ يَأْتِوكُمْ أُسْرَىٰ تَفْدُوهُمْ وَهُمْ مَحْرُومٌ عَلَيْكُمْ

ان کے مقابلہ میں مدد کرتے ہو گناہ اور زیادتی کے ساتھ اور اگر وہ جائیں تمہارے پاس قیدی نہ ہونے کی حالت میں تو تم انکی جان کا بدلہ دیکر چھڑا لیتے ہو حالانکہ انکا

إِخْرَاجُهُمْ ۚ أَفْتَوْمُنُونِ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ ۚ بَعْضٌ مِمَّا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ

نکالنا تم پر حرام تھا، کیا تم کتاب کے بعض حصہ پر ایمان لاتے ہو اور بعض کے منکر ہوتے ہو۔ سو کیا جزا ہے اس کی جو تم میں سے ایسا کام کرے سوائے اس کے کہ

مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ ۚ وَمَا

کہ دنیاوی زندگی میں رسوا ہو، اور قیامت کے دن سخت ترین عذاب میں پہنچا دیے جائیں گے، اور

اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۵﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۚ

اللہ تعالیٰ غافل نہیں ہے اُن کاموں سے جو تم کرتے ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیاوی زندگی کو آخرت کے بدلہ مول لے لیا،

فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۶﴾

سو نہ ہلکا کیا جائے گا اُن سے عذاب اور نہ اُن کی مدد کی جائے گی۔

یہودیوں کی ایک خاص خلاف ورزی کا تذکرہ

ان دونوں آیتوں میں یہودیوں کے ایک اور عہد اور قول و قرار کا اور پھر اُن کی عہد شکنی کا تذکرہ فرمایا۔ زمانہ نزول قرآن کے وقت جو یہودی تھے ان کو اس قول و قرار اور اقرار کا بھی پتہ تھا جو یہودیوں سے لیا گیا تھا اور اُن سے جو عہد شکنی اور خلاف ورزی سرزد ہوتی رہی تھی وہ بھی اُن کے علم میں تھی ان سے اللہ تعالیٰ نے خطاب فرمایا اور ان کو عہد شکنی یاد دلانی اور ان کی دنیا و آخرت کی سزا بھی بتائی اور ساتھ ہی ساتھ اس میں حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت پر بھی دلیل قائم ہو گئی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہمارے اس قول و قرار اور عہد اور اس کی خلاف ورزی کا علم آپ کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوا ہے۔ سب کچھ جاننے کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان نہیں لاتے تھے۔

پہلے گزر چکا ہے کہ مدینہ منورہ میں یہودیوں کے دو بڑے قبیلے بنی نضیر اور بنی قریظہ آباد تھے اور وہ دونوں میں بنی نضیر سے آکر آباد ہو گئی تھیں ان میں سے ایک قبیلہ کا نام اوس تھا اور دوسرے کا نام خزرج تھا، یہ دونوں قبیلے بت پرست تھے اور یہودیوں کے دونوں قبیلے اپنے کو دین ساوی پر سمجھتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی پابندی کا دم بھرتے تھے۔ اس زمانے میں عرب کا کچھ ایسا مزاج تھا کہ لڑائی کے بغیر گزرا رہی نہ ہوتا تھا۔ (جب اوس اور خزرج میں لڑائی ہوتی تھی تو بنو قریظہ اوس کی مدد کرتے تھے اور بنو نضیر خزرج کے حمایتی بن جاتے تھے اس میں جہاں اوس اور خزرج کے افراد مارے جاتے اور گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہوتے وہاں یہودیوں کے دونوں قبیلوں کے افراد بھی مارے جاتے تھے اور بہت سے افراد ترک وطن پر بھی مجبور ہو جاتے تھے۔

اور جب بنی نضیر اور بنی قریظہ کے کسی فرد کو دشمن قید کر لیتا تو اُس کے چھڑانے کے لئے ان کی دونوں جماعتیں پیسے خرچ کرنے کے لئے تیار ہو جاتی تھیں جب اُن سے کوئی پوچھتا کہ تم اس کو کیوں چھڑا رہے ہو تمہاری حرکت سے تو وہ دشمن کے قبضے میں گیا ہے اور ترک وطن پر مجبور ہوا ہے تو جواب دیتے تھے کہ ہم کو شریعت موسوی میں یہ حکم دیا گیا کہ جب کسی کو قیدی دیکھو تو اسے رہائی دلا دو۔ لہذا ہم اس حکم کی پابندی کرتے ہیں اس حکم پر عمل کرنے کو تو تیار تھے کہ قیدی کو رہائی دلا دیں۔ لیکن جس وجہ سے وہ گھر سے بے گھر ہوا اور دشمن کے چنگل میں پڑ کر قیدی ہوا اس کے اختیار کرنے یعنی اپنوں کے مقابلہ میں جنگ کرنے والوں کی مدد سے پیچھے نہیں ہٹتے تھے۔ اُن سے کہا جاتا تھا کہ تم یہ کیا کرتے ہو تم خود ہی اپنوں کے مقابلہ میں مددگار بنے اور اُس قتال کی وجہ سے تمہارا آدمی گرفتار ہو کر قیدی ہوا، اب اس کے چھڑانے کو تیار ہو؟ اس کا جواب یہ دیتے تھے کہ چونکہ اوس اور خزرج ہمارے حلیف ہیں اس لئے ان کی مدد کرنے پر مجبور ہیں۔

اللہ جل شانہ نے اسی کو بیان فرمایا کہ: اَفْضُوْا مِنْوَنَ بَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (کیا تم کتاب کے بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض پر ایمان نہیں رکھتے)۔

کیا تو ریت شریف میں قیدی کے چھڑانے ہی کا حکم ہے اور کیا آپس کا قتل و قتل اور ایک دوسرے کو جلاوطن کرنا تو ریت شریف میں ممنوع نہیں ہے؟ یعنی قتل و قتل کی ممانعت پر تو عمل نہ کیا اور قیدی کو چھڑانے کے لئے پیسے خرچ کرنے کو تیار ہو گئے۔ حالانکہ اس کا قیدی ہونا قتل و قتل کی بنیاد پر ہے۔ قتل و قتل کرتے نہ یہ قیدی ہو کر آتا۔ لہذا عامہ شریعت موسوی کا نہ رہا بلکہ اپنی طبیعت کا رہا۔ جس حکم کو چاہا مانا اور جس حکم کو چاہا نہ مانا، جس حکم کو مانا اسے ایمان سے اور جس حکم کو نہ مانا اسے کفر سے تعبیر فرمایا اگر مول سے کسی حکم قطعی کا منکر ہو جائے تب تو کافر ہو ہی جاتا ہے اور اگر دل سے منکر نہ ہو لیکن عمل حکم کے خلاف ہو تو اس عمل کا کرنے والا گناہ کا مرتکب تو ہو ہی جاتا ہے جو منکروں اور کافروں کا طریقہ ہے۔

یہودیوں کی مذکورہ بالا بے عملی کا ذکر کر کے ارشاد فرمایا کہ ایسے لوگوں کی سزا اس کے سوا کیا ہے کہ دنیا میں رسوا اور ذلیل ہوں اور آخرت میں اُن کے لیے سخت عذاب ہے ہی، چنانچہ، تفسیر مسلمانوں کے ہاتھوں ذلیل ہوئے مدینہ منورہ سے خیر کو نکال دیئے گئے اور پھر خیر سے حضرت مر رضی اللہ عنہ نے اُن کو نکال دیا اور در بدر مارے پھرتے رہے اور بنی قریظہ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ آخر میں فرمایا کہ ان لوگوں نے دنیاوی زندگی کو آخرت کے بدلہ مول لے لیا، سو آخرت میں ان کے عذاب میں تخفیف نہ ہوگی اور نہ اُن کی کسی طرح کی کوئی مدد ہوگی۔ کوئی حامی، مددگار، طرف دار، وکیل، مختار موجود نہ ہوگا جو ان کی کچھ مدد کر سکے۔

مسلمانوں کو تنبیہ جو پورے دین پر عمل کرنے کو تیار نہیں

جو حال یہودیوں کا تھا وہی آج مسلمانوں کا ہے، وہ بھی کتاب اللہ کے بعض حصے پر عمل کرتے ہیں اور بعض پر عمل نہیں کرتے، جو لوگ بے عمل ہیں وہ تو درکنار جو لوگ بظاہر دین دار ہیں اُن کی دینداری بھی نماز، روزہ اور دو چار کاموں تک محدود ہے۔ حرام ذریعہ سے مال کمانا اور حرام حکموں میں ملازمت کرنا، رشوتیں دینا، رشوتیں لینا، میراث کا مال کھا جانا، بہنوں کو اور یتیموں کو اور یتیموں کو اور یتیموں کو میراث کا شرعی حصہ نہ دینا، بیاہ شادی اور مرنے جینے میں غیر اسلامی طور طریق اختیار کرنا، اس طرح کے امور میں دینداری کے ڈھونڈنا بھی ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ زکوٰۃ بھی دیتے ہیں۔ حج بھی کر لیتے ہیں۔ لیکن ان کے سامنے اسلامی تعزیرات حدود اور قصاص نافذ کرنے کی بات آتی ہے تو ٹھٹھک کر رہ جاتے ہیں اور اس کے نفاذ کے لئے ہاں کرنے کو تیار نہیں۔ حاکم اور محکوم دونوں ہی انکاری ہیں۔

وَلَقَدْ اَتَيْنَا مُوسٰی الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۚ وَاتَيْنَا عِيسٰى ابْنَ مَرْيَمَ

اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اُن کے بعد پے در پے رسول بھیجے اور دیئے ہم نے عیسیٰ بن مریم کو واضح دلائل

الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۚ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۭ اِمَّا لَا تَهْتٰوٰى اَنْفُسَكُمْ

اور اُن کی تائید کی ہم نے روح القدس کے ذریعہ، کیا جب کبھی کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسے احکام لایا جو تمہارے نفسوں کو گوارا نہ تھے

اَسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِقْنَا كَذِبَكُمْ ۚ وَفَرِقْنَا تَقْلُوْنَ ۝۱۵

تو تم نے تکبر کیا، سو ایک جماعت کو تم نے جھٹلایا اور ایک جماعت کو قتل کرتے رہے ہو۔

یہودی بعض نبیوں کی صرف تکذیب کرتے تھے اور بعض کو قتل کر دیتے تھے

اس آیت شریفہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے موبی علیہ السلام کو کتاب دی (یعنی توریت شریف) اور اُن کے بعد بھی رسول بھیجتے رہے اور عیسیٰ بن مریم کو کھلے کھلے حجرات دیئے جو ان کی نبوت اور رسالت پر واضح دلائل تھے۔ مُردوں کو زندہ کرنا، مٹی سے پرندہ کی صورت بنا کر اس میں پھونک دینا جس سے پرندہ ہو کر اڑ جاتا، مادرِ اذاندھے اور برص والے کو اچھا کر دینا اور نبی کی باتیں بتا دینا، اور روح القدس یعنی حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعہ ان کی تائید کرنا۔ یہ سب اُمور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور رسالت کے لئے واضح دلائل تھے۔ سورہ آل عمران میں ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا: لَا حِلَّ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِي خُصِمَ عَلَيْكُمْ وَجَنَّتُمْ بَأْیَہِ مِنْ رَبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا (یعنی میں تمہارے لیے بعض چیزیں حلال کرتا ہوں جو تم پر (توریت شریف میں) حرام کر دی گئی تھیں اور تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے معجزہ لے کر آیا: وَسَوْفَ اللَّهُ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو) بعض احکام انہوں نے ایسے بتائے جن سے توریت شریف کے بعض احکام منسوخ ہو گئے تو اس پر یہودی ان کے دشمن ہو گئے، اُن سے حسد بھی کیا اور عناد پر بھی نکل گئے اور اُنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بہت ہی تکلیف دی اور اُن کے قتل کے درپے ہو گئے۔ قتل تو نہ کر سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپراٹھایا لیکن ان سے پہلے، مگر انہیں علیہم السلام کو قتل کر چکے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل اور تکذیب پر اس لئے آماؤ ہو گئے کہ جو احکام اُنہوں نے بتائے ان کے نفوس کی خواہشوں کے خلاف تھے اور انہوں نے نہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی بلکہ بہت سے نبیوں کو اُنہوں نے جھٹلایا اور بہت سے نبیوں کو قتل بھی کیا۔ خُدا جانے انہوں نے کتنے نبیوں کو قتل کیا اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

قرآن مجید میں فرمایا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے قتل اور تکذیب کے درپے یہودی اس لئے ہو جاتے تھے کہ جو احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتاتے تھے وہ ان کے نفوس کو نہیں بھاتے تھے اور ان کی طبیعت کے خلاف ہوتے تھے۔ لہذا وہ اُن کی تکذیب تو کرتے ہی تھے، قتل بھی کر دیتے تھے۔ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ قتل کا تذکرہ فرماتے ہوئے مضارع کا صیغہ تفتلون لایا گیا ہے۔ ففتلنہم صیغہ ماضی کا نہیں لایا گیا۔ اس میں اس پر دلالت ہے کہ آئندہ بھی تم سے ایسی حرکت سرزد ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا اور خیر میں بکری کے گوشت میں زہر ملا کر پیش کر دیا جسے آپؐ نے تناول فرمایا اور پھر موت کے قریب اس زہر کے اثر سے ایک رگ کٹ گئی جو موت کا سبب بنی جیسا کہ مشکوٰۃ ص ۵۸۸ میں مذکور ہے۔ اس آیت شریفہ میں نصرت ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان بھی انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے ہیں ان حضرات میں حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا ذکر تو قرآن مجید میں موجود ہے اور بعض حضرات کے اسما بگرائی قرآن مجید میں نہیں ہیں تفسیر کی بعض کتابوں میں لکھے ہیں۔ لیکن کسی صحیح روایت سے ان اسما کا ثبوت نہیں ملتا۔ تفسیر درمنثور ص ۸۶ ج ۱ میں حضرت ابن عباسؓ سے بعض حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اسما بگرائی نقل کئے ہیں۔ مثلاً شمویل، جزقیل۔ ہم اللہ کے سب نبیوں پر ایمان لاتے ہیں اگرچہ سب کے نام، سب کا زمانہ بعثت ہمیں معلوم نہیں۔ اس آیت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ ہم نے روح القدس کے ذریعہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی تائید کی اس تائید سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں علامہ نسفیؒ فرماتے ہیں کہ جب یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا حضرت جبریل علیہ السلام نے ان کو اُپر اٹھالیا اور تفسیر جلالین میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام ان کے ساتھ ساتھ رہتے تھے اور حفاظت فرماتے تھے۔ روح القدس قرآن وحدیث میں حضرت جبریل علیہ السلام کا لقب ہے۔ سورہ نحل میں فرمایا: فَلْ نُنَزِّلْهُ مِنْ رُبُّنَا اور حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان کو دعائی۔ اللھم ایدہ بروح القدس۔ (ردالمسلم ص ۳۰۰ ج ۲)

وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۰﴾

اور انہوں نے کہا کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے ان کو اللہ نے ملعون قرار دیدیا، سو بہت کم ایمان لاتے ہیں۔

یہودیوں کا کہنا کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں اور اس کی تردید

یہودی اسلام قبول نہیں کرتے تھے اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے تھے آپ کی سچائی کی علامات اور معجزات دیکھ کر بھی منحرف تھے اور اس گمراہی کو اپنے لئے کمال اور باعث فخر سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم ایمان لانے والے نہیں ہیں ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں اور پردے پڑے ہوئے ہیں کسی کی بات ہمارے دلوں پر اثر نہیں کر سکتی اور اپنے دین کے علاوہ ہم کوئی دوسرا دین قبول نہیں کر سکتے، اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کی تردید فرمائی کہ یہ بات کو سنتے اور سمجھتے ہیں اور حق بھی جانتے ہیں لیکن حق سے ان کو شکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ملعون قرار دیدیا ہے۔ لعنت اور پھینکار میں گرفتار ہیں، دلوں پر پردے اور غلاف کچھ نہیں کفر کی پھینکار اور لعنت کے سبب ایمان سے محرومی ہے۔ سورہ مائدہ میں فرمایا کہ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر ماردی۔ غرض یہ ہے کہ کفر میں ان کی پختگی لعنت اور پھینکار اور دلوں پر مہر لگ جانے کے سبب سے ہے جس پر وہ فخر کر رہے ہیں، قبحہم اللہ۔ یہ جو فرمایا کہ بہت کم ایمان لاتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر ایمان لاتے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی تھا لیکن تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانے کا جو حکم دیا گیا تھا جن میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی بھی ہے اس سے منکر ہو گئے۔ ایک نبی کی تکذیب بھی کفر ہے، تھوڑا سا ایمان آخرت میں کام نہیں دے گا۔ بعض مفسرین نے فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ کا یہ معنی بھی بتایا ہے کہ ان میں سے بہت کم لوگ آؤں گے جو ایمان لائیں گے۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى

اور جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب پہنچی وہ اس کی تصدیق کرنے والی سے جو ان کے پاس ہے اور حال یہ تھا کہ اس سے پہلے وہ کافروں کے مقابلہ میں

الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعَنَهُ اللَّهُ عَلَى الْكُفْرَيْنِ ﴿۱۱﴾ بِئْسَمَا

شی یاں طلب کرتے تھے پس جب وہ چیز ان کے پاس آ گئی جس کو پہچان لیا تو اس کے منکر ہو گئے، سو اللہ کی لعنت ہے کافروں پر۔ نئی چیز ہے

اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ يَكْفُرُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ بَغْيًا أَنْ يَنْزِلَ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ

وہ جس کو اختیار کر کے اپنی جانوں کو خرید لیا یہ کہ کفر کریں اس چیز کے ساتھ جو اللہ نے انہماک سے کرتے ہوئے اس بات پر کہ اللہ اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے

مِنْ عِبَادِهِ ۖ فَبَاءُوا بِغَضَبٍ عَلَى غَضَبٍ ۖ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۱۲﴾

جس پر چاہے نازل فرمائے، سو وہ لوگ غضب پر غضب کے مستحق ہو گئے اور کافروں کے لئے عذاب ہے ذلیل کرنا والا۔

یہودیوں نے جانتے بوجھتے ہوئے عناد اور ضد کی وجہ سے اسلام قبول نہیں کیا

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مدینہ منورہ میں یہودی اس لئے آ کر آباد ہوئے تھے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوگی تو ہم ان کا اتباع کریں گے۔ یہ لوگ اپنے کو موحّد سمجھتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ ہم وسنِ ساموی کے حامل ہیں، اب اس اور خزرج کے قبیلے بھی یمن سے آ کر مدینہ منورہ میں آباد ہوئے تھے۔ یہ لوگ بت پرست مشرک تھے، یہودیوں سے ان لوگوں کی جنگ ہوتی رہتی تھی اور یہودی ان سے کہا کرتے تھے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے، ان کی بعثت کا زمانہ قریب آچکا ہے، ہم ان پر ایمان لا کر ان کے ساتھ ہو کر تم سے جہاد کریں گے اور اس وقت تمہارا اس کھوپڑی کے اور قوم عاہ کی طرح سے تمہارا قتل عام کریں گے۔ بلکہ بعض روایات میں ہے کہ یہودی یہ دعائیا کرتے تھے کہ اے اللہ! اس نبی کی بعثت فرما جس کے مبعوث ہونے کا ہماری کتاب میں ذکر ہے تاکہ ہم اس کے ساتھ مل کر عرب کے مشرکوں کو قتل کریں۔ یہ لوگ نبی آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمت اور صفت جانتے تھے جو توریت شریف میں مذکور تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوگئی اور آپ مدینہ منورہ میں بھی تشریف لے آئے اور یہودیوں نے آپ کو ان علامات اور صفات کے ذریعہ پہچان بھی لیا جو ان کے علم میں تھیں کہ یہ واقعی نبی آخر الزماں ہیں۔ تم جن کے انتظار میں تھے انہوں نے آپ کے خیرات بھی دیکھے اور سب کچھ دیکھتے ہوئے آپ کی نبوت اور رسالت کے منکر ہو گئے۔ ان کو اس اور خزرج کے بعض افراد نے توجہ بھی دلائی اور کہا کہ اے یہودیو! تم اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کر، تم ہی تو کہا کرتے تھے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر اور ان کے ساتھ مل کر تمہیں مغلوب اور مقبور کرویں گے۔ لہذا اب تم حق کو قبول کرو نبی آخر الزماں پر ایمان لاؤ اور مسلمان ہو جاؤ۔ اس پر انہوں نے کہا کہ یہ وہ نبی نہیں ہیں ہم جس کے انتظار میں تھے، وہ تو ہم ہی میں سے ہوگا، عرب میں سے نہیں ہوگا۔ جانتے پہچانتے ہوئے منکر ہو گئے اور یہ حسد ان کو کھا گیا کہ نبی عرب میں سے کیوں آیا؟ اس آیت میں ان کے اسی انکار اور حق سے انحراف کرنے کا تذکرہ ہے اور اخیر میں یہ فرمایا کہ کافروں پر اللہ کی لعنت ہے جو حق اور حقیقت کو جانتے ہیں پھر بھی اس کے ماننے سے منکر ہیں۔ (من ابن کثیر ص ۸۲۳ ج ۱)

کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کی صفت بیان کرتے ہوئے یہ جو فرمایا کہ مُصَدِّقٌ لِّمَا فُتِحَ لَكُمْ کہ یہ کتاب اس کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے جس کو وہ اللہ کی کتاب مانتے ہیں (یعنی توریت شریف) اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر یہ نبی اس نبی کے خلاف ہوتا جس پر توریت نازل ہوئی اور یہ نبی اس کتاب کا کاث کرتا جو اللہ تعالیٰ نے اس نبی پر نازل کی تھی جس کو تم مانتے ہو تو انحراف اور مخالفت کی کوئی وجہ بھی ہوتی۔ وہ تو سارے نبیوں پر ایمان لانے اور اللہ تعالیٰ کی ساری کتابوں کو ماننے کی دعوت دیتا ہے اس سے انحراف کرنا اس حسد میں کہ یہ عرب میں سے ہے سراسر احمقیت اور بیوقوفی ہے اور اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے کہ اس نے عرب میں سے نبی کیوں بھیجا اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا مستقل کفر ہے۔

اَنْ يُّكْفَرُوا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بُعْثًا مِّنْ يَّهْيَا كَمَا نَبُوْنَ لَہٗ بِنَايَا كَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی كَہٗ اَخْتَارَ فَرَمَانِہٖ سَہٗ عَنَادَہٗ۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے نبوت اور رسالت عطا کرے اور جس بندے پر چاہے اپنی کتاب اتارے اُسے پورا پورا اختیار ہے اس میں کسی کو اعتراض کرنے کا اور یہ ضد کرنے کا کوئی حق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں کو کیوں نبی بنایا اور فلاں کو نہیں بنایا؟ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت سے منکر ہو کر کافر ہوئے پھر اللہ تعالیٰ پر اعتراض کر کے کافر ہوئے اور اللہ کے رسول محمد صلی اللہ

علیہ وسلم اور اللہ کی کتاب قرآن کے منکر ہو کر کفر میں ترقی کرتے چلے گئے اور اللہ تعالیٰ کے غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے۔ لہذا آخرت میں ذلت کے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

لَفِظِ اشْتَرَوْا کے بارے میں مفسر بیضاوی لکھتے ہیں کہ بَاعُوا و اشْتَرُوا بحسب ظنہم اور صاحب روح المعانی لکھتے ہیں ای باعوا افسالانفس بمنزلۃ المثلثین والكفر بمنزلۃ الثمن لان انفسهم الخبیثۃ لا تشتري بل تباع وهو علی الاستعارۃ ای انہم اختاروا الکفر علی الایمان و بذلوا انفسهم فیہ۔

(یعنی انہوں نے اپنے نفسوں کو بیچ دیا اور ان کے عوض کفر کو بطور قیمت کے لے لیا اور یہ معنی لینا زیادہ مناسب ہے کیونکہ ان کے خبیث نفس خریداری کے قابل نہیں، بیچنے ہی کے لائق ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی جانوں کو بیچ ڈالا یعنی برباد کر دیا اور کفر کو بطور قیمت کے حاصل کر لیا)

بعض حضرات نے کہا کہ اشْتَرُوا اپنے مشہور معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہودیوں نے اپنے اعتقاد میں یہ سمجھا کہ جو طریقہ ہم نے اختیار کیا ہے اس سے اپنی جانوں کو دوزخ کے عذاب سے بچھڑا لیں گے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: اِنْشَرَوْا بَاۤءَ اَنْفُسِهِمْ کہ ان کا یہ خیال غلط ہے کہ اس سے وہ عذاب سے بچ جائیں گے۔ قال صاحب الروح ص ۳۲۱: فَیْهَذَا لَاءَ الْیَهُودِ لَمَّا اَعْتَقَدُوا فِیْمَا اتَّوَابَہُ اَنَّهُ یُخْلِصُهُم مِّنَ الْعِقَابِ ظَنُّوا اَنْهُمْ اَشْتَرُوا اَنْفُسَهُمْ وَخَلَّصُوْهَا فَذَمُّهُمْ اللہ علیہ اگر یہ لوگ نبی آخر الزمان پر ایمان لاتے تو اپنی جانوں کو دوزخ سے بچا لیتے مگر اور مغر ف ہو کر ہمیشہ کے دائمی عذاب کے مستحق ہو گئے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُوْمِنُ بِمَا اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَیَكْفُرُوْنَ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس پر ایمان لاؤ جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں جو اتارا گیا ہم پر، اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے

بِمَا وَّرَآءَ ۙ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۚ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِیَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلِ اِنْ

وہ اس کے منکر ہوتے ہیں حالانکہ وہ حق ہے اس کی تصدیق کرنے والا جو ان کے پاس ہے، آپ فرمادیجئے سلام کیوں اللہ کے نبیوں کو اس سے پہلے قتل کرتے

کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝۱۱ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰی بِالْبَیِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِہٖ

رے ہو اگر تم مؤمنین ہو۔ اور بلاشبہ موسیٰ تمہارے پاس حق ہوئی دلیلیں لے کر آئے پھر تم نے ان کے بعد بچھڑے کو معبود بنا لیا،

وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝۱۲

حالانکہ تم ظالم تھے۔

یہودیوں کا یہ کہنا کہ ہم توریت کے علاوہ کسی کتاب کو نہیں مانتے، اور اس پر ان سے سوال

اس آیت شریفہ میں یہودیوں کا یہ قول ذکر فرمایا کہ ہم صرف توریت پر ایمان لاتے ہیں اس کے سوا کسی کتاب کو نہیں مانتے۔ ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ کہ جو کتاب ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی ہے وہ اس کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے جس پر وہ ایمان رکھنے کے مندئی ہیں۔ قرآن کو نہ ماننا توریت کے نہ ماننے کو مستلزم ہے۔ علامہ بیضاوی لکھتے

ہیں۔ لَٰذٰنِہِمۡ لَمَّا کَفَرُوا بِمَا یُؤٰفِقُ التَّوْرَۃَ فَقَدْ کَفَرُوا بِہَا۔

توریت شریف میں یہ برگزینیں ہے کہ بنی اسرائیل کے علاوہ کسی قوم میں سے اللہ تعالیٰ نبی بھیجے تو اس کو مت ماننا اور توریت کے علاوہ اللہ کی کسی دوسری کتاب پر ایمان نہ لانا۔ یہ سب باتیں ان کے ذاتی حسد کی وجہ سے ہیں۔ توریت شریف میں تو نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر دی ہے۔ جب نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوگئی اور اُن کی علامات اور صفات سے یہود نے پہچان لیا کہ یہ نبی آخر الزماں ہیں پھر ان سب کے باوجود آپ پر ایمان نہ لانا اور قرآن مجید کو نہ ماننا یہ توریت شریف کے ماننے سے انکاری ہونا ہے، کہہ رہے ہیں کہ ہمارا توریت پر ایمان ہے حالانکہ ان کا اس پر بھی ایمان نہیں۔

یہودیوں کی بُری حرکتوں میں سے یہ بھی تھا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کر دیتے تھے۔ آیت بالا میں فرمایا کہ اگر تم توریت پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہو تو یہ بتاؤ کہ تم نے اللہ کے نبیوں کو قتل کرنے کا ارتکاب کیا؟ نبی کا قتل کرنا تو توریت شریف کے قانون سے بھی کفر ہے۔ تمہارے آباؤ اجداد نے اس جرم کا ارتکاب کیا تم اُس سے راضی ہو اور اُن کو اپنا مقتدا مانتے ہو اس سے صاف ظاہر ہے کہ توریت شریف پر نہ تمہارا ایمان ہے اور نہ تمہارے باپ دادوں کا ایمان تھا۔

اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے وہ توریت کے احکام کی تبلیغ کرتے تھے اور انہوں نے توریت کے منسوخ ہونے کا اعلان بھی نہیں کیا۔ اے یہودیو! تم ان کو نبوت اور رسالت میں سچا بھی جانتے تھے۔ پھر بھی تم نے ان کو قتل کر دیا، حالانکہ وہ تمہاری قوم میں سے تھے۔ معلوم ہوا کہ تمہارا دین و ایمان شریعت موسوی کا اتباع نہیں ہے۔ بلکہ خواہشات نفس کا اتباع ہی تمہارا دین ہے۔

پھر فرمایا: وَلَقَدْ جِآءَکُمْ مُّوْسٰی بِالْبَیِّنٰتِ (الآیۃ) یعنی تمہارے پاس موسیٰ علیہ السلام بھی کھلی ہوئی واضح دلیلیں لیکر آئے جو تم نے خود یکے میں جس سے اُن کا رسول اللہ ہونا واضح ہو گیا اور انہوں نے پوری طرح توحید کی دعوت دی اور تم کو تم کو لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی تبلیغ کی اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے لیکن جب وہ کوہ طور پر توریت شریف لینے چلے گئے تو تم لوگوں نے اُن کے بعد پچھڑے کو معبود بنالیا اور تمہارا یہ غیر اللہ کی پرستش کرنا سراسر ظلم صریح تھا۔ راہِ حق کے خلاف چلنا دلائل واضحہ اور آیات بینات سامنے ہوتے ہوئے منکر ہو جانا سراسر ظلم ہے جو تمہاری پرانی عادت ہے، تمہارے اسلاف کی حرکتیں تمہارے سامنے ہیں جن کا تم کو علم ہے لیکن ابھی تک اُن کو پیشوا بنائے ہوئے ہو اور انہیں کی راہ پر گامزن ہو۔ (من ابن کثیر ص ۱۲۷ ج ۱)

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیثَاقَکُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَا اَتٰیْکُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اَسْمِعُوْا

اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور بلند کر دیا تمہارے اوپر طور کو، لے لو جو کچھ ہم نے تم کو دیا قوت کے ساتھ اور سن لو،

قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصٰیْنَا وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِکُفْرِہُمْ ۚ قُلْ یٰۤاٰمُرُکُمْ بِہٖ اٰیٰتُکُمْ

وہ کہنے لگے ہم نے سن لیا اور مانیں گے نہیں، اور پلادیا گیا اُن کے دلوں میں پچھڑا ان کے کفر کے سبب، آپ فرما دیجئے کہ بُری ہیں یہ باتیں جن کا تمہیں حکم دیتا ہے

اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنٰٓیْنَ ﴿۵﴾

تمہارا ایمان اگر تم مؤمن ہو۔

یہودیوں سے عہد و پیمان اور ان کے دلوں میں پکھڑے کی محبت

اس سے پہلے بھی اسی سورت کے آٹھویں رکوع میں یہودیوں سے پختہ عہد لینے اور کو وطہ رآن پر اٹھانے اور مضبوطی کے ساتھ تورات شریف کو تھامنے اور اس پر عمل کرنے کا عہد لینے کا ذکر گزرا ہے یہاں پر اس کو دہرایا ہے اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ جب اُن کو حکم ہوا کہ تورات شریف کو مضبوطی سے تھام لو اور اس کے احکام کو سن اذۃ انہوں نے کہا کہ ہم نے سن تو لیا لیکن ہم اس پر عمل نہ کریں گے، حکم تھا کہ دل کے کانوں سے سنو، قبول کرنے کے لئے سنو، عمل کرنے کے لئے سنو لیکن انہوں نے اپنے اوپر پہاڑ گرنے کے ڈر سے اُس وقت تو کہہ دیا کہ ہاں ہم نے سنا اور اوپر کے دل سے اقرار بھی کر لیا جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے لیکن بعد میں اس قول و قرار سے پھر گئے اور نافرمانی پر عمل آئے اور کھینچا لگے کہ سنا تو ہے لیکن عمل کرنا ہمارے بس کا نہیں۔ پھر فرمایا کہ انہوں نے پکھڑے کی جو عبادت کی تھی وہ ان کے اندر رچی پچی گئی تھی اور رگ و پے میں گھس گئی تھی جیسے پینے کی چیز اندر جا کر جہاں جہاں جگہ دیکھتی ہے اپنی جگہ پکڑ لیتی ہے۔ اُن کے کفر کی وجہ سے اُن کا یہ حال ہوا کہ پکھڑے کی محبت ان کے اندر پورے طریق سرایت کر گئی اور جا گزیں ہو گئی۔

پھر فرمایا کہ آپ ان سے فرمادیں تم ایمان کے دعویدار ہو اگر تم مؤمن ہو (حالانکہ مؤمن نہیں) تو سمجھو کہ تمہارا ایمان تمہیں بُرے اعمال کی تعلیم دیتا ہے، کفر اور شرک پر آمادہ کرتا ہے، یہ کیسا ایمان ہے جو توحید کی تعلیم نہیں دیتا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر ابھارتا ہے اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب پر آمادہ کرتا ہے جن کا نبی و ناتم پر دلائل سے واضح ہے۔

فائدہ..... پکھڑے کی عبادت سے ان لوگوں نے توبہ تو کی تھی جیسا کہ سورۃ بقرہ کے چھٹے رکوع میں گزرا لیکن اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بہت سوں نے اوپر اوپر سے توبہ کر لی، دل کی گہرائی سے توبہ نہ کی اور پکھڑے کی پرستش کا اثر ان میں باقی رہا اور اس کے اثر کی وجہ سے اللہ کی کتاب تورات شریف کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے جب پہاڑ اُٹھا کر اُن پر کھڑا کر دیا گیا تو اس وقت تو جھوٹ موٹ کو مان گئے لیکن بعد میں نافرمانی پر تلے رہے۔

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَُّوا الْمَوْتَ

آپ فرمادیجئے اگر آخرت والا گھر اللہ کے نزدیک خالص تمہارے ہی لئے ہے دوسروں کے لئے نہیں تو موت کی تمنا کرو اگر تھوچے ہو۔ اور وہ چھ گز بھی موت کی

إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمْتُمْ إِلَيْهِمْ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٢٠﴾

تمنا نہ کریں گے بوجہ اُن اعمال کے جو انہوں نے آگے بھیجے ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَى حَيَوٰةٍ ۖ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا ۖ يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرَ

اور یہ وہی بات ہے کہ تم ان کو زندہ رہنے پر سب لوگوں سے زیادہ جریں پاؤ گے اور ان لوگوں سے بھی زیادہ جنہوں نے شرک کیا، اُن کا ایک ایک فرد یہ آرزو رکھتا ہے کہ اس کو ہزار سال کی

أَلْفَ سَنَةٍ ۖ وَمَا هُوَ بِمُرْحَزٍ ۚ مِنَ الْعَذَابِ ۖ أَنْ يُعَمَّرَ ۖ وَاللَّهُ بَصِيرٌ ۚ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٢١﴾

ہزاروں سال کی جائے اور حال یہ ہے کہ اسے یہ چیز عذاب سے بچانے والی نہیں ہے کہ اس کی عمر زیادہ ہو جائے اور اللہ دیکھنے والا ہے اُن کاموں کو جن کو وہ کرتے ہیں۔

یہودیوں کو دعوتِ مہابلہ کہ موت کی تمنا کریں

یہودیوں کے دعویٰ اور آرزوؤں میں یہ بھی تھا کہ عالمِ آخرت کی خیر اور خوبی اور جنت کا داخلہ اور نعمتوں کا حصول یہ سب کچھ ہمارے لئے ہی خاص ہے۔ وہ سرے کسی دین والے اور کسی بھی قوم اور نسل کے لوگ جنت میں نہ جائیں گے۔ ان کے اس خیالی جھوٹے دعویٰ اور جھوٹی آرزو کے پیش نظر ان کو مہابلہ کی دعوت دی گئی کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو آ جاؤ، ہم اور تم مل کر موت کی دعا کریں کہ دونوں فریق میں سے جو بھی جھوٹا ہو وہ ابھی فوراً مر جائے، جب یہ بات سامنے آئی تو اس پر آمادہ نہ ہوئے اور راہِ فرار اختیار کر لی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر اسی طرح کی ہے اور انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ وہ لوگ موت کی تمنا کرتے تو اسی وقت مر جاتے۔ مفسر ابن جریرؒ نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر یہودی موت کی تمنا کرتے تو اسی وقت مر جاتے اور دوزخ میں اپنا اپنا ٹھکانہ دیکھ لیتے اور مہابلہ کے لئے نکلتے تو واپس ہو کر نہ جاتے اور مال کچھ بھی نہ پاتے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ انہیں اپنا کفر اور بد اعمالیاں معلوم ہیں وہ ہرگز موت کی تمنا نہیں کر سکتے، اور اللہ سب مجرموں اور ظالموں کو جانتا ہی ہے جو ہر ایک کو اس کا بدلہ دے دے گا۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ یہ کیا موت کی آرزو کر سکتے ہیں۔ یہ تو سب لوگوں سے زیادہ زندگی کی حرص رکھتے ہیں۔ جو لوگ مُشرک ہیں اللہ کی کسی کتاب کو نہیں مانتے اُن سے بھی زیادہ دُنیا میں رہنے اور جینے کے حریص ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ کاش! ہزار سال زندہ رہ جاتے اگر ہزار سال بھی زندہ رہ جائیں تو اُس کی وجہ سے عذاب سے چھٹکارا نہیں ہو سکتا کبھی تو موت آ ہی جائے گی اور موت کے بعد وہی عذاب کا سامنا اور دوزخ کا داخلہ ہوگا جو اہل کفر کے لئے طے شدہ ہے، اہلین کو ہزاروں سال کی زندگی دیدی گئی مگر انجامِ دوزخ ہی ہے۔ سورۃ الجمعہ میں بھی یہ مضمون مذکور ہے۔ وہاں فرمایا ہے: قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عِلْمِ الْغُيُوبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ۔ (آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو تم ضرور اس سے ملاقات کرنے والے ہو، پھر اس کی طرف لوٹاؤ گے جو غیب اور شہادۃ کو جانتا ہے پھر وہ تمہیں تمہارے کاموں کی خبر دیدے گا)

مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اوپر جو آیت کی تفسیر بیان ہوئی کہ یہود کو مہابلہ کی دعوت دی گئی تھی یہی تفسیر صحیح ہے اور ایسا ہی ہے جیسا نجران کے نصاریٰ کو مہابلہ کی دعوت دی گئی تھی جو سورۃ آل عمران میں مذکور ہے: ثُمَّ يُنَبِّئُكَ اللَّهُ فَلْيَفْعَلْ فَنُفِخَ فِي الصُّورِ۔ اس کے بعد ابن کثیر فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے آیت کی تفسیر میں یوں کہا ہے کہ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو کہ دارِ آخرت تمہارے ہی لئے خاص ہے تو موت کی تمنا کرو تا کہ مرنے کے ساتھ ہی جنت میں چلے جاؤ اور دنیا کی تکلیفوں سے محفوظ و مامون ہو جاؤ۔ اس دوسری تفسیر میں مہابلہ کا ذکر نہیں بلکہ صرف آرزوئے موت کی دعوت دی گئی۔ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ آیت کا یہ معنی لیکر اُن لوگوں پر حجت قائم نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اپنے دعویٰ میں سچا ہونا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ موت کی تمنا بھی کرے کیونکہ وہ اُلٹ کر یہ کہہ سکتے تھے کہ اے مسلمانو! تم بھی تو اپنے بارے میں جنتی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہو تم بھی حالتِ صحت اور تندرستی میں موت کی تمنا نہیں کرتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

آپ فرما دیجئے کہ جو شخص دشمن ہو جبریل سے اس نے اتارا ہے قرآن تمہارے قلوب پر اللہ کے حکم سے تصدیق کرنے والا ہے اس کتاب کی جو اس سے پہلے ہے

وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۚ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ

اور ہدایت ہے اور بشارت ہے ایمان والوں کے لئے۔ جو شخص دشمن ہو اللہ کے اس کے فرشتوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور جبریل کا اور میکائیل

فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ ۝

کہ تو ہے تنگ اللہ دشمن ہے کافروں کا۔

یہودیوں کا کفریہ قول کہ جبریل ہمارا دشمن ہے

یہودیوں کو جب معلوم ہوا کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جبریل علیہ السلام وحی لاتے ہیں تو کہنے لگے کہ جبریل تو ہمارا دشمن ہے کیونکہ وہ سخت احکام لاتا ہے اور ہم اس کتاب کو نہیں مانتے جو جبریل کے ذریعہ نازل ہوئی ہے اور وہ عذاب بھی لاتا رہا ہے، لہذا اگر میکائیل وحی لانے والے ہوتے تو ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کر لیتے کیونکہ وہ رحمت اور بارش لانے والے ہیں۔ ایک مرتبہ یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں پوچھ رہے تھے انہوں نے وعدہ کر لیا تھا کہ آپ نے یہ باتیں بتادیں تو ہم آپ کا اتباع کر لیں گے جب آپ ان کا جواب دیتے گئے تو ہر بات مانتے گئے آخر میں جب یہ ذکر آیا کہ حضرت جبریل علیہ السلام وحی لاتے ہیں تو انہوں نے یہ بات نکالی کہ جبریل تو ہمارے دشمن ہیں اگر میکائیل آپ پر وحی لانے والے ہوتے تو ہم مان لیتے۔ (دن کثیر ص ۱۲۰ ج ۱) اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ جو شخص جبریل کا دشمن ہو، ہوا کرے۔ (جبریل کا کوئی قصور نہیں وہ مامور من اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ ان کو دیا جاتا ہے وہی لیکر آتے ہیں) انہوں نے ہی آپ کے دل پر اللہ کے حکم سے قرآن نازل کیا ہے اور یہ قرآن سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق بھی کرتا ہے اور اہل ایمان کو بشارت بھی دیتا ہے (جو شخص جبریل سے دشمنی کرتا ہے وہ حقیقتہً اللہ کا دشمن ہے کیونکہ جبریل کو اللہ تعالیٰ نے قاصد بنایا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے جبریل کے ذریعہ اپنے نبیوں پر بھیجا جبریل وہی لیکر آئے، ان سے دشمنی کرنا اللہ تعالیٰ سے دشمنی کرنا ہوا، جو شخص اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہوگا وہ کافر ہے اور اللہ تعالیٰ کافروں کا دشمن ہے) یہودیوں کی یہ کسی احمقانہ بات ہے کہ ہم اس کتاب کو نہیں مانتے جس کو جبریل لے کر آئے۔ اول تو وہ جو کچھ لے کر آئے اللہ کا کلام ہے سفیر اور قاصد کوئی بھی نہ بھیجے والے کو دیکھا جاتا ہے احکام بھیجئے والا اللہ جل شانہ ہے پھر اللہ کے احکام کو اس لئے نہ ماننا کہ جبریل لائے ہیں جب کہ وہ اللہ کے حکم سے لائے، بہت بڑی حماقت اور شقاوت ہے۔

مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ فرشتوں اور رسولوں کے، وحی ذکر کے بعد حضرت جبریل اور میکائیل کا جو خصوصی ذکر فرمایا اس سے یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی رسول سے دشمنی رکھنا فرشتوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے یہ اللہ تعالیٰ سے دشمنی ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ جبریل سے ہماری دشمنی ہے اور میکائیل سے ہماری دشمنی نہیں ہے وہ غلط کہتا ہے وہ درحقیقت میکائیل علیہ السلام کا بھی دشمن ہے کیونکہ ایک فرشتے سے دشمنی سب فرشتوں سے دشمنی کرنے کے درجہ میں ہے اور موجب کفر ہے۔ یہودیوں کا یہ کہنا ہے کہ میکائیل ہمارے دوست ہیں یہ غلط ہے جبریل علیہ السلام کا یا کسی بھی فرشتے کا دشمن ہونا سارے فرشتوں کا دشمن ہونا ہے اور اس میں اللہ کی دشمنی پوشیدہ ہے۔

وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ ﴿۱۰﴾ أَوْ كَلِمَاتٍ

یہ آئی بات ہے کہ ہم نے آپ کی طرف واضح دلیلیں نازل کی ہیں، اور ان کا انکار وہی لوگ کرتے ہیں جو حکمِ مدلولی کرنے والے ہیں۔ کیا جب کبھی بھی

عَهْدُوا عَهْدًا ثَبَدَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۱﴾

انہوں نے عہد کیا اس عہد کو ان میں سے ایک جماعت نے پھینک دیا بلکہ ان میں سے اکثر ایمان نہیں لائیں گے۔

آیاتِ بینات کا انکار فاسقوں ہی کا کام ہے

تفسیر درمنثور میں ص ۹۴ ج ۱ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ابن صورت یا یہودی نے حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے محمدؐ! کوئی ایسی چیز آپ نہیں لائے جسے ہم پہچانتے ہوں اور نہ آپ کے پاس ایسی کوئی کلمی ہوئی دلیل ہے جس کی وجہ سے ہم آپ کا اتباع کر لیں۔ اس کی تردید میں اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ہم نے اے محمدؐ! تمہاری طرف واضح آیات نازل فرمائی ہیں جو آیاتِ بینات ہیں، ان آیات میں یہودی کی پوشیدہ باتیں ان کے بھید اور راز بیان کرنا ان کے گزرے ہوئے اسلاف کے حالات بتانا اور ان کی تحریفات کا پتہ دینا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر فرمایا اور اپنی کتاب میں نازل فرمایا۔ جو شخص انصاف پسند ہو خدا اور جن کی وجہ سے اپنی جان کو ہاراک کرنے پر تیار نہ گیا ہو اُس کے لئے یہ دلائل کافی اور دانی ہیں۔ لیکن اگر کسی کو حق اور حقیقت سے انقباض اور عناد ہو اور حکمِ مدلولی ہی جس کی طبیعت ثانیہ بن گئی ہو اور فسق اس کی طبیعت میں رچ بچ گیا ہو وہی ان آیاتِ بینات کا منکر ہو سکتا ہے۔

یہودیوں کی ایک جماعت ہر عہد کی خلاف ورزی کرتی رہی ہے..... تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو تذکیر فرمائی اور جو ان سے میثاق اور قول و قرار لیا گیا تھا وہ ان کو یاد دلایا اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو ان سے عہد لیا گیا تھا اُس کی یاد دہانی فرمائی تو وہ صاف منکر ہو گئے۔ ان میں ایک آدمی مالک بن سیف تھا اُس نے کہا کہ اللہ کی قسم محمدؐ! (ﷺ) کے بارے میں ہم سے کوئی عہد نہیں لیا گیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی! أَوْ كَلِمَاتٍ عَهْدُوا عَهْدًا (الآیۃ) یعنی یہ لوگ اس عہد سے منکر ہو رہے ہیں اور حال ان کا یہ رہا ہے کہ جب کبھی بھی انہوں نے کوئی عہد کیا تو ان میں سے ایک جماعت نے اُس کو پھینک دیا ان کا یہ مزاج ہے اور نقضِ عہد کی عادت ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ واؤ سے پہلے مطعون علیہ حذف ہے اور عبارت یوں ہے۔ اَکْفُرُوا بِالْآيَاتِ وَكَلِمَاتٍ عَاهَدُوا، وَهُوَ مِنْ عَطَفِ الْفَعْلِيَّةِ عَلَى الْفَعْلِيَّةِ۔ روح المعانی میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ ان کی پروا نہ کریں اور ان کی مخالفت کو اپنے دل کا بوجھ نہ بنائیں۔ (ص ۳۳۵ ج ۱)

آخر میں فرمایا: بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ یعنی ان میں سے اکثر ایمان نہیں لائیں گے بعض یہودی مسلمان ہو گئے تھے اس لئے یہ فرمایا کہ ان میں سے اکثر ایمان نہ لائیں گے۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا

جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول آیا جو تصدیق کرنے والا ہے اُس کتاب کی جو ان کے پاس ہے تو جن کو کتاب دی گئی تھی ان میں سے ایک

الْكِتَابُ الَّذِي وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَانَتْهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۳۰﴾

جماعت نے اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں ہیں۔

اہل کتاب نے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا

اس آیت شریفہ میں یہودیوں کی اس بات کا ذکر ہے کہ جب اُنکے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم المرتبہ رسول آیا یعنی حضرت محمد مصطفیٰ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور اس رسول نے اس کتاب کی تصدیق بھی کی جسے یہود مانتے تھے اور اُس کو اللہ کی کتاب جانتے تھے (یعنی توریت شریف) تو ان لوگوں نے دونوں کتابوں میں مطابقت ہوتے ہوئے اللہ کی کتاب توریت شریف کو پس پشت ڈال دیا۔ قرآن کو تو قبول کیا ہی نہیں اور توریت شریف کے بھی مُخرف ہو گئے اور اُس میں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات بیان کی گئی تھیں اُن کے اظہار کے بجائے اُن کو پوشیدہ کر لیا اور اس انداز سے منکر اور مخرف ہوئے کہ گویا وہ جانتے ہی نہیں ہیں کہ توریت اللہ کی کتاب ہے اور انہیں پتہ ہی نہیں ہے کہ اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل وہ جود ہیں۔ (کذا فی البرہان ص ۳۳۶ ج ۱)

وَ اتَّبِعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيْطَانُ عَلَىٰ مُلْكٍ سُلَيْمٍ ۖ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٌ وَلَكِنَّ الشَّيْطَانَ كَفَرُوا

اور انہوں نے اس چیز کا اتباع کیا جسے سلیمان کے بہد حکومت میں شیاطین پڑھتے تھے اور نہیں کفر کیا سلیمان نے لیکن شیاطین نے کفر اختیار کیا۔

يَعْلَمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ وَمَا يَعْلَمَانِ مِنْ

وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور انہوں نے اس کا بھی اتباع کیا جو نازل ہوا دو فرشتوں پر بابل میں۔ یہ دو فرشتے ہاروت اور ماروت تھے اور یہ دونوں نہیں سکھاتے تھے

أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۖ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ

کسی کو جب تک یہاں نہ کہہ دیتے کہ یہ جادو ایک فتنہ ہے لہذا تم کفر اختیار نہ کرو، پس یہ کہتے ہیں کہ ان سے وہ چیز سیکھ لیتے تھے جس کے ذریعہ مرد و عورتوں کی زندگی کے درمیان جدائی

وَرَوْجِهِ وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۖ

کرو دیتے تھے اور وہ لوگ اس کے ذریعہ کسی کو کچھ بھی کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے مگر اللہ کے حکم سے، اور وہ لوگ وہ چیز سیکھتے ہیں جو ان کو ضرر دینے والی ہے اور فتنہ دینے والی نہیں

وَلَقَدْ عَلِمُوا لَنْ اشْتَرِيَهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَا شَرَّوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ ۖ لَوْ

اور بالیقین تحقیق انہوں نے یہ بات جان لی کہ جس نے اسکو خرید لیا ہے اس کیلئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور یہ شک وہ بری چیز ہے جسکو ذریعہ انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ دیا، اگر

كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۳۱﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۳۲﴾

وہ جانتے ہوتے، اور اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا ثواب بہتر تھا اگر وہ جانتے ہوتے۔

بابل میں جادو گروں کا زور، اور یہود کا جادو کے پیچھے لگنا

جادوگری کا سلسلہ پُرانا ہے۔ ہوتا تو سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم اور ارادہ ہی سے ہے۔ اسباب جو بھی ہوں، جادو بھی ایک سبب ہے جس سے احوال میں کچھ تغیر ہو جاتا ہے اور جس پر جادو کیا جائے اس کو تکلیف پہنچ جاتی ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام کو ان کی امت نے کہا: اِنَّمَا اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ (کہ تم تو انہیں لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہو) اور یہی بات حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں ان کی امت کے افراد نے کہی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جادو گردوں سے مقابلہ تو مشہور ہی ہے اور یہ جادوگری کا سلسلہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ تک تھا اور اس کے بعد بھی رہا۔ ایک یہودی نے حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کر دیا تھا جس کا ذکر بخاری شریف میں موجود ہے۔ (ص ۸۵۸ ج ۲) اور اب بھی جادو گرد دنیا میں موجود ہیں اور جادوگری دنیا میں رواج پائے ہوئے ہے۔ اول تو یہود کی شکایت فرمائی کہ اللہ کی کتاب انہوں نے پس پشت ڈال دی پھر فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد حکومت میں جو شیاطین پڑھتے تھے یعنی جادو کرتے تھے اور اس میں مشغول رہتے تھے انہوں نے اس کا اتباع کیا۔ مفسرین نے اس طرح کے واقعات لکھے ہیں کہ عارضی طور پر چند دن کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت جاتی رہی تھی اس زمانے میں شیاطین نے ان کی گرسی کے نیچے جادو کی چیزیں دفن کر دی تھیں اور جب ان کی وفات ہو گئی تو ان کو کھود کر نکالا اور لوگوں میں مشہور کر دیا کہ سلیمان علیہ السلام نبی نہیں تھے بلکہ جادو کے زور پر حکومت چلاتے تھے، علماء بنی اسرائیل نے تو اس بات کو نہیں مانا لیکن ان کے عوام نے اس بات کو مان لیا اور کہنے لگے کہ یہ جادو ہی سلیمان علیہ السلام کا علم ہے اور اس کے سیکھنے سکھانے میں لگ گئے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی کتابوں کو چھوڑ بیٹھے، جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ اللہ کے پیغمبروں میں سے تھے تو یہودیوں نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کہتے ہیں کہ سلیمان ابن داؤد (علیہما السلام) نبی تھے حالانکہ وہ صرف ایک جادوگر تھے۔ اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل کی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی حیرت سے برأت نازل فرمائی اور صاف فرمایا: وَمَا تَكْفُرُ سُلَيْمَانُ وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا۔

(یعنی سلیمان نے کفر نہیں کیا لیکن شیاطین نے کفر اختیار کیا) شیاطین کا یہ مشغلیہ تھا کہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ (من القرطبی وابن کثیر) ہاروت و ماروت کے ذریعہ امتحان..... ارشاد بانی ہے وَمَا اَنْزَلْ عَلَی الْمَلَائِكَةِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَ مَارُوتَ (یہود نے اس کا بھی اتباع کیا جو دونوں فرشتوں ہاروت و ماروت پر بابل شہر میں اُتار لیا گیا)

کسی زمانہ میں جادو کا بہت چرچا تھا خاص کر شہر بابل میں جو عراق میں واقع ہے، جادو کے اثرات کو دیکھ کر ادگ اس سے بہت متاثر ہوئے اور جادو گروں کو مقدس سمجھنے لگے۔ اللہ جل شانہ نے جادو کا ضرر اور اس کی مذمت ظاہر فرمانے کے لئے دو فرشتوں کو بھیجا جن کا نام ہاروت اور ماروت (۱) تھا کہ وہ بحر کی حقیقت واضح کریں اور معجزہ اور بحر میں فرق ظاہر دجائے۔ اس میں لوگوں کا امتحان بھی مقصود تھا کہ دیکھا جائے کہ کون ایمان اور خیر کو اور کون کفر اور شر کو اختیار کرتا ہے۔ جب ان دونوں فرشتوں نے اپنا کام شروع کیا تو لوگ ان کے پاس آنے جانے لگے اور کہنے لگے کہ ہم کو بھی جادو کے اصول و فریادیں دو، دونوں فرشتے جب ان کو جادو کی کوئی چیز بتاتے تو پہلے یہ ظاہر کر دیتے تھے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے ہم کو اپنے بندوں کی آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے کہ ان چیزوں کو جان کر کون شخص اپنے دین کی حفاظت کرتا ہے جو شر سے بچ جائے اور کون شخص اپنے دین کو برباد کرتا ہے اور اپنے لئے شر کو اختیار کرتا ہے۔ یہ دو فرشتے کہتے تھے کہ ہم تم کو نصیحت کرتے

(۱) وما یفرضی منه العجب ما قاله الامام القرطبی ان هاروت و ماروت بدل من الشیاطین علی قراءۃ النشدید وما فی (وما انزل) نافہ والمراد من الملکین جبرائیل و میکائیل لان البہود زعموا ان اللہ تعالیٰ انزل لهما بقیا لکے صفحہ پر، کیجئے

میں اگر تم حاصل کرنا چاہتے ہو، اچھی نیت سے حاصل کرنا شروع کرو، پھر اسی نیت پر قائم رہنا شروع کرو، اور اس کو شروع میں استعمال نہ کرنا، ورنہ اس میں لگ کر ایمان برباد کر دو گے جو شخص ان سے اس طرح کا عہد، بیان کر لیتا تھا، اسے جاؤ کے اصول و فروغ بتا دیتے تھے اس کے بعد جو کوئی اپنے عہد پر قائم نہ رہتا اور اس جادو کو مخلوق کی ایذا رسانی کا ذریعہ بنالیتا تو وہ اس کا اپنا عمل تھا۔

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں: وهذاں الملکان انزلا لتعلیم السحر ابتلاء من اللہ تعالیٰ للناس فمن تعلم وعمل به کفر ومن تعلم وتوقی عملہ ثبت علی الایمان، واللہ تعالیٰ ان یمسح عبادہ بما شاء کما امسح قوم طالوت بالسحر و تسمیوا ببنہ و بین المعجزۃ حیث انه کثر فی ذلک الزمان و اظهر السحرۃ اموراً غریبۃ وقع الشک بها فی النبوة فبعث اللہ تعالیٰ الملکین لتعلیم ابواب السحر حتی بزیرا الشبه و یمیظا الاذی عن الطریق قبل کان ذلک فی زمن ادویس علیہ السلام (ص ۳۴۰ ج ۱) و مثله فی تفسیر ابن کثیر (ص ۱۳۷ ج ۱)۔ (یہ دونوں فرشتے) (ماروت و ماروت) (سحر) (جادو) کی تعلیم کیلئے اتارے گئے جس کا ایک مقصد تو من جانب اللہ لوگوں کی آزمائش کرنا تھا۔ پس جس نے اسے سیکھا اور اس پر عمل کیا وہ کافر ہو گیا اور جس نے سیکھا اور اپنے عمل کو بچایا وہ ایمان پر ثابت قدم رہا۔ اللہ تعالیٰ کو قہر ہے کہ وہ اپنے بندوں کی جس چیز سے چاہیں آزمائش کریں جیسا کہ اس نے قوم طالوت کی نمبر کے ذریعے آزمائش کی تھی۔ اور دوسرا مقصد سحر اور غجرہ کے مابین فرق کرنا تھا کیونکہ زمانہ میں سحر بہت زیادہ ہو گیا تھا اور ساحرین عجیب و غریب سحر انگیزیاں دکھا رہے تھے جس کے سبب نبوت کی پہچان میں شک واقع ہو رہا تھا۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں فرشتوں کو ابواب سحر کی تعلیم کیلئے بھیجا تاکہ وہ لوگوں کے شکوک و شبہات کازالہ کریں کہہ گیا ہے کہ یہ قہر حضرت ادویس علیہ السلام کے زمانہ میں پیش آیا۔

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص کسی عالم بائبل کے پاس جانے کہ مجھ کو فلسفہ قدیم یا جدید پر چھاپا ہے تاکہ وہ بھی شبہات سے محفوظ رہوں، اور مخالفین کو جواب دے سکوں اور اس عالم کو یہ احتمال ہو کہ کہیں ایسا نہ

ہو چھپتے تھے اے اے

بالسحر و فی الکلام نقدہم و ناخبر و النقدیر (وما کفر سلیمان) (وما انزل علی الملکین) (ولکن الشیاطین) (ہاروت و ماروت) (کفر و ابعلسون الناس السحر (ببابل) و علیہ فالبدل اما بدل بعض من کل ونص علیہما بالذکر لعمردہما و لکونہما راسا فی التعلیم) اور بدل کلی من کل امساء علی ان الجمع یطلق علی الاتین و علی أنہما عبارتان عن فیلبین من الشیاطین لم یکن غیرہما بہذہ الصفتہ و اعجب من قولہ ہذا قولہ و ہذا اولی ما حملت علیہ الایۃ من التاویل و اصح ما قبل فیہا و لا تلتفت الی ماسواہ و لا یحقی لدی کل مصنف انہ لا ینبغی للمؤمن حمل کلام اللہ تعالیٰ و ہو فی اعلی مراتب البلاغۃ و الفصاحۃ علی ما ہو ادنی من ذلک و ما ہو الامسح لکتاب اللہ تعالیٰ عز شانہ و احباط لہ عن شواہد (روح المعانی ۳۳۳ ج ۱) امام قرطبی کا قول خوب خیر ہے کہ وہ کہتے ہیں یہ وہ وہاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہی دو فرشتوں کو نازل کیا تھا۔ اور کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔ تقدیر کا نام یوں ہے اور سلیمان نے کفر نہیں کیا اور نہ ہی فرشتوں پر کچھ اتار دیا لیکن شیاطین یعنی ہاروت و ماروت نے کفر کیا وہ لوگوں کو شر بائبل میں سرکھینا تھے۔ اس قول کے مطابق ہاروت و ماروت کے شیاطین سے بدل ہونے کی دو صورتیں ہیں یا تو یہ شیاطین کا بدل انہیں ہوں گے۔ اس صورت میں ان کے ذکر کی تصریح یا تو ان کی سرکشی کی وجہ سے کی گئی یا اس وجہ سے کہ یہ تعلیم کر رہے ہیں دوسرے جنوں کے سردار تھے۔ یا یہ شیاطین کا بدل انکل ہوں گے اس صورت میں ان دونوں کے ذکر کی صراحت یا تو اس بنا پر ہے کہ جمع کا اطلاق وہ پر بھی ہوتا ہے یا اس بناء پر کہ ہاروت و ماروت سے شیاطین کے دو قبیلے مراد ہیں۔ ان دونوں قبیلوں کے علاوہ دوسرے شیاطین تعلیم کرنا نہیں کرتے تھے اور اس سے بھی زیادہ عجیب تر امام قرطبی کا یہ قول ہے کہ اس تاویل پر آیت کو قبول کرنا زیادہ مناسب ہے اور یہی اس آیت کے بارے میں صحیح ترین قول ہے و غیر احوال کی طرف التفات نہ کرنی چاہیے۔ کسی بھی انصاف پسند پر تحقیق نہیں کہ کسی مؤمن کے لئے اللہ تعالیٰ کے کلام کو جو کہ بافت و نصاحت کے اعلیٰ ترین مراتب میں ہے۔ اور فی مراتب پر قبول کرنا مناسب نہیں۔ یہی کتاب اللہ کی شان کہ جسے اس کے مقام و مرتبہ سے نیچا لانا ہے۔

ہو کہ مجھ کو مثلاً دھوکہ دے کر پڑھ لے پھر خود بھی تقویت باطل میں اس کا استعمال کرنے لگے اور اس احتمال کی وجہ سے اُس کو نصیحت کرے کہ ایسا مت کرنا اور وہ وعدہ کرے اور اس لئے اس کو پڑھا دیا جائے۔ لیکن پھر وہ شخص درحقیقت قصداً اسی سوء استعمال محتمل میں مبتلا ہو جائے، سو ظاہر ہے کہ اس کے سوء استعمال سے اُس معلم پر کوئی ملامت یا فتح عائد نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اس اطلاع سحر سے اُن فرشتوں پر کسی شبہ و وسوسہ کی گنجائش نہیں۔ (بیان القرآن)

جادو کے بعض اثرات..... پھر فرمایا فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ (یعنی وہ لوگ اُن دونوں فرشتوں سے وہ چیز سیکھ لیتے تھے جس کے ذریعہ میاں بیوی میں جدائی کر دیتے تھے) اس سے معلوم ہوا کہ جادو کے اثر سے وہ محبت والوں میں بغض پیدا ہو سکتا ہے اور میل محبت والوں میں جدائی ہو سکتی ہے۔ جادو کے ذریعہ اُس زمانہ کے لوگ کیا کیا حرکتیں کرتے ہوں گے کیا کیا ایذائیں دیتے ہوں گے اُن میں سے صرف ایک ایسی چیز کا ذکر فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ کو بہت ہی مبغوض اور شیطان کو بہت محبوب ہے اور وہ ہے میاں بیوی کے درمیان جدائی کر دینا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے پھر اپنی جماعتوں کو بھیجتا ہے اس کی جماعتوں کے افراد لوگوں کو فتنہ میں ڈالتے ہیں ابلیس کا سب سے بڑا مقرب ان میں سے وہ ہوتا ہے جو فتنہ ڈالنے میں سب سے بڑا ہو (فتنوں میں مبتلا کر کے اس کے نمائندے اس کے پاس آتے رجتے ہیں اور اپنا اپنا کمال ظاہر کرتے ہیں) ان میں سے ایک آکر کہتا ہے کہ میں نے ایسا ایسا کیا تو ابلیس کہتا ہے کہ تو نے کچھ بھی نہیں کیا۔ پھر اُن میں سے ایک آتا ہے وہ کہتا ہے کہ میں فلاں شخص کے پیچھے اتنا لگا کہ اس کے اور اُس کی بیوی کے درمیان میں نے جدائی کر دی اُس کی یہ بات سن کر ابلیس اُسے قریب کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہاں تو نے کام کیا ہے۔ حضرت امّش (راوی حدیث) فرماتے ہیں کہ مجھے جہاں تک یاد ہے اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ ابلیس اس کو چٹا لیتا ہے، جس نے میاں بیوی میں جدائی کرادی۔ (صحیح مسلم ص ۶۳۷ ج ۲)

جادو کا اثر باذن اللہ ہوتا ہے..... پھر فرمایا وَمَا هُمْ بِضَالِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (یہ لوگ جادو کے ذریعہ کسی کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اللہ کے حکم سے) اس میں یہ بات واضح طور پر بتا دی کہ جادو کے زور سے جو کچھ ہوتا ہے وہ بھی اللہ کی مشیت اور ارادہ سے ہی ہوتا ہے جو ظاہری اسباب لوگوں کے سامنے ہیں مثلاً آگ سے جل جانا اور چاقو چھری سے زخم ہو جانا اور بعض مشہور وادہاں کے کھانے سے اسہال ہو جانا اور روٹی سے پیٹ بھر جانا اور پانی سے سیراب ہو جانا اس طرح کی چیزیں چونکہ روزانہ مشاہدہ میں آتی ہیں اس لئے ان کو کچھ عجیب نہیں سمجھا جاتا اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ چاہے تو آگ نہ جلائے (جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ نے کچھ اثر نہیں کیا) اور اللہ تعالیٰ چاہے تو چھری سے کچھ بھی نہ کئے (جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چھری زنج نہ کر سکی) اور اللہ تعالیٰ چاہے تو خوب زیادہ کھانے سے بھی پیٹ نہ بھرے (جیسا کہ جوع البقر کا مریض کھاتا ہی رہتا ہے اور اُس کا پیٹ نہیں بھرتا) اور جیسا کہ استقواء کا مریض پیتا ہی رہتا ہے مگر پیاس نہیں بجھتی جادو کے ذریعہ جو کچھ ہوتا ہے اس کے بھی اسباب ہوتے ہیں لیکن وہ اسباب پوشیدہ ہوتے ہیں انظروں کے سامنے نہیں ہوتے اس لئے جادو کے اثر سے ظاہر ہونے والی چیزوں کو لوگ تعجب سے دیکھتے ہیں اور کم علم اور کم فہم جادو گروں کے بہت زیادہ معتقد ہوجاتے ہیں اور بہت سے جاہل پیر تنہو بہت جادو یا سمریزم کا کام سیکھ کر جاہلوں کو معتقد بنانے کا کارہ بار بھی کر لیتے ہیں جادو کا اثر بھی جیسی ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہو پھر جب اللہ چاہتا ہے تو جادو کٹ بھی جاتا ہے۔ جب جادو گر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں آئے تو انہوں نے فرمایا: مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ إِنَّ اللَّهَ سَيُبْطِلُهُ۔ (تم جو کچھ لائے ہو وہ جادو ہے بے شک اللہ تعالیٰ عنقریب اس کو نیست و نابود کر دے گا)۔ بڑے بڑے جادو گروں کا عمل

سورۃ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور سورۃ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کے ذریعہ ختم ہو جاتا ہے

جادو کے اسباب خفیہ..... جادو کے پوشیدہ اسباب کئی طرح کے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ شیاطین سے مدد حاصل کرنے کے لئے ان کو خوش کیا جاتا ہے اور اس کے لئے کبھی ایسے الفاظ اور کلمات پڑھے جاتے ہیں جو کفر و شرک کے کلمات ہوں اور جن میں شیاطین کی تعریف کی گئی ہو اور کبھی ستاروں کی عبادت کی جاتی ہے کبھی ایسے اعمال اختیار کئے جاتے ہیں جو شیطان کو پسند ہیں مثلاً کسی کو ناحق قتل کر کے اس کا خون استعمال کرنا یا جنابت کی حالت میں رہنا اور نجاست میں ملوث رہنا اسی لئے زیادہ کامیاب جادو ان لوگوں کا ہوتا ہے جو گندے اور نجس رہتے ہیں، اور جو طہارت سے اور اللہ تعالیٰ کے نام سے دور بھاگتے ہیں اور ان کو خبیث کاموں کی عادت ہوتی ہے، جادو گر عورتیں حیض کے زمانہ میں جادو کرتی ہیں جو زیادہ موثر ہوتا ہے عموماً خبیث شیاطین جادو گروں کے مدد طلب کرنے سے کام کر دیتے ہیں دیکھئے! لا سمجھتا ہے کہ یہ جادو گر کے کسی کرتب سے ایسا ہو گیا۔ جس طرح فرشتے ان حضرات کی مدد کرتے ہیں جو متقی ہوں اور طہارت اور پاکیزگی کو اختیار کرتے ہوں اور بدو اور نجاست سے دور رہتے ہوں اللہ کے ذکر اور اعمال خیر میں لگے رہتے ہوں اسی طرح شیاطین ان لوگوں کے مددگار ہوتے ہیں جو قول اور فعل اور اعتقاد کے اعتبار سے خباثت اور نجاست میں شیاطین کی طرح سے ہوں۔ کیونکہ تعاون کے لئے تناسب ضروری ہے۔ (من روح المعانی ص ۳۲۸ ق ۱)

سحر و فرعون کا عمل..... مفسرین کثیر نے ابو عبد اللہ رازی سے سحر کی آٹھ قسمیں نقل کی ہیں۔ ان میں سے قوت خیالیہ کا اثر اور نظر بندی اور شعبدہ اور دواؤں کا استعمال کرنا بھی ذکر کیا ہے ان میں جو شعبدہ اور ہاتھ کی صفائی یا قوت خیالیہ یا دواؤں کا استعمال ہے اس کو مجازاً جادو کہہ دیا گیا ہے نظر بندی کو بطور مثال ایسا سمجھ لیا جائے جیسے ریل میں بیٹھے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ زمین بھی ساتھ ساتھ جا رہی ہے۔ جیسے پلیٹ فارم پر وہ گاڑی چل رہی ہو جس میں ہم بیٹھے ہیں تو نظر کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ برابر کی گاڑی چل رہی ہے، حضرت موبی علیہ السلام کے مقابلے میں جو جادو گر آئے تھے ان کے بارے میں ارشاد ہے۔ يُخَيِّلُ إِلَيْهِ بَنُ سَبْحَرِهِمْ أَنَّهُمْ تَسْعِي (کہ ان کے جادو کی وجہ سے موبی علیہ السلام کے خیال میں یوں معلوم ہو رہا تھا کہ یہ رسیاں اور لائٹیاں دوڑ رہی ہیں) یہ سورۃ طہ میں ہے اور سورۃ اعراف میں ارشاد ہے۔ فَلَمَّا الْفُؤَا سَخَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءُوا بِسَبْحَرٍ عَظِيمٍ (کہ جب انہوں نے اپنی لائٹیاں اور رسیاں ڈالیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان پر بیہوشی غالب کر دی اور بڑا جادو لے کر آئے)۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جادو گروں نے اپنے جادو سے لوگوں کی نظر بندی کر دی تھی جس کے اثر سے حضرت موبی علیہ السلام بھی ان لائٹیوں اور رسیوں کو سانپ سمجھنے لگے اور ان کے دل میں تھوڑا سا خوف بھی آ گیا۔ سورۃ طہ میں ہے کہ فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةُ مُوسَى (موسیٰ نے اپنے جی میں خوف محسوس کیا) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ: لَا تَخَفْ إِنَّمَا أَنْتَ الْاَعْلَىٰ. وَالَّذِي مَابَعِي يَمِينُكَ تَلَقَّفَ مَا صَنَعُوا إِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدٌ سَاجِدٌ ط وَلَا يُفْلَحُ السَّاجِدُ حَيْثُ أَتَىٰ

(کہ تم ڈرو نہیں تم ہی غالب رہو گے یہ جو تمہارے ہاتھ میں ہے اس کو ڈال دو انہوں نے جو کچھ کرتب کیا ہے اس کو تمہاری لائٹی نکل جائے گی۔ انہوں نے جو کچھ بنایا ہے یہ صرف جادو کا کمر ہے اور جادو گر جہاں بھی ہو کامیاب نہیں ہوتا)

معجزہ اور سحر میں فرق..... جیسا کہ پہلے ہم نے عرض کیا کہ سحر کا اثر بھی اسباب کے تحت ہوتا ہے وہ اسباب عام لوگوں کے سامنے نہیں ہوتے۔ اور جادو گروں کو ان پوشیدہ اسباب کا پتہ ہوتا ہے۔ اب رہا حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا معجزہ تو اس میں کوئی سبب ظاہر یا پوشیدہ نہیں ہوتا اس میں با واسطہ اللہ تعالیٰ شانہ کا فعل تھینہ موثر ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ کا ٹھنڈا ہونا اور حضرت

موبی علیہ السلام کے لاشی مارنے سے سمندر کا پھٹ جانا اور پتھروں سے چشموں کا بہہ جانا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مٹھی خاک پھینک دینے سے کافروں کی آنکھوں میں پہنچ جانا۔ مبارک انگلیوں سے پانی کا جاری ہو جانا اور تھوڑی چیز کا زیادہ ہو جانا تھوڑے سے آنے کی روٹیاں کئی سو آدمیوں کے لئے کافی ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کسی سبب کے تحت نہیں تھا ختم نبوت کے بعد ایک مسلمان کو یہ عقیدہ رکھنا کہ اب کوئی نبی نہیں آ سکتا ہر مدعی نبوت ساحر کے کرتبوں کی عقیدت سے اسے محفوظ رکھ سکتا ہے اور اوپر جو معجزہ اور سحر کا فرق ظاہر ہو گیا اس کے علاوہ دونوں میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ سحر گندے اور ناپاک لوگوں سے ظاہر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے نبی ظاہرین اور صالحین بندے تھے۔ اس لئے بھی دُشمنوں میں اشتباہ نہیں ہو سکتا۔ اور صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی جادوگر کو یہ طاقت نہیں دی کہ دریا کو پھاڑ دے، میاں دروں کو زندہ کر دے یا جمادات سے بات کرا دے اور ان کے علاوہ بھی اُن میں سے کسی کو ایسی چیز پر قدرت نہیں دی جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات تھے۔ (ص ۳۳۹ ج ۱) نیز صاحب روح المعانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ بعض محققین نے سحر اور معجزہ کے درمیان یوں فرق بتایا ہے کہ معجزہ تعہدی کے ساتھ ہوتا تھا یعنی صاحب نبوت کے ہاتھ پر جو کوئی معجزہ ظاہر ہوا اس کی طرف سے نبوت کا دعویٰ ہوتا تھا اور جو معجزہ اس سے ظاہر ہوتا تھا، وہ اس کے مقابلہ میں اس طرح کی چیز پیش کرنے کا چیلنج بھی کرتا تھا اور یہ صورت کسی جادوگر اور جھوٹے مدعی نبوت کے ہاتھ پر ظاہر نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی عادت مسترہ یوں ہی رہی ہے۔ (ص ۳۳۹ ج ۱) اور اب تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت ہی ختم ہے۔ بہتیرے جھوٹے مدعی نبوت پیدا ہوئے اگر کسی نے کوئی کرب و کھایا بھی تو شہید ہوا اور سب جھوٹے اپنے کفر کردار کو پہنچے۔ جادوگر تعہدی یعنی چیلنج نہیں کر سکتے وہ تو مقابلہ سے ڈرتے رہتے ہیں اور ایک جادوگر دوسرے جادوگر کا کاٹ کر دیتا اور تماشاؤں کھانے والے جادوگر ہوں کو دیکھا ہے کہ بانسری بجتے بجتے اس کی آواز ختم ہو جاتی ہے اور مجمع میں کھڑا دوا دوسرا جادوگر اس کی آواز بند کر دیتا ہے۔ کسی نبی کے کسی معجزہ کے موافق کوئی کر کے نہیں دیکھا کہ اس کی کاٹ کر۔ کالہ تاریخ اس کی شاہد ہے۔

کرامت اور سحر میں فرق بہت سے اولیاء اللہ سے کرامت بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔ حسب تحقیق صوفیاء کرام اس کرامت سے اقرب الی اللہ میں اور رفع درجات میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ اور بہت مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ صاحب کرامت کو اپنی کرامت کا پتہ بھی نہیں چلتا اس لئے محقق صوفیہ کے نزدیک کرامت کی کوئی اہمیت نہیں۔ شاید کسی کو یہ اشکال ہو کہ معجزہ اور سحر میں تو فرق ظاہر ہو گیا اب نبوت باقی بھی نہیں رہی تا کہ کسی کو دھوکہ ہو سکے لیکن اولیاء اللہ تو ہوتے ہیں اور ان سے کرامت کا صدور ہونا ممکن ہے۔ پھر کرامت اور جادو میں فرق ظاہر کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ سمجھ لینا چاہیے کہ کرامت اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں سے ظاہر ہوتی ہے جو عبادت میں اور ذکر اللہ میں اور اطاعت اور فرمانبرداری میں مشغول رہتے ہیں۔ پاک صاف ہوتے ہیں۔ نجاست سے بچتے ہیں۔ جنابت ہو جانے پر جلدی غسل کر لیتے ہیں اور جادو اُن لوگوں کا کام ہے جو گندے اور ناپاک ہوتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے نام سے پیر ہوتا ہے اور جو اللہ کی عبادت سے دور بھاگتے ہیں۔ نجاست اور خباثت اور جنابت میں مملوث اور متلبس رہنا اُن کا مزاج بن چکا ہوتا ہے، جو شخص یہ کہے کہ میں ولی صاحب کرامت ہوں اور اُس کا حال وہ ہو جو شیاطین اور اُس کے دوستوں کا ہوتا ہے یعنی طاعت و عبادت اور ذکر اللہ سے دور اور نجاست و جنابت اور خباثت سے۔ پھر اس کے ولی ہونے کا خیال کسی مسلمان کو نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس کے کرتب کو کرامت کہا جاسکتا ہے۔

سحر فسق بھی ہے اور کفر بھی صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں کہ سحر کے فسق یا کفر وغیرہ ہونے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس کے کلمات کفریہ ہوں مثلاً استعانت بہ شیاطین یا کواکب وغیرہ تب تو کفر ہے۔ خواہ اس سے کسی کو ضرر پہنچایا جائے یا نفع پہنچایا جائے اور اگر

کلمات مباحہ ہوں تو اگر کسی کو خلاف افون شرعی کسی قسم کا ضرر پہنچایا جائے یا اور کسی غرض ناجائز میں استعمال کیا جائے تو فسق اور معصیت ہے اور اگر ضرر نہ پہنچایا جائے نہ اور کسی غرض ناجائز میں استعمال کیا جائے تو اس کو عرف میں سحر نہیں کہتے بلکہ عمل یا غریمت یا تعویذ گندہ کہتے ہیں اور مباح ہے۔ البتہ لغت میں لفظ سحر اس کو بھی شامل ہے کہ ہر تصرف عجیب کو کہا جاتا ہے اور اگر کلمات مفہوم نہ ہوں تو وہ بوجہ احتمال کفر ہونے کے واجب الاحتراز ہے اور یہی تفصیل سے تمام تعویذ گندوں اور نقش وغیرہ میں کہ غیر مفہوم نہ ہوں اور غیر شروع نہ ہوں اور غرض ناجائز میں استعمال نہ ہوں، اتنی شرطوں سے جائز ہیں ورنہ ناجائز، اور کفر عملی کا اطلاق ہر ناجائز پر صحیح ہے۔

پھر فرمایا: وَيَعْلَمُونَ مَا يُصَرُّهُمْ وَلَا يُنْفَعُهُمْ (کہ: لوگ ایسی چیز دیکھتے تھے جو ان کو ضرر دینے والی تھی نفی تھی) علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں جاؤ کی وجہ سے نقصان پہنچے گا۔ اگرچہ دنیا میں ذرا بہت نفع کمالیں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ دنیا میں بھی ان کے لئے ضرر ہے کیونکہ جاؤ کا ضرر جاؤ گر کو پہنچ جاتا ہے۔ حکومت اسلام اس کو سزا دے گی اور جاؤ گری کی بدبختی اس کو لاحق ہوگی۔ اھ

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ وَلَا يُنْفَعُهُمْ ماقبل پر موقوف ہے اور اس میں یہ بتایا ہے کہ جاؤ خالص شر ہے اور ضرر محض ہے ایسا نہیں کہ جیسی بعض ضرر والی چیزیں نفع بھی دے جاتی ہیں۔ (جیسے زہر کا گشہ اور وہ دوا میں مفید ہو جاتا ہے)۔ اس لئے کہ جاؤ گر جاؤ دیکھ کر جاؤ گری کی باتوں سے محفوظ رہنے کا ارادہ نہیں کرتا تا کہ فی الجملہ کوئی نفع متصور ہو سکے اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ سیاق آیت سے یہ ظاہر ہے کہ وہ دونوں جہان میں غیر نافع ہے کیونکہ اس کا طلق نہ امور معاش سے ہے اور نہ معاد سے اور آیت میں جاؤ سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے اھ اگر کوئی شخص کبھی کوئی نفع جاؤ کے ذریعہ کسی مسلمان کو اس طرح کا پہنچا دے کہ مسلمانوں سے دفع ضرر کرے تو گویہ ایک نفع ہے لیکن چونکہ ایسا بہت کم ہوتا ہے اور عام طور پر جاؤ گر بے دین ہی ہوتے ہیں اس لئے عمومی طور پر جاؤ و مطلقاً ضرر دینے والی چیز ہوئی۔ کوئی بھی جاؤ گر ایسا نہیں دیکھا گیا جس نے جاؤ کے زور پر دنیا جمع کر لی ہو، جائیداد حاصل کر لی ہو یا حکومت پر قابض ہو گیا ہو۔ ان لوگوں کو ہمیشہ بد حالی میں دیکھا جاتا ہے دین اور اعمال دین سے اور طہارت اور ذکر و عبادت سے تو دور ہوتے ہی ہیں دنیاوی اعتبار سے بھی میلے کچیلے اور پھٹے پڑے کپڑوں میں رہتے ہیں۔ تماشے دکھا کر یا لوگوں کے کہنے سے دوسروں پر جاؤ کر کے تھوڑے بہت پیسے وصول کرنے سے زندگی گزارتے ہیں اور چند بیسوں کے لئے دوسروں پر جاؤ کر دیتے ہیں ان کی دنیا و آخرت کی تباہی نظروں کے سامنے ہے۔

اس کے بعد فرمایا: وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَقٍ (یعنی کتاب اللہ کو چھوڑ کر جو یہ وہی جاؤ کے پیچھے لگے انہیں معلوم ہے کہ جس نے جاؤ حاصل کیا اور کتاب اللہ کو چھوڑا ان کو اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ یہ سب جاننے کے باوجود انہوں نے جاؤ اختیار کر کے کفر عمل کیا)

پھر فرمایا: لَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ کہ انہوں نے اپنی جانوں کو جو بیچ دیا یعنی جانوں کے بدلہ جاؤ اور کفر خرید لیا اور اپنی جانوں کو دنیا اور آخرت کی نعمتوں سے محروم کر کے مبتلائے عذاب کر دیا۔ یہ بہت بُرا سودا کیا۔ اگر وہ اس کو جانتے تو ایسا نہ کرتے۔ فی روح المعانی لو كانوا يعلمون ای مذمومۃ الشراء المذكور لا تمتنعوا عنه۔ (س ۳۴۶ ج ۱) وفی معالم التنزیل باعوا به أنفسهم (ای) حظ أنفسهم حیث اختاروا السحر والكفر علی الدین والحق۔ (س ۱۰۲ ج ۱)

مفسرین نے اشکال کیا ہے کہ پہلے تو لَقَدْ عَلِمُوا فرمایا پھر لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ فرمایا اس میں بظاہر تعارض ہے۔ پھر اس کے دو تین جواب دیئے جن میں سے ایک جواب یہ ہے کہ ان کا جاننا نہ جاننے کے درجہ میں ہے۔ جب ضرر جانتے ہوئے کسی چیز کو اختیار کیا اور ایمان

سے منہ موڑا گیا کہ وہ جاننے کے باوجود نہیں جانتے۔ روح المعانی میں یہ بھی لکھا ہے کہ انہوں نے کتاب اور عذاب کو جاننا لیکن اس کی حقیقت اور شدت کو نہیں جانا، وَالَّذِينَ كَانُوا يُعْلَمُونَ کا مفعول محذوف ہے۔

پھر فرمایا لَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا (الآیۃ) یعنی یہ لوگ اگر اللہ کے پیغمبروں پر ایمان لاتے (جس میں خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا بھی شامل ہے) اور کفر و مباحی سے بچتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں اس کی جزا دی جاتی۔ جو اس سے بہتر ہے جس کے بدلہ انہوں نے اپنے نفسوں کو بیچا۔ اگر وہ جانتے ہوتے تو آخرت کے ثواب کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے اور خیر کی طرف بڑھتے۔ آخرت کا تھوڑا سا ثواب بھی فانی دنیا کے بہت بڑے نفع سے بھی بہتر ہے۔ باقی اور فانی کا فرق خود سمجھ لینا چاہیے۔

جاؤ و گر کی کیا سزا ہے اس کے بارے میں تفصیل ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ منقول و مشہور ہے کہ جاؤ و گر طلی الاطلاق قتل کیا جائے۔ جب یہ معلوم ہو کہ جاؤ و گر ہے اس کا یہ کہنا کہ میں اب سے جاؤ نہ کروں گا تو یہ کرتا ہوں قبول نہیں کیا جائے گا۔ (ص ۳۳۹ ج ۱)

ملاطی قاری رحمۃ اللہ علیہ تکملہ شرح فتح اکبر میں لکھتے ہیں کہ جو سحر کفر ہے اس کا اختیار کرنے والا مرتد ہو جانے کی وجہ سے قتل کیا جائے گا اور جاؤ و گر عورت قتل نہیں کی جائے گی اس لئے کہ مرتد ہو کر قتل نہیں کیا جاتا (وہ ہمیشہ قید میں رہے گی الا ان تصوب) اور جو سحر فسق کے مرتبے میں ہو اس میں سحر کی وجہ سے قتل نہ ہوگا لیکن اگر کوئی ایسا کام ہو جس سے کسی انسان کی ملاکت ہوگئی یا مریض ہو گیا یا میاں بیوی میں جھگڑائی کراوی ہو تو زمین میں فساد کرنے کی وجہ سے قتل کیا جائے گا اور اس صورت میں ساحر اور ساحرہ و ذوال قتل کئے جائیں گے کیونکہ اس کی علت ارتداد انہیں بلکہ فساد فی الارض ہے۔ اہ حضرت جندب بن کعب صحابی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک آدمی کھیل کر رہا ہے اس نے ایک شخص کو زنج کر دیا اور اس کا سر جھڑا کر دیا پھر اس کا سرہ ایس جوڑ دیا۔ لوگوں نے دیکھا تو چیخ اٹھے اور کہنے لگے کہ سبحان اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے حضرت جندب نے تاؤ و زکالی اور اس جاؤ و گر کی گردن مار دی اور فرمایا اگر یہ سچا ہے تو اپنے نفس کو زندہ کرے۔ حضرت جندب کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ بضرب ضربة فیکون امۃ واحدة کہ یہ ایک ایسی تاؤ و مارے گا جس کی وجہ سے یہ تباہ ایک امت کے برابر رہ جائے گا۔ (الاصابة فی تمییز الصحابہ ص ۲۵۰ ج ۱)

چونکہ اس جاؤ و گر کے قتل سے لوگ متاثر ہو کر یوں سمجھ رہے تھے کہ یہ شخص مردوں کو زندہ کرتا ہے اس لئے رفع فساد کی وجہ سے اس کا قتل ضروری ہوا۔

تفسیر قرطبی میں اس قصے کو اس طرح لکھا ہے کہ ولید بن عقبہ (امیر عراق) کے پاس ایک شخص رسی پر چل رہا تھا اور گدھے کے پیچھے سے اس کی دم میں داخل ہوتا تھا اور اس کے منہ سے نکل جاتا تھا۔ حضرت جندب نے اس کو قتل کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں وہ شخص ہوگا جس کو جندب کہا جائے گا وہ ایک مرتب ایسی تاؤ و مارے گا جس سے حق اور باطل کے درمیان تفریق کر دے گا۔ (ص ۳۷۷ ج ۲)

مسئلہ..... اگر قرآن وحدیث کے کلمات ہی سے عمل کیا جائے مگر ناجائز مقصد کے لئے استعمال کریں تو وہ بھی جائز نہیں۔ مثلاً کسی کو ناحق ضرر پہنچانے کے لئے کوئی تعویذ کیا جائے یا وظیفہ پڑھا جائے۔ اگرچہ وظیفہ اسماء البیہ یا آیات قرآنیہ ہی کا ہو وہ بھی حرام ہے۔ (معارف القرآن)

مسئلہ..... تعویذ گنڈے وغیرہ جو عامل کرتے ہیں ان میں بھی اگر جنات، شیطین سے استمداد ہو تو نجس سحر ہیں اور حرام ہیں اور اگر الفاظ

مشتبہ: وہ معنی معلوم نہ ہوں اور شیاطین اور بتوں سے استدھاد کا احتمال ہوتا بھی حرام ہے۔

فائدہ..... عام طور پر عوام میں ایک قصہ مشہور ہے جو باروت ماروت اور زہرہ کے بارے میں ہے کہ ان دونوں فرشتوں کو قوت شہوانیہ دے دی گئی تھی، اور زمین میں اُتار دیے گئے تھے۔ وہ زمین میں آئے تو زہرہ سے شہوت والی مطلب براری کا ارادہ کیا اور اس کو آمادہ کرنے کی کوشش کی اس پر اس نے ان سے اسم اعظم پوچھ لیا جس کے ذریعہ وہ آسمان پر چلی گئی اور وہاں ستارہ بن گئی۔ ان دونوں فرشتوں سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دنیا کا عذاب چاہتے ہو یا آخرت کا۔ تو انہوں نے دنیا کے عذاب کو آخرت کے عذاب پر ترجیح دی اور وہ بابل کے کنویں میں اُلٹے لٹکے ہوئے ہیں اور قیامت تک عذاب ہوگا۔ اس قصہ کو علامہ ابن جوزی نے دو طریق سے نقل کیا ہے۔

علامہ قرطبی اور صاحب روح المعانی نے بھی اس قصہ کی تردید کی ہے۔

قال القسطلی أنه قول تدفعه الأصول في الملائكة هم أماء الله على وحيه وسفروا له إلى رسله لا يعصون الله ما أمرهم ويفعلون ما يؤمرون، بل عبادة مكرمون لا يستغفرونه بالقول وهم بأمره يعملون. يستحقون الليل والنهار لا يفترون O وأما العنل فلا ينكر وقوع المعصية من الملائكة وان يوجد منهم خلاف ما كلفوه ويخلق فيهم الشهوات اذ في قدرة الله تعالى كل موهوم ومن هذا خوف الانبياء والاولياء الفضلاء العلماء لكن وقوع هذا السجائز لا يدرك الا بالسمع ولم يصح. (ص ۵۲ ج ۲) (قرطبی) کہتے ہیں کہ یہ ایسا قول ہے جس سے ملائکہ کے بارے میں قرآنی اصول کی تردید ہوتی ہے۔ وہ اللہ کی وحی کے امین ہیں اور اللہ کے سفیر ہیں جنہیں وہ اپنے رسولوں کی طرف بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ انہیں جو حکم دے وہ اس میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے بلکہ وہ ایسے بندے ہیں جو عزت دیے گئے ہیں بات کرنے میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور اسی کے حکم کے مطابق کام کرتے ہیں رات دن اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور تھکتے نہیں۔ اور گو قتل اس کا انکار نہیں کرتی کہ فرشتوں سے معصیت وقوع میں آئے اور یہ کہ وہ جس امر کے مکلف بنائے گئے ہیں اس کے خلاف کا ان سے صدمہ نہ دیا ان میں شہوات تخلیق کر دی جائیں۔ کیونکہ بروہم میں آنے والی شے اللہ تعالیٰ کے اختیار و قدرت کے دائرہ میں ہے۔ انبیاء، اولیاء وغیرہ کا اللہ تعالیٰ سے ڈرنا بھی اسی سبب سے ہے۔ لیکن کیا حقیقت بھی یہ چیز وقوع پذیر ہوئی ہے تو اس کا ادراک سامع پر منحصر ہے اور سامع اس کی صحت ثابت نہیں)

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں:

قد أنكره جماعة منهم القاضي عياض وذكر أن ما ذكره أهل الاخبار ونقله المفسرون في قصة هاروت وماروت لم يرمه شيء لا سقيم ولا صحيح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم. وليس هو شياً بوخذ بالغياس، و ذكر في البحر أن جميع ذلك لا يصح منه شيء، ولم يصح أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يلعن الزهرة. ولا ابن عمر رضي الله تعالى عنهما خلافاً لمن رواه وقال الامام الرازي بعد أن ذكر الرواية في ذلك ان هذه الرواية فاسدة مردودة غير مقبولة ونص الشهاب العراقي..... على أن من اعتقد في هاروت وماروت أنهما ملكان يعذبان على خطيئتهما مع الزهرة فهو كافر بالله تعالى العظيم فان الملائكة معصومون لا يعصون الله ما أمرهم ويفعلون ما يؤمرون، بل عبادة مكرمون لا يستكبرون عن عبادته ولا يستخبرون. يستحقون الليل والنهار لا يفترون O والزهرة كانت يوم خلق الله تعالى السموات والارض والقول بأنها تمثلت لهما فكان ما كان وردت إلى مكانها غير معقول ولا مقبول، واعترض الامام السيوطي على من أنكر القصة بأن الامام احمد وابن حبان

والبیہقی وغیرہم رووا مرفوعۃ و موقوفۃ علی علی وابن عباس وابن عمر و ابن مسعود رضی اللہ عنہم باسانید صحیحۃ یکاد الواقف علیہا یقطع بصحتها لکثرتها وفرة مخرجها وذهب بعض المحققین ان ماروی مروی حکایۃ لما قالہ الیہود وهو باطل فی نفسہ وبطلانہ فی نفسہ لانفا فی صحتہ الروایۃ ولا یرد ما قالہ الامام السیوطی علیہ انما یرد علی المنکرین بالکلیۃ (ص ۳۴۱ ج ۱) اقول صحتہ السند لا تستلزم صحتہ الروایۃ فان من لوازم الصحتۃ اشیاء آخر غیر صحتہ السند ذکرہا العلماء فی کتب الاصول، فلو صح بعض الاسانید علی رأی الامام السیوطی لا يستلزم منه قبول الروایۃ (ایک جماعت نے اس قصہ کا انکار کیا ہے، ان کے قاضی عیاض بھی ہیں وہ کہتے ہیں کہ محدثین و مفسرین نے ہاروت و ماروت کے قصہ میں جو کچھ ذکر کیا ہے ان میں سے کچھ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں نہ صحیح نہ ضعیف اور نہ ہی وہ ایسی شے ہے جسے قیاس کے ذریعہ اخذ کیا جاسکتا ہو اور بحر میں ذکر کیا گیا ہے کہ ہاروت و ماروت کے قصہ میں جو احادیث بیان کی گئی ہیں ان میں سے کوئی حدیث بھی صحیح نہیں اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابن عمرؓ ہرہ ستارے پر اہنت کیا کرتے تھے۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ امام رازئیؒ نے اس قصہ کے بارے میں روایت ذکر کرنے کے بعد کہا کہ یہ روایت فاسد مردود اور غیر مقبول ہے۔ اور شہاب عراقی نے تصریح کی ہے کہ جو شخص ہاروت و ماروت کے بارے میں یہ اعتقاد رکھے کہ وہ دو فرشتے ہیں جنہیں زہرہ کے ساتھ گناہ کا مرتکب ہونے کے سبب عذاب دیا جا رہا ہے تو وہ شخص کافر ہے کیونکہ فرشتے معصوم ہیں۔ ارشاد باری ہے اللہ تعالیٰ انہیں جو حکم دے وہ اس میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم ہوتا ہے۔ وہ اللہ کی عبادت سے سرکشی نہیں کرتے اور کابلی نہیں کرتے، دن رات اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور تھکتے نہیں۔ اور زہرہ ستارہ اس وقت وجود میں آیا جس وقت اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی تخلیق کی۔ اس کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ ہاروت و ماروت کیلئے مثل عورت کے بنا دی گئی پھر جو ہوا سو ہوا اس کے بعد اسے اس کے مقام پر لوٹا دیا گیا۔ یہ سب غیر مقبول اور غیر مقبول ہے۔ امام سیوطیؒ نے اس قصہ کے منکرین پر یہ اعتراض کیا ہے کہ امام احمد ابن حنبل اور بیہقی وغیرہ نے اس قصہ کو مرفوعاً اور متوفاً حضرت علی ابن عباسؓ ابن عمرؓ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے صحیح اسانید کے ساتھ نقل کیا ہے ممکن ہے جو شخص ان روایات پر مطلع ہو وہ روایات کی کثرت اور ان کے ناقلین کی عظمت شان کے پیش نظر ان کی صحت کا یقین کر بیٹھے۔ بعض محققین نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس قصہ کے بارے میں جو کچھ مروی ہے وہ یہود کے قول کی حکایت ہے اور یہود کا قول فی نفسہ باطل ہے اور اس کا فی نفسہ باطل ہونا روایت کی صحت کے منافی نہیں ہے لہذا امام سیوطیؒ کا اعتراض صرف اس پر وارد ہوگا جو سرے سے روایت ہی کی صحت کا منکر ہو۔ میں کہتا ہوں سند کی صحت روایت کی صحت کو مستلزم نہیں کیونکہ روایت کی صحت کے لوازم میں سے سند کی صحت کے علاوہ بھی کچھ چیزیں ہیں جنہیں علماء نے کتب اصول میں ذکر کیا ہے۔ پس اگر امام سیوطیؒ کی رائے کے مطابق بعض اسانید صحیح بھی ہوں تو ان کی صحت قبول روایت کو مستلزم نہیں)۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ

اے ایمان والو! تم لفظ راعنا نہ کہو اور لفظ انظرنا کہو، اور سنو! اور کافروں کے لئے

عَذَابٌ أَلِيمٌ

دردناک عذاب ہے۔

رَاعِنَا کہنے کی ممانعت اور یہود کی شرارت

یہودیوں کی بہت سی شرارتوں میں سے ایک یہ بات تھی کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو لفظ رَاعِنَا کہتے تھے۔ یہ عربی زبان کا لفظ بھی ہے اور عبرانی زبان میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ عربی میں اس کے معنی یہ ہیں کہ ہماری رعایت کیجئے اور عبرانی زبان میں یہ لفظ بدو کا معنی میں ہے۔ یہ لوگ شرارت سے بدو کا دینے کی نیت سے اس لفظ کا استعمال کرتے تھے تاکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے سُننے والے یہ سمجھیں کہ یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ ہماری رعایت فرمائیے اور ہماری طرف توجہ فرمائیے اور اندر سے دل میں بُرے معنی کی نیت کرتے تھے۔ سورہ نساء میں فرمایا: يَقُولُونَ سَمِعْنَا وَغَضِبْنَا وَاسْمَعُ غَيْرُ مُسْمَعٍ وَرَاعِنَا لَبِئْسَ لَهُم بِالسَّمْعِ وَظَعْنًا فِي الذُّنُوبِ۔ مسلمان عربی زبان کے اعتبار سے رَاعِنَا بِنَا مُحَمَّدٌ کہتے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ یہودیوں کی زبان جانتے تھے انہوں نے محسوس کر لیا کہ یہودی رَاعِنَا بِنَا مُحَمَّدٌ کہتے ہیں ادراپس میں ہتے ہیں۔ لہذا انہوں نے یہودیوں سے کہا کہ آئندہ تم میں سے کسی نے یہ لفظ بولا تو میں گروں مار دوں گا۔ وہ کہنے لگے کہ تم لوگ بھی تو کہتے ہو اس پر یہ آیت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی کہ اے مسلمانو! تم رَاعِنَا نہ کہو اس کی بجائے لفظ انظرونا کہو اس کا معنی دہی ہے کہ ہماری طرف دیکھئے اور توجہ فرمائیے۔ لہذا وہ لفظ بولنا چاہیئے جس کے معنی میں دوسرے معنی کا اشتباہ نہ ہو سکے اور یہودی یہ نہ کہہ سکیں کہ تم بھی لفظ رَاعِنَا بولتے ہو وہ ہم نے بھی بول دیا۔ نیز مسلمانوں سے خطاب ہوا کہ تم بات کو سنو اور اطاعت کرو اور یہ بھی فرمایا کہ کافروں کے لئے عذاب الیم ہے وہ آخرت میں اپنی حرکتوں کی دردناک سزا پالیں گے۔ (من۔ عالم انٹریل ص ۱۰۲ ج ۱)

بیان القرآن میں لکھا ہے کہ اس حکم سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر اپنے کسی فعل مباح سے کسی کو گنجائش گناہ کرنے کی ملے تو وہ فعل خود اس کے حق میں مباح نہیں رہتا جیسے مثلاً عالم کے کسی فعل سے کوئی جاہل سند لے کر خلاف شرع کام کرنے لگے تو اگر وہ فعل ضروری نہ ہو گا تو خود اس عالم کے لئے بھی منع ہو جائے گا۔

لَا تَقُولُوا رَاعِنَا سے استنباط احکام..... اور ابوبکر جصاص احکام القرآن میں اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ اس میں دلالت ہے اس بات پر کہ جس لفظ میں احتمال خیر و شر و ذنوب کا ہو اس کا بولنا جائز نہیں جب تک کوئی ایسی چیز اس کے ساتھ نہ ملالی جائے جس سے وہ خیر ہی کے لئے تعین ہو جائے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کی ہنسی کرنا، مذاق اڑانا ممنوع ہے اور ہر وہ لفظ ممنوع ہے جس میں احتمال مذاق اڑانے کا ہو۔ (چونکہ یہودی لفظ رَاعِنَا کہہ کر ہنستے تھے اور مذاق بناتے تھے اس لئے جصاص نے اس آیت کے ذیل میں یہ بات لکھی ہے)۔ مفسرین کثیر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ذمہ دین کو کافروں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا۔ قبول میں بھی اور فعل میں بھی۔ اس کے بعد مسند احمد اور منن ابی داؤد سے حدیث نقل کی ہے۔ مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (کہ جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہیں میں سے ہے) اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اس میں دلالت ہے اس بات پر کہ کافروں کے ساتھ ان کے اقوال اور افعال اور لباس اور تہوار اور عبادات وغیرہ میں مشابہت اختیار کرنا سخت ممنوع ہے اور مشابہت کرنے والوں کے لئے تہدید اور وعید ہے۔ (ص ۱۲۸ ج ۱)

متعدد احادیث میں اس کا حکم دیا گیا ہے کہ خطاب اور گفتگو میں ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں اور ان الفاظ سے بچیں جو بُرے اور نامناسب معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ اسی لئے کسی کو ملک الاملاک یعنی شہنشاہ کہنے سے منع فرمایا۔ (کیونکہ سب بادشاہوں کا بادشاہ

اللہ تعالیٰ ہی ہے) ایک لڑکی کا نام عاصیہ (گنہگار) تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام جیلہ رکھ دیا۔ ایک حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے غلام اور باندی کو عبیدی اور آفتسی نہ کہے۔ تم سب اللہ کے بندے اور تمہاری سب عورتیں اللہ کی بندیاں ہیں۔ عبیدی اور آفتسی کی بجائے غلامی اور بخاریتی کہا جائے۔ (یہ سب احادیث مشکوٰۃ المصابیح باب الاسامی میں مذکور ہیں)۔

مَا يَوْدُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِّنْ

اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور مشرکین = پسند نہیں کرتے کہ نازل کی جائے تمہارے اور تمہارے رب کی

رَبِّكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۵﴾

طرف سے کوئی خیر، اور اللہ تعالیٰ مخصوص فرمائے اپنی رحمت سے جس کو چاہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

یہودیوں اور مشرکوں کو یہ گوارا نہیں کہ مسلمان پر کوئی خیر نازل ہو

جب مسلمان یہودیوں سے کہتے تھے کہ تم اسلام قبول کرو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ تو وہ کہتے تھے کہ تم جس دین کی طرف نکالتے ہو ہمارے دین سے بہتر نہیں ہے اور ہماری خواہش ہے کہ تمہارا دین بہتر ہوتا تو ہم اس کا اتباع کر لیتے اُن کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور بتایا کہ اے مسلمانو! ان کو یہ پسند نہیں ہے کہ تم کو کسی طرح کی خیر نصیب ہو، یہودی تو اس حسد میں مرے جا رہے ہیں کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کیوں آیا اور حضرت اسحاق کی اولاد میں کیوں نہ ہوا اور مشرکین اس لئے ناراض ہیں کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دین پیش فرمایا وہ ان کی خواہشوں کے خلاف ہے اُن کو تو حید پسند نہیں۔ اپنے بنائے ہوئے معبودوں سے محبت ہے جب اُن کی تردید کی جاتی ہے تو انہیں بُرا معلوم ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ شانے نے یہود اور مشرکین کی تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے خیالات کا پابند نہیں وہ جسے چاہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر دے، وہ جسے چاہے نبوت سے سرفراز فرمائے اور جسے چاہے ہدایت دے۔ اس میں کسی کو اعتراض کرنے اور حسد کرنے کا کوئی حق نہیں۔ (من معالم التنزیل ص ۱۰۳ ج ۱ از روح المعانی ص ۲۵۰ ج ۱)

مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت شریفہ میں اہل کتاب اور مشرکین کی سخت دشمنی کا ذکر فرمایا تاکہ اہل ایمان اور اہل کفر کے درمیان موڈت اور محبت بالکل منقطع ہو جائے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے اس انعام کو بیان فرمایا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مومنین کو عطا فرمائی یعنی شریعت کا ماہ عطا فرمائی فمن یشاء کا عدم خود آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تبعین سب کو شامل ہے۔

مَا نُنْخِصُ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْهِيَ عَنْهَا أَوْ يُخَيْرُ مِنْهَا أَوْ مِثْلَهَا ۚ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ

جس کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں، کیا تو نے نہیں جانا کہ بلاشبہ اللہ ہر چیز پر

شَيْءٍ قَدِيرٌ ۚ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ

قادہ ہے۔ کیا تو نے نہیں جانا کہ بے شک اللہ کے لئے آسمان اور زمین کا ملک ہے اور تمہارے لئے اللہ کے سوا

اللہ مِنْ وَلِيِّ وَلَا نَصِيرٍ

نوٹی: حق اور مدح و تحسین۔

منسوخ آیات کی حکمت

قرآن مجید کے بعض احکام اللہ تعالیٰ منسوخ فرما دیتے تھے کبھی ایک حکم دیا پھر اس سے منع فرما دیا اور اس کے خلاف حکم دے دیا کبھی ایک حکم کے بجائے دوسرا حکم نازل فرما دیا اس کو دیکھ کر مشرکین نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آج ایک بات کہتے ہیں اور کل کو اس سے رجوع کر لیتے ہیں، اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہوتا تو اس میں منسوخیت والی بات کیوں ہوتی معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ محمد ﷺ اپنے پاس سے کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف نسب کرتے ہیں۔ سورہ نحل میں ان دشمنوں کی بات کو اس طرح بیان فرمایا: وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَكَانَ آيَةٍ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنْزِلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَنٌ ۚ (اور جب ہم کسی آیت کو ایک آیت کی جگہ بدل دیتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ نازل فرماتا ہے تو وہ لوگ کہتے کہ بس تو افتراء ہی کرنے والا ہے۔)

اللہ جل شانہ نے اس آیت شریفہ میں ان کی جہالت والی بات کی تردید فرمائی اور فرمایا کہ ہم جس کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا نبھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں۔ منسوخ کرنے میں حکمت ہوتی ہے اور بندوں کا اس میں فائدہ ہوتا ہے یا تو ان کے لئے دوسرا حکم نافع اور اسل ہوتا ہے یا اس میں منفعت اور ثواب پہلی جیسی آیت کی طرح ہوتا ہے۔ سخت حکم کو آسان کر دیا گیا تو بندوں کے لئے یہ بھی بہتر ہے کہ اس میں ٹھل کے لئے آسانی ہو گئی اور اگر آسانی کی بجائے کوئی سخت حکم آگیا تو یہ بھی بہتر ہے کیونکہ ٹھل جس قدر مشکل ہوگا اسی قدر ثواب زیادہ ہوگا۔

منسوخ ہونے کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ عبارت قرآن یہ باقی رہے اور اس کا حکم منسوخ ہو جائے اور اس کو منسوخ الحکم کہتے ہیں۔ جیسے عورت کے لئے شوہر کی وفات پر عدت ایک سال تک رکھی گئی تھی بعد میں چار مہینے دس دن کر دی گئی۔ اور جس آیت میں ایک سال کا ذکر ہے وہ بھی مصحف میں باقی ہے۔ (فَتَنَّا غَالِيًا إِلَى الْحَوْلِ غَنِيًّا خَوْجًا) اور نسخ کی ایک صورت یہ ہے کہ اس کی تلاوت منسوخ ہو جائے اور حکم باقی رہے۔ اس کو منسوخ التلاوہ کہتے ہیں۔ اس کی مثال میں آیت رجم کو پیش کیا جاتا ہے اور منسوخ کی ایک صورت یہ ہے کہ پہلا حکم منسوخ ہو جائے اور اس کی جگہ دوسرا حکم آجائے جیسے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنا منسوخ کیا گیا اور اس کی بجائے نماز میں استقبال کعبہ کا حکم ہوا اور جیسے پہلے اقامت کے لئے وصیت کرنا واجب تھا پھر وہ آیت میراث سے منسوخ ہو گئی۔ اور بعض سورتیں ایسی ہیں جن میں ہر ازل منسوخ ہو گیا اور اس کی جگہ دوسرا حکم نافذ نہیں کیا گیا جیسے سورہ متحنہ میں إِذَا جَاءَ حُكْمُ الْمُؤْمِنَاتِ فَهَا جَزَاءُ فَأَمَّتْ جَنُودُهُنَّ منسوخ کر دیا گیا اور اس کی بجائے دوسرا حکم نازل نہیں ہوا۔ نفسخ کے ساتھ نفسہا بھی فرمایا جس کا ترجمہ بھلا دینے کا ہے۔ بعض آیات ایسی تھیں جن کو بالکل ہی منسوخ سے اور ذہنوں سے بھلا دیا گیا تھا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ سورہ احزاب سورہ بقرہ جیسی تھی۔ اس کا اکثر حصہ اٹھا لیا گیا نہ تلاوت باقی رہی نہ حکم باقی رہا۔ ورنہ سورہ ۱۰۵ اح میں ہے کہ حضرت اسبل بن خنیف سے مروی ہے کہ ایک رات کو ایک صحابی تہجد پڑھنے کھڑے ہوئے انہیں ایک عورت یا دہی انہوں نے اسے نماز میں پڑھنا چاہا تو يَسْمِعُ اللَّهُ السَّوْخَمْنَ الرَّجِيمِ کے علاوہ کچھ نہ پڑھ سکے اور اس رات میں چند صحابہ کے ساتھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا صبح کو جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا تو آپ نے فرمایا یہ سورت گزشتہ رات منسوخ ہو گئی جو لوگوں کے سینوں سے اور ہر اس جگہ سے محو کر دی گئی

جہاں جہاں لکھی ہوئی تھی۔

وَأَمَّا عَلَى قِرَاءَتِنَا نَسْأَهَا بِنَفْسِنَا فَتَفْصَحُ النُّونَ الْاَوَّلَ وَتَفْصَحُ السِّينَ مَهْمُوزًا فَمَعْنَاهُ نُوْخَرُهَا فَلَا بَدْلَ لَهَا أَوْ نَرْفَعُ تِلَاوَتَهَا وَنُوْخَرُ حَكْمُهَا أَوْ نُوْخَرُهَا وَنَتْرَكُهَا فِي اللُّوْحِ الْمَحْفُوظِ فَلَا يَنْزِلُ. (معالم التنزيل ص ۱۰۴ ج ۱) (اور نَسْأَهَا (پہلے نون کے فتح اور سین کے فتح اور سین کے بعد ہمزہ کے ساتھ) کی قرأت کے موافق اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم اس آیت کو چھوڑ دیتے ہیں یعنی تبدیل نہیں کرتے یا اس کی تلاوت اٹھا لیتے ہیں اور حکم رہنے دیتے ہیں یا ہم اسے لوح محفوظ ہی میں چھوڑ دیتے ہیں نازل ہی نہیں کرتے) پھر فرمایا کہ اسے مخاطب کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اسے حکم باقی رکھنے پر بھی قدرت ہے اور منسوخ کرنے پر بھی قدرت ہے ذہنوں سے بھاؤینے پر بھی قدرت ہے۔ وہ حکمت کے مطابق جو چاہے کرے جس حکم کو چاہے باقی رکھے جس کو چاہے منسوخ فرمائے۔ کسی کو کیا اعتراض ہے اگر کوئی اللہ پر اعتراض کرے گا تو اس کی سزا بھگت لے گا آسمان و زمین میں اسی کی بادشاہت ہے جب وہ کافروں پر عذاب بھیجے گا ان کا کوئی یار اور مددگار راہ و دست اور رشتہ دار اور کارساز نہیں ملے گا۔ قال ابن کثیر یرشد عباده تعالیٰ بهذا الی انه المتصرف فی خلقه بما یشاء فله الخلق والامر وهو المتصرف فکما خلقتهم کما یشاء یسعد من یشاء وبشقی من یشاء وبصح من یشاء وبمرض من یشاء و یوفق من یشاء و یخذل من یشاء کذلک بحکم فی عبادہ بما یشاء فیحل ما یشاء و یحرم ما یشاء و یبیح ما یشاء و یحظر ما یشاء وهو الذی یحکم ما یرید لا معقب لحکمہ ولا یسئل عما یفعل وهم یسئلون و ینتخب عبادہ و طاعتہم لرسله بالسنخ فیامر بالسنی لمافیہ من المصلحة الی یعلمہا تعالیٰ ثم ینہی عنہ لما یعلمہ تعالیٰ فالطاعة کل الغناة فی امتثال امرہ و اتباع رسله فی تصدیق ما أخبروا و امتثال ما أمروا و ترک ما عنہ زجروا۔ (ص ۱۵۰ ج ۱) (ابن کثیر کہتے ہیں کہ اللہ اس کے ذریعہ اپنے بندوں کی اس بات کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ مخلوق میں تصرف کرنے والا پیدا کرے اور حکم کا اختیار رکھے والا ایک اللہ تعالیٰ ہی ہے پس جیسے کہ جس طرح چاہا انہیں پیدا کیا، اسی طرح جسے چاہتا ہے نیک بخت کر دیتا ہے، جسے چاہتا ہے بد بخت کر دیتا ہے، جسے چاہتا ہے تھکتا دیتا ہے، جسے چاہتا ہے بیمار کر دیتا ہے، جسے چاہتا ہے ترقی دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بے نصیب کر دیتا ہے۔ اسی طرح وہ اپنے بندوں میں جو چاہے حکم جاری کرے، جسے چاہے حلال کرے، جسے چاہے حرام کرے جس کی چاہے اجازت دے اور جس سے چاہے روک دے وہ حاکم مطلق ہے جو چاہے احکام جاری فرمائے اس کے حکموں کو کوئی رو نہیں کر سکتا، جو چاہے کرے کوئی اس سے باز پرس نہیں کر سکتا جبکہ بندوں سے باز پرس ہوگی وہ اپنے بندوں کو آزماتا ہے اور دیکھتا ہے کہ وہ رسولوں کے کیسے تابعدار ہیں کسی چیز کا کسی مصلحت سے حکم دیا پھر کسی دوسری مصلحت کی وجہ سے اس سے روک دیا۔ پس اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری میں اس کی پوری اطاعت کرنی چاہیے اور رسولوں نے جو خبریں دی ہیں ان کی تصدیق میں رسولوں کی مکمل اتباع کرنی چاہیے۔ جو حکم دیں اس کی بجا آوری اور جس سے روکیں اس سے رک جانا چاہیے)۔

أَمْ تَرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَنْ يَتَّبِعِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ

کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے سوال کر دیا جائے جیسا کہ اس سے پہلے موسیٰ سے سوال کئے گئے اور جو شخص ایمان کے بدلے کفر کو اختیار کرے

فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿۱۰۰﴾

سو وہ سیدھے راستے سے ہٹ گیا۔

بے جا سوالات کی ممانعت

وہ نہ انقرض میں ہیں اس آیت شریفہ کے دو شان نزول لکھے ہیں۔ اول: یہ کہ یہودیوں نے یوں کہا کہ اس محمد (ﷺ) تم آسمان سے اتر کر پوری کتاب ایک وقت لاکر پیش کرو، جیسے موسیٰ علیہ السلام تو قریت شریف لائے تھے۔ دوسرا: یہ کہ مشرکین مکہ نے کہا کہ ہم تمہاری بات نہیں مانیں گے یہاں تک کہ اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے نہ لے آؤ، لیکن بے دلوں باتوں کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: واللہ جل شانہ نے تنبیہ فرمائی کہ ایسے سوالات نہ کرو جیسے موسیٰ علیہ السلام سے پہلے سوالات کئے گئے۔ بنی اسرائیل نے ان سے کہا: واللہ جعفر کہ ہمیں اللہ پاک کو اپنے سامنے دکھاو۔ دلائل واضحہ سامنے ہیں عقل مند کے لئے کافی ہے تکتے بے شک۔ سوالات فی دینی ضرورت نہیں اور جن و امتراش ہی کرنا مقصود ہے وہ تو ہر فرمائش پوری ہو جائے پر بھی ماننے والے نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو پوری کتاب ایک وقت لائے تھے۔ پھر بھی ظالموں نے اسے کہاں مانا؟

سورۃ قنقن میں ہے: فَلَمَّا جَاءَهُمْ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا لَوْلَا آتُونِي مِثْلَ مَا آتَوْنِي مُوسَىٰ ط اُولَئِكَ يَكْفُرُوا بِمَا آتَوْنِي مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ قَالُوا اسْحَبْ كُتَابَكَ فَتَرَىٰ قَالُوا اِنَّا بِكَ لَكَاظِمُونَ (سوجب ہماری طرف سے ان لوگوں کے پاس حق پہنچا تو کہنے لگے ان کو ایسی کتاب کیوں نہ ملے گی؟ وہی کوئی تھی کیا جو کتاب موسیٰ کو ملی تھی اس سے قبل یہ لوگ اس کے معترضین بن گئے۔ ان لوگوں نے کہا یہ دونوں جاہل گروہ ہیں جو ایک دوسرے کے درمیان ہیں اور یوں بھی کہتے تھے کہ ہم تو ہر ایک کے معترض ہیں)

شیخ مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا لہذا حج کرو اس پر ایک آدمی نے سوال کیا یا رسول اللہ! کیا ہر سال حج کرنا فرض ہے؟ اس پر آپ کا روضہ رہے۔ یہاں تک کہ سائل نے تین بار سوال کیا، پھر آپ نے فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا اور تم اس کو نہیں کر سکتے تھے پھر فرمایا کہ میں جب تک تم کو چھوڑے رکھوں (یعنی کوئی حکم نہ بنائے) تم بھی مجھے چھوڑے رکھو (یعنی سوالات نہ کرو) کیونکہ تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہو گئے کہ سوالات زیادہ کرتے تھے اور اپنے نبیوں کے خلاف چلتے تھے سو جب کسی چیز کا حکم کروں تو جہاں تک ممکن ہو اس پر عمل کرو اور اگر میں کسی چیز سے منع کروں تو اسے چھوڑ دو۔ (مس ۲۳۲ ج ۱)

اور ایک حدیث میں ہے جو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے قبل قال اور کثرت سوال اور اضاعت المال کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ (مشکوٰۃ اللامعہ ص ۱۹۱ از بخاری و مسلم)

آیت کا شان نزول خواہ وہی ہو جو معاملہ انقرض میں سے نقل کیا گیا لیکن اس میں مسلمانوں کو بھی یہ نصیحت مل گئی کہ جو احکام ہیں ان میں لگیں تکتے بے شکے سوال نہ کریں۔ قبل وقال میں وقت ضائع نہ کریں اور ضرورت کی بات پوچھیں۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِّنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنْفُسِهِمْ

اہل کتاب میں سے بہت سے لوگ دل سے یہ چاہتے ہیں کہ کوشش تم کو تمہارے ایمان کے بعد پھر کفر کی طرف لوٹائیں اپنے ہاں کے حسد کے باعث۔

مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

بعد اس کے کہ ان سے لئے حق ظاہر ہو کر ہے، معاف کرو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دے، بے شک اللہ ہر چیز پر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَدِيرٌ ۝ وَاقِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۝ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ

بقدرت ہے۔ ۱۔ نماز قائم کرو۔ اور زکوٰۃ ادا کرو اور جو کچھ پہلے سے تمہیں دو کے اپنی جانوں کے لئے کوئی خیر اسے اللہ کے پاس پاؤ گے، بے شک اللہ ان کاموں کا

بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝

دیکھنے والا ہے جن کاموں سے دو۔

کفار چاہتے ہیں کہ تمہیں کافر بنالیں

یہودیوں کو یہ تو خوب واضح طریقے پر معلوم ہو گیا تھا کہ نبی عربی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقعی اللہ کے نبی ہیں لیکن ان کو حسد کھا گیا تھا تو مسلمان ہوتے ہی نہ تھے (الافقیلا منہم) اور طرح طرح کی کوششیں کرتے تھے کہ عرب بھی مسلمان نہ ہوں اور جو لوگ مسلمان ہو چکے ان کو واپس کر لیں، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے قلبی ارادوں سے مطلع فرمایا تاکہ ان سے بچتے رہیں اور ان کی چکنی پھڑی باتوں میں نہ آئیں اور ان کی جھوٹی ہمدردی کو کوئی حیثیت نہ دیں۔ چونکہ مسلمان اور یہودی ایک ہی شہر یعنی مدینہ منورہ میں رہتے تھے اور اس وقت تک ظاہری اسباب کے اعتبار سے مسلمانوں کے غلبہ کی صورت ظاہر نہ ہوئی تھی اس لئے مسلمانوں سے فرمایا کہ تم معاف اور درگزر کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ کو سب کچھ قدرت ہے منجملہ اس قدرت کے یہ بھی ہے کہ وہ تم کو ان پر غلبہ دے دے چنانچہ اس کے بعد وہ دن آیا کہ قبیلہ بنی نضیر کو مسلمانوں نے خیبر کی طرف جلاوطن کر دیا اور یہود کے دوسرے قبیلہ بنو قریظہ کے مرد قتل کئے گئے۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ نمازیں قائم کرتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور جو کچھ اپنی جانوں کے لئے کوئی بھلائی پہلے سے پہنچ دو گے اسے اللہ کے پاس پاؤ گے۔ اس میں اعمال صالحہ میں مشغول رہنے اور جانی و مالی عبادت ادا کرتے رہنے کا حکم دیا جیسا کہ فَاغْفُوا وَاَصْفَحُوا میں مہر کا حکم دیا۔ مہر اور صلۃ اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں جیسا کہ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ میں یہ بات واضح طور پر بتا دی گئی ہے۔ اعمال صالحہ میں یہ بھی تاثیر ہے کہ دشمن پر غالب ہونے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ دنیا میں بھی ان سے فلاح اور کامیابی حاصل ہوتی ہے اور آخرت میں بھی ان کا بدل ملے گا یہاں سے جو کوئی خیر بھیجیں گے اللہ تعالیٰ کے ہاں جمع رہے گی وہاں جانیں گے تو پالیں گے۔ آخر میں فرمایا کہ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو دیکھتا ہے) بر خیر و شر کا اُسے علم ہے۔ جو شخص خیر یا شر لے کر پہنچے اس کے مطابق جزا اور سزا کا مستحق ہوگا۔ قال ابن کثیر وهذا الكلام وان كان قد خرج من مخرج الخبر فان فيه وعداً ووعداً وأمرأ وزجراً وذلك انه علم القوم انه بصير بجميع أعمالهم ليجدوا في طاعته اذ كان ذلك مذخوراً لهم عنده حتى ينسبهم عليه۔ (ص ۱۴۵ ج ۱) ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ کلام خبر کے قائم مقام ہے کیونکہ اس میں وعدہ بھی ہے وعید بھی ہے امر بھی ہے نہی بھی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ان کے تمام تر اعمال اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہیں تاکہ وہ اس کی اطاعت میں بڑھ پڑھ کر کوشش کریں کہ ان کے اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں خیر و ہر ہیں گے اور وہ انہیں ان کا بدلہ دے گا)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص ایک کھجور کے برابر حلال کمائی سے صدقہ کر دے اور اللہ تعالیٰ حلال ہی کو قبول فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمالیتا ہے بجز اس کی تربیت فرماتا ہے (یعنی اس کو بڑھاتا رہتا ہے) جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنے گھوڑے کے پیچ کی تربیت کرتا رہتا ہے۔ (بڑھتے بڑھتے وہ بہت زیادہ ہوگا یہاں تک کہ پہاڑ

کے برابر ہو جائے گا۔ (صحیح بخاری ص ۱۸۹ ج ۱) جب قیامت کے دن ثواب ملنے لگے گا تو کھجور کے برابر جو چیز حق تعالیٰ اس کا ثواب اتنا زیادہ ملے گا جیسے اس نے اللہ کی راہ میں پہاڑ خرچ کر دیا ہو۔

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ

انہوں نے کہا کہ ہرگز کوئی شخص جنت میں داخل نہ ہوگا سوائے اس کے جو یہودی یا نصرانی ہو۔ یہ ان کی آرزوئیں ہیں آپ کو مانتے ہیں۔

هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۳۱﴾ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ

کہ لے آؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو یاں جس نے اپنی ذات کو اللہ کی فرمانبرداری کے لئے جھکا دیا اور وہ محسن ہو۔

فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۳۲﴾

تو اس کے لئے اس کا اجر ہے اس کے رب کے پاس اور ان لوگوں پر کوئی خوف نہیں اور نہ یہ لوگ رنجیدہ ہوں گے۔

یہود و نصاریٰ کا قول کہ جنت میں ہم ہی جائیں گے اور اس کی تردید

اس آیت شریفہ میں یہود اور نصاریٰ کا یہ دعویٰ ذکر فرمایا ہے کہ جنت میں یہود و نصاریٰ کے علاوہ ہرگز کوئی داخل نہ ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ یہودیوں نے اپنے بارے میں یہ کہا کہ صرف ہم جنتی ہیں اور نصاریٰ نے اپنے بارے میں یہی کہا۔ وادوں فریق باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں تحریف کر بیٹھے اور اللہ کے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے رسول حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی، اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وہین میں شرک داخل کر دیا۔ اس سب کے باوجود وادوں تیمانتوں کو یہ غرور تھا اور اب بھی ہے کہ صرف ہم ہی جنتی ہیں۔ کفر اختیار کریں پھر بھی جنتی ہوں یہ ان کی سراپا جہالت و حماقت اور سفاکت ہے اور ان کا یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (آپ ان سے فرما دیجئے کہ تم اگر اپنی آرزوؤں میں سچے ہو تو اس کی دلیل پیش کرو) وہ دعویٰ باطل، بلا سند، بلا حجت کیسے مانا جائے گا؟ یہود و نصاریٰ کو بڑا غرور تھا وہ سمجھتے تھے کہ ہم مقربان الہی ہیں سو زمانہ دوزخ میں ہے کہ انہوں نے کہا: فَخَنَّا بِنَاءَ اللَّهِ وَاجْتَاءَ ذَ (کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے محبوب ہیں) اولاد دوزخ اس کی ہے ہی نہیں، یہ عقیدہ شرکیہ ہے کہ اس کی اولاد وہ شرکیہ عقیدہ رکھنے والا اور اللہ کے روادوں کو چھٹانے والا اللہ تعالیٰ کا محبوب اور مقرب کیسے ہو سکتا ہے؟ اپنی حماقت سے اور اپنے مذہبی پیشواؤں کے بہکانے سے وہ یہی باطل خیال جماتے ہوئے ہیں کہ صرف ہماری ہی نجات ہوگی اور صرف ہم ہی جنتی ہیں، یہودیوں کا دین تو خاندانی دین ہے وہ اپنے خاص خاندان کے باہر اپنے وہین کی تبلیغ کرتے ہی نہیں اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے نزدیک ساری دنیا نے انسانیت کے لئے اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا کوئی وہین نہیں ہے صرف اپنے خیال سے اپنی نجات کا یقین کر بیٹھنا اور یہ سمجھ لینا کہ ہم ہی جنتی ہیں اور باقی سارے انسانوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ ان کے لئے خالق و مالک کی طرف سے کوئی بدایت نہیں جسے اختیار کر کے وہ مستحق جنت نہیں، سراسر خود فریبی ہے

انصاری سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے سمجھے جاتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ ہم جس دین پر ہیں وہ وہین نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دے کر بھیجا تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا: کہ میں اللہ کا بیٹا ہوں یا یہ فرمایا: کہ میری اور

نیفی والدہ کی مروت کرو دیا یہ فرمایا: تو کہ لوگ مجھے قتل نہ کریں گے اور میرے قتل کے بعد جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بیٹے کو قتل دیا کرمان سب لوگوں کے گناہوں کا کفارہ کر دیا جو ان کو اللہ کا بیٹا مانیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ یہ سب باتیں انصار کی فوجی و ترغیبی ہیں۔ سیدہ: حضرت مسیح علیہ السلام نے ان میں سے کوئی بات بھی نہیں فرمائی انہوں نے تو صرف اللہ کی مروت کرنے کی تبلیغ کی اور انصار کی جو بات کہتے ہیں ان کے پاس اس امر کو کوئی ثبوت نہیں ہے کہ یہ باتیں حضرت مسیح علیہ السلام نے بتائی ہیں۔ یہ باتیں حضرت مسیح علیہ السلام نے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد ان کے جہولے ماننے والوں نے کئی سو سال کے بعد ترویج کیں کیونکہ اس میں حق و آسانی ہے اور پورے گناہوں سے بڑے بڑے مغفرت اور نجات کی مجرانی ہے ان لئے انصار نے ان باتوں کو بغیر تحقیق کے قبول کر رکھا ہے۔ اتوار کے دن پادری کو یہ دیتا ہے کہ میں نے اس بغتہ کے سب گناہوں کا معاف کر دیا ہے کہ فرمائی کی ہے خدا اے پاک کی اور معاف کر رہی ہے مخلوق۔ ان پادریوں کو گناہوں کے معاف کرنے میں خداوند تعالیٰ کا نام بمانتے ہیں ان کو یہ نیابت کہاں سے ملی کس نے ان کو نام ب دیا؟ ہر عقلمند کے سامنے یہ سوالات آتے ہیں۔ یہ سب کچھ انصار کی کا اپنا بنایا: دواہین ہے اور اوپر سے اس رتھ کو اور آرزو میں پناہ دیتے ہیں کہ صرف ہمارے ہی نجات ہوگی اور ہم ہی جنت میں۔ سب جانتے ہیں کہ کوئی بات بلا دلیل قبول نہیں ہوتی اور دنیا میں سب اسی قانون پر چلتے ہیں لیکن آخرت کے بارے میں جہاں دوزخ کے دائمی عذاب سے نجات پانے کی ضرورت ہوگی۔ صرف خوش فہمی اور گمان اور خیالات اور اوحام اور آرزوؤں پر اکتفا کئے ہوئے ہیں۔ ھداهم اللہ تعالیٰ۔

یہ وہ انصاری کے ماہی و کفار کی دوسری قومیں بھی اپنے بارے میں خوش فہمیوں میں مبتلا ہیں اور ان سب نے محض جھوٹی آرزوؤں کا سہارا لے رکھا ہے۔ ان کے پاس ان کے دین کے حق ہونے کی اور اس بات کی کہ ان کا دین یوم آخرت میں ذرا نجات دے گا کوئی دلیل نہیں ہے مشرکوں کی یہ دعویٰ دیکھو کہ پیدا کیا اللہ نے اور کھانے کو وہی دیتا ہے اور انسانوں کی ضرورت کچھ سامان آبی نے پیدا فرمایا ہے لیکن پستیش اور ہر جانہ و چھوڑ کر دوسروں کی کرتے ہیں اور اس میں نجات سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو سمجھا دے۔

منہ اللہ جنتی کون ہے۔ یہ وہ انصاری کے دعویٰ کی تردید کرنے اور ان سے دلیل طلب کرنے کے بعد حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا بلی من اسلم و بخلہ للہ (الا یہ) یعنی: دوسرے لوگ کیوں جنت میں داخل نہ ہوں گے؟ اللہ تعالیٰ کا قانون تو یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہو اور اپنی ذات کو اللہ کے احکام کی تعمیل میں جھکا دے اور وہ مغفرت احسان سے متعطف بھی ہو تو اس کا اجر اس کے رب کے پاس ضرور ملے گا۔ جو جنت کے داخلے کی صورت میں ہوگا۔ ان لوگوں کے لئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ ممکن ہونے کا کوئی موقع ہے۔ یہ دعویٰ قانون ہے جو بھی اس پر عمل کرے گا وہ جنت کا مستحق ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے کسی کی قربت رشتہ داری نہیں ہے اور نہ کوئی خواہ مخواہ محبوب اور مقرب بن جاتا ہے۔ انہوں نے پر دخول جنت کا مدار ہے۔

لفظ منحسن لفظ احسان سے مشتق ہے جو حسن سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے اچھے طریقے سے کام کرنا اور مددگی کے ساتھ انجام دینا اس میں احسان عقیدہ اور احسان عمل سب کچھ داخل ہے۔ بعض مفسرین نے محسن کا ترجمہ غفلت کیا ہے اصل بات یہ ہے کہ عقیدہ بھی صحیح ہو والا لازم ہے اور عمل بھی صحیح ہونا ضروری ہے۔ جس کو عقیدہ و رسول اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے عقیدوں کے خلاف ہو وہ عقیدہ میں محسن نہیں ہے لہذا اس کی نجات نہیں ہے۔ اس نے اپنی ذات کو اللہ کے لئے نہیں جھکا یا وہ اللہ تعالیٰ کے پیچھے ہوئے رسول کی کندیب کہتا ہے۔ لہذا مستحق نجات نہیں اور جس شخص کا عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے موافق نہیں یا نیت میں اخلاص نہیں یعنی اللہ کی رضا و طلب نہیں۔ اس کا وہ عمل مرہو ہے۔ اللہ کی محبت کا دعویٰ ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہ ہو تو یہ دعویٰ جھوٹا ہے

عقیدہ اور عمل دونوں میں اخلاص ضروری ہے منافق عقیدہ میں مخلص نہ تھے اور جو لوگ عقیدہ ٹھیک رکھتے ہیں لیکن عمل اللہ کی رضا کے لئے نہیں کرتے دکھاوے کے لئے اور دنیاوی جاہ و عزت حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں ان کے عمل کا آخرت میں کوئی ثواب نہیں۔ سورۃ کہف کے اخیر میں فرمایا: **فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُبْشِرْ لِكُفْرَانِهِ أَفَلَا يَتَذَكَّرُ أَحَدًا**۔ سو جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ عمل صالح کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔ کافروں اور مشرکوں میں جو لوگ کوئی عمل کرتے ہیں اگر ان میں اللہ کی رضا کا مقصد ہو رکھتے ہوں تب بھی وہ معتبر نہیں اور آخرت میں اس کا کوئی ثواب نہیں۔ کیونکہ عقیدہ کے اعتبار سے گمراہ ہیں اور اللہ کے دین پر نہیں ہیں ان کے لئے سورہ بقرہ میں فرمایا: **وَقَدْ مُنَّا إِلَى مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَبَجَعْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُورًا** (اور ہم انکے کاموں کی طرف جو وہ کر چکے تھے متوجہ ہوں گے سو ان کو ایسا کر دیں گے جیسے پریشان غبار شاید کوئی شخص اپنی جہالت سے یہ سوال کرے کہ آیت میں مسلمان ہونے کی شرط نہیں پھر یہ شرط کہاں سے آگئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ **أَسْلَمَ وَجْهَهُ** اور **وَهُوَ مُحْسِنٌ** سے ہی یہ قید ثابت ہوتی ہے اور دوسری آیات بھی پوش نظر رکھنا لازم ہے۔ سورۃ آل عمران کی آیت: **وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ كَإِذَا بَدَأَ النَّاسُ الْإِسْلَامَ**۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصْرَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصْرَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ

کہا یہود نے کہ نصاریٰ کسی چیز پر نہیں، اور نصاریٰ نے کہا کہ یہودی کسی چیز پر نہیں۔
وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ ۚ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ

حالانکہ وہ لوگ کتاب پڑھتے ہیں، ایسا ہی کہا ان لوگوں نے جو نہیں جانتے انہی کی سی بات، پس اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے جو ان کے

يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ

اور میان قیامت کے دن اس بات میں جس میں وہ آپس میں اختلاف رکھتے ہیں۔

یہود و نصاریٰ کا آپس میں نزاع اور ان کی باتوں کی تردید

تفسیر درمنثور ص ۱۰۸ ج ۱ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل ہے کہ جب نجران کے نصاریٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہودیوں کے ماما بھی وہاں پہنچے، دونوں فریقوں نے وہیں خدمت عالی میں حاضر ہوتے ہوئے آپس میں مباحثہ شروع کر دیا۔ یہودیوں میں ایک شخص رافع بن حریمہ تھا۔ اس نے نصاریٰ سے کہا کہ کسی چیز سے تمہارا کوئی تعلق نہیں اور نہ کبھی تھا۔ اس طرح انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا بھی انکار کیا۔ اور انجیل کے کتاب اللہ ہونے کے بھی منکر ہوئے نصاریٰ کو مقابلہ میں جواب دینے کا جوش آیا تو ان میں سے ایک شخص نے یہودیوں سے کہا کہ تم کسی چیز پر نہیں، یعنی تمہارے دین کی کوئی اصلیت اور بنیاد نہیں۔ اللہ کی کسی کتاب سے تمہارا کوئی تعلق نہیں اور نہ کبھی تھا۔ اس طرح سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کر بیٹھے اور رات شریف کے کتاب اللہ ہونے کے منکر ہو گئے۔ اللہ جل شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی اور دونوں جماعتوں کے دعوے ذکر کر کے فرمایا **وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ** (یعنی ہر فریق اللہ کی کتاب پڑھتا ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا علم ہوتے ہوئے ان کی رسالت کے منکر ہو رہے ہیں۔ ہر فریق کو دوسرے فریق کے بارے میں معلوم ہے کہ باوجود تعریف کر لینے کے پھر بھی

اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول سے ہر ایک کو انتساب ہے۔ گو یہ انتساب اُن کے کفر کی وجہ سے اُن کو نجات دلانے والا نہیں لیکن فی الجملہ اس کا انکار بھی صحیح نہیں کہ اُن کے دین کی ابتدا اللہ تعالیٰ کے کسی نبی یا کسی کتاب سے ہے، قال ابن کثیر ولہذا قال تعالیٰ وہم یسلون الکتاب ای وہم یعلمون شریعة التوراة والانجیل کل منہما کانت مشروعة فی وقت ولکنہم نجحوا فیما بینہم عناداً و کفراً و مقابلة للفساد بالفساد (ص ۱۵۵ ج ۱) (ابن کثیر کہتے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ہر فریق اللہ کی کتاب پڑھتا ہے" یعنی بروہ و بدورات و انجیل کی شریعت کا علم رکھتے ہیں جو کہ اپنے اپنے وقت میں مشروع تھیں لیکن ایک دوسرے کی ضد اور کفر اور فساد کا مقابلہ فاسد سے کرتے ہوئے انہوں نے ایک دوسرے کو جھٹلایا اور انکار کیا)

پھر فرمایا: کَذَّبَتْ قَالِ الذِّیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ (یعنی ایسی ہی بات اُن ادگوں نے کہی جو نہیں جانتے) یعنی یہود و نصاریٰ کے علاوہ جو اُن سے پہلے امتیں گزری ہیں۔ وہ بھی ایسی ہی جہالت کی باتیں کرتی رہی ہیں کہ عناد اور تعصب کی وجہ سے حق کو جھٹلایا اور حقیقت واضحہ کو نہ مانا۔ اور اب مشرکین عرب کا یہی حال ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کے منکر ہوئے حالانکہ آیات پینات اور دلائل واضحہ اُن کے سامنے ہیں وادوں سے جانتے ہیں کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں لیکن جانتے نہیں۔ واحتلف فبمن عنی فی قوله تعالیٰ الذین لا یعلمون، فقال عطاء امم کانت قبل الیہود والنصارى وقال السدی ہم العرب، قالوا لیس محمد علی شیء، واختار ابن جریر أن الحمل الجمیع اولى (اس میں اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول الذین لا یعلمون سے کون ادگ مراد ہیں۔ عطاء کہتے ہیں کہ اس سے وہ ادگ مراد ہیں جو یہود و نصاریٰ سے پہلے تھے۔ سدی کہتے ہیں اس سے عرب ادگ مراد ہیں جنہوں نے کہا کہ محمد ﷺ کا مذہب کسی بنیاد پر قائم نہیں۔ ابن جریر اس سے عام مراد لیتے ہیں جو سب کو شامل ہو)۔ (من ابن کثیر ص ۱۵۵ ج ۱)

پھر فرمایا: یَوْمَ الْقِیَامَةِ فِیْمَا کَانُوا فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ۔ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُن سب کو جمع فرمائیں گے اور عدل کے ساتھ اُن کے درمیان فیصلہ فرمائیں گے اور اس فیصلہ سے سب پر حق ظاہر ہو جائے گا اور باطل کا پتہ چل جائے گا۔ سورۃ سبائیں فرمایا: قُلْ بِجَمْعٍ یَّسِّرًا رُّبَّنَا ثُمَّ یَفْضَحْ بَیِّنًا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتْحُ الْعَلِیْمُ (کہہ دیجئے کہ ہمارا رب ہم سب کو جمع فرمائے گا پھر ہمارے درمیان میں حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا اور وہ بڑا فیصلہ کرنے والا جاننے والا ہے۔

بیان القرآن میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سب کے درمیان عملی فیصلہ فرمائیں گے اور وہ عملی فیصلہ یہ ہوگا کہ اہل حق کو جنت میں اور اہل باطل کو جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔ عملی فیصلہ کی قید اس لئے لگائی کہ قول اور برہانی فیصلہ تو عقلی اور نقلی دلائل کے ذریعہ دُنیا میں بھی ہو چکا ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِیْہَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِی خَرَابِہَا أُولَٰئِکَ مَا کَانَ لَہُمْ

اور اُس شخص سے زیادہ ظالم وہ کون ہوگا جو اس بات سے روکے کہ اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا نام لیا جائے اور اُن کی ویرانی کی کوشش کرے، اُن لوگوں کے لئے یہ جائز نہیں

أَنْ يَدْخُلُوْہَا إِلَّا خَافِیْنِہُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَلَہُمْ فِی الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۵۶﴾

کہ اُن میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے، اُن کے لئے دُنیا میں رسوائی ہے اور اُن کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

اللہ کی مسجدوں میں ذکر سے روکنا بہت بڑا ظلم ہے

اس آیت شریفہ میں ان لوگوں کو سب سے بڑا ظالم بتایا ہے جو اللہ کی مسجدوں سے روکیں، ان میں اللہ کا نام لینے اور اللہ کی عبادت کرنے سے منع کریں اور ان کی دیرانی کی کوشش کریں اس کام کے کرنے والے کون ہیں جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی؟ عالمِ اعظم (ص ۷۰۱ ج ۱) میں حضرت عطا اور عبدالرحمن بن زید سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت مُشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی، ہجرت کے چھ سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے تو مکہ والوں نے آپ کو مقامِ حدیبیہ میں روک دیا اور عمرہ کے لئے مسجد حرام تک نہ پہنچنے دیا۔ ساجد کی آبادی یہ ہے کہ ان میں وہ کام ہوتے رہیں جن کاموں کے لئے وہ بنائی گئی ہیں۔ نماز، تلاوت، ذکر، ایحکاف وغیرہ اور مسجد حرام کے آباد کرنے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اُس میں طواف کیا جائے، جو شخص ان کاموں سے روکے گا وہ ان کی دیرانی کی کوشش کرنے والا ہے۔ مُشرکین مکہ اس وقت مسجد حرام کے متولی تھے لیکن کعبہ شریف میں انہوں نے بُت رکھے ہوئے تھے ظاہری تعمیر کی دیکھ بھال ہی کو انہوں نے اس کی آبادی سمجھ لیا اور اس کی حقیقی تعمیر سے غافل تھے۔ توحید کے بجائے شرک کے کام کرتے تھے ہاں نمازیوں کو نماز نہیں پڑھنے دیتے تھے۔ اُن کے ظلم اور زیادتی کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے پھر جب عمرہ کے لئے تشریف لے گئے تو عمرہ نہ کرنے دیا۔ مُشرکین کو سمجھایا تھا یا گیا کہ عمرہ کر کے واپس جو جائیں گے لیکن وہ ایک نہ مانے اور ضد پر اُتر رہے۔ بالآخر آپ صحابہ کے ساتھ واپس تشریف لے آئے اور آئندہ سال عمرہ کی قضا فرمائی، یہ جو فرمایا۔ اُولَکِنَافَ مَا نَحْنُ لِنُفْعَ اَنْ يُّدْخِلُوْهَا اِلَّا خَافِئِیْنَ اس میں اس بات کی خوشخبری دی کہ مکہ معظمہ فتح ہوگا۔ جب غالب اہل اسلام کا ہو جائے گا تو یہ مُشرکین اس میں ڈرتے ہوئے داخل ہوں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان کر دیا کہ خبردار اس سال کے بعد کوئی شرک ہرگز نہ کرے۔ (من۔ عالمِ اعظم ص ۷۰۱ ج ۱)

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ آیت شریفہ میں یہودی و نصاریٰ کا ذکر ہے کہ انہوں نے مختلف اوقات میں بیت المقدس کی بے حرمتی کی حضرت مجاہد نے فرمایا کہ اس سے نصاریٰ مراد ہیں جو بیت المقدس میں تکلیف دینے والی چیزیں پھینک دیتے تھے اور لوگوں کو نماز پڑھنے سے روکتے تھے۔ اور قتادہ کا قول ہے کہ اس سے رومی لوگ مراد ہیں انہوں نے یہودیوں کے بغض میں بیت المقدس کی بربادی میں بخت نصر جی کی مدد کی اور کعب احبار سے منقول ہے کہ نصاریٰ بیت المقدس پر غالب ہوئے تو انہوں نے اس کو جلا و یا جب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ لہذا جو بھی کوئی نصرانی اب بیت المقدس میں داخل ہوتا ہے تو خوف کے ساتھ داخل ہوتا ہے۔ (درمنثور ص ۱۰۸ ج ۱)

سبب نزول جو بھی ہو اور نزولِ آیت کے وقت مساجد اللہ سے روکنے کا مصداق جو بھی کوئی جماعت ہو قرآن مجید کے عمومی بیان سے واضح ہوا کہ مسجدوں میں اللہ کا نام لینے سے روکنا ظلم کی چیز ہے اور یہ بڑے ظلم میں شمار ہے۔ فی روح المعانی و ظاہر الآیۃ العسوم فی کل مانع و فی کل مسجد و خصوص السبب لا یمنعه (ص ۳۶۳ ج ۱) روح المعانی میں ہیکہ ظاہر آیت ہر مانع اور ہر مسجد کو شامل ہے اور سبب کا خاص ہونا عموم مراد لینے سے مانع نہیں) نیز وَسَعِیْ فِیْ غَرَابِہَا کے عموم میں مسجدوں کو گراونا اور معطل کر دینا بھی شامل ہے۔ قال صاحب روح المعانی و سعی فی خرابہا ائی ہدمہا و تعطیلہا۔ اگر کوئی ایسی جماعت یا اُس کا کوئی فرد مسجد میں آنا چاہے جو دائرہ اسلام سے خارج ہو مثلاً کسی نے مندی نبوت پر ایمان لانے والے لوگ جس نے ختم نبوت کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو ان لوگوں کو اپنی مسجد سے روک سکتے ہیں یہ منع کرنا ذکر اللہ سے منع کرنا نہیں بلکہ مسلمانوں کو کفر سے محفوظ رکھنے کے

نئے ہوگا۔

اسی طرح کئی ایک جماعت کو جب مسلمانوں نے مسجد سے روکا تو انہوں نے مذکورہ بالا آیت پڑھ دی جس پر ایک عالم نے سورۃ النعام کی یہ آیت پڑھ کر سنائی ومن اظلم من افسس علی اللہ کذبنا او قال اوحی الی ولتم یوح الیہ شیء ومن قال مسانزل مثل ما انزل اللہ (اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹے نبوت لگائے یا یوں کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس پر کسی بات کی بھی وحی نہیں آئی، اور جو شخص یوں کہے کہ جیسا کلام اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے میں منقریب ایسا نازل کروں گا) بعض مفسرین نے فرمایا کہ اولکلت ما کان لہم ان یدخلوها الا خائفین صرف مسجد حرام کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ دیگر مساجد کو بھی اس کا عموم شامل ہے (کما فی نفسہ ابن کثیر ص ۱۵۷ ج ۱)۔ مؤمنین سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کی مدد ہوگی اور مسجدیں کافروں کے تسلط سے آزاد ہوں گی۔ (کما مر)

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا فرمایا اور بیت المقدس مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اگر کوئی نصرانی اس میں داخل ہوتا تھا تو پوری چپے اپنا روپ بدل کر داخل ہوتا تھا پھر قادیان کا قول نقل کیا ہے کہ جو بھی کوئی نصرانی بیت المقدس میں پایا جاتا ہے اس کو ذوبِ زیادہ ہوا ہی جاتی ہے۔ پھر صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ سوال اٹھائے کہ بیت المقدس پھر نصاریٰ کے ہاتھ میں چلا گیا ہے، سلام الدین ایوبی نے دوبارہ فقہ کیا تو یہ سوال وار نہیں ہوتا۔ کیونکہ آیت میں کوئی کلمہ اس بات پر دلالت کرنے والا نہیں ہے کہ بیت المقدس ہمیشہ مسلمانوں ہی کے قبضے میں رہے گا۔ (جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے قبضے میں دے دیا تو ان پر لازم تھا کہ قبضہ باقی رکھتے، نہ غصب ایمان، نہ غصب اعمال اور نہ غصب تدبیر کی وجہ سے کھو بیٹھے یہ انہوں نے ایمانی تقاضوں کے خلاف کیا)

صاحب بیان القرآن نے اولکلت ما کان لہم ان یدخلوها الا خائفین کا مطلب یہ لکھا ہے کہ ان لوگوں کو تو کبھی بے بیت اور بے باک ہو کر ان مساجد میں قدم بھی نہ رکھنا چاہیے تھا بلکہ جب جاتے تو نہایت عظمت و حرمت و ادب سے جاتے جب بے باک ہو کر اندر جانے تک کا استحقاق نہیں تو اس کی جگہ حرمت کا کب حق حاصل ہے۔ اسی کو ظلم فرمایا گیا۔ اھ

خلاصہ یہ نکالا کہ اس میں مساجد کا ادب بتایا گیا ہے یہ بات سیاق کلام سے دل کو زیادہ لگتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب پھر فرمایا لہم فی الدنیا خزین و لہم فی الآخرۃ غناب عظیم کہ دنیا میں ان لوگوں کے لئے زسوائی ہے اور آخرت میں وہ سب تو میں زسوا، وہں کی جنہوں نے مسجد حرام یا بیت المقدس میں اللہ کے ذکر و عبادت سے روکا اور ان کی ویرانی کی کوشش کی دنیا میں یہ تو میں مغلوب بھی ہوئیں مسلمانوں کی حکومت بھی نہیں اور یہ وہ نصاریٰ جزیرہ دینے پر مجبور ہوئے اور آخرت میں سب کافروں کو جو بڑا عذاب ہوگا۔ بار بار قرآن مجید میں اس کا ذکر و ذکر ہے اور اس عذاب کی تفصیلات آیات اور احادیث میں مذکور ہیں۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَیْنَ مَا تَوَلَّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ وَّاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۵﴾

اور اللہ ہی کے لئے ہے مشرق اور مغرب، سو تم جس طرف بھی رخ کرو اور اللہ کا رخ ہے، بیشک اللہ واسع ہے، علیم ہے۔

جدھر رخ کرو اور اللہ کا رخ ہے

اہاب القول میں تین واقعات لکھے ہیں جن میں اس آیت کے سبب نزول کا ذکر ہے۔ تینوں واقعات میں یہ تذکرہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام میں سے اندھیری رات میں (اور بعض روایات میں ہے کہ بادل کی وجہ سے) قبلہ کے بارے میں اشتباہ ہو گیا۔ ہر ایک نے اپنے

غور فکر کے مطابق جدھر قبلہ تھیں آیا اُدھر نماز پڑھی تو غلطی معلوم ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے خاموشی اختیار فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ (ان میں سے ایک واقعہ سنن ترمذی "ابواب التفسیر" میں بھی مذکور ہے) جہت قبلہ کا قانون..... آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرق کا بھی مالک ہے اور مغرب کا بھی مالک ہے (بلکہ تمام جہات کا مالک ہے اس عوم میں جنوب اور شمال بھی آگئے) کما قال تعالیٰ: فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ إِنَّا لَقَادِرُونَ لِمَا نَشَاءُ مِنْهُ وَإِنَّا لَهُمْ حَافِظُونَ۔ (سورۃ البقرہ ۱۱۵) اختیار ہے کہ جس جہت کو چاہے قبلہ قرار دے دے اور چونکہ معبود وہی ہے اور سب جہات اُسی کی ملکوت اور مخلوق ہیں اس لئے وہ اپنی عبادت کے لئے جس رخ کا بھی حکم دے اور جس رخ پر بھی عبادت کرنے سے راضی ہو جائے عبادت گزاروں کے لئے وہی جہت قبلہ ہے۔ کسی کو اس میں اعتراض کا کیا حق ہے وہ کعبہ شریف کو قبلہ مقرر فرما دے تو اسے پورا اختیار ہے اور بیت المقدس کو قبلہ بنا دے تو اسے پورا اختیار ہے ان دونوں کے علاوہ اور کسی رخ پر نماز پڑھنے کی اجازت دے دے تو بھی اسے اختیار ہے۔

اللہ تعالیٰ تو اس سے بلند اور بالا ہے کہ اس کا جسم ہو یا وہ کسی جہت میں: وجدھر بھی رخ کیا جائے اُدھر اللہ کا رخ ہے (۱)۔ یعنی حکم خداوندی اور اذن خداوندی کے مطابق جدھر کو بھی نماز پڑھ لیں گے اُدھر ہی وہ جہت ہوگی جس کی طرف تمہیں رخ کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور اسی طرف نماز پڑھنے میں اس کی رضا ہے۔ (قال فی الروح ای فہناک جہتہ سبحانہ النبی امرتم بہا ص ۳۶۵ ح ۱) وفي معالم التنزيل عن مجاهد فی هذه الآية فثم الله وجهه والوجه والوجهة والجهة القبلة وقيل رضا الله تعالى ص ۱۰۸ (۱)۔ یعنی وہی اللہ تعالیٰ کی وہ جہت ہے جس کی طرف رخ کرنے کا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ عالم التنزیل میں حضرت مجاہد سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ اُدھر ہی اللہ کا رخ سے مراد ہے کہ اُدھر ہی قبلہ ہے۔ اور وجہ و جهة اور جهة قبلہ کو کہتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وجہ اللہ سے اللہ تعالیٰ کی رضا مراد ہے)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت سفر میں نفل نماز پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تشریف لارہے تھے اور اپنی سواری پر نفل نماز پڑھ رہے تھے۔ سواری جدھر بھی متوجہ ہوتی آپ برابر نماز میں مشغول رہے۔ (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ البقرہ)

انس بن سیرین کا بیان ہے کہ ہم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا استقبال کیا جبکہ وہ شام سے آرہے تھے ہم نے دیکھا کہ مقام یمین النمر میں اپنی سواری پر نماز پڑھ رہے ہیں اور رخ قبلہ سے بنا ہوا ہے جو بائیں جانب کو ہے۔ میں نے کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں آپ قبلہ کے رخ کے علاوہ دوسری طرف کو نماز پڑھ رہے ہیں انہوں نے فرمایا کہ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں ایسا نہ کرتا یہ روایات صحیح مسلم میں مذکور ہیں۔ (ع ۲۴۵/۲۴۶ ج ۱)

(۱) قال الفرطبی فی تفسیرہ اختلف الناس من تاویل الوجه المضاف الی اللہ تعالیٰ فی القرآن والسنة فقال الحذف ذلک راجع الی الوجود والعبارة عنه بالوجه من مجاز الکلام اذ کان الوجه اظهر الاعضاء فی الشاهد وأجلها فذرا قال ابن عباس الوجه عبارة عنه عز وجل کما قال ویفی وجہ وبک ذوالجلال والاکرام وقال بعض الانمة تلک صفة ثابتة بالسمع زائدة علی ما توجبه العقول من صفات القديم تعالیٰ قال ابن عطیہ وضعف أبو المعالی هذا القول وهو کذلک ضعيف وانما المراد وجوده وقيل المراد بالوجه هنا الجهة التي وجهنا إليها ای القبلة وقبل الوجه المقصد وقبل المعنى وثم رضا الله و ثوابه کما قال تعالیٰ انما نطعمکم لوجه الله ای لرضائہ وطلب ثوابه ومنه قوله صلى الله عليه وسلم من بنى مسجداً بنبی به وجه الله بنى الله له مثله فی الجنة (ص ۸۳ ج ۲)

آیت کے اخیر میں فرمایا اِنَّ اللہَ وَّاسِعٌ عَلَیْہِ یعنی وہ بندوں پر ان کے دین میں وسعت عطا فرماتا ہے اور ایسی کسی بات کا حکم نہیں دیتا جو ان کی طاقت سے باہر ہو بعض حضرات نے فرمایا کہ واسع سے مراد ہے کہ اس کا علم ہر چیز و محیط ہے ایسی کوئی چیز نہیں جو اس کے علم سے باہر ہو۔ جیسا کہ سورۃ طہ میں فرمایا: وَسِعَ کُلَّ شَیْءٍ عِلْمُہٗا وَرَفَعْنَا کَافُلَہٗا یَہُیَیْہِ بِہٖ کہ واسع معنی جو ادا اور بخشنے ہے جس کی عطا ہر ایک کو شامل ہے بعض مفسرین نے اس کا معنی واسع المغفرہ بتایا ہے یعنی کوئی بھی گنہگار ایسا نہیں جس کا بخشا اس کے نزدیک مشکل ہو۔ (منظر قطیفی ص ۸۳ ج ۲)

روح المعانی ص ۳۶۵ ج ۱ میں ہے۔ اِنَّ اللہَ وَّاسِعٌ اِی محیط بالاشیاء ملکا او رحمة فلینذا وسع علیکم القبلة ولم یضیق علیکم علیم بمصالح العباد و اعمالہم فی الاماکن۔

(یعنی اللہ تعالیٰ مالکیت کے اعتبار سے یا رحمت کے اعتبار سے ہر چیز و محیط ہے اسی لئے اس نے قبلہ کے بارے میں تم پر آسانی فرمادی اور تنگی نہیں فرمائی اور وہ بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اور جس جگہ بھی کوئی قتل کریں وہ اس سے باخبر ہے۔ اھ) البذاہ و سب و ثواب عطا فرمانے لگا۔ وہ قلوب کے احوال بھی جانتا ہے اگر کسی نے اندھیرے میں اپنے غور و فکر کے مطابق قبلہ کی عین جہت کے خلاف نماز پڑھی لیکن پھر بھی اللہ ہی کے لئے اس کا قصہ امانت ہی ہے بغیر دقت نہیں تو ثواب کا مستحق ہوگا اور اسے اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی۔

قبلہ کے مسائل

مسئلہ..... استقبال قبلہ نماز کی شرائط میں سے ہے فیہ قبلہ نماز پڑھتے تو نماز نہ ہوگی ہاں اگر کوئی شخص خوف ہے تو ہی دشمن اسے عین قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھنے دیتا تو جس طرف منہ کر کے پڑھ سکتا ہوا قی طرح پڑھ لے، اس وقت یہی اس کا قبلہ ہے۔

مسئلہ..... اگر کوئی ایک فرد یا جماعت کسی جگہ موجود ہو اور قبلہ میں اشتباہ ہو جائے اور وہاں پر کوئی بتانے والا بھی نہ ہو تو ہر شخص اپنے اپنے طور پر خوب غور و فکر کرے۔ جس طرف دل سمجھے ہر شخص اس طرف کو نماز پڑھ لے۔ اگر غور و فکر کے بعد کسی طرف کو نماز پڑھنی شروع کی اور نماز کے اندر ہی پتہ چل گیا کہ قبلہ دوسری طرف کو ہے تو اسی طرف گھوم جائے، پھر سے نماز پڑھنا ضروری نہیں۔

مسئلہ..... اگر نماز پڑھنے کے بعد معلوم ہو کہ غلط رخ پر نماز پڑھی گئی تو نماز ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ..... اندھیری رات میں کسی جگہ مسلمان موجود ہیں قبلہ کا علم نہیں ہے ان میں سے ایک شخص امام بن گیا اور امام اور مقتدی سب نے اپنے اپنے غور و فکر سے ایک جہت کو نماز پڑھ لی اور ہر ایک کی جہت مختلف تھی اور مقتدیوں کو یہ علم نہیں کہ امام کا رخ کدھر ہے تو یہ نماز باجماعت صحیح ہو جائے گی۔ ہاں اگر کسی کو یہ پتہ ہے کہ امام کا رخ فلاں جانب ہے اور وہ رخ اس مقتدی کے نزدیک صحیح نہیں ہے تو اس مقتدی کی نماز نہ ہوگی کیونکہ وہ اپنے امام کو غلطی پر سمجھے ہوئے ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص امام سے آگے بڑھ گیا یعنی امام کے آگے کھڑا ہو گیا (اس طرح سے کہ امام کا چہرہ اس کی پشت کی طرف ہو۔ تو بھی اقتداء صحیح نہ ہوگی۔ (من البدایہ باب شروط الصلاة)

مسئلہ..... جو شخص آبادی سے باہر ہو اور جانور پر سوار ہو چاہے کہ میں نفل نماز پڑھوں تو وہ بیٹھے بیٹھے اپنی سواری پر نفل نماز پڑھ سکتا ہے۔ اگرچہ سواری کا رخ قبلہ کی جانب نہ ہو جیسا کہ حضہ را قدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اور بعض صحابہ کا مثل ہے واللہ صحیح مسلم گزر چکا۔

مسئلہ..... فرض نماز غیر قبلہ کی طرف رخ کر کے پڑھی جائے تو صحیح نہ ہوگی (۱) یہ کہ قبلہ معلوم نہ ہو اور کوئی بتانے والا نہ ہو تو اس صورت میں تحریری یعنی غور و فکر کر کے نماز پڑھ لے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کر نیوالوں کی گمراہی

اس آیت شریفہ میں شرکین کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں پھر نورانی سُبْحَانَهُ فرما کر ان کی تردید کی اور خالق و مالک جل وعلیٰ کی تنزیہ بیان فرمائی، اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرنے کا شرکیہ عقیدہ یہ جو میں بھی رہا ہے کیونکہ وہ حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتاتے تھے۔ اور نصرانیوں کے بارے میں تو کبھی جانتے ہیں کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتاتے ہیں۔ سورۃ قہ میں ہے: **وَقَالَتِ الْيَهُودُ غَيْرُ ابْنِ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ** اور شرکین عرب کا عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا: **إِنَّا صُفِّحْنَا وَرَبُّكُمْ بِالْبَنِينَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَاثًا إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ قَوْلًا عَظِيمًا** (کیا تمہارے رب نے تم کو بیٹیوں کے ساتھ خاص کیا اور وہ فرشتوں کو بیٹیاں بنالیا۔ بیشک تم بڑی بیجا بات کہتے ہو) اور سورۃ زخرف میں فرمایا: **وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ إِنَاثًا أَشَهِدُوا خَلْقَهُمْ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيَسْتَلْذِقُونَ** (اور انہوں نے فرشتوں کو جو کہ خدا کے بندے ہیں عورت قرار دے رکھا ہے کیا وہ ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے ان کا یہ دعویٰ لکھ لیا جائے گا اور ان سے باز پرس ہوگی) قرآن مجید میں جگہ جگہ اس عقیدہ کی تردید فرمائی اور یہ اُخْبَاس میں واضح طور پر فرمایا ہے: **لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَهُ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ** (کس نے نہ ہی کو جنم نہ دیا نہ ہی کو جنم کیا اور وہ کسی کے برابر نہیں)۔ سورۃ انعام میں فرمایا: **وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ** (بدیع السموات والارض طے انہی یکنون لہ ولد ولہم تکن لہ صاحبۃ ط وخلق کل شیء وھو بکل شیء علیہم)۔

(اور لوگوں نے جنات کو اللہ کا شریک قرار دے رکھا ہے حالانکہ ان کو خدا نے پیدا کیا اور ان لوگوں نے اللہ کے لئے بیٹے اور بیٹیاں محض بلا سند تراش رکھی ہیں وہ پاک اور برتر ہے ان باتوں سے جن کو یہ لوگ بیان کرتے ہیں وہ آسمانوں اور زمین کا وہجہ ہے۔ اللہ کے اولاد کہاں ہو سکتی ہے حالانکہ اس کے کوئی ساتھ والی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے)

سورۃ طہ میں فرمایا: **وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا ۚ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِذَا ۚ تَكَادُ السَّمَوَاتُ يَتَخَطَّوْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًا ۚ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا ۚ وَمَا يُنْبِغِي لِلرَّحْمَنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ۚ أَنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتَى الرَّحْمَنِ عَبْدًا**۔

(اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اختیار کی ہے۔ تم بہت زیادہ بڑی بات لے کر آئے۔ کچھ بعید نہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین کے ٹکڑے اُڑ جائیں اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں اس بات سے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ کے شایان شان نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے جتنے بھی کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں سب خدا تعالیٰ کے رُوبرو بندے بنے ہوئے حاضر ہوتے ہیں)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان نے مجھے جھٹلایا حالانکہ اس کے لئے ایسا کرنا درست نہ تھا اور اُس نے مجھے گالی دی حالانکہ اس کے لئے ایسا کرنا درست نہ تھا۔ اس کا جھٹلانا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں (موت وے کر) دو بار وہ اسے زندہ نہ کروں گا جیسا کہ میں نے اُسے شروع میں پیدا کیا اور اُس کا گالی دینا یہ ہے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب اولاد ہو گیا حالانکہ میں بے نیاز ہوں نہ میں نے کسی کو جنم دیا نہ میں جنم لیا اور نہ کوئی میرے برابر ہے۔ (صحیح بخاری ص ۴۴ ج ۲)

ان آیات سے اور حدیث شریف سے معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد و تہذیب و تمدن اللہ تعالیٰ کو بہت ہی زیادہ اہم ہے اور یہ بہت بڑا کفر ہے اور بہت بڑا شرک ہے۔ یہ ایسی چیز ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا جلم نہ ہو اور اس کا مخلوق کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ نہ ہو تو اس شرک کی وجہ سے آسمان وزمین کے ٹکڑے ہو جائیں اور پہاڑ ٹکڑ ٹکڑ ہوں۔

اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی حلیم نہیں..... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تکلیف دینے والی باتیں سن کر صبر کرنے میں اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے ادا تجویز کرتے ہیں۔ وہ پھر بھی ان کو عافیت دیتا ہے اور رزق عطا فرماتا ہے۔ (مسند امام احمد، ج ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹،

تکلیف تو جسم اور جان کو: وقتی ہے اور اللہ تعالیٰ مخلوق کی مشابہت سے پاک ہے۔ آئین لوگوں کی باتیں ایسی ہیں جو تکلیف دینے والی ہیں۔ اور ان سے اللہ تعالیٰ کو سخت ناگواری اور بیزاری ہے وہ پھر بھی زندہ رکھتا ہے، رزق اور عافیت دیتا ہے اور عذاب دینے میں جلدی نہیں فرماتا۔ اصحاب دنیا میں کسی ذرا سے صاحب اقتدار کو بھی کوئی ناگواری کی بات کہہ دی جائے تو وہ بہت جلد سزا دینے کو تیار ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا بَیِّنٌ لِّكَ مَا فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ نَحْلُ لَكَ قَابَتُونِ کہ جو بھی کچھ آسمانوں میں اور زمین میں موجود ہے۔ یہ سب اللہ کی مخلوق ہے اور مملوک ہے اور سب اس کے بندے ہیں اور سب اس کے فرمانبردار ہیں، خالق اور مخلوق کے درمیان اور مالک و مملوک کے درمیان اور عابد و معبود کے درمیان نسبی کوئی رشتہ نہیں ہو سکتا۔ رشتہ کے لئے ہم جنس ہونا ضروری ہے لہذا خالق تعالیٰ شانہ کی کوئی اولاد و ناجی محال ہے اس کے لئے اولاد و تجویز کرنا اس کے لئے عیب تجویز کرنا ہے اور اس کی ذات کھتا جتنا ہے اور اس کے لئے برابر کا تجویز کرنا ہے اور وہ ان سب باتوں سے پاک ہے۔ بلند و بالا ہے، اسی لئے حدیث شریف میں فرمایا کہ اللہ کے لئے اولاد و تجویز کرنا اس کو گالی دینا ہے یعنی اسکی ذات کو ایسی چیز سے متعسف کرنا ہے جو اس کیلئے ناقض اور عیب کی چیز ہے۔ پھر فرمایا بَیِّنٌ لِّكَ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ (الآیۃ) یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو بامثال پیدا فرمایا ہے آسمان اور زمین کا پہلے وجود نہ تھا خداوند قدوس نے ان کو بغیر مثال اور بغیر نمونہ کے پیدا فرمایا اور جو کچھ ان کے اندر ہے وہ بھی پیدا فرمایا اور انظام محکم کا ان کو پابند بنایا سب اس کے مکالمہ کا مونی کے پابند ہیں وہ جیسے چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے۔ وہ فَعَالٍ لِّمَا يُرِيدُ ہے۔ وہ ہفت الافعال سے مہمکت نہیں ہے اور جب کسی کے اولاد و وقتی ہے تو اس میں سے اولاد و منفصل یعنی خدا: وقتی ہے اور یہ سہرا یا صفیت الافعال ہے جس سے اللہ جل شانہ منزہ اور پاک ہے اور برتر ہے۔ (من زیور المعانی ص ۶۸ ج ۳)

پھر فرمایا: وَإِذَا قُلْتُمْ فَاقُولُوا لَهُ شَيْءٌ فَيَكُونُ (اور جب وہ کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرما دیتا ہے کہ ہو جائے گا) اس کا وجوہ (ہو جاتا ہے) اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نام لکایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ کسی بھی چیز کے پیدا فرمانے کے لئے اسباب اور آلات کا محتاج نہیں ہے۔ کسی چیز کے وجود میں آنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہی کافی ہے جس طرح اسے اسباب اور آلات کی ضرورت نہیں اسی طرح معین اور مددگار کی بھی ضرورت نہیں اولاد کا فائدہ دیتا ہے کہ وہ کاموں میں کچھ مدد کرے یا باپ کی موت کے بعد اس کا قائم مقام ہو۔ اللہ تعالیٰ شایانہ ازل و ابدی ہے۔ اسے کسی اولاد کی ضرورت نہیں جو اس کی جگہ قائم مقام ہو اور اس کی قدرت بھی کامل ہے محض اس کے ارادے سے سب کچھ ہو جاتا ہے۔ (۱)

(١) في روح المعاني أي أراد شياً بقرينة قوله تعالى إنما أمره إذا أراد شيئاً أن ينادي فجاءه قبضاً على وجوده نرجع كلها إلى انعام الشئ قولاً أو فعلاً واطلافة على الإرادة مجاز من استعمال اللفظ المسبب في السبب فإن الإيجاد الذي هو انعام الشئ مسبب عن تعليق الإرادة لانه بوجهه (ص ٣٦٨ ج ١)

پھر فرمایا: **قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ الْقَوْمَ يُؤْفِكُونَ**۔ (بے شک ہم نے واضح بیان کر دیا ہے، ان لوگوں کے لئے جو یقین کرتے ہیں) تمام انبیاء سابقین علیہم السلام و تجزئات دینے گئے۔ وہ ان کی نبوت اور رسالت ثابت کرنے کے لئے بالکل کافی وافی تھے اور نبی آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر بھی بڑے بڑے معجزات اور دلائل واضح سامنے آچکے ہیں۔ منکرین اور معاندین کو وہ ماننا ہی نہیں ہے۔ جن نے دلوں میں اتنا حق کا جذبہ ہے اور جو حق سامنے آنے کے بعد حق کو تسلیم کر لیتے ہیں اور حق کو حق جان کر، مان لیتے ہیں اور ایمان لے آتے ہیں یہ دلائل انہیں کے لئے مفید ہوتے ہیں منکرین کا طریقہ یہ رہا ہے کہ جو بھی کوئی معجزہ ان کے سامنے آیا اس کو جادو بتا دیا اور حق کو ٹکڑا دیا جس کو سورت قرمیں یوں بیان فرمایا کہ: **وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعَرِّضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُسْتَمِرٌّ**۔ (اور اگر معجزہ دیکھتے ہیں تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا) سورۃ انعام میں فرمایا: **وَاقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لَيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُشْعُرُكُمْ أَنِّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ**

(یعنی انہوں نے خوب زور دیا کہ تم میں کھا کر کہیں کہ اگر ہمارے پاس (ایسا) غزوہ آجائے (جس کی ہم فرمائش کرتے ہیں) تو ہم ضرور ضرور ایمان لے آئیں گے۔ آپ فرمادیں کہ سب نشانیاں اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہیں۔ پھر مسلمانوں سے خطاب فرمایا تم کو اس کی کیا خبر کہ نشانی فرمائش کے مطابق ظاہر ہو جائے تو یہ لوگ اس وقت بھی ایمان نہ لائیں گے)۔

اپنی طرف سے تجویز کر کے دلائل و تجزئات طلب کرنا ایمان لانے کے لئے نہیں بلکہ خنص ضد اور منافقہ ہونے پر شک ہونے ہیں ایمان والے یقین کا ارادہ ہی نہیں رکھتے۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ ﴿۱۰﴾

بے شک ہم نے آپ کو بھیجا ہے حق کے ساتھ خوش خبری و نذرانے ۱۰۔ اور نہ آپ کے بارے میں آپ سے سوال نہیں کیا جائے گا۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشیر و نذیر بنا کر بھیجے گئے

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے یہ فرمایا کہ ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ اور آپ کا مہدویہ ہے کہ آپ جنت کی بشارت دیں اور دوزخ سے ڈرائیں بشرت میں وہ اعمال بتانا داخل ہے جو دخول جنت کا سبب ہیں جن میں سب سے بڑی چیز ایمان ہے اور ڈرانے کے مقبوم میں ان اعمال سے باخبر کرنا شامل ہے جو دوزخ میں لے جانے والے ہیں جن میں سب سے بڑی چیز کفر و شرک ہے، اور یہ فرمایا کہ **وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ** (کہ آپ سے دوزخ والوں کے بارے میں سوال نہ ہوگا) اس میں آپ کو تسلی دی گئی ہے کہ جو لوگ مسلمان نہ ہوں آپ ان کے بارے میں پریشان نہ ہوں آپ اپنا کام کیے جائیں، اللہ کا کلام پہنچائیں، حق کو واضح طور پر بیان فرمائیں، آگے ایمان کو قبول کرنا یا نہ کرنا مخاطبین کی ذمہ داری ہے۔ آپ سے کوئی سوال نہ ہوگا کہ کافروں نے اسلام کیوں قبول نہ کیا اور وہ دوزخ کے مستحق کیوں ہوئے زبردستی ایمان قبول کرانا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ آپ کا کام یہ پیام پہنچانا دینا ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے۔ **كَمَا فِي سُوْرَةِ الرَّعْدِ فَاتَمَّا عَلَيْنَا الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ**۔ سورۃ غاشیہ میں فرمایا: **فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ۚ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ**۔ (یعنی آپ حق کی یاد دہانی کرتے رہیں آپ تو مذکور ہی ہیں (یاد دہانی کرنے والے) آپ کو ان پر مسلط نہیں کیا گیا)۔ اور سورۃ ق کے اخیر میں فرمایا: **نَحْنُ أَغْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَمَا أَنْتَ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مِنْ يَخَافُ وَعَبِيدَ**۔ (یعنی ہم ان باتوں

کذاب جانتے ہیں جو وہ کتب میں اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں سو آپ ان کو قرآن کے ذریعہ نصیحت فرماتے رہیں جو میں نے ہم سے دیتا ہے) فقال صاحب الروح والایة اعتراض لتسلیة الرسول صلی اللہ علیہ وسلم بضیق صدورہ لاحصاؤہم علی الکفر (الی ان قال) ای او سلناک غیر مسئول عن اصحاب الجحیم مالہم لم یؤمنوا بعد ان بنعت ما ارسلت بہ والرحمت الحجة علیہم۔ (صاحب روح المعانی کہتے ہیں یہ آیت حنفیہ واصل اللہ علیہ وسلم کی سی کہتے آئی ہے کیونکہ آپ کفار کے اصرار علی النفر کی وجہ سے بہت دل شکستہ تھے یعنی ہم نے آپ کو اس حال میں بھیجا کہ آپ سے جہنم والوں کے بارے میں یہ سوال نہیں ہوگا کہ وہ ایمان کیوں نہیں لائے جبکہ آپ انہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا چکے اور ان پر حجت لازم کر چکے)

وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۚ قُلْ اِنْ هٰدَىٰ اللّٰهُ هُوَ الْهُدٰى

اور پھر راضی نہ ہوں گے آپ سے یہود و نصاریٰ یہاں تک کہ آپ ان کے دین کا اتباع نہ کریں۔ آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ

وَلَیِّنَ اتَّبَعْتَ اَهْوَاٰهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَاۤءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۚ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلٰیٍّ وَلَا نَصِیْرٍ ۝

اللہ کی ہدایت جو ہے اسی ہدایت ہے اور اگر آپ نے ان کی خواہشوں کا اتباع کیا بعد ازاں آپ نے اس میں کوئی دلی اور مددگار اللہ سے نہ پایا۔

یہود و نصاریٰ راضی نہیں ہو سکتے جب تک ان کے دین کا اتباع نہ کیا جائے

تفسیر عالم التنزیل ص ۱۱۰ تا ۱۱۱ میں ہے کہ یہود و نصاریٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ میں کچھ صلح کر لیں (یعنی بعض چیزوں میں آپ نیچے اتر جائیں اور کچھ قبول کر لیں) وہ یہ کہ ہم آپ کا دین قبول کر لیں گے۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ تفسیر قرطبی ص ۹۳ ج ۲ میں آیت بالا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کا اپنے تجویز کردہ دلائل و معجزات کا مطالبہ اس لئے نہیں ہے کہ ان کے کہنے کے مطابق معجزات ظاہر ہو جائیں تو یہ واقعی ایمان لے آئیں گے حقیقت بات یہ ہے کہ آپ ان کے سامنے وہ معجزات لے آئیں جن کا یہ سوال کرتے ہیں تب بھی آپ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے۔ ان کا مقصد تو یہ ہے کہ آپ اپنے دین اسلام کو چھوڑ دیں اور ان کا پورا پورا اتباع کر لیں۔ جب تک آپ ان کے دین کا اتباع نہ کریں گے یہ کبھی آپ سے راضی ہونے والے نہیں۔

پھر فرمایا قُلْ اِنَّ هٰدٰی اللّٰهُ هُوَ الْهُدٰی کہ بلاشبہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے اس کے سوا کوئی ہدایت نہیں اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ غلط ہے مگر اسی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں ہے لوگوں نے اپنے اپنے طور پر اپنی خواہشوں سے مذاہب بنا لئے ہیں۔ ان کا دین اختیار کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر آپ نے ان کی خواہشوں کا اتباع کیا جبکہ آپ کے پاس علم آپ کا ہے آپ اللہ کی گرفت میں آ جائیں گے اور اس وقت اللہ کی گرفت سے بچانے والا کوئی حامی اور مددگار نہ ہوگا۔ (کما فی سورۃ الرعد) وَلَیِّنَ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۤءَ هٰۤؤُلَآءِ بَعْدَ مَا جَاۤءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۚ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلٰیٍّ وَلَا نَصِیْرٍ ۝

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ خطاب یا تو ہتھیتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور یا بظاہر آپ کو خطاب کیا ہے اور مراد اس سے آپ کی امت ہے اگر پہلی صورت مراد لی جائے تب بھی اس میں امت کے لئے ہادیب ہے کیونکہ امت کا مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ سے کہیں کم ہے۔ پس جب وہ مردوں کی خواہشوں کے اتباع سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مواخذہ ہو سکتا ہے تو اگر امت ایسا کوئی کام کرے گی جس میں دوسروں کا اتباع ہو وہ کیونکر مواخذہ سے بچے گی۔

”وَمَنْ يَكُفِّرْ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ يَفْعَلُ اللَّهُ بِمَنْ يُشَاءُ“۔ جو کافر اپنے خالق اور مالک کو راضی رکھے اور اسے راضی رکھنے کے ذیل میں جو راضی دیتا: دوہو راضی رہے جو ناراض دیتا: دوہو ناراض رہے کوئی اپنا بویا پر لایا خدا کو ناراض کر کے کسی دوسرے کو راضی کرنے کی کوشش ایمانی تقاضوں کے سوا ہر خلاف ہے۔ آجکل ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں وہ اپنے اعمال اور لباس اور قطع اور شکل و صورت میں یہ دوہو نفسا کی کاتباغ کرتے ہوئے ہیں اور ان لوگوں کے سامنے اپنے کچھتیر جانتے ہیں اور انہیں راضی رکھنے کے لئے راضی بھی موندتے ہیں، یورپین لباس بھی پہنتے ہیں، دھڑول کو بھی بے پروہ پھرتے ہیں اور غیہ دہن سے ان کے مصافحہ کرتے ہیں۔ مانی اگے کو بڑھ سکتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو یہ دشمنان اسلام طلعتے دیں گے۔ اور زمین اچھی نظر سے نہ دیکھیں گے۔ انہوں نے کہ ان کو یہ منظور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی ہو جائے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع چھوٹ جائے لیکن اہل غیر راضی رہیں اور عزت کی نظر سے دیکھیں چاہے آخرت میں گنہگاروں کے ارتکاب کی وجہ سے مذاب بن بھگستا پڑے۔ حالانکہ وہ لوگ کسی بھی طرح سے راضی نہیں ہو سکتے وہ تو اسی وقت راضی ہوں گے جب العیاذ باللہ وہ سن اسلام کو چھوڑ کر ان کی ملت و مذہب کا اتباع کر لیا جائے۔

”ہمیں کافروں کی طرف دیکھنے کی ضرورت کیا ہے؟ ہماری عزت اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ ہم قومین و جد میں افضل الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں ان کا دامن ہمارے ہاتھ میں ہے۔ یہ ہمارے لئے اتنا بے فائدہ ہے کہ اس سے بڑا اور فخر نہیں اور بیکو ہمارے سب کچھ عزت ہے۔ دشمنوں کے اتباع میں دنیا و آخرت کی ذلت ہی ذلت ہے۔ اور بلا کتب اور بربادی ہے۔ سہرہ نفسا، میں فرمایا: اَلْبَشَرُ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةُ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا کیا ان کے پاس عزت زر بنا چاہتے: دوہو عزت از تو سارا خدا تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔

فائدہ..... آیت ثانیہ میں حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مَلَّتَهُمْ فرمایا حالانکہ ابتداء آیت میں یہ دوہو نصاریٰ و یوں جماعتوں کا ذکر ہے اور ہر ایک کی ملت الگ الگ ہے۔ پھر بھی دشمنی کا صیغہ نہیں لایا گیا۔ اور یوں نہیں فرمایا کہ آپ سے یہ دوہو نصاریٰ ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک کہ آپ ان کی ملتوں کا اعتبار نہ کریں۔ اس سے علما تفسیر نے یہ بات مستنبط کی ہے کہ کافر اگرچہ مذہبی اعتبار سے اختلاف رکھتے ہوں۔ لیکن کفر میں سب شریک ہیں اس لئے ان سب کی ملت بھی ایک ہی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ملتیں دنیا میں وہ ہیں ایک ملت ایمان اور ایک ملت کفر۔ فقہاء نے اس سے میراث کے بعض مسائل ثابت کئے ہیں اور یہ بات تو سب پر واضح ہے کہ کافروں کی ساری جماعتیں اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں ایک ہی ہیں۔ اور سب کی یہ کوشش ہے کہ اسلام نہ پھیلے اور مسلمان دنیا میں عروج نہ پانیں۔ اسلام کے خلاف تدبیریں کرتے ہیں ان میں کبھی کافر مشرک یا مال سے یا دل سے شریک ہوتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ بعض و فرتے جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں اور عقائد کے اعتبار سے مسلمان نہیں ہیں وہ بھی اسلام دشمنی میں اور مسلمانوں کی کابوتوں کی تباہ کاری میں یہ دوہو نصاریٰ اور مشرکین سے کسی طرح بھی پیچھے نہیں ہیں۔

مسلمانوں کو تنبیہ..... آیت بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے لئے ایسی کوئی صورت نہیں کہ کافروں کے ساتھ اپنے دین میں کوئی مہانت اور مصالحت کر لیں۔ وہ سن اسلام اللہ کا بھیجا ہوا دین ہے۔ بندوں کا تجویز کیا: وہ انہیں ہے۔ بندوں کو کوئی اختیار نہیں کہ کچھ اڈنچ کر کے دینی مسائل اور احکام میں رو و بدل کر کے دشمنوں کے ساتھ زندہ رہنے کے لئے کوئی راستہ نکالیں۔ دشمنان اسلام یہ کر سکتے ہیں کہ اپنے دین کو بدل دیں کیونکہ ان کا دین ان کا اپنا ہی بنایا ہوا ہے اپنی بنائی ہوئی چیز میں اول بدل کر سکتے ہیں لیکن مسلمان جو اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے پابند ہیں وہ اپنے دین میں کوئی تبدیلی نہیں لا سکتے اگرچہ چند جالوں نے مل کر کسی حکم کو

بدل بھی دیا تو ان کا یہ عمل کافرانہ ہوگا۔ اور اسلام میں کوئی تبدیلی نہ آئے گی۔

الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ ۖ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۚ وَمَنْ

وہ جو کتاب دی ہے وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں، جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے، یہ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو شخص

يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۖ

اس پر ایمان نہ لائے سو یہ لوگ پوری طرح خسارہ میں ہیں۔

جن کو کتاب ملی ہے وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ تلاوت کا حق ہے

اس آیت شریفہ میں اہل ایمان کی تعریف فرمائی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی اس طرح تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ایسی تلاوت کرنا جیسا کہ تلاوت کا حق ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں جن چیزوں کو خلل قرار دیا ہے ان پر عمل کریں اور جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان کو اختیار نہ کریں اور قرآن کو اسی طرح پڑھیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا، اس کے کلمات میں تحریف نہ کریں اور اس کے معانی میں کوئی تبدیلی نہ کریں، حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اس کے محکمات پر عمل کریں اور مقابہات پر ایمان لائیں اور جو کچھ اشکال پیش آئے اس کو اہل علم کے سپرد کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو تلاوت کرتے وقت کسی رحمت والی آیت پر پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے رحمت کا سوال کرتے ہیں اور جب کسی عذاب کی آیت پر پہنچتے ہیں تو اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ (ابن کثیر ص ۱۶۳، ۱۶۴ ج ۱)

یہ جو فرمایا کہ اسی طرح تلاوت کریں جیسا کہ نازل ہوا اسی میں تجوید کے ساتھ پڑھنا بھی داخل ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ قرآن مجید عربی زبان میں ہے۔ عربی ایک مستقل زبان ہے جو ۲۹ حروف پر مشتمل ہے۔ حروف کے مخارج بھی ہیں اور صفات بھی ہیں۔ مخارج اور صفات کا خیال نہ کرنے سے ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جاتا ہے۔ جس سے معانی بھی بدل جاتے ہیں اور بعض مرتبہ نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے۔ ضروری ہے کہ تلاوت کرنے والے قرآن کو صحیح طریقہ پر مخارج و صفات کی رعایت کے ساتھ پڑھیں اور صحیح ادائیگی کے لئے اسباب تجوید سے رجوع کریں۔ علامہ جزری فرماتے ہیں

وَالْأَخْذُ بِالْجَوِيدِ حِمٌّ لَّازِمٌ، علم تجوید کا حاصل کرنا واجب ہے
مَنْ لَمْ يَجِدْ الْقُرْآنَ بِجَوْدٍ الْقُرْآنُ أَثَمٌ، جو شخص قرآن پاک کو تجوید کیساتھ نہیں پڑھتا وہ گنہگار ہے
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَزِيلًا، وَاكْذَابًا مِنْهُ الْبِنَاءُ وَصَلَا، اور یہ تجوید کے ساتھ ہی تم تک پہنچا ہے
کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو تجوید کے ساتھ ہی نازل کیا ہے

پھر فرمایا، أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ کہ جو لوگ اللہ کی کتاب کی ایسی تلاوت کر لے ہیں جیسا کہ تلاوت کر کے کا حق ہے یہ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں، معلوم ہوا کہ ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ اس کی تلاوت اسی طرح کی جائے جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے اور یہ کہ اس کی لفظی یا معنوی تحریف کرنے والے اس پر ایمان لانے والے نہیں۔ آخر میں فرمایا کہ۔۔۔

وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَاُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ یعنی جو لوگ اللہ کی کتاب کے منکر ہیں۔ اس پر ایمان نہیں لاتے یہ لوگ بھراؤ پر خسارہ اور نقصان میں ہیں انہوں نے کفر اختیار کیا اور ایمان کے قریب نہ آئے لہذا وہ فرخ کے عذاب کے مستحق ہوئے۔ اَعَاذَنَا اللہ مِنْهَا۔

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَآءِیْل اذْكُرُوْا نِعْمَتِیْ الَّتِیْ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاِنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۰﴾

۱۔ بنی اسرائیل میری ان نعمتوں کو یاد کرو جن کا میں نے تم پر انعام کیا اور اس بات کو بھی کہ میں نے تم کو جہانوں پر فضیلت دی۔

وَاتَّقُوا یَوْمًا لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَلَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُهَا

۲۔ وہ دن اس دن سے جس دن کوئی شخص کسی جان کی طرف سے کوئی مطالبہ کرے گا اور نہ کسی کی طرف سے جان کا کوئی بدلہ قبول کیا جائے گا اور نہ کوئی

شَفَاعَةٌ وَلَا هُمْ یُنصَرُوْنَ ﴿۷۱﴾

شفاعت نفع دے گی، اور نہ ان کی مدد کی جائے گی

بنی اسرائیل کو نعمتوں کی مکرر یاد دہانی

یہ دونوں آیتیں سورہ بقرہ کے چھٹے رکوع کے شروع میں گزر چکی ہیں۔ دونوں آیتوں میں وہاں ایک طرح کی تمہید تھی جس میں اللہ تعالیٰ نے اجمالی طور پر بنی اسرائیل کو اپنے انعامات یا بولائے تھے اور انہیں آخرت کے عذاب سے ڈرایا تھا، اس کے بعد تفصیلی طور پر بعض نعمتوں کا تذکرہ فرمایا اور ان کی حرکتوں اور بد عملیوں اور جھوٹی آرزوؤں کا اور پھڑے کی پرستش کرنے اور جادو کے پیچھے لگنے اور فرشتوں کو اپنا دشمن بنانے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بی زبان سے زاعسنا کہنے اور اس کے بُرے معنی مراد لینے کا اور بعض دیگر امور کا تفصیلی بیان ہوا۔ بیان کے ختم پر اب یہاں پھر انہیں وہ دونوں آیتوں کو دہرایا جو بطور تمہید شروع میں مذکور تھیں۔ البتہ دوسری آیت میں ذرا سا لفظی فرق ہے اولاً و آخراً ان کو اجمالی طور پر اپنے انعامات یا بولایا کہ ایمان اور اعمال صالحہ میں لگنے کی طرف متوجہ فرمایا اور قیامت کے دن کے عذاب سے ڈرایا اگر انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو سامنے رکھے کہ اللہ نے مجھ پر کیا کیا انعامات فرمائے اور اپنے نفس کا محاسبہ بھی کرے کہ میں نے ان کے مقابلے میں کیا کیا اور ساتھ ہی فکر آخرت بھی ہو تو ایسا شخص ایمان صالحہ سے دُور نہیں رہ سکتا۔ لیکن یہودی ایمان سے بھی گئے اور اعمال صالحہ سے بھی گئے۔

وَ اِذْ اَبْتَٰلٰی اِبْرٰهٖمَ کُوْنُ اَنْہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَتْھُنَّ ۚ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۚ قَالَ

اور جب آزمایا ابراہیم کو ان کے رب نے چند کلمات کے ذریعہ تو انہوں نے اُن کو پورا کیا۔ ان کے رب نے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا

وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۚ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظَّٰلِمِیْنَ ﴿۷۲﴾

بنانے والا ہوں، انہوں نے عرض کیا اور میری اولاد میں سے ان کے رب نے فرمایا کہ میرا عہد ظالم کو نہ ملے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آزمائشوں میں پورا اترنا اور ان کی امامت کا اعلان فرمانا

اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کا پھر اس میں ان کے پورا اترنے کا ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم

نے ان کو چند کلمات کے ذریعہ آزمایا۔

کلمات کی تشریح اور توضیح جن کے ذریعہ آزمایا گیا..... ان کلمات سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں مفسرین کرام نے بہت کچھ لکھا ہے کلمات جمع ہے کلمۃ کی اور کلمہ لفظ منفرد یا معنی کو کہا جاتا ہے اور کلام کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہاں کلمات سے احکام شرعیہ مراد ہیں جن کا ابراہیم علیہ السلام کو مکلف بنایا گیا تھا۔ جو احکام ان کو دیئے گئے انہوں نے ان کو پورا کیا اللہ تعالیٰ شانہ نے ان احکام کے انجام دینے پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف فرمائی۔ یہاں فرمایا: فَاتَّمَّتْ اٰی قَامَ بَيْنَ كَلِمَيْنِ (یعنی جتنے بھی احکام کا حکم دیا گیا ان کو پورا فرمایا) اور سورۃ النجم میں فرمایا وَاٰمَرَ اٰهِنَهُمُ الَّذِي وَفٰی (اور وہ ابراہیم جس نے احکام کی پوری بجا آوری کی) یہ کون سے احکام تھے جن کا ان کو حکم دیا گیا اور وہ ان پر پوری طرح قائم رہے۔ اس کے بارے میں مفسرین نے متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔ خود حضرت ابن عباسؓ ہی کے متعدد اقوال ہیں جو تفسیر کی کتابوں میں مذکور ہیں ان کا ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مناسک حج کا حکم دیا جس کو انہوں نے پورا فرمایا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ طہارت اور نظافت سے متعلق ان کو احکام دیئے تھے اور یہ دس احکام ہیں جن میں پانچ سر کے متعلق اور پانچ باقی جسم کے متعلق ہیں جو سر سے متعلق تھے وہ یہ ہیں۔ ۱۔ مونچھیں کاٹنا، ۲۔ کلی کرنا، ۳۔ سانس کے ساتھ ناک میں پانی لیکر ناک صاف کرنا جیسا کہ وضو اور غسل میں کرتے ہیں۔ ۴۔ احادیث میں اس کو استنشاہ سے تعبیر فرمایا ہے ۴۔ مسواک کرنا، ۵۔ سر کے بالوں میں مانگ نکالنا۔ اور باقی جسم کے احکام یہ ہیں۔ ۶۔ ناخن کاٹنا، ۷۔ ناف کے نیچے بال صاف کرنا، ۸۔ ختنہ کرنا، ۹۔ بغلوں کے بال اکھاڑنا، ۱۰۔ پیشاب اور پاخانہ کر کے پانی سے استنجا کرنا۔

صحیح بخاری (ص ۴۷۳) میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نبی ابراہیم علیہ السلام نے اسی سال کی عمر میں مقام قدوم میں اپنی ختنہ کی، حضرت سعید ابن المسیب سے منقول ہے کہ ابراہیم خلیل الرحمنؑ سب سے پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے مہمان کی مہمان نوازی کی اور سب سے پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے اپنی ختنہ کی اور سب سے پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے اپنی مونچھیں تراشیں اور سب سے پہلے وہ شخص ہیں جن کے چہرے پر سفید بال نظر آئے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب یہ کیا ہے؟ رب تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ وقار ہے (یعنی متانت اور سنجیدگی کی چیز ہے) اس پر انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب میرا وقار اور بڑھاد دیجئے۔ (موطا امام مالک)

حضرت ابن عباسؓ سے تیسرا قول یہ منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن احکام کے ذریعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش فرمائی ان میں سے چھ چیزیں انسان کے اندر ہیں اور چار احکام حج کے متعلق ہیں۔ جسم انسانی کے متعلق چھ عدد یہ ہیں، ۱۔ ناف کے نیچے بال صاف کرنا اور بغلوں کے بال اکھاڑنا، ۲۔ ختنہ کرنا، ۳۔ ناخن کاٹنا، ۴۔ مونچھیں تراشنا، ۵۔ مسواک کرنا، ۶۔ جمعہ کے دن غسل کرنا اور باقی چار جو احکام حج سے متعلق ہیں۔ ۷۔ دیہ ہیں، ۱۔ طواف کرنا، ۲۔ صفا مروہ کے درمیان سعی کرنا، ۳۔ حمرات پر کنکریاں مارنا، ۴۔ طواف زیارت کرنا۔

حضرت ابن عباسؓ سے چوتھا قول یہ منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو جن چیزوں کا حکم دیا اور انہوں نے ان کو پورا کیا وہ تیس چیزیں ہیں ان میں سے دس سورۃ براءت کی آیت اَلَا تَنْبِذُوْنَ الْعِبْدُوْنَ (الْحٰی اٰخِرُ الْاٰیَةِ) میں اور دس سورۃ مؤمنون کے اوّل میں اور سورۃ معارج (کے پہلے رکوع میں) اور دس سورۃ احزاب کی آیت اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ میں مذکور ہیں۔ مکرات کو چھوڑ کر ان سب کا شمار اس طرح سے ہے، ۱۔ توبہ کرنا، ۲۔ عبادت کرنا، ۳۔ اللہ کی حمد کرنا، ۴۔ روزہ رکھنا، ۵۔ رکوع کرنا، ۶۔ سجدہ کرنا، ۷۔ امر بالمعروف کرنا، ۸۔ نہی عن المنکر کی انجام دہی کرنا، ۹۔ اللہ کی حدود کی حفاظت کرنا۔ اس آیت میں نو چیزیں مذکور ہیں۔ لیکن مفسر ابن کثیر

نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہوئے یہی کہا ہے کہ سورۃ برأت میں دس ہیں۔ احقر کے خیال میں یوں آتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے وہ آیت بھی ساتھ لائی ہوگی جو آیت مذکورہ سے پہلے ہے۔ یعنی اِنَّ اللہَ اشَدُّ رِیًّا مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسِهِمْ وَ اَعْوَالَهُمْ بَاقًا لِّهِمْ الْجَنَّةُ ۝ اس آیت میں قتال اور جہاد مذکور ہے اس کو ملا کر دس صفات ہو جاتی ہیں۔ سورۃ مؤمنون میں یہ احکام مذکور ہیں، ۱۔ نماز میں خشوع کرنا، ۲۔ اغو سے اعراض کرنا، ۳۔ زکوٰۃ ادا کرنا، ۴۔ شرم کی جگہ حرام سے محفوظ رکھنا، ۵۔ آمانتوں کی نگہداشت رکھنا، ۶۔ عہد کی پابندی کرنا، ۷۔ نمازوں کی پابندی کرنا۔ یہ چیزیں سورۃ مؤمنون کے پہلے رکوع میں مذکور ہیں۔ سورۃ معارج میں بھی ان چیزوں کا تذکرہ ہے۔ اس میں یہ چیزیں زائد ہیں۔ ۸۔ اپنے مالوں میں مسائل اور محروم کا حصہ رکھنا، ۹۔ اپنے رب کے عذاب سے ڈرنا، ۱۰۔ گواہیوں کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنا۔

سورۃ احزاب میں یہ چیزیں مذکور ہیں، (۱)۔ اسلام کے کام کرنا، (۲)۔ دل سے مؤمن ہونا، (۳)۔ فرمانبرداری کرنا، (۴)۔ قول و عمل میں سچائی اختیار کرنا، (۵)۔ طاعت کی ادائیگی میں اور مصائب کے آنے پر صبر اختیار کرنا، (۶)۔ خشوع اختیار کرنا، (۷)۔ مال خیرات کرنا، (۸)۔ روزہ رکھنا، (۹)۔ شرم کی جگہوں کی حفاظت کرنا، ۱۰۔ بہت زیادہ اللہ کا ذکر کرنا۔ یہ دس چیزیں ہیں لیکن اس میں بعض چیزیں وہ ہیں جو سورۃ مؤمنون کی آیت میں بھی مذکور ہیں اور یہاں اگر خشوع سے مراد مطلق خشوع لیا جائے (نماز میں اور غیر نماز میں) جس کا معنی ہے قلب کا جھکاؤ ہونا تو اس سے خشوع فی الاعمال اور خشوع فی المعاملات بھی مراد ہو سکتا ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ تکبر اختیار نہ کرنے اور قلب و جوارح کو غنا سے اور ہر ایسی چیز سے بچائے جو قلب اور انصاف و جوارح کے جھکاؤ کے خلاف ہو۔ سورۃ برأت میں جو السَّالِفُونَ ہے اس کا ترجمہ بھی روزہ دار کا کیا گیا۔ سورۃ احزاب میں بھی الصالحین مذکور ہے۔ لیکن حضرت عطاء نے السَّالِفُونَ کا ترجمہ الغزاة المجاہدون فی سبیل اللہ بتایا ہے اور حضرت مکرّم نے السَّالِفُونَ ہم طلبۃ العلم (کمانی۔ عالم اشریل) اگر ان میں سے کوئی معنی لیا جائے تو مستقل ایک صفت کا ذکر آ جاتا ہے اور تکرار ختم ہو جاتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پانچواں قول یہ منقول ہے کہ جن کلمات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مبتلا فرمایا اور اُن کو آزمایا وہ یہ ہیں۔

(۱)۔ اپنی قوم سے جدا ہو جانا اور اللہ کے لئے مفارقت اختیار کرنا، (۲)۔ نمرود سے اللہ کی توحید کے بارے میں مباحثہ کرنا اور جان کا خطرہ ہوتے ہوئے ایک جابر کے سامنے کلمہ حق کہہ دینا، (۳)۔ پھر آگ میں ڈالا جانا اور اس کے باوجود حق پر قائم رہنا، (۴)۔ اپنا وطن چھوڑ کر اللہ کے لئے ہجرت کرنا اور دوسری جگہ (ملک شام) چلا جانا، (۵)۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی نیابت کے لئے مامور ہو جانا اور اپنی جان و مال سے اس پر ثابت قدم رہنا، (۶)۔ بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دینا پھر اس کے لئے نہ صرف یہ کہ آمادہ ہو جانا بلکہ اس کے گٹے پر چرچرا پھیر دینا (انہوں نے تو چھری پھیر ہی دی، آگے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوئی اور بیٹا ذبح نہ ہوا۔ یہ دوسری بات ہے) جب یہ سب کام کر گزرے اور امتحان میں پورے اتر گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ... اَنْسَلِمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ (میں رب العالمین کا فرمانبردار ہوں) مفسر ابن کثیر نے حضرت ابن عباس کے یہ اقوال نقل کئے ہیں ہم نے تشریح میں بعض روایات کا اضافہ کر دیا ہے۔ اور آیات مذکورہ میں جو احکام ہیں ان کی تعداد میں جو کلام ہے وہ بھی ذکر کر دیا ہے۔ اس کے بعد مفسر ابن کثیر نے کلمات کی تفسیر میں حضرت حسن بصری کے اقوال نقل کئے ہیں پھر ابن عباس سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ کلمات سے مراد وہ چیزیں ہیں جو اس آیت میں اور اس کے بعد والی آیات میں مذکور ہیں۔ حضرت مجاہد سے بھی ایسا ہی منقول ہے اس کے بعد حافظ ابن کثیر

مفسر ابن جریر سے نقل فرماتے ہیں کہ کلمات کی تفسیر میں جتنے بھی اقوال ہیں ان میں جو کچھ مذکور ہے کلمات سے یہ سب مراد وہاں یہ بھی جائز ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ ان میں سے بعض چیزیں مراد وہاں اور کسی بھی چیز کے بارے میں متعین طریقہ پر اُسی وقت یقین کیا جاسکتا ہے کہ جب کہ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث ہو یا اجماع امت ہو لیکن صحیح حدیث یا اجماع سے ان میں سے کوئی چیز کلمات کی تفسیر میں ثابت نہیں ہے۔ اس کے بعد ابن جریر سے نقل کیا ہے کہ حضرت مجاہد نے جو کلمات کی تفسیر کی ہے وہ زیادہ ٹھیک معلوم ہوتی ہے، لیکن ابن کثیر فرماتے ہیں کہ تمام اقوال میں جو مذکور ہے ان سب کو مراد لینا زیادہ اتواوی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امامت اس کے بعد ارشاد ہے: قَالَ اِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلاشبہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا) علماء تفسیر نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو احکام دے کر آزمایا اور انہوں نے احکام کی پورے طور پر بجا آوری کروئی تو بطور صلہ اور انعام اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کو لوگوں کا پیشوا بنا دیا۔ اور جس احکام میں ان کو بتایا فرمایا تھا ان کے پورا کروانے کا مقصد بھی یہی تھا کہ انہیں اور اخلاق کے اعتبار سے ان کی پوری طرح تربیت ہو جائے تاکہ وہ امامت کے لائق ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طرح پیشوا بنایا کہ اول تو ان کو نبوت سے سرفراز فرمایا ان پر صحیفے نازل فرمائے اور پھر ان کی نسل اور ذریت میں امامت کو جاری فرمایا یعنی ان کے بعد جتنے بھی نبی آئے ہیں وہ سب انہیں کی نسل میں سے تھے اور سب اس بات کے مامور تھے کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی ملت کا اتباع کریں۔ حتیٰ کہ نبی عربی سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی نسل میں سے تھے اور ان کو بھی حکم دیا کہ ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا اتباع کریں۔ كَمَا قَالَ تَعَالَى: ثُمَّ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ اَنْ اَتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ خَنِيفًا اور پوری طرح سے ان کی ملت کے احکام ان کے بعد آنے والے انبیاء کرام علیہم السلام کی ملت میں نہ تھے لیکن اکثر یا بعض احکام ان کے بعد کے شرائع میں ان کی ملت کے موافق اور مطابق تھے۔ یہ تقریر اس صورت میں ہے جبکہ ابراہیم علیہ السلام کی امامت دوائی لی جائے اور اگر یہ مطلب ہو کہ اپنے زمانے کے لوگوں کے پیشوا تھے تو یہ بھی بعید نہیں ہے۔ روح المعانی میں وہ دنوں باتیں لکھی ہیں۔ لیکن امامت سے نبوت مراد لینے کی ضرورت میں کلمات کی تفسیر میں جو بعض باتیں بیان کی گئی ہیں وہ نہیں آسکتیں جب کہ پیشوا ہونے کا اظہار تمام کلمات کے بعد مراد ہو کہ ان کے کا فزع اور بعض دیگر اہم اور جو کلمات کی تفسیر میں بیان ہوئے ہیں وہ نبوت کے بعد ہی ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ (ذکر فی الروح ص ۳۷۵ ج ۱)

لیکن ان میں سے جو کوئی ظالم ہو گا وہ اس مرتبہ پر فائز نہیں ہو سکتا، مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں عہد سے مراد امامت ہے اور متعین طور پر اس سے نبوت مراد ہے اور ظالموں سے کافر مراد ہیں۔ كَمَا قَالَ تَعَالَى: وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں ظالم بھی ہوں گے اور ظالم کو نبوت نہیں مل سکتی اور نبوت کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو نسل تعلق کی وجہ سے ملتی چلی جائے۔ وَبَوَّالُ اللّٰهِ تَعَالٰی كَا فَضْلٍ ہے جس کو چاہا اللہ تعالیٰ نے نبی بنا دیا اور جب چاہا سلسلہ نبوت ختم فرما دیا۔ قَالَ فِی الرُّوحِ وَ عَبَّرَ عَنْهَا بِالْعَهْدِ لِلْاِشَارَةِ اِلٰی اَنْهَا اَمَانَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی وَ عَهْدُهُ الَّذِی لَا یَقُومُ بِهٖ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی مِنْ عِبَادِهِ وَ اَثَرُ النَّبْلِ عَلٰی الْجَعْلِ اَسْمَاءً اِلٰی اَنْ اِمَامَةَ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ ذُرِیَّتِهِ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ لَیْسَتْ بِجَعْلِ مُسْتَقِلِّ بَلْ هِیَ حَاصِلَةٌ فِی ضَمَنِ اِمَامَتِهِ تَنَالُ کُلًّا مِنْهُمْ فِی وَفْقِهِ الْمَقْدُورُ لَهُ۔ (روح المعانی ص ۳۷۷ ج ۱) امامت کو عہد سے تعبیر کرنے کا مقصد اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ امامت اللہ تعالیٰ کی امانت اور اس کا وہ عہد ہے جس کے ساتھ وہی متعین ہوتا ہے جسے اللہ چاہے جَاعِلُكَ کے بعد بنال ذکر کرنے سے اس امر کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ حضرت ابراہیم کی ذریت میں سے جو حضرات امامت کے شرف سے

شرف ہوں گے ان کی امامت امامت مستقلہ نہیں ہوگی، بلکہ انہیں امامت حضرت ابراہیم کی امامت کے ضمن میں حاصل ہوگی جسے وہ حضرات اپنے اپنے مقدرات میں حاصل کریں گے۔

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ۚ وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرٰہِمَ مُصَلًّیٰ ۖ

اور جب ہم نے بنایا خانہ کعبہ کو لوگوں کے حق ہونے کی جگہ اور امن، اور بنا لو مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ

وَعَهْدًا إِلَىٰٓ اِبْرٰہِمَ ۚ وَاسْمِعِیْلَ اَنْ طَهِّرَ بَيْتِيَ لِلطَّٰٓئِفِیْنَ وَالْعٰكِفِیْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿۱۲۵﴾

اور ہم نے ابراہیم اور اسمعیل کو حکم بھیجا کہ تم دونوں میرے گھر کو پاک، نہ طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لئے۔

کعبہ شریف کو مرجع اور جائے امن بنایا

حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے وطن سے ہجرت فرما کر ملک شام چلے گئے تھے ان کی ایک بیوی حضرت سارہ تھی اور اس سے جو اولاد تھی وہ سب وہیں رہتے تھے۔ دوسری بیوی حضرت ہاجرہ تھی، جن سے حضرت اسمعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ ان کو، اور ان کے بیٹے حضرت اسمعیل علیہ السلام کو حکم خدا آپ مکہ معظمہ میں چھوڑ گئے، جو اس وقت سنسان اور چٹیل میدان تھا جس کا واقعہ ان شاء اللہ سورۃ ابراہیم کی تفسیر کے فیصل میں بیان ہوگا۔ جب اسمعیل علیہ السلام بڑے ہو گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے ذبح کرنے کا حکم ہوا جس کی بجائے ابری میں کامیاب ہو گئے۔ نیز دونوں کو کعبہ شریف بنانے کا حکم ہوا۔ دونوں باپ بیٹے نفل کر کعبہ بنایا جس کا ذکر ابھی آ رہا ہے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ) اس آیت شریفہ میں کعبہ شریف کو اول تو مشابہ فرمایا جو شاب بنو اب سے ظرف کا صیغہ ہے۔ جس کا معنی ہے اونٹ کی جگہ، حضرت ابن عباس اور متعدد تابعین سے مروی ہے کہ اس کو مشابہ اس لئے فرمایا کہ لوگ بار بار اس کی طرف آتے ہیں طواف کرتے ہیں اور اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں پھر واپس آتے ہیں، اس کی حاضری دینے سے طواف کرنے سے دل نہیں بھرتا۔ دنیا کے مختلف شہروں کے لوگ اس کی طرف بار بار جمع کرتے ہیں۔ حضرت کمرہ، قنابہ اور عطاء خراسانی نے اس کا ترجمہ مجمع سے کیا یعنی جمع ہونے کی جگہ، مال اس کا بھی وہی ہے جو دوسرے حضرات نے فرمایا۔ کیونکہ جب ہر طرف سے لوگ آتے ہیں تو وہاں جمع ہونے کی صورت پیدا ہو جاتی ہے پھر فرمایا وَاٰمَنَّا (کہ ہم نے کعبہ شریف کو امن کی جگہ بنایا) سورۃ آل عمران میں فرمایا وَفَمِنْ ذٰلِکَ اٰمَنَّا (اور جو شخص اس میں داخل ہوگا امن والا ہوگا) حضرت ابراہیم علیہ السلام، بانی کعبہ ہی کے وقت سے کعبہ شریف کی حرمت ذہنوں میں چلی آ رہی ہے۔ درمیان میں مشرکین بھی کعبہ شریف کے متولی رہے ہیں اور وہ بھی اس کی عظمت اور حرمت کے قائل تھے اور سارے عرب میں یہ بات مشہور تھی کہ یہ امن کی جگہ ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عرب کے لوگ آپس میں لڑتے رہتے تھے ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ پر غارتگری کرتا تھا اور جنگ کرنا ان کا ضروری مشغلہ تھا لیکن مکہ معظمہ کے رہنے والوں پر کوئی قبیلہ حملہ آور نہیں ہوتا تھا۔ اللہ جل شانہ نے

سورۃ عنکبوت میں اہل مکہ پر اپنا انعام ظاہر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا مَّحَرَّمًا مِّنْ ذٰلِکَ النَّاسِ مَن حَظَّ لَہُمْ اَقْبَالُ الْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ یُکْفَرُوْنَ (کیا انہیں معلوم نہیں کہ ہم نے بنا دیا حرم کو امن کی جگہ اور ان کے گرد و پیش میں لوگوں کو اچک لیا جاتا ہے یہ لوگ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں) چونکہ حرم مکہ امن کی جگہ قرار دے دی گئی۔ اس لئے اس میں قتل و قتال جائز نہیں ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کسی کے

لئے یہ حلال نہیں ہے کہ مکہ میں ہتھیار ساتھ لئے پھرے۔ (صحیح مسلم ص ۳۹ ج ۱) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے اس میں قتال کرنا حلال قرار نہیں دیا گیا اور میرے لئے حلال نہیں کیا گیا مگر وہ ان کے تھوڑے سے حصہ میں پس مکہ معظمہ حرام ہے (یعنی اس کی حرمت برابر قائم ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے اس کی حرمت باقی رکھی ہے۔ (بخاری)

یہ جو آپ نے فرمایا کہ میرے لئے اس میں تھوڑی دیر کے لئے قتال حلال کیا گیا اس سے فتح مکہ کا دن مراد ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو شخص حرم کے باہر حل میں کسی کو قتل کر کے حرم میں پناہ لے لے تو اس کو حرم میں قتل نہ کیا جائے بلکہ اس کے ساتھ اٹھا بیٹھا نہ جائے، خرید و فروخت نہ کی جائے، کھانے پینے کو کچھ نہ دیا جائے تاکہ مجبور ہو کر حرم سے باہر آ جائے پھر اسے خارج حرم (حل) میں قتل کر دیا جائے۔ (روح المعانی ص ۳۷۸ ج ۱) حرم مکہ میں جیسا کہ قتل و قتال جائز نہیں اسی طرح اس میں شکار کرنا۔ شکار کے جانوروں کو بھگا نا و زانا بھی ممنوع ہے۔ حرم مکہ سے گھاس اور درخت کاٹنا اور وہاں کے کانٹے کاٹنا بھی ممنوع ہے جس کی تصریح بخاری و مسلم کی احادیث میں موجود ہے۔ اور کتب فقہ میں تفصیل لکھی ہے۔ پھر فرمایا: وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُضَلًّى (اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ) مقام ابراہیم سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں متعدد اقوال مشہور ہیں اور متعدد قول یہ ہے جسے عام مفسرین نے اختیار کیا ہے۔ (اور احادیث شریفہ سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ) اس سے وہ پتھر مراد ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ شریف تعمیر فرماتے تھے یہ پتھر زینہ کا کام دیتا تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اٹھیں اور چونہ وغیرہ دیتے جاتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سے لے کر تعمیر فرماتے تھے۔ جب کعبہ شریف کی تعمیر سے فارغ ہو گئے تو جس جانب کعبہ شریف کا دروازہ ہے اسی طرف دیوار سے ملا ہوا اس کو چھوڑ دیا۔ سالہا سال وہ وہیں تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی اسی جگہ رہا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بھی وہیں تھا۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے وہاں سے بنا کر اس جگہ رکھ دیا جہاں اب ہے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ سیلاب آ گیا تھا جو اس کو بہا کر لے گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے لے کر وہاں رکھ دیا جہاں اب ہے۔ حضرات صحابہ کے سامنے اس کی جگہ بدلی، کسی نے کوئی نکیر نہیں کی اور ساری امت نے اس کا اس جگہ ہونا تسلیم کر لیا جہاں حضرت عمرؓ نے رکھ دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلفا راشدین میں سے ہیں جن کے طریقے پر چلنے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے۔ (علیکم بسنتی و سنتی الخلفاء الراشدين) اور ان کے بارے میں یہ بھی فرمایا: افسدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر۔ (رواہ الترمذی) (یعنی میرے بعد ان کا اتباع کرنا جو میرے بعد ہوں گے یعنی ابو بکر اور عمر) اور اس کو پہلی جگہ سے ہٹانے میں حکمت بھی ہے کیونکہ اب طواف کرنے والوں اور طواف کی رکعتیں پڑھنے والوں کی زیادہ کثرت ہے اگر اپنی جگہ ہوتا اور طواف کرنے والے اُسی کے پیچھے طواف کی رکعتیں پڑھتے تو طواف کرنے والوں کو کعبہ شریف کے قریب سے گزرنے کا راستہ نہ ملتا۔ ایک زمانہ تک مقام ابراہیم ایک چار دیواری کے اندر تھا جو مسقف تھی اور قتل پڑا رہتا تھا۔ موجودہ حکومت نے وہ مسقف عمارت ختم کر کے مقام ابراہیم کو بلوری شیشہ میں رکھ دیا ہے۔ باہر سے مقام ابراہیم دکھائی دیتا ہے جس میں ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کے نشانات صاف نظر آتے ہیں۔ صحیح مسلم ص ۳۹۵ ج ۱ میں ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف کرنے کے بعد مقام ابراہیم کی طرف بڑھے اور قرآن مجید کے یہ الفاظ تلاوت فرمائے: وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُضَلًّى (اور وہاں دو رکعتیں اس طرح پڑھیں کہ مقام ابراہیم کو اپنے اور کعبہ شریف کے درمیان کر لیا۔ ان دو رکعتوں میں سورہ قل: يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ اور سورہ قل: هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ پڑھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنا لیتے تو اچھا تھا تو اس پر آیت وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ

اِبْرَاهِیْمَ فَصَلِّیْ ط نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری ص ۶۵۲ ج ۲) طواف کے بعد جو دو رکعتیں پڑھنا واجب ہے۔ ان کو مسجد حرام میں کسی بھی جگہ پڑھ سکتے ہیں لیکن مقام ابراہیم کے پیچھے پڑھنا افضل ہے۔

ہیت اللہ کو پاک کرنے کا حکم..... پھر فرمایا وَغَشَّيْنَا إِلَیْهِ اِبْرَاهِیْمَ وَاسْمَاعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتَیْ لِلطَّائِفِیْنَ وَالْعَاكِفِیْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ط (اور ہم نے حکم بھیجا ابراہیم اور اسماعیل کی طرف کہ پاک کرو میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے اور وہاں کے مقیمین کے لئے اور رکوع اور سجود کرنے والوں کے لئے) اس میں کعبہ شریف کو پاک رکھنے کا حکم ہے اور کعبہ شریف کے ساتھ مسجد حرام کے پاک رکھنے کا بھی حکم: یوٹیا کیونکہ طواف اور نماز کی ادائیگی اسی میں ہوتی ہے۔ اور پاک کرنے میں سب کچھ داخل ہے۔ باطنی ناپاکی شرک و کفر اور بُت پرستی سے اور گندی باتوں سے جھوٹ سے، فریب سے، بدتملی سے اور ظاہری ناپاکی سے اسے پاک رکھیں۔ طواف ایک ایسی عبادت ہے جو صرف مسجد حرام ہی میں ہو سکتی ہے جو کعبہ شریف کے چاروں طرف ہے۔ آیت شریفہ میں جو لفظ اَلْعَاكِفِیْنَ آیا ہے اس کے بارے میں حضرت سعید بن جبیر کا قول ہے کہ اس سے مکہ معظمہ کے رہنے والے مراد ہیں اور حضرت عطاء نے فرمایا کہ اس سے دواؤگ مراد ہیں جو دوسرے شہروں سے آتے ہیں اور مسجد حرام میں قیام کر لیتے ہیں اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہم جب بھی مسجد حرام میں بیٹھ گئے تو عساکفین میں شمار ہو گئے۔ اور اس کے مضمون میں دواؤگ بھی داخل ہیں جو مسجد حرام میں اعتکاف کریں۔ کیونکہ لفظ عکوف اُن پر بھی صادق آتا ہے۔ اور الرُّكَّعِ السُّجُودِ (رکوع اور سجود کرنے والے) سے نمازی مراد ہیں۔ مسجد حرام میں جس قدر بھی طواف اور نماز کا اہتمام ہو سکے، غنیمت جانے ان دونوں کی بہت بڑی فضیلت ہے۔

طواف کا ثواب..... سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اس گھر کا طواف کرتے ہوئے سات چکر لگائے اور ٹھیک طرح سے شمار کیا اسے ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ہوگا اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ طواف کرنے والا جو بھی قدم رکھے گا اور اٹھائے گا تو ہر قدم پر اللہ تعالیٰ اس کا ایک گناہ معاف فرما دیں گے اور ایک نیکی اس کے اعمال نامہ میں لکھ دیں گے۔ مسجد حرام میں نماز کا ثواب..... مسجد حرام میں نماز پڑھنے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری مسجد (یعنی مسجد نبوی) میں ایک نماز دوسری نمازوں کے مقابلہ میں ہزار نمازوں سے افضل ہے مگر مسجد حرام اس سے مستثنیٰ ہے (کیونکہ اس کا ثواب مسجد نبوی میں نماز پڑھنے سے زیادہ ہے) مسجد حرام میں ایک نماز دوسری نمازوں کے مقابلہ میں ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے۔

(رواہ احمد و ابن ماجہ و ابن خبیب و کما فی الترمذی للحافظ ابن ماجہ ص ۲۱۳ ج ۲)

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنْ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ

اور جب کہا ابراہیم نے اے میرے رب بنا دے اس شہر کو امن والا اور رزق دے یہاں کے رہنے والوں کو پھلوں سے جو ان میں سے

مِنْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاٰلِیَوْمِ الْاٰخِرِ ط قَالَ وَاَمِنْ کَفَرًا فَاَمْتَعْهُ قَلِیْلًا ثُمَّ اِضْطَرُّهُ اِلٰی عَذَابِ

ایمان اسے اللہ پر اور اہم آخرت پر، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جو شخص کفر اختیار کرے، سو میں اسے تمہوڑا سانس دے پھراؤں گا۔ پھر اسے دوزخ کے عذاب کی طرف

النَّارِ ط وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۶۸﴾

جہنم پہنچاؤں گا اور بدیہی جگہ ہے۔

اہل مکہ کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کے لئے اللہ جل شانہ سے درخواست کی کہ اس کو امن والا شہر بنا دیجئے، اللہ جل شانہ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور اس کو بسند امین قرار دیا جس کے متعلق بعض احکام مژشتہ آیت کی تفسیر کے ذیل میں بیان ہو چکے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی دعا کی کہ اس شہر کے رہنے والوں کو جو بھی ان میں سے اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو رزق دیا جائے جو طرح طرح کے پھلوں سے ہو۔ چونکہ انہوں نے پہلے لا ینال غفدی الظالمین کا اعلان سن لیا تھا اس لئے دعا میں اہل ایمان کی تخصیص کر دی اور عرض کیا پھلوں کا انعام اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھنے والوں کو دیا جائے، چونکہ اللہ تعالیٰ دنیا بھی کو دیتے ہیں اور رزق دُنیاوی مؤمن اور کافر سبھی کو ملتا ہے اس لئے اللہ پاک کی طرف سے اعلان ہوا کہ رزق تو سبھی کو ملے گا اس میں ایمان والوں کی تخصیص نہیں ہے مؤمن اور کافر سبھی کھائیں گے لیکن آخرت کا رزق صرف مؤمنین کے لئے مخصوص ہے کافروں کو بھی دنیا میں رزق ملتا رہے گا۔ جتنی جس کی زندگی ہوگی اتنے دن دنیا میں اپنا رزق کھا سکے گا اور دنیا میں جتنی بھی بڑی زندگی ہو آخرت کے مقابلہ میں تھوڑی سی ہے۔ اہل کفر دنیا میں لاپٹی لیں گے دنیا سے نفع اٹھالیں گے لیکن آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں وہاں ان کو دوزخ میں جانے کے لئے مجبور ہونا پڑے گا۔ اور دوزخ کے عذاب سے انہیں کسی بھی طرح اور کسی بھی کوشش سے بچنا نہ ہوگا اور دوزخ بہت بڑی عذاب کی جگہ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ میں جب تک اللہ نے چاہا اہل ایمان رہے اور مکہ معظمہ میں رہتے رہے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ پھر اہل مکہ مشرک ہو گئے۔ کعبہ شریف تک میں انہوں نے بت رکھ لئے اور لات اور عزرا کی اور منات کی پوجا کرنے لگے۔ اگر ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قبول ہو جاتی کہ جو اہل ایمان ہیں انہیں رزق ملے تو اہل مکہ نے جو کفر اختیار کیا تھا اسی وقت سے پھلوں سے محروم ہو جاتے لیکن اللہ جل شانہ نے اہل مکہ کو ہمیشہ رزق دیا تو انہوں کو بھی اور کافروں کو بھی۔

مکہ معظمہ میں دُنیا بھر کے پھل اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ایسی قبول فرمائی کہ دُنیا بھر سے مکہ معظمہ میں پھل آتے ہیں اور وہاں کے مقامی حضرات اور حجاج و زائرین سب کھاتے ہیں اور ان سے مستفیع اور متمتع ہوتے ہیں۔ درمختص میں فرمایا: **وَأُولَٰئِكَ نَمُكِّنْ لَهُمْ حُرْمًا آمِنًا يُنْجِيهِ إِلَيْهِ فُتُورَاتُ كُلِّ شَيْءٍ وَرِزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلَٰكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ** (کیا ہم نے ان کو امن و امان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل کھینچے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس سے کھانے کو ملتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے)۔

مکہ معظمہ کے قریب ہی شہر طائف آباد ہے اور وہ سرسبز شاہد اب علاقہ ہے ہمیشہ وہاں سے طرح طرح کے پھل مکہ معظمہ پہنچتے رہے ہیں اور دُنیا کے تمام اطراف و اکناف سے مکہ معظمہ میں طرح طرح کے پھل آ رہے ہیں۔ شاید دُنیا کا کوئی پھل ایسا نہ بچا ہو جو مکہ معظمہ نہ پہنچا ہو بعض حضرات کا یہ فرمانا کہ ثمرات کے عوم میں درختوں کے پھلوں کے علاوہ مشینوں کی پیداوار اور دستکاریوں سے حاصل ہونے والا سامان بھی داخل ہے۔ مکہ کی سرزمین میں نہ کاشت ہے نہ شجر کاری ہے اور نہ صنعت کاری لیکن پھر بھی اس میں دُنیا بھر کے ثمرات اور طرح طرح کی مصنوعات ملتی ہیں۔

مدینہ منورہ کے لئے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے مکہ معظمہ کے لئے دُعا کی تھی اور حضرت حبیب اللہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے لئے دُعا کی۔ صحیح مسلم ص ۴۴۲ ج ۱ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل مدینہ کا یہ طریقہ تھا کہ جب پہلا پھل آتا تھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آتے تھے آپ

اسے لے کر یوں دعا کرتے تھے۔ اے اللہ! تو ہمارے لئے ہمارے بچوں میں برکت دے اور ہمارے لئے ہمارے شہر میں برکت دے اور ہمارے لئے ہمارے سامع میں برکت دے اور ہمارے لئے ہمارے مد میں برکت دے (صالح اور مند اس زمانہ کے پیمانے تھے) اے اللہ! بے شک ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام تیرے بندے اور تیرے ظلیل اور تیرے نبی تھے اور میں تیرا بندہ تیرا نبی ہوں اور ابراہیم علیہ السلام نے آپ سے مکہ کے لئے دُعا کی تھی اور میں آپ سے مدینہ کے لئے دُعا کرتا ہوں جو کچھ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے لئے مانگا میں اُسی قدر اور اُس کے ساتھ اُس جیسا مزید آپ سے طلب کرتا ہوں اس کے بعد اپنے کسی سب سے چھوٹے بچہ کو بلا کر دو بچل دے دیتے تھے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دُعا کی اللھم اجعل بالمدينة خضعفی ما بمكة من البركة (اے اللہ! مدینہ میں اُس سے دو گنی برکت کر دے جو مکہ میں ہے)۔ (صحیح مسلم ص ۴۲۲ ج ۱)

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا بھی مقبول ہے مدینہ کو وہ میں بھی پورے عالم سے طرح طرح کے ثمرات و معنوعات و منجیات کھینچ کر لاتے ہیں اور کھان آکھوں مکہ معظمہ سے دو چند برکات دیکھنے میں آتی ہیں۔

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۝

اور جب اللہ رب نے تھے ابراہیم محبوبی بنیادیں اور مکمل بھی۔ اے پروردگار۔ رب قبول فرما لے ہم سے بے شک تو ہی السميع العليم ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۝

خوب سننے والا جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب اور بنانا۔ ہم کو تو اپنا فرمانبردار اور بنانا ہے ہماری اولاد میں سے ایک امت جو تیری فرمانبردار ہو

وَأَرِنَا مَنَّا سَكَنًا وَتُبَّ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝

اور ہمیں بتا دے ہمارے حج کے احکام اور ہماری توبہ قبول فرما، بے شک تو ہی توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے۔

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کا کعبہ شریف تعمیر کرنا

کعبہ شریف پہلے فرشتوں نے پھر حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا پھر عرصہ دراز کے بعد جب طوفانِ نوح کی وجہ سے اس کی دیواریں مسمار ہو گئیں اور نماز کا ظاہری پتہ تک نہ رہا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ساتھ لے کر کعبہ شریف کی بنیادیں انھیں اور کعبہ بنایا (کما ذکرہ الازرقی) چونکہ جگہ معلوم نہ تھی اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کو تعین کر کے اس کی جگہ بتا دی گئی جس کا ذکر سورۃ حج کی آیت کریمہ وَإِذْ بَنَوانَا لِابْرٰهٖمَ مَکَانَ الْبَیْتِ میں فرمایا ہے۔ بنائے ابراہیم میں حطیم کا حصہ کعبہ شریف میں داخل تھا قریش مکہ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانچ سال پہلے جب کعبہ شریف بنایا۔ تو ان کے پاس خرچہ پورا نہ ہونے کی وجہ سے کعبہ شریف کا کچھ حصہ باہر چھوڑ دیا جسے حطیم کہا جاتا ہے اس حصہ میں میزابِ رحمت کا پانی گرتا ہے اور نصف قد کے برابر دیواریں بنی ہوئی ہیں اس پر چھت نہیں ہے۔

صحیح مسلم ص ۴۲۹ ج ۱ میں ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اگر یہ بات نہ دیتی کہ تیری قوم کے لوگ نے نئے مسلمان ہوئے ہیں تو میں کعبہ شریف کو توڑ دیتا اور اُسے ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر بنادیتا اور اس کا دروازہ زمین پر کر دیتا اور حجرِ عقی حطیم کو اس میں داخل کر دیتا۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں اس کے لئے دو دروازے بنادیتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کعبہ شریف اُسی حال میں رہنے دیا جس طرح قریش مکہ نے بنایا تھا پھر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے قواعد ابراہیمیہ پر بنادیا تھا اور حطیم کو کعبہ شریف میں داخل کر دیا تھا اور دو دروازے بنادینے تھے ایک داخل ہوئے کا ایک خارج ہونے کا اور بالکل زمین کے برابر کر دیا تھا اندر جانے کے لئے زمین کی ضرورت نہ تھی پھر حجاج بن یوسف نے اُسی طرح بنادیا جیسا قریش نے بنایا تھا۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے حجاج کے بعد بارون الرشید بادشاہ نے پوچھا کہ تم پھر سے اُسی طرح بنادیں جیسا حضرت عبداللہ بن زبیر نے بنایا تھا انہوں نے فرمایا کہ اے امیر المؤمنین اس کو بادشاہوں کا کھلونا نہ بنائیے، جو بھی آئے گا اسے توڑ کرے گا، اور بنایا کرے گا۔ اس طرح سے لوگوں کے دلوں سے اس کی ہیبت جاتی رہے گی۔ (ذکرہ النہوی فی شرح مسلم ص ۴۲۹ ج ۱)

صحیح بخاری ص ۴۷۶ ج ۴ میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا کہ بے شک مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک کام کا حکم دیا ہے۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ آپ اپنے رب کے حکم کی فرمانبرداری کیجئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میری مدد کرنا، عرض کیا کہ میں آپ کی مدد کروں گا۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ یہاں ایک گھر بناؤں اور ایک اونچے ٹیلے کی طرف اشارہ کیا اس کے بعد دو ذوں نے بیت اللہ کی بنیادیں اٹھانا شروع کیں، حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر لاتے تھے اور حضرت ابراہیم تعمیر کرتے جاتے تھے یہاں تک کہ جب دیواریں اونچی ہو گئیں تو یہ پتھر (یعنی مقام ابراہیم) لے آئے جس پر کھڑے ہو کر تعمیر کرتے تھے۔ یہ پتھر زمین کا کام دیتا تھا حضرت اسماعیل ان کو پتھر دیتے تھے اور دو ذوں یہ دُعا کرتے جاتے تھے۔

وَبَنَّا تَقَبُلُ مَنَاطُ ابْنِكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ.

یہ بات کس قدر ذہن میں بٹھانے کے لائق ہے کہ اللہ کے دو پیارے اللہ کے دو ذوں پیغمبر خلیل اللہ اور ذبیح اللہ علیہما السلام کا گھر اللہ کے حکم سے بنا رہے ہیں۔ اُن کے اخلاص میں ذرا بھی شبہ نہیں پھر بھی وہ دو ذوں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یوں عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم سے قبول فرمائیے اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص کیسا ہی فحش، داور کیسا ہی غلط عمل صالح کرے اسے اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دُعا کرتے رہنا چاہیئے اس بات سے ڈرتا رہے کہ کہیں خود پسندی اور عجب نفس میں مبتلا نہ ہو جائے درحقیقت اہل اخلاص کا یہی طریقہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کام کرتے جاتے ہیں اور ڈرتے جاتے ہیں کہ ہمارا یہ عمل قبول ہوتا ہے۔ یا نہیں؟ کما قال اللہ تبارک و تعالیٰ: وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجَلَّةٌ اَنْهُمْ اِلَى رَبِّهِمْ يَاجْعُونَ۔ مفسر ابن کثیر ص ۵۷۵ ج ۱ نے بحوالہ ابن ابی حاتم و ہبیب بن اوردے نقل کیا ہے کہ انہوں نے آیت: يَسْرِفُ عِيسَىٰ اِهْلِيْهِمُ الْقَوَاعِدَ (الآیۃ) پر بھی پھر رونے لگے اور کہنے لگے کہ اے رحمن کے دوست آپ بیت الرحمن کی بنیادیں اٹھا رہے ہیں اور اس بات سے ڈر رہے ہیں کہ قبول نہ ہو، حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے کعبہ شریف بناتے ہوئے یہ دُعا بھی کی کہ اے ہمارے رب تو ہمیں اپنا فرمانبردار بنائے رکھ اور ہماری ذریت میں سے بھی ایک اُمت بنا دے جو تیری فرمانبرداری دے، اس میں اول تو وہی خوف و خشیت والی بات کا مظاہرہ کیا کہ مسلم اور فرمانبردار ہوتے ہوئے بھی اپنے بارے میں دُعا کی کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا فرمانبردار ہی رکھے۔ مومن کو چاہیئے کہ ڈرتا رہے اور ایمان و اسلام کی دولت کے لئے اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ شکر گزار رہے اور اس کو فحش اللہ کی توفیق سمجھے اور اس نعمت کی بقا اور دوام کی دُعا کرتا رہے۔

اُمت مسلمہ کے لئے دُعا اور اُس کی قبولیت..... حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے اپنی ذریت میں سے اُمت مسلمہ کے پیدا ہونے کی دُعا بھی کی۔ مفسرین نے فرمایا کہ چونکہ ارشاد خداوندی: لَا يَسْأَلُ غَيْبُ الدُّنْيَا عَنْ غَيْبِ الدُّنْيَا سے معلوم ہو چکا تھا کہ اُن

بتانے لگتا ہے تو اس کا بتانا ناگوار نہوتا ہے۔ نعوذ باللہ من الجہل والسفاهۃ والحمق والضلالۃ۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

— ہمارے رب! ہمیں بھیج دے جن میں سے ایک رسول ان میں سے ہو جو تلاوت کرے ان پر تیری آیات، اور سکھائے ان کو کتاب اور حکمت

وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

اور ان کو تزکیہ کرے۔ یہی شک تو ہی عزیز ہے حکیم ہے۔

اہل مکہ میں سے ایک رسول بھیجنے کی درخواست اور اس کی مقبولیت

اس آیت میں بھی حضرت ابراہیم و حضرت اسمعیل علیہما السلام کی دعا کا تذکرہ ہے کعبہ شریف بناتے ہوئے جو دعائیں ان دونوں حضرات نے کی تھیں ان میں سے ایک یہ دعا بھی ہے کہ اے ہمارے رب ان میں سے ایک رسول مبعوث فرما۔ اس رسول سے خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں جو عربی بھی تھے اور کئی بھی اور حضرت ابراہیم و حضرت اسمعیل علیہما السلام دونوں کی نسل میں سے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے بھی انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے سب انہی کی نسل میں سے تھے اور حضرت سرور عالم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ سب بنی اسحاق تھے اور صرف آپ ہی بنی اسمعیل میں سے ہیں۔ مفسر ابن کثیر نے ص ۱۸۴ ج ۱ مسند امام احمد سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کا ابتدائی تذکرہ والا کیسے شروع ہوا آپ نے فرمایا کہ میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور میری والدہ نے جو خواب دیکھا کہ ان کے اندر سے نور نکلا ہے جس نے شام کے محلات کو روشن کر دیا۔ میں اس خواب کا مظہر ہوں یہ حدیث صاحب مشکوٰۃ نے بھی ص ۵۱۳ شرح السنہ سے نقل کی ہے اس میں یوں ہے کہ میں اپنی والدہ کے خواب کا مظہر ہوں جنہوں نے وضع حمل کے وقت دیکھا تھا ان کے لئے ایک نور روشن ہوا جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔ حدیث نقل کر کے حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ مطلب یہ کہ سب سے پہلے جنہوں نے میرا تذکرہ کیا اور لوگوں میں مجھے مشہور کیا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ یہ تذکرہ دعا کی صورت میں تھا۔ ذکر مشہور ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ انبیاء بنی اسرائیل میں سے جو آخری نبی تھے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام انہوں نے آپ کا نام لیکر بشارت دی اور بنی اسرائیل کو خطاب کر کے فرمایا: **يَا عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ارْكَبْ هَذِهِ السَّيَّةَ مَعَ ابْنِ اسْرَآئِيلَ** (کہ اے بنی اسرائیل! بلاشبہ میں تمہاری طرف بھیجا ہوں اللہ کا رسول ہوں۔ میرے سامنے جو توراۃ ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور ایک ایسے رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا۔ اس کا نام احمد دگا)۔

زمانہ حمل میں آپ کی والدہ نے خواب دیکھا تھا کہ ان کے اندر سے ایک نور نکلا جس کی وجہ سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ انہوں نے اپنا خواب اپنی قوم کو سنایا جو اُنگوں میں مشہور ہو گیا اور یہ آپ کی تشریف آوری کے لئے ایک بہت بڑی تمہید تھی۔

آخر زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنا آخری نبی مبعوث فرمایا جن کے لئے ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی اور عیسیٰ علیہ السلام نے جن کی بشارت دی تھی۔ آپ کا نام احمد بھی ہے اور محمد بھی۔ آپ پر اللہ تعالیٰ نے نبوت دیرسالت ختم فرمادی اور سارے عالم کے انسانوں کے لئے رہتی دنیا تک آپ کو نبی اور رسول بنا کر بھیج دیا اور سورہ احزاب میں آپ کے خاتم النبیین ہونے کا اعلان فرمادیا اور آپ نے لا نبی

بعْدی (میر۔ بعد کوئی نبی نہیں) اور ختم بہی النبیین (مجھ پر نبیوں کی آمد ختم ہوگئی) اور ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعْدی ولا نبی (بلاشبہ نبوت ختم ہوگئی اب میرے بعد نہ کوئی رسول ہے نہ نبی ہے)۔ (سنن ترمذی)

اعلان فرمایا۔ آپ کی نبوت اور رسالت عامہ کا اعلان فرمانے کے لئے سورۃ اعراف میں یوں ارشاد فرمایا: قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا۔

(آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف بھیجا ہوں اللہ کا رسول ہوں)

جس رسول کے آنے کی دعا کی اس کی صفات..... حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام نے اپنی نسل میں سے جس رسول کے نبوت ہونے کے لئے دعا کی تھی اس کی صفات میں یصلو علیہم ایاتک اور نعلمہم الکتاب والْحُكْمَةُ وَنَزَّاهُ فَمِنْہُمْ فرمایا تھا۔ سورۃ آل عمران (ع ۱۸) میں بھی آپ کی یہ صفات مذکور ہیں اور سورۃ جمعہ میں بھی آپ کی یہ صفات بیان کی گئی ہیں۔ یہ کام اللہ تعالیٰ نے آپ کے سپرد فرمائے تھے۔ آپ نے ان کو پوری طرح سے انجام دیا۔

تلاوت کتاب... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد بعثت میں نور و بقرہ میں اول تو یہ فرمایا کہ: یصلو علیہم ایاتک کہ وہ نبی لوگوں کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت فرمائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام بھی ہے اور اللہ کی کتاب بھی اس کے الفاظ کا پڑھنا پڑھانا اور سننا اور سنانا تلاوت کرنا صحیح طریقہ پر ادا کرنا بھی مطلوب اور قصہ دو ہے۔ بہت سے جاہل جو تلاوت کا انکار کرتے ہیں اور بچوں کو قرآن مجید حفظ کرانے سے روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ طوطے کی طرح رننے سے کیا فائدہ؟ یہ لوگ کلام الہی کا مرتبہ اور مقام نہیں سمجھتے دشمنوں کی باتوں سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ قرآن مجید کو لوگوں کے آپس کے خطوط پر اور انسانوں کی لکھی ہوئی کتابوں پر قیاس کرتے ہیں اور اپنی جہالت سے یوں کہتے ہیں کہ قرآن کے معانی اور مفہام کا سمجھنا کافی ہے۔ اس کا پڑھنا اور یاد کرنا ضروری نہیں۔ (العیاذ باللہ) یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ قرآن مجید کے الفاظ کو محفوظ رکھنا فرض کفایہ ہے۔ صحیفوں پر اعتماد کئے بغیر سینوں میں یاد رکھنا لازم ہے تاکہ اگر مطلوبہ مصاحف (العیاذ باللہ) معدوم ہو جائیں تب بھی قرآن شریف اپنی تمام قراتوں کے ساتھ محفوظ رہ سکے۔

تلاوت قرآن کے فضائل..... نیز قرآن مجید کی تلاوت میں بہت بڑا ثواب ہے، سمجھ کر پڑھے یا بے سمجھے پڑھے تلاوت پر اجر عظیم ملتا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رب تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جسے قرآن نے میرے ذکر سے اور مجھ سے مانگنے سے مشغول کر لیا میں اُس سے افضل عطیہ ہوں گا جو مانگنے والوں کو دوں گا اور کلام اللہ کی فضیلت دوسرے تمام کلاموں پر ایسی ہے جیسی اللہ کی فضیلت اس کی مخلوق پر ہے۔ (ردا البقرہ فی حدیث حسن)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی کتاب سے ایک حرف پڑھا اس کے بدلہ میں ایک نیکی ہے اور ایک نیکی دس گنی ہو کر ماتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اَلَمْ (ایک حرف ہے) بَلَّ (بلکہ) اَلِف (ایک حرف ہے) اَم (ایک حرف ہے) اور نِم (ایک حرف ہے) (صرف اَلَمْ کا تلفظ کرنے سے تیس نیکیاں مل جائیں گی) (ردا البقرہ فی حدیث حسن صحیح) معاہدہ: تاکہ تلاوت قرآن کو طوطے کی طرح رننے سے تشبیہ دینا سخت گمراہی ہے۔ جس کی تلاوت کرنے سے ہر حرف پر ایک نیکی ملتی ہو اور ہر نیکی کی دس نیکیاں بن جاتی ہوں اُس کی تلاوت طوطے کی طرح رننے لگانے کے برابر کیسے ہوگی۔ درحقیقت قرآن کی تلاوت مستقل کام ہے اس کے الفاظ کو محفوظ رکھنا مستقل ذمہ داری ہے اور اس کی تفسیر کو سمجھنا اور تابعین کے طریقے پر محفوظ رکھنا اور بیان کرنا مستقل کام ہے۔ اور اس کے معانی اور مفہام کو سمجھنا اور اس سے احکام کا استنباط کرنا مستقل عمل ہے۔ یہ سب چیزیں ضروری ہیں اُمت ان کی مکلف ہے۔

جو لوگ اس پر زور دیتے ہیں کہ الفاظ کے پڑھنے اور یاد رکھنے کی ضرورت نہیں یہ لوگ فصلائی اور یہود سے بھی عبرت نہیں لیتے ان لوگوں نے اپنی کتابوں کے الفاظ کو محفوظ نہ رکھا تو اپنی کتابوں سے محروم ہو گئے۔ ان کی کتابوں کے ترجمے تو دنیا کی زبانوں میں ملتے ہیں مگر اصل کتاب مفقود ہے۔ ترجمہ صحیح سے یا غلط اس کے میاں کے لئے ان کے پاس اصل کتاب نہیں ہے اور ہمیں سے ان کے یہاں تحریف کا راستہ بھی نکلیں آئے۔ جب اصل کتاب موجود نہیں تو جس کا جو جی چاہے ترجمہ کر سکتا ہے۔

مسجد نبوی ﷺ میں ایک صاحب سے احقر کی ملاقات ہوئی اور انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے بچے کو قرآن مجید حفظ کرنے میں لگایا ہے لیکن میرے ایک استاد آئے تھے انہوں نے کہا کہ اب قرآن حفظ کرنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ قرآن مجید کمپیوٹر میں آ گیا ہے۔ احقر نے ان سے کہا کہ تراویح میں قرآن مجید سننے کے لئے کیا کمپیوٹر محرابوں میں رکھ دیا جائے گا؟ اور دنیا بھر کے ویہاٹ میں ایک ایک گاؤں میں پانچ چھ سات مسجدیں ہیں کیا گاؤں والے ہر مسجد کے لئے کمپیوٹر خریدیں گے اور کمپیوٹر سیکٹ کے لئے اپنے دیہاتی آدمیوں کو سکھانے والوں کے پاس بھیجیں گے؟ حفظ کی ضرورت صرف اتنی لئے نہیں ہے کہ یہ معلوم کر لیا جائے کہ غلامی آیت کس سورت میں ہے اور پوری آیت کس طرح سے ہے۔ قرآن کا تلاوت کرنا اور سننا اور سنانا اور اپنی زبانوں اور کانوں کو اس میں مشغول رکھنا بہت بڑا عمل صالح ہے جو تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے۔ جو لوگ قرآن مجید اور حدیث شریف کو نہیں جانتے اور ایمانی تقاضوں سے ناواقف ہوتے ہیں وہ شرکین اور یہود و نصاریٰ کی باتوں سے متاثر ہو کر الفاظ قرآنیہ سے محروم ہونے کا سبق دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ایمانی سمجھوے اور اہل شر کے شر سے بچائے۔

کتاب اور حکمت کی تعلیم..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا کام ذکر کرتے ہوئے وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ارشاد فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی فریضہ ہے کہ لوگوں کو اللہ کی کتاب کی تعلیم دیں۔ کتاب اللہ کے الفاظ بھی سکھائیں اور معانی بھی سمجھائیں۔ عربی زبان جاننا قرآن کے سمجھنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ قرآن کی تفسیر وہی معتبر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی اور جو حضرات صحابہ کرامؓ نے سیکھی پھر ان سے تابعین اور تبع تابعین اور سلف صالحین سے ہوتے ہوئے امت تک پہنچی۔ سورہ نحل میں فرمایا: وَاَنْزَلْنَا الْبُرْجَانَ لِنُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نَزَّلَ الْبُحْرَانِ (اور ہم نے آپ کی طرف ذکر نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لئے وہ بیان کریں جو ان کی طرف تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا گیا) آج کل بہت سے لوگ ایسے ہیں جو تھوڑی بہت عربی جان کر قرآن شریف کے معانی اور مغناہیم اپنی طرف سے بتانے لگے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تفسیر سے بے نیاز ہو کر گمراہ ہو رہے ہیں اور گمراہ کر رہے ہیں۔ یہ لوگ اپنی جہالت اور گمراہی سے کہتے ہیں کہ قرآن اللہ کا خط ہے۔ جو مخلوق کی طرف بھیجا گیا اور رسول کی حیثیت محض ایک ذاکر کی ہے۔ ذاکر کا کام خط پہنچا دینا ہے۔ خط پڑھ کر سننا، سمجھنا اس کا کام نہیں۔ قرآن مجید نے تو اپنے بارے میں یہ کہیں نہیں فرمایا کہ یہ اللہ کا خط ہے جو مخلوق کی طرف آیا ہے اس کو خود بھی سمجھ لینا اور اس کے لانے والے سے مت سمجھنا، بلکہ قرآن نے تو رسول اللہ ﷺ کے فرائض میں کتاب و حکمت کی تعلیم دینا بتایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو درمیان سے نکال کر قرآن سمجھنا کفر کی دعوت اور اشاعت ہے۔ اللہ تعالیٰ امت مرحومہ کو ان لوگوں کے فریب سے محفوظ فرمائے۔

آیت شریفہ میں الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ لفظ مذکور ہیں اور دونوں کی تعلیم دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب رسالت کے فرائض میں شمار فرمایا ہے۔ مفسر بغوی معالم التنزیل ص ۱۱۶ میں لکھتے ہیں کہ الْكِتَابَ سے قرآن مجید مراد ہے اور الْحِكْمَةَ سے مجاہد کی

تفسیر کے مطابق فہم القرآن مراد ہے اور بعض حضرات نے اس سے احکام قضا مراد لئے ہیں اور بعض حضرات نے حکمت کی تفسیر اعلم و العمل سے کی ہے۔ صاحب روح المعانی نے ص ۳۸۷ ج ۱ بعض مفسرین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ الحکمة سے کتاب اللہ کے حقائق و دقائق اور وہ سب چیزیں مراد ہیں جن پر قرآن مجید مشتمل ہے۔ اس قدرت میں تعلیم کتاب سے مراد اس کے الفاظ سمجھنا اور اس کی بیہیت ادراک کرنا مراد ہے اور تعلیم انفرادی سے اس کے معانی اور اسرار اور جو کچھ اس میں ہے اس سے واقف کرنا مراد ہے اور بعض حضرات نے حکمت کی تفسیر ایوں کی ہے۔ ما تکمل بہ النفوس من المعارف والاحکام الثمینی ووقام معارف اور احکام جن سے نفس کی تکمیل ہوتی ہے حکمت سے وہ سب مراد ہیں۔

درانقیات حکمت کے جو معانی حضرات مفسرین نے بتائے ہیں وہ ایک دوسرے کے معارض اور منافی نہیں ہیں مجہد حق حیثیت سے ان سب کو مراد لیا جاسکتا ہے۔

ترکیہ نفوس..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرا فرض مسمیٰ وفز کنہیم بیان فرمایا۔ لفظ نفوس کنیٰ ترکیہ سے مضارع کا مینہ ہے۔ ترکیہ لغت میں پاک صاف کرنے کو کہتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام نہ صرف کتاب اللہ کا پڑھنا اور سمجھنا ہی نہیں بلکہ نفس کا ترکیہ بھی آپ کے فرض ثانی میں داخل تھا۔ نَعْلَمُہُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ مِّنْ تَحْلِیۃِ النَّفْسِ بِالْفَضَائِلِ اذِیۡزَ کُنہِمُ میں تحلیۃ النفس عن الرذائل کو کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو توحید خداوندی سے آراستہ کیا اور کفر اور شرک کی نجاست سے پاک کیا۔ ایمان اور یقین دیا۔ شک سے بچایا۔ گناہوں کی گندگی سے دھو کر کیا۔ نفس کے رذائل کو دھو کر کئے۔ اخلاق عالیہ اور افعال صالحہ بتائے اور فعل کر کے دھایا۔ گناہوں کی تفصیل بتائی ان کے اثرات ظاہر و باطن، دنیویہ و آخریہ سے باخبر فرمایا۔ نیکیوں کی تفصیلی فہرست بتائی اور ان کے منافع دنیویہ اور آخریہ سے مطلع فرمایا۔ حسد، بخل، کینہ، تکبر، حرص، لالچ، حُب جاوید کی مذمت فرمائی۔ حُب فی اللہ اور تواضع اور فروتنی، صلہ رحمی، سخاوت، ضعیف کی مدد، بڑوں کی خدمت، یتیم کے ساتھ رحم و مہربانی، تقویٰ، اخلاص، اکرام اہل ایمان، نرمی، حسن الجوار، فصیحہ پی جانا، فیہ و فیہ کی تعلیم دی۔ انسان کو انسان بنایا حیوانیت اور بہیمیت سے بچایا۔ آپ نے فرمایا کہ بعثت لائمم حسن الاخلاق (کہ میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں) رواہ مالک فی الموطا۔

نفس کا ترکیہ صرف زبانی طور پر بتا دینے سے نہیں ہو جاتا اس کیلئے صحبت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی تعلیم و تربیت اور ترکیہ کے لئے انسانوں ہی میں سے انبیاء اور رسول مبعوث فرمائے تاکہ وہ مثالی طور پر ان کا ترکیہ کر سکیں اور تاکہ ان کی صحبت سے انسانوں کے نفوس خیر کی طرف پلٹ سکیں اور افعال صالحہ کے دُور گزرو جائیں اور نفوس کی شرارتوں کو سمجھ سکیں اور ان سے بچ سکیں۔ سورۃ توبہ میں ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو) اس آیت شریفہ میں سچوں کے ساتھ ہونے کی تعلیم فرمائی ہے جو لوگ اپنے اخلاص اور عمل میں سچے ہیں ان کے ساتھ رہنے سے طبیعت اعمال صالحہ کی طرف راغب ہوتی ہے اور نفس و شیطان کی مکاریوں سے واقفیت حاصل ہوتی ہے پھر ان کا توڑ بھی سمجھ میں آ جاتا ہے جس کسی کی صحبت اختیار کرے پہلے دیکھ لے کہ وہ تابع سنت ہے یا نہیں؟ اس میں فکر آخرت کتنی ہے؟ اور حب دنیا اور جلب زر کے لئے تو مرشد بن کر نہیں بیٹھا، جس کسی کو تبع سنت اور آخرت کا فکر مند پائے اس کی صحبت اٹھائے، مال و جاہ کا حریص مصلح اور مرشد نہیں ہو سکتا اس کی صحبت میں رہنا زبرد قاتل ہے۔

وَمَنْ يَرْغَبْ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ وَلَقَدْ اصْطَفَيْنَاهُ فِي

اور جس سے جو کسی کو چاہے، اور جس نے اپنے نفس کو جھٹک دیا، اور جس نے ان کو منتخب کر لیا

الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝ إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ

دنیا میں اور وہ آخرت میں صالحین میں سے ہیں۔ جب فرمایا ان کے رب نے کہ فرمانبردار ہو جا، تو انہوں نے عرض کیا کہ میں

لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

رب العالمین کا فرمانبردار ہوں۔

ملتِ ابراہیمی سے وہی اعراض کرے گا جو احمق ہو

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی ملت میں توحید الہی پر جینے اور مرنے کا حکم ہے اور شرک سے بیزاری ہے۔ ظاہری باطنی نظافت اور طہارت ہے، مہمانی ہے، قربانی ہے، اللہ کی عبادت ہے اور فرمانبرداری ہے، اتاہت الی اللہ ہے، صحیح انسانیت کی تعلیم ہے ان کی ملت کا اتباع کرنے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا۔ سورہ نخل میں ارشاد ہے:

لَمْ أَوْحِنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ

(پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ ابراہیم کی ملت کا اتباع کیجئے جو باطل وینوں کو چھوڑ کر حق ہی کی راہ پر چلنے والے تھے اور مشرکین میں سے نہیں تھے)۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مثل اتمام کلمات، اور ان کو لوگوں کا پیشوا بنانے کا اعان، اور ان کے کعبہ بنانے، اور قبولیت کی دعائیں کرنے، اور اپنی نسل میں سے نبی آخر الزماں کی بعثت کی دعائیں گننے کا تذکرہ کرنے کے بعد ارشاد ہوا ہے کہ ملتِ ابراہیمی سے وہی شخص بے رغبت ہو سکتا ہے اور ان کی ملت سے وہی روگردانی کر سکتا ہے جو قتل سے گوراء اور جس نے اپنے نفس کو بالکل ہی اتق بنا دیا ہو، کوئی سلیم الفطرت عقل مند انسان ان کی ملت سے انکاری نہیں ہو سکتا۔

ملتِ ابراہیمی اس وقت ملتِ محمدیہ میں منحصر ہے اور آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس کے داعی ہیں۔ جو لوگ اس سے بیزار ہیں وہ لوگ مُشرک، بُت پرست، بے حیا، بے شرم، بد اخلاق، بد اعمال، دھوکے باز اور زمین میں فساد کرنے والے اور قوموں کو لڑانے والے ہیں اور جس قدر بھی دنیا میں قبائح اور خراب کام ہیں سب انہیں لوگوں میں پائے جاتے ہیں جو ملتِ ابراہیمی سے ہٹے ہوئے ہیں (گو کمزور ایمان والے مسلمانوں میں بھی معاصی ہیں لیکن اول تو انہیں گناہ سمجھتے ہوئے کرتے ہیں اور دوسرے تو یہ کرتے رہتے ہیں اور ہر حال میں گناہ بھی حماقت ہی سے ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ نسا، میں فرمایا: إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ (آیہ) مسلمان اہل معاصی کی حماقت ان لوگوں کی حماقت سے بہت زیادہ کم ہے جو کفر اور شرک پر جھپٹے ہوئے ہیں اور ملتِ ابراہیمی کو قبول کرنے کو بالکل تیار نہیں ہیں۔

یہ بتانے کے بعد کہ ابراہیم کی ملت سے وہی روگردانی کرے گا جس نے اپنی جان کو بے وقوف بنا دیا ہو یہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے ابراہیم کو دنیا میں چن لیا اور برگزیدہ بنالیا۔ دنیا میں ان کی فضیلت اور برتری سب پر ظاہر ہے سب قومیں ان کی فضیلت کی قائل ہیں اور ان کے

بعد جو بھی کوئی نبی آیا ہے انہیں کی نسل اور ذریت میں سے آیا ہے اور سب ان کو مانتے ہیں اور ان سے عقیدت رکھتے ہیں۔ ان کو دشمن نے آگ میں ڈالا، اللہ تعالیٰ نے وہ آگ ان کے لئے نگزار بنا دی۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے کعبہ تعمیر کرایا اس وقت سے لے کر آج تک کعبہ شریف کا حج ہوتا ہے اور ان کو جو مناسک حضرت جبریل علیہ السلام نے بتائے تھے، ان پر برابر عمل ہو رہا ہے، انہوں نے جو بیٹے کی قربانی کی تھی اس قربانی کے اتباع میں کروڑوں قربانیاں ہر سال پورے عالم میں ہوتی ہیں، درود ابراہیمی میں ان کا ذکر ہے۔ امت محمدیہ جس کا نام انہوں نے مسلمین رکھا تھا (کافی سورۃ الحج) وہ ان کی ملت کی اتباع کرنے والی ہے اور ان کی یادگار ہے۔ پھر فرمایا: **وَإِنَّ فِي الْأَجْوَۃِ لَمَنَ الضَّالِّیْنَ** (آخرت میں بھی وہ ضالین میں سے ہوں گے) ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی گواہی ہے کہ وہ ثابت قدم صاحب استقامت اور خیر اور صلاح سے متصف ہونے والوں میں شمار ہوں گے وہاں بھی ان کی رفعت ہوگی جیسا کہ دنیا میں ان کی فضیلت مشہور و معروف ہوئی۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: ای المشہود لهم بالثبات علی الاستقامة والخیر والصلاح اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں: **وَفَٰلَکَ مَن حَبِثَ الْمَعْنٰی دَلِیْلٌ مِّبِیْنٌ لِّکَوْنِ الرَّاعِبِ عَنِ مِلَّةِ اِبْرٰہِیْمَ سَفِیْہَا الْاَصْفَقُطَاءُ وَالْعَزَّ فِی الدُّنْیَا غَایَۃُ الْمَطَالِبِ الدُّنْیَوِیۃِ وَالصَّلَاحِ جَامِعٌ لِّلْکَمَالَاتِ الْاٰخِرِیۃِ وَلَا مَقْصِدٌ لِّلْاِنْسَانِ الْغَیْرِ السَّفِیْہِ سِوٰی خَیْرِ الدَّارِیْنِ** یعنی ان کی خیر و صلاح اور ثبات علی الاستقامت میں اس امر کی واضح دلیل ہے کہ جو شخص ملت ابراہیمی سے منحرف ہو، وہ واقعی بیوقوف ہے۔ اس لئے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ بندہ بننا اور مزبور ہونا دنیاوی مطلوبات کا آخری مقام ہے اور صلاح کمالات آخریہ کو جامع ہے، اور سمجھ دار آدمی کے لئے دونوں جہان کی خیر سے بڑھ کر کوئی مقصد نہیں (نا سمجھ یعنی بیوقوف ہی ان مقاصد عالیہ سے منحرف ہو سکتا ہے)۔

اسلام کا معنی اور مفہوم..... پھر فرمایا: **اِذْ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗ اَسْلِمْ** قال اسلمت لرب العالمین (یعنی جب ان کے رب نے ان سے کہا کہ فرما نبیوار ہو جاؤ تو انہوں نے عرض کیا میں رب العالمین کا فرمانبردار ہوں)

لفظ اسلام کا مادہ سبب۔ لام۔ میم ہے۔ جب یہ مادہ باب افعال میں مستعمل ہوتا ہے تو حکم ماننے فرمانبرداری کرنے اور حکم کے سامنے جھک جانے اور ظاہر اور باطن سے فرمانبردار ہو جانے پر دلالت کرتا ہے، اس کا صیغہ اتم فاعل مسلم ہے جس کی جمع مسلمون اور مسلمین ہے۔ اللہ جل شانہ خالق اور مالک ہیں سب اس کے بندے ہیں۔ بندہ اپنے خالق کا فرمانبردار، اس سے بڑھ کر اس کی کوئی سعادت نہیں حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسمعیل ذبیح اللہ علیہما السلام کعبہ شریف بناتے ہوئے یہ دعا کرتے جا رہے تھے **وَاَجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ** (کہ اے ہمارے پروردگار! تو ہم کو ان لوگوں سے بناوے جو تیرے فرمانبردار ہیں) اور ساتھ یہ بھی دعا کی **وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّۃٌ مُّسْلِمَةٌ لَّکَ** (کہ ہماری ذریت میں سے بھی ایک امت مسلمہ بنا دے) جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے فرمایا کہ اپنے رب کے مطیع اور فرمانبردار ہو جاؤ تو انہوں نے عرض کیا کہ میں اپنے رب کا فرمانبردار ہوں۔ فرمانبردار تو وہ تھے ہی فرمانبرداری پر ثبات قدم رہنے کے لئے حکم ہوا اور انہوں نے ہمیشہ فرمانبردار رہنے کا اقرار کیا اور یہ بتا دیا کہ میں ہمیشہ کے لئے اپنے رب کا فرمانبردار ہوں۔ لفظ **اَسْلَمْتُ** لرب العالمین کہہ کر یہ بات ظاہر کر دی کہ چونکہ وہ رب العالمین ہے اس لئے اس کی اطاعت اور فرمانبرداری لازم ہی لازم ہے جو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرے گا وہ اپنے مخلوق ہونے کا فرض متفق ادا کرے گا۔ سورۃ النعام میں فرمایا:

قُلْ اِنِّیْ اَمَرْتُ اَنۡیْ اُکُوْنُ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَکُوْنُوْنَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنۡ غَضِیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ سورۃ آل عمران میں فرمایا: اَفْغِیْزِ دِیْنَ اللّٰهِ یَتَعَوَّنَ وَلَہٗ اَسْلَمٌ مِّنۡ فِی السَّمَوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَتَخَوُّہَا وَاِلَیْہِ یَرْجَعُوْنَ

(کیا اللہ کے دین کے سوا دوسرا دین چاہتے ہیں حالانکہ اس کے لئے سب فرمانبرداری کے ساتھ جھکے ہوئے ہیں جو بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہیں خوشی سے اور مجبوری سے اور سب اُس کی طرف لوٹیں گے) ساری مخلوق پر لازم ہے کہ اپنے خالق و مالک کی اطاعت کریں۔ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام امتحانات میں کامیاب ہوئے ہر مرحلہ سے گزرتے گئے اور اطاعت و فرمانبرداری ہی کو اختیار کئے رہے اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا یہی مقصد تھا کہ وہ سارے انسانوں کو اللہ تعالیٰ شانہ کی فرمانبرداری کی طرف بلا لیں، تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا دین اسلام تھا۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کو وحدۃ لا شریک مانیں اور شرک سے بیزاریوں اور احکام الہیہ کی تعمیل کریں اور ہر طرح سے فرمانبرداریوں۔ گواہ کام فریہ میں اختلاف بھی رہا۔ لیکن اصول میں سب متحد اور متفق تھے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ الانبیاء اخوة من علات و امہاتہم شعی و دینہم واحد۔ (رواہ بخاری: مسلم کافی: مشکوٰۃ: ص ۵۰۹)

ان کی اپنی اپنی زبانوں میں اس دین کے لئے جو بھی لفظ اختیار کیا گیا ہو، ہمارے رسول حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ عربی تھے اور ان پر کتاب بھی عربی میں نازل ہوئی اس لئے لفظی اور معنوی طور پر ان کے دین کا نام اسلام ہی ہے اور یہ لفظ جہاں فرمانبرداری کے معنی دیتا ہے وہاں اپنے مادہ کے اعتبار سے اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ حقیقی سلامتی دین اسلام ہی میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کو جو اسلام کا دعوت نامہ بھیجا تھا اُس میں تحریر فرمایا تھا اِنْسِلِمُ تَسْلِمُ یُؤْبَکَ اللّٰہُ اَنْجُزَکَ مَوْفِقِیْنِ (تو اسلام قبول کر سلامت رہے گا اللہ تعالیٰ تجھے وہ ہر اجر عطا فرمائے گا)۔ (صحیح بخاری ص ۵۸۱)

حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے جو امت مسلمہ کے لئے دعا کی اس کی قبولیت کا مظاہرہ اس طرح کیا کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ و التحیۃ وجود میں آگئی اور اس امت کے اعیان و اشخاص و افراد کا نام حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ”مسلمین“ رکھ دیا تھا۔ (حبث قال فی دعائہ افۃ مسلمۃ لک)

سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا نام اسلام ہے دعوت بھی فرمانبرداری کی ہے۔ یہی دین اللہ تعالیٰ کے ہاں معتبر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام پورا کر دیا اور میں نے اسلام کو دین کے اعتبار سے تمہارے لئے پسند کر لیا) اور فرمایا اِنَّ الدِّیْنََ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (کہ بلاشبہ دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے) اور فرمایا: مَنْ شِيعَ غَیْرِ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِیْنَ۔ (اور جو اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کرے گا تو وہ اس سے قبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا) پس مسلمانوں کا دین لفظاً و معنی سراسر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی فرمانبرداری ہے۔ زندگی کے آخری لمحات تک فرمانبردار رہنے کا حکم ہے۔ سورۃ بآل عمران میں فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تَقَاتِهٖ وَ لَا تَمُوتُوْا اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ۔

(اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرا کر جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے اور بجز اسلام کے اور کسی حالت میں مت مرنا)

معلوم ہو گیا کہ مسلمان کا کام بس یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرے بغیر چوں کہ اللہ تعالیٰ کے دین پر عمل کرے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل پیرا ہو۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے کیونکہ رسول اللہ کی اطاعت، اللہ ہی کی اطاعت ہے فَ مَنْ یُطِيعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اطَاعَ اللّٰهَ بہت سے لوگ اپنے دعویٰ میں تو مسلمان ہیں لیکن دل سے مسلمان نہیں۔ وہ اپنی عقل سے اسلام کی باتوں کو رد

کرتے ہیں اور دشمنان اسلام کی صحبتوں سے متاثر ہو کر اسلام پر اعتراض کرتے ہیں اور بہت سے لوگ اسلام کو اپنے نظریات کے تابع بنانا چاہتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ حقائق ایمانیہ کو توڑ موڑ کر پیش کرتے ہیں۔ یہ لوگ اسلام والے نہیں (اگرچہ مسلمان ہونے کے مدعی ہیں) ایسے لوگ ملت ابراہیمہ سے منحرف ہیں۔

دین اسلام کے علاوہ ہر دین مردود ہے

شاید کوئی نا سمجھ یہ اعتراض کرے کہ جب خالق و مالک کی فرمانبرداری ہی مطلوب ہے تو دین اسلام قبول کرنے کی ضرورت کیا ہے جس دین پر بھی کوئی شخص ہو اور اس دین میں رہتے ہوئے (اللہ تعالیٰ کی) فرمانبرداری کرے تو مقصود حاصل ہو گیا اور وہ مستحق نجات ہو گا۔ اس جاہلانہ سوال کا جواب یہ ہے کہ خالق و مالک نے اسی کو فرمانبردار قرار دیا ہے جو اس کے بھیجے ہوئے دین کے مطابق اس کی فرمانبرداری کرے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اپنے زمانہ میں آتے رہے ان پر ایمان لانا فرض تھا اور ان کی کتابوں اور صحیفوں پر بھی ایمان لانا فرض تھا اور قیامت پر ایمان لانا بھی ان تفصیلات کے ساتھ فرض تھا جو انہوں نے بتائیں۔ اللہ کے کسی نبی سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور فرمانبرداری اللہ کے یہاں معتبر نہیں ہے۔ کسی بھی نبی کا انکار اور اللہ کی کسی کتاب کا انکار کفر ہے، کفر سب سے بڑی نافرمانی ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے کوئی عبادت اور کوئی فرمانبرداری معتبر نہیں سب سے آخر میں خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ پر اور آپ کی لائی ہوئی کتاب پر ایمان لانا ہر انسان پر فرض ہے جو شخص آپ کے لائے ہوئے دین سے اور آپ کی لائی ہوئی کتاب سے اور آپ کی نبوت اور رسالت سے منحرف ہو گا وہ اللہ تعالیٰ کا بافی اور نافرمان ہو گا۔ لہذا اس کی نجات کا کوئی راستہ نہیں۔ اسلام کے علاوہ کوئی دین قبول نہیں۔ اس بارے میں آیات قرآنیہ تم گزشتہ صفحہ پر پیش کر چکے ہیں۔

اسلام کے علاوہ دنیا کے جتنے مذاہب ہیں کفر تو ان سبھی میں ہے اور ان میں اکثر مشرکین ہیں اور بہت بڑی بھاری تعداد میں وہ لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں۔ یہ حسب کیسے اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہو سکتے ہیں؟ پھر ان لوگوں میں بے شرمی، بے حیائی، نود خوری، رشوت ستانی، اور زنا کاری اس قدر پھیلی ہوئی ہے کہ یہ کسی طرح بھی فرمانبرداری کے دائرہ میں نہیں آ سکتے، ہندوؤں اور بدھمنوں کے پیشواؤں لنگوئی باندھے ہوئے نام مخلوق کے سامنے آ جاتے ہیں اور امریکہ کے لوگ اور ان کی تقلید کرنے والے جہاں کہیں بھی جاتے ہیں کہ ان کے مذہبی مقتدا اور سیاسی زعماء اثمی اور بدکرداری میں لست پت ہیں۔ ان لوگوں کو خداوند قدوس کی فرمانبرداری سے ڈر کا بھی واسطہ نہیں۔ جس قوم میں زنا کاری عام ہو اور ان کے عقیدہ میں اتوار کے دن چرچ میں اپوپ کے معاف کروینے سے گناہ معاف ہو جاتے ہوں اور چھوٹے پوپ کے گناہ بڑا پوپ معاف کر دیتا ہو وہ خداوند قدوس کے ظلم کے فرمانبردار نہیں ہو سکتے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب اور اخیل شریف کی تحریف کی اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ صرف یہ کہ ایمان نہ لائے بلکہ آپ کی ذات گرامی پر اعتراضات کئے اور کرتے رہے اور کرتے ہیں۔ ایسے لوگ خداوند قدوس کے نافرمان اور سرپا نافرمان ہیں ان میں جو کوئی شخص راہب ہے اور اپنے خیال میں خداوند قدوس کی عبادت کرتا ہے۔ اس کی رہبانیت اور عبادت سب بیکار ہے اور ضائع ہے، بھسم ہے اور راکھ کا ڈھیر ہے۔

وَوَصَّىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ ۖ يٰبَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمُ الدِّينَ

اور ملت ابراہیمہ کی بیعت کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے بھی۔ اے میرے بیٹے! اللہ نے منتخب فرمایا ہے تمہارے لئے اس دین کو، جو چر

فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۱۰۸﴾ أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ

موت مرنے پر اس حالت میں کہ تم یمن اسلام پر ہو۔ کیا تم حاضر تھے جس وقت کہ نے گئی یعقوب کو موت جبکہ انہوں نے اپنے بیٹوں سے

لَبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَالِلهُ أَبَاكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَالْحَقُّ

کہا کہ کس فی عبادت کرا گئے میرے بعد انہوں نے کیا ہم عبادت کریں گے آپ کے معبودوں اور آپ کے باپ دادا ابراہیم، اسماعیل اور اسحق کے

الِهَآ وَآحَدًا ۖ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۱۰۹﴾

معبود کی، جو ایک ہی معبود ہے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں۔

ملت ابراہیمی علیہ السلام کی وصیت

یعنی ملت ابراہیمیہ کی وصیت کی ابراہیم علیہ السلام نے اور یعقوب علیہ السلام نے اپنے اپنے بیٹوں کو اور انہوں نے فرمایا کہ اے

بیٹو! تمہارا لئے اللہ تعالیٰ نے ملت ابراہیمیہ کو منتخب فرما دیا ہے۔ جس میں اخلاص ہے اور احکام الہیہ کا اختیار ہے اور سربا پرا فرمانبردار ہے۔

اس دین کو کبھی بھی مت چھوڑنا۔ مرتے وقت تک اور زندگی کے آخری لمحات تک اسی پر قائم رہنا کہ تم اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہو۔

علامہ واحدی اسباب النزول میں لکھتے ہیں کہ یہودیوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ یعقوب نے اپنی

موت کے وقت اپنے بیٹوں کو یہ وصیت کی تھی کہ تم یہودیت پر قائم رہنا ان کی اس بات کی تردید میں آیت بالا نازل ہوئی کہ تم لوگ حضرت

یعقوب علیہ السلام کی طرف یہ بات کیسے منسوب کرتے ہو کہ انہوں نے موت کے وقت یہودیت کی وصیت کی تھی کیا تم ان کی موت کے

وقت ان کے پاس موجود تھے؟ ان کی موت کے سیکڑوں سال کے بعد تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی جن کے دین کو تم یہودیت

سے تعبیر کرتے ہو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کو بھی صدیاں گزر گئیں۔

اب تم یہ کہہ رہے ہو کہ یعقوب علیہ السلام نے یہودیت کی وصیت کی تھی تمہارے دعوئی کی نکتہ کو دلیل ہے نہ کوئی گواہ ہے اور یہودیت

ان کے زمانہ میں تھی بھی نہیں پھر انہوں نے بیٹوں کو کیسے اس کی وصیت کر دی؟ انہوں نے تو تو حید کی وصیت کی جس پر ملت ابراہیمیہ

مشتمل ہے اور جو ملت ابراہیمیہ کا رکن اعظم ہے ان کے بیٹے سربا پرا طبع اور فرمانبردار تھے اور تو حید خالص ان کا دین تھا جب انہوں نے

اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد کس کی عبادت کرو گے تو ان سب نے جواب میں کہا کہ ہم اسی ذات پاک کی عبادت کریں گے جو

آپ کا معبود اور آپ کے باپ دادا یعنی ابراہیم اور اسماعیل اور اسحق علیہم السلام کا معبود ہے۔ اور معبود صرف وہی ایک ہے اس کے علاوہ

کوئی معبود نہیں اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں اور طاعت گزار ہیں اور ہم اسی دین پر رہیں گے اور مریں گے۔ درحقیقت جب عصیبت

جاہلیہ کسی فرد یا قوم یا جماعت کے دلوں میں جگ پکڑ لے تو حق اور باطل کی تمیز ختم ہو جاتی ہے اور ایسے لوگ صرف اپنے نفسانی عقائد و اعمال

کے پیچھے چلتے ہیں تدبیر اور فکر سے محروم ہو جاتے ہیں۔ کہاں ابراہیم اسماعیل اور اسحق علیہم السلام کا دین جو تو حید الہی پر مشتمل تھا اور جس میں

سربا پرا خداوند قدس کی فرمانبرداری تھی اور کہاں یہودیوں کا وہ دین جس پر وہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے جس میں حضرت

عزیر علیہ السلام کے بارے میں ابن اللہ بنو نے کاغذ پر بھی تھا اور جس میں حق کا چھپانا بھی تھا اور جس میں حضرت عیسیٰ رسول اللہ اور

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور توہین شریف کی تحریف اور رشوت خوری اور سود خوری تھی جو آج تک بھی یہودیوں

کے اندر باقی ہے۔

فائدہ..... (۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے اسمعیل علیہ السلام اور دوسرے بیٹے اسحاق تھے اور یعقوب اسحاق کے بیٹے تھے۔ اسمعیل یعقوب کے والد نہ تھے پھر بھی ان کے آباء کے عدم میں شامل فرمایا۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ چچا پر بھی باپ کا اطلاق کرنا جائز ہے۔ تفسیر روح المعانی میں مصنف ابن ابی شیبہ سے حدیث مرفوعہ نقل کرتے ہیں: "و احفظ ظونی فی العباس فانہ بقیۃ آبائی۔" (ص ۳۵۱ ج ۱) کہ تم عباس کے بارے میں میرے تعلقات کی حفاظت کرو کیونکہ وہ میرے آباء کا بقیہ ہیں۔

فائدہ..... (۲) حضرت ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام کی وصیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان کو جہاں اپنے دین کے لئے فکر مند ہونا ضروری ہے۔ وہاں یہ بھی لازم ہے کہ اپنی اولاد اور آنے والی نسلیں کیلئے اس بات کا فکر مند ہو کہ وہ توحید پر قائم رہیں اور دین اسلام پر جہیں۔ اور ہمیشہ اللہ کے فرمانبردار رہیں برخلاف اسکا اپنی اولاد کو ایسے ممالک میں بھیجنا یا لے جانا جہاں وہ دین خداوندی پر باقی نہ رہ سکیں یا ایسی درسگاہوں میں ان کو علم پڑھانا جہاں وہ اپنے دین کو کھو بیٹھیں یہ ان کے ساتھ بہت بڑا ظلم ہے۔ جو لوگ اپنے نماز روزے کا خیال کرتے ہیں اور اولاد کو کفر و فتنہ و فحش و فحار کے ماحول میں دھکیل دیتے ہیں اور وہ اس ماحول کا ان کیلئے تقدم اور ترقی سمجھتے ہیں وہ بڑے ظالم ہیں۔

تِلْكَ أُمَمٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا

و ایک جماعت تھی جو گزر چکی، ان کے لئے وہ ہے جو انہوں نے نیک کیا، اور تمہارے لئے وہ ہے جو تم نے نیک کیا، اور تم سے اس چیز کا سوال نہ ہوگا

يَعْمَلُونَ

جو وہ کیا کرتے تھے۔

یہودیوں کے اس غرور کا جواب کہ ہم نبیوں کی اولاد ہیں

یہودیوں کو اس بات پر بہت غرور تھا اور اب بھی ہے کہ ہم نبیوں کی اولاد ہیں اور ان کے نسل اور نسب میں ہونے کی وجہ سے ہم عذاب سے بچ جائیں گے اس آیت میں صاف صاف اس بات کی تصریح فرمادی کہ وہ حضرات اپنے اپنے عقائد اور اعمال لیکر دنیا سے چلے گئے انہوں نے جو کچھ کیا وہ ان کے ساتھ ہے ان کے اعمال صالحہ ان کے کام انہیں گے اور تم نے جو کچھ کیا وہ تمہارے ساتھ ہے ان کے اعمال میں سے کوئی حصہ تمہیں نہ ملے گا دوسروں کے اعمال کی وجہ سے خدا بخواہ آس لگائے بیٹھے ہو جبکہ یہ آس اور امید قانون خداوندی کے خلاف ہے تم اپنے عقائد اور اعمال اور کفر و ایمان کو دیکھو تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہو انجیل اور قرآن کو نہیں مانتے پھر بھی نجات کی امید لگائے ہوئے ہو۔ یہ بہت بڑی جہالت ہے وہ حضرات سابقین جن سے تم انتساب رکھتے ہو ان کے اعمال کی تم سے پوچھ تک نہ دوگی اور نہ ان کا ذکر تمہارے سامنے آئے گا ان کے اعمال کا تمہیں نفع پہنچنا تو دوسری بات ہے۔

امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو سید زادے، پیر زادے ہونے پر گھمنڈ کئے ہوئے ہیں تارک فرائض ہیں۔ مرتکب منہیات و محرمات ہیں بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا ہیں لیکن وہ یہی سمجھتے ہیں کہ ہم کسی کی نسل اور نسب میں ہونے کی وجہ سے بخش دیئے جائیں گے اور بہت سے جعلی جھوٹے دنیا دار پیروں نے اپنے عوام کو یہ دھوکہ دے رکھا ہے کہ تم ہمارے

جھنڈے کے نیچے ہو گئے جس نے ہم سے بیعت کر لی بس وہ بخشا بخشایا ہے یہ سب فریب ہے مگر اسی ہے قرآن و حدیث کی تصریحات کے خلاف ہے۔ (صحیح بخاری ص ۲۰۲ ج ۲) میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر قریش کو اور اپنے اعزہ و اقرباء کو پکارا۔ سب کو حق کی دعوت دی اور عمومی اور خصوصی خطاب فرمایا اس خطاب میں یہ بھی تھا کہ اے عباس بن عبدالمطلب! میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا، اور اے صفیہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چھو بھی میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا اور اے فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم میرے مال سے جو چاہو سوال کرو میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔

مطلب یہ ہے کہ اپنا دین اور ایمان اور عمل صالح اللہ کے ہاں کام آئے گا جو منہ من نہ ہوگا اس کو میری رشتہ داری کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رشتہ داری کے بارے میں ایسا فرمادیا تو دوسروں کی کیا مجال ہے کہ وہ نسب کی بنیاد پر بخشنے جانے کی امید رکھیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ يَطْلُبْهُ عَمَلُهُ لَمْ يَسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ۔ یعنی جس کا عمل دیر لگائے اس کا نسب جلدی کر کے آگے نہیں بڑھاوے گا۔ (ص ۳۳۵)

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ

اور انہوں نے کہا کہ ہو جاؤ یہودی یا نصرانی تم ہدایت پا جاؤ گے، آپ فرمائیے بلکہ ابراہیم کی ملت کا اتباع کرو جو چوری طرح حق بنی کی طرف تھے اور مشرکین میں

مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ

اسے نہ تھے تم لوگ کہو ہم ایمان الہی اللہ پر اور اس پر جو نازل کیا گیا ابراہیم اور اسماعیل

وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ

اور اسحق اور یعقوب پر، اور ان کی اولاد پر اور اُس پر بھی جو عطا کیا گیا، اوتی کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو ان کے رب کی طرف سے

لَا نَفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝

ہم ان میں سے کسی کے درمیان فریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں۔

اللہ کے تمام نبیوں اور تمام کتابوں پر ایمان لانے کا حکم

تفسیر، منشور میں بحوالہ ابن اسحاق وابن جریر وغیرہما حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ عبد اللہ بن عمرو (یہودی) نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ ہدایت صرف وہی ہے جس پر ہم ہیں لہذا تم ہمارا اتباع کرو، ہدایت پا جاؤ گیا اور نصاریٰ نے بھی اسی طرح کی بات کہی تو اللہ تعالیٰ نے آیت وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى تَهْتَدُوا (الآیۃ) نازل فرمائی۔ (ص ۱۴۰ ج ۱)

مطلب یہ ہے کہ یہودیوں نے اپنے دین کو ہدایت بتایا اور اس کی دعوت دی اور نصاریٰ نے اپنے دین کو ہدایت بتایا اور اس کی دعوت دی، اللہ جل شانہ نے ان کو تردید فرمائی کہ ہدایت نہیں جو تم اپنے اپنے دین کو چھوڑو اور ابراہیم خلیف کے دین کو اختیار کرو جس کے داعی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کے دین کا عالم اور شارح اور داعی آپ کے سوا کوئی نہیں ہے اُن کے دین میں تو حید ہے حق پر استقامت ہے قربانی ہے، ایثار ہے، اخلاص ہے اور تم میں سے کوئی بھی ملت ابراہیمی کا متبع نہیں ہے۔ دین حق میں اللہ پر ایمان لانے

کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرض ہے کہ اس کی ساری کتابوں اور اس کے سارے نبیوں پر ایمان لایا جائے اور ایمان لانے میں کوئی تفریق نہ کی جائے۔ اگر کسی ایک نبی کو بھی نبی نہ مانا تو سب کی تکذیب لازم آئے گی۔ اس صورت میں ہدایت پر ہونے کا دعویٰ غلط ہے۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کو نہیں مانا اور یہود و نصاریٰ دونوں قوموں نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کا انکار کیا قرآن کو نہیں مانا پھر ہدایت پر کیسے ہو سکتے ہیں؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خود بھی وصف لفظ حنیفاً میں بیان فرمایا اور یہ قرآن مجید میں کئی جگہ ان کے حق میں استعمال ہوا ہے اس کا مادہ ح۔ ان۔ ف ہے۔ امام راغب لکھتے ہیں الحنف هو البميل عن الضلال الى الاستقامة والحنيف هو العائل الى ذلك. (ص ۱۲۳) یعنی حنف یہ ہے کہ گمراہی سے ہٹنے پر حق پر استقامت ہو اور حنیف وہ ہے جس میں یہ صفت پائی جائے۔ تفسیر ورمضہ ص ۱۴۰ ج ۱، میں مسند احمد اور الاواب المفرد (المنہاری) سے نقل کیا ہے کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کو کون سا دین پسند ہے؟ آپ نے فرمایا الحنیفیۃ السمحۃ یعنی وہ دین اللہ کو محبوب ہے جس میں باطل سے بچتے ہوئے حق کو اپنایا گیا ہو اور جس پر عمل کرنے میں دشواری نہیں ہے (اس سے دین اسلام مراد ہے)

حنیفاً کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری صفت بیان فرمائی یعنی وفاء کان من المشرکین ان کی یہ صفت دوسری آیات میں بھی ان الفاظ میں مذکور ہے۔ اس میں صاف اور واضح طور پر بتا دیا کہ ابراہیم علیہ السلام مشرک نہیں تھے۔ جو بھی کوئی جماعت یا فرد مشرک ہو گا وہ دین ابراہیمی پر نہیں ہو سکتا مشرکین کا بھی اس بات کے مدعی تھے کہ ہم ملت ابراہیمی پر ہیں۔ ان کے اندر ختم کرنا، حج کرنا اور مہمان نوازی کرنا باقی تھا۔ لیکن ساتھ ہی مشرک بھی تھے۔ حج کے تلبیہ میں بھی شرک کے الفاظ بڑھار کھے تھے اور کعبہ شریف میں بت بھر رکھے تھے اور یہود و نصاریٰ نے بھی شرک اختیار کر رکھا ہے۔ حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہما السلام کو خدا کا بیٹا بتاتے ہیں اور پھر بھی اپنے آپ کو ہدایت پر سمجھتے ہیں اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ ملت ابراہیم کا اتباع کرو اور ان کی ملت میں سب سے پہلی بنیادی بات یہ ہے کہ توحید کے اقرار ہی ہوں اور شرک کے انکاری ہوں۔

مذکور بالا آیت میں لفظ الاستیساط جو آیا ہے یہ صبط کی جمع ہے اس سے حضرت اسحق علیہ السلام کی اولاد مراد ہے۔ ان میں سب قومیں نہیں تھیں لیکن ایک بڑی تعداد میں ان میں انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے۔ اسی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَدْجْعَلْ فِیْكُمْ اَنْبِیَاءً وَجَعَلْكُمْ مَّلَؤُکَا وَاتَّخَذْتُمْ مَالَهُمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِیْنَ (ذکرہ حکایۃ عن موسیٰ علیہ السلام فی سورۃ المائدہ)

مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بعد بجز سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جتنے بھی نبی آئے۔ سب انہی کی اولاد میں سے تھے اور وہ حضرت اسحق کے بیٹے تھے (صلوات اللہ علیہم اجمعین) امت محمدیہ الحمد للہ اللہ کے تمام نبیوں پر اور اس کی ساری کتابوں پر ایمان رکھتی ہے سب کا وہب سے نام لیتے ہیں اور اس میں کسی قسم کی عصبیت نہیں ہے۔ باوجودیکہ یہود و نصاریٰ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں بے جا باتیں کرتے ہیں لیکن مسلمان کبھی بھی اہل کفر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی شان میں کوئی ناروا کلمہ نہ کہتے ہیں اور نہ کہہ سکتے ہیں اگر ایسا کریں گے تو ان کا ایمان جاتا رہے گا۔

ہوتے ہیں۔ ہم ایمان اور اقبال صالحہ کے رنگ کو ایسے چھوڑ سکتے ہیں اس سے اچھا کوئی رنگ نہیں ہے اللہ نے ہمیں رنگ دیا ہے اور ہم اسی رنگ میں خوش ہیں۔ ہم اللہ کی توحید پر جیتے اور مرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کے فرمانبردار اور مطیع ہیں۔ صاحب تفسیر جلالین فرماتے ہیں صیغۃ اللہ مصدر مؤكد بامنا ونصبه بفعل مقدر ای صبغنا اللہ والمراد بها دینہ الذی فطر الناس علیہا لظہور النور علی صاحبہ کالصبغ۔

انصرانی ممدودی نام کے پانی میں رنگنے سے اپنے بچوں کو اپنے باطل خیال میں پاک کرتے تھے اور اب بھی جس کو انصرانی بناتے ہیں تبسمیہ دیتے ہیں اور خاص پانی میں منہلاتے ہیں۔ کفر کے ساتھ باطن پاک ہو ہی نہیں سکتا، ظاہری پانی تطہیر باطن کا کام دینے والا نہیں ہے۔

آیت شریفہ میں: فَمَنْ مِّنْهُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ هُوَ الْغَرِيبُ الَّذِي يَدْعُو رَبَّهُ وَيَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ يَوْمَئِذٍ هُوَ الْكَاذِبُ۔

قُلْ أَتَحَاجُّونَنَا فِي اللَّهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ

آپ غریب کیا تم سے اللہ کے بارے میں بحث کرتے ہو۔ غمزدہ ہمارا ہے اور تمہارا ہے۔ اللہ میں ملنے والے اور اللہ سے ملنے والے ہیں۔ اور ہم اللہ تعالیٰ

لَهُ مُخْلِصُونَ

کے لئے اخلاص والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ آپ یہود و نصاریٰ سے فرمادیں کہ تم ہم سے اللہ کے دین کے بارے میں جو بحث بازی کرتے ہو اور کہتے ہو کہ جو دین اللہ کو پسند ہے وہ یہودیت اور نصرانیت ہے۔ تمہارا یہ کہنا اور اپنے خیال کے مطابق جنت میں داخل ہونے کے خواب دیکھنا غلط ہے۔ وہ ہمارا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے سب کو اُسے راضی کرنے کے لئے فکر مند ہونا لازم ہے اور اُس نے جس دین اور جس ملت کو جس زمانہ میں ذریعہ نجات بنایا اسی کو اختیار کرنا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے عرب میں سے ایک نبی کو چن لیا۔ اس نبی پر ایمان لانا فرض ہے تم ایمان نہیں لاتے اور ہم سے جھگڑتے ہو۔ ہم سے جھگڑنا فضول ہے ہمیں اپنے ایمان اور اعمال حسنہ کا اجر ملے گا تمہیں تمہارے کفر اور تکذیب کی اور اللہ تعالیٰ کے اوامر کی مخالفت کی سزا ملے گی۔ ہم تو اللہ کے لئے مخلص ہیں اپنے اعمال کے ذریعہ صرف اُسی کی رضا چاہتے ہیں۔ قال صاحب الروح قل اتحاجوننا تجريد الخطاب للنبي صلى الله عليه وسلم لما ان المأمور به من الوظائف الخاصة به عليه الصلوة والسلام والهجرة للإتيان في الله اى في دينه وتدعون أن دينه الحق اليهودية والنصرانية وتبنون دخول الجنة والاهتداء عليهما. وقيل: المراد في شأن الله تعالى واصطفائه نبيا من العرب دونكم بناء على أن الخطاب لأهل الكتاب، وسوق النظم يقتضى أن تفسر المحاجة بما يختص بهم، والمحاجة في الدين ليست كذلك (إلى آخر ما قال). قل اتحاجوننا میں خطاب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص کرنے کی وجہ مامور بہ وظائف کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہونا ہے اور اس میں ہمزہ انکار کیلئے ہے۔ فی اللہ کا معنی ہے کہ اللہ کے دین میں جھگڑتے ہو اور یہ دعویٰ کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا دین حق یہودیت اور نصرانیت ہے اور ہدایت و دخول جنت کی بنیاد یہودیت و

انصرانیت کو بظہر اتے ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کی شان میں اور اس بات میں جھگڑتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کا انتخاب تمہیں چھوڑ کر عربوں سے کیوں کیا۔ یہ قول تب صحیح ہوگا اگر اس میں خطاب اہل کتاب سے مانا جائے۔ اور سیاق کلام اس کا متقاضی ہے کہ جھگڑنے کی تفسیر ان امور سے کی جائے جو اہل کتاب کے ساتھ خاص ہوں جبکہ دین میں جھگڑنا ان کے ساتھ خاص نہیں)

أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا

یا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسمعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کے اسباط کی اولاد

هُودًا أَوْ نَصْرَیًۖ قُلْ ءَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللّٰهُ ۚ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ

یہودی تھے یا نصرانی تھے آپ نہ مانتے ہیں کہ تم زیادہ جانتے والے ہو یا اللہ زیادہ جانتے والا ہے اور اس سے پردہ کو خاتم ہونے پر جو جس نے چھپا کر اس کو دیکھنا ہی نہ طرف سے

اللّٰهُ ۚ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۰﴾

اس کے پاس جوہر ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا ہر کام سے غافل نہیں ہے جنہیں تم کرتے ہو۔

یہود و نصاریٰ کے اس قول کی تردید کہ ابراہیم اور اسمعیل اور اسحاق اور یعقوب یہودی یا نصرانی تھے یہودی کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم و اسمعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد جن کو اللہ نے نبوت سے سرفراز فرمایا یہودی تھے اور نصاریٰ کہتے تھے کہ یہ حضرات نصرانی تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان لوگوں کی تردید فرمائی اور فرمایا کہ یہ حضرات ملت ابراہیمی پر تھے یہودیت اور نصرانیت اور تورات اور انجیل ان کے بعد نازل ہوئی ہیں جن سے تم اپنا دھڑ لگاتے: پھر ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے اور پوتے یہودیت اور نصرانیت اور تورات پر کیسے دیکھتے ہیں تم زیادہ جانتے والے ہو یا اللہ تعالیٰ کو زیادہ علم ہے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے بڑا عالم ہے اور اسی کو صحیح علم ہے تم جہاں حضرت ابراہیم و اسمعیل و اسحاق اور یعقوب اور ان کے اسباط کے بارے میں غلط بات کہتے ہو اور ان کو یہودیت اور نصرانیت پر بتلاتے ہو وہاں اس شہادت اور گواہی کو بھی چھپاتے ہو: اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس پہنچی اور وہ شہادت یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام حنیف تھے، وحد تھے، مشرک نہیں تھے، یہودی اور نصرانی نہیں تھے۔ سورۃ آل عمران میں فرمایا

قَالَ تَعَالَىٰ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَخَاجُونِ فِي إِبْرَاهِيمَ ۖ وَمَا أُنْزِلَتِ التَّوْرَةُ وَالْإِنْجِيلُ إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝

هَٰذَا نَسْتَمُحُّوْا ۖ خَاجَجْتُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُخَاجُّوْنَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ ۖ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ مَا

كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝

(اے اہل کتاب کیوں جھگڑتے ہو ابراہیم کے بارے میں حالانکہ انہیں نازل کی گئی تورات اور انجیل مگر ان کے بعد، کیا پھر سمجھتے نہیں ہو۔ ہاں تم ایسے ہو کہ ایسی بات میں تو جھگڑ کر رہی چکے تھے جس سے تم کو کسی قدر توبہ انقیات تھی سو ایسی باتوں میں کیوں جھگڑتے ہو جس سے تم کو اصلاح و انقیات نہیں اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے لیکن طریق مستقیم والے صاحب اسلام تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے۔

آیت شریفہ کے مذکور میں جہاں اس شہادت کے چھپانے کو بڑا ظلم بتایا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں تھی وہاں یہودیوں کی اس بد باطنی کی طرف بھی اشارہ ہے جس کی وجہ سے ان لوگوں نے اس گواہی کو چھپا رکھا تھا جو تورات اور انجیل میں حضرت رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور نبوت و رسالت کے بارے میں موجود تھی۔

قال فی الروح (ص ۴۰۰ ق ۱) وفي اطلاق الشهادة مع ان المراد بها ما تقدم من الشهادة المعينة تعرض بکلماتهم شهادة الله تعالى لنبيه محمد صلی الله تعالى علیه وسلم فی التوراة والانجیل۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا

وہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی، ان کے لئے وہ ہے جو انہوں نے کمال کیا، اور تمہارے لئے وہ ہے جو تم نے کمال کیا، اور تم سے اس چیز کا سوال نہ ہوگا جو

يَعْمَلُونَ ﴿۱۰﴾

• ہوتے تھے۔

نسب پر غرور کرنے والوں کو تنبیہ

یہ آیت مکرر ہے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہودیوں کو دوبارہ متنبہ فرمایا ان کی طبیعتوں میں جو باپ دادوں پر فخر کرنا اور نسب پر بھروسہ کرنا مستحکم تھا اس کے نافع نہ ہونے پر دوبارہ بطور تاکید کے تنبیہ فرمائی اور بتایا کہ اللہ تمہیں تمہارے اعمال پر جزا دے گا اور تمہارے باپ دادوں کا عمل تمہیں کچھ نفع نہ دے گا اور قیامت کے دن تم سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ تمہارے باپ داداے کیا عمل کرتے تھے (یعنی ان کے اعمال کا بالکل ذکر نہ ہوگا) بلکہ تم سے تمہارے اعمال کا سوال ہوگا۔ اس کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ بعض حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ یہ آیت پہلے جو گزری ہے وہاں اہل کتاب کو خطاب تھا۔ اور یہاں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو تنبیہ ہے کہ تم لوگ یہودی اقتداء نہ کرنا اور ان کی طرح سے آباؤ اجداد پر فخر نہ کرنا اور اپنے ذاتی اعمال کو نہ چھوڑ بیٹھنا۔

☆☆☆.....☆☆☆

(پارہ نمبر ۲ / السَّيِّئُونَ)

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّهُمْ عَنِ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ

مَنْ رَبُّنَّاسٍ ۚ يَقُولُ الْكَافِرُونَ كَذِبًا ۚ وَيَقُولُ الْمُسْلِمُونَ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۚ

لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۸۹﴾

اللہ ہی کے لئے مشرق اور مغرب ہے وہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہے۔ راستہ کی طرف۔

تحویل قبلہ پر بیوقوفوں کا اعتراض اور ان کا جواب

تفسیر درمنثور ص ۱۴۱ ج ۱ میں بحوالہ ترمذی و نسائی وغیرہم حضرت براہِ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد رسول یا سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی اور آپ کا دل چاہتا تھا کہ کعبہ شریف کی طرف نماز پڑھیں۔ آپ آسمان کی طرف منہ اٹھاتے تھے (اور وحی کا انتظار کرتے تھے کہ کعبہ شریف کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہو جائے) اللہ جل شانہ نے آیت قَدْ نَسُوْا نَفْلًا وَجْهًا فِی السَّمَاءِ (آیت) نازل فرمائی اور کعبہ شریف کی طرف نماز میں رُخ کرنے کا حکم فرمادیا اس پر بیوقوفوں نے یعنی یہودیوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ کس چیز نے قبلہ سے ان کا رخ پھیر دیا؟ جس پر یہ تھے (یعنی بیت المقدس کی طرف رُخ کرنا چھوڑ کر کعبہ شریف کی طرف رُخ کرنا کیوں شروع کیا) اللہ تعالیٰ نے (اس کے جواب میں) قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يُّشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ نازل فرمائی۔ تفسیر درمنثور ص ۱۴۲ ج ۱ میں حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے جو حکم قرآنی منسوخ ہوا وہ قبلہ کی مندرجہ ذیل تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مدینہ منورہ تشریف لائے) تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے جو یہود کا قبلہ تھا۔ سترہ مہینے تک آپ نے اس طرف نماز پڑھی۔ تاکہ یہود ایمان لے آئیں اور آپ کا اتباع کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آیت وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَانْصَبْ وَابْتِغِ الْوَقْفَ الْمَقْبُوْلَیْنَ وَخَدَّ اللَّهُ اَوْرَاقَ نَخْلٍ تَلْعَلْ وَجْهًا فِی السَّمَاءِ نازل فرمائی۔

جب کعبہ شریف کو قبلہ مقرر کر دیا گیا تو یہودیوں نے باتیں بنانا اور اعتراض کرنا شروع کیا اور کہنے لگے کہ (حضرت) محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب کو کس چیز نے اس قبلہ سے پھیر دیا جس کی طرف اب تک نماز پڑھتے رہے۔ اللہ جل شانہ کی طرف سے ارشاد ہوا۔ اے نبی آپ فرمادیں اللہ ہی کے لئے مشرق و مغرب ہے اسے اختیار ہے اپنے نبوت کرنے والوں کو جس طرف چاہے نماز پڑھنے کا حکم دیدے۔ کسی کو خداوند قدوس پر اعتراض کرنے کا کیا حق ہے مومن بندے اللہ کے قانون پر چلتے ہیں وہ اسی کے پابند ہیں۔ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہوا تو ادھر نماز پڑھنے لگے۔ کعبہ شریف کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہوا تو اُس وقت قبلہ بنا لیا۔ قبلہ بدلنے پر اعتراض کرنا مسلمانوں پر اعتراض نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے۔ مقصد اللہ کی عبادت اور اطاعت ہے۔ کسی جہت یا کسی جانب کا رخ کرنا مقصود نہیں اور اسی لئے اعتراض کرنے والوں کو بے وقوف بتایا وہ یہ نہیں سمجھ رہے کہ ہمارا اعتراض کس پر ہو رہا ہے۔

مقتضیٰ اندھا تہی ہے اسے یہ: بیش نہیں ہوتا کہ میری بات کہاں گئی اور نیز اعتراض کہاں پہنچے گا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق چنانہی صراطِ مستقیم اختیار کرتا ہے۔ اللہ کا ہر فرمان حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔ اس نے اپنی حکمت کے موافق بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا۔ پھر حکمت ہی کے مطابق اپنے بندوں کا رخ عجب شریف کی طرف پھیر دیا اس نے اپنے بندوں کو ہدایت دی اور ہدایت کے لئے جن لیا۔ ہدایت یافتہ بندے حکم کے پابند ہیں، بے چوں، چر حکم پر عمل کرتے ہیں، دشمنان اسلام صراطِ مستقیم سے دُور ہیں اور اللہ کے حکم اور اس کی حکمت پر معتزل ہیں۔ ایسے معتزلین کا بے خوف ہونا ظاہر ہے۔ فقال صاحب الروح (ص ۳۲) کسانہ قبل ان التوبۃ المذکورة هداية يخصص الله تعالى بها من يشاء ويختار من عباده. وقد خصنا بها فله الحمد۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شٰهَدًا عَلٰى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شٰهِيْدًا ۝

اور ہی طرح تم نے رسول کو ایک ایسی جماعت بنا دی جو اعتدال والی ہے تاکہ تم دو جائزہ لوگوں پر گواہ ہو۔ دو جائزہ رسول پر گواہ ہو۔

اُمّتِ محمدیہ ﷺ ساری اُمّتوں سے افضل ہے

ابھی قبلہ کا نصفہ ان باقی ہے۔ درمیان میں اُمّتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت بیان فرمادی۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم نے تمہارا قبلہ سب قبلوں سے افضل بنا دیا اس طرح ہم نے تم کو اعتدال والی اُمّت بنا دی اور ساری اُمّتوں سے افضل اُمّت بنا دی۔ اس اُمّت کی انصافیت کا ظہور میدانِ حشر میں اس طرح سے ہوگا کہ یہ اُمّت تمام اُمّتوں کے بارے میں گواہی دے گی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمّت کے بارے میں گواہی دیں گے کہ ہاں میری اُمّت عدل ہے، ثقہ ہے، اس کی گواہی معتبر ہے۔

دوسری اُمّتوں کے مقابلہ میں اس اُمّت کی گواہی اور اس پر فیصلے..... حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز حضرت نوح علیہ السلام کو لایا جائے گا اور ان سے سوال ہوگا کہ تم نے تبلیغ کی؟ وہ عرض کریں گے یا رب! میں نے واقعہ تبلیغ کی تھی۔ ان کی اُمّت سے سوال ہوگا کہ بولو انہوں نے تم کو احکام پہنچائے؟ وہ کہیں گے نہیں۔ ہمارے پاس تو کوئی نذیر (ڈرانے والا) نہیں آیا۔ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے وعوے کی تصدیق کے لئے گواہی دینے والے کون ہیں؟ وہ جواب دیں گے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اُمّتی ہیں۔ یہاں تک بیان فرمانے کے بعد آنحضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمّت کو خطاب کر کے فرمایا کہ اس کے بعد تم کو لایا جائے گا اور تم گواہی دو گے کہ بے شک حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو تبلیغ کی تھی، اس کے بعد آنحضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت ذیل تلاوت فرمائی:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شٰهَدًا عَلٰى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شٰهِيْدًا ۝

اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنا دی ہے جو نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم دوسری اُمّتوں کے لوگوں کے مقابلہ میں گواہ بنو اور تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گواہ بنیں۔

یہ بخاری شریف کی روایت ہے (ص ۶۳۵ ج ۲) اور مسند احمد وغیرہ کی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی اُمّتیں بھی انکاری ہوں گی اور کہیں گی کہ ہم کو تبلیغ نہیں کی گئی ان کے نبیوں سے سوال ہوگا کہ تم نے تبلیغ کی؟ وہ اثبات میں جواب دیں گے کہ واقعی ہم نے تبلیغ کی تھی، اس پر ان سے گواہ طلب کئے جائیں گے تو وہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وسلم اور آپ کی اُمت کو، اسی میں پیش کریں گے۔ چنانچہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی اُمت سے سوال ہوگا کہ اس بارے میں آپ لوگ کیا کہتے ہیں؟ وہ جواب میں عرض کریں گے کہ ہم پیغمبروں کے دعوے کی تصدیق کرتے ہیں۔ اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے سوال ہوگا کہ تم کو اس معاملہ کی کیا خبر ہے؟ وہ جواب میں عرض کریں گے کہ ہمارے پاس ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور انہوں نے خبر دی کہ تمام پیغمبروں نے اپنی اپنی اُمت کو تبلیغ کی۔ (درمنثور ص ۱۴۳ ج ۱)

آیت کا ترجمہ لٹکھنؤ اشہد آء علی الناس کبھی اس کو چاہتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی امتوں کے مقابلہ میں بھی امت محمدیہ میں صاحبہا الصلوٰۃ والسلام گواہی دے گی۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ بعض روایات میں یہ بھی وارد ہے کہ جب اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام دوسری امتوں کے بارے میں گواہی دے گی کہ ان کے نبیوں (علیہم السلام) نے ان کو تبلیغ کی تو سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لایا جائے گا اور آپ سے آپ کی اُمت کے بارے میں سوال کیا جائے گا کیا آپ کی اُمت عادل ہے، گواہی دینے کے لائق ہے؟ اس پر آپ اُن کا تزکیہ فرمائیں گے اور گواہی دیں گے کہ واقعی میری اُمت عدل ہے، گواہی کے لائق ہے، اس کی گواہی معتبر ہے۔ (ص ۵۹ ج ۲)۔ بلاشبہ اس اُمت کا بڑا مرتبہ ہے اور بڑی فضیلت ہے جس کا میدان حشر میں تمام اولین و آخرین کے سامنے ظہور ہوگا۔ یہ اُمت خیر الامم ہے اس کو افضل الانبیاء کی اُمت میں ہونے کا شرف حاصل ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے سب کتابوں میں سے افضل کتاب عطا فرمائی جو اللہ کی کتاب ہی نہیں اللہ کا کلام بھی ہے جو چھوٹے بچوں تک کے سینوں میں محفوظ ہے اور غیر و کبیر سب کے در و زبان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو تمام بنی آدم سے منتخب فرمایا۔ سورہ حج میں ارشاد ہے:

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مَلَأَ آبَائَكُمْ اِبْرَاهِيمَ ط هُوَ

سَمِعَكُمْ الْمُسْلِمِينَ ط مِنْ قَبْلِ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شَهِدَاءَ عَلَى النَّاسِ

(اور اللہ کے کام میں خوب کوشش کرو جیسا کہ کوشش کرنے کا حق ہے اُس نے تم کو منتخب فرمایا اور تم پر دین میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر قائم رہو اللہ تعالیٰ نے تمہارا لقب مسلمان رکھا پہلے بھی اور اس (قرآن) میں بھی تاکہ تمہارے لئے رسول گواہ دوں اور تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ بنو)

اُمت محمدیہ کی آپس میں گواہی پر بخشش کے فیصلے..... اس اُمت کی فضیلتوں میں یہ بہت بڑی فضیلت ہے کہ اس کی گواہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر ہے ان کی گواہی سے دوسری امتوں کے خلاف فیصلہ ہوگا اور آپس میں بھی ان کی گواہی معتبر ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ کچھ لوگ ایک جنازے کو لے کر گزر رہے تو حاضرین نے اس جنازہ کے بارے میں اچھے کلمات کہے اور اس کی تعریف کی۔ آپ نے فرمایا وَجِبْتُ پھر دوسرا جنازہ لے کر گزرے تو حاضرین نے بُرائی کے ساتھ اس کا ذکر کیا آپ نے اس پر بھی وَجِبْتُ فرمایا۔ حضرت منیر نے عرض کیا کہ وَجِبْتُ کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اُس کے بارے میں تم نے خیر کے کلمات کہے لہذا اس کے لئے جنت واجب ہوگئی اور اس کے بارے میں تم نے شر کے الفاظ استعمال کئے اس کے لئے دوزخ واجب ہوگئی۔ انتم

شَهِدَاءَ اللَّهِ فِي الارْضِ. یعنی تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ (صحیح بخاری ص ۱۸۳ ج ۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی مسلمان کے لئے چار آدمی خیر کی گواہی دے دیں اللہ تعالیٰ اُسے جنت میں داخل فرمائیں گے۔ ہم نے عرض کیا کہ اگر وہ شخص گواہی دے دیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، اور اگر وہ بھی یہی حکم

ہے۔ چہرہ نے آیت کی گواہی کے بارے میں دریافت نہیں کیا۔ (تفسیر بخاری ص ۱۸۳ ج ۱)

تفسیر برمنشور ص ۱۳۵ ج ۱ میں بحوالہ مسند احمد و سنن ابن ماجہ و فیہرہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فقریب ایسا ہوگا کہ تم اپنے اچھے لوگوں کو برے لوگوں سے ممتاز نہ کر سکو گے اور جان سکو گے کہ کون کیسا ہے۔ حضرات اس پر عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کیسے ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ اچھا نہ کرنے سے اور برا نہ کرنے سے (یعنی جسے مسلمان اچھا نہیں دیکھتا ہے اور جسے کافر نہیں دیکھتا ہے) تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ اھ۔ گواہی دینے کے اس بڑے مرتبہ سے وہ لوگ محروم ہوں گے جو امت کے الفاظ زیادہ نکالتے ہیں۔ سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زیادہ بعثت کرنے والے قیامت کے دن نہ شہید ہوں گے نہ شفع ہوں گے۔ (یعنی قیامت کے دن یہ لوگ نہ گواہی دینے کے اہل ہوں گے اور نہ سفارش کرنے کے اہل ہوں گے)

امت محمدیہ کا اعتدال اور افراط و سطر کی تشریح..... امت محمدیہ کی تعریف میں اُخذ و سطر فرمایا غلط و سطر کو معنی بہتہ میں بھی کیا گیا ہے اور عدول بھی کیا گیا ہے۔ عدول، عدلی کی جمع ہے عدل اس کو کہتے ہیں جو اُخذ ہو۔ منعطف ہو اور اس کی گواہی معتبر ہو۔ اوصاف مالید سے منعطف ہو، خیر کی صفات کو جامع ہو، برائیوں سے دور ہو۔ اور بعض حضرات نے اس کا معنی معتدل کا بھی لیا ہے یعنی یہ امت ہر اعتبار سے اعتدال پر ہے اس کے اخلاق اور اعمال سب میں اعتدال ہے افراط اور تفریط سے بری ہے۔ نہ عبادات سے نفقات ہے نہ رباہوں کی طرح دنیا کو چھوڑ کر پہاڑوں میں رہنا ہے۔ ساری رات نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ نفس اور زیدی اور مہمان کے حقوق کی ادائیگی کی تعلیم دی گئی۔ روزانہ روزہ رکھنے سے منع فرمایا گیا۔ نہ فضول خرچی ہے نہ بخل بلکہ درمیانی راہ ہے جس کا نام جوہ ہے۔ اس طرح نہ بزدلی نہ ضرورت سے زیادہ بہادری جس سے لوگوں پر ظلم ہو جائے بلکہ ان کے درمیان شجاعت ہے ظالم بھی نہیں اور غلام رہنے کو بھی تیار نہیں نہ عورتوں کو مردوار بنایا گیا نہ ان کی مظلومیت زبردستی رکھی گئی نہ ہر فعل حلال قرار دیا گیا نہ ہر چیز کا کھانا جائز کیا گیا بلکہ حلال حرام کی تفصیلات بتائی گئیں۔ ضرورینے والی اور حبشیہ چیزوں کے کھانے سے منع کر دیا گیا، جن سے اخلاق و اجسام پر بُرا اثر پڑے، طیب اور حلال چیزوں کے کھانے کی اجازت دی گئی۔ انسانیت کو اونچا کیا گیا بھیمت سے بچایا گیا بربریت سے فوری رکھا گیا۔ حد یہ ہے کہ دشمنوں کے ساتھ مہین میدان جنگ کے موقع پر قتل کرنے کے لئے بھی ایسے احکام صادر فرمائے جن میں اعتدال ہی اعتدال ہے بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا گیا۔ مثلاً کرنے یعنی دشمن کے ہاتھ، پاؤں، ناک، کان کاٹنے سے منع فرمایا۔ معاشی نظام میں زکوٰۃ فرض کی گئی۔ اعلیٰ صدقات کا بھی حکم دیا گیا۔ میراث کے احکام جاری کئے گئے تاکہ دولت ایک جگہ سمٹ کر نہ رہ جائے، جان کا بدلہ قصاص مقرر کیا گیا لیکن خطا میں ویت رکھی گئی۔ اور قصاص واجب ہونے کی معذرت میں اولیاء مقتول کو یہ اختیار دیا گیا کہ چاہیں تو قصاص لے لیں۔ چاہیں ویت لے لیں۔ حدیث اور فقہ کی کتابوں میں مامور ابواب پر نظر کی جائے تو احکام میں سراسر اعتدال ہی نظر آتا ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ

اور جس قبلہ پر آپ تھے اسے ہم نے مقرر نہیں کیا مگر اس لئے کہ ہم جان لیں کون اپنا کرتا ہے رسول کو اس سے ممتاز نہ کر جو پیچھے پلٹ

عَلَى عَقْبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ

جاتا ہے اپنے اپنے پلوں اور سب ٹھیک یہ قبلہ بدلنا بھاری بات ہے مگر ان لوگوں پر جن کو اللہ نے ہدایت دی اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ ضائع کرے۔

إِيْمَانُكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿۱۹۳﴾

تنبہ۔ ایمان کو، ہے شک اللہ لوگوں کے ساتھ بڑا شفیع مہربان ہے۔

تحویل قبلہ امتحان کے لئے ہے

امت محمدیہ کی فضیلت ظاہر فرما کر پھر قبلہ کے موضوع سے متعلق باقی بیان شروع ہوتا ہے۔ بیت المقدس کی طرف جو سولہ سترہ مہینے تک نمازیں پڑھی گئیں، پھر کعبہ شریف کی طرف نماز میں رخ کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے پہلے قبلہ کی بجائے دوسرے قبلہ کی طرف رخ کرنے کا جو حکم دیا اس میں یہ حکمت ہے کہ ہم جان لیں کہ رسول کا اتباع کون کرتا ہے اور تبدیل قبلہ کی وجہ سے کون اُلٹے پاؤں لوٹتا ہے اور اتباع رسول سے روگردانی کرتا ہے۔ مؤمن بندوں کا مقصود اللہ تعالیٰ کی عبادت اور طاعت ہے۔ جدھر منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہو گیا وہی جست قبلہ ہے۔ فرمانبردار بندوں کے لئے حق تعالیٰ شانہ کے احکام ماننے میں ذرا بھی کوئی جھجک نہیں ہوتی اور نہ ان کے نزدیک چوں چرکا کا موقع ہوتا ہے۔

تَنْبِيْهُنَّ عِلَّتْ اِزْكَارَتُو

زبان تازہ کردن با قرار تو

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قبلہ بدلنے میں یہی حکمت تھی کہ ہم جان لیں یعنی علمِ آزی کا ظہور ہو جائے کہ کون ہمارے رسول کا اتباع کرتا ہے اور کون منکر اور منحرف ہو جاتا ہے۔ اور اُلٹے پاؤں چلا جاتا ہے جب قبلہ بدلنے کا حکم ہوا تو بعض ضعیف الایمان، ایمان سے پھر گئے۔ اور انہوں نے کہا کہ کبھی ادھر نماز پڑھنے کا حکم ہوتا ہے اور کبھی ادھر (اسکو بہانہ بنا کر مرتد ہو گئے)۔ (نفسہ فی الدار المنشور عن ابن جریر ص ۱۴۶ ج ۱)

اللہ تعالیٰ کو سب اختیار ہے بندوں کو جو چاہے حکم دے لیکن جاہلوں، بیوقوفوں اور منافقوں اور یہودیوں کے نزدیک قبلہ بدلنا بہت بڑی چیز ہو گئی۔ ان کے نفوس پر یہ امر بہت شاق گزرا اور اسے ہدفِ طعن و تشنیع اور محلِ اعتراض بنالیا اور مؤمنین کے لئے اس میں کوئی اشکال اور اعتراض کی بات ہی نہیں ہے۔ فرمانبردار یوں بھی خوش ہے اور یوں بھی راضی، وہ تو پابندِ حکم ہے، اُسے فرمانبرداری کے سوا اور کچھ مطلوب نہیں۔

قال صاحب الروح ص ۶ ج ۲ وان كانت لكيرة اى شاقة ثقيلة ، والضمير لما دل عليه قوله تعالى وما جعلنا (الخ) من الجعلة أو التولية أو الردة أو التحويلة الصيرورة أو المتابعة أو القبلة وفائدة اعتبار التانيث على بعض الوجوه الدلالة على أن هذا الرد والتحويل بوقوعه مرة واحدة وقوله الا على الذين هدى الله أى إلى سر الاحكام الشرعية المبنية على الحكم والمصالح اجمالاً او تفصيلاً والمراد بهم (من يتبع الرسول) من الثابتين على الايمان الغير المتزلزلين المنقلبين على أعقابهم (اه بحذف) (وان كانت لكيرة لکيرة یعنی قبلہ کی تبدیلی لوگوں پر شاق اور گراں ہے) کانت کی ضمیر الجعلة التولية الردة التحويلة الصيرورة المتابعة یا القبلة کی طرف راجع ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول وما جعلنا الخ اس پر دلالت کر رہا ہے۔ اور بعض وجود میں اعتبار تانیث کا فائدہ اس امر پر دلالت ہے کہ تحویل قبلہ کا واقعہ ایک ہی مرتبہ پیش آیا۔ الاعلیٰ الذین ہدی اللہ یعنی تبدیلی قبلہ ان لوگوں پر گراں نہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے احکام شرعیہ (جو کہ اجمالاً تفصیلاً حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہیں) کے اسرار کی طرف رہنمائی کی ہے۔ من يتبع الرسول سے وہ لوگ مراد ہیں جو

ایمان پر عہدہ قدم ہیں اور منزل و ایڑیوں کے بل پلٹنے والے نہ ہوں)

قبلہ اولیٰ کی طرف جو نمازیں پڑھی گئیں اُن کا ثواب ضائع نہیں..... پھر فرمایا: وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ عِبَادَهُ (اور اللہ تعالیٰ سے یہ کہ ضائع کرے تمہارے ایمان کو) تفسیر درمنثور میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بحوالہ سنن ترمذی: نعم طبرانی و مستدرک حاکم حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں کعبہ شریف کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا تو حضرات صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھتے رہے (اور قبلہ بدلنے سے پہلے وفات پا گئے) اس پر اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ تمہارے ایمان کو ضائع فرما دے۔

اس آیت میں نماز کو ایمان فرمایا اس سے نماز کا رتبہ معلوم ہو گیا۔ بعض روایات میں نماز کے بارے میں فرمایا کہ اسلام میں نماز کا مرتبہ ایسا ہے جیسے انسان کے جسم میں سر کا مرتبہ ہے۔ (الترغیب ص ۲۴۶ ق ۱)

سر موجود ہے تو جسم کی بھی حیثیت ہے، جسم سے سر کٹ گیا تو کچھ بھی نہ رہا۔ آیت کے اخیر میں فرمایا: اللَّهُ بِالنَّاسِ لَرُءُ وَفَتْ رَجْنَهُمْ (کہ بے شک اللہ لوگوں کے ساتھ بڑا مشفق اور مہربان ہے) اللہ تعالیٰ حکیم بھی ہے، حاکم بھی ہے۔ وہ حکمت کے مطابق ان کاموں کا لوگوں کو حکم دیتا ہے جن میں بندوں کا بھلا اور نفع ہوتا ہے ہر حکم میں ان کے ساتھ رافت اور رحمت کا سامان ہے۔ جو نمازیں حکم کے مطابق پڑھ لی گئیں ان کے ضائع ہونے کا وہم و گمان صحیح نہیں۔ وہ عمل صحیح کو ضائع نہیں فرماتا جو حکم کے مطابق انجام دیا گیا ہو، لفظ رحمت اور رافت دونوں ہی مہربانی کے معنی میں آتے ہیں لیکن رافت میں رحمت سے زیادہ مبالغہ ہے۔

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ

ہم دیکھ رہے ہیں آپکا آسمان کی طرف بار بار منہ اٹھانا پس ہم آپکو ضرور ضرور متوجہ کر دیں گے ایسے قبلہ کی طرف جس سے آپ راضی ہوں گے، سو آپ پھیر دیجئے اپنا

شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا

چہرہ مسجد حرام کی طرف، اور جہاں کہیں بھی تم لوگ ہو سو اپنے چہروں کو مسجد حرام کی طرف متوجہ کیا کرو۔ اور بلاشبہ جن لوگوں کو کتاب دی گئی۔

الْكِتَابَ لِيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ

وہ ضرور جانتے ہیں کہ بلاشبہ یہ علم حق ہے، ان کے رب کی طرف سے ہے اور اللہ غافل نہیں ہے اُن کاموں سے جن کو تم کرتے ہو۔

کعبہ شریف کی طرف رخ کرنے کا حکم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شدت سے اس کا انتظار حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانہ میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ سلام پھیر کر آسمان کی طرف (اس انتظار میں) منہ اٹھاتے کہ کعبہ شریف قبلہ مقرر کیا جائے۔ لہذا آیت قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ تَنْزِلَ ہوئی۔ علامہ واحدی اسباب نزول ص ۳۹ میں لکھتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہود کے قبلہ سے بنا کر میرے لئے کوئی دوسرا قبلہ مقرر فرما دے اور مقصد یہ تھا کہ کعبہ شریف قبا مقرر ہو جائے کیونکہ وہ قبلہ ابراہیمی ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں بھی تو آپ کی طرح ایک بندہ ہوں، کسی چیز کا اختیار نہیں

رکتہ۔ آپ اپنے رب سے سوال کریں کہ وہ آپ کو قبلہ ابراہیمی کی طرف رخ کرنے کا حکم فرمادے۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام اُپر چڑھ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر اس اُمید میں آسمان کی طرف نظر فرماتے رہے کہ جبریل آپ کی خواہش کے مطابق حکم خداوندی لے کر نازل ہوں۔ اس پر آیت بالانازل ہوئی۔ ہجرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھتے رہے اور یہ سولہ یا سترہ مہینے تک رہا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش پر کعبہ شریف کو قبلہ مقرر کر دیا گیا اور کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا اور عمومی طور پر سب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو (مکہ یا مدینہ میں یا بیت المقدس میں یا دنیا کے کسی گوشہ میں) مسجد حرام ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرو۔

جہت قبلہ سے تھوڑا سا انحراف مفسدِ صلوٰۃ نہیں..... مسجد حرام اس مسجد کا نام ہے جو کعبہ شریف کے چاروں طرف ہے اس پر ساری اُمت کا اتفاق ہے کہ کعبہ شریف ہی قبلہ ہے۔ چونکہ کعبہ شریف مسجد حرام کے اندر ہے اس لئے مسجد حرام کی طرف رخ کرنے کا حکم فرمایا۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خاص کعبہ ہی کی طرف ہر دور اور قریب کے نمازی کو رخ کرنا لازم نہیں بلکہ مسجد حرام کی طرف منہ کرنے سے نماز ہو جائے گی جو لوگ مسجد حرام میں حاضر نہ ہوں چونکہ عین کعبہ کی طرف رخ کرنا ان کی قدرت سے باہر ہے اس لئے آسانی اور رفعِ حرج کے لئے مسجد حرام کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا۔ لیکن جو شخص مسجد حرام میں موجود ہے اس کے لئے لازم ہے کہ عین کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھے۔ تفسیر قرطبی ص ۱۵۹ ج ۲ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کعبہ شریف مسجد حرام والوں کا قبلہ ہے اور مسجد حرام اہل حرم کا قبلہ ہے اور حرم شرق وغربا میری تمام اُمت کے لئے قبلہ ہے زمین میں جہاں کہیں بھی ہوں، فقہاء نے لکھا ہے کہ جس جہت پر کعبہ شریف ہے اس طرف رخ کر کے نماز پڑھنے سے نماز ہو جائے گی، تھوڑا سا انحراف مفسدِ صلوٰۃ نہیں۔ جب کوئی شخص جہت کعبہ کی طرف رخ کر کے کھڑا ہو اور کعبہ شریف سے دائیں یا بائیں جانب ۴۵ درجے کے اندر انحراف ہو گیا تو نماز ہو جائے گا۔ قرآن مجید میں جو شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فرمایا ہے اس سے حضرت فقہاء نے یہ استنباط کیا کہ کعبہ شریف کے رخ پر نماز پڑھنا کافی ہے۔ اگرچہ تھوڑا سا انحراف ہو جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مسابین المشرق والمغرب قبلۃ (راہ الترمذی) فرما کر یہ بتا دیا کہ مشرق اور مغرب کے درمیان جو جہت ہے اس طرف رخ کر کے نماز پڑھنے سے نماز ہو جائے گی۔ یہ آپ نے اہل مدینہ کے لئے فرمایا کیونکہ کعبہ شریف مدینہ منورہ سے جنوب کی طرف واقع ہے۔ اور وہاں سے جہت جنوب مشرق اور مغرب کے درمیان پڑتی ہے۔ پورے عالم میں بسنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے استقبال کے بارے میں یہ بہت آسانی دی گئی ہے کہ وہ جہت قبلہ کی طرف نماز پڑھ لیں، تھوڑا سا انحراف ہو جائے تب بھی نماز ہو جائے گی۔ احکام شرعیہ کو اللہ جل شانہ نے اس قدر آسان رکھا ہے کہ ہر گاؤں، جنگل اور پہاڑ اور جزیرہ میں بسنے والے مسلمان احکام شریعت پر عمل کر سکتے ہیں۔ اوقات نماز طلوع وغروب کے مشاہدہ سے سمجھ لیتے ہیں۔ اسی طرح حسابات اور ریاضی اور ہیئت اور آلات رصدیہ کے احتیاج کے بغیر کسی تکلف کے اپنا قبلہ مقرر کر سکتے ہیں یعنی جہت کعبہ کی طرف نماز پڑھ سکتے ہیں جس میں کافی وسعت ہے۔ ہاں مسجدیں بنانے وقت خوب محقق کر کے قبلہ مقرر کرنا افضل ہے۔

کعبہ شریف کو قبلہ بنانے میں حکمت..... اللہ جل شانہ کی ذات پاک سمت اور جہت سے بالا اور برتر ہے۔ مشارق اور مغارب سب اُس کی ملکیت ہیں۔ اسی لئے قُلْ لِّلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فرمایا۔ تاہم نماز میں اجتماع اور وحدت کے لئے تمام دنیا کے تمام انسانوں کا رخ کسی ایک جہت کی طرف ہونا ضروری ہے۔ لہذا کعبہ شریف کو آخر میں قبلہ نماز مقرر فرما دیا گیا اور کعبہ شریف چونکہ اول

حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا اور وہ سب سے پہلے پیغمبر تھے اور تمام انسانوں کے باپ تھے اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا جن کو ان کے بعد آنے والی تمام قومیں مانتی ہیں۔ اس لئے کعبہ شریف کو ہمیشہ کے لئے قبلہ قرار دیا گیا۔ اس سے تمام مسلمانوں کی وحدت اجتماعیہ فی الصلوٰۃ حاصل ہو گئی۔ اگر انسانوں پر اس کا فیصلہ چھوڑا جاتا تو بہت سے اختلافات رونما ہوتے اور کسی طرح سے وحدت حاصل نہ ہو سکتی تھی۔ کعبہ شریف کو قبلہ صلوٰۃ مقرر کرنے میں یہ بھی حکمت ہے کہ چاروں جہات میں ہر جہت نماز کے لئے مقرر ہو گئی۔ ہر جہت والے اس رخ پر نماز پڑھتے ہیں جس رخ پر ان کے علاقہ کے اعتبار سے کعبہ شریف واقع ہے۔ اب نمازیں مشرق کو بھی ہو رہی ہیں اور مغرب کو بھی اور جنوب شمال کو بھی۔ اس میں لِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ اور اِنْ مَّا تَوَلَّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ کا پورا پورا مظاہرہ ہے۔

پھر آیت کے ختم پر ارشاد فرمایا: **وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ** (جن لوگوں کو کتاب دی گئی یعنی یہود و نصاریٰ ان کو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ قبلہ کا بدلنا اور کعبہ شریف کو قبلہ قرار دینا بالکل صحیح ہے اور حق ہے اور ان کے رب کی طرف سے ہے)۔

لیکن وہ ضد اور عناد کی وجہ سے معترض ہو رہے ہیں اور حق کی تکذیب کر رہے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہی نبی ہیں جن کی بشارت ان کی کتابوں میں موجود ہے اور وہ باطل کا حکم نہیں دیتے۔ (روح المعانی) آخر میں ارشاد فرمایا **وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ** کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے اعمال سے اور ان کی حرکتوں سے غافل نہیں ہے اسے سب کچھ معلوم ہے یہ لوگ اپنے کفر اور اعمال بد کی سزا پائیں گے۔

وَلَيْنَ اتَّيْتُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ وَمَا أَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتِهِمْ

اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی کہ آپ ان کے پاس تمام باتیں لے آئیں تب بھی آپ کے قبلہ کا اتباع نہ کریں گے، اور نہ آپ ان کے قبلہ کا اتباع کرنے والے ہیں۔

وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ وَلَیْنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنْ

اور نہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے قبلہ کا اتباع کرنے والے ہیں اور البتہ اگر آپ نے ان کے بعد کہ آپ کے پاس علم آ چکا ہے ان کی خواہشوں

الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذَا لَئِمَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۶۵﴾

کا اتباع کیا تو بے شک آپ اس وقت یقیناً ظلم کرنے والوں میں سے ہوں گے۔

یہود و نصاریٰ کی ضد اور عناد کا مزید تذکرہ

اس آیت شریفہ میں یہود و نصاریٰ کے عناد اور ضد کو مزید واضح کر کے بیان فرمایا اور صاف طور سے بتا دیا کہ ان لوگوں سے قبول حق کی کوئی امید نہیں۔ انہوں نے جو آپ کے قبلہ کو قبول نہیں کیا تو یہ کسی دلیل کی وجہ سے نہیں ہے۔ یہ لوگ صرف مخالفت اور عناد اور مکارہ پر نکلے ہوئے ہیں۔ آپ دلیلیں پیش کر دیں انہیں آپ کی موافقت کرنا نہیں ہے۔ نہ وہ آپ کے قبلہ کا اتباع کریں گے اور نہ ہی آپ ان کے قبلہ کا اتباع کر لے والے ہیں اہل کتاب نے دھوکہ دینے کے لئے کہا تھا۔ یا محمد عُدَّ اِلَی قِبْلَتِنَا نُوْمِنُ بِكَ وَنَسْتَعْبُدُکَ۔ (اے محمد! ہمارے قبلہ کی طرف واپس آ جاؤ، ہم تم پر ایمان لے آئیں گے اور تمہارے قبلہ کا اتباع کریں گے) اللہ تعالیٰ نے دونوں طرف کی امید کو ختم فرمادیا کہ نہ وہ آپ کے قبلہ کا اتباع کریں گے اور نہ آپ ان کے قبلہ کی طرف متوجہ ہوں گے۔ یہود کا قبلہ بیت المقدس ہے۔ اور

نصلائی نے اپنا قبلہ جہت مشرق کو تجویز کر لیا تھا۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دفع الی السماء تک کبھی بھی مشرق کی طرف نماز نہیں پڑھی ان کا قبلہ وہی تھا جو بنی اسرائیل کا قبلہ تھا یعنی بیت المقدس۔ (روح المعانی ص ۱۱۲)

پھر فرمایا: وَمَا يُؤْمِنُ بِغُصَّتِهِمْ بِتَابِعٍ قَبْلَهُ بَعْضُ (کہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ آپس میں بھی ایک دوسرے کے قبلہ کا اتباع کرنے والے نہیں ہیں) صاحب روح المعانی (ص ۱۱۲) لکھتے ہیں کہ اس میں یہود و نصلائی کے الحاد اور تصلب فی الحق کو بیان فرمایا ہے۔ مطلب یہ کہ اسے محمد (ﷺ) ان کی یہ مخالفت اور غناہ صرف آپ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے خود آپس میں بھی ان کی مخالفت اور غناہ کا یہی حال ہے۔ آخر میں فرمایا: وَلَسَنَ أَتَيْنَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّا لَمِنَ الظَّالِمِينَ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے پاس اللہ کی طرف سے علم آ گیا اور یہ یقین ہے کہ یہ صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ خواہشوں کے پیچھے چلتے ہیں۔ انہیں حق قبول کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔ لہذا بالفرض اگر آپ نے ان کی خواہشوں کا اتباع کر لیا تو آپ ان لوگوں میں شمار ہو جائیں گے جو ظلم کرنے والے اور حق کو چھوڑ کر ناحق کی طرف جانے والے ہیں۔ اس طرز بیان میں اتباع ہٹائی سے بچنے کی بہت زیادہ تاکید ہے اور یہ بتایا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام سے گناہ صادر ہونا ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ اتباع ہٹائی اور ارتکاب گناہ ظالموں کا شیوہ ہے۔ اور حضرات انبیاء کریم علیہم الصلوٰۃ والسلام بر ظلم سے محفوظ اور مصوم ہیں۔ (روح المعانی ص ۱۱۲)

الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دینی وہ رسول کو پہچانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور بلاشبہ ان میں سے ایک فریق ایسا ہے جو ضرور حق کو چھپاتے ہیں۔

الْحَقُّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝

حالاںکہ وہ جانتے ہیں۔ حق ہے آپ کے رب کی طرف سے سو آپ پر ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں۔

اہل کتاب رسول اللہ ﷺ کو پہچانتے ہیں اور حق چھپاتے ہیں

اس آیت شریفہ میں اہل کتاب کا مزید غناہ اور تردید بیان فرمایا کہ اہل کتاب صرف قبلہ کے بارے میں ہی غناہ پر قائم نہیں بلکہ وہ تو نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہی کے منکر ہیں اور ان کا یہ انکار خالص غناہ پر مبنی ہے۔ وہ اپنی کتابوں میں آپ کی صفات جلیلہ اور آپ کی تشریف آوری کی بشارت عظیمہ پڑھتے رہے ہیں اور وہ دعوت اور صفات خوب اچھی طرح واضح طور پر دیکھ کر آپ کی نبوت کو اس طرح پہچان گئے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں کہ یہ ہمارے بیٹے ہیں اور اپنے بیٹوں کو پہچاننے میں ان کو ذرا شک و شبہ نہیں ہے۔ (تفسیر درمنثور ص ۱۴۷)

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (جو یہود کے علماء میں سے تھے) آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا کہ آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں انہوں نے اسلام قبول کیا اور کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچاننا کہ یہ واقعی اللہ کے رسول ہیں مجھے اپنے بیٹے کے پہچاننے سے زیادہ یقینی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ کیونکر؟ انہوں نے کہا کہ میں بالکل یقین کے ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں لیکن میں اس طرح کی گواہی اپنے بیٹے کے بارے میں نہیں دے سکتا، کیونکہ میں نہیں جانتا کہ عورتیں (مردوں کے پیچھے) کیا کرتی ہیں ممکن ہے میری بیوی نے خیانت کی ہو اور میں جسے اپنا بیٹا کہہ رہا ہوں وہ

میرا بیٹا نہ ہو۔ (اسباب النزول، احادی ص ۴۰، درمذہب، ص ۱۳۷ ج ۱)

پھر فرمایا کہ بلاشبہ اہل کتاب میں ایک گروہ ایسا ہے جو حق کو چھپاتا ہے اور حال یہ ہے کہ وہ جانتے بھی ہیں کہ یہ حق ہے۔ اور یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم حق کو چھپا رہے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ حق چھپانے کا وبال اور عذاب بہت زیادہ ہے۔ آخر میں فرمایا کہ یہ حق ہے آپ کے رب کی طرف سے لہذا آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں۔ صاحب روح المعانی (ص ۱۳ ج ۲) لکھتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حق اپنی جگہ ثابت اور تحقیق ہے اور ظاہر و باہر ہے اس میں کسی کو کچھ بھی شک کرنے کی گنجائش نہیں۔ صیغہ نہی کا ہے لیکن مقصود اخبار ہے۔ حق میں شک کرنے کی گنجائش ہی نہیں۔

وَلِكُلِّ وُجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيُّهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ اِنَّ مَا تَكُونُوا يَاتِ بِكُمْ اللّٰهُ

اور ہر جماعت کیلئے ایک جہت ہے جس کی طرف وہ اپنا رخ کرنے والے ہیں۔ لہذا تم نیک کاموں کی طرف آگے بڑھو، جہاں کہیں بھی تم آگے اللہ تعالیٰ تم سب کو

جَمِيعًا ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾

لے آئے گا، بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ہر ملت کا قبلہ الگ الگ ہے

اس میں لکل کا مضاف الیہ محذوف ہے۔ اسی لکل اہل ملۃ أو جماعة من المسلمین والیہود والنصارى یعنی ہر مذہب اور ملت اور ہر جماعت کا عبادتوں میں اپنا رخ الگ ہوتا ہے اور ہوتا رہا ہے۔ خواہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کر دیا گیا ہو۔ خواہ لوگوں نے کوئی جہت اپنے طور پر مقرر کر لی، پھر اگر نبی اکرم خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قبلہ ابراہیمی مقرر کر دیا گیا جو دوسروں کے قبلہ سے مختلف ہے تو اس میں اعتراض اور تعجب کی کیا وجہ ہے اور یہ معنی بھی لیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کا رخ مختلف بلاؤں و امصار اور مختلف آفاق و اطراف میں مختلف ہوتا ہے۔ چار جہات (مشرق، مغرب، جنوب، شمال) میں سے کوئی جہت بھی مسلمانوں کا قبلہ نہیں ہے بلکہ ان کا قبلہ کعبہ ہے اور کعبہ شریف کو رخ کرنے سے مختلف علاقوں کے لوگ مختلف جہات کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔ رخ سب کا کعبہ شریف ہی کی طرف ہے کوئی مشرق کو رخ کئے ہوئے ہے۔ کوئی مغرب کی طرف نماز پڑھتا ہے کسی کا قبلہ جنوب اور کسی کا قبلہ شمال کی طرف ہے۔ او لکل قوم من المسلمین جہۃ وجانب من الکعبۃ بصلی الیہا جنوبیۃ او شمالیۃ او شرقیۃ او غربیۃ۔ (روح المعانی ص ۱۳ ج ۲)

پھر فرمایا فاستبقوا الخیرات اے مومنو! ان کاموں کی طرف آگے بڑھو اور پہل کرو جن میں دارین میں سعادت حاصل ہو قبلہ کا استقبال بھی امر خداوندی کے مطابق کرو اور اس کے سوا دیگر احکام النبیہ پر بھی بڑھ چڑھ کر عمل کرو۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ الخیرات سے نمازیں مراد ہیں جب نماز کا وقت مامور ہو جائے تو نماز کی طرف لپکنے اور آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔

پھر فرمایا اِنَّ مَا تَكُونُوا يَاتِ بِكُمْ اللّٰهُ جَمِيعًا ط اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ یعنی تم جہاں کہیں بھی ہو جس خطہ زمین میں

ہو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی برادری کے لئے تم سب کو ایک رخ مائے گا۔ فرمایا دارین اور اعمال صالحہ کی برادری کے لئے اور برے اعمال کی سزا ملے گی۔ لہذا فرصت کو غنیمت جانیں اور موت اور حشر نشر سے غافل نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت ہے۔ زندگی بخشا موت دینا جمع کرنا جزا دینا سب اس کے لئے آسان ہے۔

یہ دفرمایا کہ ہر جماعت کا الگ الگ قبلہ ہے پس تم نیک کاموں کی طرف سبقت کرو اس سے واضح ہو رہا ہے کہ مسلمان کا کام فضول بحثوں میں الجھنا نہیں جب یہ معلوم ہو گیا کہ اہل کتاب تمہارے قبلہ کی طرف رخ کرنے والے نہیں اور تم ان کے قبلہ کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتے تو اب بحث بلا ضرورت ہے اور فضول ہے اور وقت کا ضیاع ہے ان بحثوں کو چھوڑ کر اپنے اصلی کام میں لگیں یعنی خیر کے کاموں کی طرف سبقت کریں جو آخرت میں اجر و ثواب کا ذریعہ ہے اور فسادِ بشریت اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب بھی کبھی خیر کا موقع مل جائے تو فوراً اس کی طرف بڑھنا اور لپکنا چاہیے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ۚ وَمَا

اور جس جگہ سے بھی آپ باہر جائیں تو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر دیں اور بلاشبہ یہ ضرور حق ہے آپ کے رب کی طرف سے اور

اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

اللہ غافل نہیں ان کاموں سے جو تم کرتے ہو۔ اور جس جگہ سے بھی آپ باہر جائیں اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر دیجئے

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهُكُمْ شَطْرًا ۚ لِلَّهِ يَكُوْنُ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۚ اِلَّا الَّذِيْنَ

اور جہاں تمہیں بھی تم ہو سو اپنے چہرے اس کی طرف پھیر دو تاکہ لوگوں کو تمہارے مقابلہ میں کوئی حجت نہ رہے۔ ۱۰۰ اے ان کے

ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَآ تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي ۚ وَلَا تَمْنُنْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

ظالموں نے ان میں سے ظلم کیا، تمہارا تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو تاکہ میں اپنی نعمت کو تم پر اپنی نیت اور تاکہ تم ہدایت پر رہو۔

دنیا میں جہاں بھی ہوں مسجد حرام کی طرف رخ کر کے نماز پڑھیں

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ اے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ جس جگہ سے بھی کہیں سفر میں باہر نکلیں نماز میں اپنا رخ مسجد حرام

کی طرف کیا کریں اور فرمایا کہ یہ حکم حق ہے آپ کے رب کی طرف سے ہے۔ اللہ سب کاموں کو دیکھتا ہے۔ کسی کے عمل سے غافل نہیں۔

پھر مذکورہ بالا حکم کا دوبارہ اعادہ فرمایا اور ساتھ ہی عامۃ المسلمین کو بھی خطاب فرمایا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو نمازوں میں اپنے چہرے مسجد حرام

کی طرف کر لیا کرو۔ فَلْيَنْزِلْ فَيَكْفُرْ بِالسَّمَاءِ ۚ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۚ تِلْكَ قَوْلُ وَجْهَاتِ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

الخوام تین مرتبہ ہے اور وَخَيْتُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهُكُمْ شَطْرًا ۚ دوبارہ ہے۔ تمہیں قبلہ کا مسئلہ چونکہ بہت اہم بن گیا تھا۔ مخالفوں

کے اعتراض اور شور و شبہ کی وجہ سے بعض کچے مسلمان بھی متاثر ہو گئے تھے اور ان میں سے بعض مرتد بھی ہو گئے تھے۔ جیسا کہ پہلے

گزر اس لئے تاکید کے طور پر بار بار مسجد حرام کی طرف استقبال کرنے کا حکم فرمایا گیا اور درمیان میں اَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ اور لَلْحَقُّ مِنْ

رَبِّكَ آیا گیا۔

اور بعض حضرات نے یوں بھی کہا ہے کہ پہلے حالتِ حضر کا پھر حالتِ سفر کا حکم بیان فرمایا کہ سفر میں بھی مسجد حرام ہی کی طرف رخ کر

کے نماز پڑھیں اور جن خبیث خوجہت دوبارہ کر فرمایا تاکہ خوب اچھی طرح واضح ہو جائے کہ سفر قریب کا: دیا عید کا: مشرق کا: دیا مغرب

کا: جنوب کا: دیا شمال کا۔ ہر حالت میں مسجد حرام ہی کی طرف نماز پڑھنا ہوگی۔

قبلہ بدلنے پر یہودیوں کی حجت ختم ہو گئی..... آخر میں یہ ہوفر مایا السلا یسکون للناس علیکم حجة الا الذین ظلموا منهم اس کے بارے میں مفسر بیضاوی فرماتے ہیں کہ یہ فولوا وحوھکم کی علت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بیت المقدس کی بجائے کعبہ شریف کی طرف رخ پھیر دینے میں یہودیوں کی حجت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ ان کا یہ اعتراض تھا کہ تو بیت شریف میں تو یہ مذکور ہے کہ نبی آخر الزمان کا قبلہ کعبہ شریف ہوگا لیکن یہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے ہیں اور دوسری بات وہ یہ کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دین کا انکار کرتے ہیں لیکن ہمارے قبلہ کا اتباع کرتے ہیں یہودیوں کے یہ دونوں اعتراض کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ملنے سے ختم ہو گئے۔ اور مشرکین جو یہ کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ملت ابراہیمی کے اتباع کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ان کے قبلہ کے علاوہ دوسرا قبلہ اختیار کئے ہوئے ہیں تو قبلہ سے ان کا اعتراض بھی ختم ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ الناس کا عموم یہود اور مشرکین دونوں کو شامل ہے۔

پھر فرمایا: الا الذین ظلموا منهم یعنی کعبہ شریف کو قبلہ مقرر کر دینے سے لوگوں کی حجت ختم ہو گئی اور اب کسی کا اعتراض باقی نہیں رہا سوائے ان لوگوں کے جو ظالم ہیں۔ جنہوں نے عناد پر ہی کمر باندھ رکھی ہے اور جنہیں حق قبول کرنا ہی نہیں۔ مثلاً یہودی معاندیوں کہیں گے کہ انہوں نے کعبہ کو قبلہ اس لئے اختیار کر لیا کہ اپنی قوم کے دین کی طرف مائل ہو گئے اور وطن کی محبت نے ان کو کعبہ کو قبلہ بنانے پر آمادہ کر لیا۔ یا یوں کہیں گے کہ ان کو اس وقت یہ خیال آ گیا کہ اپنے باپ دادوں کا قبلہ اختیار کر لیں ممکن ہے کہ پھر ہمارے قبلہ کی طرف واپس آ جائیں۔ معترض اور معاند کا منہ تو کبھی بند نہیں ہو سکتا وہ تو کٹھن جتنی کرتا ہی رہتا ہے۔

پھر فرمایا: لا تخشواہم واخلشونی (کہ تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو) جو حکم کعبہ شریف کو رخ کرنے کا ہوا ہے اس کی تعمیل کرو اور معترضین اور معاندین کی کسی بات کا کوئی خیال نہ کرو ان سے نہ ڈرو کیونکہ ان کے طعنے اور اعتراضات تمہیں کچھ نقصان نہ پہنچائیں گے مجھ سے ڈرو میرے امر کی مخالفت نہ کرو۔

آخر میں فرمایا: ولا یتم نعمتی علیکم ولعلکم تهتدون یہ محذوف کی علت ہے یعنی و امرتکم لاتمامی النعمة علیکم واراد انی اھتد انکم یعنی میں نے تم کو تحویل قبلہ کا حکم دیا ہے جو اس لئے ہے کہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کروں اور تاکہ تم ہدایت پر مضبوطی کے ساتھ جے رہو۔ (کلمہ من البیضاوی)

کَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنْكُمْ يَتْلُوا عَلَیْكُمْ آیَاتِنَا وَيُزَكِّیْکُمْ وَیُعَلِّمُکُمُ الْکِتَابَ

جیسا کہ ہم نے تمہارا ہر ایک رسول جو تم میں سے ہے وہ تلاوت کرتا ہے تم پر ہماری آیات اور تمہیں پالنا دیتا ہے اور تم کو کتاب اور حکمت کی

وَالْحِکْمَةَ وَیُعَلِّمُکُم مَّا لَمْ تَکُونُوا تَعْلَمُونَ ۝ فَادْکُرُونِیْ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوا لِیْ

تعلیم دیتا ہے اور تم کو وہ چیزیں سکھاتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے تھے۔ سو تم مجھ کو یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا، اور میرا شکر کرو

وَلَا تَکْفُرُون ۝

اور میری ناشکری نہ کرو۔

اہل ایمان کے لئے تکمیل نعمت

یہ باقی سے متعلق ہے ای ولا تم نعمتی علیکم فی امر القبلۃ او فی الآخرۃ کما اتممتها بارسال رسول

منکم یعنی ہم نے تم کو کعبہ شریف کی طرف نمازوں میں رخ کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ تم پر اپنی نعمت قبلہ کے بارے میں اور آخرت میں پوری آروں جیسا کہ میں نے اپنی نعمت تم پر اس طرح بھی پوری کی ہے کہ تمہارے اندر تمہیں میں سے ایک رسول بھیجا ہے۔ جو ہماری آیتیں پڑھ کر تم کو سناتا ہے اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے۔ اس کی تعلیمات پر عمل کرنے سے تم ظاہری باطنی بُرائی اور خرابی سے پاک ہو جاؤ گے۔ وہ تم کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور وہ دو باتیں بتاتا ہے جن کو تم نہیں جانتے تھے۔ جن کے جاننے کا راستہ وحی الہی کے علاوہ بالکل نہیں ہے۔ ہم نے اپنا رسول بھیجا اس پر وحی بھیجی اور وحی کے ذریعہ تم کو بہت کچھ بتایا اور سمجھایا لہذا تم میرا ذکر کرو، میں تمہیں یاد کروں گا اور تم میرا شکر کرو، اور میری ناشکری نہ کرو۔

فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ کی تفسیر..... مفسر بیضادی لکھتے ہیں کہ فاذکرونی باطاعتی اذکرکم بالتواب یعنی تم مجھے فرمانبرداری کے ساتھ یاد کرو میں تمہیں ثواب دے کر یاد کروں گا، دل سے، زبان سے اللہ کو یاد کرنا یہ بھی یاد ہے اور فرمانبرداری اور اطاعت میں لگنا یہ بھی یاد ہے۔ اللہ کے خوف سے گناہوں کو چھوڑ دینا یہ بھی یاد ہے۔ محققین نے فرمایا: کل مطیع لله فهو ذاکر یعنی ہر وہ شخص جو اللہ کی فرمانبرداری میں مشغول ہو وہ ذکر ہے۔ زبان سے یاد کرنے کی بھی بہت زیادہ فضیلت ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرے اور میری یاد میں اس کے ہونے حرکت کریں۔ (صحیح بخاری عن ابی ہریرۃؓ) اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرے سو اگر اس نے مجھے تنہائی میں یاد کیا تو میں بھی اُسے تنہا یاد کروں گا اور اگر وہ مجھے جماعت میں یاد کرے تو میں اُسے ایسی جماعت میں یاد کرتا ہوں جو اس کی جماعت سے بہتر ہے۔ (یعنی عالم بالا کے درباری فرشتوں کے سامنے)۔ (صحیح بخاری الضعاف عن ابی ہریرۃؓ)

ذکر اللہ کے فضائل..... احادیث شریفہ میں تسبیح و تہلیل اور تکبیر میں مشغول ہونے کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں یوں کہوں کہ سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ تو یہ مجھے ان سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن چیزوں پر آفتاب طلوع ہوا۔ (صحیح مسلم ص ۳۳۵ ج ۲)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا کلام (ذکر کے لئے) سب سے زیادہ افضل ہے۔ آپ نے فرمایا جو اللہ نے اپنے فرشتوں کے لئے منتخب فرمایا یعنی سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ۔ (رواہ مسلم ص ۳۵۱ ج ۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے یوں کہا سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ اس کے لئے جنت میں ایک کھجور کا درخت لگا دیا جائے گا۔ (رواہ الترمذی فی ابواب الدعوات)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں (قیامت کے دن) ترازو میں بھاری ہوں گے اور رحمن کو محبوب ہیں اور وہ یہ ہیں سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ۔ (صحیح بخاری آخری حدیث)

ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! اسلام کی باتیں تو بہت ہیں آپ مجھے کوئی ایسی چیز بتائیں جس میں لگا رہوں آپ نے فرمایا لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِّنْ ذِكْرِ اللَّهِ یعنی تیری زبان ہر وقت اللہ کی یاد میں تر رہے۔ (رواہ الترمذی وحسنہ)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چل رہا تھا اور دل میں لَا خَوْلَ وَلَا

قُوَّةُ الْإِلَهِ پڑھ رہا تھا آپؐ نے فرمایا کہ اے عبد اللہ بن قیس (یہ حضرت ابوہریرہؓ کا نام ہے) کیا میں تمہیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ نہ بتا دوں؟ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ضرور ارشاد فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا وہ خزانہ لا حصول ولا قُوَّةُ الْإِلَهِ ہے۔ (صحیح مسلم ص ۳۴۶ ج ۲)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ کسی جگہ بیٹھ کر اللہ کے ذکر میں مشغول ہوتے ہیں ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور ان پر رحمت چھا جاتی ہے اور ان پر اطمینان کا نزول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنے درباروں میں یاد فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم ص ۳۴۵ ج ۲)

شکر کی فضیلت اور اہمیت..... ذکر کا حکم فرمانے کے بعد شکر کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا: وَالشُّكْرُ لِلَّهِ وَلَا تَكْفُرُوا (یعنی میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو) ذکر کے ساتھ شکر ادا کرنا بھی لازم ہے۔ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں جن کا شکر بھی بندوں کی قدرت سے باہر ہے۔ ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا واجب ہے شکر میں یہ سب کچھ آجاتا ہے کہ نعمتوں کا اقرار کریں۔ قبول اور فعل سے نعمتوں کا اظہار کریں۔ نعمتوں کی قدر دانی کریں۔ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کریں اور نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور طاعت میں خرچ کریں۔ نعمتوں کا شکر ہونا ان کی ناقدری کرنا ان کو گناہوں میں خرچ کرنا ناشکری ہے۔ یہ کتنی بڑی حماقت ہے کہ نعمتیں اللہ تعالیٰ عنایت فرمائے اور ان نعمتوں کا استعمال اللہ کی نافرمانی میں اور نفس و شیطان کی فرما برداری میں ہو۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تو سچی استعمال کرتے ہیں لیکن شکر گزار بندے کم ہیں جیسا کہ سورۃ سہا میں فرمایا: وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشُّكْرُ۔ شکر بہت بڑی چیز ہے اس کی وجہ سے نعمتیں باقی بھی رہتی ہیں اور نعمتوں میں اضافہ بھی ہوتا ہے اور ناشکری پر نعمتیں چھین لی جاتی ہیں۔ سورۃ ابراہیم (غ) میں فرمایا: وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّنَا لِمَن شَكَّرْنَا لَا تَزِيدَنَّكُمْ وَلَنُضِلَّنَّ كَفَرًا إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ (اور جب تمہارے رب نے اعلان فرمایا کہ البتہ اگر تم شکر کرو گے تو تمہیں ضرور ضرور اور زیادہ دیوں گا۔ اور اگر ناشکری کرو گے تو بلاشبہ میرا عذاب سخت ہے)

انسان کے مزاج میں ناشکری غالب ہے۔ سورۃ زخرف میں فرمایا کہ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ مُّبِينٌ (بلاشبہ انسان کھٹانا شکر ہے) اور سورۃ ابراہیم میں فرمایا: وَأَن تَسْأَلُوهُ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِن تَعْلَمُوهُ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَطُغُومٌ كَفَّارٌ (اور اللہ تعالیٰ نے تم کو ان سب چیزوں میں سے دیا جن کا تم نے سوال کیا اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار نہ کر سکو گے۔ بلاشبہ انسان بڑا ظالم ہے) اور (بڑا ناشکر ہے)

بندوں کا یہی کام ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہیں اس کی نعمتوں کو یاد کریں۔ جب انہیں استعمال کریں تو اللہ کی حمد و ثناء میں مشغول ہوں۔ حدیث شریف کی کتابوں میں جو دعائیں وارد ہیں ان میں نعمتوں پر بار بار اللہ کی حمد کا اعادہ کیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ الحمد راس الشکر ما شکر الله عبد لا يحمدہ (یعنی اللہ کی حمد کرنا اصل شکر ہے جو بندہ اللہ کی حمد بیان نہیں کرتا، اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا)۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان کافی لمشاوہ ص ۲۰۱)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٥٦﴾

اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ مدد حاصل کرو، بے شک اللہ صابرین کے ساتھ ہے۔

صبر اور صلوة کے ذریعہ مدد مانگنے کا حکم

اس سے پہلی آیت میں ذکر اور شکر کا حکم فرمایا اور اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ صبر اور صلوة کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو۔ لفظ صبر کا لغوی معنی رکے اور اور ٹھہر جانے کا ہے۔ شریعت میں یہ لفظ تین معنی کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ اول۔ اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور طاعت و فرمانبرداری پر لگائے رہنا۔ دوم۔ اپنے نفس کو گناہوں سے روک کر رکھنا۔ سوم۔ آفات اور مصائب پر جو تکلیف ہو اسے نہ جانا اور اس طرح سے گزر جانا کہ اللہ تعالیٰ کی قضا اور قدر پر راضی ہو اور اللہ تعالیٰ پر کوئی اعتراض نہ کرے اور دکھ تکلیف اور مصیبت پر ثواب کا امیدوار رہے عام لوگ صبر صرف تیسرے معنی ہی کے لئے استعمال کرتے ہیں پہلے دو معنی کی طرف ان کا ذہن نہیں جاتا حالانکہ یہ تینوں صورتیں صبر کا جزو ہیں اور صبر کے مفہوم میں شامل ہیں۔ اور تینوں میں مشترک امر وہی ایک بات ہے یعنی نفس کو بٹانا اور ہر اس بات سے روکنا جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو۔ جو شخص بھی صبر کے ان تینوں طریقوں کو اختیار کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور نصرتیں اس پر نازل ہوں گی۔ سو روزمرہ میں ارشاد فرمایا۔ **إِنَّمَا يُوفِي الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ** کہ صابر ہوں کو پورا پورا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا۔

صبر کی فضیلت اور اہمیت..... درحقیقت صبر اور شکر مؤمن کی زندگی کے لئے (جو ایک رواں دواں سیارہ کے مشابہ ہے) پیسے ہیں اور مؤمن کی کوئی چیز ضائع نہیں ہے۔ آرام و راحت، نعمتیں، دن یا دکھ تکلیف، ہو کافیتیں ہوں ہر حال میں اس کے لئے نفع ہے۔ حضرت صہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن کا معاملہ عجیب ہے۔ اس کی ہر حالت خیر ہے اور یہ مؤمن کے کسی کو حاصل نہیں۔ اگر مؤمن کو خوش کرنے والی حالت پہنچ گئی تو اس نے شکر کیا جو اس کے لئے بہتر ہو اور اگر اس کو تکلیف دینے والی حالت پہنچ گئی تو اس نے صبر کیا یہ بھی اس کے لئے بہتر ہوا۔ (رواہ مسلم ص ۲۱۳ ج ۲)

صحیح بخاری ص ۹۵۸ ج ۲ میں ہے کہ **وَلَنْ تَعْطُوا عَطَاءَ خَيْرٍ وَأَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ**۔ (یعنی تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر سے بہتر اور وسیع کوئی عطا نہیں دی گئی) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو چار چیزیں ملنا شروع ہوئیں اُسے دنیا و آخرت کی بھلائی دے دی گئی، ۱۔ شکر گزار دل، ۲۔ ذکر کرنے والی زبان، ۳۔ مصیبت پر صبر کرنے والا بدن، ۴۔ ایسی بیوی جو اپنی جان کے بارے میں اور شوہر کے مال کے بارے میں شوہر کی خیانت نہ کرے۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان کما فی المصابا ص ۲۸۲)

صبر میں تھوڑی سی تکلیف تو ہوتی ہے مگر اس کے بعد نعمتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور وہ کچھ ملتا ہے جس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ تکلیفیں تو سبھی کو پہنچتی ہیں۔ مؤمن ہو یا کافر، نیک ہو یا بد۔ فرق اتنا ہے کہ جو لوگ صبر کر لیتے ہیں وہ ثواب بھی لے لیتے ہیں اور آئندہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد، رحمت اور نصرت کے دروازے بھی ان کے لئے کھل جاتے ہیں۔ جو لوگ صبر نہیں کرتے وہ ایسا کرتے ہیں، چیتنے چلاتے ہیں، اللہ پر اعتراض کرتے ہیں اور اس کی قضا اور قدر پر راضی نہیں ہوتے وہ تکلیف بھی اٹھاتے ہیں اور ثواب سے بھی محروم ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر اعتراض کر کے کافر ہو جاتے ہیں اور درحقیقت اصل مصیبت زدہ وہی لوگ ہیں جو ثواب سے بھی محروم رہتے ہیں۔

وَأَمَّا الْمَصَابِ مِنْ حَرَمِ الثَّوَابِ. (رواہ البیہقی فی دلائل النبوة)

جس نے اپنی تکلیف پر صبر کر کے ثواب لے لیا آخرت میں درجات بلند کر دالئے۔ اس کی تکلیف کوئی تکلیف نہیں ہے کیونکہ اُسے اس تکلیف کی قیمت مل گئی۔ دنیا میں دیکھتے ہیں کہ مہینہ بھر ملازمت کی ڈیوٹی انجام دینے کے لئے تکلیف اٹھاتے ہیں۔

مزدور دن بھر دھوپ میں کام کرتے ہیں لیکن چونکہ ان سب کا معاوضہ مل جاتا ہے اس لئے یہ تکلیف خوشی سے برداشت کر لیتے ہیں اور اس وقت تکلیف سمجھائی نہیں جاتا۔

دفع مصائب کے لئے نماز..... صبر کے ساتھ نماز کا تذکرہ بھی فرمایا اور نماز کے ذریعہ بھی مدد حاصل کرنے کا حکم فرمایا۔ نماز بھی اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت لانے کے لئے بہت بڑی چیز ہے اور ہر طرح کی پریشانیاں دور کرنے کے لئے اکسیر ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی مشکل پیش آ جاتی تھی تو نماز میں مشغول ہو جاتے تھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۱)

نماز فرض کا تو بہر حال اہتمام ہوتا ہی تھا۔ مشکلات سے نکلنے کے لئے اور حاجات پوری کرانے کے لئے آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم خصوصیت کے ساتھ نفل نماز میں مشغول ہو جاتے تھے۔ صلاۃ الحاجۃ، صلاۃ الاستحارہ، صلاۃ التوبہ، صلاۃ الاستسقاء (بارش طلب کرنے کی نماز) یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔ جو اللہ کی رحمت اور نصرت طلب کرنے کے لئے مشروع کی گئی ہیں۔ اس سلسلہ کی بعض روایات آیت کریمہ **وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ** کے ذیل میں گزر چکی ہے لوگوں کا یہ طریقہ ہے کہ کوئی مصیبت آ جائے دنیا بھر کی تدبیریں کرتے ہیں اور مخلوق سے مدد چاہتے ہیں لیکن صبر اور صلاۃ کو مدد حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بناتے بلکہ اس کے برعکس بے صبری کرتے ہیں اور تجوڑے بہت چند افراد جو نمازیں پڑھتے ہیں، و فرض نمازیں بھی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ نفل نمازوں میں لگنے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اور جن گناہوں میں مبتلا تھے۔ ان سب گناہوں میں بھی گنہگار رہتے ہیں پھر رحمت اور نصرت کیسے ملے؟ آخر میں فرمایا: **إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ** کہ اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے۔ صابروں کے لئے یہ کتنی بڑی سعادت ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہے۔ اگر حکومت کا کوئی معمولی درجہ کا آدمی بھی یقین والا ہو کہ فکر نہ کر دے میں تمہارے ساتھ ہوں تو اس سے بڑی ڈھارس بندھ جاتی ہے۔ طبیعت میں بڑا اطمینان ہو جاتا ہے۔ لیکن اللہ جل شانہ نے جو وعدہ فرمایا کہ میں صبر والوں کے ساتھ ہوں اس وعدہ پر عموماً لوگ یقین نہیں رکھتے اور صبر کے موقع میں بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ درحقیقت مومن کو کسی بھی جگہ ناکام ہونے اور گھبرانے کا کوئی موقع نہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر و شکر میں اور صبر و صلاۃ میں لگا رہے پھر اس کے لئے کامیابی ہی کامیابی ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (۱۵۲)

جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں اُن کے بارے میں یوں نہ کہو کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم اس کا ادراک نہیں کرتے۔

شہداء کے فضائل

علامہ واحدی اسباب النزول ص ۴۴ میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت بدر میں شہید ہو جانے والے مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جن میں آٹھ حضرات انصار میں سے اور چھ حضرات مہاجرین میں سے تھے۔ شہید ہو جانے والوں کے بارے میں بعض لوگوں نے یوں کہا کہ فلاں مر گیا اور دنیا کی لذت اور نعمت اس سے فوت ہو گئی تو آیت بالا کا نزول ہوا۔ اھ

اللہ کے دین کے پھیلانے اور حق کے آگے بڑھنے میں جو لوگ آڑے آتے ہیں اُن سے نبٹنے کے لئے جہاد اور قتال کرنا پڑتا ہے جب جہاد کرتے ہیں تو ضروری نہیں کہ سب کافر ہی مقتول ہوں اس میں بہت سے مسلمان بھی مقتول ہو جاتے ہیں ان مقتول مسلمانوں کو شہداء کا معزز خطاب دیا گیا ہے۔ شہیدوں کے بڑے مرتبے ہیں۔ اُن سے بلند درجات کے وعدے ہیں ان کی برزخی زندگی بھی دوسروں

سے ممتاز ہے ای لئے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں ان کے بارے میں یوں نہ کہو کہ وہ مرد ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں ان پر موت طاری ہوئی ہے لیکن برزخی زندگی میں ان کو امتیازی مرتبہ حاصل ہے۔ تم لوگ ان کی اس حیات کا ادراک نہیں کر سکتے۔ سورہ آل عمران میں شہداء کے بارے میں ارشاد فرمایا: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ضَلُّ أَعْيُنُهُمْ فِي الدُّنْيَا لِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ فَوَحَّيْنَاهُمْ بِمَا أَنْهَاهُمُ اللَّهُ عَنْهُ مِنَ فَضْلِهِ (اور ان لوگوں کے بارے میں جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہرگز یہ گمان نہ کرو کہ وہ مرد ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں، اللہ نے جو کچھ ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا اس پر خوش ہیں) حیات برزخیہ میں سب سے زیادہ قوی تر حضرات انبیاء، اکرام، علیہم السلام کی حیات ہے۔ ان کے اجسام کو زمین نہیں کھاتی۔ حدیث شریف میں ہے۔

ان الله حرم على الارض أن تاكل اجساد الانبياء. (رواہ ابو داؤد ص ۵۰ ج ۱) اور ان کی حیات برزخیہ اس قدر ممتاز ہے کہ اس کے ظاہری آثار ادا کام دنیا بھی بعض امور میں ظاہر ہیں مثلاً ان کی میراث کا تقسیم نہ ہونا اور ازواج مطہرات کا ان کی وفات کے بعد دوسروں سے نکاح جائز نہ ہونا۔ حضرات انبیاء، اکرام، علیہم السلام کی ممتاز اور قوی تر حیات برزخیہ کے بعد شہداء کی حیات کا درجہ ہے۔ جس کا آیت بالا میں اور سورہ آل عمران کی آیت مذکورہ میں تذکرہ ہے۔ ان کے بعد دوسرے لوگوں کی حیات ہے جس کے ذریعہ قبر میں عذاب ہوتا ہے یا آرام ملتا ہے۔ ان کی تفصیلات احادیث شریفہ میں موجود ہیں۔

شہید چونکہ اپنا جان و مال لے کر حاضر ہو جاتا ہے اور اللہ کی راہ میں سب کچھ قربان کر دیتا ہے۔ اس لئے اس کا اللہ تعالیٰ کے نبیاں بہت بڑا مرتبہ ہے ان کا جوہاں اکرام ہوتا ہے وہ اتنا زیادہ ہے کہ دنیاوی زندگی اس کے سامنے بیچ در بیچ ہے۔ حضرت مسروق تابعی نے بیان فرمایا کہ ہم نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے آیت کریمہ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا طَبْلًا أَخْيَاءَ عَمَلِهِمْ يَرْزُقُونَ (الآیۃ) کے بارے میں معلوم کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم نے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہداء کی رُو جس سبز پرندوں کے پٹھوں میں ہیں ان کے لئے قندیل میں جو عرش کے نیچے لٹکے ہوئے ہیں یہ پرندے جنت میں جہاں چاہتے ہیں چلتے پھرتے ہیں۔ پھر ان قندیلوں میں آ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان سے فرمایا کہ تم کچھ خواہش رکھتے ہو انہوں نے کہا ہم کیا خواہش کریں۔ (اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ) ہم جنت میں جہاں چاہیں پھر سہ ہیں اور کھاتے پیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے تین مرتبہ ان سے یہی سوال فرمایا جب انہوں نے دیکھا کہ سوال ہوتا ہی رہے گا کچھ نہ کہیں جواب دینا ہی ہے تو عرض کیا اے رب ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری رُو جس دو بارہ جسموں میں واپس کر دی جائیں تاکہ ہم پھر تیری راہ میں مقتول ہو جائیں۔ جب انہوں نے کسی اور حاجت کا سوال نہ کیا (اور وہاں سے واپسی کا قانون نہیں ہے) تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا۔ (رواہ مسلم ص ۱۳۵ ج ۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی بندہ وفات پا جاتا ہے جس کے لئے اللہ کے پاس خیر ہو (یعنی عذاب سے نجات ہو اور وہاں کی نعمتوں سے مستمع ہو رہا ہو) اُسے یہ خوشی نہیں ہوتی کہ دنیا میں واپس آ جائے۔ اگرچہ دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے وہ سب اُسے مل جائے سوائے شہید کے، شہید کو اس بات کی خوشی ہوتی ہے کہ دنیا میں دوبارہ آ جائے اور پھر اللہ کی راہ میں قتل ہو جائے کیونکہ وہ (وہاں پہنچ کر) شہادت کی فضیلت دیکھ لیتا ہے۔ (بخاری ص ۳۹۲ ج ۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں

میری جان ہے۔ ضرور میری یہ خواہش ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔ (بخاری ص ۳۹۲ ج ۱)

نبوت کا مرتبہ تو ہر مرتبہ سے فائق ہے اور برتر ہے پھر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی راہ میں بار بار شہید ہونے کی تمنا ظاہر فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کی بہت سی حکمتیں ہیں بار بار قتل ہونے اور زندہ ہونے کی تمنا پوری نہ فرمائی لیکن آپ کو درجہ شہادت اس طرح سے عطا فرما دیا کہ غزوہ خیبر میں جو ایک یہودی عورت نے بکری کے بھنے ہوئے دست میں زہر ملا کر دے دیا تھا۔ اُس کا اثر وقتی طور پر رک گیا تھا لیکن وفات کے وقت اس نے اثر کیا اور وہ آپ کی وفات کا ذریعہ بن گیا۔

حقوق العباد کے علاوہ شہید کا سب کچھ معاف ہے..... شہید کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا لیکن فی سبیل اللہ قتل ہو جانے سے حقوق العباد معاف نہیں ہوتے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یُغْفَرُ لِلشَّهِيدِ كُلِّ ذَنْبِ الْاَلَدِّينِ (کہ شہید کا ہر گناہ معاف کر دیا جاتا ہے۔ قرض کے علاوہ)۔ (صحیح مسلم ص ۱۳۵ ج ۲)

جہاد میں اخلاص کی ضرورت..... شہادت کا درجہ ملنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ صرف اللہ کی رضا کے لئے دشمنان دین سے جنگ کی ہو اور اُس میں مقتول ہوا ہو اور اللہ کی بات اُوچھی کرنے کے لیے لڑا ہو۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ایک شخص غنیمت کے لئے جنگ کرتا ہے ایک شخص اپنی شہرت کے لئے لڑتا ہے اور ایک شخص اس لئے لڑتا ہے کہ بہادری میں اس کا مقام اور مرتبہ مشہور ہو جائے۔ سو ان میں اللہ کی راہ میں کون سا ہے آپ نے فرمایا جو اس لئے جنگ کرے کہ اللہ کی بات بلند ہو وہ اللہ کی راہ میں ہے۔ (صحیح بخاری ص ۳۹۲ ج ۱ صحیح مسلم ص ۱۳۹ ج ۲)

دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص بہادری ظاہر کرنے کے لئے جنگ کرتا ہے اور ایک شخص (قوم یا وطن) کی حمایت کی وجہ سے جنگ کرتا ہے اور ایک شخص ریاکاری کے لئے جنگ کرتا ہے۔ سو ان میں اللہ کی راہ میں کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو اس لئے جنگ کرتا ہے کہ اللہ کی بات بلند ہو وہ اللہ کی راہ میں ہے۔ (صحیح مسلم ص ۱۴۰ ج ۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی بھی شخص کو اللہ کی راہ میں زخم پہنچ جائے اور اللہ ہی کو معلوم ہے کہ اُس کی راہ میں کس کو زخم پہنچا تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اُس کے زخم سے خون جاری ہوگا۔ رنگ خون کا ہوگا اور خوشبو مشک کی ہوگی۔ (صحیح مسلم ص ۱۳۳ ج ۲)

اس میں یہ جو فرمایا کہ ”اللہ ہی کو معلوم ہے جو اللہ کی راہ میں زخمی ہوا“ اس میں اُسی اخلاص کی طرف اشارہ ہے جس کی ہر عبادت میں ضرورت ہے۔ بندے ظاہری اعمال تو دیکھتے ہیں لیکن اصل معاملہ اللہ سے ہے اگر اللہ کے نزدیک اُس کی نیت یہ ہے کہ میرا اللہ مجھ سے راضی ہو جائے تو عمل کا ثواب ملتا ہے اور وہ فضیلتیں حاصل ہوتی ہیں جن کا وعدہ کیا گیا ہے اور اگر کسی عمل سے ریا اور شہرت مقصود ہو تو اس سے ثواب کیا ملتا۔ وہ تو آخرت میں وبال بن جائے گا اور آخرت میں دوزخ میں داخل کرانے کا ذریعہ ہوگا۔

وطنی اور قومی جنگ میں قتل ہونے والے شہید نہیں ہیں..... آج کل بھی دنیا میں جنگ و جدال اور قتل و قتل جاری ہے لوگ برابر مر رہے ہیں قتل ہو رہے ہیں لیکن عموماً قومی، وطنی، لسانی، صوبائی عصبیت کی وجہ سے لڑائیاں ہو رہی ہیں۔ اللہ کی رضا کا کہیں سے کہیں تک بھی خیال نہیں۔ پھر ان لڑائیوں میں جو کوئی مارا جاتا ہے اس کو شہید بھی کہتے ہیں حالانکہ شہید وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہید ہو اور اب تو شہید وطن اور شہید قوم کے الفاظ بھی زبانوں پر جاری ہیں اور صحیفوں جریڈوں میں آ رہے ہیں۔ حدیہ ہے کہ کافروں اور ملحدوں کے

لئے شہید کا لفظ استعمال کیا جا رہا ہے۔ یہ سب جہالت اور الجاہ اور بے دینی کی باتیں ہیں۔ حفظنا اللہ من الضلال

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ

اور ضرور ضرور ہم تم کو آزمائیں گے کچھ خوف سے اور کچھ بھوک سے اور کچھ مالوں میں اور جانوں اور پہلوں میں کمی کر کے، اور خوشخبری سنادیں گے

الصَّابِرِينَ ۝۱۵۱ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝۱۵۲ أُولَٰئِكَ

مہر کرتے والوں۔ جن کی صفت یہ ہے کہ جب پہنچے ان کو کوئی مصیبت تو وہ کہتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ

عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ۝۱۵۳

ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے مہر رحمتیں ہیں اور خاص رحمت بھی ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو ہدایت پانے والے ہیں۔

مختلف طریقوں سے آزمائش ہوگی

یہ دنیا دار الایمان اور دارالامتحان ہے۔ موت اور حیات کی تخلیق ہی امتحان کیلئے ہے۔ جیسا کہ سورہ ملک میں فرمایا: تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (بارک ہے وہ ذات جس کے قبضہ قدرت میں اپور ملک ہے اور ہر چیز پر قادر ہے، جس نے پیدا فرمایا موت کو اور زندگی کو۔ تاکہ وہ آزمائے کہ تم میں کون عمل کے اعتبار سے زیادہ اچھا ہے)

سورہ محمد (ﷺ) میں فرمایا: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوَآ أَخْبَارَكُمْ (اور اہلہ ہم تم کو ضرور جانچیں گے تاکہ معلوم کر لیں جو تم میں سے جہاد کرنے والے ہیں اور جو صبر کرنے والے ہیں اور تاکہ ہم جان لیں تمہاری خبریں)

مذکورہ بالا آیت میں بھی امتحان کا تذکرہ فرمایا اور لام تا کید اور فون ٹھیلے کے ساتھ منکر کر کے فرمایا کہ ہم تم کو ضرور ضرور جانچ میں ڈالیں گے اور امتحان کریں گے۔ کبھی خوف ہوگا۔ کبھی بھوک سے دو چار ہو گے۔ مال کم ہوگا، جائیں بھی کم ہوں گی۔ اعزاء و اقرباء، اولاد اور احفاد فوت ہوں گے، پہلوں میں کمی ہوگی اس میں تمام امہات المصاب کا تذکرہ آ گیا، دنیا میں خوشنوں کا خوف قحط سالی، سیلاب اور زلزلے، تجارتوں میں نقصان، مکانات کا گر جانا۔ اموال کا چوری ہونا، کہیں دفن کر کے بھول جانا، رکھے ہوئے مالوں کا تلف ہو جانا، کارخانوں کا بند ہو جانا، مشینوں کا خراب ہو جانا، بجلی کا بند ہو جانا، اعزاء و اقرباء، اور احباب کی موتیں ہونا، وبائی امراض کا پھیل جانا، باغوں میں پھل کم آنا یا بہت زیادہ پھل آ کر آندھی سے گر جانا، کھیتوں میں کیڑا لگ جانا، ٹنڈی آ جانا وغیرہ وغیرہ۔ ان سب امور کی طرف اشارہ ہو گیا۔

مؤمن بندے صبر سے کام لیتے ہیں جس طرح کی بھی کوئی مصیبت درپیش ہو اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہیں اور اللہ کی قضاء و قدر پر راضی رہتے ہیں اور ثواب کی امید رکھتے ہیں جو مصیبتیں درپیش ہوتی ہیں وہ گناہوں کی سزا کے طور پر بھی پیش آتی ہیں اور کفارہ سینات کے لئے بھی ہوتی ہیں۔ امتحان کے لئے بھی ہوتی ہیں اور رفع درجات کے لئے بھی۔ قرآن مجید سے اور احادیث شریفہ سے یہ باتیں واضح طور پر معلوم ہوتی ہیں۔

مؤمن بندوں کو مصائب کا فائدہ..... سورہ نسا، میں فرمایا: مَنْ يَعْمَلْ سُوًّا فَاِيجُزْ بِهِ (جو شخص بھی کوئی برائی کرے گا اس کا بدلہ دیا جائے گا) تفسیر اور حدیث کی کتابوں میں یہ بات نقل کی گئی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس آیت کے تائیل دینے کے بعد کیا اب کامیابی کی صورت ہے جبکہ ہر بڑی کا بدلہ ملنا ضروری ہے۔ آپؐ نے فرمایا اے ابو بکر! اللہ تمہاری مغفرت فرمائے۔ کیا تم مریض نہیں ہوتے؟ کیا تمہیں تکلیف نہیں پہنچتی؟ کیا تم رنجیدہ نہیں ہوتے، کیا تم کو کوئی مصیبت درپیش نہیں ہوتی؟ عرض کیا۔ ہاں! یہ چیزیں تو پیش آتی ہیں، آپؐ نے فرمایا ان چیزوں کے ذریعہ گناہوں کا بدلہ ہو جاتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا اے ابو بکر! تم اور تمہارے اصحاب مؤمنین دنیا میں گناہوں کا بدلہ پالیں گے یہاں تک کہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کریں گے کہ کوئی گناہ باقی نہ ہوگا۔ لیکن دوسرے لوگ (یعنی کافر) ان کے سب گناہ جمع کئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ ان سب کی سزا ان کو قیامت کے دن ملے گی۔ (اسن کثیر ص ۵۵۷، ۵۵۸ ج ۱)

سورہ شوریٰ میں فرمایا: وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ (اور جو کوئی مصیبت تم کو پہنچے سو وہ بدلہ ہے اس کا جو کمایا ہے تمہارے ہاتھوں نے اور اللہ معاف فرما دیتا ہے بہت سے گناہ) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی بندے کو کوئی تھوڑی یا زیادہ تکلیف پہنچتی ہے وہ گناہ کی وجہ سے ہوتی ہے اور جو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں وہ بہت زیادہ ہے۔ پھر آپؐ نے آیت کریمہ: وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ تلاوت فرمائی۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اُسے تکلیف میں مبتلا فرما دیتے ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۸۴۳ ج ۲) ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جب بندے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی درجہ مقرر کر دیا گیا جس درجہ میں وہ اپنے عمل کی وجہ سے نہ پہنچ سکتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو جسم یا مال میں یا اولاد میں (تکلیفوں کے ساتھ) مبتلا فرما دیتے ہیں پھر اس پر اس کو صبر دے دیتے ہیں یہاں تک کہ اُسے اُسی درجہ میں پہنچا دیتے ہیں جو پہلے سے اُس کے لئے طے فرما دیا تھا۔ (رواہ احمد و ابوداؤد و کفای المصنّف ص ۱۳۷)

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کو جو بھی کوئی تکلیف، مرض، فکر، رنج، اذیت، غم پہنچ جائے یہاں تک کہ اگر کاٹنا بھی لگ جائے تو اللہ تعالیٰ شانہ اس کے ذریعہ اس کے گناہوں کا کفار فرما دیتے ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۸۴۳ ج ۲)

ام السائب ایک صحابیہ تھیں۔ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس تشریف لے گئے وہ کپکپا رہی تھیں آپؐ نے فرمایا کیا بات ہے کیوں کپکپا رہی ہو؟ انہوں نے کہا کہ اس کا زہر بخار چڑھ گیا، آپؐ نے فرمایا بخار کو زہر نہ کہو کیونکہ وہ بنی آدم کی خطاؤں کو اس طرح ختم کر دیتا ہے جیسے بھٹی اوہے کے میل کچیل کو ختم کر دیتی ہے۔ (صحیح مسلم ص ۳۱۹ ج ۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو دنیا ہی میں سزا دے دیتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے ساتھ شر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے گناہوں کی سزا دے رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کو قیامت کے دن پوری سزا دے دیں گے۔ (رواہ الترمذی فی ابواب الزہد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن مرد اور مؤمن عورت کو

کچھ اُس نے لے لیا اور اُسی کے لئے ہے جو اُس نے عطا فرمایا اور ہر ایک کی اُس کے نزدیک اجل مقرر ہے۔ لہذا عبرت کرے اور اللہ سے ثواب کی امید رکھے)۔ (بخاری ص ۲۱۷ ق ۲) دوسرے اس بات کا اعلان اور اقرار ہے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف اونا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچیں گے تو ہم کو ہر ضائع اور فوت شدہ چیز کا ثواب مل جائے گا۔ اور یہ ثواب دنیا کی حقیر چیزوں سے کہیں اعلیٰ و افضل ہے جن کے چلے جانے پر رنج ہوتا ہے۔ اپنے اعزاء و اقرباء آل اہلداد جو فوت ہو گئے ان سے بھی عارضی جدائی ہے۔ جہاں وہ گئے وہیں ہم کو جانا ہے۔ وہاں ہمارا نعمت میں ان شاء اللہ قیامی ان سے ملاقاتیں ہونگیاں۔

سنن ترمذی ص ۱۶۶ ج ۱ میں ہے کہ جب بندہ کوئی بچہ فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ تم نے میرے بندہ کے بچے کو قبض کر لیا وہ کہتے ہیں کہ ہاں، پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم نے اس کے دل کے پھل کو قبض کر لیا وہ کہتے ہیں کہ ہاں! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندہ نے کیا کہا وہ عرض کرتے ہیں کہ اس نے آپ کی تعریف کی اور اَنَا لِلّٰہ وَاَنَا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ پڑھا اس پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندہ کے لئے جنت میں ایک گھر بنا دو اور اُس کا نام بیت الحمد رکھ دو۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ مسلمان مرد یا عورت کو جو بھی کوئی تکلیف پہنچ جائے اور اس کو بعد میں یاد کرے اگرچہ اس کو غصہ و راز گزر چکا ہو اور اس وقت پھر اَنَا لِلّٰہ وَاَنَا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ پڑھے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کو پھر اسی جیسا اجر عطا فرماتے ہیں جیسا کہ اُس دن عطا فرمایا تھا جس دن اُس کو نصیبیت پہنچی تھی۔ (رواہ احمد و الترمذی فی شعب الایمان کتاب الوصایہ ص ۵۳ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تب بھی اِنَّا لِلّٰہ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھئے۔ کیونکہ یہ بھی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت ہے۔ (مشکوٰۃ بہمن شعب الایمان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰہ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا تو اللہ تعالیٰ اُس کی مصیبت کی تلافی فرما دیں گے اور اس کی آخرت اچھی کریں گے اور اسے ضائع شدہ چیز کے بدلہ اچھی چیز عطا فرمائیں گے۔ (درمنثور)

صَلَّوْا مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةً..... صابرين کی مغفرت بیان فرمانے کے بعد (کہ جب اُن کو مصیبت پہنچتی ہے اِنَّا لِلّٰہ وَاِنَّا اِلَيْہِ رَاجِعُونَ کہتے ہیں) ان کے لئے جو بشارت ہے اس کا ذکر فرمایا، اور وہ یہ کہ اُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَواتٌ مِّنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولَئِكَ هُمُ الْمُفْتَخِرُونَ۔

لفظ صلوات کی جمع ہے صلاۃ رحمت کو کہتے ہیں۔ اور صلوات کے ساتھ لفظ رحمت بھی مذکور ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ لفظ رحمت بطور تاکید کے لایا گیا ہے۔

وكرر الرحمة لما اختلف اللفظ تأكيداً وإشباعاً للمعنى. (قرطبي ج ٢ ص ٢٤٧)

مفسر بیضاوی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف لفظ صلاۃ کی نسبت و تقویٰ سے ترکیب اور مغفرت مراد ہوتی ہے اور اس کو جمع لانے میں اس کی کثرت پر اور اس کی مختلف انواع پر تنبیہ فرمائی اور رحمت سے مراد لطف اور احسان ہے۔ (ص ۱۱۸ ج ۱) بعض مغفرت نے فرمایا ہے کہ صلاۃ سے عام مہربانیاں اور رحمت سے خاص رحمت مراد ہے۔ رحمتوں کا انعام ذکر کرنے کے بعد فرمایا: وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ کہ صابرین جو مصیبت کے وقت إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ پڑھتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کی قضا پر دل اور زبان سے رضامندی ظاہر کر کے اور إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ پڑھ کر حق اور ثواب کی راہ جانے والے ہیں۔ (بیضاوی ص ۱۱۸ ج ۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صغار میں کئے گئے نیکو اعمال اور رحمت کے بعد ہر کے ساتھ ہی جو ان کو بدایت یافتہ بتایا اور ان کی شان

میں المہنتوں فرمایا۔ یہ زائد چیزیں بہت غمزدہ ہے رحمتوں کا وعدہ بھی اور ہدایت پر ہونے کا اعلان بھی یہ سب کچھ نفع ہی نفع ہے اور خیر ہی خیر ہے۔

صبر سے متعلق چند فوائد

فائدہ (۱)..... اس دنیا کا یہ مزاج ہے کہ ذکھ تکلیف کا ہر ایک کو سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور نہ آرام ہمیشہ رہتا ہے اور نہ تکلیف ہمیشہ رہتی ہے۔ مومن بندے صبر اور شکر اختیار کرتے ہیں۔ جو اب تک صبر نہیں کرتے اجر سے محروم ہوتے ہیں۔ شدہ شدہ کچھ دن کے بعد ان کو بھی صبر آ ہی جاتا ہے اور مصیبت کو قبول جاتے ہیں لیکن اس صبر کا کوئی اعتبار نہیں اجر و ثواب اور فضیلت اسی صبر کے متعلق ہے جو عین مصیبت کے وقت ہو۔ حضرت ابوالہدیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان! ہم اگر تو صدمہ اولیٰ کے بہت صبر کرے اور ثواب کی امید باندھے تو میں تیرے لئے جنت کے علاوہ کسی دوسرے ثواب سے راضی نہ ہوں گا (یعنی تیرے صبر اور احتساب کا بدلہ جنت ہی ہے)۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۱۸۳)

صحیح بخاری (ص ۱۷۱ ج ۱) اور صحیح مسلم (ص ۳۰۲ ج ۱) میں ایک قصہ لکھا ہے جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عورت پر گزر رہا وہ ایک قبر کے پاس رہ رہی تھی آپ نے اس سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر اور صبر کر، اس عورت نے آپ کو پہچانا نہیں، کہنے لگی کہ: بھئی مجھے چھوڑ دو کیونکہ تمہیں وہ مصیبت نہیں پہنچی جو مجھے پہنچی ہے (اگر تمہیں ایسی مصیبت پہنچی تو پتہ چلتا کیسی مصیبت ہے اس کے بعد آپ تشریف لے گئے) اس عورت سے کسی نے کہا کہ (مجھے معلوم ہے کس کو تو نے بے ڈھنگا جواب دیا ہے) آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ یہ سن کر وہ عورت بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی دروازہ پر پہنچی تو وہاں دربان (چوکیدار) نہ پائے (حالانکہ اس کو خیال تھا کہ آپ بہت ٹھٹھا ہاتھ سے رہتے ہوں گے اور آپ کے دروازے پر بادشاہوں کی طرح دربان ہوں گے یہ دیکھ کر حیرت میں رہ گئی کہ سید الخالق صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسی سادہ زندگی ہے) کہنے لگی یا رسول اللہ! میں آپ کو پہچانی نہیں (اس لئے ایسا جواب دیا) آپ نے فرمایا اصلی صبر وہی ہے جو تازم تازم مصیبت کے موقع پر ہو (کیونکہ وقت گزر جانے پر خود ہی صبر آ جاتا ہے)۔

اس حدیث میں اسی خاص نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے کہ قرآن وحدیث میں جو صبر کی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں۔ اس سے وہ صبر مراد ہے جو عین مصیبت اور تکلیف کے وقت ہو یا نیا حادثہ ہے ابھی ابھی کسی کی موت ہوئی یا رقم کھو گئی دل رنجیدہ ہے اس وقت اگر ہم نے صبر کر لیا تو اس صبر کی بہت بڑی قیمت ہے اور بہت بڑی فضیلت ہے۔ بلکہ حقیقت میں صبر ہی وہی ہے جو دل دکھایا، ہونے کے وقت ہو کیونکہ جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا ہے مصیبت کا احساس طبعی طور پر کم ہوتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ کچھ دن کے بعد تکلیف کا بالکل احساس نہیں رہتا۔ وقت گزر جانے پر جب مصیبت بھول بھلیاں ہو گئی تو یہ نہ صبر ہے اور نہ اس کی کوئی فضیلت ہے اس میں مومن کا فرسب برابر ہیں جس صبر پر مومنین سے اجر کا وعدہ ہے اس سے وہی صبر مراد ہے جو اس وقت ہو جبکہ رنج تازہ ہو، دل بے چین ہو طبیعت بے قرار ہو۔ برے برے وسوسے آرہے ہوں۔ زبان اللہ پاک پر اعتراض کرنے کے لئے کھلنا چاہتی ہو۔ نفس خلاف شرع کاموں پر ابھارتا ہو۔ ایسی حالت میں صبر کرنا باعث اجر ہے۔

فائدہ (۲)..... کسی کی موت پر دل کا رنجیدہ ہونا یا آنکھوں سے آنسو آ جانا زبان سے رنج اور تکلیف کا اظہار کر دینا یہ بے صبری نہیں۔ صحیح بخاری میں (ص ۱۷۱ ج ۱) ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی جان کنی کے وقت

تشریف لائے اس وقت آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (عام اوّل تو بچوں کی موت پر روتے ہی ہیں) بھلا آپ بھی رونے لگے آپ نے فرمایا طبعی رحمت ہے (جو اللہ پاک نے دل میں رکھی ہے) پھر فرمایا کہ بے شک آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور دل غم زدہ ہے اور زبان سے ہم وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا رب راضی ہو پھر فرمایا اے ابراہیم! تمہاری جدائی سے ہم کو رنج ہے۔

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ آنکھوں کے آنسوؤں اور دل کے رنج پر عذاب نہیں دیتا، لیکن دوزبان کی وجہ سے عذاب دیتا ہے یا رحم فرماتا ہے۔ (ص ۷۱ ج ۱) یعنی زبان سے بُرے کلمات کہنے اور اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنے پر گرفت اور عذاب ہے اور اگر یوں کہا کہ میں اللہ کی قضا اور قدر پر راضی ہوں اس نے جو کچھ کیا بہتر ہے تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ رحم فرماتا ہے۔

فائدہ (۳)..... جس طرح زبان سے بُرے کلمات نکالنا ممنوع ہے اور بے صبری ہے اسی طرح عمل سے کوئی ایسی حرکت کرنا جو صبر کے خلاف ہے یا غیر مسلموں کا طریقہ ہے اس کو اختیار کرنا بھی سخت ممنوع ہے۔ لوگوں کی عادت ہے کہ مصیبت، دکھ، تکلیف کے وقت خاص کر جب کوئی بچہ فوت ہو جائے اپنے چہرے پر ٹھانچے مارتے ہیں۔ دیوار پر سر دے کر مارتے ہیں گریبان پھاڑتے ہیں جاہلانہ الفاظ زبان سے نکالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میرا بچہ رہ گیا تھا جو اُسے اللہ نے موت دی۔ یہ سب جہالت ہے اور اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا کفر ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ ہم میں سے نہیں جو زخساروں پر ٹھانچے مارتے اور گریبان پھاڑتے اور جاہلیت کی دھانی دے۔ (صحیح مسلم ص ۷۱ ج ۱)

بعض علما توں میں مرنے والے کے دُک میں بال منڈا دیتے ہیں اور خاص کر عورتیں تو بہت ہی چیختی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس سے بری ہوں جو (کسی کی موت پر) سر مونڈے آوازیں بلند کرے اور کپڑے پھاڑے۔ (صحیح مسلم ص ۷۱ ج ۱)

عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ عزیزوں کی موت پر چیختی اور چلاتی ہیں۔ گھر سے باہر آوازیں جاتی ہیں اور برس چھ مہینے تک جو بھی کوئی مہمان آئے اُس کے سامنے زبردستی کارونا لے کر بیٹھ جاتی ہیں اور نوہ کرنا ان کی ایک خاص عادت ہے۔ میت کو خطاب کر کے کہتی ہیں اے میرے پیارے! اے میرے جوان! اے بیٹا! تو کہاں گیا۔ مجھے کس پر چھوڑی تو ایسا تھا، ایسا تھا، اور اس طرح کی بہت سی باتیں پکار پکار کر بیان کرتی ہیں اور رونا پیٹنا مہینوں تک کے لئے اُن کا مشغلہ بن جاتا ہے۔ باوجود منع کرنے کے اور شرعی ممانعت کے جاننے کے نوہ نہ کرتی رہتی ہیں۔ حدیث شریف میں ہے لعن اللہ الناحۃ والمسمعۃ کہ اللہ کی لعنت ہو نوہ کرنے والی پر اور اس کا نوہ سننے والی پر۔ (رواہ ابوداؤد) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نوہ کرنے والی پر لعنت فرمائی اور ساتھ ہی نوہ سننے والی پر بھی (کیونکہ نوہ کرنے والی کا نوہ سننے کے لئے جو عورتیں جمع ہوں وہ بھی نوہ کا سبب بنتی ہیں۔ عموماً نوہ کرنے والی عورت تنہا کی میں نوہ نہیں کرتی) صحیح مسلم ص ۳۰۳ میں ہے کہ نوہ کرنے والی موت سے پہلے تو بہ نہ کرے گی تو قیامت کے دن اس حال میں کھڑی کی جائے گی کہ اس کے بدن پر ایک گرتہ قطران کا ہوگا اور ایک گرتہ کھجلی کا ہوگا۔

عرب میں قطران ایک درخت کا پانی ہوتا تھا جس کو کھجلی والے بدن پر لگاتے تھے اس کی خاصیت تیزاب جیسی تھی اس سے کھجلی خُل جاتی تھی اور کھجلی جل کر آرام ہو جاتا نوہ کرنے والی کے جسم پر قیامت کے دن اول تو کھجلی مسلط کی جائے گی۔ گویا گرتے کی جگہ کھجلی کا لباس ہوگا پھر اس کھجلی پر قطران لگا دیا ہوگا جس کی وجہ سے مزید تکلیف ہوگی دنیا میں رواج ہے کہ جب کسی کو ایگزیمیا اور داء ہو جاتا ہے تو اس پر تیزاب لگا دیتے ہیں۔ اس سے جو تکلیف ہوتی ہے بیان سے باہر ہے اور یہ تکلیف دنیا میں ہوتی ہے آخرت کی تکلیف دنیا کی

تکلیفوں سے کہیں زیادہ ہے۔ (اعیاف باللہ) پھر دنیا میں جو تیزاب لگتے ہو اس سے ایگزیمیا اور ڈاؤ اچھا ہو جاتا ہے لیکن آخرت میں چونکہ عذاب وینا مقصود ہوگا اس لئے قطران لگا ہوا ہونے سے کھجکی نہیں جائے گی بلکہ اور شدید تکلیف ہوتی رہے گی۔

فائدہ (۴)..... اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ کے ساتھ ایک اور دوا بھی حدیث شریف میں وارد ہوئی ہے۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ جس کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچ جائے اور وہ اللہ جل شانہ کے فرمان کے مطابق اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھے (اور ساتھ ہی یہ بھی پڑھے اَللّٰهُمَّ اَجِزْنِيْ فِیْ مُصِیْبَتِيْ وَاخْلُفْ لِّیْ خَيْرًا مِنْهَا۔

(اے اللہ میری مصیبت میں اجر و عطا فرما اور اس کے بدلہ مجھے اس سے بہتر عنایت فرما)۔

تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کو اس سے بہتر عطا فرمائے گا۔ جب ابوسلمہ کی وفات ہو گئی تو میں نے (ول) میں کہا کہ ابوسلمہ سے بہتر کون سا مسلمان ہوگا؟ اس کا گھرانہ پہلا گھرانہ ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی۔ پھر بھی میں نے مذکورہ دعا پڑھ لی لہذا مجھے اللہ تعالیٰ نے ابوسلمہ کے بدلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی عطا فرمادی۔ (یعنی آپ سے نکاح ہو گیا) اور آپ ابوسلمہ سے بہتر ہیں۔ (شیخ مسلم ص ۳۰۰ ج ۱)

فائدہ (۵)..... یہاں تک جو متعدد احادیث کا ترجمہ لکھا گیا اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے لئے دنیاوی تکالیف اور مصائب، امراض و آلام سب نعمت ہیں ان کے ذریعہ گناہ معاف ہوتے ہیں۔ درجات بلند ہوتے ہیں اور گناہوں کا کفارہ ہو جانے کی وجہ سے برزخ اور روز قیامت کے عذاب سے حفاظت ہو جاتی ہے۔ مؤمن بندوں پر لازم ہے کہ صبر و شکر کے ساتھ ہر حال کو برداشت کرتے چلیں اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی بہت زیادہ پختہ امید رکھیں اور یقین جانیں کہ ہمارے لئے صحت و عافیت بھی خیر ہے اور وہ تکلیف بھی بہتر ہے۔ اصل تکلیف تو کافر کی تکلیف ہے اسے تکلیف بھی پہنچی اور ثواب بھی نہ ملا۔ مؤمن کی تکلیف، تکلیف نہیں ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ مصیبت و تکلیف اور مرض کی دعا کیا کریں یا شفا کی دعا نہ مانگیں۔ کیونکہ جس طرح صبر میں ثواب ہے شکر میں بھی ثواب ہے۔ سوال تو عافیت ہی کا کریں اور کرتے رہیں اور تکلیف پہنچ جائے تو صبر کریں۔

فائدہ (۶)..... بہت سے لوگ جو آرام و راحت اور دکھ تکلیف کی حکمت اور اس بارے میں قانون الہی کو نہیں جانتے بہت سی بے ٹنگی باتیں کہہ جاتے ہیں کہ جہان کی ساری مصیبتیں مسلمانوں پر ہی آپڑی ہیں، کبھی کہتے ہیں کہ کافروں کو محلات اور قصور اور مسلمان کو صرف وعدہ حور، کبھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے غیروں کو خوب نوازا ہے اور اپنوں کو فقر و فاقہ اور دوسری مصیبتوں میں مبتلا کر رکھا ہے، یہ جاہل اتنی بات نہیں جانتے کہ اپنا ہونے ہی کی وجہ سے تو مسلمانوں کو تکلیفوں اور مصیبتوں میں مبتلا فرمایا جاتا ہے تاکہ ان کے گناہ معاف ہوں۔ درجات بلند ہوں۔ اور آخرت میں گناہوں پر سزا نہ ہو۔ حقیقت یہ بہت بڑی مہربانی ہے کہ دنیا کی تھوڑی بہت تکلیف میں مبتلا فرما کر آخرت کے شدید عذاب سے بچا دیا جاتا ہے، اور کافروں کو چونکہ آخرت میں کوئی نعمت نہیں ملتی۔ کوئی آرام نصیب نہیں ہونا بلکہ ان کے لئے صرف عذاب ہی عذاب ہے۔ اس لئے ان کو دنیا زیادہ دے دی جاتی ہے اور ان پر مصیبتیں کم آتی ہیں۔ اگر کسی کافر نے خدمت خلق وغیرہ کا کوئی کام کیا تو اس کا عوض اس دنیا میں دے دیا جاتا ہے۔ لیکن آخرت میں اسے ذرا سی بھی خیر اور معمولی سا بھی آرام نہ ملے گا اور ابدالاً بادتک دوزخ میں رہے گا۔ صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے بیان فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کیا دیکھتا ہوں کہ آپ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ چٹائی اور آپ کے جسم کے درمیان کوئی بستر نہیں ہے۔

چٹائی کی بناوٹ نے آپ کے مبارک پہلو میں نشان ڈال دیئے ہیں۔ آپ ایسے تکیہ سے ٹیک لگائے ہوئے ہیں جو چھڑے کا ہے۔ جس کے اندر سمجھور کی چھال جھری ہوئی ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت کو خوب مال دیدے۔ کیونکہ فارس اور روم کے لوگوں کو وسعت دی گئی ہے اور وہ اللہ کی عبادت بھی نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا کہ اے ابن خطاب! کیا تم (ابھی تک) اسی (سوچ بچار) میں پڑے ہو؟ (تمہیں معلوم نہیں) کہ ان لوگوں کو عمدہ چیزیں اس دنیا میں دے دی گئی ہیں (آخرت میں ان کو کچھ نہیں ملنا) ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یوں فرمایا کہ تم اس پر راضی نہیں ہو کہ ان کے لئے دنیا ہو اور ہمارے لئے آخرت ہو۔ (مشکوٰۃ ص ۲۴۷)

إِنَّ الصَّفَاَ وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَابِرِ اللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ

یہ ٹیک صفا اور مردہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ سو جو شخص بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے اس پر اس بات میں ذرا بھی گنہگار نہیں کہ

يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۖ فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ۝

ان دونوں کے درمیان آنا جائز ہے۔ اور جو شخص خوش سے کوئی نیک کام کرے تو اللہ تعالیٰ قدر دان ہے جانتا ہے۔

حج و عمرہ میں صفا و مردہ کے درمیان سعی کرنے کی مشروعیت اور اس کی ابتداء

شعائر شعيرة کی جمع ہے جس کے معنی ملامت کے ہیں صفا اور مردہ مکہ معظمہ میں دو پہاڑیاں ہیں جو کعبہ شریف سے تھوڑے سے فاصلے پر واقع ہیں ان میں صفا بہ نسبت مردہ کے کعبہ شریف سے زیادہ قریب ہے، حج اور عمرہ میں سات مرتبہ ان دونوں پر آنا جانا ہوتا ہے۔ اس کو سعی کہا جاتا ہے یہ حج اور مردہ دونوں میں واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے صفا اور مردہ کو شعائر اللہ میں سے فرمایا جس کا معنی یہ ہے کہ یہ دونوں اللہ کے دین کی نشانیوں میں سے ہیں۔ ان کے درمیان سعی کی جاتی ہے جو مساک حج میں سے ہے اور حج اسلام کے پانچ ارکان میں سے ہے۔ اس اعتبار سے دین اسلام میں ان دونوں کی بڑی اہمیت ہے۔ ان دونوں پہاڑوں کے درمیان آنے جانے کی ابتداء کس طرح ہوئی اس کا واقعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری ص ۴۷۷ میں اس طرح نقل کیا ہے کہ حکم خداوندی حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی باجرہ اور اپنے بیٹے اسماعیل کو مکہ معظمہ میں چھوڑ کر تشریف لے گئے (جو اس وقت جنیل میدان تھا) ان کے پاس ایک تھیلہ میں کچھ کھجوریں اور مشکیزہ میں پانی رکھ دیا، جب واپس ہونے لگے تو حضرت اسماعیل کی والدہ ان کے پیچھے ہوئیں۔ اور کہنے لگیں کہ اے ابراہیم! ہمیں یہاں چھوڑ کر آپ کہاں جا رہے ہیں؟ یہاں نہ کوئی انسان ہے نہ اور کوئی چیز ہے کئی بار انہوں نے یہی سوال کیا وہ سوال کر رہی تھیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی طرف توجہ نہیں فرما رہے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ نے سوال کیا کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں! وہ کہنے لگیں بس تو اللہ ہمیں ضائع نہیں فرمائے گا، اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لے گئے، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ اپنے بچہ اسماعیل کو وہاں چلائی رہیں اور جو پانی موجود تھا اس میں سے پیتی رہیں، مشکیزہ میں جو پانی تھا جب وہ ختم ہو گیا تو خود بھی بیاسی ہو گئیں اور بچہ بھی بیاسا ہو گیا، وہ بچہ کو تر پتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔ جب اس کی حالت نہ دیکھی جا سکی تو صفا پہاڑی پر چڑھ گئیں تاکہ بچہ پر نظر نہ پڑے، صفا پر کھڑے ہو کر نظر ڈالی کہ کوئی شخص نظر آتا ہے یا نہیں، وہاں کوئی نظر نہ آیا تو صفا سے اتر کر مردہ کی طرف چلیں، درمیان میں نشیب تھا وہاں پتھریں تو تیزی کے ساتھ

دور کر مزرگ نہیں، مردہ پر پہنچ کر پھر نظریں ڈالیں کہ کوئی شخص نظر آتا ہے یا نہیں، وہاں بھی کوئی نظر نہ آیا۔ سات مرتبہ ایسا ہی کیا (کبھی صفحہ پر جاتیں کبھی مردہ پر) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہاں تک پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا کہ اسی وجہ سے لوگ صفامروہ کے درمیان سعی کرتے ہیں (یعنی یہ سعی کی ابتداء ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کے عمل کو حج و عمرہ کی عبادت کا نچوہ بنا دیا) جب آخری مرتبہ وہ مردہ پر تھیں تو انہوں نے ایک آواز سنی، آواز سن کر اپنے نفس کو خطاب کر کے کہنے لگیں کہ مطمئن ہو جا۔ اس کے بعد انہوں نے کان لگایا تو پھر آواز سنی، آواز سن کر کہنے لگیں (کہ اے بولنے والے) تو نے آواز تو سنا دی اگر تیرے پاس کوئی مدد کی صورت ہے تو ہماری مدد کرو، اچانک کیا دیکھتی ہیں کہ جس جگہ زمزم ہے وہاں فرشتہ نے اپنی ایڑی سے تھوڑی سی زمین گر دی۔ یہاں تک کہ زمین پر پانی ظاہر ہو گیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ نے وہاں حوض کی صورت بنانی شروع کر دی اور اس میں سے اپنے مشکیزہ میں پانی بھر لیا، مشکیزہ میں بھرنے کے بعد بھی پانی جوش مار رہا تھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رحم فرمائے اسماعیل کی والدہ پر اگر وہ زمزم کو (اپنے حال پر) چھوڑ دیتیں تو زمزم (زمین پر) جاری ہونے والا چشمہ ہوتا، اب انہوں نے اس میں سے پانی پیا اور بچہ کو دودھ پلایا۔ اور فرشتے نے ان سے کہا کہ تم نے ضائع ہونے سے نہیں ڈرنا کیونکہ یہاں بیت اللہ ہے جسے یہ لڑکا اور اس کا والد و ذوال مل کر تعمیر کریں گے، فرشتہ نے یہ بھی کہا بلاشبہ اللہ انہوں کو ضائع نہیں فرماتا، (اس کے بعد بخاری شریف میں وہاں بنی جبریم کے آباد ہونے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اسی قبیلہ میں شادی ہونے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تشریف لانے کا اور کعبہ شریف تعمیر کرنے کا ذکر ہے) اللہ تعالیٰ کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کا صفحہ مردہ کے درمیان آنا جانا ایسا پسند آیا کہ حج عمرہ کرنے والوں کے لئے اس کو احکام حج و عمرہ میں داخل فرما دیا۔ اللہ کی راہ میں قربانی والوں کی عجیب شان ہوتی ہے۔

زمانہ جاہلیت میں صفامروہ کی سعی..... صحیح بخاری ص ۶۳۶ ج ۲ میں حضرت عاصم بن سلیمان سے نقل کیا ہے کہ ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صفامروہ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم لوگ ان پر آنے جانے کو جاہلیت کے کاموں میں سے سمجھتے تھے۔ جب اسلام آیا تو ہم ان پر جانے سے رک گئے اللہ تعالیٰ نے آیت إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ الْآيَةُ نازل فرمائی صحیح مسلم ص ۴۱۴ ج ۱ میں اس بارے میں متعدد روایات درج ہیں ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں انصار منات کے لئے احرام باندھتے تھے (جو ایک مشہور و معروف بت تھا) جب اس کے لئے احرام باندھتے تو صفامروہ کے درمیان سعی کرنے کو حلال نہیں سمجھتے تھے جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کے لئے آئے تو انہوں نے آپ سے اس کا ذکر کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ نازل فرمائی۔ یہ بیان فرما کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اللہ اس کا حج پورا نہیں کرے گا جس نے صفامروہ کے درمیان سعی نہ کی، صحیح بخاری ص ۲۲۲ ج ۱ میں ابو بکر بن عبد الرحمن کا بیان نقل کیا ہے کہ میں نے متعدد اہل علم سے سنا ہے کہ عام طور پر زمانہ جاہلیت میں لوگ صفامروہ کی سعی کیا کرتے تھے۔ سوائے ان لوگوں کے جن کا حضرت عائشہ نے ذکر فرمایا (کہ جو لوگ منات کے لئے احرام باندھتے تھے وہ صفامروہ پر آنے جانے سے بچتے تھے) جب قرآن مجید میں طواف بیت اللہ کا حکم آیا (جو سورہ حج میں ہے) اور صفامروہ کا ذکر نہیں آیا تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم صفامروہ پر آیا جایا کرتے تھے اور یہ جاہلیت کے زمانہ کی بات تھی۔

اللہ تعالیٰ نے طواف کے بارے میں حکم نازل فرمایا اور صفامروہ کا ذکر نہیں فرمایا تو کیا اس بات میں کچھ حرج ہے کہ ہم صفامروہ پر آنا جانا کریں اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ (آخر تک) نازل فرمائی۔ اس کے بعد ابو بکر بن عبد الرحمن نے

فرمایا کہ آیت ۱۱۱ و ۱۱۲ فریقین کے بارے میں نازل ہوئی جو لوگ زمانہ جاہلیت میں صفامروہ پر نہیں جاتے تھے ان کے بارے میں بھی اور جو لوگ زمانہ جاہلیت میں صفامروہ پر جاتے تھے پھر زمانہ اسلام میں جانے کو پسند نہ کیا ان کے بارے میں بھی، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری ص ۵۹۰ ج ۳ میں اس بارے میں لمبی بحث کی ہے اور روایات میں تطبیق دینے کی کوشش فرمائی۔ نسائی سے نقل کیا ہے کہ صفامروہ ویر تانبہ کے دو بت تھے۔ ایک کا نام اساف تھا اور دوسرے کا نام ناکلہ تھا۔ مشرکین (جج یا عمرہ میں صفامروہ پر جاتے تھے تو ان کو باتھو لگاتے تھے) حضرت شعبی سے منقول ہے کہ ایک بت صفاف تھا جس کا نام اساف تھا اور ایک بت مروہ پر تھا جس کو ناکلہ کہا جاتا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ صفامروہ کے درمیان سعی کرتے تھے۔ جب اسلام کا زمانہ آیا تو ان دونوں کو پھینک دیا گیا اب مسلمان کہنے لگے کہ صفامروہ پر آنا جاہلیت والوں کا کام ہے جو اپنے بتوں کی وجہ سے ان پر آتے جاتے تھے لہذا ان دونوں کے درمیان سعی کرنے سے رک گئے اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علمی جواب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھانجے حضرت عروہ نے حضرت عائشہ سے سوال کیا کہ یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطُوفَ بِهِمَا اس میں لفظ لَا جُنَاحَ سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ جو شخص صفامروہ کی سعی نہ کرے تو کچھ حرج نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اے میری بہن کے بیٹے اگر بات اس طرح ہوتی جیسے تم کہہ رہے ہو تو آیت کے الفاظ یوں ہوتے لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لَا يَطُوفَ بِهِمَا (یعنی اس پر کوئی گناہ نہیں جو صفامروہ پر آنا جانا نہ کرے) آیت میں تو یوں ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں جو صفامروہ پر آنا جانا کرے، پھر حضرت عائشہ نے فرمایا کہ یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی جو صفامروہ پر جانے سے رک گئے تھے۔ انہوں نے سوال کیا کہ اب صفامروہ پر جائیں یا نہ جائیں؟ تو اس پر یہ آیت إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی۔ مطلب یہ ہے کہ صفامروہ پر جانے میں کچھ حرج نہیں ہے پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ صفامروہ کی سعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروع فرمائی ہے۔ کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ ان دونوں کے درمیان سعی چھوڑ دے۔ (صحیح بخاری ص ۲۲۲ ج ۱)

سعی کے مسائل مسئلہ صفامروہ کی سعی طواف کے بغیر معتبر نہیں ہے۔ حج کی سعی طواف قدوم کے بعد بھی ہو سکتی ہے اور طواف زیارت کے بعد بھی، اور طواف زیارت کے بعد سعی کرنا افضل ہے۔ البتہ جس کا حج قرآن ہو اسے طواف قدوم کے بعد کرنا افضل ہے۔

مسئلہ پہلے زمانے میں صفامروہ کے درمیان ایک جگہ نشیب تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ وہاں سے دوڑ کر گزری تھیں اس لئے حج و عمرہ میں سعی کرنے والے بھی اس جگہ دوڑ کر گزرتے ہیں۔ اب نشیب نہیں ہے زمین برابر ہموار ہے اور چھت پڑی ہوئی ہے اس جگہ کی نشانی کے لئے ہرے ستون بنادیئے گئے ہیں۔ ایک ہرے ستون سے دوسرے ہرے ستون تک دوڑ کر چلنا مسنون ہے۔

مسئلہ سعی کے صرف سات چکر ہیں۔ صفات مروہ تک ایک چکر اور مروہ سے صفات تک دوسرا چکر ہوتا ہے اسی طرح سات چکر پورے کئے جائیں، صفات سے شروع کر کے مروہ پر سعی ختم کی جائے۔

مسئلہ سعی خود کرنا واجب ہے اس میں نیابت نہیں ہو سکتی (اللہ یہ کہ کوئی شخص احرام سے پہلے بے ہوش ہو جائے تو دوسرا شخص اس کی طرف سے احرام باندھ لے اور مکہ معظمہ پہنچ کر اس کی طرف سے طواف قدوم اور سعی کرے تو یہ صحیح ہے بشرطیکہ اس سے پہلے اسے ہوش نہ آیا ہو)۔

مسئلہ..... سعی پیدل کرنا لازم ہے اگر کسی نے باعذر سہاری پر سعی کی اور پھر اعادہ نہیں کیا یعنی دوبارہ نہیں کی تو وہ واجب ہوگا۔
 مسئلہ..... اگر کوئی شخص سعی چھوڑ کر مکہ معظمہ سے چلا گیا تو اس کی طائفی کے لئے ایک دم واجب ہوگا۔
 مسئلہ..... ہرے ستونوں کے درمیان تیزی سے چلنا صرف مردوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے نہیں (کیونکہ ان کی طرف سے ان کی جنس کی ایک عورت یہ کام کر چکی اور اسی کے عمل کی توثیق ہے جو حج اور عمرہ کا جزو بناوی گئی ہے)
 آیت کے اخیر میں فرمایا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ کہ جو بھی شخص کوئی اچھا کام اپنی خوشی سے کر دے (جو اس پر فرض واجب نہ ہو) تو اللہ تعالیٰ اس کا بھی ثواب دیں گے۔ اللہ تعالیٰ اعمال صالحہ کی قدر دانی فرماتے ہیں اور جو شخص کوئی عمل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی پوری طرح خبر ہے۔ خیر و شر کا کوئی ذرہ اس کے علم سے باہر نہیں ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعْنُونَ ﴿٥١﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا

کتاب میں بیان کیا یہ چھپانے والے وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ لعنت فرماتا ہے اور ان پر لعنت بھیجتے ہیں لعنت کرنے والے۔ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی

وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنَّا فَاُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿٥٢﴾

اور اصلاح کی اور بیان کیا سو یہ وہ لوگ ہیں جن کی توبہ قبول کرہں گا اور میں بہت توبہ قبول کرنے والا ہوں رحیم ہوں۔

حق چھپانے والوں کی سزا

علامہ واحدی نے اسباب النزول ص ۳۳ ج ۱ میں لکھا ہے کہ یہ آیت علماء اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی۔ جنہوں نے آیت رحیم کو چھپایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کو (جو تورات شریف میں پڑھتے آئے تھے) پوشیدہ رکھا۔ تفسیر و منشور میں ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ اور بعض دیگر انصار نے بعض علماء یہودیہ سے تورات کی بعض باتیں دریافت کیں تو انہوں نے بتانے سے انکار کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت نازل فرمائی۔ (ص ۱۶۱ ج ۱) نیز در منشور ص ۱۶۲ ج ۱ میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابوالعالیہ نے فرمایا کہ اس آیت میں اہل کتاب کا ذکر ہے جنہوں نے حسد کی وجہ سے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور آپ کی نعمت کا کتمان کیا (یعنی اس بات کو بھی چھپایا کہ تورات شریف میں آپ کی بعثت کا ذکر ہے اور آپ کی نعمت اور صفت جو تورات شریف میں مذکور تھی اس کو بھی پوشیدہ رکھا) حالانکہ وہ یہ سب کچھ اپنے پاس لکھا دیا کرتے تھے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام پر جو گھسی گھسی آیات واضحہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی تھیں جن میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ بھی تھا۔ اس کو اہل کتاب نے چھپایا اور پوشیدہ رکھا۔ پھر فرماتے ہیں کہ اُلْهٰی سٰی کا عطف ہے البیانات پر اور اس سے عمومی طور پر ہدایت کی سب چیزیں مراد ہیں۔ جن میں حضرت خاتم النبیینؐ پر ایمان لانا اور آپ کا اتباع کرنا بھی شامل ہے۔ اور آیات اگرچہ اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئیں لیکن ان کا حکم سب کے لئے عام ہے یعنی علم وین کا چھپانا ہر جاننے والے کے لئے گناہ ہے۔ (ص ۲۶۷-۲۶۸ ج ۲)

صحیح بخاری ص ۲۲ ج ۱ میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اگر دو آیتیں نہ ہوتیں (جن میں ہم چھپانے کی حدید نہ کرے) تو میں ایک حدیث بھی بیان نہ کرتے پھر انہوں نے مذکور بالا آیات تلاوت فرمائیں اور سنن ابن ماجہ ص ۲۳ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کوئی ایسا علم چھپایا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دینی معاملہ میں نفع پہنچاتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے منہ میں آگ کی لگام لگائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی نازل فرمہ دو آیات بینات اور ہدایت کے چھپانے والوں کے بارے میں فرمایا: **وَلْيَعْلَمِ اللَّهُ وَلْيَعْلَمِ اللَّهُ** (کہ اللہ تعالیٰ ان پر لعنت فرماتا ہے اور دوسرے لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت سمجھتے ہیں) لعنت کا معنی ہے رحمت سے دور کر دینا، اللہ تعالیٰ ان دہائی رحمت سے دور فرماتا ہے اور دوسرے لعنت کرنے والے بھی ان کے لئے بددعا کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوں۔ تفسیر درخشانی ص ۶۲ ج ۱ میں حضرت طحاوی سے نقل کیا ہے کہ لعنت کرنے والوں سے جنات اور انسان اور زمین پر چلنے والے تمام جاندار مراد ہیں پھر فرمایا: **إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَاصْلَحُوا وَبَتُّوا (الآیۃ)** یعنی جن لوگوں نے توبہ کر لی اور اصلاح کر لی اور بیان کر دیا تو میں ان کی توبہ قبول کر لوں گا۔

حق چھپانے اور گمراہ کرنے والوں کی توبہ کی شرائط صاحب روح المعانی لکھتے ہیں **إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا** ای رجعوا عن الکسبان أو عنه وعن سائر ما یجب أن یتاب عنه (ص ۲۸ ج ۲) یعنی وہ لوگ لعنت سے بچ جائیں گے جنہوں نے علم کے چھپانے سے اور ہر اس عمل سے توبہ کی جس سے توبہ کرنا لازم ہے)۔

پھر فرمایا **وَصَلَحُوا** اس کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں **اصلحوا** ما افسدوا بالتدارک فیما یعلق بحقوق الحق والخلق ومن ذلک أن یصلحوا قومهم بالارشاد الی الاسلام بعد الاضلال وان یزیلوا الکلام المحرف ویکتبوا مکانہ ما کانوا ازالوه عند التحریف یعنی توبہ کرنے کے ساتھ اصلاح بھی کریں۔ جہنم کیا تھا اس کو دور کریں حق کے چھپانے کی وجہ سے خالق جل مجدہ اور مخلوق کے جو حقوق تلف ہوئے تھے ان کا تدارک کریں اور جن لوگوں کو گمراہ کیا تھا ان کو اسلام قبول کرنے کی طرف دعوت دیں اور بتادیں کہ ہم نے تم کو حق سے روکا تھا یہ ہے جو ہم اب کبہ رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی کتاب میں جو کچھ تحریف کی تھی اس کو درست کرویں، غلط کو بنادیں اور صحیح کو اس کے قائم مقام کر دیں۔

پھر فرمایا **وَبَتُّوا** اس کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں ای اظہر ما بینہ اللہ تعالیٰ معاینہ (یعنی اللہ تعالیٰ شانہ نے جو کچھ بیان فرمایا تھا اور انہوں نے اس کو چھپا دیا تھا اب اس کو خوب واضح طور پر بیان کریں)۔

نیز صاحب روح المعانی لکھتے ہیں **وَبِیْضِیْنِ الْأُمُورِ** تنصیب التوبۃ یعنی جن لوگوں نے حق کو چھپایا، افساد کیا، لوگوں کو گمراہی پر ڈالا ان کی توبہ اسی وقت پوری ہوگی جب وہ اصلاح بھی کریں اور بیان بھی کریں۔ ان کے قول و فعل سے جو شرابیاں پیدا ہوئیں اور نواسہ خواص میں جو گمراہی پھیلی اس کی تلافی کریں جو حقوق تلف ہوئے ہیں ان کا تدارک کریں۔

یہ بات بہت اہم ہے جس کی طرف لوگوں کو بہت کم توجہ دتی ہے۔ بہت سے آزاد خیال لوگ جو اہل حق کو چھوڑ کر خود مختار مجتہد اور مجتہدین ہاتے ہیں اور مصلحت اور مضمون نگار ہونے کے ذمہ میں خود قلم بکھاتے ہیں ایسے لوگ اہل سنت والجماعت سے ہٹ کر اپنی رائے نکالتے ہیں اور اسی کی اشاعت کرتے ہیں یہ لوگ اگر توبہ کرنے لگیں تو صرف تبتائی میں توبہ کرنا کافی نہیں ہے ان لوگوں پر لازم ہے کہ صاف صاف اعلان کریں اور عوام کو بتائیں کہ فلاں فلاں عقیدہ یا عمل کی جو ہم نے ابستت والجماعت کے مسلک کے خلاف تبلیغ و اشاعت کی ہے وہ غلط

ہے۔ آج کل فتنوں کا دہر ہے۔ بہت سے لوگ صریح کفر اختیار کر لیتے ہیں اور اس کی تبلیغ و اشاعت بھی کرتے رہتے ہیں۔ پھر جب توبہ کرتے ہیں تو چپکے سے توبہ کر کے گھر میں بیٹھ جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر لازم ہے کہ تائبوا و اٰصلحو و یبنوا قیول پر عمل کریں۔

فائدہ اولیٰ جہاں علم دین کا چھپانا گناہ ہے وہاں یہ بات بھی جان لینا ضروری ہے کہ جو شخص واقعی عالم ہو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے واقف و حلال حرام کا علم رکھتا ہو مسائل سے پوری طرح واقف ہو مسئلہ بتانے میں فتویٰ دینے کا تمام اسی شخص کا ہے۔ غلط مسئلہ بتانے کا وبال بھی بہت زیادہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا من سنل علم علم علمہ ثم کتمہ الہجم یوم القیامۃ بلجام من ناو (کہ جس شخص سے تم کی بات پوچھی گئی جسے وہ جانتا تھا پھر اس نے اس کو چھپایا تو قیامت کے دن اس کو آگ کی لگام لگائی جائے گی)۔ (سنن الترمذی ابواب العلم)

اس میں لفظ علمہ جو زیادہ فرمایا ہے یہ اس بات کو واضح کر رہا ہے کہ جو شخص جانتا ہو بتانے کی ذمہ داری اسی کی ہے بے علم اگر وہی بات بتانے کی جرأت کرے گا تو گمراہی کے گڑھے میں گرے گا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا۔

صحیح بخاری میں ص ۱۰۷ ج ۲ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے لوگو! جسے علم کی کوئی چیز معلوم ہو وہ اسے بتاؤ اور جسے معلوم نہ ہو تو "اللہ اعلم" کہہ دو (یعنی اللہ سب سے زیادہ جانتا والا ہے) اس لئے کہ یہ بھی علم کی بات ہے کہ جو کچھ نہ جانتا ہو اس کے بارے میں "اللہ اعلم" کہہ دو اور خود بخود اپنے پاس سے نہ بتاؤ اور متکلف عالم نہ بنو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ۔ (آپ فرما دیجئے کہ میں تم سے اس پر کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا اور میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں)۔

اسی لئے علما نے فرمایا کہ لا ادری نصف العلم یعنی یہ کہہ دینا کہ میں نہیں جانتا یہ آسان علم ہے۔ بہت سے ناقص العلماء بیوقوف دیکھا جاتا ہے کہ ان کے ہاں لا ادری کا خانہ ہی نہیں ہے ہر بات بتانے کو تیار ہیں اور علم پڑھنے بغیر دینی کتابیں لکھتے ہیں غلط مسائل جمع کرتے ہیں اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جب کسی اچھے علم والے ماہر مفتی سے کوئی شخص مسئلہ پوچھتو وہ دہا بھی غور ہی کر رہا ہے لیکن پاس بیٹھنے والے جاہلوں نے بتا کر بات ختم بھی کر دی۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوتا ہے کہ دینی ذمہ داری اور آخرت کے داخلہ کا احساس نہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ اَجْرُهُمْ عَلَى الْفَقِيْهِ اجْرُهُ نَحْمُ عَلَى النَّارِ (یعنی تم میں جو شخص فتویٰ دینے میں زیادہ جری ہے وہ دوزخ میں جانے پر زیادہ جرأت کرنے والا ہے)۔ (سنن الداری ص ۵۳ ج ۱)

وہ حقیقت قرآن کے معنی بتانا یا حدیث کی روایت کرنا یا مسئلہ بتانا بہت بڑی ذمہ داری کی بات ہے۔ حضرت محمد بن المنکدر نے فرمایا کہ باشبہ عالم (جو علم کی باتیں بتاتا ہو) وہ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ بن جاتا ہے۔ اب اس ذمہ داری سے نکلنے کا راستہ سوچو۔ (سنن الداری ص ۵۰ ج ۱) نکلنے کا راستہ یہ ہے کہ انکل سے اور بھر پور علم کے بغیر باتیں نہ بتانے اور جو کوئی بات معلوم نہ ہو، صاف کہہ دے کہ مجھے معلوم نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کو کوئی فتویٰ دیا گیا۔ جو علم اور تحقیق کے بغیر تھا تو اس کا گناہ اسی پر ہے جس نے اسے فتویٰ دیا۔ (سنن الداری ص ۵۳ ج ۱، سنن ابی داؤد ص ۱۵۹ ج ۲)

اولیٰ مسئلہ خوب تحقیق کے بعد بتائیں پھر بھی اگر غلطی ہو جائے تو اپنی غلطی کا اعلان کریں اور جسے فتویٰ دیا ہو اسے تلاش کریں اور بتائیں کہ ہم سے غلطی ہو گئی، صحیح مسئلہ یہ ہے۔

فائدہ ثانیہ علم کی باتوں کو چھپانا گناہ ہے جیسا کہ مذکورہ بالا آیت اور حدیث سے معلوم ہوا لیکن بتانے والے کو یہ بھی خیال رکھنا

نہ برفی ہے کہ سائل جو پہچہ پوچھ رہا ہے وہ اس کے جواب دیکھنے کا اہل ہے بھی یا نہیں۔ اور اگر سمجھ بھی لے گا تو اس سے مطلب کیا نکالے گا اور لوگوں میں یہ بات مشہور رہے گی تو وہ اس کو سمجھ پائیں گے یا نہیں اور کسی فتنہ میں تو نہ پڑ جائیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو وہ باتیں بتاؤ جو جانتے پہچانتے ہو (ان کی عقل فہم سے اونچی باتیں کرو گے تو وہ اللہ و رسول کی تکذیب کریں گے) کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی جائے۔ (بخاری ص ۲۴ ج ۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سعاد رضی اللہ عنہ سے فرمایا: مَنْ لَقِيَ اللَّهَ لَا يَشْرُكَ بِهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ (کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ اس نے شرک نہ کیا، تو جنت میں داخل ہوگا)۔

انہوں نے عرض کیا لوگوں کو اس کی خوشخبری نہ دے دوں؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں، مجھے ڈر ہے کہ لوگ (اسی پر) بھروسہ کر بیٹھیں گے (اور اعمال چھوڑ دیں گے)۔ (صحیح بخاری ص ۲۴ ج ۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اِنَّ الَّذِي يَفْتِي النَّاسَ فِي كُلِّ مَا يَسْتَفْتِي لَمَجْنُونٍ۔ (جو شخص لوگوں کے ہر استفتاء کا جواب دے وہ دیوانہ ہے)۔ (سنن دارقطنی ص ۵۶ ج ۱، ورواد الطبرانی فی الکبیر کما فی جمیع الفوائد)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارًاۙ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ

پس جب لوگوں نے کفر اختیار کیا، وہ اس حال میں مر گئے کہ وہ کافر تھے سو یہ دو لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور

اٰجْمَعِيْنَ ۝۱۷ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝۱۸

تمام لوگوں کی۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان سے عذاب ہٹا نہ کیا جائے گا، اور نہ ان کو سبابت دی جائے گی۔

کفر پر مرنے والوں پر لعنت اور عذاب

اس آیت شریفہ میں کفر پر مرنے والوں کی سزا کا ذکر ہے آیت کا عموم ان یہود کو بھی شامل ہے جو کفر پر جتے رہے اور دوسروں کو بھی کفر پر ہمائے رہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت اور صفت کو چھپایا اور حق کو قبول نہ کیا اور نہ دوسروں کو قبول کرنے دیا، اور یہود کے علاوہ دوسرے تمام کفار انصاری مشرکین منکرین خدا منکرین رسالت انبیاء علیہم السلام اور منکرین عقائد اسلامیہ اور منکرین ضروریات دین اور ختم نبوت کے منکر اور تمام ملاحدہ اور زنادقہ اور وہ لوگ جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا پھر کافر ہو گئے ان سب کو آیت کا عموم شامل ہے۔ حاصل یہ ہے کہ تمام کافر جو کفر پر مر جائیں ان سب پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور سب فرشتوں کی اور سب انسانوں کی، گزشتہ آیت کی تفسیر میں بتا دیا گیا ہے کہ لعنت خدائے پاک کی رحمت سے دوری کو کہتے ہیں۔ سب سے بڑی دوری یہ ہے کہ دوزخ میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جائے کافروں کے لئے یہ سب سے بڑی لعنت ہے اس کے لئے خالدين فیہا فرمایا۔ حضرت ابوالعالیہ نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا خالدين فی جہنم فی اللعنة یعنی وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں داخل ہوں گے اور لعنت میں رہیں گے۔ (درمنثور ص ۱۶ ج ۱)

شاید کسی ذہن میں یہ خیال وارد ہو کہ کافر تو ایک دوسرے پر لعنت نہیں کرتے پھر ان سب لوگوں کی لعنت کیسے ہوئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اس دنیا میں لعنت نہیں کرتے مگر آخرت میں سب ایک دوسرے پر لعنت کریں گے۔ سورہ معنکہ بت میں ہے۔ ثُمَّ يَوْمُ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمُ بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُمُ بَعْضًا وَمَأْوٰتُكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن تٰصْبِرٍ (یعنی پھر قیامت کے دن تم ایک

دوسرے پر برگشتہ ہو جائے گا اور ایک دوسرے پر لعنت کرنے کا اور تمہارا اللہ کا نہ دوزخ ہو گا اور تمہارا کوئی حمایتی نہ ہو گا

سورۃ اغراف میں ہے کَلَّمَا دَخَلْتَ أُمَّةً لَعَنْتُ أَخْبِيهَا حَتَّىٰ إِذَا أَذْخَوْا فِيهَا جَمِيعًا قَالَتْ أَخْرَاهُم لَأُولَٰئِكَ رَبَّنَا هُوَ لَآءِ اَصْلُونَا فَاتَّيَهُمْ عَذَابًا ضَعُفًا مِّنَ النَّارِ (جب بھی کوئی جماعت دوزخ میں داخل ہوئی تو وہ دوسری جماعت پر لعنت بھیجے گی۔ یہاں تک کہ جب سب دوزخ میں آئے دوسرے کو پاس سے تو جہد والے پیٹے والوں کے بارے میں نہیں گے کہ اب ہمارے رب ان لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا۔ لہذا ان کو آگ کا دہلنا عذاب دے)۔

اور سورۃ احزاب میں فرمایا: وَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا اَطْعَمَنَا سَادَتَنَا وَكُفِّرْنَا نَا فَاَصْلُونَا السَّبِيلَا رَبَّنَا اَنْتَهُمْ ضَعُفَيْن مِّنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْتَهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا (اور وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم نے اطاعت کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑوں کی، سوا انہوں نے ہم کو راہ سے بھٹکا دیا اے ہمارے رب! ان کو ذہری سزا دے جس سے ان پر بڑی لعنت فرما)۔ تفسیر درمفثور میں ہے کہ حضرت ابو العالیہ نے فرمایا کہ قیامت کے دن کافر کھڑا کر دیا جائے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ پھر اس کے فرشتے لعنت کریں گے۔ پھر تمام انسان اس پر لعنت بھیجیں گے۔ پھر فرمایا: لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ (یعنی ان لوگوں سے عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا)۔

سورۃ نحل میں فرمایا: الْقٰذِبِيْنَ كَفَرُوْا وَضَلُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكَ اِهْلَاَهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ (یعنی جو لوگ کفر کرتے تھے اللہ کی راہ سے روکتے تھے ان کے لئے ہم ایک سزا پر دوسری سزا، مقابلہ ان کے فساد کے بڑھا دیں گے)۔

سورۃ زخرف میں فرمایا: اِنَّ الْمُسْجِرِيْنَ فِيْ عَذَابٍ جَهَنَّمَ خَالِدُوْنَ لَا يُفْتَرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُّبْلِسُوْنَ (بلاشبہ مجرمین جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے، ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ اس میں ناامید ہو کر بڑے رہیں گے)۔

سورۃ مؤمن میں فرمایا: وَقَالَ الْاٰمِنِيْنَ فِيْ النَّارِ لَعْنَةُ جَهَنَّمَ اذْغَوْا رَبُّكُمْ يُخَفِّفُ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ قَالُوْا اَوْ لَمْ يَكُنْ فَاَبَيْنَاكُمْ رَّسُلًا بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا بَلٰى قَالُوْا فَاذْغَوْا وَاَمَّا دُعَاۗءُ الْكَافِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ (اور جو لوگ دوزخ میں ہوں گے جہنم کے داروغہوں سے کہیں گے کہ اپنے رب سے تم دعا کرو ایک دن ہمارا عذاب ہلکا فرمادے، وہ کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہارے رسول کھلے کھلے دلائل لے کر نہ آئے تھے وہ کہیں گے ہاں آئے تھے۔ داروغہ کہیں گے کہ پھر تم ہی دعا کرو اور کافروں کی دعا نہیں ہے مگر بے اثر)۔

آخر میں فرمایا: وَلَا هُمْ يُنظَرُوْنَ (اور ان کو مہلت نہ دی جائے گی)۔ بہت افسوس دہی جاتی ہے جسے اپیل کرنے کا موقع دیا جائے۔ کافروں کو بہر حال دائمی عذاب میں رہنا ہے کسی طرح کی ان کے لئے کوئی مہلت نہیں دی جائے گی نہ ان کو کسی طرح کی معذرت خواہی کی اجازت دی جائے گی۔

سورۃ مہملات میں فرمایا: هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْظِلُّوْنَ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْبُدُوْنَ وَنَلَّ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِيْنَ (یہ دن ہے جس میں وہ نہ بولیں گے اور نہ ان کو اجازت دی جائے گی کہ عذر پیش کریں۔ ہلاکت ہے اُس دن جھٹلانے والوں کے لئے)۔

لعنت کرنے سے متعلقہ مسائل..... مسئلہ عام طور سے یوں تو کہہ سکتے ہیں کہ جہنم پر اللہ کی لعنت اور ظالموں پر اللہ کی لعنت لیکن کسی خاص شخص کو مقرر کر کے یہ کہنا جائز نہیں کہ وہ ملعون ہے خواہ مومن ہو یا کافر، خاص طور پر معین کر کے صرف اسی شخص پر لعنت بھیج سکتے ہیں جس کا کفر پر مرنا یقینی ہو جیسے فرعون، ابولہب، ابوجہل وغیرہم، جو شخص اسی دنیا میں موجود ہے اور حالت کفر میں ہے اس کو بھی متعین طریقہ پر ملعون کہنا جائز نہیں کیونکہ یہ یقین نہیں ہے کہ وہ کفر پر مرے گا، بہت سے لوگ اس میں بے احتیاط ہوتے ہیں نہ صرف کافروں کو بلکہ مسلمانوں کو ملعون لعین کہہ دیتے ہیں۔ بچوں کو پڑھانے والے اساتذہ کی زبان اس میں زیادہ کٹلی ہوئی ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا کہ بالمشہد جب وہی شخص کسی پر لعنت کرے۔ لعنت آسمان کی طرف چڑھ جاتی ہے۔ مگر آسمان کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں پھر زمین کی طرف اتار دی جاتی ہے۔ زمین کے دروازے بھی بند کر دیئے جاتے ہیں پھر وہی شخص بائیں اپنا راستہ دیکھتی ہے جب وہی جگہ نہیں پاتی تو اس پر لعنت جاتی ہے جس پر لعنت نہیں گئی ہے۔ مگر وہ اس کا اہل تھا تو اس پر پڑ جاتی ہے اور اگر اس کا اہل نہیں تھا اسی پر لوٹ جاتی ہے جس نے لعنت کے لفظ کو ان سے نکالے تھے۔ (سنن ابی داؤد کتاب الادب ص ۳۱۶ ج ۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص کی چادر ہوائے بنادی۔ اس نے یہ دعا پڑھتے ہوئے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس پر لعنت نہ کر۔ کیونکہ وہ تو اللہ کے حکم کے مطابق چلتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ جو شخص کسی چیز پر لعنت کرے اور وہ چیز اس کی اہل نہ ہو تو لعنت کرنے والے ہی پر لعنت اوتار جاتی ہے۔ (سنن ابی داؤد کتاب الادب ص ۳۱۶ ج ۲)

مسئلہ... لعنت کے ہم معنی جو بھی الفاظ ہوں ان کا استعمال کرنا بھی اسی وقت جائز ہے جبکہ اصول کے مطابق اس پر لعنت بھیجنا جائز نہ ہو۔ لفظ مردود بھی ماعون کے معنی میں ہے اور پچھکار بھی اردو میں لعنت کے معنی میں آتا ہے۔ مورتوں کو لعنت اور اس کے ہم معنی لفظ استعمال کرنے کی بہت زیادہ عادت ہوئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ میدان الفطر یا میدان النخی کی نماز کے لئے تشریف لے جا رہے تھے مورتوں پر آپ کا گزر ہوا آپ نے فرمایا کہ اے مورتو! تم صدقہ کرو جسے وہ رخ میں تمہاری تعداد زیادہ دکھائی گئی ہے۔ مورتوں نے عرض کیا کیوں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا کہ تم لعنت نہ کرو مورتوں کی ناشکری کرتی ہو۔ (بخاری و مسلم ص ۱۳ ج ۱)

وَالْهُكْمُ إِلَهُ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ

اور تمہارا رب ایک ہی ہے۔ اس سے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ رحیم ہے رحیم ہے

معبود حقیقی ایک ہی ہے

اس آیت میں خالق تعالیٰ شانہ کی توحید بیان فرمائی ہے اور شرکین کی تردید فرمائی ہے۔ فرمایا کہ تمہارا رب واحد ایک ہی معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اپنی ذات صفات میں یکتا ہے اور تمہارا ہے۔ اور ایک ہے۔ وہ بہت مہربان ہے اور بہت زیادہ رحم فرمانے والا ہے، اس کی کوئی نظیر نہیں اور اس کا کوئی ہمسر اور برابر نہیں، اور وہ واحد ہے، واحد ہے، وحدہ لا شریک ہے۔ ساری مخلوق تمہارا ہی نے پیدا فرمایا۔ لہذا وہی واحد معبود ہے ساری مخلوق پر رحم فرماتا ہے۔ لوگوں نے اس کے علاوہ جو دوسرے معبود بنائے ہیں وہ جیسے اے معبود ہیں ان میں سے کوئی بھی مستحق عبادت نہیں نہ وہ خالق ہیں نہ مالک ہیں نہ رحمن ہیں نہ رحیم ہیں۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي

بالشہادۃ ان میں در زمین کے پیر فرمانے میں اور رات و دن کے امتحان میں اور کشتیوں میں جو کہ چلتی ہیں سمندر میں

فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ

... زمین سے کہ جو وہاں کو نفع دیتا ہے اور جو پتہ نازل فرمایا اللہ نے آسمان سے یعنی پانی پھر زندہ فرمایا اس سے زمین کو

بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ ۖ وَتَصْرِيفِ الرِّيحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ

ان میں سے ہر دھڑے کے بعد اور پھیلانے والے زمین میں ہر قسم کے چلنے والے جانور اور ہواؤں کے گردش کرنے میں اور بارشوں میں

بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۲۰﴾

جو آسمان و زمین کے درمیان غریب و بے نشان چیزیں ان قوم کے لئے جو سمجھ سکتے ہیں۔

توحید کے دلائل کا بیان

تفسیر درمناثر ص ۱۶۳ میں ہے کہ جب آیت والیفنحہم اللہ واحد نازل ہوئی تو مشرکین کو تعجب ہوا اور کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے ہیں کہ جو ہر صفت ایک ہی ہے اگر وہ سب سے ہیں تو کوئی نشانی دکھائیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور اپنے خالق و مالک ہونے کا اور کائنات میں تصرف فرمانے کا تذکرہ فرمایا۔ مشرک بھی جانتے ہیں کہ یہ تصرفات اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کرتا۔ سمجھ سے کام لیں تو اللہ تعالیٰ کو احدا ماننے کے سوا کوئی راستہ نہیں اور حضرت عیسیٰ سے منقول ہے کہ جب مدینہ منورہ میں آیت والیفنحہم اللہ واحد نازل ہوئی تو مکہ میں افکار قریش نے کہا یہ کیسے ممکن ہے کہ سب لوگوں کا ایک ہی معبود ہو اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت ان فی حلق السموات والأرض (آخر تک) نازل فرمائی۔ ان آیات میں غور کریں تو سمجھ میں آ جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہی معبود ہے اور واحد ہے اور وہ ہر چیز کا معبود ہے اور ہر چیز کا خالق ہے۔ (ایضاً ص ۱۷۵) مشرکین کا ٹیپ طریقہ تھا اور اب بھی ہے کہ پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے رزق دیا اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی پرورش اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے وہ الہ واحد وہ بتا ہے کہمانے پینے کی چیزیں وہ پیدا فرماتا ہے لیکن مشرکین بہادت و مہموں کی کرتے ہیں اور ٹیپ تر بات یہ ہے کہ جب مشرکین مکہ کے سامنے یہ بات آئی کہ معبود صرف ایک ہی ہے۔ تو تعجب سے کہنے لگے اجعل الالہة الہا واحدا ان هذا لشیء عجبا (کیا تمام معبودوں کو ایک ہی معبود بنا دیا یا شاید یہ تو ہمارے تعجب کی بات ہے) دنیا بھی ٹیپ جگہ ہے جو بھی چیز روانہ پا جائے خواہ کیسی ہی باطل اور بُری ہو روانہ کی وجہ سے لوگ اسے اچھی سمجھتے لگتے ہیں۔ انسانوں پر فرض ہے کہ وہ صرف اپنے خالق مالک کی عبادت کریں۔ اس کے علاوہ کسی دوسرے کو معبود نہ بنائیں یہی انسانوں کا دین ہے جو ان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام نے بتایا اور اختیار کیا اور ان کے بعد تمام انبیاء کرام علیہم السلام اس کی دعوت دیتے رہے۔ جب لوگوں میں شرک پھیل گیا تو اسی سے مانوس ہو گئے اور توحید کی دعوت پر توجہ کرنے لگے۔

مذکورہ بالا آیت میں چند ایسی چیزوں کا ذکر ہے۔ جو سب کے سامنے ہیں اور سب کو اقرار ہے کہ یہ ہماری چیزیں صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت اور قدرت اور تصرف سے وجود میں آئی ہیں اور اس کا بقاء اور وجود صرف اسی کی مشیت سے ہے۔ کسی دوسرے کو ذرہ بھر بھی ان کے وجود و بقاء میں دخل نہیں۔

آسمان و زمین کی تخلیق..... سب سے پہلے آسمان و زمین کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا ان کی تخلیق صرف اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے۔ سورہ زمر میں فرمایا وَلِلّٰهِ سُلْطٰنٌ مِّنْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لِيَقُوْلَ اللّٰهُ (اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین و وجود ہمیں گے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا)۔ سورہ احقاف میں فرمایا اَقْلٰ اَرٰءَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْفُوْا فِیْ مَاذَا حَلَفْتُمْ اِیْنَ اَوْفُوْا اَمْ لَهُمْ شُرَکَآءُ فِی السَّمٰوٰتِ اِیْتُوْنِیْ بِکِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَا اَوْ اَمْرًا مِّنْ عِندِہٖ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (ترجمہ) آپ کیسے

کہ یہ تو بتاؤ جن چیزوں کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو مجھ کو یہ دکھاؤ کہ انہوں نے کون سی زمین پیدا کی یا ان کا آسمانوں میں کچھ سما جھا ہے۔ میرے پاس کوئی کتاب جو اس سے پہلے کی ہو یا اور کوئی مضمون منقول لے آؤ اگر تم سچے ہو۔

رات دن کا آنا جانا..... آسمان وزمین کی پیدائش کا ذکر فرمانے کے بعد اختلاف اللیل والنہار یعنی رات دن کے آگے پیچھے آنے ایک کے کم ہونے دوسرے کے زیادہ ہونے کا تذکرہ فرمایا۔ سورہ فرقان میں ارشاد ہے وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنۢ أَرَادَ أَنۡ يَسْكُنَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا (اور وہی ذات پاک ہے جس نے بنا یا رات دن کو آگے پیچھے آنے والا اُس شخص کے لئے جو نصیحت حاصل کرنے کا ارادہ کرتے یا ارادہ کرتے شکر گزار ہونے کا)۔ سورہ زمر میں فرمایا خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ يَكُوِّرُ اللَّيْلُ عَلَى النَّهَارِ وَيُكُوِّرُ النَّهَارُ عَلَى اللَّيْلِ وَسَحَابَ السَّمٰوٰتِ وَالْقَمَرَ (پیدا فرمایا آسمانوں و اور زمین و حق کے ساتھ، وہ لپٹتا ہے رات کو دن پر، اور لپٹتا ہے دن کو رات پر، اور اس نے سحر فرمایا سورج کو اور چاند کو)۔

سورہ قاطر میں فرمایا: يُولِجُ اللَّيْلُ فِي النَّهَارِ وَيُؤَلِّجُ النَّهَارُ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلًّا يَجْعَلُنِي لِمَا يَشَاءُ ذَلِكُمْ لِلّٰهِ رَبِّكُمۡ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ

(وہ داخل فرماتا ہے رات کو دن میں اور داخل فرماتا ہے دن کو رات میں اور اس نے مسخر فرمایا سورج کو اور چاند کو ہر ایک جتنا ہے اپنی مقررہ اجل کے لئے، یہ اللہ ہے تمہارا رب ہے اُسی کے لئے ملک ہے اور جن لوگوں کو تم اس کے علاوہ پکارتے ہو وہ کچھ بھور کی گتھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں)۔

رات اور دن کا وجود میں آنا، کم و بیش ہونا، کسی علاقہ میں کسی زمانہ میں رات کا زیادہ ہونا اور کسی علاقہ میں کسی زمانہ میں دن کا زیادہ ہونا سب اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ نظام کے تحت ہے کسی کو اس میں ذرا بھی دخل نہیں سب اہل عقل اس کو جانتے اور مانتے ہیں۔

سمندروں میں جہازوں کا چلنا..... پھر تیسری نشانی کا ذکر فرمایا: وَفِى الْفُلِّ الَّذِى تَجْرِى فِى الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ (یعنی جو کشتیاں سمندر میں چلتی ہیں وہ سامان لے کر جس سے لوگ نفع اٹھاتے ہیں) ان کشتیوں کا چلنا بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے سمندر خود اللہ تعالیٰ کی بڑی مخلوق ہے اس میں طرح طرح کے جانور اور بہت سی چیزیں ہیں جو انسانوں کے کام آنے والی ہیں۔ سمندروں نے ایک براعظم کو دوسرے براعظم سے ملا رکھا ہے۔ اگر سمندر نہ ہوتے تو خشکی ہی کے ذریعہ دور و نزدیک کے سامان کو منتقل کرنا پڑتا۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر میں کشتیاں جاری فرما دیں اگر اللہ چاہتا تو کوئی کشتی سمندر کی سطح پر نہ چلتی بلکہ ڈوب کر رہ جاتی۔ ایک سوئی سمندر کی سطح پر نہیں ٹھہر سکتی۔ لیکن ہزاروں من کے جہاز اور کشتیاں سمندر کی سطح پر ہزاروں من سامان لے کر چلتی ہیں۔ یہ سامان یورپ سے ایشیا اور ایشیا سے یورپ تک جاتا ہے۔ ایک براعظم کے لوگ دوسرے براعظم کی پیداوار سے منتفع ہوتے ہیں باوجودیکہ وہانی جہازوں کی سروس بہت زیادہ ہو گئی ہے اور ٹرینیں بھی کثیر تعداد میں چلنے لگی ہیں لیکن سامان کے نقل و حمل کے لئے آج تک بحری جہازوں سے بے نیازی نہیں ہے۔

سورہ نحل میں فرمایا: وَتَرَى الْفُلَّ مَوْجًا يَخْرُجُ مِنْ تَحْتِهَا مَاءٌ مِّمَّنۢ يَحْمِلُهَا وَيُغْرِقُهَا لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ سمندر میں پانی کو چیرتی ہوئی چلی جاتی ہیں اور تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو اور تاکہ شکر کرو)

سمندر کا سفر ہے نیچے پانی ہے، اوپر آسمان ہے، بھاری بھر کم جہاز، دریا کا تلاطم، ہواؤں کے تھپیڑے اور ڈوبنے کا ڈر۔ اس حالت میں اللہ تعالیٰ حفاظت فرماتے ہیں، ڈوبنے سے بچاتے ہیں، جو سامان لدا ہوا ہے اور جو لوگ اس میں سوار ہیں صرف اللہ کی حفاظت سے منزل

تعمد و تک پہنچتے ہیں جب سمندر میں طغیانی آ جائے تو اُرتے ہیں اور لرزتے ہیں اور اُس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر نظر نہیں جاتی اور صرف اسی کو پکارتے ہیں۔ سارے باطل معبودوں کی یادیں ہی بھری کی بھری رہ جاتی ہے۔ سورۃ عنکبوت میں فرمایا: **إِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلِ دَعَوْا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ**۔ لِيُخَفِّرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ وَلِيَنْتَعِمُوا فَنُسْوَفَ يَغْلِبُونَ (پھر جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں پھر جب وہ ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو ذرا ہی شرک کرنے لگتے ہیں تاکہ وہ باقدری کریں اُس نعمت کی جو ان کو ہم نے دی اور تاکہ وہ نفع حاصل کر لیں سو نفع دے دیا جائے گا)۔

یہ شرک انسان کا عیب مزاج ہے کہ جب مصیبت پڑتی ہے تو صرف اللہ کو یاد کرتا ہے اور اسی کو پکارتا ہے اور جب مصیبت سے چھوٹ جاتا ہے تو شرک کرنے لگتا ہے اور غیر اللہ کو پکارتا ہے اور اس کی عبادت میں لگ جاتا ہے۔

بارش کا نازل فرمانا..... چوتھی نشانی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: **وَمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ كَمَا تَبْتَغُونَ**۔ آسمان سے جو پانی اتار رہا ہے اور اس کے ذریعہ مرد و زن کو زندہ فرمایا یہ بھی اللہ تعالیٰ کے خالق، مالک اور واحد ہونے کی نشان دہی میں سے ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ پانی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور یہ نعمت بہت زیادہ ہے کہ رُڑ ہاں انسان اور چوپائے اور درخت اس سے سیراب ہوتے ہیں۔ لیکن ختم ہونے نہیں پاتا بارشیں ہوتی ہیں، مٹی پانی برساتا ہے، خشک زمینیں اس سے سیراب ہوتی ہیں۔ کھیتیاں ہری بھری ہوتی ہیں، باغات سرسبز و شاداب ہوتے ہیں، تالابوں میں پانی جمع ہوتا ہے مہینوں انسان اور جانور اس کو اپنے خرچ میں لاتے ہیں بہت سے علاقوں میں بارش کے سوا پانی کا کوئی انتظام ہی نہیں۔ کنوئیں میں تو وہ بھی بہت گہرے اور کم پانی والے ہیں۔ پانی پینے، کپڑے دھونے اور کھیتوں کو سیراب کرنے کے لئے، بارش کے لئے اللہ تعالیٰ سے لو لگائے بیٹھے رہتے ہیں۔ جب بارش ہوتی ہے تو جان میں جان آتی ہے جن علاقوں میں میٹھے پانی کی نہروں سے سیرابی ہوتی ہے وہ بھی آسمان ہی کا برسیا ہوا ہے۔ کیونکہ آسمان کی بارشیں پہاڑوں پر برف کی صورت میں نچھدر جاتی ہیں پھر وہ برف پگھل پگھل کر نہروں میں آتا ہے۔ سورۃ تھوری میں فرمایا: **وَهُوَ الَّذِي يُنْزِلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا يَفْطُلُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ** (اور وہی ہے جو بارش نازل فرماتا ہے اس کے بعد کہ وہ ناامید ہو چکے اور وہ پھیلاتا ہے اپنی رحمت کو اور وہی کام بنانے والا، سب تعریفوں کے لائق ہے)۔

سورۃ حم سجدہ میں فرمایا: **وَمِنْ آيَاتِهِ أَنزَلَ عَلَى الْأَرْضِ غَاسِقَةً فَلَمَّا أَتَتْهَا حَسَّتْهُنَّ يَمِينًا وَبِئْسَ الَّذِي أَحْيَاهَا لَمُخِي الْمَوْتِ ط إِنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ** (اور اس کی نشان دہی میں سے ایک یہ ہے کہ تُو زمین کو دیکھتا ہے کہ ذبی ہوتی پڑی ہے پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے بلاشبہ جس نے اس زمین کو زندہ فرمایا وہی مردوں کو زندہ کر دے گا بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے)۔

سورۃ روم میں فرمایا: **فَانظُرْ إِلَى آثارِ اللَّهِ كَيْفَ يُخْلِقُ الْإِنْسَانَ يَلْعَبُ الْأَرْضَ يَلْعَبُ مَوْنِعًا ط إِنَّ ذَٰلِكَ لَمُنْخَى الْمَوْتِ ط وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ** (سورۃ حجت الہی کے آثار دیکھو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے مُردہ ہونے کے بعد کس طرح زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے)۔

زمین کا خشک ہو جانا اور اس کے درختوں کا سوکھ جانا اس کو زمین کی موت سے تعبیر فرمایا اور اس کی سرسبز و شادابی کو حیات سے تعبیر فرمایا۔

جانوروں کا پیدا فرمانا اور زمین میں پھیلانا..... اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے پانچویں نشانی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: **وَبَشِّرِ الصَّالِحِينَ** صلیح نکل دآبۃ کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں پھیلا دیئے ہر قسم کے چلنے پھرنے والے جانور۔ اس کا عطف انزل یہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور اخیسی یہ بھی۔ کما ذکرہ صاحب الروح عربی لغت کے اعتبار سے ذآبۃ ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جو زمین پر چلے پھرے اگرچہ عرف عام میں بڑے بڑے جانور گائے، بیل، بھینس، اونٹ وغیرہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ زمین پر چلنے پھرنے والے طرح طرح کے جانور بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ کس قدر کثیر تعداد میں مختلف اجناس و اصناف کے جانور پیدا فرمائے ہیں۔ ان کی طبیعتیں الگ الگ ہیں۔ صورتیں الگ الگ ہیں۔ منافع مختلف ہیں اور ان سب پر انسان کو مسلط فرما دیا ہے۔ خوب زیادہ غور کیا جائے اور ایک ایک جانور کے خواص پر نظر ڈالی جائے تو بے شمار قدرت البیہ کے مظاہر سمجھ میں آ جاتے ہیں۔

ہواؤں کو مختلف رُخوں پر چلانا..... چھٹی نشانی ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَتُصَوِّرُف الرِّیَاحَ یعنی ہواؤں کو چلانے پھرانے ان کے رُخوں کو بدلنے میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ جیسا چاہتے ہیں ہواؤں میں چلتی ہیں جس رُخ پر اللہ چاہتے ہیں اوتھری باقی ہیں۔ تیز چلنے کا حکم: ہوا تیز چلتی ہیں اور آہستہ چلنے کا حکم: ہوا آہستہ چلتی ہیں عذاب کا فوراً یہ بھی فتنی ہیں اور رحمت کا سبب بھی۔ اللہ تعالیٰ کے ہواؤں کی قدرت نہیں ہے کہ ان کا رخ بدل دے یا ان کی تیز رفتاری کو کم کر دے یا سست رفتاری کو تیز کر دے۔ سورہ روم میں فرمایا: وَمِنْ اٰیَاتِہٖ اَنْ یُّرْسِلَ الرِّیَاحَ مُبَشِّرَاتٍ وَلِیَذِیْقَنَّکُمْ مِّنْ رَّحْمَہٖ وَلِیَجْعَلَی الْفُلُکَ بِاَمْرِہٖ وَلِیَلْبِغُوا مِنْ فَضْلِہٖ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ (یعنی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا ہے جو خوشخبری دیتی ہیں اور تاکہ تم کو اپنی رحمت چکھاوے اور تاکہ کشتیاں اس کے حکم سے چلیں اور تاکہ اس کے فضل کو تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔) قوم عاد پر اللہ تعالیٰ نے عذاب دینے کے لئے ہوا بھیج دی وہ آندھی بن کر سات رات اور آٹھ دن چلتی رہی اپوری نافرمان قوم ملاک اور بر باد ہو گئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے اس کو نفرت بنا دیا۔ صبح کو ایک ماہ کی مسافت تک لے جاتی تھی اور شام کو بھی ایک ماہ کی مسافت پر لے جاتی تھی۔ غزوہ خندق میں اللہ تعالیٰ شانہ نے آندھی بھیج دی جس نے دشمنان اسلام کو واپس ہونے پر مجبور کر دیا۔ ان کے خیمے اکھڑ گئے، ہانڈیاں الٹ گئیں، اُن کے چہرے مٹی سے آٹ گئے۔ سخت تیز اور سخت ٹھنڈی ہوا تھی جس کی وجہ سے بدحواس ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

سورۃ احزاب میں ارشاد فرمایا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا بَعَثَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ بِذِجَارٍ أَنْتُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رَحْمَةً وَجُئْتُمْ بِهَا** (اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی نعمت کو جبکہ آگے تمہارے پاس لشکر، سوہم نے بھیج دیا ان کے اوپر ہوا کہ اوپر ایسے لشکر کو جسے تم نہیں دیکھ رہے تھے)۔ صحیح بخاری ص ۱۴۱ ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نصرت بالصبا و اهلک عدا بالبدور یعنی صبا کے ذریعہ میری مدد کی گئی اور قوم عدا بدور کے ذریعہ ہلاک کی گئی (صبا اور بدور ہواؤں کے نام ہیں)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ہوا رحمت لے کر آتی ہے اور عذاب لے کر آتی ہے جب تم اس کو دیکھو تو اسے بُرا نہ کہو اور اللہ تعالیٰ سے اس کی خیر کا سوال کرو اور اللہ تعالیٰ سے اس کے شر سے پناہ مانگو۔ (سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۳۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب: **وَاِذَا جِئْتِیْ تَحِیُّیْ تَیْ اَوْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم یُؤْمِنُوْنَ** (اللّٰہمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَهَا وَخَیْرَ مَا فِیْہَا وَخَیْرَ مَا اُرْسِلْتُ بِہٖ وَآخِرُ ذٰلِکَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِیْہَا وَشَرِّ مَا اُرْسِلْتُ بِہٖ) (اے اللہ میں آپ سے اس کی خیر کا اور جو کچھ اس میں ہے اس کی خیر کا اور جو کچھ یہ لے کر بھیجی گئی اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور میں آپ کی پناہ لگتا ہوں)

ہوں اس کے شر سے اور جو کچھ اس میں ہے اس کے شر سے اور جو کچھ یہ لیکر بھیجی گئی ہے اس کے شر سے)۔ (صحیح مسلم ص ۲۹۹ ج ۱)
 بادلوں کی تسخیر..... ساتویں نشانی ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرَاتِ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ (اور بادلوں میں نشانی ہے جو مسخر ہیں آسمان اور زمین کے درمیان) بادلوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان و زمین کے درمیان مسخر فرمایا کہ یہ پانی بھر بھر کر لاتے ہیں جب بارش ہوتی ہے تو ان سے اندازہ دو جاتا ہے کہ بارش ہونے والی ہے۔ ان کو دیکھ کر لوگ اپنا انتظام کر لیتے ہیں اور پانی سے بھرے ہوئے بادل ابھر ہی جاتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے۔

سورۃ اعراف میں فرمایا: وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ بُشْرًا لِّبَشَرٍ اِذْنًا يُدْنِي رَحْمَتَهُ ط حَتَّىٰ اِذَا أَقْلَتْ سَحَابًا ثِقَالًا يُنْفِثْهُ لِبَلَدٍ مَّيْسَرًا فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَاَخْرَجْنَا بِهِ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ ط كَذٰلِكَ نُفَخِّرُكَ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (اور وہ ایسا ہے کہ اپنی رحمت سے پہلے بادوں کو بھیجتا ہے جو وہ خوش کر دیتی ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادلوں کو اٹھا لیتی ہیں تو ہم اس بادل کو کسی خشک سرزمین کی طرف بائیں دیتے ہیں پھر اس کے ذریعہ پانی برساتے ہیں پھر اس پانی سے برقم کے پھل نکالتے ہیں۔ یوں ہی ہم مریوں کو نکال کھڑا کریں گے تاکہ تم سمجھو)

بادلوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو میدان تیرہ میں سایہ عطا فرمایا۔ بادل ان کے ساتھ ساتھ چلتے تھے، اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت اور تصرف سے بادلوں کا ہلکا بھاری ہونا، بہت زیادہ بادلوں کا آ جانا، بالکل ختم ہو جانا، نظروں کے سامنے دو تار جتا ہے۔ سب اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ قوم عاد پر عذاب آنے کی ابتدا اسی طرح ہوئی تھی کہ غمرہ دراز سے بارش نہ ہوئی تھی اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ بادل ظاہر ہو گئے۔ انہوں نے سمجھا کہ بادل بارش برسائے گا۔ سخت گرمی کی وجہ سے جب میدان میں نکل کھڑے ہو گئے تو بجائے بارش کے سخت آندھی آگئی جس کی وجہ سے وہ بالکل تہس نہس ہو کر رہ گئے۔ صحیح بخاری ص ۱۵ ج ۲ میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی بادل یا دوا دیکھتے تھے تو اس کا اثر آپ کے چہرہ مبارک میں ظاہر ہو جاتا تھا۔ حضرت عائشہ نے ایک مرتبہ عرض کیا یا رسول اللہ! لوگ جب بادل دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اس امید پر کہ بارش ہوگی اور میں آپ کو دیکھتی ہوں کہ جب آپ کے سامنے بادل آ جائے تو آپ کے چہرہ مبارک میں پریشانی محسوس ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا، اے عائشہ! مجھے کیا اطمینان ہے اس میں عذاب ہو۔ ایک قوم کو دوا کے ذریعہ عذاب دیا گیا۔ جب انہوں نے عذاب کو دیکھا (جس کی ابتداء بادل ظاہر ہونے سے تھی) تو انہوں نے کہا: هَذَا عَذَابٌ مُّسْطَرٌّ عَلَيْنَا (کہ یہ بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا) لیکن وہ ہوا کی صورت میں سخت عذاب تھا۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ جب آسمان میں کچھ بادل وغیرہ معلوم ہوتا تھا تو آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کا رنگ بدل جاتا تھا آپ کبھی اندر جاتے کبھی باہر آتے کبھی آگے بڑھتے کبھی پیچھے ہٹتے جب بارش ہوجاتی تو آپ کی وہ کیفیت جاتی رہتی تھی۔ (صحیح مسلم ص ۲۹۳ ج ۱)

یہ امور جو آیت میں مذکور ہوئے ان سب میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور خالقیت کی نشانیاں ہیں تو حید کے منکر بھی مانتے ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے اور اسی کے تصرف سے عالم میں سب کچھ ہو رہا ہے پھر بھی تو حید کا اقرار نہیں کرتے اور شرک میں مبتلا ہیں۔ ھداهم اللہ تعالیٰ۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا

بعض اہل ایمان ایسے ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ کے علاوہ ان کے شریک تجویز کر رکھے ہیں وہ ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے محبت ہوئی (الایم) ہے اور جو لوگ ایمان لائے

أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرُونَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا

ان کا اللہ سے محبت کہنا بہت ہی زیادہ قوی ہے اور اگر جان لیں وہ لوگ جنہوں نے گناہ کیا جس وقت وہ کہیں عذاب کو کہ بلاشبہ ساری قوت اللہ ہی کے لئے ہے

وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾

اور بیشک اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔

مشرکین کی باطل معبودوں سے محبت اور اس پر سخت عذاب

توحید کا ذکر کرنے اور توحید کے دلائل بیان فرمانے کے بعد اب اُن لوگوں کی حالت بیان فرمائی جنہوں نے توحید سے منہ موڑا اور شرک کو اختیار کیا۔ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ معبود تجویز کر لئے جن کو اللہ تعالیٰ برا سمجھتے ہیں۔ ان کی عبادت کرتے ہیں ان کے لئے نذریں مانتے ہیں اور ان کے لئے جانور ذبح کرتے ہیں۔ ان کا حال بتانے کے بعد فرمایا: يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ کہ یہ لوگ ان باطل معبودوں سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ تعالیٰ سے محبت: بولی چاہیے۔

صاحب روح المعانی (ص ۳۴ ج ۲) لکھتے ہیں کہ یہاں محبت سے تعظیم اور فرمانبرداری مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور معبودان باطلہ کے درمیان برابری کرتے ہیں اور باطل معبودوں کی تعظیم اور اطاعت میں اسی طرح لگتے ہیں جیسا کہ معبود حقیقی کی عبادت اور اطاعت کرنا لازم ہے چونکہ وہ ان کو اللہ تعالیٰ کا ہم سر سمجھتے ہیں اس لئے وہ ضمیر جمع لائی گئی جو عقلاً، کے لئے استعمال ہوتی ہے یعنی يُحِبُّونَهُمْ فرمایا: يُحِبُّونَهُمْ نہیں فرمایا۔ بعض مفسرین نے انذاذا سے قوم و قبیلے اور علاقہ کے بڑے لوگ مراد لئے ہیں یعنی بہت سے لوگ اپنے رؤساء کو ایسا مطاع مانتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور فرمانبرداری کرنا لازم ہے۔

اہل ایمان کو اللہ سے سب سے زیادہ محبت ہے..... پھر فرمایا: الَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (یعنی جو لوگ ایمان لائے ان کا اللہ سے محبت کرنا بہت ہی زیادہ قوی ہے) کیونکہ اہل ایمان کی جو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے وہ کامل ہے اور راسخ ہے اور مضبوط ہے۔ ان کی محبت میں کبھی کمی نہیں آتی۔ وہ کبھی بھی اللہ کو چھوڑ کر دوسروں سے مدد نہیں مانگتے اور غیر اللہ کی کبھی بھی عبادت نہیں کرتے۔ برخلاف بت پرستوں کے کہ جب وہ مصیبتوں میں گرفتار ہوتے ہیں تو بتوں کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ مثلاً جب کشتی میں سوار ہوں اور وہ ڈوبنے اور ڈگرگانے لگے تو سارے معبودوں کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ ہی سے نجات کا سوال کرتے ہیں اور دوسرے احوال میں بھی جب بھی کوئی پریشانی ہو اس کا مظاہرہ و تاربتا ہے۔ ایک زمانہ تک کسی بت کی پوجا پاٹ کرتے رہتے ہیں۔ پھر اُسے چھوڑ کر دوسرا بت تراش کر اُس کے سامنے جبین نیاز رگڑنے لگتے ہیں اور بعض مرتبہ حلوے وغیرہ کا بت بنا لیتے ہیں پھر عند الضرورت اسے کھا جاتے ہیں۔

ہندوستان کے مشرکوں کو دیکھا جاتا ہے کہ دیوالی کے موقع پر (جوان کا ایک تموار ہے) کھانڈ کی مورتیاں بناتے ہیں پھر ان کو بیچتے ہیں اور چھوٹے بڑے مل کر ان کو کھا جاتے ہیں۔

پھر فرمایا: وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرْوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا لَا يُؤْنِسُكَ اللَّهُ شَدِيدُ الْعَذَابِ ۝ (کہ جن لوگوں نے خدا کے ہمسرتجویر کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا قیامت کے دن جب عذاب کو دیکھیں گے تو اس وقت جان لیں گے کہ ساری قوت اللہ ہی کے لئے ہے اور اس موقع پر ان کو بہت زیادہ ندامت، پشیمانی اور شرمندگی ہوگی جس سے کچھ بھی فائدہ نہ پہنچے گا۔ یہ آیت کی ایک تفسیر ہے۔ اور اس تفسیر کی بنا پر جواب لو محمدوف ہے۔

قال البيضاوی لو يعلمون أن القدرة لله جميعا اذا عاينوا العذاب لندموا اشد الندم اور مفسر ابن کثیر ص ۲۰۲ ج ۱ نے اس کی تفسیر اس طرح سے کی ہے کہ: اگر وہ جان لیں اس عذاب کو جسے وہاں یوم قیامت میں دیکھیں گے (جو سخت عذاب ان کے شرک اور کفر کی وجہ سے ان کو دیا جائے گا) تو آج ہی اس دنیا میں اپنے گنہگار سے باز آ جائیں۔

مفسر بیضاوی نے بعض مفسرین سے آیت کی تفسیر اس طرح بھی نقل کی ہے وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ آذَاهُمْ لَا يَنْفَعُ لَعَلَّمُوا أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ خَلْقًا لَا يَنْفَعُ وَلَا يَنْصُرُ غَيْرُهُ (یعنی جنہوں نے ظلم کیا اگر وہ جان لیں کہ ان کے بنائے ہوئے خدا نفع دینے والے نہیں ہیں تو یہ بات ضرور جان لیں کہ ساری قوت اللہ ہی کے لئے ہے۔ اس کے سوا کوئی نفع اور ضرر کا مالک نہیں۔ اس صورت میں بے بسی کا منقول یعنی اندادہم لا يَنْفَعُ مُحَمَّدٌ ۝ و ذکرہ فی الروح ایضا۔ (ص ۳۵ ج ۲)

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوْا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ

جس کرہیزا، دو پانچمیں کے دو ایک جن کی پیروی کی تھی ان لوگوں سے جنہوں نے پیروی کی تھی اور دیکھ لیں گے عذاب کو اور کہ جائیں گے ان سے آپس سے

الْأَسْبَابُ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنْنَا ۝

تعلقات اور کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے پیروی کی تھی ہم کو ابس جاتے اور ابس جاتے تو ہم ان سے بیزا ہو جاتے جیسا کہ وہ ہم سے بیزا ہو گئے

كَذَلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ ۝ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ۝

انہی طرح دکھائے گا ان کو ان کے اعمال حسرتیں بنا کر اور وہ آگ سے نکلے والے نہ ہوں گے۔

قیامت کے دن متبوعین کا اپنے ماننے والوں سے بیزاری ظاہر کرنا اور اس وقت ان کو پشیمانی ہونا ان آیات میں کافروں کی ایک اور حسرت اور ندامت اور شنائت اور فطاعت ذکر فرمائی اور وہ یہ کہ جو ایک دنیا میں پیشوا تھے اور قوموں اور قبیلوں کے اور ملک و وطن کے بڑے تھے جن کے پیچھے چل کر ان کی اولاد نے اور قوم و قبیلہ نے اور ملک کے بسنے والوں نے اپنا ناس کھو دیا اور کفر اور شرک میں مبتلا ہوئے۔ یہ مہر داران قوم اور زعماء ملک و وطن قیامت کے دن اپنے ماننے والوں اور پیچھے چلنے والوں اور ان کی رضا مندی کے لئے قربانیاں دینے والوں سے صاف صاف کہہ دیں گے کہ ہمارا تمہارا کوئی تعلق نہیں اور یہ بیزاری ایسے موقع پر ہوگی، جب ان کے ماننے والے اس دنیا سے گزر چکے ہوں گے اور کفر و شرک پر مہر چکے ہوں گے۔ وہاں نہ ایمان لانا، متبر ہوگا نہ دنیا میں واپس آنا۔ اور عذاب جتنے سے وہ کوئی چارہ نہ ہوگا اور ان سے آپس سے تعلقات ختم ہو چکے ہوں گے۔ اور کوئی کس طرح بھی مدد دے نہ سکے گا۔ کما قال تعالیٰ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ (سورہ مؤمنین) (ظالموں کے لئے نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی ہوگا جس کی اطاعت کی جائے۔)

جب سرداران قوم بیزاری ظاہر کر دیں گے تو وہ لوگ جنہوں نے ان کا اتباع کیا تھا۔ یوں نہیں گے کہ اگر تمہیں دنیا میں واپس جانا نصیب ہو جائے تو ہم ان سے اسی طرح بیزاری ظاہر کریں جیسا کہ آج وہ ہم سے بیزار ہو گئے۔

پھر فرمایا کذلک یونیہم اللہ اغما لہم حسرت علیہم (یعنی جس طرح ان کو آپس کی بیزاری کا منظر دکھایا جائے گا۔ اسی طرح ان کے دوسرے اعمال بھی حسرتیں بن کر اُن کو دکھائے گا اور حسرت سے کوئی فائدہ نہ ہوگا) دوزخ کے عذاب کے ساتھ حسرتوں کا عذاب مستعلیٰ عذاب ہوگا۔ بار بار نادم ہوں گے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا اتباع کر لیتے تو اچھا تھا۔ کفر و شرک اختیار نہ کیا ہوتا، فلاں فلاں عمل اختیار کرتے تو کیسا ہی اچھا ہوتا اور اس عذاب میں مبتلا نہ ہوتے اُس دن کا سوچنا، سمجھنا، نادم ہونا۔ دوزخ سے نکلنے کا ذریعہ نہ بنے گا اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے کبھی بھی اُس سے نکھنا نصیب نہ ہوگا۔ وَفُتِنُوا بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوتَ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ

اے لوگو! کھاؤ ان چیزوں میں سے جو زمین میں حلال پاکیزہ ہیں اور مت پیچھے چلو شیطان کے قدموں کے۔ بے شک وہ تمہارے لئے

لَكُمْ عَذَابٌ مُبِينٌ ۝ إِنَّمَا يَأْمُرُكُم بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

کما ہوا روشن ہے۔ وہ تم کو صرف بُرائی کا اور بے حیائی کا حکم کرتا ہے اور یہ کہ تم اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ جن کو تم نہیں جانتے۔

حلال کھانے اور شیطان کے اتباع سے پرہیز کرنے کا حکم

ان آیات میں اول تو ان چیزوں کے کھانے کی اجازت دی جو زمین میں حلال اور پاکیزہ چیزیں موجود ہیں۔ پھر یہ فرمایا کہ شیطان کے قدموں کا اتباع نہ کریں۔ شیطان کا اتباع کرنے اور اس کی بات ماننے میں سراسر نقصان اور خسران اور ہلاکت اور بربادی ہے۔ اس کا کوئی مشورہ اور کسی بھی عمل کی ترغیب انسانوں کے لئے خیر نہیں ہو سکتی وہ تمہارا دشمن ہے اس نے دشمنی پر کمر باندھی ہوئی ہے۔ اُسے دوزخ میں جانا ہے اُس کی کوشش یہ ہے کہ سب بنی آدم بھی میرے ساتھ دوزخ میں چلے جائیں۔ وہ ہمیشہ بُرائی ہی کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور بدکاری ہی کا راستہ بتاتا ہے۔ اس کا یہ بھی کام ہے کہ تم سے شرک کرائے اور تمہیں غلط عقیدوں پر ڈالے۔ اور پھر تم سے یہ کہلاوے کہ یہ جو کچھ ہم نے کیا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا ہے اور اس کی رضا کے لئے ہے۔ سورہ اعراف میں فرمایا: وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرْنَا بِهَا ط فَقُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ ط اتَّقُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا لَا تَعْلَمُونَ۔ (اور وہ لوگ جب کوئی فحش کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی طریق پر پایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہی حکم دیا ہے۔ آپ فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ فحش بات کا حکم نہیں دیتا، کیا خدا کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کو تم نہیں جانتے)

اسباب النزول للمواحدی ص ۴۳ میں ہے کہ آیت یَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ (الآیۃ) بنی ثقیف اور بنی خزاعہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان لوگوں نے کچھ کھیتیاں، کچھ جانور اپنے اوپر حرام کر لئے تھے اور جن جانوروں کو حرام کیا تھا (ان کی حرمت کے لئے کچھ شرطیں اور قیدیں لگا دی تھیں اور) اُن کے نام بکیرہ، سائبہ اور وصیلہ اور حامی تجویز کر لئے تھے۔ اھ سورہ مائدہ اور سورہ انعام کی تفسیر میں ان شاء اللہ تعالیٰ ان کی تفصیلات مذکور ہوں گی۔ یہ باتیں ان کو شیطان نے بتائی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کرنے کا یا حرام کو حلال کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ یہ جو تحریم و تحلیل کا سلسلہ مشرکین نے نکالا تھا اس میں شیاطین کو اور

بتوں کو راضی رکھنے کے جذبات تھے۔ اللہ تعالیٰ کی شریعت میں جو چیزیں حلال ہیں ان کو حرام کر لینا حلال نہیں ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی شریعت کو بدلنا ہے اور تحریف کرنا ہے۔

تحلیل و تحریم کا حق صرف اللہ ہی کو ہے۔۔۔۔۔ سورۃ مائدہ میں فرمایا: **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَحَرِّمُوْا طَيِّبَاتٍ مَّا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَآ تَعْزُدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْزِدِيْنَ** (اے ایمان والو! اللہ نے جو چیزیں تمہارے واسطے حلال کی ہیں ان کو حرام مت کرو اور حد سے آگے مت نکلو، بلاشبہ اللہ حد سے نکلنے والوں سے محبت نہیں فرماتے)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ شہد پینے کے متعلق فرمایا تھا کہ اب برگز نہ پیوں گا، اللہ جل شانہ نے آیت نازل فرمائی: **يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تَحَرِّمُ مَّا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ** : (اے نبی! تم اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہو جسے اللہ نے تمہارے لئے حلال کیا ہے) ایسی بہت سی رسمیں آج لوگوں میں موجود ہیں جن میں ٹمنا بلکہ اعتقاد ابھی بہت سی حلال چیزوں کو حرام سمجھ رکھا ہے مثلاً ذی قعدہ کے مہینہ میں (جسے عورتیں خالی مہینہ کہتی ہیں) اور محرم و صفر میں شریعت میں شادی کرنا خوب حلال اور درست ہے لیکن اللہ کی اس حد سے لوگ آگے نکلتے ہیں اور ان میں شادی کرنے سے بچتے ہیں۔ ماہ محرم میں میاں بیوی والے تعلق سے بچتے ہیں۔ اور بہت سی قوموں میں بیوہ عورت کے نکاح ثانی کو معیوب سمجھتے ہیں اور ٹمنا اس کو حرام بنا رکھا ہے۔ بہت سی قوموں میں ماموں، خالہ، چچا، پھوپھی کی لڑکی سے نکاح کرنے کو ٹمنا بلکہ اعتقاد ا حرام قرار دے رکھا ہے۔ یہ سب حدود سے آگے بڑھ جانا ہے۔ جس طرح حلال کو حرام کرنا منع ہے اسی طرح حرام کو حلال کر لینا بھی منع ہے۔ حرام و حلال مقرر فرمانے کا اختیار صرف اللہ ہی کو ہے خواہ اس نے قرآن میں نازل فرمایا ہو یا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی بتایا ہو۔ سورہ نحل میں ارشاد ہے: **وَلَا تَقْفُوْا لِمَا لَمْ يَنْصَفْ لَكُمْ** **الْكَذِبَ هٰذَا خَلَالٌ وَهٰذَا حَرَامٌ لِّتَقْتَرُوْا عَلٰی اللّٰهِ الْكُذِبَ** (اور جن چیزوں کے بارے میں محض تمہارا زبانی جھوٹا دعویٰ ہے۔ ان کی نسبت یوں مت کہو کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں چیز حرام ہے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ پر جھوٹی تہمت لگاؤ گے)

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اتَّبِعُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَاءَنَا

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس کا اتباع کرو، جو اللہ نے نازل فرمایا تو کہتے ہیں بلکہ ہم اس کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا

اَوْ لَوْ كَانَ اٰبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷﴾

کیا وہ اپنے باپ دادوں کا اتباع کریں گے، اگرچہ وہ کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں، اور ہدایت پر نہ ہوں۔

باپ دادے ہدایت پر نہ ہوں تو ان کا اتباع اور اقتداء باعث ہلاکت ہے

مشرکین کا یہ طریقہ تھا اور اب بھی ہے کہ وہ اپنے باپ دادوں کو مقتدی سمجھتے رہے ہیں۔ ان کو ہزار سمجھایا جائے، حق کی دعوت دی جائے، تو حید کی طرف بلایا جائے، اللہ کے دین اور اس کی شریعت قبول کرنے کے لئے کہا جائے اور تو حید کی دلیلیں خوب کھول کر بیان کر دی جائیں اور شرک و کفر کی مذمت خوب واضح کر کے بتا دی جائے تو وہ کسی بھی قیمت پر اپنے باپ دادوں کا دین کفر و شرک چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتے ان کا یہی ایک جواب ہوتا ہے کہ ہم اس دین اور طور طریق اور رسم و رواج کے پابند ہیں جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا۔ اس آیت شریفہ میں مشرکین کی یہی بات نقل فرمائی ہے اور پھر اس کی تردید کی ہے۔ تردید کرتے ہوئے

ارشاد فرمایا: اُولُو كَسَانِ اِبْكَوْهُم لَا يَعْقِلُوْنَ مُشَبَّهًا وَلَا يَفْهَمُوْنَ (کیا وہ اپنے باپ دادوں کا اتباع کریں گے اگرچہ وہ کچھ ہی نہ سمجھتے ہوں اور ہدایت پر نہ ہوں) باپ دادوں نے اپنی ناکمائی سے شرک اختیار کیا غیب اللہ کی پرستش کی برے رسم و رواج نکالے وہ لوگ کیسے لائق اتباع ہو سکتے ہیں؟ پھر یہ معلوم ہے کہ باپ دادوں کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ہدایت نہیں۔ نہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ان کے پاس تھی نہ کسی نبی سے انہوں نے ہدایت حاصل کی تھی، مگر اپنا گمراہی میں تھے، مگر انہوں کا اتباع کرنا کہاں کی بھہواری ہے ہاں اگر باپ دادوں سے ہدایت پر ہوں اور انہوں نے حق کی راہ بتائی، تو ان کا اتباع کیا جائے جیسا کہ سورۃ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قول نقل فرمایا کہ انہوں نے اپنے جیل کے ساتھیوں سے فرمایا: وَاصْبِرْ لِمَلَّةِ اِلٰهِنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْغَافِلُ (کہ میں نے اتباع کیا اپنے باپ دادوں ابراہیم، اسمٰعیل اور یاقوب کی ملت کا) باطل میں کسی کی بھی تقلید کرنا حلال نہیں ہے۔ البتہ جو اہل حق ہو، اللہ کے دین پر چلتا ہو اور اسی کی دعوت دیتا ہو اُس کا اتباع کرنا لازم ہے۔ جیسا کہ سورۃ لقمان میں فرمایا: وَاصْبِرْ لِمَنْ اَنْتَ اِلَيْهِ (کہ جو شخص میری طرف رجوع ہو اُس کا اتباع کرو)۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَاءً وَبِدَاءً ۝

اور مثال ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا اُس شخص کی مثال ہے جو آواز نہ دے ایسی چیز کو جو نہ سنے سوائے پکار کے اور بکا کے

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْىٰ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝

بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں سو وہ سمجھ نہیں رکھتے۔

کافروں کی ایک مثال

صاحب روح المعانی (ص ۴۸ ج ۲) لکھتے ہیں کہ مشبہ یا مشبہ بہ کی جانب میں مضاف محدود ہے۔ پہلی صورت میں مطلب یہ ہے کہ کافروں کو دعوت دینے والے شخص کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اُن جانوروں کے پیچھے چیخ رہا ہو جو بس پکار اور آواز سنتے ہیں اور اُس سے زیادہ کوئی بات وہ نہیں سمجھتے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں کسی نے آواز دی لیکن کیا کہا اس کو بالکل نہیں سمجھتے اور دوسری صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ کافروں کی مثال اُس شخص کے جانوروں کی طرح سے ہے جو اپنے جانوروں کو پکارتا اور چیختا چلاتا ہے اور جانوروں کو پکار کے سوا کچھ نہیں۔ خلاصہ مطلب دونوں صورتوں میں یہ ہے کہ کافر لوگ اپنی جہالت اور حماقت سے باپ دادوں کی تقلید میں لگے ہوئے ہیں حق سمجھنے اور قبول کرنے کو تیار نہیں۔ اس بارے میں وہ جانوروں کی طرح سے ہیں۔ حق کی آواز سنتے ہیں لیکن سب ان سنی کر دیتے ہیں۔ نہ ادھر اپنے ذہنوں کو متوجہ کرتے ہیں اور نہ غور و فکر کیلئے تیار ہوتے ہیں۔ بالکل جانوروں کی طرح سے ہیں۔ آواز تو سنی لیکن سمجھ نہیں۔

کافر بہرے، گونگے، اندھے ہیں..... پھر فرمایا صُمٌّ بُكْمٌ عُمْىٰ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ کہ یہ لوگ حق سننے کو تیار نہیں بہرے بنے ہوئے ہیں، حق بولنے کو تیار نہیں گونگے بنے ہوئے ہیں۔ راہِ حق پر چلنے کو تیار نہیں۔ اندھا پن اختیار کئے ہوئے ہیں، اپنے حواس کھو چکے ہیں۔ لہذا حق کو ذرا بھی نہیں سمجھتے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ

ایمان والا کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں اور شکر عموماً اللہ پر کرو۔

آيَاهُ تَعْبُدُونَ ﴿۱۵۹﴾

اس کی عبادت کرتے ہو۔

حلال کھانے اور شکر ادا کرنے کا حکم

اس آیت شریفہ میں بھی پاکیزہ چیزوں کے کھانے کا حکم فرمایا اور اللہ پاک نے جو نعمتیں دی ہیں ان کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اگر تم اللہ کی عبادت کرتے ہو تو اس کا شکر ادا کرو کیونکہ جو عبادت اُس کی عظمت و کبریاء کی شایان شان ہے وہ شکر کے بغیر کامل نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے جو حلال رزق عطا فرمایا ہے اُسے کھاؤ پیو اور شکر کرو۔ سورہ فہما میں فرمایا: تَكْلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ (اپنے رب کے رزق سے کھاؤ اور اس پر شکر ادا کرو) نعمتوں کے شکر کا تقاضا یہ ہے کہ صرف اللہ کی اطاعت اور عبادت میں مشغول ہوں۔ اور اس کی نعمتوں کو گنہ گری میں خرچ نہ کریں۔ معنی طہیبات مہارزق نعمتوں میں یہ بھی نکتہ ہے کہ دوسروں کو مال چھین کر یا چور کر یا خیانت کر کے استعمال نہ کیا جائے کہ اللہ نے جو مال جس کسی کو دیا ہے وہ اگرچہ اپنی نفسہ اصول شریعت کے مطابق حلال اور طیب ہے۔ لیکن دوسروں کے لئے اس وقت حلال اور طیب ہوگا جبکہ حلال طریقہ سے صاحب مال سے حاصل کیا ہو۔

حرام کھانے کا وبال.... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ پاک سے اور دیا کہ (مال اور قول و عمل) کو قبول فرماتا ہے (پھر فرمایا کہ) بلاشبہ (حلال کھانے کے بارے میں) اللہ جل شانہ نے پیغمبروں کو جو حکم فرمایا ہے وہی مذمتیں و حکم فرمایا ہے چنانچہ پیغمبروں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے رسولو! طیب چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو اور مؤمنین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! جو پاک چیزیں ہم نے تم کو دی ہیں ان میں سے کھاؤ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کا ذکر فرمایا جو لمبا سفر کر رہا ہو۔ اس کے بال بکھرے ہوئے ہوں جسم پر گروہ و غبار آنا، وہ اور وہ آسمان کی طرف ہاتھ پھیلاتے یارب یارب کہہ کر دعا کرتا، دیکھو یہ شخص دعا تو کر رہا ہے اور حال یہ ہے کہ اُس کا کھانا حرام ہے پینا حرام ہے اور پہننا حرام ہے اور اس کا جہرام خدا ہی گئی ہے پس ان حالات کی وجہ سے اس کی دعا کیونکر قبول ہوگی۔ (صحیح مسلم ص ۳۶۶ ج ۱)

اس حدیث میں حرام سے بیزیر کرنے اور حلال کھانے کی اہمیت پر زور دیا ہے اور بتایا ہے کہ جو صدقہ حلال مال سے ہوگا وہی قبول ہوگا۔ اللہ پاک ہے اور اس کی بارگاہ میں پاک چیز ہی قبول ہو سکتی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی دو آیتیں تلاوت فرمائیں۔ پہلی آیت میں حضرات انبیاء علیہم السلام کو حکم ہے کہ پاک چیزیں کھائیں اور نیک عمل کریں اور دوسری آیت میں ایمان والوں کو حکم ہے کہ اللہ پاک کی دعا کرو جو چیزوں میں سے پاک چیزیں کھائیں۔ اللہ جل شانہ نے جو حکم اپنے پیغمبروں کو دیا ہے کہ حلال کھائیں، وہی حکم اپنے مؤمن بندوں کو دیا ہے۔ حلال کی اہمیت اور ضرورت ظاہر کرنے کے بعد آپ نے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جو لمبے سفر میں ہو اور بدحالی کی وجہ سے اس کے بال بکھرے ہوں جسم پر غبار آنا، وہ اور وہ اپنی اسی بدحالی میں آسمان کی طرف ہاتھ پھیلاتے دے دے یارب یا رب کہہ کر خدا سے پاک کو پکار رہا ہو اور جانتا ہو کہ میری دعا قبول ہو جائے اس کی دعا قبول نہ ہوگی کیونکہ اس کا کھانا حرام ہے، پینا حرام اور

لباس حرام ہے اور اس کو حرام غذا دی گئی۔ مسافر کا شمار ان لوگوں میں ہے جن کی دعاخصہ وصیت سے قبول ہوتی ہے اور مضطر پریشان حال شخص کی بھی دعا مقبول ہوتی ہے۔ لیکن مسافر اور پریشان حال ہونے کے باوجود ایسے شخص کی دعا قبول نہیں ہوتی جس کا کھانا پینا اور پہننا حرام ہو، آجکل بہت سی دعائیں کی جاتی ہیں۔ لیکن دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ لوگ شکایتیں کرتے پھرتے ہیں کہ دعائوں کا اس قدر اہتمام کیا اور اتنی بار دعا کی لیکن دعا مقبول نہیں ہوتی۔ شکایت کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ اپنا حال دیکھیں اور اپنی زندگی کا جائزہ لیں۔ ہر شخص غور کرے کہ میں حلال کتنا کھاتا ہوں اور حرام کتنا، اور کپڑے جو پہنتا ہوں وہ حلال آمدنی سے ہیں یا حرام سے اگر روزی حرام ہے یا لباس حرام ہے تو اس کو ترک کریں، خوراک اور پوشاک کو حدیث شریف میں بطور مثال ذکر فرمایا ہے اور ہانا بچھونا بارش کا مکان آسائش کی چیزیں اگر حرام کی ہوں تو وہ بھی لباس کے حکم میں ہیں ان کا استعمال بھی حرام ہے۔

حرام کی کمائی کی چند صورتیں..... رشوت آج کل بہت عام ہے سب کو معلوم ہے کہ رشوت کا مال حرام ہے۔ رشوت کا نام بدیہ تھنہ رکھ لیا جائے تب بھی حرام ہی رہتی ہے۔ جو لوگ حکومت کے کسی جائز شعبے میں کام کرتے ہیں اور رشوت لیتے ہیں ان کی رشوت تو حرام ہے ہی تنخواہ بھی حلال نہیں اس لئے کہ جس کام کے لئے حکومت نے ان کو فرائض میں بٹھایا ہے وہ کام انہوں نے نہیں کیا رشوت لینے کے لئے ان اصول و قواعد کے خلاف کام کرتے ہیں جو کام کرنے والے کے لئے مقرر کئے ہیں۔

سود کم ہو یا زیادہ عوام سے لیا جائے یا کسی بھی ادارہ سے وہ سب حرام ہے اگرچہ اس کا نام نفع رکھ لیا جائے، ہر وہ ملازمت حرام ہے جس میں گناہ کیا جاتا ہو، چونکہ گناہ کرنا اور گناہ کی مدد کرنا دونوں حرام ہیں اس لئے گناہ کی اجرت بھی حرام ہے اور گناہ پر نندہ کرنے کی اجرت بھی حرام ہے۔ حرام چیزوں کی تجارت حرام ہے اور اس پر نفع بھی حرام ہے۔ شراب، خنزیر، خون، مُردار گوشت، تصویریں، مورتیاں ان سب چیزوں کی خرید و فروخت حرام ہے۔ اور ان کی قیمت اور نفع بھی حرام ہے جتنے بھی ٹیکس ہیں سب کا وصول کرنا حرام ہے اور اس سلسلہ کی تمام ملازمتیں بھی حرام ہیں اور ان کی تنخواہ بھی حرام ہے۔ محکمہ آبکاری کی ملازمت حرام ہے اور اس کی تنخواہ بھی حرام ہے۔ بیمہ پالیسی سراسر قمار ہے یعنی جو ہے زندگی کا بیمہ ہو یا اموال تجارت کا کارخانوں کا یا گاڑیوں کا یہ سب حرام ہے۔ اور ان میں اپنی جمع کردہ رقم سے زائد جو کچھ ملے وہ سب حرام ہے۔ جتنے بھی قمار کے طریقے ہیں گھوڑ دوڑ وغیرہ ان کی آمدنی سب حرام ہے۔ غصب، چوری، ڈاکہ زنی کے ذریعہ جو کچھ حاصل کیا وہ سب حرام ہے۔ لوگوں کو انوار کر کے جو ان پر رقم حاصل کی جائے وہ بھی حرام ہے۔ جو لوگ پیری مریڈی کا کاروبار کرتے ہیں ان کو اہل حق اور اہل ارشاد سمجھ کر جو کچھ دیا جاتا ہے۔ (حالانکہ وہ حقیقت میں ایسے نہیں ہیں) ان کے لئے وہ سب حرام ہے۔ میراث، شریعت کے مطابق تقسیم نہیں کی جاتی۔ جس وارث کے قبضہ میں جو مال آ جاتا ہے وہی اپنا بنا کر بیٹھ جاتا ہے۔ مرنے والے کے بیٹے اپنی بہنوں کو اور ماؤں کو میراث نہیں دیتے۔ اور چونکہ میراث تقسیم نہیں ہوتی اس لئے قیموں کے حصہ کا مال بھی خورد برد کر دیا جاتا ہے۔ شرعاً جو وہ مردوں کا مال ہے اس کو اپنی ملکیت اور کام میں لانا حرام ہے۔ اور نفس کی خوشی سے جو مال نہ دیا گیا ہو اگرچہ دینے والے نے بظاہر کسی وباؤ میں خاموشی اختیار کر لی ہو وہ مال بھی حرام ہے۔ یہ تھوڑی سی تفصیل زیر قلم آ گئی ہے۔ حرام کے شعبے بہت ہیں۔ ہر شخص اپنی آمدنی اور اخراجات کا فکر کرے۔

حرام مال کا وبال..... بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حرام آمدنی میں سے صدقہ کر دیا جائے تو باقی سب مال حلال ہو جاتا ہے۔ حرام سے صدقہ کرنا تو اور گناہ ہے۔ وہ مقبول ہی نہیں ہوتا۔ حدیث شریف میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صرف پاکیزہ ہی کو قبول فرماتے ہیں جو صدقہ خود ہی قبول نہیں اس کے ذریعہ باقی مال کیسے حلال ہو جائے گا جو صدقہ دیا وہ بھی وبال اور جو باقی مال ہے وہ بھی وبال اور آخرت کے

عذاب کا ذریعہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ جو بھی کوئی بندہ حرام مال سے کسب کرے گا پھر اس میں سے صدقہ کرے گا تو وہ قبول نہ ہوگا اور اُس میں سے خرچ کرے گا۔ تو اس کے لئے اس میں برکت نہ ہوگی۔ اور اپنے پیچھے چھوڑ کر جائے گا تو وہ اس کے دوزخ میں جانے کا ذریعہ ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بُرائی کو بُرائی کے ذریعہ نہیں مٹاتے لیکن بُرائی کو بُنی کے ذریعہ مٹاتے ہیں۔ بے شک خبیث، خبیث کو نہیں مٹاتا۔ (رواہ احمد کانی المشکوٰۃ ص ۲۴۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں وہ گوشت داخل نہ ہوگا جو حرام سے پڑا بڑھا اور ہر وہ گوشت جو حرام سے پڑا بڑھا ہودوزخ کی آگ اس کی زیادہ مستحق ہے۔ (ایضاً) ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں وہ جسم داخل نہ ہوگا جس کو حرام سے غذا دی گئی۔ (مشکوٰۃ ص ۲۴۳)

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس نے دس درہم کا کپڑا خریدا اور اس میں ایک درہم حرام کا تھا تو اللہ تعالیٰ اس کی کوئی بھی نماز قبول نہ فرمائے گا جب تک کہ وہ کپڑا اس کے بدن پر رہے گا۔ (مشکوٰۃ ص ۲۴۳)

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخُزْزِيرِ وَمَا أَهَلَ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ۖ فَمَنِ

اللہ تعالیٰ نے تم پر صرف مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور حرام کئے ہیں جن کے ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔

اضْطَرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٥٧﴾

سو جو شخص مجبوری میں ڈال دیا جائے اس حال میں کہ بائی نہ ہو، اور خدا سے بڑھ جانے والا نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں چٹکنا اللہ تعالیٰ غفور ہے رحیم ہے۔

محرمات کا اجمالی بیان اور اضطرار کا حکم

اس آیت شریفہ میں مردہ جانور (جو اپنی موت سے بغیر ذبح کئے مر جائے) اور خون اور خنزیر کا گوشت کھانے کی اور اُن جانوروں کے کھانے کی حرمت بیان فرمائی ہے جس پر ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔ ان چیزوں کے کھانے کا عرب کے مشرکوں میں رواج تھا۔ اور اُن کے علاوہ حلال چیزیں بھی کھاتے تھے۔ ان کے رواج میں جو چیزیں حرام تھیں اصولی طور پر ان کی حرمت بیان فرمائی اور لفظ اَنَّمَا سے جو حصر معلوم ہو رہا ہے۔ یہ حصر اضافی ہے۔ جو چیزیں یہاں مذکور ہیں ان کے علاوہ بھی حرام چیزیں ہیں جس کا ذکر دیگر آیات میں اور احادیث میں وارد ہوا ہے۔

سورۃ مائدہ میں مزید چند حرام چیزوں کا بیان ہے۔ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ پوری تفصیل - ورقہ ماندہ وی کی تفسیر میں لکھیں گے یہاں یہ جو فرمایا کہ فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص بھوک سے ایسا دو چار ہو رہا ہو کہ جان پر بن رہی ہو اور اُس کے پاس حلال چیزوں میں سے کھانے کو کچھ بھی نہ ہو تو وہ حرام چیزوں میں سے اپنی جان بچانے کے لئے اتنا سا کھالے جس سے موت سے بچ جائے۔ صرف اتنا ہی کھائے جس سے جان بچ جائے۔ اس سے آگے نہ بڑھے اور لذت کا طالب بھی نہ ہو۔ مثلاً اگر بھوک سے جان جا رہی ہو تو شراب پینے اور سوکھانے کی اجازت کو بہانہ بنا کر یہ نہ کہے کہ آج اجازت مل گئی ہے۔ ٹوبہ کرے سے کھاؤں پیوں گا۔ خم کے خم چڑھاؤں گا اور پیٹ بھر کے خنزیر کا گوشت کھا لوں گا۔ پھر کبھی موقع ملے یا نہ ملے، ایسا آدمی باغی اور عادی یعنی حد سے بڑھنے والا ہے اگر طلب لذت کے لئے کھائے گا یا ضروری مقدار سے زیادہ کھائے گا تو گنہگار ہوگا اور لَا إِثْمَ عَلَيْهِ فرما کر یہ بتایا

کہ جان بچانے کی مجبوری میں قصور اساکھانے کی وجوہات سے وہ درجہ عافی میں ہے یوں نہ کہا جائے کہ یہ چیز حلال ہوئی۔ یوں کہیں گے کہ اس کو کھانا حلال ہو گیا۔ حرام اپنی جائزہ حرام ہی ہے۔ بہت سے لوگ یورپ امریکہ اور آسٹریلیا میں بائبلکلف شراب پیتے ہیں، اور خنزیر کھاتے ہیں اور ان جانوروں کا گوشت کھاتے ہیں جو شرعی طریقے پر حلال نہیں کئے گئے اور جب ان سے بات ہوئی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم مجبور ہیں۔ اور لفظ فمن اضطر کا سہارا لیتے ہیں۔ حالانکہ انظر اور مجبوری ان کو کہیں سے کہیں تک بھی نہیں ہے۔ ان ملکوں میں سینکڑوں قسم کی چیزیں ملتی ہیں چھلی بھی ہے اور اندے بھی ہیں۔ وہ وہ بھی ہے اور انتظام کرنے سے حلال گوشت بھی مل جاتا ہے۔ ایسی حالت میں حرام کھانا پینا کسی طرح بھی حلال نہیں ہے اور بالفرض واقعی کوئی شخص مجبور ہو جس کی جان ہی جاری ہو کھانے کو کچھ بھی نہ مل رہا ہو وہ جان بچانے کے لئے ذرا سا کھا سکتا ہے۔ یہ پیت پھر نہ کر روزانہ حرام کھا۔ اور پینا اس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں۔ بعض لوگوں نے بتایا کہ ہم تو سور کا گوشت، بسم اللہ پڑھ کر کھا لیتے ہیں، العیاذ باللہ، بسم اللہ پڑھنے سے حرام حلال نہیں ہو جاتا بلکہ حرام پر بسم اللہ پڑھنے سے ایمان سلب ہو جانے کا خطرہ ہے۔ پھر یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ مسلمان کو ایسے ملک میں رہنے کی کیا مصیبت ہے جہاں حلال نہ ملتا ہو۔ حرام ہی کھانا پڑتا ہو طلب دنیا کے جذبات ہی ایسے ملکوں میں لے جاتے ہیں اور حرام کھاتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ

بے شک وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے نازل فرمایا یعنی کتاب، اور خریدتے ہیں اس سے بدلہ تمنا قیامت تو یہ وہ لوگ ہیں

مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ

جو انہیں بھرتے اپنے پیٹوں میں مگر آگ، اور اللہ قیامت کے دن ان سے بات نہ کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلٰةَ بِالْهُدٰی وَالْعَذَابُ بِالْمَغْفِرَةِ ۖ فَمَا

اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خرید لیا گمراہی کو ہدایت کے بدلے، اور عذاب کو مغفرت کے بدلے۔

أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۚ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ

سو وہ کس قدر صبر کرنے والے ہیں آگ پر۔ یہ اس وجہ سے کہ بے شک اللہ نے نازل فرمایا کتاب کو حق کے ساتھ اور بے شک جن لوگوں نے کتاب میں اختلاف کیا

لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۝

بے شک وہ بڑی دور کی خلاف ورزی میں ہیں۔

کتاب اللہ کی تحریف کرنے والوں کا انجام

ان آیات میں اللہ کی نازل فرمودہ کتاب کو چھپانے اور اس میں تحریف و تبدیل کرنے اور غلط تفسیر بتانے اور پھر اس کو دنیاوی معاوضہ کا ذریعہ بنانے کی مذمت کی گئی ہے۔ اسباب النزول میں (ص ۴۴) علامہ واحدی نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت یہودیوں کے رؤسا اور علماء کے بارے میں نازل ہوئی جو اپنے نیچے کے لوگوں سے بدایا و رسول کرتے تھے اور وہ یہ امید باندھے ہوئے تھے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ہوں گے۔ لیکن جب نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی

اجتہاد ہو گئی جو ان کے قبائل میں سے نہیں ہیں تو ان کی صفات کو بدل دیا جو قرینیت میں پاتے تھے اور وہ نہ ہی صفات بتاویں جو قرینیت میں نہیں تھیں تاکہ ان کے قوام نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائیں اور ان کی ریاست باقی رہے اور بدلتی رہے۔ اس سے پہلے بھی اللہ کی کتاب کے مضامین و چھپانے پر عید نہ رہی تھی۔ یہودیوں کے علاوہ میں یہ فرض بہت زیادہ تھا۔ وہ بارہ اس مضمون کا اعادہ فرمایا اور ان کی توجہ دلائی کہ حقیر دنیا کے حقیر مال کے لئے جو حرکتیں کرتے ہو آخرت میں اس کا نتیجہ بہت بُرا ہوگا۔ یہ حرکتیں دوزخ میں لے جانے والی ہیں۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ گواہی دینا میں کھانے پینے کی چیزوں سے پیٹ بھر رہے ہیں لیکن یہ پیٹ بھرنا دوزخ کی آگ کے انگارے سے پیٹ میں بھرنے کا ذریعہ بنے گا یہ لوگ دنیاوی غذائیں نہیں کھا رہے ہیں بلکہ اپنے پیٹوں میں دوزخ کے انگارے ہی بھر رہے ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا غصہ بہت زیادہ ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے مہربانی کے ساتھ بات بھی نہ فرمانے کا اور ان کو پاک بھی نہ کرے گا۔

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قَبْلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
 الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ
 وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ
 إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا
 وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿٢٣﴾

اور یہی لوگ نفعی ہیں۔

اعمالِ حسنہ اور اخلاقِ عالیہ کا بیان

یہ آیت کریمہ ان آیات میں سے ہے جن میں بہت سے اعمالِ حسنہ اور اخلاقِ عالیہ کو ایک ہی جگہ جمع فرمایا ہے۔ بابِ انقبول (ص ۲۳) میں بحوالہ مصنف عبد الرزاق حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ یہودی مغرب کی جانب نماز پڑھتے تھے اور نصاریٰ شرق کی طرف (اور اپنے اپنے قبلے پر جمنے ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے اور ایمان قبول نہ کرتے تھے) لہذا آیت لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ (آیہ) نازل ہوئی۔ حضرت قتادہ سے یہ بھی منقول ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی (کی تفصیلات) کے بارے میں سوال کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی آپ نے اس شخص کو بلایا اور آیت کریمہ پڑھ کر اسے سنا دی۔

مفسرین کثیر لکھتے ہیں (ص ۲۰۷ ج ۱) کہ جب پہلے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم ہوا پھر کعبہ شریف کو قبلہ قرار دے دیا گیا تو

اہل کتاب اور بعض مسلمانوں کو شاق و گوارا اللہ تعالیٰ نے تمہیں قبلہ کی حکمت نازل فرمائی کہ کوئی جہت مقصودہ بالذات نہیں ہے۔ بندوں کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کریں اس کے حکموں کو مامین جدھر رخ کرنے کا حکم ہو اودھر رخ کر لیں۔ بس یہ نیکی ہے اور تقویٰ ہے اور ایمان کامل کا تقاضا ہے کہ اللہ کے حکم کے مطابق عمل ہو جائے مشرق یا مغرب کو رخ ہو عند اللہ یہ کوئی چیز نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس کی تفسیر میں فرمایا یہ نیکی نہیں ہے کہ نماز پڑھا کرو اور دوسرے احکام پر عمل نہ کرو، اور نہ خاک کا یہ قول نقل کیا ہے۔ **وَلَسْكَنَ الْبَرِّ وَالتَّقْوَىٰ أَنْ تَدُودَا الْفُرَاقِضَ عَلٰی وَجْهَيْهَا** یعنی نیکی اور تقویٰ یہ ہے کہ تمام فرائض کو حکم کے مطابق صحیح طریقہ پر پورا پورا ادا کرو۔

اس آیت میں بہت سے نیک کام مذکور ہیں۔ سب سے پہلے تو ایمان کا ذکر فرمایا اور اصول عقائد بتا دیے۔ ایمان وہ چیز ہے جس کے بغیر کوئی نیکی قبول نہیں ہے۔ یہود و نصاریٰ ایمان تو لاتے نہیں تھے اور اپنے اپنے قبلہ کی طرف رخ کرنے ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اصلی نیکی اُس شخص کی ہے جو اللہ پر ایمان لائے اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر اور اللہ تعالیٰ کی سب کتابوں پر اور اس کے سب نبیوں پر۔ جو شخص ان چیزوں پر ایمان لائے گا۔ اللہ کی کسی کتاب یا اس کے کسی رسول کی تکذیب نہ کرے گا اور رسواؤں کے درمیان تفریق نہ کرے گا وہ مؤمن ہوگا پھر ایمان کے تقاضوں کے مطابق جو اعمال کرے گا اور جو اموال خرچ کرے گا اور جو اقبال اُس سے صادر ہوں گے وہ سب نیکی اور تقویٰ میں شمار ہوں گے۔

اللہ کی رضا کے لئے مال خرچ کرنا..... اصول عقائد بتانے کے بعد مال خرچ کرنے کی عمومی مددیں ذکر فرمائیں اور مال کی محبت ہوتے ہوئے رشتہ داروں، قریبوں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوال کرنے والوں کو مال دینا نیکی میں شمار فرمایا۔ اور جو ایسے غلام ہیں جن سے اُن کے آقاؤں نے کتابت کا معاملہ کر لیا (یعنی اُن سے کہہ دیا کہ اتنا مال لا کرو و دو تو آزاد ہو) ان کی گردنوں کے آزاد کرانے میں مال خرچ کرنے کو نیک کاموں میں ذکر فرمایا۔ لفظ غلّیٰ حبیہ میں جو ضمیر بحر و مضاف الیہ ہے۔ اس کا مرجع مفسرین نے مال کو قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے یہ بھی احتمال نکالا ہے کہ یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہو جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے اپنے مال کو جوہ خیر میں خرچ کرتے ہیں۔ لیکن پہلا معنی دوسرے معنی کو شامل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جو شخص مال کی محبت ہوتے ہوئے مذکورہ وجوہ خیر میں خرچ کرے گا وہ اللہ تعالیٰ ہی کی محبت میں خرچ کرے گا۔

افضل الصدقہ..... صحیح بخاری (ص ۱۹۱ ج ۱) میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! کون سا صدقہ ثواب کے اعتبار سے سب سے بڑا ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہ کہ تو ایسے وقت میں صدقہ کرے جبکہ تو تندرست ہو اور خرچ کرتے ہوئے نفس کنوس بن رہا ہو، تجھے تنگدستی کا ڈر ہو اور مالدار کی امید لگائے بیٹھا ہو، اور صدقہ کرنے میں تو اپنی ویر نہ لگا کہ جب روح حلق کو پہنچنے لگے تو تھو کہنے لگے کہ فلاں کو اتنا دینا اور فلاں کو اتنا دینا (اب تیرے دینے اور اعلان کرنے سے کیا ہوگا) اب تو فلاں کا ہو ہی چکا۔ مطلب یہ ہے کہ صدقہ کرنے کا سب سے بڑا مرتبہ یہ ہے کہ تندرستی کے وقت (جبکہ مرض الموت میں مبتلا نہیں ہے) اللہ کی راہ میں خرچ کرے، اس وقت خرچ کرتا ہے تو نفس یوں کہتا ہے کہ خرچ نہ کر پھر بھی نفس کے تقاضے کو دبا کر خرچ کرتا ہے۔ نفس کہتا ہے کہ خرچ کرو گے تو تنگدستی آ جائے گی۔ اور مالدار بننے میں ویر لگے گی۔ پہلے خوب مالدار ہو جاؤ پھر خرچ کرنا، لیکن خرچ کرنے والا نفس کی کوئی بات نہیں مانتا اللہ کی رضا کے لئے وجوہ خیر میں خرچ کرتا چلا جاتا ہے، پھر آپؐ نے فرمایا کہ موت کے وقت صدقہ کرنا اور یہ کہنا کہ فلاں کو اتنا دینا، فلاں کو اتنا دینا اس کی وہ حیثیت نہیں رہتی جو تندرستی میں خرچ کرنے کی تھی اب دوسروں کو کیا دے رہے ہو اب تو دوسروں کا ہو ہی چکا۔

رشتہ داروں پر خرچ کرنے کی فضیلت..... مال خرچ کرنے کے مصارف خیر بتاتے ہوئے پہلے ذوی القربی کا ذکر فرمایا، عربی

زبان میں ذوی القربنی رشتہ داروں کو کہا جاتا ہے۔ سنن الترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسکین کو صدقہ دینے میں صرف صدقہ کا ثواب ہے اور جس سے رحم کا رشتہ ہو اُس کو صدقہ دینے میں (دہرا) ثواب ہے۔ (کیونکہ وہ) صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی ہے۔ رشتہ داروں میں سب سے پہلا اور سب سے بڑا رشتہ ماں باپ کا اور اپنی اولاد کا ہے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا جگہ جگہ حکم دیا گیا ہے اور بیوی پر اور اولاد پر خرچ کرنے کی فضیلت بھی وارد ہوئی ہے۔ ان رشتوں کے تعلق سے طبعی تقاضے کے باعث سب ہی خرچ کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے نہ صرف والدین اور اولاد بلکہ و در اور زہد یک کے دوسرے رشتہ داروں پر خرچ کرنے میں بھی ثواب رکھا ہے۔ اللہ کی رضا مقصود ہو، ریا کاری نہ ہو۔ جن پر خرچ کرے ان پر احسان نہ جتائے۔ طعن و تشنیع نہ کرے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے افضل خرچ کرنا اُس دینار کا ہے جو اپنے گھر والوں پر خرچ کرے اور وہ دینار جسے تو اپنے ساتھیوں پر جہاد میں خرچ کرے (یعنی سب سے زیادہ افضل صدقہ ہے)۔ (صحیح مسلم ص ۳۲۲ ج ۱)

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان آدمی کا اپنے گھر والوں پر ثواب سمجھتے ہوئے خرچ کرنا صدقہ ہے (یعنی اس میں بھی ثواب ہے)۔ (صحیح بخاری ص ۳۲۲ ج ۱) بلکہ خرچ کرنے میں اُن لوگوں کا سب سے پہلے دھیان رکھنے کا حکم فرمایا جو اپنے خیال میں ہوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۷۰)

قیموں پر مال خرچ کرنے کی فضیلت..... ذوی القربنی کے بعد یضامنی پر خرچ کرنے کا ذکر فرمایا۔ یہ یتیم کی جمع ہے۔ یتیم ان نابالغ بچوں کو کہا جاتا ہے جن کا باپ زندہ نہ ہو۔ عموماً ایسے بچے حاجت مند ہوتے ہیں۔ ان پر خرچ کرنے کا خصوصی خیال رکھا جائے۔ اخراجات کے علاوہ دوسرے طریقوں سے بھی اُن کی ولداری کی جائے۔ سنن ترمذی میں ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا اور صرف اللہ کی رضا کے لئے ایسا کیا تو ہر مال جس پر اُس کا ہاتھ گزرے گا اس کے عوض نیکیاں ملیں گی۔ اور صحیح بخاری ص ۸۸۸ ج ۲ میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنا جنت میں اس طرح ساتھ ہوں گے۔ اس موقع پر آپ نے اپنی انگلیاں (انگوٹھے کے پاس والی اور بیچ والی) ساتھ ملا کر دکھائیں۔ آج کل لوگوں میں یہ رواج ہو گیا ہے کہ وہ یتیموں پر اپنا مال تو کیا خرچ کرتے انہیں کمال کھاتے ہیں۔ باپ کی میراث میں سے جو حصہ ان کو ملتا ہے۔ اس کو دبا لیتے ہیں۔ اپنے نام یا اپنی اولاد کے نام کر دیا لیتے ہیں۔ یتیم کے مال پر قبضہ کرنے سے ذرا نہیں بچ سکتے۔

مساکین پر مال خرچ کرنا..... پھر مساکین پر مال خرچ کرنے کا ذکر فرمایا، جن لوگوں کے پاس کچھ بھی نہ ہو ان کو مسکین کہا جاتا ہے۔ ان میں بہت سے وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی حاجت کو کسی پر ظاہر نہیں کرتے، وہ کھ، تکلیف میں بھوکے پیاسے دقت گزار لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر خرچ کرنے کا بہت زیادہ ثواب ہے۔ جن کو سوال کرنے کی عادت ہوتی ہے وہ تو سوال کر کے اپنی حاجت پوری کر لیتے ہیں۔ لیکن آبرو مند آدمی سوال نہیں کرتا۔ ایسے لوگوں کی تلاش رکھنی چاہیے۔ صحیح بخاری ص ۲۰۰ ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسکین وہ نہیں ہے جو (سوال کرنے کے لئے) لوگوں کے پاس چکر لگاتا ہے۔ جسے ایک لقمہ اور دو لقمہ یا ایک کھجور اور دو کھجوریں واپس کر دیتی ہیں۔ یعنی کوئی دیتا ہے کوئی نہیں دیتا (لیکن واقعی) مسکین دوہے، جو ایسی چیز نہیں پاتا جو اُسے بے نیاز کرے اور اس کا پتہ بھی نہیں چلتا تاکہ اس پر صدقہ کیا جائے اور وہ سوال کرنے کے لئے بھی کھڑا نہیں ہوتا۔

سورہ بلد میں فرمایا: فَلَا افْتِسَاحَ الْعُقْبَةَ ۝ وَمَا أَذْرَاكَ مَا الْعُقْبَةُ ۝ فَلَا رِقْبَةَ ۝ وَأَوْاطِعَامَ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ۝ نَبِيْمًا ذَا

مفسرہ: اَوْ مَسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ (سویس: دکھائی میں سے ہو کر نہ نکلا اور اے مخاطب تجھے معاذم ہے، دکھائی کیا ہے؟ مردان (۱) کا پتہ ان کا جنوب کے ان میں کسی رشتہ دار یتیم یا کسی خاک نشین دکھانا کھانا اس میں غلاموں کی آزادی میں مدد دینے اور یتیم اور مسکین کو کھانا دینا دکھائی کے پانے سے تعبیر فرمایا۔ کیونکہ یہ چیزیں نفس پر شائق ہیں)

مسافر پر مال خرچ کرنا..... پھر ابن سہیل پر خرچ کرنے کا ذکر فرمایا۔ عربی زبان میں ابن سہیل مسافر کو کہا جاتا ہے۔ بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ مسافر کے پاس سفر میں خرچہ ختم ہو جاتا ہے یا مال چوری ہو جاتا ہے۔ یا حیب تراش کر رقم نکال لی جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کا حال معلوم ہو جائے تو ان پر خرچ کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ ضروری نہیں کہ یہ لوگ حاجت کا اظہار کریں تب ہی دیا جائے۔ کسی طرح بھی ان کی حاجت معلوم ہو جائے تو ان کی مدد کر دی جائے۔ مسافر کے گھر پر جس قدر بھی مال ہو اور اپنے اہمال و املاک جا نیداد کی وجہ سے غنی ہو لیکن سفر میں حاجت مند ہو گیا تو اس پر خرچ کر کے ثواب لیا جائے۔

سوال کرنے والوں کو دینے کا حکم..... پھر سوال کرنے والوں کا ذکر فرمایا۔ ان لوگوں میں کئی قسم کے لوگ ہوتے ہیں ان میں واقعی ضرورت مند بھی ہوتے ہیں۔ ان کو تو دنیاوی چاہیئے اور ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے بارے میں یقین تو نہیں کہ وہ حاجت مند ہو گا لیکن اس کے ظاہر حال اور غالب گمان سے ضرورت مند ہونا معلوم ہوتا ہے ان کو کبھی دنیا درست ہے۔

بھیک مانگنے کا پیشہ اختیار کرنے کی ممانعت..... مجبوری میں بھوک دفع کرنے یا اور کسی حاجت کے پورا کرنے کے لئے کوئی مانگ لے تو اس کی گنجائش ہے۔ لیکن اس کو پیشہ بنالینا کسی طرح بھی درست نہیں۔ جن کو سوال کی عادت ہوتی ہے وہ مانگتے رہتے ہیں۔ مال جمع کرتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو نہ دیا جائے۔ دنیا میں تو سوال کرنے والے بن کر بے آبرو ہوتے ہی ہیں۔ قیامت کے دن بھی بے آبرو ہوں گے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے لوگوں سے ان کے مالد کا سوال اس لئے کیا کہ مال زیادہ جمع ہو جائے تو وہ آگ کے انکاروں کا سوال کرتا ہے (جو دوزخ میں اسے ملیں گے) اب چاہے کم کرے یا زیادہ کرے۔ (ردالمسئلہ ص ۳۳۳ ج ۱) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ انسان دنیا میں برابر سوال کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ قیامت میں اس حال میں آنے لگا کہ اس کے چہرہ پر گوشت کی ایک بوٹی بھی نہ ہوگی۔ (صحیح بخاری ص ۱۹۹ ج ۱)

اس کا چہرہ دیکھ کر لوگ سمجھ لیں گے کہ یہ دنیا میں سائل تھا دباں اپنے چہرے کی آبرو کھوئی تو یہاں بھی اسی کا ظہور ہوا۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نبی کو اور ٹھیک ٹھاک بدن والے قوی آدمی کو سوال کرنا حلال نہیں ہے۔ الا یہ کہ ایسا مجبور ہو کہ تنگدستی نے اسے مٹی میں ملا رکھا ہو (یعنی زمین کی مٹی کے سوا اس کے پاس کچھ نہ ہو) یا قرضے میں مبتلا ہو گیا ہو جو ذلیل کرنے والا ہو، اور جس شخص نے مال زیادہ کرنے کے لئے لوگوں سے سوال کیا تو قیامت کے دن اس کا چہرہ چملا ہوگا۔ اور یہ مال گرم پتھر بنا ہوگا جس کو جہنم سے لے کر کھاتا ہوگا اب جی چاہے تو کمی کرے اور چاہے تو زیادتی کر لے۔ (مشکوٰۃ ص ۱۲۳ ج ۱)

ہر شخص کو اپنی اپنی ذمہ داری بتا دی گئی مانگنے والا مانگنے سے پرہیز کرے اور جس سے مانگا جائے وہ موقع دیکھ کر خرچ کرے۔ سائل کو جھڑکے بھی نہیں۔ کیا معلوم مستحق ہی ہو اور غور و فکر بھی کرے حاجت مندوں کو تلاش بھی کرے۔ مسئلہ..... جو شخص مسجد میں سوال کرتا ہو اسے نہ دے۔

غلاموں کی آزادی میں مال خرچ کرنا..... مال خرچ کرنے کے سلسلہ میں سب سے آخر میں وَفَى الرِّقَابَ فرمایا دِقَاب دِقْبۃ کی جمع ہے۔ دِقْبۃ گردن کو کہتے ہیں۔ مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں ص ۲۰۸ ج ۱ کہ فِی الرِّقَاب سے مکاتیب کے آزاد کرانے میں مدد دینا مراد ہے، جو غلام کسی کی ملکیت میں ہو اور اس کا آقا کہہ دے کہ اتنا مال دے دو تو تم آزاد ہو اُس کو مکاتب کہا جاتا ہے۔ ان کو مال دے کر آزاد کر دینا بھی وجوہ خیر میں سے ہے اور ثواب کا کام ہے۔ مفسر بیضاوی لکھتے ہیں (ص ۱۲۴ ج ۱) کہ قیدیوں کی جانوں کا فدیہ دے کر ان کا جھڑا لینا یا غلام خرید کر آزاد کر دینا بھی اس کے عموم میں شامل ہے (جب کبھی مسلمان اللہ کے لئے جنگ کرتے تھے اور شریعت کے مطابق جہاد اور قتال ہوتا تھا۔ اس وقت غلام اور باندیوں کے مالک ہوتے تھے۔ اب نہ اللہ کے لئے جہاد ہے نہ غلام ہیں نہ باندیاں ہیں۔ کوئی انسان کسی انسان کا مالک نہیں ہے۔ پھر جب کبھی مسلمان اللہ کے لئے جنگ کریں گے اور اصول شریعت پر لڑیں گے تو پھر غلام، باندیاں قبضہ میں آئیں گی)۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا..... مال خرچ کرنے کے مواقع ذکر فرما کر فرمایا: وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ یعنی تقویٰ کے کاموں میں یہ بھی ہے کہ فرض نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت کا بیان پہلے بھی آچکا ہے۔ اوپر مال کے مصارف خیر بیان فرما کر نماز کے ساتھ زکوٰۃ کو بھی ذکر فرمایا۔ مفسر بیضاوی فرماتے ہیں کہ پہلے مصارف زکوٰۃ بیان کئے اور پھر زکوٰۃ کی اوائلی پر متوجہ فرمایا پھر لکھتے ہیں کہ یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے جو وجوہ خیر بیان کی ہیں ان سے نفلی صدقات مروا دیوں (اور نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر فرمانے میں اس کی فرضیت بتانا مقصود ہو)۔

عہد پورا کرنا..... نیکی اور تقویٰ کے کام بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَالْمُؤْتُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا (اور اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے جبکہ وہ عہد کر لیں)۔ ایضاً عہد کی شریعت مطہرہ میں بڑی اہمیت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا، وہاریہ نہ فرمایا، وہ کہ إِلَّا لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ (خبردار اس کا کوئی ایمان نہیں جو امانت دار نہیں اور اس کا کوئی دین نہیں جو عہد کا پورا نہیں)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۵ عن شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے اندر چار خصالتیں ہوں گی خالص منافق ہوگا اور جس میں اُن میں سے ایک خصلت ہوگی تو یوں مانا جائے گا کہ اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے جب تک کہ اُسے چھوڑ نہ دے۔

۱۔ جب اُس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ ۲۔ جب بات کرنے تو جھوٹ بولے۔

۳۔ جب عہد کرے تو وہ توکھو دے۔ ۴۔ جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکے۔ (صحیح بخاری ص ۱۰۸ ج ۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ وہ توکھو دینے والے کیلئے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی دھوکہ بازی (کا جھنڈا) ہے اور اس جھنڈے کے ذریعہ اُسے پہچانا جائے گا۔ (صحیح بخاری ص ۵۴۲ ج ۱)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ہر دھوکہ دینے والے کے لئے ایک جھنڈا ہوگا۔ جو اس کے پیچھے اس کے دھڑ پر کھڑا ہوگا اور جتنا بڑا اس کا دھوکہ ہوگا اُسی قدر وہ جھنڈا اونچا ہوگا (پھر فرمایا) خبردار

اُس سے بڑھ کر بڑا دھوکے باز کوئی نہیں جو عوام کا امیر: دواور عوام کو دھوکے دے۔ (صحیح مسلم ص ۸۳ ج ۲)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی بندہ کو اللہ تعالیٰ کسی رعیت کا راہی بناوے۔ (یعنی صاحب اقتدار بنا کر عوام کی نگرانی اور خیر خواہی اس کے سپرد کروے) پھر وہ اس کی خیر خواہی نہ کرے تو وہ شخص جنت کی خوشبو نہ سونگھے گا۔ (صحیح بخاری ص ۵۸ ج ۲)

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مسلمانوں کی کسی جماعت کا والی ہو اور اُن کی نگرانی اور نگہداشت اُس کے ذمہ ہو پھر وہ اس حال میں مر جائے کہ وہ ان کے ساتھ خیانت کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اُس پر جنت حرام فرمادے گا۔ (صحیح بخاری ص ۵۹ ج ۳)

جو لوگ بڑے بڑے وعدے کر کے حکومت حاصل کرتے ہیں یا حکومت کے چھوٹے بڑے عہدوں پر فائز ہوتے ہیں پھر وہ عوام کے ساتھ غد کر کرتے ہیں اور سارے عہد و پیمان توڑ دیتے ہیں اُن لوگوں کے حق میں یہ کیسی سخت وعیدیں ہیں غور کر لیں۔

مسئلہ..... اگر کافروں سے کوئی معاہدہ ہو تو اس کا پورا کرنا بھی لازم ہے۔ جب کسی قوم سے معاہدہ ہو اور ان کی طرف سے خیانت کا ڈر ہو اور اس کے ختم کرنے میں مصلحت نہ ہو تو پہلے یہ بتا دیں کہ ہمارا عہد باقی نہیں رہا۔ اس کے بعد کوئی نئی کارروائی کر سکتے ہیں جو معاہدہ کی شرطوں کے خلاف ہو۔ سورۃ انفال میں ارشاد فرمایا: وَإِنَّمَا تَخَافُونَ أَعْيُنَنَا وَمَا نَنَالُ بِأَعْيُنِنَا (اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو آپ وہ عہد ان کو اس طرح واپس کر دیجئے کہ آپ اور وہ برابر ہو جائیں۔ الْمُخْلَصِينَ)۔ (اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو آپ وہ عہد ان کو اس طرح واپس کر دیجئے کہ آپ اور وہ برابر ہو جائیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی ایسے شخص کو قتل کیا جس سے (امان و حفاظت جان کا وعدہ تھا) تو وہ جنت کی خوشبو نہ سونگھے گا۔ (صحیح بخاری ص ۲۳۸ ج ۱)

صابرین کی فضیلت..... پھر صبر والوں کی تعریف فرمائی اور فرمایا: وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَجُنُوبِ الْبَأْسِ اس میں سختی اور تکلیف کے زمانہ میں صبر کرنے کو نیکی اور تقویٰ والا کام بتایا ہے اور جنگ کے وقت جب کافروں سے مقابلہ ہو اُس وقت جم کر ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کرنے کو نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں شمار فرمایا ہے۔ سورۃ انفال میں فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاغْلُظْ وَإِذْ تَحَرَّوْا فِئَةً فَأُولَئِكَ تَرَافُونَ (اے ایمان والو! جب تم کسی جماعت سے مقابلہ کرو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا خوب کثرت سے ذکر کرو اور امید ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ)۔

سورۃ صف میں فرمایا: إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَانَهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوعٌ (بے شک اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح مل کر لڑتے ہیں کہ گویا وہ ایک عمارت ہے جس میں سیسہ پلایا گیا ہو)۔

آخر میں فرمایا: أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (کہ یہ حضرات جن کی صفات اور پند مذکور ہوئیں وہ لوگ ہیں جو اپنے ایمان میں سچے ہیں) کیونکہ ایمان قلبی کے ساتھ ایمان کے تقاضوں کو بھی پورا کرتے ہیں (اور یہ لوگ تقویٰ والے بھی ہیں) کیونکہ حرام سے بچتے ہیں، اور گناہوں سے پرہیز کرتے ہیں)۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ ۖ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ

اے ایمان والو! تم پر قصاص فرض کیا گیا مقتولین کے بارے میں، آزاد کو آزاد کے بدلہ اور غلام کو غلام کے بدلہ،

وَالْأَنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ ۖ فَمَنْ عُتِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتَّبَاعْهُ بِالْمَعْرُوفِ ۖ وَأَدَاءُ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۗ

اور عورت کو عورت کے بدلہ، سو جس عورت کے لیے اس کے بھائی کی طرف سے چھ عسائی کر دی جائے تو بھائی کے ساتھ اس کا مطالبہ: دو اور اچھے طریقہ پر اس کی ادائیگی ہو۔

ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۚ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷۸﴾

یہ تخفیف ہے تمہارے رب کی طرف سے اور رحمت ہے۔ پھر جس نے اس کے بعد زیادتی کی تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۷۹﴾

اور تمہارے لئے قصاص میں بڑی زندگی ہے اے عاقل والو! تاکہ تم پرہیز کرتے رہو۔

قصاص اور دیت کے بعض احکام

جب کوئی شخص کسی کو قتل کر دے تو اس کی جان کا بدلہ جو جان سے دیا جاتا ہے۔ قرآن وحدیث میں اس کو قصاص کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ قصاص قتل عمد (یعنی قصد ا جان کو قتل کرنے) میں دیتا ہے۔ جس کی تفصیلات کتب فقہ میں مرقوم ہیں۔ لفظ قصاص ممانات یعنی برابری پر دلالت کرتا ہے چونکہ جان کا بدلہ جان سے رکھا گیا ہے اس لئے اس میں حاکم مجاہد، کبیر اور امیر وغریب میں کوئی فرق نہیں اور قبیلوں اور قوموں کے اعتبار سے جو دنیا میں امتیاز سمجھا جاتا ہے قصاص کے قانون میں اس کا کوئی اعتبار نہیں اگر مقتول کے اولیا، سب یا کوئی ایک وارث جان کے بدلہ مال لینے پر راضی ہو جائے تو اس مال کو دیت (خون بہا) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو گھٹا قتل کر دے (جس کی کئی صورتیں ہیں اور جس کے احکام سورہ نساء میں مذکور ہیں) تو اس کے عوض مال واجب ہوتا ہے اس مال کو بھی دیت کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کے اعضاء میں سے کسی عضو کو کاٹ دے تو اس میں بھی بعض صورتوں میں قصاص اور بعض صورتوں میں دیت واجب ہوتی ہے۔ اعضاء کی دیت کو ارش بھی کہا جاتا ہے۔ اعضاء کے قصاص کا ذکر سورہ مائدہ میں آئے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ یہاں قصاص نفس کے بعض احکام ذکر فرمائے ہیں۔ لباب المتقول میں حضرت سعید بن جبیرؓ سے نقل کیا ہے کہ زمانہ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں عرب کے دو قبیلے آپس میں برسر پر کار رہتے تھے اور ان میں گشت و خون کی وارداتیں ہوتی تھیں۔ غلام اور عورتوں تک کو قتل کر بیٹھے تھے ابھی تک ان کے آپس کے قصاص یا دیت کے فیصلے نہ ہونے پائے تھے کہ دونوں قبیلوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان میں سے ایک قبیلہ دوسرے کے مقابلہ میں اپنے کو زیادہ صاحب عزت اور رفعت سمجھتا تھا اس لئے انہوں نے قسم کھائی کہ ہم راضی نہ ہوں گے جب تک کہ ہمارے غلام کے بدلہ آزاد کو قتل نہ کیا جائے اور ہماری عورت کے بدلہ دوسرے قبیلہ کا مرد قتل نہ کیا جائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس میں ارشاد فرمایا کہ آزاد، آزاد کے بدلہ اور غلام، غلام کے بدلہ اور عورت، عورت کے بدلہ قتل کی جائے۔ اس شان نزول سے معلوم ہو گیا کہ اَلْعَبْدُ بِالْعَبْدِ اور اَلْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ غلام کے بدلہ آزاد کو قتل نہ ہو اور عورت کے بدلہ مرد قتل نہ ہو۔ سورہ مائدہ میں جَوَانِ النَّفْسِ بِالْأُنْفُسِ فرمایا ہے اس میں ہر جان کو دوسری جان کے برابر قرار دیا ہے۔ مفسر ابن کثیر (ص ۲۰۹ ج ۱) نے حضرت

ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ اہل عرب مردہ کو عورت کے بدلہ قتل نہیں کرتے تھے بلکہ مردہ کو مرد کے بدلہ اور عورت کو عورت کے بدلہ قتل کرتے تھے۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے اَنِّ النَّفْسِ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنُ بِالْعَيْنِ کا حکم نازل فرمایا۔

قصاص وارثوں کا حق ہے..... قتل عمد (جس میں قصاص ہے) اس میں قصاص لینا مقتول کے وارثوں کا حق ہے۔ مقتول کے جتنے بھی شرعی وارث ہوں وہ سب قصاص کے مستحق ہیں۔ لیکن چونکہ قصاص قابل تقسیم نہیں ہے اس لئے اگر کوئی بھی ایک وارث اپنا حق قصاص معاف کر دے تو اب دوسرے وارث بھی قصاص نہیں لے سکتے اور اب وہ ویت ہی لے سکتے ہیں۔ اور جس نے قصاص معاف کر دیا اب وہ بھی ویت لے گا۔ ہاں اگر اس نے اپنے حصہ کی ویت بھی معاف کر دی تو وہ بھی معاف ہو جائے گی۔ ایک جان کی ویت ہو ویت ہیں۔ جس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ سورہ نساء کی آیت وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَاً کی تفسیر میں بیان ہوگی۔ اگر قاتل اور مقتول کے درمیان آپس میں مال کی کسی مقدار معلوم پر صلح کر لیں تب بھی قصاص ساقط ہو جاتا ہے اور جو مال مصالحت یا ویت کے طور پر وصول ہو مقتول کے وارث شرعی میراث کے حصوں کے مطابق اس کے مالک اور وارث ہوں گے۔ یہ ویت کے طور پر یا مصالحت کے ذریعہ مال لینا فریقین کی رضا مندی سے ہو سکتا ہے۔

قصاص کے عوض مال لینے کی مشروعیت اُمت محمدیہ کے لئے تخفیف اور رحمت ہے..... قتل عمد کی صورت میں باہمی رضا مندی سے قصاص کے عوض مال دے کر قاتل کی جان بچا دینا اور ویت کا حلال ہونا یا بطور مصالحت کے کچھ مال لے لینا یہ اُمت محمدیہ علی صاحبہا اسلو وواخیرہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تخفیف ہے اور خاص رحمت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ بنی اسرائیل پر قصاص ہی فرض تھا۔ ویت اُن کے لئے مشروع نہ تھی۔ حضرت قتادہؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت پر رحم فرمایا کہ اُن کو ویت لینے کا حق دیا اور اس اُمت سے پہلے ویت حلال نہیں تھی۔ اہل توریت پر صرف قصاص فرض تھا اور ویت مشروع نہ تھی اور اہل انجیل کو معاف کر دینے ہی کا حکم تھا۔ اس اُمت کے لئے اللہ تعالیٰ نے قصاص اور عافی اور ویت تینوں چیزیں مشروع فرمادیں۔ (۱۶) (کثیر ص ۲۱۰ ج ۱)

جب کوئی ایک وارث یا سب وارث خون معاف کر دیں یا ویت پر راضی ہو جائیں اور ویت کا دینا واجب ہو جائے یا مصالحت کے ذریعہ آپس میں کچھ مال دینا طے ہو جائے تو اب مقتول کے ورثہ کو چاہیے کہ حسن مطالبہ کریں اور توبہ اور تشدد سے کام نہ لیں فَاَتَبِعَ بِالنَّعْرُوفِ میں اُسی کا حکم فرمایا ہے اور قاتل پر لازم ہے کہ بغیر مال منول کے اور بغیر تقاضوں کے وارثوں کو طے شدہ مال ادا کر دے۔ وَآذَاءُ الْبَغْیِ بِاِحْسَانٍ میں اسی کا حکم دیا ہے۔ جب آپس میں حدمات طے ہو گئے تو دونوں فریقوں میں سے جو شخص بھی زیارتی کرے گا وہ آخرت میں عذاب الیم میں گرفتار ہوگا۔ اُسے سخت عذاب دیا جائے گا۔ مثلاً قاتل اگر ویت پر مہما کر کے ویت دینے سے انکاری ہو جائے کہیں چھپ جائے فرار ہو جائے تو یہ اس کی طرف سے ظلم اور زیارتی ہے اور مثلاً مقتول کے اولیاء ویت لیکر بھی قتل کر دیں تو یہ اُن کی طرف سے ظلم اور زیارتی ہوگی۔ ہر فریق کے لئے عذاب ووزخ ہے۔ حضرت ابوشریح خزاعی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ جس شخص کا کوئی خونی نقصان ہو جائے (یعنی اُس کا کوئی عزیز عدا قتل کر دیا جائے یا زخم پہنچ جائے) تو اُسے تین چیزوں کا اختیار ہے۔ قصاص لے لے، یا معاف کر دے یا ویت لے لے۔ اس کے سوا اگر کوئی چوتھا کام کرنا چاہے تو اس کے ہاتھ پڑاؤ، ان میں سے کسی چیز کو اختیار کرے بعد زیارتی کرے تو اس کیلئے دوزخ ہے اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ (مشکوٰۃ ص ۱۵۱ ج ۲۰۱)

قانون قصاص میں بڑی زندگی ہے..... قصاص کا قانون جاری کرنے اور اس کو عملنا نافذ کرنے میں بہت بڑی زندگی ہے۔ اس

مُؤْنٌ وَّوَلَّكُمُ فِي الْقِصَاصِ حَيَاتًا مِّنْ بَيَانٍ فَرَمَا بِهٖ۔ قصاص میں بظاہر قاتل کی موت ہے لیکن اُسے اُمت کے حق میں بڑی حیات فرمایا۔ کیونکہ جب قصاص کا قانون نافذ ہوگا تو قاتل بھی قتل کرنے سے بچے گا اور ہر شخص کے کُتِبَ اور قبیلے کے لوگ اس بات کے فکر مند رہیں گے کہ ہمارے کسی فرد سے کوئی شخص قتل نہ ہو جائے۔ مفسرین کثیر لکھتے ہیں کہ ائمہ اربعہ اور جہود کا مذہب یہ ہے کہ اگر ایک شخص کو چند آدمی مل کر قتل کرے، تو ان سب کو اُس ایک مقتول کے عوض قتل کیا جائے گا۔ (ص ۲۱۰ ج ۱)

حضرت سعید بن المسیبؒ نے بیان فرمایا کہ پانچ یا سات آدمیوں نے کسی ایک شخص کو تباہی میں پوشیدہ طور پر قتل کر دیا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پانچوں یا ساتوں کو ایک شخص کے قصاص میں قتل کر دیا اور فرمایا کہ اگر شہر صنعاء کے سارے آدمی مل کر بھی شخص واحد کو قتل کرتے تو میں ان سب کو قتل کر دیتا۔ (رواہ مالک و روی البخاری عن ابن عمر نحوہ کما فی مشکوٰۃ ص ۳۰۲)

قصاص عین عدل ہے، اس کو ظلم کہنا ظلم ہے..... قصاص کا قانون نافذ ہونے سے اور اس پر عمل کرنے سے بہت سی جانیں بچتی ہیں اور لوگ ایک دوسرے کو قتل کرنے سے باز رہتے ہیں اس لئے قصاص کو بڑی حیات کا ذریعہ بتایا۔ بہت سے جاہل قصاص کے قانون کو ظلم سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ لوگ ظلم کا معنی بھی نہیں جانتے ظلم کرنے والا تو قاتل ہے جس نے ناحق قصداً یا عمداً کسی کو قتل کیا قتل کے بدلہ میں قاتل کو قتل کروینا عین انصاف ہے اس کو ظلم سے تعبیر کر دینا جہالت اور حماقت ہے یہ جاہل کہتے ہیں کہ قاتل کو قتل نہ کیا جائے بلکہ جیل میں ڈال دیا جائے اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس سے تو اور زیادہ قتل پر جرأت ہو جاتی ہے۔ آدمی سمجھتا ہے کہ قتل تو کر ہی دوں تھوڑی بہت جیل بھگت اوں گا۔ جن کا مزاج قتل اور غارت گری اور دُکیتی اور فتنہ فساد کا ہے وہ جیل سے بالکل نہیں ڈرتے۔ جیل کی دیواریں پھانسیوں اور کھڑکیوں تو ڈر کر بھاگ جاتے ہیں۔ جن لوگوں کے نزدیک انسانوں کی جانوں کی قیمت نہیں ہے وہ لوگ قصاص کو اچھا نہیں سمجھتے۔ انہیں قاتل پر رحم آتا ہے۔ علامۃ الناس کی جانوں پر رحم نہیں آتا۔ سنن ابی داؤد میں ہے کہ جس نے قصداً قتل کیا تو اس میں قصاص ہے اور جو شخص قصاص نافذ کرنے کے بارے میں آڑے آ جائے تو اس پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی لعنت ہے اور سب انسانوں کی لعنت ہے۔

(آخر حدیث من کتاب المذہبات)

قصاص یا دیت معاف کرنا سربراہ مملکت کے اختیار میں نہیں ہے..... دنیا میں ایک یہ جاہلانہ قانون نافذ ہے کہ ملک کا سربراہ قاتل کی درخواست پر اپنے ذاتی و جماعتی فوائد کو سامنے رکھ کر قاتل کو معاف کر دیتا ہے۔ یہ شریعت اسلامیہ کے بالکل خلاف ہے مقتول کے وارثوں کو حق ہے کہ معاف کریں یا قصاص لیں یا دیت لیں کسی امیر یا وزیر یا صدر یا بادشاہ کو معافی دینے کا اور وارثوں کا حق باطل کرنے کا بالکل اختیار نہیں ہے۔ جو بھی کوئی سربراہ ایسا کرے گا۔ وہ قانون قرآن کا باغی ہوگا۔ اور اس کی سزا کا مستحق ہوگا۔

کُتِبَ عَلَيْكُمُ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ

تم پر فرض کیا گیا کہ جب تم میں سے کسی کو موت حاضر ہو جائے تو اپنے والدین اور قرابت داروں کے لئے وصیت کرنے کے لئے بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى

ہر طیکہ مال چھوڑنا۔ یہ ہم لازم ہے ان لوگوں پر جو خدا کا خوف رکھتے ہیں۔ پھر جو شخص سننے کے بعد اس کو بدل دے اس کا گناہ انہیں لوگوں پر ہوگا جو اس کو تبدیل

الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ فَمَنْ خَافَ مِنْ مَوْصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا

کر دیں گے بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا ہے، جاننے والا ہے۔ سو جو شخص وصیت کرنے والے کی جانب سے کسی جانب داروں یا گناہ کا خوف کھائے

فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۷﴾

پھر ان کے درمیان صلح کرادے۔ اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ غفور ہے رحیم ہے۔

وصیت کے احکام

اس آیت کریمہ میں والدین اور قرابت داروں کے لئے مال کی وصیت کرنا فرض قرار دیا گیا ہے جب کسی کو موت کے آثار معلوم ہونے لگیں تو وہ وصیت کر دے۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس وصیت کی فرضیت میراث کے حصے مقرر ہونے کے بعد منسوخ ہو چکی ہے۔ والدین وراثت میں شامل ہیں۔ جن کے حصہ سورۃ نسا کے دوسرے رکوع میں مذکور ہیں۔ اور وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے جب تک کہ دوسرے ورثہ کی اجازت نہ ہو۔ ولما ورد فی الحدیث لا وصیۃ لوارث۔ آخر جہ النمر مذی و ابو داؤد اجازت وصیت کرنے والے کی موت کے بعد معتبر ہوگی۔ اگر دوسرے ورثہ کی اجازت دیں تو کسی وارث کے لئے وصیت نافذ ہو سکتی ہے۔ البتہ غیر وارث رشتہ داروں کے لئے وصیت کرنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے لیکن وصیت کا اصول یہ ہے کہ وہ صرف تہائی مال میں نافذ ہو سکتی ہے بہتر یہ ہے کہ مرنے والا تہائی مال سے کم میں وصیت کرے اور بہت سے بہت تہائی مال تک وصیت کرنے کی گنجائش ہے۔ جتنی بھی وصیتیں ہوں گی وہ قرضوں کی ادائیگی کے بعد جو مال بچے اس کے تہائی میں نافذ ہوں گی۔

اگر تہائی سے زیادہ مال کی وصیت ہو تو وہ بھی بالغ ورثہ کی اجازت سے مرنے والے کی موت کے بعد نافذ ہو سکتی ہے۔ اس کی زندگی میں جو کوئی وارث اجازت دے دے وہ معتبر نہیں ہے۔ اگر وارثوں نے اس کی زندگی میں تہائی سے زیادہ مال کی وصیت کی اجازت دے دی تھی تو اس کی موت کے بعد منسوخ کر سکتے ہیں اور وصیت کرنے والا جو کچھ وصیت کر دے وہ بھی اپنی زندگی میں منسوخ کر سکتا ہے۔ صحیح طریقہ یہی ہے کہ انسان اپنی زندگی میں اللہ کے لئے خرچ کرتا رہے۔ اپنے اہل و عیال پر بھی خرچ کرے اور دوسرے اغراض و اقرباء پر بھی اور یتامی اور مساکین پر بھی۔ مساجد و مدارس کے لئے وقف کرے مسجدیں بنوائے، مدرسے کھولے۔

وصیت نافذ کرنے سے پہلے قرضے ادا کئے جائیں گے..... وصیت کے بارے میں اول تو یہ قانون ہے کہ قرضوں کی ادائیگی کے بعد باقی تہائی مال میں نافذ ہو سکتی ہے۔ دوسرے وصیت کے مطابق خرچ کرنے کا تعلق وراثتوں سے ہو جاتا ہے۔ وہ دیانتداری سے خرچ کریں یا نہ کریں۔ اس لئے جو کچھ فی سبیل اللہ خرچ کرنا چاہے زندگی میں خرچ کر دے۔ البتہ ایسا نہ ہو کہ گھر والے ضرورت مند ہوں۔ ان کی ضروری حاجتیں رُکی رہیں اور یہ باہر خرچ کرتا رہے اور ایسا بھی نہ ہو کہ اوگوں کے قرضے چڑھے ہوئے ہوں اور سخاوت کے جوش میں ثواب کے کاموں میں خرچ کرتا رہے اور قرضوں کی ادائیگی رُکی رہے۔ اگر زندگی میں نیک کاموں میں خرچ نہ کرے گا اور موت سے پہلے وصیت کر دے کہ فلاں فلاں جگہ اتنا مال خرچ کر دیا جائے اور قرض خواہوں کے قرض کا ذکر چھوڑ دیا تب بھی پہلے قرضے ہی ادا کئے جائیں گے اگر اتنا زیادہ قرض ہے کہ جتنا مال ہے وہ سب ان کی ادائیگی میں ختم ہو جاتا ہے تو نہ وصیت نافذ ہوگی نہ میراث میں کسی کو کچھ ملے گا۔

مسئلہ..... وصیت کرنے میں پہلے فرائض کو مقدم کیا جائے۔ مثلاً اگر وصیت کرنے والے نے حج فرض نہیں کیا تھا یا اس کے ذمہ زکوٰۃ تیس فرض ہوئی تھیں اور اس نے نہیں دیں یا کفارات واجبہ ہیں جن کی ادائیگی باقی ہے۔ ان چیزوں کی ادائیگی کو وصیت میں مقدم کرے۔ اگر اس نے فرائض اور واجبات کے ساتھ غیر فرض اور غیر واجب کاموں کی وصیت کر دی تب بھی اُن اوگوں پر لازم ہے جن کے قبضے میں اُس

کا مال آجائے کہ فرائض اور واجبات کو مقدم کریں۔ اگرچہ اُس نے وصیت میں ان کا ذکر بعد میں کیا ہو۔

حج بدل کی وصیت..... جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔ قرضوں کی ادائیگی کے بعد تہائی مال میں وصیت نافذ ہو سکتی ہے (اگرچہ فرائض اور واجبات کی ادائیگی کی وصیت ہو) پس اگر حج بدل کی وصیت کی ہو اور اس کے لئے کسی کو بھیجنا چاہیں اور تہائی مال اس کے لئے کافی نہ ہو اور بالغ ورثاء اپنے پاس سے بقدر ضرورت تہائی سے زائد مال دے دیں تو بہتر ہے لیکن یہ ان پر واجب نہیں ہے۔

مسئلہ..... یہ حج مرنے والے کے شہر سے کسی شخص کو بھیج کر کرائیں جو سواری پر جا کر اس کی طرف سے حج کر لے، اگر اس کی وصیت کے مطابق اس کے شہر سے کسی کو بھیج کر حج کرانا چاہیں اور اس کے لئے وصیت کی رقم کافی نہیں ہو رہی ہے اور ورثاء اپنے پاس سے بھی نہیں دیتے تو جس کسی شہر سے بھی آدمی بھیج کر حج کرایا جاسکتا ہو وہیں سے کسی کو بھیج دیا جائے اور وصیت کی رقم اس پر خرچ کر دی جائے۔

گناہ کی وصیت کرنا گناہ..... کسی بھی گناہ کی وصیت کرنا حلال نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص گناہوں میں مال خرچ کرنے کی وصیت کر دے تو وہ نافذ نہ ہوگی۔ شرک اور بدعت کے کاموں کے لئے کوئی شخص وصیت کر دے تو وہ بھی نافذ نہ ہوگی۔ اس کے متعلقین اور ورثاء پر لازم ہے کہ اس کی اس طرح کی وصیت کو نافذ نہ کریں۔

وارثوں کے لئے مال چھوڑنا بھی ثواب ہے..... وارثوں کے لئے مال چھوڑ کر جانا بھی ثواب ہے۔ صحیح بخاری (ص ۳۸۳ ج ۱) میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں فتح مکہ کے سال ایسا مریض ہوا کہ یہ محسوس ہونے لگا کہ ابھی موت آنے والی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لائے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس بہت سا مال ہے اور (فرائض میراث کے اعتبار سے) صرف میری بیٹی کو میراث کا حصہ پہنچتا ہے تو کیا میں اپنے پورے مال کی وصیت کر دوں۔ آپ نے فرمایا نہیں میں نے عرض کیا دو تہائی مال کی وصیت کر دوں، فرمایا نہیں، میں نے عرض کیا آدھے مال کی وصیت کر دوں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا تہائی مال کی وصیت کر دوں۔ آپ نے فرمایا ”ہاں“ تہائی مال کی وصیت کر سکتے ہو اور تہائی (بھی) بہت ہے، بلاشبہ اگر تم اپنے وارثوں کو (جن کو غصبہ ہونے کے اعتبار سے میراث پہنچتی ہے) مال دار ہونے کی حالت میں چھوڑ دو تو یہ اُس سے بہتر ہے کہ تم انہیں تنگدستی کی حالت میں چھوڑ دو جو لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر کہیں اور اس میں شک نہیں کہ تم جو بھی کوئی خرچہ کرو گے جس سے اللہ کی رضا مطلوب ہو تمہیں ضرور اس کا ثواب ملے گا۔ یہاں تک کہ ایک لقمہ اٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں دے دو گے تو اس کا بھی ثواب ملے گا۔

وصیت میں دیر نہ کی جائے..... انسان دنیا میں رہتا ہے تو لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے کسی سے لینا کسی کو دینا حقوق واجبہ ہوتے ہیں۔ قرضے لئے ہوئے ہوتے ہیں امانتیں رکھی ہوئی ہوتی ہیں اور موت کا کچھ پتہ نہیں کب آجائے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ وصیت لکھی ہوئی ہر وقت تیار رہے جس جس کا جو کچھ حق ہے یا قرضہ ہے یا امانتیں ہیں یا دینی فرائض اور واجبات ہیں جن کی ادائیگی باقی ہے ان سب کو کسی کا پی وغیرہ میں لکھ کر رکھے اور وصیت تیار رہے تاکہ اچانک موت آجائے تو وارثین ان سب کو ادا کر دیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کسی مسلمان کے پاس کوئی چیز ہو جس کی وصیت کرنا ہو تو اس کے لئے یہ بات ٹھیک نہیں ہے کہ دو راتیں گزر جائیں اور اس کی وصیت اُس کے پاس لکھی ہوئی نہ ہو۔ (صحیح بخاری ص ۳۸۲ ج ۱)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو وصیت پر موت آئی (یعنی وصیت کر کے مرا) وہ صحیح راستہ پر اور سنت پر مرا اور تقویٰ اور شہادت پر مرا اور بخشا ہوا ہونے کی حالت میں مرا۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۹۲)

وصیت کو بدلنے کا گناہ..... جب وصیت کرنے والا وصیت کر کے وفات پا جائے تو اس کے ورثاء اور جس کو اُس نے وصی یا مختار بنایا ہو اسی طرح حاکم اور قاضی ان لوگوں پر ضروری ہے کہ مرنے والے نے جو وصیت کی اس کے مطابق شرعی اصول پر نافذ کریں۔ وصیت کرنے والا تو دنیا سے چلا گیا اس کے اختیارات ختم ہو گئے۔ اب مال و سروس کے قبضہ میں ہے۔ ان ادگوں پر لازم ہے کہ وصیت کو صحیح طریقہ پر نافذ کریں جس کو جتنا دینا ہے، اس کو دینے سے دریغ نہ کریں۔ فقراء اور مساکین کے لئے وصیت کی ہے انہیں معلوم بھی نہیں کہ ہمارے لئے کوئی وصیت کی گئی ہے اور بعض رشتہ دار جو ورثہ ہیں اُن کے لئے وصیت کی اور انہیں اس کا پتہ نہیں ہے یہ لوگ خود سے تقاضا کریں گے نہیں۔ اب جن کے قبضہ میں مال ہے وہ ویس یا نہ ویس، کم ویس یا زیادہ ویس، نصیحت کو چھپائیں یا ظاہر کریں۔ یہ سب اُن کے اختیار میں ہے اب وصیت نافذ کرنے اور مال تقسیم کرنے کی ذمہ داری انہیں پر ہے۔ یہ لوگ آخرت کو سامنے رکھتے ہوئے سارا کام انجام دیں۔ وصیت کو اول بدل نہ کریں۔ اگر وصیت میں تبدیلی کریں گے تو گنہگار ہوں گے اور آخرت میں باز پرس ہوگی۔ فَصْنٌ بِنَدْلَةٍ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَأَنمَا أُنْكُفُ عَلَى الْبَيْتِ يُبْدِلُونَهُ میں اس مضمون کو بیان فرمایا ہے۔ علامہ ابوبکر جصاص احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص وصیت کر کے مرجائے (اور اوائلیگی کے لئے مال بھی چھوڑا ہو) تو اس کی آخرت کی ذمہ داری ختم ہوگئی اب ذمہ داری دارثوں پر آگئی۔ اگر انہوں نے اوائلیگی نہ کی تو وہ لوگ گنہگار ہوں گے ان کا ابا نہ کرنا تبدیل وصیت کی ایک صورت ہے۔ نیز علامہ جصاص لکھتے ہیں کہ جس کسی پر زکوٰۃ فرض ہوئی اور اس کی اوائلیگی کے بغیر مر گیا۔ تو وہ گنہگار ہوگا اور زکوٰۃ روکنے والوں کے حکم میں داخل ہوگا۔ اگر اس نے اوائلیگی زکوٰۃ کی وصیت کر دی اور ورثاء نے وصیت نافذ نہ کی تو وہ گناہ سے بری ہو گیا اور اب وصیت بدلنے والے گناہ گار ہوں گے۔ علامہ جصاص نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر وصیت میں ظلم کیا گیا ہو (مثلاً پورے مال کی وصیت کر دی یا ورثاء کی اجازت کے بغیر تہائی مال سے زائد کی وصیت کر دی تو اس کا بدل دینا واجب ہے)۔

آخر میں فرمایا: فَمَنْ خَافَ مِنْ مَوْصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَنَفْسِهِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ (سو جو شخص وصیت کرنے والے کی جانب سے کسی جانبداری کا یا گناہ کا خوف کھائے پھر اُن کے درمیان صلح کر دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ وصیت کرنے والا غلط یا عداوت وصیت میں کوئی ایسا طریقہ اختیار کر لیتا ہے جس میں کسی وارث یا دوسرے کسی رشتہ دار کی طرف میلان ہو جاتا ہے اور وصیت میں عدل باقی نہیں رہتا اگر ایسی کوئی صورت ہو جائے اور کسی کو معلوم ہو جائے کہ ایسی وصیت کی ہے یا ایسی وصیت کرنے کا ارادہ کیا ہے اور وہ بیچ میں پڑ کر موصی (وصیت کرنے والا) اور موصیٰ لہم (جن کے لئے وصیت کی جانے) کے درمیان اصلاح کروے اور اُن کو صحیح طریقہ بتادے جو شرعاً درست ہو یا صاحبِ اقتدار اس کو بدل دے تو اس کو بدلنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ جو شخص ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے گا یہ وہ تبدیلی نہیں ہے جس کی مذمت فَمَنْ مَّ بَدَّلَهُ میں کی گئی ہے۔

جو وصیت عادلانہ نہ ہو اس کی کئی صورتیں مفسرین نے نکاحی ہیں۔ اس میں سے ایک یہ ہے کہ دُور کے رشتہ داروں کے لئے وصیت کر دے اور قریب کے رشتہ داروں کو چھوڑ دے اور ایک صورت یہ ہے کہ چونکہ بیٹوں کے ہوتے ہوئے پوتوں کو میراث نہیں مل سکتی اور کسی ایک بیٹے کو زیادہ مال پہنچانا چاہتا ہے تو پوتوں کے غیر وارث ہونے کا بہانہ بنا کر پوتوں کے لئے وصیت کر دے تاکہ اُن پوتوں کے باپ کو مال زیادہ پہنچ جائے اور ایک صورت یہ ہے کہ کل مال کی وصیت کر دے یا تنہا مال سے زیادہ کی وصیت کر دے، جو شخص بھی اس قسم کی وصیت برواقف ہو کر صحیح طریقہ بتائے گا۔ اور راہ صحیح پزلے گا اس کو تبدیل وصیت کا گناہ نہ ہوگا۔

بعض لوگ بیٹیوں کو میراث سے محروم کرنے کے لئے زندگی ہی میں بیٹیوں کے نام یا کسی ایک بیٹے کے نام جا بھید کر دیتے ہیں تاکہ

دوسری اولاد مخروم ہو جائے اور بھی طرح طرح کی غیر شرعی وصیتیں کر جاتے ہیں جس سے گنہگار ہوتے ہیں۔ وارث کو میراث سے محروم کرنے کے لئے کسی کو مال ہیہ کروینا جائز نہیں ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بلاشبہ کوئی مرد اور کوئی عورت ساٹھ سال تک اللہ کی فرمانبرداری میں لگے رہیں۔ پھر ان کو موت حاضر ہو جائے اور وصیت کرنے میں کسی کو ضرر پہنچانے کا پہلو اختیار کر لیں تو ان کے لئے ووزخ واجب ہو جاتی ہے۔ حدیث بیان کر کے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سورۃ نساء کی آیت میں بَعْدَ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ ذِينَ عَنِ مَوْتٍ کی اور ذَلِكُمُ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ تک پڑھی۔ (رد الواعظ کاف) (مشکوٰۃ ص ۲۶۵ ج ۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے وارث کی میراث سے کوئی حصہ کاٹ دیا۔ اللہ تعالیٰ جنت سے اُس کی میراث کاٹ دیں گے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۹۳)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱﴾ أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِمَّنْ
پرہیزگار بن جاؤ۔ چند دن کے روزے رکھ لو سو جو شخص تم میں سے مریض ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں کی تسبیح کر کے
أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۚ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ
روزے رکھ لے۔ اور جن لوگوں کو روزہ رکھنے کی طاقت ہے ان کے ذمہ ہے فدیہ ایک مسکین کے کھانے کا، پس جو شخص اپنی خوشی سے کوئی خیر کا کام کرے تو وہ اس
خَيْرٌ لَهُ ۚ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲﴾
کے لئے بہتر ہے اور یہ کہ تم روزہ رکھو تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

رمضان کے روزوں کی فرضیت اور ان کے ضروری احکام

ان آیات میں رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت کا اعلان اور اظہار فرمایا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔

(۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ (۲) نماز قائم کرنا۔ (۳) زکوٰۃ ادا کرنا۔ (۴) حج کرنا۔ (۵) رمضان کے روزے رکھنا۔ (صحیح بخاری ص ۶ ج ۱)

نماز اور روزہ دونوں بدنی عبادتیں ہیں اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے اور حج میں مال بھی خرچ ہوتا ہے بدنی محنت بھی ہوتی ہے۔ اس لئے وہ بدنی عبادت بھی ہے اور مالی عبادت بھی ہے۔ نماز تو نبوت کے پانچویں ہی سال مکہ معظمہ میں فرض ہوئی تھی جو شب مہربان میں سلاطی گئی۔ اور رمضان شریف کے روزے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ۱۱ھ میں فرض ہوئے۔ جس طرح نماز اور زکوٰۃ پہلی امتوں پر فرض تھی۔ اسی طرح سے روزے بھی ان پر فرض تھے کَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ میں یہ بتایا ہے کہ روزے کوئی نئی چیز نہیں ہیں یہ

پہلی امتوں پر بھی فرض ہوئے تھے انہوں نے بھی روزے رکھتے تھے بھی رکھو۔

روزہ سے صفت تقویٰ پیدا ہوتی ہے..... پھر روزہ کی حکمت اور فائدہ بتاتے ہوئے فرمایا فَاعْلَمُکُمْ تَعْلَمُونَ روزے رکھنے سے نفس کے تقاضوں پر زبرد پڑتی ہے اور تقویٰ شہوانیہ میں ضعف آتا ہے اور تقویٰ مغیرہ و کبیرہ ظاہرہ اور باطنہ گناہوں سے بچنے کا نام ہے۔ آیت کریمہ میں بتایا کہ روزہ کی فرضیت تقویٰ حاصل کرنے کے لئے ہے بات یہ ہے کہ انسان کے اندر بہیمیت کے جذبات ہیں نفسانی خواہشات ساتھ لگی ہوئی ہیں جن سے نفس کا ابھار معاصی کی طرف ہوتا رہتا ہے روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس سے بہیمیت کے جذبات کمزور ہوتے ہیں اور نفس کا ابھار کم ہو جاتا ہے اور شہوات و لذات کی اُمَک گھٹ جاتی ہے۔ پورے رمضان کے روزے رکھنا ہر عاقل بالغ مسلمان پر فرض ہے۔ ایک مہینہ دن میں کھانے پینے اور جنسی تعلقات کے تقاضے پر عمل کرنے سے اگر باز رہے تو باطن کے اندر ایک نکھار اور نفس کے اندر سدھار پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص روزے اُن احکام و آداب کی روشنی میں رکھ لے جو احادیث میں وارد ہوئے ہیں تو واقعہً نفس کا تزکیہ ہو جاتا ہے۔ جو گناہ انسان سے سرزد ہو جاتے ہیں ان میں سب سے زیادہ دو چیزیں گناہ کا باعث بنتی ہیں۔ ایک منہ، دوسری شرم گاہ۔ حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو داؤد سے روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ سب سے زیادہ کون سی چیز دوزخ میں داخل کرنے کا ذریعہ بنے گی۔ آپ نے جواب دیا الفم والفرج، یعنی منہ اور شرم گاہ (ان دونوں کو دوزخ میں داخل کرانے میں زیادہ دخل ہے) روزہ میں منہ اور شرم گاہ دونوں پر پابندی ہوتی ہے اور مذکورہ دونوں راہوں سے جو گناہ ہو سکتے ہیں روزہ ان سے باز رکھنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے اسی لئے تو ایک حدیث میں فرمایا کہ الصَّيَامُ جُنَّةٌ یعنی روزہ ڈھال ہے (گناہ سے اور آتش دوزخ سے بچاتا ہے)۔ (بخاری ص ۲۵۴ ج ۱) اگر روزہ کو پورے اہتمام اور احکام و آداب کی مکمل رعایت کے ساتھ پورا کیا جائے تو بلاشبہ گناہوں سے محفوظ رہنا آسان ہو جاتا ہے۔ خاص روزہ کے وقت بھی اور اس کے بعد بھی اگر کسی نے روزہ کے آداب کا خیال نہ کیا روزہ کی نیت کر لی کھانے پینے اور خواہش نفسانی سے باز رہا مگر حرام کمائی اور غیبت کرنے میں لگا رہا تو اس سے فرض تو ادا ہو جائے گا مگر روزہ کی برکات و ثمرات سے محرومی رہے گی۔ جیسا کہ سنن نسائی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اَلْجَنَّةُ مِائَاتُ بَابٍ (یعنی روزہ ڈھال ہے جب تک کہ اُس کو پھاڑ نہ ڈالے) اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ و مشرابہ۔ جو شخص روزہ رکھ کر جھوٹی بات اور غلط کام نہ چھوڑے تو اللہ کو کچھ حاجت نہیں کہ وہ (گناہوں کو چھوڑے بغیر) محض کھانا پینا چھوڑ دے۔ (بخاری ص ۲۵۵ ج ۱)

معلوم ہوا کہ کھانا پینا اور جنسی تعلقات چھوڑنے ہی سے روزہ کامل نہیں ہوتا بلکہ روزہ کو فواحش و منکرات اور ہر طرح کے گناہوں سے محفوظ رکھنا لازم ہے روزہ منہ میں، دوا و آدمی بدکلامی کرے۔ یہ اسکے لئے زیب نہیں دیتا۔ اسی لئے تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَتَّخِذْ فَإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ إِنِّي إِسْرَءِيلُ (یعنی جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو گندی باتیں نہ کرے۔ شہ نہ بچا۔ ے، اگر کوئی شخص گالی گلوچ یا لڑائی جھگڑا کرنے لگے تو (اس کو گالی گلوچ سے جواب نہ دے بلکہ) یوں کہہ دے کہ میں روزہ دار آدمی ہوں) (گالی گلوچ کرنا یا لڑائی کرنا میرا کام نہیں)۔ (بخاری ص ۲۵۵ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جن کے لئے (حرام کھانے یا حرام کام کرنے یا غیبت کرنے کی وجہ سے) پیاس کے علاوہ کچھ بھی نہیں اور بہت سے تہجد گزار ایسے ہیں جن کے لئے

(ریاکاری کی وجہ سے) جاگنے کے سوا کچھ نہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۷۷۱)

اَيَّامًا مَّعْلُومَاتٍ فرمایا کہ یہ بتایا کہ یہ چند دن کے روزے ہیں۔ ان روزوں کو رکھ لینا کوئی ایسی مشکل بات نہیں ہے۔ اس کے بعد مریض اور مسافر کے لئے آسانی بیان فرمائی کہ وہ اپنے ایام مرض اور ایام سفر میں روزہ نہ رکھیں تو رمضان گزر جانے کے بعد دوسرے دنوں میں اتنی ہی گنتی کر کے روزے رکھ لیں۔ یعنی چھوٹے روزوں کی قضا کر لیں۔ اس کی توضیح آئندہ آیت کے ذیل میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یہ جو فرمایا: وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ (کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں ان پر فدیہ ہے ایک مسکین کے کھانے کا) یہ ابتدائی حکم تھا۔ سنن ابی داؤد ص ۴۷ ج ۱ پر ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو (ہرمہ) تین دن کے روزے رکھنے کا حکم فرمایا پھر رمضان کے روزوں کا حکم نازل ہو گیا۔ لوگوں کو روزہ رکھنے کی عادت نہ تھی اور روزہ رکھنا ان کے لئے بھاری کام تھا۔ لہذا یہ اجازت تھی کہ طاقت ہوتے ہوئے بھی جو شخص روزہ نہ رکھے وہ ہر روزہ کے بدلہ ایک مسکین کو کھانا کھلاوے۔ پھر آیت کریمہ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ نازل ہوئی (اور طاقت ہوتے ہوئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت منسوخ ہو گئی) اور سب کو روزہ رکھنے کا حکم ہوا۔ البتہ مریض اور مسافر کے لئے اجازت باقی رہی کہ وہ رمضان میں روزہ نہ رکھیں اور بعد میں روزہ رکھ لیں۔

روزوں کے احکام میں تین انقلاب..... مسند امام احمد میں (ص ۲۴۶ ج ۵) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے طویل حدیث نقل کی ہے جس میں یہ ہے کہ نماز کے احکام میں تین چیزوں میں انقلاب ہوا ہے اور روزوں کے احکام میں تین چیزوں میں انقلاب ہوا ہے۔ اس کے بعد نماز کے تین انقلاب ذکر کرنے کے بعد روزہ کے تین انقلاب یوں ذکر کئے۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو ہرمہ تین دن کے روزے رکھتے تھے اور عاشوراء کے دن کا روزہ بھی رکھتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے فرض فرما دیے اور آیت کریمہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ نازل فرمائی جس میں رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم بھی ہے اور یہ بھی ہے کہ جو لوگ روزہ رکھ سکتے ہوں۔ انہیں اختیار ہے کہ چاہیں تو روزہ نہ رکھ لیں اور چاہیں تو ایک روزہ کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں، یہ کھانا کھلا دینا روزہ رکھنے کے عوض کفایت کرے گا۔

(۲) پھر اللہ تعالیٰ شانہ نے اس کے بعد والی آیت شَهْرَ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ (آخر تک) نازل فرمائی اس آیت میں یہ بھی ہے کہ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (کہ تم میں سے جو شخص ماہ رمضان میں موجود ہو اس کا روزہ رکھے اس آیت سے مقیم اور تندرست پر روزہ رکھنا فرض کر دیا گیا اور طاقت رکھنے والے کو روزہ نہ رکھ کر فدیہ دینے کی اجازت تھی وہ منسوخ کر دی گئی) اور مریض اور مسافر کے لئے رخصت باقی رہی (کہ وہ رمضان میں روزہ چھوڑ سکتے ہیں، بعد میں روزہ رکھ لیں) اور روزہ نہ رکھ کر فدیہ دینے کا حکم ایسے بوڑھے کے لئے باقی رہا جو روزہ رکھنے سے عاجز ہو۔

(۳) روزے کی راتوں میں کھاتے پیتے تھے اور عورتوں کے پاس جاتے تھے جب تک کہ سو نہ جائیں۔ اگر کوئی خض سو گیا (اگرچہ رات باقی ہوتی) تو ان کاموں میں سے کوئی کام کرنا جائز نہ تھا۔ اس کے بعد یہ ہوا کہ ایک انصاری صحابی جن کا نام مزہ تھا وہ روزہ کی حالت میں دن بھر کام کرتے رہے شام کو گھر آئے تو عشاء پڑھ کر سو گئے اور اب سونے کی وجہ سے کچھ کھانی نہ سکے کیونکہ سو جانے والے کو اجازت نہ تھی کہ باقی رات میں کھائے پیئے ان کو اسی حال میں صبح ہو گئی اور روزہ بھی رکھ لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا

کہ اُن کے جسم میں تکلیف کے آثار محسوس نہ ہو رہے ہیں آپؐ نے فرمایا کیا بات ہے میں تمہیں سخت تکلیف میں دیکھ رہا ہوں۔ انہوں نے اپنا سارا واقعہ سنایا اور ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سو جانے کے بعد آنکھ کھٹنے پر کسی باندی سے یا بیوی سے جماع کر لیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا واقعہ سنایا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ: اَحْلِلْ لَكُمْ لِلْهَلَةِ الصَّيَامِ الدَّفْعُ الْاِلٰی بِنَسَابِكُمْ نَازِلٌ فَرَمَانِی۔ (جس صحابی نے نیند آ جانے کی وجہ سے کھائے پئے بغیر دوسرے دن روزہ رکھ لیا تھا ان کا واقعہ صحیح بخاری میں ص ۲۵۶ ج ۱ میں بھی ہے)

صحیح بخاری ص ۲۶۱ ج ۱ میں حضرت ابن ابی لیلیٰ تابعی سے نقل کیا ہے کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے ہم سے بیان کیا کہ رمضان کے روزے نازل ہوئے تو روزہ رکھنا ان پر شاق ہو رہا۔ لہذا جو شخص روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتا وہ باوجود طاقت نہ ہونے کے روزہ چھوڑ دیتا تھا اور ان کو اس کی اجازت دی گئی تھی۔ پھر اس حکم کو اُن نَسْوَ فَمَنْ تَصَوَّفَ فَمَنْ خَفِيَ لَكُمْ نے منسوخ کر دیا۔ اور سب کو روزے رکھنے کا حکم دیا گیا۔ حضرت ابن عمرؓ نے بھی فَذَنبُهُ طَعَامُ مَسْكِينٍ کی تلاوت کی اور فرمایا کہ یہ اجازت منسوخ ہو چکی ہے۔ ان روایات سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ روزہ رکھنے کی طاقت ہوتے ہوئے بھی روزہ نہ رکھ کر فدیہ دینے کی اجازت منسوخ ہو چکی ہے۔ اب تو روزہ رکھنا ہی ہوگا اور اس میں جو تکلیف اور مشقت ہوگی وہ برداشت کرنا ہوگی۔ البتہ جو شخص بالکل ہی عاجز ہو جو روزہ رکھ ہی نہیں سکتا اُس کے لئے فدیہ کا حکم باقی ہے اور احادیث شریفہ کی تفسیرات کے بعد اب اس تاویل کی ضرورت نہیں رہی کہ بَطْلَانٌ سے قبل حرف نفی "لا" مقدم رہے۔ یا یہ کہ باب افعال کا مہذب سلب ماخذ کے لئے ہے۔ پھر فرمایا فَمَنْ تَصَوَّفَ خَيْرًا فَيَتَوَقَّعُ (کہ جو بھی شخص اپنی خوشی سے کوئی نیک کام کرے گا تو یہ اس کے لئے بہتر ہے)۔

اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ پورے ماہ رمضان کے روزے فرض کئے گئے ہیں۔ ان فرض روزوں کے علاوہ اگر کوئی شخص اپنی خوشی سے نفل روزے رکھ لے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے جیسا کہ صحیح بخاری ص ۲۵۴ ج ۱ میں ہے کہ جب ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے اس کے لئے پانچ نمازوں کی فرضیت بتادی اس پر اس نے کہا کیا اس کے علاوہ بھی مجھ پر کچھ ہے آپؐ نے فرمایا کہ ان کے علاوہ اور کوئی نماز فرض نہیں الا یہ کہ اپنی خوشی سے نفل نمازیں پڑھاؤ۔ پھر آپؐ نے رمضان کے روزوں کی فرضیت ذکر فرمائی اس نے وہی سوال کیا کیا ان کے علاوہ مجھ پر اور روزے بھی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ان کے علاوہ اور کوئی روزہ فرض نہیں الا یہ کہ اپنی خوشی سے نفل روزے رکھاؤ۔ الفاظ کے عموم میں ہر نیک کام کی ترغیب ہے۔ ایک نماز روزہ ہی کیا جو بھی کوئی شخص اپنی خوشی سے نیک کام کرے گا۔ نفل عبادات میں لگے گا۔ وہ اس کا صلہ پائے گا اور اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔ جو اس کی آخرت کے لئے بہتر ہوگا۔ اور دوسرا مطلب علمائے تفسیر نے یہ لکھا ہے کہ ایک روزہ کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا دینا ہے اگر کوئی شخص اپنی خوشی سے زائد دیدے تو وہ بہتر ہے۔

آیت کے اخیر میں فرمایا وَأَنْ تَصَوَّفَ فَمَنْ خَفِيَ لَكُمْ ان تَحْتَمُّمْ تَعْلَمُونَ علامہ ابو بکر صاؒ فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق ان لوگوں سے ہے جن کو شروع میں تندرست اور گھر پر مقیم ہوتے ہوئے روزہ نہ رکھنے اور اس کی جگہ فدیہ دینے کی اجازت دی گئی تھی۔ باوجود روزہ نہ رکھنے اور فدیہ دینے کی اجازت کے یہ فرمایا کہ روزہ رکھنا بہتر ہے۔ روزے کی جو خیر و برکت ہے اور اس کا جو روحانی نفع ہے۔ روزہ نہ رکھ کر فدیہ دینے میں وہ نفع نہیں ہے۔ علامہ صاؒ فرماتے ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا تعلق الَّذِينَ بَطِلَ صَوْمُهُمْ سے بھی ہو اور مسافروں سے بھی؛ کیونکہ اس سے پہلے یہ بھی ذکر آچکا ہے کہ مسافر اور مریض رمضان میں روزے نہ رکھ کر بعد میں قضا کر سکتے ہیں ان

کے لئے بھی فرمایا کہ وہ بھی رمضان ہی میں روزہ رکھ لیں تو بہتر ہے۔ کیونکہ عموماً مسافروں کو بغیر کسی ضرورت کے روزہ رکھنے کی طاقت ہوتی ہے اور اس سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ سفر میں روزہ رکھنا نہ رکھنے سے بہتر ہے۔ علامہ بھٹا صاحب نے اس سے ایک اور دقیق مسئلہ کا استنباط کیا ہے اور وہ یہ کہ جب ایک روزہ کے عوض ایک مسکین کو کھانا دینے کی اجازت دی گئی تھی (اور یہ ایک مسکین کا کھانا نصف صاع کے برابر ہوتا ہے) تو اس سے معلوم ہو گیا کہ ایک نفلی روزہ نصف صاع صدقہ کرنے سے افضل ہے۔ (ص ۱۸۰ ج ۱)

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ

رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور ہدایت کے بارے میں اس کے بیانات خوب واضح ہیں اور حق و باطل کے

وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ

ریمان فرق ظاہر کرنے والے ہیں سو جو شخص تم میں سے اس ماہ میں موجود ہو وہ اس میں روزہ رکھے اور جو شخص مریض ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں کی نفی کر کے

سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا

روزہ رکھ لے، اللہ تمہارے لئے آسانی کا ارادہ فرماتا ہے، دشواری کا ارادہ نہیں فرماتا اور تاکہ تم کو نفی

الْعِدَّةَ وَلِتُكْمِلُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدٰكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۲۵﴾

پوری کیا کرو اور تاکہ تم اس پر اللہ کی پڑائی بیان کر دو کہ اُس نے تم کو ہدایت دی اور تاکہ تم شکر کرو۔

قرآن مجید رمضان المبارک میں نازل کیا گیا

اس آیت شریفہ میں ان دنوں کی تعیین فرمادی گئی جن میں روزے رکھنا فرض ہے۔ پہلی آیت میں اِنَّمَا مَعْدُوذَاتٌ فرمایا اور اس آیت میں ماہ رمضان کا صاف نام لے کر بیان فرمادیا کہ جو شخص اس ماہ میں موجود ہو وہ روزے رکھے اور ساتھ ہی رمضان المبارک میں ایک دوسری فضیلت بھی بیان فرمادی اور وہ یہ کہ اس ماہ میں قرآن مجید نازل ہوا۔ اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ قرآن مجید ماہ رمضان میں نازل کیا گیا۔ اور سورہ قدر میں فرمایا کہ لیالۃ القدر میں نازل فرمایا۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ لیالۃ القدر رمضان المبارک میں ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ قرآن مجید تو تھوڑا تھوڑا کر کے تینیس سال میں نازل ہوا۔ پھر اس کا کیا مطلب ہے کہ رمضان المبارک میں نازل ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شب قدر میں لوح محفوظ سے پورا قرآن جملہ واحدہ (اکٹھا) آسمان دُنیٰ پر نازل کیا گیا اور بیت العزت میں رکھ دیا گیا۔ پھر وہاں سے حضرت جبریل علیہ السلام تھوڑا تھوڑا حسب الحکم لاتے رہے۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۹۲ ج ۲) قرآن کے بارے میں فرمایا کہ وہ لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت کے بارے میں واضح بیانات ہیں اور وہ حق اور باطل میں فرق کرنے والا ہے۔ قرآن کی یہ صفت ظاہر باہر واضح ہے دوست و دشمن سب پر عیاں ہے۔

یہ جو فرمایا فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ اس میں ہر عاقل و بالغ مسلمان مرد و عورت پر رمضان کے روزوں کی فرضیت کی تصریح فرمادی۔ البتہ مسافر اور مریض اور حمل والی عورت اور وہ بچہ پلانے والی عورت کو اجازت دی گئی کہ وہ رمضان میں روزہ نہ رکھیں اور بعد میں

اس کی قضا رکھ لیں۔ اور حیض و نفاس والی عورت کو حکم ہے کہ وہ رمضان میں روزے نہ رکھیں اور بعد میں رکھ لیں۔ ان مسائل کی تفصیلات حدیث اور فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ جن میں سے بعض مسائل ان شاء اللہ ابھی نقل کریں گے۔

دنیا میں جب سے سلسلہ مواصلات کی آسانی ہو گئی ہے اور تیز رفتار طیارے گھنٹوں میں مہینوں کی مسافت پر پہنچا دیتے ہیں اس وقت سے یہ سوال سامنے آنے لگا کہ کوئی شخص کسی ملک میں تھا وہاں اس نے تیس روزے رکھ لئے پھر وہ کسی ایسے ملک میں پہنچ گیا جہاں ایک دن ابھی رمضان کے ختم ہونے میں باقی ہیں تو وہ ان دنوں میں کیا کرے۔ احقر کے نزدیک اس سوال کا جواب یہ ہے کہ وہ جہاں پہنچا ہے وہاں چونکہ رمضان موجود ہے۔ اس لئے ان دنوں کے روزے رکھے۔ آیت فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ کا وہم اسی کو متقاضی ہے اور فقہاء نے یہ جو لکھا ہے کہ رمضان کے دن میں بے روزہ نہ بالغ، بالغ ہو جائے یا کوئی حیض والی عورت پاک ہو جائے تو وہ رمضان کے احترام میں شام تک نہ کھائے پئے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو آدمی ایسے علاقہ میں پہنچ گیا جہاں ابھی رمضان باقی ہے وہ رمضان کا احترام کرے احترام کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ روزہ نہ رکھے اور کھائے پئے بھی نہیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ روزہ سے رہے۔ اور یہ روزہ رکھنا آیت کے وہم کے مطابق ہے۔ لہذا ایسے شخص کو روزہ ہی رکھنا چاہیے۔ مطلق نیت صوم سے روزہ رکھ لینا چاہیے۔ مطلق نیت سے نفل روزہ ادا ہو جاتا ہے اور رمضان کا فرض روزہ بھی۔ لہذا اگر مطلق روزہ کی نیت کر لی اور خدا نے احوالی کے نزدیک ان دنوں کے روزے فرض ہوئے تو فرض ادا ہو جائے گا۔ ورنہ نفل کا ثواب مل جائے گا اور رمضان کا احترام بھی ہو جائے گا۔

مریض اور مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت اور بعد میں قضا رکھنے کا حکم..... یہ ارشاد فرمانے کے بعد کہ ”جو شخص ماہ رمضان میں موجود ہو اس کے روزے رکھے“ مریض اور مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ جتنے دنوں کے روزے رمضان المبارک میں مسافر اور مریض نے نہیں رکھے وہ رمضان کے بعد دوسرے دنوں میں اتنی ہی گنتی کر کے جتنے روزے چھوئے ان کی قضا رکھ لے۔ غلامہ جصاص فرماتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے مطاقاً اتنے دنوں کی گنتی کر کے قضا کرنے کا حکم فرمایا ہے جتنے دن کے روزے رو گئے ہیں اور لگاتار قضا رکھنے کی کوئی قید اور شرط نہیں لگائی اس لئے روزوں کی قضا کرنے والا متفرق طور پر رکھ لے یا لگاتار رکھ لے۔ دنوں طرہ درست ہے۔ اور يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ (ص ۲۰۹)

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر دوسرا رمضان آنے تک پہلے رمضان کے قضا روزے نہ رکھے تو اب اس موجودہ رمضان کے روزے رکھ لے اور گزشتہ رمضان کے روزوں کی قضا بعد میں کر لے البتہ جلد سے جلد قضا رکھ لینا بہتر ہے اس میں مسرعت الی الخیر ہے اور چونکہ ہمت کا کچھ پتہ نہیں اس لئے ادائیگی فرض کا اہتمام بھی ہے۔

مسئلہ..... ہر مریض کو اجازت نہیں ہے کہ بعد میں قضا رکھنے کے لئے رمضان کے روزے چھوڑے بلکہ یہ رخصت و اجازت ایسے مریض کو دی ہے جس کو روزہ رکھنے سے سخت تکلیف میں مبتلا ہونے یا کسی عضو کے تلف ہونے کا قوی اندیشہ ہو، یا ایسے مرض میں مبتلا ہو جس میں روزے رکھنے کی وجہ سے مرض کے طول پکڑ جانے کا غالب گمان ہو جو تجربہ سے ماہر مسلم معالج کے قول کی بنیاد پر ہو اور یہ ماہر مسلم معالج ایسا ہو جس کا فاسق و نافرمان نہ ہو۔ قال فی الدر المختار او مریض خاف الزیادة لمرضه وصحیح خاف المرض بغلبة الظن بأمارۃ أو بتجربة أو بإخبار طبیب حاذق مسلم مستور اه وفي الشامی أما الکافر فلا يعتمد علی قوله لاحتمال أن غرضه إفساد العبادة . (فصل فی العوارض)

اس بارے میں لوگ یہ غلطی کرتے ہیں کہ معمولی سے مرض میں روزہ چھوڑ دیتے ہیں گو اس مرض کے لئے روزہ مسنر بھی نہ ہو بلکہ بعض

امراض میں روزہ مفید ہوتا ہے پھر بھی مرض کا بہانہ بنا کر روزہ نہیں رکھتے اور بہت سے لوگ ڈاکٹروں کے کہہ دینے سے روزہ چھوڑ دیتے ہیں۔ اس بارے میں ہر ڈاکٹر کا قول معتبر نہیں ڈاکٹر بے دین فاسق بلکہ کافر بھی ہوتے ہیں۔ انہیں نہ مسئلہ کا علم ہوتا ہے۔ نہ روزہ کی قیمت جانتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو تو خواہ مخواہ روزہ چھڑوانے میں مزہ آتا ہے اور کافر ڈاکٹر کا قول تو اس بارے میں بالکل ہی معتبر نہیں۔

مریض کو اپنے تجربے اور اپنی ایمانی صوابدید سے اور کسی ایسے معالج سے روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کا فیصلہ کرنا چاہیے جو مسلمان ہر روز سے کی اہمیت سمجھتا ہو اور خوف خدا رکھتا ہو۔ اور مسئلہ شریعہ سے واقف ہو۔ اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بہت سے لوگ بیماری کی وجہ سے رمضان کے روزے چھوڑ دیتے ہیں اور پھر رکھتے ہی نہیں اور بہت بڑی گنہگاری کا بوجھ لے کر قبر میں چلے جاتے ہیں۔ کھانے پینے کی محبت اور آخرت کی بے فکری کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔ یہ ان مریضوں کا بیان ہوا جو عموماً تندرست رہتے ہیں اور عارضی طور پر مریض ہو گئے۔ یہ لوگ صحت یاب ہو کر بعد میں قضا رکھ لیں۔ لیکن ایسا مرد یا عورت جو مستقل مریض ہو جسے روزہ رکھ سکے کی زندگی بھر امید نہ ہو اور ایسے مرد یا عورت جو بہت بوڑھے ہوں، نہ اب روزہ رکھنے کی طاقت ہے نہ پھر کبھی روزہ رکھ سکے کی امید ہے تو یہ لوگ روزوں کے بجائے فدیہ دیں، لیکن اگر کبھی بعد میں روزہ رکھنے کے قابل ہو گئے تو روزے رکھنا فرض ہو گا اور فدیہ جو دیا ہے نفی صدقہ ہو جائے گا۔

جس طرح کہ ہر مریض کو روزہ چھوڑنے کی اجازت نہیں۔ اسی طرح ہر مسافر کو بھی روزہ چھوڑنے کی اجازت نہیں۔ رمضان المبارک کا روزہ بعد میں قضا رکھنے کی نیت سے اس مسافر کو روزہ نہ رکھنا جائز ہے جو مسافت قصر کے ارادہ سے اپنے شہر یا ہستی سے اٹکا ہو جب تک سفر میں رہے گا مگر وہ یا عورت اسے رمضان کا روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ جب گھر آ جائے تو روزوں کی قضا کر لے۔ ہاں اگر سفر میں کسی جگہ چند روزوں ٹھہرنے کی نیت کر لی تو اب شرعاً مسافر کے حکم میں نہیں رہا۔ ان دنوں میں رمضان المبارک ہو تو روزے رکھنا فرض ہو گا اور نماز میں قصر کرنا جائز نہ ہو گا۔ مسافت قصر ۴۸ میل ہے (کلومیٹر کا حساب کر لیا جائے) اتنی مسافت کے لئے خواہ پیدل سفر کرے یا بس سے یا روانی جہاز سے شرعی مسافر مانا جائے گا۔ وہ نمازوں میں قصر بھی کرے اور اسے یہ بھی جائز ہے کہ رمضان شریف کے روزے نہ رکھے اور بعد میں جب گھر آ جائے تو چھوٹے روزوں کی قضا رکھ لے۔

جو شخص مسافت قصر سے کم سفر کے لیے گیا ہو اسے روزہ چھوڑنا جائز نہیں۔ شرعی مسافر کو (جس کی مسافت سفر اوپر بتا دی گئی ہے) سفر میں روزہ چھوڑنے کی اجازت تو ہے۔ لیکن رمضان میں روزہ رکھ لینا بہتر ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اول تو رمضان کی برکت اور نورانیت سے محرومی نہ ہوگی، دوسرے سب مسلمانوں کے ساتھ مل کر روزہ رکھنے میں آسانی ہوگی اور بعد میں تہوار روزہ رکھنا مشکل ہو گا۔

مسئلہ..... مسافر اور مریض (جنہیں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے) وہ اگر اپنے زمانہ عذر ہی میں مر گئے تو چونکہ انہوں نے قضا رکھنے کا وقت ہی نہیں پایا۔ اس لئے ان پر اپنے چھوٹے روزوں کی طرف سے فدیہ دینے کی وصیت کرنا واجب نہیں اور اگر مریض نے اچھا ہو کر مسافر نے گھر آ کر روزے نہیں رکھے یا کچھ رکھے اور کچھ نہ رکھے۔ تو جتنے دن مرض اور سفر کے بعد پائے ہیں ان کی طرف سے فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرنا واجب ہے۔ وصیت کے بعد اس کا ولی قرضوں کی ادائیگی کے بعد اس کے تہائی مال سے ہر روزہ کے عوض بقدر صدقہ فطر کے صدقہ کر دے اور اگر اس نے وصیت نہ کی اور اس کے ولی نے اپنی خوشی سے اپنے ذاتی مال میں سے اس کی طرف سے فدیہ دے دیا تو ان شاء اللہ یہ بھی مفید ہو گا۔

مثلاً اگر دس دن کے روزے چھوڑے تھے اور اسی قدر ایام صحت اور ایام اقامت پالے اور قضا روزے نہ رکھے اور موت آنے لگی تو پورے دس دن کے روزوں کی طرف سے فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرے اور اگر ایام صحت اور ایام اقامت میں صرف پانچ دن ملے تھے

اور ان میں قضا روزے نہ رکھنے تو صرف پانچ دن کے روزوں کی طرف سے فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرتے۔ (عن الدر المنثور)
 حاملہ اور مریضہ کے لئے رخصت..... سنن نسائی (ص ۳۱۸) میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مسافر کے لئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے اور اس کی نماز کا ایک حصہ معاف فرمایا ہے (کہ چار رکعات والی فرض نماز کی دو رعتیں مسافر کے ذمہ رہ جاتی ہیں) اور دودھ پلانے والی عورت اور حمل والی عورت کو بھی رمضان میں روزے نہ رکھنے کی اجازت ہے کہ وہ رمضان المبارک میں روزہ نہ رکھیں اور بعد میں ان روزوں کی قضا رکھ لیں۔ جس حاملہ کو روزہ رکھنے سے زیادہ تکلیف ہوتی ہو یا زیادہ تکلیف میں پڑ جانے یا اپنی جان یا بچے کی جان کا اندیشہ ہو تو وہ عورت رمضان کے روزے چھوڑ کر بعد میں رکھ لے اسی طرح دودھ پلانے والی عورت کے لئے بھی اس وقت رمضان المبارک کا روزہ چھوڑنا جائز ہے جبکہ روزہ رکھنے سے بچے کو دودھ سے خروبی ہو جاتی ہو اور بچہ دودھ پلانے والی کے دودھ کے علاوہ دوسری غذا کے ذریعہ گزار نہ کر سکتا ہو اور بچہ کا دودھ پلانے سے (جیسا کہ آج کل رواج ہے) یا دلیب یا چاول وغیرہ کھانے سے بچہ کی غذا کا کام چل سکتا ہو تو پھر روزہ پلانے والی کو رمضان المبارک کے روزے چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے اور یہ بھی جانا چاہیے کہ جب بچہ کی عمر دو سال ہو جائے تو اس کو عورت کا دودھ پلانا ہی منع ہے۔ جب بچہ کی عمر دو سال ہو جائے اس کے دودھ پلانے کے لئے روزہ چھوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حیض اور نفاس والی عورت کا حکم..... جس عورت کو رمضان المبارک میں ماہنامہ کی دن آجائیں یا ولادت کے بعد کا خون آ رہا ہو جسے نفاس کہتے ہیں یہ دونوں عورتیں رمضان المبارک کے روزے نہ رکھیں اگرچہ روزہ رکھنے کی طاقت ہو لیکن بعد میں ان روزوں کی قضا رکھ لیں اور حیض نفاس کے زمانہ کی نمازیں بالکل معاف ہیں۔ ان دنوں پر ان کی قضا نہیں۔

اللہ نے دین میں آسانی رکھی ہے..... اللہ تعالیٰ شانہ نے کسی ایسی بات کا حکم نہیں دیا جو بندوں کی طاقت سے باہر و قرآن میں کئی جگہ اس کا ذکر ہے آیت بالا میں مریض اور مسافر کا حکم بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: يُسْرِلْهُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَىٰ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا راہ فرماتا ہے۔ اور تمہارے ساتھ مشقت کا راہ نہیں فرماتا۔ نمازوں کے بارے میں بھی مریض کے لئے آسانی ہے کہ کھڑے ہو کر لیٹ کر بیٹھ کر رکوع اور سجدہ یا اشارہ کے ساتھ اپنی طاقت کے مطابق جس طرح ممکن ہو نماز پڑھے لے زکوٰۃ میں بھی مطابق مال ہونے پر زکوٰۃ فرض نہیں کی گئی، بلکہ صاحب نصاب پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اور اس کی ادائیگی اس وقت فرض ہے جب نصاب پر چاند کے حساب سے ایک سال گزر جائے اور پھر زکوٰۃ میں جو کچھ واجب ہوتا ہے وہ بہت قلیل ہے یعنی کل مال کا چالیسواں حصہ دینا واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح حج ہر شخص پر فرض نہیں جو شخص مکہ معظمہ تک سواری پر آنے جانے کی طاقت رکھتا ہو اور ساتھ ہی سفر خرچ بھی ہو اور بال بچوں کا ضروری خرچہ پیچھے چھوڑ جانے کے لئے موجود ہو جب حج فرض ہوتا ہے اور وہ بھی زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے۔ روزہ رمضان فرض ہونے کے باوجود مریض اور مسافر اور شیخ فانی حاملہ اور دودھ پلانے والی کے لئے جو آسانیاں ہیں وہ اوپر ابھی بیان ہو چکی ہیں دیگر احکام میں جو آسانیاں ہیں وہ بھی عام طور سے معلوم اور مشہور ہیں۔

قوله تعالى وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ (الآية) اس کے بارے میں روح المعانی (ص ۲۴ ج ۲) فرماتے ہیں ای وشروع لكم جملة ما ذكر من امر الشاهد بصوم الشهر المستفاد من قوله تعالى فمن شهد منكم الشهر فليصمه وامر المرخص له بالقضاء كيف ما كان متواترا أو متفرقا وبمراجعة عدة ما افطر من غير نقصان ومن الترخيص المستفاد من قوله عز وجل (يريد الله بكم اليسر أو من قوله تعالى فعدة من أيام أخر) لتكملوا الخ۔

مطلب یہ کہ ولتکملوا میں راؤ عاظمہ ہے جو فعل محذوف پر عطف ہے مطلب یہ کہ تمہارے لئے جو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم مشروع فرمایا کہ جو شخص ماہ رمضان میں موجود ہو وہ روزے رکھے اور مریض اور مسافر کو رمضان میں روزے چھوڑ کر بعد میں پھوٹے ہوئے روزوں کی گنتی کے موافق قضا روزے متواتر یا متفرق طریقہ پر رکھنے کی وجہ اجازت دی یہ اس لئے ہے کہ تم ٹھیک اچھی طرح گنتی کا دھیان رکھ کر تکمیل کرو تا کہ ادا و قضا ہوئی روزہ نہ جائے اور تا کہ تم اس پر اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور یہ جو فرمایا: وَلْتَكْبِرُوا لِلَّهِ عَلَىٰ مَا هَذَا حَكْمُهُ اس میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی یعنی اس کی حمد و ثناء بیان کرنے کا حکم ہے۔ حضرت زید بن اسلم نے فرمایا کہ اس سے ایوم عید کی تکبیریں مراد ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے چاند دیکھنے کے وقت اللہ اکبر کہنا مراد ہے۔ اور لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ میں تسہیل اور تسیر کی نلت بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حالت سفر اور مرض میں روزہ چھوڑ کر بعد میں قضا رکھنے کی جو آسانی دی ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ تم اللہ کا شکر ادا کرو۔ یہ آسانی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اس نعمت کی قدر روائی کرو۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي

اور جب نہ۔ بندہ۔ آپ سے میرے بار۔ میں سوال کرے گا میں بلاشبہ میں قریب ہوں۔ دعا۔ آواز۔ والے کی دعا قبول ہوگی۔ جب وہ مجھ سے دعا کرے وہ میرے کام کو

وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿۱۰﴾

قبول کریں اور مجھ پر یقین رکھیں تاکہ وہ ٹھیک ہوں۔

دُعا کی فضیلت اور آداب

تفسیر ورمشور ص ۱۹۴ ج ۱ میں ذکر کیا ہے کہ ایک شخص حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمارا رب قریب ہے جس سے ہم آہستہ طریقے پر مناجات کریں یا دُور ہے جسے ہم زور سے پکاریں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آیت وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ نازل فرمائی اور حضرت عطاء ابن ابی رباح نے بیان فرمایا کہ آیت وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا کہ اگر ہمیں معلوم ہو جاتا کہ ہم کس وقت دعا کریں تو اچھا تھا اس پر آیت وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ نازل ہوئی۔

گزشتہ آیات میں روزے کے احکام بیان ہوئے۔ رمضان المبارک کا مہینہ آخرت کمانے کا سیزن ہے اس میں کمائی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور روزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۲۵۵ ج ۱) اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر رات ایک مناد ہی ندا دیتا ہے کہ اے خیر کی تلاش کرنے والے آگے بڑھو اور اے شر کے تلاش کرنے والے رک جا۔ (سنن الترمذی ص ۱۲۲ ج ۱) اور اہل ایمان کی طبیعتیں نیکیوں کی طرف بہت زیادہ راغب ہو جاتی ہیں۔ روزے بھی رکھتے ہیں۔ نمازوں کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔ فرضوں کے علاوہ مزید نمازیں پڑھتے ہیں ذکر و تلاوت میں لگتے ہیں۔ دُعاؤں میں مشغول ہوتے ہیں۔ شب قدر کو زبرد رکھتے ہیں۔ رمضان میں دُعا میں قبول ہوتی ہیں۔ (سنن ترمذی ابواب الدعوات) لہذا یہ مناسب ہوا کہ احکام رمضان کے درمیان دُعا کی قبولیت کا ذکر کر دیا جائے۔ آیت بالا میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قریب ہے وہ سب کی دُعا سنتا ہے اور قبول بھی فرماتا ہے۔ آہستہ سے دُعا کرو یا زور سے وہ ہر دُعا سنتا ہے۔ جو دُعا زبان سے نہ ہو صرف دل سے ہو وہ اس کو بھی جانتا ہے اور قبول فرماتا

ہے۔ اسی لئے اسنفع نہیں فرمایا بلکہ۔ اَنْجِبْتُ فَرَمَايَا تاکہ قلبی دُعا کو بھی شامل ہو جائے۔ سورۃ فرق میں فرمایا وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ اقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الدُّرْبِ (اور البتہ تحقیق ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے نفس میں جو خیالات آتے ہیں ہم ان کو جانتے ہیں اور ہم انسان کے اس قدر قریب ہیں کہ اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ)

صحیح بخاری ص ۹۴۳ ج ۲ میں ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے جب ہم کسی اونچائی پر چڑھتے تو بلند آواز سے اللہ اکبر کہتے تھے آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! اپنی جانوں پر رحم کرو کیونکہ تم کسی ایسے کو نہیں پکار رہے، جو جو بہرہ ہے اور غائب ہے تم تو سمیع اور بصیر کو پکار رہے ہو۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک تمہارا رب شرمیلا ہے کریم ہے وہ اس بات سے شرماتا ہے کہ بندہ جب اس کی طرف ہاتھ اٹھائے تو وہ ان ہاتھوں کو بغیر کسی خیر کے واپس فرما دے۔ (آخر جہ الترمذی فی ابواب الدعوات وحسن واخرجہ الحاکمی فی المستدرک وقال علی شرطہ الشیخین واقرہ الذہبی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری دُعا قبول کی جاتی ہے جب تک کہ دعا کرنے والا جلدی نہ کرے وہ کہتا ہے کہ میں نے دُعا کی وہ قبول نہ ہوئی۔ (صحیح بخاری ص ۹۳۸ ج ۲)

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بندہ کی دعا برابر قبول ہوتی رہتی ہے جب تک کہ گناہ کی اور قطع رحمی کی دُعا نہ کرے بشرطیکہ جلدی نہ چمائے عرض کیا کہ جلدی چمانے کا کیا مطلب ہے فرمایا جلدی چمانا یہ ہے کہ یوں کہنے لگے میں نے دُعا کی اور لیکن مجھے قبول ہوتی نظر نہیں آتی یہ سمجھ کر تھک کر بیٹھ جائے اور دُعا کو چھوڑ دے۔ (صحیح مسلم ص ۳۵۲ ج ۲) دُعا برابر کرتے رہیں۔ رغبت کے ساتھ دل کو حاضر کر کے دُعا کریں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا... لیس شئاً اکرم علی اللہ من الدعاء کہ اللہ کے نزدیک دعا سے بڑھ کر کوئی چیز فضیلت والی نہیں ہے اور ایک حدیث میں ہے الدعاء مخ العبادۃ دُعا عبادت کا مغز ہے اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص کو یہ خوشی ہو کہ اللہ تعالیٰ غنیوں اور بے چینیوں کے وقت اسکی دعا قبول کرے سو چاہیے کہ وہ اچھے حالات میں کثرت سے دُعا کرے۔

دُعا قبول ہونے کا کیا مطلب ہے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی شخص کوئی دُعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سوال کے مطابق اسے عطا فرما دیتا ہے یا اس جیسی آنے والی کسی مصیبت کو روک دیتا ہے جب تک کہ گناہ گاری اور قطع رحمی کی دُعا نہ کرے۔ (آخر جہ الاحادیث الاربعۃ الترمذی فی ابواب الدعوات)

اور مسند احمد میں ایک بات کا اضافہ ہے اور وہ یہ کہ یا اس کی دعا کو اللہ تعالیٰ آخرت کیلئے ذخیرہ بنا کر رکھ دے گا (جو اسے آخرت میں کام دے گی)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹۶)

اوگ کہتے ہیں دُعا قبول نہیں ہوتی حقیقت میں مانگنے والے ہی نہیں رہے۔ اول تو حضور قلب سے دُعا نہیں کرتے۔ دوسرے حرام اوگ نے بچنے کا اہتمام نہیں کرتے۔ حدیث شریف میں ہے کہ کوئی شخص لمبے سفر میں ہو۔ اس کے بال بکھرے ہوئے ہوں جسم پر گرد و غبار اٹا ہوا ہے۔ وہ آسمان کی طرف ہاتھ پھیلاتے ہوئے یا رب یا رب کہہ کر دُعا کرتا، وہ اور حال یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے پینا حرام ہے اور اس کو حرام سے غذا دی گئی۔ پس ان حالات میں اس کی دُعا کیوں کر قبول ہوگی۔ (صحیح مسلم ص ۳۲۶ ج ۱)

نیز سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دُعا ان مصیبتوں کے دور ہونے کے لئے بھی نافع ہے جو نازل

یہ چکیں اور ان مصیبتوں کو روکنے کے لئے بھی جو نازل نہیں ہوئیں۔ سوائے اللہ کے بندہ! تم دعا کو لازم پکڑ لو۔ (ابواب الدعوات)
سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ سے تم اس طرح دعا کرو کہ قبولیت کا یقین ہو اور یہ جان لو کہ
بلاشبہ اللہ تعالیٰ غافل اور لاپرواہ اول کی دعا قبول نہیں فرماتا۔ آیت کریمہ کے اخیر میں فرمایا:

فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ کہ میرے تمام احکام کو قبول کریں اور میری ذات و صفات پر ایمان لائیں مجھ پر
یقین اور بھروسہ رکھیں۔ ایسا کریں گے تو ہدایت پر ثابت قدم رہیں گے اور مزید ہدایت پائیں گے۔ قال صاحب الروح: ائی فلیطلبوا
اجابتی لهم اذا دعوتهم للإيمان والطاعة كما انی اجیبهم اذا دعونی لحوالجهم۔ (ص ۶۳ ج ۲)

وقال القرطبی ص ۲۱۲ ج ۲ قال الهروی الرشد والرشد والرشد والارشاد الهدی والاستقامة ومنه قوله تعالیٰ لعلهم
یرشدون۔ وقال البیضاوی ص ۱۳۰ ج ۱ اقلینستجیبوا لی اذا دعوتهم للإيمان والطاعة كما اجیبهم اذا دعونی
لمهماتهم ولیؤمنوا بی امر بالثبات والمدامۃ علیہ لعلهم یرشدون راجعین اصابۃ الرشد وهو اصابۃ
الحق۔ (صاحب روح المعانی کہتے ہیں۔ یعنی انہیں چاہیے کہ جب میں انہیں ایمان و طاعت کی طرف بلاؤں تو وہ میری آواز پر بلیک
کہیں جیسا کہ جب وہ اپنی حاجتوں اور ضرورتوں میں مجھ سے دعا کرتے ہیں تو میں ان کی دعائیں قبول کرتا ہوں۔ ہر وہی کہتے ہیں:
رُشد، رُشد اور رشاد متیوں کا معنی ہدایت و استقامت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول لعلهم یرشدون اسی سے ہے۔ بیضاوی کہتے ہیں
بندوں کو چاہیے کہ جب میں انہیں ایمان و طاعت کا حکم دوں تو وہ میرے حکم کو قبول کریں جیسا کہ جب وہ اپنی مہمات یعنی اہم امور میں
مجھ سے دعا کرتے ہیں تو میں ان کی دعا کو قبول کرتا ہوں۔ ولیؤمنوا بی میں ایمان پر ثابت قدمی اور یقین کا حکم ہے۔ لعلهم
یرشدون یعنی راہ ہدایت جو کہ راہ حق ہے کو پہنچنے کی امید رکھیں۔)

أَجَلٌ لَّكُمْ لَيْلَةُ الصِّيَامِ الرَّفْتُ إِلَى نَسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ

حلال کیا گیا تمہارے لئے روزوں کا راتوں میں بیویوں میں ملنا قبول ہوتا، وہ لباس ہیں تمہارے لئے اور تم ان کا لباس ہو

عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ

اللہ نے جان لیا کہ بلاشبہ تم اپنے نفسوں کی خیانت کرتے تھے، اس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی اور تم کو معاف فرمادیا، سو اب ان سے میل ملاپ کرو۔

وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ

اور تلاش کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے، اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہارے لئے سفید تاکہ سیاہ تاکہ سے

الْأَسْوَدَ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتُوا الصِّيَامَ إِلَى الْآلِيلِ ۚ وَلَا تَبَاشَرُوا هُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسْجِدِ

مستازہ نہ کر ظاہر ہو جائے، یعنی فجر کا تاکہ، پھر تم روزے پورے کرہ رات تک اور بیویوں سے میل ملاپ نہ کرو، اس حال میں کہ تم اعتکاف کئے ہوئے ہو مسجدوں میں۔

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۚ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ

یہ اللہ کی حد بندیاں ہیں لہذا ان کے پاس نہ بھٹکو اسی طرح اللہ بیان فرماتا ہے لوگوں کے لئے اپنی آیات تاکہ لوگ پرہیزگار بنیں۔

تکمیلہ احکامِ صیام

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ روزوں کی فرضیت کے ابتدائی زمانہ میں (قانون کے مطابق) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اس پر عمل کرتے تھے کہ جب کسی شخص کا روزہ ہوتا اور افطار کا وقت آ جاتا اور وہ افطار سے پہلے سو جاتا تو اب پوری رات اور اگلے پورے دن نہیں کھا سکتا تھا جب تک کہ شام نہ ہو جائے۔ اور یہ واقعہ پیش آیا کہ قیس بن صرمہ انصاری رضی اللہ عنہ کا روزہ تھا افطار کا وقت ہوا تو وہ اپنی بیوی کے پاس آئے ان سے کہا تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انہوں نے کہا میرے پاس تو کچھ نہیں ہے لیکن میں کہیں سے جا کر تمہارے لئے انتظام کر کے لاتی ہوں۔ انہوں نے دن بھر کام کیا تھا ابھی ان کی بیوی واپس نہ آئی تھی کہ ان کی آنکھ لگ گئی پس جب وہ آئیں اور ان کو دیکھا کہ سو چکے ہیں تو کہنے لگیں ہائے تیری محرومی (کھانے کا وقت ختم ہوا اور کل کو روزہ بھی رکھنا ہے) انہوں نے اسی طرح (بغیر کھائے پئے) روزہ رکھ لیا جب آدھا دن ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ اجل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی یسأتکم نازل فرمائی جس سے مسلمان بہت خوش ہوئے اور آیت وَتَمْلُکُوا وَتَشْرَبُوا حَتّٰی یَبَیِّنَ لَکُمُ الْخِیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخِیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری ص ۲۵۶ ج ۱) قال فی فتح الباری بعد ذکر الاختلاف فی اسم الصحابی الذی وقع له ذلک انه ابو قیس صرمۃ بن ابی انس قیس بن مالک فمن قال قیس بن صرمۃ قلبہ۔ (یعنی جس صحابی کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ان کے نام میں اختلاف ذکر کرنے کے بعد صاحب فتح الباری کہتے ہیں کہ وہ صحابی ابو قیس صرمہ بن انس قیس بن مالک ہیں اور جس نے قیس بن صرمہ کہا ہے اس نے اسکی تقلید کر دی ہے۔)

سو جانے کے بعد رمضان المبارک میں جیسے کھانا پینا ممنوع ہو جاتا تھا اسی طرح بیویوں سے ہمبستر ہونا بھی ممنوع ہو جاتا تھا۔ صحابہ کو اس میں بہت دشواری پیش آئی۔

صحیح بخاری ص ۲۴۷ ج ۲ میں ہے کہ جب رمضان کے روزوں کا حکم ہوا تو (افطار کے بعد نیند آ جانے کی صورت میں) عورتوں کے قریب نہ جاتے تھے اور پورے رمضان کا یہی قانون تھا اور بہت سے لوگ اپنے نفوس کی خیانت کرتے تھے (اور قانون کی خلاف ورزی کر بیٹھتے تھے) لہذا اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّکُمْ کُنتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَکُمْ فَتَابَ عَلَیْکُمْ وَعَفَا عَنْکُمْ نازل فرمائی۔ سنن ابی داؤد (باب کیف الاذان) میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی بیوی سے جماع کرنے کا ارادہ کیا انہوں نے کہا میں تو سو گئی تھی (اب یہ کام جائز نہیں رہا) انہوں نے سمجھا کہ یہ بہانہ کر رہی ہے لہذا جماع کر بیٹھے۔ تفسیر درمنثور ص ۱۹۷ ج ۱ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے اور باتیں کرتے رہے گھر آئے تو دیکھا کہ بیوی سو چکی ہے اُسے جگایا اور مخصوص کام کا ارادہ کیا وہ کہنے لگی کہ میں تو سو گئی تھی۔ انہوں نے کہا تم سوئی نہیں ہو (غلط کہہ رہی ہو) پھر اس سے جماع کر لیا اور کعب بن مالک کو بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا صحیح بخاری ص ۲۴۷ ج ۱ میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا واقعہ سنایا اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّکُمْ کُنتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَکُمْ نازل فرمائی۔ نفس کے ابھار کی وجہ سے جو نفوس کا تقاضا پورا کر لیا اس میں بظاہر نفس کی موافقت ہے لیکن قانون شرعی کی خلاف ورزی کی وجہ سے یہ نفوس کی خیانت ہے کیونکہ احکام کی خلاف ورزی مواخذہ کی چیز ہے اور تختانون کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ غلبہ شہوت کی وجہ سے تمہارے نفوس کا تقاضا بیویوں کے پاس جانے کا ہوتا تھا لیکن تم اجازت شرعی نہ دینے کی وجہ سے تقاضے کو پورا نہ کرتے تھے اس میں نفوس کی خوانش کی خیانت تھی اگرچہ ایمانی تقاضوں کی موافقت تھی۔ اب مباشرت کی اجازت دے دی گئی تو نفوس کی خیانت بھی ختم ہوئی۔ آیت شریفہ اجل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی یسأتکم نازل

ہونے سے پوری رات کھانا پینا اور بیویوں سے مباشرت کرنا جائز ہو گیا۔ جو کچھ کسی سے خلاف ورزی ہوئی تھی وہ اس پر نادم ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور ان کو معاف فرمادیا۔

زن و شوہر کے تعلقات کا لطیف انداز میں بیان..... رمضان المبارک کی راتوں میں بیویوں سے مباشرت کی اجازت دیتے ہوئے میاں بیوی کے تعلق کو ایک لطیف انداز میں بیان فرمایا اور وہ یہ کہ عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔ صاحبِ روح المعانی لکھتے ہیں یعنی وہ تمہارے لئے سکون اور دل جمعی کا باعث ہیں اور تم ان کے لئے سکون اور دل جمعی کا باعث ہو۔

كما في سورة الاعراف لِيَسْكُنَ الْبُيُوتَ فِي سُوْرَةِ الرُّومِ لِيَسْكُنُوا الْبُيُوتَ

عورت اور مرد چونکہ معاف کرتے ہیں اور ہر ایک دوسرے سے لپٹ جاتا ہے۔ اس لئے ہر ایک کو ایک دوسرے کے لئے لباس سے تعبیر فرمایا اور یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے لئے پردہ بن جاتے ہیں اور فریق و فجور سے روکتے ہیں۔ اس لئے بھی ہر ایک کو دوسرے کا لباس بتایا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب کسی بندہ نے نکاح کر لیا تو اس نے آدھا دین کامل کر لیا۔ لہذا وہ باقی آدھے دین کے بارے میں اللہ سے ڈرے۔ (مشکوٰۃ معن الجہتی فی شعب الایمان)

صاحبِ روح المعانی لکھتے ہیں کہ پہلے جملہ یعنی لِبَاسٌ لَكُمْ سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ تم عورتوں سے صبر نہیں کر سکتے اور دوسرا جملہ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ یہ بتا رہا ہے کہ تمہارے لئے ان سے پرہیز کرنا مشکل ہے اور چونکہ مرد کا احتیاج خوب واضح ہے اس لئے پہلے جملہ کو مقدم کیا گیا۔ (من زوج المعانی ص ۱۶۵ ج ۲)۔

ابتغائے اولاد کا حکم..... یہ جو فرمایا وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ (یعنی طلب کرو تم جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے اولاد طلب کرنا مقصود ہے یعنی جماع کرنے میں نیت رکھو کہ اللہ تعالیٰ اولاد نصیب فرمائے گا۔ صاحبِ روح المعانی ص ۶۵ ج ۲ لکھتے ہیں کہ اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ نکاح کرنے میں نسل بڑھنے کی نیت رکھنی چاہیے۔ صرف قضائے شہوت مقصود نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شہوت جماع کو بنی نوع انسان کی بقاء کے لئے انسانوں میں رکھ دیا ہے۔ جیسا کہ کھانے کی خواہش انسانوں کے زندہ رہنے کے لئے پیدا فرمادی ہے صرف قضائے شہوت جانوروں کا مقصود ہے۔ بعض مفسرین نے یہ بھی فرمایا کہ جب جماع کو اولاد طلب کرنے کا ذریعہ بنادیا گیا تو اس سے عورتوں سے غیر فطری طریقے سے قضائے شہوت کرنے کی ممانعت ثابت ہوگئی کیونکہ وہ جگہ طلب ولد کی نہیں ہے۔

صبح صادق تک کھانے پینے کی اجازت..... پھر فرمایا وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَبَيِّنَ لَكُمْ الْخَبْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَبْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہارے لئے سفید تاگہ سیاہ تاگہ سے ممتاز ہو کر ظاہر ہو جائے یعنی فجر کا تاگہ) اس میں اجازت دی گئی ہے کہ روزوں کی راتوں میں صبح صادق ہونے تک کھاپی سکتے ہو سفید تاگہ نے بیاض النہار (یعنی دن کی سفیدی جو صبح صادق سے شروع ہوتی ہے) مراد ہے۔ اور سیاہ تاگہ سے سوا اللیل (یعنی رات کی تاریکی) مراد ہے۔ یہ تفسیر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ (کافی صحیح البخاری ص ۳۵۷ ج ۱)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَبَيِّنَ لَكُمْ الْخَبْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَبْطِ الْأَسْوَدِ نازل ہوئی اور ابھی لفظ مِنَ الْفَجْرِ نازل نہ ہوا تھا تو بعض لوگوں نے اپنے پاؤں میں سفید اور کالا تاگہ باندھ لیا اور برابر کھاتے پیتے رہے یہاں تک کہ ان دونوں میں فرق ظاہر ہو جائے (وہ زمانہ بتی اور بجلی کا تو تھا نہیں چھوٹے چھوٹے گھروں میں اندر بیٹھ کر کھاتے

رہے صبح صادق: وجانے اور باہر روشنی پھیل جانے پر بھی وہوں تاگوں میں امتیاز نہ ہوا۔ ان حضرات نے حَبِطُ اَبِیْضٍ اور خِیْطُ السُّودِ کا معروف معنی سمجھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے لفظ مِنْ الْفَجْرِ نازل فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ حَبِطُ اَبِیْضٍ اور خِیْطُ السُّودِ سے دن اور رات مراد ہے۔ (صحیح بخاری ص ۲۸۷ ج ۱)

معلوم ہوا کہ حری کھانے کا آخری وقت صبح صادق تک ہے اور چونکہ پوری رات میں جماع کرنے کی بھی اجازت دے دی گئی اس لئے جماع بھی صبح صادق ہونے تک جائز ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جنابت روزہ کے منافی نہیں کیونکہ جب رات کے آخر جسے تک جماع کرنے کی اجازت ہے تو جماع کرنے والا لامحالہ فحش طواف ہونے کے بعد ہی غسل کرے گا اور غسل کرنے میں جو وقت خرچ ہوگا اس وقت میں روزہ بھی ہوگا۔ جو صبح صادق سے شروع ہو چکا ہوگا۔ حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت جنابت میں فحش ہو جاتی تھی، پھر آپؐ روزہ رکھ لیتے تھے اور یہ جنابت احکام کی نہیں بلکہ جماع کرنے کی وجہ سے ہوتی تھی۔ (صحیح بخاری ص ۲۵۸ ج ۱) چونکہ جنابت روزہ کے منافی نہیں اس لئے اگر روزہ میں احکام ہو جائے تو اس سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

روزہ کا ابتدائی وقت حَتَّى یَبْیِّنَ لَکُمُ مِّنْ تَابَا یَا پھر روزہ کی ابتدا بتانے کے لئے فرمایا اَتَمُّوا الصَّیَامَ اِلَی اللَّیْلِ (پھر روزوں کو رات تک چورا کرو) رات غروب شمس ہوتے ہی شروع ہو جاتی ہے جیسے ہی سورج غروب ہو جائے روزہ انظار کرنے کا وقت ہو جاتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب مشرق کی طرف سے رات آگئی اور دن مغرب کی طرف چلا گیا اور سورج چھپ گیا تو روزہ دار کے افطار کا وقت ہو گیا۔ (صحیح بخاری ص ۲۶۲ ج ۱)

مسئلہ..... غروب ہوتے ہی فوراً افطار کر لینا مستحب ہے جیسا کہ حری کھانا آخر رات میں مستحب ہے۔ (کافی صحیح مسلم ص ۳۵۱ ج ۱)

البتہ حری میں اتنی تاخیر نہ کرے کہ صبح صادق ہونے کا اندیشہ ہو جائے۔

اعتکاف کے فضائل اور مسائل..... پھر فرمایا وَلَا تَبَاسُؤْهُنَّ وَاَنْتُمْ غَاكِفُونَ فِی الْمَسَاجِدِ (اور زیویوں سے میل ملاپ نہ کرو اس حال میں کہ تم اعتکاف کیے ہوئے ہو مسجدوں میں) اعتکاف مسنون ہے جو صرف مسجدوں ہی میں ہوتا ہے اور اس کے لئے نیت کرنا بھی ضروری ہے۔ اعتکاف کی نیت کے بغیر مسجد میں جتنا بھی وقت گزارے اعتکاف میں شمار نہ ہوگا۔ اعتکاف کے دنوں میں ایک تو شب قدر میں بیدار رہنے اور نمازوں میں قیام کرنے کی آزادی ہو جاتی ہے۔ دوسرے مخلوق سے تعلق کم سے کم ہو جاتا ہے۔ اور خالق تعالیٰ شانہ ہی کی طرف پوری توجہ رہتی ہے۔ دل و جان سے جسم اور زبان سے عبادت اور تلاوت میں مشغولیت رہتی ہے۔ یہ دو پر جا پڑنے والی بات ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رمضان میں دس دن کا اعتکاف فرماتے تھے اور جس سال آپؐ کی وفات ہوئی اس سال میں دس دن کا اعتکاف کیا۔ (صحیح بخاری ص ۲۴۷ ج ۱) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے پھر ایک سال کا اعتکاف نہیں کیا تو آنسو بہا دس سال میں دس دن کا اعتکاف کیا۔ (سنن ابوداؤد ص ۳۳۴ ج ۱) اور ایک سال آپؐ نے ماہ شوال میں بھی دس دن کا اعتکاف فرمایا۔ (ایضاً)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ گناہوں سے روکتا ہے اور اس کے لئے اس شخص کا ثواب لکھا جاتا ہے جو تمام نیکیاں کرنے والا ہو (سنن ابن ماجہ ص ۱۲۷) رات ہو یا دن اعتکاف میں جماع کرنا یا شہوت کے ساتھ بیوی کو چھونا جائز نہیں۔ اگر جماع کر لیا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا اگر شہوت کے بغیر ہاتھ لگایا تو اس کی

گنجائش ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالت انکاف میں (مسجد میں بیٹھے ہوئے) اپنا سر مبارک میری طرف نکال دیتے تھے اور میں آپ کا سر دھو دیتی تھی، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ کے سر میں کچھ بھی کر دیتی تھی۔ (صحیح بخاری ص ۲۷۲) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی بیان فرمایا کہ آپ انکاف کی حالت میں صرف انسانی حاجت کے لئے گھر میں داخل ہوتے تھے۔ (صحیح بخاری ص ۲۷۲)

حاجت انسانی سے پیشاب پاخانہ مراد ہے۔ کھانا پینا چونکہ مسجد ہی میں ہوتا ہے اس لئے تکلف کو اس کے لئے مسجد سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے۔ جب کوئی شخص انکاف کرے گا اور راتوں میں بیدار رہے گا۔ تو جس رات میں بھی شب قدر ہوگی وہ اسے پالے گا اور اس کی خیر و برکت سے محرومی نہ ہوگی۔ قرآن شریف میں فرمایا کہ لَيْسَ الْفَقْدُ خَيْرٌ مِنَ الْفَشْطِ (کہ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے) لہذا شب قدر کی تلاش میں رہنا چاہیے اور خاص کر آخر عشرہ کی طاق راتوں میں اسے تلاش کریں ہزار مہینے میں ۸۳ سال چند ماہ ہوتے ہیں چند گھنٹے عبادت میں گزار کر اتنا بڑا ثواب لے لینا عظیم نفع ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ولا یسحرم خیرھا الا کل محروم (یعنی شب قدر کی) خیر سے وہی محروم ہوگا جو پورا محروم ہے (جسے ذرا بھی عبارت کا ذوق نہیں)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۷۳) ایک حدیث میں فرمایا کہ جس شخص نے ایمان کے ساتھ ثواب کی امید رکھتے ہوئے شب قدر کی رات میں نماز میں قیام کیا (یعنی نفل نمازیں پڑھتا رہا) اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ (صحیح بخاری ص ۲۷۰)

نفل روزوں کا بیان..... گزشتہ آیت میں جو فرمایا: فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لِّهِ اس میں نوافل کی ترغیب دی ہے۔ بیان تو روزوں کے ذیل میں آیا ہے۔ لیکن الفاظ کے مضمون میں ہر نفل عبادت آگئی۔ یہاں نفل روزوں کے کچھ فضائل لکھے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بڑا کریم ہے۔ ہر نیکی کم از کم دس نیکیوں کے برابر ہوتی ہے۔

شش عید کے روزے..... حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد چھ روزے شوال کے مہینے میں رکھ لئے تو (پورے سال کے روزے رکھنے کا ثواب ہوگا اگر ہمیشہ ایسا کرے گا تو) گویا اس نے ساری عمر روزے رکھے۔ (رواہ مسلم ص ۳۶۹)

جب کسی نے رمضان کے تیس روزے رکھے اور پھر چھ روزے اور رکھ لئے تو یہ چھتیس روزے رکھنے سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک تین سو ساٹھ روزے شمار ہوں گے، اس طرح سے پورے سال کے روزے رکھنے کا ثواب ملے گا۔ اگر کوئی شخص ہر سال ایسا ہی کر لیا کرے تو وہ ثواب کے اعتبار سے ساری عمر روزہ رکھنے والا شمار ہوگا۔ اگر رمضان کے روزے چاند کی وجہ سے ۲۹ یا ۳۰ رہ جائیں تب بھی شوال کے چھ روزہ رکھنے سے ان شاء اللہ مذکور بالا ثواب ملے گا کیونکہ ہر مسلمان کی نیت یہی ہوتی ہے کہ چاند نظر نہ آیا تو تیسواں روزہ بھی ضرور رکھے گا۔

پیر اور جمعرات کا روزہ..... پیر اور جمعرات کو بھی روزہ رکھنے کی فضیلت وارد ہوئی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پیر اور جمعرات کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال پیش ہوتے ہیں لہذا میں پسند کرتا ہوں کہ میرا عمل اس حال میں پیش ہو کہ میں روزہ دار ہوں۔ (رواہ الترمذی ص ۱۱۳)

ایام بیض کے روزے..... ایام بیض کے روزے رکھنے کی بھی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ ۱۳، ۱۴، ۱۵ کو ایام بیض کہا جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو مہینے سے تین روزے رکھے تو تیرہ،

چودہ۔ پندرہ تاریخ کے روزے رکھ لے (رواہ الترمذی ص ۱۳۳ ج ۱) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایام بیض کے روزے رکھنے کا حکم فرماتے تھے۔ (رواہ النسائی ص ۳۴۹ ج ۱)

عاشوراء کا روزہ..... صحیح بخاری (ص ۲۶۸ ج ۱) میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمایا کہ جاہلیت کے زمانہ میں قریش عاشوراء (محرم کی دس تاریخ) کا روزہ رکھتے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس دن کا روزہ رکھا اور صحابہؓ کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا پھر جب رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو عاشوراء کا روزہ (مکیثیت تا کیدی حکم کے) باقی نذر باپھر جو چاہتا اس دن کا روزہ رکھتا تھا اور جو چاہتا چھوڑ دیتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یوم عاشوراء کا روزہ رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت سے پہلے شروع تھا اور اس کا روزہ رکھنا مؤکد تھا۔ رمضان کے روزوں کی فرضیت کے بعد تا کہ ختم ہو گیا اور استحباب کا درجہ رہ گیا۔ صحیح مسلم ص ۳۶۷ ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے پوری پوری امید رکھتا ہوں کہ یوم عرفہ (بقرعید کی نویں تاریخ) کا روزہ رکھنے پر ایک سال قبل اور ایک سال بعد کے گناہ معاف فرما دے گا۔ اور یوم عاشوراء کے روزہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے پوری پوری امید رکھتا ہوں کہ ایک سال پہلے کے گناہوں کا کفارہ فرما دے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رمضان کے بعد سب سے زیادہ افضل محرم (یعنی اُس کی دس تاریخ) کا روزہ ہے جو شہر اللہ ہے اور سب نمازوں میں فرض نمازوں کے بعد رات کی نماز (یعنی نماز تہجد) افضل ہے۔ (صحیح مسلم ص ۳۶۶ ج ۱)

قال الطیبی اراد بصیام شہر اللہ صیام یوم عاشوراء اھ ویسکون من باب ذکر الكل وارادة البعض ویسکون ان یقال افضلیتہ لما فیہ من یوم عاشوراء ولكن الظاهر ان المراد جمیع شہر المحرم (کذا فی المرقاة) محرم کو شہر اللہ یعنی اللہ کا مہینہ فرمایا۔ یہ اضافت تشریفی ہے کیونکہ سب مہینے اللہ ہی کے ہیں۔ محرم الحرام کی فضیلت بتانے کے لئے شہر اللہ فرمایا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ نویں اور سوئیں محرم کا روزہ رکھو اور یہودیوں کی مخالفت کرو۔ (سنن الترمذی ص ۱۲۲ ج ۱)

اور شیخ ابن ہمام نے فرمایا کہ سوئیں تاریخ کا روزہ رکھنا مستحب ہے۔ اور یہ بھی مستحب ہے کہ ایک دن پہلے یا ایک دن بعد روزہ رکھے۔ صرف یوم عاشوراء کا روزہ رکھنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں یہود کی مشابہت ہے۔ (ذکر فی المرقاة)

عشرہ ذی الحجہ کے روزے..... بقرعید کی نویں تاریخ کے روزہ کی فضیلت اوپر معلوم ہوئی، اُس سے پہلے جو آٹھ دن ہیں اُن میں بھی روزہ رکھنا چاہیے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ذوالحجہ کے اول کے دس دنوں میں عمل صالح سب دنوں کے اعمال سے افضل ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ اور جہاد فی سبیل اللہ سے بھی؟ فرمایا (ہاں) جہاد فی سبیل اللہ بھی ان دنوں کے اعمال صالحہ سے بڑھ کر نہیں ہے۔ الا یہ کہ کوئی شخص اللہ کی راہ میں نکلا (اور اس نے جان اور مال کی بازی لگا دی) پھر کچھ بھی واپس لے کر نہ ہوا۔ (صحیح بخاری ص ۱۳۲ ج ۱)

ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عاشوراء کا روزہ اور ذوالحجہ کے عشرہ اولیٰ کے روزے (بانتشاء یوم الاثنیٰ) اور مہینے کے تین روزے نہیں چھوڑتے تھے۔ (سنن نسائی ص ۲۲۸ ج ۱)

افائدہ..... ذوالحجہ کی نویں تاریخ کو حج ہوتا ہے۔ اس دن حج کرنے والے عرفات میں ہوتے ہیں۔ ظہر کی نماز کے بعد سے غروب

آفتاب تک و ماؤں میں مشغولیت، وقتی ہے اس لئے حجاج کے لئے افضل ہے کہ اس تاریخ کا روزہ نہ رکھیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حج کے موقع پر اس دن روزہ نہیں رکھا تھا۔ (کنز تبیح البخاری ص ۲۶۷ ج ۱، صحیح مسلم ص ۳۹۷ ج ۱)

فائدہ..... نفلی عبادت روزہ یا نماز، ذکر و یا تلاوت، حج و یا عمرہ جس قدر بھی کوئی شخص ادا کرے گا اُس کا ثواب پائے گا۔ لیکن ہر عمل میں شریعت کے اصول و قوانین کا خیال رکھنا لازم ہے۔ ایک نفلی روزہ کی قیمت اتنی زیادہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے فی سبیل اللہ ایک روزہ رکھ لیا اللہ تعالیٰ اس کی ذات کو روزہ سے اتنی دور کر دیں گے جتنی دور کوئی شخص ستر سال میں چل کر پہنچے۔ (یعنی وہ روزہ میں نہ جائے گا)۔ (صحیح بخاری ص ۳۹۸ ج ۱)

لفظ فی سبیل اللہ کا متبادر معنی تو یہ ہے کہ جہاد کے موقع پر روزہ رکھنے کی یہ فضیلت ہے اور اسی لئے امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب الجہاد میں ذکر کیا ہے۔ اور بعض شرح حدیث نے اس کا ترجمہ لوجہ اللہ بھی کیا ہے۔ یعنی جو شخص اللہ کی رضا کے لئے روزہ رکھے۔ اس کا یہ ثواب ہے۔ فتح الباری ص ۲۸ ج ۲ میں ذیوں معنی لکھے ہیں۔ نفل روزہ بقدر طاقت (جس سے دوسری فرض عبادتوں میں ضعف نہ آجائے اور اپنے لئے اہل و عیال کے لئے ضروری حلال کسب۔ عاشر میں فرق نہ آئے) رکھتے رہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہمیشہ روزانہ روزہ رکھتے تھے اور راتوں رات نفل نماز میں قیام کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ایسا نہ کرو، روزہ بھی رکھو اور بے روزہ بھی رہو اور تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے اور بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے پاس آنے جانے والوں کا بھی تم پر حق ہے۔ اور فرمایا کہ سب سے افضل روزہ واؤہ علیہ السلام کا روزہ ہے ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن بے روزہ رہتے تھے۔ (صحیح البخاری ص ۲۶۵ ج ۱)

سال بھر میں پانچ دن ایسے ہیں جن میں روزہ رکھنا حرام ہے..... پانچ دن پورے سال میں روزہ رکھنا حرام ہے وہ پانچ دن یہ ہیں۔ غید الفطر کا دن اور ذی الحجہ کی ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ تاریخوں میں۔ ذوالحجہ کے ان دنوں کو ایام تشریق کہا جاتا ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کے دن ہیں۔ (رواہ مسلم ص ۲۶۰ ج ۱) بخاری ص ۲۶۷ ج ۱ میں حضرت ابوسعید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غید الفطر اور غید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا، ذکر اللہ میں تو ہمیشہ ہی مشغول رہنا چاہیے۔ لیکن ایام تشریق میں خصوصیت کے ساتھ ذکر اللہ کا اہتمام کیا جائے۔

مسئلہ..... جس عورت کا شوہر گھر پر موجود ہو وہ شوہر کی اجازت کے بغیر نفل روزے نہ رکھے البتہ فرض روزوں میں شوہر کی اجازت کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ وہ منع بھی کرے جب بھی رکھے۔ کیونکہ اللہ کے فرائض سب کے حقوق سے مقدم ہیں۔

روزانہ نفلی روزہ رکھنا محمود نہیں۔ فائدہ..... بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ روزانہ روزہ رکھتے ہیں۔ روزانہ روزہ رکھنا محمود نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لا صام من صام الا بعد (یعنی جس نے ہمیشہ روزے رکھے اُس نے روزے رکھے ہی نہیں)۔ (صحیح بخاری ص ۲۶۵ ج ۱)

اور آپ نے روزانہ روزہ رکھنے والے کے لئے یہ بھی فرمایا کہ لا صام ولا افطر کہ اس نے نہ روزے رکھے نہ بے روزہ رہا۔ (صحیح مسلم ص ۳۶۷ ج ۱) اور وجہ اس کی یہ ہے کہ روزانہ روزہ رکھنے سے نفس کو عبادت ہو جاتی ہے۔ صرف کھانے پینے کے اوقات بدل جاتے ہیں۔

افضل الصیام..... سب سے افضل روزہ یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن بے روزہ رہے۔ حضرت واؤہ علیہ السلام اسی طرح

انہی روزے رکھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا صوم فوق صوم داؤد (صحیح بخاری ص ۲۶۶) (یعنی یا اللہ کی حد بندیاں کے روزہ سے بڑھ کر کوئی روزہ نہیں) اور ایک روایت میں ہے، لا افضل من ذلک (بخاری ص ۶۵) یعنی اس روزے سے افضل کوئی روزہ نہیں ہے۔

حدود اللہ سے آگے بڑھنے کی ممانعت..... آخر میں فرمایا: بَلَلْتَ خَلْدُودَ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُ نَهَا الْآيَةِ (یعنی یہ اللہ کی حد بندیاں ہیں لہذا ان کے پاس نہ پہنکو) گزشتہ آیات میں جو روزہ کی فرضیت اور مریض و مسافر کے لئے رخصت اور روزہ کی ابتدا اور اختتام کے اوقات بیان ہوئے اور اعتکاف والوں کے لئے ارشاد ہوا کہ اعتکاف میں مباشرت نہ کریں۔ ان سب کے بیان کرنے کے بعد ارشاد ہے کہ یہ احکام اللہ کی حد بندیاں ہیں۔ حد وہ ہے آگے مت بڑھو جو حکم جس طرح ہوا ہے اس کو اسی طرح پورا کرو اور ایسی صورت اختیار نہ کرو جس سے روزہ یا اعتکاف فاسد ہو جائے رمضان کا روزہ بلا عذر شرعی چھوڑ دیجی نہیں اور تو روزہ بھی نہیں۔ حد بندیوں کے قریب جانے کی ممانعت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے روزہ ضائع ہو جائے۔ نہ سحری میں اتنی دیر کریں کہ صبح صابق ہو جائے نہ افطار میں اتنی جلدی کریں کہ سورج چھپنے سے پہلے ہی کھا کے فارغ ہو جائیں حال یہ کہ روزہ میں نہ میں ایسی کوئی چیز نہ لیں جس کا اندر جانے کا اندیشہ ہو اور نہ غصہ کرتے وقت ناک میں پانی دینے میں مبالغہ نہ کریں۔ (کسفا فی الحدیث و مالع فی الاستشفاء الا ان نکو صائما رواہ ابو داؤد) روزے میں مسواک کرنا تو احادیث شریفہ سے ثابت ہے لیکن دوسری چیزوں سے روزے میں دانت صاف کرنے کو فقہاء نے اسی لئے مکروہ رکھا ہے کہ تھوڑا بہت اندر چلے جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتَذَلُّوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ

اور آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل ذریعہ سے مت کھاؤ اور نہ لے جاؤ ان کو حاکموں کی طرف تاکہ کھا جاؤ ایک حصہ لوگوں کے مالوں میں

النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۵۵﴾

تو گنہ کے ساتھ حالانکہ تم جانتے ہو۔

باطل طریقوں سے مال کھانے کی ممانعت

اس آیت میں باطل طریقوں پر کسی کا مال حاصل کرنے اور اپنے استعمال میں لانے کی ممانعت فرمائی۔ رمضان میں دن کے اندر حلال کھانے کی ممانعت فرمائی گئی۔ اور اب احکام رمضان کے متصل ہی یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ حرام کبھی نہ کھاؤ۔ نہ رمضان میں نہ رمضان کے علاوہ کسی دوسرے مہینہ میں۔ لفظ باطل بابتل سے نفع کی صورت میں کچھ مال مل جائے یا میراث میں حلال مال مل جائے تو یہ حلال ہے۔ باطل کے ذریعہ مال حاصل کرنے کی بہت صورتیں ہیں۔ جن میں سے متعدد صورتیں آیت کریمہ یَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا کے ذیل میں بیان کر دی گئی ہیں۔ یہاں قرآن کریم نے ایک خاص صورت ہا ذکر کیا ہے جس کے ذریعہ لوگوں کے مالوں پر باطل طریقہ سے قبضہ کر لیا جاتا ہے۔ حکام وقت کو ذریعہ بنا کر لوگوں کے مالوں کو اپنا مال بنا لیتے ہیں، اس کی کئی صورتیں ہیں۔

حاکم کے فیصلہ کر دینے سے کسی کا مال حلال نہیں ہو جاتا..... ایک صورت یہ ہے کہ کسی کے مال پر دعویٰ کیا کہ یہ میرا ہے اور

حاکم کو رشوت دے کر اپنے حق میں فیصلہ کرا لیا اور ایک طریقہ یہ ہے کہ جھوٹی تحریر لکھ کر یا جھوٹے گواہ بنا کر حاکم کے ہاں پیش کر کے کسی غیر کے مال اور جائیداد کے بارے میں اپنے حق میں فیصلہ کرا لیا۔ اور ایک طریقہ یہ ہے کہ شرعی قانون کے خلاف حکومت وقت کے رائج قوانین کے مطابق کسی کا مال و بالیا۔ مثلاً کسی حکومت نے یہ قانون بنا دیا کہ مرنے والے کے مال میں صرف لڑکوں کا حصہ ہوگا۔ اور اس قانون کے پیش نظر لڑکوں نے حاکم سے اپنے حق میں میراث تقسیم کرانے کا فیصلہ کرا لیا اور بہنوں کو محروم کر دیا جیسے کسی حکومت نے قانون بنا دیا کہ فلاں فلاں اشخاص کا مال زبردستی لے کر فلاں فلاں قسم کے آدمیوں پر تقسیم کر دیا جائے۔ تو ان میں سے کسی بھی صورت میں کسی شخص کا مال ہرگز حلال نہیں ہوگا اور بھی اس کی بہت سی صورتیں ہیں جنہیں مقدمہ باز جانتے ہیں اور مکر و فریب کے ذریعہ حکام کو استعمال کر کے دوسروں کے مالوں پر قبضہ کرتے رہتے ہیں۔ حاکم سے فیصلہ کرا کر جو شخص کسی کا مال لے لے گا۔ وہ اس کے لئے حلال نہ ہوگا۔ دنیا و آخرت میں اس کا بہت بڑا وبال ہے اور سخت عذاب ہے و نیا دی حکام کے فیصلوں کے ذریعہ کسی کا مال اپنا بنا کر مطمئن نہ ہو جائیں۔ یہ یاد رکھیں کہ مالک یوم الدین، قاضی روز جزا جل مجدہ کے حضور میں بھی پیش ہونا ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں انسان ہی ہوں اور تم میرے پاس جھگڑے لے کر آتے ہو اور ممکن ہے کہ تم میں سے ایک آدمی دوسرے کے مقابلہ میں اپنی جست کو بڑھ چڑھ کر بیان کر دے اور میں اس کے مطابق فیصلہ کروں جو کچھ میں نے اس سے سنا (اور یہ فیصلہ حقیقت میں غلط ہو) سو جس کے لئے میں اُس کے بھائی کے مال میں سے کسی چیز کا کوئی فیصلہ کروں تو اُسے ہرگز نہ لے کیونکہ میں اُس کے لئے آگ کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں۔ (صحیح بخاری ص ۱۰۶۲ ج ۲)

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی پر جھوٹا مقدمہ دائر کیا اور جس کا حق نہیں ہے اُس کے زور بیان پر میں نے اس کو دوسرے کا حق دلا دیا تو میرے دلانے سے وہ اس کے لئے حلال نہ ہو جائے گا۔ وہ یہ نہ سمجھے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں فیصلہ کر دیا ہے۔ لہذا میرے لئے دوسرے کا مال حلال ہو گیا۔ باوجود فیصلہ کر دینے کے دوسرے کا مال مدعی کے لئے حلال نہ ہو جائے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی ایسی چیز کا مدعی ہو کرے جو اُس کی نہیں ہے تو وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے اور وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے۔ (رواہ مسلم ص ۷۷ ج ۱)

اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے جھوٹی قسم کھائی جس کے ذریعہ کسی مسلمان کا مال اپنے حق میں کر لینا چاہتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غصہ ہوگا۔ (صحیح بخاری ص ۹۸ ج ۲، صحیح مسلم ص ۸۰ ج ۱)

لفظ قَوْلِنَا مِنْ اَمْوَالِ النَّاسِ جو فرمایا ہے۔ اس میں یہ بتا دیا کہ صرف آپس میں مسلمانوں ہی کا مال ناحق لے لینا حرام نہیں ہے بلکہ غیروں کا مال ناحق لے لینا بھی حرام ہے جو کافر مسلمانوں کی عملداری میں رہتے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں اُن کو ذمی کہا جاتا ہے۔ تمام مسلمانوں پر ان کی جان و مال کی حفاظت لازم ہے۔ اور خیانت کر کے یا کسی بھی طرح سے ان کا مال ناحق رکھ لینا جائز نہیں ہے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَهْلَةِ ۖ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَيِّجُ ۚ وَلَيْسَ الذِّبْرُ بَانَ
 وہ آپ سے جانندوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ یہ اوقات مقررہ ہیں لوگوں کے لئے اور حج کے لئے۔ اور ذبیر نہیں ہے کہ قسم

تَاتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مِنَ اتَّقَىٰ وَأَتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا

ہے کہ تم گھر ہاں میں ان کے کچھ اڈوں کی طرف سے آؤ لیکن بری سے کہ کوئی شخص تقویٰ اختیار کرے، اور آ جاؤ تم گھر ہاں میں ان کے دروازوں سے، اور

اللَّهُ لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ ﴿۳۵﴾

اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

چاندوں میں کمی بیشی کیوں ہوتی ہے

تفسیر درمنثور ص ۲۰۳ ج ۱ میں ہے کہ حضرت معاذ بن جبل اور ثعلبہ بن عمروؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ چاند چھوٹا بڑا کیسے ہو جاتا ہے۔ اول بار یک تا یک کی طرح ظاہر ہو جاتا ہے۔ پھر بڑھتے بڑھتے بڑا ہو جاتا ہے اور گول ہو جاتا ہے پھر گھٹتے گھٹتے باریک ہو جاتا ہے اور شروع میں جیسا تھا ویسا ہی آخر میں ہو جاتا ہے۔ ان کے سوال پر آیت بالا نازل ہوئی اور ان کو جواب دیا گیا کہ یہ چاند لوگوں کے لئے اوقات مقررہ بتانے والے ہیں اور حج کا وقت بھی ان کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ روزے کب رکھنا شروع کریں گے۔ عورتوں کی عدت کے اوقات ان کے ذریعہ معلوم ہوتے ہیں اور خرید و فروخت کے معاملات میں جو کوئی اجل اور میعاد مقرر ہوتی ہے چاندوں کے ذریعہ ان کے ختم ہونے کا علم بھی ہوتا ہے۔

شریعت اسلامیہ میں قمری مہینوں کا اعتبار ہے..... شریعت اسلامیہ میں چاند کے مہینوں کا اعتبار کیا گیا ہے صاحب نصاب پر چاند کے اعتبار سے بارہ مہینے گزر جانے پر زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہوتی ہے (اگر کوئی شخص شمسی مہینوں کے اعتبار سے سال گزر جانے پر زکوٰۃ ادا کرتا رہے گا تو چھتیس سال کے بعد ایک سال کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں کمی رہ جائے گی۔ کیونکہ شمسی سال قمری سال سے دس دن بڑا ہوتا ہے) جس عورت کا شوہر وفات پا جائے اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ اور جس عورت کو اب تک حیض نہیں آیا اس کو طلاق ہو جائے تو اس کی عدت تین مہینے ہے۔ یہ مہینے قمری مہینوں کے اعتبار سے معتبر ہوں گے اور رمضان کے روزے بھی چاند ہی کے حساب سے رکھے جاتے ہیں کیونکہ رمضان چاند کے بارہ مہینوں میں سے ایک مہینہ ہے پھر عید بھی چاند دیکھ کر کی جاتی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چاند دیکھ کر (رمضان کے) روزے رکھنا شروع کرو، اور چاند دیکھ کر رمضان کے روزے رکھنا ختم کرو۔ اگر چاند نظر نہ آئے تو تیس (روزوں کی) گنتی پوری کرادو۔ (صحیح مسلم ص ۳۴۷، ۳۴۸ ج ۱)

حج بھی ذوالحجہ کی نویں تاریخ کو ہوتا ہے اور قربانیاں ذوالحجہ کی دس، گیارہ، بارہ کی تاریخوں میں ہوتی ہیں۔ ان سب احکام میں چونکہ چاند ہی کا مہینہ معتبر ہے اور چاند ہی کے حساب سے مہینوں کی ابتدا، اور انتہا ہوتی ہے اس لئے چاند کے مہینوں کا محفوظ رکھنا اور ان کی ابتداء و انتہا جاننا فرض کفایہ ہے۔

دینی امور کو قمری مہینوں سے متعلق کرنے میں آسانی ہے..... چاند کے مہینوں سے دینی امور کو متعلق کرنے میں غوام اور خواص کے لئے اور پورے عالم کے انسانوں کے لئے آسانی بھی ہے۔ چاند شروع میں مغرب کی طرف چھوٹا سا نظر آتا ہے۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اب مہینہ شروع ہے پھر چند دن کے بعد پوری رات روشن رہتا ہے۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ ایام آئین کا زمانہ ہے پھر اخیر میں مشرق کی طرف چھوٹا ہو کر نظر آنے لگتا ہے اور ایک دو دن بالکل ہی نظر نہیں آتا، اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اب مہینہ

اخیر ہو رہا ہے۔ اگر تشریحی مہینوں سے عبادات کا تعلق ہوتا تو اسے صرف حساب دان ہی سمجھ سکتے تھے اور ہر شخص کے پاس کیلنڈر اور جنتری ہونا ضروری تھا اور یہ یاد رکھنا ضروری تھا کہ کونسا مہینہ کتنے دن کا ہوتا ہے یہ سب باتیں عوام کے لئے سمجھنا اور یاد رکھنا مشکل تھا پھر کیلنڈر وغیرہ اب ترقی یافتہ دنیا میں چھپنے لگے وہ بھی برہنستی اور برہنہ میں نہیں ہوتے۔ اور احکام اسلام چودہ سو سال سے نافذ ہیں پھر کیلنڈر اور جنتریں پر عبادات کیسے موقوف رکھی جاسکتی ہیں۔ عوام اور خواص کے لئے یہ آسانی ہے کہ چاند دیکھا اور مہینے کی ابتدا، اور انتہا سمجھ لی۔ سورج روزانہ ایک ہی طرح نکلتا اور چھپتا ہے۔ سہری گرمی میں اس کا طلوع غروب ایک ہی طرح ہے۔ اسے دیکھ کر مہینوں کی ابتدا، اور انتہا سمجھنے کا کوئی راستہ نہیں۔

صاحب روح المعانی ص ۱۷ ج ۲ لکھتے ہیں کہ حضرات صحابہؓ نے جو سوال کیا تھا وہ یہودیوں کے سوال کرنے پر تھا۔ یہودیوں نے حضرات صحابہؓ سے چاند کے بارے میں سوال کیا تو ان حضرات صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیا۔ الفاظ سوال میں احتمال ہے کہ انہوں نے چاند کے گھٹنے بڑھنے کی حکمت معلوم کی ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کے گھٹنے بڑھنے کی علت اور سبب معلوم کیا ہو۔ اگر چاند کے گھٹنے بڑھنے کی حکمت معلوم کی تھی تب تو جواب سوال کے مطابق ہو گیا کہ چاند کے گھٹنے بڑھنے میں عبادات کے اوقات اور معاملات کی معادیں معلوم کرنے کا فائدہ ہے۔ اگر چاند آفتاب کی طرح ایک ہی حالت پر ہوتا تو اوقات کا سمجھنا اور معلوم کرنا مشکل ہو جاتا۔ اور اگر حضرات صحابہؓ کا سوال چاند کے گھٹنے بڑھنے کی علت جاننے کے متعلق تھا تو جواب من قبیل اسلوب الحکیم ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں وہ معلوم کرنا چاہیے جس کی تمہیں ضرورت ہے۔ چاند کے گھٹنے بڑھنے کے اسباب تکوینیہ جاننے کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں، تمہیں تو یہ پوچھنا چاہیے کہ اس کے گھٹنے بڑھنے میں حکمت کیا ہے اور اس کا فائدہ کیا ہے چنانچہ ان کو اسی سوال کا جواب دے دیا گیا جو سوال انہیں کرنا چاہیے تھا۔ چاند کا گھٹنا بڑھنا یعنی چھوٹا بڑا نظر آنا اس کے اسباب تکوینیہ ریاضی کی کتابوں میں لکھے ہیں کچھ پُرانے فلاسفہ کے تخیلات ہیں اور کچھ نئے سائنس کے تصورات ہیں ان میں سے کسی بھی چیز کی قرآن وحدیث سے تصدیق نہیں ہوتی۔ اور نہ کوئی دینی مسئلہ ان کے جاننے پر موقوف ہے۔ بہت سے لوگ فلکیات اور اجرام سماویہ کے احوال جدید آلات کے ذریعہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں اور مردوجہ علوم میں ماہر بھی ہو جاتے ہیں اور اپنے کو بڑا عالم بھی سمجھتے ہیں دنیا کے اوارے اور ملکوں کے سربراہ ان کو اعزازی ڈگریاں بھی دیتے ہیں۔ لیکن یہ سب لوگ ان چیزوں کے خالق و مالک کی نہ صرف عبادت کرنے اور اس کی معرفت سے محروم ہیں بلکہ اس فوات پاک پر ایمان بھی نہیں لاتے جس نے یہ چیزیں پیدا فرمائیں۔ قرآن مجید کے طرز جواب میں ان لوگوں کو بھی تنبیہ ہے کہ چاند کے گھٹنے بڑھنے کے اسباب تکوینیہ کے جاننے میں لگے ہوئے ہیں حالانکہ ان پر سب سے زیادہ خالق جل جلالہ کے احکام کی طرف متوجہ ہونا فرض ہے۔

گھروں کے دروازوں سے آنے کا حکم..... چاندوں کے متعلق سوال کا جواب دینے کے بعد جاہلیت کی ایک رسم کی تردید فرمائی۔ صحیح بخاری ص ۶۳۸ ج ۲ میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جاہلیت میں عرب کے لوگ جب احرام باندھ لیتے تھے تو (احرام کے زمانہ میں) گھر کی پشت سے داخل ہوتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا: وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا النُّبُوتَ مِنْ ظُهُورِهِمْ اور صحیح بخاری ابواب العمرہ ص ۲۴۲ ج ۲ میں یوں نقل کیا ہے کہ انصار (اوس اور خزرج کے قبیلے) جب حج کر کے واپس ہوتے تھے تو اپنے گھروں میں دروازوں سے نہیں بلکہ پچھواڑوں کی طرف سے داخل ہوتے تھے ایک انصاری جو حج کر کے آئے تو وہ گھر کے دروازے سے داخل ہو گئے (ان کو عار دلائی گئی، گویا انہوں نے کوئی بُرا کام کیا ہے) اس پر آیت بالا نازل ہو گئی۔ اپنی طرف سے کسی کام میں ثواب یا گناہ سمجھ لینا بدعت ہے..... گھروں کے پچھواڑوں سے داخل ہونے کو وہ لوگ ثواب سمجھتے

تھے اور اس کو نیک کام جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کی تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ نیکی نہیں ہے کہ اپنے گھروں میں ان کی پشتوں کی طرف سے آؤ۔ نیکی اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے منع فرمایا ان سے پرہیز کیا جائے اللہ کے احکام کی خلاف ورزی، ولی رہے اور اپنی طرف سے تراشے ہوئے احکام اور اعمال کی پابندی کی جائے اور اس میں ثواب سمجھ جائے یہ گمراہی کی بات ہے۔ جس چیز کو شریعت نے ضروری نہیں قرار دیا یا ثواب کا کام نہیں بتایا اس کو اپنی طرف سے ضروری قرار دے دینا یا ثواب کا کام سمجھ لینا بدعت ہے اور گنہگار ہے جیسا کہ جو چیز شرعاً جائز ہو اُسے گنہگار سمجھنا گناہ ہے، گنہگاروں کے دروازوں سے داخل ہونا شرعاً جائز تھا اس کو گناہ قرار دیا اور مکان کی پشتوں کو ذکر داخل ہونے کو ضروری سمجھا اور ثواب کا کام جاننا اس لئے ان کے عقیدہ اور عمل کی تردید فرمائی اور آخر میں فرمایا **وَأَسْكُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ** کہ تم اللہ سے ڈرو تاکہ کامیاب ہو جاؤ۔ اس کے احکام پر عمل پیرا ہو اور اس کے احکام میں تغیر و تبدل نہ کرو۔

علامہ جصاص کا ایک استنباط..... علامہ جصاص احکام القرآن ص ۲۵۶ ج میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس آیت سے یہ قانون معلوم ہوا کہ جس عمل کو اللہ تعالیٰ نے ثواب کا کام نہیں بتایا اور جس کی ترغیب نہیں دی وہ کسی شخص کے ثواب بنالینے سے ثواب کی چیز نہ بنے گا۔ نہ دین کا جزو ہوگا۔ اس کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ نہ سمجھ لیا جائے اور یہ عقیدہ نہ رکھا جائے کہ وہ دین ہے پھر لکھتے ہیں کہ اس کی نظیر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دن بھر خاموش رہنے سے منع فرمایا، (چونکہ شریعت محمدیہ میں خاموش رہنے کا روز نہیں ہے) اور ایک شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ دھوپ میں کھڑا ہے آپ نے فرمایا اس کو کیا ہوا؟ اوگوں نے عرض کیا اس نے دھوپ میں کھڑے ہونے کی نذر مانی ہے۔ آپ نے اس کو حکم دیا کہ سایہ میں چلا جا۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعَدُّوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ١٠

اور اللہ کی راہ میں جنگ کرو ان لوگوں سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی مت کرو۔ جب تک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ تَقْتُلُوهُمْ وَآخِرُ جُوهْمُمْ مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ١١

اور تم ان کو قتل کرو جہاں بھی پاؤ اور نکال دو ان کو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے۔

وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۖ فَإِنْ قَتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ۚ كَذَلِكَ

اور ان سے جنگ مت کرو مسجد حرام کے پاس جب تک کہ وہ تم سے اس میں خود نہ لڑیں، سو اگر وہ تم سے جنگ کریں تو تم ان کو قتل کرو، ایسی ہی

جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۚ فَإِنْ أَنْتَهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۚ وَاقْتُلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَ

جزا ہے کافروں کا۔ سو اگر وہ باز آ جائیں تو اللہ غفور رحیم ہے۔ اور ان سے یہاں تک جنگ کرو کہ فتنہ باقی نہ رہے۔

يَكُونُ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنْ أَنْتَهُمْ فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ۚ

اور وہ جائے دین اللہ ہی کے لئے۔ پس اگر وہ باز آ جائیں تو زیادتی نہیں ہے مگر ظالموں پر۔

اللہ کی راہ میں قتال کرنے کا حکم اور ظلم و زیادتی سے پرہیز کرنے کی تاکید

حضرت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہجرت کے چھ سال اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کرنے کے لئے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے

جب مکہ معظمہ قریب آیا تو مقام حدیبیہ پر مشرکین مکہ نے آپ کو روک دیا اور مکہ معظمہ میں داخل نہ ہونے دیا۔ بڑی رذہ و کد کے بعد انہوں نے دس سال کے لئے چند شرطوں پر صلح کر لی ان میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ اس سال عمر نہیں کر سکتے آئندہ سال عمرو کے لئے تشریف لائیں اور اس وقت مکہ معظمہ میں تین دن سے زیادہ نہیں ٹھہریں گے۔ یہ ذی قعدہ کا مہینہ تھا۔ پھر آپ آئندہ سال ماہ ذی قعدہ دینی میں عمرو کی قضا کیلئے تشریف لائے اس زمانہ میں چار مہینوں میں قتال اور جنگ کرنا ممنوع تھا۔ اُن چار مہینوں میں ذیقعدہ کا مہینہ بھی شامل تھا۔

الباب النقول میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ مذکور بالا آیت اس موقع پر نازل ہوئی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضاء کے لئے اپنے صحابہؓ کے ساتھ مکہ میں تشریف لے گئے تھے حضرات صحابہؓ کو یہ اندیشہ ہوا کہ ممکن ہے کہ قریش مکہ صلح کی شرطوں کی خلاف ورزی کر بیٹھیں اور اس مرتبہ بھی مسجد حرام تک نہ پہنچنے دیں اور جنگ پر آمادہ ہو جائیں۔ اگر ایسا ہوا تو ہمیں بھی جنگ کا اقدام کرنا پڑے گا اور یہ اس مہینہ میں ہوگا جس میں جنگ کرنا حرام ہے اور ہم جوانی کا روائی نہ کریں تو مغلوب ہوں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی اور قتال کرنے کی اجازت دے دی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ تم سے قتال کرتے ہیں اُن سے قتال کرو اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ زیادتی مت کرو بے شک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ شریعت اسلامیہ میں ہر چیز کی حدود ہیں۔ اصول ہیں، آداب ہیں اور اخلاق عالیہ ہیں۔ قتال کے بھی کچھ اصول ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ لَا تَغْتَدُوا کے عموم میں وہ سب باتیں داخل ہو گئیں جو جنگ کے موقع پر ممنوع ہیں مثلاً امٹہ کرنا (کسی مقتول کے ناک، کان کاٹ دینا، صورت ہکاڑ دینا) مال غنیمت میں خیانت کرنا عورتوں، بچوں اور اُن بوڑھوں کو قتل کرنا جو نہ جنگ کرتے ہوں نہ جنگ کے معاملات میں کوئی رائے یا مشورہ دیتے ہوں اور مثلاً راہوں کو قتل کرنا اور بغیر کسی مصلحت کے درختوں کو جلانا اور حیوانات کو قتل کرنا۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۶۶ ج ۱) صحیح مسلم ص ۸۲ ج ۲ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر یا کسی فوجی دستہ کا کسی کو امیر بنا کر بھیجتے تو خاص کر اُس کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی اور جو مسلمان اس کے ساتھ جا رہے ہوں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی وصیت فرماتے تھے۔ پھر فرماتے تھے کہ اللہ کا نام لے کر اللہ کی راہ میں جہاد کرو جو شخص اللہ کو نہ مانتا وہ اس سے جنگ کرنا مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا اور غدر نہ کرنا اور کسی کا مثلہ نہ کرنا اور کسی بچے کو قتل نہ کرنا۔

بعض روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ جہاد کے موقع پر ایک عورت مقتولہ پائی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا آپ نے عورتوں اور بچوں کے قتل کرنے کی ممانعت فرمائی۔ (صحیح مسلم ص ۸۳ ج ۲) پھر فرمایا وَأَقْبَلُوا لَهُمْ حَيْثُ تَقَعْتُمُوهُمْ (کہ اُن کو قتل کرو جہاں بھی پاؤ)۔ وَأَخْرَجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجْتُمُوهُمْ (اور ان کو نکال دو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا) یعنی تمہیں مکہ معظمہ چھوڑ کر ہجرت پر مجبور کیا۔

فتنہ گری قتل سے زیادہ سخت ہے..... اور فرمایا أَفْسَدُ مِنَ الْقَتْلِ (اور فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے) فتنہ سے مراد شرک ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں ص ۷۵ ج ۲ کہ صحابہؓ کے دلوں میں جو بات آ رہی تھی کہ حرم میں اُن کو کس طرح قتل کریں گے۔ جبکہ حرم کا احترام ضروری ہے۔ ان کے اس وسوسہ کا جواب دیا گیا کہ جس کام میں یہ لوگ خود لگے ہونے میں یعنی شرک باللہ اور وہ بھی حرم میں وہ قتل کرنے سے بہت زیادہ سخت ہے۔ لہذا تم اس کی پرواہ نہ کرو کہ حرم میں قتل و قتال واقع ہو جائے گا۔

دفاع کے لئے قتال کرنا..... پھر فرمایا وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُفَاقِلُوا نَحْمَ فِيهِ (اور اُن سے جنگ مت کرو مسجد حرام کے پاس جب تک کہ وہ تم سے اس میں خود نہ

اُنہیں سوا شرم و بتم سے جنگ کریں تو تم ان کو قتل کر دو، ایسی ہی جزا ہے کافروں کی) اس میں مسلمانوں کو ابتداً، بالقتال کی ممانعت فرمائی کہ مسجد حرام کے قریب خود سے قتل و قتال کی ابتدا نہ کرتا جب تک کہ یہی تم سے قتال شروع نہ کریں۔ اگر وہ حرم کی حرمت کی پاسداری ترک کر دیں تو تم بھی ان کو قتل کر دو۔

قال صاحب الروح ص ۵۷ ج ۲ انفسی للخرج عن القتال فی الحرم الذی خاف منه المسلمون و کرمہ و ای ان قاتلوکم هناك فلا تبالوا بقتالہم لانہم الذین ہتکوا الحرمۃ و انتہ فی قتالہم دافعون القتل عن انفسکم۔

اس کے بعد فرمایا فان اللہ غفورٌ رحیم یعنی اگر شرکین و کفار و شرک سے باز آ جائیں اور اسلام قبول کر لیں گے تو (اہل اسلام سے قتال بھی نہ کریں گے) اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے (وہ سب کی توبہ قبول فرماتا ہے)۔

قتال کب تک ہونا چاہیے..... پھر فرمایا و قاتلوہم حتی لا تکلون فتنۃ و یکلون الذین للہ (یعنی کافروں سے یہاں تک جنگ کر کہ فتنہ باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کے لئے ہو جائے) اس میں قتال کی ضرورت اور غرض و غایت بیان فرمائی ہے شرک اور کفر بدترین گناہ ہے۔ خالق و مالک کی بغاوت ہے۔ دنیا میں اس کو منانے کے لئے کافروں اور شرکوں سے جنگ کرتے رہیں اور یہاں تک جنگ کریں کہ سارا دین اللہ ہی کے لئے ہو جائے۔ صحیح بخاری ص ۸۸ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ حکم ہوا کہ اوگوں سے اس وقت تک قتال کرتا رہوں جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کو نہ مانیں۔ جب انہوں نے اس کو کہہ لیا تو وہ مجھ سے اپنے خونوں اور مالوں کو بچا لیں گے۔ ہاں اگر اسلام کا قانون ان کے خونوں اور مالوں کے بارے میں جاری کرنا ضروری ہو تو وہ اور بات ہے اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔

(یعنی کوئی شخص اگر ظاہراً اسلام قبول کرے گا تو ہم اُس کو قتل نہ کریں گے۔ آگے اس کا حساب اللہ کے سپرد ہے ول سے اسلام قبول نہ کیا، لہذا آخرت کے دائمی عذاب میں مبتلا ہوگا۔ دلوں کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ ہم ظاہر کے پابند ہیں)۔

قتال کرنے میں کیا نیت ہو؟ آیت سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ قتال کی ضرورت کفر اور شرک کو منانے کے لئے ہے وہاں قتال کرنے والوں کو یہ بھی بتا دیا کہ قتال اور جہاد میں یہ نیت رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کا ول بالا ہو اس کا دین بلند ہو۔ دنیا سے اس کے باغی ختم ہوں، اور حقیقت اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا وہی ہے جو اللہ کی بات بلند کرنے کے لئے قتال کرے۔ ایک آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے سوال کیا کہ ایک آدمی مال غنیمت کے لئے قتال کرتا ہے ایک شہرت کے لئے لڑتا ہے اور ایک اس لئے لڑتا ہے کہ لوگ اس کی بہادری کے قائل ہو جائیں سو ان میں فی سبیل اللہ لڑنے والا کون ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اس لئے لڑتا ہے کہ اللہ کی بات اونچی ہو تو وہ فی سبیل اللہ لڑنے والا ہے۔ (صحیح بخاری ص ۳۹۴ ج ۱)

فائدہ.... حرب کے شرکوں کے لئے یہی قانون ہے کہ یا تو اسلام قبول کریں یا قتل کروئے جائیں ان کے علاوہ دوسرے انسانوں کے لئے جان و مال محفوظ کرنے کا یہ بھی طریقہ ہے کہ وہ جزیہ دینا منظور کر لیں وہ مسلمانوں کے ملک میں مغلوب ہو کر رہیں اور اصول شریعت کے مطابق ان سے جزیہ وصول کیا جاتا رہے۔ سورہ برأت میں ادائے جزیہ کی صورت میں جنگ بند کر لینے کا ذکر ہے۔ یہاں چونکہ مشرکین عرب کا ذکر ہے اس لئے جزیہ کا ذکر نہیں فرمایا اور یہ بھی ممکن ہے کہ جزیہ کا قانون بعد میں نازل ہوا ہو۔

فتنوں کو دبانے کے لئے جنگ کرنا..... یہ جو فرمایا و قاتلوہم حتی لا تکلون فتنۃ و یکلون الذین للہ اس میں واضح طور پر فرمایا کہ قتال فتنہ تم کرنے کے لئے ہے۔ لفظ فتنہ عام ہے۔ سب سے بڑا فتنہ کفر اور شرک ہے اور اس کے علاوہ فسق و فجور کے فتنے بھی آئیت

الشَّهْرُ الْحَرَامَ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَتُ قِصَاصٌ ۖ فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ

حرمیت والا مہینہ حرمیت والے مہینے کے عوض اور حرمیتیں معاوضہ کی چیزیں ہیں۔ سو جو شخص تم پر عداوت کرے تو اس پر اتنی ہی زیادتی کرو۔

بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝

جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین کرو کہ اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے۔

مشرکین کی زیادتی کا جواب

سرخ کی شرطوں کے مطابق جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کے ساتھ ۷۷ھ میں عمرۃ القضا کے لئے تشریف لے گئے تو یہ ماؤذ یقعدہ تھا۔ مشرکین مکہ سے مسلمانوں کو خطر تھا کہ معاہدہ کی پاسداری نہ کریں اور حملہ کر دیں اگر انہوں نے حملہ کیا تو حرمت والے مہینے میں اور حرم میں جنگ کرنی پڑے گی اور اس سے مکان و زمان دونوں کی حرمت میں فرق آئے گا۔ حرم کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يَقَابِلُوْكُمْ فِيْهِ اور مہینہ کی حرمت کے بارے میں اس آیت میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر جنگ کرنی پڑے تو تم جنگ کر لینا اور حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینے کے عوض ہو جائے گا یعنی مشرکین حرمت والے مہینے کا احترام کریں تو تم بھی احترام کرو اور خود سے جنگ نہ کرو ورنہ حرمتی کر بیٹھیں تو تم بھی جوابی کارروائی کرو۔ اور یہ جو فرمایا اَلْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ اس کا مطلب یہ ہے کہ حرمت عوض اور معاوضہ کی چیزیں ہیں جو لوگ تمہارے ساتھ ان حرمتوں کی رعایت کریں تم بھی ان کی رعایت کرو جس ذات پاک نے حرم اور ماہ حرام میں جنگ کرنے کو حرام قرار دیا اسی کی طرف سے جوابی کارروائی کرنے اور دفاع کرنے کی اجازت مل گئی تو اب حیرانی پریشانی کا کوئی موقع نہ رہا۔

پھر فرمایا فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ (یعنی جو شخص تم پر زیادتی کرے تو اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہے)۔ جس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی (یعنی عمرۃ القضا جس میں دشمنوں کے حملے کا خطر تھا) اس کے بارے میں بتا دیا کہ زیادتی کرنے والے پر اتنی ہی زیادتی کر سکتے ہو جتنی وہ زیادتی کرے آیت کا نزول اگرچہ خاص موقع پر تھا لیکن الفاظ کے عموم نے مستقل قانون بتا دیا کہ زیادتی کا جواب بقدر زیادتی ہی دے سکتے ہو اور جتنی زیادتی کسی نے کی ہو اس سے اسی قدر بدلہ لے سکتے ہو اگر اس سے زیادہ کچھ کیا تو پھر تم زیادتی کرنے والے ہو جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ متقینوں کے ساتھ ہے..... آخر میں فرمایا وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝ (یعنی بدلہ لینے میں اور ہر موقع پر گناہ سے بچو اور اللہ سے ڈرو جس چیز کی اجازت نہیں اسے نہ کرو اور یہ بھی سمجھو کہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کا بہت بڑا مقام ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے۔ اگر کسی موقع پر نفس کے اُتار کی وجہ سے زیادتی کرنے کا تقاضا ہوا اور شرعی ممانعت کی وجہ سے اس سے پرہیز کیا تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کا بدلہ دیں گے۔

وَأَنْتَقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ۖ وَأَحْسِنُوا ۚ إِنَّ

اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور نہ ڈالو اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں اور خوبی کے ساتھ کام کیا کرو۔ بے شک

اللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۱﴾

اللہ تعالیٰ خیر کی بات کو پسند فرماتا ہے۔

اپنے کو بلاکت میں ڈالنے کی ممانعت

• تدرک حاتم ص ۲۷۵ ج ۳ میں ابو عمر ان سے روایت نقل کی ہے انہوں نے بیان کیا کہ ہم فقط ظنیہ میں تھے اور امیر المؤمنین کی طرف سے مصر پر عقبہ بن عامر جہنی اور شام پر فضالہ عامل تھے رومیوں کی ایک بہت بڑی صف (جنگ کرنے کے لئے) سامنے آئی۔ مسلمانوں نے بھی ان کے سامنے بہت بڑی صف بنائی ایک مسلمان نے رومیوں کی صف پر حملہ کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ ان میں گھس گئے پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر وہاں سے نکلے۔ لوگ کہنے لگے کہ اس نے تو اپنے ہاتھوں کو بلاکت میں ڈال دیا اس پر حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے لوگو! تم اس آیت کا مطلب غلط لیتے ہو (اس کا یہ مطلب نہیں کہ دشمنوں سے قتال نہ کرو اور ان پر حملہ آور نہ ہو) یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غلبہ دے دیا اور ان کے مددگار بہت ہو گئے تو بعض انصار نے یوں کہا کہ ہمارے مال ضائع ہو گئے۔ لہذا اب اگر ہم مالوں کی دیکھ بھال کے لئے گھروں میں مقیم رہیں (تو شاید کچھ خرچ نہ ہو) اللہ تعالیٰ شانہ نے ہمارے ارادوں کی تردید فرمائی اور آیت کریمہ **وَالْتَفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ** (آیت) نازل فرمائی۔ جس سے معلوم ہو گیا کہ مالوں کی دیکھ بھال کے لئے گھروں میں بیٹھنے میں بلاکت ہے۔ پس ہم کو جہاد کرنے کا حکم ہوا۔ حضرت ابویوبؓ موت آنے تک برابر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے۔ سنن ترمذی کتاب التفسیر (تفسیر سورۃ البقرہ) میں بھی یہ واقعہ چھوڑے سے اختلاف کے ساتھ مروی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں **فَلَوْ اَقْمَنَّا فِيْ اَمْوَالِنَا وَاصْلَحْنَا مَاضِیَاضَنَا**۔ (کہ اگر ہم اپنے مالوں میں قیام کرتے اور ان میں جو خرابی و خستگی آگئی ہے اسے ٹھیک کر لیتے تو اچھا تھا) اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی جس سے واضح ہوا کہ بلاکت مالوں کی دیکھ بھال اور ان کی اصلاح کے لئے گھروں میں مقیم ہونے اور جہاد چھوڑنے میں ہے۔ آیت کے شان نزول سے معلوم ہوا کہ کافروں کے ساتھ جہاد کرتے رہنے اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے رہنے میں اسلام اور مسلمانوں کی عزت اور غلبہ ہے اور اس کو چھوڑنے میں بلاکت ہے۔

جہاد کی اہمیت اور ضرورت..... درحقیقت جہاد بہت بڑی چیز ہے اس میں بہت بڑی عزت ہے اس سے اللہ کی مدد آتی ہے اور اسلام اور مسلمانوں کا غلبہ رہتا ہے۔ تاریخ الخلفاء ص ۸۷ میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی مرویات میں بحوالہ طبرانی (فی المعجم الاوسط) حدیث نقل کی ہے **مَا تَرَكَ قَوْمَ الْجِهَادِ اِلَّا عَمِيَهُمُ اللَّهُ الْعَذَابُ** (جس قوم نے جہاد کو چھوڑ دیا اس پر اللہ تعالیٰ عام عذاب بھیج دیں گے) جب مسلمانوں نے فی سبیل اللہ جہاد کرنا چھوڑ دیا اس کی وجہ سے عمومی عذاب بھیج دیکھ رہے ہیں۔ مسلمان جہاد کی طرف متوجہ نہیں، یا تو آپس میں لڑتے ہیں یا دشمن کی شبہ پر جنگ کرتے ہیں اور جنگ میں بھی وطن یا زبان کی عصمتیں پیش نظر ہوتی ہیں اللہ کی رضا کے لئے اور اللہ کی بات کو سچی کرنے کے لئے جنگ کرنے کا دھیان بھی نہیں ہوتا۔ اجمالہ دشمن پیٹ دیتا ہے۔ اور جب ایک دشمن دوسرے دشمن کو مسلمانوں کا ملک دلاتا ہے تو اسی کے پاس فریاد لے کر چلے جاتے ہیں اور اسی کے فیصلوں پر راضی ہو جاتے ہیں اس طرح بلاکت میں پڑ رہے ہیں۔ اللہ کی راہ میں جو جان و مال خرچ کرنے کا حکم ہے مسلمانوں کا کوئی ملک اس پر عمل کرنے کو تیار نہیں۔ **فَالِی اللَّهِ الْمَشْتَكِی وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ**۔

یہ جو فرمایا **وَلَا تَلْفُتُوا بِاَبْدَانِكُمْ اِلَى التَّهْلُکَةِ** اس کی ایک تفسیر تو یہ ہے جو شان نزول سے معلوم ہوئی اور حضرت ابویوب انصاری

رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی لیکن مفسرین نے اس کا مصداق بناتے ہوئے اور بھی کئی چیزیں ذکر کی ہیں اور الفاظ کے مضموم کے اعتبار سے بہت سی صورتیں اس میں شامل ہیں۔ مال کے خرچ کرنے میں اسراف کرنا، حلال ذریعہ معاش کو ضائع کرنا خودکشی کرنا۔ قصداً و عمدہ ایسے کام کرنا جس میں ہلاکت ہو۔ جن مواقع میں مال خرچ کرنا فرض یا واجب ہے وہاں خرچ کرنے سے جان چرانا۔ گناہوں میں مبتلا رہنا تو بہ نہ کرنا اور اس طرح کی بہت سی صورتیں ہیں جو جان کو ہلاکت میں ڈالنے کے ذیل میں آتی ہیں وہ سب ممنوع ہیں۔

صفت احسان اختیار کرنے کا حکم..... آیت کے آخر میں فرمایا وَ اَحْسِنُوْا اِنَّ اللہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ لفظ احسنوا باب افعال سے امر کا صیغہ ہے اور احسان احسن سے ماخوذ ہے۔ احسن خوبی اور اچھائی کو کہتے ہیں اور احسان کسی کام کو عمدہ طریقے پر انجام دینے کو کہا جاتا ہے۔ جو کام کئے جائیں ان کی شرائط اور آداب کا خیال رکھا جائے۔ تاکہ ان میں صفت احسان پیدا ہو جائے اور خوبی کے ساتھ انجام دینا صادق آجائے۔ حدیث جبریل میں ہے کہ انہوں نے آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب سوال کیا کہ احسان کیا چیز ہے تو آپ نے عبادت کا احسان بتا دیا اور فرمایا ان تسعبد اللہ کانتک تراه فان لم تکن تراه فانه یراک (احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا اُسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے تو وہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے)۔ زکوٰۃ کو صفت احسان کے ساتھ ادا کریں دیکھا و مقصود نہ ہو۔ روزی مال نہ دیں۔ جس کو ویس اس پر احسان نہ دھریں۔ خوش ولی کے ساتھ دیں۔ پوری زکوٰۃ نکالیں۔ حج میں جنایات نہ کریں۔ جنگ و جدال سے پرہیز کریں۔ حج کر کے نام کرنا مقصود نہ ہو۔ روزہ رکھیں، غیبت اور سب و شتم سے روزہ کی حفاظت کریں یہ سب صفت احسان میں شامل ہے انسانی ضرورت کے لئے جانوروں کے ذبح کرنے کی اجازت دی گئی لیکن اس میں بھی صفت احسان ملحوظ رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔ حضرت شداو بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے بارے میں خوبی اختیار کرنے کا حکم فرمایا سو جب تم کسی کو (شریعت کی اجازت سے) قتل کرو تو قتل کرنے میں خوبی کو اختیار کرو (مثلاً ہاتھ پاؤں نہ کاٹو، چہرہ نہ بگاڑو) اور جب تم ذبح کرنے لگو تو خوبی کے ساتھ ذبح کرو اپنی چھری کو تیز کر لو اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ۔ (صحیح مسلم ص ۱۵۲ ج ۲)

وَاتِمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۚ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ

اور پورا کرو حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے، پس اگر تم کو روک دیا جائے تو قربانی کا جانور جو سہرے ذبح کر دو اور اپنے سروں کو اس وقت تک نہ سونڈو

حَتّٰی يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحَلَّهُ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهِ اَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّنْ

جب تک کہ قربانی کا جانور اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے، سو جو شخص تم میں سے مریض ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو فدیہ دے دے وہ روزوں سے

صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسْكَ ۚ

باصدقے سے یا قربانی کے جانور سے۔

حج اور عمرہ کے احکام

جہاد کا حکم بیان فرمانے کے بعد اب حج اور عمرہ کے احکام بیان کئے جاتے ہیں۔ جو شخص مکہ معظمہ تک سواری پر آجاسکتا ہو اور سفر کے اخراجات اس کے پاؤں ہوں اور بال بچوں کے لئے ضروری اخراجات بھی موجود ہوں اس پر حج کرنا فرض ہے اور حج زندگی میں ایک

ہی مرتبہ فرض ہے اس سے زیادہ جو کوئی شخص حج کرے گا تو وفضل ہوگا۔ حج کے کام آٹھ ذوالحجہ سے شروع ہوتے ہیں اور بارہ تیر ذوالحجہ تک ختم ہو جاتے ہیں۔ البتہ طواف وواضع اس وقت ہوگا جب مکہ معظمہ سے واپس آنے لگیں اگرچہ اس سے پہلے بھی جائز ہے (بشرطیکہ اس سے پہلے طواف زیارت کر چکا ہو) چونکہ افعال حج کے لئے ایام مقرر ہیں۔ اس لئے حج میں یہ بات نہیں ہے کہ جب چاہے کر لیں اور عمرہ پورے سال میں جس وقت چاہے کر سکتا ہے اس کی کوئی تاریخ مقرر نہیں البتہ ایام حج میں یعنی ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذوالحجہ کو عمرہ کرنا فقہاء نے مکروہ لکھا ہے (کیونکہ یہ ایام حج کی مشغولیت کے ہیں) عمرہ زندگی میں ایک مرتبہ کر لینا سنت ہے اگر کسی کو مقدمہ ووقت عمرہ کی فضیلت سے محروم نہ ہو۔ عمرہ میں احرام اور طواف دو چیزیں فرض ہیں اور صفا و مروہ کی سعی اور حلق یا قصر (سر منڈانا یا کاٹنا) جس سے احرام سے نکل جائے یہ دونوں چیزیں واجب ہیں، حج اور عمرہ دونوں کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک درمیان میں گناہوں کا کفارہ ہے اور حج مبرور (جس میں گناہ نہ کئے ہوں) اس کی جزا رحمت ہی ہے (صحیح بخاری ص ۲۳۸ ج ۱) اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے اللہ کے لئے حج کیا اور ایسی باتیں نہ کیں جو مرد و عورت کے درمیان ہوتی ہیں اور گناہ نہ کئے وہ (حج کر کے) ایسا واپس ہوگا جیسا کہ اس دن (بے گناہ) تھا، جس دن اس کی ماں نے اسے جنم دیا۔ (صحیح بخاری ص ۲۰۶ ج ۱) اور رمضان المبارک میں عمرہ (ثواب میں) حج کے برابر ہے (صحیح بخاری ص ۲۳۹ ج ۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حج و عمرہ کے درمیان متابعت کرہ (کہ ایک کے بعد دوسرے کو ادا کرو) کیونکہ وہ دونوں تنگدستی اور گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں جیسے بھنی سونے چاندی اور اوہے کے میل پکیل کو دور کر دیتی ہے۔ (مشکوٰۃ)

جو لوگ حج کے لئے جاتے ہیں وہ حج سے پہلے یا حج کے بعد عمرہ کر ہی لیتے ہیں لیکن جو لوگ غیر ایام حج میں مکہ مکرمہ جا کر عمرہ کر کے چلے آتے ہیں اور پھر زندگی بھر حج فرض کے لئے نہیں جاتے وہ لوگ ترک کر کے گنہگار ہوتے ہیں جس کی ہر عید بہت شدید ہے۔ حج نہ کرنے پر وعید..... مکہ معظمہ پہنچنے کی قدرت ہوتے ہوئے حج کئے بغیر مر جانا سخت گناہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جسے مجبوری نے یا ظالم بادشاہ نے یا روکنے والے مرض نے حج سے نہ روکا اور مر گیا اور حج نہ کیا تو چاہے تو یہودی ہونے کی حالت میں مرجائے یا نصرانی ہونے کی حالت میں مرجائے۔ (مشکوٰۃ ص ۲۲۲ من الداری)

حج اور عمرہ احرام کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ حج یا عمرہ کی نیت کر کے تلبیہ (لےنی لبیک اللہم لبیک) پڑھنے سے احرام میں داخل ہو جاتا ہے۔ ممنوعات اور محظورات دونوں احراموں کے ایک ہی ہیں۔ ان کی خلاف ورزی پر بعض صورتوں میں دم (یعنی حرم مکہ میں ایک سال کی بکری یا بکرا ذبح کرنا) اور بعض صورتوں میں صدقہ (بقدر صدقہ فطر) واجب ہوتا ہے۔

احرام کے ممنوعات..... احرام کے ممنوعات یہ ہیں۔ (۱) خوشبو استعمال کرنا، (۲) جسم سے بال زور کرنا، (۳) ناخن کاٹنا، (۴) خشکی کا شکار کرنا، (۵) میاں بیوی والے خاص تعلق کو کام میں لانا اور شہوت کے کام کرنا، (۶) مرد کو ایسا کپڑا پہننا جو پورے بدن یا کسی عضو کی ہیئت اور ساخت پر ہی کر یا بن کر یا چپکا کر تیار کیا گیا ہو، (۷) مرد کو سر یا چہرہ کو کپڑا لگانا اور عورت کو چہرہ پر کپڑا لگانا (اجنبی مردوں سے پردہ کرنے کے لئے چہرہ سے ہٹا کر چادر وغیرہ لٹکا لے، پردہ احرام میں بھی لازم ہے)۔

ان چیزوں کی خلاف ورزی کرنے پر جو دم یا صدقہ واجب ہوتا ہے اس کی تفصیلات کتب فقہ میں مذکور ہیں اور حج کی معتبر کتابوں میں بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔ مرض کی مجبوری سے اگر بال زور کرے یا ناخن کاٹے یا مرد و سلاہ کو کپڑا پہننے یا سر ڈھانکے یا چہرہ ڈھانکے یا عورت

چہرہ و احسان کے لئے رعایت ہے جو ابھی مقرر یہ ان شاء اللہ تعالیٰ مذکور ہوئی۔ جب حج یا عمرہ کے احرام سے نکلنے کا شرعاً موقع آ جائے اس وقت مال و دیگر مالیات کاٹ کر احرام سے نکل جائے۔ اس وقت سے پہلے بالوں کو مونڈنے یا تراشنے سے جزا لازم ہوگی۔ عورتوں کو احرام سے نکلنے کے لئے سر مونڈنا حرام ہے۔ وہ پورے سر کے بال بقدر ایک پورے کے کاٹ کر احرام سے نکل جائے۔ اگر کسی مرد نے بقدر ایک پورے کے چوتھائی سر کے بال کاٹ دیئے یا عورت نے چوتھائی سر کے بال اپنی چوٹی سے بقدر ایک پورے کے کاٹ دیئے تو احرام سے نکل جائیں گے بشرطیکہ احرام سے نکلنے کا وقت ہو چکا ہو۔

احصار کے احکام..... اگر کسی مرد یا عورت نے حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیا اور کسی مرض یا دشمن یا درندہ کی وجہ سے آگے بڑھنے سے روک دیا گیا کہ حج کے احرام والا نہ عرفات جاسکتا ہے نہ طواف کر سکتا ہے اور عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد طواف سے روک دیا گیا تو اس کو احصار کہتے ہیں اور جس عزم کو روک دیا گیا ہو اسے محصر کہتے ہیں۔ محصر اگر انتظار نہیں کر سکتا اور احرام سے نکلنا چاہتا ہے تو وہ حد و حرم میں ایک سال کی بکری ذبح کر دے ایسا کرنے سے احرام سے نکل جائے گا۔ اور اس کے بعد احرام کی پابندیاں ختم ہو جائیں گی اگر حد و حرم میں خود موجود نہیں ہے تو جس جگہ بھی ہے وہاں سے کم از کم ایک سال کی بکری یا بکریاں اُس کی قیمت بھیج دے اور جس کے ذریعہ بھیجے اس سے وقت مقرر کر لے کہ فلاں دن فلاں وقت ذبح کرو۔ جب وہ وقت آ جائے اور غائب گمان ہو جائے کہ اب جانور ذبح ہو چکا ہوگا تو احرام سے نکل جائے۔ اب اگر ان کاموں میں سے کوئی کام کرنے کا جو احرام کی وجہ سے ممنوع تھے تو جزاء لازم نہ ہوگی اور صرف جانور ذبح ہو جانے سے احرام سے نکل جائے گا مگر بہتر یہ ہے کہ محصر یا تو سر بھی منڈا دے۔ اگر کوئی شخص قمارن تھا یعنی اُس نے حج اور عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھا تھا تو وہ حد و حرم میں دو جانور ذبح کرائے۔ جب یہ دونوں جانور ذبح ہو جائیں گے تو وہ دونوں احراموں سے نکل جائے گا۔

حج و عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد پورا کرنا لازم ہے..... اس ساری تفصیل کو سامنے رکھ کر اب آیت کی تفسیر نور سے پڑھتے۔
 اول تو یہ فرمایا: **وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ** (حج و عمرہ کو پورا کر اللہ کے لئے) اس سے معلوم ہوا کہ جو بھی کوئی مرد یا عورت حج یا عمرہ کا احرام باندھ لے تو اب احرام کے کپڑے اتار دینے سے یا نیت بدل دینے سے احرام سے نہ نکلے گا اور حج یا عمرہ پورا کرنا ہی ہوگا۔ حج فرض ہو یا نفل، عمرہ سنت ہو یا نفل، اپنا حج پورا کرنا ہی لازم ہے۔ اب یہ بات رہ جاتی ہے کہ حج یا عمرہ کا احرام تو باندھ لیا لیکن احصار ہو گیا۔ کسی دشمن یا مرض کی وجہ سے آگے نہیں بڑھ سکتا اور احرام میں رہنے میں وقت ہے اور جلد حلال ہونا چاہتا ہے تو حرم میں قربانی کا جانور ذبح کراوے جس کی تفصیل اوپر گزر چکی۔ حرم میں جانور ذبح کرائے بغیر احرام سے نہیں نکل سکتا۔ اسی کو فرمایا: **فَإِنِ أَحْصَرْتُمْ** فما استيسر من الهدي کہ اگر تم روک دیئے جاؤ تو جو جانور میسر ہو ذبح کر دو۔ یا دوسرے سے ذبح کرا دو آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں عمرہ کرنے کے لئے اپنے صحابہ کے ساتھ تشریف لے گئے تھے اور ہمنوں نے مکہ معظمہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ جانور ذبح کر کے احرام سے نکل گئے تھے۔ یہ مقام حدیبیہ کا قصہ ہے جو مکہ معظمہ سے دس میل ہے اور جدوہ کے پُرانے راستے پر ہے۔ آج کل اس کو شمیہ کہتے ہیں۔ یہ جو فرمایا: **وَلَا تَحْلِفُوا رَأً** وُسْخُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَجْلَهُ (اور اپنے سروں کو مت مونڈو یہاں تک کہ قربانی کا جانور اپنی جگہ پہنچ جائے) جگہ سے مراد حرم ہے۔ اس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ احصار کا جانور حرم میں ذبح کیا جائے، وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ احرام میں سر مونڈنا ممنوع ہے۔

سنن ترمذی (باب ما جاء في الذی یهل بالحج فیکسر او یعرج) میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا کوئی عضو ٹوٹ گیا یا لنگڑا ہو گیا تو اس کو حلال ہونے کی اجازت ہے اور اس پر آئندہ ایک حج کرنا لازم ہے۔ (وقال الترمذی بذات حدیث حسن أخرجه الحاكم فی المستدرک ص ۴۷۰ حج او قال صحیح علی شرط الشیخین و اقرہ الذہبی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب محصر قربانی کا جانور ذبح کرنا حلال ہو جائے تو اس کے ذمہ قضا بھی لازم ہوتی ہے۔ احصار زائل ہو جانے کے بعد..... اگر کسی شخص نے حج کا احرام باندھا تھا اور احصار ہو جانے کی وجہ سے حرم میں جانور ذبح کرنا حلال ہو گیا پھر احصار دور ہو گیا اور ابھی اتنی سال حج کا وقت باقی ہے لہذا اس نے دوبارہ احرام باندھ کر اسی سال حج کر لیا تو حج ادا ہو گیا۔ اور اب اس کی قضا واجب نہیں^(۱) اور اگر اسی سال حج نہ کرے گا تو حج کی قضا واجب ہے۔ آئندہ سال یا جب بھی موقع ہو قضا کی نیت سے حج کرے اور اس کے ساتھ ایک عمرہ کرنا بھی واجب ہو گا۔ اگر قارن تھا اور اسی سال احرام کے مطابق حج و عمرہ نہ کرے گا تو اس پر قضا میں ایک حج اور دو عمرے واجب ہوں گے۔

مسئلہ..... اگر حج فرض کے احرام میں احصار ہوا تھا اور حرم میں قربانی کرنا احرام سے نکل گیا تھا تو جب بھی حج کرے قضا کی نیت کرنا واجب نہیں خواہ اسی سال حج کرے یا اس کے بعد۔

مسئلہ..... ہر محصر پر قضا واجب ہے خواہ حج فرض ہو یا نفل، اپنا حج ہو یا حج بدل۔ اگر عمرہ کے احرام میں احصار ہوا تھا تو اس کی قضا بھی واجب ہے۔ اور اس پر صرف ایک ہی عمرہ کی قضا لازم ہے۔ جب چاہے عمرہ کر سکتا ہے۔ عمرہ کے ساتھ دوسرا عمرہ کرنا واجب نہیں (جبکہ حج قضا کرنے کی صورت میں اس کے ساتھ ایک عمرہ کرنا بھی واجب ہے)

فائنت الحج کا حکم..... اگر کسی شخص کو احصار ہو گیا اور وہ حرم میں قربانی کرنا کے احرام سے نہ نکلا حتیٰ کہ حج کے دن گزر گئے یعنی احرام باندھنے کے بعد نوافل الحج کو ذوالت لے کر صبح صادق ہونے تک عرفات میں نہ پہنچے۔ گا تو اس کا حج فوت ہو گیا اور یہ شخص فائنت الحج ہو گیا۔ جب حج فوت ہو جائے۔ نذر سے یا باعذر تو اسی احرام سے عمرہ کے افعال ادا کر کے یعنی طواف اور سعی کر کے بال موئذ اگر احرام سے نکل جائے پھر آئندہ سال یا جب موقع مل جائے اس حج کی قضا کر لے۔ اس قضا کے ساتھ عمرہ کرنا لازم نہیں۔

مسئلہ..... عمرہ میں احصار تو ہو سکتا ہے لیکن عمرہ فوت نہیں ہوتا۔ عمرہ کا احرام باندھ لینے کے بعد جتنے دن بھی گزر جائیں جب بھی عمرہ کرے گا ادا ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ پورے سال میں ادا ہو سکتا ہے۔ اگر عمرہ کے احرام کے بعد محصر ہو گیا اور ابھی قربانی کرنا کے احرام سے نہیں نکلا تھا کہ احصار زائل ہو گیا تو اب جا کر عمرہ کر لے۔

عذر کی وجہ سے ارتکاب جنایت کا حکم..... اگر کسی نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا اور وہ سرمئذانے پر دکھ تکلیف کی وجہ سے مجبور ہو گیا۔ مثلاً سر میں جو نیں زیادہ پراگئیں یا پورے سر یا آدھے سر میں درد ہے تو ایسے شخص کو اختیار ہے کہ سرمئذ ادا کرے اور چونکہ یہ احرام پر جنابت ہوگی اس لئے یا تو حرم میں ایک سال کی مکبریٰ ذبح کر دے یا تین صاع گیبوں چھ مسکینوں کو دے دے۔ ہر مسکین کو آدھا صاع دے (آدھا صاع صدقہ فطر کے برابر ہوتا ہے) یا تین روزے رکھ لے، اگر مالدار ہو تب بھی اختیار ہے کہ ان تینوں باتوں میں سے جو سمورت چاہے اختیار کرے۔

آیت شریفہ میں یہ ذکر فرمایا ہے فَسَنُكَانَ مِنْكُمْ مُرِيضًا أَوْ بَهِيمًا أَوْ ذِي رَأْسٍ مَنَ فَعُقِدَتْهُ مِنْ صَبَاحٍ أَوْ ضَفَّةٍ أَوْ نُسَلَبُ (یعنی جو شخص تم میں سے مریض ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو نہ یہ دے دے روزوں سے یا صدقے سے یا قربانی کے جانور سے) اس میں یہی مسئلہ بیان کیا ہے۔

حضرت کعب بن عجر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام حدیبیہ میں میرے پاس کھڑے ہوئے تھے۔ اس وقت میرے سر سے جو کچھ گر رہی تھیں آپ نے فرمایا کیا یہ جانور تجھے تکلیف دے رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا جی ہاں! آپ نے فرمایا کہ سر ہنذا۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنا سر مونڈ لو اور تین دن کے روزے رکھ لو یا چھ مسکینوں کو کھانا دے دو یا ایک بکری ذبح کر دو۔ تیسری روایت میں اس کی تصریح ہے کہ ہر مسکین کو آدھا صاع دے دینا۔ یہ سب روایات صحیح بخاری ص ۲۴۴ میں مذکور ہیں۔ آیت شریفہ میں جو فَعُقِدَتْهُ مِنْ صَبَاحٍ أَوْ ضَفَّةٍ أَوْ نُسَلَبُ وارد ہوا ہے اس کی تفسیر حدیث شریفہ سے معلوم ہو گئی۔

مسئلہ..... مرض کی معذوری اور سر میں تکلیف ہونے کی مجبوری سے سر منڈانے کا نہ یہ اور نہ مذکورہ بالا کوئی شخص احرام میں ہو اور سخت بخار یا سخت سردی یا سخت گرمی میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے سلا: داکٹر اپہن لے اور بقدر ایک دن یا ایک رات کے پنے یا بقدر ایک دن ایک رات کے سر یا چہرہ ذہان تک لے یا غانگ کی مجبوری سے زخم پر خوشبو وارد الاستعمال کر لے تو اس صورت میں ایک دم واجب ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ عذر کی وجہ سے جنایت کا ارتکاب کیا ہے اس لئے مذکورہ بالا تینوں صورتوں میں سے کوئی بھی صورت اختیار کی جاسکتی ہے۔ اگر بلا عذر ان جنایات کا ارتکاب کرے تو دم ہی دینا لازم ہے۔

مسئلہ..... اگر بیماری کی مجبوری کی وجہ سے کوئی ایسا کام کیا جسے بلا عذر کرنے میں صدقہ واجب ہوتا ہے۔ مثلاً ایک دن یا ایک رات سے کم سلا: داکٹر اپہن تو اس صورت میں اختیار ہے کہ ایک مسکین کو آدھا صاع گاہوں دے دے یا اس کے عوض ایک روزہ رکھ لے۔

فَإِذَا آمَنْتُمْ فَخُذُوا حَتَّىٰ تَعْلَمُوا إِلَىٰ الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ

پھر جب تم اس کی حالت میں ہو جو شخص مردہ کوچ کے ساتھ ملا کر مشفع ہو تو قربانی کا جانور جو میسر ہو ذبح کر دے۔ سو جو شخص نہ پائے

فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ۖ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ

تو تین دن کے روزے ہیں حج میں اور سات دن کے روزے ہیں جب کہ تم لوٹ آؤ، یہ پورے دس ہوئے، یہ اس کے لئے

لَمْ يَكُنْ أَهْلَهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَ اتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۹﴾

ہے جس کے گھر والے مسجد حرام میں حاضر نہ ہوں، اور اللہ سے ڈرو، اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ سخت عذاب والا ہے۔

تمنع اور فران کا بیان

جو شخص صرف حج کا احرام باندھے اور حج سے پہلے کوئی عمرہ نہ کرے اس کا حج، حج افرادہ وگا۔ اور جو شخص حج سے پہلے حج کے مہینوں میں عمرہ کرے اور پھر اسی سال حج بھی کرے اس کی دو صورتیں ہیں اول یہ کہ میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھ کر جائے پھر عمرہ کرنے کے

بعد سر مونہ کر یا قصر کر کے احرام سے نکل جائے اور ایام حج کا انتظار کرتا رہے پھر ذوالحجہ کی آٹھ تاریخ کو مکہ معظمہ سے حج کا احرام باندھ لے اور حج کے سب کام پورے کر لے جیسا کہ حج افراد والا کرتا ہے۔ اس کو نقبہا کی اصطلاح میں حج تمتع کہا جاتا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ میقات سے حج اور عمرہ کا اکٹھا احرام باندھے اس کے بعد مکہ معظمہ آ کر عمرہ کر لے پھر حلق یا قصر کرے بغیر احرام میں ہی رہے۔ اور ایام حج میں حج کرے اور دس تاریخ کو عمرہ کبریٰ کی رمی کرنے کے بعد حلق یا قصر کر کے احرام سے نکل جائے۔ اس کو نقبہا کی اصطلاح میں قربان کہا جاتا ہے جو صرف حج کرے وہ مفرد ہے اور جو شخص حج اور عمرہ دونوں کو جمع کرنے کی پہلی صورت اختیار کرے وہ متمتع ہے اور جو شخص دو سفری صورت اختیار کرے وہ وقارن ہے۔

متمتع اور وقارن پر قربانی واجب ہے..... متمتع اور وقارن پر جمرہ کبریٰ کی رمی کرنے کے بعد حلق یا قصر سے پہلے قربانی کرنا بھی واجب ہے اس کو دم شکر کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حج اور عمرہ دونوں عبادتیں جمع کرنے کی سعادت نصیب فرمائی، اسی کو فرمایا فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ (جو شخص عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر متمتع ہوا، وہ جو قربانی کا جانور میسر ہو ذبح کر دے)۔ قربانی حرم ہی میں ہونا ضروری ہے اور منیٰ میں ہونا افضل ہے اور بارہویں تاریخ کا سورج چھپنے سے پہلے پہلے قربانی کر دینا واجب ہے۔ متمتع اور وقارن جب تک قربانی نہیں کرے گا اس وقت تک حلق یا قصر کرنا جائز نہ ہوگا۔ قرآن مجید میں جو لفظ تَمَتَّعَ فرمایا ہے یہ اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے اصطلاحی تمتع اور قرآن دونوں کو شامل ہے۔ تمتع اور قرآن کی قربانی میں ایک سال کا بکریا بکری یا پانچ سالہ اونٹ یا دو سالہ گائے کا ساتواں حصہ بھی کافی ہو سکتا ہے بشرطیکہ تمام شرکاء کی نیت ثواب کی ہو۔

تمتع اور قرآن کی قربانی کا بدلہ..... اگر متمتع یا وقارن کے پاس قربانی کا جانور نہیں اور پیسے بھی نہیں تاکہ جانور خرید کر قربانی کرے تو اس کے لئے یہ آسانی ہے کہ عمرہ کا احرام باندھ لینے کے بعد ذوالحجہ کی دسویں تاریخ سے پہلے پہلے تین روزے رکھ لے چاہے متفرق طور پر رکھے چاہے متواتر (اگاتار) رکھے۔ مگر اگر تارکھنا مستحب ہے۔ اور افضل یہ ہے کہ ذوالحجہ کی ساتویں، آٹھویں اور دسویں تاریخ کو رکھ لے اور اگر اندیشہ ہو کہ نویں کا روزہ رکھنے سے وقوف عرفات کے موقع پر ضعف ہو جائے گا تو اس سے پہلے ہی تینوں روزے رکھ کر فارغ ہو جائے۔ تین روزے تو یہ ہوئے جو حج سے پہلے رکھ لئے اور سات روزے تیرہویں تاریخ کے بعد رکھ لے۔ ذوالحجہ مکہ مکرمہ ہی میں مقیم ہو، خواہ اپنے گھریا اور کسی جگہ چلا گیا ہو۔ ان روزوں کو بھی متفرق طور پر رکھ سکتا ہے اور اگر تارکھنا افضل ہے۔ یہ کل دس روزے دو گئے جو قربانی کا بدلہ ہیں۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا:

فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَاسْتِغْبَاةٌ إِذَا رَجَعْتُمْ بِلَاثِ عَشْرَةٍ كَامِلَةً

مسئلہ..... اگر کسی نے دس ذوالحجہ سے پہلے تین روزے نہ رکھے اور نویں تاریخ گزر گئی تو اب روزے رکھنے سے تمتع اور قرآن کی قربانی کا بدلہ نہیں ہو سکتا بلکہ اب قربانی ہی کرنا متعین ہو گیا۔ اگر قربانی کرنے پر قدرت نہیں ہے تو حلق یا قصر کر کے احرام باندھ لے چاہے پھر اگر بارہویں تاریخ کے اندر قربانی کرنے پر قادر ہو گیا تو قربانی کر دے اور ایک دم ذبح سے پہلے حلق یا قصر کرنے کا دے اور اگر بارہویں تاریخ کے بعد قربانی پر قادر نہ ہو تو تین دم دینے ہوں گے۔ ایک دم شکر (یعنی تمتع یا قرآن کی قربانی) اور ایک دم ذبح سے پہلے حلق یا قصر کرنے کا، اور ایک ایام نحر سے ذبح کو مؤخر کرنے کا۔

مسئلہ..... تمتع کی ایک صورت یہ ہے کہ محرم اپنے ساتھ قربانی کا جانور بھی لایا ہو ایسے محرم کو ساقی الہدی کہتے ہیں۔ جو متمتع ساقی الہدی ہو مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ کر لے لیکن حلق اور قصر نہ کرے ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ آنے تک احرام ہی میں رہے پھر آٹھ تاریخ کو حج کا احرام

باندھ لے اور حج ادا کرنے والوں کی طرح حج کرے۔ اور وہ سو میں تاریخ کو جہد کبریٰ کی رمی اور ذبح کے بعد حلق یا قصر کر کے وہ لوگ احراموں سے ایک ساتھ نکل جائیں۔

مسئلہ.... جو شخص مفروضہ: اس پر حج کی قربانی واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے کہ وہ قربانی کرے۔ اگر قربانی کرے تو افضل یہ ہے کہ وہ ذبیحہ کو جہد کبریٰ کے بعد پہلے ذبح کرے پھر حلق یا قصر کرے البتہ رمی سے پہلے حلق یا قصر جائز نہیں ہے۔ اگر وہ مفروضہ کی قربانی سے پہلے حلق یا قصر کر دیا تو افضل کے خلاف ہوگا۔

مسئلہ.... اور قرآن یا تمتع کی قربانی عید الاضحیٰ کی قربانی کے قائم مقام نہیں ہے۔ عید الاضحیٰ کی قربانی مقیم پر واجب ہے مسافر پر واجب نہیں۔ جو لوگ مکہ معظمہ میں حج سے پہلے پہنچ کر پندرہ روز قیام کرنے کی نیت کر چکے ہیں ان پر عید الاضحیٰ کی قربانی بھی واجب ہے مگر اس کے لئے حرم میں: وناشرط نہیں۔ وطن میں بھی خط بھیج کر یا پہلے سے کہہ کر قربانی جاسکتی ہے۔ پھر فرمایا ذلک لمن لم یکن اہلہ حاضر فی المسجد الحرام (یہ اس کے لئے ہے کہ جس کے گھر والے مسجد حرام میں حاضر نہ ہوں)۔ اس میں اختلاف ہے کہ ذلک کا مشار الیہ کیا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے یہ اشارہ بالسنن من الفدی کی طرف ہے اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ اشارہ بفتح ثین النسکین کی طرف ہے جو من تمنع بالغنۃ الی الحج میں مذکور ہے اور اسی وجہ سے انہوں نے فرمایا کہ تمتع اور قرآن ان لوگوں کے لئے جائز نہیں ہے جو مکہ معظمہ میں یا حرم میں یا مکہ میں رت میں ہیں بلکہ جو شخص مکہ معظمہ میں اس وقت موجود ہو: وجوب عید کا چاند: واقعہ اس کے لئے بھی تمتع اور قرآن جائز نہیں ہے ہاں اگر یہ لوگ حج کے مہینوں سے پہلے میتات سے باہر کہیں چلے جائیں پھر اشہر حج میں احرام باندھ کر مکہ مکرمہ آئیں تو قرآن اور تمتع کر سکتے ہیں۔

آخر میں فرمایا اَللّٰهُ وَاَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ کہ اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب والا ہے چونکہ ہر کام اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جبکہ اللہ کا خوف دل میں ہو اس لئے بار بار تلقی کا حکم دیا جاتا ہے حج کے متعدد احکام بیان فرما کر یہاں بھی وَاَنْفُسُ اللّٰهِ فَرَمَا اَوْرَیْہِیْ فَرَمَا کہ اللہ شدید العتاب ہے۔ نافرمانی پر عذاب ہونے کا قانون ہے۔ لہذا ہر نافرمانی سے بچو۔

اَلْحَجُّ اَشْہَرُ مَعْلُوْمَتٍ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِیْہِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفْثَ وَلَا فُسُوْقَ ۚ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ ۚ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ یَّعْلَمُہُ اللّٰہُ ۚ وَتَزُوْدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الرِّاٰدِ التَّقْوٰی وَاتَّقُوْنَ ۚ

حج کا وقت چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں۔ جو جس شخص نے ان میں حج کو اپنے ذمہ لازم کر لیا تو نہ کوئی بیش بات ہے نہ فسوق ہے نہ کسی فی الحج۔ اور جو بھی کوئی نیک کام کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے اور زاد اور ساتھ لے لیا کرے چونکہ بہتر زاد اور پیار بنا ہے اور اسے قتل والا

یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ

بجھوتہ ذریعہ زاد

حج کے مہینوں کا تذکرہ اور حج کے بعض احکام

حج کا وقت چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حج کے چند مہینے اللہ پاک کی طرف سے مقرر ہیں جو معروف و مشہور مہینے ہیں۔ ان میں ماہ شوال اور ماہ ذی قعدہ اور شروع کے دس دن ذوالحجہ کے ہیں انفعال حج تو ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ سے شروع ہوتے

ہیں لیکن شوال اور ذی قعدہ کو حج کے مہینوں میں اس لئے شارقین ٹھینا کہ ان میں اگر کوئی شخص عمر ہو کر۔ اور اس کے بعد اسی سال حج بھی کرے تو وہ عمر وہل کر حج تمتع ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے قربانی واجب ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص شوال سے پہلے عمر ہو کر۔ تو وہ عمر و سفر ہو گا اور اس کی وجہ سے حج تمتع نہ بنے گا۔ اسی طرح اگر کسی کو تمتع یا قرآن کی قربانی کے عوض روزے رکھنے ہیں تو وہ حج کے کسی بھی مہینہ میں عمر و کے احرام کے بعد تین روزے رکھ سکتا ہے جو بدی کے عوض حج سے پہلے رکھے جاتے ہیں اگر کوئی شخص حج کے مہینوں سے پہلے حج کا احرام باندھ لے تو احرام تو منعقد ہو جائے گا لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے۔ یہ سب احکام اس پر متفق ہیں کہ حج کے مہینے شوال کا چاند دیکھنے سے شروع ہو جاتے ہیں۔ حج اُن لوگوں پر فرض ہے جو حج کی استطاعت رکھتے ہوں اور جب حج کی استطاعت ہو جائے تو حج کرنے میں جلدی کرنی چاہیے لیکن اگر کسی نے دیر لگائی اور زندگی بھر میں کبھی بھی حج کر لیا تو وہ حج ادا ہی ہو گا فرض ہوتے ہی پہلے سال نہ کرنے سے یہ نہ کہا جائے گا کہ حج قضا ہو گیا۔ جب کسی سال حج کا احرام باندھ لیا تو احرام باندھنے والے نے اپنے ذمہ حج کرنا فرض کر لیا اب حج کرنا ہی ہو گا اور بغیر حج کے احرام سے نہیں نکل سکتا (ہاں اگر احرام کی صورت پیش آجائے تو اور بات ہے)۔ احرام کی ممنوعات چند صفحات پہلے بیان ہو چکی ہیں ان ممنوعات میں دو چیزیں بھی ہیں جو غیر احرام کی حالت میں جائز ہیں۔ مہر کو سنبھلنے کے لئے۔ پونہ ہار اور چھوٹا مکان۔ بال اور ناخن کا ٹھنڈا ماسیاں وغیرہ والے تعلقات کو کہ میں ان (بھان۔ بوس۔ وک۔ با۔ اس۔ سس۔ کی۔ تہ۔ غمی۔ والی باتیں۔) یہ چیزیں غیر احرام کی حالت میں جائز ہیں لیکن احرام میں جائز نہیں۔ موقوف عرفات سے پہلے۔ بھان۔ کرے تو حج فاسد ہو جاتا ہے اور شہوت سے بوس۔ کنا کرے تو دم واجب ہوتا ہے۔

حج میں گناہوں سے بچنے کی تاکید۔ آیت بالا میں جو فلا و فٹ فرمایا۔ اس میں ان سب چیزوں کی ممانعت فرمادی جو شوہر اور بیوی کے درمیان زوہیت کی بنیاد پر ہوتی ہیں۔ ساتھ ہی ولا فسوق ولا جدائی بھی فرمایا۔ فسوق نافرمانی کو کہا جاتا ہے۔ لفظ فاسق اسی سے نکلا ہے۔ حج میں نافرمانی نہیں اس کا موم ان سب نافرمانیوں کو شامل ہے۔ جو احکام احرام کی خلاف ورزی کی صورت میں ہوں اور جو باتیں احرام میں بھی گناہ ہیں اور غیر احرام میں بھی گناہ ہیں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد تلف کرنا وہ بھی سب اس کے عموم میں داخل ہیں، یہ افسوس کی بات ہے کہ بہت سے لوگ حج کرنے لگتے ہیں تو فرض نمازیں تک چھوڑ دیتے ہیں اور بہت سے لوگ حرام مال ہی سے حج کرنے کو چل دیتے ہیں۔ عورتیں بغیر محرم کے حج کے لئے روانہ ہو جاتی ہیں۔ عین احرام کے وقت فحشیت بھی جاری رہتی ہیں اور احرام میں بد نظری کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں اس سے بھی احتیاط نہیں برتی جاتی حالانکہ لا فسوق کے عموم کا تقاضا ہے کہ احرام میں ہر گناہ سے خصوصیت کے ساتھ پرہیز کریں گو گناہوں سے بچنا ہمیشہ ہی لازم ہے۔ حجاج کو دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ مہار۔ ایام میں مقدس سرزمین میں حدود حرم میں جہاں صرف عبادت ہی کے لئے آئے ہیں اور بار بار تلبیہ پڑھ رہے ہیں۔ احرام کے لباس میں ہیں پھر بھی چھوٹے بڑے گناہوں میں ملامت رہتے ہیں۔ داڑھی موٹنے کا گناہ تو ہزاروں حجاج کرتے ہیں۔ احرام سے نکلنے کے لئے ذرا بہت بال کاٹ دیتے ہیں جس سے احرام سے نشتہ بھی نہیں۔ سر کے بال تو منڈاتے نہیں جس میں حنفیہ و اقدس مبنی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہے اور جو قصہ سے افضل ہے لیکن وہیں منیٰ میں بیٹھ کر اڑھی ضرور موٹ دیتے ہیں عین موقوف عرفات کے موقع پر گناہ سننے میں مشغول رہتے ہیں۔ حالانکہ قبولیت حج کی شرط یہ ہے کہ رفق اور فسوق کا ارتکاب نہ کیا ہو۔ اس بارے میں حدیث صریح آیت و افسوا الحجاج کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

ابو جہل جھگڑے سے بچنے کا حکم..... فسوق کی نفی کے بعد جدال کی نفی فرمائی۔ جدال عربی زبان میں لڑنے جھگڑنے کو کہتے ہیں۔

سفر حج میں اول سے اخیر تک بہت سے ایسے واقع پیش آتے ہیں۔ جہاں رفقا سفر سے اور حجاج سے لڑنے کو جی چاہتا ہے کہیں جگہ کی تنگی کی وجہ سے اور ہمیں پانی پینے کی بھیج میں دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی وجہ سے ایسی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے کہ حجاج لڑ پڑتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ وہ معمولی سی باتیں جن پر ہمیشہ اپنے گھروں میں آپس میں مسامحت کر لیتے ہیں ان میں سے کوئی صورت حج میں پیش آ جائے تو دل کھول کر لڑائی لڑتے ہیں۔ حقیقت میں یہ ایک ابتلا ہے، دوتا ہے بعض حجاج نے بتایا کہ اندر سے بار بار نفس میں لڑائی کے لئے ابھار دوتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ شیخ کے دن بنی اسرائیل کے لئے مچھلیاں سمندر کی تہہ سے اوپر آ جاتی تھیں لیکن اس دن پکڑنا منع تھا اور دوسرے دنوں میں نہیں آتی تھیں۔ ابتلا کے موقع پر ہر مسلمان اپنے نفس پر قابو کرے اور شریعت کو سامنے رکھے، قرآن وحدیث کی ہدایت کا اتباع کرے۔

جو بھی خیر کا کام کرو اللہ کو معلوم ہے..... یہ جو فرمایا مَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللہ اس میں یہ بتا دیا ہے کہ جو کچھ خیر کا کام کرو گے۔ اللہ اسے جان لے گا اور اس کا ثواب دے گا۔ احرام کی ممنوعات سے بچو اور ان دنوں کو قیمت جانو، عبادت تملات، ذکر اور اعمال صالحہ میں لگاؤ۔ یہ چیزیں ضائع ہونے والی نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان سب کا ثواب ملے گا۔

مخلوق سے سوال کرنے کی ممانعت..... پھر فرمایا وَتَسْأَلُونَ فَأَنْتُمْ خَيْرُ الْبَارِئَاتِ کہ زوار اور ساتھ لے لیا کرو کیونکہ بہتر زوار اور بچا بنا ہے (بچے رہنے کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں سے سوال نہ کیا جائے) اسباب النزول ص ۵۵ میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یمن کے لوگ حج کو آتے تھے لیکن سفر کے لئے انتظام کر کے نہیں چلتے تھے (زوار و پاس نہ دیتا تھا) اور کہتے تھے کہ ہم تو کل والے ہیں جب مکہ معظمہ پہنچ جاتے تو لوگوں سے سوال کرتے تھے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ توشہ ساتھ لیا کرو، کیونکہ بہتر توشہ یہ ہے کہ لوگوں سے سوال نہ کیا جائے۔ (صحیح بخاری ص ۲۰۶ ج ۱)

چونکہ ایام حج میں عموماً مال والے ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے ان دنوں میں سوال کرنے والوں کو خوب مواقع ملتے ہیں اور بہت سے لوگ حج اور عمرہ کا سفر ہی حجاج سے مانگنے کے لئے کرتے ہیں بہت سے مردوں اور عورتوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ وقف عرفات میں سارا وقت خیمہ خیمہ گھومنے اور لوگوں سے سوال کرنے میں گزار دیتے ہیں۔ مشکوٰۃ المصابیح (ص ۱۶۳ ج ۱) میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جو عرفات میں لوگوں سے مانگ رہا ہے۔ حضرت علیؓ نے اس کو ایک دروہ مارا اور فرمایا کیا تو آج کے دن اور اس جگہ میں غیر اللہ سے سوال کرتا ہے۔

آخر میں تقویٰ کا حکم دیا اور فرمایا وَتَقْوَى الْآلِیَابِ (کہ اے عقل والا! مجھ سے ڈرو)۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، گناہوں سے بچنا ہر کام میں ضروری ہے اور اس طرح ہر کام خوبی کے ساتھ ادا ہوتا ہے۔

(کما فی الحدیث علیک بتقوی اللہ فانہ اذین لامرک کلمہ مشکوٰۃ ص ۴۱۵ ج ۲)

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَبِّكُمْ ۖ فَاِذَا اَفْضُتُمْ مِّنْ عَرَفٍ

تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ حاشا حاش کرو جو تمہارے رب کی طرف سے ہے، پھر جب تم عرفات سے

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهِ

واپس ہو تو اللہ کو یاد کرو مشعر حرام کے نزدیک، اور اس کو یاد کرو جیسا کہ اُس نے تمہیں ہدایت دی ہے اور حقیقت میں بات یہ

لِمَنِ الصَّالَتَيْنِ ﴿۵۰﴾

ہے کہ تم اس سے پہلے شخص نہ وقت تھے۔

حج میں خرید و فروخت کی اجازت اور مشر حرام میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا حکم

اس آیت میں اول تو حج کے موقع پر کسب معاش کی اجازت دی اور فرمایا کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فضل تلاش کرنے میں تجارت اور محنت مزدوری سب داخل ہیں۔ صحیح بخاری ص ۶۴۸ ج ۲ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ عکاظ، جندہ اور ذوالحجاز جاہلیت میں لوگوں کی تجارت گاہیں تھیں۔ جب اسلام کا زمانہ آیا تو مسلمانوں نے ان میں تجارت کرنے کو گناہ سمجھا۔ یہاں تک کہ آیت لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَبِّكُمْ نازل ہو گئی جس میں موسم حج میں تجارت کرنے کی اجازت دی گئی۔

متحدک ص ۴۴۹ ج ۱ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے سوال کیا کہ میں حج کے موقع پر (اونٹ وغیرہ) کرائے پر لے جاتا ہوں اور لوگ یوں کہتے ہیں کہ تیرا کوئی حج نہیں۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کیا تو احرام نہیں باندھتا، تلبیہ نہیں پڑھتا، طواف نہیں کرتا، عرفات جا کر واپس نہیں آتا، رمی جمار نہیں کرتا؟ اُس شخص نے جواب دیا کہ میں یہ تو سب کام کرتا ہوں۔ فرمایا پھر تو تیرا حج ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے یہی سوال کیا تھا جو سوال تو نے مجھ سے کیا ہے آپؐ نے اُسے کوئی جواب نہیں دیا۔ یہاں تک کہ آیت لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ (الآیۃ) نازل ہو گئی اور آپؐ نے اس شخص کو بلا کر یہ آیت سنائی اور فرمایا کہ تیرا حج ہو گیا۔ (فہام الحاکم ہذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاه وافرہ الذہبی)

فتح الباری ص ۵۹۴ ج ۳ میں لکھا ہے کہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ ذی قعدہ کی پہلی تاریخ کی صبح سے بیس دن تک مقام عکاظ میں میلہ لگاتے اور تجارت کرتے تھے پھر دس دن مقام جندہ میں بازار لگاتے تھے پھر یکم ذوالحجہ سے آٹھ ذی الحجہ تک مقام ذی الحجہ میں قیام کرتے اور کاروبار جاری رکھتے تھے۔ عکاظ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ نخلہ اور طائف کے درمیان واقع تھا اور جندہ کے بارے میں بتایا ہے کہ یہ مراظہر ان کے قریب تھا اور ذوالحجاز کے بارے میں لکھا ہے کہ عرفات کے قریب ذوالایک جانب کوہت کر تھا۔ آیت بالا میں حج کے موقع پر کسب معاش کی اجازت دی گئی ہے۔ اس میں انداز بیان ایسا اختیار فرمایا ہے کہ اگر کوئی تجارت کرے تو اس کی اجازت ہے ایسی کوئی ترغیب نہیں دی گئی کہ اس کو حج کا جزوی بنالیں اور تجارت کو حج کے کاموں میں داخل کر لیں کوئی شخص اپنی نیت اصلہ کے اعتبار سے حج کے لئے ہی گیا اور موقع پا کر خصوصاً ضرورت کے وقت تجارت بھی کر لی تو اس کی گنجائش آیت شریفہ سے معلوم ہوتی ہے۔ سفر حج ہی کے لئے ہونا چاہیئے۔ اصل سفر تجارت کا ہو اور حج نمبر دو پر ہو۔ ایسا نہ کیا جائے۔

قال الحافظ فی الفتح ص ۵۹۵ ج ۳ واستدل بهذا الحديث على جواز البيع والشراء للمعتكف قياسا على الحج والجامع بينهما العبادة وهو قول الجمهور وعن مالك كراهة ما زاد على الحاجة كالخبز اذا لم يجد ما يكفيه وكذا كراهه عطاء ومجاهد والزهرى ولا ريب انه خلاف الاولى والآية انما نفت الجناح ولا يلزم من نفيه نفى اولوية مقابله والله اعلم اه (فتح الباری میں ہے۔ اس حدیث سے حج پر قیاس کرتے ہوئے معتکف کیلئے بھی بیع و شراء کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے وجہ جامع حج اور اعتکاف کے مابین دونوں کا عبادت ہونا ہے۔ یہی جمہور کا قول ہے۔ امام مالکؒ سے مرہی ہے کہ

حاجت سے زیادتی کی خرید و فروخت کرنا ہے جیسے کہ وہ فی اکثر بقدر کفایت نہ ملے (تو مزید روئی بقدر کفایت خریدنا مکمل ہو نہیں) نیز عطا
نہ ہوا روپیہ نے بھی اس قدر سود جاتا ہے۔ اور یہ بات تو بالمشک ہے کہ مسجد میں بیع و شرا بخلاف اولیٰ ہے اور آیت میں لٹاؤ کی لٹکی ہے تو گنہ
من کی سنت یہ شرط نہیں کہ نہ لٹکی نہ لٹاؤ کی بھی سنت ہے (۱)

۱۔ باب ۱۰۸۔ اعلیٰ سے ۸۶ تا ۹۲ آیتیں۔ پہلی پانچ آیت میں جان سے نفع فرمایا اور تجارت میں پتہ بٹھانا ہونے کا احتمال
رہتا ہے۔ قیامت کی نیشی سے ۸۷ میں نزاع ہو سکتا ہے۔ اس لئے نہیں تھا۔ بعض اہل جہاں کی ممانعت سے تجارت کی ممانعت کی
طرف چلا جاتا ہے اس لئے تجارت کی اجازت دے دی۔ تجارت چاہئے تو کہہ لیں جہاں جہاں سے بچے، پھر فرمایا فَاِذَا اَفْضَلْتُمْ بَيْنَ
عَرَفَتِ فَاِذَا كُنْزُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ۔ (پتہ جب تم عرفات سے واپس: ذوالند کو یاد کرو، مشعر الحرام کے نزدیک) اس میں
عرفات سے واپس ہو کر مزدلفہ میں اللہ کے ذکر کرنے کا حکم فرمایا۔ عرفات مزدلفہ سے تین میل شرق کی طرف ہے یہ ایک بہت بڑا میدان
ہے۔ یہاں پر شہر ناتج کاسب سے بڑا رکھنا ہے کہ احرام کے ساتھ کوئی شخص: والحق کی نویں: شرق کوڑوال کے بعد سے لے کر آئیوالی
رات کی صبح صاوق تک عرفات میں پہنچ جائے تو اس کا حق ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد عرفات میں سے صرف طواف زیارت باقی رہ جاتا
ہے۔ عرفات میں ذکر اور نماز میں مشغول رہتے ہیں۔ ظہر و عصر کی نماز بھی اسی وقفہ میں پڑھتے ہیں۔ سورق چھپ جانے کے بعد مزدلفہ
کے لئے واپس دوتے ہیں (جب عرفات گئے تھے تو مزدلفہ سے دوتے ہوئے گئے تھے۔ کیونکہ معنی سے عرفات کو جاتے ہوئے درمیان
میں مزدلفہ آتا ہے) مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز اکٹھی پڑھی جاتی ہے۔ عرفات میں یہ راستہ میں نماز مغرب پڑھتا جائز نہیں۔ سورق
چھپ جانے کے باوجود بقعد نماز مغرب کو ذکر کرنا واجب ہے۔ مزدلفہ میں پہنچ کر وقت مکہ وقت میں مغرب پڑھی جائے۔ اگر کسی نے
مزدلفہ میں پہنچنے سے پہلے مغرب کی نماز پڑھ لی تو دوبارہ پڑھنا لازم ہوگا۔ مغرب و عشاء دونوں نمازیں اکٹھی پڑھ کر رات کو مزدلفہ میں رہنا
سنت ہے۔ اور صبح صاوق کے بعد تھوڑی دیر مزدلفہ میں قیوف کرنا واجب ہے۔ اور سنت یہ ہے کہ: یہ تک قیوف کرنے۔ یہاں تک کہ سورج
نظر میں تھوڑی دیر ہو جائے تو منیٰ کے لئے روانہ ہو جائے۔ المشعر الحرام مزدلفہ میں ایک پہاڑ ہے جس کا نام جبل قریح ہے رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات سے واپس ہو کر مزدلفہ میں مغرب و عشاء کی نماز اکٹھی پڑھی۔ پھر آرا مفرمایا، اس کے بعد صاوق دوتے
ہی نماز فجر اندھیرے میں پڑھ کر المشعر الحرام کے پاس تشریف لے گئے اور قبلہ رخ ہو کر خوب زیاد و روشنی پھیل جانے تک دعا اور
تکبیر تہلیل میں اور توحید باری تعالیٰ، ذکر کرنے میں مشغول رہے۔ پھر سورق طواف ہونے سے پہلے منیٰ کے لئے روانہ ہو گئے۔ (صحیح مسلم
ن ۳۹۹ ج ۱)

مزدلفہ مارا قیوف کی جگہ ہے۔ البتہ المشعر الحرام کے قریب قیوف کرنا افضل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا
کہ: وَوَقِفْتُ هَهُنَا وَجَمَعَ كَلْبُهَا مَوْقِفَ (صحیح مسلم ۱۰۰ ج ۱)

یہ کہ: مارا قیوف کی جگہ ہے اور المشعر الحرام اسی میں ہے اس لئے بعض حضرات نے پورے مزدلفہ والمشعر
الحرام سے تعبیر کر دیا ہے۔ (کما ذکر فی البدو المنظور ص ۲۲۲ ج ۱ علی عبداللہ بن عمرو و عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم) مزدلفہ
تین رات کا وقت مزاریں، اور صبح صاوق کے بعد منیٰ کے لئے روانہ ہونے سے پہلے جو وقت ہے اس میں خوب اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں اور
دعا مانگیں۔ پھر ارشاد فرمایا وَذْكُرُوْهُ كَمَا هَدَاكُمْ (اور اس کو یاد کرو جیسا کہ اُس نے تم کو ہدایت دی)۔ یعنی جس طرح اُس نے تم
کو ہدایت سے نوازا ہے اور رات کو پڑھا ۱۱ نے قرآن اسے خوب اچھی طرح سے یاد کرو اور بعض مفسرین نے اس کا یہ معنی بتایا ہے کہ اللہ کا ذکر

اسی طریقے پر کرد جو طریقے اس نے سکھائے اور بتائے ہیں۔ دونوں معانی صاحب روح المعانی نے لکھے ہیں اور تیسرا معنی یہ لکھا ہے اذکروہ وعظموہ لأجل هدايته السابقة منه تعالى لكم یعنی تم اس کا ذکر کرو، عظمت کے ساتھ اسے یاد کرو اس وجہ سے کہ اس نے تم کو پہلے سے ہدایت دی ہے۔ پھر فرمایا وانی کنتم من قبلہ لمن الضالکین (اور حقیقت میں بات یہ ہے کہ تم اس سے پہلے گمراہ تھے) یعنی ایمان اور عنایت جو تم میں جانتے تھے اور ہدایت میں جو تم آرتے تھے اس میں جو تم گمراہ تھے اول تو آپؐ نے اسے ابراہیمؑ اور ہاتھی اور تصویر اہست اللہ کا نام لے لیتے تھے۔ آخرت میں جو بھی مفید نہ ہوگا۔ کیونکہ کفر کے ساتھ کوئی نیکی کام نہیں دیتی۔

ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۸﴾

پھر تم اسی جگہ سے واپس آؤ جہاں سے دور۔ لوگ واپس آئیں، اور اللہ سے مغفرت طلب کرو، بارئہ اللہ تعالیٰ مغفیر ہے، رحیم ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمایا کہ قریش اور وہ لوگ جو ان کے دین پر تھے (جو عامر، ثابت، بنو خزاعہ) یہ لوگ زمانہ جاہلیت میں حج کرتے تھے تو عرفات میں نہیں جاتے تھے۔ یہ لوگ مزدلفہ میں ہی ٹھہر جاتے تھے اور وہیں سے واپس ہو جاتے تھے۔ جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ عرفات میں پہنچیں، اور وہاں وقوف کریں پھر وہاں سے واپس آئیں۔ ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ میں یہی حکم مذکور ہے۔ (صحیح بخاری ص ۶۸۸ ج ۲)

تفسیر معالم التنزیل ص ۵۷۵ ج ۱ میں ہے کہ قریش اور ان کے حلفاء اور جو ان کے دین پر تھے مزدلفہ ہی میں ٹھہر جاتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ ہم اللہ والے اور اس کے حرم کے رہنے والے ہیں۔ لہذا ہم حرم کو پیچھے نہ چھوڑیں گے اور حرم سے نہ نکلیں گے۔ وہ اپنے آپ کو اس سے برتر سمجھتے تھے کہ تمام لوگوں کے ساتھ عرفات میں ٹھہریں۔ جب دوسرے قبائل عرفات میں وقوف کر کے واپس آتے تھے تو قریش اور ان کے حلفاء مزدلفہ سے ان سب لوگوں کے ساتھ واپس آ جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ عرفات میں وقوف کریں پھر وہاں سے سب لوگوں کے ساتھ مزدلفہ میں آئیں۔

حضرت رافد صلی اللہ علیہ وسلم بھی قریشی تھے اس لئے حجۃ الوداع کے موقع پر قریش کو اس میں کچھ شک نہ تھا کہ آپؐ ہماری طرح مزدلفہ ہی میں ٹھہر جائیں گے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ کو چھوڑتے ہوئے آگے بڑھ گئے یہاں تک کہ عرفات پہنچ گئے۔ (سنن ابی نعیم مسلم ص ۷۳۵)

آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان پر عمل کیا اور سب صحابہ بھی آپؐ کے ساتھ عرفات پہنچے اور پھر وہاں سے آفتاب غروب ہونے پر واپس ہوئے۔

لفظ ثم جو اس آیت میں وارد ہوا ہے اس کی وجہ سے بعض اہل تفسیر نے یوں کہا ہے کہ مذکور بالا آیت میں مزدلفہ سے نفی کو واپس دینے کا ذکر ہے۔ کیونکہ عرفات سے واپس ہونے کا ذکر گزشتہ آیت میں ہو چکا ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ آیت میں تقدیم و تاخیر ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ثم و او کے معنی میں ہے۔ صاحب معالم التنزیل نے یہ تینوں قول لکھے ہیں بظاہر یہ تیسرا قول زیادہ مناسب ہے اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ثم ترتیب دہکری کے لئے ہے ترتیب عمل کے لئے نہیں ہے۔ (قال ابن کثیر ص ۲۲۲ ج ۱) ثم ہینا لعطف خبر علی خبر و ترتیبہ علیہ کانه تعالیٰ امر الواقف بعرفات ان يدفع الی المزدلفۃ لیدکر اللہ تعالیٰ عند المشعر الحرام وامرہ ان یكون وقوفہ مع جمہور الناس بعرفات الخ۔ (لفظ ثم اس مقام پر خبر کا عطف خبر پر کرنے کیلئے ہے تاکہ ترتیب قائم ہو

ہائے۔ دیا عرفات میں ٹھہرنے والے کو تکمیل ملا کہ وہ یہاں سے مزدلفہ جائے تاکہ شہر الحرام کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کر سکے اور یہ بھی فرمایا کہ وہ تمام لوگوں کے ساتھ عرفات میں ٹھہرے۔

فَإِذَا قُضِيَتْ مَنَاسِكُكُمْ فَادْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا

۔ جب تم پر ہوا تکمیل اپنے حج کے ہو تو گوسواہ کو یاد کرو جیسے تم اپنے باپ و اباؤں کو ذکر کرتے رہے۔ اور بیشک اس سے بھی زیادہ یاد کرو ذکر کرو۔

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَقٍ

۔ سو بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو دنیا میں دے دیجئے، اور ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو دنیا میں بہتری عطا فرما، اور آخرت میں بہتری عنایت کیجئے اور ہم کو دوزخ کے عذاب

النَّارِ ۝ أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۝ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝

سے بچائے۔ یہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کے لئے بڑا حصہ ہے ان کے اعمال کی وجہ سے اور اللہ جلدی حساب لینے والا ہے۔

ایام منیٰ میں ذکر اللہ میں مشغول ہونے کا حکم

وسو میں ذوالحجہ کو مزدلفہ سے واپس آ کر جمرہ و کبرئ کو نکلیاں ماری جاتی ہیں اور پھر حلق یا قصر کر کے احرام سے نکل جاتے ہیں اس کے بعد طواف زیارت اور دو تین دن کی رمی یعنی نکلیاں مارنا باقی رہ جاتا ہے۔ زمانہ اسلام سے پہلے عرب کے لوگ حج سے فارغ ہو کر اپنے باپ و اباؤں کا تذکرہ کیا کرتے تھے اور مقابلہ میں اشعار پڑھتے تھے اور اپنے قبیلوں کی بڑائی بیان کرتے تھے۔

اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ حج کے کاموں سے فارغ ہو کر اللہ کو یاد کرو جیسا کہ تم اپنے باپ و اباؤں کو یاد کرتے رہے؛ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اللہ کو یاد کرو۔ (روح المعانی ص ۸۹ ج ۲)

صاحب عالم التزیل نے مناسککم کا ترجمہ مناسککم کیا ہے۔ اور آیت کا مطلب یہ بتایا ہے کہ جب تم حج سے فارغ ہو جاؤ اور قربانی کے جانور ذبح کر اوتو اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جاؤ۔

وَذَلِكُمْ بَعْدَ رَمَى جَمْرَةِ الْعُقْبَةِ وَالْإِسْتِقْرَارِ بِمَنْىٰ (ص ۸۷ ج ۱)

پھر دعا کرنے والوں کا تذکرہ فرمایا کہ بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے صرف دنیا ہی طلب کرتے ہیں۔ یہ لوگ حج میں کبریاں، اُونٹ، گائیں اور غلام مانگا کرتے تھے۔ صرف طالب دنیا تھے۔ آخرت کا انہیں کچھ بھی دھیان نہ تھا۔ یہ لوگ یوں دعا کرتے تھے۔ اے اللہ! میرے باپ کا عظیم قبہ تھا، بڑا پیالہ تھا اور وہ کثیر المال تھا مجھے بھی اسی قدر مال عطا فرما جتنا اُس کو دیا تھا۔

(عالم التزیل ص ۶ ج ۱)

ان لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ ان کے لئے آخرت میں ذرا سا بھی حصہ نہیں ہے۔ پھر اہل ایمان کی دعا کا تذکرہ فرمایا کہ وہ یوں دعا کرتے تھے کہ اے ہمارے رب! ہم کو دنیا میں بھی بہتری عطا فرما اور آخرت میں بھی عطا فرما، اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ اہل

ایمان و دنوں جہاں کامیابی، خوشحالی اور خوبی و بہتری کے لئے دعا کرتے ہیں۔ لفظ **حَسَنَۃٌ**، **حَسَنٌ** کی تائید ہے جو ہر خوبی اور ہر بہتری کو شامل ہے مذکورہ دعائیں دنیا کی ہر خوبی اور آخرت کی ہر خوبی اور بہتری کا سوال ہے اور اس میں بڑی جامعیت ہے۔

صحیح بخاری ص ۹۳۵ ج ۲ میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے۔ **رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ**۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کی عیادت کی جن کی آواز بہت ہی زیادہ کمزور ہو گئی تھی اور وہ چوڑھ کی طرح ڈبلے ہو گئے تھے۔ آپ نے فرمایا کیا تم اللہ سے کوئی دعا کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں میں یہ دعا کرتا تھا کہ یا اللہ! مجھے جو کچھ سزا آخرت میں دینی ہو وہ دنیا میں ہی دید دیجئے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ سبحان اللہ! اتم میں اس کی طاقت نہیں ہے تم نے دعائیں یوں کیوں نہ کہا **رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ** ط راہی حدیث حضرت انس فرماتے ہیں کہ ان صاحب نے اس کے بعد یہ دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو شفا عطا فرمادی۔ (صحیح مسلم ص ۳۳۳ ج ۲) سنن ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان طواف کرتے ہوئے **رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا (آخر تک) پڑھتے تھے۔**

وَادْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ ۖ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ لِمَنِ اتَّقَىٰ ۚ وَآتَقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝

اور اللہ کا ذکر کرو چند دنوں میں پھر جو قصص دو دن میں قبیل کرے اس پر کچھ گناہ نہیں، اور جو قصص تاخیر کرے تاخیر کرے فلا اثم علیہ۔ لیمن اتقی۔ و اتقوا اللہ واعلموا انکم الیہ تحشرون۔ اس پر کچھ گناہ نہیں اس قصص کے واسطے جو تقویٰ اختیار کرے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور خوب یقین رکھو کہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے۔

ایام تشریق میں ذکر اللہ اور رمی جمار کی مشغولیت

آیت بالا میں اول تو یہ فرمایا کہ چند دنوں میں اللہ کا ذکر کرو۔ ان دنوں سے ایام تشریق مراد ہیں جن میں قربانیاں کی جاتی ہیں اور حجاج مکہ میں قیام ہوتا ہے اور حمرات کو کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ اس سے پہلے مزدلفہ میں ذکر کرنے کا حکم فرمایا اور عرفات میں تو ذکر اور دعا ہی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حمرات کو کنکریاں مارنا اور صغامروہ کی سعی کرنا اللہ کا ذکر قائم کرنے کے لئے شروع کیا گیا ہے۔ (دواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح)

اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔ مؤمن بندوں کو ہر دقت اس میں لگا رہنا چاہیے، بعض خاص ایام اور خاص اوقات میں ذکر کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ سب سے بڑی عبادت نماز ہے اس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے **أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي** (نماز میرے ذکر کے لئے قائم کرو) جیسا کہ سب جانتے ہیں نماز ازل سے آخر تک ذکر ہی ہے، نماز سے پہلے اذان و اقامت ہے وہ بھی ذکر ہے، نماز کے بعد تسبیحات اور دعائیں ہیں یہ بھی ذکر ہے۔ حج سراپا ذکر ہے، تلبیہ ذکر ہے، طواف میں ذکر ہے، سعی میں ذکر ہے، عرفات میں ذکر ہے، مزدلفہ میں ذکر ہے، ایام منی میں ذکر ہے، رمی کرتے دقت ذکر ہے، قربانی کرتے دقت ذکر ہے۔

سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے تمام احوال و اشغال میں افکار و ادب کی تعلیم دی۔ درحقیقت ذکر ہی اس دنیا کی روح ہے جس دن اللہ کا ذکر نہ ہو گا یہ دنیا ختم ہو جائے گی۔ صحیح مسلم ص ۸۳ ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک ایسا وقت نہ آجائے کہ زمین میں اللہ اللہ نہ کہا جائے۔ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے تھے۔ کان یذکر اللہ فی کل احوالہ (صحیح مسلم) منیٰ کے قیام کے دوران خوب اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہیں۔ تفسیر روح المعانی ص ۹۳ ج ۲ میں ہے واذکروا اللہ ای کبروہ اذیبار الصلوات و عند ذبح القرابین و عند رمی الجمار وغیرہا۔ یعنی اللہ کی بڑائی بیان کرو نمازوں کے بعد اور قربانی کرتے وقت اور رمی جمار وغیرہ کے وقت۔ پھر فی ایام معدودات کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا وہی ثلثۃ ایام التشریق وهو المروی فی المشہور عن عمرو علی وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

اور تفسیر معالم التنزیل ص ۱۷۱ ج ۱ میں لکھا ہے ومن الذکر فی ایام التشریق التکبیر (یعنی ان دنوں کے ذکر میں سے یہ بھی ہے کہ ان میں تکبیر کہی جائے) پھر لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نمازوں کے بعد منیٰ میں تکبیر کہتے تھے اور مجلس میں بھی اور بستر پر ہوتے ہوئے بھی اور راستہ میں بھی۔ اہ تکبیر تشریق بھی ان ایام میں مشروع ہے، منیٰ میں موجود ہوں یا اپنے وطن میں مقیم ہوں فرض نمازوں کے بعد اس کا پڑھنا واجب ہے۔ مرد و زرعے تکبیر تشریق پڑھیں اور عورتیں آہستہ کہیں۔ یہ تکبیر نویں تاریخ کی فجر سے لیکر تیرہویں تاریخ کی عصر تک پڑھی جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی طرح منقول ہے۔ ایام تشریق میں خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ذکر کا اہتمام کرنا چاہیے۔ ان دنوں میں روزہ رکھنا ممنوع ہے۔ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لا تصوموا فی هذه الأيام فانها ایام اکل وشرب وذكر اللہ۔ (صحیح مسلم ص ۳۶۰ ج ۱)

یعنی ان دنوں میں روزہ نہ رکھو، کیونکہ یہ دن کھانے پینے کے اور اللہ کا ذکر کرنے کے ہیں۔ رمی جمار کے بعض مسائل..... ذکر کا حکم فرمانے کے بعد رمی جمار کے بعض مسائل بیان فرمائے جس کی تشریح یہ ہے کہ وہ سویں ذی الحجہ کو صرف جمرہ کبریٰ کی رمی کی جاتی ہے۔ اس کا وقت سورج نکلنے کے بعد سے لے کر آنے والی صبح صادق تک ہے۔ لیکن رات میں کنکریاں مارنا قوت اور صحت والوں کے لئے مکروہ ہے۔ گیارہ اور بارہ تاریخ کی کنکریاں مارنے کا وقت زوال آفتاب کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور وہ بھی آئیواالی صبح صادق تک رہتا ہے، قوت و صحت والوں کے لئے رمی کرنا ان دونوں راتوں میں بھی مکروہ ہے۔ گیارہویں اور بارہویں تاریخ کو تینوں جمرات کی رمی کی جاتی ہے۔ اس، گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی کرنا واجب ہے۔ منیٰ میں چھوٹے چھوٹے تین منارے سے بنائے ہوئے ہیں ان کو جمرات کہتے ہیں جو جمرہ کی جج ہے پہلا جمرہ مسجد خیف کے قریب ہے اس کو جمرہ اولیٰ اور جمرہ صغریٰ کہتے ہیں۔ اس کے بعد جو جمرہ ہے اسے جمرہ وسطیٰ کہتے ہیں۔ پھر اس کے بعد جو جمرہ ہے اس کو جمرہ کبریٰ اور جمرہ آخری اور جمرہ العقبتہ کہتے ہیں۔ اس کے قریب منیٰ کی حد ختم ہو جاتی ہے۔ ان تینوں جمرات کے نیچے جڑ میں وائے بنے ہوئے ہیں۔ ان وائوں میں کنکریاں گرنا ضروری ہے۔ حضرت ابراہیم علی نبینا علیہ الصلاۃ والسلام کو ان تینوں جگہ شیطان نے ہوسہ ڈال کر رو غلانے کی کوشش کی تھی آپ نے اس کو کنکریاں ماری تھیں۔ کنکریاں مارنا اسی کی یادگار ہے ہر کنکری کے ساتھ بِسْمِ اللہ اللہ اُکْبَرُ رَغْمًا لِلشَّيْطَانِ وَرَضَى لِلرَّحْمَنِ پڑھے (میں اللہ کا نام لے کر رمی کرتا ہوں، اللہ سب سے بڑا ہے، یہ رمی شیطان کو ذلیل کرنے کے لئے اور رحمن کو راضی کرنے کے لئے ہے)۔

۱۳ ذی الحجہ کی رمی چھوڑ دینا جائز ہے..... ان دو دنوں (گیارہ، بارہ تاریخ) کی رمی کرنے کے بعد اگر کوئی شخص چاہے کہ منیٰ سے چلا جائے اور تیرہویں تاریخ کی رمی نہ کرے تو اس کی اجازت ہے۔ اسی کو فرمایا فَمَنْ نَعَجَلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ لیکن افضل یہ ہے

کہ منیٰ میں ٹھہرا رہے اور تیرہویں تاریخ کی رمی کر کے منیٰ سے روانہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبہ الوداع کے موقع پر تیرہویں تاریخ کی رمی بھی کی تھی جیسا کہ گیارہ بارہ تاریخ کو زوال کے بعد رمی کی، تیرہویں تاریخ کی رمی کا وقت صرف غروب آفتاب تک ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ بارہویں تاریخ کو اگر منیٰ میں ہوتے ہوئے سورج غروب ہو جائے تو تیرہویں کی رمی چھوڑ کر جانا مکروہ ہے اور اگر منیٰ میں ہوتے ہوئے تیرہویں کی صبح ہو جائے تو تیرہویں کی رمی کرنا بھی واجب ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص گیارہ بارہویں کی رمی کر کے چلے جانے کی اجازت ہوتے ہوئے منیٰ میں ٹھہرا رہے اور تیرہویں کی رمی کر کے جائے اس کے بارے میں فرمایا وَمَنْ نَافَخُوا فَلَائِمٌ عَلَيْهِ لِمَنْ أَنْفَى (اور جو شخص تاخیر کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے)۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ لفظ فَلَائِمٌ عَلَيْهِ جو وہ جگہ وارہو ہوا ہے اس سے دونوں باتوں میں اختیار دینا مقصود ہے کہ دونوں تاریخ کے بعد دو دن کی رمی کر کے چلا جائے تو اس کا بھی اختیار ہے اور تیسرے دن کی رمی کر کے لئے ٹھہر جائے اور منیٰ سے روانگی میں تاخیر کرے تو اس کا بھی اختیار ہے۔ اس پر یہ جواشکال ہوتا ہے کہ جب تیرہویں تاریخ کی رمی کر کے جانا افضل ہے تو اس کے بارے میں فَلَائِمٌ عَلَيْهِ کے بجائے ایسا لفظ ہونا چاہیے تھا جو فضیلت پر دلالت کرتا۔ اس کے جواب میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس سے افضلیت کی نفی نہیں ہوتی (کیونکہ جو چیز افضل ہوتی ہے فَلَائِمٌ عَلَيْهِ اس پر بھی صادق آتا ہے) لیکن یہ بات پھر بھی قابل توجہ ہے کہ نفی الاثم کو دونوں جگہ کیوں اختیار کیا گیا۔ اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اہل جاہلیت کی تردید کرنے کے لئے یہ طرز اختیار فرمایا ہے کیونکہ وہ آپس میں اختلاف رکھتے تھے۔ بعض لوگ کہتے تھے تعیل گناہ ہے اور بعض کہتے تھے کہ تاخیر گناہ ہے۔ اھ

علامہ قرطبی نے بھی ص ۱۳ ج ۳ یہ بات لکھی ہے کہ اہل عرب کی تردید کے لئے یہ لفظ اختیار کیا گیا ہے حیث قال فممعنی الآية ان كل ذلك مباح وعبر عنه بهذا التقسيم اهتماما وناكيدا اذ كان من العرب من يذم المتعجل وبالعكس، فنزلت الآية رافعة للجناح في كل ذلك اھ۔ (آیت کا معنی یہ ہے کہ منیٰ سے روانگی میں تاخیر اور تاخیر دونوں امر مباح ہیں۔ از روئے اہتمام و تاکید یہ انداز اختیار کیا گیا کیونکہ بعض عرب تعیل والے کو مذموم گردانتے تھے اور بعض تاخیر والے کو اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ ہر دو امر میں کوئی مضائقہ نہیں) صاحب معالم التنزیل نے (ص ۷۹ ج ۱) آیت کی تفسیر میں بعض حضرات سے یوں نقل کیا ہے کہ حج کرنے والے پر کوئی گناہ باقی نہیں رہے گا۔ خواہ بارہ تاریخ کو رمی کر کے چلا جائے خواہ تیرہویں کی رمی کر کے لئے ٹھہر جائے۔ اور اس معنی کی تائید کے لئے حدیث من حج لله فلم يرفث ولم يفسق پیش کی ہے۔ اور پھر یہ فرمایا کہ یہ حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے اس معنی کو لینے سے لمن انقى کا تعلق بھی واضح ہو جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ تعیل کرے یا تاخیر کرے کوئی گناہ باقی نہ رہے گا۔ بشرطیکہ اس حج میں تقویٰ اختیار کیا ہو اور گناہوں سے بچا ہو۔ صاحب معالم التنزیل نے حضرت ابن مسعودؓ کا قول انما جعلت مغفرة الذنوب لمن انقى الله تعالى في حجه اس معنی کی تائید کے لئے نقل کیا ہے اور حضرت ابوالعالیہ سے لمن انقى کی تفسیر کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ ذهب انمة لمن انقى فيما بقى من عمره۔ (یعنی بعض آدمی نے لمن انقى کا معنی یہ کیا ہے کہ حج کرنے کے بعد باقی عمر میں گناہوں سے بچتا رہے) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ اللَّهُ عَلَى مَا فِي قَلْبِهِ ۖ

لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے جس کی گفتگو آپ کو دنیاوی زندگی میں پسند آتی ہے اور وہ اللہ کو گواہ بناتا ہے اُس بات پر جو اُس کے دل میں ہے۔

وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ۖ وَإِذَا تَوَلَّى سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ

حالانکہ وہ سخت ترین جھگڑالو ہے۔ اور جب وہ پیٹھ پھیر کر چل دیتا ہے تو زمین میں دوڑ دھوپ کرتا ہے تاکہ اس میں فساد کرے اور کھیتی کو

وَالنَّسْلَ ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ ۖ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ

اور نسل کو ہر باد کرے، اور اللہ فساد کو پسند نہیں فرماتا۔ اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ تو اللہ سے ڈر تو اس کا غرور نفس اس کو گناہ پر آمادہ کر دیتا ہے، سو اس کیلئے

جَهَنَّمَ ۚ وَلَيْئَسَ الْيَهُودُ

جہنم کافی ہے اور بلاشبہ وہ نہ اچھوتا ہے۔

میٹھی باتیں کرنے والے منافقوں اور مُفسدوں کا تذکرہ

معالم التنزیل ص ۹۷ ج ۱ میں لکھا ہے کہ یہ آیت اخنس بن شریق کے بارے میں نازل ہوئی یہ شخص میٹھی باتیں کرنے والا تھا۔ دیکھنے میں بھی اچھا لگتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتا تھا اور پاس بیٹھ کر اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں اور اس پر قسمیں کھاتا تھا اور اندر سے منافق تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اس کی ظاہری باتوں کی وجہ سے) اسے قریب بٹھاتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اخنس بن شریق کی حرکت لباب النقول میں بحوالہ ابن جریر مفسر شریقی سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت اخنس بن شریق کے بارے میں نازل ہوئی، وہ آپ کی خدمت میں آیا اور اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا۔ آپ کو اس کی باتیں پسند آئیں۔ پھر وہ آپ کے پاس سے چلا گیا اور مسلمانوں کی کھیتوں پر گزرا جہاں گدھے بھی (چر رہے) تھے۔ اس نے کھیتوں کو آگ لگا دی اور گدھوں کے پاؤں کاٹ کر چلا گیا۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔

(نہلک الحَرثِ وَالنَّسْلِ میں اسی کو بیان فرمایا) علامہ مناوی نے فیض القدر شرح الجامع الصغیر ص ۱۴۵ ج ۲ میں بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعَا لَلْهَمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ خَلِیْلِ مَکْرٍ (الحديث) میں یہ اخنس بن شریق مراد ہے جو میٹھی زبان والا تھا، جب آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کرتا تھا تو نرم نرم باتیں کرتا تھا اور یوں کہتا تھا کہ اللہ جانتا ہے کہ میں سچا ہوں۔

لباب النقول میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک یہ بات نقل کی ہے کہ جس جماعت میں حضرت عاصم اور حضرت مرثد تھے اس جماعت کے شہید ہونے کا جب علم ہوا تو دو منافقوں نے یہ کہا کہ افسوس ہے ان لوگوں پر جو فتنے میں پڑ گئے اور ہلاک ہو گئے۔ نہ تو اپنے گھروں میں ہی بیٹھے اور نہ تبلیغی ذمہ داری کو پورا کر سکے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔

بہر حال آیت کا سبب نزول جو بھی ہو الفاظ کا عموم ان تمام لوگوں کو شامل ہے جو دنیاوی زندگی میں میٹھی میٹھی اور چکنی چھری

باتیں کر کے مسلمانوں کے عوام اور خواص میں اپنا مقام پیدا کرنا چاہتے ہیں اندر سے منافق ہوتے ہیں اور اپنے مسلمان ہونے کے جھوٹے دعوے ثابت کرنے کے لئے بار بار قسم کھاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اللہ گواہ ہے ہم سچے مسلمان ہیں، ان لوگوں کا مقصد چونکہ اول سے آخر تک دنیا اور دنیا کا جاو مال ہی ہوتا ہے اور اندر سے مسلمان نہیں ہوتے اس لئے جب بھی کوئی موقع دیکھتے ہیں مسلمانوں کو زک دینے اور نقصان پہنچانے اور ان کی حکومتوں کے خلاف منسوبے بنانے میں اور ان کی حکومتوں کو برباد کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا کر نہیں رکھتے۔ جو کام اخس بن شریق نے کیا کہ خدمتِ عالی میں حاضر ہو کر مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا اور اللہ کو اپنے دعوے کی سچائی پر گواہ بنایا اور پھر وہاں سے نکل کر مسلمانوں کی کھیتوں کو آگ لگا دی اور مویشیوں کو کاٹ کر پھینک دیا۔ وہی کام ہمیشہ سے منافقین کرتے آئے ہیں اور اب بھی کرتے رہتے ہیں۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ فتاوہ اور مجاہد اور علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ آیت ہر ایسے شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو کفر کو چھپائے ہوئے ہو، نفاق اور جھوٹ کو اپناتے ہوئے اپنی زبان سے اپنے دل کے خلاف ظاہر کرتا ہو۔ نیز علامہ قرطبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ دینی اور دنیاوی امور میں احتیاط کی ضرورت ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ص ۱۰۷ ج ۳)

لفظ فی الحیۃ الدنیا کے بارے میں مفسر بیضاوی فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ امور دنیا اور اسبابِ معاش میں آپ کو اس کی باتیں اچھی لگتی ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ دنیاوی مقصد حاصل کرنے کے لئے وہ ایسی باتیں کرتا ہے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ دنیاوی باتوں میں اس کی حالات اور فصاحت آپ کو پسند آتی ہے لیکن آخرت میں اس کی کوئی بات قابلِ التفات نہیں ہوگی وہاں جو اس کو وحشت سوار ہوگی اس کی وجہ سے وہ بولنے بھی نہ پائے گا۔ (ص ۱۳۹ ج ۱)

جھگڑالو اور چرب زبان کی مذمت..... اَلَّذِیْ اِلْخَصَامِ یہ دونوں کلمے آپس میں مضاف مضاف الیہ ہیں۔ پہلا لفظ لدد سے اسم تفصیل کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے بہت زیادہ جھگڑالو اور خصام بھی جھگڑے کو کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ یہ شخص بہت زیادہ جھگڑالو ہے۔ مفسر بیضاوی نے اس کا ترجمہ شدید العداوۃ (سخت دشمنی والا) کیا ہے جو اس کا لازمی معنی ہے۔ منافقوں کی یہ صفت بیان فرمانے سے ہر جھگڑالو کی مذمت معلوم ہوئی جو باطل کے لئے جھگڑتا ہو، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ مبغوض وہ ہے جو زیادہ جھگڑالو ہو۔ (صحیح بخاری ص ۶۳۹ ج ۲ ص ۱۰۶ ج ۲)

میٹھی میٹھی باتیں کر کے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا اور دل میں جو کچھ ہے اس کے خلاف ظاہر کرنا آج کی دنیا میں اس کو بڑی ہوشیاری سمجھا جاتا ہے بلکہ یہ چیز سیاستِ حاضرہ کا جزو بن چکی ہے۔ سنن ترمذی، ابواب الزہد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایسے لوگ نکلیں گے جو دین کے ذریعہ دنیا حاصل کریں گے اور تواضع ظاہر کرنے کے لئے بھیڑیوں کی کھاؤں کے کپڑے پہنیں گے ان کی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہوں گی۔ اور ان کے دل بھیڑیوں کی طرح ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کیا یہ لوگ میرے حلم سے دھوکہ کھاتے ہیں یا مجھ پر جرات کرتے ہیں میں اپنی قسم کھاتا ہوں کہ میں ان لوگوں پر ان ہی میں سے ایسا فتنہ بھیجوں گا۔ جو ان میں ہوشمند عقل والا ہوگا، اُسے (بھی) حیران کر دے گا۔

تکبر کی مذمت..... جن لوگوں میں خالص دنیاوی جاہ اور مال کی طلب ہوتی ہے۔ ان کے دلوں میں جھکاؤ نہیں ہوتا وہ غرورِ نفس کی وجہ سے یہی سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے کسی حق کہنے والے کی بات قبول کر لی تو ہماری ہیٹی ہو جائے گی اور ناک کٹ جائے گی، کفر و شرک پر اور گناہوں پر اصرار کرتے رہتے ہیں اور حق کو قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ ان کا نفس انہیں حق قبول کرنے نہیں دیتا، ایسے لوگوں کے

بارے میں فرمایا: اذْهَبْ لَكَ اللهُ اخذَهُ الْعِزَّةُ بِالْاَنْهَم (ک) جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اپنے طور طریق اور طریقہ عمل میں اللہ سے دور تو اس کی حقیقت اسے پکڑ لیتی ہے اور رگنا و پرتا مار دیتی ہے۔

تکبر کیا ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبر کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا: الکبر بطر الحق و غمط الناس یعنی حق کو ٹھکرانے اور لوگوں کو حقیر جاننے کا نام تکبر ہے۔ بہت سے اسلام کے پیغمبر بھی حق کو ٹھکرادیتے ہیں، جب کوئی شخص دین کی بات کرتا ہے اور رگنا و چھوڑنے کو کہتا ہے یا کسی بات کی خیر خواہانہ نصیحت کرتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ تو کون ہے؟ میں نصیحت کرنے والا؟ تو ہمارے سامنے کا بچہ ہے، فلاں قوم کا فروہ ہے، فلاں ملک کا رہنے والا ہے، یہ سب کبر ہے اور حق کو جھٹلانے کی باتیں ہیں اور منافقوں اور مفسدوں کا طریقہ عمل بیان فرمایا اور اخیر میں فرمایا کہ ایسے شخص کو دوزخ کافی ہے اور دوزخ بڑا اچھا مکان ہے۔ مہساد عربی میں بستر کو کہتے ہیں، دوزخ میں اہل نفاق کا جو ٹھکانہ بنے گا اسے مہساد سے تعبیر فرمایا کیونکہ وہ ان کا مستقل ٹھکانا ہے۔ جو ان کو دنیا کے بستروں کے بجائے لگائے گا۔ یہاں نرم بستروں پر سوتے تھے اور وہاں آگ کا بستر: دہکا اور آرام و راحت و نیند کا نام و نشان نہ ہوگا۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ۝

اور انہوں میں سے ایسے شخص بھی ہے جو خرید لینے کے لئے اپنے نفس کو اللہ کی رضا تلاش کرنے کے لئے اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔

اللہ کی رضا کے لئے جان و مال خرچ کرنے والوں کی فضیلت

حلیۃ الاولیاء ص ۱۰۱ میں حضرت سعید بن المسیب سے نقل کیا ہے کہ حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ ہجرت کرنے کی نیت سے (کہ معظّمہ سے) نکلتے تو قریش کے چند افراد ان کے پیچھے لگ گئے تاکہ ان کو واپس کریں۔ حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ اپنی سواری سے اترے اور اپنے ترکش سے تیر نکالے اور ان سے کہا کہ اے قریش کے لوگو! تمہیں معلوم ہے کہ میں تم سے بڑھ کر تیر انداز ہوں اور خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم مجھ تک نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ میں اپنے سارے تیر تو بہاری طرف نہ پھینک دوں جو میرے ترکش میں بھرے ہوئے ہیں اس کے بعد میں اپنی تلوار سے لڑوں گا جب تک میرے ہاتھ میں سکت رہے گی، اب تم جو چاہو کرو، اور ایک حدوت یہ ہے کہ میرا مال اور میرے کپڑے جہاں کہہ میں رکھے ہیں میں تمہیں انکا پتہ بتا دیتا ہوں تم ان کو لے لو اور میرا راستہ چھوڑ دو، وہ کہنے لگے ہاں یہ ٹھیک ہے ہم اس پر راضی ہیں: وہ لوگ تو اُدھر چلے گئے اور حضرت صہیب سفر قطع کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: بیع ابی صحی، بیع ابی صحی (اے ابویحییٰ! یہ بیع نفع والی ہے، اے ابویحییٰ! یہ بیع نفع والی ہے) جس کا مطلب یہ ہے کہ تھوڑی سی دنیا خرچ کر کے جو اپنی جان اور دین کو بچا لیا یہ نفع کا سودا ہے۔ (ابویحییٰ حضرت صہیب کی کنیت ہے) انکے پہنچنے سے پہلے ہی حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کو واقعہ کی خبر دیدی تھی۔ مستدرک حاکم ص ۳۹۸ ج ۳ میں بھی تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ یہ قصہ مذکور ہے اس کے آخر میں یہ بھی ہے کہ آیت شریفہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ، حضرت صہیب کے مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے ہی نازل ہوئی تھی۔ جب وہ مدینہ منورہ پہنچے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابویحییٰ! نفع کا سودا: داور آپ نے انہیں آیت بالا پڑھ کر سنائی۔ تفسیر ابن کثیر ص ۲۴۷ ج ۱ میں ہے کہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ جب میں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو قریش نے کہا اے صہیب! تم یہاں آئے تھے تو تمہارے پاس کچھ بھی مال نہ تھا اور اب تم یہاں کا کمایا: دمال اپنے ساتھ لے جا رہے ہو۔ اللہ کی قسم ایسا نہ ہوگا۔ میں نے ان سے کہا کہ تم مناسب جانو تو

میں تمہیں اپنا مال ویدوں اور تم مجھے چھوڑ دو۔ وہ اس پر راضی ہو گئے اور میں نے اُن کو اپنا مال ویدیا اور مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعہ کی خبر مل چکی تھی آپؐ نے فرمایا: **بِئِذَا بَعِثَ صُفْيَبُ رِزْقَ صُفْيَبُ** (صیب نے نفع کا سودا کیا، صیب نے نفع کا سودا کیا۔)
 بعض مفسرین نے بشری کا ترجمہ **بِئِذَا** سے کیا ہے یعنی بعض آدمی ایسے ہیں کہ اللہ کی رضا تلاش کرنے کے لئے اپنے نفس کو بیچ دیتے ہیں۔ مفسر ابن کثیر ص ۲۳۷ ج ۱ لکھتے ہیں کہ اکثر حضرات نے آیت کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ یہ ہر ایسے شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے قرآن پاک کی آیت **إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةُ** (الآیۃ) سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی جانوں اور مالوں کو جنت کے عوض خرید لیا۔ اس اعتبار سے مجاہدین اپنے جان و مال کو فروخت کرنے والے ہو گئے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں ص ۲۲ ج ۳ کہ حضرت صیبؓ کے قصے میں جو یہ وارد ہوا ہے کہ وہ مشرکین مکہ سے قتال کے لئے تیار ہو گئے اُس کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنے نفس کو بیچ دیا، اس اعتبار سے ان کے قصہ کو سامنے رکھ کر بھی نبیؐ کی کافر سے بیعت (بیعتنا ہے) کیا جاسکتا ہے۔ ہر حقیقت آیت کا جو شان نزول ہے (یعنی حضرت صیبؓ کا واقعہ) اسکو سامنے رکھتے ہوئے بھی آیت کا موم ہر اُس شخص کو شامل ہے جو بھی اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال خرچ کرے اور اللہ کی رضا کیلئے اپنی جان پر کھیل جائے۔ معالم التنزیل ص ۱۸۳ ج ۲ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا مصداق ایسے شخص کو بتایا جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وجہ سے قتل کر دیا جائے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ

اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کے پیچھے نہ چلو، بے شک وہ تمہارا

عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

کھلا دشمن ہے۔ سو اگر تم لغزش کھا جاؤ اس کے بعد کہ تمہارے پاس واضح دلیلیں آ چکی ہیں تو جان لو کہ بلاشبہ اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔

اسلام میں پورے طور پر داخل ہونے کا حکم

آیت کے شان نزول کے بارے میں لکھا ہے کہ بعض صحابہؓ جو پہلے یہودی تھے انہوں نے سنیچر کے دن کی تعظیم کو باقی رکھنا چاہا جو شریعت موسوی میں تھی اور اونٹ کا گوشت کھانے سے پرہیز کرنا چاہا کیونکہ یہودیت کے زمانہ میں نہیں کھاتے تھے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ تو ریت بھی تو اللہ کی کتاب ہے، ہم اس کو تہجد کی نماز میں پڑھ لیا کریں (جیسا کہ قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے) اس پر آیت بالا نازل ہوئی اور حکم فرمایا کہ اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ (من الدر المنثور والبیہاوی) شریعت محمدیہؐ کے آنے کے بعد اب کوئی شریعت باقی نہیں رہی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ میں تمہارے پاس خوب روشن اور صاف شریعت لے کر آیا ہوں اگر مومن بھی زندہ ہوتے تو ان کے لئے بھی اس کے سوا کوئی گنجائش نہ تھی کہ وہ میرا اتباع کریں۔ (معالم التنزیل ص ۱۸۳ ج ۱) حضرت جابرؓ کی روایت مسند احمد اور شعب الایمان للبیہقی میں بھی ہے۔ (کافی المصابیح ص ۳۰)

زندگی کے تمام شعبوں میں ہر شخص اسلام کے احکام کا پابند ہے..... اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ اسلام میں پورے

پورے داخل ہو جاؤ۔ اسلام کے احکام کو پورا پورا قبول کرو اور اس کے جملہ احکام پر عمل کرو، حاکم ہو یا محکوم، بڑا ہو یا چھوٹا، شہری ہو یا دیہاتی، تاجر ہو یا کاریگر، کارخانہ دار ہو، مزدور ہو یا کسان، سب اسلام پر پوری طرح چلیں اور ایک دوسرے کا منہ نہ دیکھے کہ وہ چلے تو میں بھی چلوں۔ ہر ایک اپنی ذمہ داری کو سامنے رکھے۔ بہت سے لوگوں نے یہ طریقہ بنا رکھا ہے کہ نماز، روزہ اور ان کے علاوہ دو چار کاموں تک ہی اسلام کو محدود رکھتے ہیں اس کے علاوہ معیشت اور معاشرت، تجارت اور سیاست اور زندگی کے دیگر تمام شعبوں میں اسلام کے احکام کی پاسداری نہیں کرتے جس طرح چاہیں تجارت کر لیں اور جو بھی چیز سامنے آ جائے خرید لیں، یا بیچ دیں۔ جس حکم میں چاہیں ملازم ہو جائیں۔ حرام حلال کا کچھ خیال نہیں کیا جاتا۔ بیاہ شادی میں غیر شرعی طریقہ کار اختیار کرتے ہیں۔ سراسر گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ خوشی کے موقع پر ہم پر شرعی کوئی پابندی نہیں، حرام حلال کی بحثوں کو فضول سمجھتے ہیں، کوئی عالم اگر بتا دے کہ تمہاری ملازمت حرام ہے یا تجارت میں سود ہے تو کہتے ہیں کہ مولوی ترقی سے روکتا ہے۔ جن قوموں کے دین میں چند تصورات اور توہمات اور چند اعمال کے علاوہ اور کوئی بھی پابندی نہیں ہے۔ اپنے دین کو انہیں کے دین پر قیاس کر لیتے ہیں۔ (اعیاذ باللہ) ہمارا دین جامع ہے، کامل ہے مکمل ہے اور زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے، انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے احکام تفصیل کے ساتھ اسلام میں نہ بتائے ہوں۔ بعض احکام پر عمل کرنا اور بعض کو چھوڑ دینا یہ وہی چیز ہے جس کو سورہ بقرہ کے رکوع (۱۰) میں یہودیوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ.....

(کیا کتاب کے بعض حصہ پر ایمان لاتے ہو اور بعض حصہ کے منکر ہوتے ہو) بہت سے لوگ ایسے ہیں جو مسلمان ہونے کے صرف دعوے دار ہی ہیں۔ اسلام کے فرائض تک پر عمل نہیں کرتے، اور کچھ لوگوں کو دینداری کا خیال تو ہے لیکن ان کی دینداری نماز تک یا ایک دو اعمال تک محدود ہے۔ اگر توجہ دلائی جائے کہ حرام ملازمت چھوڑ دو تو تیار نہیں اگر یوں کہا جائے کہ سود کا لین دین نہ کرو تو آمادہ نہیں اگر یوں کہو کہ حرام چیزیں فروخت نہ کرو تو کہتے ہیں کہ یہ روزی کا معاملہ ہے۔ اس کو کیسے چھوڑیں؟ ان کی جاہلانہ بات کا مطلب یہ ہے کہ روزی کمانے میں گویا پورے آزاد ہیں۔ (اعیاذ باللہ)

اصحاب حکومت کی بے راہی..... جن ممالک میں مسلمانوں کی حکومتیں ہیں وہاں کے ذمہ داران ہی طریقوں پر حکومتیں چلاتے ہیں جو کافروں سے سیکھے ہیں پکھریوں میں کافرانہ اور ظالمانہ قوانین کے مطابق فیصلے ہوتے ہیں۔ اسلام کے قانون کا نام آ جائے تو کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ کافرانہ اقوال اور افعال کے باوجود اس کے دعویدار ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ اسلام پر پوری طرح عمل نہ کرنا بعض احکام کو ماننا بعض کو چھوڑنا یہ سب شیطانی حرکات ہیں۔ اسلام میں پورا پورا داخل ہونے کا حکم دینے کے بعد یہ بھی فرمایا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ (کہ شیطان کے قدموں کے پیچھے نہ چلو) اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ (کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے) لوگ شیطان کو برا بھی کہتے ہیں اور اس پر لعنت بھی بھیجتے ہیں۔ اور اس کے بتائے ہوئے طریقوں کو بھی اختیار کرتے ہیں۔ یہ عجیب طریقہ ہے۔ پھر فرمایا..... فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمْ الْبَيِّنَاتُ فَاغْلَبُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (سو اگر تم لغزش کھا جاؤ اس کے بعد کہ تمہارے پاس واضح دلیلیں آ چکی ہیں تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے)

اس آیت میں بتایا کہ واضح دلائل آ جانے کے بعد پھر بھی اسلام میں داخل نہ ہوئے تو اس کو معمولی بات نہ سمجھنا یہ اللہ تعالیٰ کی بغاوت ہے۔ وہ غالب ہے اس کے عذاب اور انتقام سے بچ نہیں سکتے اور وہ حکیم بھی ہے اپنی حکمت کے موافق وہ سزا دینے میں جلدی نہ کرے تو اس سے دھوکہ نہ کھانا اور یہ نہ سمجھنا کہ گرفت نہ ہوگی اور انتقام سے محفوظ رہیں گے۔

قال صاحب الروح ص ۹۸ ج ۲ غالب علی امرہ لا یعجزہ شیء من الانتقام منکم حکیم لا یتروک ما تقتضیہ الحکمۃ من مؤخذۃ المجرمین۔

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلُلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ

یہ لوگ صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ اللہ اور فرشتے بادلوں کے سائبانوں میں ان کے پاس آ جائیں اور سارا قصہ ختم ہو جائے،

وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ

اور اللہ ہی کی طرف تمام امور لوٹائے جائیں گے۔

حق قبول نہ کرنے پر وعید

جو لوگ واضح دلائل کے بعد بھی دین اسلام میں داخل نہیں ہوتے انہیں کیا انتظار ہے ان کے طور طریق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بس اُسی کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ اور اس کے فرشتے بادلوں کے سائبانوں میں آ جائیں اور ان کو ان کے کفر کی سزا مل جائے، اور سارا فیصلہ ہو جائے، پھر آگے اسلام قبول کرنے کا موقع ہی نہیں ہے کیونکہ عذاب سامنے آنے کے بعد اسلام قبول نہیں ہوتا، پھر فرمایا کہ تمام امور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ وہ قاضی روز جزا ہے۔ اس دن مجازی صاحب اختیار بھی کوئی نہ ہوگا۔ وہ حق کے ساتھ فیصلے فرمائے گا۔ اہل کفر کے بارے میں دائمی عذاب کا فیصلہ ہوگا۔ لہذا اپنا انجام سوچ لیں۔

فائدہ..... لفظ یاتہم اللہ میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف اتیان (یعنی آنے) کی نسبت کی ہے اس پر ایمان لائیں۔ مفہوم کے سمجھنے اور معنی کر دینے میں نہ لگیں۔ سلف کا یہی طریقہ ہے، اور بعض حضرات نے مضاف مقدر مانا ہے۔ قال القرطبی ص ۲۵ ج ۳ وقیل لبس الکلام علی ظاہرہ فی حقہ سبحانہ وانما المعنی یاتہم امر اللہ وحکمہ، وقیل ای بما وعدہم من الحساب والعذاب۔

مطلب یہ ہے کہ یاتہم اللہ سے اللہ کا امر اور اس کا حکم اور عذاب آنا مراد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

سَلِّ بَنِي إِسْرَءِيلَ كَمَا آتَيْنَهُمْ مِّنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ ۚ وَمَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ

آپ بنی اسرائیل سے دریافت فرمائیے ہم نے ان کو کتنی واضح دلیلیں دیں اور جو شخص اللہ کی نعمت کو بدل دے اس کے بعد کہ

مَا جَاءَتْهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ

نعمت اس کے پاس آ جائے تو بے شک اللہ سخت عذاب والا ہے۔

بنی اسرائیل کی ناشکری اور اس پر عذاب

بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی واضح دلیلیں عنایت فرمائی تھیں۔ وہ ان دلائل سے کام لیتے اور حق پر جستے تو ان کے حق میں اچھا تھا۔ لیکن انہوں نے الٹی ہی چال چلی ہدایت کے بجائے گمراہیوں کو پسند کیا، اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو نعمت سے بدل دیا۔ جس کی وجہ سے دنیا و آخرت میں مستحق عذاب و عقاب ہوئے۔ بنی اسرائیل کو جو دلائل واضح دیئے گئے تھے ان کے بارے میں صاحب عالم

القرآن ص ۸۴۸ آج آگتے ہیں کہ اس سے وہ دلائل مراد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے بارے میں عطا کئے گئے تھے۔ عَصَا مَوْسٰی اور ید بیضا اور سمندر کو پھاڑ کر بنی اسرائیل کو پار کرنا وغیرہ لک، اور ایک قول یہ بھی لکھا ہے کہ اس سے وہ صاف اور واضح بیانات مراد ہیں جو تورات و انجیل میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بارے میں تھے، یہودیوں نے جو ان آیات - انحراف کیا اور حق واضح ہو جانے کے باوجود گمراہی کا راستہ اختیار کیا اس کے بیان کرنے کے لئے ایک ایسا اسلوب اختیار فرمایا جس - برائت کے بدلے کی شاعت اور قباحت معلوم ہو جائے اور عمومی طور پر یہ بھی معلوم ہو جائے کہ جو بھی کوئی شخص اللہ کی کسی بھی نعمت بدلے گا وہ مستحق عذاب و عقاب ہوگا۔

رُزِّينَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ

مزین کی گئی ان لوگوں کے لئے دنیاوی زندگی جنہوں نے سخر کیا اور افسی کرتے ہیں ان لوگوں سے جو لوگ ایمان لائے حالانکہ جن لوگوں -

اَتَّقُوا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۱۷﴾

پرہیزگاری کو اختیار کیا وہ قیامت کے دن ان سے بالا ہوں گے، اور اللہ جسے چاہے بلا حساب رزق عطا فرماتا ہے۔

کافروں کے لئے دنیا کا مزین ہونا اور ان کا ایمان والوں پر ہنسنا

اس آیت میں کافروں کے کفر پر جنے اور کفر اختیار کرنے کا سبب بتایا ہے اور وہ یہ کہ دنیاوی زندگی اور اس سے متعلقہ سارے سامان آرائش اور زیبائش ان کی نظروں میں بھایا ہوا ہے۔ اسی حسن ظاہر کو دیکھ کر وہ دنیا پر پلے پڑے ہیں۔ چونکہ ایمان اور اعمال صالحہ اختیار کرنے میں انہیں دنیا اور اسباب دنیا میں کمی ہوتی نظر آتی ہے اس لئے کفر اختیار کئے ہوئے ہیں۔ دنیا کے ساز و سامان مال اور جائیداد کو کامیابی سمجھے ہوئے ہیں اس لئے اہل ایمان کا مذاق اڑاتے ہیں اور ان سے تمسخر کرتے ہیں (کیونکہ ان کے پاس یہ چیزیں نہیں ہیں دنیا چند روزہ ہے اس کے بعد اہل کفر کے لئے عذاب ہی عذاب ہے اور اہل ایمان کے لئے جنت ہے۔ اہل ایمان قیامت کے دن بالا ہوں گے۔ جنت کے بالا خانوں میں ہوں گے اور اہل کفر و دوزخ میں پڑے ہوں گے۔ اس وقت اہل ایمان ان پر نہیں گے جیسا سورہ مطففین میں فرمایا: **فَالْيَوْمَ الَّذِينَ اٰمَنُوا مِنَ الْكُفْرِ يَضْحَكُوْنَ**۔ **عَلٰی الْاَزَابِلِ يَنْظُرُوْنَ** (سورہ آج ایمان والے کافروں پر نہیں گے، مسہریوں پر ہنسنے ہوئے دیکھتے ہوں گے) علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ یہ آیت مشرکین عرب ابو جہل وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ لوگ اپنے مالوں میں مست تھے۔ تنعم کی زندگی گزارتے تھے اور آخرت کی تکذیب کرتے تھے اور فقراء مؤمنین عبد اللہ بن مسعود و عمار بن یاسر اور صہیب اور بلال اور خباب جیسے حضرات کا مذاق بناتے تھے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ آیت منافق (عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں) کے بارے میں نازل ہوئی یہ لوگ دنیا میں مزے کی زندگی گزارتے تھے اور فقراء مہاجرین چھتیاں کتے تھے اور کہتے تھے کہ دیکھو محمد (ﷺ) کا کہنا ہے کہ ان (مسکینوں) کو ساتھ لے کر لوگوں پر غلبہ پائیں گے۔ حضرت عطاء فرمایا کہ یہ آیت رؤساء یہود کے بارے میں نازل ہوئی جو فقراء مہاجرین پر ہنستے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین سے وعدہ فرمایا کہ بنی اور بنی قریظہ کے اموال تم کو بغیر جنگ کے مل جائیں گے چنانچہ الحمد للہ ایسا ہی ہوا۔ (عالم القرآن ص ۱۸۵) (۱)

آیت کے ختم پر فرمایا **وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ** (اور اللہ جسے چاہے بلا حساب رزق عطا فرماتا ہے)

بعض مفسرین نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے دنیا میں بغیر کسی محنت اور تکلیف کے جس قدر چاہے عطا فرمادے اور اسے اعمال صالحہ کی توفیق دیدے پھر آخرت میں اس مال کا حساب نہ لے، اور بعض حضرات نے بغیر حساب کا یہ معنی بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو جتنا چاہے دے کم دے زیادہ دے اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ اس سے کوئی حساب لینے والا نہیں، اور ایک معنی یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ بے حساب خرچ فرماتا ہے اسے خرچ کرنے میں حساب کرنے کی ضرورت نہیں اس کے خزانے بے انتہا ہیں۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ

سب لوگ ایک جماعت تھے، پھر اللہ نے نبی بھیجے خوشخبری دینے والے، اور ڈرانے والے، اور ان کے ساتھ

الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِي مَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ

کتاب اتاری حق کے ساتھ، تاکہ فیصلہ فرمائے لوگوں کے درمیان اُس بات کا جس میں انہوں نے اختلاف کیا اور یہ اختلاف ان ہی لوگوں نے کیا

أَوْتَوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا

جن کو کتاب دی گئی اور انہوں نے یہ اختلاف باطنی منہ اندہی کے باعث اس کے بعد بغیر پوری دلیل اور پوری حقیقت کے پھر اللہ نے اپنے فضل سے ان لوگوں کو

اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۲۰﴾

جو ایمان لائے اس امر حق کی ہدایت دی جس میں وہ اختلاف کرتے تھے اور اللہ جس کو چاہے سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے۔

سارے انسان اُمت واحدہ تھے، حق واضح ہونے کے بعد عناد اور ضد کی وجہ سے مختلف فرقے ہو گئے

تفسیر درمنثور ص ۲۳۳ ج ۱ میں حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان جو قرین تھیں یہ

سب ہدایت پر اور حق شریعت پر تھے، پھر لوگوں نے اختلاف کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا جو (اس اختلاف کے

بعد) سب سے پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف بھیجا، اور ایسے وقت میں بھیجا جب کہ لوگوں میں اختلاف ہو چکا

تھا اور حق کو چھوڑ چکے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کے بعد رسول بھیجے اور کتابیں نازل فرمائیں جو مخلوق پر حجت ہیں۔

اور تفسیر قرطبی ص ۳۱ ج ۳ میں کہی اور واقدی سے نقل کیا ہے اُمت واحدہ سے وہ مسلمان مراد ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے

ساتھ کشتی میں تھے۔ (اس وقت دنیا میں صرف یہی لوگ اہل ایمان تھے، دوسری کوئی جماعت نہ تھی) حضرت نوح علیہ السلام کی

وفات کے بعد لوگوں میں اختلاف ہو گیا (اور اہل ایمان کے مقابلہ میں مشرکوں اور کافروں کی جماعتیں پیدا ہو گئیں)

امۃ واحدہ کا مصداق بیان کرنے کے سلسلے میں اور بھی اقوال ہیں۔ بہر صورت آیت شریفہ کا مفہوم یہ ہے کہ کسی زمانہ میں تمام

انسان ایک ہی مذہب اور ملت اور ایک ہی عقیدہ پر تھے اور یہ وہ بین تھا جو اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول تھا، پھر لوگوں میں (شیطان کے

پرکاشنے سے اور رائے و فکر کے اختلاف سے) بہت سے فرقے پیدا ہو گئے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے راہ حق بتانے کے لئے حضرات انبیاء

علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا اور ان پر کتابیں نازل فرمائیں۔ حضرات انبیاء، کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے راہ حق بتانے اور

اصلاح حال کرنے کے لئے اپنی پوری پوری کوششیں کیں، یہ حضرات حق قبول کرنے والے کو جنت کی بشارت دیتے تھے۔ اور حق سے منہ موڑنے والوں کو آخرت کے عذاب سے ڈراتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ امور اختلافیہ میں فیصلہ فرمایا، اور حق اور ناحق کو ممتاز کر کے بتا دیا، حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم و تبلیغ سامنے ہوتے ہوئے بھی لوگوں نے اپنی نفسانیت اور ضد و عناد کی وجہ سے حق سے منہ موڑا، اور باہمی اختلاف کرتے رہے، جن کو علم و یگانگیا واضح و لائل سامنے ہوتے ہوئے حق سے منحرف ہوئے۔ اللہ جل شانہ نے اپنے فضل سے اہل ایمان کو راجع حق کی ہدایت دی اور جو چیز حق تھی وہ ان کو بتادی۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔ تفسیر درمنثور ص ۲۴۲ ج ۱ میں وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْنُوْهُ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابی بن کعب سے نقل کیا ہے کہ جن کو کتاب اور علم و یگانگیا ان سے بنی اسرائیل مراہیں اور بَغْيًا بَيْنَهُمْ کے بارے میں فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دنیا کی حرص اور ملک کی طلب اور اس کی ظاہری زیب و زینت کی وجہ سے بعض نے بعض پر بغاوت کر دی اور آپس میں ایک دوسرے کی گریہ نہیں مار دیں، لہذا اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ہدایت دی جو اختلاف کے وقت اس دین پر قائم رہے جو دین حق تھا وہ خدا نے وحدہ لا شریک کے لئے اخلاص کے ساتھ دین میں لگے اور اختلاف والوں سے علیحدہ ہو کر رہے، لہذا یہ لوگ قیامت کے دن دوسری قوموں یعنی قوم نوح اور قوم ہود اور قوم صالح اور قوم شعیب (وغیر ہم) کے مقابلہ میں گواہی دیں گے اور یہ بتائیں گے کہ ان کے رسولوں نے ان کو تبلیغ کی تھی لیکن انہوں نے ان کو جھٹلایا تھا۔

اس عالم میں اللہ جل شانہ کی طرف سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لاتے رہے ہیں اور کتب الہیہ نازل ہوتی رہی ہیں۔ حق پر چلنے والے بھی رہے اور مخالفین بھی رہے اب اہل ایمان کو کچھ لینا چاہیے کہ اہل کفر ہماری مخالفت کرتے رہیں گے اور حق ظاہر ہونے کے باوجود اسے اختیار نہ کریں گے اور جب اختلاف ہوگا تو ان سے تکلیفیں بھی پہنچیں گی، اور قتل و قتل کی نوبت بھی آئے گی۔ صبر بھی کرنا ہوگا اور اللہ کی راہ میں جان و مال بھی خرچ کرنا ہوگا کافرا اپنے عناد پر ہتھ پڑیں گے۔ اہل ایمان کو ایمانی تقاضوں پر ثابت قدم رہنا لازم ہو گا۔ اس تقریر سے آیت اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسْتَهْمُومًا کی تفسیر ہو جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسْتَهْمُومًا

کیا تم نے خیال کیا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ان لوگوں جیسے واقعات تمہیں پیش نہیں آئے جو تم سے پہلے گزرے ہیں، ان کو کچھ

الْبَاسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُ مَتٰی

تشی اور تکلیف، اور وہ لوگ جھجھوڑ دیئے گئے یہاں تک کہ رسول نے اور ان مؤمنین نے جو رسول کے ساتھی تھے کہہ دیا کہ کب ہو گی

نَصْرُ اللّٰهِ اِلَّا اِنْ نَصَرَ اللّٰهُ قَرِيْبٌ

اللہ کی مدد، خبردار بلاشبہ اللہ کی مدد قریب ہے۔

مصائب میں مسلمانوں کو صبر کی تلقین اور اہم سابقہ کے مسلمانوں سے عبرت حاصل کرنے کی تعلیم

مسلمانوں کو مشرکین اور یہود و منافقین سے برابر تکلیفیں پہنچتی رہتی تھیں۔ مکہ معظمہ میں جب تک رہے مشرکین برابر تکلیفیں پہنچاتے

رہے پھر جب مدینہ منورہ ہجرت کر کے آگئے تو یہودیوں سے اور منافقوں سے واسطہ پڑا اور مشرکین مکہ نے یہاں بھی چین سے نہ رہے دیا۔ ان کی دشمنی کی وجہ سے بدر اور احد اور خندق کے غزوات پیش آئے۔ دشمنوں کی ایذا رسانیوں کے علاوہ بھوک، پیاس وغیرہ کی تکلیفیں بھی پہنچتی رہتی تھیں۔

اسباب النزول ص ۶۰ میں ہے کہ یہ آیت غزوہ خندق کے موقع پر نازل ہوئی جبکہ مسلمانوں کو سخت تکلیف پہنچی، دشمنوں کا خوف بھی تھا اور سردی بھی سخت تھی اور کھانے پینے کی چیزیں بھی مہیا نہ تھیں اور کئی طرح سے تکالیف کا سامنا تھا جس کو اللہ جل شانہ نے سورۃ احزاب میں یوں بیان فرمایا ہے کہ: بَلَسَّغْتَ الْقُلُوبَ الْحَنَاجِرَ (اور کیجئے منہ کو آگئے تھے) نیز اللہ جل شانہ نے غزوہ احزاب کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ هَسَالَتِ الْيُمُومُونَ وَزُلْزِلُوا زُلُومًا شَدِيدًا (کہ اس موقع پر مسلمانوں کو آزمائش میں ڈالا گیا اور ان کو سختی کے ساتھ جھنجھوڑا گیا)

منافقین اس حال کو دیکھ کر طرح طرح کی باتیں کرنے لگے حتیٰ کہ کفریہ کلمات تک کہہ گئے اللہ رب العزت تعالیٰ شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تم جنت کی آرزو لئے بیٹھے ہو حالانکہ جسے جنت میں جانے کا ارادہ ہوا ہے آزمایا جاتا ہے۔ تکلیفوں میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ تم سے پہلے جو اہل ایمان تھے ان کو دکھ پہنچا، مصیبتوں نے گھیرا، تکلیفوں نے دو بوجھا، اور ان کو اس قدر سختی کے ساتھ جھنجھوڑا گیا کہ ان کے زمانہ کے رسول نے اور ان کے ساتھیوں نے مددیں دیر محسوس کی تو یوں کہہ دیا کہ اللہ کی مدد کب ہوگی۔ جب وہ اس حال پر پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری دی گئی کہ خبردار اللہ کی مدد قریب ہے۔

اس میں جہاں منافقین کو جواب دیا گیا ہے (جنہوں نے غزوہ احد میں مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا کہا تھا) وہاں مسلمانوں کو بھی تسلی دی گئی کہ یہ مصائب اور تکالیف کوئی نئی نہیں ہیں۔ تمہارے ساتھ نیا عالم نہیں کیا جا رہا ہے تم سے پہلے جو انتہیں گزری ہیں۔ ان کو بھی آزمایا گیا ہے جب ان کو بہت زیادہ تکلیف پہنچی تو انہوں نے منقصر اللہ (کب ہوگی اللہ کی مدد) کہا تو اللہ پاک کی طرف سے إِنْ نَصْرَ اللَّهُ فَرِيقًا کا اعلان کیا گیا اور جلد ہی مدد آگئی تمہاری تکلیف بھی اس مرحلہ پر پہنچ چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد قریب ہے دنیا میں بھی مدد ہوگی اور جنت کا داخلہ بھی ہوگا۔ قال ابن کثیر ص ۲۵۱ ج ۱ قال الله تعالى الا ان نصر الله قريب كما قال فان مع العسر يسرا ان مع العسر يسرا و كما تكون الشدة ينزل من النصر مثلها ولهذا قال تعالى الا ان نصر الله قريب اھ۔

یہ آزمائش پہلے نبیوں (علیہم السلام) پر اور ان کی امتوں پر آئی ہمارے رسول سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر آئی آپ کے صحابہ پر آئی، تابعین پر آئی ان کے بعد مسلمانوں پر آتی رہی اور آتی رہے گی۔ سورۃ عنکبوت میں فرمایا:

الْم. أَحْسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ. وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ. (کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا اور بلاشبہ یہ حقیقت ہے کہ ہم نے ان لوگوں کو آزمایا جو ان سے پہلے تھے۔ اللہ تعالیٰ ضرور ضرور جان لے گا۔ ان لوگوں کو جو سچے ہیں اور ضرور جان لے گا جھوٹوں کو) حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان تکلیفوں کی شکایت کی جو مشرکین مکہ سے پہنچتی رہتی تھیں۔ اس وقت آپ گعبہ کے سایہ میں چادر سے تکیہ لگائے ہوئے تشریف فرما تھے۔ ہم نے عرض کیا: کیا آپ اللہ سے دعا نہیں فرماتے؟ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے جو مسلمان تھے۔ ان میں سے بعض کو زمین میں گڑھا کھود کر کھڑا کر دیا جاتا تھا پھر آہ لا کر سر کے اوپر سے لے کر (نیچے تک) چیر دیا جاتا تھا جس کے دو ٹکڑے ہو جاتے تھے۔ یہ تکلیف

بھی اُن کو ان کے دین سے نہیں روکتی تھی اور ان کے سروں میں اوبے کی گنگنیاں کی جاتی تھیں جو گوشت سے گزر کر ہڈی اور پٹھے تک پہنچ جاتی تھیں اور یہ چیز انہیں ان کے دین سے نہیں روکتی تھی۔ (مکتبہ پھن انٹرنیشنل ص ۵۲۵)

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُ مِنْ خَيْرٍ فَلِلَّهِ الدِّينُ وَالْآقَرِبِينَ وَالْيَسْبِي

و آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ آپ فرما دیجئے کہ جو مال تم خرچ کرو، اس کو نصف والدین اور قرابت دار اور یتیم

وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۵﴾

اور مسکین لوگ ہیں اور جو بھی خیر ہو کوئی بہم تم کو دے گا سو اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔

کُن مواقع میں مال خرچ کیا جائے

اسباب النزول ص ۶۰ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت عمرو بن جوح انصاریؓ کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ بوڑھے آدمی تھے اور بہت مال والے تھے، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم کیا صدقہ کریں اور کس پر خرچ کریں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، تفسیر و مثنوی ص ۲۴۳ ج ۱ میں ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ اس آیت میں نفلی صدقات کا ذکر ہے اور زکوٰۃ اس کے علاوہ ہے۔

سبب نزول کے بارے میں جو روایت نقل کی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ دو باتوں کا سوال کیا گیا تھا، اول یہ کہ کیا خرچ کریں؟ دوم یہ کہ کس پر خرچ کریں؟ اللہ جل شانہ نے اولاً دوسرے سوال کا جواب دیا کہ والدین پر اور دیگر رشتہ داروں پر، اور یتیموں پر اور مسکینوں پر خرچ کرو۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے نفس پر اور بیوی بچوں پر چونکہ انسان اپنے ذاتی مقاصد سے خرچ کرتا ہے اس لئے سوال ان کے علاوہ دوسروں پر خرچ کرنے کے متعلق تھا۔ لہذا اخراجات کی تفصیل بتاتے ہوئے پہلے والدین کا ذکر فرمایا پھر ماں باپ کے بعد دوسرے رشتہ داروں کا اجمالی ذکر فرمایا جو اپنے کنبہ کے لوگ ہیں۔ پھر یتیموں اور مسکینوں کا ذکر فرمایا جو رشتہ داروں میں ہوتے ہیں اور رشتہ داروں کے علاوہ دوسرے خاندانوں میں بھی ہوتے ہیں۔

سنن ابی داؤد ص ۳۴۳ ج ۲ میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں کس کے ساتھ حسن سلوک کروں؟ فرمایا، اپنی ماں کے ساتھ۔ عرض کیا، پھر کس کے ساتھ؟ فرمایا، اپنے باپ کے ساتھ، پھر جو تجھ سے زیادہ قریب ہو، پھر اس کے بعد جو تجھ سے زیادہ قریب ہو۔ پھر وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ فرمایا کہ جو مال بھی تمہارا بہت خرچ کرو گے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کا خوب علم ہے۔ وہ اس سب کی جزا ملنا فرمائے گا اور مال کو جو خیر سے تعبیر فرمایا اس میں یہ بتا دیا کہ مال حلال ہو (کیونکہ مال حرام خیر نہیں ہے) اور رخصائے الہی کے لئے خرچ ہوا ہو (کیونکہ جس خرچہ سے ریا کاری اور شہرت نصیب ہو وہ خیر نہیں ہے)۔

مفسرین نے فرمایا کہ دوسرے سوال کے جواب کو اس لئے اہمیت دی گئی کہ کوئی شخص کتابی مال خرچ کرے جب تک صحیح مصرف میں خرچ نہ ہو تو اب کا استحقاق نہ ہوگا۔ یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی فضیلت سے متعلق بعض روایات حدیث آیت کریمہ لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تُولُوا وَجُوهَكُمْ کے ذیل میں گزر چکی ہیں۔

لَتَبَّ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ

میں کیا تم پر نا پسند اور وہ تمہیں نا پسند ہے اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو نا پسند سمجھو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو۔

وَعَسَىٰ أَنْ تَحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ

اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لئے بُری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

جہاد کی فرضیت اور ترغیب

مکہ مکرمہ کے زمانہ قیام میں مسلمان بہت ہی ضعیف تھے، تھوڑے سے تھے۔ کافروں کا تسلط تھا ان سے لڑنے اور جنگ کرنے کا کوئی موقع نہ تھا اور نہ جنگ کرنے کی اجازت تھی۔ بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے صحابہ مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ ویرہ قیام پذیر ہو گئے، یہاں قیام کرنے کے بعد ان لوگوں سے جنگ کرنے کی اجازت دی گئی جو لڑنے کے لئے آمادہ ہو جائیں جیسا کہ سورہ حج میں فرمایا: اذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ بَانِيهِمْ ظُلُمًا اس کے بعد وہ وقت بھی آیا کہ عام مشرکین سے قتال کرنے کا حکم ہو گیا اگرچہ وہ مذہب نہ کریں۔ (قرطبی ص ۳۸ ج ۳)

آیت بالا کے عموم سے بظاہر یہی مستفاد ہوتا ہے کہ کفار سے جنگ کرنا ہر مسلمان پر نماز روزہ کی طرح فرض عین ہے لیکن سورہ برأت آیت وما كان المؤمنون لينفروا كافة فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين (الآية) سے اور بہت احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قتال کرنا ہر مسلمان پر ہر وقت فرض عین نہیں ہے اس لئے فقہاء نے اس بارے میں تفصیل لکھی ہے اور زیر فرمایا ہے کہ بعض حالات میں فرض عین اور عام حالات میں فرض کفایہ ہے کافروں سے جنگ کرنا جارحانہ بھی مشروع ہے اور فغانہ بھی، جیسا کہ قرآن وحدیث کی اصوص عامہ سے ثابت ہے۔ عام طور سے کافروں سے جنگ کرنے کو جہاد کہا جاتا ہے لفظ جہاد پھل سے لیا گیا ہے جو محنت اور کوشش کے معنی میں ہے یہ اپنے عدویٰ معنی کے اعتبار سے ہر اس محنت اور کوشش کو شامل ہے جو اللہ کا کلمہ نہ کرنے کے لئے ہو، سورہ برأت میں فرمایا: انفروا خفافاً وثقالاً وجاهدوا بأموالكم و انفسكم في سبيل الله ذلكم خير لكم ان كنتم تعلمون (نکل کھڑے ہو بلکہ ہو بیا بھاری اور جہاد کرو اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو)

اس آیت میں مال اور جان دونوں سے جہاد کرنے کا حکم فرمایا ہے اور سنن ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اهدوا المشركين بأموالكم و انفسكم و السننکم (باب کراہیۃ ترک الغزو)

اس حدیث میں زبانوں سے جہاد کرنے کا حکم بھی فرمایا ہے۔ زبان سے جہاد کرنے میں بہت باتیں آگئیں، کافروں سے مناظرہ کرنا، ان کے خلاف تقریریں کرنا، مسلمانوں کو جہاد کے لئے ترغیب دینا اور آمادہ کرنا وغیرہ۔ مسلمانوں پر ہر قسم کا جہاد باقی رکھنا لازم ہے۔ امہ ابوبکر ص ۱۳۳ ج ۳ میں لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام احمد اور امام مالک اور تمام فقہاء ائمہ اربعہ کا ل ہے کہ جہاد قیامت تک فرض ہے۔ لیکن اس میں اتنی تفصیل ہے کہ عام حالات میں فرض کفایہ ہے مسلمانوں کی ایک جماعت اس میں مشغول رہے گی تو باقی مسلمانوں کو اس کے ترک کرنے کی گنجائش ہوگی، اور یہ بھی لکھا ہے کہ تمام مسلمانوں کا یہ اعتقاد ہے کہ مسلمانوں کے مالک کی سرحدوں کے رہنے والے مسلمان اگر طاقتور نہ ہوں اور ان میں کافروں سے مقابلہ کی طاقت نہ ہو جس کی وجہ سے انہیں اپنے

شہروں اور اپنی جانوں اور اپنے مال بچوں پر دشمنوں کی طرف سے خوف، بدقت ساری امت پر فرض ہوگا کہ وہ اپنے گھروں سے نکلیں اور کافروں کے حملہ سے مسلمانوں کی حفاظت کریں۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ امت میں کسی کا بھی یہ قول نہیں ہے کہ جب (کسی علاقہ میں) مسلمانوں کو اپنی جانوں کے قتل ہونے کا اور بچوں کے قید ہونے کا خطرہ ہو تو دوسرے (علاقہ کے) مسلمانوں کو ان کی مدد چھوڑ کر گھر میں بیٹھنا جائز ہو۔

پھر لکھا ہے کہ امام المسلمین پر اور عامۃ المسلمین پر لازم ہے کہ ہمیشہ کافروں سے جنگ کرتے رہیں۔ یہاں تک کہ اسلام قبول کریں یا جزیہ ادا کریں۔ (ثم قال: وهو مذهب أصحابنا ومن ذكرنا من السلف المقداد بن الأسود و أبي طلحة في آخرين من الصحابة و التابعين وقال حذيفة بن اليمان: الإسلام ثمانية أسهم وذكر سهمها منها الجهاد)۔ نامہ حصاص نے جہاد کی فریضت پر متعدد آیات قرآنیہ نقل کی ہیں۔ مثلاً:

(وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَتُكُونَ الدِّينَ لِلَّهِ) اور (فَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ بِأَذْيَبِكُمْ) (الآیہ) اور (قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا

يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ) اور (فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلَامِ وَأَنْتُمْ الْآغْلَوْنَ) اور (فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ) اور (وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَمَا فَعَلْتُمْ كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً) وغیرہا من الآیات۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ جہاد فرض

کفایہ ہے، مسلمانوں کی ایک جماعت اگر اس فریضہ پر قائم رہے تو باقی مسلمانوں سے ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی بھی جہاد میں مشغول نہ رہے تو سب گناہ گار ہوں گے۔ پھر لکھتے ہیں کہ کافروں سے قتال کرنا واجب ہے اگرچہ وہ خود سے جنگ میں پہل نہ کریں اور اگر مسلمانوں کے کسی شہر پر دشمن چڑھ آئیں تو تمام مسلمانوں پر ان کا دفاع لازم ہوگا۔ اس صورت میں عورت بھی شوہر کی اجازت کے بغیر نکل کھڑی ہو، اور غلام بھی آقا کی اجازت کے بغیر میدان میں آجائے، اس لئے کہ اس صورت میں دشمنوں سے جنگ کرنا فرض عین ہو جاتا ہے۔ (ہدایہ کتاب السیر) جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا جہاد اور قتال اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے اور اللہ کے دین پھیلانے کے لئے ہے اور جنگ برائے جنگ نہیں ہے اور جہاد کے لئے مستقل احکام ہیں جو حدیث اور فقہ کی کتابوں میں بیان کئے گئے ہیں۔

جہاد کے بعض احکام..... صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ جب مسلمان کافروں کے ملک میں داخل ہوں اور ان کے کسی شہر یا قلعہ کا محاصرہ کر لیں تو ان کو اسلام کی دعوت دیں اگر وہ دعوت قبول کر لیں اور اسلام لے آئیں تو جنگ کرنے سے رُک جائیں، چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی گواہی دیں (اور مجھ پر اور میرے لئے دئے دین پر ایمان لائیں) (کما زادہ مسلم فی رواۃ) اور اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کریں تو ان کو جزیہ ادا کرنے کی دعوت دیں۔ اگر وہ جزیہ ادا کرنا منظور کر لیں تو پھر ان کے وہی حقوق ہوں گے جو مسلمانوں کے ہیں اور ان کی وہی ذمہ داریاں ہوں گی جو (ملک کی حفاظت کے سلسلے میں) مسلمانوں پر عائد ہوں گی (لیکن جزیہ کی دعوت مشرکین عرب کو نہیں دی جائے گی ان کے لئے اسلام ہے یا تلوار ہے) جن لوگوں کو دعوت اسلام نہیں پہنچی ان کو دعوت دینے بغیر جنگ کرنا جائز نہیں۔ اور جن لوگوں کو دعوت اسلام پہنچ چکی ہے۔ ان کے بارے میں مستحب ہے کہ پہلے ان کو دعوت دی جائے پھر قتال کیا جائے، اگر کفار قبول اسلام سے بھی انکاری ہوں اور جزیہ دینے پر بھی راضی نہ ہوں تو اللہ سے مدد طلب کر کے ان سے جنگ کی جائے اور عورتوں کو اور بچوں کو اور بہت بوڑھے کو اور پانچ کو اور اندھے کو قتل نہ کیا جائے۔ ہاں اگر ان میں سے کوئی شخص امور حرب میں رائے رکھنے والا ہو یا عورت بادشاہ بنی ہوئی ہو تو ان کو قتل کر دیا جائے۔ (من الہدایۃ بباب کیفیۃ القتال) مسلمانوں نے جب سے جہاد چھوڑا ہے دشمنوں نے ان پر قابو پایا ہوا ہے۔ اور ایسے معاہدوں میں جکڑ دیا ہے جن

کی وجہ سے وہ کافروں پر حملہ نہ کر سکیں، اور کافروں کا اپنا یہ حال ہے کہ معابدوں کی پاسداری کے بغیر جو چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں۔ جہاد فی سبیل اللہ سراسر خیر ہی ہے اس سے اسلام پھیلتا ہے کافروں پر جھٹ قائم ہوتی ہے، مسلمانوں میں قوت آتی ہے، دشمن مغلوب ہوتے ہیں اور مغلوب رہتے ہیں، مسلمان باعزت زندہ رہتے ہیں، اللہ کی مدد نازل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہ کرنا، دشمنان دین کے مشوروں پر چلنا اور ان سے بے بنیاد اسی نے تو عالم میں مسلمانوں کی ساکھ خراب کر رکھی ہے۔

مسلمانوں نے خدمت اسلام کے جذبہ کو چھوڑ دیا، خُبت جاہ، خُبت اقتدار نے ان کے چھوٹے چھوٹے ملک بنا دیئے، ہر ایک اپنے اقتدار کی ہوس میں ہے اور اقتدار باقی رکھنے کے لئے دشمنوں کا سہارا ڈھونڈتا ہے۔ اس طوائف الملوکی نے مسلمانوں کی طاقت کو منتشر کر رکھا ہے۔ آپس میں لسانی غصہ پیتوں کی بنیاد پر ایک دوسرے کی جانوں کے پیاسے بنے ہوئے ہیں۔ دشمنوں کی شبہ پر اپنی وحدت ختم کر رکھی ہے۔ سارے عالم کے مسلمانوں کا اگر ایک ہی ملک ہوتا اور ایک ہی امیر المؤمنین ہوتا سارے مسلمان اسلام ہی کے لئے سوچتے اور اسی کے لئے جیتے اور اسی کے لئے مرجاتے تو کسی دشمن کی ہمت نہ تھی کہ آنکھ اٹھا کر دیکھتا، دشمنوں نے غصہ پیتیں سمجھا کر بہت سارے چھوٹے چھوٹے ملک بھی خواہیے اور جہاد سے بھی دور کر دیا۔ لہذا اپنے قابو میں کچھ نہ رہا، ہمت کر کے آپس میں ایک ہوں تو اب بھی ان شاء اللہ حال ٹھیک ہو جائے گا۔

مجاہدین کے فضائل..... حضرت ابو ہریرہ، حضرت سہل بن سعد اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام کو نکلنا ساری دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے اس سب سے بہتر ہے۔ (صحیح بخاری ص ۱۳۹۲ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے ضرور میری خواہش ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کرو یا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں۔ (صحیح بخاری ص ۱۳۹۲ ج ۱)

حضرت عبدالرحمن بن جبیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی بندے کے قدم اللہ کی راہ میں غبار آلود ہو گئے اُسے دوزخ کی آگ نہ چھوئے گی۔ (بخاری ص ۱۳۹۳ ج ۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا کہ جو بھی کوئی شخص جنت میں داخل ہو گا وہ دنیا میں واپس آنے کی آرزو نہ کرے گا۔ خواہ اس کو وہ سب کچھ مل جائے جو دنیا میں ہے سوائے شہید کے۔ وہ وہاں جو اپنا اعزاز دیکھے گا اس کی وجہ سے آرزو کرے گا کہ دنیا میں واپس چلا جاتا اور دس مرتبہ قتل کیا جاتا۔ (صحیح بخاری ص ۱۳۹۵ ج ۱)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ کی راہ میں ایک دن ایک رات اسلامی ملک کی سرحد کی حفاظت میں گزارنا ایک ماہ کے روزے رکھنے اور راتوں رات ایک ماہ نمازوں میں قیام کرنے سے بہتر ہے اگر یہ شخص اسی حالت میں وفات پا گیا تو (ثواب کے اعتبار سے) اُس کا وہ عمل جاری رہے گا جو مل وہ کیا کرتا تھا اور اس کا رزق جاری رہے گا اور (قبر میں) فتنہ ڈالنے والوں سے پُر امن رہے گا۔ (صحیح مسلم ص ۱۴۲ ج ۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اس حال میں مر گیا اس نے جہاد نہیں کیا اور اس کے نفس میں جہاد کا خیال بھی نہ آیا تو وہ نفاق کے ایک شعبہ پر مر گیا۔ (صحیح مسلم ص ۱۴۱ ج ۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں زخمی ہوا اور اللہ ہی کو معلوم ہے کہ اس کی راہ میں کون زخمی ہوتا ہے تو وہ شخص قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خون بہہ رہا ہوگا۔ رنگ تو خون کا ہوگا اور خوشبو مشک کی ہوگی۔ (صحیح بخاری ص ۳۱۳ ج ۲، صحیح مسلم ص ۱۳۳ ج ۲)

جہاد میں مال خرچ کرنے کا ثواب..... اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا بھی بڑا ثواب ہے۔ ایک شخص نے جہاد کے لئے ایک اونی پیش کر دی جس کو مہارنگی ہوئی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرے لئے اس کے عوض قیامت کے دن سات سو اونٹنیاں ہوں گی ہر ایک کو مہارنگی ہوئی ہوگی۔ (صحیح مسلم ص ۱۳۷ ج ۲) (یعنی مہارنگی ہوئی سات سو اونٹنیاں خرچ کرنے کا ثواب ملے گا)۔

جہاد میں شرکت کے لئے جانے والے کو سامان دے دینا جس سے وہ جنگ کرے اور کھائے پینے اس کا بھی بہت بڑا ثواب ہے۔ حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے کسی فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے کو سامان دیا اُس نے (بھی) جہاد کیا اور جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے گھر والوں کی خدمت میں خیر کے ساتھ رہا اس نے بھی جہاد کیا۔ (صحیح بخاری ص ۳۹۹ ج ۱)

جہاد پر دشمنان اسلام کا اعتراف اور اس کا جواب..... دشمنان اسلام نے جہاد کو بہت مکروہ طریقہ پر پیش کیا ہے۔ اول تو اسلام کی دشمنی میں اسلام کی دعوت کو نہیں سمجھتے۔ اسلام کی دعوت یہ ہے کہ سارے انسان اللہ کو وحدہ لا شریک مانیں اس کے سب رسولوں اور سب کتابوں پر ایمان لائیں۔ خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا نبی اور رسول مانیں، قرآن پر ایمان لائیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی طرف سے جو شریعت پیش کی ہے اس کو مانیں، جو شخص یہ سب قبول کرے گا وہ مسلم ہوگا، اللہ کا فرمانبردار ہوگا، مستحق جنت ہوگا اور جو شخص اس دین و شریعت کو قبول نہ کرے گا۔ وہ کافر ہوگا، مستحق دوزخ ہوگا، ہمیشہ ہمیشہ آگ کے دائمی عذاب میں رہے گا۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے جب مسلمان کافروں سے جنگ کریں تو انہیں پہلے اسلام کی دعوت دیں اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو کوئی لڑائی نہیں، جنگ نہیں، قتال نہیں، اگر اسلام کو قبول نہ کریں تو ان سے جزیہ دینے کو کہا جائے گا، پھر اگر جزیہ دینا بھی قبول نہ کریں تو جنگ کی جائے۔ جہاد کا مقصد دینی کافروں کو دین حق کی طرف بلانا ہے تاکہ وہ جنگ کے مستحق ہو جائیں اگر جنگ کرے کسی قوم کو دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کر دیا تو اس میں ان کے ساتھ احسان ہی کیا، کسی قوم کے تھوڑے سے افراد جنگ میں کام آگئے اور اکثر افراد نے اسلام قبول کر لیا تو مجموعی حیثیت سے اُس قوم کا فائدہ ہی ہوا، اگر کوئی قوم اسلام قبول نہ کرے اور جزیہ دینے پر راضی ہو جائے اور اس طرح مسلمانوں کی عملداری میں رہنا قبول کرے تو اس میں بھی اس قوم کا فائدہ ہے کہ دنیاوی اعتبار سے ان کی جانیں محفوظ ہو گئیں اور آخرت کے اعتبار سے یہ فائدہ ہوا کہ انہیں دین اسلام کے بارے میں غور کرنے کا موقع مل گیا۔ مسلمانوں کی اذانیں سنیں گے، نمازیں دیکھیں گے۔ مسلمانوں کا جو اللہ سے تعلق ہے اور جو مخلوق کے ساتھ ان کے معاملات ہیں وہ سامنے آئیں گے۔ مسلمانوں کے زُبد و تقویٰ سے متاثر ہوں گے۔ اس طرح سے اقرب ہے کہ وہ اسلام قبول کر لیں اور کفر سے بچ جائیں اور آخرت کے عذاب سے محفوظ ہو جائیں۔ جزیہ تو وہ ان کی جانوں کی حفاظت کا بدلہ ہے اور وہ بھی سب پر نہیں ہے اور زیادہ نہیں ہے۔ اس ساری تفصیل سے سمجھ لینا چاہیے کہ جہاد میں کافروں کی خیر خواہی پیش نظر ہے اگر کافروں کی کوئی جماعت اسلام بھی قبول نہ کرے اور جزیہ دینا بھی منظور نہ کرے تو ان کے ساتھ جنگ اور قتال کا معاملہ ہوگا۔ کافر اللہ کا باغی ہے۔ کفر بہت بڑی بغاوت ہے۔ مجازی حکومتوں میں سے کسی حکومت کا کوئی فرد یا جماعت بغاوت کرے تو اس کو سخت سے سخت سزا دی جاتی ہے اللہ کے باغی جو اس کی زمین پر بستے ہیں اس کا دیا کھاتے ہیں اس کی عطا کی ہوئی

نعمتیں کام میں لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اگر اللہ کو مانتے ہیں تو اس کے ساتھ غیر اللہ کی بھی عبادت کرتے ہیں۔ بتوں کو پوجتے ہیں اور بہت سے خدائیں مانتے ہیں ایسے لوگ اس قابل کہاں ہیں کہ خدا کی زمین پر زندہ رہیں، اللہ کے وفادار بندے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کو قبول کیا اللہ کے دین کی دعوت دیتے ہیں پھر ان باغیوں کے منکر ہونے کے بعد اللہ کے وفادار بندے ان کو قتل کر دیں تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟ دنیا سے کفر و شرک مٹانے کے لئے خالق و مالک جل مجدہ کے باغیوں کی سرکوبی کے لئے جو اسلام میں جہاد شروع کیا گیا ہے اس پر تو دشمنوں کو اعتراض ہے۔

لیکن صدیوں سے دشمنان اسلام خاص کر یورپ کے لوگ جو ایشیا کے ممالک پر قبضہ کرتے رہے ہیں اور اس سلسلہ میں جو لاکھوں کروڑوں خون ہوئے ہیں۔ اٹھارہ سو ستاون میں جو انگریزوں نے ہندوستانوں کا قتل عام کیا ہے اور ۱۹۴۱ء میں اور ۱۹۴۲ء میں جو عالمی جنگیں ہوئی تھیں اور ہیر و شیمار جو بم پھینکا گیا اور ایک طویل زمانہ تک جو صلیبی جنگیں ہوئی ہیں جن میں لاکھوں انسان تہ تیغ ہوئے یہ سب کچھ کوئی خیر پھیلانے کے لئے ہوا؟ کیا اس میں ملک گیری کی ہوس اور کفر و شرک پھیلانے کے عزائم اور دین اسلام کو مٹانے کے ارادے نہیں تھے؟ یہ اوگوں کی حرکتیں ہیں جو سیدنا حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے نسبت رکھنے کے جھوٹے دعویدار ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم یہ تھی کہ کوئی شخص تمہارے رخسار پر ایک طمانچہ مارے تو دوسرا رخسار بھی اس کے سامنے کر دو، اور مشرکین ہند کو دیکھو جن کے یہاں ہتھیار کرنا بہت بڑا پاپ ہے جو چوہا مارنے کو بُرا جانتے ہیں وہ مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہیں اور برابر فساد کرتے ہیں اور قتل و خون کا بازار گرم کرتے رہتے ہیں۔

اسلامی جہاد پر اعتراض کرنے والے اپنے آئینہ میں اپنا منہ نہیں دیکھتے اور جو لوگ اللہ کے باغی ہیں ان کی بغاوت کو کچلنے والوں کے جہاد اور قتال پر اعتراض کرتے ہیں، سچ ہے۔

اپنے عیبوں کی کہاں آپ کو کچھ پرواہ ہے؟
غلط الزام بھی آوروں پر لگا رکھا ہے!
یہ ہی فرماتے رہے تیغ سے پھیلا اسلام
یہ نہ ارشاد ہوا توپ سے کیا پھیلا ہے؟

ممکن ہے کہ کوئی چیز تمہیں ناگوار ہو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو..... آیت بالا میں جہاد کی فرضیت بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا: وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ (کہ ممکن ہے تمہیں کوئی چیز ناگوار ہو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو، اور ممکن ہے کہ تمہیں کوئی چیز محبوب ہو اور وہ تمہارے لئے بُری ہو)

سیاق کلام کے اعتبار سے تو اس کا تعلق جہاد اور قتال سے ہے کہ طبعی طور پر جہاد ناگوار معلوم ہوتا ہے لیکن نتائج اور ثمرات کے اعتبار سے تمہارے لئے بہتر ہے، اور جہاد کو چھوڑ کر گھروں میں بیٹھ جانا اور کاروبار میں لگنا تمہاری محبوب چیز ہے لیکن حقیقت میں جہاد کا چھوڑ دینا تمہارے حق میں شر ہے، اور اس کے چھوڑ دینے سے بہت سی خیر سے محرومی ہے اور بُرے نتائج سامنے آنے کا ذریعہ ہے۔ لیکن انداز بیان ایسا اختیار کیا گیا ہے کہ جہاد کے علاوہ بھی بہت سے امور کو شامل ہے، عموماً انسان بعض چیزوں کو کمزورہ جانتا ہے لیکن اس کے لئے وہ بہتر ہوتی ہیں اور بہت سی چیزوں کو پسند کرتا ہے لیکن حقیقت میں وہ اس کے لئے مُضر ہوتی ہیں۔ اور یہ ایسی بات ہے جس کا رات دن تجربہ ہوتا

رہتا ہے۔ لہذا خیر اسی میں ہے کہ اللہ کے احکام مانیں اور ان ہی پر چلیں۔

آخر میں ارشاد فرمایا: وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَانْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (کہ اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے، کیونکہ حقیقی علم اللہ ہی کو ہے، اسے مخلوق کا نفع و ضرر اور مصلحت سب کچھ معلوم ہے وہو بكل شیء علیم۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ
آپ سے شہر حرام کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ فرمادیجئے کہ اس میں جنگ کرنا بڑا خرم ہے۔ اور اللہ کی راہ سے
وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدَ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ

روکنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام کے ساتھ کفر کرنا اور اہل مسجد حرام کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بڑا گناہ ہے اور فتنہ پردازی

مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا يِزَالُ الْوَنُ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا ۚ
قتل کرنے سے بڑا خرم ہے اور کافر لوگ برابر تم سے جنگ کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ تمہیں پھیر دیں گے تمہارے دین سے۔ ان سے ہو سکا اور جو شخص

وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ ۖ فَيْمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ ۖ اُولَٰئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي

تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے پھر حالت کفر میں مر جائے، سو دنیا و آخرت میں ایسے لوگوں کے اعمال اکارت

الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَاُولَٰئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٠٧﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

ہو جائیں گے اور یہ لوگ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، بیشک جو لوگ ایمان لائے۔ جنہوں نے

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجِهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ اُولَٰئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٠٨﴾

ہجرت کی اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا یہ لوگ اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ کی راہ سے اور مسجد حرام سے روکنا اور فتنہ پردازی کرنا

جرم کے اعتبار سے قتل سے بڑھ کر ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن جحشؓ کی امارت میں چند مہاجرین سے فرمایا کہ مقام بطن نخلہ میں پہنچ کر قریش کے
قافلہ کا انتظار کرنا ممکن ہے کوئی خیر کی خبر لے آؤ، بطن نخلہ مکہ اور طائف کے درمیان ہے، یہ حضرات وہاں پہنچتے تو قریش کا قافلہ گزرتا تھا
نظر آیا جو طائف سے سامان تجارت کشمش وغیرہ لے کر آ رہا تھا، یہ قافلہ عمرو بن الحضرؓ می اور حکم ابن کیسان اور عثمان بن عبد اللہ بن مغیرہ اور
نوفل بن عبد اللہ پر مشتمل تھا۔ ان لوگوں نے حضرات صحابہ کرامؓ کو دیکھا تو ڈر گئے، حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اپنے
ساتھیوں سے کہا کہ یہ لوگ خوف زدہ ہو گئے لہذا ان پر حملہ کر دینا چاہیے جب مشورہ سے یہ بات طے ہو گئی تو واقعہ بن عبد اللہ تمیمیؓ نے عمرو
بن الحضرؓ می کو تیر مار کر قتل کر دیا، یہ پہلا مشرک تھا جو مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا، نیز حضرات صحابہؓ نے حکیم بن کیسان اور عثمان بن عبد اللہ
کو قید کر لیا۔ یہ دونوں سب سے پہلے قیدی تھے جنہیں مسلمانوں نے قید کیا۔ قافلہ کا ایک فرد نوفل بن عبد اللہ قابو میں نہ آیا اور فرار ہو گیا۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اس قافلہ کے سامان کو اور دونوں قیدیوں کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ واقعہ جمادی الاخریٰ کی اکتیس (۲۹) تاریخ گزرنے کے بعد آنے والے دن میں پیش آیا۔ اسکے بارے میں یہ طے نہ کر سکے کہ یہ جمادی الاخریٰ کی تیس تاریخ تھی یا رجب المرجب کی پہلی ہے۔

رجب کا مہینہ ان چار مہینوں میں شمار ہوتا تھا جن میں جنگ کرنا ممنوع تھا (زمانہ جاہلیت میں ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب میں قتال نہیں کرتے تھے اور ابتدائے اسلام میں بھی ان میں قتال کرنے کی ممانعت تھی)۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو یہ حملہ کر دیا تھا اس میں رجب کا شروع ہونا تحقیق نہیں تھا لیکن قریش مکہ نے اس کو اپنے اعتراض کا نشانہ بنالیا اور کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) نے اس مہینہ میں قتال حلال کر لیا جو شہر حرام ہے۔ اس مہینہ میں لوگ امن کے ساتھ چلتے پھرتے ہیں اور اپنی روزیوں کے لئے منتشر ہو جاتے ہیں اور انہوں نے اس ماہ کی بے حرمتی کی ہے۔ اس اعتراض کو انہوں نے بہت اہمیت دی۔ مسلمانوں کی جس جماعت نے حملہ کیا تھا ان کو قریش مکہ نے عار دلائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کا حملہ آواز و ناپسند نہ آیا اور آپؐ نے فرمایا کہ میں نے تو تمہیں شہر حرام میں قتال کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ آپؐ نے یہ سامان اور دونوں قیدیوں کا معاملہ توقف رکھا، اور اس مال میں سے کچھ بھی نہیں لیا، جس جماعت نے یہ کارروائی کی تھی انہیں بڑی ندامت ہوئی انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! جس دن ہم نے عمرو بن حفص کو قتل کیا اس دن شام کو جو چاند نظر آیا تو اس کے اعتبار سے ہم کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے کہ یہ قتل ہم سے جمادی الاخریٰ میں ہو یا رجب میں، اس پر اللہ جل شانہ نے آیت بالانازل فرمائی۔ نزول آیت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلہ کا سامان لے لیا اور اس میں سے خمس علیحدہ کر لیا جو مال غنیمت کا اصول ہے۔ اور باقی مال اسی جماعت پر تقسیم کر دیا جنہوں نے قافلہ سے مال چھین لیا تھا جو دو قیدی مسلمانوں نے پکڑ لئے تھے مال دے کر ان کو مکہ والوں نے چھڑ لیا، پھر ان دونوں میں سے حکم بن کیسان تو مسلمان ہو گئے اور مدینہ منورہ میں رہے اور بیڑ معونہ کے غزوہ میں شہید ہوئے اور دوسرا قیدی عثمان بن عبد اللہ نامی مکہ واپس جا کر حالت کفر میں مر گیا۔ (اسباب النزول ص ۶۲ تا ۶۳ روح المعانی ص ۱۰۷ ج ۲)

شرکین نے جو اعتراض کیا تھا۔ اس کے جواب میں اللہ جل شانہ نے آیت کریمہ نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ آپؐ فرما دیجئے شہر حرام میں قتال کرنا بڑا گناہ ہے لیکن شرکین کو اپنے کرتوت نظر نہیں آتے۔ اللہ کی راہ سے روکنا دین حق قبول کرنے والوں کو منع کرنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام کے ساتھ کفر کرنا اور اہل مسجد حرام کو وہاں سے نکالنا (جیسا کہ شرکین مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپؐ کے اصحاب کو مکہ معظمہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا حالانکہ مسجد حرام کے تقدس کو باقی رکھنے والے اور نمازوں سے اسے معمور کرنے والے یہی حضرات تھے۔ یہ سب چیزیں اللہ کے نزدیک شہر حرام میں قتل کرنے سے گنہ گاری میں بڑھ کر ہیں جن کا ارتکاب کیا ہے (قال القرطبی ص ۳۶ ج ۳) وما تفعلون انتم من الصد عن سبیل اللہ لمن اراد الاسلام ومن کفر کم باللہ و اخر اجمک

اهل المسجد منه کما فعلتم برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ اکبر جرماً عند اللہ۔ پھر فرمایا: اَلْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ (فتنہ پردازی جرم میں قتل سے بڑھ کر ہے) شرکین مکہ مشرک و کفر میں مبتلا تھے اور جو لوگ مسلمان ہو جاتے تھے ان کو مارتے پینتے تھے اور کفر میں واپس لے جانے کی کوشش کرتے تھے، یہ سب سے بڑا فتنہ ہے جو ایک شخص کے قتل سے بہت بڑھ کر ہے جسے بعض صحابہؓ نے چاند کی تیغ تاریخ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا تھا پھر مسلمانوں کو متنبہ فرمایا کہ وَلَا يَزَالُ الْوَنُ يُفَاتِلُوْكُمْ حَتَّىٰ يَرْدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ و تم سے لڑتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اس میں شرکین کے عزائم بتائے ہیں کہ وہ تمہارے ایمان سے کبھی بھی راضی نہ ہوں گے اور اپنے دین میں واپس کرنے کی کوششیں کرتے رہیں گے (وہ اپنے دین

میں پختہ ہیں تم اپنے دین میں پختہ رہو، وہ تمہیں اپنے دین میں کھینچنا چاہتے ہیں تم انہیں اپنے دین میں لانے کی کوشش کرتے رہو۔

مرتد کے احکام..... اس کے بعد فرمایا: **وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ** (اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے، پھر حالت کفر میں مر جائے تو دنیا و آخرت میں اُن لوگوں کے اعمال اکارت ہو جائیں گے اور وہ لوگ دوزخ والے ہیں، وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے)۔

اس میں مرتد کے بعض احکام بتائے ہیں، دین اسلام قبول کرنے کے بعد جو شخص اس کو چھوڑ کر کوئی سا بھی دین اختیار کرے۔ (اور اسلام کے علاوہ ہر دین کفر ہی ہے) تو اس نے زمانہ اسلام میں جو اعمال کئے تھے وہ سب ضائع ہو گئے۔ کفر کی وجہ سے ان سب کا اجر و ثواب ختم ہو گیا دنیا میں بھی اُن اعمال کا کوئی فائدہ نہ ہوگا جو زمانہ اسلام میں کئے تھے اور آخرت میں بھی ان کا کوئی اجر و ثواب نہ ملے گا، اور

دوسرے کافروں کی طرح وہ بھی ہمیشہ دوزخ میں جائے گا۔ سورہ مائدہ میں فرمایا: **وَمَنْ يَكْفُرْ بِآلِ إِمْنَانٍ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ** (اور جو شخص ایمان کا منکر ہو جائے تو اس کے اعمال حبط ہو گئے اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا) جو شخص مرتد ہو جائے (احیاء باللہ) اس سے بات کی جائے، اس کا جو کوئی ثقبہ ہو زور کیا جائے اور تین دن اسے بند رکھا جائے، اگر تین دن گزر جانے پر اسلام قبول نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے اور اگر عورت مرتد ہو جائے۔ (العیاذ باللہ) اور باوجود سمجھانے کے دوبارہ اسلام نہ لائے تو اسے بند کر دیا جائے یہاں تک کہ مسلمان ہو جائے اگر اسلام قبول نہ کرے تو موت آنے تک جیل ہی میں رکھی جائے۔ یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسے بھی تین دن کی مہلت دینے کے بعد قتل کر دیا جائے، جب کسی نے اسلام کے بعد کفر اختیار کر لیا تو اس کے مرتد ہونے کی وجہ سے اس کے تمام اموال اس کی ملک سے نکل گئے، پھر اگر مسلمان ہو گیا تو واپس اس کی ملک میں آجائیں گے، اگر حالت کفر میں مر گیا یا مرتد ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا گیا تو اس کے وہ اموال جو اس نے زمانہ اسلام میں کسب کئے تھے اس کے مسلمان وارثوں کو مل جائیں گے۔ اور جو مال اس نے مرتد ہونے کی حالت میں کمایا اس پر مال فنی کے احکام جاری ہوں گے۔ (یعنی اس کا مال بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا اور حسب قواعد مسلمانوں کی ضرورتوں میں خرچ کر دیا جائے گا)۔ یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے۔ اور حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ دونوں قسم کے اموال پر فنی کے احکام جاری ہوں گے۔

اور جیسے ہی کوئی شخص مرتد ہو جائے اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل جائے گی۔ اگر کوئی ایسا شخص مر جائے جس کی اسے میراث پہنچی تھی تو اس کی میراث سے یہ شخص محروم ہوگا۔ مرتد کی نہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی نہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔ اور اس کا ذبیحہ بھی حرام ہوگا۔ ارتد اسے پہلے جو بھی نیک کام نماز، روزہ، حج، عمرہ وغیرہ کیا تھا یہ سب ضائع ہو گیا۔ آخرت میں اس کا کوئی ثواب نہیں ملے گا اور ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ اگر یہ شخص دوبارہ مسلمان ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ سو اس کے بارے میں جان لینا چاہیے کہ آخرت میں دوزخ سے بچ جائے گا اور دنیا میں بھی آئندہ احکام اسلام اس پر جاری ہوں گے اور اسے خود بھی احکام اسلام پر عمل پیرا ہونا لازم ہوگا اور عام مسلمان بھی اس سے مسلمانوں جیسا معاملہ کریں گے۔ رہی یہ بات کہ اس کے گزشتہ اعمال صالحہ کا ثواب پھر سے واپس ملے گا یا نہیں اور جو حج کر لیا تھا اس کی فرضیت دوبارہ عود کرے گی یا نہیں، اس بارے میں حضرات ائمہ کرامؒ کا اختلاف ہے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مرتد ہو جانے کی وجہ سے جو اس کے اعمال ضبط ہو گئے تھے اب دوبارہ مسلمان ہونے سے ان کا ثواب واپس نہ ہوگا اور جو حج کر لیا تھا وہ بھی ختم ہو گیا۔ اب حج فرض دوبارہ ادا کرنا ہوگا۔ مرتد ہونے کی وجہ سے جو بیوی

نکاح سے نکل گئی تھی دوبارہ اسلام قبول کرنے سے پھر یا بھی رضا مندی سے نکاح کریں تو ہو سکتا ہے دوبارہ نکاح نہ کیا تو اس کی بیوی نہ ہو گی۔

لَا اِكْرَافَ فِي الدِّينِ کے عموم میں مرتد شامل نہیں..... یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مرتد دوبارہ اسلام قبول نہ کرنے سے جو قتل کیا جائے گا یہ تو ایک قسم کا جبر ہے حالانکہ سورۃ بقرہ ہی میں دوسری جگہ (ع ۳۴) لَا اِكْرَافَ فِي الدِّينِ فرمایا ہے جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ دین میں زبردستی نہیں ہے درحقیقت یہ سوال وارد ہی نہیں ہوتا کیونکہ لَا اِكْرَافَ فِي الدِّينِ ان کافروں سے متعلق ہے جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا، جب کسی نے ایک مرتبہ اسلام قبول کر لیا اور اس کو حق مان لیا دلائل سے سمجھ لیا اس کی برکات دیکھ لیں تو اب اس کے لئے صرف یہی ہے کہ یا اسلام قبول کرے یا قتل کر دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ۔ (رواہ البخاری ص ۱۰۲۳ ج ۲)

آخر میں یہ جفر مایا اِنَّ الدِّينَ اَمْسُوْا وَهَاجِرُوْا وَجَاهِلُوْا (الایۃ) اس کے بارے میں مفسرین کثیر ص ۲۵۴ ج ۲ لکھتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بن جحشؓ اور ان کے ساتھیوں کا مسئلہ حل ہو گیا اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لائے ہوئے مال کو جو کافروں سے لیا تھا ۱/۵ انکال کر باقی مال انہی پر تقسیم فرمادیا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم اس بات کی امید کریں کہ جو کچھ ہم نے کیا یہ ہمارے لئے جہاد شرعی میں شمار ہو جائے گا اور اس میں ہمیں وہ اجر مل جائے گا جو مجاہد کو ملتا ہے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ شانہ نے واضح طور پر بتا دیا کہ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں یہ لوگ رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اللہ غفور رحیم ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ ان لوگوں کا امید رکھنا بھی صحیح ہے اور ان لوگوں سے جو خطا اجتہادی کے طور پر ایک آدمی قتل ہو گیا تھا وہ بھی اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا۔

فائدہ..... قُلْ قَاتِلْ فِيْهِ كَيْفُوْ (آپ فرمادیجئے کہ شہر حرام میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے) اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ شہر حرام میں قتال کرنا منوع ہے۔ سورۃ براءت کی آیت اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْهِ كِتَابُ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ خُوْمٌ سے بھی خوب واضح طور پر چار مہینوں میں قتال کرنے کی حرمت معلوم ہو رہی ہے۔ ان چار مہینوں میں قتال کی حرمت اب بھی باقی ہے یا نہیں اس بارے میں اختلاف ہے، حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے تھے کہ یہ حکم منسوخ نہیں ہے لہذا شہر حرم میں قتال کرنا جائز نہیں لایہ کہ دشمن قتال کرنے لگے تو اس کے جواب میں قتال کرنا جائز ہوگا، حضرت سلیمان بن یسار اور سعید بن المسیب فرماتے تھے کہ شہر حرم میں قتال کی ممانعت منسوخ ہو گئی اور اب شہر حرم میں قتال کرنا جائز ہے، علامہ ابو بکر بھاسی لکھتے ہیں: وھو قول فقھاء الأمصار (کہ یہی فقہاء امصار کا قول ہے)

پھر لکھتے ہیں کہ پہلا حکم حرمت قتال والا منسوخ ہے۔ آیت کریمہ اَقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوْهُمْ اور دوسری آیت قَاتِلُوا الدِّیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ شہر حرم میں قتال کرنے کی ممانعت کے بعد نازل ہوئی۔ (احکام القرآن ص ۳۲۲ ج ۱)

علامہ قرطبی ص ۳۳ ج ۳ میں لکھتے ہیں کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ شہر حرم میں قتال کرنے کی ممانعت منسوخ ہو چکی ہے اور اب ان میں قتال کرنا مباح ہے، اس کا ناخ کون ہے۔ اس میں اختلاف ہے حضرت زہریؒ نے فرمایا کہ آیت کریمہ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَاقْتَالِہٖ (سورۃ توبہ) نے اسے منسوخ کر دیا اور بعض حضرات کا فرمانا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر حرام میں بنی ثقیف سے جہاد فرمایا تھا اور حضرت ابو عامر اشعری کو شہر حرام میں وادی اوٹاس میں جہاد کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ اھ

بہر حال جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اشہر حرم میں قتال کرنے کی ممانعت منسوخ ہے۔ ائمہ اربعہ کا بھی یہی مذہب ہے اور اگر دشمن جنگ کی ابتداء کر دیں تو اس صورت میں وہ حضرات بھی جنگ کرنے کی اجازت دیتے ہیں جو اس حکم کو منسوخ نہیں مانتے ہیں۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ذُو اِثْمِهِمَا اكْبَرُ مِنْ

وہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے منافع ہیں، اور ان کا گناہ ان کے نفع

نفعہما وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْغَنَاءُ كَذَلِكَ يَبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ اٰلَايَتِ

سے بڑا ہے، اور وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کیا خرچ کریں، آپ فرما دیجئے کہ جو زائد ہو وہ خرچ کر دیں اللہ ایسے ہی بیان فرماتا ہے آیات،

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ۝ فِي الدُّنْيَا وَالْآٰخِرَةِ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ

تاکہ تم فکر کرو۔ دنیا میں اور آخرت میں، اور وہ آپ سے سوال کرتے ہیں یتیموں کے بارے میں، آپ فرما دیجئے کہ اصلاح کرنا ان کے لئے

خَيْرٌ وَّ اِنْ تَخَاطَبُوهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۝ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمَصْلِحِ ۝ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ

بجتر ہے اور اگر ان کا خرچ آپس میں ملا لوقہ وہ تمہارے بھائی ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ تم میں مفسد کون ہے مصلح کون ہے اور اللہ چاہتا تو تم کو مشقت

لَاَعْنَتَكُمْ ۝ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيْمٌ ۝

میں ڈال دیتا، بے شک اللہ غالب ہے حکمت والا ہے۔

شراب اور جوئے کی حرمت

ان آیتوں میں اول تو شراب اور جوئے کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے منافع بھی ہیں پھر یہ فرمایا کہ ان کا گناہ ان کے منافع سے بڑا ہے، اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ کسی چیز کے نفع مند ہونے سے اس کا حلال ہونا ضروری نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز نفع مند ہو اور حرام بھی ہو۔ حرام حرام ہی رہے گا خواہ اس میں کتنا ہی بڑا نفع ہو۔ اور اس کے ارتکاب میں گناہ ہوگا جو دنیا و آخرت میں باعث وبال ہوگا۔ شراب اور جوئے کے بارے میں تفصیلی کلام ان شاء اللہ تعالیٰ ہم سورۃ مائدہ کی آیت: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنۡصَابُ وَالْاَزۡلَامُ (الایۃ) کے ذیل میں لکھیں گے۔ یہاں اتنا سمجھ لیں کہ نشہ لانیوالی ہر چیز کا پینا حرام ہے اور ہر ایک جو احرام ہے جس طرح سے بھی ہو اور جس صورت میں بھی ہو، اس کا جو بھی نام رکھ لیا جائے حرام ہی رہے گا۔

فی سبیل اللہ کیا خرچ کریں؟..... پھر ارشاد فرمایا کہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں یہ سوال چونکہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔ وہاں یہ جواب دیا تھا کہ جو بھی تم مال خرچ کرو اپنے والدین اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرو چونکہ وہاں مصارف بیان کرنے کی اہمیت زیادہ تھی اس لئے وہاں خرچ کے مواقع بتا دیئے اور پھر یہ بتا دیا کہ جو کس کی غیرۃ ہو کہ وہ اللہ کے علم میں ہوگا (اور وہ اس کا ثواب عطا فرمائے گا) اور یہاں الفاظ سابقہ میں جو وہ بارہ سوال مذکور ہے اس میں خصوصیت کے ساتھ اس پر زور ہے کہ کیا خرچ کریں؟ لہذا انہیں اسی سوال کا جواب دے دیا گیا۔

لباب المتقول میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم ہوا تو چند صحابہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم نہیں جانتے کہ ہمارے مالوں میں جو مقرر فرمایا گیا ہے وہ کس قدر ہے ہم اس میں سے کتنا خرچ کریں ان کے سوال کے جواب میں اللہ جل شانہ نے آیت کریمہ وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْغَفْوُ نَازِلٌ فَرَمَانِي اور سوال کرنے والوں کے جواب میں فرمایا کہ جو مال اپنی ضروریات سے زائد ہو وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور ساتھ ہی یہ فرمایا: كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ کہ تم خرچ کرنے میں غور و فکر سے کام لو، آخرت کی ضرورت دیکھو، اور دنیاوی ضروریات کو بھی سمجھو، ایسا نہ ہو کہ خرچ ہی نہ کرو کہ ضروریات سے جس قدر بھی زائد ہو پڑا ہی رہے اور جمع ہی ہوتا رہے اور ایسا بھی نہ ہو کہ سب خرچ کر کے بیٹھ رہو اور فقر و فاقہ میں مبتلا ہو کر کل کو دوسروں سے مانگنے کی نوبت آ جائے نیز جوش سخاوت میں ایسا بھی نہ ہو کہ اہل و عیال جن کے حقوق واجب ہیں ان کا کوئی حق ضائع ہو جائے ضرورت سے زیادہ جو مال جمع ہو جائے اگر اس میں سے فرض زکوٰۃ اور صدقات و نفقات واجبہ ادا ہوتے رہیں تو اس کا جمع کرنا جائز تو ہے لیکن خرچ کر دینا افضل ہے اس میں احوال بھی مختلف ہوتے ہیں، کسی میں زہد غالب ہے اور جتنا زائد ہو سب خرچ کر دیتا ہے اس کی بھی گنجائش ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل کے لئے کچھ نہیں رکھتے تھے۔ اگر کوئی شخص فرائض اور واجبات ادا کرنے کے بعد زائد مال میں سے لہذا فی اللہ کچھ خرچ کر دے اور کچھ رکھ لے تو اس کی بھی گنجائش ہے جیسا کہ حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہت زیادہ خرچ کرتے تھے لیکن ان کے پاس مال جمع بھی رہتا تھا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھا آپ نے نکیر نہیں فرمائی۔

پھر ارشاد فرمایا: وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ کہ وہ لوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں پھر اس سوال کا جواب عنایت فرمایا، جواب سمجھنے سے پہلے آیت کا سبب نزول سمجھ لیا جائے اس سے سوال کا مضمون بھی واضح ہو جائے گا، اور پھر جواب بھی سمجھ میں آ جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

درمنثور ص ۳۵۵ میں بحوالہ سنن ابوداؤد اور مستدرک حاکم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ جب آیت کریمہ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (اور نہ قریب جاؤ یتیم کے مال کے مگر اس طریقہ سے جو احسن ہو) اور آیت کریمہ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا (جو لوگ یتیموں کے مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھرتے ہیں) نازل ہوئی تو وہ صحابہ جن کے پاس کوئی یتیم تھا انہوں نے یتیم کا کھانا پینا الگ کر دیا (یتیم کے لئے الگ پکاتے اور اپنے لئے الگ تیار کرتے) ایسا کرنے سے یتیم کے کھانے میں سے کچھ حصہ بچ جاتا تھا اسے رکھ لیتے تھے پھر بعد میں وہ یتیم کھا لیتا تھا یا خراب ہو جاتا تھا، جب یہ صورت حال پیش آئی تو ان حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پوری کیفیت پیش کی اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (درمنثور ص ۵۵ ج)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ مقصد واصلی اصلاح ہے۔ یتیم بچوں کا مال اس طریقہ پر ان پر خرچ کرو کہ ان کا نقصان بھی نہ ہو اور کوئی خراب نیت بھی نہ ہو کہ اس کا مال ساتھ ملا کر پکانے میں اس کے حصہ میں سے اپنے اوپر یا اپنے بچوں پر خرچ ہو جانے کی نیت ہو ان کا مال اپنے مال میں ملا کر پکانے میں چونکہ مصلحت پیش نظر ہے کہ ان کا مال زیادہ خرچ نہ ہو اور ضائع نہ ہو تو اس میں کوئی مواخذہ اور محاسبہ کی بات نہیں ہے وہ تمہارے بھائی ہیں۔ بھائیوں کی طرح مل جل کر اصلاح و خیر خواہی مد نظر رکھتے ہوئے کھاؤ اور پو، اللہ تعالیٰ شانہ مصلح کو بھی جانتا ہے۔ (جس کی نیت اصلاح کی ہو)، اور مفسد کو بھی جانتا ہے جس کی نیت خراب ہو اور فساد اور بگاڑ کا ارادہ رکھتا ہو۔

نکاح درست نہیں ہے اور اس عموم میں ہر طرح کے کافر داخل ہیں۔ طہذ زندیق دہریے بھی اسی حکم میں آ جاتے ہیں۔ ایسے مردوں اور عورتوں سے کسی مرد مؤمن اور عورت مؤمنہ کا نکاح درست نہیں اگر نکاح کر لیا تو وہ نکاح شرعی نکاح نہ ہوگا اور اس کی بنیاد پر ازواجی تعلقات حرام ہوں گے، البتہ کتابی عورت (یہودیہ، دیانصرانیہ) سے مسلمان مرد کا نکاح درست ہے اور اس کا جواز سورۃ مائدہ کے پہلے رکوع میں بیان فرما دیا ہے، اس کے بعض احکام ہم وہیں بیان کریں گے ان شاء اللہ، یہاں اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ اگرچہ یہودیہ و نصرانیہ عورت سے مسلمان کا نکاح درست ہے لیکن اُن سے بچنا افضل ہے خاص کر اس زمانہ میں جبکہ یہ عورتیں مسلمانوں سے نکاح کرتی ہی اس لئے ہیں کہ مسلمانوں کو اپنے دین پر لے آئیں اور اولاد کو بھی اپنے دین پر ڈال دیں، اور مسلمانوں کی اندرونی خبریں دشمنان اسلام کو پہنچایا کریں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں اس نزاکت کو بھانپ لیا تھا اور اپنے عبد خلافت میں صحابہؓ کو اس سے روکتے تھے۔ (کما فی کتاب الآثار للامام محمد بن الحسن الشیبانی ص ۸۹)

بہت سے ممالک میں جہاں مسلمان مل جل کر رہتے ہیں اور کالجوں اور یونیورسٹیوں میں غیر مذہب اور مسلک کے لڑکے لڑکیاں یکجا ہو کر کلاسوں میں بیٹھتے ہیں وہاں ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں کہ مسلمان لڑکے لڑکیاں مقامی حکومت کے قانون کے مطابق کورٹ میں جا کر نکاح کر لیتے ہیں، اگر لڑکا مسلمان ہو اور لڑکی کتابی ہو تو نکاح معتقدہ جاتا ہے بشرطیکہ ایجاب و قبول گواہوں کے سامنے ہوا ہو اور اگر لڑکی کتابی نہیں ہے۔ ہندو، سکھ، بدھست، آتش پرست ہو تو یہ نکاح ہونے ہی کا نہیں، اور کسی مسلمان عورت کا نکاح کسی بھی کافر سے نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ کافر یہودی و نصرانی ہو۔ بہت سے فرقے ایسے بھی ہیں جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں لیکن وہ اپنے عقائد کی وجہ سے کافر ہیں۔ مثلاً وہ ادگ جو ختم نبوت کے منکر ہیں اور وہ لوگ جو تحریف قرآن کے قائل ہیں اور وہ لوگ جو اپنے امام کے اندر خدائے پاک کا حلول مانتے ہیں یہ سب لوگ بھی کافر ہیں ان سے کسی مسلمان لڑکی کا نکاح نہیں ہو سکتا اور نہ کسی مسلمان مرد کا اس طرح کی کسی عورت سے نکاح ہو سکتا ہے۔

سبب نزول بیان کرتے ہوئے اسباب النزول ص ۶۶ میں لکھا ہے کہ ابو مرثد غنوی صحابیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عناق نامی عورت سے نکاح کرنے کی اجازت چاہی، یہ عورت قریشیہ تھی اور حسن و جمال میں بڑھ کر تھی لیکن وہ مشرک تھی اور ابو مرثد مسلمان تھے، ابو مرثد نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ میرے دل کو بھاتی ہے، اس پر آیت وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُوْمِنُوْا نازل ہوئی اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی ایک سیاہ فام باندی تھی انہوں نے غصہ میں اس کو ایک طمانچہ مار دیا پھر گھبرائے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا واقعہ سنایا، آپؐ نے فرمایا اے عبداللہ! وہ کیسی عورت ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ! وہ روزہ رکھتی ہے، نماز پڑھتی ہے، اور اچھی طرح وضو کرتی ہے اور اللہ کی توحید کی اور آپؐ کی رسالت کی گواہی دیتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اے عبداللہ! وہ مؤمنہ ہے، انہوں نے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں ضرور اس کو آزاد کر دوں گا اور اس سے نکاح کر لوں گا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، اس پر بعض مسلمانوں نے ان پر طعن کیا اور کہا کہ اس نے باندی سے نکاح کر لیا، جو ادگ چاہتے تھے کہ مشرکین سے مناکحت ہوتی رہے (کیونکہ ان لوگوں میں کچھ مال و جمال نظر آتا تھا) ان کی تردید میں اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت وَلَا مَؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ نازل فرمائی۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَأَعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ

۱۰۰۔ آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ یہ عذر ہے، سو تم عورتوں سے حیض کے زمانہ میں، اور ان کے پاس نہ جاؤ یہاں

حَتَّى يَطْهَرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ

تک کہ وہ پاک ہو جائیں، پھر وہ جب پاک ہو جائیں تو ان کے پاس آؤ جس جگہ کہ اللہ نے تم کو حکم دیا ہے۔ بے شک اللہ پسند فرماتا ہے خوب توبہ کرنے والوں کو۔

وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ

اور پسند فرماتا ہے خوب پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو۔

حیض والی عورت سے متعلق احکام

اللہ جل شانہ نے نوع انسانی کو بڑھانے اور باقی رکھنے کے لئے مرد و عورت کے درمیان خاص تعلق رکھا ہے اور شرعی قانون کے مطابق نکاح ہو جانے سے قواعد اور اصول کے مطابق آپس میں ایک دوسرے سے میل ملاپ رکھنے اور قریب تر ہونے کی اجازت دی ہے اور طبعی طور پر مرد و عورت میں شہوت رکھی ہے وہ اس شہوت کے نقائص پر عمل کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اور یہی شہوت اولاد پیدا ہونے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے اولاد پیدا ہونے کے لئے شہوت رکھ دی اور پھر اس کی پرورش کروانے کے لئے محبت رکھ دی، جسے مامتا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اور تکوینی طور پر عورتوں کے لئے یہ تجویز فرمادیا کہ ان کے رحم سے خون جاری ہوا کرے یہ خون عموماً بالغ عورتوں کو ہر مہینہ جاری ہوتا ہے۔ اسے حیض اور حیض کہا جاتا ہے، شریعت مطہرہ میں اس کے بھی احکام ہیں ان میں سے ایک حکم یہ ہے کہ وہ ان ایام میں نہ روزہ رکھیں نہ نماز پڑھیں (اور ایام حیض گزر جانے کے بعد نمازوں کی قضا بھی واجب نہیں، البتہ رمضان میں حیض آیا تو پاک ہونے کے بعد ان روزوں کی قضا رکھنا واجب ہے) زمانہ حیض میں مسجد میں داخل ہونا کعبہ شریف کا طواف کرنا، قرآن شریف پڑھنا، اور قرآن شریف چھونا بھی ممنوع ہے۔ (ہاں اگر ایسے غلاف کے ساتھ چھوئے جو قرآن شریف سے الگ ہو، تا رہتا ہے تو چھو سکتی ہے)۔

جو احکام حیض سے متعلق ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ ان ایام میں عورت کا شوہر اس سے جماع نہ کرے، حیض کے زمانہ میں جماع کرنا حرام ہے۔ جس کو فاعلنزلوا النساء فی المحيض ولا تقربوهن حتی یطهرن میں بیان فرمایا ہے حیض والی عورت کے ساتھ انہما بیٹھنا، کھانا پینا سب جائز ہے، اور ناف سے لے کر گتھن تک کے حصہ کو چھو کر شوہر اس سے بوس و کنار کے ذریعہ استمتاع بھی کر سکتا ہے، بہت سی قوموں میں یہ جو رواج ہے کہ حیض کے زمانہ میں عورت اچھوت بنا کر ذوال وی جاتی ہے، شریعت اسلامیہ میں ایسا نہیں ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ وہ حیض کے زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک سر میں سے کھنکھی کر دیا کرنی تھیں اور انہوں نے یہ بھی بیان فرمایا کہ میرے حیض کے زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری گود میں تکیہ لگا کر قرآن شریف تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ بھی بیان فرمایا کہ میرے حیض کے زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم فرماتے تھے کہ تہبند باندھو پھر میرے ساتھ لیٹ جاتے تھے۔ (صحیح بخاری ص ۴۳۳ ج ۱)

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ زمانہ حیض میں پانی پی کر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو برتن دے

ویتی تھی آپ میرے منہ کی جگہ منہ لگا کر پانی پی لیتے تھے اور میں اپنے دانتوں سے بڑی کا گوشت چبنا کر کھالیتی تھی پھر آپ کو دے دیتی تھی تو آپ میرے منہ کی جگہ منہ لگا کر تناول فرما لیتے تھے۔ (صحیح مسلم ص ۱۴۳ ج ۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ یہودیوں کا یہ طریقہ تھا کہ جب عورت کو حیض آ جاتا تھا تو اس کے ساتھ نہ تو کھاتے پیتے تھے اور نہ گھروں میں ان کے ساتھ رتے سبتے تھے حضرات صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم کیا کریں تو اس پر اللہ جل شانہ نے آیت کریمہ وَيَسْتَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ (آخر تک) نازل فرمائی، آیت نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جماع کرنے کے سوا سب کچھ کر دو (اس میں ساتھ کھانے پینے، رہنے سہنے، اٹھنے بیٹھنے، لینے کی اجازت ہو گئی) یہودیوں کو جو اس بات کی اطلاع ہوئی تو کہنے لگے کہ یہ شخص ہر چیز میں ہماری مخالفت کرنے کا ارادہ کئے ہوئے ہے، ان کی یہ بات سن کر (دو صحابی) انس بن حذیر اور عباد بن بشیر حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہودی ایسا ایسا کہتے ہیں تو کیا ہم ایسا نہ کریں کہ حیض والی عورتوں کے ساتھ رہنا چھوڑ دیں۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ نور و متغیر ہو گیا۔ (ص ۱۴۳ ج ۱)

ان روایات حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرُبُوهُنَّ حَتَّى يَطْفِرْنَ میں جماع کرنے کی ممانعت ہے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کی ممانعت نہیں ہے۔ یہ جو فرمایا: فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ (پس جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس آؤ جس جگہ سے اللہ نے حکم دیا ہے)۔

یعنی عورتوں سے جماع کرنے کے لئے سامنے کے راستہ سے آؤ جو رجم کا راستہ ہے۔ اس میں اس بات کی ممانعت فرمائی کہ کوئی مرد اپنی بیوی سے پیچھے کے راستہ سے شہوت پوری کرے، اس بارے میں جو وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ ان شاء اللہ ابھی بیان ہو گی۔

پھر فرمایا: إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ (کہ بلاشبہ اللہ پسند فرماتا ہے خوب زیادہ توبہ کرنے والوں کو) اس میں باطنی پاکیزگی اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے، یعنی گناہوں سے پاک ہونے کا طریقہ بتایا ہے اور وہ طریقہ یہ ہے کہ اللہ پاک کے حضور میں توبہ کرے، اور گناہوں کے سوا دوسری تمام گندی چیزوں سے بچنے کی تعلیم اور ترغیب کے لئے وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ (اور پسند فرماتا ہے خوب زیادہ پاکیزگی اختیار کونیوالوں کو) فرمایا، اس میں ہر قسم کی ظاہری گندیوں سے بچنے والوں کی مدح فرمائی ہے۔ جسم پاکیزہ میں ناپاکی کا لگا رہنا حالت حیض میں جماع کرنا گندی جگہ پر شہوت پوری کرنا، ان سب چیزوں کی بُرائی اور ممانعت اس میں آ گئی۔

نِسَاءُكُمْ حَرَّتْ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنْتُمْ وَاقِدُوا أَنْفُسَكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا

تمہاری عورتیں تمہاری گھٹی ہیں، موتم اپنی گھٹی میں آ جاؤ جس طرف سے ہو کر چلاؤ اور تم اپنی جانوں کے لئے آگ کے بھیج دو، اور اللہ سے ڈرو، اور جان لو کہ بلاشبہ تم اس

أَنْتُمْ مُلْقَوْنَ ۖ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۱﴾

سے ملاقات کرنے والے ہو اور تم مؤمنین کو خوشخبری سنادو۔

وطی فی الدبر کی حرمت اور یہودی کی ایک بات کی تردید

صحیح بخاری ص ۶۳۹ ج ۲ میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہودی یوں کہتے تھے کہ جو کوئی مرد عورت کی سامنے کی شرمگاہ

میں پیچھے کی جانب سے۔ تمام کرے تو بچہ بچہ پیدا ہوگا۔ ان کے اس خیال کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی، اور فرمایا کہ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ البتہ تم اپنی کھیتی میں آ جاؤ جیسے چاہو۔ اس میں اول تو عورتوں کو کھیتی فرمایا اور مرد عورت کے میل ملاپ کی ضرورت اور فائدہ کو واضح طور پر بیان فرمایا کہ اس کی ضرورت اور شریعت اولاد طلب کرنے کے لئے ہے جیسا کہ سورۃ بقرہ (کے رکوع ۲۲) میں وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ فرمایا ہے۔ نکاح کرنے میں جہاں نفس و نظر کی حفاظت ہے۔ وہاں طلب ولد بھی مطلوب ہے۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایسی عورت سے نکاح کرو جو محبت رکھنے والی ہو اور اس سے اولاد زیادہ پیدا ہونے والی ہو (جس کا اندازہ خاندانی عورتوں کے احوال سے ہو جاتا ہے) کیونکہ میں (قیامت کے دن) تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔ (سنن ابوداؤد ص ۲۸۰ ج ۱)

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اولاد کی پیدائش پر کوئی پابندی لگانا یا اولاد کی کثرت کے خلاف منسوب بنانا شریعت اسلام یہ کے مقتضی اور مزاج کے خلاف ہے۔

پھر یہ فرمایا کہ تم اپنی کھیتوں میں آ جاؤ جس طرف سے ہو کر چاہو آ جاؤ اس میں یہ بتا دیا کہ عورت کے پاس مرد کے آنے کا راستہ صرف ایک ہی ہے، یعنی وہ راستہ جسے اختیار کرنے سے اولاد پیدا ہوتی ہے۔ اس میں اس بات کی بھی ممانعت فرمائی کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے پیچھے کے راستہ سے شہوت پوری کرے کیونکہ وہ راستہ کھیتی کا نہیں ہے بلکہ اس کی گندگی حیض والی گندگی سے زیادہ ہے۔ پہلے تو فرمایا:

فَاتَوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرْنَهُمُ اللَّهُ

پھر فرمایا بَانَ اللَّهُ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُنتَظِرِينَ

پھر فرمایا فَاتَوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرْنَهُمُ اللَّهُ اَتَى شِئْنُكُمْ اس میں ایک ہی سیاق میں تین اسلوب اختیار فرما کر عورت کے پیچھے والے راستہ سے شہوت پوری کرنے کی ممانعت فرمادی بعض اکابر نے فرمایا کہ غالباً صریح الفاظ میں اس کا ذکر نہ فرمانا اس لئے ہے کہ صراحت ایسے خبیث و بدترین فعل کا تذکرہ بصورت نفی یا بصورت نہی بھی گوارہ نہیں فرمایا گیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے کسی حیض والی عورت سے شہوت پوری کی یا کسی عورت کے پیچھے والے راستہ میں شہوت والا کام کیا وہ کسی ایسے شخص کے پاس آیا جو غیب کی خبریں بتاتا ہو تو وہ اس دین کا منکر ہو گیا جو محمد (ﷺ) پر نازل کیا گیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۶)

تفسیر درمنثور ص ۲۶۳ ج ۱ میں بحوالہ ابوداؤد والنسائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس شخص نے کسی مرد یا کسی عورت کے پیچھے والے راستہ میں شہوت کا کام کیا وہ ملعون ہے اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ کوئی شخص اپنی بیوی کے پیچھے والے راستہ میں شہوت کا کام کرے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ایسا کام کافر ہی کر سکتا ہے (درمنثور) معلوم ہوا انعام کرنا اپنی بیوی کے ساتھ بھی حرام ہے، اور اہل کفر کا طریقہ ہے۔ اعاذ اللہ منہ کل مؤمن۔

یہ جو فرمایا فَاتَوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرْنَهُمُ اللَّهُ (کہ تم اپنی کھیتی میں آ جاؤ جیسا چاہو) اس کا مطلب یہ ہے کہ کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے، سامنے سے، پیچھے سے اپنی بیویوں سے لذت حاصل کرو، بشرطیکہ کھیتی کی جگہ پر آؤ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت جو نَسَاءَكُمْ حُرَّتْ لَكُمْ فَاتَوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرْنَهُمُ (آخر تک) نازل ہوئی ہے۔ اس میں اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ عورت سے جو خاص تعلق ہے اس کے لئے آگے سے آؤ یا پیچھے سے

آؤ (دونوں طرح اختیار ہے) اور وہ میں (یعنی پیچھے کے راستہ میں) اور حیض کے زمانہ میں جماع کرنے کی ممانعت فرمادی۔
 حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف (رحمت کی نظر سے) نہیں دیکھے گا جس نے کسی مرد یا عورت کے پیچھے والے راستہ میں شہوت کا کام کیا۔ (رواہ الترمذی)
 پھر فرمایا: **وَقَدْ مُوَا لَانَفْسِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ** (کہ اپنی جانوں کے لئے خیر آگے بھیج دو، اور اللہ سے ڈرو) اس میں ہر خیر کا حکم آ گیا اور ہر شر سے بچنے کی تاکید آ گئی **وَاتَّقُوا اللَّهَ** کے عموم میں تمام گناہوں کے چھوڑنے کا حکم فرما دیا۔ چھوٹے ہوں یا بڑے، پھر تقویٰ حاصل کرنے کا طریقہ بتا دیا، اور فرمایا: **وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلْقَوْنَ** (کہ تم جانو کہ بے شک تم اللہ سے ملاقات کرنے والے ہو) جو شخص یوم القیامہ کی حاضری اور خداوند قدوس کی بارگاہ میں پیشی کا یقین رکھے گا اور بار بار اس کا استحضار کرے گا۔ اُسے ان شاء اللہ تعالیٰ صفت تقویٰ حاصل ہوگی۔
 آخر میں فرمایا: **وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ** (کہ مومن بندوں کو کامیابیوں کی اور نعمتوں کی بشارت دے دیجئے)۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِّإِيمَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ

اور اپنی قسموں کے ذریعہ نیکی کرنے اور تقویٰ اختیار کرنے اور لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے کے لئے اللہ کو آڑ نہ بناؤ اور اللہ

سَمِيعٌ عَلِيمٌ

سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اپنی قسموں کو نیکی اور تقویٰ سے بچنے کا ذریعہ نہ بناؤ

اسباب النزول ص ۲۷ میں ہے کہ یہ آیت شریفہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، ان کے بہنوئی اور بہن کے درمیان کچھ ناراضگی ہو گئی تھی انہوں نے قسم کھائی کہ اس کے پاس کبھی بھی نہیں جائیں گے اور نہ اس سے بات کریں گے اور نہ میاں بیوی کے درمیان صلح کرائیں گے وہ کہتے تھے کہ میں نے تو قسم کھا رکھی ہے۔ اب میں اس کی خلاف ورزی کیسے کروں۔ اس پر اللہ جل شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی۔

تفسیر درمنثور ص ۲۶۸ ج ۱ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بعض مرتبہ کوئی شخص قسم کھا لیتا تھا کہ فلاں نیکی اور تقویٰ کا کام نہیں کروں گا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا۔

اگر کوئی شخص قسم کھائے تو خیر کی قسم کھائے یعنی نیک کام کے ارادہ کو مؤکد کرنے کے لئے قسم کھائی جاسکتی ہے لیکن نیکی نہ کرنے پر قسم کھانا اور گناہ کرنے پر قسم کھانا شرعاً ممنوع ہے بعض لوگ جو قسم کھا لیتے ہیں کہ میں فلاں عزیز کے گھر نہیں جاؤں گا یا فلاں مسلمان بھائی کی دعوت قبول نہیں کروں گا یا جماعت سے نماز نہیں پڑھوں گا یا فلاں گناہ کروں گا۔ ایسے لوگوں کو آیت بالا میں ہدایت دی گئی ہے اور فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کو نیکیوں سے بچنے اور تقویٰ چھوڑنے کا ذریعہ مت بناؤ، قسم کھا بیٹھے اب کہتے ہیں کہ قسم کے خلاف کیسے کریں؟ حالانکہ قسم اس لئے نہیں ہے کہ اس کو خیر سے بچنے کا ذریعہ بنایا جائے، اگر کوئی شخص گناہ کی قسم کھالے تو اس کا توڑنا واجب ہے۔

قطع رحمی کی یا کسی بھی قسم کے گناہ کی قسم کھالے تو اس پر لازم ہے کہ قسم توڑ دے اور اس کے خلاف کر لے، اور قسم کا کفارہ دیدے۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنے چچا کے بیٹے کے پاس جاتا ہوں اس سے کچھ سوال کرتا ہوں سو وہ مجھے نہیں دیتا اور صلہ رحمی نہیں کرتا، پھر اسے حاجت درپیش ہو جاتی ہے تو مجھ سے آکر سوال کرنے لگتا ہے حالانکہ میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ میں اسے کچھ نہ دوں گا اور صلہ رحمی نہیں کروں گا، اس کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں وہ کام کروں جو خیر ہو اور قسم کا کفارہ دیدوں (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۹۷) سورہ نور میں ارشاد فرمایا: وَلَا يَسْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيُغْفِرُوا لَوَلَدِمْ وَأُولَا تَحِبُّونَ إِنَّ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔ اور جو لوگ تم میں بزرگی اور وسعت والے ہیں وہ اہل قرابت کو اور مساکین کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھاتے تھیں اور چاہیے کہ معاف کرویں اور درگزر کریں۔ کیا تم یہ بات نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارا قصور معاف کر دے۔ بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے ایک بھانجے پر خرچ کیا کرتے تھے اس سے ایک ایسی حرکت سرزد ہو گئی جس کی وجہ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بہت ناراضگی ہوئی اور انہوں نے قسم کھائی کہ اب اس پر خرچ نہیں کروں گا، اس پر سورہ نور کی مذکورہ آیت بالا نازل ہوئی۔ حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تو کوئی قسم کھالے پھر تو دیکھے کہ جس چیز پر قسم کھائی ہے دوسری چیز اس سے بہتر ہے (جو اس کے مقابل ہے) تو اس کو بہتر صورت کو اختیار کر لے (اور اس کے اختیار کرنے سے جو قسم ٹوٹ گئی) اس کا کفارہ دے دے۔ (رواہ البخاری و مسلم کما فی المسند؛ ص ۲۹۶)

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ ۚ وَاللَّهُ

اللہ تعالیٰ تمہارا مواخذہ نہیں فرمائے گا تمہاری لغو قسموں کے بارے میں، لیکن مواخذہ اس بات پر فرمائے گا جس کا تمہارے دلوں نے ارادہ کیا اور اللہ

عَفْوٌ رَحِيمٌ ﴿۵۰﴾

غفور رحیم ہے۔

قسموں کی قسموں کا بیان اور ان کے احکام

جو قسم کھائی جائے اس کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ گزشتہ کسی فعل پر جھوٹی قسم کھائی جائے، جو کام نہیں کیا تھا اس کے بارے میں قسم کھالے کہ میں نے کیا، یا جو کام کیا تھا اس کے بارے میں قسم کھالی کہ یہ میں نے نہیں کیا، اس کو یٰمِین غموس کہا جاتا ہے، اس کا بہت بڑا گناہ ہے، صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بڑے گناہ یہ ہیں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، کسی جان کو قتل کرنا اور یٰمِین غموس۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۷)

یہ لفظ غموس سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے کسی چیز کو پوری طرح کسی دوسری چیز میں داخل کر دیا جائے۔ علماء نے لکھا ہے کہ جھوٹی قسم کو یٰمِین غموس اس لئے کہا گیا کہ یہ اولاً گناہ میں پھر دوزخ میں داخل کر دیتی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آئندہ کسی کام کے بارے میں قسم کھائے، مثلاً یوں کہے کہ اللہ کی قسم یہ کام ضرور کروں گا، یا اللہ کی قسم فلاں کام نہیں کروں گا، اس کو یٰمِین منعقدہ کہا جاتا ہے۔ اس کی خلاف ورزی کرنے پر کفارہ واجب ہوتا ہے۔ جو سورۃ مائدہ کے رکوع ۱۲ میں مذکور

ہے کفارہ قسم کی تفصیلات ان شاء اللہ تعالیٰ و جیس بیان ہوں گی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی گزشتہ کام پر قسم کھائی اور یہ سمجھ کر قسم کھائی کہ میں سچ بول رہا ہوں سچی قسم کھا رہا ہوں، حالانکہ حقیقت میں ایسا نہ تھا جیسا اس نے سمجھا تھا اپنے خیال میں اس نے سچی قسم کھائی لیکن اصل واقعہ اس کے خلاف تھا۔ اس قسم کا نام یحیٰم لغو ہے، اس کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس پر مواخذہ نہیں فرمائے گا، یحیٰم لغو کی دوسری تفسیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یوں منقول ہے کہ باتوں باتوں میں قسم کی نیت کے بغیر جو زبان سے لا واللہ اور بلی واللہ نکل جاتا ہے۔ یہ یحیٰم لغو ہے۔ (رواہ البخاری ص ۹۸۶ ج ۲)

یحیٰم لغو میں کیونکہ ارادہ نہیں ہوتا اس لئے اس پر مواخذہ نہیں ہے۔ آیت کے ختم پر فرمایا: وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے جو یحیٰم لغو پر مواخذہ نہیں فرمائے گا۔ اور بُرد بار بھی ہے سزا دینے میں جلدی نہیں فرماتا۔

لِّلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَاءِهِمْ ثَرْبُصٌ اَرْبَعَةٌ اَشْهُرٌ فَاِنْ فَاَوْفَاْنَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۰

جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس جانے کے بارے میں قسم کھا لیتے ہیں، ان کے لئے چار مہینہ کا انتظار ہے پھر اگر رجوع کر لیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے

وَ اِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۱۱

اور اگر وہ طلاق کا پختہ ارادہ کر لیں تو بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کا بیان

جو کوئی شخص یہ قسم کھالے کہ میں اپنی بیوی سے جماع نہیں کروں گا۔ اس کے لئے شریعت میں کچھ احکام ہیں۔ اگر قسم کھا کر یوں کہا کہ اپنی بیوی سے جماع نہیں کروں گا لیکن کوئی مدت مقرر نہیں کی، یا یوں کہا کہ چار ماہ تک اس سے جماع نہیں کروں گا یا چار ماہ سے زیادہ کا ذکر کر دیا (جس میں ہمیشہ کے لئے قسم کھانا بھی شامل ہے) یا چار مہینہ سے کم مدت مقرر کر دی۔ تو ان سب صورتوں میں پہلی تین صورتوں کو ایلاء کہا جاتا ہے۔ ان تینوں صورتوں میں اگر چار مہینے گزر گئے اور اس نے قسم نہیں توڑی یعنی اس مدت میں بیوی سے جماع نہیں کیا تو اس سے ایک بائن طلاق واقع ہو جائے گی۔ جس کا حکم یہ ہے کہ اب بلاء نکاح ثانی کے رجوع نہیں ہو سکتا۔ آپس کی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ اور مذکورہ بالا تینوں صورتوں میں اگر چار ماہ کے اندر اس بیوی سے جماع کر لیا جس سے ایلاء کیا تھا تو قسم ٹوٹ گئی۔ اور اس صورت میں بیوی تو نکاح سے نہیں نکلی لیکن قسم ٹوٹ جانے کی وجہ سے قسم توڑنے کا کفارہ واجب ہوگا جو سورہ مائدہ میں مذکور ہے۔ اب رہ گئی چوتھی صورت جس میں چار مہینہ سے کم کی مدت مقرر کر کے بیوی سے جماع نہ کرنے کی قسم کھائی تھی اس میں اگر مدت مقررہ کے اندر جماع کر لیا تو قسم توڑنے کا کفارہ واجب ہوگا اور بیوی نکاح سے نہیں نکلی گی، اور مدت مقررہ پوری کر لی تو قسم پوری ہوگئی جس کا کوئی کفارہ نہیں اور نکاح بھی اپنی حالت پر باقی رہا۔ قسم کھانے کے بعد رجوع کرنے کو فیسی کہتے ہیں، عربی زبان میں یہ لفظ بھی رجوع کے معنی میں آتا ہے۔

فائدہ اولیٰ..... ایلاء کی صورت میں قسم ایلاء کی وقت تم ہوگا جب چار مہینہ سے اندر جماع نہ کرے، یہ رجوع بالفسخ ہے لیکن اگر کوئی ایسی مجبوری ہو کہ جماع نہیں کر سکتا مثلاً یہ کہ عورت مریض ہے جماع کے قابل نہیں یا کم عمر ہے تو اس صورت میں رجوع بالقول بھی ہو سکتا ہے، وہ یہ کہ مدت ایلاء میں زبان سے کہہ دے فِسْتُ إِلَيْهَا (یعنی میں نے اپنی بیوی کی طرف رجوع کر لیا) لیکن اگر مدت ایلاء کے اندر پھر

جماع پر قاور ہو گیا تو یہ رجوع باللسان باطل ہو جائے گا اور اب لازم ہوگا کہ رجوع بالمعل کرے، یعنی جماع کر لے، اگر جماع نہ کیا اور چار مہینے گزر گئے تو حسب قانون طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔

فائدہ ثانیہ..... اگر یوں قسم کھائی تھی کہ کبھی بھی اس سے جماع نہیں کروں گا اور چار مہینے تک جماع نہیں کیا تو ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور قسم باقی رہے گی، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر پھر اس سے نکاح کر لیا تو قسم باقی رہنے کی وجہ سے ایلاء کا حکم نافذ ہوگا۔ اگر اس دوسرے نکاح کے بعد چار مہینے کے اندر جماع کر لیا تو قسم نوٹ گئی، جس کا کفارہ واجب ہوگا اور بیوی پر طلاق واقع نہ ہوگی، لیکن اگر نکاح ثانی کی ابتداء سے لے کر چار ماہ پورے ہو جانے تک جماع نہ کیا تو پھر طلاق بائن واقع ہو جائے گی پھر اگر تیسرے نکاح کے بعد سے لے کر چار ماہ گزر جانے تک جماع نہیں کیا تو تیسری طلاق واقع ہو جائے گی اور اس مدت کے اندر جماع کر لیا تو طلاق واقع نہ ہوگی لیکن قسم ٹوٹ جائے گی اس کا کفارہ دینا ہوگا۔ (من البدایہ)

فائدہ ثالثہ..... یہ چار ماہ جن کا بار بار ذکر ہوا چاند کے حساب سے معتبر ہوں گے۔ اس میں شمسی مہینوں کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اسباب النزول ص ۲۷ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اہل جاہلیت کا ایلاء سال دو سال اور اس سے زیادہ بھی جاری رہتا تھا۔ اللہ جل شانہ نے چار مہینے کی میعاد مقرر فرمادی، لہذا چار مہینے سے کم پر جو قسم کھائے گا تو وہ ایلاء نہ ہوگا (اگرچہ خلاف ورزی کرنے پر قسم کا کفارہ دینا لازم ہوگا) اور چار ماہ یا اس سے زیادہ کی قسم کھانے پر چار مہینے تک فسخ نہ کرے گا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ (مطلق قسم چونکہ چار ماہ کو بھی شامل ہے اس لئے وہ بھی ایلاء ہوگی)۔

حضرت سعید بن المسیب نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں نے عورتوں کو تکلیف پہنچانے کے لئے ایلاء کا طریقہ اختیار کر رکھا تھا، جو شخص اپنی بیوی کو نہیں چاہتا تھا اور ساتھ یہ بھی پسند نہیں کرتا تھا کہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے تو یہ قسم کھا لیتا تھا کہ کبھی بھی اس کے پاس نہیں جائے گا پھر اس کو اسی حال پر چھوڑے رکھتا تھا اور عورت کی زندگی اس طرح گزرتی تھی کہ نہ شوہر دالی ہے اور نہ بے شوہر والی ہے۔ اللہ جل شانہ نے ایلاء کی ایک مدت مقرر فرمادی۔ اور آیت شریفہ لِّلَّذِينَ يُؤْتُونَ مِن نِّسَابِهِمْ (آ خربک) نازل فرمادی۔ (معالم التنزیل ص ۲۰۲ ج ۱)

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ۚ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي

اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنی جانوں کو روکے رکھیں تین حیض آنے تک۔ اور ان کے لئے یہ بات حلال نہیں کہ جو کچھ اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا فرمایا

أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا

ہے اسے پہچانیں اگر وہ ایمان رکھیں اللہ پر اور یوم آخرت پر، اور ان کے شوہر ان کے لوٹانے کے زیادہ حقدار ہیں اس مدت کے اندر اگر

إِصْلَاحًا ۚ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۚ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

اصلاح کا ارادہ کریں، اور عورتوں کیلئے اس جیسا حق ہے جو ان کے پرہیزگار مردوں کو اپنے مقابلہ میں درجہ پہنچا دے اور اللہ بڑا درست ہے حکمت والا ہے۔

مطلقہ عورتوں کی عدت کا بیان

مرد عورت آپس میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں، اس حاجت کے انتظام کے لئے اللہ تعالیٰ نے نکاح کا قانون مشروع فرمایا ہے اور

نکاح اس لئے ہے کہ دونوں اطمینان اور سکون کے ساتھ اچھی زندگی گزاریں اور مل جل کر حسن سلوک کے ساتھ رہیں اور زندگی بھر نبا بنے کی کوشش کریں، آپس میں کوئی ناگوار بات ہو جائے تو اس سے درگزر کرتے رہیں، لیکن کبھی ایسے حالات بن جاتے ہیں کہ ساتھ رہنا دشوار ہو جاتا ہے۔ ایک طرف سے یا دونوں طرف سے طبیعت کا جو نہیں کھاتا اور باہمی میل جول کی خوبصورتی کے ساتھ کوئی صورت نہیں بنتی تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے طلاق اور خلع کا قانون شروع فرمادیا۔ بہت سی قوموں میں نکاح تو ہے لیکن طلاق نہیں ہے۔ یہ لوگ پہلے اسلام پر اعتراض کیا کرتے تھے لیکن جب حالات نے مجبور کیا تو خود طلاق کا قانون بنا کر اپنے دین میں داخل کر رہے ہیں چونکہ ان کا دین اپنا ہی بنایا ہوا ہے اس لئے اس میں کمی بیشی بھی کرتے رہتے ہیں۔

ہر چند کہ اسلام میں میاں بیوی کا آپس میں نباہ بہت زیادہ محبوب و مرغوب ہے لیکن اس قدر مجبور بھی نہیں کیا کہ باہمی ساتھ رہنے میں اچھے طریقہ پر زندگی نہ گزار سکیں تو خواہ مخواہ بدلی کے ساتھ نباجتے رہیں اور ایک دوسرے کے لئے سوہان روح بنا رہے۔

اسلام میں جو طلاق کا قانون ہے اس کے کچھ احکام بھی ہیں۔ ان احکام میں ایک یہ بھی ہے کہ عورت طلاق کے بعد کچھ ایسی مدت گزارے گی۔ جس میں کسی دوسرے مرد سے نکاح نہیں کر سکے گی۔ اس مدت کے گزرنے کو عدت کہتے ہیں، عدت لغت میں شمار کرنے کے معنی میں آتا ہے، چونکہ عورت کو یہ مدت گزارنے کے لئے مبینہ حیض شمار کرنے پڑتے ہیں اس لئے اس کو عدت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، عدت کے بعض احکام یہاں آیت بالا میں مذکور ہیں اور بعض احکام سورہ طلاق کے پہلے رکوع میں ذکر فرمائے ہیں۔ جس عورت کو اس کا شوہر طلاق دے دے تو دیکھا جائے گا کہ اس کو حمل ہے یا نہیں، اگر اس کو حمل ہے تو اس کی عدت وضع حمل یعنی ولادت ہو جانے پر ختم ہو جائے گی، سورۃ الطلاق میں فرمایا ہے:

وَأُولَٰئِكَ الْأَحْصَالُ أَجْلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (اور حمل والی عورتوں کی اجل یعنی ختم عدت یہ ہے کہ وضع حمل ہو جائے)
اور مطلقہ اگر حمل والی عورت نہیں نابالغ ہے یا بالغ تو ہے لیکن اسے اب تک حیض آیا ہی نہیں یا وہ کبھی حیض والی تھی اور وہی ہو چکی ہے اور حیض آنے سے ناامید ہو چکی ہے تو ان تینوں قسم کی عورتوں کی عدت طلاق یہ ہے کہ تین ماہ گزار دیں، اس کو سورہ طلاق میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

وَالَّذِي يَنْبَغِي مِنَ الْمَحْضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنْ أَرْبَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَالَّذِي لَمْ يَحْضَنْ (اور جو عورتیں حیض آنے سے ناامید ہو چکی ہیں تمہاری عورتوں میں سے اگر تم شک میں پڑو تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور جن کو حیض نہیں آیا ان کی عدت بھی یہی ہے)

اب ان عورتوں کا حکم جاننا چاہیے جو حمل والی نہیں ہیں ان کو حیض آتا ہے ایسی عورتوں کو طلاق ہو جائے تو ان کی عدت یہ ہے کہ طلاق کے بعد تین حیض گزاریں، جب شرعی اصول کے مطابق تین حیض گزر جائیں گے تو عدت پوری ہو جائے گی۔ خواہ کتنے ہی مہینے میں تین حیض آئیں، آیت بالا میں انہیں عورتوں کی عدت بیان فرمائی ہے جن کو حیض آتا ہے۔ زمانہ حیض میں طلاق دینا ممنوع ہے۔ جب کسی شخص نے طہر میں یعنی ایسے زمانہ میں طلاق دی جو پاک کا زمانہ ہے حیض کا زمانہ نہیں تو یہ عورت ایک حیض گزارے پھر ایک طہر گزارے پھر ایک حیض گزارے پھر ایک طہر گزارے جب تیسرا حیض ختم ہو جائے تو عدت تمام ہو جائے گی۔ ابھی بیان کیا گیا کہ جس عورت کو حمل ہے وہ اس کی عدت وضع حمل تک ہے۔ حمل اور حیض یہ دونوں ایسی چیزیں ہیں جن کا تعلق خود عورت کی ذات سے ہے وہ جانتی ہے کہ مجھے حیض ہے یا حمل ہے۔ یا دونوں میں سے کچھ بھی نہیں، اب یہاں عورت کی دیانت پر مسئلہ موقوف ہو جاتا ہے۔ عورت سمجھتی ہے

کہ وضع حمل میں تو کئی مہینے لگیں گے لہذا یوں بیان کر دوں کہ مجھے حمل نہیں ہے اور حیض والی بھی نہیں ہوں۔ اس طرح عدت مہینوں پر آجائے گی اور تین ماہ گزر جانے پر میرے بارے میں عدت گزر جانے کا فیصلہ کر دیا جائے گا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض مہینوں میں طہر کا زمانہ لمبا ہو گیا کئی ماہ سے حیض نہیں آ رہا لیکن عدت کا فیصلہ جلد ہو جانے کی وجہ سے دو تین ماہ میں کہہ دیتی ہیں کہ مجھے تین حیض آچکے ہیں حالانکہ ابھی تین حیض نہیں آئے اس طرح کی غلط بیانی کرنا حرام ہے، اس بات کو ان الفاظ میں بیان فرمایا: وَلَا يَجْعَلُ الْغَيْثُ أَنَّ يَكُفِّرَنَّ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِيهِ أَزْوَاجَهُمْ إِن كُنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (اور ان کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ جو کچھ اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا فرمایا ہے اسے چھپائیں اگر اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہیں)۔

جب کوئی شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور آخرت کے دن کی پیشی کا اعتقاد رکھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ کوئی نہیں جانتا تو اللہ جانتا ہے ایسا شخص امانت و دیانت کی صفت سے متصف ہو جاتا ہے پھر وہ جھوٹ نہیں بول سکتا اور غلط بیانی نہیں کر سکتا۔

پھر فرمایا: يُؤْمِنُوا لَهُمْ أَحَقُّ بِرَدِّهِمْ فِي ذَٰلِكَ إِنِ أَزْوَاجُ آبِصَابٍ (اور ان کے شوہران کے اہل خانہ کے زیادہ حقدار ہیں۔ اس مدت کے اندر اگر وہ اصلاح کا ارادہ کریں)۔

اس میں طلاق رجعی سے متعلق ایک مسئلہ بیان فرمایا ہے جب کوئی شخص اپنی بیوی کو صاف صریح لفظوں میں ایک یا دو طلاق دے دے تو یہ طلاق رجعی ہوتی ہے جس کا حکم یہ ہے کہ عدت کے اندر اگر نکاح ثانی کے بغیر شوہر رجوع کر سکتا ہے۔ اگر عدت گزر جائے تو یہ طلاق رجعی بائن ہو جاتی ہے جس کے بعد رجوع کا حق نہیں رہتا۔

یہ اس صورت میں ہے جب کہ نکاح کے بعد جماع بھی ہوا ہو، اگر نکاح ہوا ہو اور اس کے بعد جماع نہ ہوا اور طلاق دے دے تو یہ طلاق رجعی نہیں بلکہ طلاق بائن ہوگی۔ طلاق رجعی جس کے بعد شوہر کو رجوع کا حق ہے اس طلاق کے بعد عدت کے اندر شوہر رجوع کرنا چاہے تو عورت کے رشتہ دار یا کوئی بھی شخص بلکہ خود عورت بھی اس کو نہ مانے اور کوئی شخص ایسی صورت حال پیدا نہ کر دے جس سے کہ وہ رجوع کے ارادے کو موقوف کر دے، بلکہ جوڑ لگانے کی اور تعلق استوار ہو جانے کی کوشش کرنی چاہئے، شوہر اگر رجوع کر لے تو عورت اور عورت کے رشتہ داروں کی مرضی کے بغیر رجوع تو ہو ہی جائے گا۔ لیکن سب کی خوشی اور رضامندی سے ہوا و آپس کے تعاون کے ساتھ، تو زیادہ مستحسن اور مبارک ہوگا۔

جس طرح عورت اور اس کے رشتہ داروں کو چاہیے کہ رجوع کی فضا بن جائے تو اس میں آڑے نہ آئیں اور ایسی باتیں نہ کریں جن سے شوہر کا دل کھٹا ہو جائے۔ اسی طرح سے شوہر کو بھی لازم ہے کہ اصلاح کی نیت سے رجوع کرے، اس کو ان آبِصَابٍ میں بیان فرمایا ہے۔

شوہر اگر یہ سمجھتا ہے کہ آئندہ میں خوش اسلوبی، اور حسن معاشرت اور حسن اخلاق کے ساتھ نباہ کر سکوں گا تو رجوع کر لے ضرور دینے کا ارادہ نہ کرے۔ بہت سے لوگ جہالت کی وجہ سے اور نفس کی بھڑاس نکالنے کے لئے رجوع کر لیتے ہیں اور پھر حسن سلوک سے پیش نہیں آتے بلکہ صاف کہہ دیتے ہیں تو یوں ہی پڑی رہے گی۔ نہ تیرا حق ادا کروں گا نہ نکاح سے خارج کروں گا اور بہت سے لوگ رجوع کر کے پھر طلاق دیتے ہیں جس سے عدت لمبی ہوتی جاتی ہے، یہ بھی ضرور پہچاننے کا ایک پہلو ہے، یہ سب طریقے غیر اسلامی ہیں۔ اصلاح مقصود ہو تو رجوع کرے ورنہ عدت گزرنے دے، عدت گزرتے ہی رجعی طلاق بائن ہو جائے گی، پھر وہ جہاں چاہے اپنی مرضی سے مناسب جگہ نکاح کر لے گی، جب نباہ کرنا نہیں ہے تو رجوع کر کے تکلیف دینا سمجھداری اور دینداری کی بات نہیں ہے بلکہ ظلم ہے۔

اسلام میں عورت کی حیثیت..... پھر فرمایا: وَلِلّٰهِ مِثْلَ الَّذِیْ عَلَیْہِمْ بِالْمَعْرُوفِ (اور عورتوں کے لئے اس جیسا حق ہے جو ان کے اوپر ہے اچھے طریقہ پر) اس میں یہ بتایا ہے کہ صرف یہی بات نہیں ہے کہ مردوں ہی کے حقوق عورتوں پر ہیں بلکہ جس طرح مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں اسی طرح مردوں پر بھی عورتوں کے حقوق ہیں۔ عورت کو خدمت گزار سمجھنا اور اس کے حقوق اور حاجات کا دھیان نہ رکھنا، شریعت اسلامیہ کے سراسر خلاف ہے۔

زمانہ اسلام سے پہلے دنیا کی اقوام میں عورت کی بہت بری گت بنائی جاتی تھی اب باوجودیکہ زمانہ کافی آگے بڑھ چکا ہے۔ پھر بھی اسلام کے علاوہ کسی دین یا قانون میں عورت کو وہ مقام حاصل نہیں جو شریعت اسلامیہ نے اس کو دیا ہے۔ ہندوستان کے مشرکین میں تو یہ دستور تھا کہ مرد مر جاتا تھا تو عورت کو اس کے ساتھ زندہ جلنا پڑتا تھا اور عورتوں کا میراث میں کسی بھی مذہب اور قانون میں حصہ نہیں ہے۔ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ عورت کی حیثیت ایک استعمالی چیز سے زیادہ نہ تھی، عورت مردوں کی ملکیت تصور کی جاتی تھی، عورت کسی چیز کی مالک نہ تھی، جب اس کا شوہر مر جاتا تھا تو شوہر کے خاندان والے ہی اس پر قابض ہو جاتے تھے اور اس کی اجازت کے بغیر جہاں چاہتے جبراً نکاح کر دیتے تھے بلکہ شوہر کی اولاد ہی اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کر لیتی تھی، عرب کے جاہل لڑکیوں کو زندہ ورگور بھی کر دیتے تھے اور پیدا ہوتے ہی قتل کر دیتے تھے۔ اسلام نے عورت کو اس کا صحیح مقام، عطا فرمایا جو اس کی شان کے لائق ہے۔ ایسا بھی نہیں کہ اس کو عورت پنپنے سے نکال کر مردوں کی صف میں کھڑا کر دیا ہو، اور ایسا بھی نہیں کہ وہ محض ایک استعمال کی چیز بن کر رہ جائے نہ اس کا کوئی حق تسلیم کیا جائے اور نہ اس کی کوئی حیثیت مانی جائے۔

اسلام میں عورت گھر کی ملکہ ہے اپنی اولاد کی محترم والدہ ہے اپنے شوہر کی جیتی بیوی ہے باپ، ماں، شوہر اور اولاد کی مال کی حسب توانی و ارث ہے اور اپنے مال میں تصرف کرنے کا اسے پورا اختیار ہے جس میں شوہر کو ممانعت کا کوئی حق نہیں ہے بشرطیکہ خلاف شرع کاموں میں خرچ نہ کرے۔ عورت کا ایک طرف میراث میں حصہ ہے دوسری طرف شوہروں پر مہر لازم ہوتا ہے، اور یہ مہر عورتوں کی مرضی سے مقرر ہوتا ہے۔ کئی بیشی کرنا ان کا اپنا حق ہے، وہ چاہیں اپنی مرضی سے معاف کریں اور چاہیں تو پورا وصول کریں۔ اسلام نے صلہ رحمی کی بھی تعلیم دی ہے ایک عورت کسی کی والدہ ہے کسی کی بہن ہے۔ کسی کی خالہ ہے کسی کی پھوپھی ہے۔ صلہ رحمی کے اصول پر سب کو اس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ شوہر بھی حسن معاشرت سے پیش آئے۔ نان نفقہ کا خیال کرے اور اس کی حاجات پوری کرے۔ اولاد بھی اکرام و احترام سے پیش آئے۔ اس طرح عورت کی برتری ظاہر ہوگی اور معاشرہ میں اس کا مرتبہ اونچا ہوگا۔ اور عزت و اکرام کے ساتھ اس کی زندگی گزرے گی۔

یورپین اقوام میں عورت کی بے آبروئی..... یورپین اقوام نے عورت کو بالکل ہی بے آبرو کر کے چھوڑ دیا ہے، ان کے یہاں عورت مرد کی نفسانی خواہش پوری کرنے کا محض ایک آلہ ہے۔ ان کے معاشرہ میں اس سے زیادہ عورت کی کوئی حیثیت نہیں۔ میراث میں اسے کوئی حصہ نہیں ملتا۔ مہر کا بھی کوئی معاملہ نہیں، بلکہ سرے سے نکاح ہی کو ان کے یہاں عیب سمجھا جاتا ہے۔ دوستانہ طریقہ پر برسوں زندگی گزارتے ہیں اور نفسانی خواہشات پوری کرتے ہیں۔ بعد میں کبھی رخصی نکاح بھی کر لیتے ہیں۔ اس لئے ان میں اولاد بھی ثابت النسب نہیں ہے۔ اولاد کی ولدیت میں ماؤں کے نام لکھے جاتے ہیں اور عورتوں کے اخراجات کی ذمہ داری عموماً چونکہ کسی پر نہیں ہے اس لئے انہیں اپنی آبرو کھو کر ملازمتیں کرنی پڑتی ہیں راہ گیر کے جوتوں پر پالش کرتی ہیں۔ دوکانوں میں مال فروخت کرنے پر ملازمت کرتی ہیں۔ ننگا لباس پہن کر شور و موموں کے پاس کھڑی رہتی ہیں تاکہ گاہک متوجہ ہو اور آنے والوں کا نفس ان کی طرف مائل ہو جس سے زیادہ خریداری ہو سکے۔

اس آزادی نسواں کو دیکھ کر بہت سے نام نہاد مسلمان بھی اپنی عورتوں کو یورپین اقوام کی عورتوں کی طرح دیکھنا چاہتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ عورتیں بازاروں میں کاروبار کریں۔ بے پردہ ہو کر رہیں، عورت ناقص العقل تو ہیں ہی وہ سمجھتی ہیں کہ ہمیں حق دلائے جا رہے ہیں اور بے پردہ گھومنے اور رنگ لباس پہننے اور دوست تلاش کرنے کی آزادی کو اپنے لئے بُنر اور فخر کی بات سمجھتی ہیں۔ انہوں نے کہ وہ درحاضر میں عورت کو یہ گوارا نہیں کہ گھر کی مالکہ بن کر گھر میں بیٹھے، گھر کے سب لوگ اس کا احترام و اکرام کریں اسے شوہر سے بھی مال ملے، میراث میں بھی حصے ملیں اور نفس و نظر کا تعلق صرف شوہر سے رہے۔ اور اپنے مال میں جیسے چاہے تصرف کرے، وہ شیطانوں اور ملعونوں اور ملحدوں اور زندیقوں سے متاثر ہو کر گھر سے باہر نکلے اور خود کا خرچ اٹھانے پر اپنے حقوق کی ادائیگی سمجھتی ہیں۔

یورپ کے رواجی طریقوں میں جب عورت کا کسی پر کوئی حق ہی نہیں ہے تو کوئی شخص ان کا کیا حق ادا کرے گا؟ اور حقیقت عورت کی یہ کوئی زندگی نہیں ہے جو مذہب اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب اور قوانین میں ہے۔ دنیا میں ایسے ممالک بھی ہیں جہاں زنا کی کثرت ہے جو بچے پیدا دیتے ہیں حکومت ان کی پرورش کرتی ہے۔ نہ کوئی ماں ہے نہ باپ نہ چچا ہے نہ ماموں نہ خالہ نہ پھوپھی نہ سہیلی ہے نہ نکاح ہے نہ مہر ہے۔ اس سے زیادہ انسانیت کی مٹی اور کیا پلید ہو گی، ان لوگوں کی ناگہمی کی کہاں تک داد دی جائے جو انسانیت و نسوانیت کا خون کر رہے ہیں اور غوثی ان کا یہ ہے کہ وہ حقوق انسانی کے محافظ ہیں اور عورتوں کو ان کے حقوق دلا رہے ہیں۔

مردوں کو عورتوں پر فوقیت ہے..... پھر فرمایا: وَلِلرِّجَالِ عَلَى النِّسَاءِ غَلْبَةٌ ذَرَجَةٌ (اور مردوں کو ان پر فضیلت ہے)۔ اس میں یہ بتایا کہ اگرچہ میاں بیوی کے آپس میں ایک دوسرے پر حق ہیں (اور ہر ایک دوسرے کا حق ادا کرے) لیکن مردوں کو عورتوں پر ایک طرح کی برتری اور فضیلت حاصل ہے۔ سورۃ نسا میں فرمایا: الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ۔ (مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں)

اللہ تعالیٰ نے مردوں کے ذمہ عورتوں کا خرچہ مقرر فرمایا ہے اور مردوں کو ان پر فضیلت دی ہے اور وہ ان پر حکمران ہیں۔ امیر خانہ داری میں اور دینی پابندی کرانے میں اور عورت کو اس کے ماں باپ کے میاں آنے جانے میں اور بہت سے امور میں مرد کے حکموں کی فرمانبرداری کرنا لازم ہے اس کے بغیر گھر کا نظام ٹھیک نہیں بیٹھتا، اگر مرد کی برتری عورتوں پر بالکل ہی نہ رہے تو شریعت اسلامیہ کے مطابق زندگی کا نظام نہیں چل سکتا، البتہ مردوں کے لئے بھی اس کی اجازت نہیں ہے کہ سردار بن گئے تو ظلم کیا کریں اور اس کے حقوق ادا نہ کریں اور اس کا مال برباد کر دیں۔ عورت یہ سمجھ کر چلے کہ یہ میرا سردار ہے اور مرد یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے میری ضروریات پورا کرنے کے لئے یہ نعمت مجھے عطا فرمائی ہے مجھے خیر و خوبی کے ساتھ نباہنا چاہیے۔ ایسا کریں گے تو ماں باپ اور اولاد سب کی زندگی ان شاء اللہ تعالیٰ عمدہ طریقہ پر گزرے گی۔ سورۃ النساء میں فرمایا: وَعَايِشُوا حَتَّىٰ بِالسَّعْيِ وَهُنَّ بِالسَّعْيِ وَفٍ (کہ خوش اسلوبی کے ساتھ عورتوں کے ساتھ زندگی گزارو) اس میں ہر طرح کی خیر و خوبی و ہمدردی اور حقوق کی ادائیگی اور مراعات کا حکم فرمایا۔

مردوں کو چونکہ سرداری اور بڑائی دی گئی ہے اس لئے وہ اپنے مقام اور مرتبہ کا خیال کریں اور عورتوں کی اغزشوں اور کوتاہیوں پر صبر کریں اور برداشت کریں، اگر برداشت نہ کیا تو بڑائی ہی کیا رہی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن مرد کسی مؤمن عورت سے (یعنی ایمان والی بیوی) سے بغض نہ رکھے۔ اگر اس کی ایک بات ناپسند ہوگی تو دوسری بات پسند آ جائے گی۔ (مسلم ص ۷۵ ج ۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے سب سے بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لئے تم سب میں بہتر ہوں۔ (رواہ ابن ماجہ ص ۱۳۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سب سے زیادہ کامل ایمان والوں میں وہ لوگ بھی ہیں جن کے اخلاق سب سے اچھے ہیں اور جو اپنے گھر والوں کے لئے سب سے زیادہ مہربان ہیں۔ (مشکوۃ المصابیح ج ۲ ص ۲۸۴)

آخر میں فرمایا: **وَاللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ حَبِيبٌ** (اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے) اس میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی اگر کسی نے کی تو وہ یہ نہ سمجھے کہ میرا کوئی مواخذہ نہیں۔ اللہ نے احکام بھیجے ہیں اور اٹل پیرا ہونے کا حکم فرمایا ہے۔ جو خلاف ورزی رے گا اس کی گرفت ہونے لگے تو بچ نہیں سکتا۔ کیونکہ حکم دینے والا عزیز اور غالب ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اس نے جو احکام دیئے ہیں وہ سب حکمتوں پر مبنی ہیں ان میں بندوں کی رعایتیں ملحوظ ہیں بندوں کے لئے اس نظام سے بہتر کوئی نظام نہیں جو ان کے خالق نے ان کے لئے حکمت کے مطابق تجویز فرمایا ہے۔

الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ ۖ فَاِمْسَاكِ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِیْجٍ بِاِحْسَانٍ ۚ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّا

طلاق دومرتبہ ہے پھر روک لینا ہے بھلائی کے ساتھ، یا چھوڑ دینا ہے اچھے طریقہ پر، اور تمہارے لئے یہ حلال نہیں ہے تم کچھ بھی لے لو اس مال میں سے

اَتَيْتُمْهُنَّ شَيْئًا اِلَّا اَنْ يَخَافَا اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ

جو تم نے ان کو دیا ہے۔ مگر اس صبرت میں کہ میاں بیوی اس بات سے ڈرتے ہیں کہ حدود اللہ قائم نہ رکھیں گے، سو اگر تم از رو اس بات سے کہ دونوں اللہ کے حدود

اللّٰهِ ۚ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۚ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ

تھا نہ رکھیں گے تو کوئی گناہ نہیں ان دونوں پر اس بارے میں کہ عورت اپنی جان کا بدلہ دیدے، یہ اللہ کے حدود ہیں، سو ان سے آگے مت بڑھو، اور جو کوئی شخص

يَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ ۝۱۰۰ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِ حَتّٰی تَنْكِحَ

اللہ کے حدود سے آگے بڑھ جائے تو ایسے لوگ ظالم کرنے والے ہیں۔ پھر اگر اس کو طلاق دیدی تو اس کیلئے اسکے بعد حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ اس شوہر کے بعد کسی دوسرے

زَوْجًا غَيْرَهٗ ۚ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يَتَرَاجَعَا اِنْ ظَنَّا اَنْ يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۚ

شوہر سے نکاح نہ کرے۔ سو اگر اس نے طلاق دیدی تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ پھر آپس میں رجوع ہو جائیں۔ اگر دونوں کو اس بات کا گمان ہو کہ اللہ کے حدود قائم رکھیں گے

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ ۝۱۰۱

اور یہ اللہ کی حدود ہیں وہ انہیں بیان فرماتا ہے ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں۔

طلاق اور خلع کے چند احکام

ان دونوں آیتوں میں طلاق کے متعدد مسائل اور متعدد تنبیہات مذکور ہیں جو زن و شوہر سے متعلق ہیں، طلاق رجعی، طلاق بائن، طلاق مغلظہ اور خلع کے مسائل اجمالی طور پر بیان فرمائے ہیں۔

اگر کوئی شخص طلاق دینے کی ضرورت محسوس کرے تو احسن طریقہ یہ ہے کہ کسی ایسے طہر میں (یعنی پاکی کے زمانے میں) ایک طلاق

دے دے جس میں جماع نہ کیا ہو پھر عورت کو اپنی حالت پر چھوڑ دے، قانون شرعی کے مطابق یہ طلاق رجعی ہوگی (بشرطیکہ عورت سے نکاح کرنے کے بعد جماع بھی کر چکا ہو، اگر صرف نکاح ہوا تھا تو یہ طلاق بائن ہوگی) جب پاکی کے زمانہ میں طلاق رجعی دے دی اور عورت کو اپنے حال پر چھوڑ دیا حتیٰ کہ عدت گزر گئی (جس کی تفصیل پہلے رکوع میں گزر چکی ہے) تو یہی رجعی طلاق بائن طلاق ہو جائے گی۔ عدت سے پہلے پہلے رجوع کرنے کا حق تھا۔ جب طلاق بائن بن گئی تو اب رجوع کا حق ختم ہو گیا۔ اگر عدت کے اندر ایک طلاق اور دیدی تو یہ بھی طلاق رجعی ہوگی اور اس کے بعد بھی عدت ختم ہونے تک رجوع کا اختیار رہے گا۔ عدت ختم ہو جانے پر دونوں طلاقیں بائن ہو جائیں گی اور رجوع کا حق ختم ہو جائے گا۔

طلاق بائن کے بعد آپس کی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ شوہر نے عدت کے اندر تیسری طلاق بھی دیدی تو اب یہ طلاق مغالطہ ہوگی جس کا حکم یہ ہے کہ اب آپس کی رضامندی سے بھی دونوں کا آپس میں نکاح نہیں ہو سکتا۔ اب دوبارہ آپس میں نکاح ہونے کی یہی ایک صورت ہے کہ کسی دوسرے مرد سے اس عورت کا نکاح ہو پھر وہ مرد اس سے جماع کرے پھر طلاق دے یا وفات پا جائے اور پھر اس کی عدت گزر جائے اگر وہ سراسر شوہر جماع کے بغیر طلاق دیدے تو پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی جس کی تصریح حدیث شریف میں موجود ہے۔ اور یہ طے کر کے کسی سے نکاح کر دینا کہ تو جماع کر کے طلاق دیدینا مکروہ تحریمی ہے اس پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے۔ عن علی قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: المحلل والمحلل لہ (دواہ ابن ماجہ ورواہ الحاکم فی المستدرک ص ۱۹۹ ج ۲ و صحیحہ وقرہ الذہبی) (حضرت عائشہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال کرنے والے اور جس کیلئے حلال کیا جائے دونوں پر لعنت فرمائی ہے)

اللہ جل شانہ نے بندوں کی مصلحتوں کی کس قدر رعایت رکھی ہے اہل تو حلال چیزوں میں طلاق کو مباح ترین چیز قرار دیا (کما قال البیہقی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابغض الحلال الی اللہ عز وجل الطلاق)۔ (دواہ ابو داؤد ص ۲۹۶ ج ۲) پھر حالت حیض میں طلاق دینے سے منع فرمایا کیونکہ یہ بے رغبتی کا زمانہ ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی تھی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ ان کو حکم دو کہ رجوع کر لیں پھر حالت طہر یا حمل میں طلاق دیں۔ (دواہ مسلم ص ۷۷ ج ۲)

صحیح بخاری ص ۸۰۳ ج ۲ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو حکم دیا کہ زمانہ حیض میں جو طلاق دی ہے اس سے رجوع کر لیں اس کے بعد یہ حیض گزر جائے پھر ایک طہر گزر جائے پھر ایک حیض اور گزر جائے اس کے بعد جو طہر یعنی پاکی کا زمانہ آئے چاہے تو اس میں طلاق دے دے اور یہ طلاق جماع کرنے سے پہلے ہو اھا اگر طلاق دے تو اچھی طرح غور کر لے اگر طلاق کی ضرورت محسوس کرے تو پاکی کے زمانہ میں طلاق دے دے اور ایک طلاق دے کر چھوڑ دے۔ (اگر نکاح کے بعد جماع کیا تھا تو یہ طلاق رجعی ہوگی) عدت گزر جانے سے پہلے ایک طلاق اور دیدی تو وہ بھی رجعی ہوگئی۔ اگر عدت کے اندر رجوع نہ کیا تو دونوں طلاقیں بائن ہو جائیں گی۔ لیکن باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہو سکے گا۔ اس تفصیل کو سامنے رکھ کر غور کر لیا جائے کہ شریعت اسلامیہ میں مرد و عورت کی مصلحتوں کی کس قدر رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ اگر شوہر تین طلاقیں دے دے تو خواہ متفرق اوقات میں دے یا ایک وقت میں تو اس سے طلاق مغالطہ ہو جاتی ہے جس کا حکم اوپر بیان ہوا۔ جب شریعت کی دی ہوئی رعایتوں کی پاسداری نہ کی تو اب یہ سزا دی گئی کہ اب دوسرے شوہر سے نکاح اور جماع کے بغیر پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح نہیں ہو سکتا۔

مرد کو طلاق کا اختیار دیا گیا ہے۔ لیکن عورت کو بھی مرد کے نکاح سے نکلنے کے حق سے محروم نہیں کیا گیا ہے اگر کوئی صورت نباہ کی نہ رہے تو وہ مرد سے خلع کر سکتی ہے خلع کا معنی یہ ہے کہ وہ مرد سے یوں کہے کہ میں اپنے مہر کے عوض یا اپنے مال کے عوض آپ سے خلع کرتی ہوں مرد اسے منظور کر لے تو عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور جو مال دینا ملے ہوا ہے وہ عورت پر ادا کرنا واجب ہوگا۔

خلع کا یہ مطلب نہیں کہ عورت مرد کو خود سے چھوڑ کر علیحدہ ہو جائے یا حاکم کے یہاں دعویٰ کر کے بغیر کسی شرعی سبب کے جُدائی کا فیصلہ کرا لے، حاکم سے نکاح فسخ کرانے کے کچھ اصول اور قوانین ہیں بعض صورتوں میں قاضی کو شرائط فسخ ملحوظ کرتے ہوئے نکاح فسخ کر دینے کا اختیار ہوتا ہے جس کی تفصیلات فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں اور جن صورتوں میں حاکم کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے ان میں یہ بھی ضروری ہے کہ حاکم مسلمان ہو غیر مسلم حاکموں کے فسخ کرنے سے مسلمان عورت کا نکاح فسخ نہیں ہوگا خواہ کیسی ہی مجبوری ہو۔

میاں بیوی دونوں جہاں تک ممکن ہو آپس میں نباہی کی کوشش کریں لیکن اگر دونوں کو اس بات کا ڈر ہو کہ اللہ کے حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو اس میں کچھ حرج نہیں کہ عورت مال دے کر اپنی جان چھڑا لے، اگر مرد کی طرف سے زیادتی ہو تو اس سے کچھ بھی نہ لے اور بلا عوض اس کی جان چھوڑ دے، اور اگر عورت کی طرف سے زیادتی اور نافرمانی ہو تب بھی مرد اتنا ہی لے جتنا مہر اسے دے چکا ہے اس سے زیادہ نہ لے۔ اور اگر زیادہ لے لیا تو قضاء جائز ہوگا۔ لیکن مکروہ ہوگا۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے ثابت بن قیس کی عادت اور خصلت اور دینداری کے بارے میں کوئی ناراضگی نہیں ہے لیکن میں مسلمان ہوتے ہوئے ناشکری کو پسند نہیں کرتی (میرا ان سے دل نہیں ملتا لہذا علیحدگی کی کوئی صورت ہو جائے) آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم ان کا باغیچہ واپس کر دو گی (جو مہر میں دیا تھا) عرض کیا ہاں میں واپس کر دوں گی، آپؐ نے حضرت ثابت بن قیسؓ سے فرمایا کہ تم اپنا باغیچہ قبول کر لو اور اس کو ایک طلاق دے دو، (رواہ البخاری ص ۹۳ ج ۲)

اس حدیث سے خلع کا جواز معلوم ہوا، اور آیت شریفہ: **فَبِأَيِّ حِفْظٍ أَنْ لَا تَقْبِلُوا حُلُودَ اللَّهِ فَلَاحُنَّاحٌ عَلَيْهِمَا فَبِمَا افْتَضَتْ بِهِ** کے سیاق سے معلوم ہوا کہ نباہ کی صورت نہ رہے اور حدود اللہ قائم نہ کر سکیں تو خلع کر لینے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ خواہ خواہ بلا وجہ خلع کرنا اور چھوٹ چھٹاؤ کے درپے ہونا محموم نہیں ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چھوٹ چھٹاؤ کا مطالبہ کرنے والی اور خلع چاہنے والی عورتیں نفاق والی عورتیں ہیں۔ (رواہ النسائی ص ۷۰ ج ۲، الترمذی ص ۱۹۱ ج ۱)

مسئلہ: لفظ خلع سے خلع ہو جاتی ہے یعنی شوہر کے قبول کرنے پر عورت پر طلاق واقع ہو جاتی ہے اس کے بعد وہ عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے اور چونکہ طلاق مغلطہ نہیں ہے اس لئے دوبارہ شوہر اوّل سے بھی نکاح ہو سکتا ہے۔ خلع کے علاوہ ایک ”طلاق بالمال“ بھی ہے اور وہ اس طرح سے ہے کہ مرد یوں کہے کہ میں تجھے اتنے مال کے عوض طلاق دیتا ہوں اگر عورت قبول کر لے تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی، اور عورت کو مقرر مال دینا لازم ہوگا۔

فائدہ..... مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں اولیٰ دو قسمی طلاقیں کا ذکر ہے اس کے بعد خلع کا مسئلہ بیان فرمایا ہے۔ اس کے بعد تیسری طلاق کا ذکر ہے: **فَبِأَيِّ طَلْقٍهَا فَلَا تَجْعَلْ لَهُ مِینَ**، بعد میں چوتھی طلاق مذکور نہیں ہے بلکہ دو طلاق کے بعد بطور جملہ مقررہ سے خلع کا مسئلہ بیان کرنے کے بعد تیسری طلاق کو ذکر فرمایا ہے۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَلْيُغْنِ أَجَلُهُنَّ فَامْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ۖ

اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو پھر وہ اپنی مدت گزر جانے کے قریب پہنچ جائیں تو ان کو روک لو بھلائی کے ساتھ یا ان کو چھوڑ دو خوبی کے ساتھ

وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضَرَارًا لِّتَعْتَدُوا ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ

اور ضرر پہنچانے کے لئے انہیں روک کر کے نہ رکھو تاکہ تم زیادتی کرو اور جو شخص ایسا کرے گا سو اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ اور مت بناؤ اللہ کی آیتوں کو

اللَّهِ هُزُؤًا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ

مذاق کی چیز اور یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو جو تم پر جیسا اور جو کچھ اللہ نے تم پر نازل فرمایا ہے کتاب اور حکمت اس کو بھی یاد کرو۔

نَعُظُّكُمْ بِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

اللہ اس کے ذریعہ تم کو نصیحت فرماتا ہے اور اللہ ہے اور اللہ ہے اور جان لو کہ اللہ ہر شے پر حکم ہے چنانچہ آیت ۱۱۰ ہے۔

مطلقہ عورتوں کو ضرر پہنچانے کی ممانعت

اس آیت میں چند باتوں پر حتمیہ فرمائی۔ اول یہ کہ جو لوگ اپنی عورتوں کو طلاق رجعی دے دیں اگر انہیں رغبت نہیں ہے اور اب بیوی بنا کر رکھنا گوارا نہیں ہے تو خوش اسلوبی کے ساتھ اسے چھوڑ دیں، جب مدت گزرنے کے قریب ہو جائے تو رجوع کے بغیر مدت ختم ہونے دیں تاکہ مدت ختم ہوتے ہی طلاق بائن ہو جائے اور عورت کسی دوسری جگہ اپنا نکاح کر سکے، ایسا نہ کریں کہ جب مدت گزرنے کے قریب ہو تو رجوع کر لیں اور اس کے بعد پھر طلاق دے دیں اور جب مدت گزرنے کے قریب ہو پھر لوٹالیں، ایسا کرنے سے خواہ مخواہ عورت کو تکلیف ہوگی اور ضرر پہنچے گا۔ تفسیر روح المعانی ص ۱۳۲ ج ۲ میں ہے کہ انصار میں سے ایک شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ یہی معاملہ کیا حتیٰ کہ اسی طرح نو مہینے گزر گئے، اللہ جل شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی اور فرمایا فَاْمَسْكُوْهُنَّ بِمَعْرُوفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوفٍ کہ ان کو اگر اپنے نکاح میں رکھنا ہے تو اچھے طریقہ پر روک لو، اور نکاح میں نہیں رکھنا تو خوبی کے ساتھ اسے چھوڑ دو، اور صرف اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ مزید فرمایا: وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضَرَارًا لِتَعْتَدُوا کہ ان کو ضرر پہنچانے اور دکھ دینے کے لئے روک کر نہ رکھو تاکہ ان پر ظلم کرو۔

اور مزید فرمایا: مَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ کہ جو شخص ایسا کرے گا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کر کے ایک مومن عورت کو ضرر پہنچانے کی نیت کر کے اپنی جان کو آخرت کے عذاب کے لئے پیش کر دیا اور اللہ کے حکم کی فرمانبرداری پر جو ثواب مل سکتا تھا اس سے محروم ہو گیا، کسی بھی مومن کو ضرر پہنچانا حلال نہیں ہے حدیث شریف میں ہے مَنْ لَغَوْنَ مِنْ ضَرَارٍ فَمُؤْمِنًا أَوْ فَكْرًا (یعنی وہ شخص مومن ہے جو کسی مومن کو نقصان پہنچائے یا اس کے ساتھ مکر کرے)۔ (رواہ الترمذی)

اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق بنانے کی ممانعت..... دوسری تنبیہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُؤًا کہ اللہ کی آیات کو اور اس کے احکام کو کھیل اور مذاق بخول ٹھہر نہ بناؤ۔ ایسا نہ کرو کہ جی چاہا عمل کیا، چاہا نہ کیا اور احکام کی رعایت کا دھیان نہ رکھا، بلکہ آیات قرآنیہ میں جو احکام بیان کئے گئے ہیں۔ ان کی پابندی کرو اور غرضم و مبت و ارادہ کے ساتھ عمل پیرا ہو، حضرت محمد و بن ابیبد

رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شخص کے بارے میں خبر دی گئی کہ اس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دے دیں، آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم غصہ میں کھڑے ہوئے اور فرمایا کیا اللہ عزوجل کی کتاب کے ساتھ کھیل کیا جائے گا حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ آپ کا غصہ دیکھ کر ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں اس شخص کو قتل نہ کر دوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۸۴ ج ۲) اکٹھی تین طلاق دے دینا شرعاً مذموم ہے۔ ایک سے زیادہ طلاق دے تو الگ الگ کر کے دے، اور ہر طہر میں (پاک کے زمانے میں) ایک ایک طلاق دے۔ کیونکہ اس شخص نے اکٹھی تین طلاقیں دے دیں۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناگواری ہوئی۔ موطا مالک میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سب طلاقیں دے دیں اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تیری بیوی پر تین طلاق واقع ہو گئیں اور ستانویس طلاقیں ذریعہ تو نے اللہ کی آیات کا مذاق بنایا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۸۴)

اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو۔۔۔۔۔ تیسری بات یہ فرمائی کہ اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور جو کچھ اس نے تمہارے اوپر کتاب اور حکمت نازل فرمائی ہے اس کو بھی یاد کرو۔ یاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا شکر ادا کرو نعمتوں کے ذریعہ گناہ نہ کرو اور آیات قرآنیہ پر عمل کرو۔ اللہ کے احکام میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں۔ ان میں خیر سمجھو۔

پھر فرمایا: **يَعْظُمُ بِهِ** یہ جو کچھ اللہ نے نازل فرمایا وہ اس کے ذریعہ تم کو نصیحت فرماتا ہے۔ خلاف ورزی کر کے نصیحت سے منہ موڑنے والے نہ بنو۔

پھر فرمایا: **وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ** (اور اللہ سے ڈرو اور یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے) سب کے اعمال کو وہ جانتا ہے ان کے مطابق جزا سزا دے گا اور جن چیزوں میں تمہارے لئے مصلحت ہے ان کو بھی جانتا ہے، اس کے حکموں میں تمہاری مصلحت مضمر ہے۔ مخالفت کر کے اپنے لئے خرابی کا راستہ اختیار نہ کرو۔

مسئلہ۔۔۔۔۔ اگر کوئی شخص مذاق میں طلاق دے دے تو اس سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے جیسا کہ اس کی تصریح حدیث شریف میں موجود ہے۔ فقہ رومی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم **ثَلَاثَ جَذْهَنَ جَذٌّ وَهَزْلُهُنَّ جَذٌّ، الْبَغَاخُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ**۔ رواہ الترمذی ص ۱۹۱ ج ۱ وحسنہ و أخرجه الحاكم ايضا في المستدرک ص ۱۹۸ ج ۲ وصححه

فائدہ۔۔۔۔۔ ارشاد باری تعالیٰ **لَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا** اگرچہ مسائل طلاق کے ذیل میں وارد ہوا ہے لیکن الفاظ کا عموم اس بات کو بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور احکام کا مذاق بنانا بدترین گناہ ہے بلکہ قصد و ارادۃ اگر آیات و احکام کا مذاق بنایا جائے تو کفر ہے۔ سورہ مائدہ میں مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَالْكَفَّارَ أَوْلِيَاءَ**۔ **وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُفْرَ مُؤْمِنِينَ**۔ **وَإِذَا نَادَيْتُمُ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوا هُزُوًا وَلَعِبًا** **ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ** (اے ایمان والو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل بنالیا، یعنی وہ لوگ جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور ان کے علاوہ دوسرے کافروں کو بھی دوست نہ بناؤ، اور اللہ سے ڈرو، اگر تم مؤمن ہو، اور جب تم نماز کی طرف بلا تے ہو تو نماز کا مذاق اور کھیل بنالیتے ہیں یہ اس لئے کہ وہ لوگ سمجھتے نہیں)۔

سورۃ الجاثیہ میں اہل دوزخ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: **ذَلِكُمْ بِأَنَّهُمْ اتَّخَذُوا دِينَ اللَّهِ هُزُوًا وَغَرَّتْكُمْ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا** (یہ عذاب اس لئے ہے کہ تم نے اللہ کی آیات کو مذاق بنالیا تھا اور تم کو دنیا داری زندگی نے بھوک میں ڈال دیا تھا)۔

بہت سے لوگ مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں لیکن قرآن اور احادیث شریفہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا مذاق بناتے ہیں ایسے لوگ اگرچہ مدعی اسلام ہوں لیکن اسلام سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ بہت سے لوگ حج کے احکام و افعال کو نقلاتے ہیں اور سینما میں لہو و لعب کے پردہ پر دکھاتے ہیں اور دیکھنے والے دیکھتے ہیں کہ کعبۃ اللہ شریف کے چاروں طرف جو نماز ہوتی ہیں اس کے فوٹو لئے جاتے ہیں۔ حجر اسود کا استلام کرتے ہوئے فوٹو لئے جاتے ہیں، منیٰ میں تصویر کشی ہے۔ عرفات میں کیمرے کھڑے ہیں، فوٹو کھینچے جا رہے ہیں۔ نیک کام کو معصیت کے ساتھ ملکر کیا جا رہا ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ٹیلیویشن میں ڈرامے آرہے ہیں۔ ان اکابر دین کی واڑھیاں منڈی اور مونچھیں خوب زیادہ بڑھی ہوئی دکھائی جا رہی ہیں۔ ان حضرات کے علم و ثقل کو لہو و لعب اور تماشہ بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ سب دین اور دینیات کے ساتھ استہزاء اور تمسخر ہے جو لہو و لعب میں شامل ہے۔ عوام الناس نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ اس سے دین کی تبلیغ ہوگی۔ حالانکہ اس کی حیثیت لہو و لعب سے زیادہ نہیں ہے۔ قرأت قرآن کی مجلسیں ہیں۔ قاریوں کی تصویریں ٹیلیویشن پر جاری ہیں اور اخبارات میں چھپ رہی ہیں۔ قرآن کے نام پر اجتماعات ہیں۔ فوٹو گرافی ہو رہی ہے۔ فلمیں دکھائی جا رہی ہیں کالج یونیورسٹی میں اسلامیات کی کلاسیں ہیں۔ لڑکیاں لڑکوں کے ساتھ بے پردہ بیٹھی ہوئی ہیں۔ عین اسلامی عنوان کے پیریڈ میں احکام قرآن کی خلاف ورزی ہو رہی ہے، سودی لین و دین بے تک کا نام اسلامی ہے۔ حرام مال سے ایصال ثواب کیا جا رہا ہے اسی سے حج و عمرہ ہو رہا ہے۔ داڑھی مونڈنے کی دکانیں ہیں۔ اسلامی صالون یا صالون الحرمین کا نام دیا جا رہا ہے، یہ سب اعمال و افعال ایسے ہیں جن سے احکام اسلام کی توہین اور تضحیک ہوتی ہے، اسلام کے نام پر مذاق ہے۔ گناہ کرنا بہت بڑی بدبختی ہے جس کا لوگوں کو بالکل احساس نہیں، داڑھیوں کا، داڑھی رکھنے والوں کا تمسخر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر چلنے والوں پر پھبتیاں ہیں اور یہ سب کچھ ان لوگوں سے صادر ہو رہا ہے جو مسلمان ہونے کے مدعی ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ سب کو سچ سمجھ دے۔ (آمین)

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا

اور جب تم طلاق دو عورتوں کو پھر وہ پہنچ جائیں اپنی عدت کو تو ان کو اس سے نہ روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کریں جبکہ آپس میں

تَرَاضًا بَيْنَهُمَا بِالْمَعْرُوفِ ذَلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ

نوبی کے ساتھ رضا مند ہو جائیں۔ اس کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے اس شخص کو جو تم میں سے اللہ پر اور آخرت کے دن

الْآخِرَةِ ذَلِكُمْ أَزْكَى لَكُمْ وَأَطْهَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۳﴾

پر ایمان لاتا ہے، یہ تمہارے لئے زیادہ صفائی اور زیادہ پاکی کی بات ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

مطلقہ عورتیں سابقہ شوہروں سے نکاح کرنا چاہیں تو اس میں رکاوٹ نہ ڈالیں

اس آیت میں عورتوں کے اولیاء اور اقرباء کو ایک خاص نصیحت کی گئی ہے اور وہ یہ کہ جب طلاق کے بعد عورت کی عدت گزر جائے اور وہ اپنے اسی شوہر کے نکاح میں پھر جانا چاہے جس نے طلاق دی تھی تو اس میں رکاوٹ نہ ڈالو، طلاق رجعی کے بعد جب عدت گزر جائے تو یہ طلاق بائن ہو جاتی ہے اور طلاق بائن ہو جانے پر میاں بیوی کی رضا مندی سے آپس میں دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ جب دونوں یہ محسوس

کریں کہ ہمیں پھر سے زن و شوہر کی طرح رہنا چاہیے اور پھر سے نکاح کر لینے میں مصلحت محسوس کریں تو عورت کے اولیاء و اقرباء کا وٹ نہ ڈالیں ان کا نکاح آپس میں ہونے دیں۔ البتہ ان دونوں میں آپس میں خیر و خوبی سے اور عمدہ طریقہ پر نباہ کرنے کے جذبات ہونے چاہئیں۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ وقتی جوش میں مرد طلاق دے بیٹھتا ہے اور عورت بھی کبھی غصہ میں طلاق طلب کر لیتی ہے جس سے شوہر کے منہ سے طلاق کے کلمات نکل جاتے ہیں۔ پھر آپس میں پشیمان ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ پھر مل بیٹھیں۔ یعنی دوبارہ نکاح کر لیں۔ جب ایسی صورت حال بن جاتی ہے تو عورت کا باپ یا بھائی یا خاندان کے دوسرے لوگ وٹ کاٹ ڈالتے ہیں اور اس کو اپنی ہتک عزت سمجھتے ہیں اور بعض مرتبہ رشوت لینے کے پھیر میں ہوتے ہیں اس کے شوہر کو دباتے ہیں تاکہ کچھ مال دینے پر مجبور ہو جائے، ان سب باتوں سے آیت بالا میں منع فرمایا ہے۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی۔ میں نے اپنی ایک بہن کا ایک شخص سے نکاح کر دیا تھا پھر اس نے اس کو طلاق دی۔ جب عدت گزر گئی تو پھر وہ اس سے نکاح کرنے کے لئے پیغام لے کر آ گیا میں نے کہا کہ میں نے تجھ سے اس کا نکاح کر دیا اور اس کو تیرے پاس بھیج دیا اور تیرا اکرام کیا پھر تو نے طلاق دے دی تو اب شوہر دوبارہ نکاح کا پیغام لے کر آیا ہے اللہ کی قسم کبھی بھی تیرے پاس نہ جائے گی۔ یہ آدمی مناسبت تھا اور عورت چاہتی تھی کہ واپس چلی جائے۔ اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی آیت سن کر میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اب تو میں ضرور وہی کروں گا جس کا حکم ہوا ہے۔ لہذا اپنی قسم کا کفارہ دے دیا اور اسی شخص سے اس کا نکاح کر دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ جب آیت سنی تو حضرت معقل بن یسار نے کہا کہ سَمِعْنَا لِرَبِّنَا وَطَاعْنَا (میں نے اپنے رب کا فرمان سنا اور میں فرمانبرداری کے لئے حاضر ہوں)۔ (تفسیر درمنثور ص ۲۸۷ ج ۲ عن البخاری و ابی داؤد و الترمذی و الحاکم و غیر ہم)

بعض مفسرین نے فرمایا کہ اَزَّوْاَجْہُمْ سے پہلے شوہروں کے علاوہ وہ لوگ بھی مراد ہو سکتے ہیں جو پہلے شوہر نہ تھے لیکن طلاق و عدت کے بعد مطلقہ عورتیں بعض مرتبہ بعض مردوں سے رشتہ طے کر لیتی ہیں اور آپس میں دونوں شریعت کے قاعدہ کے مطابق نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو عورت کے اولیاء و اقرباء آڑے نہ آئیں اور نہ طلاق دینے والا شوہر وٹ کاٹ ڈالے لفظ بالسمع و وف میں یہ بتا دیا کہ وہ شرعی قاعدہ کے مطابق نکاح کرنا چاہیں تو ان کو نکاح کرنے دیں۔ البتہ خلاف شرع کوئی بات نہ ہو تو اس سے روکنا واجب ہے۔ عورت کو بھی چاہیے کہ اپنے برابر اور میل کے آدمی سے نکاح کرے اور مہر مثل پر نکاح کرے تاکہ اولیا کو خفت محسوس نہ ہو اور کسی طرح اعتراض کا موقع نہ ملے پھر فرمایا اس میں ان لوگوں کے لئے نصیحت ہے جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ فرمایا کہ اس حکم کے ماننے میں تمہاری بہت بڑی صفائی اور پاکیزگی ہے کیونکہ اس کی خلاف ورزی میں فتنہ فساد اور گناہوں میں مبتلا ہونے کے مواقع نکل سکتے ہیں، اور مرد و عورت کی عفت بھی خطرہ میں پڑ سکتی ہے۔

آخر میں فرمایا: وَاللّٰهُ يُعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (کہ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے) بعض لوگ اپنے خیال سے کچھ مصلحتیں سوچتے ہیں لیکن فکر میں خطا کرتے ہیں غلط بھی سوچتے ہیں۔ دنیا واری کے جذبات سے سوچتے ہیں مرد و عورت کی مصلحتوں پر نظر نہیں رکھتے، اپنے غور و فکر کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابندی کریں، اس نے جو قانون بتایا ہے اس پر چلنے میں خیر ہے۔

وَالْوَالِدَتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۖ

اور مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو دو سال پورے اس کے لئے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرتا چاہے

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا ۚ

اور جس کی اولاد ہے اس کے ذمہ ماؤں کا کھانا اور کپڑا ہے قاعدہ کے مطابق کسی جان کو تکلیف نہیں دی جاتی مگر اس کی برداشت کے مطابق۔

لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ ۚ

نہ تکلیف دی جائے والدہ کو اس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ اس کو تکلیف دی جائے جس کا بچہ ہے اس کے بچہ کی وجہ سے، اور وارث کے ذمہ اسی طرح سے لازم ہے،

فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۚ وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ

سو اگر دونوں آپس کی رضامندی اور باہم مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے، اور اگر تم اپنی اولاد کو

تَسْرِضُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا اتَّيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ

دودھ چھڑانا چاہو تو اس میں کچھ گناہ نہیں ہے جبکہ تم سپرد کردہ جو کچھ ان کو دینا طے کیا ہے قاعدہ کے مطابق، اور اللہ سے ڈرو

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۳۳﴾

اور جان لو کہ اللہ ان کاموں کو دیکھتا ہے جنہیں تم کرتے ہو۔

بچوں کو دودھ پلانے کے احکام

اس آیت میں بچوں کو دودھ پلانے اور پلوانے کے بارے میں چند احکام مذکور ہیں۔ جب میاں بیوی خوشی کے ساتھ آپس میں مل جل کر رہ رہے ہوں اور اولاد پیدا ہو جائے تو چونکہ ماں اور باپ دونوں کو بچہ پر شفقت ہوتی ہے اور دونوں اس کی تربیت کرتے ہیں اور دکھ تکلیف سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں اس لئے بچے ماں باپ کے سایہ میں خوب اچھی طرح سے پرورش پاتے ہیں اور ایسی صورت میں والدہ اس کے دودھ پلانے یا پرورش کرنے پر اس کے باپ سے کسی طرح کی اجرت بھی طلب نہیں کرتی، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بچے کی والدہ جب اپنے شوہر کے نکاح میں ہے اور حق زوجیت کھانا کپڑا اسے مل رہا ہے تو اس کے لئے یہ درست نہیں کہ دودھ پلانے کے سلسلے میں کوئی اجرت طلب کرے اور بعض مرتبہ ایسا ہو جاتا ہے کہ شوہر طلاق دے دیتا ہے۔ اس میں اول تو یہ اختلاف رونما ہوتا ہے کہ بچہ کون لے۔ اصول یہ ہے کہ لڑکا جب تک سات برس کا نہ ہو جائے اور لڑکی نو سال کی نہ ہو جائے اس وقت تک والدہ کو پرورش کا حق ہے۔ لڑکا یا لڑکی کی پرورش کا حق مطلقہ عورت کو اس وقت تک ہے جب تک کہ کسی ایسے شخص سے نکاح نہ کر لے جو بچے کا محرم نہ ہو، والدہ کی پرورش میں بچہ کے رہنے کا مطلب یہ نہیں کہ بچہ کے اخراجات بھی والدہ ہی کے ذمہ ہوں بلکہ اخراجات بچے کے والد پر ہی واجب ہوں گے، جب کسی مرد نے کسی عورت کو طلاق دے دی اور ماں نے بچہ کو پرورش کے لئے لے لیا اور ابھی دودھ پلانے کا زمانہ باقی ہے تو جب تک عدت نہ گزر جائے اس وقت تک بچہ کو دودھ پلانے کی اجرت وہ نہیں لے سکتی کیونکہ

اسے طلاق دینے والے شہر کی طرف سے زمانہ عدت کا نان و نفقہ مل رہا ہے۔ دوبرا خرچ نہیں دیا جائے گا اور جب عدت گزر جائے اور ابھی دودھ پلانے کا زمانہ باقی ہے تو اب بچہ کی ماں بچہ کے باپ سے دودھ پلانے کی اجرت لے سکتی ہے۔ بچہ کے دوسرے اخراجات اس کے سوا بہنوں کے اور دودھ پلانے کی اجرت کا مطالبہ بچہ کی عمر دو سال (قمری مہینوں کے اعتبار سے) ہو جانے تک طلب کیا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد بچہ کا باپ دودھ پلانے کی اجرت نہ دے تو دودھ پلانے والی والدہ دودھ پلانے کی اجرت طلب نہیں کر سکتی (حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دودھ پلانے کی مدت زیادہ سے زیادہ ڈھائی سال ہے اور دوسرے اماموں کے نزدیک دو سال ہے اور احتیاط اسی میں ہے کہ دو سال سے زیادہ دودھ نہ پلایا جائے البتہ اگر کسی نے دو سال کے بعد بھی ڈھائی سال دے دینے تک کی مدت میں پلادیا تو اس سے حرمت رضاعت کا فتویٰ دیا جائے گا کیونکہ تحریم نکاح کے سلسلہ میں اسی میں احتیاط ہے، سو اگر کوئی عورت دو سال کے بعد بھی دودھ پلائے تو شہر کے ذمہ دودھ پلائی کا خرچہ نہیں ہے)

ماں کو یا باپ کو اولاد کی وجہ سے ضرر نہ دیا جائے..... اجرت رضاعت اور مدت رضاعت بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: وَلَا تَكْلَفْ نَفْسَ الْإِثْمِ وَسُعْيَهَا، جس میں یہ بتایا کہ بچہ کا باپ جو دودھ پلانے والی کو اجرت دے گا اس میں اس کی حیثیت سے زیادہ مطالبہ نہ کیا جائے گا وہ اپنی مالی حیثیت کے مطابق خرچہ دے گا جو خرچہ اس کی استطاعت سے باہر ہو اس کا مطالبہ اس سے نہ کیا جائے پھر ارشاد فرمایا: لَا تَنْصَارُ وَالْبَدَّةُ بِمَوْلِدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَّهٗ بِمَوْلِدِهِ یعنی کسی ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے اور کسی باپ کو اس کے بچہ کی وجہ سے ضرر نہ پہنچایا جائے۔ مثلاً طلاق ہوگئی تو بچہ کے ماں باپ ایک دوسرے کو تکلیف پہنچانے سے باز رہیں اگر بچہ کی والدہ دودھ پلانے سے معذور ہو یا حق پرورش سے دستبردار ہو جائے اور یوں کہے کہ کسی اور سے دودھ پلے تو اس کا باپ زبردستی نہ کرے کہ تجھے ہی پلانا ہوگا اور سنت پلانا ہوگا ماں کی مامتا سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائے۔ یہ نہ سوچے کہ جب بچہ کوڑ پتا دیکھے گی خود ہی پلانے گی۔ یا ماں اجرت پر پلانے کو راضی ہو تو باپ یوں نہ کہے کہ میں تجھ سے نہیں پلواتا، میں دوسری عورت کو زیادہ اجرت دے دوں گا لیکن تجھے ایک کوڑی بھی نہ دوں گا۔

باپ نہ ہو تو وارث ذمہ دار ہے..... پھر فرمایا: عَلٰی الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بچہ کا باپ وفات پا جائے تو اس کے دودھ پلانے کی ذمہ داری وارث پر ہے اگر بچہ کا اپنا مال، مثلاً اس کے باپ کی میراث سے اسے ملا ہے اور بچہ کے دودھ پینے کی مدت ابھی باقی ہے تو بچہ کے مال میں سے بچہ پر خرچ کرے اور دودھ پلانے کی اجرت اسی مال سے دے اور اگر بچہ کا اپنا مال نہیں ہے تو یہ وارث اپنے مال سے بچہ پر خرچ کرے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وارث سے بچہ کا وارث مراد ہے مثلاً اگر یہ فرض کیا جائے کہ بچہ کی موت ہوگئی تو اس وقت جو لوگ اس کے وارث ہو سکتے ہیں ان پر اس کا خرچ واجب ہے۔ حضرت امام صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ اس سے وہ وارث مراد ہے جو محرم ہو، اگر اس طرح کا وارث ایک ہی ہو تو پورا خرچ اس ایک ہی پر واجب ہوگا، اور اگر چند افراد ایسے ہوں تو ان سب پر بقدر حصہ میراث بچہ کے اخراجات لازم ہوں گے۔ محرم اس کو کہتے ہیں جس سے کبھی بھی نکاح جائز نہ ہو۔ اگر بچہ اور اس کے رشتہ دار ایک ہی جنس کے ہوں یعنی سب مرد ہوں تو محرم کے پتہ چلانے کا طریقہ یہ ہے کہ بچہ اور اس کے رشتہ داروں میں سے اگر کسی کو عورت فرض کر لیا جائے تو آپس میں نکاح درست نہ ہو۔ ایسے رشتہ کو رشتہ محرمیت کہتے ہیں۔ چچا بھتیجی کا نکاح تو آپس میں درست نہیں ہے لہذا چچا اپنی بھتیجی کا محرم ہے اور چچا اپنے بھتیجہ کا بھی محرم ہے اس لئے کہ اگر دونوں میں سے کسی ایک کو عورت فرض کر لیا جائے تو آپس میں نکاح درست نہ ہوگا۔

مسئلہ..... اگر کسی بچہ کا والد وفات پا گیا اور بچہ کا مال بھی نہیں ہے اور اس کی والدہ ہے اور والدہ ہے تو دونوں پر بقدر اپنے حصہ میراث کے

بچے کا خرچہ واجب ہوگا، لہذا ۳/۱ ماں کے ذمہ ہوگا اور ۲/۳ دادا کے ذمہ ہوگا۔ کیونکہ دونوں محرم کبھی ہیں اور بچے کی میراث ان دونوں کو اسی نسبت سے پہنچتی ہے۔

دو سال سے پہلے بھی باہمی مشورہ سے دودھ چھڑا سکتے ہیں..... پھر فرمایا: فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا كَيْفَىٰ اگر دو سال سے پہلے ہی والدین بچہ کا دودھ چھڑانا چاہیں اور آپس میں رضا مندی اور مشورے سے اس کا فیصلہ کر لیں تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔ مشورے میں بچے کی مصلحت پیش نظر رکھی جائے، کبھی ایسا ہوتا ہے بچہ کی والدہ کا دودھ خراب ہو جاتا ہے دو بچہ کے لئے مضرت ہوتا ہے۔ کبھی بچہ دودھ پینا خود سے چھوڑ دیتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بچہ ماں کے علاوہ نہ کسی اور عورت کا دودھ پینے کو تیار ہے نہ اوپر کا دودھ پینا گوارا کرتا ہے ایسی صورت میں ماں کا دودھ چھڑائیں گے تو وہ بھوکا رہے گا، دودھ چھڑاتے وقت بچہ کی ہمدردی اور مربیانہ شفقت پیش نظر رکھی جائے۔

اجرت پر دودھ پلوانے کے مسائل..... پھر فرمایا: وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْمُرُوا ضُغْوًا أَوْ لَدَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا اتَّيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم بچوں کی ماؤں کے علاوہ کسی دوسری عورت کا دودھ پلوانا چاہو تو اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں ہے۔ ماں زندہ ہے لیکن مناسب یہ سمجھتے ہیں کہ دودھ کسی اور سے پلوائیں۔ تو یہ بھی درست ہے۔ بچہ کی مصلحت پیش نظر ہوتے ہوئے اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، البتہ اس میں ایک یہ صورت پیش آ سکتی ہے کہ بچہ کی ماں کو اس کے باپ نے طلاق دے دی ہے اور عدت بھی گزر گئی ہے اور دودھ پلانے کا زمانہ ابھی ختم نہیں ہوا تو بچہ کی ماں اگر اجرت پر پلوانا گوارا کرے تو باپ اس سے بچہ کو جدانہ کرے اس کی والدہ ہی سے پلوائے، ہاں اگر وہ دوسری دودھ پلانے والیوں کی نسبت زیادہ اجرت مانگتی ہو، یا ماں کے دودھ میں کچھ خرابی ہو تو اس کا باپ دوسری عورت سے دودھ پلوا دے تو یہ بھی جائز ہے۔

مسئلہ..... جب بچہ کو ماں کے علاوہ کسی دوسری عورت سے دودھ پلوائے اور ماں یوں کہے کہ دودھ خواہ وہ پلوائے لیکن ربے میرے ہی پاس تو اس کا یہ مطالبہ صحیح ہے۔ بچہ کے باپ کو یہ مطالبہ پورا کرنا لازم ہے۔

مسئلہ..... جب کسی عورت کو دودھ پلانے پر مقرر کریں تو اس کی اجرت اچھی طرح سے طے کر لیں۔ ایسا نہ کریں کہ اجرت طے کر کے اسے بالکل ہی نہ دیں یا جو اجرت طے ہوئی تھی اس سے تھوڑی دیں یا ناٹل منول کریں۔ جو کچھ طے ہوا ہے قاعدے کے موافق خوش اسلوبی سے دے دیں۔ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا اتَّيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ میں اسی کو بیان فرمایا ہے۔

مسئلہ..... دودھ پلانے کے علاوہ اگر اس سے اور کوئی خدمت لینا چاہیں تو اسے بھی معاملہ میں طے کر لیں۔

مسئلہ..... دودھ پلانے والی کو روٹی کپڑے پر ملازم رکھنا درست ہے۔ البتہ کھانا کپڑا کیسا ہوگا اس کی صاف صاف تصریح کر دے۔ دودھ پلانے والی کے علاوہ اور کسی ملازم کو روٹی کپڑے پر رکھنا جائز نہیں ہے۔ مذکورہ بالا احکام بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا: وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ اور اللہ ہے ڈرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو پوری طرح دیکھنے والا ہے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ احکام شرعیہ کی پابندی کرو اور اللہ سے ڈرو۔ خلاف ورزی کر کے مواخذہ اور عذاب کے مستحق نہ بنو۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ تمہارا کوئی عمل اللہ تعالیٰ سے چھپا ہوا نہیں ہے، وہ سب کچھ جانتا ہے اور سب کچھ دیکھتا ہے۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو یہ بیویاں اپنی جانوں کو روکے رکھیں چار مہینے

وَعَشْرًا ۖ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ

دس دن، پھر جب وہ پہنچ جائیں اپنی عہد کو سو تم پر کوئی گناہ نہیں اس بات میں کہ وہ عورتیں اپنی جانوں کے بارے میں خوبی کے ساتھ

بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۲۰﴾

کوئی فیصلہ کر لیں، اور جو تم کرتے ہو اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے۔

شوہر کی موت پر عدت گزارنے کے احکام

اس آیت شریفہ میں اُن عورتوں کی عدت بیان فرمائی ہے جن کے شوہر وفات پا جائیں اور یہ عدت چار مہینہ دس دن ہے۔ چار ماہ دس دن تک وہ عورت کسی دوسری جگہ نکاح نہ کرے جس کا شوہر وفات پا گیا ہو اور اس زمانہ میں سوگ بھی کرے، یعنی خوشبو مہندی نہ لگائے اور نہ ٹھن کر نہ رہے۔ یہ حکم حدیث شریف میں وارد ہوا ہے، واضح رہے کہ چار ماہ دس دن اس عورت کی عدت ہے جس کو حمل نہ ہو اور اس کا شوہر وفات پا جائے اگر کسی ایسی عورت کا شوہر وفات پا جائے جو حمل سے ہو تو پھر اس کی عدت وضع حمل ہے، یعنی شوہر کی موت کے بعد جتنی مدت میں بھی بچہ پیدا ہو، اس وقت تک وہ عورت عدت میں رہے گی، خواہ شوہر کی مدت کے ایک گھنٹہ بعد ہی ولادت ہو جائے، خواہ مہینوں لگ جائیں، یہ مضمون سورۃ طلاق کی آیت وَأُولَاتِ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ میں بیان فرمایا ہے اور سوگ کرنا بھی اس کے لئے واجب ہے۔

مسئلہ..... جو عورت عدت وفات گزار رہی ہو وہ عدت ختم ہونے تک اس گھر میں رہے، جس میں رہتے ہوئے شوہر کی موت ہوئی۔ اگر خرچہ نہ ہو تو بقدر ضرورت روزی حاصل کرنے کے لئے دن کے اوقات میں نکل سکتی ہے۔ ضرورت پوری کر کے پھر اسی گھر میں آجائے۔

مسئلہ..... اگر چاند رات کو شوہر کی وفات ہوئی تو مہینوں کے اعتبار سے چار ماہ دس دن پورے کر لے اور اگر چاند رات گزار جانے کے بعد وفات ہوئی تو ایک سو تیس دن شمار کر کے عدت پوری کرے۔

جب عدت گزار جائے تو عورتیں اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کی خود مختار ہیں کہ خوبی کے ساتھ شرعی قواعد کے موافق جس سے چاہیں نکاح کر لیں۔ اولیاء اس میں رکاوٹ نہ ڈالیں۔ ہاں اگر کوئی خلاف شرع کام کرنے لگیں تو اولیاء کے ذمہ ہوگا کہ اس سے روکیں اور نہی عن المنکر کریں فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ میں اسی کو بیان فرمایا ہے اور عورتوں کو اور ان کے اولیاء کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ یعنی اللہ تعالیٰ کو تمہارے کاموں کی پوری طرح خبر ہے، اگر کسی عورت نے خلاف شرع کوئی اقدام کیا یا مردوں نے اس طرح کا اقدام کرنے دیا تو گناہ گار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے اس سے کسی کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خُطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللَّهُ

اور تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ ان عورتوں کو کنایتی نکاح کا پیغام دیدو یا اپنے دلوں میں پوشیدہ رکھو، اللہ کو معلوم ہے

أَنْتُمْ سَدُّ ثُرُوبُهُنَّ وَلَئِنْ لَا تُؤَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا وَلَا تَعْرُضُوا

کہ بے شک تم ان عورتوں کا ذکر کرو گے، اور لیکن ان سے نکاح کا خفیہ طور پر وعدہ نہ کر لینا، مگر یہ کہ ان سے ایسی بات کہو جو قاعدہ کے موافق ہو، اور تم نکاح کرنے کا

عُقْدَةُ النِّكَاحِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ

اور اہمیت کر دو یہاں تک کہ عدت قانون کے مطابق ختم ہو جائے، اور تم جان لو کہ بے شک اللہ جانتا ہے۔ جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اور سوچو اللہ سے ڈرو

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۱۵﴾

اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

بیوہ عورتوں کو صریح پیغام نکاح دینے کی ممانعت

اس آیت شریفہ میں عدت وفات گزارنے والی عورتوں کے بارے میں ایک تنبیہ فرمائی ہے اور وہ یہ کہ ایسی عورتوں کو صاف صریح الفاظ میں نکاح کا پیغام نہ دیا جائے ہاں اگر اشارۃً و کنایۃً ذکر کر دیا جائے مثلاً یوں کہہ دیا جائے کہ فکر نہ کرنا اللہ مالک ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی پریشانی نہ ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے اور اس میں بھی کوئی گناہ نہیں کہ صرف دل میں یہ خیال کر لیا جائے کہ اس کی عدت گزر جائے گی تو اس سے نکاح کر لوں گا۔ اللہ تعالیٰ کو سب کے دلوں کا حال معلوم ہے۔ اس نے اتنی گنجائش دے دی کہ اشارۃً و کنایۃً عورت کے کان میں بات ڈال دی جائے۔ البتہ اس کی اجازت نہیں دی کہ عدت والی عورت اور پیغام دینے والا مرد آپس میں خفیہ طریقہ پر عقد نکاح کا آپس میں وعدہ کر لیں اور اس کی بھی اجازت نہیں دی کہ عدت ختم ہونے سے پہلے نکاح کریں۔ آیت کے ختم پر پھر وہی بات دہرا دی کہ اللہ تعالیٰ کو دلوں کا سب حال معلوم ہے اس سے ڈرو احکام کی خلاف ورزی نہ کرو، اگر کبھی کوئی خطا ہو جائے تو توبہ کرو، اللہ تعالیٰ غفور بھی ہے حلیم بھی ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمْ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۖ وَ مَتَّعُوهُنَّ

کوئی گناہ نہیں تم پر اگر طلاق دے دو عورتوں کو جبکہ تم نے ان کو چھوا نہ ہو اور مہر مقرر نہ کیا ہو اور ان کو متعہ دے دو

عَلَى الْمَوْسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتَرِ قَدَرُهُ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْحُسَيْنِ ﴿۱۶﴾

گنجائش رکھنے والے پر گنجائش کے بقدر ہے، اور مقتدر دستیر اس کی حیثیت کے موافق ہے، یہ فائدہ پہنچانا عام و طریقہ یہ ہے واجب ہے اچھا سلوک کرنے والوں پر۔

وَ إِنْ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ

اور اگر تم ان کو اس سے پہلے طلاق دے دو کہ ان کو چھوا ہو حالانکہ ان کے لئے مہر مقرر کر چکے ہو تو اس صورت میں اس کا آدھا ہے

مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوا الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَأَنْ تَعْفُوا

جتنا تم نے مقرر کیا ہے، مگر یہ کہ دو معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے، اور یہ بات کہ تم معاف کر دو

أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَلَا تَنْسُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

زیادہ قریب سے تقویٰ سے، اور نہ بھلاؤ آپس میں احسان کرنے کو، بے شک اللہ اس کو دیکھنے والا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

مہر اور متعہ کے احکام

ان دونوں آیتوں میں چند مسائل بیان فرمائے ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی کو صرف نکاح کر کے طلاق دے دے نہ اسے ہاتھ لگایا ہو نہ اس کے لئے مہر مقرر کیا ہو تو اس صورت میں مہر واجب نہیں ہے۔

البتہ بطور سلوک و احسان اور ولداری کے متعہ دینا واجب ہے، یہ متعہ ایک جوڑا کپڑوں کی صورت میں ہوگا، یعنی طلاق دینے والا مرد مطاہقہ عورت کو تین کپڑے دے دے، ایک کُرتہ، ایک دوپٹہ ایک خوب چوڑی چنگلی چادر جو سر سے پاؤں تک ڈھانک سکے اور اس میں مرد کی حالت کا اعتبار ہوگا، مرد پیسہ والا ہے تو اپنی حیثیت کے مطابق دے اور تنگ دست ہے تو اپنے حالات کے مطابق دے دے، اس وجہ کو موقوفہ فرمانے کے لئے ارشاد فرمایا: بِمَتَاعٍ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ کہ یہ نفع پہنچانا شرعی قاعدہ کے مطابق ہے جو محسنین پر واجب ہے، ہر مسلمان اپنے ایمان کی وجہ سے صفت احسان اختیار کرنے پر مامور ہے اور ہر مومن محسن ہے، لہذا اس کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ جو لوگ فاسق اور گناہ گار ہیں۔ ان پر واجب نہیں، آیت بالا سے معلوم ہوا کہ اگر مہر مقرر کئے بغیر نکاح کر لیا جائے تو نکاح ہو جاتا ہے۔ اب اس کے بعد اگر مذکورہ بالا صورت پیش آ جائے (کہ مرد نے عورت کو ہاتھ بھی نہ لگایا اور طلاق دے دی) تو اس صورت میں متعہ دینا ہوگا جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اور اگر مہر مقرر کئے بغیر نکاح کر لیا، اور پھر میاں بیوی دلی تنہائی بھی ہو گئی یا خلوت سے پہلے شوہر کی وفات ہو گئی تو مہر مثل دینا ہوگا جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے۔

اور اگر مہر مقرر کیا تھا لیکن طلاق خلوت سے پہلے دیدی تو اس صورت میں مقرر کردہ مہر کا آدھا دینا لازم ہوگا، ہاں اگر عورت بالکل ہی چھوڑ دے کچھ بھی نہ لے تو معاف ہو جائے گا اور اگر شوہر اسے پورا ہی مہر دے دے یا جو دیکھ آدھا ہی واجب تھا، یا جو پورا مہر دے چکا تھا اس میں سے آدھا واپس نہ لے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، أَوْ يَعْفُوا الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ میں یہی آخری بات بیان فرمائی ہے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے اوہ شوہر ہے، اور اگر مہر مقرر کیا گیا تھا اور خلوت بھی ہو گئی تھی تو پورا مہر دینا فرض ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا: وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (کہ تمہارا معاف کر دینا تقویٰ سے زیادہ قریب ہے)۔ کیونکہ معاف کرنا موجب اجر و ثواب ہے۔ پھر فرمایا: وَلَا تَنْسُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ یعنی ایک دوسرے کے ساتھ احسان کرنے کو نہ بھلاؤ، آپس میں حسن سلوک سے پیش آتے رہو۔ قال صاحب الروح ص ۱۵۵ ج ۱۲ ای لا تتركوا أن يتفضل بعضكم على بعض كالشئى المنسى۔

آخر میں فرمایا: إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ اس میں وہی تذکیر و تنبیہ ہے جو بار بار گزر چکی ہے اور مضامین کے ختم میں بار بار دہرائی جاتی ہے، درحقیقت اس بات کا مراقبہ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال سے باخبر ہے، اور ہمارے کردار کو وہ دیکھ رہا ہے، سارے اعمال کو درست بنادینے کا ذریعہ ہے۔ دنیا میں یہ ہوتا ہے کہ جہاں آخرت کی مسؤلیت سے ذرا غفلت ہوتی ہے وہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ضائع ہونے کے مواقع پیش آ جاتے ہیں اس لئے قرآن مجید میں بار بار اس بات کو

دہرایا ہے کہ آخرت کی پیشی اور محاسبہ کو سامنے رکھیں۔

حِفْظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقَوْمُوا لِلَّهِ قِنْتَيْنِ ۝

پابندی کر نمازوں کی اور درمیان والی نماز کی، اور کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لئے اس حال میں کہ عاجزی اختیار کئے ہوئے ہو۔

تمام نمازوں اور خاص کر صلوٰۃ وسطیٰ کی محافظت کا حکم

طلاق اور شہر کی وفات سے متعلق بعض مسائل باقی ہیں درمیان میں نمازوں کی پابندی کا حکم فرمادیا، بندے جس حال میں بھی ہو۔ اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو اور خاص کر نمازوں کا خوب زیادہ اہتمام کریں۔ نماز سرپاؤ ذکر ہے، بار بار خالق کائنات جل مجدہ کی یاد کی طرف متوجہ کرتی ہے اور اللہ کی یاد ہی اس پورے عالم کی جان ہے، آدمی کیسی ہی مشغولیت میں ہو نماز سے غافل نہ ہو، اور ان نمازوں میں بھی صلاۃ وسطیٰ یعنی درمیان والی نماز کا اور زیادہ دھیان رکھے۔ احادیث صحیحہ میں اس کی تصریح ہے کہ صلاۃ وسطیٰ، (درمیان والی نماز) سے عصر کی نماز مراد ہے۔ اس نماز کا خصوصی دھیان رکھنے کے لئے اس لئے ارشاد فرمایا کہ عوام تجارتی امور اور کاروبار اور بہت سے کام ایسے وقت میں سامنے آ جاتے ہیں جبکہ نماز عصر کا وقت ہوتا ہے۔ مالوں کی خرید و فروخت کی گرم بازاری عصر ہی کے وقت ہوتی ہے، اس وقت میں نمازوں کی پابندی کرنے والے بھی نماز عصر سے غافل ہو جاتے ہیں۔

حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پانچ نمازیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے فرض فرمایا ہے۔ جس نے اچھی طرح ان کا وضو کیا اور ان کو بروقت پڑھا اور ان کا رکوع و خشوع پورا کیا تو اللہ کے ذمہ یہ عہد ہے کہ وہ اس کی مغفرت فرماوے گا، اور جس نے ایسا نہیں کیا تو اُس کے لئے اللہ کا کوئی عہد نہیں چاہے تو اسے بخش دے اور چاہے اسے عذاب دے۔ (رواہ ابو داؤد ص ۶۱ ج ۱) آخر میں فرمایا: وَقَوْمُوا لِلَّهِ قِنْتَيْنِ، لفظ قانتین، قنوت سے لیا گیا ہے۔ جو اسم فاعل کا مینہ ہے اس کی تفسیر کئی طرح سے کی گئی ہے، مطیعین، خاشعین، ساکتین، یہ سب اس کی تفسیریں ہیں۔ جو سب حضرات سائف سے مشہور ہیں۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نماز کے اندر باتیں کر لیا کرتے تھے یہاں تک کہ آیت کریمہ وَقَوْمُوا لِلَّهِ قِنْتَيْنِ نازل ہو گئی تو ہمیں خاموشی کا حکم ہوا اور آپس میں بات کرنے سے روک دیئے گئے۔ (رداۃ البخاری ص ۶۵ ج ۲)

نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے وہی پڑھا جائے اور آپس میں باتیں نہ کی جائیں۔ حضرت مجاہد تابعی نے فرمایا کہ قنوت یہ ہے کہ رکوع لمبا ہو نظر پرست ہو اور خشوع حاصل ہو، اور یہ کہ کسی طرف التفات نہ کیا جائے، اور کنگریوں کو الٹ پلٹ نہ کیا جائے (جو بعض مسجدوں میں فرش پر پڑی رہتی تھیں) اور دنیاوی امور کے وسوسے اپنے دل میں نہ لانے، بعض حضرات نے قانتین کی تفسیر کرتے ہوئے یوں فرمایا ہے۔ مکملین الطاعة و متممبھا علی احسن وجه من غیر اخلال بشیئ مما ينبغي فہا کہ نہایت اچھے طریقہ پر طاعت کو درجہ کمال تک پہنچایا جائے اور جو چیزیں طاعت کے لئے چاہئیں ان میں سے کسی بھی چیز میں خلل نہ آنے دیا جائے۔ (رد المحتار ص ۱۰۷ ج ۲)

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۖ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم

پھر اگر تم کو خوف ہو تو کھڑے ہوئے یا سواری پر بیٹھو: وہ نماز پڑھ لیا کرو، پھر جب تم کو امن حاصل ہو جائے تو اللہ کو یاد کرو جیسا کہ اس نے تمہیں سکھایا ہے جو تم نہیں

مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۳۱﴾

جانتے تھے۔

دُشمنوں کا ہجوم ہو تو نماز کیسے پڑھی جائے؟

گزشتہ آیت میں تمام نمازوں کی پابندی اور خاص کر صلاۃ وسطیٰ کی پابندی کا حکم فرمایا۔ اس آیت میں خوف اور امن کے حالات میں نماز پڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جہاں تک بھی ممکن ہو پانچوں نمازوں کو ہر حال میں اور ہر مقام میں ضروری پڑھیں۔ بعض مرتبہ دشمنوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اس موقع پر ایسا بھی ہوتا ہے کہ باقاعدہ رکوع و سجدہ کے ساتھ نماز پڑھنا ممکن نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں کھڑے کھڑے اشارہ ہی سے نماز پڑھ لیا کریں۔ زمین پر اترنے کا موقع نہ ہو تو سواری ہی پر پڑھ لیں۔ پھر جب امن ہو جائے اور اطمینان نصیب ہو جائے تو اسی طرح نماز پڑھو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے امن و اطمینان کے حالات میں نماز پڑھنے کی تعلیم دی ہے اگر دشمنوں کا ہجوم ہو اور کوئی صورت کسی طرح نماز پڑھنے کی بن نہ پڑے تو مجبوراً نماز مؤخر کر دے اور بعد میں قضا پڑھ لے۔ صحیح بخاری ص ۸۳ ج ۱ میں حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ جبکہ خندق کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور کفار قریش کو برا کہنے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نماز نہیں پڑھ سکا یہاں تک کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! اللہ کی قسم میں نے بھی عصر نہیں پڑھی پھر وہاں کی طرف توجہ فرمائی اور آپؐ نے وضو کیا اور ہم نے بھی وضو کیا۔ اس کے بعد آپؐ نے عصر کی نماز پڑھی جبکہ سورج غروب ہو چکا تھا۔ پھر اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوہ خندق کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مشرکین کو بدو عادیتے ہوئے) فرمایا اللہ ان کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے انہوں نے ہمیں صلاۃ وسطیٰ سے روک دیا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ (صحیح مسلم ص ۲۲۶ ج ۱)

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا ۖ وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا

اور جو لوگ وفات پا جائیں اور چھوڑ جائیں بیویوں کو وصیت کر دیں اپنی بیویوں کے لئے متاع ہونے کی

إِلَى الْحَوْلِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي

ایک سال تک اس طور پر کہ وہ گھر سے نہ نکلی جائیں، پس اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر کوئی عتاب نہیں ہے، اس بات میں جو وہ اپنی

أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوفٍ ۚ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۳۲﴾

جانوں کے لئے قاعدہ کے مطابق اختیار کر لیں، اور اللہ عزت والا ہے، حکمت والا ہے۔

بیویوں کے لئے وصیت کرنا

زمانہ جاہلیت میں جب کسی عورت کا شوہر مر جاتا تھا تو اس کی عدت ایک سال تھی، وہ ایک سال تک کسی کوٹھڑی میں پڑی رہتی تھی اور ایک سال کے بعد اس کو ٹھڑی سے نکالتے تھے اور اس کی گود میں اونٹ کی بینگیاں بھرویتے تھے پھر اسے باہر لگی کوپے میں نکالتے تھے۔ وہ لوگوں پر بینگیاں پھینکتی جاتی تھی اس سے لوگ سمجھ لیتے تھے کہ اس کی عدت ختم ہو گئی جیسا کہ صحیح بخاری ص ۸۰۳ ج ۲ اور صحیح مسلم ص ۲۸ ج ۱ اور سنن ابوداؤد ص ۳۱۲ ج ۱ میں مذکور ہے۔ اسلام میں ایسی عورت کی عدت چار ماہ و س دن مقرر فرمادی جس کا شوہر وفات پا جائے اور وہ حمل سے نہ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ اس آیت میں حکم فرمایا کہ مرنے والا اپنی بیویوں کا خیال رکھے موت سے پہلے اس بات کی وصیت کر دے کہ شوہر کے ترکہ سے ایک سال تک اس کو نان و نفقہ دیا جائے الْفَلَظُ مَتَاعًا إِلَى الْخَوَلِ میں اس کو بیان فرمایا ہے، یہ حکم پہلے تھا بعد میں منسوخ ہو گیا اور اس کے ساتھ یہ حکم تھا کہ وصیت میں یہ بھی شامل کر دیں کہ ایک سال تک اسے شوہر کے گھر سے نہ نکالا جائے اَعْلُوْهُ انخوارج میں اس حکم کو بیان فرمایا ہے لیکن عورت کو اختیار تھا کہ اگر وہ چاہے تو مرنے والے شوہر کے گھر میں رہے اور چاہے تو اپنے ماں باپ کے یہاں چلی جائے فَسَانِ حَسْرَتُكُمْ میں اس مضمون کو بیان فرمایا ہے یہ حکم آیت میراث نازل ہونے سے پہلے تھا۔ جب میراث کا حکم نازل ہو گیا اور شوہر کے مال میں بیوی کا حصہ بطور میراث مقرر کر دیا گیا تو یہ حکم کہ ایک سال تک اسے نان و نفقہ دیا جائے، منسوخ ہو گیا اور اس کے بعد یہ حکم ہو گیا کہ میراث لے لے اور خرچہ اسی میں سے کرے۔ البتہ عدت پوری ہونے تک شوہر ہی کے گھر میں رہے۔ نہ اس میں سے نکلے نہ نکالی جائے۔

وَالْمُطَلَّقَاتُ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿۴۰﴾ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ

اور طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے قائم و پہنچاتا ہے ایسے طریقہ پر۔ یہ ضروری قرار دیا گیا ہے متقیوں پر، اسی طرح اللہ بیان فرماتا

لَكُمْ اَيْتُهُ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۴۱﴾

ہے اپنی آیات تاکہ تم سمجھو۔

مطلقہ عورتوں کو متعہ دینے کی تاکید

جن عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دیدی جائے اور مہر مقرر نہ کیا گیا: وہ ان کے لئے متعہ دینے کا حکم عنقریب گزر چکا ہے۔ اس آیت میں پھر فرمایا کہ طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے نفع پہنچانا ہے، اس سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں بعض مفسرین نے تو یہ فرمایا کہ اس سے پہلے جن عورتوں کو متعہ یعنی تین کپڑے دینے کا حکم ہوا تھا اس کو یہاں بطور تاکید و بارہ بیان فرمایا ہے۔ صاحب روح المعانی ص ۲۶۰ ج ۲ لکھتے ہیں کہ اس کی تفسیر اس روایت سے ہوتی ہے جو ابن جریر نے ابن زید سے روایت کی ہے اور وہ یہ کہ جب لفظ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ نازل ہوا تو ایک شخص نے کہا کہ یہ تو احسان اور سلوک کی بات ہوئی۔ (یعنی تبرع والا معاملہ ہوا) چاہے عمل کروں چاہے نہ کروں۔ اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ فرمایا، جس سے ظاہر ہوا کہ جو شخص اس پر عمل نہیں کرے گا وہ گناہگار ہوگا۔

بعض مفسرین نے یہ بھی فرمایا کہ اس سے عدت کے زمانہ کا نان و نفقہ مراد ہو سکتا ہے کیونکہ وہ بھی نفع پہنچانے میں شامل ہے اور لفظ

مَنَسَّاع کو اور زیادہ عام لیا جائے تو اس میں وہ سب احکام داخل ہو جاتے ہیں جو مطلقہ عورتوں سے متعلق ہیں جس میں بعض صورتوں میں پورے مہر کی ادائیگی اور بعض صورتوں میں نصف مہر کی ادائیگی واجب ہے جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے اگر بیوی کا مہر ادا نہیں کیا ہے تو یہ نہ سمجھئے کہ اب تو میری بیوی رہی ہی نہیں اب کیا لینا دینا ہے بلکہ اب تو مہر کی ادائیگی کی فرضیت اور زیادہ مؤکدہ و گئی کیونکہ جب تک نکاح میں تھی تو معاف کر دینے کا بھی احتمال تھا اب کیوں معاف کرنے لگی۔ لہذا اب جلدی ادائیگی کر کے سبکدوش ہو جائے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌۭ حَذَرَ الْمَوْتِ ۖ فَقَالَ لَهُمْ

خو نے ایسے لوگوں کو دیکھا جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکلے اور وہ تعداد میں ہزاروں تھے، پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے

اَللّٰهُ مُؤْتُوْا نَفْسَكُمْ اَحْيَاهُمْ ۖ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلٰی النَّاسِ وَلَٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

کہ مر جاؤ، پھر ان کو زندہ فرما دیا، بے شک اللہ ضرور فضل والا ہے لوگوں پر، لیکن اکثر

لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

لوگ شکر نہیں کرتے۔ اور قتال کرو اللہ کی راہ میں اور جان لو کہ بے شک اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔

بنی اسرائیل کا ایک واقعہ

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ عالم التذیل ص ۲۲۳ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ اکثر اہل علم نے یہ بیان کیا ہے کہ ایک بستی جس کا نام داوردان تھا اس میں طاعون واقع ہو گیا، اس موقع پر ایک جماعت وہاں سے نکل گئی اور ایک جماعت بستی ہی میں رہ گئی۔ جو لوگ بستی میں رہ گئے تھے ان میں سے اکثر ہلاک ہو گئے اور جو لوگ بستی چھوڑ کر چلے گئے تھے وہ صحیح سلامت رہے اور پھر بستی میں آ گئے، جو لوگ بستی میں رہ گئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے یہ ساتھی ہم سے زیادہ ہوشیار رہے۔ آئندہ ہم ایسی زمین کی طرف نکل جائیں گے جہاں وبا نہ ہو چنانچہ آئندہ سال طاعون واقع ہوا تو بستی کے تقریباً سب ہی لوگ چلے گئے اور ایک وسیع میدان میں قیام کر لیا، اس میدان میں نجات پانے کی نیت سے قیام کیا تھا لیکن ہوا یہ کہ ایک فرشتہ نے اوپر کے حصہ سے اور ایک فرشتہ نے میدان کے نچلے والے حصے سے پکارا اور کہا کہ مُؤْتُوْہ کہ تم سب مر جاؤ، چنانچہ وہ سب مر گئے۔

دوسرا قول علامہ بغوی نے یہ نقل کیا ہے کہ جو لوگ گھروں سے نکلے تھے یہ لوگ جہاد سے فرار ہوئے تھے جس کا واقعہ یوں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ نے ان کو حکم دیا تھا کہ دشمن سے جنگ کرنے کے لئے نکلیں ان لوگوں نے اوّل تو لشکر تیار کر لیا لیکن پھر ان پر یزہ لی سوار ہو گئی اور موت سے جان چھڑانے لگے، لہذا انہوں نے ایک حیلہ بنایا اور اپنے بادشاہ سے کہا کہ جس سرزمین میں جہاد کرنے کے لئے ہم کو جانے کا حکم ہوا ہے اس میں ذبا پھیلی ہوئی ہے، جب ذبا ختم ہو جائے گی تو ہم وہاں پہنچ جائیں گے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ان پر موت بھیج دی، جب وہیں ان کی بستی میں موتیں ہونی شروع ہوئیں تو وہ موت کے ڈر سے گھروں کو چھوڑ کر نکل پڑے ہوئے، جب بادشاہ نے یہ خبر دیکھا تو بارگاہ خداوندی میں اُس نے دُعا کی کہ اے اللہ! آپ ان کو واپس اپنی بستی میں لوٹا دیجئے جس سے یہ سمجھ لیں کہ موت سے بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں ہے، اور فرارِ موت سے نہیں بچا جاسکتا۔ چنانچہ جب وہ بستیوں سے نکلے تو اللہ تعالیٰ شانے نے فرمایا موتوا (مر جاؤ) اور یہ بطور عقوبت و سزا کے فرمایا چنانچہ وہ لوگ مر گئے، ان کے جانور بھی مر گئے اور ان واحد میں سب

کو موت آگئی۔ جیسے شخص واحد کی موت ہو، وہ آٹھ دن تک اسی طرح پڑے رہے، یہاں تک کہ نعشیں ان کی پھول گئیں۔ ان کی طرف لوگ نکلے تو اتنی کثیر تعداد کو دفن کرنے سے عاجز آ گئے، لہذا انہوں نے ان کے چاروں طرف احاطہ بنا دیا تاکہ درندے نہ پھاڑ ڈالیں اور ان کو اسی حالت میں چھوڑ دیا، حضرت حزقیل علیہ السلام جو اس زمانہ کے نبی تھے وہ ان لوگوں پر گزرے تو کھڑے ہو گئے اور تعجب سے غور فرمانے لگے، اللہ جل شانہ نے ان کی طرف وحی بھیجی کیا میں تمہیں کوئی نشانی دکھاؤں، عرض کیا ہاں! دکھائیے، اس پر اللہ تعالیٰ نے ان سب کو زندہ فرما دیا، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت حزقیل علیہ السلام نے ان کے زندہ کرنے کے لئے دُعا کی تھی جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ فرما دیا، جب وہ لوگ زندہ ہو گئے تو ان کی زبان سے یہ کلمات نکلے۔

سبحان اللہ ربنا وبحمدک لا الہ الا انت (اے اللہ! اے ہمارے رب! ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں، تیرے سوا کوئی معبود نہیں) زندہ ہو کر یہ لوگ اپنی قوم میں چلے گئے، حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بطور سزا کے موت دیدی تھی۔ کیونکہ موت سے بھاگے تھے پھر باقی عمریں پوری کرنے کے لئے زندہ کر دیئے گئے، اگر ان کی عمریں ختم ہو چکی ہوتیں تو دوبارہ زندہ نہ کئے جاتے۔

یہ لوگ مقدار میں کتنے تھے جو موت کے بعد زندہ ہوئے اس کے بارے میں علامہ بغوی نے مختلف اقوال نقل کئے ہیں۔ ۳۰ ہزار، ۴۰ ہزار، ۸۰ ہزار، ۱۰۰ ہزار، ۳۰۰ ہزار سے کچھ اوپر، ۴۰ ہزار، ستر ہزار، علامہ بغوی فرماتے ہیں کہ جس نے دس ہزار سے زیادہ کہا وہ قول زیادہ مناسب ہے کیونکہ لفظ السوف جمع کثرت ہے جس کا دس ہزار سے کم پر اطلاق نہیں ہوتا۔ یہ جو کچھ معالم التزیل سے نقل کیا گیا ہے، اس کے علاوہ بھی کتب تفسیر میں واقعات کچھ نقل کئے گئے ہیں۔ بظاہر یہ سب واقعات اسرائیلیات ہیں اور ان قصوں کے جاننے پر قرآن کا مفہوم سمجھنا موقوف بھی نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن کریم نے ایک واقعہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہزاروں انسانوں کو موت دیدی پھر ان سب کو زندہ فرما دیا، اللہ تعالیٰ کی قوت کاملہ پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اسے موت دینے اور پھر زندہ کرنے پر قدرت ہے۔ ایک جان کی موت و حیات اور ہزاروں جانوں کی موت و حیات اس کے لئے سب برابر ہیں۔ آن واحد میں وہ ہزاروں افراد کو موت دے سکتا ہے اور زندہ بھی کر سکتا ہے۔ اس واقعہ میں خاص کر بنی اسرائیل کے لئے تذکیر ہے۔ کیونکہ انہیں اپنے خاندانوں کے واقعات یاد تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اُمتی تھے۔ آپ کو ان باتوں کا پتہ نہ تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ باتیں بتائی ہیں اور یہ آپ کی نبوت کے دلائل میں سے روشن دلیل ہے۔ دوسری آیت میں یہ جو فرمایا کہ اللہ کی راہ میں قتال کرو اس کے بارے میں مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کو خطاب ہے جو موت کے بعد زندہ کئے گئے تھے۔ اور یہ بات ان مفسرین کے بیان سے جوڑ بھی کھاتی ہے جنہوں نے فرمایا کہ ان لوگوں نے جہاد سے بچنے کے لئے راہ فرار اختیار کی تھی، اور بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ اس میں اُمت محمدیہ کو خطاب فرمایا ہے اور ان کو جہاد کا حکم دیا ہے اس قول کے مطابق بنی اسرائیل کے واقعہ کو حکم جہاد کی تمہید کہا جاسکتا ہے کہ جہاد میں شریک ہونے سے موت کا خوف مانع نہ ہونا چاہیے موت کے ڈر سے بھاگنا موت سے بچا نہیں سکتا۔ بنی اسرائیل کے ہزاروں آدمی بھاگ کھڑے ہوئے تھے لیکن موت نے ان کو نہ چھوڑا، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا آخرت کے بہت بڑے اجر و ثواب اور اعلاٰ و کلمۃ اللہ کا ذریعہ ہے جو جہاد نہ کرے گا موت اس کو بھی آئے گی پھر کیوں اجر و ثواب کو کھوئے۔ بعض اہل تفسیر کے قول کے مطابق وہ لوگ طاعون سے بھاگے تھے جو بنی اسرائیل کے لئے عذاب تھا اور اس اُمت کے لئے رحمت ہے ہمارے نبی فخر الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

طاعون ایک عذاب ہے اللہ جس پر چاہتا ہے اُسے بھیج دیتا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اُسے مومنین کے لئے رحمت بنایا ہے، جو بھی کوئی شخص کسی ایسی جگہ موجود ہو جہاں طاعون واقع ہو گیا ہو اور صبر کرتے ہوئے اور یہ جانتے ہوئے وہیں ٹھہرا رہے کہ مجھے اس کے سوا کچھ

(ضرر) نہیں پہنچ سکتا جو اللہ نے میرے لئے لکھ دیا ہے تو ایسے شخص کے لئے ایک شہید کا ثواب ہے۔ (رواہ البخاری ص ۸۵۳ ج ۲)
یہ تو اس شخص کے لئے ہے جو طاعون کی جگہ ثابت قدم رہا۔ وہاں سے گیا نہیں اور طاعون میں مبتلا نہ ہوا۔ صبر و استقامت کی وجہ سے اسے شہید کا ثواب ملے گا اور جو شخص طاعون میں نہ گیا تو وہ بھی شہیدوں میں شمار ہے۔ (کنز الدواہ البخاری ص ۸۵۳ ج ۲)
حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم سنو کہ کسی سرزمین میں طاعون ہے تو وہاں نہ جاؤ اور جب کسی ایسی سرزمین میں طاعون آجائے جہاں تم موجود ہو تو اس سے بھاگنے کے لئے مت نکلتا۔ (رواہ البخاری ص ۸۵۳ ج ۲)
حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص طاعون سے بھاگے تو وہ ایسا ہے جیسے میدانِ جہاد سے بھاگا اور جو صبر کرتے ہوئے وہیں رہے اس کے لئے ایک شہید کا ثواب ہے۔ (رواہ احمد کنی المصنف ص ۱۳۹ ج ۱)

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً ۖ وَاللَّهُ يَقْبِضُ

کون سے جو قرض دے اللہ کو قرض حسن، پھر اللہ اُس کے لئے اضافہ فرما دے چند در چند بہت سے اضافے فرما کر، اور اللہ چاہے فرماتا ہے

وَيَبْضُطُ ۖ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۵﴾

اور بٹاتا ہے، اور اس کی طرف لو لوٹا دیئے جائیں گے۔

اللہ کی رضا کے لئے صدقہ خیرات کرنے کی فضیلت

لباب النقول میں اس آیت کریمہ کا سبب نزول بتاتے ہوئے بحوالہ ابن حبان وغیرہ حضرت عبداللہ بن مررض اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب آیت شریفہ مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ (آخر تک) نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا رَبِّ ذَا أَمْنِي (یعنی اے میرے رب! میری اُمت کو اور زیادہ عطا فرما) اس پر آیت مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ (آخر تک) نازل ہوئی۔ اس آیت میں اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے استنبہام کا طریقہ اختیار فرمایا ہے (جو ترغیب کا بہت عمدہ طریقہ ہے) کہ کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دیتا ہے۔ قرض کا معنی تو سب ہی جانتے ہیں اور حسن اچھے کے معنی میں آتا ہے۔ صاحب روح المعانی ص ۱۶۲ ج ۲ لکھتے ہیں کہ اخلاص کے ساتھ خرچ کرنا اور حلال اور طیب مال خرچ کرنا یہ سب قرض حسن کے عموم میں داخل ہے۔ اھ اللہ تعالیٰ شانہ محتاج نہیں ہے سب کچھ اسی نے پیدا فرمایا اور سب اسی کی ملکیت ہے۔ جو لوگ مجازی مالک ہیں وہ اور اُن کے اموال سب اللہ ہی کی ملکیت ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ شانہ کا کتنا بڑا فضل اور شان کریمانہ ہے کہ اس کے دیئے ہوئے میں سے جو شخص اس کی مخلوق پر خرچ کرے جو خرچ کرنے والے کی اپنی جنس ہے حتیٰ کہ اپنے اوپر اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے اور اس میں ثواب سمجھے تو اس کا نام قرض رکھ دیا، اور پھر بتنا دیا ہے اس سے بہت زیادہ عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا جس کو اس آیت میں أَضْعَافًا كَثِيرَةً فرمایا ہے کسی نے کیا خوب کہا

مال عالم ملک تست و ماکان مملوک

باد جوہ ایں بے نیازی اقرضوا اللہ گفتی

صحیح بخاری ص ۱۸۹ ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص ایک کھجور کے برابر حلال مال سے صدقہ کرے اور اللہ تعالیٰ صرف حلال ہی کو قبول فرماتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمالیتا ہے پھر اس کی تربیت فرماتا ہے جیسا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے گھوڑے کے بچہ کی تربیت کرتا ہے اور وہ ذرا سا صدقہ بڑھتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔

صحیح مسلم ص ۲۵۸ ج ۲ میں ہے کہ روزانہ رات کو جب تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کون ہے جو مجھ سے دعا کرے میں اس کی دعا قبول کروں۔ کون ہے جو مجھ سے سوال کرے میں اس کو دے دوں، کون ہے جو مجھ سے مغفرت مانگے میں اس کی مغفرت کروں، کون ہے جو ایسے کو قرض دے جس کے پاس سب کچھ ہے اور جو ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ صبح تک یوں ہی فرماتے رہتے ہیں۔ یہ جو فرمایا کہ کون ہے جو ایسے کو دے جس کے پاس سب کچھ ہے اس میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کے مال کی حاجت نہیں ہے اس کی ملکیت میں سب کچھ ہے، کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ ضرورت مند کو دے رہا ہوں، بلکہ اپنا فائدہ سمجھ کر اللہ کی راہ میں خرچ کرے اور یہ جو فرمایا کہ وہ ظلم کرنے والا نہیں ہے اس میں یہ بتایا کہ جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے ضائع نہ جائے گا اس کے مارے جانے کا کوئی اندیشہ نہیں۔ پھر فرمایا: **وَاللّٰهُ يَفْضِلُ وَيُغْنِي** ص وَاللّٰهُ تَزْجَعُونَ اللہ تعالیٰ تنگی کرتا ہے اور رکشاؤں فرماتا ہے اور اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ جس کو چھتا چاہے دے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جس کی رہزی تنگ کر دے اس کا بھی اسے اختیار ہے اس پر کوئی پابندی لگانے والا نہیں۔ کسی کو زیادہ دینا اور دے کر کم کر دینا سب اسی کے قبضہ و قدرت میں ہے اس مضمون کو قرآن کریم میں کئی جگہ بیان فرمایا ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا: **رَبُّكَ يَسْطُرُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ط إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا** (بلاشبہ تیرا رب جس کو چاہتا ہے زیادہ رزق عطا فرماتا ہے اور تنگی فرما دیتا ہے۔ بلاشبہ وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے ویکھنے والا ہے) یہ مضمون سورہ تنکبوت رکوع نمبر ۶ اور سورہ سبأ رکوع نمبر ۴، اور رکوع نمبر ۵ میں بھی مذکور ہے۔ آخر میں یہ جو فرمایا **وَاللّٰهُ تَزْجَعُونَ** اس میں یہ بتایا کہ اللہ کے لئے خرچ کیا ضائع نہیں ہے۔ جب اللہ کے یہاں پہنچو گے، سب کا ثواب پالو گے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْهَلَاءِ مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ مِنْ بَعْدَ مُوسَى إِذْ قَالُوا لَنَبِيِّ لَّهُمْ اَبْعَثْ لَنَا مَلِكًا

کیا آپ کو بنی اسرائیل کی ایک جماعت کا قصہ معلوم ہے جو نبی کے بعد پیش آیا، جب انہوں نے اپنے نبی سے عرض کیا کہ مقرر کر دیجئے ہمارے لئے

نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تَقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا

ایک بادشاہ تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں، انہوں نے فرمایا کیا ایسا ہو گا کہ اگر تم پر قتال فرض کیا گیا تو تم قتال نہ کرو؟ وہ کہنے لگے

وَمَا لَنَا اَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَابْنَانَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ

اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ کی راہ میں قتال نہ کریں حالانکہ ہم نکال دیئے گئے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے بیٹوں کے پاس سے، پھر جب ان پر

الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظَّالِمِيْنَ ۝ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ

قتال فرض کیا گیا تو پھر گئے سوائے ان میں سے تھوڑے لوگوں کے، اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔ اور کہا ان سے ان کے نبی نے بے شک اللہ نے

بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا اَنْتَ يَكُوْنُ لَهٗ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ

مقرر فرما دو تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ وہ کہنے لگے کہ ان کو ہم پر حکمران ہونے کا حق کیسے پہنچتا ہے حالانکہ ہم ان سے زیادہ حکمرانی کے

وَلَمْ يُوْتِ سَعَةً مِنَ الْمَالِ ۚ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اَصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَتْ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ

مستحق ہیں اور ان کو مالی گنجائش نہیں دی گئی۔ ان کے نبی نے کہا کہ بے شک اللہ نے ان کو تم پر حکمرانی کے لئے منتخب فرمایا ہے، اور ان کو علم میں اور جسم میں

وَالْجِسْمِ ۚ وَاللّٰهُ يُؤْتِي مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَاءُ ۚ وَاللّٰهُ وَّاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۱۰ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ

فراخی عطا فرمائی ہے اور اللہ اپنا ملک جسے چاہے دے اور اللہ وسعت والا ہے۔ اور کہا ان سے ان کے نبی نے

اٰيَةً مُّلْكِهٖ اَنْ يَّاتِيَكُمْ التَّابُوتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ الْـمُوسٰى

کہ بادشاہ اس کے حکمران ہونے کی یہ نشانی ہے کہ آجائے گا تمہارے پاس تابوت جس میں سکین ہے تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں جن ان میں سے

وَالْهَرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيَةً لِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۱

جنہیں محمدؐ اور آلہٴ محمدؐ کے لئے ہے۔ ان میں سے دو ایک اور چیزیں ہیں جو تمہاری قوم کے لئے ہیں۔ اور ان کے نبی نے کہا کہ تم میں سے جو ایمان لائے ہو

بنی اسرائیل کا ایک واقعہ اور طالوت کی بادشاہت کا ذکر

ان آیات کریمہ میں بنی اسرائیل کا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے۔ پورا واقعہ پارہ کے ختم کے قریب تک بیان ہوا ہے۔ اس واقعہ میں

بنی اسرائیل کے لئے جہاں تذکیر نعمت ہے وہاں امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلاۃ والتحبۃ) کے لئے بھی بہت سی عبرتیں ہیں،

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد انبی کی قوم میں سے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے جو یکے بعد دیگرے آتے رہے، حضرت یوشع

، حضرت شمعون، حضرت شمویل اور حضرت کالب بن یوحنّا اور حضرت حزقیل علیہم السلام کے اسماء گرامی لکھے ہیں۔ یہ حضرات حضرت موسیٰ

علیہ السلام کی شریعت کی تبلیغ اور تورات شریف کے مضامین بیان فرماتے تھے۔ بنی اسرائیل میں شدہ فساد بے دینی بلکہ بددینی تک آگئی۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط فرمادیا۔ جو جاہلوت کی قوم میں سے اور غالمقہ کی قوم میں سے تھے اور بحر روم کے ساحل پر اور مصر و

فلسطین کے درمیان رہتے تھے۔ یہ لوگ بنی اسرائیل پر غالب ہو گئے ان کی زمین تھیں لی اور ان کی اولاد کو جن میں ان کے بادشاہوں کی

نسل کے لوگ بھی تھے قید کر لیا اور ان پر جزیہ لگادیا، بنی اسرائیل اس موقع پر بہت ہی زیادہ مصیبت اور سختی میں مبتلا رہے کوئی ایسا نہ رہا جو ان

کا قائد و مدبر ہوتا۔ جب بہت زیادہ دکھ اور تکلیف میں مبتلا ہوئے تو اس زمانہ میں جو ان کے نبی تھے۔ (اور اسی مصیبت کے زمانہ میں وہ

پیدا ہوئے اور بڑے ہو کر نبوت سے سرفراز ہوئے) ان کی خدمت میں بنی اسرائیل نے عرض کیا کہ اللہ پاک کی طرف سے آپ ہمارے

لئے ایک بادشاہ مقرر کرادیں تاکہ ہم ان کے ساتھ مل کر دشمنوں سے جہاد کریں اور ان کو اپنے علاقوں سے نکال دیں (چونکہ بنی اسرائیل کو

یہ بات معلوم تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ان کے لئے بھیجا ہے)۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے آپؐ کو بادشاہ بنانے کا سوال کیا اور دشمنوں سے جہاد کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو ان کے نبی نے جو ان کے حال اور حال کو جانتے تھے۔ خطرہ ظاہر کیا اور فرمایا

کہ تم سے تو یہ امید ہے کہ قتال فرض ہو گیا تو جنگ سے دُور بھاگو گے اور لڑائی سے جان چھڑاؤ گے اس پر وہ کہنے لگے بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے

کہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ نہ کریں۔ جنگ نہ لڑنے کا کوئی سبب نہیں بلکہ لڑنے کا سبب موجود ہے اور وہ یہ کہ دشمن نے ہم پر جو تسلط کر رکھا ہے اس کی وجہ سے ہم اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے ہیں اور اپنی اولادوں سے دُور کر دیئے گئے ہیں۔ باتیں تو بڑھ چڑھ کر کر رہے تھے لیکن جب قتال فرض ہو گیا تو وہ خطرہ سامنے آ گیا جو ان کے نبی کو تھا اور تھوڑے لوگوں کے علاوہ باقی سب برادروں اور وعدوں سے پھر گئے اور جنگ کرنے سے منہ موڑ لیا۔ اللہ جل شانہ نے ان کی درخواست پر حضرت طاوت کو بادشاہ بنادیا اور ان کے نبی نے اس کا اعلان کروایا، عمل اور کارگزاری حضرت طاوت کی تھی اور مشورہ اور رہبری ان کے نبی کی تھی۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ نبی جس سے مذکورہ بالا درخواست کی تھی۔ حضرت شمعون علیہ السلام تھے۔

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی درخواست پر حضرت طاوت کو بادشاہ مقرر کر دیا گیا تو اپنی روایتی کجروی کے باعث اُس طرح کی اُلٹی باتیں کہیں جیسا کہ ان کا مزاج تھا اور پُرانا طریقہ کار تھا۔ ان کی اس طرح کی باتیں ذبح بقرہ کے واقعہ کے سلسلہ میں گزر چکی ہیں۔ حضرت طاوت کی بادشاہت کا اعلان سننے کے بعد کہنے لگے کہ یہ شخص ہمارا بادشاہ کیسے ہو سکتا ہے اس کے پاس پیسہ ہے نہ کوئی، اس سے زیادہ تو ہم بادشاہ بننے کے مستحق ہیں اپنی جہالت سے وہ اللہ تعالیٰ شانہ کو بھی رائے دینے لگے کہ اس کے بجائے ہم میں سے کوئی پیسہ والا بادشاہ ہونا چاہیے، اور یہ انسان کا عجیب مزاج ہے کہ وہ پیسہ والا کو بڑا آدمی سمجھتا ہے خواہ کیسا ہی بے علم اور نا سمجھ اور خبیث ہو۔

ان کے نبی نے ان کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے طاوت کو منتخب فرمایا ہے تم پر ان کو ترجیح دے دو اور حکومت کے لئے جس چیز کی ضرورت ہے وہ اس میں پوری طرح موجود ہے حکومت کے لئے علم ہونا چاہیے جس کے ذریعہ وہ تدبیر امور کر سکے اور دشمنوں سے نمٹ سکے اور ساتھ ہی جسمانی قوت بھی ہونی چاہیے علم کی تدبیر اور جسم کی قوت سے بہمت ہوتی ہے اور حوصلہ بلند ہوتا ہے اور دشمنوں پر غلبہ پانے کے لئے انہی چیزوں کی ضرورت ہے۔ اور یوں بھی اللہ کو اختیار ہے، وہ جس کو چاہے حکومت اور مملکت عطا فرمائے، تمہیں اعتراض کا کیا حق ہے اور اللہ کے فیصلہ کے خلاف تم رائے دینے والے کون ہو اُسے معلوم ہے کہ حکومت ملنے پر کوئی کیا کرے اور کیسا ثابت ہوگا۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلَیْہِمْ اَیْکَ نَبِیْ کَا فَرَمَانَا بَاتِ مَانِنَہٗ کے لئے اور حضرت طاوت کو بادشاہ تسلیم کرنے کے لئے کافی تھا۔ لیکن ان کے نبی نے حضرت طاوت کی بادشاہت کا ثبوت دینے کے لئے ایک نشانی بھی بیان فرمائی اور وہ یہ کہ تمہارے پاس وہ تابوت آئے گا جو تمہارے لئے باعث اطمینان و سکون ہوگا۔ اس تابوت میں ان چیزوں کا بقیہ ہوگا جو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام نے چھوڑی تھیں چنانچہ وہ تابوت ان لوگوں کے پاس آ گیا جسے فرشتے اٹھائے ہوئے تھے، دشمنوں نے ان سے چھین لیا تھا جب یہ تابوت ان کے پاس تھا تو دشمنوں سے جنگ کرتے وقت اُس کو سامنے رکھا کرتے تھے اور اس کے ذریعہ دشمن پر فتیالی حاصل کر لیتے تھے۔ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے جو چیزیں چھوڑی تھیں ان کا بقیہ کیا تھا جو اس تابوت میں تھا۔ اس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ تورات شریف کی دو تختیاں تھیں اور ان تختیوں کا کچھ چورا تھا جو ٹوٹ گئی تھیں۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا تھا اور حضرت ہارون علیہ السلام کی چوڑی تھی، اور کچھ من بھی تھا جو سلوٹی کے ساتھ بنی اسرائیل پر نازل ہوا کرتا تھا، اس تابوت کا ان کے پاس فرشتوں کا لیکر آنا اور وہ بار واپس مل جانا اس بات کی صریح دلیل تھی کہ حضرت طاوت کو واقعی اللہ تعالیٰ نے بادشاہ بنایا ہے، فرشتے یہ تابوت لائے اور حضرت طاوت کے سامنے رکھ دیا لیکن بنی اسرائیل سے پھر بھی یہ بعید نہ تھا کہ انکار کر بیٹھیں اس لئے ان کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیۃٌ لِّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (تمہارے لئے اس میں نشانی ہے اگر تم مؤمن ہو)

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ

طالوت لشکروں کے ساتھ روانہ ہوئے تو انہوں نے کہا بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر کے ذریعہ آزمائے والا ہے، سو جس نے اس میں سے

مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي ۚ وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اعْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ۚ

پا لیا وہ مجھ سے نہیں ہے اور جس نے اس میں سے نہ پیا تو وہ مجھ سے ہے سوائے اس شخص کے جس نے اپنے ہاتھ سے ایک چلو پی لیا،

فَشَرَبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۚ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ۚ قَالُوا لَا

پھر تھوڑے سے افراد کے علاوہ سب نے اس میں سے پیا لیا پھر جب آگے بڑھے طالوت اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے تو کہنے لگے کہ

طَاقَةٌ لَّنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ۚ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلتَقُوا اللَّهَ ۚ كَمْ مِّنْ

آج ہمیں جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے، جو لوگ اللہ کی ملاقات کا یقین رکھتے تھے، وہ کہنے لگے کتنی ہی کم تعداد

فِتْنَةٍ قَلِيلَةٌ ۚ غَلَبَتْ فِيهِ كَثِيرَةٌ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۚ وَلَمَّا بَرَزُوا

جما تھیں اللہ کے حکم سے ہماری تعداد والی جماعتوں پر غالب ہو چکی ہیں اور اللہ مہر کرنے والوں کیساتھ ہے۔ اور جب یہ لوگ جالوت اور اس کے لشکروں

لِحَالَتٍ وَجُنُودِهِ ۚ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا ۚ وَانصُرْنَا عَلَىٰ

کے مقابلہ کیلئے نکلے تو عزم کیا کہ اے ہمارے رب! ہم پر صبر ڈال دے اور ہمیں ثابت قدم رکھ، اور کافروں کے

الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۚ فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَآلِهَهُ

مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔ سو ان کو شکست دے دی اللہ کے حکم سے اور قتل کر دیا داؤد نے جالوت کو اور اللہ نے ان کو

اللَّهُ الْهَلِكُ وَالْجَمَّةُ وَعَلَّمَهُ مَا يَشَاءُ ۚ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ ۖ

ملک دے دیا اور حکمت عطا فرما دی، اور ان کو جو کچھ چاہا علم دے دیا اور اگر نہ ہوتا اللہ کا دفع فرمانا لوگوں کو بعض کو بعض کے

لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ۚ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ

ذریعہ تو زمین میں فساد ہو جاتا اور لیکن اللہ جہانوں پر نفل فرمانے والا ہے۔ یہ اللہ کی آیات ہیں جنہیں ہم آپ پر تلاوت کرتے

بِالْحَقِّ وَاتَّقِ لِسَانَ الْمُرْسَلِينَ ۚ

حقیقت میں اور بلاشبہ آپ پیغمبروں میں سے ہیں۔

طالوت کے لشکر کا عمالقہ پر غالب ہونا اور جالوت کا مقتول ہونا

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت طالوت کو بنی اسرائیل کا حکمران مقرر کر دیا گیا اور ان کے نبی کی خبر کے مطابق مذکورہ تابوت

فرشتے لے کر آگئے تو اب بنی اسرائیل کے لئے کوئی حجت باقی نہیں رہی اور جہاد کرنے کے لئے نکلنا پڑا۔ جب دشمن سے جنگ کرنے کے لئے روانہ ہوئے تو حضرت طاوت نے اپنے لشکروں سے فرمایا کہ تم لوگوں کا امتحان ہونے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو جتنا فرمائے گا اور یہ انتظار اور امتحان ایک پانی کی نہر کے ذریعہ ہوگا، چونکہ گرمی سخت تھی اور پیاس سے بے تاب ہو رہے تھے اس لئے اکثر افراد امتحان میں ناکام ہو گئے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ نہر فلسطین تھی اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اردن اور فلسطین کے درمیان کوئی نہر تھی جس کا پانی بیٹھا تھا، حضرت طاوت نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ دیکھو اس میں سے چائے بھر پانی پینے تک تو بات ٹھیک ہے جس نے چائے بھر پانی پی لیا وہ تو میرا ساتھی ہے میرے آدمیوں میں ہے اور جس نے زیادہ پانی پی لیا وہ مجھ سے نہیں ہے میری جماعت میں اس کا شمار نہیں، چونکہ اکثر افراد نے خوب پانی پی لیا تھا اس لئے ان کے حوصلے پست ہو گئے اور جی چھوڑ دینے اور ہمت ہار گئے اور کہنے لگے ہم تو آج اپنے دشمن جاوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہیں ہماری بساط نہیں کہ ہم ان سے لڑ سکیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ جو لوگ حضرت طاوت کے ساتھ روانہ ہوئے تھے وہ ستر یا ستی ہزار تھے ان میں سے تھوڑے ہی سے روگے جنہوں نے پانی نہیں پیا، جن لوگوں نے پانی نہیں پیا تھا ان کی تعداد تین سو تیرہ لکھی ہے۔ یہ تھوڑا سا ایک چلو پانی جن لوگوں نے پیا اللہ تعالیٰ نے اتنے ہی پانی کو ان کے لئے کافی فرمادیا ان کی پیاسیں اس سے بجھ گئیں اور جن لوگوں نے ڈٹ کے پانی پی لیا تھا وہ وہیں نہر کے کنارے پھیل گئے اور بزدل ہو کر گر پڑے، جو لوگ حضرت طاوت کے ساتھ آگے بڑھے اور دشمن کی طرف پیش قدمی کی وہ دشمن کے مقابلے میں بہت تھوڑے تھے لیکن انہیں یقین تھا کہ ہمیں اللہ کے پاس جانا ہے۔ میدان جہاد سے بھاگنا مذہب کا شیوہ نہیں۔ ہمیں جہاد کرنا ہی کرنا ہے۔ رہا ہماری جماعت کا کم تعداد ہونا تو اللہ کی مدد کی امید رکھنے والوں کے لئے یہ بات سوچنے کی نہیں ہے۔ بہت سی کم تعداد جماعتیں بڑی ہماری تعداد والی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب ہو چکی ہیں، صبر و ثابت قدمی اللہ کی مدد کو لانے والی ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضرت طاوت کا لشکر دشمن سے جہاد کرنے کے لئے جا رہا تھا تو حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے ایک تھیلے میں چند پتھر رکھ لئے تھے جب دونوں فریق مقابل ہوئے تو جاوت نے کہا کہ تم لوگ اپنے میں سے ایک شخص نکالو جو مجھ سے جنگ کرے اس نے مجھے قتل کر دیا تو میرا ملک تمہارا ہو جائے گا۔ اور میں نے قتل کر دیا تو تمہارا ملک میرے ملک میں شامل ہو جائے گا۔ حضرت طاوت نے حضرت داؤد علیہ السلام کو جاوت کے مقابلہ کے لئے روانہ کرنا چاہا اور ان کو ہتھیار پہنا دیئے، حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اس سے جنگ کرنے کے لئے ہتھیار پہننا منظور نہیں ہے۔ اصل اللہ کی مدد ہے اگر اللہ نے مدد نہ فرمائی تو کوئی ہتھیار کام نہیں دے سکتا۔ یہ کہہ کر جاوت سے مقابلہ کرنے کے لئے نکلے۔ جاوت نے کہا تم مجھ سے مقابلہ کرو گے انہوں نے فرمایا کہ ہاں، جاوت نے کہا تو یہ پتھر اور غلیل لے آئے ہو جس سے کہتے کو مارا جاتا ہے، حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ تو اللہ کا دشمن ہے کتے سے بھی بدتر ہے یہ کہہ کر اپنی غلیل سے ایک پتھر مارا جو اس کی آنکھوں کے درمیان لگا اور داغ میں گھس گیا۔ اس سے جاوت کا کام تمام ہوا اور اس کے لشکر نے شکست کھائی۔ جاوت جو ان کا دشمن تھا اور قوم مخالف کا بادشاہ تھا اس سے اور اس کے لشکروں سے آمناسا منابہ وادوں فریق صرف آراہوئے تو حضرت طاوت کے ساتھیوں نے اللہ تعالیٰ سے صبر کی اور ثابت قدمی کی اور کافروں کے مقابلہ میں فتح یاب ہوئے کی دعا کی، جنگ ہوئی جس کے نتیجے میں جاوت اور اس کے لشکروں کو شکست ہوئی، اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت طاوت کے لشکر کو فتح پائی، دوئی اور دشمن نے باوجود کثیر تعداد ہونے کے شکست کھائی، اس جہاد میں حضرت داؤد علیہ السلام بھی شریک تھے۔ ان کے ہاتھ سے جاوت قتل ہوا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو حکومت عطا فرمادی جس کا ذکر سورہ ص کے پہلے رکوع میں فرمایا ہے حضرات

(پارہ نمبر ۳) فَلَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِّنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ

یہ آیت میں ہم نے فضیلت دی ان میں بعض کو بعض پر، ان میں بعض سے اللہ نے کلام فرمایا اور بعض کو درجات کے اعتبار

دَرَجَاتٍ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا

سے بلند فرمایا اور ہم نے دیئے عیسیٰ بن مریم کو کھلے کھلے معجزات اور ہم نے ان کی تائید کی روح القدس کے ذریعہ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ

اَقْتُلَ الَّذِينَ مَنَ بَعْدَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ وَلَكِنِ اخْتَلَفُوا فَمِنْهُمْ

آپس میں جنگ نہ کرتے جن کے بعد آئے ان کے پاس کھلے ہوئے معجزات لیکن انہوں نے آپس میں اختلاف کیا۔ ان میں سے بعض دیکھے ایمان لائے اور بعض

مَّنْ آمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلُوا وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴿۳﴾

وہ دیکھے جنہوں نے کفر کیا اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ آپس میں جنگ نہ کرتے لیکن اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان فرق مراتب

لفظ تلک اسم اشارہ ہے اس کا اشارہ الیہ المرسلین ہے یعنی یہ پیغمبر جن کا ذکر ابھی ابھی ہوا ان کو ہم نے آپس میں ایک دوسرے پر فضیلت دی کہ بعض کو ایسی منقبت سے متصف فرمادیا جو بعض دوسروں میں نہیں تھی اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے تفصیل بالشرائع مراد ہے۔ ان میں سے بعض کو مستقل شریعت دی تھی اور بعض کو سابق ہی نبی کی شریعت کا نوید و مبلغ بنایا۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں ص ۳۲، پہلے قول کی تائید مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللَّهُ سے ہوتی ہے، انبیاء کرام علیہم السلام میں سے بعض ایسے حضرات تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تو سب ہی حکیم اللہ کے نام سے جانتے ہیں۔ سورہ بئسا میں فرمایا وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا اور اس کلام سے باواطل کلام مراد ہے جس میں فرشتے کا واسطہ نہ تھا۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام ان حضرات میں شامل ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے باواسطہ کلام فرمایا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی ایک دوسرے پر فضیلت بیان کرتے ہوئے وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ بھی فرمایا یعنی بعض انبیاء کے درجات دوسرے بعض انبیاء کے مقابلہ میں زیادہ بلند فرمائے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہاں بَعْضُهُمْ سے سرور عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے آپ کو وہ خواص علمیہ و عملیہ عطا فرمائے کہ زبانیں ان کو پوری طرح فک کرنے سے عاجز ہیں، آپ رحمۃ اللعالمین ہیں، صاحب الخلق العظیم آپ کی صفت خاص ہے۔ آپ پر قرآن کریم نازل ہوا جو پوری طرح محفوظ ہے۔ آپ کا دین ہمیشہ باقی رہنے والا ہے جو معجزات کے ذریعے نوید ہے۔ مقام محمود اور شفاعت عظمیٰ کے ذریعہ آپ کو رفعت دی گئی اور آپ کے فضائل اور مناقب اتنے زیادہ ہیں جن کا شمار کرنا بندوں کے بس سے باہر ہے، حضرات علماء کرام نے آپ کے معجزات اور

مناقب اور خصائص پر مستقل کتابیں تالیف کی ہیں۔ حافظ جلال الدین سیوطی کی کتاب الخصائص الکبریٰ، اور امام بیہقی کی کتاب دلائل النبوة کا مطالعہ کیا جائے آخر اندر کتاب سات جلدوں میں ہے جو کئی ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔

پھر ارشاد فرمایا: **وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالَاتِ وَآتَيْنَاهُمُ الْبُرْجَ وَآتَيْنَاهُمُ الْغُلَّابَ** (یعنی جبریل علیہ السلام) کے ذریعہ ان کی تائید کی، اس کی تفسیر و تشریح سورۃ البقرہ کے رکوع ۱۲ میں گزر چکی ہے۔ پھر ارشاد فرمایا: **وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَفْتَلْنَا الَّذِينَ مِنْهُمْ بِعَدِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ (الآیہ)** اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں جنگ اور قتل و قتال نہ کرتے جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے تشریف لے جانے کے بعد آپس میں مختلف ہو گئے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی امتیں آپس میں اختلاف کرتی رہیں اور ان میں لڑائیاں ہوتی رہیں حالانکہ ان کے پاس کھلے ہوئے دلائل موجود تھے۔ اگر ان کو سامنے رکھتے تو نہ مختلف ہوتے نہ جنگ کرتے ان میں سے بہت سے لوگ ایسے تھے جنہوں نے ایمان قبول کیا اور انبیاء علیہم السلام کے تبع بنے اور بہت سے لوگوں نے کفر اختیار کیا اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی تو ان کا آپس میں قتل و قتال نہ ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ قادر مطلق اور فاعل مختار ہے وہ جو چاہے کرے اس پر کسی کا اعتراض ہو نہیں سکتا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعَ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ

اے ایمان والو! اس میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہیں دیا ہے اس سے پہلے کہ وہ دن آئے کہ جس میں نہ بیع ہو گی نہ دوستی

وَلَا شَفَاعَةٌ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۵۷﴾

اور نہ سفارش، اور جو کافر ہیں وہ ظلم کرنے والے ہیں۔

روز قیامت آنے سے پہلے اللہ کے لئے خرچ کر لو

اس آیت شریفہ میں مال خرچ کرنے کا حکم فرمایا ہے اور لفظ **رَزَقْنَاكُمْ** میں یہ بتا دیا کہ یہ مال ہمارا دیا ہوا ہے جس نے مال دیا اس کو پورا پورا حق ہے کہ مال خرچ کرنے کا حکم فرمائے۔ نیک کاموں میں فرائض و واجبات کے مصارف بھی ہیں اور مستحب و نفلی صدقات بھی، اور جس طرح بدی عبادات (نماز، روزہ) آخرت کے عذاب سے بچانے کا ذریعہ ہیں۔ اسی طرح مالی عبادات اس کا سبب ہیں۔

صحیح بخاری ص ۱۹۱ ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ** (دوزخ سے بچو اگر چہ آدھی ہی کھجور کا صدفہ کرو) قیامت کا دن بہت سخت ہوگا نفسا نفسی کا عالم ہوگا۔ ایمان اور اعمال صالحہ ہی کام دیں گے۔ اس دن نہ بیع ہوگی، نہ دوستی نہ سفارش، لہذا اس دن نجات پانے اور عذاب سے بچنے کے لئے اعمال صالحہ کرتے رہنا چاہیے، اعمال صالحہ میں اللہ کی رضا کے لئے مال خرچ کرنا بھی شامل ہے۔

یہ جو فرمایا کہ ”اس دن بیع نہیں ہوگی“ اس کے بارے میں حضرات مفسرین لکھتے ہیں کہ اس سے فدیہ یعنی جان کا بدلہ مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن کوئی جان گن جان کے بدلہ عذاب دیتے گے لئے تیار نہیں ہوگی جیسا کہ سورۃ البقرہ کے پچھلے رکوع میں فرمایا: **لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا** اور فدیہ کی صورت میں کیونکہ مبادلہ ہوتا ہے اس لئے اسے بیع سے تعبیر فرمایا۔ اور یہ جو فرمایا **وَلَا خُلَّةٌ** اس میں دوستی کی نفی فرمائی مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن دنیا کی کوئی دوستی کسی کو کام نہ دے گی یہاں جو محبتیں ہیں اور دوستی کے مظاہرے ہیں

یہ وہاں بالکل ندر ہیں گے بلکہ دوست دشمن ہو جائیں گے۔ کوئی دوست کسی کی مدد نہ کر سکے گا۔ یہ اہل کفر اور اہل فسق کے بارے میں ہے۔ متقی حضرات کی محبتیں باقی رہیں گی جیسا کہ سورۃ الزخرف میں ارشاد فرمایا: **لَا إِخْلَاقَ يَوْمَئِذٍ يَبْغُضُهُمْ لِبَغْضَائِهِمْ إِلَّا الْمُتَّقِينَ** (کہ اس دن دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ سوائے ان لوگوں کے جو صفت تقویٰ سے متصف تھے **وَلَا شَفَاعَةً فَرَمَا كَرِ شَفَاعَتِ** یعنی سفارش کی نفی فرمادی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کافروں کے لئے اُس دن کوئی شفاعت نہ ہوگی۔ جیسا کہ سورۃ المؤمن میں فرمایا: **لَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٌ يُطَاعُ** (کظالموں کے لئے نہ کوئی دوست ہوگا نہ سفارش کرنے والا ہوگا جس کی بات مانی جائے۔ اہل ایمان کے لئے جو شفاعت ہوگی اس میں اس کی نفی نہیں ہے جس کو سفارش کرنے کی اجازت ہوگی وہی سفارش کر سکے گا اور جس کے لئے سفارش کرنے کی اجازت ہوگی اس کے لئے سفارش ہو سکے گی)۔

آیت کے ختم پر فرمایا: **وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ** (کفر کرنے والے ظالم ہی ہیں) انہوں نے معبود حق سے منہ موڑا اور خالق و مالک سے منحرف ہو گئے۔ ایسے لوگوں کی نجات کا کوئی راستہ نہیں۔

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمُوتِ

اللہ ایسا ہے کہ کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی، وہ زندہ ہے، قائم رکھنے والا ہے، اس کو نہیں پکڑتی نوبت اور نہ نیند، اُسی کے لئے ہے جو آسمانوں میں

وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ

ہے اور جو زمین میں ہے، کون ہے جو سفارش کرے اس کے پاس مگر اس کی اجازت کے ساتھ، وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے

أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ

پہنچے ہے اور وہ احاطہ نہیں کرتے اس کی معلومات میں سے کسی چیز کا مگر جو وہ چاہے، گنجائش ہے اس کی کرسی میں

السَّمُوتِ وَالْأَرْضَ ۚ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ (۳۵۵)

آسمانوں کی، اور زمین کی اور اسے بھاری نہیں ہے ان دونوں کی حفاظت، اور وہ برتر ہے، عظمت والا ہے۔

اللہ جل شانہ کی صفاتِ جلیلہ کا بیان

یہ آیت کریمہ آیت الکرسی ہے احادیث شریفہ میں اس کی بہت تفصیلات وارد ہوئی ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوالمہز (یہ اُن کی کنیت ہے) کیا تم جانتے ہو اللہ کی کتاب میں وہ کون سی آیت تمہارے پاس ہے جو اعظم ہے (سب سے بڑی عظمت والی ہے) میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی سب سے زیادہ جانتے والے ہیں، آپ نے پھر وہی سوال فرمایا تو میں نے عرض کیا کہ وہ آیت اللہ **لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ** ہے، آپ نے میرے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ اے ابوالمہز رہ تمہیں علم مبارک ہو۔ (رواہ مسلم ص ۲۷۱ ج ۱)

بعض احادیث میں اس آیت کو قرآن مجید کی تمام آیات کی سردار بتایا ہے۔ (الدر المنثور ص ۳۲۲ ج ۱) چونکہ اس آیت شریفہ میں کرسی کا ذکر ہے اس لئے عوام و خواص سب ہی اسے آیت الکرسی کے نام سے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ خود روایات حدیث میں اسے

آیت الکرسی کے نام سے ذکر فرمایا ہے۔ آیت الکرسی میں اللہ جل شانہ نے اپنی صفات جلیلہ بیان فرمائی ہیں۔ اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ معبود برحق ہے، وہی معبود حقیقی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ وحدہ لا شریک ہے، صفت الوہیت میں منفرد ہے۔

پھر ارشاد فرمایا اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لفظ حییٰ عربی زبان میں زندہ کے لئے بولا جاتا ہے۔ اللہ جل شانہ زندہ ہے ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا۔ اس کی ذات و صفات ازلی وابدی ہیں جن کو کبھی بھی زوال نہیں، اور قیوْمُ مبالغہ کا صیغہ ہے، قائم خود قائم رہنے والا اور قیوْم قائم رکھنے والا، ساری کائنات اللہ تعالیٰ شانہ کی مخلوق ہے اور اس نے ان سب کو وجود دیا ہے اور اسی کے اذن و مشیت سے سب کا وجود قائم ہے کائنات کے سب احوال اسی کی مشیت اور قدرت سے متغیر و متبدل ہوتے ہیں اور وہ جس کو جس حال میں چاہے رکھتا ہے۔ صحیح بخاری ص ۱۵۱ اج میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو جب نماز تہجد کے لئے بیدار ہوتے تھے، بارگاہِ خداوندی میں جو معروض پیش کرتے تھے۔ اس میں یہ بھی تھا: اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَيُّمُ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْہِنَّ (اے اللہ، آپ ہی کے لئے سب حمد ہے، آپ تمام آسمانوں کے اور زمینوں کے اور جو کچھ ان میں ہے ان سب کے قائم رکھنے والے ہیں)۔

پھر فرمایا: لَا تَاْخُذُہٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ (اس کو نہیں پکڑتی اونگھ اور نہ نیند) سِنَةٌ ہلکی نیند کو کہتے ہیں جس کا ترجمہ اونگھ سے کیا گیا ہے۔ اور نوم سو جانے کو کہا جاتا ہے جس میں بے ہوش و حواس بالکل بی قائم نہیں رہتے۔ اللہ تعالیٰ شانہ اونگھ اور نیند دونوں سے برتر اور بالا ہے، مخلوق کو تھکن زور کرنے اور آرام پانے کے لئے نیند کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ جل شانہ کو کسی طرح کی کوئی بھی تھکن نہیں ہوتی اور نہ ہو سکتی ہے۔ نیز نیند اور اونگھ میں انفعال ہوتا ہے اور تغیر حال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ انفعال اور تغیر حال سے پاک ہے۔ لہذا اسے نہ نیند آ سکتی ہے نہ آتی ہے۔ مخلوق کا یہ حال ہے کہ کام کرتے کرتے تھک جائیں تو نیند غالب ہو جاتی ہے، سو نا نہ چاہیں تب بھی نیند بالیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ اپنے اختیار سے سوتا ہے نہ اے نیند غالب ہوتا ہے۔ لفظ لَا تَاْخُذُہٗ میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ پر نیند غلبہ نہیں پا سکتی۔ جب ہلکی نیند یعنی اونگھ بھی اسے نہیں پکڑ سکتی تو بڑی نیند کیسے غلبہ پائے گی۔ نیند مخلوق کی صفت ہے جو خالق کائنات کے حق میں غیب و نقص ہے اسی لئے حدیث شریف میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا یَنَامُ وَلَا یَسْخُمُ لَہٗ اَنْ یَّسْخُمَ۔ (رواہ مسلم ص ۹۹ ج ۱) یعنی اللہ تعالیٰ نہیں سوتا اور نہ یہ اس کی ذات کے شایان شان ہے کہ وہ سوئے۔

پھر فرمایا: لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ (اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے) سب اسی کے بندے ہیں اور ہر چیز اس کی ملکیت ہے سب کو اسی نے پیدا فرمایا ہے وہ فاعل مختار ہے جس طرح چاہے اپنی مخلوق میں تصرف فرمائے۔ پھر فرمایا: مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ (کون ہے جو اس کی بارگاہ میں سفارش کرے مگر اس کی اجازت سے) اس میں یہ بتایا کہ کسی کی ایسی حیثیت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کر سکے، ہاں اس کا یہ کرم اور فضل ہے کہ جس کو چاہے سفارش کرنے کی اجازت دے دے اور جس کے لئے اجازت دے اسی کی سفارش ہو سکتی ہے۔ قیامت کا دن جو مخلوق کے لئے بہت ہی کٹھن ہو گا۔ اس وقت لوگ متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے جب سب عاجزی ظاہر کروں گے تو فخر الاولین والآخرین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ آپ ہماری سفارش فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں روانہ ہو جاؤں گا۔ اور عرش کے نیچے آ کر اپنے رب کے لئے سجدہ میں پڑ جاؤں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی وہ تعریفیں اور وہ بہترین ثنائیں فرمائیں گے جو مجھ سے پہلے کسی پر منکشف نہ فرمائی تھیں۔ پھر ارشاد در ربی ہو گا کہ اے محمد! سر اٹھاؤ اور مانگو تمہارا سوال پورا کیا جائے گا۔ سفارش کرو تمہاری سفارش پوری کی جائے گی (اس کے بعد آپ سفارش فرمائیں گے۔ جس کا مفصل واقعہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مذکور ہے)۔

سورۃ ط میں ارشاد فرمایا: يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا (اس روز سفارش نفع نہ دے گی مگر ایسے شخص کو جس کے واسطے رحمن نے اجازت دی ہو اور جس کے لئے بات کرنا پسند فرمایا ہو) سورۃ الانبیاء میں فرشتوں کے بارے میں ارشاد فرمایا: يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْضَىٰ وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ (اللہ جانتا ہے ان کے اگلے و پچھلے احوال کو اور وہ سفارش نہیں کر سکتے مگر اس کے لئے جس کیلئے خدا تعالیٰ راضی ہو، اور وہ سب اللہ کی ہیبت سے ڈرتے ہیں) سورۃ نجم میں فرمایا: وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي السَّمَوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَرْضَىٰ (اور بہت سے فرشتے آسمانوں میں موجود ہیں جن کی سفارش ذرا بھی کام نہیں آ سکتی مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہیں اجازت دیدیں اور راضی ہو جائیں)۔

پھر فرمایا: يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ مخلوقات کے آگے اور پیچھے ہے) یعنی ان کے اُمور و نیوے و اخروے کا اس کو پوری طرح علم ہے۔ بعض مفسرین نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ عمل کرنے والوں کے جو اعمال اچھے بُرے سامنے ہیں وہ ان کو بھی جانتا ہے اور جو پہلے کر چکے ہیں ان کو بھی جانتا ہے، غرض کہ اس کا علم پوری مخلوق کو اور مخلوق کے احوال و اعمال و افعال سب کو پوری طرح محیط ہے۔

پھر فرمایا: وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ (اور بندوں کو اللہ کی معلومات میں سے بس اسی قدر علم ہے جتنا اُس نے چاہا) جس کسی مخلوق کو جتنا بھی علم ہے وہ اللہ تعالیٰ کے عطا فرمانے سے ملا ہے۔ ان میں سے کسی کا کوئی علم ذاتی نہیں ہے اور نہ کسی کا علم ساری معلومات الہیہ تک محیط ہے۔

پھر فرمایا: وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ (کہ گنجائش ہے اس کی کرسی میں آسمانوں کی اور زمینوں کی) اس میں کرسی کی وسعت بتائی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اس کی کرسی میں آسمان اور زمین سب سما سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ نشست و برخاست سے اور جگہ و مکان سے بالاتر اور منزہ ہے۔ اس طرح کی آیات کو علماء کرام متشابہات میں شمار فرماتے ہیں جن کا حکم یہ ہے کہ ان کے معنی و مغربوم پر ایمان لائیں کہ اُن کا جو مطلب اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے میں اُس پر ایمان لاتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کو مخلوق پر قیاس بھی نہ کریں، عرش اور کرسی دونوں کا ذکر قرآن مجید میں وارد ہوا ہے۔ صاحب روح المعانی ص ۹ ج ۳ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل فرمایا ہے کہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینوں کو الگ الگ پھیلا دیا جائے تو کرسی کے مقابلہ میں سب مل کر ایسی ہوں گی جیسے جنگل میں کوئی چھوٹی سی گول چیز پڑی ہو، پھر صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ کرسی عرش کے علاوہ ہے۔ اور کرسی عرش کے سامنے اتنی چھوٹی ہے جیسے چھوٹی سی گول چیز میدان میں پڑی ہو۔ یہ روایت انہوں نے بحوالہ ابن جریر حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کی ہے۔ یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بتایا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ عرش اور کرسی ایک ہی چیز ہے۔ کرسی کے بارے میں اور بھی چند اقوال مفسرین نے نقل فرمائے ہیں۔

پھر فرمایا: وَلَا يَؤُودُهُ حِفْظُهُمَا (کہ اللہ تعالیٰ کو آسمان اور زمین کی حفاظت بھاری نہیں ہے) چونکہ وہ خالق ہے اور مالک ہے اس لئے اس کی کوئی بھی مخلوق خواہ آسمان ہو خواہ زمین اس کے علم سے اور اس کی حفاظت سے باہر نہیں۔ مخلوق عاجز ہے وہ اپنی جیسی مخلوق کی حفاظت سے بھی عاجز ہے اللہ تعالیٰ خالق و مالک ہے وہ اپنی ساری مخلوق کا مگران و مہمبان ہے۔

آخر میں فرمایا: وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ (کہ اللہ تعالیٰ برتر ہے اور عظمت والا ہے) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ شانہ نے صفات عالیہ الوہیت، وحدانیت، حیات علم، ملک، قدرت،

ارادہ جمع فرمادی ہیں: ونطقنت بأنه سبحانه موجود منفرد فی الوہیتہ، حی واجب الوجود، لذاتہ موجد لغيرہ منزہ عن التحیز والحلول مبرا عن التغير والفتور، لامناسبۃ بینہ وبين الأشیاء، لا یحل بساحة جلالہ ما یرض النفوس والأرواح، مالک الملک والملوک ومبدع الأصول والفروع، ذو البطش الشدید، العالم وحده بجلی الأشياء وخفیہا وکلیہا وجزئیہا واسع الملک والقدرۃ لكل ما من شأنہ أن یملک ویقدر علیہ، لا یشق علیہ شاق ولا یثقل شیء لہ، متعال عن کل ما لا یلیق بجنابہ عظیم لا یمتطیع طیرُ الفکر أن یحوم فی بیداء صفات قامت بہ۔ (روح المعانی ص ۱۱۳) (یعنی یہ آیت ناطق ہے کہ اللہ سبحانہ موجود ہے اپنی الوہیت میں یکتا ہے ہمیشہ سے زندہ جس کا وجود بذاتہ ہے دوسروں کو وجود عطا کرنے والا تحیز اور حلول سے مبرا، تغیر و فتور سے پاک اس کے اور امثال کے درمیان کوئی مناسبت نہیں نفوس و ارواح کے عوارض اس کی جلالت شان کے لائق نہیں بادشاہوں اور بادشاہی دونوں کا مالک ہے اصول و فروع کو بغیر نمونہ کے پیدا کرنے والا اس کی بادشاہی اور قدرت ہر اس چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے جس کی شان سے مملوک و مقدر رہتا ہو کوئی گراں چیز اس پر شاق نہیں اور کوئی چیز اس کے ہاں ثقیل نہیں ہر اس شی سے عالی ہے جو اس کی جناب عظیم کے مناسب نہیں فکر و سوچ کے طائر کا اس کی صفات پر گزر بھی نہیں ہو سکتا)

فائدہ..... حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرے تو جنت کے داخل ہونے میں اس کے لئے صرف موت ہی آڑ بنی ہوئی ہے اور جس نے آیت الکرسی لیٹتے وقت پڑھ لی اللہ تعالیٰ اس کے گھر کو اور اس کے پڑوسی کے گھر کو اور اس پاس کے چند گھروں کو امن سے رکھے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۸۹) اور ایک حدیث میں ہے کہ جس شخص نے رات کو اپنے بستر پر پہنچ کر آیت الکرسی پڑھ لی صبح ہونے تک اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نگران مقرر رہے گا، اور شیطان قریب نہ آئے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۸۵) ابن البخاری فی قصۃ اسیرانی ہریرۃ) حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے صبح کو سورۃ حم (یعنی سورۃ مؤمن جسے سورۃ غافر بھی کہتے ہیں) اَلِیْہِ التَّحْصِیْرُ تک پڑھی اور اس کے ساتھ آیۃ الکرسی بھی پڑھ لی تو شام ہونے تک ان دونوں کی وجہ سے محفوظ رہے گا اور جس نے ان دونوں کو شام کو پڑھ لیا تو صبح ہونے تک محفوظ رہے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۸۷) ابن الترمذی)

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ

نہیں سے زبردستی دین میں، ظاہر ہو چکی سے ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو کر، سو جو شخص منکر ہو طاغوت کا اور ایمان لائے

بِالله فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۰۱﴾

اللہ پر تو نے شک اس نے مضبوط حلقہ پکڑ لیا، جو ٹوٹنے والا نہیں ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

دین میں زبردستی نہیں ہے

باب انقول میں اس آیت کا سبب نزول بتاتے ہوئے بحوالہ ابو داؤد و نسائی و ابن حبان، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ زمانہ اسلام سے پہلے جس عورت کا بچہ مرجاتا تھا وہ یہ نذر مان لیتی تھی کہ اگر میرا بچہ زندہ رہا تو اسے یہودی بنادوں گی۔ (العیاذ باللہ) جب یہود کا قبیلہ بنو نضیر مدینہ منورہ سے جلا وطن کیا گیا تو ان میں انصار کے قبیلوں کے وہ لڑکے بھی تھے جو دسین یہودیت پر تھے۔ یہودی

مدینہ منورہ سے جانے لگے تو ان لڑکوں کے خاندان والوں نے کہا کہ ہم ان کو نہیں جانے دیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ لَا اِكْرَافَ فِي الدِّينِ نازل فرمائی۔

نیز لہاب النقول میں بحوالہ ابن جریر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ آیت کریمہ لَا اِكْرَافَ فِي الدِّينِ ایک انصاری کے بارے میں نازل ہوئی جو قبیلہ بنی سالم میں سے تھے اور جن کا نام حنین تھا ان کے دو بیٹے نصرانی تھے اور وہ خود اسلام قبول کر چکے تھے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یہ دونوں نصرانیت چھوڑنے کو تیار نہیں ہیں، کیا میں ان پر زبردستی نہ کروں (تاکہ وہ، دونوں مسلمان ہو جائیں) اس پر اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

آیت شریفہ میں واضح طور پر ارشاد فرمایا کہ دین میں زبردستی نہیں ہے، اگر کوئی شخص دین اسلام قبول نہیں کرتا تو اس پر زبردستی نہیں کی جائے گی کہ تو اسلام قبول کر لے ورنہ تجھے قتل کر دیں گے، شاید حکم جہاد کی وجہ سے کسی کو اس کا وہم اور وسوسہ ہو کہ زبردستی نہیں ہے تو جہاد کیوں شروع کیا گیا جن لوگوں کو جہاد کی حقیقت معلوم ہے وہ جانتے ہیں کہ جہاد کا قانون یہ ہے کہ جب کافروں کی کسی جماعت سے مقابلہ ہو تو اول ان کو اسلام کی دعوت دی جائے اور یہ دعوت ان کو آخرت کے عذاب سے بچانے کے لئے ہے اگر وہ اسلام قبول کرنے پر راضی نہ ہوں تو ان سے کہا جائے گا کہ تم جزیہ دو، جب وہ جزیہ دینے لگیں گے تو ان کا دارالسلام اور اہل اسلام سے ایک خاص تعلق پیدا ہو جائے گا جس سے آپس میں ملنا جلنا ہوگا۔ اہل کفر اسلام سے قریب ہوں گے اس کے سمجھنے کے مواقع فراہم ہوں گے اللہ کی کتاب ان کے کانوں میں پڑے گی۔ اسلام کی سچائی کے دلائل واضح ان کے سامنے آئیں گے اور اہل ایمان کے اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ دیکھیں گے تو اقرب ہے کہ کفر سے باز آجائیں اور اسلام قبول کر لیں، اگر اسلام کے دلائل واضح سامنے آنے کے بعد بھی کوئی شخص اسلام کو قبول نہیں کرتا تو اس کی حماقت ہے کہ کفر پر جسے ہی کو اختیار کئے ہوئے ہے۔

اسلام کے عہدِ اول سے لے کر آج تک مسلمان ممالک میں کروڑوں کافروں نے زندگی گزاری ہے کسی امیر یا خلیفہ یا بادشاہ نے انہیں اسلام پر مجبور نہیں کیا، اور جن قوموں نے اسلام قبول کیا وہ اہل اللہ کی محنتوں و کوششوں سے اسلام کے آغوش میں آئی ہیں، کسی نے سر پر تلوار رکھ کر یا سینہ پر بندوق رکھ کر کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ فقہاء نے واضح طور پر لکھا ہے کہ میدانِ جہاد میں عورتوں، بوڑھوں، یتیموں اور گرجوں میں رہنے والوں کو قتل نہ کیا جائے، حالانکہ ان لوگوں کو تلوار کے ذریعہ باسانی اسلام میں داخل کیا جاسکتا ہے۔ تفسیر و منثور ص ۳۳۰ ج ۱ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نصرانی بڑھیا کو اسلام کی دعوت دی اور فرمایا اَسْلِمْنِي تَسْلِمْنِي (یعنی تو اسلام قبول کر لے، عذاب سے بچ جائے گی) اس نے انکار کیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ پاک کے حضور عرض کیا اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ (کہا اے اللہ! آپ گواہ رہیں میں نے دعوت دے دی ہے) اس کے بعد انہوں نے یہی آیت لَا اِكْرَافَ فِي الدِّينِ تلاوت کی۔ البتہ اتنی بات ضرور سمجھ لینا چاہیے کہ کفر خالق و مالک کی سب سے بڑی بغاوت ہے۔ باغی کی سزا تو سب کو معلوم ہی ہے۔ ان باغیوں کی بہت بڑی اور سب سے بڑیوائی سزا تو ان کو آخرت میں ہوگی لیکن دنیا میں بھی اس بات کی ضرورت ہے کہ ان کی سرکوبی ہوتی رہے۔ اور کفر کا اثر جس قدر بھی کم و اچھا ہے اگر جہاد و قتال نہ ہو تو کافر اہل ایمان پر چڑھ جائیں گے اور اہل ایمان تھوڑے رہ جائیں اور ان کا جینا دو بھر ہو جائے گا۔ لہذا ضروری ہوا کہ اگر جزیہ بھی دینا منظور نہیں کرتے تو ان سے قتال کیا جائے، اور یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ کفر جو خداوند تعالیٰ کی بغاوت ہے اس کی سزا میں قتل کروینا اور بات ہے (اور جو لوگ باغیوں کا قانون جانتے ہیں وہ اس پر کوئی اعتراض بھی نہیں کر سکتے) اور سر پر تلوار رکھ کر یہ کہنا کہ اسلام قبول کرو ورنہ قتل کر دیں گے یہ دوسری بات ہے اس دوسری بات کو اکراہ کہا جاتا ہے اور جہاد کے موقع پر اکراہ نہیں کیا جاتا۔ اور

یہ بات بھی ہے کہ ایمان قبول کرنے پر زبردستی کا کوئی فائدہ ہے بھی نہیں کیونکہ اگر کوئی شخص جبر و اکراہ کی وجہ سے ظاہری طور پر اسلام قبول کر بھی لے اور دل سے مسلمان نہ ہو تو اس کے حق میں مفید فی الآخرۃ ہوگا اور نہ جھوٹی زبان سے اسلام قبول کرنے والے سے مسلمانوں کو کوئی نفع پہنچے گا۔ جیسا کہ منافقین ظاہر میں مسلمان تھے اور اندر سے کافر تھے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے رہتے تھے۔ اسلام کی حقانیت اور اس کی سچائی کے دلائل روز روشن کی طرح واضح ہیں دنیا بھر کی زبانوں میں قرآن مجید کا ترجمہ چھپ چکا ہے گھر گھر اسلام کا کلمہ پہنچ چکا ہے۔ آلات جدیدہ نے دنیا کے ہر گوشہ میں اسلام کی دعوت پہنچا دی ہے اس کو حق جانتے ہوئے بھی جو ادگ اس کو قبول نہیں کرتے، وہ اپنے کو عذاب میں دھکیلنے کے خود ذمہ دار ہیں۔ ہدایت ظاہر ہو چکی ہے، گمراہی کو ادگ سمجھ چکے ہیں، دونوں میں کوئی التباس و اشتباہ نہیں ہے اب اگر کوئی شخص ہدایت قبول نہیں کرتا اور جانتا ہے کہ یہ ہدایت ہے، دنیاوی مصلحتوں نے جائیدادوں کے خیال نے، رشتہ داریوں کے فکر نے، عبادوں کے چھن جانے کے خوف نے ہدایت قبول کرنے سے روک رکھا ہے اور چند روزہ دنیاوی زندگی کے منافع اور مصالح کی وجہ سے آخرت کے دائمی عذاب کے لئے تیار ہے اور اس طرح اپنی جان کا دشمن بنا ہوا ہے تو اس کا علاج ہم کیا کر سکتے ہیں؟ ہمد اہم اللہ تعالیٰ۔

لفظ طاعوت معتل لام داوی ہے جس کا ماضی مضارع طغی یطغی ہے یہ لفظ سرکشی کے معنی پر دلالت کرتا ہے اہل لغت کا فرمانا ہے کہ اس میں قلب مکانی ہوا ہے اصل کلمہ طغوت ہے۔ لام کلمہ کو مقدم کر دیا گیا اور میں کلمہ کو مؤخر کر دیا گیا، پھر حرف علت کو الف سے بدل دیا گیا، یہ تو لفظی تحقیق ہوئی معنوی اعتبار سے اس میں متعدد اقوال ہیں۔ حضرت عمر اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ اس سے شیطان مراد ہے، مجاہد اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کل ما عبد من دون اللہ فهو طاغوت (یعنی اللہ کے سوا جس کسی کی بھی عبادت کی گئی وہ طاغوت ہے) اور بعض حضرات کا قول ہے کہ اس سے اصنام یعنی بت مراد ہیں، یہ سب اقوال لکھنے کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں ص ۱۳۳ ج ۳ والاولیٰ ان یقال بعمومہ (یعنی اس کا عمومی معنی مراد لینا زیادہ بہتر ہے) اور اس کے مفہوم میں وہ سب معانی داخل ہیں جو اوپر بیان ہوئے، و در حقیقت شیطان اور اس کی مددگار تمام طاغوتی طاقتیں انسان کو اسلام سے روکتی ہیں۔ جس کسی نے بھی ان طاقتوں کو نہ گردانا اور ان سے رشتہ توڑا اور ان سب سے منہ موڑا اور اللہ پر ایمان لایا اس نے بہت مضبوط حلقہ اور بڑی قوت والا کڑا پکڑ لیا، یہ کڑا ایسا ہے جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں جس نے اللہ تعالیٰ کو مان لیا اور اس کے دین کو تسلیم کر لیا اور اس کے رسولوں اور کتابوں پر ایمان لے آیا اس نے سب سے بڑی طاقت کا سہارا لے لیا اور یقین کی دولت سے مالا مال ہو گیا نہ اس قوت کو شکستگی ہے نہ زوال ہے، آخر میں فرمایا کہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ وہ سب کے اقوال کو سنتا ہے۔ سب کے اعمال کو جانتا ہے، جو صرف زبان سے مسلمان ہوا ہے اس کا بھی علم ہے اور جس نے جھوٹی زبان سے کلمہ پڑھا وہ اس سے بھی باخبر ہے۔

صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں اسلام کو مضبوط پکڑنے والا چونکہ ہلاک اور خسران سے محفوظ رہتا ہے اس لئے اس کو ایسے شخص سے تشبیہ دی جو کسی مضبوط رسی کا حلقہ تھا جس میں مضبوط تھام کر گرنے سے مأمون ہو جائے اور جس طرح ایسی رسی کے ٹوٹ کر گرنے کا خطرہ نہیں (اور یوں کوئی رسی ہی چھوڑ دے تو اور بات ہے) اسی طرح اسلام میں بطلان کا احتمال نہیں جو مضعی الی الہلاک ہو، اور خود کوئی اسلام ہی کو چھوڑ دے وہ اور بات ہے، اور مقصود آیت کا اسلام کی خوبی کا واضح و ثابت بالدلیل ہونا ہے جس کو اس عنوان خاص سے بیان فرمایا گیا۔

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَهُمُ

اللہ ولی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے، وہ ان کو نکالتا ہے اندھیروں سے نور کی طرف، اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے اولیاء

الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ

شیاطین ہیں وہ ان کو نکالتے ہیں نور سے اندھیروں کی طرف، یہ لوگ دوزخ والے ہیں وہ

فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٥٠﴾

اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ولی ہیں اور کافروں کے اولیاء شیطان ہیں

ولی مدگار کار ساز اور دوست کو کہتے ہیں، اس آیت شریفہ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا ولی ہے وہ ایمان والوں کو کفر و شرک کی اندھیریوں سے نکالتا ہے ان کو اسلام کی روشنی میں لاتا ہے ان کو نور پر ثابت قدم رکھتا ہے اور اندھیریوں سے بچاتا ہے اور جن کے لئے ایمان مقدر ہے ان کو کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر نور ایمان عطا فرماتا ہے برخلاف کافروں کے کہ ان کے اولیاء یعنی دوست شیاطین ہیں۔ شیاطین ان کو ایمان قبول کرنے نہیں دیتے اور ان کو کفر کی تاریکیوں ہی میں رکھنا چاہتے ہیں تاکہ وہ کفر پر مریں۔ شیاطین خود دوزخ والے ہیں وہ اپنے ماننے والوں کو بھی دوزخ میں لے جانا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں سب دوزخی ہیں اور ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہیں۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اہل ایمان کے بارے میں جو فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو تاریکیوں سے نور کی طرف نکالتا ہے اس کے عام معنی مراد لئے جائیں تو زیادہ بہتر ہے اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو کفر کی تاریکیوں سے اور گناہوں کی تاریکیوں سے محفوظ رکھتا ہے اور نور کو عام لیا جائے تو تمام اعمال صالحہ کے نور کو بھی اس کا شمول ہوگا وَالْأُولَىٰ أَنْ يَحْمِلَ الظُّلُمَاتِ عَلَى الْمَعْنَى الَّذِي يَحْمِلُ سَائِرَ أَنْوَاعِهَا وَيَحْمِلُ النُّورَ أَيْضًا عَلَى مَا يَحْمِلُ سَائِرَ أَنْوَاعِهِ، وَيَجْعَلُ فِي مَقَابِلَةِ كُلِّ ظُلْمَةٍ مَخْرَجَ نَوْرٍ مَخْرَجَ إِلَيْهِ۔ (ص ۱۳ ج ۳)

صاحب روح المعانی یہ بھی لکھتے ہیں کہ نور کو کفر و اور ظلمات کو جمع لایا گیا ہے کیونکہ حق ایک ہی ہے جسے نور سے تعبیر فرمایا ہے اور تاریکیاں چونکہ بہت ساری ہیں اور طرح طرح کی ہیں (کیونکہ گمراہی کے راستے بہت سے ہیں) اس لئے اس کے لئے لفظ جمع یعنی ظلمات لایا گیا ہے۔ اہل کفر کا ذکر فرماتے ہوئے جو يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ فرمایا اس بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس سے یا تو وہ نور فطری مراد ہے جس پر تمام انسان پیدا کئے گئے (وہو المراد بقوله صلى الله عليه وسلم كل مولود يولد على الفطرة الحذيث) اور نور پیمائت بھی مراد ہو سکتا ہے کھلے کھلے دلائل کے ذریعہ جو حق واضح ہو چکا ہے وہ سراپا نور ہے شیاطین اپنے ماننے والوں کو اس سے بچاتے ہیں اور کفر و شرک کے فائدے ان کو سمجھاتے ہیں اور حق قبول کرنے نہیں دیتے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّي

کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم پر حجت بازی کی انکے رب کے بارے میں اس وجہ سے کہ اللہ نے اس کو حکومت دی تھی، جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا میرا رب

تفسیر

الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ۚ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ ۖ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ

کہا میرا رب وہ ہے جو زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے، اس نے کہا میں زندہ کرتا ہوں اور موت دیتا ہوں، ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا سو بلاشبہ اللہ آتا ہے سورج کو

مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۰۱﴾

پروب سے تو اس کو لے آئیجھم سے، پس حیرانی میں پڑ گیا وہ شخص جو کفر اختیار کئے ہوئے تھا اور اللہ قوم ظالمین کو ہدایت نہیں دیتا۔

ایک کافر بادشاہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مباحثہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیدائشی وطن شہر بابل کے آس پاس تھا ان کے زمانہ کا بادشاہ نمرود تھا جو اس علاقہ پر حکمران تھا۔ دنیا میں کفر و شرک پھیلا ہوا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ بھی بت پرست تھا جس کا تذکرہ سورۃ الانعام (۸۷) اور سورۃ مریم (۲۷) میں فرمایا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب توحید کی دعوت دی اور پوری قوم کو بتایا کہ تم گمراہی پر ہو تو سب کو بڑا لگا، نمرود بھی کافر تھا نہ صرف کافر تھا بلکہ داعی کافر تھا اور اپنے آپ کو معبود بتاتا تھا، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید کی دعوت دی تو وہ کٹ جھٹی کرنے لگا اور کہنے لگا کہ میرے خیال میں تو میرے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے ملک اور مال دیا تھا اسی لئے اس کے گھمنڈ میں اس نے ایسی بات کہی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دلیل مانگی کہ آپ جس رب کی توحید کی دعوت دیتے ہیں اس کے وجود پر کیا دلیل ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا اِنِّیْ اِلٰہِیْ اِلٰہُ الْغٰیْبِ وَیُمِیْتُ کَمِیْرٰبِ وَہے جو زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے۔ درحقیقت یہ بہت بڑی دلیل تھی جتنے بھی خدائی کے دعویدار ہوتے ہیں اور جتنے ان کے ماننے والے ہیں سب کو معلوم ہے کہ زندہ کرنے اور موت دینے کا کام ان میں سے کسی کے بس کا بھی نہیں ہے لامحالہ کوئی ذات ہے جس کے تصرف میں ساری مخلوق ہے اور چلانا اور موت دینا اسی کا کام ہے۔ جو خدائی کے دعویدار ہوئے وہ اپنی جان کو تو بچا ہی نہیں سکے وہ کسی دوسرے کو کیا زندہ کرتے، لیکن واضح موٹی بات نمرود نے یا تو بے عقل ہونے کی وجہ سے نہ سمجھی یا بطور کٹ جھٹی کے یوں ہی بحث جاری رکھنے کیلئے اس نے جواب میں یوں کہہ دیا کہ اَنَا اُحْیِیْ وَاُمِیْتُ کہ میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ اپنی بات کی دلیل کے لئے اس نے یہ کیا کہ دو آدمیوں کو بلایا جن کے قتل کا حکم ہو چکا تھا ان میں سے ایک کو قتل کر دیا اور ایک کو چھوڑ دیا، اُس کی جہالت کا جواب تو یہ تھا کہ تو یہ بتا کہ جسے تو نے قتل کیا ہے اس میں جان کس نے ڈالی تھی اور جسے تو نے چھوڑ دیا یہ موت کے بعد زندہ کرنا ہو یا زندہ کو زندہ چھوڑ دینا ہو لیکن سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس کے عناد اور سفاهت و جہالت کو پیش نظر رکھتے ہوئے خالق کائنات جل مجدہ کے وجود پر اور کائنات میں اس کے تصرفات پر دوسری دلیل دیدی اور فرمایا اِنَّا اِلٰہُ الْغٰیْبِ اِنِّیْ اِلٰہُ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ (کہ اللہ تعالیٰ روزانہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اگر تو معبود ہونے کا مدعی ہے تو سورج کو بچھم سے لا کر دکھا دے) میرے رب کے حکم سے روزانہ سورج بچھم کی جانب غروب ہو جاتا ہے تو اسی جانب سے اسے واپس کر دے یہ سنتے ہی خدائی کا دعویٰ دار نمرود مبہوت اور حیران رہ گیا اور بالکل ہی گونگا بن گیا آگے ایک کلمہ بھی نہ بول سکا۔

پھر فرمایا: وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کی رہبری نہیں فرماتا وہ کسی نبی یا نبی کے نائبین کے سامنے حجت اور دلیل سے نہیں جیت سکتے۔

سورہ شوریٰ میں فرمایا : وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ لَهُ حَرَّجْنَهُمْ دَحَاظَةً عِنْدَ رَبِّهِمْ وَغَلَبَتْهُمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ (اور جو لوگ جتنے بھی اللہ کے بارے میں اس کے بعد کہ اس کا معبود ہوتا تسلیم کر لیا گیا) یعنی اصحاب مہم و ہم اس پر ایمان لا چکے ہیں) اُن لوگوں کی محبت ان کے رب کے نزدیک باطل ہے، اور ان پر غضب ہے اور ان کے لئے سخت عذاب ہے۔
بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا رب سورج مشرق سے لاتا ہے تو مغرب سے لا کر بکا دیتا تو وہ کہہ سکتا تھا کہ میں مشرق سے لاتا ہوں تو اپنے رب سے کہہ کہ وہ مغرب سے لائے لیکن وہ ابراہیم علیہ السلام کے جواب سے ایسا مہیوت بہتیر ہو چکا تھا کہ اس کی پیروی کرنے والا یا اہل حق کے مقابلہ میں اہل باطل دلیل کے ساتھ چلی ہی نہیں سکتے۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ ممکن ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ جو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو
• ضرب سے نکال کر لے آ۔ اس کی وجہ سے اس کو یہ یقین ہو گیا کہ واقعی اس پوری دنیا کا کوئی خالق و مالک متصرف ضرور ہے اور یہ شخص جو
یہ مانا مجھ سے سوال : جواب کر رہا ہے ضرور اسی ذات پاک کا پیغمبر ہے جو ہر چیز کا خالق و مالک ہے اور جس کے تصرف میں ساری مخلوق ہے
اور اس کی یہ دلیل بہت زیادہ وزن دار ہے اگر میں یہ کہہ دوں کہ میں مشرق سے سورج کو لاتا ہوں تو اپنے رب سے کہہ کر ضرب سے لے آ،
تو حاضرین میں سے کوئی اس کو نہیں مانے گا اور جو میرے ماننے والے ہیں وہ اسی کی طرف یہ وجوہیں گے۔ تھوڑی سی جو جہوٹی سلطنت ہے
وہ بھی جانی رہے گی اس لئے اس نے دم نہ بچو وہ وہ جانا ہی مناسب جانا، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا قَالَ أَتَىٰ يُعْجِ هَذِهِ اللَّهُ

یہ اس شخص کی طرف سے جو انہوں نے ایک بستی پر اور وہ اس حال میں تھی کہ بستیوں پر اسکی دیواریں ٹری پڑی تھیں۔ یہ شخص کہنے لگا کہ اے کیونکر زندہ و فرمانے گا اس بستی و اقل

بَعْدَ مَوْتِهَا ۖ فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ قَالَ لَبِثْتُ

سات کے بعد، جس انداز میں نے اس کو - سال تک مردہ رکھا پھر اسے اٹھا دیا، اس سے سوال فرمایا کہ تو کتنے حرمہ تک بھرا رہا۔ اس نے کہا کہ میں

يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَرْءُ الْكَافِرُ إِنِّي أَخَذْتُ مَائِدَةً عَنْكَ فَاظْطُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَاكَ لَمْ يَسْتَسْخِمْ

یوما او بعض یومہ فال بل بہت عام فالطرائی حکایت و سرپرست محمد یوسف

ایک دن یا ایک دن سے کم ٹھہرا ہوں، فرمایا: ایک تو سو سال تک ٹھہرا رہا ہے، سو تو دلیہ کے اپنے کھانے کو، پر پتیلی چھڑے کو دو سو سترہ ہی میں

وَأَنْظِرْ إِلَى حِمَارِكَ تَسْوِينُ جَعَلَكَ آيَةً لِلنَّاسِ وَأَنْظِرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِرُهَا ثُمَّ

اور دیکھ لے اس نغمہ ہے کہ اور تاکہ ہم تجھے نشانی بنا دیں اوگوں کے لئے اور دیکھ جائیوں کی طرف ہم ان کو کیسے جواز دیتے ہیں پھر ان کو

كُلُّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٥٦﴾

نَكْسُوها حِجَابًا، بَيِّنْ لَهُ، اَقَالَ اَعْلَمَ اَنْ اَللّٰهُ عَمَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ

مُرد و کوزند و فرمانے کا ایک واقعہ

یہ آیت پہلی آیت پر "طوف" ہے اور تقدیر عبارت اس طرح سے ہے۔ الم تر الى الذي حاج ابراهيم في ربه او هل رايت
كالدذي مر على قرية۔ حضرات مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن سلامؓ، حضرت قتادہؓ اور

حضرت مکرمہ وغیرہم بہت سے حضرات نے فرمایا ہے کہ جس شخصیت کا اس آیت میں ذکر ہے وہ حضرت عزیر بن شریا تھے اور بعض حضرات نے آرمیا بن خلغیا بھی بتایا ہے اور اس بارے میں دیگر اقوال بھی ہیں لیکن پہلا قول زیادہ مشہور ہے، بہر صورت قرآن کریم نے موت کے بعد زندہ ہونے کا مشاہدہ کرنے والے شخص کا واقعہ ذکر فرمایا ہے یہ حضرت عزیر علیہ السلام: وہ یا کوئی بھی شخصیت: وہ ایک بستی پر ان کا گزر رہا: جس کی سب آباؤی ختم ہو چکی تھی۔ اور بستی کے در و دیوار بھی منہدم تھے چھتیس گرگنی تھیں پھر چھتیس پر دیواریں گر گئی تھیں اس بستی کا یہ حال دیکھ کر ان کے منہ سے بطور تعجب یہ نکلا کہ اللہ اس بستی کو اس کی موت کے بعد کیسے زندہ فرمائے گا؟ خدا تعالیٰ شانہ کی قدرت کا اظہار کرنا مقصود نہ تھا بلکہ انسان کے مزاج میں جو ایسی چیزوں میں ایک استبعاد کی شان ہے اس کے اظہار کے طور پر منہ سے ایسے الفاظ بے ساختہ نکل گئے، جیسے حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ یقین کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ بوڑھے کو بھی اولاد دے سکتا ہے خدا تعالیٰ سے اپنے لئے بیٹے کی دعا کی پھر جب فرشتے بیٹے کی خوشخبری لے کر آئے تو بطور تعجب یوں کہنے لگے رَبِّ اَنْتَیْ یَسْکُوْنُ لِیْیَ غُلَامٌ وَّ قَدْ بَلَغَیْیَ الْکِبَرَ وَ اَمْرًا تَبٰی غَافِلُوْا (کہ اے میرے رب کیسے ہوگا میرے لڑکا، حالانکہ میں بوڑھا پلے کو پہنچ چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے) جس نے سوال کیا وہ وہی کیسے قدرت الہیہ کا منکر ہو سکتا ہے لیکن بطور تعجب سوال کر بیٹھے، جس واقعہ کا یہاں ذکر ہے اس میں بھی اس طرح کی بات ہے، جب انہوں نے یہ کہا کہ اللہ کیسے زندہ فرمائے گا اس بستی کو (جس میں تعجب بھی تھا اور کیفیت کا سوال بھی) تو اللہ تعالیٰ نے اس بات کے کہنے والے ہی کو موت دے دی اور سو سال تک اسی حال میں رکھا پھر سو سال کے بعد زندہ فرما کر اٹھادیا اور سوال فرمایا کہ تم کتنے وقت اسی حالت میں ٹھہرے رہے (جو زندگی کی حالت نہ تھی) تو انہوں نے جواب میں غرض کر دیا کہ میں اس حالت میں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہا ہوں، مفسرین نے بیان کیا ہے کہ چاشت کے وقت ان کو موت آئی تھی اور سو سال گزرنے کے بعد جب ان کو اللہ تعالیٰ نے اٹھایا تو غروب سے کچھ پہلے کا وقت تھا۔ سورج پر نظر ڈالی تو نظر آیا کہ وہ غروب ہونے والا ہے لہذا انہوں نے جواب میں کہا کہ ایک دن ایسی حالت میں رہا ہوں اور جب یوں غور کیا کہ ابھی تو سورج چمپا بھی نہیں تو کہنے لگے کہ ایک دن بھی نہیں بلکہ دن کا کچھ حصہ رہا ہوں، اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ تمہارا یہ بیان کرنا صحیح نہیں بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ تم سو سال تک اسی حالت میں رہے ہو سو سال تک وہ مردور ہے لیکن چونکہ جسم اسی طرح صحیح سالم تر و تازہ باقی رہا جیسا کہ زندگی میں تھا تو ان کو اس سے مزید تعجب ہوا اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا نامہ کا ایک اور نمونہ ان کو دکھایا اور فرمایا کہ تو اپنے کھانے پینے کی چیز کو دیکھ لے وہ ذرا بھی گلی سزی نہیں ہے۔ جس طرح یہ کھانا اپنی حالت پر سو سال باقی رہ گیا اس طرح بغیر روح کے تیرا جسم بھی صحیح سالم تر و تازہ رہا۔ فقال فی الروح (ص ۲۲۳) واستشکل فأنظر علی لبث المائۃ بالفاء وهو یقتضی التغبیر واجیب بان المقروح علیہ لبث المائۃ: بل لبث المائۃ من تغیر فی جسمہ حتی ظنہ زمانا قلیلا ففزع علیہ ما هو اظهر منه وهو عدم تغیر الطعام والشراب وبقاء الحيوان حیاً من غیر غداء۔ پھر اللہ جل شانہ نے ان کے سامنے ان کے مردہ گدھے کو زندہ کر کے دکھایا۔ باری تعالیٰ کا ارشاد: وا کہ تم اپنے گدھے کو دیکھو اور ہڈیوں پر نظر ڈالو۔ گدھے کی ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا دیکھو ہم ان کو کس طرح ترکیب دیتے ہیں پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں، ان کے سامنے وہ ہڈیاں ترتیب کے ساتھ جمع ہوئیں پھر ان پر گوشت چڑھا اور گدھا زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ جب یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو بے اختیار بول اٹھے کہ میں جانتا ہوں کہ بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے یقین تو پہلے ہی سے تھا کیونکہ مؤمن آدمی تھے۔ لیکن یقینی مشاہدہ بھی کر لیا، درمیان میں یہ جو فرمایا کہ وَلَنَجْعَلَ لَکَ الْاٰیۃَ لِّلنَّاسِ اس کے بارے میں مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ محذوف پر مطلق ہے۔ صاحب روح المعانی ص ۲۳ ج ۳ لکھتے ہیں کہ یہاں عبارت: فقد ہے۔ اے! و فعلنا ذلک لنجعلک یعنی ہم نے تمہیں مردہ کر

کے زندہ کر دیا تاکہ ہم تمہاری ذات کو لوگوں کے لئے نشانی بنادیں، تمہیں دیکھ کر اور تمہارا واقعہ معلوم کر کے لوگوں کو ہدایت ہوگی اور موت کے بعد اٹھائے جانے پر یقین کرنے میں چٹکا پاٹ کرنے کا موقع نہ رہے گا۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اَنْظُرْ اِلٰی جَمَادٍ اَفِیْ جو حکم تھا وہ مدت دراز تک موت کی حالت میں رہنے کو ظاہر کرنے کے لئے تھا اور اَنْظُرْ اِلٰی الْعِظَامِ میں جو حکم ہوا وہ مردہ کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھنے کے لئے تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰی وَاٰلَکِنْ

اور جب کہا ابراہیم نے کہ اے میرے رب آپ مجھے دکھا دیجئے مردوں کو کس طرح زندہ فرماتے ہیں، فرمایا کیا تم کو یقین نہیں ہے؟ عرض کیا یقین ہے لیکن اس

لَیْطَبَّحَنَّ لَیْلِیْ ؕ قَالَ فَاِغْزِ اَرْبَعًا مِّنَ الطَّیْرِ فَتُرْسُنِ اِلَیْکَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی کُلِّ

عرض سے سوال کرتا ہوں کہ میرا قلب مطمئن ہو جائے، فرمایا سو تم لے لو چار پرندے پھر ان کو اپنے سے بلا اور پھر ہر پہاڑ پر ان میں سے ایک ایک

جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَا تَیْنِکَ سَعِیًّا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۝۷

جگہ رکھ دو پھر ان کو ٹھانڈا دو تمہارے پاس دڑتے ہوئے چلے آئیں گے اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ عزیز ہے حکیم ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوال پر پرندوں کا زندہ ہونا

اس آیت شریفہ میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک سوال اور پھر خداوند قدوس کی طرف سے عینی مشاہدہ کر اکر ان کے سوال کا جواب ذکر فرمایا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت بڑے موجد تھے حشر و نشر، بعثت بعد الموت کے قائل تھے پھر بھی انہوں نے نظروں سے دیکھنے کے لئے اللہ جل شانہ سے سوال کیا کہ آپ مجھے دکھا دیجئے کہ آپ مردوں کو کس طرح زندہ کریں گے؟ اللہ جل شانہ نے فرمایا کیا تمہیں اس کا یقین نہیں ہے کہ میں مردوں کو زندہ کر دوں گا انہوں نے عرض کیا کہ یقین ضرور ہے پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ علم الیقین سے آگے مجھے عین الیقین کا مرتبہ حاصل ہو جائے اور اپنی آنکھوں سے مردوں کو زندہ ہوتے دیکھ لوں تاکہ طبعی طور پر انسان کو جو اطمینان دیکھنے سے حاصل ہو جاتا ہے وہ بھی مجھے حاصل ہو جائے۔ حضرت ابن عباسؓ اور بعض دیگر حضرات سے منقول ہے کہ جب فرشتہ نے ان کو خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا خلیل بنالیا ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کو قبول فرمائے گا اور آپ کی دعا سے مردوں کو زندہ فرمائے گا تو اس پر انہوں نے یہ سوال کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم چار پرندے لے لو اور پہلے ان کو اپنے پاس رکھو اور مانوس کر دو اور بلاؤ، جب وہ تم سے مانوس ہو جائیں اور بل جائیں تو ان چاروں کو ذبح کرنا اور ان کے گوشت اور پروں کو ایک ساتھ ملا دینا اور ان کا ایک ایک حصہ پہاڑ پر رکھ دینا ان کو پکارنا وہ پرندے تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آجائیں گے، چنانچہ حسب الحکم انہوں نے ایسا ہی کیا اور وہ پرندے زندہ ہو کر اگلی آواز پر دوڑتے ہوئے چلے آئے، پرندے ہونے کے باوجود وہ اڑ کر نہ آئے بلکہ پیروں سے چل کر آئے کیونکہ نظروں کے سامنے اس کا ظہور بدرجہ اتم ہے۔

آخر میں فرمایا: وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ (کہ اللہ غالب ہے اور حکمت والا ہے) اسباب عادیہ غیر عادیہ سب اُس کے قبضہ

میں ہیں۔ اس کے سب کاموں میں حکمت ہے۔ (من روح المعانی ص ۲۶ تا ۳۱ ج ۳)

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ

مثال ان لوگوں کی جو اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ایسی ہے جیسے ایک دانہ جو اس نے اٹکیں سات بیج۔

فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةِ حَبَّةٍ ۖ وَاللَّهُ يُضَعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ ۖ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۶﴾

ہر بال میں ہیں سو دانے اور اللہ چند در چند کر دیتا ہے جس کے لئے چاہے اور اللہ وسعت والا ہے علم والا ہے۔

فی سبیل اللہ خرچ کرنے والوں کا اجر و ثواب

اس آیت شریفہ میں فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی فضیلت بیان فرمائی۔ اللہ کی رضا کے لئے جو بھی مال خرچ کیا جائے وہ سب فی سبیل اللہ ہے اور عام طور سے یہ لفظ جہاد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے بہر صورت جہاد میں خرچ کرے یا غیر جہاد میں خرچ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی فضیلت بہت ہے اور یہ تو عام قانون ہے کہ مَنْ جَاءَهُ بِالْخَيْرِ فَلَهُ عَشْرُ مَثَلًا (جو کوئی شخص ایک نیکی کرے اس کے لئے اس کا دس گنا ہے) ایک نیکی کی دس نیکی یہ تو کم سے کم ہے اور اس کے علاوہ اللہ جل شانہ اس سے زیادہ جتنا جس کو بڑھا چڑھا کر عنایت فرمائے وہ مزید انعام و اکرام ہے۔ اس آیت شریفہ میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کے بارے میں ایک مثال بیان فرمائی ہے اور وہ یہ کہ جیسے کوئی دانہ زمین میں گر جائے پھر اس سے ایک درخت نکل آئے اس درخت میں سات بائیس ہوں اور ہر بالی میں سو سو دانے ہیں اس طرح سے ایک دانہ کے سات سو دانے بن گئے، اللہ تعالیٰ شانہ ایک درہم یا ایک دینار یا ایک روپیہ یا ایک پیسہ خرچ کرنے پر اس کے عوض ثواب میں سات سو گنا عطا فرماتے ہیں اور سات سو پر بھی کوئی منحصر نہیں ہے اس سے زیادہ بھی عطا فرمادیتے ہیں جس کو وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ میں بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑی وسعت والا ہے وہ جس کو جتنا چاہے دے سکتا ہے اور وہ علم والا بھی ہے کسی کی کوئی نیکی اس کے علم سے باہر نہیں اس کی رضا کے لئے جو بھی کوئی بدنی یا مالی عبادت انجام دے گا اس کے ضائع ہونے کا کوئی خطرہ نہیں، آخرت میں اس کا ثواب چند در چند پالے گا۔

سنن ابن ماجہ میں ص ۱۹۸ متعدد صحابہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس نے اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد میں) خرچ کرنے کے لئے مال بھیج دیا اور خود گھر ہی میں رہا تو اسے ہر درہم کے عوض سات سو درہم (کا ثواب) ملے گا اور جس شخص نے اپنی جان سے شریک ہو کر اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور اللہ کی خوشنودی کے لئے مال خرچ کیا تو اس کے لئے ہر درہم کے عوض سات لاکھ درہم ہوں گے، یہ فرما کر آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ کی تلاوت فرمائی۔ تفسیر درمنثور ص ۳۳۶ میں بحوالہ طبرانی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرمایا ہے کہ اس کے لئے بہت بڑی خوبی ہے جو فی سبیل اللہ جہاد میں مشغول ہوتے ہوئے اللہ کے ذکر کی کثرت کرے کیونکہ اُسے ہر کلمہ کے عوض ستر ہزار نیکیاں ملیں گی جن میں سے ہر نیکی دس گنی کر کے ملے گی اس کے علاوہ جو اس کے لئے اللہ کے نزدیک ہے وہ مزید ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا کیا ثواب ہے آپؐ نے فرمایا وہ بھی اس قدر ہے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کے شاگرد نے عرض کیا کہ میں نے تو یہ سنا ہے کہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا ثواب سات سو گنا ہے انہوں نے فرمایا کہ تو کم سمجھ آدمی ہے۔ یہ سات سو گنا اس وقت ہے جب اپنے گھروں میں رہتے ہوئے جہاد میں خرچ کرنے کے لئے بھیج دیں اور خود جہاد میں شریک نہ ہوں اور جب خود جہاد میں شریک ہوں اور اس وقت خرچ کریں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانوں میں ان کے لئے جو کچھ پوشیدہ رکھا ہے۔ وہاں تک بندوں کے علم کی رسائی نہیں ہے اور بندے

اس کی کیفیت کے جاننے سے عاجز ہیں۔ یہ لوگ حزب اللہ (اللہ کی جماعت) ہیں اور اللہ کی جماعت غالب ہونے والی ہے۔ حضرت بریدہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حج و جہاد کا خرچہ یکساں ہے ایک درہم خرچ کرنا سات سو درہم خرچ کرنے کے برابر ہے۔ (در منثور ص ۳۳ ج ۱) اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی کے ثواب میں کوئی کمی نہیں فضل ہی فضل ہے، عطا ہی عطا ہے، تھوڑے پر بہت ملتا ہے۔ نیت اللہ کی رضا کی کرنی لازم ہے، آیت بالا میں بھی لفظ فی سبیل اللہ فرما کر اخلاص کی طرف متوجہ فرمایا ہے اور آئندہ آنے والی آیات میں خرچ کرنے کے آداب بتاتے ہوئے ریاکاری کے طور پر خرچ کرنے کی مذمت فرمائی ہے۔

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَنًّا وَلَا أَذًى ۖ لَهُمْ

جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں پھر خرچ کرنے کے بعد احسان نہیں دھرتے اور ایذا نہیں پہنچاتے ان کے لئے اجرِ مہم عند ربہم ولا خوف علیہم ولا هم يحزنون ﴿۱۰﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ ﴿۱۱﴾

ثواب ہے ان کے رب کے پاس، اور نہ ان پر کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔ بھلی بات کہہ دیتا اور دگر دگر دیتا اسے خیر من صدقہ یتبعہا اذی ۱۰ واللہ غنی حلیم ﴿۱۱﴾

صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد تکلیف پہنچائی جائے اور اللہ غنی ہے حلیم ہے۔ اسے ایمان والو! مت باطل کرو اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور تکلیف پہنچا کر اس شخص کی طرح سے جو اپنا مال خرچ کرتا ہے لوگوں کو دکھانے کے لئے اور ایمان نہیں لانا اللہ پر

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا ۖ

اور یوم آخرت پر، سو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی چکنا پتھر ہو جس پر ذرا سی مٹی ہو پھر پہنچ گئی اس کو زوردار بارش

لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۱۲﴾

سو کر چھوڑا اس کو بالکل ہی صاف، یہ لوگ اپنی کمائی میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہوں گے، اور اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

فی سبیل اللہ خرچ کرنے کے آداب اور ریاکاروں کے صدقات کی مثال

ان آیات میں اول تو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی فضیلت بتائی ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے لئے اجر و ثواب ہے نہ ان پر کوئی خوف ہے نہ وہ رنجیدہ ہوں گے، اور ساتھ ہی دو باتوں پر تنبیہ فرمائی ہے، اول یہ کہ جس کسی کو مال دیں اس پر احسان نہ دھریں اور اسے تکلیف نہ پہنچائیں، ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ صدقہ دینے کے بعد احسان جتانے اور تکلیف پہنچانے سے صدقہ باطل ہو جاتا ہے، بہت سے لوگوں کو جو یہ عادت ہوتی ہے کہ تھوڑا بہت صدقہ دے کر ان لوگوں پر احسان دھرتے ہیں جن لوگوں کو کچھ دیا اور خاص کر ان لوگوں پر جو رشتہ دار ہیں یا اپنے شہر کے رہنے والے ہیں ایسے لوگ احسان دھرنے سے اپنا ثواب باطل کر دیتے ہیں جس پر احسان دھرا

جائے اسے احسان کے الفاظ سننے سے یا احسان بوجہ کی طرح برتاؤ کرنے سے تکلیف: وقتی ہی ہے اور بعض مرتبہ یہ بھی: ہوتا ہے کہ ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں یا ان پر خرچ کرنے کی وجہ سے بیگاریں لیتے ہیں۔ اس لئے لفظ مَن (احسان جتانے) کے ساتھ لفظ اَذی بھی ذکر فرمایا کہ اللہ کے لئے خرچ کریں اور احسان بھی نہ بھریں اور کسی قسم کی کوئی تکلیف بھی نہ پہنچائیں تب ثواب کے مستحق ہوں گے، اگر کسی نے سوال کیا اور اسے نہ دیا اور خوبصورتی کے ساتھ اچھے الفاظ میں جواب دے دیا اور مسائل کی بدتمیزی پر اور تنگ کرنے پر جو قصداً یا اس سے درگزر کر دیا تو یہ اس سے بہتر ہے کہ کچھ دیدے پھر احسان بھرنے یا کسی طرح سے تکلیف پہنچائے۔ اس کو فرمایا: فَمَنْ مَّعْرُوفٌ وَمَنْغَفْرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَّدَقَةٍ تُبْغِيهَا اَذًی ط جو لوگ صدقہ کر کے احسان جتاتے ہیں یا ایذا پہنچاتے ہیں ان کے بارے میں فرمایا کہ ان لوگوں کا ایسا حال ہے جیسے کوئی شخص لوگوں کو دکھانے کے لئے مال خرچ کرے اور اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہ رکھتا: وایسے شخص کے خرچ کرنے کی مثال دیتے: دے ارشاد فرمایا کہ جیسے کوئی چکنہ پتھر: داس پر تھوڑی سی مٹی پڑی: داور اوپر سے زرد دار بارش پڑ جائے جو اس ذرا سی مٹی کو بہا کر لے جائے اور پتھر کو بالکل چکنا سپاٹ چھوڑ دے، اذل تو پتھر چکنا پھر اس پر مٹی بھی ذرا سی اور جو بارش برسی تو وہ بھی زرد دار، ظاہر ہے کہ اس حالت میں پتھر صاف ہو کر چکنا نہ رہ جائے گا تو اور کیا ہوگا۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ منافق کے خرچ کرنے کی مثال ہے کیونکہ وہ اللہ پر اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ مسلمانوں میں شریک: دکر جو کسی نیک کام میں تھوڑا بہت خرچ کیا تو ایسا ہوا جیسے چکنے پتھر پر ذرا سی مٹی آجائے اور چونکہ اس خرچ کا اسے کوئی ثواب نہ ملے گا اس لئے یہ خرچ کرنا اس کے حق میں بالکل ہی بے فائدہ ہے جیسا کہ اس ذرا سی مٹی پر نمب تیز بارش برس جائے اور اسے دھو ڈالے۔ یہ لوگ اپنی کمائی پر ذرا بھی قابو نہ ہوں گے کیونکہ انہوں نے جو کچھ کمایا اور خرچ کیا حالت کفر میں تھا اور دکھا دے کے لئے تھا اس کا ثواب انہیں ذرا نہ ملے گا، آخرت میں ان کا کمانا بھی ضائع ہے اور خرچ کرنا بھی، اور جب ایمان نہیں اور اخلاص نہیں تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انہیں جنت کا راستہ بھی نہ دکھائے گا۔ اوپر منافق ریاکار کا ذکر ہے جو منہ من خلس کے مقابلہ میں آیا ہے۔

اگر کوئی شخص مسلمان ہو اور ریاکاری سے کوئی ایسا کام کرے جو فی نفسہ نیک: دخواہ مالی عبادت: دویا جانی عبادت، ریاکاری کی وجہ سے وہ بھی ثواب سے محروم رہے گا بلکہ ریاکاری اس کے لئے وبال ہوگی اور آخرت میں مستحق عذاب ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلے جن لوگوں کے بارے میں سزا کا فیصلہ ہوگا۔ ان میں ایک شخص: دہوگا جو بظاہر شہید ہو گیا تھا لیکن اُس کی نیت یہ تھی کہ مبادری میں اس کا نام: دہو، اور ایک وہ شخص: دہوگا جس نے علم پڑھا اور پڑھایا اور قرآن شریف پڑھا۔ علم حاصل کرنے سے اس کی نیت یہ تھی کہ اس کو عالم کہا جائے اور قرآن پڑھنے سے اُس کی نیت یہ تھی کہ اُس کو قاری کہا جائے۔ اور ایک وہ شخص ہوگا جسے اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کا مال دیا تھا وہ اللہ پاک کے حضور میں کہے گا کہ جو بھی کوئی خرچ کرنے کی سبیل مجھے ملی جس میں خرچ کرنا آپ کے نزدیک محبوب تھا اس میں میں نے آپ کے لئے خرچ کیا اللہ تعالیٰ کا ارشاد: دہوگا کہ تو جھوٹ کہتا ہے تو نے یہ اس لئے کیا کہ تجھے نخی کہا جائے۔ تینوں آدمیوں سے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تمہاری جو: دخواہش تھی وہ پوری ہو چکی اور جو تم چاہتے تھے وہ کہا جا چکا البتہ ان تینوں کو منہ کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جن کے ذریعہ سب سے پہلے دوزخ کو دکھایا جائے گا یہ تین آدمی ہوں گے۔ (الزغب والتریب ص ۶۲ ج ۱)

حضرت شہاب بن ابی اسحق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس نے ریاکاری کرتے ہوئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا، اور جس نے روزہ رکھ کر ریاکاری کی اُس نے شرک کیا اور جس نے صدقہ دے کر ریاکاری کی اُس نے

شرک کیا۔ (مشکوٰۃ ص ۴۵۵ ج ۳)

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ

اور مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی رضا جوئی کے لئے اور نفسوں کو پختہ کرنے کے لئے ایسی مثال ہے

جَنَّةٍ مَّزْبُوتَةٍ ۖ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَاتَتْهَا سُلُحُبٌ مِّنَ السَّمَاوَاتِ ۖ فَمِنْهَا يُصْبِحُ ۖ وَابِلٌ فَطَلَّ

جیسے ایک باغ ہو کسی ٹیلہ پر جس کو پہنچ جائے زوردار بارش پھر وہ دو گنا پھل لایا ہو، پس اگر زوردار بارش نہ پہنچی تو ہلکی ہوندا باندی بھی اسے کافی ہے

وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۵۰﴾

اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھتا ہے۔

اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرنے والوں کی مثال

اس آیت شریفہ میں مؤمنین صالحین مخلصین کے مال خرچ کرنے کی ایک مثال بتائی ہے اور اس مثال میں ان کے ثواب کی کثرت اور عند اللہ مقبولیت ظاہر فرمائی ہے، ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں اور اس خرچ کرنے میں ان کی یہ بھی نیت ہے کہ ان کے نفس اس نیکی کرنے میں پختہ ہو جائیں تاکہ نفس خرچ کرنے کے خوگر رہیں اور کنجوی کو پاس نہ آنے دیں تو ایسے لوگوں کے خرچ کرنے کی ثواب کے اعتبار سے ایسی مثال ہے جیسے کسی ٹیلہ پر ایک باغیچہ ہو (ٹیلوں کی آب و ہوا باغوں کے لئے نہایت مناسب ہوتی ہے) پھر اوپر سے زوردار بارش بھی ہو جائے تو زمین کو اور زیادہ قوت و طاقت پہنچ جائے جس کی وجہ سے دو گنے پھل آجائیں چونکہ یہ باغیچہ اونچے ٹیلہ پر ہے اس لئے زوردار بارش نہ ہو تو تھوڑا بہت چھینٹا بھی اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے جس طرح اس باغیچہ میں پھل خوب زیادہ کثیر مقدار میں آئیں گے اہل ایمان اخلاص کے ساتھ اللہ کی رضا کے لئے جو مال خرچ کریں گے اسی طرح ان کے خرچ کرنے کا ثواب بھی بہت زیادہ ملے گا۔

آخر میں فرمایا: وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ یعنی جو بھی کوئی کسی طرح کا عمل کرتا ہے اچھا ہو یا بُرا، اللہ تعالیٰ سب کو دیکھتا ہے ہر عمل کا بدلہ اللہ کے یہاں سے ملے گا یا کار کو بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور مخلص کو بھی، اپنے عمل کی ہر ایک کو نگرانی کرنا لازم ہے کہ اخلاص ہے یا نہیں۔ صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں کہ اس تشبیہ میں جو دو طرح کی بارش فرض کی گئی ہے اس سے مقصود تفاوت مراتب اخلاص کا بیان کرنا ہے کہ چونکہ یہ اتفاق ایمان کے ساتھ مقرون ہے مَن وَاذَى وِدِنَا اس میں مفقود ہے اخلاص اس میں موجود ہے تو ضروری مقبول ہو کر موجب تضاعف اجر و ثواب ہو جاتا ہے۔ خواہ اخلاص اعلیٰ درجہ کا ہو یا اوسط یا ادنیٰ درجہ کا: نفس قبول و تضاعف کے لئے ہر حال میں کافی ہے گو تفاوت مراتب اخلاص سے مراتب قبول و تضاعف میں بھی تفاوت ہو جائے گا۔

أَيُّوْدُ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ تَخْيِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

کیا تم میں سے کسی کو یہ بات پسند ہے کہ اس کا ایک باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا اس کے نیچے جاری ہوں نہریں

لَهُ فِيهِمَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ ۚ وَاصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ ۚ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ

اس میں اس کے لئے ہر طرح کے پھل ہوں اور اس کو بڑھاپا آ جائے اور اس کی ضعیف آل و اولاد ہو پھر پہنچ گئی اس کو سخت تیز آندھی

فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۚ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿۳۶﴾

جس میں آگ ہو، سو وہ باغ جل جائے، ایسے ہی اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے تمہارے لئے آیات تاکہ تم فکر کرو۔

عبادات اور طاعات کو باطل کر دینے والوں کی مثال

اس آیت شریفہ میں ان لوگوں کے بارے میں ایک مثال بیان فرمائی ہے جو اعمال صالحہ انجام دیتے ہیں لیکن ان کو ریا کاری یا سن واذی کی وجہ سے یا کسی ایسے عمل کے کرنے سے جو حیطہ اعمال کا سبب ہو برباد کر دیتے ہیں، ارشاد فرمایا کہ کسی شخص کا باغ ہو جس میں کھجوروں اور انگوروں کے درخت ہوں اور ان کے علاوہ بھی ہر قسم کے پھل ہوں اس کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہوں وہ خود بوڑھا ہو گیا اور اس کے اہل واولاد ضعیف ہوں۔ خود بھی کچھ نہیں کر سکتا اور اولاد بھی کسی قابل نہیں، گزار و مکارستہ صرف یہی باغ ہے اپنا خرچہ بھی اسی سے ہے اور بال بچوں کا سہارا بھی یہی باغ ہے۔ ایسی حالت میں ایک تیز آندھی آئی اس آندھی میں آگ تھی اس آگ نے سارے باغ کو جلا کر خاکستر کر دیا، عین حاجت کے وقت جبکہ اس باغ کی بہت زیادہ ضرورت تھی کچھ بھی نہ بچا سارا ہی جل کر راکھ ہو گیا، اس مثال کو سامنے رکھ کر سمجھ لیں کہ جو اعمال صالحہ انجام دیئے جاتے ہیں ان کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ آخرت میں ان کا ثواب ملے۔ وہاں حاجتیں پوری ہوں اور عذاب سے حفاظت ہو لیکن اخلاص نہ ہونے کے باعث جب بہت بڑی اور سب سے بڑی حاجت کا وقت آیا تو جو اعمال کئے تھے انہوں نے کچھ بھی کام نہ دیا کیونکہ اللہ کی رضا کے لئے نہیں بلکہ بندوں کو دکھانے کے لئے اعمال کئے تھے جو بظاہر نیک تھے لیکن ریا کاری نے ان کی نیکی ختم کر دی تھی نماز پڑھی دکھاوے کے لئے، حج کیا نام و نمود کے لئے، صدقہ دیا شہرت کے لئے، جہاد کیا بہادری ظاہر کرنے کے لئے، صدقہ دیا شہرت کے لئے اور شہرت کے خیال سے نہ تھا تو جن کو دیا تھا ان پر احسان دھر کر اور تکلیف پہنچا کر اکارت کر دیا آخرت میں بیشی ہے اعمال صالحہ کی ضرورت ہے اور اعمال کا ثواب مل نہیں رہا ایسے وقت میں جو بد حالی ہوگی اس کا کچھ اندازہ مذکورہ بالا باغ والے آدمی کی حیرت اور پریشانی سے کر لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فکر مند بنانے کے لئے طرح طرح کی مثالیں بیان فرماتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ ۚ

اے ایمان والو! خرچ کرو اپنی کمائی میں سے پاکیزہ چیزوں کو، اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین میں سے

وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْنِصُوا فِيهِ ۚ وَاعْلَمُوا

اور مت ارادہ کرو رذی چیز کا کہ اس میں سے خرچ کرو اور تم خود اس کے لئے والے نہیں ہو مگر اس صورت میں کہ چشم پوشی کر جاؤ، اور جان لو

أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿۳۷﴾

کہ بلاشبہ اللہ غنی ہے اور حمید ہے۔

اللہ کی رضا کے لئے عمدہ مال خرچ کرنے کا حکم

گزشتہ آیات میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کا ثواب ذکر فرمایا ہے اور خرچ کرنے کے آداب بتائے ہیں اس آیت میں اپنے کمائے دئے مالوں میں سے طیب عمدہ حلال اور اچھی چیزیں خرچ کرنے کا حکم فرمایا ہے، حرام کما ناتو حرام ہے جو حلال مال ہے اس میں سے بھی عمدہ چیز کو اللہ کی راہ میں دینا چاہیے۔ اسباب النزول ص ۸۲ میں اس آیت کا سبب نزول بتاتے ہوئے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی، جب فصل پر کھجوروں کے پھل کاٹتے تھے تو کھجوروں کے خوشے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں ستونوں کے درمیان بندھی ہوئی رسی پر لا کر ٹانگ دیتے تھے جس میں سے فقراء مہاجرین کھا لیتے تھے ان میں سوکھے ہوئے خوشے بھی ہوتے تھے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: وَلَا تَقْسَمُوا بِالْخَبِيثِ مِنْهُ تَنْفِقُونَ (کہ تم روٹی چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ارادہ نہ کرو)۔

لباب القول میں بحوالہ حاکم حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ الفطر ادا فرمانے کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ کھجور کا ایک صاع صدقہ میں دیا جائے اُس پر ایک شخص روٹی کھجوریں لے آیا ابتدا آیت کریمہ تَأْتِيهَا الْذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ نازل ہوئی۔ یہ جو فرمایا وَلَسْتُمْ بِاِخِيذِهِ إِلَّا أَنْ تُغْنِصُوا فِيهِ اس میں تنبیہ فرمائی کہ تم اللہ کی راہ میں گھٹیا مال خرچ کرنے کو تیار ہو لیکن ویسا ہی گھٹیا مال تمہیں کوئی دے تو تم خود اسے لینے کو تیار نہ ہو گے۔ تمہارا کسی پر قرضہ ہے قرضہ کی ادائیگی کے سلسلہ میں تمہیں کوئی خراب کھجوریں یا دوسرا کوئی گھٹیا مال دینے لگے تو تم اسے قبول نہ کرو گے ہاں یہ اور بات ہے کہ موقع دیکھ کر آگھیں بیچ لو اور یہ سمجھ کر رکھو کہ اس آدمی سے عمدہ مال کبھی بھی نہیں ملے گا چلو جو ہاتھ آتا ہے یہی سہی، یہ مساحت والی بات دوسری ہے رضا اور رغبت اور دل کی خوشی کے ساتھ تم روٹی چیز قبول نہیں کر سکتے۔

عمومی طور پر مال طیب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: وَمِمَّا آخَرُ جُنَّا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ (کہ ہم نے زمین سے جو کچھ تمہارے لئے نکالا ہے اس میں سے بھی خرچ کرو) حضرات فقہاء کرام نے اس سے یہ ثابت کیا ہے کہ زمین کی پیداوار پر بھی زکوٰۃ ہے اور احادیث شریفہ سے بھی پیداوار کی زکوٰۃ ثابت ہے فقہاء کی اصطلاح میں اس کو عشر کہا جاتا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کے عدم سے استدلال کیا ہے کہ زمین سے جو کچھ پیدا ہو (غلہ ہو یا سبزیاں، ترکاریاں ہوں یا پھل) سب کی زکوٰۃ نکالنا فرض ہے۔ البتہ گھاس اور لکڑی ان کے نزدیک اس سے مستثنیٰ ہے۔ پیداوار کی زکوٰۃ کا اصول یہ ہے کہ جو زمین ایسے پانی سے سیراب کی جائے جس کی قیمت ادا کرنی نہ پڑے مثلاً بارش کے پانی سے سیراب کی جائے یا ندی یا دریا کے کنارے پر ترائی میں کوئی چیز پانی دئے بغیر بونے سے پیدا ہو جائے تو اس کی کل پیداوار سے دسواں حصہ مستحقین زکوٰۃ کو دینا فرض ہے اور یہ بھی زکوٰۃ ہی ہے مثلاً دس کلو پیداوار میں سے ایک کلو دیدے اور اسی طرح باغ میں جو پھل پیدا ہوں ان کا بھی دسواں حصہ زکوٰۃ میں ادا کرے۔ اور اگر پانی کی قیمت دے کر زمین کو سیراب کیا گیا ہے تو ایسی زمین کی پیداوار پر نصف العشر یعنی دسویں کا آدھا زکوٰۃ میں دینا فرض ہوتا ہے جس کو بیسواں حصہ کہا جاتا ہے یعنی دس کلو پیداوار میں سے آدھا کلو زکوٰۃ میں دیدے۔

مسئلہ..... یہ دسواں یا بیسواں حصہ جو زکوٰۃ میں ادا کرنا فرض ہے۔ اس میں کوئی نصاب نہیں ہے یعنی جس قدر بھی پیداوار ہو اس کا دسواں یا بیسواں حسب تفصیل بالا ادا کرے۔

مسئلہ..... کھیتی پر جو مال خرچ ہوا مثلاً بیج والا، مزدوروں نے زمین کھودوائی، بیل خریدے، ٹریکٹر چلویا، کام کرنے والوں کو مزدوری

دی، یہ سب اخراجات منہا نہیں ہوں گے جو کچھ بھی پیداوار ہو اس کی زکوٰۃ کا دسواں یا بیسواں حصہ (حسب تفصیل بالا) زکوٰۃ میں ادا کرنا لازم ہے۔

فائدہ..... زمینوں کے عشری اور خراجی ہونے میں کچھ تفصیل ہے۔ مختصراً بتا سمجھ لیا جائے کہ جو کوئی علاقہ کافروں کے قبضہ میں تھا پھر مسلمانوں نے حملہ کر دیا وہ علاقہ اُن سے چھین لیا اور امیر المؤمنین نے اس علاقہ کی زمین مسلمانوں میں تقسیم کر دی تو یہ زمین عشری ہے اسی طرح سے اگر کسی شہر کے رہنے والے مسلمان ہو جائیں تو ان کی زمین بھی عشری ہو جائے گی۔

آیت کے ختم پر فرمایا: **وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ حَمِيدٌ** (کہ اللہ تعالیٰ غنی ہے مستحق حمد ہے) اُسے تمہارے صدقات کی حاجت نہیں جو کچھ خرچ کرتے ہو آپس میں خود ہی متفق ہوتے ہو اُس نے جو کچھ عطا فرمایا ہے اس کے عطا فرمانے پر وہ مستحق حمد ہے۔ مستحق شکر ہے۔ صاحبِ روح المعانی لکھتے ہیں کہ حمید بمعنی حامد بھی ہو سکتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہ عمدہ چیز قبول فرماتا ہے یعنی خرچ کرنے والے کو ثواب دیتا ہے اور یہ قبول کرنا اور ثواب دینا اس کی طرف سے بندوں کی تعریف ہے۔

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ ۗ وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ

شیطان تم کو ڈراتا ہے تنگدستی سے، اور تمہیں فحش کاموں کا، اور اللہ وعدہ فرماتا ہے تم سے تمہاری طرف سے مغفرت کا اور فضل کا

وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۖ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا

اور اللہ وسعت والا ہے خوب جاننے والا ہے۔ وہ حکمت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے، اور جس کو حکمت دی گئی اُسے خوب زیادہ خیر عطا

كَثِيرًا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۝

کی گئی، اور وہی لوگ نصیحت قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

شیطان تنگدستی سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالیٰ مغفرت اور فضل کا وعدہ فرماتا ہے

اس آیت شریفہ میں ہدایت فرمائی ہے کہ شیطان کے بہکانے اور ڈرانے میں نہ آئیں جب تم اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ارادہ کرو گے تو شیطان تمہارے دل میں وسوسے ڈالے گا۔ اور یوں کہے گا کہ صدقہ دو گے تو مال کم ہو جائے گا۔ تنگدستی آجائے گی اپنی کل کی ضرورت کے لئے مال بچا کر رکھو، بچوں کے کام آئے گا، اگر خرچ کرنے ہی لگو گے تو پھر وہ گھٹیا مال خرچ کرنے کی ترغیب دے گا وہ تنگدستی سے ڈراتا ہے۔ بخل پر ابھارتا ہے اور اس کے علاوہ بے حیائی کے کاموں کا بھی حکم کرتا ہے وہ گناہوں کی ترغیب دیتا ہے، تم اس کے کہنے میں نہ آؤ، اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین رکھو، اس نے تم سے جو مغفرت اور فضل کا وعدہ فرمایا ہے اس کے اُمیدوار رہو اور یقین جانو کہ وہ اپنے سب وعدے پورے فرمائے گا، اپنے خالق و مالک کے وعدوں کو بھول جانا اور دشمن شیطان کی باتوں میں آ جانا سمجھ واری کی بات نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ تھوڑا سا دو گے تو بہت ملے گا آخرت میں تو اجر و ثواب ہے ہی دنیا میں بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بڑے بڑے منافع ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن پر میں قسم کھاتا ہوں ایک تو یہ ہے کہ صدقہ کرنے سے کسی بندہ کا مال کم نہ ہوگا اور دوسری بات یہ ہے کہ جس کسی بندہ پر بھی ظلم کیا جائے وہ اس پر صبر کر لے گا تو اللہ اس کی وجہ سے اس کو ضرور عزت عطا فرمائے گا اور تیسری بات یہ ہے کہ جو بھی کوئی شخص بندوں سے مانگنے کا دروازہ کھولے گا تو اس کے لئے ضرور تنگدستی کا دروازہ

کھل جائے گا۔ (رواہ الترمذی کافی مشکوٰۃ ص ۱۳۵ ج ۱)

زکوٰۃ اور صدقات سے مال گھٹتا نہیں ہے بڑھتا ہی ہے اور اس سے مال کی حفاظت بھی ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اپنے مالوں کو زکوٰۃ ادا کر کے ضائع ہونے سے محفوظ کرو اور اپنے مریضوں کے علاج کے لئے صدقہ دیا کرو (کیونکہ یہ بہت بڑا علاج ہے) اور مُصِیبت کی موجوں کا مقابلہ و عاصے اور قسعر و زاری سے کرو۔ (رواہ ابو داؤد فی المرسل)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ روزانہ جب صبح ہوتی ہے تو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک کہتا ہے کہ اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اُس کے عوض اور دے اور دوسرا کہتا ہے کہ اے اللہ! روکنے والے کا مال تلف کرو۔ (مشکوٰۃ الصالح ص ۱۶۳ جلد ۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ابن آدم تو (مخلوق پر) خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا۔ (صحیح بخاری)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم خرچ کرتی رہو اور رکنِ کرمت رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی گن کر دے گا اور بند کر کے نہ رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی اپنی داد و بخش بند فرما دے گا جو بھی تھوڑا بہت ہو خرچ کرتی رہو۔ (صحیح بخاری ص ۱۹۳ ج ۱)

شیطان چاہتا ہے کہ اللہ کے بندے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کریں نفس بھی چپکچپاتا ہے کہ خرچ ہو جائے گا تو آگے کیا ہوگا، کہاں سے آئے گا اور ایسے ہی وقت میں صدقہ کرنے کی زیادہ فضیلت ہے جبکہ نفس کجی کی طرف جاتا ہو۔

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! کونسا صدقہ ثواب کے اعتبار سے زیادہ بڑا ہے۔ آپ نے فرمایا ایسا صدقہ کہ صدقہ کرتے وقت تندرست ہو۔ (مرض الموت میں نہ ہو) خرچ کرنے کو دل نہ چاہتا ہو۔ تنگدستی سے ڈرتا ہو اور پیسہ پاس رکھنے کی آرزو رکھتا ہو یہ صدقہ ثواب کے اعتبار سے سب سے بڑا ہے، اور خرچ کرنے میں تو دیر نہ لگایاں تک کہ جب موت آجائے اور جانِ حقیق کو پہنچ جائے تو کہنے لگے کہ فلاں کو اتنا اور فلاں کو اتنا (اب فلاں کو کیا ولوار ہے) اب تو دوسروں کا ہو ہی چکا۔ (صحیح بخاری ص ۱۹۱ ج ۱)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی تو اس کی وجہ سے مال کا شرچلا گیا (یعنی مال کی وجہ سے جس کسی شرکانہ نیشہ تھا اس سے حفاظت ہوگئی)۔ (الترغیب والترہیب ص ۵۱۹ ج ۱)

شیطان انسان کا بہت بڑا دشمن ہے یہی نہیں کہ صرف اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکتا ہے بلکہ طرح طرح کی مشکلات سامنے لا کر پریشان کرتا ہے اور ڈراتا ہے اور حق کو جھٹلاتا ہے اور بندوں کے ایمان کو متزلزل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بنی آدم کے دل پر شیطان کی پہنچ بھی ہوتی ہے اور فرشتے کا نزول بھی ہوتا ہے۔ شیطان (تنگدستی وغیرہ سامنے لا کر) ڈراتا ہے اور حق کو جھٹلاتا ہے اور فرشتہ خیر کے واقع ہونے کی اُمیدیں دلاتا ہے اور حق کی تصدیق کرتا ہے۔ سو تم میں سے جو شخص بھی اسے محسوس کرے تو جان لے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے لہذا اللہ کی حمد کرے اور جو شخص دوسری بات (یعنی شیطان کی سمجھائی ہوئی چیز) محسوس کرے وہ شیطان سے محفوظ رہنے کے لئے اللہ کی پناہ مانگے۔ یہ بات بیان فرما کر آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ

تلاوت فرمائی۔ (مشکوٰۃ الصالح ص ۱۸ ج ۱)

آیت کے ختم پر فرمایا: وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ کہ اللہ تعالیٰ وسیع رحمت، وسیع فضل، وسیع علم والا ہے۔ سب کے صدقات کو اور نیتوں کو جانتا

ہے۔ وہ خوب زیادہ دے گا پھر فرمایا: **يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ** کہ اللہ تعالیٰ حکمت عطا فرماتا ہے جس کو چاہے، لفظ حکمت مضبوط چیز کے معنی میں آتا ہے، علم عمل قول جس میں بھی اتقان ہو وہ سب حکمت ہے یہ لفظ قرآن مجید میں بہت سی جگہ وارد ہوا ہے۔ روح المعانی ص ۴۱ ج ۳ میں تفسیر البحر المحیط سے نقل کیا ہے کہ اس میں حضرات علماء کرام کے اکتیس اقوال ہیں اور تقریباً سب کا مرجع ایک ہی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اس سے فقہ فی القرآن مراد ہے، حضرت قتادہ وغیرہ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن کو پڑھنا اور اس میں فکر کرنا یہ حکمت عملی ہے، حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ قول و عمل کی درستگی حکمت ہے اور ان سے یہ بھی منقول ہے کہ قرآن و علم و فقہ یہ سب حکمت ہے، انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ حکمت سے وہ علم مراد ہے جس کا نفع بہت بڑا ہو اور فائدہ خوب زیادہ ہو، حضرت عطاءؒ نے فرمایا کہ اللہ کی معرفت کا نام حکمت ہے۔ حضرت ابو عثمانؒ نے فرمایا کہ حکمت ایک نور ہے جس کے ذریعہ وسوس اور البہام صحیح میں فرق ہوتا ہو۔ جو بھی معنی لیا جائے ہر ایک مناسب معلوم ہوتا ہے، بلکہ سب کا مرجع تقریباً ایک ہی ہے، علم محکم اور علم نافع اور عمل صحیح اور قول صحیح اجمالی طور پر یہ معنی مراد لے لئے جائیں تو آیت کا مغربوم واضح ہو جاتا ہے، اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے حکمت عطا فرمائے۔ پھر فرمایا کہ جسے حکمت عطا کی گئی اُسے بہت زیادہ خیر عطا کر دی گئی، کیونکہ حکمت اس کے لئے دنیا و آخرت کی خیر حاصل ہونے کا ذریعہ بنے گی جس کے اقوال و اعمال نمیک ہوں، علم محکم کے مطابق ہوں۔ صحیح بخاری ص ۷۱ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رشک کے قابل صرف وہی آدمی ہیں ایک وہ جسے اللہ نے مال دیا پھر اسے حق کے کاموں میں خوب زیادہ خرچ کرنے پر مسلط فرما دیا، اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے حکمت دی اور وہ اس کے ذریعہ فیصلے کرتا ہے اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ آیت کے ختم پر فرمایا: **وَمَا يَذْكُرُ إِلَّا أُولَئِذَا الْأَلْبَابُ** کہ قتل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں جو اوہام سے اتباع ہوی کی تارکیوں سے دُور ہیں۔ اللہ کی آیات میں غور و فکر کرتے ہیں اور یہ غور و فکر ان کے لئے ذریعہ موعظت و نصیحت بنتا ہے۔ کما قال تعالیٰ **وَيَنْفَكُرُونَ فِي خَلْقِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ (الآیۃ)**۔

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ ۚ وَمَا لِلظَّالِمِينَ

جو کچھ کسی قسم کا خرچ کرتے ہو یا کسی طرح کی نذر مانتے ہو سو بلاشبہ اللہ اس کو جاننا سے اور ظلم کرنے والوں کے لئے

مِنْ أَنْصَارٍ ۝

کوئی بھی مددگار نہیں۔

جو کچھ خرچ کرو گے یا نذر مانو گے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی فضیلت اور بریا اور من و آذی سے بچنے کی تاکید اور مال طیب خرچ کرنے کا حکم فرمانے اور شیطان کے وسوسوں پر عمل نہ کرنے اور خدائی وعدوں کے مطابق اعمال کے ثواب کی امید رکھنے کا حکم دینے کے بعد اب اجمالی طور پر یہ فرمایا ہے تم جو بھی کوئی خرچہ کم یا زیادہ دکھا کر یا پوشیدہ طور پر خرچ کرو گے یا کوئی نذر مانو گے تو اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے وہ نیت اور عمل سب کو جانتا ہے اسی کے مطابق وہ جزا دے گا۔ یہ ایک اعتبار سے گزشتہ مضامین کی تاکید ہے، ہفتہ کے ساتھ نذر کا ذکر بھی فرمایا ہے کوئی شخص اگر نذر مان لے بشرطیکہ گناہ کی نذر نہ ہو تو وہ لازم ہو جاتی ہے نذر مطلق بھی ہوتی ہے اور معلق بھی، مطلق یہ کہ یوں زبان سے کہے کہ اللہ کے لئے ایک روزہ

رکھوں گایا اور رکعت نماز پڑھوں گایا فطری صدقہ دے گا اور نذر معلق یہ ہے کہ یوں کہے کہ میرا بیٹا اچھا ہو جائے تو اتنے نفل پڑھوں گایا اتنے مسکینوں کو کھانا کھلاؤں گایا سو روپے صدقہ کروں گا۔ دونوں طرح کی نذر کرنے سے نذر کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

سورہ حج میں ارشاد ہے: **وَلْيُقِمْوْا نَذْرَهُمْ** (کہ اپنی نذروں کو پورا کریں)۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عام طور سے لوگ چونکہ کسی مرض یا خوف یا کسی مصیبت کے زور کرنے کے لئے نذر مانتے ہیں اور عوامانہ مال خرچ کرنے کی نذر ہوتی ہے۔ اس لئے یہاں نفقہ کے ساتھ اس کا بھی ذکر فرما دیا ہے۔ نذر کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر ماننے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ وہ کسی چیز کو دفع نہیں کر سکتی اور ہوتا یہ ہے کہ اس کے ذریعہ بخیل سے کوئی چیز نکال لی جاتی ہے۔ (رواہ البخاری ص ۹۹۰ ج ۲)

نذر ماننا مناسب تو نہیں جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوا لیکن اگر کوئی شخص نذر مان لے تو اسے پورا کرے۔ البتہ اگر گناہ کی نذر مانی ہو تو اس کو پورا نہ کرے لیکن اس کا کفارہ ادا کرے جو قسم کا کفارہ ہے وہی نذر کی خلاف ورزی کا بھی کفارہ ہے قسم کا کفارہ سورہ مائدہ میں ساتویں پارہ کے شروع میں مذکور ہے وہاں اس کی تفصیل دیکھ لی جائے۔

مسئلہ..... کسی بھی گناہ کی نذر ماننا حرام ہے حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کی اطاعت کی نذر مانے وہ اللہ کی اطاعت کرے اور جو شخص معصیت کی نذر مان لے وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرے۔ (رواہ البخاری ص ۹۹۱ ج ۲) یعنی گناہ کی نذر ماننے کی وجہ سے یہ نہ سمجھے کہ مجھے گناہ کرنا ہی ہے بلکہ اپنی نذر کی خلاف ورزی کرے اور کفارہ دیدے۔ (کافی رویۃ ابی داؤد والترمذی والسنائی مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۹۸)

وجوب نذر سے متعلق فقہاء نے چند مسائل لکھے ہیں ان کے لئے کتب فقہ کی مراجعت کی جائے۔ پھر فرمایا: **وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَابٍ** (کہ ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں) ہر معصیت ظلم ہے، چھوٹے بڑے جتنے بھی گناہ ہیں اپنے اپنے درجہ کے اعتبار سے ظلم ہیں، بہت سے گناہ ایسے ہیں جو دوسروں پر ظلم کرنے کا سبب بنتے ہیں لیکن ہر گناہ، گناہ کرنے والے کی جان پر تو بہر حال ظلم ہے ہی اور سب سے بڑا ظلم کفر و شرک ہے۔

إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهُا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ

اگر تم صدقات ظاہر کر کے دو تو یہ اچھی بات ہے، اور اگر تم ان کو چھپاؤ اور فقراء کو دو تو وہ زیادہ بہتر ہے تمہارے لئے،

وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝

اور اللہ تمہارے گناہوں کا کفارہ فرما دے گا اور اللہ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے۔

صدقات کو ظاہر کر کے یا پوشیدہ طریقہ پر دینا

اس آیت شریفہ میں صدقات دینے کے بارے میں ایک بہت اہم بات ذکر فرمائی ہے اور وہ صدقات ظاہر کر کے دینے یا چھپا کر دینے کے متعلق ہے۔ اول تو یہ سمجھنا چاہیے کہ کیا کاری جس کا نام ہے وہ خواہ مخواہ چپکٹی نہیں پھرتی وہ تو نیت و ارادہ کا نام ہے، جو کوئی شخص نماز پڑھے یا ذکر کرے یا زکوٰۃ دے یا صدقہ نافلہ دے اور اس کی نیت یہ ہو کہ لوگ مجھے نیک سمجھیں، میرا نام ہو، میری شہرت ہو تو یہ

ریا کاری ہوگی اور گناہ ہوگا جس سے اعمال اکارت ہو جائیں گے، لیکن اگر کوئی شخص صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جانی و مالی عبادت کرے چاہے لوگوں کے سامنے ہی ہو اور اس سے نام و نمود و شہرت مقصود نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ اگر یہ نیت ہو کہ لوگوں کے سامنے عمل کرنے سے دوسروں کو بھی ترغیب ہوگی تو اس نیت کا مستقل ثواب ملے گا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ میں اپنے گھر کے اندر اپنی نماز کی جگہ نماز پڑھ رہا تھا ایک آدمی داخل ہوا اس نے مجھے دیکھ لیا اس کے آنے سے مجھے یہ بھلا معلوم ہوا کہ اس نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعہ عرض کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اے ابو ہریرہ! تجھ پر اللہ کی رحمت ہو، اس میں تیرے لئے دو اجر ہیں، پوشیدہ عمل کرنے کا اجر بھی اور ظاہر عمل کرنے کا اجر بھی۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو یہ بیان کیا کہ: "مجھے یہ بھلا معلوم ہوا کہ اس نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔" اس کے بیان کرنے میں یا تو ان کا یہ مطلب تھا کہ میرے نفس میں ریا کاری کا دوسرا گھبراہٹ آ گیا کہ مجھے ایک آدمی نے تنہائی میں نماز پڑھتے دیکھ لیا یا یہ مطلب تھا کہ نفس کو اس بات کی خوشی ہوئی کہ یہ جو آدمی آیا ہے یہ میرا عمل دیکھ کر خود بھی عمل کر لے گا۔ بہر حال جو بھی صورت ہو آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دو ہرے اجر کی خوشخبری دی۔ اس سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ ریا لوگوں کے سامنے عمل کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ وہ تو اندر کے اس جذبہ کا نام ہے کہ لوگ میرے معتقد ہوں اور مجھے اچھا کہیں اور عبادت کی وجہ سے میری تعریف ہو۔ اس تمہید کے بعد آیت بالا کی تفسیر ذہن نشین کر لینی چاہئے، اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ اگر تم صدقات ظاہر کر کے دے دو تو یہ بھی اچھی بات ہے، جب نیت خالص ہے اور اللہ کی رضا مقصود ہے تو یہ ادائیگی ریا کاری نہ رہی اور اس میں اس فائدہ کی امید ہے کہ دوسروں کو بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب ہوگی پھر فرمایا اور اگر تم صدقات کو چھپا کر دو تو یہ تمہارے لئے ظاہر کر کے دینے سے زیادہ بہتر ہے۔ ظاہر کر کے دینے کو اچھی بات بتایا اور چھپا کر دینے کو زیادہ بہتر بتایا، کیونکہ چھپا کر دینے میں احتمال ریا کا ختم ہو جاتا ہے اور نفس کے پھولنے کا احتمال باقی نہیں رہتا۔ اور اس میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جس کو صدقہ دیا جائے وہ تنہائی میں لینے سے شرماتا نہیں اور اپنی حققت بھی محسوس نہیں کرتا۔ الفاظ آیت کے عموم سے معلوم ہو رہا ہے کہ چھپا کر دینا ہی زیادہ بہتر ہے۔ بعض حالات کے اعتبار سے لوگوں کے سامنے خرچ کرنا زیادہ باعث فضیلت ہو جائے وہ دوسری بات ہے۔ مثلاً کسی جگہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا رواج نہیں ہے لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے فریضہ زکوٰۃ زندہ کرنے اور اس کا رواج ڈالنے کے لئے لوگوں کے سامنے دے یا کوئی ایسا شخص ہو جس کی اقتداء میں لوگوں کو خرچ کرنے کی طرف توجہ ہوگی تو ایسی صورت میں لوگوں کے سامنے دینے اور خرچ کرنے میں چھپا کر دینے سے زیادہ ثواب ہو سکتا ہے۔ اصل چیز اخلاص نیت ہے اور نفس پر قابو پانا چونکہ ہر شخص کے بس کا نہیں ہے اس لئے چھپا کر خرچ کرنے کو زیادہ بہتر اور افضل بتایا ہے، بہت سے لوگ دیتے تو تنہائی میں ہیں لیکن اخبارات کے ذریعہ شہرت کرتے ہیں اور مساجد و مدارس کی روئیدادوں میں اپنا نام لانے کی کوشش کرتے ہیں اور بڑے بڑے القاب و آداب کے ساتھ اپنا نام چھپنے کے انتظار میں رہتے ہیں۔ تنہائی میں دینے کا کیا فائدہ ہوا جبکہ دل میں ریا کاری کی موجیں اٹھ رہی ہیں۔ عمل ظاہر میں کرے یا پوشیدہ کرے صرف اللہ کی رضا مقصود ہو اور عمل کی جو خوبی ظاہر میں ہو وہی پوشیدہ حالت میں ہو تو یہ دلیل اخلاص ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بندہ جب لوگوں کے سامنے نماز پڑھتا ہے اور اچھی طرح نماز پڑھتا ہے اور پوشیدہ طور پر نماز پڑھتا ہے تب اچھی نماز پڑھتا ہے تو اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ واقعی یہ میرا بندہ ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۵۵)

صاحب روح المعانی (ص ۳۴ ج ۳) لکھتے ہیں کہ چھپا کر صدقہ کرنے کے بارے میں کثیر تعداد میں احادیث و آثار وارد ہوئے ہیں پھر

مسند احمد سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ جو صدقہ کسی فقیر کو چپکے سے دے دیا جائے یا ایسا شخص صدقہ کر دے جو تنگدست ہوتے ہوئے محنت اور کوشش کر کے مال حاصل کرے اور صدقہ دے دے اس کے بعد آپؐ نے آیت بالا تلاوت فرمائی۔ صحیح بخاری ص ۹۱ ج ۱ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سات افراد ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس دن اپنے سایہ میں جگہ دے گا جس دن اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا، ان سات آدمیوں میں ایک وہ شخص ہے جس نے دائیں ہاتھ سے اس طرح چھپا کر صدقہ دیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوئی۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ

آپ کے فتنہ نہیں ہے ان کی ہدایت، لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جو کچھ اچھا مال تم خرچ کرتے ہو، تو وہ تمہاری

فِلَانَفْسِكُمْ ۚ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ

جانوں کے لئے ہے اور تم نہیں خرچ کرتے، بلکہ اللہ کی رضا کے لئے، اور جو کچھ بھی خرچ کرو گے اچھا مال وہ پورا پورا تمہیں

إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَظْلُمُونَ ﴿۲۷﴾

دے دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

جو کچھ بھی اچھا مال خرچ کرو گے اس کا بدلہ تمہیں مل جائے گا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت محنت و کوشش فرماتے تھے اور اہل کفر و حق کی دعوت دیتے تھے۔ وہ لوگ جب قبول نہیں کرتے تھے تو آپؐ کو طبعی طور پر رنج ہوتا تھا، آپؐ کی تسلی کے لئے آیات نازل ہوتی تھیں، ایسی آیات قرآن کریم میں کئی جگہ موجود ہیں انہی میں سے ایک یہ آیت بھی ہے کہ آپؐ کا کام راہ و کھانا ہے۔ صحیح بات بتانا ہے، حق کا قبول کرانا آپؐ کے فتنہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہادی ہے۔ وہ جس کو چاہے ہدایت دے، آپؐ کو غمگین، دُور کرنے کی ضرورت نہیں۔ صاحب روح المعانی (ص ۳۵۵ ج ۳) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کا سبب نزول یہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ ہم صرف اہل اسلام پر خرچ کریں۔ اس پر آیت نازل ہوئی۔ نیز حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ انصار کی رشتہ داریاں تھیں جن میں بعض لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے وہ حضرات ان کو صدقہ دینے سے بچتے تھے اور چاہتے تھے کہ وہ اسلام قبول کر لیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ سبب نزول کو سامنے رکھنے کے اعتبار سے آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ہدایت پر لانا آپؐ کا کام نہیں ہے۔ تاکہ صدقہ روک کر لوگوں کو اسلام پر لانے کی صورت پیدا کی جائے صدقات نافلہ غیر مسلم ضرورت مندوں کو دینے میں بھی ثواب ہے۔ اسلام قبول کرنا نہ کرنا ان کا کام ہے۔

پھر فرمایا: وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَا تُنْفِسْكُمْ صاحب روح المعانی اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جو مال بھی نیک کاموں میں خرچ کرو گے اس کا نفع تم ہی کو ہوگا۔ لہذا امن اور آزادی اور ریا کاری سے اسے ضائع نہ کرو یا یہ مطلب ہے کہ فقراء کو دے دیا کرو، خواہ وہ کافر ہی ہوں تمہیں ثواب ملنے سے مطلب ہے۔

پھر فرمایا: وَمَا تُنْفِقُوا إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ کہ تم تو صرف اللہ کی رضا ہی کے لئے خرچ کرتے ہو، لہذا ان آداب کی رعایت کرو جن سے اللہ کی رضا حاصل ہو اور ان اعمال سے بچو جن سے اللہ کی ناراضگی ہوتی ہو اور جن سے صدقات باطل ہو جاتے ہوں، بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ نفی نہیں کے معنی میں ہے یعنی تم نہ خرچ کرو مگر اللہ کی رضا کے لئے۔

پھر فرمایا: وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُؤْتِ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ یعنی جو مال بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تمہیں اس کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائے گا اور ذرا سی بھی کمی نہ ہوگی اس سے پچھلے جملہ کی تاکید ہے۔ اور بعض مفسرین نے اس کا یہ معنی بتایا ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ تم کو تمہارے خرچ کرنے کے بعد مزید مال عطا فرمائے گا۔ بحکم حدیث اللہم اعط منفقاً خلفاً یہ معنی لینا بھی بعید نہیں ہے۔ (من روح المعانی ص ۴۶ ج ۳)

مسئلہ: کافر کو نفی صدقات دینا جائز ہے اس میں بھی ثواب ہے۔ البتہ کافر کو زکوٰۃ اور صدقات واجبہ دینا جائز نہیں۔

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أَحْصَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ لِيُحْسِبَهُمُ

صدقات فقراء کے لئے ہیں جو اللہ کی راہ میں روکے ہوئے ہیں وہ زمین میں سفر نہیں کر سکتے۔ سوال سے بچنے

الْبَاهِلُ أَعْيَاءُ مِنَ التَّعَلُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا وَمَا

آگے سب انجان آدمی انہیں مالدار سمجھتا ہے، تو انہیں پہچان لے گا ان کی نشانی سے، وہ لگ پلٹ کر لوگوں سے سوال نہیں کرتے اور جو بھی

تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ

کچھ تم خرچ کرو گے، اچھا مال سوائے اس کا جاننے والا ہے۔

فی سبیل اللہ کام کرنے والوں پر خرچ کرنے کا حکم

اس آیت شریفہ میں ان فقراء پر خرچ کرنے کی نفسیات بیان فرمائی جو دینی کاموں میں مشغول ہوں ان کی دینی مشغولیت انہیں کہیں آنے جانے نہیں دیتی اور کسب مال کے مواقع ان کی مشغولیت کی وجہ سے میسر نہیں ہیں۔

صاحب روح المعانی (ص ۴۶ ج ۳) میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ ان سے حضرات اصحاب صفہؓ مراد ہیں پھر لکھا ہے کہ یہ حضرات تین سو کے لگ بھگ تھے ان کی تعداد میں کمی بیشی بھی ہوتی رہتی تھی یہ فقراء مہاجرین تھے جو مسجد نبویؐ کے چبوترے پر رہتے تھے جس پر چھپر پڑا ہوا تھا۔ یہ حضرات اپنے اوقات علم دین حاصل کرنے میں اور جہاد میں خرچ کرتے تھے اور جو کوئی جماعت جہاد کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھیجتے تھے۔ اس میں چلے جاتے تھے۔

حضرت سعید بن جبیرؓ نے فرمایا کہ ان سے وہ حضرات مراد ہیں جن کو جہاد میں زخم آ گئے تھے، اور وہ معذور ہو گئے تھے لہذا مسلمانوں کے اموال میں ان کا حق مقرر فرما دیا۔

صاحب روح المعانی اس کے بعد لکھتے ہیں کہ دو ذلّوں روایتوں کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت کا مفہوم ان حضرات کو اولیت کے اعتبار سے شامل ہے حصر مقصود نہیں ہے کیونکہ ایسے لوگوں پر خرچ کرنے کا حکم قیامت کے دن تک باقی ہے جو لوگ اللہ کی راہ میں روکے گئے ہیں ان کی ایک صفت تو یہ بیان فرمائی کہ دینی مشغولیت کی وجہ سے چل پھر کر کسب معاش نہیں کر سکتے اور ان پر خرچ کرنے کا

یہ بہت بڑا سبب ہے۔

دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ يُخَسِّنُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ کہ یہ لوگ مخلوق کے سامنے سوال کرنے سے پرہیز کرتے ہیں اس وجہ سے انجان آدمی جسے ان کا اندرونی حال معلوم نہیں ہے انہیں مالدار سمجھتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ دینی کاموں میں لگے ہوئے ہیں جنہیں کمانے کی فرصت نہیں وہ مخلوق سے بالکل بے نیاز ہو کر کام کریں کسی کے سامنے کوئی حاجت نہ رکھیں ایسے بے نیاز ہو کر رہیں کہ جنہیں ان کا حال معلوم نہ ہو وہ ان کی بے نیازی کو دیکھ کر انہیں مالدار سمجھیں یاں دوسرے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ خرچ کرنے کی صحیح جگہ پہنچیں اور ایسے حاجت مندوں کا پتہ چلائیں، اور درحقیقت اصل مسکین وہی ہے جو لوگوں سے سوال نہیں کرتا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وہ مسکین نہیں ہے جو لوگوں کے پاس گھومتا پھرتا ہے اسے ایک لقمہ اور دو لقمے اور ایک کھجور اور دو کھجوریں ذر بدر پھراتی ہیں۔ لیکن واقعی مسکین وہ ہے جسے اتنا مقدور نہیں جو اسے بے نیاز کر دے اور اس کا پتہ بھی نہیں چلتا تا کہ اُس پر خرچ کر دیا جائے اور وہ لوگوں سے سوال کرنے کے لئے بھی کھڑا نہیں ہوتا۔ (رواہ البخاری ۱)

ان حضرات کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ کہ اے مخاطب! ایسے لوگوں کو تو ان کی نشانی سے پہچان لے گا۔ نشانی سے حالت ظاہرہ مراد ہے جسے دیکھ کر ان کی حاجت مندی اور بیچارگی معلوم ہو جائے۔ اس نشانی کے بارے میں بعض حضرات نے لکھا ہے کہ مشقت کے ظاہری آثار جو چہرے سے عیاں ہوں وہ مراد ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ بھوک کی وجہ سے جو رنگ زرد ہو گئے ہوں وہ مراد ہیں۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ کپڑوں کا پتلا پڑنا، ہونا مراد ہے۔ صاحب معالم التزیل ص ۲۵۹ ج ۱ نے یہ اقوال نقل کئے ہیں لیکن درحقیقت ان پر کوئی انحصار نہیں، بھانپنے والے طرح طرح سے بھانپ لیتے ہیں جو فکر مند ہو گا وہ ان کی ظاہری حالت کو دیکھ کر اور ان کے پاس اٹھ بیٹھ کر ان کی حاجت مندی کو پہچان ہی لے گا۔

پھر فرمایا کہ لَا يَسْتَلُونِ النَّاسَ اِلْحَافًا یعنی یہ حضرات لوگوں سے الگ لپٹ کر ذمہ ہو کے ضد کر کے سوال نہیں کرتے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ اِلْحَافًا قید احترازی نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ وہ بالکل ہی سوال نہیں کرتے اگر سوال کرتے تو دیکھنے والا انہیں مالدار کیوں سمجھتا اور ان کے بارے میں يُخَسِّنُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ کیوں ارشاد ہوتا۔

آخر میں فرمایا: وَضَاعَفُوا مِنْ خَيْرِ مَا لَمْ يَنْفَقُوا مِنْ خَيْرِ مَا لَمْ يَنْفَقُوا کہ وہ دو گنا خیر میں سے خرچ کر گئے تو اللہ تعالیٰ اُس کا جاننے والا ہے اس کی قدر فرمائے گا اور اس کی جزا دے گا تمہارا خرچ کیا، واضحاً نہ ہو گا۔

صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں کہ ہمارے ملک میں اس آیت کے مصداق سب سے زیادہ وہ حضرات ہیں جو علوم دینیہ کی اشاعت میں مشغول ہیں پس اس بنا پر سب سے اچھا مصرف طالب علم ٹھہرے اور ان پر بعض نا تجربہ کاروں کا جو یہ طعن ہے کہ ان سے کمایا نہیں جاتا اس کا جواب قرآن میں دے دیا گیا جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص ایسے دو کام نہیں کر سکتا جن میں سے ایک میں یادوں میں پوری مشغولی اور انہماک کی حاجت ہے اس کے لئے اس کے ساتھ اکتساب مال کا شغل جمع نہیں ہو سکتا اور اس کے کرنے سے علم دین کی خدمت نامتام رہ جاتی ہے پچانوچہ ہزاروں نظائر پیش نظر ہیں۔

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ اَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ

جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو رات میں اور دن میں پوشیدہ طور پر اور علانیہ طریقہ پر سو ان کے لئے ان کا اجر ہے ان کے

عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۵۷﴾

رب کے پاس، اور ان پر کوئی خوف نہیں، اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔

رات دن مال خرچ کر نیوالوں کی فضیلت اور منقبت

اس آیت میں رات دن اللہ کی رضا کے لئے مال خرچ کرنے کا تذکرہ ہے۔ جو لوگ پوشیدہ طور پر اللہ کی راہ میں مال خرچ کریں گے یا علانیہ طور پر قیامت کے دن ان کا خرچ کیا ہوا مال اجر و ثواب کی صورت میں انہیں مل جائے گا۔ وہ وہاں غمگین نہ ہوں گے، جبکہ بہت سے لوگ بد عملی کی وجہ سے یا اپنے مالوں کو گناہوں میں خرچ کرنے کی وجہ سے غمگین ہوں گے اس آیت میں مال خرچ کرنے کے بیان میں **بِرَأٍ وَّعِلًا نَبِيَّةً** فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ لوگوں کے سامنے مال خرچ کرنا یا کاری میں شامل نہیں جس سے گناہ ہو اور خرچ کرنا اکارت ہو جاتا ہو، کو خفیہ طریقہ پر خرچ کرنے کی فضیلت زیادہ ہے لیکن اگر دکھاوا مقصود نہ ہو نام و نمود پیش نظر نہ ہو اور مقصود اللہ تعالیٰ کی رضاسی ہو تو لوگوں کے سامنے خرچ کرنے سے ریا کاری میں شمار نہ ہوگا، ریا کاری اپنے دل کے جذبہ اور ارادہ کا نام ہے، اگر کوئی شخص تنہائی میں نیک عمل کرے اور مال خرچ کرے اور پھر لوگوں کو معتقد بنانے کے لئے اپنے عمل کو ظاہر کرے یا دل میں یہ تڑپ ہو کہ میرے اعمال لوگوں پر ظاہر ہوں تاکہ میری تعریف ہو تو یہ بھی ریا میں شامل ہو جائے گا بلکہ اس میں دُبرار یا ہے کہ لوگ یوں کہیں گے کہ دیکھو کیسے مخلص ہیں تنہائیوں میں عمل کرتے ہیں۔

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ

جو لوگ کھاتے ہیں سود وہ انہیں کھڑے نہیں گئے تھر جیسے کہ کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جسے شیطان لپٹ کر

مِّنَ الْمَسِّ ذَلِكِ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَمَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ

مُخْبَوطٌ بنا دے، یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا کہ بیع تو سود ہی کی طرح سے ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال قرار دیا اور سود کو حرام قرار دیا۔

الرِّبَا فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِ فَانْتَهَى فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ

سو جس کے پاس آگئی نصیحت اس کے رب کی طرف سے پھر باز آ گیا تو اس کے لئے وہ ہے جو گزرا چکا، اور اس کا معاملہ اللہ کی طرف ہے،

وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۵۸﴾

اور جو شخص پھر غمزدگ سے سو یہ لوگ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

سود خوروں کی مذمت

ان آیات میں سود خوروں کی مذمت بیان فرمائی ہے اور ان کا حال بیان فرمایا ہے جو قیامت کے دن ان کو پیش آئے گا یعنی وہ قیامت کے دن قبروں سے اس طرح حیران اور مدہوش کھڑے ہوں گے جیسے کسی کو شیطان لپٹ چپٹ جائے اور وہ اس کی وجہ سے مخبوط ہو جائے اس کے ہوش خطا ہو جائیں، مہبوت ہو جائے، ہبکی ہبکی باتیں کرے اس کا دل اور دماغ کام نہ کر سکے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں ایسے لوگوں پر گزرا جن کے پیٹ پیٹ یعنی گھروں کی طرح سے تھے اُن میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو ان کے پیٹوں کے باہر سے نظر آ رہے تھے۔ میں نے کہا، اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ سو دیکھانے والے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴۶ بحوالہ احمد وابن ماجہ)

جس کے سامنے ایک سانپ ہو اس کی حیرانی اور پریشانی کا تصور کرو، پھر یہ سوچو کہ اگر کسی کے پیٹ میں ایک سانپ ہو تو اُس کا کیا حال ہوگا اور اس کے بعد یہ غور کرو کہ جس کا پیٹ گھر کے برابر ہو اور اس میں سانپ ہی سانپ بھرے ہوئے ہوں اس کا کیا حال ہوگا اور کیا ہوش برقرار رہے گا۔ سو دیکھو کہ قیامت کے دن کی حالت بتا کر یہ بتایا کہ یہ لوگ سو دیکھو کہ حلال قرار دینے کے لئے یوں کہتے ہیں کہ سو دیکھو اور بیچ میں فرق کیا ہے کاروبار کرنے میں بھی زیادہ مال ملتا ہے۔ اور سو دیکھو کہ لیکن دین میں بھی زیادہ مال ملتا ہے لہذا بیچ کی طرح سو دیکھو بھی صحیح ہوا۔ اس بات کو سو دیکھو لینے والے مختلف الفاظ میں ادا کرتے ہیں۔ بعض لوگ اس کو نفع کے نام سے کھا جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے پیسے کا نفع ہے، حالانکہ کسی چیز کا نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدل جاتی اور حرام حلال نہیں ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے سو دیکھو کو حرام قرار دیا ہے وہ ہمیشہ حرام ہی رہے گا، جب سے بینکوں کا نظام جاری ہوا ہے۔ لوگوں کو سو دیکھو لینے کی عادت ہو گئی اور جب تک سو دیکھو نہ کھائیں ان کے نفس کو تسلی ہی نہیں ہوتی اور علماء کو خصوصیت کے ساتھ بد مذہب ملامت بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مولویوں نے قوم کو سو دیکھو لینے سے اور سو دیکھو کاروبار سے روک دیا جس کی وجہ سے قوم بہت نیچے چلی گئی اور دوسری قومیں سو دیکھو کاروبار کر کے بام عروج پر پہنچ گئیں۔ بھلا مولوی کی کیا مجال ہے کہ وہ اپنے پاس سے خود کچھ کہے۔ وہ تو حکم سنانے والا ہے۔ حلال چیز کو حرام قرار دینا اس کے عہدہ میں کب ہے؟ اس کا تو صرف اتنا تصور ہے کہ حق سنانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سو دیکھو کو حرام قرار دیا ہے، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے۔ جن لوگوں کو حرام کا ذوق ہے وہ اللہ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر امتراض کرتے ہیں کہ بیچ اور سو دیکھو میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاحْتَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَخَوَّمَ الرِّبَا کہ اللہ نے بیچ کو حلال قرار دیا اور سو دیکھو کو حرام قرار دیا پھر کیسے فرق نہیں ہے؟ ایک چیز حلال ہے دوسری چیز حرام ہے یہ بہت بڑا فرق ہے اور بیچ اور سو دیکھو کی حقیقت میں بھی فرق ہے۔ بیچ تو مال سے مال کے مبادلہ کو کہا جاتا ہے پوری قیمت کے بدلہ مال آ جاتا ہے اور سود میں یہ ہوتا ہے کہ جتنا قرض دیا وہ تو بڑا وصول کر لیا جاتا ہے اور اس کے سوا الگ سے بھی زائد رقم لی جاتی ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ ہر دہ قرض جو ذرا سا بھی زائد کچھ لے کر آئے تو وہ سود ہے۔ (کل قرض جو نفعاً فقہو دہو)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی کو کچھ قرض دے پھر قرض لینے والا کچھ ہدیہ دے یا اپنے جانور پر سوار کرے تو نہ سوار ہونے ہدیہ قبول کرے، ہاں اگر ان کے درمیان اس سے پہلے ہدیہ لینے دینے کا تعلق تھا تو وہ اور بات ہے۔ (رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان کمافی المشکوٰۃ ص ۲۴۶)

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی انہوں نے فرمایا کہ تم ایسی سرزمین میں رہتے ہو جہاں سو دیکھو کا لین دین رواں چائے ہوئے ہے جب کسی پر کچھ قرض ہو پھر وہ تمہیں بھوسہ کا ایک گٹھریا ہو کی گٹھری یا رسی میں بندھی ہوئی سبزی بھی دینا چاہے تو اس کو مت لینا کیونکہ وہ سود ہے۔ (رواہ البخاری)

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی احتیاط کا تو یہ عالم تھا کہ جب کسی قرضدار سے تقاضا کرنے کے لئے تشریف لے جاتے تھے تو اس کی دیوار کے سایہ میں بھی کھڑے نہ ہوتے تھے تاکہ قرضدار کی کسی چیز سے اشتقاق نہ ہو جس کو قرض دیا ہو اس سے ہدیہ لینے کی ممانعت

سے اس بات کا جواب بھی نکل آیا کہ جو شخص سود دیتا ہے وہ اپنی خوشی سے دیتا ہے۔ پھر اس کے لینے پر کیوں پابندی ہے؟ ہدایہ لینے کی ممانعت سے معلوم ہوا کہ خوشی سے دینے پر بھی سود لینا حلال نہیں ہے۔ جبکہ قرض دار سے ہدیہ لینا بھی حلال نہیں ہے تو سود کے نام سے اور سود کے عنوان سے جو کچھ ملے کر کے لیا جائے۔ اس کے حلال ہونے کا ذکر ہی کیا ہے؟ باقی رضا مندی سے نہ سود حلال ہے نہ رشوت حلال ہے نہ زنا حلال ہے۔ سود کا لین دین پُرانی امتوں میں بھی حرام تھا۔ سورہ نسا، میں فرمایا: **فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَابُوا وَخِزْيَانِ عَلَيْهِمْ** **طَبَائِبُ اجْتَلَسَتْ لَيْسَ وَبَصَدَّهُمْ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا وَأَخَذَهُمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْبَلَهُمْ** **أَمْوَالُ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ** **وَاغْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ بَيْنَهُمْ عَذَابَانَا الَيْمَانِ** (سورہ یودہ) کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں جو ان کے لئے حلال تھیں اور اس وجہ سے کہ وہ کثرت سے اللہ کے راستہ سے روکنے کا کام کرتے تھے اور ان کے سود لینے کی وجہ سے حالانکہ ان کو اس سے روکا گیا تھا، اور باطل طریقوں سے لوگوں سے مال کھانے کی وجہ سے، اور ہم نے ان کے لئے جو ان میں سے کفر پر ثابت رہے، دردناک عذاب تیار کیا ہے)۔

چونکہ سودی لین دین میں غریبوں پر ظلم ہوتا ہے اور مہاجرین لوگ گھر بیٹھے ہونے عوام کا خون چوستے ہیں اس لئے سود کھانے کی وہ سزا جو عالم برزخ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خواب میں یوں دکھائی گئی کہ ایک شخص خون کی نہر میں کھڑا ہے اور نہر کے کنارے ایک آدمی ہے جس کے سامنے پتھر ہیں جو شخص نہر میں ہے وہ نگلنا چاہتا ہے تو یہ دوسرا شخص اس کے منہ پر پتھر مار دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ اسی جگہ چلا جاتا ہے جہاں پہلے تھا جب بھی وہ شخص نگلنا چاہتا ہے تو یہ شخص اس کے منہ پر پتھر مار دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی جگہ چلا جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دونوں ساتھیوں سے پوچھا جن میں ایک جبریل اور دوسرے میکائیل تھے (علیہما السلام) کہ یہ کیا جرا ہے؟ ان دونوں نے بتایا کہ یہ شخص جو نہر کے اندر ہے سود کھانے والا ہے۔ (صحیح بخاری ص ۱۸۵ ج ۱)

کیونکہ سود کا لین دین بہت ہی بڑا گناہ ہے اس لئے سود سے متعلق ہر شخص پر لعنت کی گئی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے سود کھانے والے پر اور سود کھلانے والے پر اور اس کی لکھا پڑھی کرنے والے پر اور اس کے گواہوں پر، اور فرمایا کہ یہ لوگ گناہ میں سب برابر ہیں۔ (رداء مسلم ص ۲۷ ج ۲)

جو لوگ سودی کاغذات لکھتے ہیں اس کی فائلیں بنا کر رکھتے ہیں۔ سودی لین دین کی فرموں اور کمپنیوں اور بینکوں میں کام کرتے ہیں اور جو سود لیتے ہیں اور سود دیتے ہیں وہ اپنے بارے میں غور کر لیں کہ لعنت کے کام میں مشغول ہیں۔ گناہ کی مدد بھی حرام ہے اور جس نوکری میں گناہ کرنا پڑے وہ بھی حرام ہے اور اسکی تنخواہ بھی حرام ہے۔ سود کا لین دین کرنے والوں اور زیادہ آمدنی کی خواہش رکھنے والوں کو مفتیوں کی بات ناگوار دلاؤ گئی ہے مگر حق تو کہنا ہی پڑتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سود کا ایک درہم جو انسان کھالے اور وہ جانتا ہو کہ یہ سود کا ہے تو یہ چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ (رواہ احمد والدارقطنی مشکوٰۃ ص ۲۴۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سود کے ستر حصے ہیں ان میں سب سے بکایہ ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ بڑا کام کرے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴۶)

بیع کی حالت اور سود کی حرمت بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: **فَمَنْ جَاءَهُ فَوُِعْظَةٌ مِّن رَّبِّهِ فَانْتَهَىٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ** د کہ جس کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت آگئی سو جو کچھ گزر چکا وہ اسی کے لئے ہے یعنی اب تک جو سود لیا اس پر مبرا خذ نہ دگا قال

النفسی فی مدارک التنزیل ص ۱۳۸ افلا یؤاخذ بما مضی منه لانه اخذ قبل نزول التحريم۔ یعنی گزشتہ عمل پر اس کا مؤاخذہ نہ ہوگا کیونکہ اس نے حرمت نازل ہونے سے پہلے لیا ہے۔ صاحب روح المعانی ص ۵۱ ج ۳ لکھتے ہیں کہ یہ سود واپس نہ کر دیا جائے گا کیونکہ حرمت نازل ہونے سے پہلے حرمت کا قانون نافذ نہیں تھا۔ لہذا معاف کر دیا گیا۔

پھر فرمایا: **وَأْمُرْهُ إِلَى اللَّهِ** کہ نصیحت اور موعظت کے بعد جس نے توبہ کر لی اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ اگر سچے دل سے توبہ کی ہے تو اللہ کے یہاں قبول ہوگی اور جھوٹی توبہ کی ہے تو نفع نہیں دے گی، ظاہری توبہ کے بعد بندوں کو بدگمانی کا کوئی موقع نہیں۔ اور جس نے پہلی بات کی طرف عود کیا یعنی سو کو حلال بنایا اور یوں کہا کہ وہ توبہ کی طرح سے ہے تو ایسا کہنے والے دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ تفسیر لہارک و روح المعانی کی تصریح سے معلوم ہوا کہ **فَلَهُ مَا سَلَفَ** نزول تحریم سے پہلے جو سود لیا تھا اس سے متعلق ہے۔ بعد تحریم کے جو شخص سود لے گا وہ واپس ہوگا۔

يَحَقُّ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرِي الصَّدَقَاتِ ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿۱۶۹﴾

اللہ مٹاتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے صدقات کو، اور اللہ دوست نہیں رکھتا کسی کفر کرنے والے، گناہ کرنے والے کو۔

صدقات کی برکات اور سود کی بربادی

سود خوروں کی مذمت بیان فرمانے کے بعد اس آیت شریفہ میں سود اور صدقات کے درمیان ایک فرق عظیم بتایا ہے اور وہ یہ کہ صدقات کو اللہ تعالیٰ بڑھاتا ہے اور سود کے مال کو بے برکت کر دیتا ہے اور اس کو برباد اور تلف فرما دیتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ سود اگرچہ بہت ہو جائے اس کا انجام کمی کی طرف ہو جائے گا۔ (رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان، احمد کانی مشکوٰۃ ص ۲۳۶)

دنیا میں سودی مالوں کی بے برکتی تو سب کی نظروں کے سامنے ہے، سود خور ہمیشہ ایک کے دس کرنے ہی کے فکر میں رہتا ہے۔ اور پیسہ ہی اس کی زندگی بن جاتا ہے۔ خدائے پاک کی رضا کے لئے کوئی کام کرے اس سے تو اس کا ذہن فارغ ہی رہتا ہے اس میں بے رحمی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ حاجت مند کی حاجت دیکھتا ہے اور اسکی مجبوری سے مال حاصل کرنے کا راستہ نکالتا ہے اور مجبور اور بے کس کو سود پر قرض دے دیتا ہے اور خیر کے کاموں میں اسکا مال خرچ ہونے کا تو ذکر ہی کیا ہے؟ پھر سود سے جو مال جمع ہوتا ہے اس سے اسباب معیشت تو جمع ہو جاتے ہیں لیکن سکون و اطمینان سلب ہو جاتا ہے۔ اسباب راحت ہیں۔ راحت نہیں، پھر یہ سودی اموال ہلاک ہو جاتے ہیں مالوں سے بھرے ہوئے جہاز ڈوب جاتے ہیں اور بینک دیوالیہ ہوتے رہتے ہیں، یہ سب باتیں نظروں کے سامنے ہیں اگر کسی سود خور کا مال دنیا میں ہلاک اور برباد نہ ہوا تو آخرت میں تو یہ مال بالکل ہی کام نہ دے گا۔ بربادی ہوگی۔ وہاں نہ مال ہوگا نہ مال سے فائدہ۔ اور حرام مال دوزخ میں لے جانے کا ذریعہ بنے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی شخص حرام مال کما کر صدقہ کرے گا تو وہ قبول نہ ہوگا اور جو کچھ اس میں سے خرچ کرے گا تو اس میں برکت نہ ہوگی۔ اور اپنے پیچھے چھوڑ کر جائے گا تو وہ اس کیلئے دوزخ کی آگ میں لے جانے والا تو شہ بنے گا۔ (رواہ احمد کما فی مشکوٰۃ ص ۲۳۲)

پھر جو حرام مال آل و اولاد پر زندگی میں خرچ ہوتا ہے اور جو موت کے بعد ان کو پہنچے گا اور ان پر خرچ ہوگا وہ ان کے لئے بھی وبال ہوگا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو گوشت حرام سے بڑھا ہو، جنت میں داخل

نہ ہوگا اور جو گوشت حرام سے بڑھا و دوزخ کی آگ اس کی زیادہ مستحق ہوگی۔ (احمد دارنی، مشکوٰۃ ص ۲۳۲) اُس مال کی کثرت کس کام کی جو صاحب مال کے لئے اور اس کی آل و اولاد کے لئے، دوزخ میں جانے کا ذریعہ بنے اور دنیا میں بے برکت ہو اور اس کی وجہ سے آرام اور چین مفقود ہو، برخلاف حلال مال کے وہ خواہ تھوڑا ہی ہو اس میں برکت ہوتی ہے۔ اس میں سے جو صدقہ کر دیا جائے وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہوتا ہے اور تھوڑا مال بھی اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا جائے تو بہت زیادہ چند در چند مضاعف کر دیا جاتا ہے جس کا بے انتہا ثواب آخرت میں ملے گا۔

پھر فرمایا: وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ نَحْلَ كُفَّارٍ اَنْفُسِهِمْ یعنی جو شخص سو کی حرمت کا قائل نہ ہو اس کو حلال سمجھے اور کفر اختیار کرے اور سو کھا کھا کر خدائے پاک کی نافرمانی کرے اللہ تعالیٰ کو ایسا شخص پسند نہیں ہے وہ شخص اللہ کا مغضوب ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوْا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی سو ان کے لئے ان کا ثواب ہے ان کے

عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۵﴾

رب کے پاس نہ وہ خوفزدہ ہوں گے اور نہ قتلین ہوں گے۔

مؤمنوں، نمازیوں اور زکوٰۃ دینے والوں کا اجر و ثواب

ابھی سو کے بارے میں بعض احکام کا بیان باقی ہے۔ درمیان میں اہل ایمان کی فضیلت اور ان کا اجر و ثواب بیان فرمادیا، اور ان کے بعض اعمال خاصہ کا تذکرہ فرمایا یعنی نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا اور فرمایا کہ بروز قیامت ان لوگوں پر کوئی خوف نہ ہوگا اور رنجیدہ نہ ہوں گے۔ برخلاف سو لینے والوں کے کہ وہ وہاں ویوانوں کی طرح کھڑے ہو گئے مجبوط الحواس ہو گئے۔ اموال دنیا میں چھوڑ چکے ہوں گے اور وہاں ان اموال کے حاصل کرنے اور خرچ کرنے کی وجہ سے عذاب میں ڈالے جائیں گے۔

اول تو مال حرام والے نیک کاموں میں پیسے خرچ کرتے ہی نہیں اور اگر خرچ کر بھی دیں تو آخرت میں انکا کچھ اجر نہیں نمازوں اور زکوٰۃ اور صدقات والے وہاں آرام اور چین سے ہوں گے کوئی خوف ان کو لاحق نہ ہوگا اور نہ وہ خوروں کا بُرا حال ہوگا جیسا کہ پہلی آیت میں مذکور ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُّوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۶﴾ فَاِنْ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سو میں سے جو کچھ باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر تم ایمان والے ہو، پس اگر تم نہ کرو

لَمْ تَفْعَلُوْا فَاذْنٰوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِؕ وَاِنْ تَبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ؕ

تو جنگ کا اعلان سن لو اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے، اور اگر تم توپ کرلو تو تمہارے لئے اصل مال ہیں

لَا تُظْلَمُوْنَ وَلَا تَظْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾

نہ تم ظلم کرو گے نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔

سود خوروں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان جنگ

اس آیت کا سبب نزول بیان کرتے ہوئے علماء تفسیر نے نقل کیا ہے کہ قبیلہ بنی ثقیف کے چار آدمی جو آپس میں بھائی بھائی تھے بنی مغیرہ سے سود کا معاملہ کرتے تھے یعنی بنی مغیرہ کو سود پر قرض دیتے تھے۔ جب طائف پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلبہ ہو گیا (اور طائف اسلامی علاقہ میں داخل ہو گیا) تو یہ چاروں بھائی بھی مسلمان ہو گئے، انہوں نے بنی مغیرہ سے اپنا سود طلب کیا تو بنی مغیرہ نے کہا کہ اللہ کی قسم ہم اسلام قبول کرنے کے بعد وہ نہیں دیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ختم فرما دیا ہے، یہ قضیہ حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا جو مکہ معظمہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عامل یعنی حاکم تھے۔ انہوں نے اپنا سود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لکھ کر بھیج دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ شافعی نے یہ آیت نازل فرمائی، سودی مال بہت زیادہ تھا۔ آیت شریفہ سن کر ان لوگوں نے اپنا سود چھوڑ دیا۔ آیت شریفہ میں باقی سود چھوڑنے کا حکم فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ تم اصلی مال لے سکتے ہو، نیز یہ بھی فرمایا کہ اگر تم سود چھوڑنے کو تیار نہیں ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو، یہ بات سن کر ان لوگوں نے کہا کہ ہمیں اللہ سے مقابلہ کی کہاں طاقت ہے؟ کس کے بس کی بات ہے جو اللہ سے جنگ کرے؟ ہم اپنا سود چھوڑتے ہیں۔

آیت کا سبب نزول ہم نے اس لئے ذکر کیا کہ کوئی ایسا شخص جو مسلمان ہے اور اس نے سود پر قرض دے رکھے ہیں اور بہت سے سود وصول بھی کر رکھے ہیں وہ آیت کا مطلب یہ نہ نکال لے کہ جو سود میں نے اب تک لیا ہے وہ میرے لئے حلال ہے باقی سود چھوڑ دیتا ہوں اور اصل مال لے لیتا ہوں، آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن لوگوں نے زمانہ کفر میں سود پر قرض دیئے تھے اور بہت سارے سود و قرضہ داروں سے وصول کر چکے تھے، وہ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی باقی سود وصول کرنا چاہتے تھے ان کو حکم فرمایا کہ جو سود باقی ہے اس کو چھوڑ دو۔ جو کوئی مسلمان سود پر قرض دے کر سود وصول کر چکا ہے اس کا حکم اس آیت میں مذکور نہیں ہے، اگر کسی مسلمان نے سود لیا ہے اگرچہ سود دینے والے نے خوشی سے دیا ہے تو اس کا واپس کر دینا واجب ہے، اگر یاد نہ رہا، تو کہ کس کس سے لیا ہے تو جتنا مال سود کا وصول کیا تھا اس کا صدقہ کر دینا واجب ہے، جن لوگوں نے سودی قرضے دے رکھے ہیں وہ تو بے گھر ہیں، اگر تو بے گھر نہیں کرتے تو اپنا انجام سوچ لیں کیونکہ سود لینا اللہ تعالیٰ سے جنگ کرنا ہے اور اس کی گرفت و عذاب سے نڈر نہ ہونا ہے جو اموال سود کے طور پر لے چکے ہیں ان کو واپس کریں، جن سے سود لیا ہے، البتہ اپنا مال وصول کرنے کا حق رکھتے ہیں، سود لے کر ظلم نہ کریں، اور جن لوگوں پر قرضے ہیں وہ اصل مال روک کر قرض دینے والوں پر ظلم نہ کریں۔

بنکوں میں جو رقمیں رکھتے ہیں اور ان پر سود لیتے ہیں یہ سخت حرام ہے اگرچہ اس کا نام نفع رکھ لیں۔ توجہ کریں اور وہاں سے اپنا اصلی مال لے لیں، نام رکھنے سے حقیقت نہیں بدل جاتی اور سود کا نام نفع رکھنے سے نفع نہیں ہو جاتا، جو لوگ سود کا نام نفع رکھ لیتے ہیں اور پھر سود لیتے رہتے ہیں۔ ان کا قول انہی لوگوں کے قول کے مطابق ہو جاتا ہے جنہوں نے اِنَّهُمَا بِلَيْعٍ مِّثْلُ الْرِبَا کہا تھا۔ اللہ پاک نے ان کی تردید فرمائی اور اَحْلَلَ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فرمایا، جب کسی چیز کا رواج ہو جاتا ہے وہ خود کسی ہی بڑی چیز ہواس کی قباحت اور شناعة دلوں سے اٹھ جاتی ہے۔ جب سے بینکوں کا سلسلہ چلا ہے ادگ بینکوں سے سود لینے کے ڈگر ہو گئے ہیں اور اس کی قباحت دلوں سے جاتی رہی ہے اور سود کو حلال کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ صاحب بینک والے ہمارے پیسوں سے تجارت کرتے ہیں نفع کماتے ہیں ہمیں بھی انہوں نے اگر نفع میں شریک کر لیا تو کیا ہوا؟ یہ ان کی جہالت و گمراہی کی بات ہے۔ وہ بینک تجارت تو کرتا ہے، اور تمہارے پیسوں سے کرتا ہے لیکن تم نے بینک کو مال ضرر بہت لے لیا، اصل پر نہیں دیا، تمہیں فی صد ایک فیصدین رقم مل جاتی ہے۔ شرعی اصول سے یہ سود ہے، باتوں کی

ہیرا پھیری سے سود حاصل نہ ہوگا۔

فائدہ..... جو شخص سود نہ چھوڑے اس کے لئے اللہ پاک نے اپنی طرف سے اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلان جنگ فرمایا، اس طرح کا مضمون ان لوگوں کے بارے میں بھی آیا ہے جو اللہ کے دوستوں سے دشمنی کریں، صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَالَ مَنْ عَادٰی لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ اَذْنَبْتُ بِالْخَوْبِ (کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص میرے کسی دوست سے دشمنی کرے تو اس سے میں جنگ کا اعلان کرتا ہوں) اور ایک حدیث میں ارشاد ہے مَنْ عَادٰی اللّٰهَ وَلِيًّا فَقَدْ اَبَادَ اللّٰهَ بِالْمَحَارِبَةِ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۵، از ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان) یعنی جس نے اللہ کے کسی ولی سے دشمنی کی وہ اللہ سے جنگ کرنے کے لئے میدان میں آ گیا۔ شراح حدیث نے لکھا ہے کہ یہی وہ گناہ ایسے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں ان کا ارتکاب کرنے والوں کو اعلان جنگ کرتا ہوں اور یہ دُذُوں گناہ ایسے ہیں جو آج کل بہت زیادہ رواج پا گئے ہیں۔ دُذُو کا لہین دین بھی بہت دور ہا ہے اور جو اولیاء اللہ ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ عبادت و تلاوت میں لگے رہتے ہیں قرآن و حدیث کے علوم پڑھتے ہیں۔ دینی علوم و اعمال کی طرف نکالتے ہیں دین کے لئے سختی کرتے ہیں۔ ان لوگوں سے دشمنی کی جاتی ہے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے اُمیدوار بھی ہیں جس سے لڑائی ہے اس سے اُمید رحمت کیسی نا سبھی کی بات ہے۔

وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰی مَّیْسَرَةٍ ۚ وَ اَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

اور اگر تنگ دست ہو تو مہلت دینا ہے آسودہ ہو جانے تک۔ اور یہ بات کہ تم صدقہ کرو تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

وَ اتَّقُوا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلٰی اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

اور ڈرو تم اس دن سے جس میں لوٹائے جاؤ گے اللہ کی طرف، پھر ہر جان کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جو کچھ اس نے کسب کیا، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

تنگ دست قرض دار کو مہلت دینا

اس آیت میں تنگ دست قرضدار کو مہلت دینے کی ترغیب دی ہے کہ جب تک مال نیمسرنہ ہو اس کو مہلت دیدو، اور یہ بھی فرمایا اگر اس پر صدقہ کرو یعنی اپنا قرض بالکل ہی معاف کر دو تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔ سود خوروں کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ اُوصار کی وجہ سے اصل مال پر زائد رقم لیتے ہیں اور جب قرضدار وقت پر ادا نہ کر سکے تو دل سے خوش ہوتے ہیں اور سود کی رقم کو اصل کے ساتھ ملا کر مزید سود لگا دیتے ہیں، اللہ جل شانہ نے اس کے برخلاف حکم دیا کہ اول تو اصل رقم سے زائد نہ بٹھراؤ (غریب کی حاجت پوری کرنے کے لئے قرض دے دو) پھر جب دیکھو کہ باوجود مقررہ اجل پورا ہونے کے وہ ادائیگی پر قادر نہیں تو اس کو مہلت دے دو، اور اگر بالکل معاف ہی کر دو تو یہ اور زیادہ بہتر ہے۔ معاف کرنے کو صدقہ سے تعبیر فرمایا جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح صدقہ دینے سے مال بڑھتا ہے اور مال میں برکت ہے اسی طرح قرضدار کا قرضہ معاف کر دینے میں بھی وہی برکات حاصل ہوں گی جو صدقہ دینے کی برکات ہیں۔ تنگ دست قرضدار کو مہلت دے دینے اور قرضہ معاف کر دینے کی احادیث شریفہ میں بڑی فضیلت آئی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک تاجر لوگوں سے قرضوں کا لین دین کیا کرتا تھا قرضے وصول کرنے پر جو غلام اس نے مقرر کر رکھے تھے ان سے کہتا تھا کہ جب کسی تنگ دست کے پاس پہنچو تو اس سے درگزر کر دینا اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم

سے بھی درگزر فرمائے گا۔ چنانچہ موت کے بعد جب دوبار گاہِ خداوندی میں حاضر ہوا تو خداوند تعالیٰ شانہ نے اس سے درگزر فرما دیا۔ (رواہ البخاری ص ۲۷۹ ج ۱۸ مسلم ص ۲۱۸ ج ۲)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس کو اس بات کی خوشی ہو کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی بے چینیوں سے نجات دے تو تنگدست (قرضدار) کو مہلت دیدے یا معاف کر دے۔ (رواہ مسلم ص ۲۱۸ ج ۲)

حضرت ابو اسیر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس نے کسی تنگدست کو مہلت دے دی یا قرضہ معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ اُسے (قیامت کے دن) اپنے سایہ میں رکھے گا۔ (رواہ مسلم ص ۳۱۶ ج ۲)

قرض دینا بھی ایک طرح کا صدقہ ہے اگرچہ بعد میں وصول ہو جائے اور مہلت دینا بھی صدقہ کرنے میں شامل ہے تفسیر ابن کثیر میں بحوالہ مسند احمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے جس نے کسی تنگدست کو مہلت دیدی تو اس کو روزانہ اسی قدر صدقہ دینے کا ثواب ہوگا۔ جتنا قرض اس نے کسی کو دیا ہے یہ ثواب ادا ہوگی دین کا مقررہ وقت آنے سے پہلے ملتا ہے۔ پھر مقررہ وقت آنے کے بعد مہلت دے تو روزانہ اتنے مال کا دو گنا صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے جتنا اس نے قرض دیا ہے۔ (ص ۱۳۱ ج ۱)

آخر میں ارشاد ہے: **وَإِذْ تَقُولُوا يَوْمَئِذٍ جُعِفُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ (الآيَةِ)** سو اور قرض سے متعلق احکام بیان فرمانے کے بعد قیامت کے دن کی حاضری کی طرف متوجہ فرمایا اور ایم الحساب کی حاضری کا مرقبہ کرنے کا حکم دیا جس دن ہر شخص اپنے پورے پورے اعمال کی فہرست پر مطلع ہوگا اور اپنے اپنے کئے ہوئے کا بدلہ ملے گا جسے فکر آخرت ہو موت کے بعد کے حالات کا یقین ہو اور بارگاہِ خداوندی میں اعمال کا حساب دینے کا استحضار، دو وہاں کی نجات اور اجر و ثواب کے لئے ہر طرح حرام مال کو باسانی چھوڑ سکتا ہے اور اس کے لئے اپنے نفس کو راضی کر سکتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَيْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُبَ

اے ایمان والو! جب تم مقررہ مدت تک ادھار لینے دینے کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور چاہیے کہ جو شخص

بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ

تمہارے درمیان لکھنے والا ہو وہ انصاف کے ساتھ لکھے اور کوئی لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اللہ نے اسے سکھایا ہے، سو چاہیے کہ لکھ دیا کرے،

وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا فَإِنْ كَانَ الَّذِي

اور جس کے اوپر حق ہے اسے چاہیے کہ لکھوادے اور اللہ سے ڈرے جس کا وہب ہے، اور اس میں سے کچھ بھی کم نہ کرے، سو اگر وہ شخص کم سمجھ ہو

عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمْلَئَ هُوَ فَلْيُمْلِلِ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ

جس پر حق ہے یا ضعیف ہو یا ابلّا کرانے پر قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی انصاف کے ساتھ لکھوا دے۔

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتْنِ مِمَّنْ

اور اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کو گواہ بنا لیا کرو، پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں ان گواہوں میں

تَرْضَوْنَ مِنَ الشَّهَادَةِ أَنْ تَضَلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ وَلَا يَأْبَ الشَّهَدَاءُ

سے جنہیں تم پسند کرتے ہو تاکہ ان دو عورتوں میں سے اگر ایک بھٹک جائے تو ایک دوسری کو یاد دلا دے اور نہ انکار کریں گواہ جب

اِذَا مَا دُعُوا وَلَا تَسْمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ذَلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ

ان کو بلا یا جائے، اور قرض سے مت استاء چھو ہو یا بڑا ہو اس کی مدت مقرر نہ ہو۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے اور گواہی کو

وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا إِلَّا أَنْ تَكُونَ تَحَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا

زیادہ درست رکھنے والی ہے اور اس سے زیادہ قریب ہے کہ تم شک میں نہ پڑو، مگر یہ کہ کوئی تجارت ہو جس میں لینا دینا دست بدست ہو جس کا تم آپس میں

بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا وَأَشْهَدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَارَسُ

معاملہ کر رہے ہو سو تم پر اس بات کا کوئی گناہ نہیں کہ لکھا نہ پڑھی نہ کرو، اور گواہ بنالیا کرو جب کہ تم آپس میں خرید و فروخت کا معاملہ کرو، اور نہ ضرر دیا جائے

كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ وَإِنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيَعْلَمُكُمُ اللَّهُ

کاتب کو، اور نہ گواہ کو، اور اگر تم ایسا کرو تو بلا خیر اس میں گنہجاری ہے تمہارے لئے، اور اللہ سے ڈرو اللہ تمہیں سکھاتا ہے

وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

مدایت اور کتابت اور شہادت کے ضروری مسائل

یہ کلمات اور حروف کے اعتبار سے قرآن مجید کی سب سے بڑی آیت ہے جو متعدد احکام پر مشتمل ہے۔

شروع آیت میں فرمایا کہ جب تم آپس میں قرض کا لین دین کرو جس کی میعاد مقرر ہو تو اسے لکھ لیا کرو۔ اس سے ایک تو قرض کے لین دین کا جواز معلوم ہوا۔ دوسرے اس بات کا تاکید حکم معلوم ہوا کہ قرض کے لین دین کو لکھ لیا کرو۔ اس لکھنے میں قرض کی مقدار بھی آجائے گی اور جس وقت ادا کرنا طے کیا ہو وہ وقت تحریر پر متعین ہو جائے گا۔ دونوں باتیں مفید ہوں گی۔ کیونکہ خدا نخواستہ آپس میں کوئی اختلاف ہو گیا تو تحریر سامنے ہوگی جس سے اختلاف رفع ہو جائے گا۔ لفظ اجل کے ساتھ جو مُسْمًیٰ بڑھایا ہے اس میں یہ بتایا کہ ادائیگی کا وقت اس طرح مقرر کریں جسے واقعی مقررہ وقت کہا جاسکے۔ مثلاً کسی مہینہ کی تاریخ مقرر کر دیں، اگر یوں کہا کہ جب میرا باغ پکے گا تو دے دوں گا تو دیدوں گا یا میرا بیٹا یا باپ سفر سے آئے گا تو ادا کروں گا تو یہ اجل مُسْمًیٰ نہیں ہے۔

قرض کے لین دین کے لکھنے کا تاکید حکم فرمایا ہے علماء کرام نے اس کو فرض یا واجب پر محمول نہیں کیا بلکہ یہ ایک مستحب ثل ہے اور استحباب مؤکد ہے تاکہ کوئی اختلاف واقع ہو جائے یا بھول چوک ہو جائے تو تحریر کے ذریعہ رفع ہو سکے۔ جہاں دین (قرض) کی لکھا پڑھی کا حکم ہوا اسی کے ساتھ ان لوگوں کو بھی پابند کیا جو لکھنا جانتے ہیں کہ انصاف کے ساتھ لکھیں، کچھ رد و بدل نہ کر دیں اور یہ بھی فرمایا کہ جو لکھنا جانتا ہو وہ اللہ کی نعمت کی قدر دانی کرے اللہ نے اسے کتابت کی نعمت دی ہے اور لکھنے کے لائق بنایا ہے تو اللہ کی مخلوق کے کام آئے

اور جب اس سے لکھنے کے لئے کہا جائے تو لکھ دیا کرے۔

پھر فرمایا: وَلْيُسْمِعْكَ اللَّهُ الْحَقَّ وَلْيُنَبِّئْكَ اللَّهُ رَبَّهُ یعنی جس شخص کے ذمہ حق ہے وہ اِلا کرے اور کاتب کو بتائے کہ یہ لکھو وادور عبارت لکھوانے میں اللہ سے ڈرے، صحیح بات لکھوائے، پورا حق لکھوائے، حق واجب میں سے ذرا سی کمی بھی نہ کرے۔ تحریر کرانے میں اس کو خطاب فرمایا جس پر حق ہے کیونکہ جس پر حق ہے اس کا لکھوانا ایک قسم کا اقرار بھی ہے اور چونکہ اسی کو اِلا کرنا ہے اس لئے حق واجب سے زیادہ تو لکھوائی نہیں سکتا۔ البتہ صاحب حق کی غفلت یا کم سمجھی یا محاورات نہ جاننے یا کاتبوں کی اصطلاحات نہ سمجھنے کے باعث اصل حق سے کم نہ لکھواوے۔

اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ وہ کم سمجھ اور خفیف العقل ہے یا کسی بھی اعتبار سے ضعیف ہے (جس میں کم سن نابالغ بچہ ہونا اور بہت زیادہ بوڑھا ہونا بھی شامل ہے جو کاتب تک نہیں پہنچ سکتا یا اس پر خطا، دسیان غالب ہے) یا اِلا کرانے اور لکھوانے پر قدرت نہیں رکھتا (مثلاً غیر ملکی ہے یا گونگا ہے یا بے پڑھا ہے۔ عبارت بنانے اور بولنے پر قدرت نہیں رکھتا یا جو عبارت دستاویز میں لکھی جاتی ہے وہ نہیں جانتا بات کے الٹ پلٹ ہونے کا اندیشہ ہے) تو اس کا ولی (جس کے ذمہ اس کے اعمال و اموال کی دیکھ بھال ہے) انصاف کے ساتھ اِلا کرے، کتابت کرانے کے حکم کے ساتھ گواہ بنالینے کا بھی حکم فرمایا اور فرمایا کہ وَأَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رَجَالِكُمْ جس کا مطلب ہے کہ کتابت کے ساتھ دو گواہ بھی بناؤ، دونوں گواہ مردوں اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے کہ دو مرد نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنالیں، عورتیں چونکہ حافظہ کے اعتبار سے اور اونٹنی مفہوم کے اعتبار سے عموماً کمزور ہوتی ہیں اس لئے ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کی گواہی رکھی گئی ہے۔ اس بات کو اُن تَصْلَحْ أَخْذَاهُمَا فَنَذْكُرْ أَخْذَاهُمَا الْآخِرَى میں بیان فرمایا کہ ایک عورت بھٹک جائے تو دوسری عورت اسے یاد دلاوے گی۔ قانون چونکہ عمومی احوال کے اعتبار سے وضع کیا جاتا ہے۔ اس لئے شاذ و نادر احوال اور افراد کو سامنے نہیں رکھا جاتا اس سے یہ اشکال رفع ہو گیا کہ بعض عورتیں بعض مردوں سے زیادہ فہیم ہوتی ہیں اور حافظہ میں بڑھی ہوئی ہوتی ہیں اور بات پیش کرنے کا سلیقہ زیادہ رکھتی ہیں۔ گواہ عاقل بالغ ہوں، مسلم ہوں یہ مِنْ رَجَالِكُمْ سے مفہوم، و رہا ہے اور مِنْ الشَّهَدَاءِ جو فرمایا اس سے واضح ہو رہا ہے کہ گواہ صالح عادل ہونے چاہئیں جن پر بھروسہ ہو اور جن پر دونوں فریق کا اعتماد ہو، اور ان میں سے کسی کے بارے میں جانب داری اور غلط بیانی کا احتمال نہ ہو۔

پھر فرمایا: وَلَا يَنْبَأُ الشَّهَدَاءُ إِذَا مَاذَعُوا کہ جن لوگوں کے سامنے معاملہ ہوا ہے ان کو معاملہ کی صحیح خبر ہے اب جب ضرورت کے وقت ان کو بلا یا جائے کہ گواہی دے دو تو ان کو انکار کرنا جائز نہیں ہے وہ جا کر حاکم کے یہاں یا جہاں بلائے جائیں جا کر گواہی دیدیں، اگر کسی کا حق مارا جاتا ہو اور گواہ کی گواہی سے اس کا حق زندہ ہو سکتا ہو تو گواہوں پر واجب ہے کہ گواہی دیں حق جانتے ہوئے گواہی کو چھپائیں گے تو گناہ گار ہوں گے جس کا ذکر آیت میں آ رہا ہے۔

بعض مرتبہ آپس کے اعتماد یا جہوم اشغال کی وجہ سے کتابت کرانے سے دل تنگی محسوس کرتے ہیں اسکے بارے میں تنبیہ فرمائی کہ وَلَا تَسْتَمُوا أَنْ تَكُنُوهُ ضَعِيفًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ آخِلِهِ کہ چھوٹا قرضہ ہو یا بڑا اس کے لکھنے میں بدولی اختیار نہ کرو، یہ لکھ لینا اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی چیز ہے اور ٹھیک طرح گواہی کی ادائیگی کے لئے بھی بہت زیادہ قائم رکھنے والی ہے اور اس میں ہر قسم کے شک و شبہ سے بچنے اور دُور رہنے کا بھی فائدہ ہے البتہ ایک صورت میں کتابت کرنے کی تاکید نہیں ہے جسے یوں بیان فرمایا: إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بِحَضْرَةِ حَاضِرَةٍ تَدِيرُوهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ لَا تَكُنُوهَا کہ اگر ایسی تجارت ہو جس کا لین دین نقد اس وقت ہو رہا ہو اس کی

اگر لکھا پڑھی نہ کی تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ لفظ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ سے معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں نہ لکھنے کی اجازت تو ہے لیکن اگر لکھ لیا تو وہ بھی کوئی ممنوع چیز نہیں ہے جیسا کہ دور حاضر میں مال خریدتے وقت کیش میو نقد کاٹ کر دے دیتے ہیں اور اس میں یہ فائدہ ہوتا ہے کہ جس کا نام کیش میو میں لکھ دیا گیا ہو اس پر خود کا نادر جس سے خریدا ہے یا دوسرا شخص غصب کرنے یا پھر انے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

پھر فرمایا: **وَإِذَا تَبَايَعْتُمْ** (اور جب تم خرید و فروخت کا معاملہ کرو تو گواہ بنالیا کرو) گواہ بنانے میں بہت سے فائدے ہیں آپس میں کوئی اختلاف ہو جائے گا تو گواہوں کے ذریعہ رفع ہوگا۔ مثلاً فریقین کے دل میں کوئی خیانت کا جذبہ پیدا ہو جائے یا بھول کر کسی بات کا انکار کر دیں مثلاً بیچنے والا کہنے لگے کہ مجھے قیمت وصول نہیں ہوئی (حالانکہ خریدار کا دھوٹی ہے کہ میں قیمت ادا کر چکا ہوں) یا بیچنے والا سرے سے بیچ ہی کا انکار کر دے یا یوں کہہ دے کہ میں نے ہر غیب سے برأت کر لی تھی یا خریدار کہنے لگے کہ میں نے خریدا ہی نہیں، یا یوں کہہ دے کہ قیمت تو میں نے دیدی ہے لیکن سامان مجھے نہیں ملا، یا یوں کہنے لگے کہ میں نے اپنے لئے واپسی کا اختیار بھی رکھا تھا جسے بائع نے مان لیا تھا وغیرہ وغیرہ۔ بیچ کا معاملہ کرتے وقت اور قیمت لیتے وقت اور مال دیتے وقت گواہ بنانے کی صورت میں اس طرح کے انکار اور نزاع کا دفعیہ ہو سکے گا، گواہ ہوں گے تو صحیح بات کی گواہی دے دیں گے، بھول اور خیانت سب کا دفاع ہو جائے گا۔

پھر فرمایا: **وَلَا يَضَارُّ كِتَابَتُ وَلَا شَهِيدُ** (کہ کسی کا تب کو اور گواہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے)

پہلے کا تب کو حکم دیا کہ انصاف کے ساتھ کتابت کر دے اور لکھنے سے انکار نہ کرے اور اللہ کی اس نعمت کی قدر کرے کہ اس نے اسے لکھنا سکھایا ہے اور گواہوں کو حکم دیا کہ گواہی کو نہ چھپائیں (جیسا کہ آئندہ آیت میں مذکور ہے) کا تب اور گواہ دونوں کو ان سے متعلقہ کام کی تاکید کے ساتھ ان لوگوں کو ہدایت فرمائی جو کا تب سے کتابت کرائیں اور جو گواہوں کو گواہی دینے کے لئے بلائیں، کتابت کرانے والے ایسا نہ کریں کہ کا تب کو کسی طرح کوئی تکلیف یا نقصان پہنچائیں اس میں یہ بھی داخل ہے کہ اگر کا تب کتابت کرنے پر اجرت مانگے تو اس کو اجرت دے دی جائے اور مفت لکھنے پر مجبور نہ کیا جائے، اس طرح جب گواہ کو بلائیں اور اس کو آنے جانے میں زحمت ہو یا جگہ دور ہو سواری طلب کرتا ہو تو اس کے لئے سواری کا انتظام کر دینا واجب ہے، اور جب وہ گواہی دے چکے تو اس کے واپس گھر پہنچانے کا بھی انتظام کر دیں ایسا نہ کریں کہ اب تو ہمارا کام نکل ہی گیا ہے اب خیر و خبر کا خیال نہ کیا تو کیا حرج ہے۔ البتہ گواہی دینا چونکہ فرض ہے اس لئے اس کی اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ جب سچی گواہی کی اجرت لینا جائز نہیں تو جھوٹی گواہی کی اجرت لینا جس کا عام رواج ہو گیا ہے کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔

یوں تو ہر مسلمان کو ضرر پہنچانا حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **مَلْعُونٌ مَنْ ضَارَّ مُؤْمِنًا أَوْ مَكْرِبًا** (رواہ الترمذی) وہ شخص ملعون ہے جو کسی مؤمن کو ضرر پہنچائے یا اس کے ساتھ مکر کرے، کا تب اور شہید کو ضرر نہ پہنچانے کی تاکید فرمائی اور مزید تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: **وَأَنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ** (کہ اگر تم ایسا کرو گے تو یہ تمہارے گنہگار ہونے کی بات ہے۔)

آخر میں فرمایا: **وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ** (کہ اللہ سے ڈرو اللہ تعالیٰ کا احسان مانو، وہ تمہیں احکام کی تعلیم دیتا ہے اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے، کوئی گناہ صغیرہ یا کبیرہ کرو گے تو اسے اس کا علم ہوگا، دنیا میں کسی کا حق مار لیا کسی کو ضرر پہنچایا یا تکلیف دیدی تو یہ نہ سمجھنا کہ ہمیں پر ختم ہو گیا بلکہ وہ سب محفوظ ہے۔ اللہ کے علم میں ہے۔ یوم آخرت میں پیش ہونے کا یقین رکھو اور وہاں کے مواخذہ اور محاسبہ سے ڈرو۔)

وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَى سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهْنِ مَقْبُوضَةً ۖ فَإِنْ أَفْنِ بَعْضُكُمْ

یہ آیت قرآن میں ہے اور حال یہ ہو کہ نہ یاد کسی کا تب کو تو رہن کی چیزیں قبضہ میں دے دی جائیں، سو اگر تم میں سے ایک دوسرے پر اطمینان کرے تو جس کو

بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي أُؤْتِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ ۖ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَنْ

امانت دار سمجھا گیا ہے صاحب امانت کو امانت ادا کر دے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور گواہی کو

يَكْتُمُهَا فَإِنَّهُ إِثْمٌ قَلْبُهُ ۖ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝

ست چھپاؤ، اور جو شخص گواہی کو چھپائے گا تو اس کا دل گنہگار ہے، اور اللہ ان کاموں کو جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

رہن کا حکم اور گواہی چھپانے کی مذمت

اس آیت کریمہ میں اول تو رہن کا قانون مشروع فرمایا، اور فرمایا کہ تم اگر کہیں سفر میں ہو اور کوئی کا تب معاملہ لکھنے والا نہ ملے تو جس کے ذمہ قرض ہو وہ دوسرے فریق کو اطمینان دلانے کے لئے بطور رہن کوئی چیز دے دے جس پر وہ قبضہ کر لے اور اسے اطمینان ہو جائے کہ میرا حق واجب مارا نہیں جائے گا۔

سفر کی قید احترازی نہیں ہے جو لوگ حضر میں یعنی وطن میں ہوتے ہوئے بھی اطمینان کے لئے رہن رکھنے کا معاملہ کر لیں تو یہ بھی صحیح ہے لفظ مَقْبُوضَةٌ سے معلوم ہوا کہ جب راہن (رہن رکھنے والا) مرتبن (جس کے پاس رہن رکھا جائے) کے قبضہ میں رہن کی چیز دیدے تب اس پر رہن کے احکام جاری ہوں گے محض زبانی بات چیت کر لینے سے رہن نہیں ہوگا۔

کوئی کا تب بھی نہیں اور گواہ بھی نہیں اور رہن رکھنے کو بھی کوئی چیز نہیں اور اس سب کے باوجود جس کا حق ہے وہ اس شخص پر بھروسہ کرتا ہے جس کے ذمہ قرض ہے اور ادا حار دے دیتا ہے تو جس پر بھروسہ کیا اس پر لازم ہے کہ امانت کو پوری طرح صحیح طریقہ پر منڈت مقررہ کے مطابق ادا کر دے نفس یا شیطان کے بھانے سے حق مارنے کا ارادہ نہ کرے اور یہ نہ سوچے کہ نہ تحریر ہے نہ گواہ ہیں نہ میں نے کوئی چیز رہن رکھی ہے اگر میں مگر ہی جاؤں تو یہ کیا کرے گا؟ یوں تو سب کے حقوق مایہ ادا کرنا فرض ہے لیکن جس نے اطمینان کیا اور بھروسہ کیا اس کے حق کی ادائیگی کا فکر کرنا تو اور زیادہ لازم ہے، اور شرافت کا یہی تقاضا ہے۔ اگر گواہ یا تحریری سند نہ ہونے کی وجہ سے دنیا والے صاحب حق کا حق نہ دلا سکیں تو اس سے چھٹکارہ نہیں ہو سکتا۔ سامنے آخرت ہے یوم الحساب ہے اس دن سب کے حقوق ادا کرنے ہوں گے۔ قاضی روز جزا جل مجدہ حساب لے گا اور ذرہ ذرہ کا محاسب ہوگا اور اموال کی جگہ اعمال صالحہ دینے ہوں گے اعمال صالحہ نہ ہوئے تو حقوق والوں کے گناہ سر ڈال دیئے جائیں گے۔ دنیاوی حکام کچھ نہیں کر سکتے تو احکم الحاکمین کو تو سب کچھ معلوم ہے جب وہاں پیشی ہوگی تو چھٹکارے کا کوئی راستہ نہ ہوگا اسی کو ارشاد فرمایا وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ کہ اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔ پھر فرمایا: وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ إِثْمٌ قَلْبُهُ (یعنی گواہی کو مت چھپاؤ اور جو شخص گواہی کو چھپائے گا تو اس کا دل گنہگار ہے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ گواہی کا چھپانا حرام ہے جب کسی کا کوئی حق مارا جا رہا ہو اور ایک شخص کو معلوم ہے کہ واقعی اس کا حق فلاں شخص پر ہے تو اس کے لئے یہ حرام ہے کہ گواہی کو چھپائے۔ بشرطیکہ صاحب حق اس سے درخواست کرے کہ تم چل کر گواہی دیدو اگر وہ درخواست

نہ کرے تو گواہی کے لئے جانا واجب نہیں۔ گواہی چھپانے والے کے بارے میں فرمایا کہ اُس کا دل گنہگار ہے اس میں یہ بتایا کہ گواہی کے لئے نہ جانا صرف اعضاء ظاہرہ ہی کا گناہ نہیں بل کا گناہ بھی ہے۔

مسئلہ..... شہادت پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ البتہ گواہ آمدورفت کا کرایہ لے سکتا ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔

آخر میں فرمایا: وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے حق نہ دینے والا اور گواہی کو چھپانے والا اور ہر شخص اس بات کا یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے اور اس کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنْ تُبَدُّوْا مَآفِیْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تَخَفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ

اللہ ہی کے لئے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور اگر تم ظاہر کر دو کچھ تمہارے نفسوں میں ہے یا اس کو پوشیدہ رکھو اللہ اس کا محاسب

بِہِ اللّٰهِ ۚ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾

فرمائے گا۔ پھر جس کو چاہے بخشے۔ اور جس کو چاہے عذاب دے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّہٖ ۚ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلُّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِہٖ

ایمان لایا رسول اس پر جو اس کی طرف نازل کیا گیا اس کے رب کی طرف سے۔ اور مومنین بھی ایمان لائے، سب ایمان لائے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر

وَكُتُبِہٖ ۚ وَرُسُلِہٖ ۚ لَا تَفَرَّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ ۚ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۚ غُفْرٰنَكَ

اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے اور انہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا، ہم آپ کی بخشش کا سوال کرتے

رَبَّنَا ۚ وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۱﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ

تو اے ہمارے رب اور تیری ہی طرف لوٹ کر جاتا ہے۔ اللہ نہیں تکلف بناتا کسی جان کو، جس کی اسے طاقت نہ ہو، ہر جان کیلئے وہی ہے جو اس نے کسب کیا اور

عَلَيْہَا مَا اَكْتَسَبَتْ ۚ رَبَّنَا لَا تُوَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا ۚ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا

اسکے اوپر وبال ہے اگر کا جو وہ گناہ کرے، اے ہمارے رب ہمارا مواخذہ نہ فرمانا اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے چوک ہو جائے، اے ہمارے رب

وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَنَا عَلٰی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْنَا مَا لَا طَاقَہٗ

اور نہ رکھ ہم پر بھاری بوجھ جیسا کہ آپ نے ان لوگوں پر بھاری بوجھ رکھا جو ہم سے پہلے تھے، اے ہمارے رب اور ہم پر ایسا بار نہ ڈالنے جس کی ہم کو

لَنَا بِہٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۚ وَارْحَمْنَا ۚ اَنْتَ مَوْلٰنَا ۚ فَانْصُرْنَا عَلٰی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۲۲﴾

طاقت نہ ہو اور ہمیں۔ حاف فرما دیجئے اور ہماری مغفرت فرما دیجئے اور ہم پر رحم فرما دیجئے، آپ ہمارے مولیٰ ہیں، سو ہماری مدد فرمائیے کافر قوم کے مقابلہ میں۔

خطا اور نسیان کی معافی اور چند دعاؤں کی تلقین

اعضاء و جوارح کے افعال و قسم کے ہیں ایک اختیاری، دوسرے وہ جو بلا اختیار صادر ہوں بلا اختیار کی صورت ایسی ہی ہے جیسے رعشہ

کی وجہ سے ہاتھ بروقت حرکت کرتا ہو، جس کو یہ مرض ہو وہ ہاتھ کی حرکت کو روکنے پر قادر نہیں ہوتا۔ یا جیسے سوتے میں زبان سے کچھ اٹلی سیدھی بات نکل جائے۔ یہ بھی اختیاری نہیں ہے۔ اور غیر اختیاری پر گرفت نہیں ہے۔ جزا اور امور اختیاریہ سے متعلق ہے۔ کسی کا بچہ فوت ہو گیا اس کو بے اختیار ہونا آگیا تو اس پر کوئی گرفت نہیں لیکن اگر زبان سے ایسے کلمات نکل دیئے جن سے اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہوتا ہو تو ایسے کلمات کفریہ کلمات کے دائرے میں آ جاتے ہیں اور ان پر عذاب اور عتاب ہے۔

اسی طرح قلب کے اعمال بھی دو طرح کے ہوتے ہیں جو خیالات اور وسوسے غیر اختیاری طور پر آ جاتیں ان پر گرفت نہیں اور اپنے اختیار سے جو بات دل میں جمائے کفر کی بات، دو یافق کی تو اس پر گرفت ہے۔ کینہ، حسد، کسی گناہ کے کرنے کا پختہ عزم، کسی کو نقصان پہنچانے کا مضبوط ارادہ، یہ سب گرفت کی چیزیں ہیں اور غرض وسوسہ اور خیال پر کوئی مواخذہ نہیں، آیت بالا میں اذل تو یہ فرمایا کہ آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے، وہ سب اللہ کی ملکیت ہے سب کچھ اس کی مخلوق بھی ہے اور ملوک بھی ہے، اسے اپنی مخلوق کے بارے میں پورا پورا اختیار ہے، ان کے اعمال و افعال کے بارے میں تکوینی یا شرعی طور پر جو بھی حکم فرماوے اسے کوئی روکنے والا نہیں، اس کے بعد افعال قلبیہ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ جو کچھ تمہارے نفوس میں ہے اسے ظاہر کرو یا پوشیدہ رکھو اللہ تعالیٰ اس کا محاسبہ فرمائے گا۔ ان افعال قلبیہ میں جو لائق مواخذہ ہوں گے جس کے لئے چاہے معاف فرماوے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا البتہ کفر و شرک کی کبھی بخشش نہ ہوگی جیسا کہ دوسری آیت میں اس کی تصریح ہے۔ اخیر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ سب کا حساب لے سکتا ہے۔ بخش بھی سکتا ہے اور عذاب بھی دے سکتا ہے۔

آیت میں بظاہر اختیاری اور غیر اختیاری کی تفصیل نہیں ہے۔ اس لئے مضمون آیت پر مطلع ہو کر حضرات صحابہ کرامؓ بہت پریشان ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اب تک تو ہمیں ان اعمال کا حکم تھا جنہیں ہم کر سکتے تھے یعنی نماز اور روزہ، جہاد اور صدقہ اور اب یہ آیت نازل ہوئی ہے اس پر عمل کرنے کی تو ہمیں طاقت نہیں (کیونکہ بلا اختیار وسوسے آ جاتے ہیں اگر ان پر بھی پکڑ دوئی تو تیار کیا بنے گا؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم بھی وہی کہنا چاہتے ہو جو اہل کتاب یعنی توریت اور انجیل والوں نے کہا ان کے پاس احکام آئے تو کہنے لگے، سَمِعْنَا وَغَضِبْنَا (کہ ہم نے سن لیا اور انہیں گے نہیں) تم یوں کہو: سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ (ہم نے سنا اور مان لیا، اے ہمارے رب ہم تیری بخشش چاہتے ہیں اور تیری ہی طرف جانا ہے) حضرات صحابہؓ دل اور زبان سے مان گئے اور بار بار ان کلمات کو دہرایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد والی آیتیں اَنْزَلَ الرُّسُولَ بِمَا اَنْزَلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ آخر سورت تک نازل فرمائیں۔ جن میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور مومن بندوں کی تعریف فرمائی اور انہوں نے بخوشی جو سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ کہا تھا قبولیت کے انداز میں نقل فرمایا اور حکم سابق کو جس میں بظاہر عزم تھا منسوخ فرما دیا اور باتصریح فرمادیا کہ لَا يَكُفِّرُ اللَّهُ نَفْسًا بِالْأَوْسَعِيَّا (کہ اللہ تعالیٰ کسی جان کو ایسے کام کا مکلف نہیں بناتا جو اس کے بس میں نہ ہو)۔ (صحیح مسلم ص ۷۷ ج ۱)

بعض حضرات نے اس پر ایشکال کیا ہے کہ اخبار میں نسخ نہیں ہوتا اس نسخ سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے؟ وہ حقیقت یہ نسخ بالمعنی اللفظی نہیں ہے۔ بلکہ ایضاً مجمل کو نسخ سے تعبیر فرما دیا ہے نسخ کے قول سے احتراز کرنے کے لئے بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا کہ اس کا تعلق سابق آیت سے ہے جس میں کتمان شہادت کا ذکر ہے، مطلب یہ ہے کہ عمل ظاہری طور پر کرو گے یا پوشیدہ طور پر اللہ تعالیٰ اس کا حساب فرمائے گا۔ یعنی مواخذہ فرمائے گا۔ صاحب معالم التزیل لکھتے ہیں کہ حضرت شعبیؒ اور حضرت عکرمہؒ نے اس کو اختیار کیا ہے۔ اس قول کو لیا جائے

توضیح لازم نہیں آتا۔

اللہ تعالیٰ نے لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا کے ساتھ ہی لَيْفَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ پہلے فرمایا ہے پہلے جملہ میں یہ بتایا ہے افعال غیر اختیاریہ پر مؤاخذہ نہیں ہے اور دوسرے دونوں جملوں میں یہ بتایا کہ جو اچھا عمل اپنے اختیار سے کرو گے اُس پر اجر ملے گا اور جو کوئی کام ایسا کرو گے جس کی ممانعت ہے تو وہ وبال جان ہوگا اور اُس پر مؤاخذہ اور محاسبہ کا قانون جاری ہوگا۔

یہ عموم افعال قلبیہ کو بھی شامل ہو گیا۔ جیسا کہ سورۃ بقرہ میں فرمایا کہ: وَلَٰكِنْ يُؤْخَذُكُمْ بِمَا كَسَبْتُمْ قُلُوبُكُمْ (لیکن اللہ تمہارا مؤاخذہ فرمائے گا اُن چیزوں پر جنہیں تمہارے قلب نے کسب کیا) اور سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا: اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (بے شک کان، آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں سوال کیا جائے گا) آیت کی تفسیر میں جو اعمال اختیاریہ اور غیر اختیاریہ کی تفصیل لکھی ہے اور جو صحابہ کے فکر مند ہونے پر لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا کے ذریعہ عموم الفاظ سے مفہوم ہونے والے مضمون کا منسوخ ہونا نہ کوہِ اس سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ بلا اختیار جوہ سو سے آجاتے ہیں اُن پر مؤاخذہ نہیں ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے اُن چیزوں کے بارے میں درگزر فرمادیا ہے جو اُن کے نفسوں میں آجائیں جب تک کہ اُن پر عمل نہ کریں یا زبان سے نہ کہیں۔ (صحیح مسلم ص ۷۷ ج ۱)

انسان کے دل میں بہت سے خطرات گزرتے ہیں اور سو سے آتے ہیں۔ بُرے بُرے خیالات کا هجوم ہوتا ہے شیطان و سو سے ڈالتا رہتا ہے چونکہ یہ چیزیں اختیاری نہیں ہیں اس لئے اُن پر گرفت نہیں ہے۔ لہذا ان سے پریشان بھی نہ ہوں اور فکر میں بھی نہ پڑیں۔ ہاں اگر بُرائی کا کوئی وسوسہ آیا پھر اس پر عمل کر لیا یا اپنے اختیار سے زبان سے کوئی بُرا کلمہ نکال دیا تو اس پر مؤاخذہ ہوگا کیونکہ یہ چیزیں دائرہ اختیار میں آگئیں۔ جو لوگ یکے مؤمن ہوتے ہیں۔ ان کے دل میں ایسے وسوسوں کا آنا ہی خالص مؤمن کی دلیل ہے۔ صحیح مسلم ص ۹ ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے عرض کیا کہ ہم اپنے نفسوں میں ایسی بات محسوس کرتے ہیں کہ جس کو زبان پر لانا بھاری معلوم ہوتا ہے آپ نے یہ سن کر سوال فرمایا کہ واقعی تم نے ایسا محسوس کیا ہے؟ عرض کیا: ہاں! محسوس کیا ہے، آپ نے فرمایا کہ یہ خالص ایمان ہے۔ سنن ابوداؤد ص ۳۴ ج ۲ میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اُس نے عرض کیا میں اپنے نفس میں ایسی چیز محسوس کرتا ہوں کہ مجھے اُسے زبان سے نکالنے کی مسمیت کو ملے ہو جانا زیادہ محبوب ہے یہ سن کر آپ نے فرمایا اللہ اکبر، اللہ اکبر، پھر فرمایا کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے شیطان کی شرارت کو وسوسہ تک ہی رہنے دیا (اگر دل سے مؤمن نہ ہوتے تو اس بات کو بُرا کیوں جانتے اور زبان پر لانے کو کیوں بھاری چیز سمجھتے، یہ بھاری سمجھنا اور کوئلہ ہو جانے کو محبوب جاننا سراسر ایمان ہے)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شیطان تمہارے پاس آئے گا پھر کہے گا کہ فلاں چیز کس نے پیدا کی، فلاں چیز کس نے پیدا کی، اس طرح کے کئی سوال کرتے ہوئے یوں کہے گا کہ تیرے رب کو کس نے پیدا کیا سو جب تم میں سے کسی شخص کے ساتھ اس طرح کی صورت حال پیش آجائے تو اللہ کی پناہ مانگے اور وہیں رک جائے (وسوسہ کو اور سوال و جواب کو آگے نہ بڑھائے) دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگ برابر آپس میں طرح طرح کے سوال کرتے رہیں گے یہاں تک کہ یہ بھی سوال کریں گے یہ (جو کچھ موجود ہے) اللہ کی مخلوق ہے اسے اللہ نے پیدا کیا ہے تو اللہ کو کس نے

پیدا کیا ہے؟ جو کوئی شخص ایسے سوالات میں سے کوئی چیز (اپنے اندر) محسوس کرے تو اَمْسَنْتُ بِاللّٰهِ وَوَسَّلَهُ (میں اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا) کہہ دے۔ (ایضاً)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کے سو سے آنے پر پڑھنے کے لئے یہ بتایا اللّٰهُ اَحَدٌ اللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ كُفُوًا اَحَدٌ اور فرمایا اس کے بعد بائیں طرف کو تین بار تھوک دے اور اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ پڑھ لے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۹)

پھر اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنے بندوں کو دو عاتقین فرمائی کہ اس طرح دُعا مانگا کریں، جو متعدد جملوں پر مشتمل ہے اور ان میں متعدد دُعائیں ہیں پہلے یہ دُعائیں رَبَّنَا لَا تُوَحِّدْنَا اِنْ تَسْبِيْنَا اَوْ اَخْلَقْنَا (اے ہمارے رب! ہماری گرفت نہ فرما۔ اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے چوک ہو جائے) صاحب جلالین فرماتے ہیں کہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ خطا اور نسیان پر مَوْأخذہ نہیں ہے۔ لہذا یہ سوال کرنا اللہ تعالیٰ شانہ کی اس نعمت کا اقرار کرنا ہے کہ اُس نے بھول اور خطا پر مَوْأخذہ نہیں رکھا، خطا اوروں کے محاورہ میں گناہ کے لئے استعمال ہوتا ہے یہاں وہ معنی مُرأئیں ہیں بلکہ خطا سے وہ عمل مراد ہے جو بلا ارادہ کوئی عمل صادر ہو جائے۔ یاد رہے کہ مَوْأخذہ ہونا نہ ہونا اور بات ہے اور خطا اور نسیان سے بعض احکام کا متعلق ہونا دوسری بات ہے۔ خطا اور نسیان کے بارے میں جو بعض احکام ہیں عدم مَوْأخذہ فی الآخرة سے ان احکام کی نفی نہیں ہوتی مثلاً نماز میں بھول کر کوئی شخص بول پڑا تو اس سے نماز فاسد نہ جائے گی اور اگر خطا، کسی مؤمن کو قتل کر دے تو دیت اور کفارہ واجب ہوگا۔

پھر ایک اور دو عاتقین فرمائی اور وہ یہ ہے رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اَصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلٰی الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا اس میں ارشاد فرمایا کہ بارگاہِ خداوندی میں یوں عرض کر دو کہ اے ہمارے رب! ہم پر بھاری احکام کا بوجھ نہ رکھ جیسا کہ ہم سے پہلے لوگوں یعنی بنی اسرائیل پر رکھا تھا مثلاً تو یہ قبول ہونے کے لئے اپنی جان کو قتل کرنا مشروط تھا اور زکوٰۃ میں چوتھائی مال نکالنا فرض تھا اور کپڑا ہمو کر پاک نہیں ہو سکتا تھا اس کے لئے نجاست کی جگہ ککٹ دینا پڑتا تھا اور جب کوئی شخص چھپ کر رات کو گناہ کرتا تھا تو صبح کو اُس کے دروازے پر لکھا ہوا ہوتا تھا کہ اس نے فاساں گناہ کیا ہے اور بعض طہیات اُن پر حرام کر دی گئی تھیں۔

حَمَّا قَالَ تَعَالٰی حَرَمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ اٰجَلَتْ لَهُمْ. وَقَالَ تَعَالٰی وَالَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَمْنَا كُلَّ ذِي طُفْرِ (الآیۃ) اور نماز پڑھنے کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ مسجد ہی میں نماز پڑھے اور مال غنیمت اُن لوگوں کے لئے حلال نہیں تھا اللہ تعالیٰ شانہ نے اُسب محمد کے لئے آسانی فرمائی اور مشکل احکام مشروع نہیں فرمائے جو بنی اسرائیل پر فرض تھے۔ سورہ اعراف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: يُجَلِّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اَصْرَهُمْ وَالْاَغْلَالَ الْبِئْسَ ثَمَانٌ عَلَيْهِمْ (وہ پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال فرماتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان پر جبر بوجھ اور طوق تھے اُن کو دہر کرتے ہیں)۔

مزید دو عاتقین فرماتے ہوئے ارشاد ہے رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْنَا هَآذَا طَافَةً لَّنَا بِهٖ (اے ہمارے رب! ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈالے جس کی ہم کو طاقت نہ ہو) اس سے تکالیف شرعیہ بھی مراد ہو سکتی ہیں اور مصائب تکوینیہ بھی اور دونوں بھی مراد لے سکتے ہیں۔ صاحب جلالین لکھتے ہیں: من الکالیف والبلا یا اس سے دونوں کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

آخر میں مختصر الفاظ میں چار دُعائیں اکٹھی عاتقین فرمائیں وَاعْفُ عَنَّا (اور ہمیں معاف فرما) وَاعْفِرْ لَنَا (اور ہماری مغفرت فرما)

وَأَرْحَمُنَا (اور ہم پر رحم فرما) اَنْتَ هُوَ لَا نَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (تو ہمارا مولیٰ یعنی ولی اور مددگار ہے۔ سو ہماری مدد فرما، کافر قوم کے مقابلہ میں)۔

صحیح مسلم ص ۸ ج ۱ میں ہے ہر برؤ عا پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب میں نَصْعَہ کا جواب ملا، دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے برؤ عا کے جواب میں قَدْ فَعَلْتُ فرمایا یعنی میں نے تمہارے سوال کے مطابق کر دیا یعنی تمہاری دُعا میں قبول ہو گئیں۔

صحیح مسلم ص ۹۷ ج ۱ میں یہ بھی ہے کہ شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزیں عطا کی گئیں۔ (۱) پانچ نمازیں، (۲) سورۃ البقرہ کا آخری حصہ (امن الرسول سے نورت کے ختم تک)، (۳) آپ کی اُمت میں جو لوگ مشرک نہ ہوں۔ ان کے بڑے بڑے گناہوں کی بخشش کروئی گئی (گناؤں کا کبیرہ محض اللہ کی رحمت سے یا توبہ سے یا بطور تطہیر و تہیص عذاب بھگت کر معاف ہو جائیں گے اور اہل ایمان، ایمان کی وجہ سے جنت میں چلے جائیں گے۔ ناسق کو دُعا کی عذاب نہیں ہے کافر و شرک کو دُعا کی عذاب ہوگا) فسأل النوروی فی شرح صحیح مسلم والمراد واللہ اعلم بغفرانہا انہ لا یخلد فی النار بخلاف المشرکین ولیس المراد انہ لا یعذب اصلا الخ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف رکھتے تھے اسی اثناء میں اُپر سے ایک آواز سنی، انہوں نے اوپر کو سر اٹھایا اور بتایا کہ یہ آسمان کا ایک دروازہ آج کھولا گیا ہے۔ جو آج سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا۔ اس دروازے سے ایک فرشتہ نازل ہوا تو جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ فرشتہ زمین پر نازل ہوا ہے آج سے پہلے کبھی نازل نہیں ہوا تھا۔ اس فرشتے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور عرض کیا کہ آپ دو دنوں کی خوشخبری سن لیں جو آپ کو عطا کئے گئے ہیں آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے۔ اوّل فاتحہ الکتاب یعنی سورۃ فاتحہ، دوم سورۃ البقرہ کی آخری آیتیں (سورۃ فاتحہ اور یہ آیات دُعاؤں پر مشتمل ہیں) ان میں سے جو بھی کوئی حصہ آپ تلاوت کریں گے (جو سوال پر مشتمل ہوگا) تو اللہ تعالیٰ ضرور آپ کو سوال کے مطابق عطا فرمائیں گے۔ (صحیح مسلم ص ۱۷۲ ج ۱)

مذکورہ بالا روایات سے سورۃ البقرہ کی آخری دونوں آیات کی اہمیت اور فضیلت معلوم ہوئی کہ یہ آیات شب معراج میں عطا ہوئیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دُعاؤں کو قبول فرمایا۔ صحیح بخاری ص ۵۵۵ جلد ۲ اور صحیح مسلم ص ۲۱۱ ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ الاَبْسَانُ فِی الْاٰخِرِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مِنْ قُرْاٰنِهِمَا فِی لَيْلَةِ كَفَنِهِ (یعنی جس نے کسی رات میں سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھ لیں تو اس کے لئے کافی ہوں گی)

حضرات شراح حدیث نے کافی ہونے کے کئی مطلب لکھے ہیں اوّل یہ کہ پڑھنے والے کو تمام انسان اور جنات کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے کافی ہوں گی، دوسرے یہ کہ ہر قسم کی آفات و کمرو بات سے حفاظت رہے گی، تیسرے یہ کہ رات کو جو پڑھنے کی چیزیں ہیں وہ رہ گئیں تو ان کی جگہ کفایت کریں گی، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ قیام اللیل یعنی رات کو نفل نمازوں میں قیام کرنے کے قائم مقام ہو جائیں گی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

ولفسد من اللہ تعالیٰ باکمال تفسیر سورۃ البقرۃ علیٰ ید هذا العبد الضعیف بالمدينة المنورة فی او اخر شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ بحسن توفیقہ و تبسیرہ و أرجو ان یوفقنی اللہ تعالیٰ لانمام تفسیر کتابہ کلہ والحمد للہ اولا و اخرآء، والصلاة والسلام علی من جاءنا بکتاب اللہ تعالیٰ و ارسل طیباً و طاهراً،

وكانت مدة تاليفه من بدء سورة الفاتحة الى آخر سورة البقرة سنة فصاعدا والله ولي التوفيق وبيده أزمة التحقيق.



مدنی

سورۃ آل عمران

۲۰۰ آیتیں ۲۰ رکوع

﴿بِأَنبَاءِهَا ۲۰﴾ ﴿سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ كَذَبَتْهَا (۸۰)﴾ ﴿رُكُوعَاتِهَا ۲۰﴾

سورۃ آل عمران مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں دو سو آیات ہیں اور تیس رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے ہو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلَمْ يَلَمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا

اَلَمْ اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ ہے قائم رکھنے والا ہے۔ اُس نے آپ پر حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ایسی کتاب جو

لَمَّا بَيَّنَّ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرَةَ وَاِلٰنَجِيلٍ ۝ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ

ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے تھیں، اور اس سے پہلے نازل فرمایا توریہ کو اور انجیل کو جو لوگوں کے لیے ہدایت ہیں اور نازل

الْفُرْقَانُ ۚ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُوْا نِقَامٍ ۝

فرمایا فرقان کو، ہے شک جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا ان کے لئے سخت عذاب ہے اور اللہ غالب والا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ۝ هُوَ الَّذِىْ يُصَوِّرُكُمْ فِى

بدل لینے والا ہے۔ ہے شک اللہ ایسا ہے کہ اُس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں زمین میں اور نہ آسمان میں۔ اللہ وہ ہے جو تمہاری فطرت میں بناتا ہے تمہیں

الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۚ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

میں جس طرح چاہے، کوئی معبود نہیں اس کے سوا، وہ غالب والا ہے، حکمت والا ہے۔

نصاری کے ایک وفد سے گفتگو اور ان کی باتوں کی تردید

اسباب النزول میں ص ۱۹۰ اور عالم التنزیل میں ص ۲۷۷ ج ۲۷ علما تفسیر سے نقل کیا ہے کہ نجران کے لوگ وفد کی صورت میں مدینہ منورہ

آئے یہ لوگ نصاری تھے ان کا یہ وفد ساٹھ افراد پر مشتمل تھا ان میں چودہ آدمی ایسے تھے جو ان کی قوم کے سردار تھے اور ان میں سب سے

بڑا ایک شخص عبدالمسیح نامی اور ایک شخص ابیم نامی تھا یہ بھی بڑا سردار تھا۔ یہ لوگ مسجد نبویؐ میں داخل ہوئے اور شرق کی طرف انہوں نے اپنی

نماز پڑھی ان میں سے جو دو آدمی سب سے بڑے سردار اور قوم کے ذمہ دار تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اسلام قبول کرنے کی

دعوت دی انہوں نے کہا کہ ہمارا دین تو اسلام ہی ہے ہم آپ سے پہلے اس دین کو قبول کر چکے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا تم جھوٹے بودین

اسلام پر نہیں ہو (اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لئے دین اسلام ہی کو پسند فرمایا ہے اور اسی پر نجات کا مدار ہے) دین اسلام میں سب سے بڑی دعوت، دعوتِ توحید ہے جو توحیدِ والائیں وہ اللہ کے پیچھے ہوئے دین پر نہیں ہو سکتا (تم لوگ دین اسلام والے کس طرح ہو سکتے ہو جبکہ تم اللہ کے لئے اولاد تجویز کرتے ہو اور صلیب کی عبادت کرتے ہو اور خنزیر کھاتے ہو انہوں نے کہا کہ اگر عیسیٰ اللہ کے بیٹے نہیں ہیں تو پھر ان کا باپ کون ہے اور اس طرح سے انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کثرتِ تیق کی اور عیسیٰ بخشی میں ان کے دوسرے لوگ بھی شریک ہو گئے۔

حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کیا تمہیں یہ بات معلوم نہیں کہ بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے؟ کہنے لگے ہاں! یہ بات تو ہے۔ آپؐ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا رب ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا اس پر موت طاری نہ ہوگی اور (تمہارے عقیدہ کے مطابق) عیسیٰ کو موت آ چکی ہے۔ (کیونکہ ان کے عقیدہ میں وہ مقتول ہو چکے ہیں اور اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ وہ قربِ قیامت میں تشریف لائیں گے اور وفات پائیں گے) وہ کہنے لگے ہاں! یہ بات بھی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کیا تم یہ بات نہیں جانتے کہ ہمارا رب ہر چیز کو قائم کئے ہوئے ہے سب کی حفاظت فرماتا ہے اور سب کو رزق عطا فرماتا ہے کہنے لگے ہاں ہم اس کو بھی مانتے ہیں! آپؐ نے فرمایا تو اب تم بتاؤ کیا عیسیٰ ان میں سے کسی چیز پر قدرت رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں ان چیزوں پر وہ قادر نہیں ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم یہ بات نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے نہ آسمان میں اور نہ زمین میں؟ کہنے لگے ہاں! ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا اب بتاؤ کیا عیسیٰ علیہ السلام کو اس سے زیادہ کچھ علم تھا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا؟ کہنے لگے ان کو اس سے زیادہ کچھ علم نہیں تھا! آپؐ نے فرمایا ہمارے رب نے تم ماہرینِ علم کی تصویر بنا دی جس طرح چاہا اور ہمارا رب نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ بتاؤ اس بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ کہنے لگے جو کچھ آپؐ نے فرمایا وہ صحیح ہے پھر آپؐ نے ان سے سوال کیا کہ بتاؤ کیا عیسیٰ علیہ السلام ماں کے پیٹ میں نہیں رہے جیسا کہ اور بچے رہتے ہیں پھر ان کی اسی طرح پیدائش ہوئی جیسا کہ دوسرے بچے پیدا ہوتے ہیں پھر بچوں کی طرح انہیں غذا دی گئی اور وہ کھاتے تھے اور پیتے تھے اور حالتِ حدت بھی ان کو طاری ہوتی تھی وہ کہنے لگے کہ ہاں یہ بھی ٹھیک ہے! آپؐ نے فرمایا پھر ایسے شخص کے بارے میں یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ پاک کا بیٹا ہو۔

یہ بات سن کر وہ لوگ خاموش ہو گئے اور اللہ جل شانہ نے سورۃ آل عمران کی ابتدائی آیات نازل فرمائیں جن کی تعداد اسی سے کچھ اوپر ہے (ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے بارے میں عقائد بیان فرمائے جن کے بغیر کوئی شخص مؤجد اور مُسبب نہیں ہو سکتا۔ درمیان میں مشرکین سے بھی خطاب فرمایا۔ اور اہل دنیا کے مرغوبات بیان فرما کر ان کے مقابلہ میں آخرت کے انعامات بیان فرمائے۔ نیز ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف دین اسلام ہی معتبر ہے۔ حضرت مریم اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کا بھی تذکرہ فرمایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا فرمانے کی بھی تصریح فرمائی۔ نیز ان کے آسمان پر اٹھانے جانے کا تذکرہ فرمایا اور آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپؐ ان کو مہلبہ کی دعوت دیں۔ آپؐ نے ان کو مہلبہ کی دعوت دی تو وہ مقابلہ میں آنے سے عاجز ہو گئے۔ یہ مضامین اور ان کے ساتھ اور بہت سے اُمیرِ ساتویں رکوع کے ختم تک بیان کئے گئے ہیں۔

سورۃ آل عمران کی فضیلت..... سورۃ آل عمران یہ دو نصابی اور مشرکین سب پر حجتِ ناظرہ ہے اس میں ان سب سے خطاب فرمایا ہے اور ان کو حق کی دعوت دی ہے اور ان کے عقائدِ باطلہ کی خوب کھول کر تردید فرمائی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کے بارے میں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں جو خیالاتِ باطلہ لوگوں نے اختیار کئے ہوئے تھے ان سب کا رد فرمایا۔

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن قرآن کو لایا جائے گا اور قرآن والوں کو بھی لایا جائے گا اور جو اس پر عمل کرتے تھے آگے آگے سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران ہوں گی جو وہ بادلوں کی طرح یا وہ سائبانوں کی طرح ہوں گی جن کا سایہ خوب زیادہ گہنا ہوگا ان کے درمیان میں روشنی چمک رہی ہوگی۔ (رواہ مسلم ص ۷۰ ج ۱)

الک۔۔۔۔۔ یہ حروف مقطعات میں سے ہیں جو متشابہات میں شمار کئے جاتے ہیں ان کا معنی اللہ ہی کو معلوم ہے۔ جیسا کہ سورۃ بقرہ کے شروع میں بیان کیا گیا۔

الْحَيُّ الْقَيُّومُ کی تفسیر۔۔۔۔۔ اللہ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ اس میں اولا اللہ جل شانہ کی توحید بیان فرمائی اور بتایا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس سے تمام مشرکین کی تردید ہوگئی۔ ثانیاً اللہ جل شانہ کی دو بڑی اہم صفات ذکر فرمائیں یعنی الْحَيُّ الْقَيُّومُ حی یعنی زندہ جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ قَيُّومٌ جو ساری مخلوق کو قائم رکھنے والا ہے اسی نے سب کو پیدا فرمایا۔ وہی سب کی پرورش فرماتا ہے اسی نے سب کا وجود باقی رکھا ہے وہ جب چاہے گا سب کو فنا کر دے گا۔ اور وہ خود ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ ظاہر ہے کہ جو ذات ان صفات سے متصف ہے وہی عبادت کے لائق ہے، اور جس کا وجود پہلے نہ تھا بعد میں وجود ملا اور وہ جو اسے خالق و مالک جل مجدہ نے بخشا اور اپنی بقا میں ذرا اپنے خالق و مالک کا محتاج ہے وہ کسی طرح بھی معبود نہیں ہو سکتا۔ معبود صرف وہی ہے جو حق ہے اور قیوم ہے جو لوگ معبودان باطلہ کو مانتے ہیں اور ان کی پرستش کرتے ہیں وہ دیکھتے ہیں کہ یہ چیزیں اپنی بقا میں خالق تعالیٰ شانہ کی محتاج ہیں اور پہلے ان کا وجود بھی نہ تھا اور انہیں دنیاوی چیزوں کی حاجت ہے۔ یہ سب باتیں دیکھتے اور سمجھتے ہوئے ان باطل معبودوں کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ ان کی حماقت ہے۔ لفظ الْحَيُّ الْقَيُّومُ باری تعالیٰ شانہ کی صفات میں ذکر فرما کر تمام مشرکین کی پوری تردید ہوگئی۔

کتاب سماویہ کا تذکرہ۔۔۔۔۔ نَزَّلَ عَلَيْنَا الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ط مِنْ قَبْلِ هَٰذَا لِلنَّاسِ وَأَنزَلَ الْفُرْقَانَ اس آیت میں قرآن مجید اور توریت شریف اور انجیل شریف کے نازل فرمانے کا ذکر فرمایا ہے قرآن کے بارے میں فرمایا کہ وہ ان سب کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے نازل کی گئیں اس میں یہود و نصاریٰ کی تالیف قلوب بھی ہے اور قرآن کے ماننے کی طرف دعوت بھی ہے۔ قرآن سے اور صاحب قرآن سے کیوں دور بھاگتے ہو۔ یہ تو ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جن کو تم مانتے ہو اور قرآن مجید اصولی طور پر عقیدہ توحید اور عقیدہ رسالت اور عقیدہ معاویہ کی دعوت دیتا ہے۔ اگر قرآن مجید تمہاری کتابوں کی مخالفت کرتا تو تم یہ بہانہ کر سکتے تھے کہ یہ ہمارے دین کے خلاف ہے جس طرح انجیل نے توریت کی تصدیق کی۔ اسی طرح قرآن توریت اور انجیل کی اور تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں کی تصدیق کرتا ہے نیز قرآن کے نزول سے متعجب نہیں ہونا چاہیئے اس سے پہلے توریت اور انجیل نازل ہو چکی ہیں جن کو تم تسلیم کرتے ہو۔ جس ذات پاک نے ان دونوں کو نازل فرمایا اسی نے قرآن مجید نازل فرمایا۔

توریت اور انجیل کے بارے میں هٰذَا لِلنَّاسِ فرمایا جیسا کہ قرآن مجید کے بارے میں بھی سورۃ بقرہ ۲۲ میں هٰذَا لِلنَّاسِ فرمایا۔ توریت انجیل لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور اسی ہدایت میں یہ بھی ہے کہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے ان پر ایمان لانا الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْنُونًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ (الآیۃ)۔

فرقان سے کیا مراد ہے؟۔۔۔۔۔ پھر فرمایا وَأَنزَلَ الْفُرْقَانَ لفظ الفرقان فعان کے وزن پر ہے جس کا معنی ہے فرق کرنے والی چیز۔

یہاں الفرقان سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی نے ص ۷۷ ج ۳ میں متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔ حضرت قتادہ تابعی کا ارشاد ہے کہ الفرقان سے قرآن مراد ہے جو حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے اس میں حلال و حرام حدود اور فرائض طاعت اور معصیت کو خوب اچھی طرح واضح فرمادیا ہے پہلے اس کی تنزیل کا ذکر فرمایا پھر اس کی صفت بیان فرمائی کہ وہ حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے تمام کُتُب الہیہ مراد ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے زبور مراد ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی مشہور چار کتابوں میں سے تین کتابوں کا ذکر فرما کر فَوْزِ الْفَوْزَانِ میں زبور شریف کا ذکر فرمایا ہے۔ بعض حضرات کا ارشاد ہے کہ الفرقان سے معجزات مراد ہیں جن کے ذریعہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تائید اور تصدیق ہوتی رہی اور حق اور باطل میں فرق ظاہر ہوتا رہا۔

منکرین کے لئے وعید: تو حید اور رسالت کے بیان کے بعد منکرین کے لئے وعید ذکر فرمائی اور فرمایا کہ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ کہ جنہوں نے اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا اُن کے لئے سخت عذاب ہے پھر فرمایا وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور جسے چاہے عذاب دے سکتا ہے۔ عزیز کے ساتھ ذوا انتقام بھی فرمایا کہ وہ مجرموں کو سزا دینے والا ہے اور اُسے پوری پوری طاقت اور قوت ہے، کوئی مجرم اُس کے غم سے باہر نہیں اور اس کے فیصلے سے کسی کو کوئی مغفرت نہیں۔
اللہ پر کوئی چیز مخفی نہیں..... اس کے بعد اللہ تعالیٰ شانہ کے علم کی وسعت بیان فرمائی اور فرمایا کہ إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ یعنی اللہ تعالیٰ پر کوئی بھی چیز پوشیدہ نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ارض و سما، (آسمان و زمین) سے پورا عالم مراد ہے آسمان و زمین کے علاوہ بھی مخلوقات ہیں اُن میں سے کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں آسمان و زمین چونکہ نظروں کے سامنے ہیں اور عام طور سے لوگ انہیں جانتے ہیں اس لئے ان کا ذکر فرمادیا۔ وَهَذَا مِنْ آتِلَاقِ الْجُزْءِ وَارَادَةَ الْكُلِّ۔
اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بعض مغیبات کا علم اللہ تعالیٰ شانہ نے جو کسی کو عطا فرمادیا (جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہ اُن کو ان کے گھروں میں رکھی ہوئی چیزیں بتا دیتے تھے) اس سے معبود ہونا لازم نہیں آتا۔ معبود حقیقی وہی ہے جس کے علم سے کوئی بھی چیز باہر نہ ہو۔

قال صاحب الروح في بيان ذلك تنبيه على ان الوقوف على بعض المغيبات كما وقع لعبسى عليه السلام بمعزل من بلوغ رتبة الصفات الالهيه۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اس کے بیان میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ بعض غیب کی چیزیں پر اطلاع پالینا صفات الہیہ کے مرتبہ کو پہنچنا نہیں ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے واقع ہو گیا تھا)
اللہ جیسے چاہے رحم مادر میں تصویر بناتا ہے..... پھر اللہ جل شانہ کی ایک اور خاص صفت بیان فرمائی اور فرمایا: هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جو ماؤں کے رحموں میں جس طرح چاہتا ہے تمہاری صورتیں بنا دیتا ہے۔ یہ ایک ایسی صفت ہے جسے معبود اور مشرک سب ہی مانتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے ماؤں کے رحموں میں تصویریں بنا دیتا ہے کسی کے اعضا صحیح سالم ہیں کسی میں نقص کوئی کالا ہے کوئی گورا ہے، کوئی مذکر ہے کوئی مؤنث ہے، کسی کی ناک اونچی ہے اور کسی کی ناک پھٹی ہے، کسی کے دانت مومنے ہیں اور کسی کا ہاتھ ٹیڑھا ہے، کان تو ہیں مگر بہر اپیدا ہوا، زبان تو ہے مگر گونگا ہے اور اس طرح کی کتنی چیزیں ہیں

نہ باپ کچھ کر سکتا ہے نہ ماں کچھ کر سکتی ہے نہ پیدا ہونے والا کوئی طاقت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ جیسی صورت بنادے اُسی صورت میں عالم دنیا میں انسانوں کے بچے ظہور پذیر ہو جاتے ہیں اور انسانوں کے علاوہ دوسری مخلوق کا بھی یہی حال ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو اپنی صورت خود نہیں بنا سکتا وہ کیا معبود ہو سکتا ہے۔ خالق و مالک نے اس کی جیسی صورت بنادی وہ مجبور ہے کہ اُسی صورت میں رہے اُسے یہ مرتبہ کہاں حاصل ہو سکتا ہے کہ اُس کی عبادت کی جائے اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا ماننے والوں کی بھی واضح تردید ہو گئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ خود پیدا ہوئے نہ اپنی صورت بنا سکے ان کو خدا ماننا سراسر گمراہی ہے آخر میں فرمایا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ اس میں پھر مضمون تو حید کا اعادہ فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ اللہ عزیز اور حکیم ہے۔ اس کی قدرت سے کوئی باہر نہیں اور جو کچھ وجود میں ہے سب اُس کی حکمت کے موافق ہے۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ

اللہ وہ ہے جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی اس میں آیات محکمات ہیں جو اُم الکتاب ہیں اور دوسری مُتَشَبِّهَاتُ فَاَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ

آیات متشابہات ہیں سو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ ان کے پیچھے پڑتے ہیں جو قرآن میں متشابہات ہیں فتنہ تلاش تَأْوِيلَهُ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ مَوَازِيحُ خُفْيَا فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ

کرنے کیلئے اور اس کا مطلب تلاش کرنے کیلئے، اور نہیں جانتا اسکے مطلب کو مگر اللہ اور جو لوگ علم میں راجح ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے

مَنْ عِنْدَ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ ٥

رب کی طرف سے ہے اور نہیں نصیحت حاصل کرتے مگر قتل والے۔

محکمات اور متشابہات کا مطلب

اس آیت شریفہ میں ارشاد فرمایا کہ قرآن مجید میں بہت سی آیات محکمات ہیں اور بہت سی آیات متشابہات ہیں اور بعض آیات میں تمام آیات کو محکم بتایا ہے جیسا کہ سورۃ ہود میں فرمایا ہے۔ كِتَابٌ مُحْكَمٌ اِنَّهُ اور بعض جگہ پورے قرآن کو متشابہ فرمایا جیسا کہ سورۃ زمر میں فرمایا: اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْخُبْرِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَابِيهِ ان مواقع میں محکم اور متشابہ کا وہ معنی مراد نہیں ہے جو سورۃ آل عمران کی مذکورہ بالا آیت میں مراد ہے جو ابھی مذکور ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پورا قرآن محکم اس اعتبار سے ہے کہ وہ سارا حق ہے لفظی اور معنوی اعتبار سے بالکل صحیح ہے کسی بھی جگہ کسی طرح کا اس میں اشکال نہیں ہے اس کے الفاظ اور معنی سب ہی محکم مضبوط اور مربوط ہیں، اور جہاں پورے قرآن کو متشابہ فرمایا وہاں یہ مراد ہے کہ قرآن مجید کی آیات آپس میں متشابہ ہیں اس کے معنی حسن اور خوبی میں، حق اور صادق ہونے میں ایک دوسرے سے تشابہ رکھتے ہیں۔

یہاں (سورۃ آل عمران میں) محکمات سے وہ آیات مراد ہیں جن کا مطلب بالکل ظاہر اور واضح ہے۔ نیز یہ آیات اُم الکتاب یعنی اصل الاصول ہیں جن کے معانی و مفہام میں کوئی اشتباہ نہیں ان میں اوامر و نواہی ہیں اور احکام ہیں جو بالکل واضح ہیں ان کے جاننے اور

سمجھنے میں کوئی اشتباہ و التباس نہیں اگر کسی آیت میں کوئی ابہام یا اجمال ہو تو اس کے مفہوم کو بھی انہی محکمات یعنی اصل الاصول کی طرف راجع کر دیا جاتا ہے۔ دوسری قسم کی آیات یعنی متشابہات سے وہ آیات ہیں جن میں صاحب کلام کی مراد ہمیں معلوم نہیں۔ ان آیات کو متشابہات کہا جاتا ہے۔

راخنین فی العلم کا طریقہ..... ان کے بارے میں راخنین فی العلم کا یہ طریقہ ہے کہ ان کے مفہوم کو آیات محکمات کے مفہیم کی طرف لوٹا دیتے ہیں جو معنی آیات محکمات کے خلاف پڑے اس کی قطعاً نفی کی جائے اور مستحکم کی مراد وہ سمجھی جائے جو آیات محکمات کے خلاف نہ ہو اور کوئی ایسی تاویل اور توجیہ صحیح نہ سمجھی جائے جو اصول مسلمہ اور آیات محکمہ کے خلاف ہو۔ آیات متشابہات کا صحیح مطلب وہی تسلیم کیا جائے جو اللہ کے نزدیک ہے یہ اسلم ترین راستہ ہے۔ بہت سے لوگ ان کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور سمجھ نہیں پاتے اور چونکہ ان کے دلوں میں کچی ہے اس لئے آیات محکمات کے واضح بیانات کو چھوڑ کر متشابہات کے معانی سمجھنے اور کریدنے کے نامبارک شغل میں لگ جاتے ہیں اور فتنہ گری کے لئے ان کے وہ غنائیم تجویز کرتے ہیں جو ان کی خواہشوں اور افکار و آراء کے موافق ہوں۔ اگرچہ ان کی یہ تاویل آیات قرآنیہ محکمہ کے خلاف ہی ہو۔

بہت سے وہ لوگ جو منکرین حدیث تھے منکرین قرآن بن گئے۔ کیونکہ وہ لوگ متشابہات کے پیچھے لگے اور ان کے دل کی کچی نے ان کو قرآن پاک سے دُور کر دیا۔ قرآن میں جو اَلرَّحْمٰنُ عَلٰی الْعَرْشِ اَسْمٰوِی اور یَوْمٌ یُّکْشَفُ عَنْ سَاقٍ اور جَاءَ رَبُّکَ وَالْمَلٰئِکَ صَفًّا صَفًّا اور یَذَلُّهُ فَوْقَ اَیْدِیْہُمْ وارد ہوا۔ راخنین فی العلم ان سب پر ایمان لاتے ہیں اور سمجھتے بغیر ان کے معانی اور مفہیم کو مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا جو مطلب اللہ کے نزدیک ہے وہی ہمارے نزدیک ہے اسی کو فرمایا اَلرَّاسِخُونَ فِی الْعِلْمِ یَقُولُونَ اٰمَنَّا بِہٖ ؕ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا کہ جو لوگ علم میں راخ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ جو لوگ قرآنی تعلیمات کا مرکز اور محور آیات محکمات کو مانتے ہیں اور متشابہات کے بارے میں اپنے علم کے تصور کا اعتراف کرتے ہیں اور ان کے حقیقی معانی کو خدا کے سپرد کرتے ہوئے یوں کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ ان کا جو مفہوم اللہ کے نزدیک ہے ہم اسے تسلیم کرتے ہیں اس پر ہمارا ایمان ہے۔

جب امام مالک رحمہ اللہ سے اَسْمٰوِی عَلٰی الْعَرْشِ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا۔ المعنی معلوم و الکیف مجهول والایمان بہ واجب والسوال عنہ بدعۃ (یعنی معلوم ہے اور کیفیت مجہول ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے (معنی کے) بارے میں سوال کرنا بدعت ہے)۔

نفاض اور عیوب سے اور تجسیم و تعطیل سے اللہ تعالیٰ کی تزیہ کرنا بھی واجب ہے اور جو کچھ وارد ہوا ہے اس پر ایمان لانا بھی واجب ہے تاکہ متشابہات کے ان مفہیم پر بھی ایمان ہو جائے جو اللہ کے نزدیک ہیں اور لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ کے خلاف بھی عقیدہ نہ ہو جائے۔ بہت سے لوگ متشابہات کے ظاہری معانی لیتے ہیں اور لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ کو بھول جاتے ہیں یہ اتباع ہوئی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو متشابہات کی تفتیش میں لگے ہوئے ہوں تو ان سے پرہیز کرو۔ کیونکہ یہی لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے، لہذا ان سے پرہیز کرو۔ (صحیح بخاری ص ۶۵۲ ج ۲)

”ای ذکرہم فی قولہ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِہِمۡ زَیْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَہَ مِنْہُ الْبَیِّنَاتِ وَالْبَیِّنَاتِ تَاوِیْلُہٗ ط“

بعض علماء اصول نے فرمایا کہ متشابہات اہل علم کے ابتلاء کے لئے ہیں، جن کا تفتیش اور تلاش کا مزاج ہوتا ہے ان کا ابتلاء اس میں

ہے کہ بس رک جاؤ آگے نہ بڑھو اور جن لوگوں کو علم کا ذوق نہیں ان کا ابتلاء اس میں ہے کہ ان کو ترغیب دے دیگر علم پر لگایا جائے اور آیات حکمات کے سمجھنے اور پڑھنے پڑھانے پر آمادہ کیا جائے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً ۖ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۸﴾

اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو گم نہ کر دیجئے اسکے بعد کہ آپ نے ہم کو ہدایت دی، اور ہمیں اپنے پاس سے بڑی رحمت عطا فرمائیے، بے شک

اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۸﴾ رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا

آپ بہت بڑے عطا فرمانے والے ہیں۔ اے ہمارے رب! بیشک آپ لوگوں کو اس دن میں جمع فرمائے والے ہیں جس میں کوئی شک نہیں۔ بیشک اللہ

يُغْلِبُ الْيَعَادِ

وندہ ظانی نہیں فرماتا۔

راستخیز فی العلم کی دعاء

ان دونوں آیتوں میں ان لوگوں کی دعا نقل فرمائی ہے جنہیں رسوخ فی العلم حاصل ہے۔ وہ یوں دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! آپ نے ہم کو ہدایت عطا فرمائی ہے۔ ہم کو ہدایت پر ہی رکھئے ہمارے دلوں میں کبھی اور ٹیڑھا پن پیدا نہ فرمائیے۔ جو لوگ دلوں کی کبھی کیوجہ سے تشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں ہمیں ان میں سے نہ کیجئے اور اپنے پاس سے ہمیں بڑی رحمت عطا فرمائیے۔ یہ رحمت عامہ ہمیں دنیا میں بھی شامل ہو اور آخرت میں بھی شامل ہو۔ ہمارا ایمان حکمات پر بھی رہے اور تشابہات پر بھی رہے۔ درحقیقت یہ دعا بہت اہم ہے اور یہ دعا برابر کرتے رہنا چاہیئے۔ بہت سے لوگوں نے ہدایت اختیار کرنے کے بعد گمراہی اختیار کر لی فتنہ گروں کے اتباع میں لگ گئے اور فتنہ میں پڑ گئے اور ایمان کھو بیٹھے اور ہدایت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ بنی آدم کے دل سب کے سب رحمان کے قبضہ میں ہیں وہ جیسے چاہے پھیر دے۔ پھر آپ نے یہ دعا کی۔

اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوبِ صَرِّفْ قُلُوبَنَا عَلٰی طَاعَتِكَ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۲۰)

(اے اللہ! دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی فرمانبرداری پر لگائے رکھ)

راستخیز فی العلم کی دوسری دعا یہ نقل فرمائی کہ اے ہمارے رب! آپ سب لوگوں کو ایسے دن میں جمع فرمائیں گے جس میں کوئی شک نہیں ہے آپ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے جو سچا وعدہ ہے، قیامت کا دن ضرور آئے گا اور تمام لوگ اس میں ضرور جمع ہوں گے۔

اس دعا میں اپنی حاجت اصلہ کا اظہار کر دیا جو دن واقعی حاجت مندی کا ہے اس دن کی خیر طلب کی۔ کما قال صاحب الروح ص ۹۱ ج ۳ و مقصودہم من هذا کما قال غیر واحد عرض کمال افتقارہم الی الرحمة و أنها المقصد الاسنی عندهم و التکید لاظہار ماہم علیہ من کمال الطمانینہ و قوۃ الیقین باحوال الآخرۃ لمزید الرغبة فی استئزال طائر الاجابة۔ (مؤمنین کا مقصود اس دعا سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرف اپنے کمال احتیاج کو بیان کرنا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی ان کا مقصد اعظم ہے۔ اور اپنی اس عرض کو نزول اجابت میں مزید رغبت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی ذات پر اپنے کامل الطمینان اور احوال آخرت

پر کامل یقین کے اظہار کے ذریعے مؤکد کرنا ہے)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَٰئِكَ

ہے شک جن لوگوں نے کفر کیا ان کے مال اور اولاد اللہ کے نزدیک کچھ بھی کام نہیں آئیں گے، اور یہ لوگ وہ ہیں جو

هُمْ وَقَوْمُ التَّارِكِ ۖ كَذَابٍ أَلٍ فَرَعُونَ ۖ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ كَذَبُوا بِالْبَيِّنَاتِ

دوزخ کا ایندھن ہیں۔ ان کا طریقہ وہی ہے جو آل فرعون کا اور ان لوگوں کا تھا جو ان سے پہلے تھے، ان لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا،

فَاَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۖ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

سو اللہ نے ان کو پکڑ لیا ان کے گناہوں کی وجہ سے، اور اللہ سخت عذاب والا ہے۔

آخرت میں اموال و اولاد کام نہیں آئیں گے

اہل کفر اپنے مالوں پر اور اولاد پر بہت فخر کرتے ہیں اور یہ گمان رکھتے ہیں کہ یہ چیزیں ہمارے لئے بہت فائدہ مند ہیں دنیا میں کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچ ہی جاتا ہے ان کا خیال خام یہ ہے کہ آخرت میں بھی مال اور اولاد سے کام چلے گا اور اللہ کے عذاب سے یہ چیزیں ہم کو بچا لیں گی۔ سورۃ سہار کو ع ۴ میں کافروں کا قول نقل فرماتے ہوئے ارشاد ہے وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ۝ (اور انہوں نے کہا ہم زیادہ مال اور اولاد والے ہیں اور ہم کو عذاب ہونے والا نہیں ہے)

جب آخرت میں کفر پر عذاب ہوگا تو ہاں مال تو ہونے ہی کا نہیں۔ اگر مال، تو بھی توجان کے بدلے میں قبول نہیں ہو سکتا جیسا کہ اسی سورت کے رکوع ۹ میں فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْْهُمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوْ اَفْنَدُوْا بِهٖ ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۭ وَمَالُهُمْ مِنْ نَّصْرِیْنَ ۝ (بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ اس حالت میں مر گئے کہ کافر تھے سو ہرگز ان میں سے کسی کی طرف سے بھی زمین بھر کر نہ قبول نہیں کیا جائے گا اگرچہ وہ اپنی جان کا بدلہ دینا چاہے، ان کے لئے دردناک عذاب ہے اور ان کے لئے کوئی بھی مددگار نہ ہوگا)۔

یہ تو مال کے بارے میں ارشاد فرمایا اور اولاد کے بارے میں سورۃ یحس میں فرمایا کہ يَوْمَ يَغْشَى السَّمْرَاءُ مِنْ اَخِيْهِ وَاُمِّهِ وَاَبْنٰهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَيْنَهُ ۭ لِكُلِّ اَمْرٍ ۭ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيْهِ

(جس دن بھاگے گا انسان اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے، ہر شخص کی الگ الگ حالت ہوگی جو دوسروں کی طرف متوجہ کرنے سے بے نیاز کر دے گی)۔

ان حالات میں یہ امید رکھنا کہ جس طرح مال و اولاد سے دنیا میں کام چل جاتا ہے آخرت میں بھی کام چل جائے گا سراپا حماقت اور بے وقوفی ہے اور جھوٹی آرزو ہے جنہوں نے کفر کیا اور کفر پر مرے ان کو دوزخ میں جانا ہی ہوگا اور وہ دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔

حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کا حال اور طور طریق وہی ہے جو آل فرعون کا تھا۔ اور جو ان لوگوں کا تھا جو ان سے پہلے تھے ان لوگوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کے سبب گرفت فرمائی۔ دنیا میں بھی ان پر عذاب آئے اور آخرت میں بھی ان کے لئے عذاب ہی عذاب ہے۔

قوله تعالى من الله شيناً قال الكلبي من عذاب الله وقال ابو عبيدة من بمعنى عند الله - (عالم التنزيل ص ۲۸۱ ج ۱)
علامہ کلبی فرماتے ہیں۔ من اللہ شینا سے مراد۔ من عذاب اللہ (اللہ کے عذاب سے) ابو عبیدہ فرماتے ہیں۔ یہاں من عند کے معنی

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۖ وَبُسَّ الْبِهَادِ ۝ قَدْ

آپ اُن لوگوں سے فرمادیجئے جنہوں نے کفر کیا کہ غریب تم مغلوب ہو گے اور حق کے جاؤ گے دوزخ کی طرف اور بُرا بچھوٹا ہے۔ بادشاہ تمہارے

كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ

لے لٹاتی تھی اُن دو جماعتوں میں جو آپس میں مقابل ہوئیں ایک جماعت لڑ رہی تھی اللہ کی راہ میں، اور دوسری جماعت کافر تھی،

كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُمْ مِّثْلِيهِمْ رَأَى الْعَيْنِ ۖ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصَرِهِ مَن يَشَاءُ ۚ إِنَّ فِي

وہ دیکھتی تھی انہیں مسلمانوں کی جماعت کو دو گنی دیکھ رہے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی مدد کے ساتھ جس کو چاہے تائید فرماتا ہے، بادشاہ اس میں ضرور برتری

ذٰلِكَ لَعِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝

مہرت ہے اُن لوگوں کے لئے جو آنکھوں والے ہیں۔

یہودیوں کو نصیحت کہ واقعہ بدر سے عبرت لیں

روح المعانی میں ص ۹۴ ج ۳ بحوالہ تفسیر بنی قریظہ وغیرہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدر میں فتحیابی ہوئی تو آپؐ نے بدر سے واپس ہو کر یہودیوں کو بنی قریظہ کے بازار میں جمع فرمایا اور فرمایا کہ اے یہودیو! اسلام قبول کرو اس سے پہلے کہ تم کو بھی وہی مصیبت پہنچ جائے جو قریش کو پہنچی، یہ سن کر یہودیوں نے کہا کہ اے محمد! (ﷺ) تم اس دھوکے میں نہ رہو کہ تم نے قریش کے چند ایسے افراد کو قتل کر دیا جو نازی ناتجربہ کار تھے جنگ کرنا نہیں جانتے تھے، تم یہ خیال نہ کرو کہ ہمارے مقابلہ میں بھی کامیاب ہو جاؤ گے۔ خدا کی قسم! اگر تم نے ہم سے جنگ کی تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ ہم ہم ہیں، اُن کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیات نازل فرمائیں اور اُن کو بتا دیا کہ تم نے بھی کفر اختیار کر رکھا ہے تم بھی مغرب تمہیں بھی مغلوب ہو گے۔ (یہ گیدڑ بھکیاں اور دھمکیاں کچھ کام نہ آئیں گی) دنیا میں مغلوب و مقتول ہو گے اور آخرت میں بھی دوزخ میں جمع کروئے جائے دوزخ بہت بُرا بچھوٹا ہے وہاں کی جو آگ ہے اُسی پر پڑے رہو گے اور جلتے رہو گے۔

یہودیوں کی ڈھشٹائی..... یہودیوں نے بہت بڑی بھکی دی لیکن بالآخر مغلوب ہوئے بنی قریظہ مقتول ہوئے اور بنی نضیر کو خیر کی طرف جلا وطن کر دیا گیا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد وہاں بھی اُن پر مسلمان حملہ آور ہوئے اور اُن کے قلعے فتح ہوئے اور اُن سے یہ معاہدہ ہوا کہ کھیتی باڑی کرتے رہیں اور کھجور کے باغوں میں کام کریں اور جو پیداوار: اس کا مخصوص حصہ مسلمانوں کو دیا کریں۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اُن کو خیر سے بھی نکال دیا گیا۔ یہ دنیا میں اُن کی مغلوبیت ہوئی اور آخرت میں تو ہر کافر کے لئے جہنم ہے ہی۔

غزوہ بدر کا منظر..... یہودیوں کو اللہ رب العزت نے توجہ دلائی اور فرمایا کہ تمہارے لئے عبرت ہے اور اس بات کی نشانی ہے کہ مسلمان کافروں پر غالب رہیں گے اور یہ عبرت بدر کے معرکے سے تم کو لے لینی چاہیے۔

بد میں دو جماعتیں مقابل ہوئیں ایک جماعت مسلمانوں کی تھی جو اللہ کی راہ میں جنگ کر رہے تھے اور دوسری جماعت کافروں کی تھی یہ قریش مکہ تھے مسلمان تعداد میں تھوڑے سے تھے ان کی تعداد ۳۱۳ تھی جن میں ۷۷ مہاجرین اور ۲۳۶ انصاری تھے ان کے پاس ستر اونٹ تھے ہر تین آدمیوں کو ایک اونٹ دیا گیا تھا جو اترتے چڑھتے نمبر وار سفر کرتے تھے دو گھوڑے تھے اور چھ زرہیں تھیں اور آٹھ تلواریں تھیں۔ مدینہ منورہ سے بدر کا سفر تھا جو سو میل ہے پہاڑی راستہ تھا اس کو گزار کر بدر میں پہنچے۔

مشرکین مکہ کی تعداد مسلمانوں سے تین گنا تھی اُن میں ۹۰۰ لڑنے والے تھے اور عورتیں ان کے علاوہ تھیں یہ لوگ بڑے طمّراق سے گاتے بجاتے ہوئے کھانے پینے کا بہت زیادہ سامان لے کر بدر پہنچے۔ ان کے ساتھ سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تھے جب جہاد ہوا تو مشرکین مکہ میں سے ستر آدمی مقتول ہوئے اور ستر افراد کو قید کر کے مدینہ منورہ لایا گیا اور مسلمانوں میں سے چھ مہاجرین اور آٹھ انصاری شہید ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی کئی طرح مدد فرمائی۔ ایک صورت مسلمانوں کی مدد اور تائید کی یہ ہوئی کہ مشرکین مکہ مسلمانوں کو اپنے سے دو گنا دیکھ رہے تھے (یہ اُس صورت میں ہے جب جہاد میں کی ضرورت کی طرف راجع ہو) سورۃ انفال میں فرمایا ہے:

وَاِذْ يَرْيَكُمُوهُمْ اِذْ اَلْتَقَيْتُمْ فِىْ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَيَقَلُّكُمْ فِىْ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِىَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا

(اور وہ وقت یاد کرو جب اللہ تمہاری مدد بھیج رہے تھے کہ تمہاری آنکھوں میں اُن کو کم دکھارہا تھا اور تم کو اُن کی آنکھوں میں کم دکھارہا تھا)

دونوں آیات کا مضمون ملانے سے معلوم ہوا کہ جنگ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی آنکھوں میں مسلمانوں کو اُن کی اپنی تعداد سے کم دکھایا تاکہ مشرکین میں جنگ کرنے کی جرأت بڑھ جائے اور زیادہ تعداد دیکھ کر واپس نہ ہو جائیں پھر جب جنگ شروع ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو مسلمانوں کی اصل تعداد سے زیادہ دکھایا (دو دیکھ رہے تھے کہ مسلمان ہم سے دو گنے ہیں) اور مسلمانوں کی آنکھوں میں مشرکین کی تعداد کم دکھائی تاکہ مسلمان خوب زیادہ جرأت سے لڑیں اور مشرکین بزدل ہو جائیں۔ آیت کی تفسیر میں علماء کا یہ ایک قول ہے جسے صاحب معالم التنزیل نے (ص ۲۸۳ ج ۱) نقل کیا ہے۔

صاحب روح المعانی نے بھی (ص ۹۶ ج ۲) میں یہ قول ذکر کیا ہے۔ وقال وكان ذلك عند تدانى الفئتين بعد ان قللهم الله تعالى في اعينهم عند الترائى ليجترءوا عليهم ولا يرهبوا فيهربوا حيث ينفع الهرب۔ (فرمایا اور یہ دونوں لشکروں کے قریب ہونے کے وقت ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے اس کے بعد ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مسلمانوں کی نظروں میں قلیل دکھلایا تاکہ مسلمان کافروں پر بہادر ہو جائیں اور پیٹھ نہ پھیریں اور کافر بھاگ کھڑے ہوں۔ جس وقت کہ ان کا بھاگنا مسلمانوں کے لئے مفید ہو)

اِذْ اَلْتَقَيْتُمُوهُمْ کو سامنے رکھ کر یوں کہا جائے گا کہ جب ابتدائی مقابلہ کے لئے فریقین آمنے سامنے آئے تو مشرکین مسلمانوں کو اپنے سے دو گنا دیکھ رہے تھے اور جب بالکل ہی مدد بھیج رہے تھے تو وہ مسلمانوں کو کم دیکھ رہے تھے اور مسلمان اُن کو کم دیکھ رہے تھے لفظ تدانى اور ترائى جو صاحب روح المعانی اپنی عبارت میں لائے ہیں اُس سے یہ معنی مفہوم ہوتا ہے۔ صاحب روح المعانی نے بعض علماء سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ يَرَوْنِىْ ضَمِيرٌ مَّرْفُوعٌ سے مؤمنین مراد ہیں اور ضمير منصوب کافروں کی طرف راجع ہو۔ اس صورت میں ترجمہ یوں ہو گا کہ مؤمنین کافروں کو اپنے سے دو گنا دیکھ رہے تھے حالانکہ وہ اُن سے تین گنا تھے اور اُن کو دو گنا اسلئے دکھایا کہ انہیں اپنی فتح کا اطمینان رہے کیونکہ اِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِّنَ صَابِرَةٍ يَغْلِبُوا مَا تَتَمَنَّيْنَ میں اللہ تعالیٰ کا ان سے وعدہ تھا کہ اپنے سے دو گنوں پر غالب ہوں گے۔

علامہ صاوی نے فرمایا ہے کہ فاعل اور مفعول کے ضمیروں کے احتمالات کو دیکھتے ہوئے معنوی اعتبار سے چار صورتیں بنتی ہیں یعنی

(۱) بشاہد المؤمنون الکفار قدر انفسہم مرتبین (مؤمنین کفار کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے)

(۲) بری المؤمنون الکفار قدر الکفار مرتبین محنة لهم۔ (مؤمنین کفار کو ان کی تعداد سے دوگنا دیکھ رہے تھے اور ایسا مؤمنین کی آزمائش کیلئے تھا)

(۳) بری الکفار المؤمنین قدرہم مرتبین۔ (کفار مؤمنین کو ان کی تعداد سے دوگنا دیکھ رہے تھے)

(۴) بری الکفار المؤمنین قدر المؤمنین مرتبین۔ (کفار مؤمنین کو ان کی تعداد سے دوگنا دیکھ رہے تھے)

یہ سب احتمال ہو سکتے ہیں لیکن دوسرا احتمال بعید معلوم ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بمرادہ پھر فرمایا وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَن يَّشَاءُ کہ اللہ تعالیٰ اپنی مدد کے ساتھ جس کی چاہے تقویت فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے ۳۱۳ بے سرو سامان جماعت کو ہزاروں افراد کے لشکر پر غالب فرمایا جبکہ اس مغلوب ہونے والے لشکر کے پاس خوب زیادہ ہتھیار تھے۔ سب لڑنے والے مسلح تھے اور کھانے پینے کا سامان بھی خوب تھا اور ہر طرح کی آسائش تھی۔ یہودیوں نے اس بھرپور مدد کو نہ دیکھا اور عبرت حاصل نہ کی۔ بلکہ اُن اثر لیا اور کہنے لگے کہ وہ تو اناری اوگ تھے جو جنگ میں ہار گئے۔ ہم سے پالا پڑا تو پتہ چلے گا کہ لڑنے والے کیسے ہوتے ہیں۔

اور حقیقت جب ظاہری باطنی بینائی کو کام میں نہ لایا جائے اور قصد ا کوئی شخص اندھا بنے تو وہ ہلاک ہی ہو کر رہتا ہے اسی کو فرمایا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولٰٓئِی الْاَبْصَارِ کہ بدر کے واقعہ میں بصارت اور بصیرت رکھنے والوں کے لئے بہت بڑی عبرت ہے، اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ یہودی قصد ا اندھے بنے ہوئے ہیں بصیرت سے کام نہیں لیتے عقل اور سمجھ کو کام میں لاتے تو مشرکین مکہ کی شکست دیکھ کر جو سرور عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا فخر تھا اسلام قبول کر لیتے۔

زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالبَنِیْنَ وَالقَنَاطِیْرِ الْمَقْنَطَرَةِ مِنْ

خوش نما بنا دی گئی ہے لوگوں کے لئے خواہشوں کی محبت یعنی عورتیں اور بیٹے اور بڑے بھاری مال

الذَّهَبِ وَالْفِصَّةِ وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَیٰوَةِ

سونے کے اور چاندی کے، اور نشان لگائے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتیاں، یہ دنیا والی زندگی

الدُّنْیَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَہٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۴۰﴾

کا فائدہ اٹھاتا ہے اور اللہ کے پاس ہے اچھا ٹھکانہ۔

لوگوں کے لئے دنیاوی مرغوبات مزین کر دی گئی ہیں

اس آیت کریمہ میں اجمالی طور پر انسانوں کی مرغوب چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ چیزیں چونکہ انسان کو مرغوب اور محبوب ہیں اور ایمان قبول کرنے کی صورت میں بظاہر ان چیزوں کا ضائع ہونا نظر آتا ہے اس لئے عموماً اہل کفر ایمان قبول نہیں کرتے۔ یہودیوں کے سامنے بھی یہی چیزیں تھیں جو ایمان سے مانع تھیں یہ انسان کی بیوقوفی ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اللہ کے دین پر چلوں گا تو نعمتیں چھین جائیں گی۔

حالانکہ ایمان کی وجہ سے نعمتیں زیادہ ملتی ہیں یہ بات اور ہے کہ کچھ دن کے لئے بطور امتحان کچھ تکلیف پہنچ جائے۔

خود آتش کی چیزیں جو انسان کو مرغوب ہیں وہ بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں ان چیزوں میں عورتیں بھی ہیں بیٹے بھی، اور ہماری اقداد میں اہل و آل بھی ہیں۔ (یہ اموال سونے چاندی کی صورت میں ہیں) اور ان میں نشان لگائے ہوئے گھوڑے بھی ہیں اور مویشی بھی اور کھیتیاں بھی۔ ان چیزوں سے انسان خوش ہوتے ہیں اور جس کے پاس یہ چیزیں ہوں اُس کو دنیاوی اعتبار سے بڑا آدمی سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ چیزیں چند روزہ ہیں دنیاوی زندگی میں ان سے تھوڑا سا فائدہ اٹھالیا جاتا ہے اور آخرت میں تو صرف ایمان اور اعمالِ صالحہ ہی کام آئیں گے اسی کو فرمایا ذلک مَنَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ انسان کو چاہیے کہ اپنی آخرت کی فکر کرے ایمان اور اعمالِ صالحہ سے آراستہ ہوتا کہ دیر آخرت میں اچھا ٹھکانہ نصیب ہو۔

الْقَنَاطِیْرُ..... یہ قنطار کی جمع ہے عربی میں قنطار مال کثیر کو کہتے ہیں پھر اس کو المقطرہ سے موصوف فرمادیا۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ خوب بڑے بڑے مال۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے اہل عرب کہتے ہیں بطلٌ ظَلِیْلٌ اور لَبْلٌ اَلْبَلُّ۔ مبالغہ کے معنی ظاہر کرنے کے لئے القناطر المفسطرة فرمایا۔ بعض روایات حدیث میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قنطار کا معنی پوچھا گیا تو آپ نے بارہ ہزار اوقیہ بتایا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم چاندی کا ہوتا تھا (ایک درہم ۳ ماش ایک رقی اور ۵ ارقی کا) دورِ حاضر کے اعتبار سے القناطر المفسطرة کا معنی نوٹوں کے گندے کہا جاسکتا ہے۔

الْخَبْلِ الْمُسَوَّمَةِ..... (نشان زدہ گھوڑے) اہل عرب گھوڑے پر کچھ نشان لگالیا کرتے تھے اس لئے مُسَوَّمَةٌ فرمایا۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ یہ لفظ تسویم سے لیا گیا ہے جس کا معنی ہے جانوروں کو چراگاہ میں چرنے کے لئے چھوڑ دینا اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ ایسے گھوڑے جو چراگاہوں میں چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ اور حضرت مجاہد نے الْمُسَوَّمَةُ کا معنی المطہمة الحسان کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے گھوڑے جو جسمانی اعتبار سے خوب اچھی طرح صحیح اور تندرست ہوں اور خوبصورت ہوں۔ وَالْأَنْعَامُ وَالْحَرْثُ..... پھر مویشیوں کا ذکر فرمایا اور اُن کو لفظ "الانعام" سے تعبیر کیا۔ مطلب یہ ہے کہ اونٹ، گائے، بکری وغیرہ بھی لوگوں کو مرغوب ہیں جس کے پاس یہ چیزیں زیادہ ہوتی ہیں عام طور سے اُسے گاؤں کا بڑا اور چودھری مانا جاتا ہے جب صبح کو مویشی چرنے کے لئے جاتے ہیں اور شام کو آتے ہیں اس وقت چودھری صاحب کے نشتر کا کیا پوچھنا، اپنے جانوروں کو دیکھ دیکھ کر پوری طرح مست ہو جاتا ہے اور اپنے سامنے کسی کو نہیں سمجھتا۔ سورہ نحل میں فرمایا۔ وَلَكُمْ فِيْهَا خِمَالٌ حِیْنٌ تَرْبَحُوْنَ وَحِیْنٌ تَنْسِرُ خُوْنٌ ۝ آخر میں کھیتوں کا ذکر فرمایا، کھیتوں اور کھیتوں والے بھی اپنی فصل کو دیکھ دیکھ کر مست ہوتے ہیں اور خوشی میں پھولے نہیں ساتے اہل دنیا اپنی دنیا میں خوش ہیں اور اہل آخرت اپنی آخرت کی طرف متوجہ ہیں، اہل دنیا کو آئندہ آیت میں آخرت کی نعمتوں کی طرف متوجہ فرمایا چنانچہ ارشاد ہے۔

قُلْ اَوْنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۖ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّتْ تَجْرٰی مِّنْ

آپ فرمادیتے کیا میں تم کو اس سے بہتر بتاؤں؟ جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ان کے لئے اُن کے رب کے پاس بارش ہیں جن کے نیچے نہریں

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بِصِيْرٍ

جاری ہیں اُن میں ہمیشہ رہیں گے اور نہریاں ہیں پاکیزہ اور رضامندی ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ بندوں کو دیکھنے

بِالْعِبَادِ ۝ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

والا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب بلاشبہ ہم ایمان لائے ابتدا بخش دے ہمارے گناہوں کو اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا دے۔

الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ وَالْقَنِتَّةِينَ وَالْمُتَّقِينَ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالسَّحَارِ ۝

یا لوگ صبر کرنے والے ہیں، اور سچے ہیں، اور حکم ماننے والے ہیں، اور فرج کرنے والے ہیں، اور راتوں کے چھپتے دموں میں مغفرت طلب کرنے والے ہیں۔

اہل تقویٰ کا آخرت میں انعام

لوگوں کی دنیاوی مرغوبات ذکر فرمانے کے بعد اس آیت میں آخرت کی نعمتوں کو ذکر فرمایا اور بتا دیا کہ ان دنیاوی چیزوں سے بہتر وہ چیزیں ہیں جو آخرت میں نصیب آئیں گی لیکن وہ ہر شخص کو نہیں ملیں گی وہ اہل تقویٰ کو نصیب دیں گی۔ سب سے بڑا تقویٰ تو یہ ہے کہ انسان کفر اور شرک سے بچے اور ایمان قبول کرے ایمان کے بغیر کوئی عمل صالح معتبر ہی نہیں اور اس کے بعد تقویٰ کے درجات ہیں، اکبرہ گناہوں سے بچنا یہ بھی تقویٰ ہے، صغیرہ گناہوں سے بچنا بھی تقویٰ ہے، مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی سے بچنا بھی تقویٰ ہے اور مشتبہات سے بچنا بھی تقویٰ ہے۔ متقی بندوں سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کے رب کے پاس انہیں ایسے باغ ملیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ مزید برآں یہ کہ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ بیویاں بھی ملیں گی (پاکیزہ کا مطلب سورہ بقرہ کے رکوع ۳ کی تفسیر میں دیکھ لیجئے)۔

رضائے الہی..... اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے ان سب سے اپنی رضامندی کا اعلان فرما دیا۔ درحقیقت اللہ کی رضا ہر نعمت سے بڑھ کر ہے اور سب سے بڑی چیز ہے۔ سورہ توبہ میں فرمایا: وَرَضَوْنَ مِنَ اللّٰهِ الْخَيْرَ اور جگہ جگہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ کا اعلان فرمایا ہے ایک غلام کی اس سے بڑھ کر کیا سعادت اور نیک نیتی ہوگی کہ اس کا آقا اس سے راضی ہو۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جنت والوں سے فرمائیں گے کہ اے جنت والو! وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں اور تمیل ارشاد! کے لئے موجود ہیں اور پوری خیر آپ ہی کے قبضہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا تم راضی ہو؟ وہ عرض کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کیسے راضی نہ ہوں گے۔ آپ نے ہم کو وہ کچھ عطا فرمایا ہے جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں دیا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا میں تم کو اس سے افضل چیز عطا کر دوں؟ وہ عرض کریں گے اے پروردگار! اس سے افضل اور کیا چیز ہوگی؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ میں تم پر اپنی رضامندی نازل کرتا ہوں۔ اب اس کے بعد کبھی بھی تم سے ناراض نہ ہوں گا۔ (بخاری، مسلم) اہل تقویٰ کو ان کے رب کے پاس جو نعمتیں ملیں گی جن میں سب سے بڑی نعمت اللہ کی رضا ہے ان کے ذکر فرمانے کے بعد ان حضرات کی دعا کا تذکرہ فرمایا اور ان کی چند صفات ذکر فرمائیں کہ وہ لوگ یوں دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے لہذا آپ ہمارے گناہوں کو بخش دیجئے اور ہمیں عذاب دوزخ سے بچائیے۔ پھر ان کی صفات کا تذکرہ فرمایا اور صفت صبر کو مقدم کیا اور فرمایا:

الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ وَالْقَنِتَّةِينَ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالسَّحَارِ ۝

الصَّابِرِينَ..... (صبر کرنے والے) اس صفت کو مقدم فرمایا کیونکہ صفت صبر ہی ایسی چیز ہے جس کا تمام نیکیوں میں دخل ہے جیسا کہ آیت کریمہ: وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ کی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ صبر کی تین قسمیں ہیں۔ اول نیکیوں پر ہمار ہنا، دوسرے

گناہوں کے چھوڑنے پر نفس کو لگائے رہنا اور گناہوں کے تقاضوں کو بانا، تیسرے تکلیفوں پر صبر کرنا۔ مومن بندہ کی زندگی میں ہر موقع پر اور ہر عبادت میں مالی، دینی یا بدنی اس صفت کی ضرورت پڑتی ہے پھر فرمایا۔

وَالصَّادِقِينَ..... (سچے لوگ) سچائی بہت بڑی صفت ہے۔ ایمان میں سچائی، دین انسان منافق نہیں ہوتا۔ اقوال میں سچائی ہو تو انسان جھوٹ نہیں بولتا اعمال میں سچائی، دین اعمال کو اچھی طرح انجام دیتا ہے اور نیت میں سچائی ہو تو سب اعمال درست ہوتے ہیں۔

سورہ زمر میں فرمایا وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (اور جو شخص سچ لے کر آیا اور سچ کی تصدیق کی یہ لوگ تقویٰ والے ہیں)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم سچ کو لازم پکڑو کیونکہ سچ نیکی کی راہ بتاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے، اور انسان برابر سچ کو اختیار کرتا ہے اور اہتمام سے فکر کر کے سچ کو اختیار کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک صدیق (بہت زیادہ سچا) لکھ دیا جاتا ہے۔ اور تم لوگ جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ گنہگار کی راہ بتاتا ہے اور گنہگاری و دوزخ کی طرف لے جاتی ہے اور انسان برابر جھوٹ اختیار کرتا ہے اور وحیاً کر کے سوچ سوچ کر جھوٹ کو اختیار کرتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کذاب (بہت زیادہ جھوٹا) لکھ دیا جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

وَالْقَانِئِينَ..... (فرمانبرواری کرنے والے) یہ لفظ قنوت سے لیا گیا۔ قنوت کے متعدد معنی ہیں اُن میں سے ایک معنی طاعت اور فرمانبرواری کرنے کے ہیں اس کے عموم میں ہر طرح کی فرمانبرداری اور تمام عبادات اور ترک منکرات داخل ہے۔

وَالْمُتَّقِينَ..... پھر فرمایا وَالْمُتَّقِينَ (خرچ کرنے والے) اس میں مال خرچ کرنے کی فضیلت ذکر فرمائی، یعنی تقویٰ اختیار کرنے والے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خرچ کرنے والے ہیں، خرچ کرنے کا تعلق الماداری سے نہیں ہے آخرت میں ثواب ملنے کے جذبات سے ہے۔ جن کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی عادت نہیں ہوتی مال کثیر دوتے ہوئے بھی خرچ نہیں کرتے اور جن کے پیش نظر آخرت کا ثواب ہوتا ہے وہ تھوڑا مال ہوتے ہوئے بھی اللہ فی اللہ خرچ کر دیتے ہیں۔

وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ..... پھر فرمایا وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ (اور پچھلی راتوں میں گناہوں کی مغفرت طلب کرنے والے ہیں) یہ بھی اہل تقویٰ کی خاص صفت ہے۔ حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ قیام اللیل (نماز تہجد) کو لازم پکڑ لو کیونکہ تم سے پہلے جو صالحین تھے یہ اُن کا طریقہ رہا ہے اور یہ تمہارے رب کی نزدیکی کا سبب ہے اور گناہوں کا کفارہ کرنے والی ہے اور گناہوں سے روکنے والی ہے۔ (ترمذی) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کون ہے جو مجھ سے دعا کرے میں اس کی دعا کو قبول کروں کون ہے جو مجھ سے سوال کرے میں اسے عطا کروں۔ کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے میں اس کی مغفرت کروں۔ (صحیح بخاری ۱۵۳، ج ۱)

رات کو اُٹھنے کی فضیلت..... حضرت عمرو بن عبیدؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب آخری رات کے حصے میں ہوتا ہے۔ سو اگر تجھ سے ہو سکے تو اُن لوگوں میں سے ہو جا جو اس وقت اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ (رواہ الترمذی)

قرآن مجید میں متعدد سورتوں میں راتوں کو اُٹھنے اور پچھلے پھر نمازوں اور عبادتوں میں مشغول ہونے کی فضیلت اور ترغیب مذکور ہے۔ سورہ ذاریات میں فرمایا الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَ عُيُونٍ. اِخِذُوا مِن مَّا آتَاهُم رَّبُّهُمْ ط اِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِينَ ط كَانُوا

قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ. وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ (بے شک جو لوگ تقویٰ اختیار کرنے والے ہیں وہ باغوں اور چشموں میں ہوں گے اُن کے رب نے جو انہیں عطا فرمایا اس کے لینے والے ہوں گے۔ بلاشبہ یہ لوگ اس سے پہلے اچھے کام کرنے والے تھے رات کو کم سوتے تھے اور راتوں کے پچھلے حصوں میں استغفار کرتے تھے)۔

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُوا الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا

اللہ نے گواہی دی کہ بلاشبہ کوئی معبود نہیں اس کے سوا، اور فرشتوں نے اور اہل علم نے، وہ انصاف کے ساتھ قائم ہے، کوئی معبود نہیں

هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۚ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوْتُوا الْكِتَابَ

مگر وہی، وہ غالب والا ہے۔ بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے اور نہیں اختلاف کیا اُن لوگوں نے جن کو کتاب دی گئی

إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ وَمَن يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ

مگر اس کے بعد کہ اُن کے پاس علم آ گیا محض آپس میں ضد ضدی کی وجہ سے، اور جو شخص اللہ کی آیات کا انکار کرے سو اللہ جلد

سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ فَإِن حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۚ

حساب لینے والا ہے۔ سو اگر وہ آپ سے محبت بازی کریں تو آپ فرما دیجئے کہ میں نے اپنا ذات کو اللہ کی فرمانبرداری میں لگا دیا اور ان لوگوں نے

وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوْتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ ءَأَسْلَمْتُمْ فَإِن أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ

بھی جنہوں نے میرا اتباع کیا، اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی آپ اُن سے اور اُن پر محلوں سے کہہ دیجئے کیا تم اللہ کے فرمانبردار ہو؟ پس اگر وہ فرمانبردار ہو جائیں تو انہوں نے

وَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ ۚ وَاللَّهُ بِصِيرٍ بِالْعِبَادِ ۝

ہدایت پالی، اور اگر وہ روگردانی کریں تو آپ کے ذمہ پس پہنچا دینا ہے اور اللہ بندوں کو دیکھنے والا ہے۔

توحید پر گواہی

روح المعانی ص ۱۰۴ ج ۳ اور عالم التزئیل ص ۲۸۵ ج ۱ میں بکلی سے نقل کیا ہے کہ شام کے علماء یہود میں سے دو عالم مدینہ منورہ آئے انہوں نے مدینہ کو دیکھا اُن میں سے ایک دوسرے سے کہنے لگا کہ یہ شہر تو ہو ہیو وہی معلوم ہوتا ہے جس کے بارے میں ہم نے پڑھا ہے کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم اس شہر میں قیام پذیر ہوں گے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو انہیں صفات کے ساتھ پہچان لیا جو انہیں پہلے سے معلوم تھیں انہوں نے دریافت کیا کہ آپ محمد ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! میں محمد (ﷺ) ہوں، پھر سوال کیا کہ آپ احمد ہیں؟ آپ نے فرمایا، ہاں! میں احمد (ﷺ) ہوں۔ کہنے لگے کہ ہم ایک شہادت کے بارے میں آپ سے دریافت کرتے ہیں اگر آپ نے ہم کو بتا دیا تو پھر ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کی تصدیق کریں گے، آپ نے فرمایا تم دونوں سوال کرو، کہنے لگے ہمیں یہ بتائیے کہ اللہ کی کتاب میں سب سے بڑی شہادت کون سی ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت شہدۃ اللہ اَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ (آخر تک) نازل فرمائی۔ اس کو سن کر اُن دونوں نے اسلام قبول کر لیا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی گواہی کا ذکر ہے کہ اُس نے اپنے کو معبودِ لا شریک نہ ہونے کی گواہی دی، اور فرشتوں کی گواہی کا بھی ذکر ہے جو اللہ کے برگزیدہ اور مقرب بندے ہیں ہر طرح کے گناہوں سے معصوم اور محفوظ ہیں۔ ان میں سے بہت سے دربار الہی کے حاضرین بھی ہیں اور تمام فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت بھی حاصل ہے، پھر اہل علم کی گواہی کا ذکر فرمایا کہ ان حضرات نے بھی اللہ کے معبودِ وحدہ لا شریک ہونے کی گواہی دی۔

اہل علم کون ہیں؟..... اہل علم سے حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام اور وہ تمام حضرات مراد ہیں جنہوں نے حضراتِ انبیاء علیہم السلام کا اتباع کیا اور انہیں اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہے دلائل قطعیہ عقلیہ سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اور اُسے اپنی ذات و صفات میں اور معبودِ حقیقی ہونے میں اور وحدہ لا شریک نہ ہونے میں خوب اچھی طرح سے جانا۔

اس سے معلوم ہوا کہ بہت سے لوگ جو اللہ کی مخلوقات کا تجزیہ اور تحلیل کرنے میں مصروف ہیں اور کائنات میں طرح طرح کی ریسرچ کرتے ہیں۔ حیوانات، نباتات، جمادات کے احوال جاننے کے لئے مخفی کر رہے ہیں۔ ان میں اہل علم کہنے کے لائق وہی لوگ ہیں جو مخلوق کے ذریعہ خالق کی معرفت حاصل کرنے میں عرصہ خرچ کرتے ہیں اور جو خالقِ جل مجدہ کے منکر ہیں یہ لوگ اہل علم نہیں ہیں۔ بڑی بڑی ریسرچ کرتے ہوئے بھی جہالت میں مبتلا ہیں۔ اسی کو سورہ زمر میں فرمایا: أَفَغَيْرَ اللَّهِ نَعْبُدُ أَيُّهَا الْجَاهِلُونَ (آپ فرما دیجئے کیا اللہ کے سوا کسی کی عبادت کا تم مجھے حکم دیتے ہو اے جاہلو!) مخاطبین کو جاہل فرمایا حالانکہ وہ اس زمانہ کے اعتبار سے فصاحت و بلاغت میں بہت زیادہ آگے بڑھے ہوئے تھے۔

قَائِلًا يَا لِقُسْطٍ..... پھر فرمایا: يَا لِقُسْطٍ کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات کاملہ کے ساتھ عدل کے ساتھ قائم ہے۔ اس کے سب احکام اور فیصلے انصاف کے ساتھ ہیں مخلوق کی جزاء اور سزا کے سب فیصلے جو دنیا میں ہیں اور آخرت میں ہوں گے سب میں انصاف ملحوظ ہے۔ کسی پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں ہے اور نہ ہوگا جو لوگ ظلم اور انصاف کے معانی نہیں سمجھتے وہی اشکال کرتے ہیں۔ اللہ کے احکام اور قضایا میں کوئی ظلم نہیں۔

پھر فرمایا: لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ اس میں بطور تاکید ابتدائی آیت کے مضمون کا اعادہ فرمایا ہے۔ شروع آیت میں توحید بیان فرمائی اور اس آیت میں بھی اور دو صفات کا ذکر فرمایا کہ وہ عزیز ہے یعنی زبردست ہے اور سب پر غالب ہے اور حکمت والا ہے جو کچھ مخلوق میں تصرفات ہوتے ہیں وہ سب اس کی حکمت کے مطابق ہیں۔

اللہ کے نزدیک صرف دین اسلام معتبر ہے..... اس کے بعد فرمایا: إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ اس میں اعلان فرمایا کہ اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی معتبر ہے۔ وہی ذریعہ نجات ہے اگر کسی نے اللہ کو مانا لیکن اللہ کے دین کو نہ مانا جو اس کے نزدیک معتبر ہے تو وہ گمراہ ہے آخرت میں اس کی نجات نہ ہوگی۔ اسی سورت کے (کو ۹) میں فرمایا: وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ (اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی دین کو تلاش کرے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا) اسلام کا لغوی معنی فرمانبرداری ہونے کا ہے جو دین اللہ پاک نے اپنے بندوں کے لئے تجویز فرمایا اس کا نام اسلام رکھا ہے۔ کیونکہ وہ سراپا فرمانبرداری ہی ہے، ہر شخص اپنے خالق و مالک کے سامنے ظاہر سے اور باطن سے جسم سے اور جان سے جھک جائے اور ہر حکم کو مانے اور تعمیل ارشاد کرتا رہے۔

تمام انبیاء کرام علیہم السلام دین اسلام کے داعی تھے ہر نبی کا دین اسلام تھا جو ان پر ایمان لایا وہ مسلم تھا اور جس نے ان کی دعوت کو نہ مانا وہ غیر مسلم تھا کافر تھا حضرت نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا دین بھی اسلام ہے انہوں نے اُسی کی دعوت دی اور اس کی دعوت قیامت

تک ہے، جو شخص اس دین کو مانے گا مسلم ہوگا۔ اللہ کا فرمانبردار ہوگا اور جو اسے نہ مانے گا وہ کافر ہوگا۔

لفظ اسلام کا مادہ سلامتی ہے جو شخص اسلام قبول کرے گا دنیا و آخرت کی آفات اور مصائب اور عذاب اور تکالیف سے محفوظ رہے گا اسے ہر طرح کی سلامتی ملے گی۔ مضمون بالا سورۃ بقرہ کی آیت اِنَّ الْاٰدِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادَوْا وَالنَّصَارَیْ وَالصَّابِیْنَ اور دوسری آیت اِذْ قَالَتْ لَهٗ رُءُوسُهُمْ اَنْسَلِمُوا کے ذیل میں بھی بیان ہو چکا ہے اہل کتاب یہود و نصاریٰ نے جو اختلاف کیا اور داعی اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف راستہ اختیار کیا اُن کا یہ اختلاف جہالت سے نہیں بلکہ یہ جاننے کے بعد ہے کہ یہ داعی اللہ کے رسول ہیں اسلام کی حقانیت کی دلیل پہنچ گئی پھر بھی جسدا ضدی کا مزاج رکھنے کے جذبات نے ان کو حقانیت اسلام کے انکار پر آمادہ کیا۔ انہیں دنیا اور دنیا میں سرداری مطلوب ہے جس کی وجہ سے اللہ کی آیات کے منکر ہو رہے ہیں اور جانتے بوجھتے حق کا انکار کر کے مستحق عذاب بن رہے ہیں اللہ تعالیٰ جلد سب کا حساب لے لے گا اسی کو فرمایا وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاٰیَاتِ اللّٰهِ فَبِاَنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ پھر فرمایا فَاَنْ اَنْجُوْا لَوْ اَنْجُوْا لَفُتِلَ وَاَنْجُوْا لِلّٰهِ وَمَنْ اَتْبَعَ ط (پس اگر وہ آپ سے حجت بازی کریں تو آپ فرمادیں کہ میں نے اپنی ذات کو اللہ کے لئے جھکا دیا اور ان لوگوں نے بھی جنہوں نے میرا اتباع کیا) تم نہیں مانتے تم جانو نہ ماننے کی سزا جہنم تو اللہ کے ہو گئے اس کی فرمانبرداری ہمارا شعار ہے۔ پھر فرمایا وَقُلْ لِلَّذِیْنَ اٰوْتُوْا الْكِتٰبَ وَالْاٰمِنِیْنَ ؕ اَسْلَمْتُمْ یعنی آپ ان لوگوں سے فرمادیں جن کو کتاب دی گئی (یعنی یہود و نصاریٰ) اور مشرکین عرب سے بھی فرمادیں جو آمی یعنی اُن پر وہ ہیں کہ بولو تم نے اسلام قبول کیا۔ یعنی اُن کو دعوت دے دو۔

فَاَنْ اَسْلَمْتُمْ اَفَقَدْ اَخْفَدُوْا اگر اسلام قبول کر لیں تو ہدایت والے ہو جائیں گے وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ اور اگر وہ آپ کی دعوت سے اعراض کریں اور روگردانی کریں تو آپ کو اس سے کوئی ضرر نہ ہوگا کیونکہ آپ کا کام صرف پہنچا دینا ہے۔ منوانا آپ کے ذمہ نہیں، آخر میں فرمایا واللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے، وہ مسلم کو بھی جانتا ہے اور کافر کو بھی۔ داعی حق کا بھی اُسے علم ہے اور حق قبول کرنے والے کا بھی۔ وہ ہر ایک کو اسکی جزا دے دے گا۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ میری حرکتوں کی میرے خالق کو خبر نہیں ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاٰیَاتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیْنَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۚ وَیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ

بے شک جو لوگ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور ناحق نبیوں کو قتل کرتے رہے ہیں اور ان لوگوں کو قتل کرتے

یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۚ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ

ہیں جو انصاف کا حکم دیتے ہیں سو اُن کو آپ دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجئے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال

فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَّاصِرِیْنَ ۝

دنیا و آخرت میں ضائع ہو گئے اور اُن کی کوئی مدد کرنے والا نہ ہوگا۔

کافروں کے لئے عذاب کی وعید

اس آیت شریفہ میں وعید ہے تمام کافروں کے لئے جو اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں جن میں یہود و نصاریٰ بھی داخل ہیں، اور خاص کر یہودیوں کا ذکر فرمایا کہ وہ نبیوں کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں۔ جن یہودیوں نے حضرات انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا وہ قاتل تھے ہی اور

جو یہودی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے وہ بھی چونکہ اپنے اسلاف کی جو کتبوں سے بیزار نہیں تھے اس لئے ان کی طرف بھی قتل کا اسناد کیا گیا۔ نیز ان لوگوں کا بھی ذکر فرمایا جو ایسے حضرات کو قتل کرتے رہے جو انصاف کا حکم کرتے تھے۔ جن لوگوں نے حضرات انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا ان سے کوئی بعید نہیں کہ ان کے مقتولین کو قتل کریں جو امرا، معروف اور نبی عن الہکملہ کہتے ہیں، اس دور میں بھی لوگ اہل حق اور اہل عدل کے قتل کے پیچھے پڑتے رہتے ہیں۔ ان سب لوگوں کے بارے میں فرمایا فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابِ الِیْسَمِ ط کہ ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سناؤ، خوشخبری تو آرام راحت اور نعمت کی ہوتی ہے لیکن عذاب الیم کے ساتھ جو بشارت فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے لوگ اپنی حرکتوں کو ذریعہ عذاب سمجھنے کے بجائے اچھی چیز سمجھتے تھے اور مغفرت اور نجات آخرت کی امید رکھتے تھے لہذا ان کو عذاب الیم کی خوشخبری دی گئی۔ صاحب روح المعانی ص ۱۰۹ ج ۳ نے ابن جریر اور ابن ابی حاتم کے حوالہ سے ابو عبیدہ بن جراحؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! سب سے زیادہ سخت عذاب قیامت کے دن کن لوگوں کو ہوگا؟ آپ نے فرمایا وہ شخص سب سے زیادہ عذاب میں ہوگا جس نے کسی نبی کو قتل کیا کسی ایسے شخص کو قتل کیا جو امرا، معروف اور نبی عن الہکملہ کہتا ہو۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت بالا تلاوت فرمائی۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اے ابو عبیدہ بنی اسرائیل نے ایک ہی وقت میں صبح ۴۳ نبیوں کو قتل کیا ان کو منع کرنے کے لئے ایک سوستر افرا کھڑے ہو گئے جو بنی اسرائیل کے عبادت گزاروں میں سے تھے انہوں نے ان قاتلین کو اچھے کاموں کا حکم دیا اور بری باتوں سے روکا تو ان کے آخر حصہ میں وہ سب بھی قتل کر دیئے گئے، آیت بالا میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر فرمایا ہے۔

کافروں کے اعمال کا کثرت ہیں..... پھر فرمایا لَا تُغْنِیْکَ الدِّیْنَارُ حَبِطَتْ اَعْمَالُہُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَہُمْ مِنْ نَّاصِرٍ ۝ کہ ان لوگوں کے سارے اعمال دنیا و آخرت میں اکارت چلے گئے دنیا میں ان کے جان و مال محفوظ نہ رہے اور کسی طرح کی مدد اور تعریف کے مستحق نہ ہوئے اور آخرت میں بھی ان کے اعمال نے کچھ کام نہ دیا۔ کیونکہ ان اعمال کا کوئی ثواب نہ ملا اور ان کے اعمال عذاب دفع کرنے کا ذریعہ نہ بن سکے، آخرت میں ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا جو کسی طرح کی مدد یا سفارش کر سکے۔ جو اعمال برے ہوں ان پر تو ثواب ملنے کا کوئی سوال ہی نہیں جو اعمال نیکی کے نام سے کہے ہوں ان کے جھٹ ہونے کا تذکرہ فرمایا، کافر کی کوئی نیکی آخرت میں فائدہ نہیں دے سکتی۔ (من روح المعانی)

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اَوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ یَدْعُوْنَ اِلٰی کِتٰبِ اللّٰهِ لِحُکْمِ بَیْنِہُمْ شَمَّ یَتَوَلٰۤی

۱۔ غالب کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا۔ انہیں اللہ کی کتاب کی طرف بلا دیا جاتا ہے تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کرے پھر ان میں

اَلْرِیْقِ ۚ بَیْنِہُمْ وَہُمْ مُعْرِضُوْنَ ۝ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَیَّامًا

سے ایک فریق اعراض کرتے ہوئے نہ پھیر لیتا ہے۔ یہ ان لئے کہ انہوں نے کہا کہ ہرگز ہمیں آگ نہ چھوئے گی مگر چند گنے چنے

مَعْدُوْدٰتٍ ۚ وَغَرَّہُمْ فِیْ دِیْنِہِم مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ۝ فَکَیْفَ اِذَا جَمَعْنٰہُمْ

دنوں میں، اور ان کو جمعہ کے میں ڈال دیا ان کے دین کے بارے میں اس چیز نے جس کو وہ افتراء کرتے تھے۔ پس کیا حال ہوگا جب ہم ان کو جمع

لِیَوْمٍ لَا رَیْبَ فِیْہِ ۚ وَوُفِّیْتُ کُلَّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَہُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۝

کریں گے اس دن جس میں کوئی شک نہیں، اور ہر جان کو اس نفل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کیا اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

یہودیوں کا اللہ کی کتاب سے اعراض کرنا اور خوش فہمی میں مبتلا ہونا

روح المعانی ص ۱۱۰ ج ۳ میں ابن اسحق سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المدراس میں تشریف لے گئے۔ (جو یہودیوں کی مذہبی اور تعلیمی جگہ تھی) وہاں یہودی جمع تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی دعوت دی۔ اُن لوگوں میں نعمان بن عمرو اور حارث بن زید و آدمی تھے انہوں نے کہا کہ اے محمد! آپ کس دین پر ہیں آپ نے فرمایا میں ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر ہوں۔ انہوں نے کہا کہ ابراہیم تو یہودی تھے آپ نے فرمایا کہ تو ریت لے آؤ وہ ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گی وہ توحید لائے پر راضی نہ ہوئے اور اس کا فیصلہ ماننے سے انکار کر بیٹھے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی جس میں یہ بتایا کہ اُن کو اللہ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کر لیں لیکن اُن میں سے ایک فریق (جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا) اللہ کی کتاب کو ماننے سے اعراض کرتا ہے اور حق قبول کرنے سے روگردانی کرتا ہے۔

یہودیوں کے خیالات اور آرزوئیں..... پھر ارشاد فرمایا کہ اُن لوگوں کا یہ طریقہ کار (حق سے منہ پھیرنا اور اللہ کی کتاب سے اعراض کرنا) اس لئے ہے کہ خود تراشیدہ خیالات کی دنیا میں پھنسے ہوئے ہیں انہوں نے اپنے دلوں میں یہ سوچ رکھا ہے کہ بس جی ہم دوزخ میں صرف چند دن کے لئے جائیں گے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ ان چند دنوں سے وہ چند دن مراد لیتے تھے جو اُن کے آباء و اجداد نے چھڑے کی عبادت کی تھی، یہ کتنی بڑی حماقت ہے اپنے عقیدہ کے مطابق چند دن کو دوزخ میں جانے کے لئے تیار ہیں جس کے عذاب کی ایک منٹ کی بھی سہا نہیں اور حق ماننے اور اسلام قبول کرنے کے لئے تیار نہیں، جو جھوٹی باتیں انہوں نے تراش رکھی تھیں اور جن جھوٹے خیالات میں مبتلا تھے ان چیزوں نے اُن کو دھوکے میں ڈالا اور خام خیالیوں کی وجہ سے مستحق عذاب ہوئے وَغَرَّهُمْ فِی دِیْنِهِمْ مَا كَانُوا يَفْتَوُونَ ۝ ان کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی ایسی سند نہیں جس میں اس کا وعدہ ہو کہ چند دن کے بعد وہ دوزخ سے نکل آئیں گے انہیں معلوم ہے کہ دین حق کا انکار کفر ہے اور کفر کا عذاب دائمی ہے۔ پھر بھی وہ ایمان و خیالات اور افتراءات کی دنیا میں مستغرق ہیں اُن کی خوش فہمیوں میں یہ بھی تھا کہ ہم انبیاء کرام کی اولاد ہیں وہ ہمیں بخشوا لیں گے، یہ بھی کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام سے وعدہ فرمایا ہے کہ اُن کے بیٹوں کو عذاب نہیں دے گا۔ بس اتنا ہوگا کہ دوزخ سے عبور کریں گے اور یہ بھی کہتے تھے کہ نَحْنُ اَبْنَاءُ اللّٰهِ وَاجِبَاءُ ۝ کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اسی کے محبوب ہیں۔ یہ سب خام خیالیاں اُن کو لے ڈوئیں۔ (من روح المعانی ص ۱۱۱ ج ۳)

قُلِ اللّٰهُمَّ مَلِكُ الْمَلِكِ تُؤْتِي الْمَلِكَ مَن تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمَلِكَ مِمَّن تَشَاءُ وَتُعْزِزُ مَنْ

آپ یوں کہئے کہ اللہ جو ملک کا مالک ہے تو ملک دیتا ہے جس کو چاہے اور ملک چھین لیتا ہے جس سے چاہے اور تو عزت دیتا ہے

تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَاءُ ۚ بِيَدِكَ الْغَيْبُ ۚ اِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۚ تُؤَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ

جس کو چاہے اور ذلت دیتا ہے جس کو چاہے، تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائی ہے، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو داخل کرتا ہے رات

وَتُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ ۚ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۚ وَتَرْمِزُ

کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں، اور تو نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے

مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

اور جو جس کو چاہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے

معالم التنزیل ص ۲۷۹ ج ۱ میں حضرت ابن عباس و حضرت انس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح فرمایا تو آپ نے اپنی اُمت کو فارس اور روم کے فتح ہونے کی خوشخبری دی یہ سن کر منافقوں اور یہودیوں نے کہا آجی انہیں فارس اور روم کیسے مل جائیں گے؟ وہ تو بڑے غلبہ والے اور قوت والے لوگ ہیں کیا محمد (ﷺ) کو یہ کافی نہیں کہ مکہ اور مدینہ مل گئے۔ اُسی پر بس نہیں کرتے جو آگے بڑھ کر ملک فارس اور ملک روم کے بارے میں بھی لالچ کر رہے ہیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالانزال فرمائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یوں دُعا کریں کہ اے اللہ! آپ ملک کے مالک ہیں آپ جسے چاہیں ملک دیں اور جس سے چاہیں ملک چھین لیں اور جسے چاہیں عزت دیں اور جسے چاہیں ذلت دیں، اس میں دُعا بھی ہے اور منافقین اور یہودیوں پر تعریض بھی ہے کہ اللہ ملک کا مالک ہے وہ جسے چاہے ملک دے سکتا ہے اور جس سے چاہے چھین سکتا ہے۔ اس نے مدینہ سے یہودیوں کا اقتدار ختم فرمایا اور مکہ معظمہ سے قریش کا اقتدار ختم فرمایا اور دونوں شہر اور ان کے مملکت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو عطا فرمادئے یہ حضرات بے سرو سامان تھے ان کو اصحاب مال اور اصحاب شوکت سے غلبہ دیا اور فتح عطا فرمائی۔ اللہ ہی نے فارس و روم کو اقتدار دیا ہے وہ ان سے چھین کر ان کے ملکوں کا اقتدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت کو دے سکتا ہے یہ لوگ فارس اور روم کی شان و شوکت اور مرکز و فر کو دیکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کو نہیں دیکھتے جس نے ان کو اقتدار دیا، جو اقتدار دے سکتا ہے وہ اقتدار لے بھی سکتا ہے ملک کا وینا اور چھین لینا، عزت وینا اور ذلت وینا سب اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔

پھر فرمایا: بِبَدَلٍ لِّكَ الْخَيْرُ کہ ساری خیر تیرے ہی ہاتھ میں ہے، علماء نے فرمایا کہ خیر و شر سب اللہ ہی کے قبضہ میں ہے لیکن ایک کے ذکر پر اکتفا فرمایا۔ دوسری چیز اُسی سے سمجھ میں آگئی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ کیونکہ یہ مقام دُعا ہے اس لئے خیر پر اکتفا کیا گیا (اور شر کی نفی بھی نہیں کی) کیونکہ مانگنے والا اُسی بات کا ذکر کرتا ہے جس سے اُس کا مطلب ہو جب لینا ہے تو یہی کہے گا کہ آپ کے ہاتھ میں خیر ہے اس موقع پر یوں کیوں کہے کہ آپ کے ہاتھ میں شر بھی ہے۔ آخر میں فرمایا اِنْ لِّكَ عَلٰی شَيْءٍ فَلْيَتُوْا اس میں اجمالی طور پر پوری آیت کے مضمون کو دہرایا گیا ہے اور الفاظ کے عموم نے یہ بھی بتا دیا کہ اوپر جو چیزیں مذکور ہیں ان کے علاوہ اور تمام چیزوں پر بھی اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے۔

قدرت خداوندی کے بعض مظاہرے..... پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بعض مظاہرے جو نظروں کے سامنے ہیں ان کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے کبھی رات بڑی کبھی دن بڑا پورے عالم میں اس کے مظاہرے ہوتے رہتے ہیں۔ کہیں رات دن کے اوقات میں چار پانچ ہی گھنٹے کا فرق ہوتا ہے اور کہیں پندرہ سولہ گھنٹے یا اس سے زیادہ کا بھی فرق ہو جاتا ہے۔ یہ نظام جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے کسی بھی مخلوق کو قدرت نہیں ہے کہ اس کے خلاف کر سکے، نیز فرمایا کہ اللہ تعالیٰ زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ مفسرین نے اس کی شرح میں فرمایا ہے کہ نطفہ جو بے جان ہے اس سے زندہ حیوان نکالتا ہے اور زندہ حیوان سے نطفہ نکالتا ہے جو بے جان ہے اور بعض حضرات نے اس کی مثال بچہ اور اٹھنے سے دی ہے کہ چوڑہ کو اٹھنے سے اور

انڈے کو پرندہ سے نکالتا ہے، حضرت حسن اور عطاء نے اس کا ایک اور معنی بتایا اور وہ یہ کہ مؤمن کو کافر سے اور کافر کو مؤمن سے نکالتا ہے۔
یعنی مؤمن کی اولاد کافر اور کافر کی اولاد مؤمن ہوتی ہے۔ مؤمن زندہ ہے اور کافر مردہ ہے۔

قَالَ تَعَالَى أَوْهَنُ كَمَا نَفْسًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا
آخر میں فرمایا وَتَسْرُؤُ مِنْ نَشَاءٍ بَعْبُ حَسَابٍ رَازِقِ حَقِّی اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے اور کی بیشی کرنا
بھی اس کے قبضہ میں ہے۔ اِنَّ رَبَّنَا يَسْطُرُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ

نہ بنائیں مؤمن کافروں کو دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر اور جو شخص یہ کام کرے گا

فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاهُ وَيَحْذَرُكُمْ اللَّهُ نَفْسَهُ ۚ وَالْإِلَى

تو اللہ سے دوستی کرنے کے کسی شمار میں نہیں، مگر اس حالت میں کہ دشمنوں سے کچھ بھاڑ کرنا ہو، اور اللہ تم کو اپنے سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف

اللَّهُ الْمَصِيرُ ۝

لوٹ کر جاتا ہے۔

اہل ایمان کو حکم کہ کافروں سے دوستی نہ کریں

اس آیت شریفہ میں اہل ایمان کو اس بات سے منع فرمایا کہ مؤمنین کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بنائیں اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ جو کوئی شخص ایسا کرے گا یعنی مؤمنین کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بنائے گا اللہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ -عالم التنزیل ص ۲۹۱ ج ۱ میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ مذکورہ بالا آیت عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی، یہ لوگ ظاہر میں مؤمن ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اور دل سے کافر تھے۔ یہودیوں سے اور مشرکین سے دوستی رکھتے تھے اور ان کو مسلمانوں کی خبریں پہنچاتے تھے اور یہ اُمید باندھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں یہودی اور مشرکین غالب پالیں گے اور فتح یاب ہو جائیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور مؤمنین کو منع فرمادیا کہ ان لوگوں کی طرح عمل نہ کریں اور کافروں کی دوستی سے پرہیز کریں اپنی دوستی صرف مسلمانوں سے رکھیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ چند یہودی بعض انصار سے تعلق رکھتے تھے اور ان کا اندرونی مقصد یہ تھا کہ ان کو دین اسلام سے پھیر دیں بعض صحابہؓ نے ان انصار یوں کو ان یہودیوں کی دوستی سے منع کیا ان لوگوں نے نہ مانا اور ان کے ساتھ گھٹنا ملنا جاری رکھا۔ اللہ جل شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی اور دشمنان دین کی دوستی سے منع فرمادیا۔ موالات کفار (کافروں کی دوستی) کی ممانعت اس آیت کے علاوہ دیگر آیات میں وارد ہوئی ہے۔ سورہ ممتحنہ میں فرمایا:

بَايَئُهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ - يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِنَّا كُنْهُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي

نَسِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تَسْرُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ ط وَمَنْ يَفْعَلْ
مَنْكُمْ فَفَدُّ ضَلُّ سَوَاءِ السَّبِيلِ ۝ إِنْ يَشْقُقُوا كُفْرَكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءُ وَ يَسْتَوْفُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ
وَالسِّنَنِي بِالسُّوءِ وَذُؤُوا لَوْ تَكْفُرُونَ ۝

اے ایمان والو! مت بناؤ میرے اور اپنے دشمنوں کو وہ مست تم ان کی طرف دوستی کے بیانات بھیجئے ہو حالانکہ انہوں نے اس کے ساتھ کفر کیا جو تمہارا پاس حق آیا وہ نکالتے ہیں رسول کو اور تم کو اس وجہ سے کہ تم ایمان لائے اللہ کے ساتھ جو تمہارا رب ہے اگر تم نکلے ہو میری راہ میں چہا کرنے کے لئے اور میری رضا کی تلاش میں، تم چپکے سے ان کی طرف دوستی کے بیانات بھیجئے ہو اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم نے پوشیدہ کیا اور جو کچھ ظاہر کیا اور تم میں سے جو شخص ایسا کرے گا تو وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔ اگر وہ تم کو پالیں تو تمہارے دشمن ہوں گے اور تمہاری طرف اپنے ہاتھوں اور زبانوں کو بڑھا دیں گے برائی کیساتھ، اور ان کی آرزو ہے کہ کاش تم لوگ کافر ہو جاؤ۔

کافروں سے محبت کرنے کے نتائج..... ان آیات سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ کافروں سے موالات اور ان سے دوستی رکھنا قطعاً اور سخت ممنوع ہے، آج کل مسلمانوں کو اس ممانعت کی طرف بالکل توجہ نہیں ہے کافروں سے دوستی ہے اور اپنیوں سے بیزارى ہے۔ دنیا کا مفاد پیش نظر ہے اپنے مفاد کو باقی رکھنے کے لئے کافروں سے دوستی کرتے ہیں اور مسلمانوں کی دوستی کا خیال تک نہیں آتا۔ مسلمان غیر قوموں کے مغیر بھی بن جاتے ہیں مسلمانوں کے ملکوں کی خبریں ان کے دشمنوں کو پہنچاتے ہیں۔ آپس میں بگاڑ ہے اور کافروں سے جوڑ ہے، اس افسوسناک صورتحال نے مسلمانوں کے ملکوں کو کافروں کی حکومتوں کا دم چھلہ بنا رکھا ہے، کوئی ملک کافروں کی کسی حکومت کا سہارا لے کر جی رہا ہے اور کوئی ان کی کسی دوسری حکومت کا خاص الخاص بنا ہوا ہے، مسلمان مقابلے لکھتے ہیں، ڈاکریٹ کرتے ہیں۔ دشمن ان سے ایسے مضامین لکھاتے ہیں جو مسلمانوں کے اندرونی حالات اور معاملات اور ان کے ارادوں اور اداروں کی خبروں پر مشتمل ہوں، یہ لوگ کافروں کے دوست ہیں اسلام اور مسلمان کی دوستی ان کے پیش نظر نہیں، مسلمانوں کے بعض ممالک میں مسلمانوں کے ساتھ ظلم اور جفا کا معاملہ ہوتا ہے ان کو انجینی کہہ کر ملک سے خارج کرو یا جاتا ہے اور کافروں کو الموطن کہہ کر گلے لگایا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں کافروں کی موالات اور دوستی سے جو منع فرمایا یہ بہت اہم بات ہے لوگ اس کو رواداری کے خلاف سمجھتے ہیں، رواداری اور چیز ہے اور موالات یعنی دل سے دوستی کرنا اور چیز ہے۔ دل سے جب دوستی ہوتی ہے تو مسلمانوں کی خبریں بھی دشمنوں کو پہنچائی جاتی ہیں اور مسلمان حکومتوں کے اندر کے پردہ گرام بھی دشمن کو بتا دیے جاتے ہیں، ایمان کا تقاضا ہے کہ قلبی محبت صرف مسلمانوں سے ہو کافروں سے نہ ہو، کہتے ہیں فلاں صاحب نمازی ہیں، نمازی تو ہیں لیکن اندر سے دشمنوں کے ہاتھ یکے ہوئے ہیں ان کو اسلام کا یہ حکم ماننا گوارا نہیں کہ کافروں سے موالات اور محبت نہ کریں۔

مسلمانوں میں طرح طرح کی عصبیتیں ہیں آپس میں موالات نہیں رہی۔ کہیں صوبائی عصبیت ہے، کہیں لسانی عصبیت اور کہیں عرب و عجم کی عصبیت ہے۔ ایمانی رشتوں کو چھوڑ کر غیر ایمانی تقاضوں کو پورا کر رہے ہیں اس میں کافروں سے بھی موالات کرنی پڑتی ہے اور یہ عصبیتیں کافروں ہی نے سمجھائی اور سمجھائی ہیں۔ بعض ملکوں میں تو کافروں سے دوستی کا یہ حال ہے کہ لوگ دشمنوں کے مندر تک بنوا دیتے ہیں اور ان کی دوستی میں نمازیں تک چھوڑ دیتے ہیں اور ان کے مذہبی تہواروں میں شرکت بھی کرتے ہیں اور ہدیے بھی دیتے ہیں۔ اس صورتحال نے مسلمانوں کی اپنی ذاتی کوئی حیثیت دنیا میں باقی نہیں رکھی، کافروں سے یہ امید کرنا کہ وہ ہمیں فائدہ پہنچا دیں گے غلط خیال ہے جو بظاہر ان سے فائدہ پہنچتا ہے اس کی آڑ میں نقصان ہی پوشیدہ ہوتا ہے۔ سورۃ آل عمران کی آیت يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لَا

تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِّنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا مِّس صاف بتا دیا کہ کافروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ اور یہ بھی واضح طور پر بتا دیا گیا کہ وہ لوگ تمہیں نقصان پہنچانے میں کوئی کوتاہی نہ کریں گے۔ وہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں پھوٹ پڑی رہے ان کے ممالک ہماری طرف جھکے رہیں اس طرح ہمارے محتاج بھی رہیں اور ہمارے خلاف کچھ کر سکیں نہ سکیں اور ہمیں ان کے اندر وہی راز بھی معلوم ہوتے رہیں۔

آیت میں جو لفظ مِنْ دُونِكُمْ فرمایا۔ اس میں اس پر خاص تنبیہ ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی نہ کریں۔ اس کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ مسلمانوں کو نہ چھوڑے ان سے بھی دوستی رکھے اور کافروں سے بھی۔ کیونکہ مقصد وہ کافروں کی دوستی سے منع کرنا ہے اور حقیقت میں بات یہ ہے کہ کافروں سے قلبی دوستی جیسی ہو سکتی ہے جبکہ مسلمانوں کی دوستی کو نظر انداز کر دیا جائے۔ خواہ مستقل طور پر مسلمانوں سے بے تعلقی اختیار کی جائے خواہ عارضی طور پر ہر حال میں کافروں سے قلبی محبت ہوگی تو وہ ضرور مسلمانوں سے کسی نہ کسی درجہ میں تعلق کم کرنے یا تعلق توڑنے پر مجبور کرے گی۔

کافروں سے مولات کرنے والوں کے لئے وعید شدید..... آیت شریفہ میں کافروں کی مولات سے سختی کے ساتھ منع فرمایا اور ان سے دوستی کرنے والوں کے حق میں ارشاد فرمایا کہ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ کہ جو شخص ایسا کرے گا تو اللہ کی دوستی یا اللہ کے دین کا اس سے کوئی بھی تعلق نہیں۔ قال صاحب الروح ص ۱۲۱ ج ۲ والکلام علی حذف مضاف ای من ولایہ او من دینہ والظرف الاول حال من (شیء) والثانی خبر لیس و فتوین (شیء) للتحقیر ای لیس فی شیء یصح أن یطلق علیہ اسم الولاية او الدین۔ (صاحب روح المعانی) فرماتے ہیں اس جملہ میں مضاف مخدوف ہے یعنی من ولایہ یا من دینہ ہے اور پہلا ظرف شیء سے حال ہے اور دوسرا ظرف لیس کی خبر ہے اور شیء کی توین تحقیر کے لئے ہے۔ یعنی جو کافروں سے مولات کرے گا تو یہ کوئی چیز نہیں ہے کہ اسے کوئی دوستی یا دین کہا جائے وہ اس (لا تعلق نہیں ہے)۔

مولات کی ایک صورت مستثنیٰ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا لَا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً یعنی ایسی صورت میں ظاہری دوستی کی اجازت ہے جبکہ ان سے کسی قسم کا ضرر پہنچنے کا واقعی اندیشہ ہو، کوئی مسلمان کافروں میں پھنس جائے۔ مقتول ہونے کا یا کسی عضو کے تلف ہونے کا واقعی اندیشہ ہو اور کافر زبردستی کریں کہ تو ہمارے دین کے مطابق نہ بولا تو تجھے مار ڈالیں گے تو صرف ظاہری طور پر زبان سے (نہ کہ دل سے) کوئی کلمہ ایسا کہہ دے جس سے جان بچ جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

پھر فرمایا وَلِيَحْذَرُوا اللَّهَ وَآلِيَهُ اور اللہ تم کو اپنے سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ لہذا ہر عمل میں اس کو سامنے رکھیں اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے یہ ہمیشہ پیش نظر رہے اگر اس پر عمل کریں گے تو گناہوں سے بچ سکیں گے گناہوں میں مولات کفار بھی شامل ہیں۔

مواسات اور مدارات کس حد تک جائز ہے؟..... واضح رہے کہ آیات قرآنیہ میں کافروں سے قلبی دوستی کی ممانعت فرمائی ہے مواسات اور مدارات کی ممانعت نہیں ہے جو خوش خلقی سے پیش آنا مہمانی کے طور پر کچھ کھانا پالانا، وفتروں میں ان کے ساتھ ملازمتیں کرنا۔ تجارتی معاملات کرنا اس کی ممانعت نہیں ہے۔ البتہ جو کفار دار الحرب کے ہوں اور مسلمانوں سے برسر پیکار ہوں ان سے کسی قسم کا تعاون نہ کیا جائے اور معاملات میں بھی شرعی اصول کے موافق جائز ناجائز کا خیال رکھا جائے، حربی کافروں کے ہاتھ اسلحہ فروخت کرنا ممنوع ہے کافروں کو ملازم رکھنا اور ان کے اداروں میں ملازم ہونا یہ بھی جائز ہے۔ البتہ ولی دوستی اور محبت کسی کافر کے ساتھ کسی حال میں بھی جائز نہیں۔ قرآن کریم نے کافروں سے جو قلبی دوستی رکھنے کو منع فرمایا ہے کہ یہ کوئی اشکال کی بات نہیں ہے۔ خود کافر بھی اسی پر عامل

ہیں وہ بھی مسلمانوں سے قلبی دوستی نہیں رکھتے جب تک کفر اور کافر سے قلبی نفرت نہ ہوگی اسلامی احکام پر پوری طرح عمل نہیں ہو سکتا۔ کافروں نے ممالک میں یک جہتی کے نام سے تحریک چلا رکھی ہے اور اس طرح سے مسلمانوں کو ان کے دین میں کچا کر رہے ہیں اور مسلمانوں کو اپنی جماعت میں مدغم کرنے کی کوشش میں ہیں اور ان کی کوشش انہیں مسلمانوں میں کامیاب ہوتی ہے جنہیں کفر اور کافر سے نفرت نہیں ہے بعض مسلمان کافروں سے جھینپتے ہیں کہ قرآن میں کافروں سے مہالات کرنے کو منع فرمایا ہے اس میں جھینپنے کی کوئی بات نہیں کافر اس پر اعتراض کریں تو ان سے کہیں کہ تم خود بتاؤ کیا تم ہمیں دل سے چاہتے ہو اور ہمارے دین کو اچھا سمجھتے ہو؟ کیا ہمارا وجود تمہیں گوارا ہے؟ وہ اگر صحیح جواب دیں گے تو یہی کہیں گے کہ ہم تمہیں دل سے نہیں چاہتے لہذا ان سے کہیں کہ جو تمہارا حال ہے وہی ہمارا طریقہ ہے۔

روافض کا تہیہ اور اس کی تردید..... روافض کے دین میں تہیہ کی بہت اہمیت ہے یہ ان کے دین کا بہت بڑا رکن ہے لا ایمان لمن لا نسقۃ لہ ان کا مشہور عقیدہ ہے اور اس پر ان کا عمل بھی ہے انہوں نے اپنے تہیہ کے لئے آیت کے الفاظ اَلَا اَنْی تَنفَسُوْا مِنْهُمْ نَفْسًا سے استدلال کیا ہے، اول یہ سمجھ لیں کہ روافض کو تہیہ کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ بات یہ ہے کہ یہودیوں نے جب روافض کو سیدنا محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دین کے علاوہ دوسرا دین بنا کر دیا تو اس میں یہ بھی تھا کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم نے خلافت غصب کر لی تھی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ با فضل تھے، اس پر مسلمانوں کی طرف سے یہ سوال اٹھایا گیا کہ اگر وہ خلیفہ با فضل تھے تو انہوں نے حق کا اعلان کیوں نہیں کیا اور ۲۶ سال تک ان حضرات کے مشوروں میں کیوں شریک رہے؟ اور جہادوں میں ان کے ساتھ کیوں شرکت کی اور ان کے پیچھے بعد از عیدین کیوں پڑھتے رہے اور روزانہ جماعتوں میں کیوں حاضر رہے؟ اس پر روافض کو ان کے استادوں یعنی یہودیوں نے یہ نکتہ سمجھا دیا کہ حضرت علیؑ نے تہیہ کر لیا تھا۔ یہ تہیہ کا ایسا ہتھیار دشمنوں نے ان کے ہاتھ میں دیا کہ اس کو انہوں نے دین کا بہت بڑا ستون بنا لیا۔ ہر بات میں تہیہ کے ذریعہ گرفت میں آنے سے بچ جاتے ہیں اور اپنے عقیدہ کے خلاف قصداً و ارادۃً بہت سی باتیں کہہ جاتے ہیں اور اس کو بہت بڑی نیکی سمجھتے ہیں۔ کہاں حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا جری اور بہادر بہانگ دہل حق کا اعلان کرنے والے اور کہاں روافض کا تہیہ جو عقیدہ کے خلاف کہہ دینے اور مخاطب کو دھوکہ دینے پر مبنی ہے۔ حضرت علی المرتضیٰؑ کو خلفاء ثلاثہ سے دہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی وہ حق گو حق مین حق شناس صحابی (کرم اللہ وجہہ) تھے۔ باطل سے و بنا اور حق کے خلاف زبان نہ کھولنا اہل حق کا شیوہ نہیں۔ برغم روافض حضرت علیؑ خلیفہ با فضل بھی تھے اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے دب بھی گئے خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ مخلوق سے دب جائے یہ بات اہل ایمان کو سمجھ میں آنے والی نہیں۔

اب دوسرا رخ لیجئے وہ یہ کہ حضرت حسینؑ جب روافض کی دعوت پر کوفہ پہنچے اور وہاں دیکھا کہ ان کے جھوٹے حامی ان سے الگ ہو گئے اور ان کے ساتھ اپنے ہی خاص لوگ مختصری اعداد میں رہ گئے تو انہوں نے اظہار حق کے لئے جان دینا اور اپنے اہل بیت کو قتل کروانا مناسب جانا، اگر تہیہ کوئی دین کا کام تھا تو ان کو بطور تہیہ یزید اور ابن زیاد کی بات مان لینا چاہیے تھا، معلوم ہوا کہ روافض کا تہیہ ان کے آئمہ سے بھی ثابت نہیں ہے یہ ایک تراشیدہ عقیدہ ہے اسلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ قرآن سے اس کا کوئی ثبوت نہیں اور جن کو شیعہ اپنا امام مانتے ہیں ان سے بھی ثابت نہیں اور جو روایات روافض نے تہیہ کے بارے میں اماموں کی طرف منسوب کی ہیں وہ سب جعلی ہیں شیعہ مؤلفین نے تراشی ہیں، حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور دیگر آئمہ نے (بقول روافض) تہیہ خوف کی وجہ سے کیا ہو یا باخوف، یہ خلیفہ

برحق کی شان کے خلاف ہے۔ اندر کچھ اور باہر کچھ یہ امام کی شان کے خلاف ہے۔ روانض کے نزدیک خلیفہ اول کا جو حال ہے وہی بعد کے اماموں کا بھی حال ہے ان کے نزدیک وہ سب تہیہ کرنے والے تھے۔ (العیاذ باللہ) روانض کا جو تہیہ ہے اس کا قرآن کریم سے کچھ بھی تعلق نہیں۔

إِلَّا أَنْ تَسْفُتُوا مِنْهُمْ نَفْسُهُمْ میں یہ بتایا کہ کوئی مسلمان کافروں میں پھنس جائے۔ مثلاً محبوس ہو یا محبوسوں کی طرح سے ہو (جیسے اندھے، اپانچ، لنگڑے، لولے اور بیمار) اور کافر کفر کا کلمہ کہلوانے پر کسی ایسی تکلیف دینے کی دھمکی دیں جو ناقابل برواشت ہو اور وہ جو دھمکی دے رہے ہیں اس پر وہ قادر بھی ہوں تو زبان سے کلمہ کفر کے کہنے کی اجازت ہے جیسا کہ سورہ نحل کی آیت إِلَّا مَنْ أَكْثَرَهُ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِإِلْإِيمَانٍ میں اجازت دی ہے۔ لیکن فضیلت اسی میں ہے کہ جان ویدے اور تکلیف اٹھالے اور کفر کا کلمہ زبان پر نہ لائے اور روانض کو قرآن مجید سے استدلال کرنے کا حق کیا ہے وہ تو اسے محرف مانتے ہیں اور صحیفہ عثمانی مانتے ہیں، جو قرآن ہمارے پاس ہے جس کو ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب مانتے ہیں اور جس کے بارے میں محفوظ غیر محرف ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اس سے منکرین قرآن کو استدلال کرنے کا کیا حق ہے۔ ممکن ہے کوئی رافضی یوں کہے کہ ہم تمہیں الزام دینے کے لئے تمہارے قرآن سے استدلال کرتے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اپنی جہالت سے اپنے خود تراشیدہ عقیدہ کیلئے آیت کا مطلب جو تم نے تجویز کیا ہے ہم پر حجت نہیں، پھر تمہیں تو پھر بھی تہیہ ثابت کرنے کی ضرورت ہے اس کی دلیل کیلئے کم از کم حضرت علیؑ کا ایک ارشاد ہی ثابت کر دیتے جو صحیح سند سے ہو۔ روانض کا بنایا ہوا نہ ہو۔

قُلْ إِنْ تَخْشَوْنَ مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْذَرُونَ يَعْلَمُهُ اللَّهُ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا

آپ فرمادیجئے اگر تم چھپاؤ گے جو تمہارے سینوں میں ہے یا اُسے ظاہر کرو گے تو اللہ اس کو جان لے گا، اور اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے

فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ

اور جو کچھ زمین میں ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس دن ہر شخص اپنے نیک عمل کو حاضر پائے گا

مُحْضَرًا ۖ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا ۖ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ

اور ان کاموں کو بھی یا لے گا جو بُرے تھے۔ اُس کی خواہش ہوگی کہ کاش اس کے اور اُس دن کے درمیان بہت دور کی مسافت ہوتی اور اللہ تم کو اپنے

نَفْسَهُ ۖ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ۝

سے ڈراتا ہے اور اللہ بندوں پر مہربان ہے۔

اللہ سب جانتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے

پہلے تو یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شاید کو سب کچھ معلوم ہے دلوں کا حال چھپا دیا ظاہر کرو وہ سب کو جانتا ہے، جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اُسے وہ سب معلوم ہے اور اُسے ہر چیز پر قدرت بھی ہے، جس ذات پاک کے علم و قدرت سے کچھ بھی باہر نہیں اُس سے ڈرنا اور اُس کے احکام کی پابندی کرنا لازم ہے۔

قیامت کے دن کی پریشانی..... پھر قیامت کے دن کا ایک منظر بتایا اور وہ یہ کہ دنیا میں جس شخص نے بھی جو عمل کیا ہو گا خیر ہو یا شر ہو

وہاں اپنے سامنے حاضر کیا: دیا گیا، انسان کی تمنا ہوگی کہ کاش یہ دن نہ ہوتا جس میں اعمال پیش ہوئے، میرے اور اس دن کے درمیان بہت بڑی مسافت حائل ہوتی، لہذا اس دن سے پہلے ہی ہر شخص کو اپنے اعمال درست کر لینا اور اعمال صالحہ کی فکر کر لینا لازم ہے۔ برے عمل کا نفاذ انجام ہے پہلی آیت میں وَلِيَخْلَقْكُمْ اللَّهُ نَفْسَهُ فرمایا پھر اس آیت میں بھی اس کا اعادہ فرما کر مکرر نصیحت فرماوی۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ

آپ فرما دیجئے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تم سے محبت فرمائے گا، اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا اور اللہ

غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ۝

غفور ہے رحیم ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی، اگر وہ اعراض کریں تو بلاشبہ اللہ دوست نہیں رکھتا کافروں کو۔

اگر اللہ سے محبت ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرو

ان دونوں آیتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور اطاعت کا حکم دیا ہے، اطاعت فرمانبرداری اور حکم ماننے کو کہتے ہیں اور اتباع اپنے مقتدا کے پیچھے چلنے اور اس کی راہ اختیار کرنے کو کہتے ہیں۔ جتنی بھی مذہبی قومیں ہیں وہ اللہ کو مانجتی ہیں (اگرچہ ماننے کے طریقے مختلف ہیں) اور انہیں یہ بھی دعویٰ ہے کہ ہم اللہ سے محبت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی کتاب میں یہ اعلان کر دیا کہ محبت صرف دعویٰ کرنے کی چیز نہیں اس کا ایک معیار ہے اور وہ محبت معتبر ہے جو محبوب کی مرضی کے مطابق ہو اس محبت کا معیار جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر ہے یہ ہے کہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا جائے آپ نے جو کچھ بتایا اور جو کچھ کر کے دکھایا اسے اختیار کریں اور اسے عمل میں لائیں، اگر کوئی شخص ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ کو بھی اس سے محبت ہوگی۔ اور یہ محبت دنیا اور آخرت میں خیر و خوبی کا ذریعہ بنے گی۔ اتباع کے ساتھ اطاعت کا بھی حکم دیا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، ان دونوں اطاعتوں سے اعراض کرنے والے کو کافر قرار دیا اور فرمایا کہ اگر وہ اعراض کریں تو اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔ فرمانبرداری و عقائد میں بھی ہے اور ارکان دین میں بھی، فرائض میں بھی، اور واجبات میں بھی، عقائد اسلامیہ سے اعراض کرنا تو کفر ہے ہی۔ فرائض کی فرضیت کا انکار بھی کفر ہے، اگر کسی کے عقائد صحیح ہوں اور فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہو اور فرائض کو فرائض مانتا ہو تو ترک فرائض کی وجہ سے اس کا کفر اعتقادی نہیں بلکہ عملی ہوگا۔

محبت کے دعویداروں کو تنبیہ..... جو لوگ دین اسلام قبول نہیں کرتے اور اللہ سے محبت کرنے کے دعویدار ہیں ان کے لئے تو آیت شریفہ میں تنبیہ ہے ہی کہ جب تک محبوب رب العالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک نہ کہو گے ان کی دعوت اور ان کا دین قبول نہ کرو گے اللہ سے محبت کرنے والوں میں اللہ کے نزدیک شمار نہ ہو گے اور تمہاری محبت اور محبت کا دعویٰ سب ضائع ہے دیکھا رہے اور اکارت ہے۔ ساتھ ہی ان مسلمانوں کو بھی تنبیہ ہے جو اللہ سے محبت کے بھی دعویدار ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا بھی بڑھ چڑھ کر دعویٰ کرتے ہیں لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور اطاعت سے دور ہیں۔ کاروبار بھی حرام ہے پھر بھی اللہ و رسول سے محبت ہے، واڑھی منڈی ہوئی ہے پھر بھی محبت کا دعویٰ ہے۔ لباس نصرانیوں کا ہے پھر بھی مدعیان محبت ہیں، ملکوں کو کافروں کے تو انہیں کے مطابق چلاتے ہیں پھر بھی محبت کرنے والے ہیں، یہ محبت نہیں محبت کا دھوکہ ہے اور جھوٹا دعویٰ ہے۔

منکرین حدیث کی تردید..... ساتھ ستر سال سے ایک گروہ ایسا نکلا ہے جو عمل بالقرآن کا مدعی ہے یہ لوگ اطاعت رسول اور اتباع رسول کو دین کا جزو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آئی اور رسول کی حیثیت ایک ڈاکیہ کی ہے کتاب کو ہم سمجھ لیں گے جیسا مکتوب الیہ اپنے نام کا خط خود پڑھ لیتا ہے۔ رسول کو بیچ میں ڈالنے اور اس کے سمجھانے اور تفسیر کرنے کی کیا ضرورت؟ العیاذ باللہ یہ لوگ اُن تمام آیات کے منکر ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ سورہ نحل میں فرمایا وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ اور ہم نے آپ کی طرف ذکر نازل فرمایا تاکہ آپ لوگوں کے لئے بیان فرمائیں جو اُن کی طرف نازل کیا گیا اور تاکہ لوگ فکر کریں، اور سورہ نسا میں فرمایا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ (بے شک ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی تاکہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلے کریں اس چیز کے ساتھ جو اللہ نے آپ کو سمجھایا) معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کا بیان کرنا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہے اُن سے ہٹ کر جو سمجھنے کا ارادہ کرے گا وہ اللہ کی کتاب سے دور ہو گا، عامل بالقرآن نہیں ہو گا بلکہ اپنے نفس کی ذاتی رائے سے چلنے والا ہو گا۔ سورہ انعام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ کہ وہ لوگوں کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ تحریم و تحلیل کا کام بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سپرد کئے ہوئے کاموں میں سے ہے۔

حدیث کو چھوڑ کر عمل بالقرآن کے مدعی و حقیقت نفس کی آزادی چاہتے ہیں اور اتباع رسول اور اطاعت رسول کے انکار کی لپیٹ میں انکار قرآن بھی مضمر ہے اور یہ لوگ نجی سازش کا شکار ہیں اپنے نجی استادوں یعنی یورپ اور امریکہ کے یہود و نصاریٰ کے اشاروں سے گمراہی اور زندقہ پھیلارہے ہیں اگر قرآن کے ماننے والے دوتے تو بحکم قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اتباع کو لازم قرار دیتے اور احادیث شریفہ پر عمل کرنے کی تلقین کرتے۔

قرآن کے بارے میں قرآن ہی کا بیان معتبر ہے قرآن نے تو یہ نہیں فرمایا کہ میری حیثیت ایک ذاتی خط کی ہے قرآن نے تو اپنے بارے میں هٰذِهِ بَلَدٌ بَيْنَ الْفُرْقَانِ فرمایا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ سارے انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوا۔ اور چونکہ عقل انسانی ہدایت پانے کے لئے ناکافی ہے (اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کتاب نازل فرمائی) اور اللہ جل شانہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبین قرآن اور مفسر قرآن بنا کر بھیجا اور آپ کے اتباع کا حکم دیا اس لئے آپ کی تشریحات و تعلیمات کے مطابق عمل پیرا ہونا لازم ہے اگر کتاب اللہ کے معانی و مفہام ہر شخص کی سمجھ کے مطابق تسلیم کر لئے جائیں تو ہر آیت کے معانی سینکڑوں طرح کے تجویز کر دیئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب قلعندی کے جھوٹے وعیداروں کا کھلونا بن کر رہ جائے گی۔ إِعَاذَنَا اللَّهُ مِنْ خَوَافَاتِهِمْ۔

ان جابلوں کو اپنے خیال میں قرآن سے عقیدت ہے قرآن کے نازل فرمانے والے کو اپنے اعتراضات کا نشانہ بنانے میں ذرا بھی باک محسوس نہیں کرتے، وہ خالق و مالک ہے اسے سب کچھ اختیار ہے۔ اگر اس نے کتاب نازل فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ اس کی تشریح و تفسیر عائد فرمادی اور بہت سے احکام آپ کی زبانی بیان کروائے تو اس سے ناگواری کیوں ہے؟

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۸۱﴾ ذُرِّيَّتَهُ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ ۚ

بے شک اللہ نے منتخب فرمایا آدم کو اور نوح کو اور آل ابراہیم کو اور آل عمران کو سارے جہانوں پر۔ بعض اُن میں بعض کی اولاد ہیں،

وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۸۲﴾ إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا ۖ

اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ جب عرض کیا عمران کی بیوی نے کہ اے میرے رب بے شک میں نے آپ کے لئے نذر مان لی کہ جو بچہ میرے شکم میں ہے وہ آزاد

فَتَقَبَّلَ مِنِّي ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۸۳﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ ۖ

جوگا لہذا آپ اس کو مجھ سے قبول فرمائیے، بے شک آپ ہی ہیں سننے والے جاننے والے۔ پس جب اس کو جنا تو کہنے لگیں اے میرے رب بلاشبہ میں نے اس کو لڑکی جنا ہے،

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ ۖ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ ۖ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ

اور اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ اس نے جنا ہے، اور نہیں ہے بیٹا بیٹی کی طرح سے، اور میں نے اُس کا نام رکھ دیا ہے مریم، اور بے شک میں اس کو اور اس کی ذریت کو

وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿۸۴﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ ۖ وَانْتَبَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۖ وَكَفَّلَهَا

تیری پناہ میں دیتی ہوں شیطان مردود سے۔ سو اس کے رب نے قبول فرمایا اس بچی کو اچھی طرح قبول فرمانا اور اس کو بڑھایا اچھی طرح سے بڑھانا، اور اس کو ذکر یا کی

زَكْرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ يَرِيئِمُ أَتَىٰ لَكَ هَذَا

کفالت میں دے دیا جب بھی زکریا داخل ہوئے ان پر محراب میں تو پایا ان کے پاس رزق، تو انہوں نے کہا کہ اے مریم کہاں سے ہے یہ تیرے لئے،

قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۸۵﴾

انہوں نے کہا کہ وہ اللہ کے پاس سے ہے، بے شک اللہ رزق دیتا ہے جس کو چاہے بے حساب۔

حضرت مریم کی والدہ کی نذر، اور اُن کی ولادت اور کفالت کا تذکرہ

ان آیات میں اول تو یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کو اور حضرت ابراہیم اور جناب عمران کی آل اولاد کو سارے جہانوں پر فضیلت دی اور اُن کو منتخب فرمایا، اور یہ بھی فرمایا کہ یہ بعض بعض کی اولاد ہیں، آدم علیہ السلام تو سب کے باپ ہیں ہی پھر نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی آل اور عمران اور آل عمران سب ہی نسل در نسل آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت نوح علیہ السلام کو بھی نبوت عطا فرمائی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی پیغمبر بنایا اور آئندہ جتنے بھی نبی آئے وہ سب انہیں کی نسل میں سے تھے جن میں خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں اور آل عمران بھی اُن ہی کی نسل میں سے تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت مریم علیہا السلام کے بیٹے تھے اور یہ عمران کی بیٹی تھیں یہ عمران حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کے علاوہ دوسرے عمران ہیں۔ معالم التنزیل ص ۲۴۶ ج ۱ میں لکھا ہے کہ ان دونوں کے درمیان ۱۸۰۰ سال کا فاصلہ تھا۔ پھر مریم علیہا السلام کی والدہ عمران کی بیوی کی نذر کا تذکرہ فرمایا انہوں نے نذر مان لی تھی کہ اے میرے رب میرے پیٹ میں جو بچہ ہے میں نے اُس کو آزاد

چھوڑنے کی منت مان لی اور آزاد چھوڑنے کا مطلب یہ تھا کہ اس کو صرف بیت المقدس کی خدمت کے لئے فارغ رکھوں گی دنیا کا کوئی کام نہیں ادا کی۔ مسجد کی خدمت کرنے والے مرد ہوتے تھے اب ہوا یہ کہ جس حمل کے بچہ کو آزاد چھوڑنے کی منت مانی تھی جب اس حمل کی پیدائش ہوئی تو لڑکا نہ تھا بلکہ لڑکی تھی۔ عمران کی بیوی افسوس کرنے لگیں اور کہنے لگیں کہ اے میرے رب میرے تو لڑکی پیدا ہو گئی۔ لڑکی بیت المقدس کی خدمت گزار کیسے بنے گی۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہی تھا کہ اس نے کیا جانا لیکن انہوں نے بطور حسرت کے اللہ پاک سے یوں خطاب کیا۔ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی وَاِیْنِیْ طَلَبْتُ کُلَّ لَآئِنٍ کَا لَآئِنِیْ کَا لَآئِنِیْ کہ لڑکا لڑکی کی طرح سے نہیں ہے۔ اس عبارت کو بعض علماء نے مبالغہ قلب پر محمول کیا ہے اور علامہ بیضاوی نے اول تو دونوں لام عہد کے لئے بنائے ہیں پھر یہ تفسیر کی ہے اِنِّیْ وَ لَیْسَ الذَّکُوْرُ الَّذِیْ طَلَبْتُ کُلَّ لَآئِنٍ وَ هِیْثُ اور پھر لکھا ہے۔ و یجوز ان یکون من قولہا بمعنی و لیس الذکو کا لائنی سینان فیما نذرت فیکون اللام للجنس مطلب یہ ہے کہ لڑکا لڑکی فی الحقیقت برابر نہیں۔ لڑکی وہ کام نہیں کر سکتی جو لڑکا کر سکتا ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا کہ و لیس الذکو کا لائنی حضرت مریم کی والدہ کا قول نہیں ہے بلکہ یہ جملہ مقررہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو لڑکی انہوں نے جنی لڑکا اس لڑکی کے برابر نہیں ہو سکتا جو انہوں نے طلب کیا تھا بلکہ یہ لڑکی ہی افضل ہے کیونکہ اس کے کمالات و برکات عجیب و غریب ہوں گے یہ معنی لینے سے تشبیہ مقولہ کا احتمال ختم ہو جاتا ہے۔

عمران کی بیوی نے لڑکا پیدا نہ ہونے کا افسوس ظاہر کرنے کے بعد کہا وَ اِنِّیْ نَسِیْتُهَا مَرْنَمَ کہ میں نے اس بچی کا نام مریم رکھ دیا پھر یوں کہا وَ اِنِّیْ اَعِیْذُهَا بِلَکَ وَ ذُرِّیَّتُهَا مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ کہ میں اس لڑکی اور اس کی ذریت کو تیری پناہ میں دیتی ہوں شیطان مردود سے (صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے شیطان اس کو چھوٹا ہے جس وقت پیدا ہوتا ہے۔ سو وہ اس کے چھوٹے سے چھوٹا ہے سوائے مریم اور اس کے بیٹے کے (کہ وہ ان کو نہیں چھو سکا) بعض روایات میں ہے کہ شیطان اپنی انگلی سے کچھ کا دیتا ہے اسی لئے بچہ چیخ پڑتا ہے۔ وائے مریم اور ان کے بیٹے کے کہ وہ ان دونوں تک نہیں پہنچ سکا اور ایک روایت میں ہے کہ وہ پردے میں انگلی مار کر چلا گیا۔ (روح المعانی ص ۱۳۷ ج ۱)

حضرت مریم کا نشو و نما اور حضرت زکریا کی کفالت..... حضرت مریم کی والدہ کا قول ذکر فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَ اَنبَتْنَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَ کَفَّلَهَا زَكَوْرًا کہ اس کے رب نے اس بچی کو قبول فرمایا۔ نذر کو یہ تشبیہ دی اور ان کی نذر سے راضی ہونے کو قبول کرنے سے تعبیر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور بہت خوبی کے ساتھ قبول فرمایا، علماء تفسیر نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت مریم پیدا ہو گئیں تو ان کی والدہ جن کا نام حنہ تھا ان کو کپڑے میں لپیٹ کر بیت المقدس میں لے گئیں اور وہاں جو عبادت میں مشغول رہنے والے حضرات مقیم تھے ان کے سامنے رکھ دیا (اور پوری کیفیت بتادی کہ میری یہ نذر تھی اور یہ لڑکی پیدا ہوئی ہے) زمانہ حمل میں لڑکی کے والد جناب عمران کی وفات ہو چکی تھی وہ وہاں کے امام بھی تھے۔ وہ ہوتے تو پرورش کے زیادہ مستحق تھے۔ مریم کی والدہ نے مریم کا (عابدہ) نام رکھا جس میں یہ اشارہ ہے کہ میں اپنی نذر پر اب بھی قائم ہوں۔ خدمت کے لئے نہیں تو عبادت ہی کے لئے سہی۔ اسی نذر کی وجہ سے وہ بیت المقدس کے مقیمین کے پاس لے گئیں۔ (روح المعانی بیان القرآن)

ان حضرات نے بچی کی کفالت کے سلسلے میں منافست اختیار کی اور ہر ایک چاہتا تھا کہ میں اس کی پرورش کروں انہیں حضرات میں حضرت زکریا علیہ السلام بھی تھے جو ان سب کے سرواڑے انہوں نے فرمایا کہ میں اس کی پرورش کا سب سے زیادہ حقدار ہوں اس لئے کہ

اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے وہ حضرات کہنے لگے کہ ہم سب آپس میں قرعہ اٹھائیں گے جس کا نام نکل آیا وہی زیادہ حقدار ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اپنے قلم ہنگوٹے اور ان کو متع کر کے دھانک دیا۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے ایک نابالغ بچے سے فرمایا کہ تو ہاتھ ڈال کر ایک قلم نکال لے اس نے نکالا تو حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم نکل آیا لہذا انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو اپنی کفالت میں لے لیا۔ (اس کی مزید تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ چند صفحات کے بعد آئے گی)۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں مریم علیہا السلام رہنے لگیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کا شیوہ بنا خوب اچھے طریقہ سے کیا جو دوسرے بچوں سے مختلف تھا۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے ان کو علیحدہ ایک خراب میں رکھ چھوڑا تھا خراب سے کیا مروا ہے اس کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ بیت المقدس میں ایک کمرہ ان کے لئے مخصوص کر دیا تھا یہ کمرہ بلندی پر تھا جس میں زینہ سے چڑھتے تھے اور بعض حضرات نے خراب سے منطلق مسجد مرادولی ہے اور بعض حضرات نے خراب کا معروف معنی مراد لیا ہے۔

حضرت مریم کے پاس غیب سے پھل آنا... بہر حال وہ بیت المقدس میں رہتی رہیں اور نشوونما بتا رہا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی طہر پر ان کو پھل ملنے رہے گرمی کے پھل سردی کے زمانہ میں اور سردی کے پھل گرمی کے زمانہ میں ان کے پاس ملتے تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام ان کا بہت دھیان رکھتے تھے اور ان کے سوا کوئی شخص حضرت مریم علیہا السلام کے پاس نہیں جاسکتا تھا جب وہ ان کے پاس جاتے تو دیکھتے کہ غیر موسم کے پھل رکھے ہوتے ہیں اول تو دروازہ بند ہوتا ہے تو بے اندر پھلوں کا پہنچ جانے پر غیر موسم کے پھل ہونا یہ دونوں باتیں بڑے تعجب کی تھیں حضرت زکریا علیہ السلام نے ان سے سوال فرمایا کہ یہ پھل کہاں سے آئے انہوں نے جواب دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا کہ **إِنَّ اللَّهَ نَزَّلُ مِنْ شِئْءٍ بَغِيرٍ حَسَابِ** اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بے حساب رزق و طافر ماتا ہے اس آیت سے کرامات اہلِ کائنات کا ثبوت ہوتا ہے۔ (روح المعانی)

هَذَا لَكَ دَعَا زَكْرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ

اس موقع پر زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، عرض کیا اے میرے رب مجھے آپ اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرمادیجئے بلاشبہ آپ دعا سننے

الدُّعَاءِ ۝ فَادَّاتُهُ الْمَلَكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ ۖ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ مُصَدِّقًا

والے ہیں۔ پس فرشتوں نے ان کو آواز دی اس حالت میں کہ وہ کھڑے ہوئے خراب میں نماز پڑھ رہے تھے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ آپ کو یحییٰ کی بشرت دی دیتا ہے واللہ

بِكَلِمَةٍ ۖ مِنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا ۖ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ قَالَ رَبِّ اَنِّ يَكُونُ لِي غُلَامٌ

کے کلمہ کی تصدیق کرنے والا ہوگا اور سردار ہوگا اور غور قوی سے دور رہنے والا ہوگا اور نبی ہوگا صالحین میں سے۔ وہ کہنے لگے کہ اے میرے رب کہاں سے ہوگا میرے

وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ ۖ قَالَ كَذَلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۝ قَالَ رَبِّ

لا کا حال! کہ مجھے بڑھاپا پہنچ چکا ہے اور میری بیوی ہانچیر ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسی طرح اللہ کرتا ہے جو چاہے۔ وہ کہنے لگے کہ اے میرے رب یہ

اجْعَلْ لِّي آيَةً ۖ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمَزًا ۖ وَاذْكُرْ رَبَّكَ

لے کوئی نشانی مقرر فرمادیجئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تین دن تک لوگوں سے بات نہ کرے گا مگر صرف اشارہ سے۔ اور یاد کر اپنے رب کو

كَثِيرًا وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ

کثرت کے ساتھ اور اللہ کی پائی بیان کر شام اور صبح۔

۱۔ اولاد کے لئے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعاء

حضرت زکریا علیہ السلام خوب زیادہ پڑھے ہوئے تھے اور اُن کے کوئی اولاد نہ تھی جو نبی مہم اور اعمال میں اُن کی وارث بنے جیسا کہ سورۃ مریم میں ذکر فرمایا: قَالَ رَبِّ انِّیْ وَهِنَ الْعِظْمِیْ وَاسْتَغْلَیْتُ الرَّأْسَ شَیْبًا وَلَمْ اَکُنْ بِدَعَابِیْکَ رَبِّ شَقِیًّا ۝ وَانِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآئِیْ وَكَانَتْ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فِیْہِیْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلَیْسَ ۝ یٰرَبِّیْ وَیَرِثْ مِنْ اِلٰی یَغْتَوِبُ ۝ وَاجْعَلْہٗ رَبِّ رَحِیْمًا ۝ (عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میری ہڈیاں کمزور ہو گئیں اور سر میں بالوں کی سفیدی پھیل پڑی اور آپ سے مانگتے ہیں اے میرے رب ناکام نہیں رہا ہوں اور میں اپنے بعد رشتہ داروں سے اندیشہ رکھتا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے سو آپ مجھ کو خاص اپنے پاس سے ایک ایسا وارث دے دیجئے کہ وہ میرا وارث بنے اور یہ توبہ کے خاندان کا وارث بنے اور اس کو اے میرے رب پسندیدہ بنائے)۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری..... حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور فرشتوں کے ذریعہ اُن کو خوشخبری بھیجی کہ تمہارے لڑکا پیدا ہوگا جس کا نام یحییٰ ہوگا یہ لڑکا اللہ کے کلمہ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرنے والا ہوگا۔ اور یہ لڑکا سردار ہوگا (صاحب روح المعانی نے متعدد علماء سے سیدنا کے متعدد معانی نقل کئے ہیں الکریم، الحلیم، الحسن الخلق، الشریف، الفقیہ العالم، الراضی بقضاء اللہ تعالیٰ، الخلیل، المتوکل، العظیم الیمہ الذی لا یحسد، الذی یفوق بالخیر قومہ) تخی، برہ بار، خوش خلق، شریف عالم فقیہ، اللہ تعالیٰ کی رضا، پر راضی رہنے والا، اللہ تعالیٰ کا خاص بندہ، توکل والا، عظیم ہمت والا، جس پر حسد نہیں کر سکتا، جو بھلائی میں اپنی پوری قوم سے بڑھ کر ہو) اس کے بعد لکھتے ہیں کہ سب معانی یحییٰ علیہ السلام کی شان کے لائق ہیں مگر تحقیقی بات یہ ہے سید کے اصل معنی یہ ہیں جو اپنی قوم کا سردار ہو اور اس کے اتباع ہوں پھر ہر اس شخص کے لئے اسی کا اطلاق ہونے لگا جو دین میں یا دنیا میں دوسروں پر فائق ہو۔

حضور کا معنی..... حضرت یحییٰ علیہ السلام کے اوصاف میں حضور بھی فرمایا اس کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں معناه الذی لا یأتی النساء مع القدرة علی ذلک یعنی حضور وہ ہے جو قدرت ہوتے ہوئے عورت سے شہوانی حاجت پوری نہ کرے اور نفس کی خواہش کے باوجود سہر کرتا رہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے ہر طرح کی مباح اور حلال خواہشوں سے بچنا مراد ہے۔ نیز حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صفات بتاتے ہوئے نبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرمایا کہ یہ بچہ جس کی پیدائش کی بشارت دی جا رہی ہے نبیؐ ہوگا اور صالحین میں سے ہوگا۔

صالحین کا مصداق..... صالح صلاح سے مشتق ہے جو شخص گناہوں سے بچتا ہو اور نیکیوں سے آراستہ ہو اللہ تعالیٰ کی طرف انابت اور رجوع رکھتا ہو۔ صالح کے باب سے درجات ہیں اور مراتب ہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام سب سے اونچے درجے کے صالحین ہیں کیونکہ وہ معصوم تھے اُن کے بعد دوسرے صالحین کے درجات ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کرتے ہوئے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: وَادْخُلْنِیْ سِرِّ خَمْلِکَ فِیْ عِبَادِکَ الصَّالِحِیْنَ اور سورۃ انبیاء میں متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر

کرنے کے بعد ارشاد فرمایا: **وَإِذْ خَلَقْنَا هُمُ فِي رَحْمَتِنَا ۖ إِنَّهُمْ مِنَ الصَّالِحِينَ** (اور ہم نے اُن کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا ہے شک وہ صالحین میں سے تھے) معلوم ہوا کہ صالحیت بہت بڑی بلکہ اہل خیر کی مرکزی صفت ہے۔ صالح ہونا بہت بڑی چیز ہے۔ آج کل کوئی شخص بزرگ مشہور ہو اس کے مریدوں کے سامنے کوئی کہہ دے کہ ان کے پیر صالح آدمی ہیں تو وہ برا مانے گا کہ وہ صاحب ہمارے حضرت بس صالح ہیں وہ تو شمس العارفین ہیں اور قطب الاقطاب ہیں حالانکہ کسی کے بارے میں صالح ہونے کی گواہی بہت بڑی گواہی ہے۔ یہ یونکہ یہ مقبولین بارگاہ الہی کی مرکزی صفت ہے۔

حضرت زکریا کو استعجاب اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب..... جب حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹا ملنے کی خوشخبری مل گئی اور بیٹے کی صفات بھی معلوم ہو گئیں تو بارگاہ خداوندی میں غرض کرنے لگے کہ میرے لڑکا کہاں سے ہوگا میں تو بوڑھا ہوں چکا ہوں اور میری بیوی بھی بانجھ ہے، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے تو دعائی میں غرض کر دیا تھا کہ میں بوڑھا ہوں چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے اور اللہ کی قدرت پر بھروسہ کرتے ہوئے انہوں نے دعا کی تھی اب جب دعا قبول ہوگئی تو تعجب کیوں کر رہے ہیں؟ اس سوال کے جواب میں حضرات مفسرین کرام نے کئی باتیں لکھی ہیں اول یہ کہ اُن کا سوال حصول ولد کی کیفیت سے تھا کہ مجھے اسی عورت سے اولاد عطا ہوگی یا دوسری کوئی جوان عورت سے نکاح کرنا ہوگا۔ دوم یہ کہ یہ تعجب بشریت کے فطری تقاضے کے اعتبار سے اُن کی زبان سے ظاہر ہو گیا۔ قدرت الہی کو کامل جانتے ہوئے بھی اس قسم کے مواقع پر انسان کی زبان سے ایسے کلمات نکل جاتے ہیں۔

سوم بعض حضرات نے فرمایا کہ غایت اشتیاق کی وجہ سے انہوں نے سوال کیا تاکہ خدائے پاک کی طرف سے دوبارہ بشارت کا اعادہ ہو۔ اور قلبی لذت میں اضافہ ہو جائے جب حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے تعجب خیز انداز میں یہ کہا کہ اے میرے رب میرے لڑکا کیسے ہوگا حالانکہ مجھ کو بڑھا پانچ گیا اور میری عورت بانجھ ہے تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: **كَذَٰلِكَ اللَّهُ يُفَعِّلُ مَا يَشَاءُ** یعنی تم ہمارا بڑھا پانچ دوتے ہوئے ہی اولاد دوجائے گی اللہ جو چاہے کرے اُسے اختیار ہے، خلاف عادت افعال عجیبہ پر اس کو پوری طرح قدرت ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ **كَذَٰلِكَ** مبتداً محذوف کی خبر ہے یعنی الامر کذلک اور **اللَّهُ يُفَعِّلُ مَا يَشَاءُ** کو اس کا بیان قرار دیا ہے۔

جب دوبارہ بشارت مل گئی تو حضرت زکریا علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں غرض کیا کہ میرے لئے کوئی ایسی نشانی مقرر فرما دیجئے کہ جس سے مجھے پتہ چل جائے کہ استقرا حاصل ہو چکا ہے۔ یہ اس لئے غرض کیا کہ خوشی کی ابتداء ابتداءً حاصل ہی سے ہو جائے اور اللہ کی نعمت کا شکر مزید درمزیہ دوتا رہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے اُن کے لئے یہ نشانی مقرر فرمادی کہ تم تین دن تین رات تک لوگوں سے بات نہ کر سکو گے تین دن کا ذکر تو یہیں اسی آیت میں موجود ہے اور تین رات کا ذکر سورہ مریم میں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ تم لوگوں سے بول ہی نہ سکو گے البتہ ہاتھ کا یا سر کا اشارہ کر کے بات کر سکو گے زبان سے بات کرنے پر قدرت نہ ہوگی اللہ کے ذکر پر تم کو قدرت ہوگی اور اپنے رب کا ذکر خوب زیادہ کرنا۔ صبح شام اللہ کے ذکر میں مشغول رہنا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے اوقات نماز کی پابندی مراوے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ صبح شام کنایہ ہے جمع اوقات سے، مطلب یہ ہے کہ ہر وقت اللہ کی تسبیح بیان کرتے رہنا۔

سورۃ انبیاء اور سورہ مریم میں بھی حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا اور دعا کی قبولیت کا ذکر ہے۔ سورہ مریم میں کچھ مضمون زائد ہے پہلے رکوع کے ختم پر دیکھ لیا جائے اور سورہ انبیاء میں فرمایا: **فَإِن سَأَلْتَهُنَّ لَئِن وَهَبْنَا لَهُ ذُرِّيَّةً لَّهُ يَنْحِرْهَا وَأَصْلَحْنَاهُ ذُرِّيَّةً لَّهُ** کہ ہم نے زکریا کی دعا قبول کی اور اُن کو بچی (بیٹا) عطا فرمادیا اور اس کی بیوی کو ورس کر دیا یعنی ولادت کے قابل بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ خالق الاسباب اور خالق المسببات

ہے وہ اسباب بھی پیدا فرماتا ہے اور اسباب کے بغیر بھی اُسے ہر چیز کی تخلیق پر قدرت ہے۔

نکاح کی شرعی حیثیت حضرت یحییٰ علیہ السلام کی صفات میں جو لفظ حَصُورٌ وارد ہوا ہے (عورتوں سے پرہیز کرنے والا) اس سے حضرات شوافع نے اپنے مذہب کے لئے استدلال کیا ہے کہ نکاح نہ کرنا افضل ہے۔ حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ نکاح کرنا سنت ہے اور نفس کا تقاضا زیادہ ہو تو نکاح کرنا واجب ہے۔ احادیث شریفہ سے یہ امر بخوبی واضح ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے جوانو! تم میں سے جسے نکاح کی قدرت ہو وہ نکاح کر لے کیونکہ وہ نظر کو پست رکھنے کا ذریعہ ہے اور شرم کی جگہ کو پاک رکھنے والی چیز ہے، اور جسے نکاح کی قدرت نہ ہو اُسے چاہیے کہ روزے رکھے۔ کیونکہ روزوں سے اس کی قوت شہوانیہ دب جائے گی۔ حضرت عثمان بن مظعونؓ نے قتل یعنی نکاح نہ کرنے کی اجازت چاہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات کو رد فرمادیا۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۳۶۷ از بخاری و مسلم) نکاح نہ کرنا حضرت یحییٰ علیہ السلام کی خصوصیت تھی۔ عام طور سے حضرات انبیاء علیہم السلام نکاح کرتے رہے۔ سورہ رد میں فرمایا: وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً (اور البتہ تحقیق ہم نے آپ سے پہلے رسول بھیجے اور اُن کے لئے بیویاں مقرر کیں اور اولاد عطا کی) سنن الترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چار چیزیں پیغمبروں کے طریقوں میں سے ہیں شرم والا ہونا، بطن لگانا، مسواک کرنا، نکاح کرنا۔

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ يَمْرُئِيمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلَىٰ نِسَاءِ

اور جب کہا فرشتوں نے کہ اے مریم بے شک اللہ نے تجھے منتخب فرمایا اور پاک بنا دیا اور سب جہانوں کی عورتوں کے مقابلہ میں

الْعَلَمِينَ ۝ يَمْرُئِيمُ اقْنِطِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ ۝

تم کو چن لیا۔ اے مریم تم اپنے رب کی فرمانبرداری کرتی رہو اور سجدہ کرو اور رکوع کرو ان لوگوں کے ساتھ جو رکوع کرتے والے ہیں۔

فرشتوں کا حضرت مریم کو بتانا کہ اللہ نے تمہیں چن لیا ہے

اس سے پہلے رکوع کی ابتداء میں فرمایا تھا کہ آل عمران کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا پھر اُسی ذیل میں حضرت مریم کی پیدائش اور نشوونما اور حضرت زکریا کی دعا اور حضرت یحییٰ کا پیدا ہونا بیان فرمایا اب اُسی سلسلہ کے تحتہ کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ حضرت مریم کا منتخب فرمانا پھر اُن کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری دینا اور اُن کو رسالت سے سرفراز فرمانا اور اُن کے بعض معجزات کا ذکر فرمانا۔ یہ باتیں اس رکوع میں مذکور ہیں۔ اصْطَفٰكِ کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں۔ اختارک من اول الامر و لطف بک و میزک علی کل محرو و خصک بالکرامات السنیۃ۔ یعنی شروع ہی سے اللہ نے تجھے چن لیا اور تیرے ساتھ مہربانی فرمائی اور تجھے اُن تمام لوگوں پر امتیاز بخشا جن کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے آزاد کیا جاتا ہے اور بڑی بڑی کرامات کے ساتھ تجھے مخصوص فرمایا، اور طَهَّرَكِ کے بارے میں لکھتے ہیں اُمی من الادناس والاقذار النسی تعرض للنساء مثل الحيض والنفاس حتی صرت صالحه لخدمه المسجد یعنی اللہ نے تجھے ان گندگیوں سے پاک فرمایا جو عورتوں کو پیش آ جاتی ہے۔ جیسے حیض اور نفاس یہاں تک کہ تو مسجد کی خدمت کے لائق ہو گئی، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ طَهَّرَكِ بالا یمان عن الکفر وبالطاعة عن المعصیۃ یعنی تجھے ایمان دیا اور کفر سے پاک رکھا اور طاعت میں لگایا اور گناہوں سے پاک رکھا۔ اور بعض حضرات نے اس کا مطلب بتاتے ہوئے یوں فرمایا

کہ نہ زھک عن الاخلاقی الذميمة و الطباع الرذيلة یعنی تجھے برے اخلاق سے اور بری طبیعتوں سے پاک صاف کر دیا۔ اس کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ادلی یہ ہے کہ عموم پر محمول کیا جائے اور مطلب یہ ہے کہ ہر طرح کی گندگیوں سے تجھے اللہ نے پاک کر دیا۔ اقدار حسیہ، قلوبیہ، قلبیہ سب سے صاف اور ستھری بنا دیا۔

حضرت مریم کی فضیلت..... پھر فرمایا: اَصْطَفٰی عَلٰی نِسَاءِ الْعَالَمِیْنَ اور تجھے جہانوں کی عورتوں کے مقابلہ میں منتخب فرمایا۔ جو ہم الفاظ کے پیش نظر بعض حضرات نے فرمایا کہ دنیا کی تمام عورتوں پر حضرت مریم تفضلت دی گئی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے ان کے اپنے زمانہ کی عورتیں مراد ہیں۔

روایات حدیث میں حضرت مریم بنت عمران حضرت آسیہ (فرعون کی بیوی) اور حضرت خدیجہ بنت خویلد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی اہلیہ) اور حضرت فاطمہ بنت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے فضائل وارد ہوئے ہیں۔ ان فضائل کی وجہ سے بعض حضرات نے بعض کو بعض پر فضیلت دی اور بعض حضرات نے توقف کیا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان کے فضائل مختلف جہات سے ہیں۔

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت..... حضرت فاطمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جگر گوشہ تھیں اس حیثیت سے ان کو سب پر فضیلت حاصل ہے اور صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فاطمہ میرے جسم کا حصہ ہے، مجھے وہ چیز ناگوار ہوتی ہے جو اُسے ناگوار ہو، اور وہ چیز مجھے اید اوتی ہے جو اُسے اید اوتی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۲۸ از بخاری و مسلم) نیز صحیح بخاری ص ۵۱۲ میں ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض و وفات میں حضرت فاطمہ سے فرمایا: اِصْأَبُ صَبْرٍ ان تکتونی سیدۃ نساء اهل الجنة او نساء المؤمنین (کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ جنت والی عورتوں کی سرور ہوگی یا یوں فرمایا کہ مؤمنین کی عورتوں کی سرور دار ہوگی)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت..... حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اس اعتبار سے افضل ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی بیوی ہیں اور سب سے پہلے انہوں نے ہی اسلام قبول کیا اور اپنا مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور دین اسلام کی خدمت میں اپوری طرح لگا دیا جس کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا: وَوَجَدَكَ غَابِلًا فَأَعْطٰی اس کی تفسیر میں علماء لکھتے ہیں کہ آنی بمقابل خدیجہ (یعنی اللہ نے آپ کو بے پیسے والا پایا سو آپ کو خدیجہ کے مال کے ذریعہ مال والا بنا دیا)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت..... حضرت عائشہ کی فضیلت اس اعتبار سے دوسری تمام عورتوں کے مقابلہ میں زیادہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہوں نے آپ کے علوم کو تمام بیویوں سے زیادہ پھیلایا احکام و مسائل بتائے بہت بھاری تعداد میں اُن کے شاگرد تھے جنہوں نے اُن سے علوم حاصل کئے۔ (الاصابہ ص ۶۰ ج ۳) میں ہے کہ حضرت عطاء بن ابی رباح تابعی نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سب لوگوں سے زیادہ فقیہ تھیں اور سب لوگوں سے زیادہ عالمہ تھیں اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب بھی کوئی مشکل معاملہ رو پیش ہوا تو ہم نے حضرت عائشہ کے پاس ضرور اس کے بارے میں علم پایا۔ یہ تو حضرت خدیجہ، حضرت فاطمہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہن کی فضیلتیں ہیں جو مختلف جہات سے ہیں اور حضرت مریم علیہا السلام کی فضیلت اس اعتبار سے ہے کہ اُن کی والدہ نے اُن کو بیت المقدس کے لئے بطور خادم مقرر کیا اور حضرت زکریا علیہ السلام نے اُن کی کفالت کی اور اُن کے پاس غیب سے رزق آیا اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ بنیں۔

حضرت آسیہؑ کی فضیلت..... اور حضرت آسیہ (فرعون کی بیوی) کی فضیلت اس اعتبار سے ہے کہ انہوں نے اس ماحول میں اسلام قبول کیا جبکہ فرعون ایمان قبول کرنے والوں کو بہت تکلیف دیتا تھا۔ زمین پر لٹا کر باتھوں میں کیلیں گاڑ دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے بطور مثال اہل ایمان کا ذکر فرماتے ہوئے سورۃ تحریم میں یوں ان کا ذکر فرمایا: **وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَتَ فِرْعَوْنَ إِذْ قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ عَسَدْتُ لِنِسَا فِی الْجَنَّةِ وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَنْبِلِهِ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِیْنَ** ۵ (اور اللہ نے بیان فرمایا مسلمانوں کے لئے فرعون کی بیوی کا حال جبکہ اس نے دعا کی کہ اس میرے پردہ نگار میرے واسطے جنت میں اپنے قرب میں نہ کان بنائے اور مجھ کو فرعون سے اور اس کے قتل سے نجات دیتے اور مجھ کو تمام ظالم لوگوں سے نجات دیتے)۔

صحیح بخاری ص ۵۳۲ ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ مردوں میں بہت لوگ کامل ہیں اور عورتوں میں کامل نہیں ہیں مگر مریم بنت عمران اور آسیہ فرعون کی بیوی اور عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسی فضیلت ہے شریک کی باقی تمام کھانوں پر۔ بہر حال ان پانچوں خواتین کی فضیلت بہت زیادہ ہے جو روایات حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتی ہے۔ کئی فضیلت کس کو حاصل ہے۔ اللہ ہی کو معلوم ہے۔

وَ اذْکَعٰی مَعَ الرَّاٰکِعِیْنَ کی تفسیر..... حضرت مریم علیہا السلام کے انتخاب اور اصطفا کا ذکر فرمانے کے بعد اس بات کا ذکر فرمایا کہ فرشتوں نے اُن سے اللہ تعالیٰ شانہ کی فرمانبرداری کرنے اور رکوع سجدہ کرنے کے لئے کہا، اس میں سجدہ کا ذکر رکوع سے پہلے ہے اس کی وجہ سے بعض علماء نے فرمایا کہ پہلی اُمتوں میں سجدہ رکوع سے پہلے کیا جاتا تھا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اوترتیب کے لئے نہیں مطلق جمع کے لئے ہے پہلی اُمتوں میں بھی رکوع سجدہ سے پہلے ہی تھا۔ رکوع کے ذکر کے ساتھ مع الراکعین بھی فرمایا اس کے بارے میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ بعض مفسرین نے نقل کیا ہے کہ بعض یہود نے نماز میں رکوع چھوڑ دیا تھا جیسے بعض ہم میں قوم چھوڑ دیتے ہیں اور بعض رکوع کرتے تھے اس لئے حکم فرمایا کہ نماز کے طریقہ میں اُن ایگوں کے ساتھ رہنا جو رکوع بھی کیا کرتے تھے پس مقصود اہتمام ہے رکوع کا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہ امر منقول کسی کے نزدیک ثابت نہ ہو تو عمدہ وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ فرائض صلوٰۃ میں قیام وجود کی ہیئت میں عادی خلل کم ہو سکتا ہے بخلاف رکوع کے کہ اس کی ہیئت میں خلل زیادہ محتمل ہوتا ہے جیسا کہ اکثر مشاہدہ ہے کہ رکوع میں لوگ کم جھکتے ہیں جس سے وہ اقرب الی القیام رہتا ہے اور کیونکہ اس ہیئت میں معاینہ کو ایک خاص دخل ہے اس لئے مع الراکعین بڑھادیا کہ جس طرح سے کامل راکعین کیا کرتے ہیں۔ ویسے ہی کرنا۔

ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَاِ الْعَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ ۚ وَ مَا کُنْتَ لَدَیْہِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَہُمْ اَیُّہُمْ

یہ فیص کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ کی طرف دی بھیجے ہیں اور آپ نہیں تھے اُن کے پاس جب کہ وہ ڈال رہے تھے اپنی قلموں کو کہ اُن میں سے کون

یَکْفُلْ مَرِیْمَ ۚ وَ مَا کُنْتَ لَدَیْہِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ ۝

مریم کی کفالت کرے اور آپ نہیں تھے اُن کے پاس جس وقت کہ وہ جھگڑ رہے تھے۔

نبوت محمدیہ ﷺ پر واضح دلیل

ابھی حضرت مریم علیہا السلام سے متعلق بعض چیزوں کا بیان باقی ہے جو اس آیت کے بعد آئے والا ہے۔ درمیان میں ایک اہم

بات کی طرف توجہ دلا دی اس میں بظاہر خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن مضمون یہودیوں کو یاودہانی سے متعلق ہے یہودیوں کے سامنے بار بار ایسی چیزیں آتی تھیں جن سے یہ یقین ہو جاتا تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول اور نبی آخر الزمان آپ ہی ہیں جن کی خوشخبری ان کی کتاب میں دی گئی تھی لیکن وہ ضد عناد اور ہٹ دھرمی سے کام لیتے تھے خود ان کے اپنے آباؤ اجداد سے متعلق واقعات جو وہ جانتے تھے قرآن مجید میں وہ بھی بیان کئے گئے اور سب کو یہ بھی معلوم تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمی ہیں کتابیں نہیں پڑھیں۔ اور علماء یہود کے پاس رہنا بھی نہیں ہوا۔ لامحالہ یہودیوں کے آباؤ اجداد سے متعلق واقعات ضرور وحی کے ذریعہ پہنچے ہیں لیکن جسے ہدایت پر آنا ہی نہ ہو وہ کسی بھی بات سے ہدایت و عبرت حاصل نہیں کر سکتا۔ حضرت مریم کی والدہ کا نذر ماننا پھر حضرت مریم کا پیدا ہونا پھر حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں نشوونما ہونا ان کے پاس غیب سے رزق آنا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کا وعار کرنا اور ان کے ہاں بیٹا پیدا ہونا۔ حضرت مریم کو فرشتوں کا خطاب کرنا یہ سب امور غیب کی باتیں ہیں جنہیں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نزول قرآن سے پہلے نہیں جانتے تھے ان چیزوں کا علم آپ کو صرف وحی کے ذریعہ ہوا اور یہ آپ کے معجزات و انجھ میں سے ہے آیت بالا میں یہودیوں کو توجہ دلائی کہ دیکھو یہ خبریں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہاں سے معلوم ہوئیں جو تمہارے آباؤ اجداد سے متعلق ہیں اور جنہیں تم جانتے اور پہچانتے ہو۔ ظاہر ہے کہ ان کا ذریعہ صرف وحی ہے لہذا حق کو قبول کرو۔

حضرت مریم کی کفالت کے لئے قرعہ اندازی..... مذکورہ خبروں کے تذکرہ کے علاوہ ایک اور بات کا بھی تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جب حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ ان کو بیت المقدس میں لے کر آئیں تو ان کی کفالت کے سلسلے میں وہاں کے حاضرین و عابدین آپس میں جھگڑنے لگے ہر ایک کہتا تھا کہ مجھے ان کی کفالت کی سعادت نصیب ہو۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنا استحقاق ظاہر فرمایا کہ اس بچی کی خالہ میرے گھر میں ہے اس کی تربیت کا حق مجھے زیادہ پہنچتا ہے لیکن وہ لوگ نہ مانے اور کہنے لگے کہ ہم قرعہ ڈالیں گے جس کا نام اٹکے گا اسی کو استحقاق کفالت ہوگا۔ معالم القریل ص ۲۹۶ ج ۱ میں لکھا ہے کہ یہ حضرات ۲۹ افراد تھے انہوں نے آپس میں طے کیا کہ سب لوگ پانی میں قلم ڈالیں جس کا قلم جڑھ جائے وہ زیادہ مستحق ہوگا یہ لوگ نہر ارون پر پہنچے اور اس میں اپنے اپنے قلم ڈالے ہر ایک قلم پر صاحب قلم کا نام لکھا ہوا تھا سب کے قلم پانی میں بیٹھ گئے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ پانی میں بہہ گئے اور حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم پانی پر اس طرح کھڑا ہو گیا جیسا کہ مٹی میں کھڑا ہو۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کا قلم پانی کے بہاؤ کے ساتھ نہیں گیا بلکہ پانی کے اوپر الٹا اھر بی کو چلا گیا جس طرف سے پانی آ رہا تھا۔ بہر حال حضرت زکریا علیہ السلام کے نام قرعہ نکل آیا اور مجبوراً سب کو ان کا استحقاق ماننا پڑا یہ

واقعہ بھی یہودیوں میں معروف و مشہور تھا۔ قرآن کریم نے اس کا اجمالی تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا وَمَا كُنْتُمْ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُونَ اَقْلَامَهُمْ (کہ آپ ان کے پاس نہیں تھے جبکہ وہ اپنے قلموں کو ڈال رہے تھے) وَمَا كُنْتُمْ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُونَ (اور آپ ان کے سامنے نہیں تھے جبکہ وہ جھگڑ رہے تھے) اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کے ذریعہ یہ واقعہ بتلایا، یہ بھی آپ کے معجزات میں سے ہے۔ مخاطبین بصیرت سے کام لیں اور ضد اور عناد اختیار نہ کریں تو یہ بھی ان کی ہدایت کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ قال صاحب الروح ص ۵۸ ج ۳ قوله نعالی من انباء الغیب ای من اخبار ما غاب عنک وعن قومک مما لا يعرف الا بالوحی علی ما بشیر علیہ المقام وقال القرطبی ص ۸۵ ج ۴ فیہ دلالة علی نبوة محمد صلی اللہ علیہ وسلم حیث اخبر عن قصة زکریا و مریم ولم یکن قرأ الكتب و اخبر عن ذلک و صدقہ اهل الکتاب بذلک۔ (نلک من انباء الغیب یعنی یہ وہ خبریں ہیں جو آپ سے اور آپ کی امت سے پوشیدہ ہیں اور ایسی خبریں ہیں جو بغیر وحی کے معلوم نہیں ہو سکتیں۔ قرطبی کہتے ہیں اس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی

نبوت پر دلیل ہے کیونکہ آپؐ نے حضرت زکریاؑ و مریم کے بارے میں خبریں دیں اور اہل کتاب نے بھی آپؐ کی تصدیق کی حالانکہ آپؐ نے یہ خبریں کتابوں وغیرہ میں نہیں پڑھی تھیں)

فائدہ..... قرعہ والنا امت محمدیہؐ میں بھی مشروع ہے اس کے مواقع کتب فقہ میں مذکور ہیں کتاب القسمۃ میں بھی اس کا ذکر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ فرماتے تھے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈال لیتے تھے جس کا نام نکل آتا تھا اُسے ساتھ لے جاتے تھے۔ (رواہ البخاری و مسلم)

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اَسْمُہُ الْمَسِيْحُ

جب کہا فرشتوں نے کہ اے مریم بے شک اللہ تمہیں خوشخبری دیتا ہے ایک کلمہ کی جو منجاب اللہ ہو گا اس کا نام مسیح ہو گا

عِيسٰی ابْنُ مَرْيَمَ وَحِيْہَا فِی الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ مِّنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ۝ وَ یُکَلِّمُ النَّاسَ

وہ عیسیٰ ابن مریم ہو گا وہ دنیا اور آخرت میں بادجابت ہو گا اور مقربین میں سے ہو گا اور وہ لوگوں سے بات کرے گا

فِی الْہِیْدِ وَ کُلًّا ۝ وَ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ اَلَمْ یَكُنْ لَّی وَ لَدَیْہِیْ

گہوارہ میں اور بڑی عمر میں، اور وہ صالحین میں سے ہو گا۔ وہ کہنے لگیں کہ اے رب میرے لڑکا کس طرح ہو گا حالانکہ مجھے کسی بشر نے ہاتھ نہیں لگایا

لَبَشْرٌ ۚ قَالَ کَذٰلِکَ اَللّٰهُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ اِذَا قَضٰی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۝

فرمایا اللہ اسی طرح پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے، جب وہ کسی امر کا فیصلہ فرما دے، تو فرما دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے۔

حضرت مریم کو حضرت مسیح عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری

ان آیات میں اس بات کو ذکر فرمایا کہ فرشتوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو بیٹا ہونے کی خوشخبری دی۔ بیٹے کا نام مسیح ہو گا جو عیسیٰ ابن مریم ہو گا اور یہ بتایا کہ یہ بیٹا من جانب اللہ ایک کلمہ ہو گا۔

کلمۃ اللہ اور مسیح کا مطلب..... حضرت یحییٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں مُصَدِّقًا بِکَلِمَۃٍ مِّنَ اللّٰهِ گذر چکا ہے۔ وہاں بھی کَلِمَۃً مِّنَ اللّٰهِ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کَلِمَۃً مِّنَ اللّٰهِ اس لئے فرمایا کہ وہ بغیر باپ کے صرف اللہ کے حکم سے پیدا ہوئے۔ قال فی الروح ص ۱۶۰ ج ۳ و اطلاق الکلمۃ علی من اطلقت علیہ باعتبار انه خلق من غیر واسطۃ اب بل بواسطۃ کن فقط علی خلاف افراد بنی آدم فكان تاثیر الکلمۃ فی حقہ اظہر و اکمل۔ (صاحب روح المعانی) فرماتے ہیں آپ پر لفظ کلمہ کا اطلاق اس اعتبار سے ہے کہ آپ کو باقی بنی آدم کے برعکس باپ کے واسطہ کے بغیر صرف امر لکن کے واسطہ سے پیدا فرمایا ہے۔ پس آپ کے حق میں کلمہ لکن کی تاثیر زیادہ کامل طور پر ظاہر ہوئی)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام مسیح بھی بتایا اور عیسیٰ بھی، لفظ مسیح کے بارے میں صاحب معالم التنزیل ص ۳۰۱ ج ۱ لکھتے ہیں کہ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ فعل مفعول کے معنی میں ہے مسیح بمعنی مسح ہے اور اُن کا یہ نام اس لئے رکھا گیا کہ اُن کو گندگیوں اور گناہوں سے پاک کیا گیا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اُن کے جسم پر اپنا بازو پھیر دیا تھا جس کی وجہ سے شیطان ان سے دور

رہتا تھا۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ مسیح بمعنی مانع ہے اور اسم فاعل کے معنی میں ہے۔ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام مریض کے جسم پر ہاتھ پھیر دیتے تھے اور وہ اس سے اچھا ہو جاتا تھا اس لئے اُن کو یہ نام دیا گیا۔ وہ جال کو بھی مسیح کہا گیا ہے وہ مسیح بمعنی مسح ہے کیونکہ وہ ایک آنکھ سے کاٹا ہوگا گویا کہ اُس کی آنکھ پر کوئی چیز پھیر دی گئی۔

قرآن مجید میں جگہ جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ابن مریم کے ساتھ کیا گیا ہے، چونکہ اُن کا کوئی باپ نہیں تھا اس لئے والدہ ہی کی طرف نسبت کی گئی۔ اس زمانہ میں بعض ایسے لوگ ہیں جو قرآن و سنت کی تصریحات کے خلاف عقائد اختیار کرنے کی وجہ سے کافر ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے باپ تجویز کرتے ہیں۔ یہ لوگ قرآن کی تکذیب کرتے ہیں۔ اعاضا اللہ منہم۔

وجيها في الدنيا والاخرة..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ بھی فرمایا وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ کہ وہ دنیا و آخرت میں باوجہت ہو گئے۔ جب پیدا ہوئے تو ایسا ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو بہت زیادہ رفعت عزت عطا فرمائی۔ جب یہودی ان کے قتل کے درپے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو اوپر اٹھالیا بَلَّ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ قِيَامَتِ كَقَرِيبٍ اُن کا نزول ہوگا۔ صاحب اقتدار ہوں گے اُمّت محمدیہؐ کو ساتھ لے کر دین اسلام کو قبول کریں گے اور اس پر چلیں گے اور چلائیں گے۔ نیز فرمایا وَمِنَ الْمَقَرَّبِينَ کہ اللہ کے نزدیک مقربین میں سے ہوں گے ہر پیغمبر اللہ کا مقرب ہے اور سب اولیاء اللہ کے مقرب ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کے مقرب ہیں۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تصدیق..... جب عیسیٰ علیہ السلام نبوت سے سرفراز ہوئے تو یحییٰ علیہ السلام بھی منصب نبوت پر دنیا میں موجود تھے۔ انہوں نے اُن کی نبوت کی تصدیق کی اور وہ پیشین گوئی صادق آئی جَوْصَصَّدَقَافًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کے سلسلہ میں مذکور ہوئی۔ روح المعانی ص ۴۷۷ ج ۳ میں لکھا ہے وھو اول من امن بعیسیٰ علیہ السلام وصدقہ انھ کلمۃ اللہ تعالیٰ وروح منہ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا اعلان اور اس بات کی تصدیق کی کہ وہ اللہ کا کلمہ ہیں اور اللہ کی طرف سے ایک روح ہیں سب سے پہلے حضرت یحییٰ علیہ السلام نے کیا۔

فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مزید فرمایا وَنُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا (کہ اے مریم تمہارے جو یہ لڑکا پیدا ہوگا۔ گہوارہ میں اپنی بچپن میں بات کرے گا۔ اور بڑی عمر میں بھی) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا واقعہ دورہ مریم کے دوسرے رکوع میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے کہ جب اُن کی ولادت ہو گئی اور اُن کی والدہ اُن کو اٹھا کر لائیں تو لوگوں نے کہا کہ اے مریم تم نے یہ بڑے غضب کا کام کیا۔ اس وقت انہوں نے اپنے بچے کی طرف اشارہ کر دیا وہ کہنے لگے کہ ہم اُس سے کیا بات کریں جو گہوارہ میں ہے، بچہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بول پڑے اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ط اَتَانِی الْكِتَابَ وَجَعَلَنِی نَبِیًّا. وَجَعَلَنِی مُبَارَكًا اَبْنًا مَا خَشِئْتُ وَ اَوْصَانِی بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُعِیْتُ حَيًّا. وَ نَزَّ اَمْرًا بِلَدُنِّیْ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا. (وہ بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھ کو کتاب دی اور اُس نے مجھ کو نبی بنایا اور مجھ کو برکت والا بنایا میں جہاں کہیں بھی ہوں اور اس نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا جب تک کہ میں زندہ رہوں اور مجھ کو میری والدہ کا خدمت گزار بنایا اور اُس نے مجھ کو سرکش بد بخت نہیں بنایا) فِی الْمَهْدِ کے ساتھ وَكَهْلًا بھی فرمایا یعنی یہ بچہ زمانہ کبولت میں بھی لوگوں سے بات کرے گا۔ کبولت جو ان اور بوڑھے کی درمیانی عمر کو کہتے ہیں بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اس کا کلام کرنا بچپن میں اور زمانہ کبولت میں یکساں ہوگا اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس میں حضرت مریم علیہا السلام کو بشارت دی گئی کہ تمہارا بچہ زمانہ کبولت کو بھی پائے گا اور اس کی اتنی عمر ہوگی کہ جوانی کی عمر سے بڑھ کر

زمانہ کہولت میں بھی داخل ہوگا۔

آخر میں فرمایا: وَمِنَ الصَّالِحِينَ یہ بچہ صالحین میں سے ہوگا۔ چند صفحات پہلے صالح کا مطلب بتا دیا گیا ہے اور وہاں یہ بتایا گیا کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام صفت صالح سے متصف ہیں۔

بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ کی پیدائش..... حضرت مریم علیہا السلام کو جو فرشتوں نے بشارت دی اس بشارت کو سن کر انہیں تعجب ہوا اور کہنے لگیں رَبِّ اَنۡتَی یَکُونُ لِی وَلَدٌ وَلَمْ یَمَسَّ سِنِیۡ بِشَرٍّ (مریم عرض کرنے لگیں کہ اے میرے رب میرے لڑکا کہاں سے ہوگا حال یہ ہے کہ مجھے کسی بھی بشر نے چھوا تک نہیں) سورہ مریم میں یہ بھی ہے کہ حضرت مریم نے عرض کیا وَلَمۡ اَلۡکَ بَغِیۡۃً اور نہ میں بدکار ہوں۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کَذٰلَکَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ کہ اللہ تعالیٰ اس طرح پیدا فرماتا ہے جو کچھ چاہتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے انسانوں کی پیدائش عادیہ جس طرح ہوتی ہے چونکہ اُن کی پیدائش اس کے خلاف تھی اسلئے لوگوں کو تعجب ہوا حالانکہ اللہ تعالیٰ کیلئے کوئی بھی شکل نہیں ہے کہ بغیر باپ کے پیدا فرمادے اِذَا قَضٰی اَمْرًا فَاُنۡمَآ یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فِیَکُوْنُ وہ جب کسی چیز کے وجود میں لانے کا فیصلہ فرمائے تو کُن (ہو جا) فرمادیتا ہے۔ پس وہ چیز وجود میں آ جاتی ہے، قادر مطلق جل مجدہ نے بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمادیا اور اپنی کتاب قرآن حکیم میں بتا دیا لیکن یہودی و نصاریٰ کی تقلید میں بعض لوگ قرآن کو جھٹلاتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے یوسف نجار کو باپ تجویز کرتے ہیں اور اُن کو اپنے کفریہ عقیدہ پر اصرار ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْہُمْ۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْاِنۡجِلَآءَ ۝ وَرَسُولًاۙ اِلٰیٰٓ بَنِیۡۤیۡۤیۡۤہٗۤ اِسْرَآءِیۡلَ ؕ اِنِّیۡ

اور اللہ سکھائے گا اس کو کتاب اور حکمت اور توراۃ اور انجیل۔ اور بنادے گا اس کو رسول بنی اسرائیل کی طرف، بنی اسرائیل سے ان کا یہ خطاب ہوگا کہ بلاشبہ میں

قَدْ جِئْتُکُمْ بِآیَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمْ ؕ اِنِّیۡۤ اَخْلَقُ لَکُمۡ مِّنَ الطَّیۡنِ کَہِیۡۃً الطَّیۡرِ فَاَنۡفُخُ

تمہارے پاس آیا ہوں تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر، کہ بلاشبہ میں بناتا ہوں تمہارے سامنے مٹی سے پرندہ کی طرح ایک چیز پھر اُس میں پھونک دیتا ہوں

فِیۡہِ فِیَکُوْنُ طَیۡرًا ؕ بِاِذۡنِ اللّٰہِ ؕ وَاُبْرِیۡۤیۡۤیۡۤہِۤ الْاَنۡکَبٰہَ وَالْاَبۡرَصَ وَ اُنۡحِیۡ الْمَوۡتِیۡ بِاِذۡنِ اللّٰہِ ؕ

تو وہ پرندہ ہو جاتی ہے اللہ کے حکم سے، اور اچھا کرتا ہوں ماورِ زاد اندھے کو اور برص والے کو، اور زندہ کرتا ہوں مردوں کو اللہ کے حکم سے،

وَاُنۡبِئُکُمۡ بِمَا تَاکُلُوْنَ ؕ وَمَا تَدَّخِرُوْنَۙ فِیۡۤیۡ بُیُوۡتِکُمۡ ؕ اِنۡ فِیۡ ذٰلِکَ لَآیَۃٌ لَّکُمۡ

اور میں تمہیں خبر دیتا ہوں اس چیز کی جو تم کھاتے ہو اور ذخیرہ رکھتے ہو اپنے گھروں میں، بلاشبہ اس میں تمہارے لئے نشانی ہے

اِنۡ کُنۡتُمْ مُّؤْمِنِیۡنَ ۝ وَمُصَدِّقًاۙ لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡ مِنَ التَّوْرَةِ وَاِۡحِلَّ لَکُمۡ بَعْضُ

مگر تم ایمان قبول کرنے والے ہو۔ اور سچا بتاتا ہوں اپنے سے پہلے کتاب کو جو تورات ہے اور تاکہ میں حلال کروں تمہارے لئے بعض وہ

الَّذِیۡ حَرَّمَ عَلَیۡکُمۡ وَجِئْتُکُمۡ بِآیَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاطِیَعُوۡنَ ؕ اِنۡ

جیزیں جو تم پر حرام کی گئیں، اور میں لایا ہوں تمہارے پاس نشانی تمہارے رب کی طرف سے، لہذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، بے شک

اللہ رَبِّیْ وَ رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۵﴾

اللہ میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے سو اس کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منصب کی ذمہ داری اور اُن کے معجزات

ان آیات میں حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی بعض صفات بیان فرمائیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ اُن کو کتاب کی تعلیم دے گا۔ کتاب سے کیا مراد ہے جبکہ تورات اور انجیل کا ذکر بعد میں آ رہا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے اس سے تورات انجیل کے علاوہ کتابیں مراد ہیں مثلاً زبور وغیرہ، نیز فرمایا کہ اللہ اُن کو حکمت سکھائے گا۔ صاحب روح المعانی ص ۱۶۹ ج ۳ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے علم الحلال والحرام مراد ہے بعض حضرات نے فرمایا کہ تمام امور دینیہ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اُن کو سکھائے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی سنتیں مراد ہیں۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اُن کو تورات اور انجیل سکھائے گا۔ انجیل تو انہیں پر نازل ہوئی تھی اور تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی جو بنی اسرائیل کے لئے دینی دنیاوی امور میں مفصل دستور حیات تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تورات بھی سکھادی اور اس کے علوم بھی بتادیئے۔ یہ سب باتیں فرشتوں کی خوشخبری ہی کے ذیل میں مذکور ہو رہی ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور نبوت سے سرفراز فرمایا ان سب باتوں کا ظہور ہو گیا اور ایسا ہی ہوا جیسے فرشتوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو خوشخبری دی تھی۔

معجزات کی تفصیل..... خوشخبری میں یہ بات بھی شامل تھی کہ مریح کا یہ لڑکا بنی اسرائیل کی طرف اللہ کا رسول ہوگا اور اس کو معجزات دیئے جائیں گے ان کو جو معجزات دیئے گئے اُن میں ایک یہ تھا کہ وہ مٹی (گارا) لے کر پرندہ کی ایک صورت بنا دیتے تھے پھر اس میں پھونک دیتے تھے تو وہ اللہ کے حکم سے زندہ پرندہ ہو کر اُڑ جاتا تھا۔ اور ایک معجزہ یہ تھا کہ وہ مادرزاد اندھے کی آنکھوں کی جگہ پر ہاتھ پھیر دیتے تھے جس سے وہ بینا ہو جاتا تھا اور دیکھنے لگتا تھا۔ اور ایک معجزہ یہ تھا کہ وہ برص والے کے جسم پر ہاتھ پھیر دیتے تھے جس سے اُس کے جسم کی کھال صحیح ہو جاتی تھی اور مرض جاتا رہتا تھا۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو خص وصیت کے ساتھ ایسی چیزیں بھی بطور معجزہ دی جاتی ہیں جن سے اہل زمانہ اپنے فن میں ماہر ہونے کے باوجود عاجز ہوتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگری کا بہت زور تھا اُن کو عصا دے دی گئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا بہت زور تھا بڑے بڑے ماہرین موجود تھے جو اکہم (مادرزاد اندھا) اور ابرص کے علاج سے بالکل ہی عاجز تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بطور معجزہ ایسی چیز دی گئی جس کا مقابلہ کوئی بھی صاحب فن طبیب نہیں کر سکا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک یہ بھی معجزہ تھا کہ وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ روح المعانی ص ۱۶۹ ج ۳ میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چار آدمیوں کو زندہ کیا ان چار میں حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا سام بھی تھا۔ جب انہوں نے مردوں کو زندہ کیا تو معاندین کہنے لگے کہ یہ تو آپ نے اُن کو زندہ کر کے دکھایا ہے جو زمانہ حال ہی میں مرے تھے۔ ممکن ہے ان کو کشتہ طاری ہو گیا ہو کسی ایسے شخص کو زندہ کرو جس کی موت کو زمانہ طویل ہو چکا ہو۔ لہذا انہوں نے سام ابن نوح کو زندہ کیا اُن کی موت کو چار ہزار سال سے زیادہ ہو چکے تھے اور فرمایا کہ اب تو ایمان لے آؤ اُن میں سے بعض ایمان لائے اور بعض نے تکذیب کی اور کہنے لگے کہ یہ تو جادو ہے۔ دوسرا کوئی معجزہ دکھاؤ۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ میں تمہیں وہ چیزیں بتاتا ہوں جو تم اپنے گھروں میں کھاتے ہو اور ذخیرہ رکھتے

ہوا اور فرمایا کہ یہ سب معجزات خوارقِ عادت جو تمہارے سامنے آئے یہ واضح معجزات ہیں اگر تمہیں ایمان قبول کرنا ہے راہِ حق اختیار کرنا ہے تو ایمان لے آؤ۔ لیکن جن کو ماننا تھا انہوں نے نہ مانا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ جو میرے سامنے تورات شریف ہے میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں کہ وہ اللہ کی کتاب ہے یہ بات کہنے کی ضرورت اس لئے تھی کہ بنی اسرائیل توریت شریف کو مانتے تھے اگر کوئی توریت شریف کی تصدیق نہ کرتا تو ایمان نہ لانے کا یہ بہانہ ہو سکتا تھا کہ تم اللہ کی کتاب کو نہیں مانتے تم پر کیسے ایمان لائیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں توریت شریف کی تصدیق کرتا ہوں تمہارے اور تمہارے دین کے خلاف کوئی دین لے کر نہیں آیا اور تمہارے لئے اللہ کی طرف سے بعض ان چیزوں کو بھی حلال قرار دیتا ہوں جو تم پر سابقہ شریعت میں حرام تھیں اور یہ معجزات مصنف سمجھو وار کے لئے کافی ہیں تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ کفر اختیار کر کے اپنی بربادی نہ کرو۔ اندیشہ تھا کہ مذکورہ بالا معجزات اور خاص کر احیاء موتی کا منظر دیکھ کر لوگ حضرت عیسیٰ کو خدا نہ سمجھنے لگیں اس لئے انہوں نے دوبارہ باذن اللہ فرمایا۔ سورۃ مائدہ کے ختم کے قریب بھی ان کے معجزات کا ذکر ہے وہاں چار مرتبہ یہ فرمایا کہ یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو دعوت دیتے ہوئے مزید فرمایا۔

دعوتِ توحید..... کہ اِنَّ اللّٰهَ رَٰبُّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ (کہ بلاشبہ میرا رب اور تمہارا رب اللہ ہے پس اس کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بار بار بنی اسرائیل کو ایمان کی دعوت دی لیکن وہ ان کے دشمن ہو گئے حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو قتل کر دیا اور ان سے پہلے پتہ نہیں کتنے انبیاء کو قتل کر چکے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے بھی درپے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بچالیا اور پورا بخالیا پھر صدیوں کے بعد ان لوگوں نے جو اپنے جھوٹے خیال میں ان کے ماننے والے تھے عقیدہ تثلیث اور عقیدہ تنگیغیر اپنی طرف سے گھڑ لیا! رب جو لوگ ان کے ماننے کے دعویدار ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود مانتے ہیں خدا کا مینا مانتے ہیں اور یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کا قتل ہمارے گناہوں کا کفارہ ہے! گیا۔ (العیاذ باللہ) جس نے بار بار توحید کی دعوت دی اور اپنے کو اللہ کا بندہ بتایا اس کے جھوٹے ماننے والوں نے شرک اختیار کر لیا۔

فائدہ..... سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو مٹی سے پرندہ کی شکل بناتے تھے اس کے لئے بعض اکابر نے فرمایا کہ تصویر بنانا ان کی شریعت میں جائز تھا اس سے ہماری شریعت میں جواز پر استدلال نہ کیا جائے کیونکہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر سازی کو مطاعنِ فرع فرما دیا۔ احقر کے خیال میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے جواز تصویر پر استدلال کرنے کا موقعہ اس لئے بھی نہیں ہے کہ وہ تو معجزہ دکھانے کے لئے بناتے تھے اور وہ تصویر اپنی حالت میں باقی نہیں رہتی تھی بلکہ ان کے پھونکنے سے پرندہ بن کر اڑ جاتی تھی، آجکل جو صورتیوں اور تصویروں کا رواج ہے وہ زندہ کر کے دکھانے کے لئے نہیں ہے۔ الماریوں میں رکھنے اور گاڑیوں میں لٹکانے اور فرتوں میں آویزاں کرنے کے لئے ہے، کہاں موجودہ صورتحال اور کہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ۔ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

فَلَمَّا أَحَسَّ عِیْسٰی مِنْهُمُ الْکُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْ اِلٰی اللّٰهِ قَالَ الْخَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ

پھر جب عیسیٰ نے ان کی طرف سے انکار دیکھا تو کہنے لگے کہ کون ہیں جو میرے مددگار ہو جائیں اللہ کی طرف، خواریوں نے کہا ہم اللہ کے

اَنْصَارُ اللّٰهِ اَمَّا بِاللّٰهِ فَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ رَبَّنَا اٰمَنَّا بِمَا اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا

مددگار ہیں، اُم اللہ پر ایمان لائے اور آپ کو یہ کہہ کر ہم فرما رہے ہیں۔ اے ہمارے رب ہم اس پر ایمان لائے جو آپ نے نازل فرمایا اور ہم نے رسول کا اتباع کیا آپ ہمیں ان

مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿۵۰﴾

لوگوں کے ساتھ لکھو دیجئے جو تصدیق کرنے والے ہیں۔

عامۃ بنی اسرائیل کا کفر اختیار کرنا اور حواریوں کا حضرت عیسیٰ کی مدد کے لئے کھڑا ہونا

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی اسرائیل کو اپنے اتباع اور اطاعت کی دعوت دی اور انجیل پر ایمان لانے کا حکم فرمایا اور ان کو بتایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں تم میری اطاعت و فرمانبرداری کرو۔ لیکن بنی اسرائیل نے عناد اور ہٹ دھرمی پر کمر باندھ لی حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہود سے خطاب فرماتے اور حق کی دعوت دیتے تھے اور وہ لوگ ان کا مذاق بناتے تھے ان کے انکار اور ہٹ دھرمی میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے محسوس فرمایا کہ بنی اسرائیل ایمان لانے والے نہیں ہیں لہذا انہوں نے پکارا کہ کون ہے جو میرا مددگار بنے؟ اس پر بنی اسرائیل کی ایک جماعت نے ایمان قبول کیا اور ایک جماعت نے کفر اختیار کیا جیسا کہ سورہ صف کی آخری آیت میں مذکور ہے وہیں پر حواری بھی موجود تھے انہوں نے کہا ہم اللہ کے مددگار ہیں۔

حواری کون تھے؟..... حواری کون لوگ تھے اس کے بارے میں مفسرین نے متعدد اقوال نقل کئے لفظ حواری حور سے مشتق ہے۔ بخبر سفیدی کو کہتے ہیں جنت کی عورتوں کو اس لئے حور کہا گیا کہ ان کا رنگ سفید ہوگا، ایک قول کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری دھویوں کا کام کرتے تھے۔ یعنی اجرت پر لوگوں کے کپڑے دھوتے تھے اس لئے ان کو حواری کہا جاتا تھا۔ حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا کہ ان کے کپڑے سفید تھے اس لئے حواری کا لقب دیا گیا۔ حضرت قتادہ کی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے قلوب کی صفائی اور اخلاق کی پاکیزگی کی وجہ سے حواری کہا گیا۔ صاحب روح المعانی ص ۶۷۳ نے یہ اقوال لکھے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ بارہ افراد تھے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ انتیس آبی تھے، بہر حال یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خاص متبعین میں سے تھے انہوں نے ایمان بھی قبول کیا اور ان کے ساتھ دعوت کے کام میں شریک رہنے کا بھی اعلان کیا اور کہا کہ ہم راو خداوندی کی طرف دعوت دینے میں آپ کے ساتھی ہیں۔ اور اللہ کے مددگار ہیں۔ اللہ کو کسی مددگار کی ضرورت نہیں۔ یہ اس کا کرم ہے کہ جو اس کے دین کی نصرت کرے اس کے عمل کو اپنی مدد کرنے سے تعبیر فرمادیا۔ جیسا کہ سورہ محمد (ﷺ) میں ہے کہ اِنْ نَّصُصْوَا وَاللّٰهُ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو جما دے گا) حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ بھی عرض کیا کہ ہم اللہ پر ایمان لائے آپ ہمارے فرمانبردار ہونے کے گواہ بن جائیں، اور انہوں نے اللہ سے یہ دعا بھی کی کہ اے ہمارے رب آپ نے جو کچھ نازل فرمایا ہم اس پر ایمان لے آئے آپ کے رسول کا اتباع کیا۔ آپ ہمیں ان لوگوں میں لکھ دیجئے جو انبیاء کے سچا ہونے کی گواہی دیتے ہیں اور ان کی تصدیق کرتے ہیں۔

پھر لفظ حواری ایسے خصوصی شخص کے لئے استعمال ہونے لگا جو بہت ہی زیادہ خاص ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اِنَّ بِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا وَحَوَارِيَّ الزُّبَيْرِ (کہ ہر نبی کے لئے ایک حواری ہے اور میرا حواری زبیر ہے)

بہر حال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایسے خاص خادم مل گئے تھے جو ان کے ساتھ دعوت کے کام میں شریک تھے لیکن پوری قوم بنی اسرائیل کے مقابلہ میں ان کی تعداد بہت ہی کم تھی بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی اور ان سے دشمنی کی اور ان کی دعوت کو نہ مانا۔ بلکہ ان کے قتل کے ورپے ہو گئے۔ (جیسا کہ آئندہ آیت کی تفسیر میں آ رہا ہے)

وَمَكْرُوا اللَّهَ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ۝ اِذْ قَالَ اللَّهُ يٰعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ

اور ان لوگوں نے مکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر تدبیر فرماتا والا ہے۔ جب فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ اے عیسیٰ میں تمہیں وفات

مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ اِلَىٰ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ

بیٹے والا ہوں اور تمہیں اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور تمہیں ان لوگوں سے پاک کرنے والا ہوں جنہوں نے کفر کیا، اور جن لوگوں نے تمہارا اتباع کیا

اتَّبِعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا اِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىٰ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ

ان کو غالب رکھوں گا قیامت کے دن تک ان لوگوں پر جنہوں نے کفر اختیار کر لیا، پھر میری طرف تم سب کو لوٹنا ہو گا، پھر فیصلہ کروں گا

بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝

تمہارے درمیان اس چیز کے بارے میں جس میں تم اختلاف رکھتے تھے۔

یہودیوں کا حضرت عیسیٰ کے قتل کا منصوبہ بنانا اور اس میں ناکام ہونا

جیسے جیسے سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت آگے بڑھتی گئی اور آپ اپنے عہدہ رسالت کے مطابق کام کرتے رہے اور کچھ نہ کچھ افراد ان کے ساتھ ہوتے گئے بنی اسرائیل کی دشمنی تیز ہوتی گئی اور بالآخر انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے کی ٹھان لی اور طے کر لیا کہ انہیں ختم کر کے رہیں گے۔ اب بنی اسرائیل نے اپنی ایسی تدبیریں شروع کر دیں جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام شہید کر دیئے جائیں اور ان سے بنی اسرائیل کا چھٹکارہ ہو جائے۔ بنی اسرائیل نے جب سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا تو ان کو ایک مکان میں بند کر دیا اور ان پر ایک نگران مقرر کر دیا۔ جب قتل کرنے کے لئے وہاں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے اس نگران کی صورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی بنا دی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اوپر اٹھالیا (ذکرہ البغوی فی معالم التنزیل ص ۴۹۶ ج ۱) ان لوگوں نے اندر جا کر دیکھا تو وہاں ایک ہی شخص کو پایا اور اسے قتل کر دیا کیونکہ یہ شخص صورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل تھا لیکن اس سوچ بچار میں رہے کہ ایک اگر یہ شخص وہی تھا جس کے قتل کرنے کے لئے ہم آئے تھے تو ہمارا آدمی کہاں گیا؟ قتل تو اس کو کر دیا لیکن پھر بھی شک و شبہ میں رہے، اس کو سورہ نساء میں یوں بیان فرمایا وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلْبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اَخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ (اور انہوں نے نہ ان کو قتل کیا نہ ان کو صلیب پر چڑھایا لیکن ان کو شبہ میں ڈال دیا گیا) اور بلاشبہ جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں وہ ان کی طرف سے ضرور شک میں ہیں اس کی مزید توضیح ان شاء اللہ تعالیٰ سورہ نساء کی آیت بالا کی تفسیر کے ذیل میں بیان ہوگی۔ جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا تھا وہ ان کے قتل میں ناکام ہو گئے اور ان کو اشتباہ ہو گیا کہ ان کا اپنا آدمی قتل ہو یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی تدبیر غالب آئی اور یہودی مکاری دھری رہ گئی اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ اِنِّیْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا پورا ہو گیا۔

مکر کا معنی..... لفظ مکر خفیہ تدبیر کو کہتے ہیں، یہ اچھے کام کے لئے بھی ہوتی ہے اور بُرے کام کے لئے بھی۔ سورہ فاطر میں فرمایا: وَلَا يَجْعَلِ الْمُتَكِبِرُ السَّيِّءُ الْاَبْهَلُ اس سے معلوم ہوا کہ مکر اچھا بھی ہوتا ہے اور بُرا بھی، اور عربی زبان میں دونوں معنی کی گنجائش ہے اگر

چالبازی اور جھوٹ سے کوئی تدبیر کی جائے گی تو وہ اردو زبان کے محاورہ میں مکاری ہوگی اور ضروری نہیں کہ تدبیر بری ہو، قرآن مجید میں جو مکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے اس سے اردو کے محاورہ والا مکر مراد نہیں ہے بلکہ عربی کے معنی مراد ہیں، یعنی خفیہ اور لطیف تدبیر جس کا دوسرے کو پتہ نہ چل سکے۔

فی روح المعانی ص ۹ ج ۳ ونقل عن الامام ان المکر ایصال المکر وہ الی الغیر علی وجہ یخفی فیہ و انہ یجوز صدورہ عنہ تعالیٰ حقیقۃً، وقال غیر واحد انه عبارة عن التدبیر المحکم وهو لیس بممنوع علیہ تعالیٰ. وقال فی تفسیر قولہ تعالیٰ واللہ خیر الماکرین ائی افواہم مکرراً وأشدہم او ان مکرہ احسن و اوقع فی محلہ لبعده عن الظلم۔ (امام سے منقول ہے کہ مکر سے مراد مخفی طور پر کسی کو تکلیف پہنچانا ہے اور اس کا اللہ تعالیٰ کی ذات سے ھتیکہ صدور جائز ہے اور بہت سے علماء کا کہنا ہے کہ مکر مضبوط تدبیر کا نام ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے حق میں ممنوع نہیں۔ نیز وہ اللہ تعالیٰ کے قول واللہ خیر الماکرین کی تفسیر میں فرماتے ہیں یعنی اس کی تدبیر سب سے زیادہ محکم اور شدید ہے یا اس کی تدبیر سب سے اچھی اور ظلم سے بعید ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ بر محل ہے)

مُتَوَفِّيكَ اور **رَافِعُكَ** کی تفسیر..... اللہ جل شانہ نے یہ جو فرمایا کہ **يُنْعِمُنِي وَيُنْقِصُنِي** وَرَافِعُكَ إِلَىٰ وَمُطْفِئُكَ مِنَ الَّذِينَ تُكْفِرُوا صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ لفظ اُذْ لفظ مَكْر کا ظرف ہے یا یہاں اُذ مکر مقدر ہے جیسا کہ اس قسم کے واقع میں مانا جاتا ہے اگر مکر سے متعلق کیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا جب اللہ نے خفیہ تدبیر فرمائی اور یہ فرمایا کہ اے عیسیٰ میں تمہیں وفات دینے والا ہوں اور تمہیں اوپر اٹھالینے والا ہوں اور تمہیں اُن لوگوں سے پاک کرنے والا ہوں جنہوں نے کفر کیا۔ چونکہ آسمان پر اٹھانا پہلے ہوا اور احادیث کی تصریح کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے اور ایک عرصہ تک زندہ رہ کر پھر اُن کو طبعی موت آئے گی اس لئے بعض علماء نے فرمایا کہ **مُتَوَفِّيكَ** کر میں مقدم ہے اور وقوع کے اعتبار سے مؤخر ہے چونکہ اللہ تعالیٰ نے تسلی دیتے ہوئے اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے خطاب فرمایا تھا جبکہ یہودی اُن کے قتل کے ورپے ہو چکے تھے اس لئے **مُتَوَفِّيكَ** کا یہ معنی لینا (کہ میں تم کو طبعی موت دوں گا یہ تمہیں قتل نہ کر سکیں گے اور ابھی تو تم کو اوپر اٹھانے والا ہوں) سیاق کلام سے بعید نہیں ہے اور اس میں یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہتی کہ لفظوں میں تقدیم اور تاخیر ہے اور بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ متوفی اسم فاعل کا صیغہ ہے جو لفظ توفی سے لیا گیا ہے توفی کا اصل معنی موت کا نہیں ہے بلکہ کسی چیز کو اوپر اوپر لے لینے اور اٹھانے کا ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ نیند کے لئے بھی استعمال فرمایا ہے جیسا کہ سورہ انعام میں فرمایا **وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَزَوْا حَنَاهُ** (اللہ وہ ہے جو تمہیں اٹھا لیتا ہے رات کو اور جانتا ہے جو تم کرتے ہو دن میں) اگر **مُتَوَفِّيكَ** کا یہ معنی لیا جائے کہ تمہیں پورا پورا اٹھانے والا ہوں تو اس میں بھی تقدیم و تاخیر کا قول اختیار کرنے کی ضرورت نہیں رہتی اور **رَافِعُكَ** اس صورت میں منوفی کا عطف تفسیری ہوگا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا تو کافروں سے اُن کی جان چھڑادی۔ اور گندے لوگوں کے ماحول سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پاک کر دیا کیونکہ وہ لوگ اُن کے دشمن بنے ہوئے تھے۔

قرآن مجید میں صاف صاف فرمادیا ہے **وَمَا قُلُوْهُ نَبِيْنًا قَبْلَ رَفَعُوْهُ اِلَيْهِ** (سورہ نساء ۴۲) اور یہ یقینی بات ہے کہ اُن لوگوں نے اُن کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنی طرف اٹھالیا) اس تصریح سے واضح ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول نہیں ہوئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو عالم بالا کی طرف اٹھالیا۔

قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دنیا میں تشریف لانا..... احادیث کثیرہ متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے اور عدل و انصاف قائم کریں گے۔ حافظ ابن کثیر ص ۳۲ ج ۴ لکھتے ہیں وقد تواترت الاحادیث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه اخبر بنزول عيسى عليه السلام قبل يوم القيامة اماماً عادلاً وخكفًا مقسطاً۔ (تواتر کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے اترنے کی خبر دی وہ امام عادل ہوں گے اور انصاف کے فیصلے کریں گے) سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک تمام مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول نہیں ہوئے ان کو آسمان پر اٹھالیا گیا اور وہ وہاں زندہ ہیں اور اسی لئے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں شمار کیا ہے (شب معراج میں دیگر انبیاء علیہم السلام سے جو ملاقات ہوئی وہ ان حضرات کی برزخی زندگی میں تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی چونکہ ابھی وفات نہیں ہوئی اس لئے ان سے جو وہاں ملاقات ہوئی وہ موت سے قبل والی زندگی میں تھی لہذا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں شمار ہیں)۔

حیاتِ مسیح کا انکار کرنے والے قرآن کے منکر ہیں..... حیاتِ مسیح علیہ السلام کے عقیدہ کا انکار ایک جاہل جھوٹے شخص نے کیا جس نے خود اپنے کو ان کی جگہ مسیح موعود کے نام سے پیش کیا اُس شخص کے ماننے والے آج تک اُسی لکیر کو پیٹ رہے ہیں۔ سورۃ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَ ثَمَرًا ۝ (اور جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اختیار کرے اس کے بعد کہ اس کے لئے ہدایت واضح ہوگئی اور مؤمنین کی راہ کے علاوہ دوسری راہ اختیار کرے تو ہم اس کو وہ کچھ کرنے دیں گے جو وہ کرتا ہے اور اُس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بُری جگہ ہے)۔

اس آیت کریمہ میں واضح طور پر بتا دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنا اور مؤمنین کی راہ کے علاوہ دوسری راہ اختیار کرنا دوزخ میں جانے کا سبب ہے۔ قرآن مجید کی اس آیت میں مسلمان کی راہ کو بھی معیار حق بتایا اور ارشاد فرمایا کہ اس کے خلاف راہ اختیار کرنے والا دوزخ میں جائے گا، اور جب اس کی یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ نے آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقائد و اعمال سیکھے اور ان سے تابعین نے اور ان سے تبع تابعین نے اور ان کے بعد سلفا عن خلف تمام مسلمانوں نے وہی عقائد و اعمال سیکھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے تھے لہذا اس دین کے خلاف جو کچھ ہوگا وہ سراسر گمراہی ہے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوگئی دوزخ میں جانے کو تیار ہیں لیکن حق ماننے کو تیار نہیں، جب ان کے سامنے رَافِعُ ابْنُ رَافِعٍ اور رَفَعَةُ اللَّهِ ابْنُ رَفَعَةَ اللَّهِ پیش کیا جاتا ہے جس میں اس بات کی تصریح ہے کہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا تو کہتے ہیں کہ اس سے رفع درجات مراد ہے۔ جب یہ جاہلانہ تاویل کرتے ہیں تو لفظ اِلٰی اور اِلَيْهِ کا ترجمہ کھا جاتے ہیں۔ جاہلوں کے سامنے ادھر اتر جہم کرتے ہیں، قرآن مجید میں جہاں رفع درجات کا ذکر ہے وہاں اِلٰی نہیں ہے، جیسا کہ سورۃ بقرہ میں فرمایا وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ ذَرَجَاتٍ ان کا فروع ملحدوں کو قرآن ماننا نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ ابن مریم قیامت سے پہلے نازل ہوں گے اس بات کے ماننے کو تیار نہیں ہیں، جھوٹے شخص پر ایمان لے آئے تو اب جھوٹ ہی کو پھیلا رہے ہیں۔ فبحہم اللہ تعالیٰ

مُطَهَّرُ لَحْ کی دوسری کی تفسیر..... مُطَهَّرُ لَحْ کی ایک تفسیر تو وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کی کہ اللہ تم کو گندے لوگوں کے ماحول سے دور کر کے پاک کرنے والا ہے۔ قال فی روح المعانی ص ۱۸۳ ج ۳ یحتمل ان یکون تطہیرہ علیہ السلام ببعیدہ منهم

بالرفع وباحتتمل أن يكون بنجاحه مما فصلوا فعله به من القتل (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یہ احتمال ہے کہ پاک کرنے کا مطلب یہ ہو کہ آپؐ کو انہما کر اور ان سے دور کر کے ان سے پاک کر دیں گے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان کے ارادہ قتل اور پروگرام سے نجات دیدیں گے) اور ایک تفسیر یہ ہے کہ یہود نے تم پر جو الزامات لگائے ہیں اور جو تمہارے نسب کو مطعون کیا ہے اللہ تعالیٰ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ان سب چیزوں سے تمہاری تطہیر فرمائے گا اور تم کو ان سب سے بری کر دے گا۔

جَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا اللہ جل شانہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خطاب فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا: جَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (الآیۃ)

(جن لوگوں نے تمہارا اتباع کیا ان کو قیامت تک ان لوگوں پر غالب رکھوں گا جنہوں نے کفر کیا) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اتباع کرنے والوں میں انصاری تھے پھر مسلمان بھی اُن کی رسالت اور نبوت کے ماننے والے ہو گئے ان دونوں قوموں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منکرین یعنی یہودیوں پر قیامت تک کے لئے غلبہ عطا فرمایا یہ غلبہ دنیاوی ہے رہا مسئلہ آخرت کی نجات کا تو وہ اس ایمان پر موقوف ہے جو ایمان اللہ کے ہاں معتبر ہے۔ انصاری حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اپنے دعوے کے مطابق کسی نہ کسی قسم کا تعلق رکھتے ہیں لیکن سیدنا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپؐ پر ایمان لانے کے لئے اُن سے فرما دیا تھا مَبَشِّرُوا بِرَسُولٍ يَأْتِيهِمْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ اور مسلمانوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مانا کہ وہ اللہ کے رسول تھے اور سیدنا محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر بھی ایمان لائے اور اُن باتوں کا بھی عقیدہ رکھا جو قرآن و حدیث میں ان کے بارے میں بیان کی گئی ہیں اس لئے وہ نجات آخرت کے بھی مستحق ہوئے بہر حال یہودیوں پر مسلمین اور انصاری دونوں قوموں کو برتری اس دنیا میں حاصل ہے۔

قال صاحب الروح ص ۸۳ ج ۳ وهذا الاتباع بفتح ان يراد بالمتبعين ما يشمل المسلمين والنصارى مطلقا من آمن به قبل مجيئنا صلى الله عليه وسلم ومن آمن بزعمه بعد ذلك۔ (یعنی متبعین سے مطلق مراد لینا صحیح ہے خواہ وہ متبعین مسلمان ہوں یا انصاری جو بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ خواہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل ان پر ایمان لایا ہو یا آپؐ کی آمد کے بعد آپؐ کے فرمان کے مطابق ان پر ایمان لایا ہو)

فلسطين کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے میں اولاً انگریزوں کے تسلط دینے سے اور اب امریکہ کی سرپرستی میں جو یہودیوں کی نام نہاد حکومت قائم ہے اس کی وجہ سے آیت کے مضمون پر کوئی اشکال نہ کیا جائے چونکہ یہ حکومت انہیں انصاری نے ہی دی ہے اور انصاری ہی اُن کی سرپرستی کر رہے ہیں اور پورے عالم کے مسلمان اور انصاری مل کر اُن پر تعد اور اموال اور ہتھیاروں کے اعتبار سے غالب ہی ہیں اس لئے ان کی حکومت قائم ہونے سے آیت قرآنی کے مضمون پر کوئی اشکال نہیں ہوتا۔ اگر انصاری اُن کی سرپرستی سے ہاتھ اٹھالیں تو اُن کی نام نہاد حکومت ذرا دیر بھی باقی نہیں رہ سکتی۔

پھر فرمایا اِنَّمَّا اِلٰهِيْ مَرْجِعُكُمْ (الآیۃ) اس میں یہ ارشاد فرمایا کہ دنیا میں تو غالب اور مغلوب کا فردا فردا من سب ہی زندگی گزاریں گے پھر سب کو میری طرف لوٹنا ہوگا اور میدان قیامت میں اُن سب باتوں کے بارے میں فیصلے کر دوں گا جن کے بارے میں اختلاف رکھتے ہو اس اختلاف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت بھی ہے اُن کو یہودیوں نے اللہ کا رسول نہیں مانا اور انصاری میں سے کسی نے خدا مانا کسی نے خدا کا بیٹا۔ اور مسلمانوں نے قرآن حکیم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی وجہ سے اُن کے بارے میں صحیح عقائد

رکھے۔ قیامت کے دن غلط عقائد رکھنے والوں کو صحیح بات کا پتہ چل جائے گا۔

فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَاعْزَدْ بِهِمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ذَوَا لَهُمْ مِّنْ

سو جن لوگوں نے کفر اختیار کیا پس میں ان کو سخت عذاب دوں گا دنیا میں اور آخرت میں اور ان کے لئے کوئی

نَصْرِينَ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ

مددگار نہ ہو گا۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے تو اللہ ان کو پورے پورے اجر و نفع فرما دے گا، اور اللہ ظالموں کو

الظَّالِمِينَ ۝ ذَلِكُمْ تَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ۝

دوست نہیں رکھتا۔ یہ آیات اور ذکر حکیم ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں۔

کافروں کے لئے وعید عذاب شدید اور اہل ایمان کے لئے اجر و ثواب کا وعدہ

دنیا میں مؤمن اور کافر سمجھی زندگی رہتے ہیں اور کھاتے کھاتے ہیں۔ یہ سب دنیاوی امور ہیں آخرت میں تو ایمان مدار نجات ہوگا ایمان اور اعمال صالحہ کی بنیاد پر جنت ملے گی اور اُس وقت اعمال کا پورا پورا بدلہ اللہ پاک کی طرف سے دے دیا جائے گا اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے لئے دنیا میں بھی سزا ہے اور آخرت میں بھی، یہ سزا مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ جب مسلمان جہاد کرتے تھے (جواب بھی واجب ہے) اُس وقت کافران کے ہاتھوں قتل ہوتے تھے قید ہوتے تھے غلام باندی بنائے جاتے تھے جزیہ دینے پر مجبور ہوتے تھے۔ اور اب بھی ان کے ملکوں میں تباہی آتی رہتی ہے۔ نئی نئی بیماریاں زلزلے وغیرہ مصائب و آلام کا شکار ہوتے رہتے ہیں اور اگر کہیں دنیاوی حال اچھا ہے تو وہ استبداد ہے اور مسلمانوں کے ملکوں میں جو کبھی اس طرح کی کوئی چیز آ جاتی ہے وہ کفار و مینات کافر راہ بنتی ہے۔ نصاریٰ کا دنیا میں یہودیوں پر فائق اور غالب رہنا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ آخرت میں نجات کے مستحق ہوں گے۔ کیونکہ وہاں کی نجات کا تعلق اُس ایمان سے ہے جو اللہ کے ہاں معتبر ہے۔ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس طرح نہیں مانتے جیسا انہوں نے اپنے بارے میں ارشاد فرمایا: **إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَأَعْبُدُوا اللَّهَ سِوَايَ** اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان نہیں لاتے (ان کی تشریف آوری کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی) اس لئے کافروں میں شمار ہیں اور کفر کی وجہ سے آخرت میں ان کو سخت اور دائمی عذاب ہوگا اور یہودی بھی کفر اختیار کئے: دئے ہیں وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی ایمان نہیں لائے اور سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو بھی نہیں مانتے لہذا وہ بھی آخرت میں عذاب دائمی کے مستحق ہیں۔ آخر میں فرمایا: **ذَلِكَ تَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ**۔

کہ اے محمد! یہ جو کچھ ہم پڑھ کر آپ کو سناتے ہیں یہ ان آیات یعنی دلائل واضح میں سے ہے جو آپ کی نبوت کی تصدیق کرتے ہیں ان چیزوں کو کوئی شخص نہیں جان سکتا جب تک کہ پرانی کتاب نہ پڑھی ہو یا کسی معلم سے علم حاصل نہ کیا ہو آپ کو یہ دونوں باتیں حاصل نہیں لہذا یہ ساری معلومات متعین طور پر وحی کے ذریعہ آپ کو معلوم: **وَمِنَ الذِّكْرِ الْحَكِيمِ** اور ذکر حکیم یعنی قرآن حکم بھی ہم آپ کو سناتے ہیں جو باطل سے محفوظ ہے اور حکمتوں سے پُر ہے۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾

بلاشبہ اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال ایسی ہے جیسے آدم کی مثال، پیدا فرمایا اُن کو مٹی سے پھر اُن سے فرما دیا: ہو جا پس اُن کی پیدائش ہو گئی،

الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٦٠﴾ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ

یقین ہے آپ کے رب کی طرف سے۔ وہ آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں۔ سو جو شخص اُن کے بارے میں آپ سے جھگڑا کرے۔ اُسکے بعد کہ آپ کے

الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَابْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَ

پاس علم آگیا ہے تو آپ فرمادیجئے کہ آجاء ہم ہائیں اپنے بیٹوں کو اور تم ہاوا اپنے بیٹوں کو اور ہم ہائیں اپنی عورتوں کو اور تم ہائیں اپنی جانوں کو اور تم بھی

أَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلُ لَكَ الْكُذِبَ بَيِّنًا ﴿٦١﴾ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْقَصَصُ

ماخوذ ہو جائے اپنی جانوں کو لے کر پھر ہم سب مل کر خوب سچے دل سے اللہ سے دعا کریں اور امانت بھیج دیں جہنوں پر۔ بلاشبہ یہ سچی

الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٢﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ

بات ہے، اور کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا، اور بے شک اللہ زبردست ہے اور حکمت والا ہے۔

اللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٦٣﴾

پھر اگر وہ روگردانی کریں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو خوب جانتے والا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش حضرت آدم علیہ السلام کی طرح سے ہے

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش جو بغیر باپ کے ہوئی اس پر یہودیوں نے شک کیا اور حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت لگائی اور آج بھی قرآن کے منکرین اسی لکیر کو پیٹ رہے ہیں ان کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ باا باپ کے مریم بتول کے ہاں کیسے لڑکا پیدا ہو گیا؟ اللہ جل شانہ نے ان سب کے استعجاب اور استبعاد کا جواب دے دیا اور فرمایا اِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ (الآیۃ) اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ کی پیدائش ایسی ہی ہے جیسے آدم کو پیدا فرمایا۔ آدم کا پتلا بنایا پھر اس میں روح پھونک دی بس باذن اللہ بغیر ماں باپ کے ایک جیتی جاگتی مخلوق وجود میں آ گئی۔ بغیر ماں باپ کے جو چیز پیدا ہو گئی اُس پر تو کوئی تعجب نہیں اور جو صرف ماں سے بغیر باپ کے پیدا ہوا اس پر تعجب ہے اور انکار پر انکار کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ ہے اُس نے ابد البشر کو بغیر ماں باپ کے پیدا فرمادیا اور پھر ابو البشر کا جوڑا یعنی حضرت حوا انبی کے جسم سے پیدا فرمادیا خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا اور حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا فرمادیا۔

اللہ جل شانہ نے انسانوں کی عام تخلیق کا سبب والدین کے ملاپ کو بنادیا ہے اور یہ سلسلہ سب کے سامنے ہے عادتہ مستمرہ ہے اس لئے اس میں کسی کو تعجب نہیں اور ایک جان کو بغیر ماں باپ کے پیدا فرمایا اور ایک جان کو بغیر ماں کے اور ایک جان کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا ان سب میں اس کی قدرت کے مظاہرے ہیں۔ جو ذات پاک بغیر ماں باپ کے پیدا فرمائے اسے اس پر بھی قدرت ہے کہ بغیر باپ کے پیدا فرمادے۔ قرآن وحدیث کی تصریحات ہوتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش باا باپ کا انکار کر کے کفر اختیار کرنے والوں کو تنبیہ فرمائی کہ عیسیٰ کی پیدائش آدم کی طرح سے ہے۔

پھر فرمایا اَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ کہ یہ جو کچھ بیان: وَاٰپ کے رب کی طرف سے حق ہے آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں بظاہر اس میں خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مقصود امت کو خطاب کرنا ہے کہ وہ کسی طرح سے شک میں نہ پڑیں (کما قال البغوی فی معالم التنزیل الخطاب للنبی صلی اللہ علیہ وسلم والمراد امتہ ص ۳۱۰ ج ۱) اسباب النزول ص ۹۸ میں لکھا ہے کہ نجران کے نصاریٰ کا ایک وفد آیا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ کیا بات ہے آپ ہمارے صاحب کو (یعنی ہم جسے مانتے ہیں) بُرا کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں کیا کہتا ہوں؟ کہنے لگے آپ کہتے ہیں کہ وہ ایک بندہ ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور وہ اللہ کا کلمہ ہیں جسے کنواری عورت بتول کی طرف ڈالا۔ یہ سن کر وہ لوگ غصہ ہو گئے اور کہنے لگے کیا کوئی انسان کبھی بغیر باپ کے آپ نے دیکھا ہے۔ ہمیں کوئی شخص ایسا دکھاؤ جو بغیر باپ کے پیدا ہوا ہو اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت اِنْ مَثَلِ عِيسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ نَازِلَ فَرَمٰی، اور حضرت حسنؓ سے منقول ہے کہ نجران کے دوراہب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے اُن پر اسلام پیش فرمایا انہوں نے کہا کہ ہم تو آپ سے پہلے مسلم ہیں۔ آپ نے فرمایا تم دونوں جھوٹے دو اسلام سے تم کو تین چیزیں روکتی ہیں صلیب کی عبادت اور خنزیر کا کھانا اور اللہ کے لئے اولاد تجویز کرنا۔ کہنے لگے عیسیٰ کا باپ کون ہے آپ جواب دینے میں جلدی نہیں فرماتے تھے جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہ مل جائے اللہ جل شانہ نے آیت اِنْ مَثَلِ عِيسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ نَازِلَ فرمادی جس میں ان کا جواب مذکور ہے۔

نصاریٰ کو دعوتِ مہلبہ اللہ جل شانہ نے اپنے نبیؐ سے فرمایا مَثَلِ عِيسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ نَازِلَ (الآیۃ) اس میں دعوتِ مہلبہ کا ذکر ہے۔ مفسر ابن کثیر نے ۴۳۸ ج ۱ میں محمد بن الحنفی بن یسار سے نقل کیا ہے کہ نجران کے نصاریٰ کا ایک وفد جو ساٹھ آدمیوں پر مشتمل تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر: والان میں چودہ اشخاص ان کے اشراف میں سے تھے جن کی طرف ہر حالہ میں رجوع کیا جاتا تھا اُن میں سے ایک شخص کو سید کہتے تھے جس کا نام انسیم تھا اور ایک شخص ابو حارثہ تھا اور بھی لوگ تھے اُن میں عاقب ان کا امیر تھا اور صاحب رائے سمجھا جاتا تھا اُسی سے مشورہ لیتے تھے اور اس کی ہر رائے پر عمل کرتے تھے اور سید اُن کا عالم تھا۔ اُن کی مجلسوں اور محفلوں کا وہی ذمہ دار تھا اور ابو حارثہ اُن کا پوپ تھا جو ان کی دینی تعلیم و تدریس کا ذمہ دار تھا بنی بکر بن وائل کے قبیلے سے تھا اور عرب تھا لیکن نصرانی ہو گیا تھا۔ رومیوں نے اس کی بڑی تعظیم کی اس کے لئے گرجا گھر بنا دیئے اور اس کی طرح طرح سے خدمت کی۔ اس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کا علم تھا کتب سابقہ میں آپ کی صفات مذکور ہیں اُن سے واقف تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر بھی نصرانیت پر مقرر رہا۔ دنیاوی اکرام اور عزت و جاہ نے اس کو اسلام قبول کرنے سے باز رکھا۔

جب یہ لوگ مدینہ منورہ پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نمازِ عصر سے فارغ ہوئے تھے اور مسجد نبی میں تشریف رکھتے تھے ان لوگوں نے بہت سی بڑھیا کپڑے پہن رکھے تھے اور خوبصورت چادریں اوڑھ رکھی تھیں ان کی اپنی نماز کا وقت آ گیا تو انہوں نے مسجد نبویؐ ہی میں مشرق کی طرف نماز پڑھ لی۔ ان میں سے ابو حارثہ عاقب اور سید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی اور وہی اپنی شریک باتیں پیش کرنے لگے کسی نے کہا عیسیٰ اللہ ہے کسی نے کہا ولد اللہ ہے کسی نے کہا ثالث ثلاثہ (یعنی ایک معبود عیسیٰ ہے ایک اس کی والدہ اور ایک اللہ تعالیٰ ہے) ان لوگوں نے گفتگو میں یہ سوال کیا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) عیسیٰ کا باپ کون تھا؟ آپ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ آل عمران کے شروع سے لے کر اتنی سے کچھ اذیہ آیت نازل فرمائیں۔ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب تفصیل کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وحی نازل ہو گئی اور ان سے مباہلہ کرنے کی دعوت کا حکم نازل ہو گیا تو آپ نے اس کے مطابق ان کو مباہلہ کی دعوت دی۔

مباہلہ کا طریقہ..... دعوت یہ تھی کہ ہم اپنی اولاد اور عورتوں سمیت آ جاتے ہیں تم بھی اپنی اولاد اور عورتوں اور اپنی جانوں کو لے کر حاضر ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہاں فریق مل کر خوب سچے دل سے دعا کریں گے کہ جو بھی کوئی جھوٹا ہے اس پر اللہ کی لعنت ہو جائے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مباہلہ کی دعوت دی تو کہنے لگے کہ ابوالقاسم (ﷺ) ہمیں مباہلہ دیتے ہیں ہم غور و فکر کر کے حاضر ہوں گے۔

نصاری کا مباہلہ سے فرار..... جب آپ کے پاس سے چلے گئے اور آپس میں تنہائی میں بیٹھے تو عبدالمسیح سے کہا کہ تیری کیا رائے ہے اس نے کہا کہ یہ تو تم نے سمجھ لیا کہ محمد ﷺ نبی مرسل ہیں اور انہوں نے تمہارے صاحب (یعنی حضرت عیسیٰ) کے بارے میں صاف صاف صحیح باتیں بتائی ہیں اور تمہیں اس بات کا بھی علم ہے کہ جس کسی قوم نے کسی نبی سے کبھی کوئی مباہلہ کیا ہے تو کوئی جھوٹا بڑا ان میں باقی نہیں رہا۔ اگر تمہیں اپنا بیچ ناس کھونا ہے تو مباہلہ کر لو۔ اگر تمہیں اپنا دین نہیں چھوڑنا تو ان سے صلح کر لو اور اپنے شہروں کو واپس ہو جاؤ، مشورے کے بعد وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے اے ابوالقاسم (ﷺ) ہمارے آپس میں یہ طے پایا ہے کہ ہم آپ سے مباہلہ نہ کریں آپ کو آپ کے دین پر چھوڑ دیں اور ہم اپنے دین پر رہتے ہوئے واپس لوٹ جائیں اور آپ اپنے آدمیوں میں سے ایک شخص کو بھیج دیں جو ہمارے درمیان ایسی چیزوں میں فیصلہ کر دے جن میں ہمارا مالیاتی سلسلہ میں اختلاف ہے آپ نے حضرت ابوسعید بن جراح کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔ عالم التزئیل ص ۳۱۰ ج ۱ میں لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت فَذُعُ ابْنَاءَنَا وَابْنَاءَكُمْ وَبَنَاتَنَا وَبَنَاتَكُمْ آ خر تک نجران کے نصاریٰ کے سامنے پڑھی اور ان کو مباہلہ کی دعوت دی تو انہوں نے کل تک مباہلہ مانگی جب صبح ہوئی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے آپ پہلے سے حضرت حسینؑ کو گویا میں لئے ہوئے اور حضرت حسنؑ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تشریف لے چکے تھے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پیچھے پیچھے تشریف لارہی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے تھے آپ نے اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ جب میں دعا کروں تو تم لوگ آمین کہنا یہ منظر دیکھ کر نصاریٰ نجران کا پوپ کہنے لگا کہ اے نصرانیو! میں ایسے چروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر اللہ سے یہ سوال کریں کہ وہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دے تو ضرور بٹاؤے گا لہذا تم مباہلہ نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور قیامت تک روئے زمین پر کوئی نصرانی باقی نہ رہے گا یہ سن کر کہنے لگے کہ اے ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری رائے یہ ہے کہ ہم مباہلہ نہ کریں اور آپ کو آپ کے دین پر چھوڑ دیں اور ہم اپنے دین پر رہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہیں مباہلہ سے انکار ہے تو اسلام قبول کرو اسلام قبول کرنے پر تمہارے وہی حقوق ہوں گے جو مسلمانوں کے ہیں اور تمہاری وہی ذمہ داریاں ہوں گی جو مسلمانوں کی ہیں انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا اس پر آپ نے فرمایا کہ بس ہمارے اور تمہارے درمیان جنگ ہوگی وہ کہنے لگے کہ ہمیں جنگ کی طاقت نہیں ہم آپ سے صلح کر لیتے ہیں۔

نصاری نجران سے مال لینے پر صلح..... اور وہ یہ کہ ہر سال دو ہزار جوڑے کپڑوں کے پیش کیا کریں گے۔ ایک ہزار ماہِ صفر میں اور ایک ہزار ماہِ رجب میں، آپ نے ان سے اس بات پر صلح کر لی اور فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اہل نجران پر عذاب منڈلا رہا تھا اگر وہ مباہلہ کر لیتے تو مسخ کر دیئے جاتے اور ہند اور خزیر بنادے جاتے اور ان کے

سارے علاقے کو آگ جلا کر ختم کر دیتی اور نجران کے لوگ بالکل ختم ہو جاتے یہاں تک کہ پرندے بھی درختوں پر نہ رہتے۔ اور ایک سال بھی پورا نہ ہوتا کہ تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے۔

تفسیر ابن کثیر ص ۳۶۹ ج ۱ بحوالہ مسند احمد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ یہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مہلبہ کرنے کو تیار ہو رہے تھے اگر مہلبہ کے لئے نکل آتے تو (میدان مہلبہ سے) اس حال میں واپس ہوتے کہ نہ مال پاتے نہ اہل و عیال میں سے کسی کو پاتے۔ (اور خود بھی مر جاتے)

نصاری مہلبہ کے لئے راضی نہ ہوئے اور اپنے باطل دین پر قائم رہے اور یہ جانتے ہوئے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم واقعی اللہ کے رسول ہیں ایمان نہ لائے اور ایمان سے روگردانی کر بیٹھے اور آج تک ان کا یہی طریقہ ہے۔ حضرات علماء کرام نے بار بار مناظروں میں ان کو شکست دی ہے۔ ان کی موجودہ انجیل میں تحریف ثابت کی ہے ان کے دین کو مصنوعی خود ساختہ دین بار بار ثابت کر چکے ہیں لیکن وہ اپنے دنیاوی اغراض سیاسیہ اور غیر سیاسیہ کی وجہ سے بہن اسلام کو قبول نہیں کرتے اور دنیا بھر میں فساد کر رہے ہیں جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مہلبہ کی دعوت دی تھی اس وقت سے لے کر آج تک ان کا یہی طریقہ رہا اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللَّهَ غَلَبَكُمْ بِالْمُفْسِدِيْنَ (کہ اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو اللہ غصہ دلوں کو فوب جانے والا ہے) یہ وعید اس وقت سے لے کر آج تک کے نصاریٰ کو اور آج کے بعد جو نصاریٰ حق سے اعراض کریں گے قیامت تک ان سب کو شامل ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعٰلَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنِنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا

آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب آ جاؤ ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم عبادت نہ کریں مگر اللہ کی۔

نُشْرِكْ بِهٖ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوْا

اور اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور اللہ کو چھوڑ کر ہم آپس میں کوئی کسی دوسرے کو رب نہ بنائے۔ (۱۰۰) اور روگردانی

اَشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝

کریں تو کہہ دو کہ ہم گواہ ہیں کہ ہم فرما رہے ہیں۔

اہل کتاب کو تو حید کی دعوت

اس آیت میں یہود اور نصاریٰ کو تو حید کی دعوت دی اور فرمایا کہ ایسی بات کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم سب اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں۔

یہود و نصاریٰ کو معلوم تھا کہ ہمارے دین کی اصل تعلیم یہی ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اور اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ کریں۔ اگرچہ انہوں نے شرک اختیار کر لیا تھا لیکن ان کے دین میں جو صحیح بات تھی وہ ان کو معلوم تھی۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ ان کو تو حید کی طرف بلاؤ اور انہیں بتاؤ کہ یہ وہ چیز ہے جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے اس کو قبول کرو صحیح بات کو کیوں قبول نہیں کرتے۔ اس آیت سے بعض لوگوں نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ مسلمان عیسائیوں سے یہ بات کریں کہ ہمارا اور تمہارا جن چیزوں

پر اتفاق ہے دونوں قومیں مل کر غیر قوموں کو ان چیزوں کی دعوت دیں یعنی یہود و نصاریٰ اپنے اپنے دین پر ہوتے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ مل کر کام کریں اور توحید کی دعوت دیتے رہیں، العیاذ باللہ آیت کا یہ مطلب نہیں ہے قرآن کسی قوم کو دین کفر پر باقی رہنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر لوگوں کو صرف توحید کی دعوت دی اور اسلام کی دعوت نہ دی اور وہ موجد ہو گئے تو یہ توحید اللہ تعالیٰ کے ہاں معتبر نہیں جب تک کہ دین اسلام قبول نہ کریں گے باوجود موجد ہونے کے آخرت میں نجات نہ پائیں گے یہ تو غیر اقوام کو دھوکہ دینا ہوا کہ تم توحید کی دعوت میں شریک ہو جاؤ اگرچہ اسلام قبول نہ کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ملک روم ہرقل کو خط لکھا تو اس میں تحریر فرمایا۔ سلام علی من اتبع الہدی یعنی اللہ کا سلام ہے اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے، پھر تحریر فرمایا کہ اما بعد فانی ادعوک بدعاۃ الاسلام اسلم تسلم بعطک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فان علیک اثم الیرسین۔

(کہ میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں تو اسلام قبول کر سلامت رہے گا۔ اللہ تجھے دُبر اجر عطا فرمائے گا اور اگر تو نے انراض کیا تو تیرے اوپر تمام کاشتکاروں کا گناہ ہوگا) مطلب یہ ہے کہ اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے تجھ پر تیرا گناہ ہوگا ہی تیری وجہ سے تیری مملکت کے کاشتکار جو اسلام قبول نہ کریں گے اُن کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا کیونکہ تو ان کو اسلام سے روکنے کا ذریعہ بنے گا۔ اس کے بعد آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مکتوب گرامی میں آیت بالا تحریر فرمائی۔ (صحیح بخاری ص ۵)

آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازل اسلام کی دعوت دی پھر آیت بالا تحریر فرمائی جس سے واضح ہوا کہ آیت شریفہ کا مقصد اسلام ہی کی دعوت دینا ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ تم یہودیت اور نصرا نیت پر باقی رہتے ہوئے ہمارے ساتھ مل کر دعوت توحید کا کام کرو۔

قوله تعالیٰ وَلَا تَسْجُدْ بَعْضُنَا لِبَعْضٍ أَزْوَاجًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ (اور نہ بنائیں ہم آپس میں ایک دوسرے کو رب، اللہ کو چھوڑ کر) تفسیر روح المعانی ص ۱۹۳ ج ۳ میں ہے کہ حضرت عدی بن حاتم (صحابیؓ) نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم غیر اللہ کی عبادت تو نہیں کرتے تھے (پھر یہ کیوں فرمایا کہ آپس میں ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں) آپؐ نے فرمایا کیا وہ لوگ تمہارے لئے کچھ چیزیں کو حلال اور کچھ چیزیں کو حرام قرار نہیں دیتے تھے اور تم ان کی بات پر عمل نہیں کرتے تھے؟ عرض کیا ہاں ایسا تو تھا، آپؐ نے فرمایا یہ رب بنانے میں داخل ہے (کیونکہ چیزیں کو حلال یا حرام قرار دینا صرف اللہ تعالیٰ کی شان عالی کے لائق ہے وہ خالق و مالک ہے اپنی مخلوق میں جسے چاہے جس کے لئے حلال یا حرام قرار دے یہ مرتبہ کسی اور کو حاصل نہیں) واضح رہے کہ عدی بن حاتم پہلے نصرانی مذہب رکھتے تھے۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنْزِلَتِ التَّوْرَةُ وَالْإِنْجِيلُ إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ هَآؤُنَّ هَوَآءٌ حَاجِبَتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تَحَاجُّونَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ ۚ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ مَا كَانَ

اے اہل کتاب تم کیوں حجت کرتے ہو ابراہیم کے بارے میں، حالانکہ نہیں اتاری فی توریت اور انجیل مگر اُن کے بعد، بَعْدِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ هَآؤُنَّ هَوَآءٌ حَاجِبَتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ

کیا تم عقل نہیں رکھتے ہو۔ اے لوگو! یہ ایسے لوگ ہو جنہوں نے اس چیز میں جھگڑا کیا جس کا تمہیں کچھ علم تھا پھر تم کیوں

تَحَاجُّونَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ ۚ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ مَا كَانَ

حجت کرتے ہو اس بات میں جس کا تمہیں علم نہیں ہے اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ نہیں تھے

إِبْرَاهِيمَ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۶﴾

ابراہیم یہودی اور نصرانی، لیکن وہ حق کو اختیار کرنے والے فرمانبردار تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے۔

إِنَّ أَوَّلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لِلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا ۗ وَاللَّهُ

بِأَشْهَادٍ إِنَّمَا هُوَ إِلَهُ الْعَالَمِينَ ﴿۱۷﴾

وَلَى الْمُؤْمِنِينَ

سب مؤمنین کا ولی ہے۔

اہل کتاب کی اس بات کی تردید کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی یا نصرانی تھے

باب الفتح ص ۵۳ میں ہے (بحوالہ لکھنؤ للہیت) حضرت ابن عباسؓ سے نقل آیا ہے کہ نجران کے نصاریٰ اور یہودیوں کے علماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جمع ہوئے اور آپؐ کے پاس جھگڑا کرنے لگے علماء یہود نے کہا کہ ابراہیم یہودی تھے اور نصاریٰ نے کہا کہ وہ نصرانی ہی تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی اور یہود و نصاریٰ دونوں جماعتوں کی سرزنش فرمائی کہ تم کو جو تھوڑا سا علم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تھا اس کے متعلق تو تم نے کچھ حجت بازی کر لی لیکن جس چیز کا تمہیں بالکل ہی علم نہیں اس کے بارے میں کیوں حجت بازی کرتے ہو۔ تو ریت اور انجیل میں جو باتیں ہیں ان کا کچھ تمہیں علم ہے۔ لیکن ان باتوں سے غلط نتیجے نکال کر تم نے حجت بازی کر لی۔ اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ وہ یہودی تھے یا نصرانی تھے یہ تو جھوٹ ہی جھوٹ ہے اس کی طرف تو کوئی بھی اشارہ و تمہاری کتابوں میں نہیں ہے۔ ابراہیم (علیہ السلام) یہودی کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی نسل میں سے ہیں اور ان سے سینکڑوں سال کے بعد دنیا میں تشریف لائے اور معوث ہوئے اور ان پر توریت شریف نازل ہوئی، وین یہودیت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شروع ہوا اب تم بتاؤ کہ جو شخص ان سے سینکڑوں سال پہلے گذر چکا ہو وہ ان کے دین پر کیسے ہوگا؟ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سینکڑوں سال کے بعد تشریف لائے اور ان پر انجیل شریف نازل ہوئی۔ اب بتاؤ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے دین پر کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور تم نے دین یہودیت اور دین نصرانیت میں شرک ملا لیا ہے۔ خدا تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کر لی ہے۔ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو اور ابراہیم علیہ السلام خالص موجد تھے مشرک نہ تھے۔ وہ حق کو اختیار کرنے والے اور باطل سے دور رہنے والے تھے بھلا وہ کیسے یہودی یا نصرانی ہو گئے؟ تم علم کے وعویدار ہو اللہ تعالیٰ کے نزدیک جس بات کا جو دعویٰ نہیں تم اس کے مدعی ہو یہ سب تمہاری بے عقلی ہے بے علمی بھی ہے۔ پہلی آیت کے ختم پر اَفَلَا تَعْقِلُونَ فرمایا اور دوسری آیت کے ختم پر وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَانْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ فرمایا اس سے ان کا بے عقل ہونا بھی بتا دیا اور بے علم ہونا بھی۔

حضرت ابراہیم سے زیادہ خصوصی تعلق والا کون ہے؟..... پھر فرمایا اِنَّ اَوَّلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لِلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ

(الآیۃ) (بأشہاد انساؤں میں ابراہیم کے ساتھ سب سے زیادہ خصوصیت رکھنے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا اتباع کیا)

یہود و نصاریٰ نے نہ صرف یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اپنا تعلق ظاہر کیا بلکہ یہ دعویٰ کیا کہ وہ یہودی اور نصرانی تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کی تکذیب فرمائی اور فرمایا کہ ابراہیم سے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کی شریعت کا اتباع کیا اور

یہ نبی یعنی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جو لوگ ان پر ایمان لائے یہ بھی ابراہیم سے قریب تر ہیں کیونکہ یہ امت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہے۔ جیسا کہ سورۃ حج کے آخر میں فرمایا **مِلَّةَ اَبِيكُمْ اِبْرٰهِيْمَ** تو حید اور عقیدہ عباد میں تمام انبیاء علیہم السلام مشترک ہیں لیکن شریعت محمدیہ کے احکام کثیر تعداد میں ایسے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے موافق ہیں تو حید کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو محنت کی، جان و کھنوں میں ڈالی، اس کے لئے آگ میں ڈالے گئے، وطن چھوڑا۔ امت محمدیہ نے پوری طرح محنت اور کوشش کر کے جانوں اور مالوں کی قربانی دے کر اس دعوت تو حید کے لئے اور تو حید پر خود باقی رہنے اور دوسروں کو باقی رکھنے میں امت محمدیہ نے جو قربانیاں دی ہیں اس کی نظیر دوسری امتوں میں نہیں ہے۔ یہود و نصاریٰ تو مشرک ہو گئے۔ انہوں نے تو تو حید کی دعوت ختم ہی کر دی ان کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کچھ بھی تعلق نہیں۔

اللہ مومنین کا ولی ہے..... آخر میں فرمایا **وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ** کہ اللہ ایمان والوں کا ولی ہے۔ وہ دنیا و آخرت میں ان کی مدد اور حفاظت فرمائے گا اور ان کے ایمان اور اعمال صالحہ کی بزا دے گا **وَلِيُّهُمْ** کی بجائے **وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ** فرمایا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ صفت ایمان ہی ایسی چیز ہے جس کے ذریعہ اللہ کی مدد و نصرت اور حفاظت حاصل ہوتی ہے۔

وَدَّتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضْلُوْكُمْ ۚ وَمَا يُضْلُوْنَ اِلَّا اَنْفُسُهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِآيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ يٰۤاَهْلَ

اہل کتاب کی ایک جماعت نے اس بات کی خواہش کی کہ کسی طرح تمہیں گمراہ کر دیں۔ اور وہ گمراہ نہیں کرتے مگر اپنے نفسوں کو

يَشْعُرُوْنَ ۝ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِآيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ يٰۤاَهْلَ

اور وہ نہیں سمجھتے۔ اے اہل کتاب تم کیوں کفر کرتے ہو اللہ کی آیات کے ساتھ، حالانکہ تم اقرار کرتے ہو۔ اہل

الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

کتاب تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں مخلوط کرتے ہو اور حق کو چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو۔

اہل کتاب کی خواہش کہ مسلمانوں کو گمراہ کر دیں

ان آیات میں اول تو مسلمانوں کو یہ بتایا کہ اہل کتاب کا ایک گروہ ایسا ہے جو تمہیں گمراہ کرنے کے درپے ہے ان کی خواہش ہے کہ جس طرح ہو سکے تمہیں گمراہ کر لیں۔ کافروں کو یہ گوارا نہیں ہے کہ تم اپنے دین پر رہو اور وہ اپنے دین پر رہیں بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ۔ سورۃ بقرہ کے رکوع ۱۳ میں گزر چکا ہے کہ اہل کتاب تمہیں مرتد بنانے کی آرزو رکھتے ہیں **يَوَدُّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَزُوْدُوْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفْرًا ۚ اَحْسَدًا مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ** اور سورۃ نساء میں فرمایا **وَقَدْ نَزَّلَ اللّٰهُ اَنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكْفُرُوْنَ سَوَآءٌ** (یعنی ان کی خواہش ہے کہ تم کافر ہو جاؤ جیسا کہ انہوں نے کفر اختیار کیا اور ان کی خواہش ہے کہ تم اور وہ برابر ہو جائیں) اور سورۃ ممتحنہ میں فرمایا **وَقَدْ نَزَّلَ اللّٰهُ اَنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ** (اور ان کی خواہش ہے کاش تم کافر ہو جاتے)۔ زمانہ نبوت میں جو یہ دروغ و کذب اور شر میں تہمتیں لگائی جاتی تھیں کہ مسلمان اپنا دین چھوڑ کر کفر اختیار کریں اور اس کے لئے تہمیدیں کرتے رہے۔ ان کا ایسی تدبیریں کرنا خود ان ہی کی مزید گمراہی میں مبتلا ہونے اور کفر میں شدید ہونے کا ذریعہ بنتا رہا۔ اور ان کی اس کوشش کا وبال انہیں پر پڑا، آج بھی کافروں کی اس طرح کی کوششیں جاری ہیں۔ ان کے دلوں پر ایسے سیاہ پردے پڑے ہوئے ہیں کہ انہیں یہ

احساس ہی نہیں کہ ہم گمراہی میں ترقی کر رہے ہیں۔

اے اہل کتاب تم کیوں کفر اختیار کرتے ہو اور حق کو باطل کے ساتھ کیوں ملا تے ہو؟..... پھر اہل کتاب سے خطاب فرمایا کہ تم اللہ کی آیات کے ساتھ کیوں کفر کرتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ آیات حق ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت پر جو دلائل قاطعہ سامنے آچکے ہیں ان کو جانتے ہوئے گمراہی کو اختیار کرنا سخت درخت خذاب کا ذریعہ ہے۔

نیز فرمایا کہ اے اہل کتاب تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں مخلوط کرتے ہو، اس کے بارے میں حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ توریت اور انجیل میں جو انہوں نے تحریف کر لی تھی مخلوط کرنے سے وہ مراد ہے، اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے یہ مراد ہے کہ وہ زبان سے اسلام ظاہر کرتے تھے اور دلوں میں انہوں نے کفر اختیار کر رکھا تھا منافق بنے ہوئے تھے، اس کی تفسیر میں اور بھی بعض اقوال ہیں، مزید فرمایا وَنُكَلِّمُونَ الْكَافِرَ فَمَا يُوعِظُ الْكَافِرَ بِمَا يُوْعِظُ بِهِ النَّبِيُّ ۚ فَاُولَٰئِكَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا عَظِيمًا يَكْتُمُونَ ۚ کہ تم حق کو یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ وہ نبی برحق ہیں، یہودی آپس میں اور بعض مرتبہ انصار اور مہاجرین کے سامنے ہی بات کہہ دیتے تھے کہ آنحضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم واقعی اللہ کے رسول ہیں لیکن دنیاوی اغراض کی وجہ سے حق قبول نہیں کرتے تھے۔ جانتے ہو جھٹتے ہوئے گمراہ ہونا بہت بڑی شقاوت ہے۔

وَقَالَتْ طَآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلٰی الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ

اور کہا اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہ ایمان لاؤ اس پر جو نازل کیا گیا مسلمانوں پر دن کے شروع حصہ میں،

وَاکْفُرُوْا اٰخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝۱۰ وَلَا تُؤْمِنُوْا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ۚ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى

لو نہ کر ہو جاؤ دن کے آخر حصہ میں امید ہے کہ یہ لوگ واپس لوٹ آئیں۔ اور افرامت کرتے مگر ایسے شخص کے سامنے جو تمہارے دین کا جلیق ہو، آپ فرمائیے کہ بلاشبہ ہدایت

هُدٰى اللّٰهُ اَنْ يُّوْفٰى اَحَدٌ مِّثْلَ مَا اُوْتِيْتُمْ اَوْ يَحْجُوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۚ قُلْ اِنَّ

اسی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے یہ باتیں قائل کرتے ہو کہ کچھ دوسرے کو ایسی چیز مل رہی ہے جو کہیں ہی ملی یا ملے کہ وہ برادری میں غالب ہو جائیں گے تمہارے رب کے پاس۔ آپ فرمائیے

الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مِّنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ وَّاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۱۱ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَّشَآءُ ۚ

جو کہ بلاشبہ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ اسے عطا فرماتا ہے جسے چاہے، اور اللہ واسع علیم ہے۔ وہ شخص کو فرماتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہے،

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۱۲

اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

یہودیوں کی ایک مکاری کا تذکرہ

ان آیات میں اول تو یہودیوں کے ایک منافقانہ طریق کار کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ ان میں سے ایک جماعت نے آپس میں ایک دوسرے کو مشورہ دیا کہ صبح جب دن شروع ہو تو مسلمانوں کے پاس جاؤ اور ان کے سامنے یوں کہو کہ ہم مسلمان ہیں ہم نے تمہارا دین قبول کر لیا۔ اور دن بھر اسی طرح گزار دو، اور جب شام کا وقت ہو جائے دن جانے لگے تو کفر اختیار کر لو تاکہ مسلمان اپنے

دین سے واپس ہو جائیں۔ صاحب روح المعانی ص ۶۶ ج ۳ لکھتے ہیں کہ یہود خیر کے علماء میں سے بارہ آدمیوں نے آپس میں یہ مشورہ کیا تھا اور اَوَاحْكُم بَيْنَهُمُ الْاَخِرَہُ، جو انہوں نے کہا تھا اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صبح کو اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرنے کے بعد اسی دن شام کو اپنے کفر کا اظہار کر دینا (جودل میں پہلے ہی سے تھا) اور مسلمانوں سے یوں کہنا کہ ہم نے اپنی کتابوں میں غور کیا اور اپنے علماء سے مشورہ کیا تو ہماری سمجھ میں یہی آیا کہ محمد (ﷺ) کا دین باطل ہے جب ایسا کہو گے تو سچے مسلمانوں پر بھی اثر پڑے گا وہ سمجھیں گے کہ یہ تو اہل کتاب ہیں اہل علم ہیں جب انہوں نے دین اسلام قبول کر کے چھوڑ دیا تو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دین اسلام صحیح نہیں ہے۔ یہ طریقہ کار انہوں نے اپنے خیال میں مسلمانوں کو ورغائے کیلئے اختیار کیا لیکن دشمنوں کے مکر و فریب کا الحمد للہ کسی مسلمان نے کچھ بھی اثر نہ لیا۔

اس کے بعد یہودیوں کی ایک اور بات کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ انہوں نے آپس میں یوں کہاؤ لَّا تَوُفُّوْا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ کہ تمہارا جو دین یہودیت ہے اس دین پر مضبوطی کے ساتھ جسنے کا اقرار ان ہی لوگوں کے سامنے کرنا جو تمہارے دین کے تابع ہیں، یعنی اپنا اندرونی عقیدہ اپنے ہی لوگوں کے سامنے بیان کرنا، اور مسلمانوں کو دین اسلام سے پھیرنے کے لئے اوپر اوپر سے یہ کہہ دینا کہ ہم نے تمہارا دین قبول کر لیا (اندر سے اپنے عقیدہ پر رہنا پھر ظاہری طور پر بھی یوں کہہ دینا کہ ہم اپنے دین پر واپس آ گئے حالانکہ دل سے انہوں نے اپنا دین چھوڑا ہی نہیں تھا) یہ ان کا مکر تھا۔

اور بعض مفسرین نے وَلَا تَوُفُّوْا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ کا مطلب یہ بتایا ہے کہ تم صرف اسی شخص پر ایمان لاؤ جو تمہارے دین کی موافقت کرتا ہو کما فی معالم التنزیل ای وَلَا تَصْدُقُوا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ای وافق ملتکم (جس کا معنی یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ نئی شریعت لے کر آئے ہیں اور وہ تمہاری شریعت کے موافق نہیں ہے اس لئے تم ان پر ایمان نہ لاؤ۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا اِنَّ الْفُتٰی هٰذِیْ الْفُتٰی هٰذِی الْفُتٰی کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ فرمادیں کہ بلاشبہ ہدایت اللہ ہی کی ہدایت ہے، وہ جسے ہدایت دینا چاہے اور ہدایت پر رکھنا چاہے اسے کسی کی تدبیر ہدایت سے نہیں روک سکتی، یہ معنی پہلی تفسیر کے مطابق ہے اور دوسری تفسیر کے مطابق اس کا یہ معنی ہوگا کہ اللہ کو اختیار ہے کہ اپنی بھیجی ہوئی ایک شریعت کو منسوخ کر دے اور اس کی جگہ دوسری شریعت بھیج دے اور اس پر عمل کرنے کا حکم فرمادے، جب اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دوسری شریعت بھیج دی تو اسے قبول کر لو، اگر اس کے خلاف چلو گے تو برابر کفر کی گمراہی میں رہو گے قوله تعالیٰ اَنْ یُّؤْتٰی اَحَدٌ مِّثْلَ مَا اُوْتِیْتُمْ اس میں بھی یہودیوں کی ایک بات کا تذکرہ فرمایا ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے آپس میں کہا کہ تم کبھی یہ تصدیق نہ کرنا کہ تم کو جو علم اور کتاب اور حکمت دی گئی ہے اُس جیسی کسی اور کو بھی عطا کی گئی ہو، علم اور کتاب اور حکمت یہ صرف ہمارا ہی حصہ ہے، نیز انہوں نے یہ بھی کہا کہ تم اس بات کی بھی تصدیق نہ کرنا کہ تمہارے رب کے پاس دوسرے لوگ حجت میں تم پر غالب آ جائیں گے۔ کیونکہ تمہارا ہی دین صحیح ہے اس صورت میں اَنْ یُّؤْتٰی سے پہلے ایک وَلَا تَوُفُّوْا مَقْدَر ماننا ہوگا صاحب بیان القرآن نے اَنْ یُّؤْتٰی اَحَدٌ مِّثْلَ مَا اُوْتِیْتُمْ کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ اے یہودیو! تم ایسی باتیں اس لئے کرتے ہو کہ تمہیں مسلمانوں پر حسد ہے کہ انہیں آسمانی کتاب کیوں مل گئی یا یہ لوگ تم پر مذہبی مناظرہ میں کیوں غالب آ جاتے ہیں اس حسد کی وجہ سے اسلام اور اہل اسلام کے منزل کی کوششیں کرتے ہو اس صورت میں اَنْ یُّؤْتٰی سے پہلے تَدْبِرْتُمْ یا قَلْتُمْ مقدر ماننے کی ضرورت ہوگی۔

آخر میں یہودیوں کی تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ یُوْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ (الایۃ) آپ فرمادیتے کہ بلاشبہ فضل اللہ

کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہے عطا فرمادے۔ وہ بڑی وسعت والا ہے بڑے علم والا ہے، وہ اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہے مخصوص فرما دے اور وہ بڑے فضل والا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت و رسالت سے نوازا دیا اور اُن پر کتاب نازل فرمادی اور اُن کے ذریعہ ہدایت پھیلا دی اس پر تم کو حسد کرنا جہالت اور کفر ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے کہ اس نے بنی اسرائیل کے علاوہ کسی دوسرے کو نبی کیوں بنایا۔ یہ عصیت جاہلیہ اہل علم کو برباد کر دیتی ہے۔ مزید توضیح اور تشریح کیلئے سورۃ بقرہ (ع ۱۱) میں بَعَثْنَا اَنْیَسُؤْلَ اللّٰهِ مِنْ فَضْلِهِ عَلٰی مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِه کی تفسیر دیکھ لی جائے۔ (انوار البیان ص ۱۲۴، ۱۲۵ جلد ہذا) یہ لوگ عصیت جاہلہ کی وجہ سے کفر اختیار کرنے اور کفر پر جے رہنے اور دائمی عذاب میں پڑنے کو تیار ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے راضی ہونے پر تیار نہیں کہ وہ اپنی رحمت سے جسے چاہے اپنا فضل عطا فرمائے۔ اللہ کی مشیت و ارادہ میں کسی کو ہٹوں کرنے کا مقام نہیں۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَامَنَهُ يَقْنَطَارِ يُّوَدَّةَ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَنْ اِنْ تَامَنَهُ بِدِيْنَارِ

اور اہل کتاب میں بعض ایسے ہیں کہ ان کے پاس اگر بہت زیادہ مال امانت رکھ دو گے تو وہ تمہاری طرف ادا کر دیں گے اور اُن میں ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک دینار

لَا يُوَدَّةَ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآبِمًا ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاٰمِنٰتِ

امانت رکھ دو گے تو وہ تمہاری طرف ادا نہیں کریں گے مگر یہ کہ تم برابر سر پر کھڑے رہو یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا کہ اُن پڑھوں کے بارے میں ہم پر کوئی

سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكُذْبُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۵۰ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ

مواخذہ نہیں ہے اور وہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں، ماں جس نے اپنے عہد کو پورا کیا اور تقویٰ اختیار کیا تو بلاشبہ

اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۵۱

اللہ تعالیٰ متقین کو دوست رکھتا ہے۔

اہل کتاب کی امانت داری اور خیانت کا تذکرہ

اس آیت میں اُن اہل کتاب کا بیان ہے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور اُن اہل کتاب کا ذکر ہے جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا اور وہ بدستور حب مال اور حب دنیا میں غرق رہے۔ صاحب معالم التزویل لکھتے ہیں کہ يُوَدَّةَ اِلَيْكَ سے مؤمنین اہل کتاب مراد ہیں جیسے عبداللہ بن سلام اور دیگر صحابہؓ جو پہلے یہودی تھے اور بعد میں انہوں نے اسلام قبول کیا اور لَا يُوَدَّةَ اِلَيْكَ سے وہ یہود مراد ہیں جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا اور بدستور حب دنیا اور حب مال میں مستغرق تھے۔ جیسے کعب بن اشرف اور اس کے ساتھی پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن سلام کے پاس ایک شخص نے بارہ سواوقیہ سونا امانت رکھ دیا تھا۔ انہوں نے اس کو ادا کر دیا (ایک اوقیہ چالیس درہم کے وزن کے برابر ہوتا ہے) اور فحاص بن عاز واء ایک یہودی تھا اسکے پاس ایک قریشی نے ایک دینار امانت رکھ دیا تو وہ خیانت کر بیٹھا۔ قرآن مجید میں اہل کتاب کی دو جماعتوں کا حال بیان فرمایا کہ بعض ان میں سے ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے پاس قنطار یعنی مال کثیر امانت رکھ دو گے تو وہ واپس کر دیں گے اور اچھے طریقے پر ادا کر دیں گے اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ اُن کے پاس اگر ایک دینار (گنتی) امانت رکھ دو تو ادا نہ کریں گے ہاں سر پر برابر کھڑے ہی رہو اور تقاضوں سے عاجز آ کر ادا کر دے تو وہ دوسری بات

ہے۔ ابو بکر بخاص احکام القرآن ص ۷۱ ج ۲ میں لکھتے ہیں کہ اَلَا مَا ذَمُّتَ عَلَيْهِ قَاتِلًا سے معلوم ہوا کہ جس کا حق ہے وہ اس کے پیچھے پڑ سکتا ہے اور مسلسل اس کا پیچھا کر سکتا ہے جس کے اوپر حق ہے۔ وَقَدْ دَلَّتْ الْآيَةُ عَلَى اَنَّ لِلطَّالِبِ مَلَازِمَةَ الْمَطْلُوبِ لِلدِّينِ۔

آیت میں اہل کتاب کا تذکرہ تو ہے ہی اس امت کے ناوہندہ لوگوں کو بھی تنبیہ ہے قرض لینے اور امانت رکھنے کے لئے تو جلد سے جلد تیار ہو جاتے ہیں اور جب دینے کا وقت آتا ہے تو مال منول کرتے ہیں۔ صاحب حق کو چکر کھاتے ہیں۔ پریشان کرتے ہیں امانت کھا جاتے ہیں اور قرض مار لیتے ہیں۔ پھر بدینت لوگوں کی اللہ پاک کی طرف سے مدد بھی نہیں ہوتی۔ صحیح بخاری ص ۳۲۱ ج ۱ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے لوگوں کے مال لے لئے جن کی ادائیگی کا وہ ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے اوافرما دیتا ہے۔ یعنی اس کی حسن نیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے قرضوں کی ادائیگی کے لئے سہولت پیدا فرما دیتے ہیں اور جس نے لوگوں کے مال لئے جنہیں وہ تکلف کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ تکلف فرما دیتا ہے (مال اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا اور اس پر قرضہ باقی رہ جائے گا۔ قیامت کے دن حقوق العباد مارنے کی وجہ سے عذاب میں جائے گا۔) (کما فی حاشیۃ البخاری عن العینی)۔

یہودیوں کا یہ جھوٹ کہ ہمیں اُن پڑھوں کا مال مارنا حلال ہے..... یہودیوں پر ایک اور جہالت سوار تھی اور وہ یوں کہتے تھے کہ عرب کے انہی لوگوں کا ہمارے لئے سب کچھ حلال ہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جو بھی کوئی ہمارے دین پر نہ ہو اس پر ظلم کرنا مال مارنا حلال ہے۔ حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں عرب کے لوگوں نے یہودیوں سے خرید و فروخت کے معاملات کئے یہودیوں پر اُن کے قرضے تھے جب وہ لوگ مسلمان ہو گئے اور یہودیوں سے تقاضا کیا تو انہوں نے کہا کہ تمہارا ہم پر کوئی حق نہیں اور نہ ہمارے ذمہ کچھ ادائیگی ہے تم نے اپنا دین چھوڑ دیا اور ہمارے تمہارے درمیان جو عہد تھا وہ ختم ہو گیا اور ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ ہم نے یہ بات اپنی کتابوں میں پائی ہے۔ عربوں کو اُمَیَیَہ (اُن پڑھ) کہا کیونکہ یہ لوگ یہودیوں کے مقابلہ میں پڑھے لکھے نہیں تھے یہودیوں نے کہا کہ اُن پڑھوں کے ہم نے مال مار لئے تو کیا ہے ان کے مالوں کے بارے میں ہم سے کوئی پوچھ گچھ نہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے مالوں کو ہمارے لئے حلال کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی تردید فرمائی اور فرمایا: وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ کہ یہ لوگ اللہ کے ذمہ جھوٹ لگاتے ہیں اور جانتے بھی ہیں کہ ہم جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ (عالم القرآن ص ۳۱۷-۳۱۸ ج ۱) تفسیر ابن کثیر میں حضرت سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ جب اہل کتاب نے لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کذب اعداء اللہ کہ اللہ کے دشمنوں نے جھوٹ کہا۔ تفسیر ابن کثیر ص ۳۷۷ ج ۱ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک آدمی نے کہا کہ ہم جہاد میں جاتے ہیں اور ذمی (یعنی وہ کافر جو دارالسلام میں رہتے ہیں) ہم کو اُن کے جو مال مل جاتے ہیں مرئی اور بکری ہم انہیں کھا جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تم کیا سمجھ کر کھا جاتے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے اہل کتاب نے کہا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ جب ذمیوں نے جزیہ ادا کر دیا تو تمہارے لئے اُن کے مال حلال نہیں ہیں ہاں اگر وہ اپنے نفسوں کی خوشی کے ساتھ دیں تو یہ ادر بات ہے۔

جھوٹے فقیروں کا طریق کار..... اس امت میں بھی بہت سے جھوٹے پیر فقیر ایسے ہیں کہ جن بستیوں میں اُن کے کسی باپ و دادا سے لوگ مرید ہو گئے تھے۔ اُن بستیوں کو اپنا مرید آباد بنا رکھا ہے۔ سالانہ ان علاقوں میں گشت کرتے ہیں اور جو کچھ چاہتے ہیں اُن کے مالوں میں سے بلا اجازت لیتے ہوئے چلے جاتے ہیں اور وہ لوگ لحاظ اور مروت کی وجہ سے کچھ نہیں کہتے۔ شرعاً اس طرح کا لیا ہوا مال

حلال نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الا لا یحل مال امرء مسلم الا بطیب نفس منه (خبردار! کسی مسلمان آدمی کا مال حلال نہیں ہے مگر یہ کہ وہ نفس کی خوشی سے دے دے) (کافی المشکوٰۃ ص ۲۵۵) بے آبروئی کے ذریعے یا کسی بھی طرح کے دباؤ سے کوئی شخص اگر اجازت دیدے تب بھی اس کا مال لینا حلال نہیں ہوتا اگرچہ وہ ظاہری طور پر زبان سے اجازت بھی دیدے یا خاموش رہے، اسی لئے طیب نفس کی قید لگائی جو مال طیب نفس سے نہ ملے گا وہ حلال نہ ہوگا۔ اور یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جو شخص فاسق ہو اندر سے اس کا باطن پاک نہ ہو اور اسے بزرگ سمجھ کر مدیہ یا جائے اگرچہ خوشدلی سے دے وہ بدیہ اس کے لئے حلال نہیں۔ (کافی احیاء العلوم ص ۲۱۰۴)

مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ کی تفسیر..... آخر میں فرمایا: تَلٰی مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ کہ یہ بات نہیں ہے کہ ان پڑھوں کے مالوں کو حرام طریقے پر رکھ لینے سے ان پر کوئی مواخذہ نہ ہو ان پر مواخذہ ضرور ہے۔ فسی الروح ص ۲۰۳ ج ۳ بلسی جواب لبقولہم لیس علینا فی الامین سبیل وایجاب لما نفوه والمعنی بلی علیہم فی الامین سبیل۔ (روح المعانی میں ہے کہ بلی ان کے قول فینس علینا فی الامین سبیل کا جواب ہے اور جس چیز کی وہ نفی کر رہے ہیں اس کا اثبات ہے اور مطلب یہ ہے کہ نہیں بلکہ ان پر ان پڑھوں کے بارے میں بھی مواخذہ ہے) اور من اوفی بعہدہ و اتقی یہ جملہ مستانفہ ہے۔ یہودی باوجود ایسی حرکتوں کے جو اوپر ذکر ہوئیں اپنے کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بھی سمجھتے ہیں۔ اللہ کا محبوب وہ ہے جو اس کے عہد کو پورا کرے (عہد میں یہ بھی شامل ہے کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں) اور گناہوں سے بچے سب سے بڑا گناہ کفر اور شرک ہے اس سے بھی بچے اور اوگوں کے اموال مارنے سے بھی بچے۔ (یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کا پوری طرح خیال رکھے) جو شخص ایسا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ متقی اوگوں کو پسند فرماتا ہے۔ قال ابن کثیر ص ۳۷۲ ج ۱ ای لکن من اوفی بعہدہ و اتقی منکم یا اهل الكتاب الذی عاہدکم اللہ علیہ من الایمان بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم اذا بعث کما اخذ العہد والميثاق علی الانبياء وأمهم بذلک واتقی محارم اللہ واتبع طاعته وشریعتہ النبی بعث بها خاتم رسلہ وسیدہم (فان اللہ یحب المتقین) (یعنی اہل کتاب جو شخص تم میں سے جس نے اپنا عہد پورا کیا کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی بعثت کے بعد ایمان لانے کا وعدہ اللہ سے کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے بچا اور اس کی اطاعت اختیار کی اور خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم جو شریعت لے کر آئے ہیں اس کی پیروی کی تو پھر اللہ تعالیٰ متقیوں کو پسند کرتا ہے۔)

اس آیت میں عہد پورا کرنے کی اہمیت کا بھی ذکر ہے۔ اللہ سے عہد ہو یا بندوں سے اس کا پورا کرنا لازم ہے اللہ سے اہل کتاب کا یہ عہد تھا کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے اُسے انہوں نے پورا نہ کیا اور ہر مسلمان کا اللہ سے عہد ہے کہ میں آپ کے احکام کی تعمیل کروں گا۔ حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے ایک بات بتا دیجئے جس کے بعد مجھے آپ کے علاوہ کسی اور سے پوچھنا نہ پڑے اور یہ بات اسلام کی باتوں میں سب سے زیادہ جامع ہو آپ نے فرمایا قل احسنت باللہ ثم استقم (تو اٹھنٹ باللہ کہہ دے اور اس پر جم رہے۔ رواہ مسلم کما فی مشکوٰۃ ص ۱۲)

اسلام کا کلمہ پڑھ لینا محض زبانی بات نہیں ہے اس کی ذمہ داریاں ہیں اس میں اللہ تعالیٰ سے اقرار ہے اور عہد ہے کہ میں آپ کے احکام پر چلوں گا اور جو آپ کی کتاب اور آپ کے رسول کے ذریعہ مجھے پہنچیں ہیں۔ اسلام کی جو پابندیاں ہیں ہر مسلمان ان کے پورے کرنے کا عہد کر چکا ہے ان کا پورا کرنا لازم ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا وَاَوْفُوا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْنُوْلًا (اور عہد کو پورا کر دو

بلشبہ عبد کے بارے میں باز پرس ہونے والی ہے) اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چار چیزیں جس شخص میں ہوں گی خالص منافق ہوگا اور جس میں اُن میں سے ایک خصلت ہوگی جب تک اُسے چھوڑ نہ دے گا اس میں نفاق کی ایک خصلت موجود ہوگی (۱) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، (۲) جب بات کرے تو جھوٹ بولے، (۳) جب عبد کرے تو دھوکہ دے، (۴) جب جھگڑا کرے تو گالیاں دے۔ (صحیح بخاری کتاب الایمان)

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ

بے شک اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے مقابلہ میں جو لوگ حقیر معاوضہ دیتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور نہ اُن سے وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۳۵﴾

اللہ تعالیٰ کلام فرمائے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر فرمائے گا اور نہ اُن کو پاک فرمائے گا اور اُن کے لئے عذاب ہے دردناک۔

اللہ کے عہد کے عوض دنیا کمانے والوں کو تنبیہ

یہودیوں سے جو اللہ تعالیٰ کا عہد تھا کہ نبی آخر الزمان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے۔ اس عہد کو انہوں نے اپنے عوام سے چھپایا اور بدل بھی دیا۔ کیونکہ جو صفات توریت شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرہی تھیں اُن کو واقعی طور پر جاننے کے باوجود بھی تغیر و تبدل کر دیا اور اپنے عوام کو بتایا کہ جو صفات ہم نے پرہی ہیں وہ اُن پر منطبق نہیں ہوتیں اور اس طرح اپنے عوام کو اپنی جانب کر کے اپنی ریاست باقی رکھی۔ اور اپنے عوام سے رشوت لیتے رہے۔ یہ عہد خداوندی کے عوض حقیر دنیا حاصل کرنا ہوا۔ حضرت عکرمہؓ نے فرمایا کہ یہ آیت اور ارفع اور کنانہ اور حیی اور ان کے علاوہ دیگر روماء یہود کے بارے میں نازل ہوئی ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُن صفات کو چھپا دیا جو توریت شریف میں مذکور تھیں اور اُن کو بدل کر دوسری صفات اپنے قلم سے لکھ دیں اور انہوں نے قسم کھائی کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے تاکہ رشوتیں اور کھانے پینے کے طریقے جو جاری کر رکھے تھے وہ ہاتھ سے نہ جائیں۔ اور اُن کے اتباع سے جو کچھ ملتا تھا وہ ملتا رہے۔

جھوٹی قسم اور اُس کا وبال یہودی مالیات کے سلسلے میں جھوٹی قسمیں بھی کھا جانتے تھے اور اس طرح کی حرکتیں دوسرے لوگوں سے بھی صادر ہوتی ہیں اور ہوتی رہی ہیں اس لئے کسی جماعت کا نام لینے کی بجائے عمومی بات ذکر فرمادی کہ جو لوگ ایسا ایسا کریں گے اُن کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر سخت غصہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ اُن سے بات بھی نہ فرمائے گا اور اُن کی طرف نظر رحمت سے بھی نہیں دیکھے گا۔ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ظاہر کرنے کے لئے فرمائیں۔ صاحب روح المعانی ص ۲۰۳ ج ۳ لکھتے ہیں کہ یہ لوگ اس لائق نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے خود حساب لے، بلکہ فرشتے اُن سے بات کریں گے اور حساب لیں گے۔ وَلَا يُزَكِّيهِمْ کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ بغوی معالم التنزیل ص ۳۱۹ ج ۱ میں فرماتے ہیں کہ اِی لَا یُزَکِّیْ عَلَیْهِمْ بِالْجَمِیْلِ وَلَا یُطَهِّرُهُم مِنَ الذُّنُوبِ کہ اللہ تعالیٰ اُن کو اچھائی کے ساتھ یا د نہ فرمائے گا اور انہیں گناہوں سے پاک نہ کرے گا۔ اور حافظ ابن کثیرؒ ص ۵۷ ج ۱ لکھتے ہیں کہ اِی مِنَ الذُّنُوبِ وَالْاَدْنَسِ وَبِمَا رَیْبُهُمُ الِی النَّارِ یعنی اللہ تعالیٰ اُن کو گناہوں سے پاک نہیں کرے گا اور اُن کو دوزخ میں بھیج دے گا۔ (نہ اُن کی مغفرت ہوگی جس سے گناہ معاف ہوں اور نہ یہ ہوگا کہ کچھ مدت کے لئے دوزخ میں بھیج کر گناہوں کی سزا دے کر پاک صاف کر

کے جنت میں بھیجا جائے جیسا کہ بعض گناہگار اہل اسلام کے ساتھ ہوگا۔ لَوْ لَقِيتُمْ عِندَ رَبِّكَ عَذَابَ النَّارِ اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے جس سے کبھی بھی نہ ٹھکس گئے۔ صحیح بخاری ص ۳۶۶ ج ۱ میں ہے کہ حضرت اشعث ابن قیس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میرے اور ایک یہودی شخص کے درمیان زمین کے بارے میں محاصرت تھی اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ تمہارا کوئی حق نہیں۔ میں اُسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا۔ آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کیا تمہارے پاس گواہ ہیں میں نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے یہودی سے فرمایا کہ تو قسم کھا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ تو قسم کھالے گا اور میرا مال لے جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر آیت نازل فرمائی۔ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا (الآیہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرمایا کہ جو بھی کوئی شخص جھوٹی قسم کھالے تاکہ کسی کا مال اس کے ذریعہ حاصل کرے تو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غصہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس کی تصدیق نازل فرمائی۔ اس کے بعد حضرت ابن مسعودؓ نے آیت بالا تلاوت فرمائی، راوی حدیث حضرت ابوہریرؓ (شاگرد ابن مسعود رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت اشعث سے میری ملاقات ہوئی انہوں نے فرمایا کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے آج تم سے کیا بیان کیا۔ میں نے اُن سے حدیث بالا بیان کر دی اور عرض کر دیا کہ آخر میں انہوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ حضرت اشعث نے فرمایا کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری ص ۳۶۸ ج ۱)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک شخص مال بیچنے کے لئے کھڑا ہوا اور اُس نے اللہ کی قسم کھالی کہ میں نے اس کے عوض اتنا اتنا مال دیا ہے (اور یہ جھوٹ تھا کیونکہ اس نے اتنا مال نہیں دیا تھا جتنا اس نے بتایا۔ تاجروں کی عادت ہوتی ہے کہ زیادہ نفع کمانے کے لئے گاہک کے سامنے جھوٹی قسم کھاتے ہیں کہ میں نے تو خود اتنے میں خریدا ہے) اس پر آیت إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری ص ۳۶۷ ج ۱)

مذکور بالا روایات سے آیت کے چند اسباب نزول معلوم ہوئے۔ بیک وقت چند چیزیں جمع ہو گئی ہوں جو آیت نازل ہونے کا سبب بن گئیں اس میں کوئی بعد نہیں۔ آیت شریفہ میں اللہ کے عہد کو بدلنے والوں اور جھوٹی قسم کھا کر دوسروں کا مال حاصل کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے اور اُن کی آخرت کی سزاؤں کی ہے۔ آیت کا مضمون عام ہے اور ہر اس شخص کو شامل ہے جو اُس طرح کی حرکت کرے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ اُن سے کلام نہ فرمائے گا اور اُن کے لئے عذاب الیم ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ان کا براہو اور نقصان میں پڑیں کون ہیں وہ لوگ یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا اپنے کپڑوں کو ٹخنے سے نیچے لٹکانے والا اور (کسی کو کچھ دے کر) احسان جتانے والا اور اپنی بکری کے سامان کو جھوٹی قسم کے ذریعہ چا کر کرنے والا۔ (صحیح مسلم) نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم سودا بکواور بیتی ہے اور برکت کو ختم کر دیتی ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۲۳۳ از بخاری مسلم)

بہت سے لوگ حاکم کے ہاں جھوٹا مقدمہ لے جاتے ہیں۔ بعض مرتبہ مدعی جھوٹا ہوتا ہے اور وہ جھوٹے گواہ پیش کر دیتا ہے اور بعض مرتبہ مدعی علیہ جھوٹا ہوتا ہے اور وہ جھوٹی قسم کھاتا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اُس چیز کا دعویٰ کیا جو اس کی نہیں ہے تو وہ ہم میں سے نہیں ہے اور ایسا شخص اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے۔ (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بڑے بڑے گناہوں میں سے

اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور ماں باپ کو تکلیف دینا ہے، جھوٹی قسم کھانا اور جس کسی شخص نے بھی اپنی بات پر جستے ہوئے قسم کھائی اور اس میں چھس کے پر کے برابر بھی کوئی جھوٹی بات داخل کر دی تو وہ قسم قیامت کے دن تک اس کے لئے سیاہ داغ بن جائے گی۔ (رواہ الترمذی کما فی المصنوعہ: ۲۲۸)

اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اپنی قسم کے ذریعہ کسی مسلمان کا حق مار لیا۔ اللہ اس کے لئے دوزخ واجب فرما دے گا اور اس پر جنت حرام فرما دے گا۔ ایک آدمی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگرچہ معمولی چیز ہو؟ آپ نے فرمایا اگر پیلو کے درخت کی ذرا سی چھتری ہی کیوں نہ ہو۔ (رواہ مسلم کما فی المصنوعہ: ۲۲۷)

وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوَنَ أَلْسِنَتَهُم بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ

اور بلاشبہ اُن میں ایک گروہ ایسا ہے جو اپنی زبانوں کو جوڑ کر کتاب بیان کرتا ہے تاکہ تم اُس کو کتاب سے سمجھو

وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ

حالانکہ وہ کتاب سے نہیں ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے پاس سے ہے حالانکہ وہ اللہ کے پاس سے نہیں ہے۔ اور وہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ

يَعْلَمُونَ ﴿۱۸﴾

وہ جانتے ہیں۔

بعض اہل کتاب، کتاب اللہ میں تحریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے ہے

یہ آیت بھی یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی یہ لوگ توریت شریف میں تحریف اور تغیر کرتے تھے، بیان کرتے ہوئے اس انداز سے زبان موڑ کر بات کر جاتے تھے کہ سنئے والا یہ سمجھ لے کہ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں یہ اللہ کی کتاب میں سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منجات جو توریت شریف میں پائی تھیں اُن کو بدل دیا اور آیت رجم کو چھپا لیا۔ تحریف کرتے ہوئے جو بات کہتے تھے اس کو ایسے انداز میں پیش کرتے تھے کہ سنئے والا یہ سمجھے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اُن کی اپنی بنائی ہوئی بات ہوتی تھی، اور ایسا بھی ہوتا تھا کہ صاف ہی کہہ دیتے تھے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ بات خود تراشیدہ ہوتی تھی۔ اَلْبَسْتَهُمْ کا جو مطلب اوپر عرض کیا گیا اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص سے مدعی نے کہا کہ تو کعبہ کی قسم کھا اس نے زبان دبا کر کابک کی قسم کھائی دوسرے کاف کی طرف مدعی اور دوسرے سنئے والوں کا ذہن بھی نہ گیا انہوں نے سمجھا کہ اس نے واقعی کعبہ کی قسم کھائی پھر جب مجلس سے جدا ہوا تو اس کے متعلقین نے کہا تو نے جھوٹی قسم کھائی؟ تو کہنے لگا کہ میں نے تو کابک کی قسم کھائی ہے۔

کابک بعض مایقوں میں کبوتر بند کرنے کے پنجرے کو کہتے ہیں۔ کعبہ کی قسم کھانا بھی جائز نہیں ہے یہ ایک مثال ذہن میں آئی تھی عرض کر دی اس طرح کے اور بھی واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ صاحب معالم التنزیل فرماتے ہیں کہ یہ کلمہ لوی لسانہ عن کذا سے ماخوذ ہے اور یہ غیر کے معنی میں ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ اس کا معنی بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بحرفون الکلم عن مواضعه ویدلون کلام اللہ ویزیلونہ عن المراد بہ لیوہموا الجہلۃ انہ فی کتاب اللہ کذلک وینسبونہ الی اللہ وهو کذب علی اللہ وہم یعلمون من انفسہم انہم قد کذبوا وافتروا فی ذالک کلمہ۔ (کلمات کو اپنی جگہ سے ہٹاتے اور کلام اللہ میں تبدیلی کرتے تھے)

اور کام الہی کو اپنی مراد سے بٹا دیتے تھے تاکہ جاہلوں کو جتنا نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اسی طرح ہے۔ اور اسے اللہ کی طرف منسوب کریں اور یہ اللہ تعالیٰ پر بہتان ہے اور وہ خود بخود جانتے تھے کہ وہ اس پورے عمل میں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بول رہے ہیں۔)

حافظ بغوی اور حافظ ابن کثیرؒ نے زبان مؤرخ بیان کرنے کا معنی یہی لیا ہے کہ وہ اللہ کی کتاب میں تحریف کرتے ہیں یعنی اس کا مطلب غلط بتاتے ہیں اور لوگوں کو یہ سمجھاتے ہیں کہ ہم نے اللہ کی کتاب کا مطلب تمہارے سامنے صحیح بیان کیا ہے وہ لوگ تحریف کرتے تھے اور اپنے ہاتھ سے لکھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے اور جان بوجھ کر یہ گناہ کرتے تھے۔ سورۃ بقرہ میں فرمایا:

فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُمُونَ الْكِتَابَ بِاِذْنِهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيُشْرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ چونکہ اللہ کی کتاب کی تعلیم ان کے ہاں عام نہیں تھی اور چند علماء ہی ٹھیکیدار بنے ہوئے تھے اس لئے اپنے عوام کو جو چاہتے تھے سمجھا دیتے تھے۔ امت محمدیہ میں بھی بعض فرقے جو اہل دیوبند ہیں حقیقت دنیا کے لئے اہل کتاب کی نقل اتارتے ہیں، ایک واعظ صاحب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کے منکر تھے اپنے عوام کو خوش کرنے کے لئے نقل انا بشر کا ترجمہ کرتے ہوئے صاف کوٹافہ بتا گئے اور اس سے بشریت کی نفی ثابت کر گئے اہل دیوبند کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ وہ کافر ہی ہو جائیں لیکن ان کے عوام ناراض نہ ہوں۔ اور عوام سے جو ملتا ہے وہ ملتا رہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنَّبُوءَةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا

لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ﴿۷۰﴾

جاؤ، اور لیکن یہ کہے گا کہ تم اللہ والے ہو جاؤ اس وجہ سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اس وجہ سے کہ تم پڑھتے ہو۔

وَلَا يَأْمُرُكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَالِيَةَ وَالنِّسْيَانَ اَرْبَابًا اَيَا مُرُكُمْ بِالْكَفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۷۱﴾

اور یہ تمہیں یہ حکم نہیں دے گا کہ تم فرشتوں کو اور نبیوں کو رب بنا لو، کیا وہ تم کو کفر کا حکم دے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو۔

ہر نبی کی یہ دعوت ہوتی تھی کہ اللہ والے بن جاؤ

الباب المنقول ص ۵۴ میں ہے کہ جب مدینہ کے یہودی اور نجران کے نصاریٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جمع ہوئے اور آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو ابودرافع نے کہا (جو یہودی کے قبیلہ بنی قریظہ سے تھا) اے محمد! آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی عبادت کریں جیسے انصاری عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں آپ نے فرمایا: عا: اللہ (اللہ کی پناہ) میں ایسی دعوت کیوں دینے لگا؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم آپ کو اسی طرح سلام کرتے ہیں جیسے آپس میں ایک دوسرے کو سلام کیا جاتا ہے۔ کیا ہم ایسا نہ کریں (کہ آپ کی رفعت اور عظمت ظاہر کرنے کے لئے) آپ کو سجدہ کریں آپ نے فرمایا نہیں ایسا نہ کرو اپنے نبی کا اکرام کرو اور صاحب حق کا حق پہچانو۔ کیونکہ اللہ کے سوا کسی کے لئے سجدہ کرنا درست نہیں ہے اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ (روح المعانی ص ۲۰۷ ج ۳)

اوپر آیت کے دو سو پہ نزول بیان ہوئے اگر وہ دونوں ہی ہوں تو اس میں کوئی بات قابل اشکال نہیں، آیت میں صاف صاف واضح طور

پر بیان فرمادیا کہ جس کسی بشر کو اللہ پاک کتاب اور حکمت عطا فرمائے اور نبوت سے نوازے اُس کے لئے کسی طرح سے بھی یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو اپنا بندہ بنانے کی دعوت دے۔ نبیوں کا کام تو یہ تھا کہ لوگوں کو خدائے پاک کی بندگی کی طرف بلاتیں اور خدا کا بندہ بنائیں وہ خدائے پاک کی عبادت چھڑا کر اپنی عبادت یا کسی بھی غیر اللہ کی طرف دعوت نہیں دے سکتے اس میں انصاری کی تردید ہوگئی جو یہ کہتے تھے کہ یسعی علیہ السلام نے اپنی اور اپنی ماں کی عبادت کی دعوت دی ہے اور یہودیوں کے اس قول کا بھی رد ہو گیا جنہوں نے کہا کہ اے محمد! تم اپنی عبادت کرنا چاہتے ہو۔ جس کسی بھی بندہ کو اللہ نے نبوت سے سرفراز فرمایا اس نے یہی دعوت دی کہ تم ربانی بن جاؤ۔ اللہ پر ایمان لاؤ اُن کی عبادت کرو۔

قوله تعالى بِمَا كُنتُمْ تَعْلَمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنتُمْ تَنْذَرُونَ، اس کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب روح المعانی ص ۲۰۸ ج ۳ لکھتے ہیں الباء للسببية متعلقة بكونوا أي كنونوا كذلك بسبب مثابرتكم على تعليمكم الكتاب ودراستكم له والمطلوب ان لا ينفك العلم عن العمل اذ لا يعتد احدهما بدون الآخر اس کا مطلب یہ ہے کہ باسیہ ہے جار مجرور كنونوا سے متعلق ہے۔ یعنی تم لوگ ربانی ہو جاؤ، اس وجہ سے کہ تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور کتاب کو پڑھتے ہو جس کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور جس کو پڑھتے پڑھاتے رہے ہو اس کا تقاضا یہی ہے کہ ربانی ہو اور جو تمہارے پاس علم ہے اس پر عمل کرو کیونکہ علم بغیر عمل کے معتبر نہیں اور عمل بغیر علم کے صحیح نہیں۔

ربانی کون ہیں؟..... لفظ رَبَّانِيَّيْنِ، ربانی کی جمع ہے جو رب کی طرف منسوب ہے نسبت میں الف اور نون زائد کر دیا گیا۔ لفظ ربانی کا معنی بتاتے ہوئے حضرات مفسرین کرام نے صحابہؓ اور تابعینؓ کے متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔ معالم التنزیل ص ۳۳۰ ج ۱ میں حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ اور حسنؓ سے کونوا ربانیین کا معنی نقل کرتے ہوئے لکھا ہے كُونُوا فَفُقَهَاءَ، عُلَمَاءَ اور حضرت قتادہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ حُكَمَاءَ و عُلَمَاءَ اور سعید بن جبیرؓ نے فرمایا العالم الذي يعمل بعلمه اور حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول یہ ہے کہ فُقَهَاءَ مُعَلِّمِينَ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے۔ هو الذي يربى علمه بعلمه۔

تفسیر ومنثور ص ۴۷ ج ۲ میں حضرت سعید بن جبیرؓ کا قول نقل کیا ہے كَانُوا، اَتْقِيَاءَ، عِلَامَةً، بِضَاوَى لَكْتِے ہیں۔ هو الكامل في العلم والعمل۔

مجموعی طور پر ان سب اقوال کا خلاصہ یہ ہوا کہ ربانی وہ لوگ ہیں جو اہل علم ہیں فقیہ ہیں حکیم ہیں متقی ہیں اپنے علم پر عمل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی حق کی راہ بتاتے ہیں اور حق پر چلاتے ہیں۔ اور ایمان تو بہر حال ثواب اور نجات آخرت کے لئے شرط ہے ہی، یہ سب چیزیں ہوں اور بالایمان بہ تب ربانی کا مصداق ہوگا جس کا ترجمہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے ”اللہ والے“ فرمایا۔ یہ ترجمہ بہت جامع ہے اس میں علم اور عمل، تعلیم و تدریس، عبادت، اخلاق حسنہ سب کچھ آ جاتا ہے۔ ربانیین کی یہ ذمہ داری ہے کہ خود بھی عمل کریں اور دوسروں کو بھی عمل پیرا لیں۔ سورہ مائدہ میں فرمایا لَوْلَا نَسِيْنَاهُمْ الرَّبَّانِيُّوْنَ وَالْأَخْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمْ اَلَا هُمْ وَانْكَلِبُهُمُ السُّخْرٰى (کیوں نہیں روکتے اُن کو ربانی لوگ اور اہل علم گناہ کی باتیں کرنے سے اور حرام کے کھانے سے)۔

غیر اللہ کو رب بنانے کی ممانعت..... پھر فرمایا وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الصَّلَاحِيَّةَ وَالنَّبِيِّنَ أَرْبَابًا (کہ نبی تم کو یہ حکم نہیں دیتا کہ تم فرشتوں کو اور پیغمبروں کو اپنا رب بناؤ) تمام انبیاء علیہم السلام تو حید کی دعوت دینے کے لئے تشریف لائے تھے وہ غیر اللہ کو رب ماننے کی دعوت کیسے دے سکتے تھے؟) اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكَفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُسْلِمُونَ (کیا نبی تم کو کفر کا حکم دے گا بعد اس کے کہ تم اللہ

کے فرمانبردار ہو۔) اگر تم موحد ہو تو نبی تم کو توحید سے کیوں بنائے گا؟ وہ شرک کی دعوت نہیں دے سکتا۔ ہاں انی نبوت اور رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دے گا۔ جس کا وہ ماسور ہے اور جس پر ایمان لائے بغیر تم مؤمن نہیں ہو سکتے اور تمہارا عقیدہ توحید اس پر ایمان لانے بغیر تمہیں نجات نہیں دلا سکتا۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت یہ تھی کہ صرف اللہ کے بندے بنو اسی کی عبادت کرو نبی آخر الزمان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی کی دعوت دی اور اسی دعوت پر محنت کی۔ اور آپ کے صحابہؓ نے بھی اسی دعوت کے لئے مشقت اٹھائی اور جہاد کئے۔ ایک مرتبہ فارس کے جہاد کے موقع پر حضرت ربیع بن عامر رضی اللہ عنہ بطور سفیر رستم کے پاس تشریف لے گئے۔ رستم اہل فارس کا صاحب اقتدار تھا۔ رستم نے کہا کہ تم لوگ کیوں آئے؟ وہ انہوں نے فرمایا کہ اللہ نے ہم کو بھیجا ہے تاکہ ہم بندوں کی عبادت سے نکال کر اللہ کی عبادت کی طرف لے جائیں اور جو موجود دین ہیں ان کے ظلم سے بچا کر اسلام کے عدل کی طرف لے آئیں۔ (کما ذکر ابن کثیر فی البدایہ فی ذکر یوم الفداء)

اور حاضر میں بہت سے ایسے پیر فقیر ہیں جنہیں نہ شریعت سے تعلق ہے نہ طریقت کو جانتے ہیں، جہادے بنے ہوئے گدیاں سنبھالے ہوئے ہیں، اپنے مریدوں سے خود اپنے کو سجدہ کراتے ہیں اور ان قبروں کو بھی جن کو کسب دنیا کا ذریعہ بنا رکھا ہے طریقت تو شریعت کی خادم ہے۔ بیعت اور ارشاد اور تعویف و سلوک اسی لئے ہے کہ انسان اللہ کے بندے بنیں اور اس کی عبادت میں لگیں نہ اس لئے کہ غیر اللہ کو سجدہ کئے جائیں۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ

اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ میں جو کچھ بھی تم کو کتاب اور حکمت عطا کروں پھر آ جائے تمہارے یاں رسول جو تصدیق کرنے والا

لَمَّا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي ۖ قَالُوا

ہو اس چیز کی جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس پر ایمان لاؤ گے اور ضرور ضرور اس کی مدد کرو گے فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور تم نے اس پر میرا منہ ڈھک دیا؟ انہوں نے کہا

أَقْرَرْنَا ۖ قَالَ فَاشْهَدُوا ۚ وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۚ فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ

کہ ہاں ہم نے اقرار کر لیا، فرمایا سو تم گواہ رہو اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔ پھر جو شخص اس کے بعد روگردانی کرے

هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۵﴾

سو یہی لوگ نافرمان ہیں۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے اللہ تعالیٰ کا عہد لینا

ان دو آیتوں میں اس عہد کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے لیا۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے یہ عہد لیا کہ تمہاری موجودگی میں جو دوسرا نبی آئے گا اس پر ایمان لانا اور اپنی امت کو بھی اس پر ایمان لانے کی دعوت دینا، تبلیغ کرنا اور اس نبی کی مدد کرنا۔ اگر تمہاری موجودگی میں کوئی نبی نہ آئے تو اپنی امت کو تاکید کر دینا کہ اس نبی پر ایمان لانا جو میرے بعد آئے اور اس کی

تصدیق اور اس کی مدد کرنا۔ اسی سلسلہ میں حضرت مہدی علیہ السلام سے عبدلیا کہ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں اور عیسیٰ علیہ السلام سے عبدلیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔ یہ اس صورت میں ہے جبکہ رسول کی تنوین تکمیل کے لئے: اور بعض مفسرین نے یوں فرمایا کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سب نبیوں سے عبدلیا کہ تمہاری موجودگی میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے تو ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا اور اپنی امتوں کو بھی اس کا حکم دینا کہ ان میں سے جو بھی ان کا زمانہ پالے ان پر ایمان لائے اور ان کی مدد کرے۔ (معالم الغزیر ص ۳۲۲ ج ۱)

عبداللہ کہ اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی: أَقْرَأْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَيَّ ذَلِكُمْ (کیا تم نے اقرار کر لیا، اور اس پر تم نے میرا مضبوط عہد لے لیا) سب نے عرض کیا کہ ہاں ہم نے اس کا اقرار کر لیا اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ تم گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔ یہ عہد حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی لیا اور ان کے واسطے سے ان کی امتوں سے بھی لیا۔ اس عہد کو جن لوگوں نے پورا نہ کیا ان کے بارے میں فرمایا: فَمَنْ تَوَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ کہ جس نے اس عہد کے بعد روگردانی کی۔ عبد کو پورا نہ کیا کسی بھی ایک نبی کو چھٹا لیا تو ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے نافرمان ہیں۔ اور نافرمانی کے بدترین مرتبہ میں ہیں کیونکہ وہ کافر ہیں۔ (قال فی الروح ای الخارجون فی الکفر الی افحش مراتبه) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے تو اللہ کی نافرمانی کا صدور ہو ہی نہیں سکتا۔ ان کی امتوں نے اس عہد سے منہ موڑا اور کفر اختیار کیا۔ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے اور یہود و نصاریٰ دونوں قومیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی منکر و کفر پر مصر رہیں۔

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت..... شیخ ابوالحسن تقی الدین اسکی رحمہ اللہ کا مستقل ایک رسالہ ہے جو آیت بالا کی تفسیر سے متعلق ہے اس رسالہ کا نام التعظیم والیمتۃ فی التوہد بہ و لتتصرونہ ہے جو فتاویٰ سبکی میں ص ۳۸ ج ۱ سے شروع ہے۔ علامہ سبکی فرماتے ہیں کہ مفسرین نے فرمایا ہے کہ رسول مصدق سے مراد اس آیت میں ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور کوئی نبی ایسا نہیں جس سے اللہ نے یہ عہد نہ لیا ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کروں گا اگر وہ تمہارے زمانہ میں آئیں تو تم ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا اور اپنی امت کو اس کی ہمیت کرنا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اور اخذ میثاق میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جس عظمت و شان کا بیان ہے وہ پوشیدہ نہیں اور اس سے یہ بھی معام ہو گیا کہ اگر انبیاء کرام کے زمانہ میں آپ کی بعثت ہوتی تو آپ ان کے لئے بھی مرسل ہوتے اور اس طرح سے آپ کی نبوت اور رسالت تمام مخلوق کو عام ہو گئی۔ آدم علیہ السلام سے لے کر آخر زمانے تک اور اس طرح سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امتیں سب آپ کی امت میں داخل ہیں اور آپ کا ارشاد بعثت الی الناس کافۃً صرف انہی لوگوں سے متعلق نہیں ہے جو آپ کے زمانہ سے لے کر قیامت تک ہوں گے بلکہ ان لوگوں سے بھی متعلق ہے جو آپ سے پہلے تھے اور اس سے آپ کے ارشاد کنت نبیاً و ادم بنی الروح و الجسد۔ (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۱۳) کا معنی بھی واضح ہو جاتا ہے۔

أَفَعَيِّرَ دِينَ اللَّهِ يَبْعُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا

کہ اللہ کے دین کے علاوہ کوئی دین تلاش کرتے ہیں، حالانکہ وہ سب اس کے فرمانبردار ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں خوشی سے اور مجبوری سے،

وَالِيهِ يُرْجَعُونَ ﴿۸۳﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ عَلٰى اٰبْرٰهِيْمَ وَ

اور اسی ہی طرف سب واپس ہوں گے۔ آپ فرمادیتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو کچھ نازل کیا گیا ہم پر اور اس پر جو نازل کیا گیا ابراہیم پر

اِسْمٰعِيْلَ وَاسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاِسْبَاطَ وَمَا اُوْتِيَ مُوسٰى وَعِيسٰى وَالتَّبٰىوْنَ

اور اسماعیل پر اور اسحاق پر اور یعقوب پر اور ان کی اولاد پر اور اس پر جو عطا کیا گیا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور تمام نبیوں کو ان

مِنْ رَّبِّهِمْ سَلَا نَفَرِقْ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ذُو نَحْنُ لَهُ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغْ غَيْرَ

کے رب کی طرف سے، ہم ان میں سے کسی کے درمیان بھی تفریق نہیں کرتے اور ہم اس کے لئے فرمانبردار ہیں۔ اور جو کوئی شخص اسلام کے علاوہ

اِلْسَلاَمَ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

کسی دین کو طلب کرے گا تو ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں تباہکاروں میں سے ہوگا۔

دین اسلام ہی اللہ کے نزدیک معتبر ہے

جو دین اللہ نے اپنی مخلوق کے لئے پسند فرمایا ہے وہ دین اسلام ہے۔ جیسا کہ سورۃ آل عمران کے دوسرے رکوع میں فرمایا اِنَّ الدِّيْنَ

عِنْدَ اللّٰهِ اِلْسَلاَمٌ (بے شک دین جو معتبر ہے اللہ کے نزدیک وہ اسلام ہی ہے) اور سورۃ مائدہ میں فرمایا اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنََكُمْ

وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمْ اِلْسَلاَمَ دِيْنًا (آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنا انعام مکمل کر دیا اور تمہارے

لئے دین اسلام کو پسند کر لیا) اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کا نام اسلام رکھا ہے جس کا معنی فرمانبرداری: دے کا ہے۔ ساری مخلوق اللہ کی فرمانبرداری

ہے اور ہمیشہ سے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا دین اسلام ہی تھا یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی دعوت دی جس کا طریقہ اللہ کی

کتابوں اور رسالوں کے ذریعہ معلوم ہوتا رہا ہے۔ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام جب کعبہ شریف بنا رہے تھے تو اس وقت انہوں

نے دعا کی کہ اے اللہ ہم کو تو اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری فریت میں سے ایک امت مسلمہ پیدا فرما۔ ان کی دعا اللہ نے قبول فرمائی اور

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعوث فرمایا اور امت مسلمہ پیدا فرمائی جو امت محمدیہ ہے۔

دین اسلام میں سرایا خالق اور مالک کی فرمانبرداری ہے، بندہ کا کام ہے کہ اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے ظاہر و باطن سے

جسم و جان سے جھک جائے اور ہر حکم کو مانے، سارے فرشتوں کا دین اور ان کے علاوہ ساری مخلوق اور جو بھی کچھ آسمان اور زمین

میں ہے سب کا دین اسلام ہے۔ مخلوق میں انسان اور جنات بھی ہیں اللہ پاک کی طرف سے ان کے لئے بھی دین اسلام ہی کو پسند

فرمایا ہے لیکن چونکہ ان دونوں قوموں کا ابتلاء بھی مقصود ہے اس لئے ان کو مجبور نہیں کیا گیا کہ اسلام ہی کو اختیار کریں اسی وجہ سے

ان میں بہت سے کافر اور بہت سے مؤمن ہیں (خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَنۡتُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا) البتہ تنکوئی طور پر یہ

دونوں بھی وہی کرتے ہیں جو اللہ کی قضا و قدر کا فیصلہ ہوتا ہے مجبوراً قضا و قدر کے فیصلے کے مطابق ہی جیتے اور مرتے ہیں۔ ان دونوں

قوموں کو بتا دیا ہے کہ ایمان کی جزاء یہ ہے اور کفر کی سزا یہ ہے۔ اب اپنے اختیار سے دوزخ یا جہنم کی تیاری کرتے ہیں۔ وَقُلْ

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِيْنَ نَارًا (الآیہ) تمام حضرات انبیاء کرام علیہم

السلام مسلم تھے۔ اللہ کے فرمانبردار تھے اپنی امتوں کو بھی انہوں نے اسی کی دعوت دی اسی لئے فرمایا کہ اے محمد (ﷺ) آپ اعلان فرمادیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس کتاب پر بھی جو ہم پر نازل کی گئی اور ان چیزوں پر جو براہیم، اسمعیل، اسحق، یعقوب اور یعقوب کی اولاد پر نازل کی گئیں اور اس پر جو وہی اور عیسیٰ اور تمام نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے عطا کیا گیا۔ ان سب پر بھی ایمان لائے۔ ان حضرات میں سے ہم کسی کے درمیان بھی تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں۔

کیونکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا دین ایک ہی ہے اس لئے ہم سبھی پر ایمان لاتے ہیں جو احکام ان پر نازل ہوئے ہم ان پر بھی ایمان لاتے ہیں کہ وہ بھی اللہ کی طرف سے ہیں۔ یہ سب حضرات اللہ کے فرمانبردار تھے ہم بھی اللہ کے فرمانبردار ہیں لفظ (النبیون) تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو شامل ہے پھر بھی بعض انبیاء علیہم السلام کا خصوصیت ذکر فرمایا کیونکہ یہود و نصاریٰ ان حضرات کو جانتے اور مانتے تھے

طوعاً و کرہاً کی تفسیر..... طوعاً و کرہاً کی تفسیر بتاتے ہوئے مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں ص ۹۷۹ ج ۳ اما من فی السموات فالملائکۃ و اما من فی الارض فمن ولد علی الاسلام و اما کرہاً فمن اتی بہ من سبایا الامم فی السلاسل و الاغلال یفقدون الی الجنة و هم کاذبون (یعنی آسمانوں میں فرشتے اور زمین میں وہ لوگ ہیں جو اسلام پر پیدا ہوئے یہ بخوشی اسلام پر چلتے ہیں، اور ناخوشی سے چلنے والے وہ لوگ ہیں جن کو زنجیروں میں اور بیڑیوں میں قید کر کے لایا گیا) اس وقت وہ کافر تھے بعد میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا یہ قید کر کے لانا ان کے جنت میں جانے کا سبب بن گیا جس وقت قید کئے گئے تھے ان کو ناگوار تھا

صاحب روح المعانی نے کرہاً کا ایک معنی بتاتے ہوئے لکھا ہے۔ ہا کان حاصل بالسیف و معانہ ما ینلجی الی الاسلام یعنی اہل اسلام کی تلواروں کی وجہ سے اور ان چیزوں کی وجہ سے اسلام قبول کرنے پر مجبور ہوئے جنہوں نے انظراری طور پر اسلام کے لئے آمادہ کر دیا۔ پھر اس کے علاوہ ایک اور قول بھی لکھا ہے وہ ان کو خود ہی پسند نہیں آیا پھر صوفیہ سے ایک قول نقل کیا کہ طوعاً کا معنی یہ ہے کہ کسی ظلمت نفسانیہ کے بغیر اللہ کے احکام کو مان لیا اور اناست کا کوئی پردہ حائل نہیں ہوا اور کرہاً کا معنی یہ ہے کہ وہ اس پیش آگئے اور پردے حائل ہو گئے۔ پھر لکھتے ہیں طوعاً کا مصداق حضرات ملائکہ اور بعض ان حضرات کا اسلام ہے جو اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں زمین میں رہتے ہیں اور دوسرا اسلام ان لوگوں کا ہے جن کو شکوک پیش آتے رہتے ہیں، پھر لکھتے ہیں کہ کفار قسم ثانی سے ہیں کیونکہ انہوں نے خالق کو مانا لیکن ظلمات نفسانیہ کی وجہ سے خالق جل مجدہ کے ساتھ انہوں نے شرک شروع کر دیا۔ ان کا ایمان شرک میں ملا ہوا ہے جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ آسمان اور زمین کس نے پیدا کیا تو کہتے ہیں اللہ نے پیدا کیا۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ طوعاً و کرہاً کی تفسیر مجاہد (تابعی) کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتی ہے۔ اس تفسیر سے اطمینان نہیں ہوتا کیونکہ دنیا میں وہ لوگ بھی ہیں جو بالکل ہی خدا تعالیٰ کو نہیں مانتے وہ خالق اور صانع کے منکر ہیں اور من کا عموم سامنے رکھا جائے تو اس کی کثیر بات بھی عام اور نام نہیں ہوتی۔ اس لئے احقر نے وہ تفسیر کی ہے جو اوپر مذکور ہے جس میں کرہاً کا معنی اللہ کی قضاء اور قدر کے تابع ہونا اور تنکوینی طور پر ان فیصلوں کے مطابق چلنا اختیار کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جب تنکوینی طور پر سب اسی کی قضاء اور قدر کے مطابق مرتے اور جیتے ہو تو جو دین تشریفی طور پر اس نے تمہارے لئے بھیجا ہے اسے بھی اختیار کرو، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

دین اسلام کے سوا کوئی دین عند اللہ مقبول نہیں..... آخر میں فرمایا وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔ (یعنی جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو طلب کرے گا تو ہرگز اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ

آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا) دین اسلام جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کے ذریعہ بھیجا اور اسی کو آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے جس کا سورۃ مائدہ میں اعلان فرمایا اَلْيَوْمَ اَتْمَمْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِينًا۔ یہ دین اسلام ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول و معتبر ہے۔ اس کے علاوہ جو بھی دین کوئی شخص اختیار کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہ ہوگا۔ خواہ کتنی ہی عبادت کرے اس کی مزید تشریح اور توضیح کے لئے سورۃ بقرہ کی آیت اِنَّ الدِّينَ اَمْسُوْا وَالَّذِيْنَ هَآذُوْا (آ خر تک) کی تفسیر کا مطالعہ کیا جائے۔ نیز آیت شریفہ اِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آ خر تک) کا مطالعہ کیا جائے جو سورۃ آل عمران کے رکوع نمبر ۲ میں ہے۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوا۟ۢ بَعْدَ اِيْمَانِهِمْۙ وَشَهِدُوْۤا اَنَّ الرّٰسُوْلَ حَقٌّ�ۗ وَجَآءَهُمُ

اللہ کیونکر ہدایت دے اس قوم کو جنہوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر اختیار کر لیا۔ حالانکہ وہ گواہی دے چکے تھے کہ بلاشبہ رسول حق ہے اور ان کے پاس واضح

الْبَيِّنَاتُ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰ اُولٰٓئِكَ جَزَاؤُهُمْۙ اَنَّ عَلَيْهِمُ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ

والاں بھی آ گئے اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی مزا یہ ہے کہ اُن پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی

وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝۱۱ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۙ لَا يَخَفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝۱۲ اِلَّا الَّذِيْنَ

اور لوگوں کی سب کی۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، اُن سے عذاب ہٹا نہ کیا جائے گا اور نہ اُن کو مہلت دی جائے گی۔ سوائے ان لوگوں کے

تَابُوْۤا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْۤاۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رّٰحِيْمٌ ۝۱۳ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤاۢ بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ

جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی تو بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔ بیشک جن لوگوں نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا

اَزْدَادُوْۤا كُفْرًاۙ لَّنْ تَقْبَلَ تَوْبَتُهُمْۙ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰٓئِرُوْنَ ۝۱۴ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا وَمَا تُوۤا

پھر کفر میں بڑھتے رہے ہرگز اُن کی توبہ قبول نہ ہوگی اور یہ لوگ بکے گمراہ ہیں۔ بیشک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور وہ اس حال

وَهُمْ كُفَّارٌۭ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْۢ اَحَدِهِمْ مِّلٌّ�ۗۙ الْاَرْضُ ذٰهَبًا وَّلَوْ اَفْتَدٰى بِهٖ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ

میں مر گئے کہ وہ کافر تھے تو اُن میں سے کسی سے زمین بھر کر بھی سونا قبول نہ کیا جائے گا، اگرچہ وہ اپنی جان کے بدلے میں دینا چاہے، یہ وہ لوگ ہیں

عَذَابٌ اَلِيْمٌۭ وَّمَا لَهُمْ مِنْ نّٰصِرِيْنَ ۝۱۵

جن کے لئے دردناک عذاب ہے اور ان کے لئے کوئی مددگار نہ ہوگا۔

مرتدوں اور کافروں کی سزا

تفسیر درمنثور ج ۱۹ ص ۲ میں نقل کیا ہے کہ حارث بن سوید نے اسلام قبول کیا پھر کافر ہو کر اپنی قوم کی طرف چلا گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کَیْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوا۟ۢ مَا تُوۤا نے آیت کَیْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوا۟ۢ غَفُوْرٌ رّٰحِيْمٌ تک نازل فرمائی۔ اس کی قوم میں سے ایک شخص اس کے پاس

گیا اور اسے پوری آیت سنائی۔ آیت سن کر حارث ابن سوید نے کہا کہ میں جہاں تک جانتا ہوں تو سچا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھ سے بڑھ کر سچے ہیں اور یا شبہ اللہ تعالیٰ تم دونوں سے بڑھ کر سچا ہے۔ اس کے بعد اس نے (دوبارہ) اسلام قبول کر لیا اور اچھی طرح اسلام کے کاموں میں لگا رہا۔ چونکہ آیت میں الَّذِينَ تَابُوا بھی ہے اس لئے حارث بن سوید نے اس استثناء پر نظر کی اور اسلام قبول کر لیا اور گئی توبہ کر لی۔ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اسلام قبول کر کے اسلام سے پھر جائے پھر گئی توبہ کر کے اسلام میں داخل ہو جائے تو اس کی توبہ قبول ہے اور اس کا اسلام بھی قبول ہے۔

دوسری آیت میں فرمایا الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ أَذَّادُوا كُفْرًا (الآیۃ) اس کے بارے میں درمثور میں حضرت حسنؓ سے نقل کیا ہے کہ اس سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں جو موت کے وقت توبہ کرنے لگیں۔ موت کے وقت توبہ قبول نہیں ہے۔ جیسا کہ آیت حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْإِيمَانَ وَلَا الَّذِينَ يُمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ (سورہ نسا، ع ۳۷) کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے۔

حضرت ابو العالیہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا اور پھر کفر میں آگے بڑھتے چلے گئے۔ پھر اس کے بعد کفر پر باقی رہتے ہوئے گناہوں سے توبہ کرنے لگے۔ لہذا ان کی توبہ قبول نہ ہوگی کیونکہ کفر پر ہوتے ہوئے گناہوں کی توبہ مقبول نہیں اور حضرت مجاہد نے ثُمَّ أَذَّادُوا كُفْرًا کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ کفر پر مر گئے۔

آخر میں فرمایا الَّذِينَ كَفَرُوا وَآمَنُوا وَهُمْ كُفَّارٌ (الآیۃ) جن لوگوں نے کفر اختیار کیا پھر حالت کفر ہی میں مر گئے تو قیامت کے دن ان سے ان کی جان کا بدلہ قبول نہ کیا جائے گا تاکہ مال وے کر چھوٹ جائیں۔ وہاں کسی کے پاس کچھ بھی نہ ہوگا لیکن اگر بالفرض ہو بھی اور وہ دینا چاہے تو اتنا سونا دے جس سے زمین بھر جائے تو بھی قبول نہ ہوگا۔ دائمی عذاب ہی بھگتنا ہوگا اور وہاں کوئی مددگار بھی نہ ہوگا۔ سورہ مائدہ میں فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابُ أَلِيمٍ . يُرِيدُونَ أَنْ يُخْرَجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابُ مُّقِيمٍ (باز شبہ جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے پاس تمام دنیا بھر کی چیزیں اور ان چیزوں کے ساتھ اتنی چیزیں اور بھی ہوں تاکہ وہ ان کو دیکر قیامت کے دن کے عذاب سے چھوٹ جائیں تو وہ چیزیں ان سے قبول نہ کی جائیں گی اور ان کو دردناک عذاب ہوگا وہ چاہیں گے کہ دوزخ کے عذاب سے نکل آئیں حالانکہ وہ اس سے کبھی بھی نہ نکلیں گے اور ان کو دائمی عذاب ہوگا۔

أَنَّ عَلَيْهِمُ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ کی تشریح کے لئے سورہ بقرہ رکوع ۱۹ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔



پارہ نمبر ۴ / لَنْ تَنَالُوا

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تَحِبُّونَ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۱۷﴾

ہرگز نہ پاؤ گے تم بھلائی کو یہاں تک کہ خرچ کر دو اس چیز میں سے جس سے تم محبت کرتے ہو، اور جو بھی کوئی چیز خرچ کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والا ہے۔

فی سبیل اللہ محبوب مال خرچ کیا جائے

اس آیت میں اللہ کی رضا کے لئے مال خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور فرمایا ہے کہ خیر (کامل) تمہیں نہیں مل سکتی جب تک کہ اپنی محبوب چیز اللہ کی رضا کے لئے خرچ نہ کرو، حضرات صحابہ کرامؓ ایک ایک حکم پر عاشق تھے، جب آیت بالا نازل ہوئی تو انہوں نے اپنی محبوبات پر نظر ڈالی کہ ہماری محبوب چیزیں کیا کیا ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انصاریہ مدینہ میں باغوں کی ملکیت کے اعتبار سے سب سے زیادہ مالدار حضرت ابوطحہ رضی اللہ عنہ تھے، مسجد نبویؐ کے مقابل ان کا باغ تھا جس میں ایک کنواں بیرحاء کے نام سے موسوم تھا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی اس باغ میں تشریف لے جاتے اور بیرحاء کا پانی پیتے تھے، حضرت ابوطحہ رضی اللہ عنہ کا یہ باغ ان کو اپنی جائیداد میں سب سے زیادہ محبوب تھا، اس آیت کے نازل ہونے پر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے تمام اموال میں بیرحاء مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ میں اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں اور اس کے ثواب کی امید رکھتا ہوں اور اللہ کے یہاں اس کو ذخیرہ بنانا چاہتا ہوں۔ آپ جس کام میں پسند فرمائیں اس کو اپنی صوابدید سے جیسے اللہ آپ کے دل میں ڈالے خرچ فرمادیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ عظیم منافع کا باغ ہے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کو اپنے اقرباء میں تقسیم کر دو، حضرت ابوطحہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مشورہ کو قبول فرما کر اپنے اقرباء اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم فرمادیا۔ (صحیح بخاری ص ۱۹۷ ج ۱)

تفسیر درمنثور میں اس طرح کے اور بھی واقعات لکھے ہیں۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو اپنے مال میں ایک رومی لونڈی جس کا نام مرجانہ تھا سب سے زیادہ محبوب تھی۔ آیت شریفہ سن کر انہوں نے اُسے آزاد کر دیا۔ اسی طرح حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو حضرت عمرؓ نے لکھا کہ جلولا کے قیدیوں میں سے ایک باندی میرے لئے خرید کر دو جب وہ باندی آگئی تو حضرت عمرؓ نے آیت بالا پڑھی اور اُسے آزاد فرمایا، حضرت محمد بن المنکدر نے بیان فرمایا کہ جب آیت بالا نازل ہوئی تو حضرت زید بن حارثہؓ نے اپنا گھوڑا صدقہ میں دے دیا کیونکہ وہ ان کو سب سے زیادہ محبوب تھا۔ (ص ۵۰ ج ۲)

ہر شخص کی محبوبات الگ الگ ہیں اور جس شخص کے پاس پیسہ کم ہو وہ اس میں سے اللہ کے لئے خرچ کر دے تو وہ بھی اس آیت کے منہوم میں شامل ہے۔ کیونکہ مال ہونے کی وجہ سے پیسہ زیادہ محبوب ہو جائے۔ آیت کے عموم سے معلوم ہوا کہ رلوہ ہو یا صدقات، واجبہ یا نافلہ ان میں سب سے اچھا مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے اور اپنی محبوب چیزیں مستحقین میں خرچ کی جائیں۔ اگر کوئی شخص ایسی چیز کو اللہ کی راہ میں دیدے جو اس کی ملکیت تو ہے لیکن ضرورت سے زائد ہے جیسے پرانے اتارے ہوئے کپڑے تو اس کا بھی اجر ہے۔ البتہ

جس چیز سے محبت ہو اس کے خرچ کرنے میں زیادہ ثواب ہے اسی لئے بعض مفسرین نے اُبْرَہ کی تفسیر الخیر اکمل سے کی ہے۔ یعنی کامل ثواب اسی میں ہے جبکہ محبوب چیز خرچ کی جائے۔ آیت کا مطلب یہ نہیں کہ جو چیز محبوب نہیں اُسے خرچ نہ کرو مطلب یہ ہے کہ محبوب چیز خرچ کرنے کی طرف رغبت کرو۔ آیت کے آخر میں جو فرمایا: وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ اس کے عموم سے اس طرف اشارہ ملتا ہے۔ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے نیا کپڑا پہنا۔ پھر یوں کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي كَسَانِي مَا اُوَارِي بِهِ عَوْرَتِي وَاتَّجَمَلُ بِهِ فِي حَيَاتِي (سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے کپڑا پہنایا جس کے ذریعہ اپنی شرم کی جگہ کو چھپاتا ہوں اور اپنی زندگی میں اس کے ذریعہ جمال حاصل کرتا ہوں) پھر اس کے بعد اس کپڑے کو صدقہ کر دیا جسے پرانا کیا تھا تو اللہ کی حفاظت میں اور اللہ کی طرف سے پردہ پوشی میں ہوگا۔ زندگی میں اور موت کے بعد۔ (رواہ احمد و الترمذی و ابن ماجہ کما فی المستدرک ج ۷ ص ۳۷۷)

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حَلَالًا لِّبَنِي إِسْرَءِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَءِيلُ عَلَى نَفْسِهِ مِنْ قَبْلِ

سب کھانے حلال تھے بنی اسرائیل کے لئے سوائے اس کے جو اسرائیل نے اپنے اوپر حرام کر لئے تھے اس سے پہلے کہ

أَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرَةُ قُلْ فَاتَّبِعُوا بِالتَّوْرَةِ فَاتَّبِعُوا مَا أَنْزَلْنَا وَإِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ فَمَنْ افْتَرَىٰ عَلَىٰ

تورات نازل ہو، آپ فرما دیجئے کہ تم تورات لے آؤ پھر اُس کو پڑھو اگر تم سچے ہو۔ پھر اس کے بعد جس شخص

اللَّهُ الْكُذِّبُ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ قُلْ صَدَقَ اللَّهُ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ

نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا، سو وہی لوگ ہیں بڑے بے انصاف والے آپ فرما دیجئے کہ اللہ نے سچ فرمایا لہذا تم ملت

إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝

ابراہیم کا اتباع کرو جو باطل کو چھوڑ کر حق کو اختیار کرنے والے تھے اور مشرکین میں نہ تھے۔

ملت ابراہیمہ میں کیا چیزیں حلال تھیں

معالم التنزیل ص ۳۲۶ ج ۲ میں ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض کیا کہ آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ ملت ابراہیم پر ہیں اور ابراہیم اونٹوں کا گوشت نہیں کھاتے تھے اور اونٹینوں کا دودھ نہیں پیتے تھے معلوم ہوا کہ آپ ان کی ملت پر نہیں ہیں، اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ چیزیں ابراہیم علیہ السلام کے لئے حلال تھیں، وہ کہنے لگے، ہر وہ چیز جو ہمارے نزدیک حرام ہے وہ نوح پر اور ابراہیم علیہما السلام پر حرام تھیں اور اس کی حرمت اسی طرح ہم تک پہنچی ہے۔ اللہ جل شانہ نے اُن کی تردید کرتے ہوئے آیت بالا نازل فرمائی اور فرمایا کہ سب کھانے بنی اسرائیل کے لئے حلال تھے سوائے اس کے جو اسرائیل (یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام) نے توریت نازل ہونے سے پہلے اپنے اوپر حرام کر لئے تھے۔ قال مجاہد: حرم لحوم الانعام، وروی عكرمة عن ابن عباس انه حرم زائدني الكبدة والكليتين والشحم الا ما كان على الظهر، وعن عطاء انه حرم لحوم الابل والبانهاو سبب تحريم ذلك كما في الحديث الذي اخرجه الحاكم وغيره بسند صحيح عن ابن عباس انه

علیہ الصلاۃ والسلام کان بہ عرق النساء فنذران شفی لم یأکل حب الطعام إلیہ و کان ذلک احب الیہ و فی رواۃ سعید بن جبیر عنہ انہ کان بہ ذلک الداء فاکل من لحوم الا بل فبات بلیلة یزقوا فحلف ان لا یأکلہ ابدًا، (روح المعانی ص ۴۲ ج ۴) حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں بنی اسرائیل پر جو پایوں کا گوشت حرام کیا گیا تھا۔ حضرت مکرمہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل پر جگر اور گردوں کا زائد حصہ اور چربی حرام کی گئی ماسوائے پشت کی چربی کے (کہ وہ حلال تھی) حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان پر اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ حرام کیا گیا اور اس کی تحریم کا سبب جیسا کہ اس حدیث میں ہے جسے حاکم وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح روایت کیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کی تکلیف تھی انہوں نے نذر مانی کہ اگر وہ اس مرض سے شفا یاب ہو گئے تو جو کھانا انہیں سب سے زیادہ پسند ہے وہ نہیں کھائیں گے (یعنی اپنے اوپر حرام کر لیں گے) اور ان کا محبوب ترین کھانا اونٹ کا گوشت اور دودھ تھا۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کی تکلیف تھی۔ انہوں نے اونٹ کا گوشت کھالیا جس کی وجہ سے ان کی ساری رات تکلیف میں گزری تو انہوں نے قسم کھائی کہ وہ آئندہ اونٹ کا گوشت نہیں کھائیں گے) آیت کی تفسیر کرتے ہوئے غلاء نے لکھا ہے کہ ان حلال کھانوں میں اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ بھی تھا۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حرام نہیں کئے گئے اور حضرت یعقوب علیہ السلام پر بھی حرام نہیں تھے اور ان کی اولاد پر بھی حرام نہیں تھے۔ البتہ یعقوب علیہ السلام نے کچھ کھانے اپنے اوپر حرام کر لئے تھے یعنی اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ (ان کی حرمت روایتی طور پر ان کی اولاد میں چلتی رہی) اور یہ تو ریت شریف نازل ہونے سے پہلے تھا۔ تو ریت شریف میں اونٹ کے گوشت اور اونٹنی کے دودھ کی حرمت نہیں ہے (یعقوب علیہ السلام نے بھی بالکل ابتدائی عمر میں ان کو اپنے اوپر حرام نہیں کیا تھا بلکہ کچھ اسباب ایسے عارض ہوئے کہ انہوں نے ان دو چیزوں کو حرام کر لیا تھا)۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بعض چیزیں اپنے اوپر کیوں حرام کی تھیں۔ اس کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ان کو عرق النساء کی تکلیف ہو گئی تھی۔ انہوں نے نذر مانی تھی کہ اگر شفا ہو گئی تو سب سے زیادہ جو محبوب کھانا ہے وہ نہیں کھاؤں گا ان کو اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ سب سے زیادہ محبوب تھا (لہذا شفا ہو جانے پر انہوں نے ان کو چھوڑ دیا)۔ (روح المعانی ص ۴۲ ج ۴) اونٹ کے گوشت اور اونٹنیوں کے دودھ کو یہودی اپنے اوپر حرام سمجھتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ ان کی حرمت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے چلی آ رہی ہے اسی بات کے پیش نظر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کر دیا کہ آپ ملت ابراہیمی پر ہوتے تو آپ بھی ان کو نہ کھاتے پیتے۔ آیت میں یہودیوں کے دعویٰ کی تردید فرمائی۔

یہود سے تو رات لا کر پڑھنے کا مطالبہ اور ان کا فرار..... اور مزید فرمایا: قُلْ فَأْتُوا بِالْبُرْہَانِ فَاتْلُوا هَآئِیْ کُمْ صَادِقِیْنَ (آپ فرمادیتے تھے کہ تم تو ریت لے آؤ اور اس کو پڑھو اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو کہ تو ریت میں یہ چیزیں حرام ہیں) ابراہیم علیہ السلام پر تو یہ چیزیں کیا حرام ہوتیں خود تو ریت میں ان کی حرمت نہیں ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سینکڑوں سال بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی جسے تم پڑھتے پڑھاتے ہو۔ صاحب روح المعانی ص ۴۲ ج ۴ لکھتے ہیں کہ وہ لوگ تو ریت لا کر سنانے کی ہمت نہ کر سکے اور مہسوت رہ گئے۔ نیز صاحب روح المعانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بھی دلیل ہے کیونکہ آپ نے ان کو چیلنج کر دیا کہ تو ریت شریف لے آؤ حالانکہ آپ نے تو ریت پڑھی تھی اور نہ کوئی دوسری آسمانی کتاب پڑھی تھی۔ ظاہر ہے کہ آپ نے یہود کو جو چیلنج دیا وہ سب کچھ وحی کے ذریعہ تھا۔ پھر فرمایا: فَمَنْ افترى عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ

الظَّالِمُونَ (کہ اس کے بعد جو شخص اللہ پر جھوٹ باندھے سو یہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں) ظہور حق کے بعد حق قبول کرتے ہیں اور نہ اپنے اتباع کو قبول کرنے دیتے ہیں یہ اپنی جانوں پر بھی ظلم ہے اور اپنے ماننے والوں پر بھی۔

ملت ابراہیمہ کے اتباع کا حکم..... آخر میں فرمایا: قُلْ صَدَقَ اللَّهُ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (آپ فرمادیجئے کہ اللہ نے سچ فرمایا کہ کھانے کی سب چیزیں بنی اسرائیل پر حلال تھیں سوائے اس کے جن کو اسرائیل نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا) یہ جو کچھ اسرائیل نے حرام کر لیا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت میں حرام نہ تھا۔ لہذا تم ملت ابراہیمہ کا اتباع کرو جو دین اسلام ہے جسے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حنیف تھے جو تمام باطل دینوں سے ہٹ کر اور بیچ کر دین حق پر رہے جو دین تو حید تھا اور تمام عبادات میں اور تحلیل و تحریم کے بارے میں احکام الہیہ پر عمل کرتے رہے اور وہ شرکین میں سے بھی نہ تھے (اے یہودیو! تم ان سے اپنا تعلق جوڑتے ہو حالانکہ تم نے شرک اختیار کر لیا ہے)۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ ﴿۵﴾

بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے۔ جو برکت والا ہے اور لوگوں کے لئے ہدایت ہے۔

فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ

اس میں سنی ہوئی نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے، اور جو اس میں داخل ہو گا امن والا ہو گا اور اللہ کے لئے لوگوں کے ذمہ ہے۔

حُجَّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿۶﴾

اس گھر کا حج کرنے جسے طاقت ہو اس گھر تک راہ ملے کر کے جانے کی، اور جو شخص منکر ہو سو اللہ بے نیاز ہے سارے جہانوں سے۔

کعبہ شریف کی تعمیر اور حج کی فریضت

روح المعانی میں حضرت ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ یہودیوں نے کہا کہ بیت المقدس کعبہ سے اعظم ہے کیونکہ وہ اس جگہ ہے جہاں حضرات انبیاء علیہم السلام ہجرت کرتے رہے اور وہ ارض مقدسہ میں ہے۔ اور مسلمانوں نے کہا کہ کعبہ شریف اعظم ہے۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی، اور حضرت مجاہد نے فرمایا کہ جب گذشتہ آیت میں کافروں کو حکم دیا کہ ملت ابراہیمہ کا اتباع کریں تو بیت اللہ یعنی کعبہ شریف کی تعظیم کا بھی حکم دیا اور اس کی فضیلت اور حرمت بیان فرمائی کیونکہ کعبہ کا حج کرنا اور اس کی فضیلت و حرمت کا اقرار کرنا بھی ملت ابراہیمہ میں شامل ہے۔

کعبہ شریفہ کا کثیر البرکت ہونا..... آیت بالا میں فرمایا کہ سب سے پہلا گھر جو عبادت کے لئے زمین میں بنایا گیا وہ، وہ گھر ہے جو مکہ معظمہ میں واقع ہے اور وہ کعبہ معظمہ ہے۔ وہ بابرکت ہے یعنی کثیر الخیر ہے اس میں عبادت کا ثواب بہت زیادہ ہے جو شخص حج یا عمرہ کرے اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ ان برکات کے علاوہ اس کی ظاہری برکات بھی بہت ہیں، سورۃ قصص میں اس کی ظاہری برکات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ لِيُجِبْنَ آلِهِ قَسَمَاتِ نَحْيٍ شَيْءٍ رَزَقًا مِّنْ لَّدُنَّا (لائے جاتے ہیں اس کی طرف ہر چیز کے پھل جو بطور رزق ہمارے پاس سے دیئے جاتے ہیں)۔ یہ ظاہری برکات بھی کعبہ شریف میں دیکھی جاتی ہیں۔ دنیا بھر کے شہرات اور مصنوعات

ہر وقت مکہ معظمہ میں مل جاتی ہیں۔ پھر قربانیاں بھی وہاں اس کثرت سے ہوتی ہیں جو کسی شہر میں نہیں ہوتیں۔ نیز کعبہ شریف کو ہٰذی لِّلْعَالَمِیْن بھی فرمایا۔ یعنی وہ جنت کی طرف ہدایت کا ذریعہ ہے۔ (روح المعانی ص ۴۰۵ ج ۴) اور سارے عالم کے مسلمان جو اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں اس میں بھی ہٰذی لِّلْعَالَمِیْن کا خوب مظاہرہ ہے۔ لفظ اَوَّل بیت سے اس طرف اشارہ ہے کہ بنائے ابراہیم سب سے پہلے بنائے گئے ہیں۔ اس سے پہلے بھی کعبہ شریف بنایا گیا تھا۔

زمین میں پہلا گھر..... معالم التنزیل ص ۳۲۸ ج ۱ میں اَوَّلُ بَيْتٍ کے معنی بتاتے ہوئے متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ کعبہ شریف سب سے پہلا گھر ہے جو پانی پر ظاہر ہوا آسمان وزمین کے پیدا فرمانے سے دو ہزار سال پہلے وجود میں آیا اس وقت یہ پانی پر سفید بلبلہ تھا۔ پھر زمین اُسی کے نیچے سے پھیلا دی گئی۔ حضرت عبداللہ بن عمر، مجاہد اور قتادہ کا یہی قول ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ سب سے پہلا گھر ہے جو زمین میں بنایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے عرش کے نیچے ایک گھر مقرر فرمایا جو بیت معمور ہے اور فرشتوں کو حکم دیا کہ اس کا طواف کریں پھر ان فرشتوں کو حکم دیا جو زمین میں رہتے ہیں کہ زمین میں ایک گھر بنائیں جو البیت المعمور کی محاذات میں ہو اور اس جیسا ہو اور زمین والوں کو حکم دیا کہ اس کا طواف کریں جیسے آسمان کے رہنے والے البیت المعمور کا طواف کرتے ہیں۔ یہ حضرت علی بن حسینؑ (حضرت زین العابدین) کا قول ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے اس کو بنایا تھا وہ اس کا حج کیا کرتے تھے، جب آدم علیہ السلام نے اس کا حج کیا تو فرشتوں نے کہا کہ اے آدم! اللہ تمہارا حج قبول فرمائے ہم نے اس گھر کا حج تم سے دو ہزار سال پہلے کیا، ان کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔ حاصل سب کا یہ ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہی اس کے پہلے بانی نہیں ہیں اس سے بھی پہلے اس کی بناء تھی۔ اسی لئے سورۃ ابراہیم میں حضرت ابراہیم کا یہ قول نقل فرمایا ہے۔ رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بُوَادٍ غَیْرِ ذٰلِکَ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ اس وقت وہاں گھر موجود نہیں تھا پھر بھی انہوں نے عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ کہا۔ اور سورۃ حج میں ہے وَ اِذْ بَوَّأْنَا لِاِبْرٰہِیْمَ مَکَانَ الْبَیْتِ (اور جب ہم نے ابراہیم کو بیت کی جگہ بتادی) حضرات مفسرین نے فرمایا کہ بَوَّأْنَا کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کعبہ شریف کی جگہ متعین طریقے پر بتادی کیونکہ کعبہ شریف کی عمارت اس وقت موجود نہ تھی۔

تاریخ بناء کعبہ..... صاحب روح المعانی ص ۱۴۲ ج ۱ لکھتے ہیں کہ کعبہ شریف پانچ مرتبہ بنایا گیا پہلی مرتبہ فرشتوں نے بنایا، یہ بناء آدم علیہ السلام سے پہلے تھی اور یہ سرخ یا قوت سے بنایا گیا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان میں اس کو اٹھالیا گیا۔ دوسری بناء ابراہیم ہی ہے جب اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ بیت اللہ بنائیں تو انہیں اس کی جگہ معلوم کرنے کی ضرورت تھی، لہذا اللہ تعالیٰ نے ہوا بھیج دی جو خوب تیز چلی اور اس نے پرانی بنیاد کو ظاہر کر دیا۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر شروع کر دی۔ تیسری تعمیر قریش کی ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے اس وقت حجر اسود کے رکھنے میں جھگڑا ہوا۔ اور ہر قبیلے نے یہ چاہا کہ ہم حجر اسود کو رکھیں پھر یہ طے کیا کہ کل کو جو شخص سب سے پہلے فلاں گلی سے نکلے اور مسجد حرام میں داخل ہو وہ جو فیصلہ کرے وہی منظور ہوگا۔ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ سب لوگ آپ کو امین کہتے تھے آپ کے فیصلے پر سب راضی ہو گئے اور آپ نے فیصلہ فرمایا کہ حجر اسود کو ایک چادر میں رکھ دیں پھر تمام قبیلے اس چادر کو اٹھائیں۔ چنانچہ ان سب نے اس چادر کو اٹھایا اور حجر اسود کو اس کی جگہ تک لے گئے پھر آپ نے اپنے دست مبارک سے اٹھا کر اس کی جگہ رکھ دیا۔ یہ واقعہ بعثت سے چند روز پہلے کا ہے۔ چوتھی تعمیر عبداللہ بن زبیرؓ کی ہے اور پانچویں تعمیر حجاج کی ہے۔ اور وہی آج تک موجود ہے۔ اس میں کچھ مرمت کے طور پر تغیر اور تبدیلی ہوتی رہی ہے لیکن اصل تعمیر

حجاج ہی کی ہے۔ (انتہی)

بعض حضرات نے حضرت آدم علیہ السلام کی تعمیر اور حضرت شیث علیہ السلام (جو ان کے بیٹے تھے) اور عمار القہ اور بنی جرہم کی تعمیر بھی بتائی ہے۔ (روح المعانی ص ۵۸ ج ۴) بہر حال سب سے پہلی تعمیر فرشتوں نے کی ہو یا حضرت آدم علیہ السلام نے أَوَّلَ نَبِيٍّ وَضِعَ لِلنَّاسِ اس پر صادق آتا ہے اور بنائے ابراہیمی بھی بیت المقدس کی تعمیر سے پہلے ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔

بلکہ اور مکہ..... آیت بالا میں کعبہ شریف کو مکہ میں بتایا۔ عام طور سے اس شہر کو مکہ کہا جاتا ہے جس میں کعبہ شریف ہے اور سورۃ فتح میں مکہ میم سے وارد ہوا ہے۔ حضرت مجاہد نے فرمایا کہ با اور میم قریب الخرج ہیں اور اہل عرب ایک کو دوسری جگہ استعمال کر لیتے ہیں جیسے لازم کو لازب کہتے ہیں۔ لہذا مکہ میں با کو میم سے بدل دیا۔ اور بعض حضرات نے دونوں میں فرق بتایا ہے اور فرمایا ہے کہ مکہ بیت اللہ کی جگہ ہے۔ یہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے۔ حضرت عکرمہؓ نے فرمایا کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان مکہ ہے اور باقی مکہ ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ پورا حرم مکہ ہے۔ (الجامع اللطیف فی فضل مکہ و بناء البيت الشريف ص ۱۳۶)

آیاتِ بینات اور مقامِ ابراہیم..... پھر فرمایا: فَبِذَٰلِكَ بَنَيْنَا بُيُوتَنَا مَقَامَ إِبْرَاهِيمَ ط (اس میں آیاتِ بینات ہیں اور مقامِ ابراہیم ہے) جن آیات کا تذکرہ فرمایا ہے ان میں سے بعض آیات تکوینی ہیں اور بعض آیات تشریفی ہیں۔ کعبہ شریف کا مبارک ہونا اور هٰذَا بَلِّغِ الْمُؤْمِنِينَ ہونا اور جو شخص وہاں داخل ہو جائے اس کا مامون ہونا اور بشرط استطاعت حج کا فرض ہونا یہ تشریفی نشانیاں ہیں، اور مقامِ ابراہیم کا وہاں موجود ہونا (یہ وہ پتھر ہے جو زینہ کا کام کرتا تھا۔ اس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کرتے تھے) یہ تکوینی نشانی ہے جو اب تک موجود ہے۔ سب کی نظروں کے سامنے ہے۔ نیز کعبہ شریف کی تکوینی نشانیاں میں سے ایک یہ بھی ہے جس کسی نے بھی کعبہ شریف پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا وہ خود تہس نہس ہو گیا۔ اصحابِ قبل کا واقعہ تو مشہور ہی ہے کہ ابرہہ یمن کا حاکم ہاتھی لے کر حملہ کرنے کے لئے آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پرندے بھیج دیئے جنہوں نے اُن پر کنکر یاں پھینکیں اور ہاتھی اور ہاتھی والے سب چورہ ہو کر رہ گئے جس کا ذکر سورۃ فیل میں ہے۔

اس ساری تفصیل سے کعبہ شریف کی اولیت اور افضلیت دونوں چیزیں معلوم ہوئیں کیونکہ بیت المقدس میں ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے نہ بابرکت ہونے میں کعبہ شریف سے زیادہ ہے۔ نہ وہاں نماز پڑھنے کا ثواب مسجد حرام سے بڑھ کر ہے۔ نہ اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جاتی ہے نہ وہاں کے داخل ہونے والے کو مامون بتایا نہ وہاں حج کے لئے جانے کا حکم ہے۔ نہ وہاں مقامِ ابراہیم ہے۔ حرم مکہ کا جائے امن ہونا..... پھر فرمایا وَمَنْ دَخَلَهُ أَمِنَ (کہ جو شخص اس میں داخل ہو گا وہ امن سے ہو گا) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کعبہ شریف بنایا اس وقت دعا کی تھی رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا (کہ اے اللہ اس شہر کو امن والا بنادے) اُن کی دعا مقبول ہوئی اور مکہ اور حرم مکہ امن والا بنادیا گیا۔ اہل عرب آپس میں بہت لڑتے تھے اور ایک دوسرے کو مارتے اور لوٹتے تھے۔ لیکن حدودِ حرم میں کسی پر حملہ کرنے سے باز رہتے تھے۔ سورۃ عنکبوت میں فرمایا: أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَيَتَخَفَتِ النَّاسُ مِنْ خَوْلَاهُمْ (کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنایا ہے اور حرم والوں کے چاروں طرف لوگ اچک لئے جاتے ہیں)۔

صحیح بخاری ص ۲۴۷ ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ نے اس شہر کو حرام قرار دے دیا جس دن آسمان وزمین کو پیدا فرمایا اور وہ قیامت تک اللہ کی حرمت کی وجہ سے حرام ہے۔ اس میں مجھ سے پہلے کسی کے لئے جنگ حلال نہیں تھی اور میرے لئے بھی حلال نہیں ہوئی مگر دن کے تھوڑے سے حصہ میں، پس وہ قیامت تک اللہ کی حرمت کی وجہ سے حرام ہے۔ نہ اس کے

کانٹے کاٹنے جائیں نہ اُس کے شکار کو بھگایا جائے اور نہ اس کی پڑی ہوئی چیز کو اٹھایا جائے الا یہ کہ کوئی شخص اعلان کرنے کے لئے اٹھائے (کہ کسی کی اس طرح کی کوئی چیز گری ہو تو وصول کر لے) اور اس کی گھاس بھی نہ کاٹی جائے وہیں حضرت عباسؓ بھی موجود تھے انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ذخرا کا استثنا ہونا چاہیے (جو ایک خاص قسم کی گھاس تھی) کیونکہ اہل مکہ سُنا روں کے لئے اور اُن کے گھروں (کی چھتوں) کے کام آتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا اَلَا اِلَّا ذَخْرٌ یعنی ذخیرے کے کاٹنے کی اجازت ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ بے شک مکہ کو اللہ پاک نے حرام قرار دیا ہے، لوگوں نے اُسے حرام قرار نہیں دیا، جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اُس کے لئے حلال نہیں ہے کہ اس میں خون بہائے اور اس کے درخت کاٹے۔ سو اگر کوئی شخص رسول اللہ (ﷺ) کے قتال کے پیش نظر اپنے لئے رخصت نکالے تو اس سے کہہ دو کہ بلاشبہ اللہ نے اپنے رسول کے لئے اجازت دی تھی اور تم کو اجازت نہیں دی اور مجھے بھی صرف دن کے تھوڑے سے حصہ میں اجازت دی ہے اور اس کی حرمت اسی طرح آج واپس آگئی جیسے کل اُس کی حرمت تھی۔ (صحیح بخاری ص ۱۲ ج ۱۷)

معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام نے جو اس کے پُر امن ہونے کی دُعا کی تھی اس کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح اس کا پر امن ہونا پہلے سے چلا آ رہا ہے اب بھی اُسی طرح باقی ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص حرم میں کسی کو قتل کر دے یا کسی کے ہاتھ پاؤں کاٹ دے پھر حرم میں داخل ہو جائے تو اس سے حرم ہی میں قصاص لیا جائے۔ اور جو شخص کسی کو حرم سے باہر قتل کر دے پھر حرم میں داخل ہو جائے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ ہاں اُسے مجبور کیا جائے کہ وہ حرم سے باہر نکل جائے نہ کوئی شخص اُس کے ہاتھ کچھ فروخت کرے نہ اُسے کچھ کھانے پینے کو دے تاکہ مجبور ہو کر حرم سے نکل جائے اور وہاں قصاص لیا جائے۔ حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ہر صورت میں حرم میں قصاص لیا جائے گا (کما ذکرہ الحصاص فی احکام القرآن ص ۲۱ ج ۲)

جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ہر حال میں حرم میں قصاص لینا ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بعض صورتوں میں قصاص لینا ہے اور وہ کَانَ اَمِنًا کے خلاف نہیں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جو شخص بیت اللہ کی پناہ لے لے بیت اللہ اُسے پناہ دے دے گا لیکن اگر وہ کسی کو قتل کر کے آیا ہو تو اس کو نہ ٹھکانا دیا جائے اور نہ کھلایا پایا جائے جب باہر نکلے تو اس کی جنائیت کا بدلہ لے لیا جائے۔ (ابن کثیر ص ۳۸۳ ج ۱) حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول حضرت ابن عباسؓ کے قول کے مطابق ہے۔

حج کی فرضیت..... پھر فرمایا: وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مِنْ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (اور اللہ کے لئے لوگوں کے ذمہ ہے اس سفر کا حج کرنا جسے طاقت ہو وہاں تک راہ طے کر کے پہنچنے کی)۔

اس آیت میں حضرت حفصؓ کی روایت اور حضرت حمزہؓ اور کسائی کی قرأت حِجُّ الْبَيْتِ خا کے زیر کے ساتھ ہے اور باقی حضرات نے خا کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ دونوں لغت فصیح ہیں۔ (ذکرہ البغوی فی معالم التنزیل)

استطاعت کیا ہے..... آیت بالا میں ان لوگوں پر حج کرنا فرض بتایا ہے جن کو مکہ معظمہ تک پہنچنے کی طاقت ہو، آیت میں جو مَنْ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وارو ہوا ہے۔ اس کے بارے میں حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ مَا السَّبِيْلُ (کہ سبیل سے کیا مراد ہے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا اِذَا وَرَّاجِلَةً (کہ سفر خرچ اور واری) ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا چیز حج کو فرض کرتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا اِذَا وَرَّاجِلَةً (کہ سفر خرچ اور سواری) ہونے سے حج فرض ہو جاتا ہے)

دونوں حدیثیں مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۲۲ میں مذکور ہیں (۱)۔

ترک حج پر وعیدیں ورنہ منثور ص ۵۶ میں حضرت نمڑے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے ارادہ کر لیا ہے شہروں میں لوگوں کو بھیجوں اور وہ ان لوگوں کو دیکھیں جو مالدار ہیں اور انہوں نے حج نہیں کیا، میں ان لوگوں پر جزیہ مقرر کروں، یہ لوگ مسلمان نہیں ہیں، یہ لوگ مسلمان نہیں ہیں۔ نیز حضرت عمرؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا اگر لوگ حج کو چھوڑ دیں گے تو میں ان سے قتال کروں گا جیسا کہ نماز اور زکوٰۃ چھوڑنے پر قتال ہوگا۔

آجبت مبارکہ سے اور حدیث سے معلوم ہوا کہ حج اس شخص پر فرض ہے جس کے پاس مکہ معظمہ تک آنے جانے کا اور سفر خرچ کا انتظام ہو، اتنا پیسہ بہت سے لوگوں کے پاس ہوتا ہے مگر حج نہیں کرتے ایسے لوگ وعید پر غور کریں۔

لوگوں نے حج کے بہت سے خرچے اپنے ذمہ لگا لئے ہیں سامان خرید کر لاتے ہیں عزیزوں کو قیمتی ہدایا دیتے ہیں ان سب کو انہوں نے حج کے خرچ میں شمار کر رکھا ہے، بہت سے لوگ مرجاتے ہیں اور اس لئے حج نہیں کر پاتے کہ ان کے پاس رواجی خرچ نہیں ہوتا، یا خرچ ہوتا تو ہے لیکن لڑکیوں کی رواجی شادیاں اور دوسرے دنیاوی انتظامات کی وجہ سے حج کرنے میں تاخیر کرتے ہیں ان میں بعض لوگ ایسے وقت حج کرتے ہیں جبکہ بوڑھے کھوسٹ ہو جاتے ہیں۔ احکام حج ادا کرنے سے بوجہ ضعف اور کمزوری قاصر رہتے ہیں اور بعض لوگ گھر بار کے انتظامات کے انتظار میں مرجاتے ہیں اور حج سے رہ جاتے ہیں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جسے کسی مجبوری نے یا کسی ظالم بادشاہ نے یا روکنے والے مرض نے حج سے نہ روکا اور مر گیا اور حج نہ کیا تو اُسے چاہیے کہ یہودی ہونے کی حالت میں مرجائے یا نصرانی ہونے کی حالت میں مرجائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۲۲ من الداری)

بڑے بڑے سیٹھ حج نہیں کرتے اور یوں ہی مرجاتے ہیں لاکھوں روپے لڑکوں اور لڑکیوں کی شادیوں پر یا کاریوں کے لئے خرچ کرتے ہیں لیکن حج کے لئے رقم خرچ کرنے سے ان کا دل دکھتا ہے اور بعض لوگ تو حج کا مذاق ہی اڑاتے ہیں اور حج کی فرضیت کے منکر ہیں یہ لوگ تو کافر ہی ہیں اور بعض لوگ حج کی فرضیت کے منکر تو نہیں لیکن استطاعت ہوتے ہوئے حج کو جاتے بھی نہیں۔ ایسے لوگوں کو کافر تو نہ کہا جائے گا لیکن کفرانِ عملی میں ضرور مبتلا ہیں۔ جو کوئی آدمی استطاعت ہوتے ہوئے حج نہ کرے اپنا ہی کچھ کھوئے گا۔ گناہ گار ہوگا اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان نہ ہوگا۔ اُسے کسی کی عبادت کی حاجت نہیں۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَمَنْ كَفَرَ فَلَنْ يَكْفُرَ اللَّهُ غَنِي الْعَالَمِينَ (اور جو شخص منکر ہو تو اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے غنی ہے) فرضیت کا منکر اور جو منکر ہو آیت کا عموم دونوں کو شامل ہے حج کے مسائل اور احکام بہت ہیں معتبر کتابوں میں دیکھ لیا جائے کچھ مسائل آیت واتموا الحج والعمرة لله کے تحت ہم بیان کر آئے ہیں۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ شَهِدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ﴿۵﴾ قُلْ

اے اہل کتاب تم کیوں کفر کرتے ہو اللہ کی آیات کے ساتھ حالانکہ اللہ کو تمہارے سب کاموں کی اطلاع ہے۔ آپؐ فرما
يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ تَبْغُونَهَا عِوَجًا ۖ وَأَنْتُمْ شُهَدَاءُ ۗ
دیکھئے کہ اے اہل کتاب تم کیوں رہتے ہو اللہ کی راہ سے اس شخص کو جو ایمان لائے، تم اس میں کمی تلاش کرتے ہو حالانکہ تم خود گواہ

وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ

اور اللہ ان کاموں سے غافل نہیں ہے جو تم کرتے رہو۔ اے ایمان والو! اگر تم کہنا مانو گے ایک جماعت کا ان لوگوں

الَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كُفْرِيْنَ ﴿۶﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ

میں سے جن کو کتاب دی گئی تو وہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں واپس کافر بنا دیں گے۔ اور تم کفر کیسے اختیار کر سکتے ہو حالانکہ تم پر اللہ کی

تَتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰیٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهُ ؕ وَمَنْ يَعْصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطِ

آیات کی تلاوت کی جاتی ہے اور تمہارے اندر اس کا رسول موجود ہے۔ اور جو شخص اللہ کو مضبوط پکڑ لے سو اس کو سیدھے راستے کی طرف

مُسْتَقِيْمٌ ﴿۷﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ

ہدایت دی گئی۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور ہرگز مت مرنا مگر اس حالت میں

مُسْلِمُوْنَ ﴿۸﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

کہ تم مسلمان ہو، اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو، اور آپس میں متفرق نہ ہو، اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تمہارے اوپر

اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءٌ فَالَفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ اِخْوَانًا ؕ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ

ہے جبکہ تم دشمن تھے، سو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا فرمادی، لہذا تم اس کی نعمت کی وجہ سے بھائی بھائی ہو گئے، اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر

مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۹﴾

تھے سو اللہ نے تم کو اس سے بچا دیا۔ اللہ ایسے ہی بیان فرماتا ہے تمہارے لئے اپنی آیات تاکہ تم ہدایت پر رہو۔

یہودیوں کی شرارت سے مسلمانوں میں انتشار اور مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کا حکم!

تفسیر درمنثور ص ۲۵۷ ج ۲ میں ان آیات کا سبب نزول یوں لکھا ہے کہ شاس بن قیس ایک بوڑھا یہودی تھا جو بہت بڑا کافر تھا، یہ شخص مسلمانوں سے بہت زیادہ کینہ رکھتا تھا اور بہت سخت حاسد بھی تھا۔ صحابہ کرام کی ایک مجلس پر گذرا جس میں اس اور خزرج کے حضرات جمع تھے۔ آپس میں باتیں کر رہے تھے (اس اور خزرج کے درمیان زمانہ جاہلیت میں لڑائیاں رہتی تھیں) اس حاسد کو ان حضرات کا انس اور محبت کے ساتھ جمع ہونا اور آپس میں ان کی صلح ہونا بہت ناگوار تھا۔ اس نے ایک یہودی نوجوان کو حکم دیا کہ تو جا کر ان کے پاس بیٹھ جا اور اُن کو ان کی پرانی لڑائیاں یاد دلادے اور اُن کے سامنے بعض اشعار پڑھ دے جو یومِ بعثت کے سلسلہ میں انہوں نے کہے تھے۔ ”بعثت“ ایک زبردست جنگ ہوئی تھی جس میں اس کو خزرج پر غلبہ ہوا تھا، وہ نوجوان اس مجلس میں چلا گیا اور اُس نے ایسی ہی باتیں کیں جن کی وجہ سے اس اور خزرج کو پرانی باتیں یاد آ گئیں اور جھگڑے شروع ہو گئے اور ایک دوسرے پر فخر کرنے لگے۔ یہاں تک کہ وہ آدمی آپس میں لڑنے بھی لگے اور دونوں فریق میں لڑائی ٹھن گئی۔ پھر ملی زمین میں (جس کو اہل مدینہ حرہ کہتے ہیں) لڑنے کا اعلان ہو گیا اور دونوں قبیلے آپس میں جمع ہونے لگے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ قصہ معلوم ہوا آپ مہاجرین کو ساتھ لے کر اُن کے پاس تشریف لائے

اور فرمایا: اے مسلمانوں کی جماعت تم اللہ سے ڈرو کیا تم جاہلیت کے دعوت کو لے کر اٹھ رہے ہو اور میں تمہارے درمیان موجود ہوں اس کے بعد کہ اللہ نے تمہیں اسلام کی ہدایت دی اور اسلام کے ذریعہ تم کو عزت دی اور جاہلیت کی چیزوں کو ختم فرمادیا اور تمہیں کفر سے بچادیا اور تمہارے درمیان اُلفت پیدا کر دی کیا تم اُسی حالت پر رہا پس: نہ مانا چاہتے ہو جس پر تم حالت کفر میں تھے۔

آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن کر دونوں قبیلوں کو احساس: ہوا کہ یہ جو کچھ ہم سے صادر ہوا اور جنگ کا ارادہ: ہوا یہ شیطانی حرکت ہے۔ اور دشمن کی مکاری ہے لہذا انہوں نے ہتھیار پھینک دیئے اور رونے لگے اور آپس میں ایک دوسرے سے گلے ملنے لگے۔ پھر فرمایا: ہر دوکر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے آئے۔ اللہ نے دشمن کی مکاری کو ختم فرمادیا اور شاس: بن قیس کے بارے میں دو آیات قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَمْ يَخْفَوْنَ (الہی قولہ تعالیٰ) وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ نازل فرمائیں اور وہ جو آدمی آپس میں لڑ پڑے تھے (جن میں ایک کا نام اوس اور دوسرے کا نام جبار تھا) اُن کے بارے میں اور جو لوگ لڑنے کے لئے ان کے ساتھ ہو گئے اُن کے بارے میں يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَنُغْلِبَنَّ أَهْلَ الْأَرْضِ (متعدد آیات) عَذَابُ الْيَمِّ نازل فرمائیں۔ ان آیات میں اول تو یہودیوں کو خطاب فرمایا جن میں شاس بن قیس بھی شامل ہے کہ تم لوگ اللہ کی آیات کے ساتھ کیوں کفر کرتے ہو۔ حالانکہ اللہ کو سب معلوم ہے جو تمہارا کردار ہے۔ اور ایمان لانے والوں کو اللہ کے راستے سے کیوں روکتے ہو؟ اللہ کی راہ میں نیز ہاپن اور کچی کیوں تلاش کرتے ہو۔ حالانکہ تم اپنے اعمال پر خود گواہ ہو اور اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ہے۔ یہ حسد اور کینہ دونوں تمہیں دنیا میں لے ڈوبے اور آخرت میں بھی لے ڈوبیں گے تم اپنی فکر کو حسد اور حقہ (کینہ) سے باز آؤ اور کفر اور بد اعمالی کو چھوڑو۔

پھر اہل ایمان کو خطاب فرمایا جن میں اوس اور جبار بھی شامل ہیں کہ اگر تم اہل کتاب کے ایک فریق کی بات مانو گے تو وہ تم کو ایمان پر رہنے نہ دیں گے تم کو کفر میں واپس کر کے چھوڑیں گے۔ دشمن کی بات کو سمجھ کر چلنا چاہیئے۔ کافر تمہارے ایمان سے کبھی راضی نہیں ہو سکتے، نیز فرمایا کہ تم کیسے کفر اختیار کر سکتے ہو حالانکہ تم پر اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں اور تمہارے اندر اللہ کا رسول (ﷺ) موجود ہے۔ ان آیات کو اور رسول کی تعلیمات کو چھوڑو گے تو دشمن تم کو قابو کر لے گا اور وہیں کفر پر لگاؤے گا۔ تم اللہ کو مضبوطی سے پکڑو، جس نے اللہ کو مضبوطی سے پکڑا اس کو صحیح اور سیدھے راستے کی ہدایت مل گئی۔

اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ پھر ایمان والوں سے مزید خطاب فرمایا کہ اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ حَقُّ تَقَاتِهِ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کی جائے اور اس کی نافرمانی نہ کی جائے اور اسے یا د کیا جائے بھولا نہ جائے اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حَقُّ تَقَاتِهِ کا یہ مطلب ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں جیسا کہ جہاد کا حق ہے اور اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں۔ اور انصاف کے ساتھ اللہ کے لئے کھڑے ہوں اگر اپنے خلاف اور اپنے ماں باپ کے خلاف بھی انصاف کرنا پڑے تو ایسے وقت میں بھی انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ (درمشرص ۵۹ ج ۲)

اسلام پر مرنے اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم اور افتراق کی ممانعت..... نیز فرمایا: وَلَا تَمُوتُوا إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ اور تم ہرگز مت مرنے مگر اس حال میں کہ مسلمان ہو، مطلب یہ ہے کہ آخری دم تک اسلام پر قائم رہنا، مزید فرمایا: وَاغْضَبُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تمام اور متفرق مت ہو جاؤ) حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی کتاب، اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک پہنچی ہوئی ہے، ایک اور حدیث میں ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ قرآن اللہ کی رسی ہے اس کا ایک سر اللہ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سر تمہارے ہاتھوں میں ہے تم اس کو مضبوطی سے پکڑو کیونکہ اس کے پکڑنے کے بعد کبھی بھی گمراہ نہ ہو گے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے اندر اللہ کی کتاب چھوڑ رہا ہوں وہ اللہ کی رسی ہے جس نے اس کا اتباع کیا وہ ہدایت پر ہوگا اور جس نے اس کو چھوڑا وہ گمراہی پر ہوگا۔ (درمنثور ۶۰ ج ۲) ان روایات سے جہاں قرآن کو مضبوطی سے تھامنے کی اہمیت اور ضرورت معلوم ہوئی وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن کو چھوڑ دینا گمراہی ہے آیت بالا میں وَلَا تَقْرَءُوا لَہُمْ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہ فرمایا کہ افتراق نہ کرو اور جدا جدا فرقے نہ بناؤ۔ ایک زمانہ سے مسلمانوں میں فرقہ بندیاں ہیں جس کا سبب قرآن کو چھوڑنا بھی ہے اور قائدین کے اپنے اپنے مغاہرات بھی ہیں اس افتراق نے دشمنوں کو قابو دے رکھا ہے دشمن جیسے چاہتے ہیں استعمال کر لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی نعمت کی یاد دہانی..... پھر فرمایا: وَ اِذْ نَحْنُزِلْنَا نِعْمَۃً عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءَ (الآیہ) کہ تم اللہ کے انعام کو یاد کرو جبکہ تم دشمن تھے اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا فرمائی لہذا تم اللہ کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے۔ اللہ نے تم کو بچا لیا۔ دوزخ کے کنارے پر ہونا تو ظاہر ہی ہے کیونکہ اوس اور خزرج دونوں قبیلہ کافر اور مشرک تھے اور ان کی آپس کی دشمنی کا یہ عالم تھا کہ بقول ابن ابی اسحاق اوس اور خزرج میں ایک سو بیس سال تک جنگ جاری رہی تھی، جب دونوں قوموں نے اسلام قبول کیا تو وہ جنگ کی آگ اللہ نے جہادی اُن کے درمیان اللہ نے الفت پیدا فرمادی۔ (درمنثور ۶۱ ج ۲) آخر میں فرمایا: کَذٰلِکَ یَنْبِیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَفْہَمُوْنَ کہ اللہ اسی طرح تمہارے لئے اپنی آیات بیان فرماتا ہے تاکہ تم ہدایت پر رہو۔

ضروری تنبیہ..... مذکورہ بالا آیات میں اول تو تقویٰ کا حکم فرمایا اور یہ فرمایا اللہ سے ڈرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے۔ پھر فرمایا کہ جب مرد تو اسلام ہی کی حالت میں مرو، شیطان کے بہکانے سے یا دشمنوں کے ورغلانے سے یا دنیا کی محبت کی وجہ سے اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار مت کرو، پھر سب مسلمانوں کو اتفاق کے ساتھ مجتمع رہنے کی ہدایت فرمائی سب کو معلوم ہے کہ اتفاق و اتحاد ہر قوم کی قوت کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اور اتفاق اس وقت ہی ہو سکتا ہے جبکہ ہر قبیلہ ہر قوم ہر علاقہ کے لوگ اسلام کی قوت اور ساکھ برقرار رکھنے کے لئے اپنے اپنے جذبات کو دبا کر رہیں۔ مسلمانوں کا پورے عالم میں ایک ہی امیر المومنین ہونا چاہیے اور مشرق سے مغرب تک تمام مسلمانوں کا ایک ہی ملک ہو تو اس قوت کا کیا عالم ہوگا اس کو غور کر لیں۔ دشمنوں نے جو عصیتیں بیدار کر دی ہیں کہ عربی غمیوں کے ماتحت کیوں رہیں اور عراقی اور شامی یعنی حجاز کے ماتحت کیوں رہیں اور سندھی پنجابیوں کے ماتحت کیوں رہیں اور بنگالی پنجابوں کے ماتحت کیوں رہیں اور غیر بنگالی بنگالیوں کے ماتحت کیوں رہیں ان باتوں نے کثیر تعداد میں مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے ملک بنا دیئے ہیں۔ پھر دشمن نے ان ملکوں کے سربراہوں پر سیاسی یا نظریاتی قبضہ کر رکھا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر تمہارا امیر ایسا شخص بنا دیا جائے جس کے ناک کاں کٹے ہوئے ہوں جو تمہیں اللہ کی کتاب کے ذریعے لے کر آگے چلتا ہو اس کی بات سنو اور اطاعت کرو۔ (رواہ مسلم ۲۰ ج ۲) ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا کہ بات سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر ایسے شخص کو عامل بنا دیا جائے جو جھٹی غلام ہو گویا کہ اس کا سر کشش (کی طرح) چھوٹا سا ہو۔ (رواہ البخاری ۵ ج ۲)

حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی کہ بات سنیں گے اور فرمانبرداری کریں گے تنگی میں بھی اور آسانی میں بھی، خوشی میں بھی اور ناخوشی میں بھی، اور اس بات پر بھی کہ اگر ہمارے اوپر دوسروں کو ترجیح دی جائے گی تب بھی فرمانبرداری کریں گے، اور اس بات پر بھی کہ صاحب اقتدار سے جھگڑا نہ کریں گے ہاں اگر بالکل ظاہر باہر کفر

نظر آئے جسکے بارے میں ہمارے پاس اللہ کی طرف سے کھلی ہوئی دلیل: دو اس وقت ہم اس سے جھگڑا کریں گے۔ (راہ مسلم ص ۱۲۵ ج ۲) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ امیر المؤمنین کیسا ہی ہو اس کے ساتھ چلنا چاہیے بشرطیکہ اللہ کی کتاب کے ذریعہ لے چلتا ہو۔ اپنی رائے اور منشا کے موافق: دو تب بھی فرمانبرداری کریں اور اپنی رائے اور منشا کے مخالف: دو تب بھی فرمانبرداری کریں۔ اگر ہمارے اوپر دوسروں کو ترجیح دی جاتی: دو تب بھی بات مانیں اور اطاعت کریں۔ اگر کچھ لے جیشتی کو امیر بنا دیا جائے تب بھی اطاعت کریں۔ جیشتی کی مثال دینے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رنگ اور نسل کا سوال ختم فرما دیا اور یہ جو فرمایا کہ اگر امیر کے ناک کان کٹے ہوئے ہوں تب بھی بات سنیں اور اطاعت کریں۔ اس سے صورت اور شکل کا سوال ختم فرمایا۔ پھر عبد جیشتی فرما کر یہ بتا دیا کہ اگرچہ آئمہ قریش سے ہونے چاہئیں لیکن اس کے خلاف کسی غلام کو بھی اقتدار دے دیا جائے تب بھی اس سے مجبور نہ رہو۔ بعض مرتبہ امیر کی رائے سے اختلاف: دو جاتا ہے اور اس کی رائے خطا معلوم: دوئی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے صحیح فیصلہ نہیں کیا اس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ باوجود اختلاف رائے کے جھگڑا نہ کریں ہاں اگر بالکل ہی دلیل واضح سے یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا فیصلہ بالکل کا فرائض فیصلہ ہے اور تم اس کی دلیل اللہ پاک کے حضور میں دے سکتے: دو تو اس سے منازعت کر سکتے: دو۔ امیر اور مامورین کے بارے میں احادیث تو اور بھی ہیں لیکن ان چند احادیث میں ایسے چند ارشاد فرما دیے جن کو اختیار کرنے سے امت کا شیرازہ بندھا رہ سکتا ہے اور وحدت قائم رہ سکتی ہے سارے مسلمان اللہ کی رسی کو مضبوط تھا میں صاحب اقتدار یا عوام یا جماعتیں دشمنوں کا کھلوانا نہیں نہ کسی کے ہاتھ بکس وحدت اسلامیہ کو قائم رکھنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ باوجود یکہ زبانیں مختلف: دوں جغرافیائی اعتبار سے مختلف علاقوں کے رہنے والے: دوں لیکن سب اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے ہوئے ہوں۔ زبانوں کے اختلاف کو اور اختلاف رائے اور فروعی مسائل کو جنگ و جدال اور اختلاف کا ذریعہ نہ بنائیں اور پہلے سے دیکھ کر متقی آدمی کو امارت اور خلافت سونپیں، یورپ سے آئی ہوئی جمہوریت جاہلیہ کو ذریعہ انتخاب نہ بنائیں۔ جو فاسقوں بلکہ کفریہ عقائد رکھنے والوں کو بھی اقتدار اعلیٰ اور اقتدار اعلیٰ وادائی ہے۔

افتراق کے اسباب، اتحاد کا طریقہ۔۔۔۔۔ اس آیت میں اول تو اجتماعیت کا طریقہ بتایا وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا پھر افتراق سے منع فرمایا اور واضح طور پر بتا دیا وَلَا تَفَرَّقُوا اور سورۃ نساء میں ارشاد فرمایا وَإِنْ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ (آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ یہ میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے لہذا تم اس کا اتباع کرو اور دوسری راہوں پر مت چلو وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی) مسائل فرعیہ میں جو آئمہ کا اختلاف ہے وہ اتحاد و اتفاق سے مانع نہیں ہے صدیوں سے حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ ساتھ ساتھ چلتے رہے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کا احترام کرتے رہے ہیں۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی مسائل میں اختلاف تھا لیکن وہ باوجود اختلاف کے آپس میں شیر و شکر ہو کر مجتمع رہے۔ اگر کہیں شدید اختلاف ہو گیا تو وہ بھی اللہ ہی کے لئے تھا۔ کسی سے خطا، اجتہادی ہو گئی یہ دوسری بات ہے لیکن مقصد کسی کا دین اسلام کے خلاف چلانا نہ تھا، البتہ اصحابِ حق (جنہیں اپنی خواہشات پر چلنا ہے) اہل حق کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔ بحوالہ درمنثور روایت گذر چکی ہے کہ اوس اور خزرج میں ۱۲۰ سال سے لڑائی چلی آ رہی تھی وہ اسلام قبول کرنے پر ختم ہو گئی اور سب آپس میں بھائی بھائی ہو گئے جس کو اللہ تعالیٰ شانہ نے وَإِذْ كُفِّرُوا بِنِعْمَةِ اللَّهِ عَلَيْهِمْ إِذْ كُنْتُمْ أَغْدَاءَ فَآلَفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا میں یاد دلایا ہے۔ اتنی پرانی دشمنی محبت سے بدل سکتی ہے تو دورِ حاضر کے مسلمانوں کے آپس کے صوبائی اور لسانی اور سیاسی اختلافات وحدت اسلامیہ کو قائم کرنے کے لئے کیوں ختم نہیں ہو سکتے؟ جو غمناک سیاست ہیں اور صوبوں کے بڑے سمجھے جاتے ہیں یہ لوگ اسلام پر آئیں اور اپنی قوم کو

بھی اسلام پر لائیں، اقتدار کی ہوس چھوڑیں ویکھو وحدت قائم ہو جاتی ہے یا نہیں؟ وہاں تو مشکل یہ ہے کہ بہت سے زعماء سیاست ایسے ہیں جنہیں اسلام سے تعلق ہی نہیں وہ بر ملا اسلام سے اپنی برأت ظاہر کرتے ہیں۔ اسلام کے قوانین پر اعتراض کرتے ہیں عجیب بات ہے کہ اسلام کا کلمہ پڑھنے والے انہیں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جو حدود کفر میں تو داخل نہیں ہوئے لیکن وحدت اسلامیہ سے زیادہ انہیں اپنا اقتدار محبوب ہے ان حالات میں وحدت کیسے قائم ہو؟

جو لوگ نام کے مسلمان ہیں لیکن اپنے عقائد کی وجہ سے اور اسلام پر اعتراض کرنے کی وجہ سے حدود کفر میں داخل ہیں علی شفا **حُفِرَ قَرْعٌ مِّنَ النَّارِ** اُن پر بھی صادق ہے، یہ لوگ سچے دل سے صحیح معنی میں اسلام قبول کریں تو عذاب ووزخ سے بچ جائیں گے۔ اللہ کی آیات ہمیشہ کے لئے ہیں **كَذٰلِكَ يَبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ**۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

اور تم میں سے ایک ایسا گروہ ہونا ضروری ہے جو دعوت دیتے ہوں خیر کی طرف، اور حکم کرتے ہوں اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہوں بُرے کاموں سے۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۱۰۰ **وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ**

اور یہ لوگ پورے پورے کامیاب ہیں اور مست ہو جاؤ ان لوگوں کی طرح جو آپس میں متفرق ہو گئے اس کے بعد ان کے پاس واضح احکام پہنچے آپس میں

الْبَيِّنٰتُ ۚ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۱۰۱ **يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهُ ۙ وَتَسْوَدُّ وُجُوْهُ ۚ فَاَمَّا**

اختلاف کر لیا اور یہ لوگ ہیں جن کے لئے بڑا عذاب ہے۔ جس دن چہرے سفید ہوں گے اور چہرے سیاہ ہوں گے، سوچیں

الَّذِيْنَ اَسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْۙ اَكْفَرْتُمْۙ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْۙ فَذُوقُوا الْعَذَابَۙ بِمَا كُنْتُمْ

لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے ان سے کہا جائے گا کیا تم نے کفر اختیار کیا اپنے ایمان کے بعد، سو کچھ اذذاب اس وجہ سے کہ

تَكْفُرُوْنَ ۱۰۲ **وَاَمَّا الَّذِيْنَ اَبْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْۙ فَنفى رَحْمَةِ اللّٰهِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ** ۱۰۳

تم کفر کرتے تھے۔ اور جن کے چہرے سفید ہوں گے سو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۖ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ۱۰۴ **وَاللّٰهُ مَا فِی**

یہ اللہ کی آیات ہیں ہم آپ پر ان کی تلاوت کرتے ہیں حق کے ساتھ، اور اللہ جہانوں کے ساتھ ظلم کا ارادہ نہیں فرما گا، اور اللہ ہی کے لئے ہے

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۖ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۱۰۵

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہی کی طرف تمام امور لوٹائے جائیں گے۔

ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے جو خیر کی دعوت دیتی ہو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتی ہو

مسلمان کی اولین ذمہ داری یہ ہے کہ وہ خود اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرے۔ نیکیاں کرتا رہے،

گناہوں سے بچتا رہے، اور دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ دوسروں کو خیر کی دعوت دیتا رہے اور برائیوں سے روکتا رہے خود نیک بن جانا اسلامی معاشرہ باقی رکھنے کے لئے کافی نہیں ہے دوسروں کو بھی خیر کی دعوت دیتے رہیں اور نیکیوں کا حکم کرتے رہیں اور برائیوں سے روکیں تب اسلامی معاشرہ باقی رہے گا چونکہ انسان کے اندر کبہیت کے جذبات بھی ہیں اور اُس کے پیچھے شیطان بھی لگا ہوا ہے اس لئے بہت سے لوگ فرائض اور واجبات چھوڑ بیٹھتے ہیں اور گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں ایسے لوگوں کو صحیح راہ پر باقی رکھنے کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ضرورت ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت..... آیت بالا میں حکم فرمایا کہ مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی ہو جو خیر کی دعوت دیتی ہو امر بالمعروف کرتی ہو اور نہی عن المنکر کرتی ہو، جو کام اللہ کی رضامندی کے ہیں اُن کو معروف اور جو کام اللہ کی ناراضگی کے ہیں اُن کو منکر کہا جاتا ہے، پانچ آیات کے بعد پھر اس کی اہمیت پر زور دیا ہے اور فرمایا ہے كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ اور سورہ توبہ میں ارشاد فرمایا ہے وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَ يُوْنُوا الزَّكَاةَ وَيَطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ (اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے (دینی) رفیق ہیں یہ لوگ نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بُری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ عنقریب اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے گا) اس کے علاوہ دوسری آیات میں بھی قرآن مجید میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت اور ضرورت بتائی ہے سورہ توبہ کی آیت سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں کام مؤمنین کی خاص امتیازی صفات ہیں احادیث شریفہ میں بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بہت زیادہ اہمیت اور ضرورت بتائی گئی ہے۔ صحیح مسلم ص ۵۱ ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَ ذَلِكَ أَوْفَى الْإِيمَانِ (یعنی تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے یعنی برائی کرنے والے کو اپنے زور کی طاقت سے روک دے) اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے بدل دے (یعنی برائی کرنے سے روک دے) اگر اس کی طاقت نہ ہو تو دل سے بُرا جانے اور یہ (صرف دل سے بُرا جان کر خاموش رہ جانا اور ہاتھ یا زبان سے منع نہ کرنا) ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔

معلوم ہوا کہ ہر شخص نیکیوں کا حکم کرنے اور برائیوں سے روکنے کا مامور ہے اپنے گھر کے، بڑے اداروں کے، بڑی کمپنیوں اور فرموں کے ذمہ دار حکومتوں کے عہدیدار بقدر اپنی قوت اور طاقت کے اس فریضے کو انجام دیں، گھر کے لوگ اپنی اولاد کو اور نوکروں کو نیکیوں کی دعوت دینے اور برائیوں سے روکنے میں اپوری قوت استعمال کر سکتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ اپنی اولاد کو دنیاوی دھندے تو سکھاتے ہیں اور تجارتی کاروباری باتیں سمجھاتے ہیں لیکن فرائض و واجبات کا انہیں حکم نہیں دیتے اور گناہوں سے انہیں نہیں روکتے۔

اصحاب اقتدار کی غفلت..... بہت سے لوگوں کو مختلف طرح کے عہدے اور مناصب حاصل ہیں وہ اپنے ماتحتوں کو نہ فرائض اور واجبات کا حکم کرتے ہیں اور نہ گناہ چھوڑنے کا حکم دیتے ہیں۔ حکومتوں کے چھوٹے بڑے عہدوں پر فائز ہونے والے خود بھی بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور فرضوں کے تارک ہوتے ہیں نہ صرف یہ کہ اپنے ماتحتوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرتے بلکہ اپنا اقتدار جمانے کے لئے ماتحتوں کو گناہ کرنے کا حکم دیتے ہیں اور سرکاری کاموں میں نمازیں تک براہِ کر دی جاتی ہیں۔

اہل ایمان صاحب اقتدار کی صفات بتاتے ہوئے سورہ حج میں ارشاد فرمایا ہے۔

الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَفْلَحُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَلِلَّهِ غَايَةُ الْأُمُورِ . (یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو حکومت دے دیں تو نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور اچھے کاموں کا حکم کریں گے اور برائیوں سے روکیں گے اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے)۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑنے پر دنیا میں عذاب..... قدرت ہوتے ہوئے امر بالمعروف نہ کرنا اور برائیوں سے نہ روکنا سخت وبال کی چیز ہے، اس دنیا میں مبدے اچھے لگتے ہیں لیکن جب ان کا وبال آخرت میں سامنے آئے گا تب کچھتاوا ہوگا جس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ ہر مسلمان امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا پابند ہے اور اس فریضہ کو چھوڑ دینا آخرت سے پہلے دنیا میں بھی عذاب آنے کا ذریعہ ہے۔ اگر اس فریضہ کو چھوڑ دیا جائے تو دعائیں تک قبول نہیں ہوتیں۔

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس قوم میں کوئی ایک شخص گناہ کرتا ہو جسے روکنے پر قدرت رکھتے ہوئے وہ لوگ نہ روکیں تو مرنے سے پہلے ان لوگوں پر عذاب آئے گا۔ (رواہ ابوداؤد ص ۲۴۰ ج ۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کو حکم دیا کہ فلاں فلاں بستی کا تختہ اس کے رہنے والوں کے ساتھ الٹ دو۔ حضرت جبریل نے عرض کیا کہ اے پروردگار ان میں آپ کا فلاں بندہ بھی ہے جس نے پلک جھپکنے کے بقدر بھی آپ کی نافرمانی نہیں کی (کیا اسے بھی عذاب میں شریک کر لیا جائے) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ اس بستی کو اس شخص پر اور باقی رہنے والوں پر الٹ دو کیونکہ اس کے چہرہ پر میرے (احکام) کے بارے میں کبھی کسی وقت شکن بھی نہیں پڑی۔ (مشکوٰۃ المصابیح باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ضرور ضرور امر بالمعروف کرو اور نہی عن المنکر کرو ورنہ قریب ہے کہ اللہ تمہارے اوپر اپنے پاس سے عذاب بھیج دے گا۔ پھر تم اُس سے دعا کرو گے تو وہ دعا قبول نہ فرمائے گا۔ (رواہ الترمذی)

معلوم ہوا کہ بھلائیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا ایسا اہم اور ضروری کام ہے کہ اس کے نہ ہونے سے نیکیاں کرنے والے بھی عذاب کی لپیٹ میں آ سکتے ہیں اور جب عذاب آئے گا تو جو دعائیں کی جائیں گی تو وہ بھی قبول نہ ہوں گی۔ عموماً لوگ خود گناہوں میں مبتلا ہیں، نمازیں چھوڑے ہوئے ہیں، زکوٰۃ نہیں دیتے، جھوٹ بولتے ہیں، جھوٹی گواہیاں دیتے ہیں ان گواہیوں کے ذریعہ پیسہ کماتے ہیں، ڈاکے پڑ رہے ہیں، مال لوٹے جا رہے ہیں، چوریاں ہو رہی ہیں۔ قانون شریعت کی اجازت کے بغیر قتل ہو رہے ہیں اور کوئی شخص بولنے والا نہیں ایسی صورت میں عذاب سے کیسے حفاظت ہو اور عذاب آئے تو دعائیں کیسے قبول ہوں؟

ہر شخص کی ایمانی ذمہ داری حدیث شریف میں بتادی کہ جو بھی شخص کسی منکر کو دیکھے اُس کو اپنی طاقت کے بقدر روک دے۔ اور ہر شخص کی ذمہ داری کے سوا آیت بالا میں مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی ہونے کا بھی حکم فرمایا جو دعوت الی الخیر کرتی ہو اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اُس کا خصوصی کام ہو۔ یہ جماعت فرض کفایہ کے طور پر ہر علاقہ میں کام کرے اور اتنے افراد ہونے چاہئیں جو ہر علاقہ کے افراد کو دعوت خیر دے سکیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے سکیں۔ جماعت سے یہ مراد نہیں کہ دو ہر حاضر کے انداز کی کوئی جماعت ہو جس کا صدر ہو سیکر نری، وہمبران ہوں، دفتر ہو، جماعت کا کوئی نام یا یونیفارم ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کے کام کرنے والے بقدر ضرورت امت میں موجود ہیں۔ حکومت ایسے افراد مہیا کرے۔ حکومت نہ کرے تو مسلمان خود ایسی ایک جماعت قائم رکھیں جو اس

فریضہ کو انجام دیتی رہے اور چھوٹی موٹی جماعت نہ ہو بلکہ اتنی بڑی جماعت ہو کہ ہر علاقہ میں اہل اسلام کے جتنے افراد رہتے اور بستے ہوں ان تک بات پہنچانے کے لئے کافی ہوں۔

فائدہ..... آیت شریفہ میں پہلے یَدْعُونَ اِلَى الْخَيْرِ فرمایا اس کے بعد بِاَمْرٍ مِّنَ الْمَعْرُوفِ وَبِنَهْيٍ مِّنَ الْمُنْكَرِ فرمایا، دعوت الی الخیر میں سب باتیں داخل ہو گئیں کافروں کو اسلام کی دعوت دینا بھی اس میں آ گیا اور فرائض اور واجبات کے علاوہ سنن اور مستحبات کی دعوت دینے کو بھی یَدْعُونَ اِلَى الْخَيْرِ کا غموم شامل ہو گیا، مستحبات کو چھوڑ دینا اگرچہ منکر نہیں ہیں لیکن ان پر عمل کرنے میں بہت بڑا فائدہ ہے اس لئے ان کی دعوت بھی دیتے رہنا چاہیے لیکن سختی نہ کی جائے، البتہ فرائض اور واجبات کی دعوت سختی سے دی جائے جس درجہ کا جو حکم ہے اسی درجہ میں اس کی دعوت ہوئی چاہیے، بہت سے لوگ فرائض اور واجبات میں مسامحت کرتے ہیں بلکہ خود بھی فرائض کو چھوڑے ہوئے ہوتے ہیں اور مستحبات کے بارے میں سختی کرتے ہیں۔ یہ طریقہ صحیح نہیں، شریعت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں جس چیز کا جو درجہ ہے اُسی درجہ کے مطابق دعوت میں سختی اور نرمی اختیار کی جائے۔ لفظ خیر ہر نیک کام کو شامل ہے۔ تفسیر ابن کثیر ص ۴۹۰ ج ۱ میں حضرت ابو جعفر باقرؑ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت وَلَتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُونَ اِلَى الْخَيْرِ تلاوت فرمائی پھر فرمایا کہ الخیر اتباع القرآن و سنتی (کہ قرآن کا اور میری سنت کا اتباع کرنا خیر ہے) اس کے مطابق ہر چھوٹی بڑی نیکی کو لفظ ”خیر“ شامل ہے۔

کامیاب کون لوگ ہیں؟..... جو حضرات امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے ہیں ان کے بارے میں فرمایا اُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ کہ یہ لوگ پورے پورے کامیاب ہیں۔ کامیابی کو تو ہر شخص ہوتا ہے لیکن مقاصد کے اعتبار سے ہر ایک کے نزدیک کامیابی کا معیار الگ الگ ہے۔ قرآن کریم نے بھی کامیابی کا معیار بتایا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کی رضا کے کام کئے جائیں۔ جن کی وجہ سے دوزخ سے حفاظت ہو جائے اور جنت مل جائے اور اوپر جو کام ہتائے ہیں وہ اللہ کی رضا کے کام ہیں۔ اس لئے ان پر عمل پیرا ہونے والوں کو مفلحون (کامیاب) فرمایا۔

دلائل سے حق واضح ہونے کے بعد انحراف کرنے والوں کی سزا..... پھر فرمایا وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ (اور مت ہو جاؤ ان لوگوں کی طرح جو آپس میں متفرق ہو گئے اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح احکام پہنچے)

صاحب روح المعانی ص ۲۲ ج ۴ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں جنہوں نے اختلاف کیا اور افتراق کی راہ اختیار کی، امت مسلمہ کو حکم ہوا کہ ان جیسے نہ ہو جاؤ جن کے پاس آیات بینات اور حجج بالغذائب جو متحد رہنے کا حکم دے رہی تھیں انہوں نے اس کی خلاف ورزی کی اور اتحاد کی بجائے افتراق کو اپنایا، یہ افتراق دنیاوی اغراض اور نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑنے اور اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت سے منہ موڑنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، بہت سے اصحاب بڑی دین داری اور اپنی افکار و آراء کے تابع بنا کر چلتے ہیں اور ملت اسلامیہ سے خارج ہو جاتے ہیں، مرجیہ، کرامیہ، مجسمہ، مشبہ، فرقیہ عصر ماضی میں گزر چکے ہیں، اور اب بھی ایسے بہت سے فرقے ہیں جو مدعی اسلام ہیں لیکن ملت اسلامیہ سے خارج ہیں، ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو حدیث نبوی (ﷺ) کی حجیت کے منکر ہیں اور وہ لوگ بھی جو تحریف قرآن کے قائل ہیں اور ایسی جماعت بھی ہے جو سیدنا محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبی مانتی ہے اور بھی طرح طرح کے کفریہ عقائد رکھنے والے موجود ہیں۔

افتراق کرنے والے جو اپنے ابو و افاکار کی وجہ سے حدود اسلام سے نکل جائیں ان کے لئے آخرت کا عذاب بتاتے ہوئے ارشاد

فرمایا: **وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ يَوْمَ بَيَضَ وَجُوهٌ وَتَسْوَدُ وَجُوهٌ** (اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے جس دن بہت سے چہرے سفید ہوں گے اور بہت سے چہرے سیاہ ہوں گے) پھر فرمایا: **وَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وَجُوهُهُمْ أَكْفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ** (سو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے ان سے کہا جائے گا کیا تم نے کفر کیا اپنے ایمان کے بعد سوچو کہ لو عذاب اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے)

وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وَجُوهُهُمْ ففِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (اور جن لوگوں کے چہرے سفید ہوں گے سو وہ اللہ کی رحمت یعنی جنت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

قیامت کے دن اہل کفر کی بد صورتی..... قرآن مجید کی دوسری آیات میں بھی قیامت کے دن چہروں کا سفید و سیاہ ہونا مذکور ہے سورہ یحییٰ کے آخر میں فرمایا: **وَجُوهٌ يُّؤْمِنُ مَسْفُورَةٌ ۝ صَاحِبِكُمْ مَسْفُورَةٌ ۝ وَوَجُوهٌ يُّؤْمِنُ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرَاهُهَا قَتْرَةٌ ۝** **وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرَةُ الْفَجْرَةُ** (اس دن بہت سے چہرے روشن ہوں گے بنتے ہوئے ہوں گے۔ خوش ہوں گے اور اس دن بہت سے چہرے ایسے ہوں گے کہ جن پر ظلمت ہوگی جن پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی، یہ لوگ کافر فاجر ہوں گے)۔

سورہ زمر میں فرمایا: **يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وَجُوهُهُمْ مُسْوَدَّةٌ ۝** (اور اے مخاطب تو قیامت کے دن دیکھ گا ان لوگوں کو جنہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے کہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے)۔

سورہ یونس میں فرمایا: **وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سِنِيَةٍ يُمِثِّلُهَا وَتَرَاهُهَا ذَلَّةٌ ۝ مَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ ۝ كَانَتْهَا أَغْشَيْتْ وَجُوهُهُمْ قُطْعًا مِنَ اللَّيْلِ مُظْلِمًا ۝** **وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۝ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ** (اور جن لوگوں نے برے کام کئے بدلہ برائی کا اسی جیسا ہوگا اور چھپائے گی ان پر ذلت، ان کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا گویا کہ ان کے چہرے اندھیری رات کے مکڑوں سے ڈھانپ دیئے گئے، یہ لوگ دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے)۔

مضمون کے ختم پر فرمایا: **يَذَلُّكَ آيَاتُ اللَّهِ تَسْلُوَهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظَلْمًا لِلْعَالَمِينَ** (کہ یہ اللہ کی آیات ہیں ہم تمہارے اوپر حق کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اللہ جہانوں کے ساتھ ظلم کا ارادہ نہیں فرماتا)۔

پھر فرمایا: **وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ** (کہ اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور اسی کی طرف تمام امور لوٹتے ہیں) وہ مالک اور متصرف ہے اسے سب اختیار ہے اپنی مخلوق میں جیسا تصرف کرے کوئی اسے روکنے والا نہیں۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ

تم سب امتوں سے بہتر امت ہو جو نکال گئی لوگوں کے لئے، بھلائی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان

بِاللَّهِ ۝ وَلَوْ أَمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ

ااتے ہو، اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا، ان میں سے بعض مؤمن ہیں اور اکثر ان میں سے فرمانبردار سے باہر ہیں۔

امت محمدیہ ﷺ کی امتیازی صفات

اس آیت شریفہ میں امت محمدیہ ﷺ کو خیرِ اُمۃ فرمایا ہے اور اس امت کا نبی بھی خیر الانبیاء ہے جس کا آیت لَتَوَلَّيْنٰ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهُ میں ذکر فرمایا ہے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انا سید ولد ادم یوم القیامۃ کہ میں قیامت کے دن آدم کی تمام اولاد کا سردار ہوں گا۔ (رواہ مسلم ص ۲۳۵ ج ۲) نیز آپ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن میں آدم کی تمام اولاد کا سردار ہوں گا اور بطور فخر کے نہیں کہہ رہا ہوں اور میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور بطور فخر کے نہیں کہہ رہا ہوں اور اس دن آدم ہوں یا ان کے علاوہ کوئی اور نبی ہو سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور میں سب سے پہلا وہ شخص ہوں گا جس سے زمین پھٹے گی (یعنی قبر سے سب سے پہلے ظاہر ہوں گا) اور میں بطور فخر کے نہیں کہہ رہا ہوں۔ (رواہ الترمذی کافی المسئلہ ص ۵۱۳)

سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت فَکُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اَخْبَرَ بَحْثُ النَّاسِ کی تلاوت فرمائی پھر فرمایا کہ تم سترویں (۷۰) امت کو پورا کر رہے ہو تم سب امتوں سے بہتر ہو اور اللہ کے نزدیک سب امتوں سے بڑھ کر اکرم ہو۔ (قال الترمذی ہذا حدیث حسن) اس امت کو خیرِ اُمۃم بتاتے ہوئے اس کے اوصاف بھی بتا دیئے اور وہ یہ کہ تم بھلائیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو، معلوم ہوا کہ اس امت کا طرہ امتیاز امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ امت کا ہر فرد اس کام میں لگے البتہ اس میں تفصیلات ہیں کبھی فرض عین ہوتا ہے کبھی فرض کفایہ کبھی واجب اور کبھی سنت۔

روح المعانی ص ۲۸ ج ۴ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے انہوں نے فرمایا: یا ایہا الناس من سرہ ان یکون من تلکم الامۃ فلیؤد شرط اللہ تعالیٰ و اشار بذلک الی قولہ سبحانہ تأمرون بالمعروف و تنہون عن المنکر۔ (اے لوگو! تم میں سے جو شخص یہ چاہتا ہو کہ وہ بہترین امت میں سے ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شرط پوری کرے۔ اور شرط کے لفظ سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کی طرف اشارہ کیا ہے) گذشتہ رکوع میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی فضیلت اور ضرورت اور اہمیت بیان ہو چکی ہے اس کو دوبارہ دیکھ لیا جائے۔ یہاں یہ بات بیان کرنے کی ضرورت ہے کہ تَوَلَّيْنٰ بِاللّٰهِ کو کیوں مؤخر کیا جبکہ ایمان ہر عمل سے مقدم ہے اور ہر عمل کے قبول ہونے کے لئے شرط ہے۔ صاحب روح المعانی نے اس سلسلہ میں تین باتیں لکھی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ مقصود بالبیان اس جگہ پر چونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے اس لئے ان دونوں کو مقدم کیا۔ لیکن پھر ایمان کا تذکرہ بھی فرما دیا تاکہ ہر عمل کی جو شرط ہے اس کا ذکر متروک نہ ہو جائے۔ بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا کہ تَوَلَّيْنٰ بِاللّٰهِ اس لئے فرمایا کہ آگے اہل کتاب سے جو کلام متعلق ہے اس سے مرتبط ہو جائے۔

اکثر اہل کتاب فرمانبرداری سے خارج ہیں..... اہل ایمان کا ذکر فرمایا وَلَوْ اَشْنَأْ اَهْلُ الْکِتَابِ لَکَانَ خَیْرًا لَّهٖمْ ط مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاکْثَرُهُمُ الْفَاسِقُوْنَ (اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا) اس سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے بعد آپ سے پہلے جس کسی نبی یا جس کسی کتاب سماوی پر کسی کا ایمان تھا یا اب ہے وہ معتبر نہیں ہے جب تک کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ ہو۔ پھر فرمایا اہل کتاب میں بعض مؤمن ہیں جیسے عبداللہ بن سلام اور بعض دیگر اہل کتاب (جنہوں نے حق کو قبول کیا اور دنیاوی منافع نے ان کو حق سے نہیں روکا) اور اہل کتاب میں اکثر اللہ کی فرمانبرداری سے خارج ہیں، یعنی کافر ہیں۔

لَنْ يَضُرَّوْكُمْ إِلَّا أَذًى ۖ وَإِنْ يُقَاتِلُوْكُمْ يُؤْلَوْكُمْ ۚ الْأَذْبَارُ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ﴿۱۱﴾ ضَرَبَتْ

تم کو ہرگز نہ رہے پہنچا سکیں گے مگر ذرا سی تکلیف، اور اگر تم سے جنگ کریں گے وہ تو پشت پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر ان کی مدد نہ کی جائے گی۔ جمادی گئی

عَلَيْهِمُ الدَّلَّةُ ۚ إِنَّا مَا ثَقِفُوا إِلَّا بِحَبْلِ مِنَ اللَّهِ وَحَبْلِ مِنَ النَّاسِ وَبَاءٌ وَبَغْصٌ

ان پر ذلت جہاں کہیں بھی پائے جائیں، مگر ایسے سبب سے جو اللہ کی طرف سے ہو اور ایسے سبب سے جو لوگوں کی طرف سے ہو اور وہ لوٹ گئے

مِنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۚ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ

اللہ کے نامہ کو لے کر، اور بنیادی گئی ان پر مسکنت، یہ اس لئے کہ وہ کفر کرتے تھے اللہ کی آیتوں کے ساتھ، اور وہ نبیوں کو

الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿۱۲﴾ لَيْسُوا سَوَاءً ۚ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ

ناحق قتل کرتے تھے، یہ اس لئے کہ انہوں نے ہدایتی کی اور وہ حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔ یہ لوگ سب برابر نہیں ہیں اہل کتاب میں سے ایک جماعت

أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ﴿۱۳﴾ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ

ایسی ہے جو حق پر قائم ہے رات کے اوقات میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں۔ یہ لوگ ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور آخرت

الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ ۚ وَأُولَٰئِكَ

کے دن پر اور امر بالمعروف کرتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں۔ اور نیک کاموں میں دڑتے ہیں اور یہ لوگ

مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿۱۵﴾

صالحین میں سے ہیں۔ اور یہ لوگ جو بھی کچھ خیر کا کام کریں گے تو اس کی نافرمانی نہ کی جائے گی اور اللہ متقین کو جاننے والا ہے۔

یہودی ذلت اور مسکنت

زمانہ نبوت میں یہودیوں کی دشمنی ظاہر بھی تھی اور پوشیدہ بھی تھی۔ مسلمانوں کو ان سے تکلیف پہنچتی رہتی تھی، خطرہ تھا کہ کوئی ایسی کارروائی نہ کر بیٹھیں جس سے زیادہ تکلیف پہنچ جائے۔ بلکہ ربہ سبایہ نے حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کو جو یہودیت چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ زبانی طور پر ایذا دینے کا سلسلہ شروع بھی کر دیا تھا۔ اللہ جل شانہ نے مسلمانوں کے اس خطرہ کو دور فرمادیا اور فرمایا کہ یہ لوگ تمہیں بس ذرا سی تکلیف پہنچا سکیں گے اور اگر انہوں نے جنگ چھیڑی تو پشت پھیر کر بھاگ جائیں گے، پھر یہودیوں کی حالت مضبوطیت بیان فرمائی کہ ان پر ذلت کی چھاپ ماری گئی جہاں کہیں بھی ہوں گے ذلیل ہوں گے۔

یہودی کی موجودہ حکومت ہاں اگر اللہ کے کسی عہد میں آجائیں یا انسانوں کے کسی عہد میں آجائیں تو (دنیاوی) ذلت سے بچاؤ ہو سکتا ہے۔ اللہ کے عہد میں آنے کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً مسلمانوں سے ان کا کوئی معاہدہ ہو جائے اور معاہدہ کے موافق مسلمان ان سے تعرض نہ کریں یا یہ لوگ جزیہ قبول کریں اور مسلمانوں کی عملداری میں رہنا قبول کریں تو اس صورت میں ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے گا جو ذمیوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ یا کہیں لڑائی ہو تو مسلمان ان کے بچے اور عورتوں کو حسب قانون شرعی قتل کرنے سے باز رہیں گے اور

انسانوں کے عہد میں آنے کا یہ مطلب ہے کہ کسی حکومت سے ان کا کوئی معاہدہ ہو جائے وہ حکومت ان کو مان دے وے۔ جب سے یہودیوں کی حکومت قائم ہوئی ہے لوگوں کو اشکال ہو رہا ہے کہ قرآن نے تو ان کے بارے میں ذلت کا اعلان کیا تھا پھر ان کی حکومت کیسے قائم ہوئی؟ درحقیقت قرآن کے اعلان میں کوئی بات قابل شک و شبہ نہیں ہے کیونکہ اول تو قرآن نے یہ نہیں فرمایا کہ ہمیشہ ہمیش تا قیامت ان لوگوں کا یہی حال رہے گا۔ دوام ذلت دنیاویہ تو کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں، پھر یہودیوں کی جو حکومت قائم ہے وہ جبل من الناس کی وجہ سے ہے۔ یہودیوں سے کچھ معاہدے کر کے بعض نصرانی حکومتوں نے ان کی حکومت قائم کی ہے اور نصاریٰ ہی کے بل بوتے اور سہارے پر ان کی حکومت قائم ہے قرآن کریم نے جو جبل من الناس فرمایا ہے اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ ان کے بعض حالات انسانوں سے جوڑ توڑ کرنے کی وجہ سے ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن میں ان کو کچھ عزت مل جائے اور ضربت علیہم الذلۃ کا اطلاق عام متشبیٰ ہو جائے۔

پھر فرمایا کہ یہودی اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے اور ان پر مسکت کی چھاپ مار دی گئی اور اس کا سبب بتایا کہ وہ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔ یہ مضمون سورۃ بقرہ کے رکوع سات کے اخیر میں بھی گذر چکا ہے۔

بعض اہل کتاب کی تعریف جنہوں نے اسلام قبول کیا..... پھر اہل ایمان کی تعریف فرمائی جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا کہ وہ راتوں رات اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور یوم آخرت پر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام انجام دیتے ہیں۔ نیکیوں میں آگے بڑھتے ہیں اور یہ لوگ صالحین میں سے ہیں، اور یہ لوگ جو بھی خیر کا کام کریں گے اس کی ناعدری نہ کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ کو متقیوں کا علم ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَٰئِكَ

الاشبه جن لوگوں نے کفر کیا ہرگز ان کے کام نہ آئیں گے ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے مقابلہ میں کچھ بھی اور یہ لوگ

أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۰۰﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اس کی مثال جو کچھ وہ اس دنیاوی زندگی میں خرچ کرتے

كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ وَمَا ظَلَمَهُمْ

ہیں ایسی ہے جیسے ایک ہوا جس میں سخت سردی ہو جو ایسے لوگوں کی کھیتی کو پہنچ گئی جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا پھر اس کو برباد کر دیا اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا

اللَّهُ وَلَٰكِنْ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۱۰۱﴾

بلکہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

کافروں کے اموال اور اولاد عذاب سے نہ بچا سکیں گے

پہلی آیت میں تو یہ فرمایا کہ اہل کفر پر جب اللہ کا عذاب آئے گا تو ان کے مال اور اولاد کچھ بھی نفع نہ دے سکیں گے یہ لوگ اپنے کفر کی

وجہ سے دوزخی ہیں اور دوزخی ہی میں ہمیشہ رہیں گے۔ سورہ آل عمران کے رکوع ۲ کے شروع میں بھی یہ مضمون گذر چکا ہے۔ پھر ان لوگوں کے اخراجات اور نفقات کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ جو کچھ خرچ کرتے ہیں (اور ان اخراجات میں وہ اموال بھی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں خرچ کئے جاتے ہیں) ان اخراجات کی مثال ایسی ہے جیسے کسی ایسی قوم کی کھیتی ہو جنہوں نے کفر اور معاصی کے ذریعہ اپنی جانوں پر ظلم کیا ہو۔ اس کھیتی پر اللہ تعالیٰ نے ہوا بھیج دی جس میں سخت ٹھنڈک تھی اس ٹھنڈک نے ساری کھیتی کو برباد کر دیا۔ کھیتوں کو سخت سردی پہنچ جاتی ہے تو اس کو عام مہوارات میں پالا پڑ جانا پالے سے ہلاک ہو جانا کہتے ہیں یہ ہوا بطور سزا اور عقاب کے ان کے کھیتوں کو لگی اور سب کو تھس تھس کر کے رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان پر اللہ نے ظلم نہیں کیا بلکہ وہی خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے، یہ عذاب ان کے کر ثبوتوں کی وجہ سے آیا۔ اللہ کو کوئی الزام نہ دیں اپنے کفر اور معاصی کو دیکھیں، کافروں نے ثواب کی نیت سے جو کچھ خرچ کیا وہ بھی جسم ہے اس کا کوئی ثواب آخرت میں نہیں ملے گا اور جو کچھ دین اسلام کی دشمنی میں خرچ کرتے ہیں ظاہر ہے اس کا کیا ملنا ہے؟ دنیا میں بھی مالوں کی بربادی ہے اور آخرت میں زیادہ فی الکفر کی وجہ سے عذاب در عذاب کا سبب بنے گا۔ سورہ ابراہیم میں فرمایا **فَسَلِّ** **الْبَیِّنُ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَّمَادٌ اُنْشُدْتُ بِه الرِّیْحُ فِیْ یَوْمٍ عَاصِفٍ لَا یَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوا عَلٰی شَیْءٍ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِیْدُ** (مثال ان لوگوں کی جنہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا ایسی ہے جیسے کہیں راکھ پڑی ہو، آندھی کے دن میں سخت تیز ہوا اس کو ازاد ہے، یہ لوگ قابو نہ ہوں گے اپنے کمائے ہوئے میں سے کسی چیز پر بھی، یہ وہی گمراہی ہے)۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْمُرُكُمْ بِأَلَاءِ وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ

اے ایمان والو! اپنے سوا کسی کو اپنا رازدار مت بناؤ، وہ لوگ تمہارے بگاڑ میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتے، ان کو وہ چیز پسند ہے جس سے تمہیں تکلیف ہو

قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ

بغض ظاہر ہو چکا ہے، ان کے مونہوں سے اور جو کچھ ان کے سینے چھپاتے ہیں وہ اس سے بڑھ کر ہے، تحقیق ہم نے بیان کر دیں تمہارے لئے آیات

إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١٥﴾ هَآأَنْتُمْ أَوْلَاءُ تَحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ

اگر تم عقل رکھتے ہو۔ تم لوگ ایسے ہو کہ ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں کرتے اور تم پوری کتاب پر ایمان

كُلِّهِ ؕ وَإِذَا لَقُّوْكُمْ قَالُوا آمَنَّا ؕ وَإِذَا خَلَوْا عَصَوْا عَلَيْكُمْ اَلَا نَمْلِكُ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُؤْتُوا

لاتے ہو، اور وہ جب آپس میں تنہائیوں میں جاتے ہیں تو مارے غصہ کی جلن کے اپنی انگلیوں کو دانتوں سے کاٹ لیتے ہیں، آپ فرمادیجئے کہ مر جاؤ

بِعِظِكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١٦﴾ إِنْ تَسْأَلُكُمْ حَسَنَةٌ تَسْأَلُوهُمْ ذَا وَإِنْ تُصِيبُكُمْ

بڑی جلن میں، بے شک اللہ جاننے والا ہے ان سب چیزوں کو جو سینوں میں ہیں، اگر تم کو کوئی اچھی حالت پہنچ جائے تو ان کو بری سی ہے اور اگر تمہیں کوئی بُری حالت

سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوا بِهَا ؕ وَإِنْ تُصِيبُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضْرِبُكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ؕ إِنَّ اللّٰهَ بِمَا

پہنچ جائے تو اس سے خوش ہوتے ہیں، اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کی مکاری تمہیں کچھ بھی ضرر نہ پہنچائے گی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے

يَعْمَلُونَ مِحْيَاطًا

اعمال کا احاطہ فرمائے ہوئے ہے۔

کافروں کو راز دار نہ بناؤ

ان آیات میں دشمنان اسلام کی دشمنی کو ذب زیادہ واضح کر کے بیان فرمایا ہے اور چونکہ وہ دشمن ہیں اس لئے دشمنی ہی کی امید رکھی جاسکتی ہے سب سے پہلے ارشاد فرمایا کہ اپنے علاوہ دوسرے لوگوں کو اپنا راز دار مست بناؤ، تمہیں بگاڑنے اور خراب کرنے میں ذرا سی بھی کسر نہ چھوڑیں گے اور اس میں کوئی دقیقہ اٹھانا نہ تمہیں گے۔

مسلمانوں کی بد حالی..... تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی بھی اس نصیحت کے خلاف کیا ہے مسلمانوں نے مار کھائی، دشمن اسی طریقہ سے قابو پاتا ہے کہ وہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں کو مال دے کر یا عہدے دے کر اپنا ہم نوا بنالیتا ہے یہ مال کے لالچی اور عہدوں کے حریص دشمنوں کے سامنے مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی خفیہ باتیں سب اُگل دیتے ہیں، دشمنوں نے مسلمانوں کے ملکوں میں مسلمانوں میں سے ایسے جاسوس بنا رکھے ہیں جو ہر چھپی و کھلی بات اور ہر خفیہ مشورہ دشمنوں تک پہنچا دیتے ہیں جس کی وجہ سے مسلمانوں کی حکومتیں زیر زبر ہوتی رہتی ہیں۔ اہم افراد قتل ہوتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ اسلام کا کلمہ پڑھنے کے باوجود اسلام کو اور مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے رہتے ہیں۔ کافروں کو خیر خواہ سمجھنے کی بیوقوفی..... دشمن سے تو کبھی کسی طرح کی دوستی کرنے کی گنجائش ہی نہیں، مسلمانوں کی بعض حکومتیں دشمنوں کے بل بوتے پر قائم ہیں اور اس دُور سے کہ وہ حکومت کسی اور کو نہ دلا دیں دشمنوں کی ہر بات مانتے ہیں اور جس طرح دشمن کہتے ہیں اسی طرح کرتے ہیں۔ دشمنوں نے سمجھا رکھا ہے کہ عوام کو بھگانے کے لئے کہتے رہو کہ ہم اسلام قائم کریں گے۔ اگر کوئی شخص واقعی اسلام لانے لگے تو وہ مقتول یا معزول ہو جاتا ہے، دشمن کے سہارے اقتدار لے کر بیٹھنا ہی اسلام کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ دشمن تو مسلمانوں کی تکلیف سے خوش ہیں جیسا کہ رب العزت جل شانہ نے فرمایا: وَذُواْ مَنَا عِبْتُمْ کفر ملت واحدہ ہے سارے کافر خواہ کسی بھی دین سے تعلق رکھتے ہوں اندر سے سب ایک ہیں اور مسلمانوں کے دشمن ہیں جب کبھی موبتہ آتا ہے ان کی وحدت کا مظاہرہ ہو جاتا ہے ان میں سے بہت سے لوگ صاف اور صریح الفاظ میں اسلام و دشمنی کا اعانہ کر بھی دیتے ہیں جیسا کہ زمانہ نبوت میں یہودیوں نے کیا تھا، اسی کو فرمایا: فَذَبْتَ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا نَخَفَى صُدُورُهُمْ أَخْبَرُ (کظاہر ہو چکا ہے بغض اُن کے مونہوں سے اور جو کچھ ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے بڑھ کر ہے)

مسلمانوں کو بار بار تہنجد کر ارشاد فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا الَّذِينَ يَكْفُرُوا (کہ بلاشبہ ہم نے تمہارے لئے آیات بیان کر دیں اگر تم عقل رکھتے ہو)۔

مسلمانوں کی غفلت پر سرزنش..... مزید فرمایا کہ اے مسلمانو! تم ایسے ہو کہ دشمنوں سے محبت کا برتاؤ کرتے: داور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے حالانکہ تم اللہ کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو، تم اُن کتابوں پر بھی ایمان لاتے ہو جو انبیائے سابقین علیہم السلام پر نازل ہوئیں اور وہ تمہاری کتاب یعنی قرآن مجید پر ایمان نہیں رکھتے، تم جو ان کی کتاب پر ایمان رکھتے ہو انہیں اس کی کچھ پاسداری نہیں، ان میں منافقت ہے۔ جب تم سے الگ ہوتے ہیں تو غصہ کی جلن کے بارے اپنی انگلیاں کانے لیتے ہیں کہ مسلمان کیسے آگے بڑھ رہے ہیں اور کیسے قوت پا رہے ہیں ان کے اس حال کے بارے میں ارشاد فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بَغِضْطَكُمْ کہ تم اپنے غصہ کی جلن میں مرجاؤ۔ دین اسلام کو قوت: ذکر

رہے گی۔ اسلام کی قوت اور شان و شوکت بڑھنے پر انگلیاں کانٹنے سے کیا دوتا ہے اس غصہ میں مز بھی جاؤ گے تب بھی اسلام کا کلمہ بلند ہو گا۔ سب دینوں پر اسلام غالب ہوگا۔ پھر فرمایا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ۔ (بے شک اللہ سینوں کی باتوں کو جانتا ہے) تمہارے دلوں میں جو کفر ہے اسے اس کا پتہ ہے اُس نے مسلمانوں کو بھی تمہارا حال بتا دیا تاکہ وہ چوکے ہو کر رہیں اور آخرت میں تمہیں کفر کی سزا دے گا۔

مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا إِنْ تُمْسِكُمْ خَيْرًا فَرَأَيْتُمْ سَيِّئَةً يَفْعَلُوهَا بِهَا (کہ اگر تم کو اچھی حالت پیش آ جاتی ہے اس سے وہ رنجیدہ ہوتے ہیں اور اگر تم کو کوئی ناگواری کی حالت پیش آ جائے تو وہ خوش ہوتے ہیں) کیا ایسے لوگ محبت کرنے کے قابل ہیں؟

تفسیر درمنثور ص ۶۶ ج ۲ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا بَطَانَةَ مَنْ دُونَكُمْ کا سبب نزول یہ نقل کیا ہے کہ مسلمانوں میں کچھ لوگ ایسے تھے..... جن کا زمانہ جاہلیت میں یہود مدینہ کے پڑوسی ہونے کی وجہ سے تعلق تھا۔ اور بعض مواقع میں آپس میں ایک دوسرے کے حلیف بھی بن جاتے تھے اس پر انہیں تعلق کی وجہ سے قبول اسلام کے بعد بھی ان مسلمانوں نے یہودیوں سے اپنا تعلق جاری رکھا۔ اللہ جل شانہ نے مسلمانوں کو ایسے تعلق سے منع فرمایا جس سے دشمن رازدار بن جائے (تجارت اور معاملات کی حد تک تعلق رکھنے کی گنجائش ہے لیکن ایسے تعلق کی کوئی گنجائش نہیں جس سے مسلمانوں کے راز دشمنوں پر کھلیں اور مسلمانوں کی اندرونی حالت سے دشمن باخبر ہو جائیں) آیت کے سبب نزول سے معلوم ہوا کہ یہودیوں کے پاس بعض مسلمانوں کا آنا جانا تھا اس پر تنبیہ فرمائی اور یہودیوں کا ظاہر باطن سب بتا دیا چونکہ ہر زمانے کے کافروں کا مسلمانوں کے بارے میں ایک ہی حال ہے اس لئے ہم نے دور حاضر کے مسلمانوں کو بھی تنبیہ کر دی اور بتا دیا کہ کسی بھی کافر کو رازدار نہ بنائیں اور مسلمانوں کے ہمیدان کو نہ پہنچ جائیں۔

یہودیوں کی مکاریاں اور دوسرے کاریاں ابھی تک جاری ہیں۔ گو احوال اور ظروف کے اعتبار سے کچھ بدل گئی ہیں۔ نصاریٰ کی حکومتوں میں بھی یہودیوں کا بہت بڑا دخل ہے۔ وہ مسلمانوں کے خلاف مسلمانوں کے افراد کو بھی استعمال کرتے ہیں اور نصرانی حکومتوں میں بھی ان کی خفیہ سازشیں اور پوشیدہ مکاریاں جاری ہیں جو ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آتی ہیں۔ یہ جو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کفار اپنی تدبیروں میں مسلمانوں پر کیوں غالب ہیں اس کا جواب آیت کے آخر میں دے دیا جو ہمیشہ کے لئے ناطق فیصلہ ہے اللہ جل شانہ نے فرمایا وَأَنْ تَضَبَّرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا (کہ اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کی مکاری تمہیں کچھ بھی نقصان نہ دیں گی)

مسلمان صبر اور تقویٰ اختیار کریں دین پر تمہیں گناہوں سے بچیں تو دشمن کی مکاریاں کچھ بھی ضرر نہ دیں گی۔ ہتھیاروں کا انتظام کرنا جیسا کہ دشمن کے دفاع کا سبب ہے اسی طرح سے صبر و تقویٰ بھی دشمن کا ایک ہتھیار ہے بلکہ سب سے بڑا ہتھیار ہے جس سے اہل ایمان غافل رہتے ہیں، آخر میں فرمایا: إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ فَعِيظٌ (کہ بلاشبہ اللہ کو تمہارے دشمنوں کا پوری طرح علم ہے وہ ان کو اپنی حکمت مشیت و ارادہ کے مطابق سزا دے گا)۔

فائدہ..... کافروں کے میل ملاپ سے جو منع فرمایا۔ اور ان کو رازدار بنانے کی جو ممانعت فرمائی اس میں مسلمانوں کے لئے بہت بڑی عبرت اور موعظت اور نصیحت ہے۔ کافروں کو دوست بناتے ہیں اور قرآن مجید میں جو واضح طور پر فرمایا ہے لَا تَأْتُوا نَحْنُ خَبِيرًا اس سے غافل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ لوگ تمہارے فساد و بگاڑ میں ذرا بھی کوتاہی نہ کریں گے۔ یہود نصاریٰ اور تمام شرکین حتیٰ کہ وہ لوگ

جو اسلام کے مدنی ہیں لیکن اپنے عقائد کے اعتبار سے کافر ہیں (جن میں روانض پیش پیش ہیں) یہ سب اسلام اور اہل اسلام کے پورے اور یکے دشمن ہیں۔ ان سے دوستی کر کے اچھی امید رکھنا بیوقوفی ہے، اسلام کے عہدِ اول سے ہی دشمنانِ اسلام اپنی مکاریوں اور تدبیروں سے کبھی غافل نہیں ہوئے اسلام کو بڑھتا دیکھتے ہیں تو جلتے ہیں اگر ان کے بس میں ہوتا تو اسلام مکہ سے آگے نہ بڑھتا۔ لیکن یہ جلتے رہے اور اسلام بڑھتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلْ مُؤْمِنُوا بِعَظْمِکُمْ اِنَّ اللہَ عَلَیْہِمْ ہِذَابُ الصُّدُورِ
دشمن کو تباہ کرنے کی فکر میں ہے اور مسلمان ہیں کہ ان سے دوستی کرنے ہی کو نہ سمجھ رہے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وَ اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَہْلِکَ تَبٰوِیَ الْمُؤْمِنِیْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝۱۱

اور جب آپ اپنے گھر سے صبح کے وقت نکلے مسلمانوں کو قتال کرنے کے لئے مقامات بتا رہے تھے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

اِذْ هَمَّتْ طَآئِفَتٌ مِّنْکُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۚ وَاللّٰہُ وَلِیْہُمَا ؕ وَعَلٰی اللّٰہِ فَلِیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۲

جب ارادہ کیا وہ جماعتوں نے تم میں سے کر بڑول ہو جائیں اور اللہ ان کا ولی تھا اور اللہ پر بھروسہ کریں تو کون ہمت نہ کرے۔

غزوہٴ احد کا تذکرہ

ان آیات میں غزوہٴ احد کا تذکرہ فرمایا ہے۔ پھر آئندہ رکوع میں اور اس کے بعد والے رکوع میں تفصیل سے اس غزوہ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں جب اسلام کی دعوت دی تو مکہ کے مشرکین آپ کے دشمن ہو گئے۔ بڑی بڑی مشکلات سے گزرتے رہے دشواریاں پیش آتی رہیں۔ تیرہ سال تک محنت مجاہدہ کرتے ہوئے اور مشقت اٹھاتے ہوئے آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے اسلام کی دعوت دی لیکن مکہ معظمہ کے مشرکوں نے آپ کو وطن چھوڑنے پر مجبور کیا اور انصارِ مدینہ کی دعوت پر آپ مدینہ منورہ تشریف لے آئے، یہاں آ کر بھی مشرکین مکہ نے پیچھا نہ چھوڑا اور یہ مدینہ نے اندرونی خلفشار اور دشمنی کا سلسلہ جاری رکھا۔ منافقوں کا بھی ظہور ہوا یہ لوگ ظاہری طور پر اسلام کا نام لیتے تھے اور اندر سے کاٹ کرتے تھے۔ چونکہ یہودی بہت بڑے دشمن تھے اس لئے ان سے میل محبت کا تعلق رکھنے سے منع فرمایا جس کا ذکر اوپر کی آیات میں ہو چکا اُس وقت کے موجودہ دشمن یہودی تھے (جو مدینہ میں رہتے تھے) اور مشرکین مکہ بھی دشمن تھے ان سب سے میل و محبت سے منع فرمایا اور ہمیشہ کے لئے تمام مسلمانوں کو یہ مانعت کر دی گئی۔

مشرکین مکہ اپنی دشمنی کی وجہ سے ہجرت کے دوسرے سال بہت بھاری اعداؤ میں مسلمانوں سے لڑنے کے لئے چڑھ آئے اور مقام بدر میں فیصلہ کن جنگ ہوئی سب کی نظروں کے سامنے حق و باطل کا فیصلہ ہو گیا۔ غزوہٴ بدر کا واقعہ کچھ اسی رکوع میں آنے والی آیات میں بیان فرمایا اور کچھ سورۃ آل عمران کے دوسرے رکوع میں گزر چکا اور تفصیل کے ساتھ سورۃ انفال کے پہلے اور دوسرے رکوع میں اور چھٹے اور ساتویں رکوع میں بیان فرمایا۔ ہم اس کو تفصیل سے سورۃ انفال کی تفسیر میں ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

غزوہٴ احد کے موقع پر صحابہ کرامؓ سے مشورہ..... ہجرت کے تیسرے سال غزوہٴ احد پیش آیا۔ مشرکین مکہ کو غزوہٴ بدر میں چونکہ بہت بڑی شکست ہوئی تھی جس میں تین سو تیرہ نہتے مسلمان دشمن کے تین گنا اعداؤ پر غالب آئے اور دشمن کے ستر آدمی مقتول ہوئے اور ستر کو قیدی بنا کر مدینہ منورہ لایا گیا اس لئے قریش مکہ کو بدلہ لینے کی بہت بڑی فکر تھی۔ لہذا آپس میں خوب زیادہ چندہ کیا اور قریش آپس میں مجتمع ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لئے مکہ معظمہ سے نکلے قریش مکہ اپنے اموال اور فوج اور سپاہ کو لے کر مدینہ

منورہ پہنچے تو احد پہاڑ کے قریب پڑاؤ ڈال لیا آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہؓ سے مشورہ کیا آپ کی اپنی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں رہ کر بنی مقابلہ کیا جائے باہر نہ نکلیں لیکن وہ مسلمان جو گذشتہ سال غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! ہم شہر سے باہر نکلیں گے اور احد جا کر بنی اُن سے لڑیں گے، ان حضرات کا اندازہ تھا کہ جس طرح مسلمان سال گذشتہ بدر میں دشمن کے مقابلہ میں فتح یاب ہو چکے ہیں اس مرتبہ بھی ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور غالب ہوں گے یہ حضرات برابر اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر نکلنے پر آمادہ کر لیا آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیاری فرمائی۔ زرہ و پہن لی اور خود (اوپر کی ٹوپی) اوڑھ لی آپ مشورہ کی وجہ سے آمادہ ہو گئے لیکن ہتھیار پہننے سے پہلے آپؐ نے فرمادیا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں ایک مضبوط زرہ کے اندر ہوں جس کی تعبیر میں نے یہ دی کہ اس سے مدینہ منورہ مراد ہے اور میں نے ایک خواب میں دیکھا کہ میری تلوار کچھ کند ہو گئی اس کی تعبیر میں نے یہ دی کہ تمہارے اندر کچھ شکستگی ہوگی اور میں نے یہ خواب دیکھا کہ ایک ہیل کو ذبح کیا جا رہا ہے اور وہ بھاگ رہا ہے۔ مطلب اس خواب کے بیان کرنے کا یہ تھا کہ مدینہ منورہ بھی کے اندر رہنا چاہیے اور یہ کہ جنگ ہونے کی صورت میں مسلمانوں میں شکستگی ہوگی۔ بعد میں بعض لوگوں نے مشورہ دیا کہ ہماری تاریخ یہ ہے کہ جب کبھی اندر رہتے ہوئے جنگ لڑی ہے تو ہم کامیاب ہوئے ہیں اور جب کبھی باہر نکل کر جنگ کی ہے تو دشمن فتح یاب ہوا ہے۔ لہذا رائے یہ ہے کہ مدینہ منورہ کے اندر ہی رہیں باہر نہ نکلیں جن حضرات نے خوب جماؤ کے ساتھ باہر نکلنے کا مشورہ دیا تھا بعد میں ان کو بھی ندامت ہوئی جب آپ کی خدمت میں دوسرا مشورہ پیش کیا اور عرض کیا کہ آپ کی جیسی رائے ہو آپ اسی پر عمل فرمائیں تو آپؐ نے فرمایا کسی نبی کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ سامان جنگ سے آراستہ ہو جائے اور دشمن کی طرف نکلنے کا حکم دیدے تو وہ قتال کے بغیر واپس ہو جائے، میں نے تم کو پہلے اس امر کی دعوت دی تھی کہ مدینہ ہی میں رہیں لیکن تم لوگوں نے نہیں مانا پس اب اللہ کا تقویٰ اختیار کر دو دشمن سے مذہم بھڑے ہو جائے تو جماؤ کے ساتھ جنگ کرنا اور اللہ نے جو حکم دیا ہے اس پر عمل کرو۔

اسکے بعد آنحضرت سرور عالم ﷺ مسلمانوں کو لے کر احد کی طرف تشریف لے چلے اس وقت آپ کے ساتھ ایک ہزار کی نفری تھی اور دشمن کی تعداد تین ہزار تھی۔ اُحد جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ایک جگہ قیام کیا تو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول تین سو آدمیوں کو لے کر واپس چلا گیا۔ لہذا مسلمانوں کی تعداد سات سو رہ گئی۔ عبداللہ بن ابی جب اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس ہو گیا تو انصار کے دو قبیلے بنی سلمہ اور بنی حارثہ کی نیت بھی ڈاواں ڈول ہو گئی اور ان کے اندر بھی بزدلی کا اثر ہونے لگا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو استقامت دی اور یہ بھی لشکر اسلام کے ساتھ شہر گئے اسی کو آیت بالا میں فرمایا: اِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيُّهَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (اور جب ارادہ کیا دو جماعتوں نے تم میں سے کہ بزدل ہو جائیں اور اللہ اُن کا ولی ہے اور اللہ پر بھروسہ کریں مومن بندے)۔

حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اُحد کے دامن میں پہنچ گئے اور وہاں ایک گھائی میں نزول فرمایا آپؐ نے اور آپ کے لشکر نے اُحد کی طرف پشت کر لی تاکہ احد پیچھے رہے اور دشمن سے احد کے سامنے میدان میں قتال کیا جا سکے وہیں ایک پہاڑی پر پیچاس صحابہؓ کو مقرر فرما دیا اور اُن کا امیر حضرت عبداللہ بن جُبَیرؓ کو بنادیا اور ان حضرات سے فرمایا کہ تم لوگ اسی پہاڑ پر ثابت قدم رہنا۔ فتح ہو یا شکست تم یہاں سے مت ٹلنا۔ اگر تم یہ دیکھو کہ ہم کو پرندے بھی بوٹی بوٹی کر کے لے اڑیں تب بھی اس جگہ سے نہ جانا، ان حضرات کا کام یہ تھا کہ دشمن کے لشکر کو مقررہ پہاڑی سے تیر مارتے رہیں تاکہ وہ ان کی طرف سے گزرتے ہوئے لشکر اسلام پر حملہ نہ کر دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوزر ہیں پہنچے ہوئے تھے اور جہنڈا حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ آپؐ نے اپنے

اشترقی ترتیب دی اور ان کے ٹھکانے مقرر فرمائے۔ مہینہ اور میسرہ کی تعیین فرمائی جس کو آیت بالا میں اس طرح بیان فرمایا وَاذْ غَسَوْتُ
مَنْ اَهْلَكَ تَبَوَّءَ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ (اور جب آپ اپنے گھر سے صبح کے وقت نکلے مسلمانوں کو قتال کے لئے مقامات بتا
رہے تھے)۔

جب جنگ شروع ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی اور فتح یاب فرمایا لیکن پھر یہ ہوا کہ جن پچاس افراد کو تیر اندازی کے لئے
ایک پہاڑی پر مامور فرمایا تھا انہوں نے جب فتح و ظفر دیکھی تو ان میں آپس میں اختلاف ہو گیا اور ان میں سے بعض صحابہؓ کہنے لگے کہ
اب یہاں ٹھہرنے کی ضرورت کیا ہے اب تو ہم فتح یاب ہوئی چکے لہذا اس جگہ کوچھوڑنے میں کوئی حرج نہیں اور بعض صحابہؓ نے فرمایا کہ
جو کبھی صورت بد میں جم کر رہنے کا حکم ہے، ہما عت کے امیر عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے کچھ ساتھی وہیں رہے اور اکثر
حضرات نے جگہ چھوڑ دی اور مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔ دشمن کے پاؤں اکھڑ چکے تھے اور وہ شکست کھا کر راہ فرار
اختیار کر چکا تھا لیکن جب اس نے دیکھا یہ تیر انداز پہاڑی سے اتر چکے ہیں تو پلٹ کر پھر جنگ شروع کر دی، اب صورت حال بدل گئی
اور مسلمانوں کو شکست ہو گئی۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُشْكُرُونَ ﴿١٥﴾

اور بیشک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد فرمائی۔ حالانکہ تم کمزور حالت میں تھے، پس اللہ سے ڈرو تاکہ تم شکر گزار ہو۔

إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ

جب آپ مؤمنین سے فرما رہے تھے کیا تمہیں یہ کافی نہ ہو گا کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد فرمائے

مُنْزِلِينَ ﴿١٦﴾ بَلَىٰ ۖ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّنْ فَوْرِهِمْ هَذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ

اتارے گئے ہوں۔ ہاں اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو اور دشمن تم پر فوراً آ پھینے تو اللہ تمہاری مدد فرمائے گا پانچ ہزار فرشتوں کے ذریعہ۔

آفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ﴿١٧﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُم

تین پریشان لگے ہوئے ہوں گے۔ اور اللہ نے یہ مدد صرف اس لئے کی کہ تمہارے لئے بشارت ہو اور تمہارے دل اس سے مطمئن

يَهٗ ۖ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿١٨﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا

ہوں اور مدد نہیں ہے مگر صرف اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے حکمت والا ہے۔ تاکہ کافروں میں سے ایک گروہ کو ہلاک کر دے یا ان کو

أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ ﴿١٩﴾

ذلیل کر دے تو وہ واپس ہو جائیں محرم ہو کر۔

غزوہ بدر کی فتح یابی کا تذکرہ

ابھی غزوہٴ احد کا واقعہ مکمل نہیں ہوا، ان شاء اللہ تعالیٰ آگے مزید اس کا بیان ہو گا۔ اللہ جل شانہ نے غزوہٴ احد کا واقعہ تھوڑا سا بیان فرما کر

غزوہ بدر کا تذکرہ فرمایا، غزوہ بدر میں مسلمانوں کو خوب زیادہ بڑھ چڑھ کر فتح حاصل ہوئی اور اللہ جل شانہ نے مسلمانوں کی خوب مدد فرمائی تھی یہاں اس مدد کا تذکرہ ہے۔ غزوہ بدر والی مدد احد کی حالیہ شکست کے مقابلہ میں سامنے رکھی جاتے تو وہی زیادہ معلوم ہوگی کیونکہ بدر میں ستر کا فرق ہوئے اور ستر کا فروع کو قید کر کے مدینہ منورہ لے آئے۔ اور غزوہ احد میں ستر صحابہ شہید ہوئے تھے لہذا اس فتح کے سامنے یہ شکست آؤمی رہ جاتی ہے۔ اس طرح سے غزوہ بدر کے تذکرہ میں مسلمانوں کے لئے بہت بڑی تسلی ہے۔

اِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ (الآیہ) میں فرشتوں کے نزول کے وعدہ کا تذکرہ ہے غزوہ بدر میں فرشتے آئے تھے انہوں نے جنگ میں بھی حصہ لیا اور مسلمانوں کو ہمتیں دلائیں اور ان کو ثابت قدم رکھا۔ کیا غزوہ احد میں بھی فرشتوں کا نزول ہوا تھا۔ اس بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ آیت بالا میں جو تین ہزار فرشتوں کے نزول کا تذکرہ ہے اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا کہ اس میں غزوہ بدر ہی کے فرشتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ سورہ انفال میں غزوہ بدر میں ایک ہزار فرشتوں کے نزول کا تذکرہ فرمایا ہے اور یہ سب غزوہ بدر سے متعلق ہے اول ایک ہزار پھر تین ہزار پھر پانچ ہزار فرشتوں کے نزول کا وعدہ فرمایا اور پانچ ہزار کا نزول ہوا۔

معالم التنزیل ص ۳۴۳ میں حضرت قتادہؓ کا قول اسی طرح نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ مسلمانوں نے بدر میں صبر کیا اور تقویٰ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر پانچ ہزار فرشتے نازل فرمائے۔ نیز معالم التنزیل میں ضحاک اور مکرمہ کا قول یوں نقل کیا ہے کہ جس وعدہ کا اِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ میں ذکر ہے یہ جنگ احد کے بارے میں ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے مسلمانوں سے بشرط صبر مدد کا وعدہ فرمایا تھا لیکن انہوں نے صبر نہیں کیا لہذا ان کی مدد نہیں کی گئی۔ صاحب روح المعانی اسی قول کو مستند بتاتے ہیں کہ یہ آیت جس میں پانچ ہزار فرشتوں کی آمد کا ذکر ہے۔ اس میں غزوہ بدر ہی کا ذکر ہے۔

لفظ منسوخین کا ترجمہ ”نشان لگے ہوئے“ سے کیا گیا ہے ان فرشتوں کے کیا نشان تھے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی ص ۳۶ ج ۳ بحوالہ ابن اہلق اور طبرانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ غزوہ بدر میں فرشتوں کی نشانی یہ تھی کہ وہ سفید پکڑیاں باندھے ہوئے تھے جن کے شیلے کمرہوں پر ڈالے ہوئے تھے اور غزوہ خنین میں ان کے نمائے سرخ تھے اس بارے میں اور بھی اقوال ہیں جو کتب تفسیر میں مذکور ہیں۔

مدد صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے..... پھر فرمایا اِنَّا جَعَلْنَاكَ لِلْعَالَمِينَ الْاَوَّلِ الْاٰخِرِ لَكُمْ وَلِنُظْمِنَ قُلُوْبَكُمْ بِهِ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ (اور اللہ نے یہ مدد صرف اس لئے کی کہ تمہارے لئے بشارت ہو اور تمہارے دل اس سے مطمئن ہوں اور مدد نہیں ہے مگر صرف اللہ کی طرف سے جو برہست ہے حکمت والا ہے)۔

یہ آیت تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ غزوہ بدر کے تذکرہ میں سورہ انفال کے دوسرے رکوع کے ختم پر بھی ہے۔ اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا کہ فرشتوں کے ذریعہ جو مدد کی گئی وہ اس لئے ہے کہ تمہارے دل خوش ہو جائیں اور مطمئن ہو جائیں تاکہ دشمن کی کثرت کا خوف نہ ہو۔ پھر فرمایا کہ مدد صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے جو جس کی مدد فرمائے وہی منصور اور کامیاب ہوگا اور لوگوں کی آپس کی مدد کی کوئی حیثیت نہیں۔ اللہ کی مدد کے سامنے ہر جماعت شکست خوردہ ہے اور ہر مدد بے حیثیت ہے۔ اللہ عزیز ہے یعنی غالب ہے اور حکیم بھی ہے۔ وہ حکمت کے موافق مدد فرماتا ہے اور بعض مرتبہ حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ مدد نہ کی جائے تو ایسا بھی ہو جاتا ہے جیسا کہ غزوہ احد میں ہوا۔

پھر فرمایا: وَلَيْسَ ظَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْ يَكْبِتُوْهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خٰلِيْنَ ۝ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بدر میں تم کو اس لئے غلبہ دیا کہ کافروں کے ایک گروہ کو ہلاک فرما دے یا ان میں سے بعض کو ذلیل اور خوار کر دے پھر دونا کام ہو کر اوٹ جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی

ہو ابد میں سزا کا فرما دے گئے جو اپنی جماعت کے رؤسا تھے اور سزا قید کر کے لائے گئے جو بچے تھے۔ وہ ناکام ہو کر واپس ہو گئے ان کی تعداد اور سامان نے کچھ کام نہ دیا اللہ کی مدد کی وجہ سے مسلمان غالب ہوئے حالانکہ وہ قہور سے تھے۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۴﴾ وَ لِلّٰہِ

آپ کو کچھ بھی اختیار نہیں ہے، اللہ چاہے تو ان کو توبہ کی توفیق دے یا ان کو عذاب دے کیونکہ وہ ظالم کرنے والے ہیں۔ اور اللہ ہی

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَن يَشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَآءُ ۗ وَاللّٰہُ

کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے، وہ مغفرت فرماتا ہے جس کی چاہے اور عذاب دیتا ہے جس کو چاہے، اور اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵﴾

غفور ہے رحیم ہے۔

اللہ تعالیٰ کو سب کچھ اختیار ہے

یہاں سے پھر غزوہٴ احد کے واقعہ کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔ اسباب النزول اس آیت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ غزوہٴ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کے دانت شبیدہ ہو گئے اور آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا تھا۔ چہرہ مبارک سے خون بہہ رہا تھا اور آپ فرما رہے تھے کہ وہ قوم کیسے کامیاب ہوگی جنہوں نے اپنے نبی کے چہرہ کو خون سے رنگ دیا اس حال میں کہ وہ انہیں ان کے رب کی طرف بلارہا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ (الآیۃ) نازل فرمائی (یعنی تمام امور اللہ کی طرف مفيض ہیں اور سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ آپ کو صبر کرنا چاہیئے، اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوگی تو ان کو ایمان کی توفیق دے کر ان کی توبہ قبول فرمائے گا اور اگر چاہے گا تو ان کو عذاب دے گا۔ کفر پر مرے گا، عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جو لوگ احد میں مکہ معظمہ سے لڑنے کے لئے آئے تھے ان میں سے بعض بعد میں مسلمان ہو گئے جن میں ابوسفیان بھی تھے۔ صفوان ابن امیہ بھی تھے ابوسفیان کی بیوی ہندہ بھی مسلمان ہو گئی جس نے آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کیچہ چھایا تھا اور وحشی بن حرب بھی مسلمان ہوئے جنہوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْا الرِّبَاۤ اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

اے ایمان والو! مت کھاؤ۔ سو چند ہر چند بڑھا کر اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم

تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْۤ اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَاطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ

کامیاب ہو جاؤ۔ اور ڈرو اس آگ سے جو تیار کی گئی ہے کافروں کے لئے۔ اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی تاکہ

تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَسَارِعُوْا اِلَى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ

تم پر رحم کیا جائے۔ اور جلدی آگے بڑھو مغفرت کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے اور جنت کی طرف جس کا عرض ایسا ہے جیسے تمام آسمان اور زمین،

أَعَدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٢٥﴾ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالصَّرَّاءِ وَالْكُظُمِينَ الْغَيْظِ وَالْعَافِينَ

وہ تیار کی گئی ہے متقیوں کے لئے۔ جو خرچ کرتے ہیں خوشی میں اور تکلیف میں، اور جو ضبط کرنے والے ہیں غصہ کو اور جو لوگوں کو

عَنِ النَّاسِ ۖ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٦﴾ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ

معاف کرنے والے ہیں، اور اللہ محبت فرماتا ہے اچھے کام کرنے والوں سے۔ اور وہ لوگ جنہوں نے جب کوئی برا کام کیا یا اپنی جانوں پر ظلم کیا

ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ ۖ وَمَنْ يَغْفِرِ اللَّهُ لَهُ ۖ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ

تو اللہ کو یاد کیا اور اپنے گناہوں کی مغفرت چاہی اور گناہوں کو کون بخشے گا سوائے اللہ کے اور انہوں نے اپنے کے

عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٢٧﴾ أُولَٰئِكَ جَزَاءُ وَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۖ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّتٌ تَجْرِي

پر اصرار نہیں کیا وہ جانتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا بدلہ مغفرت ہے ان کے رب کی طرف سے اور باغ ہیں جن کے

مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَمِلِينَ ﴿٢٨﴾ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ

نیچے جاری ہیں نہریں ان میں ہمیشہ رہیں گے اور اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا۔ تم سے پہلے بہت سے طریقے گزر چکے ہیں

سُنُّنٌ لَا فَيْسِرُ فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿٢٩﴾ هَٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ

لہذا تم چلو زمین میں پھر دیکھو کیا انجام ہوا جنہوں نے انکار کیا۔ یہ بیان ہے لوگوں کے لئے

وَهَٰذَا ۖ وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٣٠﴾

اور ہدایت ہے اور نصیحت ہے متقیوں کے لئے۔

سود کھانے کی ممانعت اور مغفرت خداوندی کی طرف بڑھنے میں جلدی کرنے کا حکم

ابھی غزوہٴ احد کا واقعہ پورا نہ ہو اس کا بہت سا حصہ باقی ہے۔ درمیان میں بعض گناہوں سے خصوصی طور پر بچنے کا حکم فرمایا اور تقویٰ کا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کا حکم فرمایا اور بعض طاعات کی ترغیب دی اور اہل طاعت کے اخروی بدلہ کا تذکرہ فرمایا۔ غزوہٴ احد میں مسلمانوں سے جو حکم کی خلاف ورزی ہو گئی تھی۔ جس کا ذکر آیت شریفہ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا میں فرمایا ہے یہاں عمومی طور پر گناہوں سے بچنے اور طاعت میں لگنے کا حکم فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ گناہ عمومی طور پر مصیبتوں کو لانے والے ہیں اور طاعت مصائب کو دور کرنے کا سبب ہیں اور آخرت میں مغفرت اور جنت ملنے کا ذریعہ ہیں۔ خاص کر سود لینے کی ممانعت فرمائی۔ یہ گناہ ایسا ہے جو انسان کو خالص دنیا دار بنادیتا ہے۔ سود خواروں کے دلوں میں تقویٰ اور خوف خدا باقی نہیں رہتا مال زیادہ ہو جانا ہی ان کا وظیفہ بن جاتا ہے۔ اور مخلوق پر رحم کھانے کا ان میں جذبہ رہتا ہی نہیں، یہ جو فرمایا ہے کہ چند در چند سود نہ کھاؤ اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ تھوڑا بہت سود کھانا جائز ہے۔ کیونکہ سود کا ایک درہم لینا بھی حرام ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ سود کا ایک درہم بھی کوئی شخص کھاتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ وہ سود کا ہے تو وہ چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۲۶ از احمد دار قطنی)

جو لوگ سود پر رقمیں دیتے ہیں عوامان کے اصل مال سے سود کا مال بڑھ جاتا ہے اور ان کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ماہانہ مقرر فیصد پر رقم قرض دیتے ہیں پھر جب وقت پر او انہیں ہوتا تو اصل اور سود دونوں پر سود لگا دیتے ہیں اور جب تک اصل رقم اور سود ادا نہ ہوگا ہر ماہ سود بڑھتا ہی رہے گا۔ اصل پر اور سود پر برابر سود کا اضافہ ہوتا جائے گا۔ اس طرح اضافہ مضاعفہ (چند در چند گنا) ہوتا چلا جاتا ہے۔ سود خواروں میں جو طریقہ مروج ہے آیت کریمہ میں اس کا ذکر فرمادیا ہے۔ کوئی سود خوار فاسق یہ نہ سمجھ لے کہ تھوڑا بہت سود ہوتا جائز ہے (العیاذ باللہ من ذالک) سود خوار کی خصوصیت ذکر اس جگہ غزوہ کے ذیل میں بیان فرمانا اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ سود خوار کا جہاد میں حوصلہ نہیں ہو سکتا وہ اپنے مال کی وجہ سے ایمانی تقاضے پورا کرنے سے عاجز رہے گا سود کے بارے میں جو دعیدیں حدیث شریف میں وارد ہوئیں ان کا تذکرہ آیت کریمہ اَلَّذِیْنَ یَاۡکُلُوۡنَ الرِّبَیَّ لَا یَقْوَمُوۡنَ اِلَّا کَمَا یَقُوۡمُ الَّذِیۡ یَخْبِطُ الشَّیْطٰنُ مِنَ النَّحْسِ کے ذیل میں ہو چکا ہے اور بھی معلومات متعلقہ سود وہاں لکھی جا چکی ہیں۔ (انوار البیان ص ۲۹ ج ۱)

سود سے بچنے کا حکم دینے کے بعد تقویٰ کا حکم فرمایا اور اس کو کامیابی کا سبب بتایا پھر دوزخ کی آگ سے بچنے کا حکم دیا۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ گناہوں سے پرہیز کیا جائے ہر گناہ دوزخ کی طرف کھینچنے والا ہے۔ گناہوں سے بچنا ہی دوزخ سے بچنا ہے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اَعِدَّتْ لِّلْكَافِرِیۡنَ عَذٰبًا عَنۡیَ دَوۡخِیۡ كَآفٍ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ دوزخ اصل مقام کافروں ہی کا ہے۔ مسلمانوں کو گناہوں میں مبتلا ہو کر اس مقام میں جانا نہایت شرم کی بات ہے دشمن کی جگہ تو یوں بھی نہیں جانا چاہیے چہ جائیکہ عذاب کی جگہ پہنچنے کی راہ ہموار کی جائے اور عذاب بھی معمولی نہیں بلکہ سخت درخت ہے۔ ان مؤمن خالص بندوں کی حرص کریں جو جنت ہی کے کاموں میں لگے رہتے ہیں اور جنت متقیوں کے لئے تیار کی گئی ہے جیسا کہ انہیں آیات میں مذکور ہے، تقویٰ اختیار کر کے جنت میں جائیں جو مؤمنین کا اصل مقام ہے گناہوں میں مبتلا ہو کر دوسری راہ کیوں اختیار کریں۔

پھر ارشاد فرمایا: اَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے) معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا رحم لانے والی چیز اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے۔ پھر ارشاد فرمایا: وَسَارِعُوْا اِلَیْ مَغْفِرَةٍ مِّنۡ رَبِّكُمۡ (الآیۃ) کہ اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور جنت کی طرف جلدی جلدی آگے بڑھو مسارعت اور مقابلہ کی چیز مغفرت اور جنت ہے، اعمال صالحہ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔

جنت کا طول و عرض..... ساتھ ہی جنت کی وسعت کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ عَرْضُهَا السَّمُوٰتُ وَالْاَرْضُ کہ اس جنت کا چوڑاؤ ایسا ہے جیسے تمام آسمانوں اور زمین کی وسعت ہے، انسانوں کی نظر کے سامنے چونکہ آسمان اور زمین ہی طول و عرض کے اعتبار سے سب سے بڑی چیزیں ہیں اس لئے جنت کی وسعت بتانے کے لئے تقریب الی الفہم کے طور پر یہ ارشاد فرمایا کہ جنت کی چوڑائی ایسی ہے جیسی آسمانوں اور زمین کی چوڑائی ہے۔ صاحب روح المعانی ص ۵۶ ج ۲ نے فرمایا کثابۃ عن غایۃ السعۃ بما هو فی تصور السامعین حقیقت میں جنت آسمانوں اور زمینوں سے بہت بڑی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ سب سے آخری جنتی کو جنت میں اتنی بڑی جگہ ملے گی جیسی یہ دنیا ہے اور اس جیسی دس گنی اور مزید ملے گی۔ (مشکوٰۃ الصالح ص ۴۹۲ ج ۲)

جس خالق نے آسمان و زمین پیدا فرمائے اس کی قدرت میں یہ بھی ہے کہ ان سے بڑی مخلوق پیدا فرمادے۔ لوگ آسمان پر تو پہنچے ہی نہیں زمین کے لمبے چوڑے سفر کر کے کہتے ہیں کہ ہمیں تو فلاں چیز نہیں ملی جس کا قرآن و حدیث میں ذکر ہے، اول تو اسی کی کوئی دلیل نہیں کہ ہر جگہ پہنچ چکے ہیں اور اگر زمین کو ہر جگہ ٹٹول بھی لیا تو اس زمین کے علاوہ اور چھ زمینیں ہیں اور سات آسمان ہیں ان سب کے

درمیان خلا ہے وہاں تک تو پہنچے ہی نہیں اور سورج تک پہنچنے کا تصور ہی نہیں کر سکتے پھر یہ سوال کرنا کہ جنت دوزخ کہاں ہے سرپا بے وقوفی ہے جو چیز آسمان اور زمین سے باہر ہو وہ آسمانوں میں اور زمین میں کیسے ملے گی۔

صاحب معالم المتزیل ص ۲۵۱ ج ۱ لکھتے ہیں کہ جنت کے عرض کو بیان فرمایا ہے اور معلوم ہے کہ طول عرض سے زیادہ ہوتا ہے جب اُس کا عرض اتنا بڑا ہے تو طول کتنا بڑا ہوگا، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کسی نے سوال کیا کہ جنت آسمان میں ہے یا زمین میں۔ انہوں نے فرمایا کہ کون سی زمین اور کون سا آسمان ہے جس میں جنت کے سا جانے کی گنجائش ہو؟ عرض کیا گیا پھر کہاں ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے اور عرش کے نیچے ہے حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ حضرات صحابہؓ اور تابعینؓ یہ جانتے تھے کہ جنت ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے عرش کے نیچے ہے اور دوزخ ساتوں زمینوں کے نیچے ہے۔ (انتہی بخذف)۔

متقیوں کی بعض صفات

پھر فرمایا اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ کہ جنت متقیوں کے لئے تیار کی گئی ہے اس کے بعد متقیوں کی بعض صفات بیان فرمائیں۔

اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرنا..... اول اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کا تذکرہ فرمایا کہ اَلَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالصَّرَّاءِ یہ حضرات خرچ کرتے ہیں تکلیف میں بھی اور خوشی میں بھی (اللہ کی رضا کے لئے مال خرچ کرنا بہت بڑی سعادت ہے۔ ہر حال میں خرچ کرتے رہنا چاہیے، ایک ہزار روپے میں جو ایک روپے کی حیثیت مالدار کے لئے ہے وہی حیثیت ایک روپے میں سے ایک پیسے کی غریب آدمی کیلئے ہے۔ جن کو اللہ کے لئے خرچ کرنے کا ذوق ہے وہ تنگدستی میں بھی خرچ کرتے ہیں فراخی میں بھی دکھ تکلیف میں بھی اور خوشی میں بھی اور ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنی حاجت کو روک کر دوسروں کی حاجت پوری کرتے ہیں جس کی تعریف فرماتے ہوئے سورہ حشر میں فرمایا ہے وَيُؤْتُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (کہ وہ اپنے نفسوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان کو خود حاجت ہو) فی سبیل اللہ خرچ کرنا مالداروں ہی کا حصہ نہیں غریبوں کا بھی حصہ ہے، سخاوت ایک مزاج ہے جس کا تعلق مالداروں سے نہیں جسے سخاوت کا مزاج نصیب ہو جائے وہ ہر حال میں خرچ کرتا ہے۔

غصہ پینے کی فضیلت..... دوم یہ فرمایا اَلْحَاطِمِينَ الغِطَّة کہ یہ حضرات اپنے غصے کو ضبط کرنے والے ہیں یعنی جب غصہ آتا ہے تو اس کو پی جاتے ہیں اور غصہ کے مقتضی پر عمل نہیں کرتے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پہلوان وہ نہیں ہے جو دوسرے کو پچھاڑ دے (بلکہ) پہلوان وہی ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو پالے۔ (رواہ البخاری ص ۹۰۳ ج ۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ کسی بندہ نے اللہ کے نزدیک کوئی گھونٹ اس گھونٹ سے زیادہ فضیلت والا نہیں پایا جو غصہ والا گھونٹ ہو جسے وہ اللہ کی رضا مندی کے لئے ضبط کر جائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۴ از مسند احمد) سنن ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ غصہ شیطان سے ہے اور بیشک شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ کو پانی ہی بجھاتا ہے سو تم میں سے کسی شخص کو غصہ آئے تو وضو کرے، اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اس طرح غصہ چلا جائے تو بہتر ہے ورنہ لیٹ جائے۔ (رواہ الترمذی کما فی مشکوٰۃ ص ۴۳۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنی زبان کی حفاظت کی اللہ تعالیٰ اس کی پروہ پوشی فرمائیں گے اور جس نے اپنے غصے کو روک لیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے اپنے عذاب کو روک لیں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۴)

معاف کرنے کی فضیلت..... سو میرے فرمایا: وَالْغَافِقِينَ غَنِي النَّاسِ کہ یہ لوگ لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں۔ معاف کرنا بہت فضیلت والی صفت ہے اور یہ فضیلت ہر قسم کے مظالم کے معاف کرنے کو شامل ہے کسی آدمی نے مال مار لیا ہو حق روک لیا ہو مار پیٹ کی ہو غیبت کی ہو بہتان لگایا ہو ان سب کے معاف کرنے میں اجر و ثواب ہے اور معاف کرنے کا بلند مرتبہ یہ ہے کہ قدرت ہوتے ہوئے معاف کر دے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت مہدی علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب آپ کے نزدیک آپ کے بندوں میں سب سے زیادہ باعزت کون ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو قدرت ہوتے ہوئے معاف کر دے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۳۴ از تہذیبی فی شعب الایمان)

محسنین اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں..... چہارم یوں فرمایا اللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (اور اللہ اچھے کام کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے) المُحْسِنِينَ محسن کی جمع ہے جس کا مصدر احسان ہے اور احسان ہر کام کو خوبی کے ساتھ انجام دینے کو کہا جاتا ہے۔ عبادات کا احسان تو حدیث جبریل میں بیان فرمادیا کہ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ تَكَانُكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ (کہ تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے جیسے تو اس کو دیکھ رہا ہے سو اگر تو اس کو نہیں دیکھ رہا ہے تو وہ تو تجھے دیکھ ہی رہا ہے) اور بندوں کے ساتھ برتاؤ کرنے میں احسان یہ ہے کہ ان کے ساتھ جو معاملات پیش آئیں ان میں خوبی اور عذمگی اختیار کرے۔ مثلاً قرضوں کے تقاضوں میں نرمی اختیار کرے بڑوں کی عزت کرے چھوٹوں پر رحم کرے۔ یتیموں، مسکینوں اور ضعیفوں کی خدمت کرے ضرورت مندوں کو کھلائے پلائے، پینائے اور دوسروں کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہو۔

حضرت زین العابدینؑ کا ایک واقعہ..... صاحب روح المعانی نے یہاں ایک واقعہ لکھا ہے اور وہ یہ کہ حضرت امام زین العابدینؑ کو ان کی ایک باندی وضو کر رہی تھی اُس کے ہاتھ سے لونا گر گیا جس سے اُن کا چہرہ زخمی ہو گیا انہوں نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو اس نے وَالْكَاطِمِينَ الْغَيْظَ پڑھ دیا اس پر انہوں نے کہا کہ میں نے اپنا غصہ ضبط کر لیا پھر اس نے وَالْغَافِقِينَ غَنِي النَّاسِ پڑھا آپ نے اس کو معاف کر دیا۔ پھر اس نے اللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ پڑھا اس پر انہوں نے فرمایا اچھا جا تو اللہ کے لئے آ زاہد ہے۔

توبہ و استغفار کی فضیلت..... پھر فرمایا وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ (الآیہ) اس میں ان لوگوں کی تعریف فرمائی جن سے کوئی فحش گناہ سرزد ہو جائے یا کسی بھی گناہ کے ذریعہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو استغفار کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ اس کے بعد اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتے ہیں اور اپنے گناہوں پر اصرار نہیں کرتے۔ اس میں توبہ کی ایک بڑی شرط کی طرف رہنمائی فرمائی اور وہ یہ کہ جب گناہ ہو جائے اور توبہ کرے تو توبہ میں یہ بھی شامل ہے کہ آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عہد کرے گناہ پر اصرار نہ کرے زبان سے توبہ توبہ کرے اور گناہ کے کام بھی جاری رہیں تو اس طرح سے توبہ نہیں ہوتی۔ اسی کو کسی نے کہا ہے ۔

سمیہ برکف توبہ برب دل پراز ذوق گناہ معصیت را خندہ می آید بر استغفار ما

اور حضرت رابعہ بصریہ نے فرمایا کہ اسْتَغْفَارُنَا يَخْتَارُ إِلَى اسْتِغْفَارٍ كَثِيرٍ (ذکرہ ابن الجری فی الحصن الحصین) یعنی ہمارا استغفار ایسا ہے اس کے لئے بھی استغفار کی ضرورت ہے کیونکہ وہ سچے دل سے نہیں بوتا غفلت کے ساتھ جو استغفار ہے وہ مقام بندگی کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی گناہوں کا بخشنے والا نہیں ہے..... درمیان میں فرمایا وَمَنْ يُغْفِرِ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ (کہ اللہ کے سوا وہ کوئی ہے جو گناہوں کو معاف فرمائے) اس میں جہاں مؤمن بندوں کو توجہ دلائی ہے کہ اپنے گناہوں کی بخشش کے لئے صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہوں وہاں اس میں نصاریٰ کے عقیدہ کی بھی تردید ہے کہ جو کچھ گناہ کریں گے اتوار کے دن گرجا میں جا کر اپنے پوپ سے معاف کرالیں گے، عام گناہوں کو تو وہ بغیر کسی درخداست کے معاف کر دیتا ہے اور بعض گناہ ایسے ہیں جن کے بارے میں انہوں نے یہ شرط لگا رکھی ہے کہ پوپ کے کان میں کہہ دے کہ ہم نے یہ گناہ کیا اس پر وہ معاف کر دیتا ہے۔ یہ کیسی بیہودہ بات ہے جو عقل سے بھی باہر ہے کہ انسان گناہ کرے اللہ کا اور اس کی بخشش کر دے کوئی انسان۔ نعوذ باللہ من اباطیلہم وجہلہم۔

نیک بندوں کا ثواب..... پھر نیک بندوں کی جزاء بیان فرمائی کہ اُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ مَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ (الآیۃ) یعنی ان کے اعمال کا بدلہ مغفرت ہے ان کے رب کی طرف سے اور جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اُن میں ہمیشہ رہیں گے۔ پھر اس بدلہ کی عظمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعَامِلِينَ (کیا یہی خوب بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا)

امم سابقہ سے عبرت..... پھر فرمایا قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ (الآیۃ) یعنی تم سے پہلے بہت سے طریقے گزر چکے ہیں۔ لہذا تم چلو زمین میں پھر دیکھو کیا انجام ہے جھٹانے والوں کا (مطلب یہ ہے کہ تم سے پہلی امتوں کے واقعات گزر چکے ہیں جنہوں نے اللہ کے نبیوں کو جھٹلایا اور جھٹلانے والے انجام کے اعتبار سے مغلوب اور معذب اور ہلاک ہوئے دنیا میں چل پھر کر ان کا انجام اپنی نظروں سے دیکھ لو، کتنی قومیں تھیں کہاں کہاں آباد تھیں اُن کی بربادی کے نشانات ابھی تک دنیا میں موجود ہیں جو آنکھوں والوں کو عبرت کے لئے کافی ہیں۔ (قال صاحب الروح ص ۶۵ ج ۳ ای وقائع فی الامم المکذبة اجرہا اللہ تعالیٰ حسب عادۃہ)

اگر قبیح طور پر تمہارے دشمنوں کو کسی طرح کی ظاہری فتح حاصل ہوگی تو اس سے گھبراؤ نہیں اللہ تعالیٰ تمہیں پھر فتح یابی سے سرفراز فرمائے گا۔ (قال فی معالم التنزیل ص ۳۵۳ ج ۱ بقول اللہ عزوجل وانا امہلہم واستدرجہم حتی یبلغ اجلی الذی اجلت فی نصرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واولیاءہ واهلک عدائہ) (معالم التنزیل میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں: میں انہیں مہلت اور ڈھیل دے رہا ہوں تاکہ میرا وہ مقرر کردہ وقت آجائے جو میں نے حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے صحابہ کی مدد اور آپ کے دشمنوں کی ہلاکت کے لئے مقرر کیا ہے)

آخر میں فرمایا هَذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ (الآیۃ) (کہ یہ لوگوں کے لئے بیان ہے اور ہدایت ہے اور نصیحت ہے تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لئے) یعنی جو کچھ اوپر بیان ہوا۔ یہ واضح بیان ہے لوگوں کے لئے لوگوں کے عموم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو جنگ کرنے کے لئے آئے تھے اور عام مکذبین بھی، آخر میں وھدی و موعظۃ للمتقین فرمایا کہ اہل تقویٰ ہی واقعی طور پر ہدایت اور عبرت اور نصیحت حاصل کرتے ہیں (قال صاحب روح المعانی ص ۶۶ ج ۳ والمراد بیان لجميع الناس لكن المنفع به المتقون لانهم یستدلون به وینشعون بوعظہ)۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں: مراد یہ ہے کہ بیان تو تمام انسانیت کے لئے ہے لیکن اس سے نفع متقی اٹھاتے ہیں کیونکہ وہی اس سے راہنمائی لیتے ہیں اور اس کی نصیحت سے نفع مند ہوتے ہیں)

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۲۴﴾

اور ہمت نہ ہارو اور غمگین نہ ہو اور تم ہی بلند ہو گے اگر تم مؤمن ہو۔

تم ہی بلند ہو گے اگر مؤمن ہو

اسباب النزول ص ۱۲۰ میں علامہ واحدی حضرت ابن عباسؓ سے نقل فرماتے ہیں کہ جب غزوہٴ احد میں صحابہ کو شکست ہو گئی تو خالد بن ولید (جو اس وقت مشرکین کے لشکر میں تھے) مشرکین کے لشکر کو لے کر آگے بڑھے ارادہ یہ تھا کہ پہاڑ کے اوپر سے چڑھ کر پھر حملہ کرو یا جائے۔ آنحضرتؐ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر یوں وعاد کی۔ اَللّٰہُمْ لَا یَغْلُوْا عَلَیْنَا اَللّٰہُمْ لَا قُوَّةَ لَنَا اِلَّا بِاللّٰہِ اَللّٰہُمْ لَیْسَ یَغْلِبُکَ بِہِذِہِ الْبَلَدَۃِ غَیْرُ ہٰؤُلَاءِ النَّفَرِ (اے اللہ! یہ ہم پر بلند نہ ہو جائیں اے اللہ! ہمارے پاس کوئی قوت نہیں سوائے آپ کی قوت کے اس شہر میں ان چند آدمیوں کے علاوہ آپ کی عبادت کرنے والے کوئی نہیں ہے) اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں اور چند مسلمان جو تیر انداز تھے پہاڑ پر چڑھ گئے جنہوں نے مشرکین کی گھوڑے سوار جماعت کو تیروں کا نشانہ بنایا جس سے وہ شکست خوردہ ہو کر واپس چلے گئے۔ مسلمانوں کی ہمت ٹوٹی ہوئی تھی پھر بھی انہوں نے ہمت کر لی اور دشمن کو تیروں کی بوچھاڑ سے مار بھگایا۔

اِنْ یَّمْسَسْکُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُہٗ ۚ وَتِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُہَا بَیْنَ النَّاسِ ۚ

اگر تم کو زخم پہنچ گیا تو تمہاری مقابل قوم کو اس جیسا زخم پہنچ چکا ہے اور یہ دن ہیں جنہیں ہم باری باری بدلتے رہتے ہیں لوگوں کے درمیان

وَلِیَعْلَمَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَتَّخِذَ مِنْکُمْ شَہَدَآءَ ۚ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ۝ وَلِیُمَحِّصَ

اور تاکہ اللہ جان لے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور بتائے تم میں سے شہادت پانے والے۔ اور اللہ پسند نہیں فرماتا ظالموں کو اور تاکہ پاک

اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَمَحَقَ الْکٰفِرِیْنَ ۝ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ ۚ وَلَآ یَعْلَمُ اللّٰہُ

صاف کرتے ایمان والوں کو اور مٹا دے کافروں کو۔ کیا تم نے یہ خیال کیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی معلوم نہیں کیا اللہ نے ان

الَّذِیْنَ جَہَدُوْا مِنْکُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ وَلَقَدْ کُنْتُمْ تَمَتُّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ

لوگوں کو جو جہاد کرنے والے تم میں سے اور تاکہ وہ جان لے ثابت قدم رہنے والوں کو۔ اور اس میں شک نہیں کہ تم لوگ موت سے مانتے آئے۔ پچھلے

قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْہُ ۚ فَقَدْ رَآیْتُمْوْہُ ۚ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝

اس کی آرزو کرتے تھے۔ اب تم نے موت کو دیکھ لیا اس حال میں کہ وہ آنکھوں کے سامنے ہے۔

مسلمانوں کو تسلی

ان آیات میں اول تو مسلمانوں کو تسلی دی اور فرمایا کہ اگر تمہیں زخم پہنچا ہے تو اس سے پہلے تمہارے دشمنوں کو بھی اس جیسا زخم پہنچ چکا ہے (کہ بدر میں ان کے بھی ستر آدمی مارے جا چکے ہیں) پھر یہ بیان فرمایا کہ ہم اہل زمانہ کا حال یکساں نہیں رکھتے یہ ایام باری باری سے بدلتے رہتے ہیں کبھی کسی کا پلہ بھاری ہو جاتا ہے اور کبھی اس کے مقابل دشمن کو غلبہ ہو جاتا ہے۔ اسی معمول کے مطابق پچھلے سال تمہارے دشمن مغلوب ہو گئے اور اس سال انہوں نے غلبہ پایا اور تم کو ہزیمت کا منہ دیکھنا پڑا۔

واقعہ اُحد کی حکمتیں..... اس کے بعد واقعہ اُحد کی بعض حکمتیں بیان فرمائیں۔ پہلی حکمت: اُن میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ وہ جان لے کہ ایمان والے کون ہیں، اور بچہ اس کی یہ ہے کہ مصیبت کے وقت امتحان ہو جاتا ہے اور مخلص اور غیر مخلص کی پہچان ہو جاتی ہے، چنانچہ منافقین وہ معرکہ پیش آنے سے پہلے ہی واپس ہو گئے اور جو اہل ایمان تھے شکست کھا کر بھی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے (اللہ تعالیٰ کو علم تو ہر بات اور ہر واقعہ کا پہلے ہی سے ہے لیکن ایک علم وہ ہے جو قبل الوقوع ہے اور ایک علم وہ ہے جو بعد الوقوع ہے اس قسم کے مواقع میں وہ علم مراد ہوتا ہے جو بعد الوقوع ہو کیونکہ یہ علم ہونا کہ اب یہ واقعہ چکا یہ وقوع کے بعد ہی ہو سکتا ہے اس کو خوب سمجھ لیں)۔ دوسری حکمت: یہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کو تم میں سے شہید بنانا منظور تھا، شہادت بہت بڑی نعمت ہے اور اس کی قیمت اور عظمت وہی جانتے ہیں جن کا قرآن وحدیث پر ایمان ہے۔

تیسری حکمت: یہ بیان فرمائی کہ اللہ کو یہ منظور تھا کہ ایمان والوں کو پاک و صاف کر دے، کیونکہ مصیبت پر صبر کرنے اور تکلیفیں جھیلنے سے اخلاق اور اعمال کا تصفیہ ہو جاتا ہے۔

چوتھی حکمت: یہ بیان فرمائی کہ اللہ کو یہ منظور تھا کہ کافروں کو مٹا دے وہ اس مرتبہ غالب ہوئے تو آئندہ بھی اسی گمان سے چڑھ کر آئیں گے کہ ہمیں غلبہ، وگا اور مسلمانوں کے مقابلہ میں آ کر ہلاک ہوں گے۔

صاحب روح المعانی ص ۱۰ ع ۳ فرماتے ہیں کہ یہاں کسافروں سے دو لوگ مراد ہیں جو اُحد کے موقع پر جنگ کرنے کے لئے آئے پھر کفر پر مصر رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن سب کو ختم کر دیا اور ہلاک فرمادیا۔ پھر فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کافر جب کبھی غالب ہو جاتے ہیں تو شیطان ان کو دہرائتا ہے اور ان کے دلوں میں یہ بات ڈالتا ہے کہ برابر کفر پر مصر رہیں پھر اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک فرماتا ہے اور ہمیشہ کے لئے وہ عذاب نار میں داخل ہو جاتے ہیں۔

کیا جنت میں بغیر جہاد اور صبر کے داخل ہو جاؤ گے؟..... پھر ارشاد فرمایا اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ (الایہ) (کیا تم نے یہ خیال کیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کا علم نہ ہو جنہوں نے جہاد کیا اور اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو نہ جان لے جو صبر کرنے والے ہیں) مطلب یہ ہے کہ تم جنت کے طلب گار ہو جنت حاصل کرنے کے لئے محنت، مشقت، جہاد اور صبر کی ضرورت ہوتی ہے جنت میں جانے کی آرزو رکھنے والوں کو ان سب چیزوں کے لئے تیار رہنا چاہیے اور حسب موقع ان چیزوں میں اپنی جانوں کو لگا دینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی کہ وہ تم کو تکالیف میں مبتلا کرے پھر وہ تمہاری جہاد والی محنت کو اور صبر کو ان کے وقوع کے بعد جان لے کہ تم نے واقعی جہاد کیا اور صبر سے کام لیا۔

شہادت کی آرزو کرنے والوں سے خطاب..... آخر میں فرمایا وَلَقَدْ كُنتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْفُوْهُ فَفَدُوْا اَنْفُسَكُمْ وَانْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (اور اس میں شک نہیں کہ تم لوگ موت کے سامنے آنے سے پہلے اس کی آرزو کرتے تھے سو اب تم نے موت کو دیکھ لیا اس حال میں کہ وہ آنکھوں کے سامنے ہے) اس میں اُن حضرات صحابہؓ سے خطاب ہے جو غزوہ بدر میں شریک ہونے سے رہ گئے تھے۔ بدر میں جنگ کی صورت پیش آ جائے گی یہ بات اُن کے ذہن میں نہ تھی اس لئے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تھے جب وہاں معرکہ پیش آیا اور اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت نازل ہوئی جس میں بعض صحابہؓ شہید بھی ہوئے تو یہ پیچھے رہ جانے والے شریک نہ ہونے پر نادم ہوئے یہ حضرات جنگ کی آرزو کرنے لگے اور کہنے لگے کہ کاش ہم بھی اُن حضرات کے ساتھ مقتول ہو جاتے جو بدر میں مقتول ہوئے اور ہم بھی شہادت کا درجہ پالیتے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے غزوہ اُحد میں شرکت کا موقع دیا اور مسلمانوں کی فتح کے بعد

صورت حال پلٹ گئی اور مشرکین بھاگنے کے بعد اُلت کر واپس آ کر حملہ آور ہوئے جس سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تو ان لوگوں نے بھی ثابت قدمی کا ثبوت نہ دیا جو شہادت کے پیش نظر غزوہ میں شریک ہوئے تھے۔ (روح المعانی ص ۱۷ ج ۴)

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۖ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَأَيْنِ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ

اور محمد صرف رسول ہیں، ان سے پہلے رسول گزر چکے ہیں، تو کیا ان کو موت آ جائے یا قتل ہو جائیں تو تم

اِنْقَلَبْتُمْ ۚ وَاسْ يَنْقَلِبُ عَلٰی عَرْسِيْهِ لَنْ يَّعْمُرَ اللّٰهُ سَيًّا ۚ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝۱۰

اُن کے پاؤں پلٹ جاؤ گے؟ اور جو شخص اُن کے پاؤں پھر جائے تو وہ اللہ کو کچھ بھی نقصان نہ دے گا، اور اللہ عنقریب شکر گزاروں

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّوَجَّلًا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا

کو تو آپ نہ دے گا، اور کسی جان کو موت نہیں آ سکتی مگر اللہ کے حکم سے اس طرح پر کہ اُس کا وقت مقرر کیا ہو، اور جو شخص دنیا کے بدلہ کا ارادہ کرے گا ہم اس میں سے

نُؤْتِيْهِ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُوْبِهِ مِنْهَا ۚ وَبَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ۝۱۱

اس کو دے دیں گے اور جو شخص آخرت کے ثواب کا ارادہ کرے گا ہم اس میں سے اُسے دے دیں گے اور عنقریب ہم شکر گزاروں کو جزا دیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر پر پریشان ہونے والوں کو تنبیہ

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ حضرات صحابہ کو ابتداً غزوہ اُحد میں فتح حاصل ہوگئی لیکن جب فتح یابی دیکھ کر ان تیر انداز حضرات نے اپنی جگہ چھوڑ دی جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پہاڑی پر مقرر فرما دیا تھا تو مشرکین نے واپس ہو کر حملہ کیا اور ستر مسلمان شہید ہو گئے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ بھی تھے اور وہ حضرات بھی جو پہاڑی پر استقامت کے ساتھ جئے رہے۔ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس موقعہ میں تکلیف پہنچی آپؐ کے دندان مبارک میں ایک پتھر آ کر لگا جس سے سامنے کے بعض دندان مبارک شہید ہو گئے اور چہرہ مبارک زخمی ہو گیا۔ اسی موقع پر ایک مشرک نے آپؐ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا حضرت مصعب بن عمیرؓ وہاں موجود تھے جن کے ہاتھ میں جھنڈا تھا انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا لیکن خود شہید ہو گئے دشمن نے یہ سمجھا کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے تو اس نے پکار کر کہا میں نے محمد (ﷺ) کو شہید کر دیا اور بعض اصحاب سیر لکھتے ہیں کہ ابلیس نے یہ اعلان کیا۔ یہ آواز سن کر مسلمانوں میں کھلبلی مچ گئی اور! دھڑ دھڑ منتشر ہو گئے اس موقعہ پر بعض منافقین نے یوں کہا کہ محمد تو مقتول ہو گئے (صلی اللہ علیہ وسلم) لہذا اب اپنے پہلے دین کو اختیار کر لو۔ منافقین تو پہلے ہی دین اسلام پر نہ تھے ظاہری طور پر اپنے کو مسلمان کہتے تھے اب جب ایسا موقعہ آ گیا تو خاص مسلمانوں کو بھی دین اسلام سے پھر جانے کی دعوت دینے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارنا شروع کیا۔ اِلٰہی عِبَادَ اللّٰہ (کدے اللہ کے بند میری طرف آؤ) چنانچہ تمیں آ دی آپ کے آس پاس جمع ہو گئے اور انہوں نے آپؐ کی حفاظت کی حتیٰ کہ مشرکین کو دفع کر دیا۔ اس موقعہ پر بعض صحابہؓ نے بہت ہی دلیری سے کام کیا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اتنی تیر اندازی کی کہ اُن کی کمان کا ایک حصہ مڑ گیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے دست مبارک سے ان کو تیر دیتے رہے اور فرماتے رہے کہ اے سعد تیر بھینک تو تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں، اس موقعہ پر حضرت طلحہؓ

نے اپنے ہاتھوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بچایا ان کا ایک ہاتھ تیر لگنے سے بالکل بیکار ہو گیا۔ حضرت قتادہ کی آنکھ حلقے سے نکل کر ان کے رخسار پر گر پڑی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھ کو دوبارہ حلقے میں لگا دیا وہ پہلے سے بھی اور زیادہ اچھی ہو گئی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی اور صحابہؓ جمع ہونے شروع ہوئے تو سب سے پہلے آپ کو حضرت کعب بن مالکؓ نے پہچانا ان کی نظر آپ کی مبارک آنکھوں پر پڑ گئی دیکھا کہ آپ کی مبارک آنکھیں خود کے نیچے سے پوری آب و تاب کے ساتھ روشن ہیں۔ انہوں نے بلند آواز سے پکارا کہ خوشخبری سن اے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ آپ نے خاموش رہنے کو فرمایا (شاید اس میں یہ مصلحت ہو کہ دشمن ارادہ بدل کر واپس نہ آ جائے) حضرت کعب کی آواز سن کر صحابہؓ کی ایک جماعت آپ کے پاس پہنچ گئی آپ نے ان کو ملامت کی کہ تم لوگوں نے راہ فرار اختیار کی وہ کہنے لگے یا رسول اللہ! ہمارے باپ دادا اور بیٹے آپ پر قربان ہوں ہم نے جو خبر سنی تھی کہ آپ شہید کر دیئے گئے اس سے ہمارے دلوں پر رعب چھا گیا اور ہم بھاگ نکلے اس پر آیت وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ (الآیۃ) نازل ہوئی۔

جب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر آوازی گئی تو حضرت انس ابن نضرؓ نے صحابہؓ سے کہا کہ آپ لوگ کیوں بیٹھے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے۔ اب ہم کیا کریں انہوں نے کہا اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہ کر ہی کیا کر دے؟ قوموا فموتوا علی ما مات علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو جاؤ اور اسی دین پر مر جاؤ جس دین پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان دے دی اس کے بعد انہوں نے دشمن کی طرف رخ کیا اور جنگ کرتے کرتے شہید ہو گئے۔ حضرت ثابت بن صداحؓ نے بھی حضرات صحابہؓ سے اسی قسم کا خطاب کیا اور فرمایا ان کما ن مُحَمَّدٌ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمُ فُذِّقَ قَبْلَ اللہِ اَحْسٰی لَا یَسْمُوْتُ فَقَاتِلُوْا غَیْرَ دِیْنِکُمْ فَاِنَّ اللہَ مُطَهِّرُکُمْ وَ نَاصِرُکُمْ (یعنی اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے تو اللہ تو ہمیشہ زندہ ہے اسے موت نہیں آئے گی لہذا اپنے دین کی طرف سے لڑائی لڑو اللہ تمہیں پاک صاف فرمائے گا اور تمہاری مدد فرمائے گا) کچھ انصاری ان کے کہنے سے جمع ہو گئے اور انہوں نے لڑنا شروع کر دیا حتیٰ کہ خالد بن ولیدؓ نے نیزہ مار کر ان کو شہید کر دیا۔ اس سلسلے کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ایک مہاجر صحابی کا ایک انصاری پر گزر ہوا جو اپنے خون میں لت پت پڑے ہوئے تھے۔ مہاجر صحابی نے ان سے کہا کیا تمہیں پتہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے اس انصاری نے اسی حالت میں جواب دیا اگر وہ شہید ہو گئے تو انہوں نے رسالت کا کام پورا کر دیا (اب ہمارا کام باقی ہے) لہذا اپنے دین کی طرف سے قتال کرو حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی اسی طرح کا ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تلاش میں بھیجا اور فرمایا کہ ان کو کہیں دیکھ لو تو میرا سلام کہنا۔ حضرت زید بن ثابتؓ ان کو مقتولین میں تلاش کر رہے تھے تو دیکھا کہ ان میں زندگی کے دو چار سانس رہ گئے ہیں اور ستر زخم ان کے جسم میں آچکے ہیں۔ حضرت زید نے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا دیا اور ان سے کہا کہ آپ نے دریافت فرمایا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اللہ کے رسول پر سلام اور تم پر سلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دینا کہ جنت کی خوشبو پار ہا ہوں اور میری قوم انصار سے کہنا کہ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک دشمن پہنچ گئے اور تم میں سے ایک آنکھ بھی دیکھتی رہی (یعنی تم میں سے کوئی بھی زندہ رہ گیا) تو تمہارے لئے اللہ کے نزدیک کوئی عذر نہ ہوگا۔ یہ کہا اور ان کی روح پرواز کر گئی۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر آئی جس سے مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے تو اس وقت ابو سفیانؓ نے (جو اس وقت مشرکین کے لشکر کا قائد تھا) پہاڑ کے نیچے والے حصے سے آواز دی اَعْلٰی خُبْل (ہبل مشرکین کا ایک بُت تھا) مذکورہ الفاظ میں اس کا

نعرہ لگایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا ہم اس کا جواب نہ دیں آپؐ نے فرمایا ہاں جواب دو اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو سفیان کے جواب میں یہ نعرہ لگایا کہ اللہ اَعْلٰی وَ اَجَل (کہ اللہ سب سے بالا اور برتر ہے اور بزرگ تر ہے) پھر ابو سفیان نے کہا لِنَا الْغَوْیْ وَلَا غَوْیْ لِنَحْمِ (کہ ہمارے لئے غزوی ہے اور تمہارے لئے غزی نہیں) غزوی بھی ان لوگوں کا بت تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا یوں جواب دو اللہ فَوْلَانَا وَلَا فَوْلَیْ لِنَحْمِ (اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں) چنانچہ یہ جواب دے دیا گیا۔

پھر ابو سفیان نے پوچھا کہ فلاں فلاں کہاں ہیں۔ اس کا یہ سوال حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بارے میں تھا۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں فرمایا یہ رسول اللہ ہیں اور یہ ابو بکرؓ ہیں اور میں بھی موجود ہوں۔ ابو سفیان نے کہا کہ یہ بدر کے دن کا بدلہ ہے اور یہ بھی کہا کہ دن بدلتے رہتے ہیں کبھی کسی کی فتح ہوتی ہے اور کبھی کسی کی ہزائی برابر برابر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ برابر نہیں ہے ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور تمہارے مقتولین دوزخ میں ہیں۔ ابو سفیان نے کہا کہ اگر تم یہ عقیدہ رکھتے ہو تو ہم تو بالکل ہی برباد ہیں۔

اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارہ افراد رہ گئے تھے (بعد میں دیگر افراد بھی حاضر ہو گئے تھے) ان کے علاوہ جو صحابہؓ تھے ان میں سے کچھ لوگ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے اور کچھ پہاڑی پر چڑھ گئے آپ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت حارث بن صمدؓ اور دیگر چند صحابہؓ تھے۔ (رضی اللہ عنہم) آپ ان حضرات کے ساتھ گھائی کی طرف روانہ ہو گئے جہاں جنگ سے پہلے قیام تھا۔

مشرک ابی بن خلف کا قتل..... جب آپ گھائی میں ٹیک لگا کر بیٹھ گئے تو ابی بن خلف مشرک نے آپ کو دیکھ لیا اور کہا کہ میں محمدؐ (ﷺ) کو قتل کر دوں گا۔ یہ بات وہ پہلے سے کہا کرتا تھا جب مکہ مکرمہ میں تھا۔ آپ نے فرمایا میں تجھے قتل کر دوں گا۔ یہ شخص پوری طرح اوبے کے ہتھیاروں سے مسلح تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی ہنسی نظر آ گئی آپ نے اس کو ایک نیزہ مار دیا جس کی وجہ سے وہ گھوڑے سے گر پڑا آپ کا نیزہ لگنے سے اسے بظاہر معمولی سی خراش آ گئی تھی لیکن وہ گائے کی طرح آوازیں نکال رہا تھا۔ اس کے ساتھی اٹھا کر لے گئے اور کہنے لگے تو اتنا کیوں چیختا ہے ذرا سی ہی تو خراش آئی ہے، وہ کہنے لگا کہ مر کر رہوں گا کیونکہ محمدؐ (ﷺ) نے کہا تھا کہ میں ابی کو قتل کر دوں گا۔ پھر کہنے لگا کہ یہ تکلیف جو مجھے ہو رہی ہے اگر سب اہل جہاد کو ہو جائے تو سب مرجائیں واپس، وتے ہوئے رانغ میں مر گیا اور جہنم رسید ہوا۔ (صحیح بخاری، تفسیر روح المعانی، تفسیر ابن کثیر)

سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے پورے غزوات میں یہی ایک شخص مقتول ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب میں وہ شخص مبتلا ہوگا جس نے کسی نبی کو قتل کیا ہو یا جس کو کسی نبی نے قتل کیا ہو یا جس نے والدین میں سے کسی کو قتل کیا ہو اور تصویر بنانے والوں کو بھی سب سے زیادہ سخت عذاب ہوگا اور اس عالم کو بھی سب سے زیادہ سخت عذاب ہوگا جس نے اپنے علم سے نفع حاصل نہ کیا ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۸)

آیت بالا میں اللہ جل شانہ نے ارشاد یہ فرمایا کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے عہدہ اور مرتبہ کے اعتبار سے رسول ہی تو ہیں۔ تم نے یہ کیسے اپنے پاس سے تجویز کر لیا کہ ان کو موت نہیں آئے گی۔ یہ تو خالق کائنات جل مجدہ کی شان ہے کہ وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ پھر مسلمانوں کو سرنش فرمائی کہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف بلانے والے تھے۔ معبود نہیں تھے۔ معبود تو اللہ تعالیٰ

کی ذات ہے۔ اپنی دعوت کا کام کر کے شرک چھڑا کر اور تم کو توحید پر لگا کر اور اللہ کی عبادت کی تعلیم دے کر اگر اپنی طبعی موت سے اس دنیا سے تشریف لے گئے یا مقتول ہو گئے تو کیا تم اپنے پچھلے پاؤں پلٹ جاؤ گے کیا دین حق کو چھوڑ کر پھر دین باطل کو اختیار کر لو گے۔ دین تو اللہ کا بھیجا ہوا ہے جس کا دین ہے وہ تو ہمیشہ زندہ ہے۔ ہمیشہ اسی کی عبادت کرتے رہو۔ ان باتوں اور ان وسوسوں کا کیا مقام ہے جو اس وقت تمہارے نفوس میں ہیں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا خطاب..... غزوہ اُحد کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ مقتول ہوئے تھے نہ آپؐ کو موت طبعی طاری ہوئی تھی لیکن جس دن آپؐ کو واقعی موت آئی تھی۔ اُس دن حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو بہت زیادہ حیرانی پریشانی ہوئی۔ حضرت عمرؓ جیسے جری اور سمجھدار شخص بھی کہنے لگے کہ اللہ کی قسم آپؐ کو موت نہیں آئی آپؐ تو اپنے رب سے ملاقات کرنے کے لئے تشریف لے گئے ہیں جیسے حضرت موسیٰؑ چالیس رات کے لیے اپنے رب کی ملاقات کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ پھر واپس آ گئے۔ اسی طرح آنحضرتؐ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی واپس تشریف لے آئیں گے جو لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موت آگئی اُن کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے جائیں گے۔ یہ باتیں بدوری تھیں کہ حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے اور انہوں نے فرمایا کہ اے فرماؤ شاہد و خاموش ہو جاؤ اس کے بعد انہوں نے اللہ جل شانہ کی حمد و ثناء بیان کی پھر فرمایا کہ اے لوگو! تم میں سے جو کوئی شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو وہ سمجھ لے کہ اُن کو موت آچکی ہے اور جو کوئی شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے زندہ ہے ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اس کو موت نہیں آئے گی۔ اس کے بعد انہوں نے آیت بِالْاَوْفَا مَحْمُودِ اِلَّا رَسُوْلُ (آخر تک) تلاوت فرمائی۔ حضرات صحابہؓ اور حضرت عمرؓ کے ذہنوں میں اس وقت یہ آیت نہ تھی۔ گویا کہ انہیں اس کا علم ہی نہ تھا۔ آیات شریفہؓ کن کر سب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا یقین ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے بھی فرمایا کہ جب میں نے یہ آیت سن لی تو میں نے بھی جان لیا کہ واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو موت آگئی ہے۔ (الہدایہ النبیاء)

آیت شریفہؓ میں اس سرزنش کے بعد کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو جائیں یا مقتول ہو جائیں تو کیا تم پچھلے پاؤں پلٹ جاؤ گے۔ یوں فرمایا مَنْ يَنْفَلِبْ عَلٰی غَيْبِهِ فَلَنْ يَنْصُرَ اللّٰهُ شَيْئًا کہ جو شخص پچھلے پاؤں پلٹ جائے اور دین حق کو چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ کو کچھ بھی نقصان نہ دے گا۔ اس میں یہ ارشاد فرمایا کہ جو کوئی شخص دین حق پر ہے یعنی دین اسلام قبول کئے ہوئے ہے۔ وہ ہرگز یہ نہ سمجھے کہ میرے ایمان و اسلام سے اور میری عبادت سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نفع ہے اگر میں اس دین کو چھوڑ دوں اور اللہ کی عبادت نہ کروں تو اللہ کا کوئی نقصان ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس بات سے برتر اور بالا ہے کہ اُسے کوئی فائدہ یا نقصان پہنچے۔ البتہ جو کوئی شخص موحدمؤمن مسلم ہے۔ اللہ کی عبادت کرتا ہے اللہ تعالیٰ شانہ اس کو اس کے ایمان کی اور اعمال صالحہ کی جزا دے گا۔ ایمان اور اعمال صالحہ میں خود مؤمنین کا اپنا نفع ہے۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ الشاکرین سے الشابین علیٰ دین الاسلام مراو ہیں۔ اسلام پر ثابت قدمی اُسی وقت ہوتی ہے جب اس کی حقانیت کا یقین ہو۔ اور اسلام پر عاقبت رہنا شکر ہے اور اس دین کو چھوڑ دینا کفرانِ نعمت ہے (اور بہت بڑا کفران وہ ہے جو کفر کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے)

ہر شخص کو اجل مقرر پر موت آئے گی..... پھر فرمایا مَا وَهَّكَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كَيْفَا مَوْجَلًا (الآیت) (یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی جان اللہ کے حکم کے بغیر مر جائے) یعنی جس کو بھی موت آنے لگی اللہ کے حکم سے آئے گی اور اجل مقرر کے مطابق آ جائے گی جس کی جو اجل یعنی موت کا وقت مقرر ہے اس سے پہلے موت نہیں آ سکتی۔ اور اس وقت سے ٹل بھی نہیں سکتی جو اس کے لئے مقرر ہے۔

صاحب روح المعانی ص ۵۷ ج ۴ فرماتے ہیں کہ اس میں جہاد کی ترغیب ہے اور قتل کے ذریعے جہاد کو چھوڑ دینے پر ملامت کی گئی ہے۔ پھر فرماتے ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی جو خبر سنی اس میں استبعاد کی کوئی بات نہیں۔ ان کو بھی اللہ کے حکم سے موت آئے گی۔ جیسا کہ سب جانوں کو موت آنا ہے۔ اگر ان کی موت ہو ہی گئی جو اللہ کے حکم سے ہے تو ان کے دین کو چھوڑنے کا کیا جواز ہے۔

پھر ارشاد فرمایا وَمَنْ يُزِدْ تَوَابَ الدِّينِ نُؤْتِهِ مِنْهَا (الآیۃ) کہ جو شخص اپنے عمل سے دنیا کا بدلہ چاہے گا۔ مثلاً جہاد سے مالِ نِیْمَت کا طالب ہو تو ہم اس میں سے اُسے دے دیں گے۔ (مگر ضروری نہیں کہ دے ہی دیں) کما فی سورۃ بنی اسرائیل عَجَّلْنَا لَهُ فَبَيْنَهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ اور جو شخص آخرت کے ثواب کا ارادہ کرے گا تو ہم اُس میں سے دے دیں گے۔ پھر فرمایا وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِينَ اور غنقریب ہم شکر گزاروں کو بدلہ دیں گے۔ اس میں ان حضرات پر تعریف ہے جنہوں نے نِیْمَت کے مالوں کی طرف توجہ کر لی اور نبی اکرم ﷺ کے ارشاد میں جو مصلحت تھی اس پر غور نہ کیا اور ان حضرات کی تعریف ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے۔

دورِ حاضر کے مقررین اور اصحابِ جرائد کو تنبیہ..... اللہ جل شانہ کے افعال میں بڑی بڑی حکمتیں ہوتی ہیں۔ آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی خبر اڑ جانے سے مسلمانوں کے پریشان اور مراسیمہ ہونے میں پھر اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف سے عتاب نازل ہونے میں (کہ اگر محمد ﷺ مر جائیں یا مقتول ہو جائیں کیا تم اللہ کا دین چھوڑ دو گے اور واپس دینِ باطل کو اختیار کر لو گے)۔

ہمیشہ کے لئے سبق دے دیا گیا کہ دین اللہ جل شانہ کا ہے اسی کی عبادت کرنا وہ ہمیشہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا اور اسی آیت کو سامنے رکھ کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کی وفات کے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو خاموش کیا اور اسی سے تسلی دی اور آئندہ رہتی دنیا کے تمام مسلمانوں کو سبق دے دیا کہ کسی بھی شخصیت کی وفات پا جانے پر اگر طبعی رنج ہو تو ہو لیکن عقلی طور پر اس بات کے سمجھنے اور جاننے اور ماننے کی ضرورت ہے کہ جس خادم دین مفتی، مرشد، محدث کی وفات ہوئی ہے اس کی موت ہونا تو ضروری ہی تھا رنج کر کے اور آنسو بہا کر بیٹھ رہنا کوئی سمجھ واری کی بات نہیں جس محنت اور دعوت اور اعمال صالحہ پر انہوں نے زندگی گزاری اسی پر زندہ رہیں اور باقی زندگی گذاریں نہ عقلی طور پر رنجیدہ ہونے کی ضرورت ہے نہ جاہلانہ دہائی کا موقعہ ہے کہ ہائے اب کیا ہوگا۔ ہمارے حضرت کی وفات ہو گئی اور نہ اعمال صالحہ میں اور دعوت حق میں کچا پڑنے کی ضرورت ہے عالم برحق اور مرشد برحق نے جو کچھ کیا اسی کو کرتے رہیں، جو کیا وہ دوبارہ دنیا میں آنے والا نہیں اور یہ بات کہ آگے کیا ہوگا اس کے بارے میں سوچ لیں کہ جب یہ نہیں تھے تو دین کس طرح قائم تھا آخر ان کے بھی مشائخ تھے جن کی موت کا رونالے کر بیٹھے ہیں۔ جب دین اللہ کا ہے اور اللہ حی اور باقی ہے تو اس کے دین پر چلتے رہو آنے والے آتے رہیں گے اور جانے والے جاتے رہیں گے۔

اس سلسلے میں اصحابِ جرائد، مدیرانِ صحف و مجلات تعزیتی جلسوں کے مقررین بڑی بیباکی سے ایسے کلمے گزرتے ہیں جن سے کفر تک عامد ہو جاتا ہے کوئی کہتا ہے کہ قدرت کے سفاک ہاتھوں نے (العیاذ باللہ) اس شخص کو ہم سے ایسے موقعہ پر چھین لیا جبکہ اس کی ہم کو بہت زیادہ ضرورت تھی، کوئی لکھتا ہے کہ اب اس جیسا کوئی شخص کہاں پیدا ہوگا۔ کوئی کہتا ہے کہ حضرت، ہم کو بے سہارا چھوڑ گئے۔ یتیم کر گئے۔ (گویا کہ وہ اجل مقرر سے پہلے اور اذنِ الہی کے بغیر خود سے چلے گئے)..... (العیاذ باللہ)

آیت بالا میں اس قسم کے ماتمی کلمات کہنے والوں کا جواب ہے۔ اللہ کی قضا اور قدر پر راضی رہو اور اعمال صالحہ ادا کرتے رہو جب تک اللہ چاہے گا۔ اس کا دین دنیا میں باقی رہے گا کسی شیخ اور محدث اور مفتی اور پیر و مرشد کے مرنے جینے پر دین کی بقاء موقوف نہیں، واقعہ احد

سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سالانہ ماتم کرنے والوں کی بھی تردید ہوگئی۔ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ احد کے بعد سات سال تک اس دنیا میں تشریف فرما رہے آپ نے اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کوئی ماتم نہیں کیا اور ماتم کرنا سوائے بہانا یوں بھی زندہ قوم کو زیب ہی نہیں دیتا۔

وَكَايْنٍ مِّنْ نَّبِيِّ قُتِلَ مَعَهُ رَبِّيُونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ

اور بہت سے نبی گذرے ہیں جن کے ساتھیوں کو اللہ والوں نے جنگ کی، پھر جو تعصبات ان کو اللہ کی راہ میں پہنچیں ان کی

اللَّهُ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الضَّعِيفِينَ وَمَا كَانَ قَوْلُهُمْ إِلَّا

وہ سینہ بہت ہارے نہ کمزور پڑے اور نہ عاجز ہوئے، اور اللہ صبر کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔ اور ان کا قول اس کے سوا کچھ نہیں تھا

أَن قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبَّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا

کہ انہوں نے یوں کہا کہ اے ہمارے رب بخش دے ہمارے گناہوں کو، اور ہمارے کاموں میں حد سے آگے بڑھ جانے کو اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ اور کاموں

عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝ فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ ۝

قوم کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔ یہ اللہ نے ان کو دنیا کا بدلہ دے دیا اور آخرت کا عمدہ بدلہ دیا

وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ

اور اللہ پسند فرماتا ہے اچھے کام کرنے والوں کو۔

انبیاء سابقین علیہم السلام کے ساتھیوں کے مجاہدات اور ان کی دعا میں

دنیا میں عہد قدیم سے ایمان اور کفر کی جنگ رہی ہے۔ سیدنا حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام کی اولاد میں جب سے اہل کفر کا وجود ہوا اسی وقت سے اہل ایمان اور اہل کفر کا آپس میں۔ قتالہ اور۔ قتالہ ہوتا رہا ہے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے جو ساتھی تھے ان کو اپنے اپنے زمانہ میں کافروں سے جنگ کرنی پڑی۔ دشمن کے۔ قتالہ میں ان حضرات نے جانوں کی بازی لگائی۔ ان آیات میں ان حضرات کی تعریف فرمائی کہ انہوں نے اللہ کی راہ میں جنگ کرنے میں نہ ہمت ہاری نہ سستی دکھائی نہ دشمن کے سامنے عاجزی ظاہر کی۔ صبر و ثبات اور استقامت کے ساتھ جنگ کرتے رہے، عمل تو ان کا یہ تھا اور قول یہ تھا کہ اللہ جل شانہ سے گناہوں کی مغفرت مانگتے رہے اور اپنے کاموں میں جو کچھ اسراف ہوا یعنی حدود سے آگے بڑھ گئے اسکی بھی مغفرت طلب کی، اور کافروں کے۔ قتالہ میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہے اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں بھی بدلہ دیا یعنی فتح اور ظفر نصیب فرمائی اور آخرت میں بدلہ بھی دیا جو اچھا بدلہ ہے یعنی اللہ کی رضا اور جنت۔

امت محمدیہ کے لئے ان تمام امور میں عبرت اور طبیعت ہے کہ تم سے پہلی امتیں اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ دشمنوں کے ساتھ حم کر لڑیں وہ مصائب اور شدائد سے نہ گھبرائے۔ تمہارے ساتھ جو کچھ پیش آیا وہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اللہ والوں کو ایسی مشکلات پیش آتی ہی ہیں۔ دشمن اپنی کوششیں جاری رکھتے ہیں جنگ کرنی پڑتی ہے اپنے آدمی مقتول بھی ہوتے ہیں۔ ہر صورت حال پر قابو پانے کو

اینا وطیرہ بناؤ اور جم کر لڑو، سستی اور کمزوری نہ دکھاؤ۔ دشمن کے سامنے عاجز نہ ہو جاؤ۔

اس مہم اقلہ کی جو وعائیں نقل فرمائی ہیں کہ اے اللہ ہمارے گناہوں کی مغفرت فرما اور ہمارے حد سے آگے بڑھ جانے کو معاف فرما اور کافروں کے مقابلہ میں ہم کو ثابت قدمی عطا فرما۔ اس میں اس بات کی بھی تعلیم ہے کہ نیکیاں کرتے ہوئے بھی استغفار کی ضرورت ہے کیونکہ مالک الملک جل جلالہ کی شان اقدس کے لائق بندوں سے عمل ہو ہی نہیں سکتا اداۓ حق میں کوتاہی، کوتاہی رہتی ہے۔ لہذا جو حضرات جہاد میں یا کسی بھی نیک عمل میں مشغول ہوں۔ استغفار بھی ساتھ ساتھ کرتے رہیں۔ استغفار سے گناہ بھی معاف ہوں گے اور اعمال میں بھی جو کوتاہیاں ہوں گی ان کی بھی تلافی ہوگی اور بعض مرتبہ کسی نیک کام میں لگنے سے جو دوسرے نیک کام چھوٹ جاتے ہیں۔ اور اس طرح حدود سے آگے بڑھ جانے کی صورت بن جاتی ہے۔ جس کو اسراف سے تعبیر فرمایا استغفار سے اس کی بھی تلافی ہوگی۔ کافروں کے مقابلہ میں ثابت قدمی کی دعا کرنے میں اس طرف بھی اشارہ نکلتا ہے کہ اپنے آلات اور اسباب اور تعداد پر کبھی گھمنڈ نہ کریں۔ اللہ ہی سے مدد مانگیں اور اسی کی طرف متوجہ رہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا

۱۔ ایمان والو! اگر تم ان لوگوں کا کہا مانو گے جنہوں نے کفر اختیار کیا تو وہ تم کو الٹے پاؤں پھیر دیں گے جس کی وجہ سے تم

خسِرِينَ ۝ بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ ۖ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ ۝ سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا

ناکام ہو جاؤ گے۔ بلکہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے اور وہ سب مدد کرنے والوں سے بہتر ہے۔ ہم متغریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے اس وجہ سے کہ انہوں

الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَالَهُمْ يَنْزِلُ بِهِ سُلْطَانٌ ۖ وَمَا لَهُمُ النَّارُ وَيُسْ مَثْوَى الظَّالِمِينَ ۝

نے ایسی چیز کو اللہ کا شریک بنایا جس کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ عظیم کرنے والوں کا بُرا ٹھکانہ ہے۔

کافروں کی اطاعت نہ کرو

اوپر تین آیتوں کا ترجمہ مذکور ہے۔ پہلی آیت میں کافروں کی بات ماننے پر زبردستی ہے اور اس کا نتیجہ بیان فرمایا ہے کہ اگر تم کافروں کی بات مانو گے تو وہ تم کو واپس الٹے پاؤں لوٹا دیں گے۔ یعنی پھر سے دین شرک میں داخل کر لیں گے۔ اگر ایسا ہوا تو تم بڑی طرح سے ناکام ہو جاؤ گے، دنیا کی خیر اور آخرت کی سعادت دونوں سے محروم ہوگی۔ پھر دوسری آیت میں فرمایا: نَسْلُ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ کہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے اسی کی فرمانبرداری کرو اور اسی سے مدد مانو اور وہ سب مدد کرنے والوں سے بہتر ہے۔ صاحب روح المعانی ص ۸ ج ۴ لکھتے ہیں کہ الَّذِينَ كَفَرُوا سے منافقین مراد ہیں۔ جب شکست ہوگئی تو انہوں نے مسلمانوں سے کہا کہ اپنے بھائیوں کی طرف واپس ہو جاؤ اور ان کے دین میں داخل ہو جاؤ۔ یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ابوسفیان اور اس کے ساتھی یعنی مشرکین کہ جو غزوہ احد میں جنگ کرنے کے لئے آئے تھے وہ مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ان کے سامنے عاجزی ظاہر نہ کرو اور ان سے امان طلب نہ کرو (کیونکہ اس موقع پر بعض لوگوں نے یہ رائے بھی دی تھی کہ اب ہتھیار ڈال دیں اور دشمنوں سے امان طلب کریں)۔ اور یہود و نصاریٰ بھی مراد ہو سکتے ہیں اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ان کے مشورہ میں ان کو مخلص نہ جانو ان کی باتیں نہ مانو۔ ابن جریج نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ قرآن مجید کا طرز بیان عام ہے جس میں ہمیشہ کے لئے تمام مسلمانوں کو کافروں کی

باتیں اور ان کے مشورے ماننے کی ممانعت فرمادی ہے۔ مؤمن کا کام ہے کہ اللہ ہی سے مانگے اُسی کو اپنا مددگار سمجھے کافروں کے سامنے نہ جھکے اور نہ اُن کو خیر خواہ سمجھے۔

کافروں کے قلوب میں رعب ڈالنے کا وعدہ..... سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الرُّعْبَ (الآیہ) صاحب روح المعانی اس کا سبب نزول بتاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ جب ابوسفیان اور اس کے ساتھی غزوہ احد کے بعد مکہ مکرمہ کی طرف چل دیے اور کچھ دور پہنچ گئے تو ناوم ہوئے اور کہنے لگے کہ تم لوگوں نے بُرا کیا، چاہیے تھا کہ اُن لوگوں کو (یعنی سب مسلمانوں کو) قتل کر کے آتے یہاں تک کہ اُن میں اُس کے سوا کوئی بھی باقی نہ رہتا جو اوصہر اور ہر نکاہواہو لہذا واپس چلو اور اُن سب کو ختم کر کے آؤ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہیں سے واپس چلے گئے البتہ ایک اعرابی کو اس بات پر کچھ دینا کیا کہ تو دینے منورہ پہنچے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو یہ کہہ دینا کہ ہم نے اُن کے لئے ایسی ایسی تیاری کر رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر دے دی آپؐ نے مقام حراء الاسد تک اپنے صحابہ کو بھیجا تا کہ اُن کا پیچھا کریں وہ لوگ جا چکے تھے۔ کہیں ملاقات نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس کا ذکر فرمایا کہ ہم اُن کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے اور رعب ڈالنے کا سبب بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: بِمَا اَنشَزْنٰهُ اِبِلًا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنْزَلْ بِهِ سُلْطٰنًا کہ ہمارے اس رعب ڈالنے کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ شرک کیا جس کی کوئی دلیل اور سند اللہ نے نازل نہیں فرمائی۔ دنیا میں ان کے دلوں میں رعب ڈال کر مؤمنین کو محفوظ رکھا اور اُن کا آخرت کا عذاب بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَمَا وَدَّوْهُمْ النَّارُ کہ اُن کا ٹھکانہ دوزخ ہے وَبَسَسَ مَقْوٰی الظَّالِمِيْنَ اور وہ ظالموں کا ٹھکانہ ہے۔ آیت کے انداز بیان سے معلوم ہو رہا ہے کہ شرک باللہ رعب واقع ہونے کا سبب ہے اور یہ آزمائی ہوئی بات ہے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب فارس کی طرف رخ کیا تو وہاں کے مشرکین آتش پرست بڑی بیماری اقداد میں اُن کے مقابلہ میں آتے تھے۔ پھر جب معرکہ شروع ہوتا تھا۔ ان کے کشتوں کے پشے لگ جاتے تھے اور بچے کھچے بے تحاشا بھاگ جاتے تھے۔ صلیبی جنگوں میں بھی ایسے ہی واقعات پیش آئے۔ ہندوستان پر جب مسلمانوں نے حملے کئے تو مشرکین رعب کھا گئے۔ مقتول ہونے اور رام فرار اختیار کی اور فاتحین نے اُن کے ملک پر توحید کے جھنڈے لہرا دیئے۔ شرک کے مزاج میں مرنو بیت اور توحید کے مزاج میں شجاعت دلیری اور بہادری ہے۔

دوسرا حق وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہو..... مَا لَكُمْ يُنْزِلُ بِهِ سُلْطٰنًا میں یہ بات بتائی ہے کہ زندگی گزارنے کا طریق کار وہی صحیح ہے جس کی اللہ کی طرف سے سند اور دلیل ہو انسان فطری طور پر اس بات کو مانتا ہے کہ میں مخلوق ہوں اور میرا کوئی خالق اور مالک اور معبود ہے لیکن جنہوں نے حضرات انبیاء علیہم السلام کا دامن نہیں پکڑا انہوں نے اپنے خالق اور مالک حقیقی کی عبادت میں شرک کی ملاوٹ کر دی وہ اپنے خالق کی بھی عبادت کرتے ہیں اور مخلوق کی بھی عبادت کرتے ہیں اور بہت سے لوگوں نے اپنے خالق اور مالک کے بارے میں ایسے عقیدے تجویز کر لئے ہیں جو گمراہی پر مبنی ہیں۔ عقائد اور عبادات کے بارے میں اپنی طرف سے کچھ تجویز کر لینا بالکل گمراہی ہے اسلام کے علاوہ دنیا میں جو مذاہب معروف ہیں اور اُن میں جو عبادات کے طریقے رائج ہیں ان کے ماننے والے اپنے عقائد اور اعمال کے بارے میں کسی بھی طرح یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ ان کے یہ عقائد اور اعمال انہیں ان کے خالق کی طرف سے بتائے گئے ہیں یہ عقائد اور اعمال ان کے مذہب کے بانیوں نے یا بعد کے لوگوں نے بنائے ہیں اور بتائے ہیں جو عقیدہ اور عمل خالق کی طرف سے نہ بتایا گیا ہو اس کو زندگی کا مشغلہ بنانا اور اس پر نجات کی امید رکھنا عقل و فہم کی روت کسی بھی طرح صحیح نہیں۔ ایسے عقائد اور

اعمال کے اختیار کرنے کی وجہ سے یہ امید رکھنا کہ موت کے بعد نجات ہوگی اور عذاب سے محفوظ رہیں گے بہت بڑی نادانی ہے جو عقل و دانش کے سراسر خلاف ہے ان سب لوگوں سے یہ سوال کرنے کی ضرورت ہے کہ خالق کی ذات و صفات کے بارے میں جو عقائد رکھتے ہو اور جن طریقوں سے تم اس کی عبادت کرتے ہو کیا تمہارے پاس اس کی کوئی سند ہے کہ خداوند قدوس جل مجدہ نے تمہیں یہ عقائد اور اعمال بتائے ہیں۔ مشہور ادیان میں نصاریٰ کا دین بھی بے نصاریٰ کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا ہو کہ میں اللہ کا بیٹا ہوں یا یہ فرمایا ہو کہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے اور میرے قتل کے بعد جو شخص یہ عقیدہ رکھے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بیٹے کو قتل کرا کر ان سب لوگوں کو نجات دے دی جو ان کو اللہ کا بیٹا مانیں۔ ان میں سے کوئی بات بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نہیں فرمائی یہ سب باتیں عرصہ دراز کے بعد تجویز کی گئیں، ہر مذہب والا اس بات پر غور کرے کہ میں جس دین پر ہوں میرے پاس اس کی کیا دلیل اور سند ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس دین پر چلنے کا حکم دیا ہے اور اس پر چل کر آخرت میں میری نجات ہوگی۔ قرآن شریف نے واضح طور پر بتا دیا کہ ہر عقیدہ اور ہر عبادت وہی صحیح ہے جس کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم دی گئی ہو اور جو سند صحیح کے ساتھ بندہ تک پہنچی ہو سب کو معلوم ہے کہ دین اسلام کے علاوہ کوئی دین ایسا نہیں ہے جو اس بات کی سند پیش کر سکے کہ میرا دین اللہ کی طرف سے ہے۔ پس جب ان لوگوں کے پاس اپنے اپنے دین کے صحیح ہونے کی سند خالق و مالک جل مجدہ کی طرف سے نہیں ہے تو ہر شخص اس دین پر آئے جو دین اللہ جل شانہ نے بھیجا ہے اور تمام انسانوں کی نجات اسی پر رکھی ہے اور وہ دین اسلام ہے۔ اٰمنا اللہ علیہ و اٰمانتا علیہ

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُمْ بِإِذْنِهِ ۚ حَتَّىٰ إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ

اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جو اس نے تم سے کیا تھا جس وقت تم دشمنوں کو شکست دینی قتل کر رہے تھے، یہاں تک کہ جب تم بڑل ہو گئے اور تم کے بارے میں تم نے

فِي الْأَمْرِ وَ عَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا آتَاكُم مَّا تَحِبُّونَ ۚ مِّنْكُمْ مَّن يَّרِيدُ الدُّنْيَا

آپس میں اختلاف کیا اور تم نے اس کے بعد نافرمانی کی جبکہ تمہیں اللہ نے وہ چیز دکھائی جسے تم محبوب رکھتے تھے، تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے

وَمِنْكُمْ مَّن يَّרِيدُ الْآخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَّفَكُمُ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۚ وَاللَّهُ

اور بعض آخرت کے طلب گار تھے، پھر اللہ نے تم کو دشمنوں کی طرف سے پھیر دیا تاکہ تم کو آزمائے اور البتہ تحقیق اللہ نے تم کو معاف فرما دیا اور اللہ

ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ۝ إِذْ تَصْعَدُونَ وَلَا تَلَوْنَ عَلَى أَحَدٍ وَ الرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي

مؤمنین پر بڑے فضل والا ہے۔ جب تم دوڑے جا رہے تھے اور کسی کو مز کر نہیں دیکھ رہے تھے تو رسول تم کو پکار رہے تھے،

أُخْرِيكُمْ فَأَتَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا

تمہارے پیچھے سے آپس اللہ نے تمہیں غم کی پاداش میں غم دیدیا تاکہ تم غمگین نہ ہو اس چیز پر جو تم سے جاتی رہے اور نہ اس مصیبت پر جو تم کو پہنچ جائے اور اللہ تمہارے سب کاموں سے

تَعْمَلُونَ ۝ ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُم مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمْنَةً نَّعَاسًا يَغْشَىٰ طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۚ وَطَآئِفَةٌ

باخبر ہے۔ پھر اللہ نے تم کے بعد تم پر امن کو نازل فرما دیا جو اونگھ کی صدمت میں تھی جو تم میں سے ایک جماعت پر چھائی ہوئی تھی اور ایک جماعت

قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ هَلْ لَنَا

ایسی کمی جن کو اپنی ہی جانوں کی فکر پڑی ہوئی تھی یہ اُن اللہ کے بارے میں حق کے خلاف جاہلیت کا خیال کر رہے تھے، ہاں کہہ رہے تھے کہ کیا ہمارے ہاتھ میں

مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ قُلْ إِنْ الْأَمْرُ كَانَ لِلّٰهِ يَخْشَوْنَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَ

بھی کچھ اختیار ہے، آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ سب اختیار اللہ ہی کو ہے، یہ لوگ اپنے نفسوں میں ایسی بات چھپا رہے ہیں جسے آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے تھے،

يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا قُتِلْنَا هُنَا قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ

یہ لوگ کہہ رہے تھے کہ اگر ہمارا کچھ بھی اختیار چلتا تو ہم یہاں قتل نہ کئے جاتے، آپ فرما دیجئے اگر تم اپنے گھروں میں دو تے تب بھی بلاشبہ وہاں تک کہ ہمارے میں

الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحَّصَ

قتل دونا مقدر ہو چکا تھا اپنی اُن جگہوں کیلئے نکل کھڑے ہوتے جہاں جہاں وہ قتل ہو کر گرے اور تاکہ اللہ آزمائے جو تمہارے سینوں میں ہے اور تاکہ اسکو

مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ

صاف کرے جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ سینوں کی باتوں کو جانتا ہے۔ بے شک تم میں سے جو لوگ اُس دن پشت پھیر کر چلے گئے جس دن دونوں بمائیں

التَّلَاقِ الْجَمْعِ ۚ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ۗ

آپس میں مقابل ہوئی تھیں بات یہی ہے کہ اُن کو شیطان نے افروغ دے دی بعض ایسے اعمال کے سبب جو انہوں نے کئے، اور البتہ تحقیق اللہ نے ان کو عاف فرما دیا

إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

بے شک اللہ بخشنے والا ہے علم والا ہے۔

غزوہ احد میں شکست کے اسباب کیا تھے؟

ان آیات میں مسلمانوں کی اس عارضی شکست کے اسباب بیان فرمائے جو انہیں غزوہ احد میں پیش آگئی تھی اور ابتداً جو مسلمانوں کو غلبہ ہوا تھا اس کا بھی تذکرہ فرمایا، نیز مسلمانوں کو غم کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ایک آرام اور چین کی صورت پیش آگئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر اولگھ کا غلبہ فرمادیا تھا تاکہ غم غلط ہو جائے اس کا بھی تذکرہ فرمایا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیر اندازوں کے ایک دستہ کو ایک پہاڑی پر مقرر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ تم یہاں سے مت ملنا اور یہ کہ ہم برابر غالب ہی رہیں گے جب تک کہ تم اپنی جگہ پر ثابت قدم رہو گے۔ اس وعدہ کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی فرمایا تھا مسلمانوں کو ابتداء میں فتح حاصل ہوئی اور وہ دشمنوں کو باذن اللہ قتل کرتے رہے یہاں تک کہ مشرکین کی عورتیں جن میں ہندہ بنت عتبہ بھی تھیں بھاگنے لگیں اپنے سامان میں سے قلیل یا کثیر اٹھا کر چلے گئے بھی ان کو ہوش نہ رہا۔ لیکن فتح دیکھنے کے بعد (جو مسلمانوں کو محبوب تھی) تیر انداز حضرات (جو پہاڑی پر مقرر تھے) نے اول تو آپس میں اختلاف کیا کہ ہم کیا کریں اختلاف کرنا ہی صحیح نہ تھا کیونکہ یہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تھا (اس کو تَنَازَعُ عَنْهُمْ فِي الْأَمْرِ سے تعبیر فرمایا) اور پھر اکثر افراد پہاڑی کو چھوڑ کر چلے ہی

گئے اور مال غنیمت لینے لگے (اس کو وعظمتہ من بعد ما آزاکم ما فحبون میں بیان فرمایا) اور مال غنیمت کے لوٹنے میں مشغول ہونے کے بارے میں جسٹکم من یزید الذنبا فرمایا، جب دشمنوں نے پہاڑی خالی دیکھی تو پلٹ کر حملہ آور ہوئے اور مسلمانوں کو مقابلہ کی ہمت نہ رہی اور دشمنوں کا فائدہ نہ کر سکا اس کو لَمْ صَوَّفْ لَکُمْ عَنْہُمْ سے تعبیر فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اس میں تمہاری آزمائش مقصود تھی لِیَسْلِبَ لَکُم مَّا تَحِبُّونَ معانی کا اعلان بھی فرمایا یَا لَیْلَہُ غَفَا عَنْکُمْ وَاللّٰہُ ذُو فَضْلٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ۔

کافروں کے پلٹ کر حملہ کرنے سے جو مسلمانوں میں انتشار ہوا اور میدان چھوڑ کر چل دیئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز اُٹھی عِبَادَ اللّٰہِ پر بھی متوجہ نہیں ہوئے (مگر چند افراد) تو اللہ تعالیٰ نے تم کے بدلہ تم پر بھیجا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تم نے تکلیف پہنچائی تھی اس تکلیف کے بدلہ تم کو تکلیف پہنچائی گئی۔ اس کو اِذْ تَضَعُوْنَ وَا لَا تَلُوْنَ عَلَیْ اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ یَدْعُوْکُمْ فِیْ اٰخِرِ لَیْلِکُمْ فَاتَّبَعُوْا غمناہ بغم میں بیان فرمایا ہے۔

تَضَعُوْنَ باب افعال سے ہے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس کا معنی ذہاب اور ابعاد فی الارض ہے بعض حضرات نے اس کے مشورہ دینے بھی لئے ہیں اور گھوڑوں کا چڑھنا مراد لیا ہے۔

غَمًا بغم کی ایک تفسیر تو یہی ہے جو ابھی اوپر بیان ہوئی، اور اس کے علاوہ مفسرین کے اور بھی چند اقوال اس کی تفسیر کے بارے میں بیان کئے گئے ہیں جن میں سے ایک قول یہ ہے کہ ایک غم تو مقتول اور مجروح ہونے اور مشرکین کے غالب ہونے کی وجہ سے تھا اور دوسرا غم وہ تھا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر اڑ جانے سے ہوا (اس صورت میں ب مصاحبت کے لئے ہوگی) مزید اقوال جاننے کے لئے روح المعانی کا مطالعہ کیا جائے۔

غم پہنچنے میں بھی حکمت..... پھر فرمایا لَا تَحْزَنُوْا عَلَی مَآ فَاتَکُمْ وَلَا مَا اَصَابَکُمْ (تا کہ تم نالگین نہ ہو اس چیز پر جو تم سے جاتی رہے اور نہ اس مصیبت پر جو تم کو پہنچ جائے) مطلب یہ ہے کہ جو غم تم کو پہنچا اس میں یہ حکمت ہے کہ تم میں پختگی ہو جائے اور آئندہ جب کبھی کوئی مشکل وریش ہو مثلاً کوئی چیز جاتی رہے یا کوئی مصیبت آ پڑے تو تم صبر کرو۔ صبر کی عادت ہو جانے سے ہر مشکل آسانی سے گزر جائے گی، اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے صبر سے اللہ کی مدد نازل ہوتی ہے۔

غم غلط کرنے کے لئے عیند کا غلبہ..... مسلمانوں کو جو تکلیف پہنچ گئی اور شکست کا جو سامنا ہوا (جو بہت بڑا غم تھا) اس غم کو غلط کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اونگھ بھیج دی اور اتنی زیادہ اونگھ سوار ہوئی کہ رنج و غم کی طرف توجہ ہی نہ رہی۔ علاج کرنے والوں کا یہ قاعدہ ہے کہ جب مریض کی تکلیف بڑھ جاتی ہے اور کسی طرح سے افاتہ نہیں ہوتا تو تکلیف سے بے خبر کرنے کیلئے کوئی ایسی دوا دے دیتے ہیں یا انجکشن لگا دیتے ہیں جس سے عیند آجائے، اللہ جل شانہ نے ان حضرات پر عیند غالب فرمادی جس سے غم کا محسوس ہونا ختم ہو گیا۔ لَمْ

اَنْزَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمْسًا نَّعَاسًا یُّغَشِّیْ طَائِفَةً مِّنْکُمْ میں اسی کو بیان فرمایا اور اونگھ کو اَمْسًا یعنی چین اور راحت بتایا، یہ تو مسلمانوں کے ساتھ ہوا۔ جو منافقین تھے ان کا دوسرا ہی رنگ تھا اُن کو اپنی ہی جانوں کی پڑی تھی۔ انہیں رسول اللہ ﷺ سے اور دین اسلام سے کچھ بھی ہمدردی نہ تھی اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں حق کے خلاف جاہلیت کے خیالات پکڑ رہے تھے۔ کہتے تھے کہ ہماری تو کچھ چلتی ہی نہیں۔ ہم نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ شہر سے باہر جا کر نہ لڑیں ہماری بات چلتی اور ہماری رائے پر عمل ہوتا تو یہاں آ کر ہم کیوں مارے جاتے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کو جواب دے دو کہ سب اختیار اللہ ہی کو ہے۔ سب کام اللہ کی قضا اور قدر کے مطابق ہوتے ہیں اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تب بھی وہ لوگ گھروں سے نکل کر اپنی اپنی قتل گاہوں میں پہنچ جاتے جن کے بارے میں مقتول ہونا مقدر ہو چکا تھا۔

پھر فرمایا **وَلْيَسْمَعْ أَصْوَادُكُمْ** (اور تاکہ اللہ آزمائے جو تمہارے سینوں میں ہے اور تاکہ اس کو صاف کرے جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ سینوں کی باتوں کو جاننے والا ہے)۔ مطلب یہ ہے کہ یہ جو کچھ ہوا اس لئے پیش آیا کہ اللہ تمہارے باطن کی آزمائش فرمائے کیونکہ مصیبت کے وقت بچوں اور جھوٹوں کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ منافقوں کا نفاق کھل گیا اور مؤمنین کا ایمان اور زیادہ مضبوط اور ثابت ہو گیا اور یوں تو اللہ تعالیٰ سب باتوں کو جانتا ہی ہے لیکن علم ظہور کے طور پر یہ باتیں ظاہر ہو گئیں، اور مسلمانوں کو بھی بچوں اور جھوٹوں کا پتہ چل گیا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی معافی کا اعلان آخر میں فرمایا **إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ** (الایہ) بے شک تم میں سے جو لوگ اس دن پشت پھیر کر چلے گئے جس دن دونوں جماعتیں آپس میں مقابل ہوئیں بات یہی ہے کہ اُن کو شیطان نے اغزش دے دی بعض ایسے اعمال کے سبب جو انہوں نے کئے اور البتہ تحقیق اللہ نے اُن کو معاف فرمایا بے شک اللہ بخشنے والا علم والا ہے) اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو تسلی بھی دی ہے (کیونکہ اُن کی معافی کا اعلان فرمایا ہے) اور یہ بھی بتایا ہے کہ جو لوگ پشت پھیر کر چل دیئے تھے اُن کو شیطان نے اغزش دے دی تھی اور اس اغزش کا سبب اُن کے بعض گناہ بن گئے اس سے معلوم ہوا کہ گناہ گناہوں کی طرف کھینچتے ہیں ایک گناہ دوسرے گناہ کا سبب بن جاتا ہے اور گناہوں کے ذریعہ شیطان دوسرے گناہوں پر آمادہ کر دیتا ہے۔

(غزوہ احد کے بارے میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے حافظ ابن کثیر کی تفسیر سے اور الہدایہ والنہایہ سے اور تفسیر روح المعانی سے ماخوذ ہے)۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ

اے ایمان والو! اُن لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنہوں نے کفر کیا اور اپنے بھائیوں سے کہا جب وہ زمین میں سفر کرنے لگیں

أَوْ كَانُوا غَزَىٰ لَوْ كُنَّا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكْ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ

یا غازی بن جائیں کہ اگر یہ لوگ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے تاکہ اللہ اس بات کو اُن کے دلوں میں حسرت بنا دے

وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ وَلَئِنْ قَتَلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ

اور اللہ زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے اور اللہ تمہارے سب کاموں کو دیکھنے والا ہے۔ اور البتہ اگر تم قتل کر دیئے جاؤ، یا اللہ کی راہ میں مر جاؤ تو بلاشبہ (اللہ کی طرف

مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ۝ وَلَئِنْ مُتُّمْ أَوْ قَتَلْتُمْ لَا إِلَى اللَّهِ تَحْشَرُونَ ۝

سے مغفرت اور رحمت بہتر ہے اس چیز سے جسے وہ لوگ جمع کرتے ہیں) اور اگر تم مر گئے یا قتل ہو گئے تو ضرور اللہ کی طرف ہی گئے جاؤ گے۔

کافروں کی طرح نہ ہو جاؤ جن کو جہاد میں جانا پسند نہیں

بہت سے لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ خیر کا کام نہ خود کریں نہ دوسروں کو کرنے دیں اور جو لوگ خیر کے کاموں میں لگیں ان کو طعنہ دیتے ہیں اور جو خیر انہیں نصیب ہوا اسے نقصان سے تعبیر کرتے ہیں، جو لوگ حب دنیا میں غرق ہوں انہیں دوسروں کے آخرت کے اعمال نہیں بھاتے، اللہ کے لئے جو اُن کی جانی یا مالی قربانی ہو وہ انہیں اچھی نہیں لگتی۔ منافقین کا یہی حال تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے بھائی (نسب میں اُن کے بھائی ہوتے تھے اور منافقین ظاہری طور پر دینی بھائی بھی کہلاتے تھے) جو سفر میں گئے یا جہاد میں شریک ہوئے یہ اگر

ہیں ہمارے پاس رہتے سفر میں نہ جاتے جہاں نہ کرتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے، بظاہر ان کا یہ کہنا ہمدردی جتانے کے لئے تھا لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ ہمدردی خیر کے کاموں سے روکنے میں نہیں ہے۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ، ایسا کہنا ان کے قلوب میں حسرت کا سبب ہے پھر فرمایا کہ موت و حیات اللہ کے ہاتھ میں ہے کوئی شخص کسی جگہ قیام کرنے سے قضا الہی سے نہیں بچ سکتا وہ جہاں بھی ہوگا قضا اور قدر کے موافق اجل سہمی پر اس کو موت آ ہی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت دنیاوی سامان سے بہتر ہے..... پھر فرمایا کہ تم اللہ کی راہ میں اگر قتل ہو گئے یا اللہ کی راہ میں مر گئے تو یہ کوئی نقصان کا سودا نہیں ہے۔ یہ تو اللہ کی طرف سے مغفرت اور رحمت کا سبب ہے اور اللہ کی مغفرت اور رحمت اس سب سے بہتر ہے جو کچھ ایسی باتیں کرنے والے جمع کرتے ہیں۔ دنیا کے لالچی دنیا ہی کے لئے سوچتے ہیں اور اسی دنیا کو دوسروں کے لئے پسند کرنے کی وجہ سے انہوں نے یہ بات کہی کہ یہ لوگ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے۔ مزید زندگی پالیتے کچھ پیسہ اور کمالیتے، یہ پیسہ اللہ کی مغفرت اور رحمت کے سامنے کوئی چیز نہیں ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر تم مر گئے یا مقتول ہو گئے تو اللہ کی بارگاہ میں ضرور جمع کئے جاؤ گے۔ مرنا اور بارگاہ خداوندی میں پیش ہونا ہر ایک کے لئے ضروری ہے پھر اللہ کی راہ میں کیوں نہ مریں۔

فَمَا رَحْمَةً مِّنَ اللَّهِ لَئِنَّ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا نَفَضُوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ

سو اللہ کی رحمت کے سبب آپ ان کے لئے نرم ہو گئے، اور اگر آپ سخت مزاج اور سخت دل والے ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ

سو آپ ان کو معاف فرما دیجئے، اور ان کے لئے استغفار کیجئے، اور کاموں میں ان سے مشورہ لیجئے پھر جب آپ پختہ عزم کر لیں تو اللہ پر توکل کیجئے۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿٥٠﴾

بے شک توکل کرنے والے اللہ کو محبوب ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ

غزوہ احد کے موقع پر مسلمانوں سے جو لغزش ہو گئی تھی، زمینداران چھوڑ کر چلے گئے تھے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غم پہنچا اور تکلیف ہوئی اس پر آپ نے ان سے سختی کا معاملہ نہیں کیا۔ ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے آپ کے ان کریمانہ اخلاق اور آپ کی نرم مزاجی کی اس آیت میں تعریف فرمائی۔ نیز مسلمانوں کی بھی دلداری اور دل جوئی ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اول تو دوسری طرف سے معافی کا اعلان فرمایا جس کا ذکر پچھلے رکوع میں آچکا ہے پھر اس آیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ آپ بھی معاف فرمادیں اور نہ صرف یہ کہ خود معاف فرمادیں بلکہ ان کے لئے اللہ جل شانہ سے بھی استغفار کریں اور مزید دلداری یوں فرمائی کہ آپ کو ان سے مشورہ لینے کا حکم دیا پھر فرمایا کہ مشورہ کے بعد جس طرف آپ کی رائے پختہ ہو جائے۔ اللہ کے بھرپور اس پر عمل کر لیجئے جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اعتماد رکھتے ہیں وہ اللہ کو محبوب ہیں۔

خوش خلقی کا بلند مرتبہ..... آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم خوش اخلاق نرم مزاج ہمیشہ ہی سے تھے اس موقع پر خاص طور پر اس کا مظاہرہ ہوا۔ موطا میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں اسی لئے بھیجا گیا ہوں کہ حسن اخلاق کی تکمیل کروں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ

سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ سب سے زیادہ بھاری چیز قیامت کے دن جو مومن کی ترازو میں رکھی جائے گی۔ وہ اچھے اخلاق ہوں گے، اور بے شک اللہ کو نیک گو اور بد زبان مبغوض ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک مومن اپنی خوش اخلاقی کی وجہ سے راتوں رات نماز پڑھنے والے اور دن بھر روزہ رکھنے والے کا درجہ پالیتا ہے۔ نری خوش خلقی کا بہت بڑا جزو ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص نری سے محروم ہو گیا وہ خیر سے محروم ہو گیا۔ نیز یہ بھی ارشاد فرمایا کہ نری جس کسی چیز میں بھی ہوگی اُسے زینت دے دے گی اور جس چیز سے نری نکال دی جائے گی۔ وہ عیب دار ہو جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں بتا دوں جو آتش دوزخ پر حرام ہے اور جس پر آتش دوزخ حرام ہے پھر فرمایا کہ یہ صفت اس شخص کی ہے جس سے ملنا جلنا آسان ہو نرم مزاج ہو قریب ہو۔ سہل ہو۔ سنن ابوداؤد میں ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں سخت مزاج بد اخلاق داخل نہیں ہوگا۔ (یہ روایات مشکوٰۃ المصابیح باب الفرق والجماع حسن الخلق) میں مذکور ہیں۔ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام خلق حسن والوں کے سردار تھے۔ آپ کیونرم نہ ہوتے آپ کو بڑی بڑی تکلیفیں پہنچیں سب کو سہہ گئے اور نری کے ساتھ نباہ گئے۔

یہ جو فرمایا وَلَوْ كُنْتَ فَظًا غَلِظَ الْقَلْبُ لَا انْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (اور اگر آپ سخت مزاج اور سخت دل والے ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے) اس میں جہاں آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش خلقی اور نرم مزاجی اور رافت اور شفقت کا ذکر ہے۔ وہاں اس امر کی بھی تصریح ہے کہ یہ صحابہ جو آپ کے پاس جمع ہیں اور آپ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں اور دل و جان سے آپ پر نثار ہیں اس میں اس کا بہت دخل ہے کہ آپ سخت مزاج اور سخت دل نہیں ہیں اگر خدا نخواستہ آپ ایسے ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے چلے جاتے اور منتشر ہو جاتے۔

معلمین اور مرشدین خوش خلقی اختیار کریں..... انسان کا مزاج ہے کہ وہ بردبار خوش اخلاق متواضع اور منکسر المزاج کے پاس جانا اور اٹھنا بیٹھنا اور اس سے فیض لینا اور علم و معرفت حاصل کرنا پسند کرتا ہے۔ جو حضرات حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں معلم ہیں، محدث ہیں، مفتی ہیں، مرشد ہیں، مبلغ ہیں، داعی اور ہادی ہیں۔ اُن لوگوں کے لئے اس میں بہت بڑی نصیحت ہے، اگر اُمت کو علم سکھانا اور فیض پہنچانا ہے تو نرم مزاج، نرم خو، شفیق اور مہربان بردبار بنیں، ورنہ فیض نہ ہوگا۔ سخت مزاجی اور بد خلقی سے لوگ دور بھاگتے ہیں، یہ جانتے ہوئے کہ فلاں صاحب بڑے عالم اور اونچے درجہ کے مرشد ہیں اور ہمیں ان سے فیض مل سکتا ہے پھر بھی فیض لینے کے لئے تیار نہیں ہوتے، یوں تو ہر مسلمان ہی کو خوش اور نرم مزاج ہونا چاہیے لیکن خاص کر معلمین، مصلحین، مبلغین، مرشدین کو تو بہت ہی زیادہ اس صفت سے متصف ہونا ضروری ہے۔ حضرت سعدیؒ نے کیا اچھا فرمایا۔

کس نہ بیند کہ تشنگان حجاز برب آب شور گرد آیند
ہر کجا چشمہ بود شیریں مردم و مرغ و مور گرد آیند

کمال یہی ہے کہ عامۃ المسلمین میں گھل مل کر رہے۔ خیر کے کام کرے خیر کی تعلیم دے اور اُن سے جو تکلیف پہنچے اُس کو برداشت کرے۔ اپنی ذاتی نیکیوں کو لے کر تنہائی میں بیٹھ جانا تاکہ لوگ تکلیف نہ دیں اس میں وہ بات نہیں ہے جو خیر پہنچانے اور تکلیف اٹھانے میں ہے۔ سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان لوگوں میں گھل مل کر رہتا ہے اور اُن سے جو تکلیف

پہنچے اس پر صبر کرتا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو گھل مل کر نہیں رہتا اور لوگوں کی تکلیف پر صبر نہیں کرتا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۲)
 مشورہ کرنے کا حکم..... پھر فرمایا وَشَاوْزْهُمْ فِی الْأَمْرِ اللّٰهُ جَلَّ شَأْنُهُ نے آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمانے کا حکم دیا۔ آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے بھی اپنے صحابہ سے مشورہ فرماتے تھے اور اس کے بعد بھی آپ نے مشورے فرمائے۔ آیت شریفہ میں مشورے کا حکم دے کر حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دلجوئی فرمائی اور ان کا اعزاز و اکرام فرمایا یہ مشورہ ان اُمور میں نہیں تھا جہاں کوئی نص قطعی اور واضح حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے موجود ہو، جن اُمور کو آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمایا گیا ان میں مشورہ کرنے کا حکم فرمایا۔

مشورہ کی ضرورت اور اہمیت..... اس سے مشورے کی اہمیت اور ضرورت ظاہر ہوئی اور یہ بھی چلا کہ جب سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم مشورہ سے مستغنی نہیں تو آپ کے بعد ایسا کون ہو سکتا ہے جو مشورہ سے بے نیاز ہو، آئندہ آنے والے امراء اور اصحاب اقتدار اور امت کے کاموں کے ذمہ دار جو بھی آئیں سب کے لئے مشورہ کرنے کی ضرورت واضح ہو گئی۔ مشورہ میں بہت خیر ہے جو اصحاب رائے ہوں خواہ عمر یا مرتبہ میں چھوٹے ہی ہوں ان کو مشورہ میں شریک کرنا چاہیے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مشورہ کرنے کی صورت میں مختلف رائیں سامنے آ جاتی ہیں۔ ان رائیوں کے درمیان سے کسی مناسب ترین رائے کو اختیار کر لینا آسان ہوتا ہے۔ بعض مرتبہ بڑے کی نظر سے وہ گوشے اوجھل رہ جاتے ہیں جو چھوٹوں کی سمجھ میں آ جاتے ہیں۔ تمام گوشے سامنے آنے سے کسی پہلو کو اختیار کرنے میں بصیرت حاصل ہو جاتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مَخْصَابُ مَنْ اسْتَشَارَ وَلَا نَدَمَ مَنْ اسْتَشَارَ (یعنی جس نے استشارہ کیا وہ ناکام نہ ہوگا۔ اور جس نے مشورہ کیا اُسے ندامت نہ ہوگی)۔ (ذکر البیہقی مجمع الزوائد ص ۲۸۰ ج ۲)

خانگی اُمور میں اور اداروں کے معاملات میں مشورے کرتے رہنا چاہیے جن لوگوں سے مشورہ کیا جائے ان کے ذمہ لازم ہے کہ وہ وہی رائے دیں جسے اپنی دیانت سے فیما بینہم و بین اللہ صحیح سمجھتے ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ان المستشار مؤتمن (یعنی جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امانت دار ہے)۔ (اعترجہ الترمذی فی ابواب الزہد وابن ماجہ فی کتاب الادب) اگر کوئی شخص اپنے ذاتی معاملہ میں مشورہ کرے تب بھی اُسے وقتی مشورہ دے جو اس کے حق میں بہتر ہو۔ سنن ابوداؤد میں ہے کہ آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا من اشار علی اخیه بامر یعلم ان المرشد فی غیرہ فقد خانہ (کہ جس نے اپنے بھائی کو کوئی ایسا مشورہ دیا جس کو وہ سمجھتا ہے کہ مشورہ لینے والے کی بہتری دوسری رائے میں تھی (جو پیش نہیں کی گئی) تو اس نے خیانت کی) (رواہ ابوداؤد فی کتاب العلم) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کا ایک قاعدہ کلیہ مروی ہے جسے علامہ سخاوی نے المتقاصد الحسنہ ص ۳۸۳ میں نقل کیا ہے اور وہ یہ کہ فاذا استشیر احدکم فلیشر بما هو صانع لنفسه (کہ جب کسی سے مشورہ طلب کیا جائے تو وہ مشورہ دے جسے وہ اپنے لئے اختیار کرتا اگر وہ خود اس حال میں مبتلا ہوتا جس میں مشورہ لینے والا مبتلا ہے) اور یہ مضمون اس حدیث کے مطابق ہے جس میں افضل الایمان بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ ان تحب للناس ما تحب لنفسک وتکرہ لہم ما تکرہ لنفسک (یعنی یہ کہ تو لوگوں کے لئے اُسی کو پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور لوگوں کے لئے اس چیز کو ناپسند جانے جس کو اپنے لئے ناپسند جانتا ہے) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۶)

مشورہ کی شرعی حیثیت..... مشورے کا حکم دینے کے بعد فرمایا فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِ ۝ (پھر

جب آپ پختہ عزم کر لیں تو اللہ پر توکل کیجئے۔ بے شک توکل کرنے والے اللہ کو محبوب ہیں) مطلب یہ ہے کہ مشورے کے بعد آپ جب کسی جانب طے فرما کر عزم کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کیجئے اور اپنے عزم کے مطابق عمل کیجئے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ مشورہ کرنے کے بعد آپ کو سب کے یا کسی ایک کے مشورے کا پابند ہونا ضروری نہیں ہے۔ جس طرف آپ کا رجحان ہو اُس پر عمل کر لیں، اس میں مشورہ دینے والوں کو بھی دیکھیں، ہونے کی ضرورت نہیں مشورہ دینا اور لینا ضائع نہیں ہے کیونکہ اس میں ہر شخص کو غور و خوض کرنے اور اپنی رائے پیش کرنے کا ثواب مل چکا ہے، اب آپ جس رائے کو مناسب جانیں اور رایوں میں اپنی ذاتی رائے بھی ہے (اس پر عمل فرمائیں۔ اپنا عزم فرمانے کے بعد اللہ پر بھروسہ کرنے کا حکم فرمایا اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ تمام مشوروں اور تدبیروں کے بعد بھروسہ صرف اللہ ہی پر رہے۔ بندوں کی رائیں اور تدبیریں صرف اسباب کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اسباب پر بھروسہ کرنا مؤمن کا کام نہیں، مؤمن کا بھروسہ صرف اللہ پر ہوتا ہے۔

آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی مشورہ کی سنت جاری ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بات سمجھ لینا چاہیے کہ مشورہ لینے والے کے لئے خواہ امیر المؤمنین ہی ہو یہ ضروری نہیں ہے کہ سب کا یا کسی ایک کا مشورہ مانے۔ باوجود مشورہ لینے کے اُسے اپنی رائے پر عمل کرنے کا پورا پورا اختیار ہے۔ حق بات یہ ہے کہ جب مشورہ لینے والا بھی غلط ہو اور مشورہ دینے والے بھی غلط ہوں اور ہر ایک کو اللہ کی رضا مقصود ہو تو کسی وقت بھی بد مزگی پیدا ہونے کا موقعہ نہیں رہتا۔ آپس میں ضد اضدی اور یہ اعتراض کہ میری رائے پر عمل کیوں نہ کیا اور امیر کی شکایت کہ وہ آمر مطلق ہے مشورہ کر کے بھی اپنی رائے پر عمل کرتا ہے۔ یہ سب باتیں جھجی ہوتی ہیں جب امیر اور مامور میں اخلاص نہ ہو اور آپس میں اعتماد نہ ہو اور امارت کے اصول پر امیر و مامور کو چلنے کا ارادہ نہ ہو۔ نفسانی اور دنیاوی چیزوں نے جگہ پکڑ رکھی ہو۔ اگر امیر کے انتخاب میں اللہ کی رضا مندی کا دھیان رکھا ہو اور متقی آدمی کو امیر بنایا ہو جس کے علم و عمل اور اخلاص پر اعتماد ہو جو دنیا دار نہ ہو عہدہ کا طالب نہ ہو تو اس صورت میں امیر کا اپنی رائے پر عمل کرنا ناگوار نہ ہو گا۔ انتخاب تو غلط کریں اور پھر امیر کے خلاف احتجاج کرنے جلوس نکالنے کے جاہلانہ طریقوں سے امیر کو ہٹانے کی کوشش کریں۔ ان وڈوں باتوں میں کوئی جوڑ نہیں کھاتا۔

موجودہ جمہوریت اور اُس کا تعارف

زمانہ قدیم میں بادشاہتیں جاری تھیں ولی عہدی کے اصول پر بادشاہت ملتی تھی عرب و عجم میں بادشاہ تھے ان میں ظالم بھی تھے رحم دل بھی تھے اور انصاف پسند بھی، لیکن بادشاہت کی تاریخ میں زیادہ تر مظالم ہی ملتے ہیں۔ ان مظالم سے تنگ آ کر یورپ والوں نے جمہوریت کا طرز حکومت جاری کیا اور اس کا نام عوامی حکومت رکھا۔ اس کے جو طریق کار ہیں انہیں عام طور سے سمجھی جانتے ہیں۔ اس جمہوریت کا خلاصہ عوام کو دھوکہ دینا اور کسی ایک پارٹی کے چند افراد کے ملک پر مسلط ہونے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ عنوان یہ ہے کہ اکثریت کی رائے انتخاب میں معتبر ہوگی اور انتخاب بالغ رائے و ہندگی کی بنیاد پر ہوگا اس میں امیدوار کے لئے عالم ہونا، دیندار ہونا بلکہ مسلمان ہونا بھی شرط نہیں پڑھے لکھے اور بالکل جاہل، چٹ مرو عورت امیدوار بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں بعض پارٹی کے نمائندے ہوتے ہیں اور بعض آزاد ہوتے ہیں ان میں بعض وہ بھی ہوتے ہیں جو اسلام کے خلاف بولتے رہتے ہیں۔ اسلام کے نظام حدود و قصاص کو ظالمانہ کہتے ہیں جس کی وجہ سے حدود کفر میں داخل ہو جاتے ہیں اور انتخاب میں پارٹیوں کے زور پر اور سرداروں کے زور پر اور پیسوں کے زور پر ووٹ دینے والے بھی عوام وہی لوگ ہوتے ہیں جو دین اسلام کے تقاضوں کو نہیں جانتے لہذا بے پڑھے اور ملحد اور زندیق بھی منتخب ہو کر پارلیمنٹ میں آ جاتے ہیں۔ جس شخص کو زیادہ ووٹ مل گئے وہی ممبر منتخب ہو جاتا ہے اگر کسی سیٹ پر گیارہ آدمی کھڑے ہوں تو ان میں سے

اگر دس آدمیوں کو ۱۵۔۱۵ ووٹ ملیں اور ایک شخص کو سولہ ووٹ مل جائیں تو یہ شخص سب کے مقابلہ میں کامیاب مانا جائے گا۔ اور کہا یہ جائے گا کہ اکثریت سے منتخب ہوا حالانکہ اکثریت اس شخص کے مخالف ہے ڈیڑھ سو افراد نے اُسے ووٹ نہیں دیئے۔ سولہ آدمیوں نے ووٹ دیئے ہیں ڈیڑھ سو کی رائے کی کوئی حیثیت نہیں یہ جمہوریت ہے جس میں ۱۵۰ آدمیوں کی رائے کا خون کیا گیا اور سولہ افراد کی رائے کو مانا گیا۔ پھر پارلیمنٹ میں جس کسی پارٹی کے افراد زیادہ ہو جائیں اسی کی حکومت بن جاتی ہے اور وہ افراد اسی طریقہ پر پارلیمنٹ میں آئے ہیں جو ابھی ذکر ہوا، اس طرح سے تھوڑے سے افراد کی پورے ملک پر حکومت ہو جاتی ہے اور پارٹی کے چند افراد اختیار سنبھال لیتے ہیں اور سیاہ سفید کے مالک ہو جاتے ہیں خود پارٹی کے جو افراد کسی بات سے متفق نہ ہوں، انہیں پارلیمنٹ میں پارٹی ہی کے موافق بولنا پڑتا ہے اپنی ذاتی رائے کا خون کر دیتے ہیں۔ یہ جمہوریت اور اکثریت کی حقیقت ہے۔

پھر خدا کی پناہ مرکزی حکومت کے صدر اور وزیراعظم اور دوسرے وزراء کے بے نیکی اخراجات، بنگلے اور ان کی سجاوٹیں، گاڑیاں، ڈرائیور، پٹرول کا خرچ، باورچی، مالی اور دوسرے خادموں کی تنخواہیں اور وزیروں کی بے جا کھپت پارٹی کے آدمی ہونے کی بنیاد پر خواہ مخواہ عہدے نکالنا اور حد یہ ہے کہ وزیر بے قلمدان بنانا اور کثیر تعداد میں مشیروں کو کھپانا ان سب کا جو تھوڑے آدمی کی گردن پر ہوتا ہے۔ پھر ہر صوبہ کا گورنر، وزیراعلیٰ، دوسرے وزراء اور نائب وزراء ان سب اخراجات سے ملک کا خزانہ خالی ہو جاتا ہے اور ملک چلانے کے لئے سودی قرضے لیتے ہیں اور قوم پر ٹیکس لگاتے ہیں۔ انکم ٹیکس، برآمد ٹیکس، کسٹم ڈیوٹی یہ سب مصیبت قوم پر سوار ہوتی ہے اور عوام کو دھوکہ دے رکھا ہے کہ تمہاری حکومت ہے، عوام ان پارٹی بازوں اور سیاسی بازی گروں کی باتوں میں آ جاتے ہیں اور سیدھا سادھا اسلامی نظام جس میں ایک امیر مرکزی حکومت میں ہو جس کا معمولی سا وظیفہ ہو اور علاقوں میں چند امیر ہوں اور یہ سب لوگ سادگی کے ساتھ رہیں بقدر ضرورت واجباً ان کو وظیفہ مل جائے معمولی سے گھر میں رہیں اگر کسی کا اپنا گھر ہے تو اسی میں قیام پذیر ہو اس نظام کو ماننے کے لئے لوگ تیار نہیں اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝

کہا جاتا ہے کہ اسلام میں جمہوریت ہے اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ اسلام میں شوری کی بھی کوئی حیثیت ہے تو یہ بات ٹھیک ہے۔ مگر اس کی حیثیت وہی ہے جو اوپر ذکر کر دی گئی، ایسی جمہوریت جس میں پورے ملک میں انتخاب ہو بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہر کس وناکس ووٹر ہوا اور اکثریت رائے پر فیصلہ رکھا جائے اسلام میں ایسی جمہوریت نہیں ہے۔ بعض اہل علم بھی دانستہ یا نادانستہ طور پر اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں وہ اسلام کی بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بڑی محنتوں سے جمہوریت کو لائے اب اس کے خلاف کیسے بولیں اور ان کی لائی ہوئی جمہوریت بالکل جاہلانہ جمہوریت ہوتی ہے جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، انتخاب میں کوئی بھی کیسا ہی بے دین منتخب ہو جائے جمہوریت جاہلیہ کی وجہ سے اس کے عہدہ کو ماننے پر مجبور ہوتے ہیں کہ اب کیا کریں اب تو منتخب ہو ہی گیا عوام کی رائے کو کیسے ٹھکرائیں ان لوگوں کی غلطی یہ ہے کہ حکومت عوام کی سمجھتے ہیں حالانکہ حاکم اللہ تعالیٰ شانہ ہے عوام اللہ کے قانون کے تابع ہیں اس کے خلاف چلنے بولنے کی کوشش کرنے کی کوئی اجازت نہیں۔

حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کا انتخاب..... یہ تو سب جانتے ہیں کہ حضرات ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم خلفاء راشدین تھے ان حضرات کو منتخب کرتے وقت کوئی بالغ رائے دہندگی کی بنیاد پر انتخاب نہیں ہوا۔ نہ پورے ملک سے ووٹ لئے گئے تاریخ اور سیرت کے جاننے والے اس امر سے واقف ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرات مہاجرین اور انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔ وہاں اس بات کا مشورہ ہوا تھا کہ امیر کون ہو۔ انصار میں سے بعض حضرات یہ رائے دے رہے تھے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو

اور ایک مہاجرین میں سے ہو۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی وہاں پہنچ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اپنا ہاتھ لائیے میں بیعت کرتا ہوں۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا دیا۔ حضرت عمرؓ نے بیعت کر لی اس کے بعد مہاجرین نے بیعت کر لی ان کے بعد انصار نے بیعت کی۔ یہ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب تھا جو سب سے پہلے خلیفہ تھے۔ اس کی تفصیل البدلیہ والنہایہ ص ۲۴۶ ج ۵ میں مذکور ہے۔

اس کے بعد جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئے لگی تو انہوں نے بغیر کسی مشورہ کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیا۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دشمن نے خنجر مار دیا اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اب میں جانبر ہونے والا نہیں ہوں تو انہوں نے فرمایا کہ خلافت کا مستحق ان حضرات کے علاوہ کوئی نہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی تھے اور اسی حالت رضا مندی میں آپ کی وفات ہوئی۔ پھر انہیں حضرات میں سے حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم کے نام لئے اور فرمایا کہ ان میں سے کسی ایک کو منتخب کر لیا جائے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میرا بیٹا عبداللہؓ مشورے میں شریک ہوگا لیکن اُسے خلافت سپرد نہ کی جائے اور فرمایا کہ اگر سعدؓ کو منتخب کر لیا جائے تو وہ اس کے اہل ہیں اور اگر ان کے علاوہ کسی دوسرے کو امیر بنا لیا جائے تو وہ ان سے مدد لیتا رہے، جب حضرت عمرؓ کی وفات ہو گئی اور ان کو دفن کر دیا گیا تو وہ حضرات جمع ہوئے جن کو خلافت کے لئے نامزد فرمایا تھا کہ اپنے میں سے کسی ایک کو منتخب کر لیں حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے فرمایا کہ تم سب اپنا معاملہ تین آدمیوں کے سپرد کرو حضرت زبیرؓ نے فرمایا میں نے اپنا معاملہ حضرت علیؓ کے سپرد کیا۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ میں نے اپنا معاملہ حضرت عثمانؓ کے سپرد کیا۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ میں نے اپنا معاملہ عبدالرحمن بن عوفؓ کے سپرد کیا۔ اس کے بعد حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ سے کہا کہ تم دونوں میرے سپرد کرتے ہو تو میں تم میں جو افضل ترین ہوگا۔ اس کے انتخاب میں کوتاہی نہیں کروں گا ان دونوں نے کہا کہ ہاں ہم تمہارے سپرد کرتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے دونوں سے علیحدہ علیحدہ تنہائی میں بات کی اور دونوں نے اقرار کیا کہ اگر میرے علاوہ دوسرے کو تم نے امیر بنا دیا تو میں فرمانبرداری کروں گا اس کے بعد انہوں نے حضرت عثمانؓ سے کہا لاؤ ہاتھ بڑھاؤ یہ کہہ کر ان سے خود بیعت کر لی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اُن سے بیعت کر لی۔ دوسرے حضرات جو باہر منتظر تھے وہ بھی اندر آئے اور انہوں نے حضرت عثمانؓ سے بیعت کر لی۔ مفصل واقعہ صحیح بخاری ص ۵۲۴ ج ۱ میں مذکور ہے۔ یہ انتخاب خلیفہ ثالث کا تھا (اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے برضا و رغبت حضرت عثمانؓ سے بیعت کی تھی اور پہلے سے اقرار کر لیا تھا کہ اگر ان کو امیر بنا دیا گیا تو میں فرمانبردار رہوں گا)۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو ان کی جگہ کسی امیر کے انتخاب کی ضرورت محسوس کی گئی اہل مصر جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا وہ حضرت علیؓ کو اصرار کرتے رہے کہ آپ خلافت کا جو جھ سنبھالیں لیکن وہ راضی نہ ہوئے اور باغوں کی طرف تشریف لے گئے کوفہ والوں نے حضرت زبیرؓ کو تلاش کیا وہ بھی نہ ملے۔ بصرہ والوں نے حضرت طلحہؓ سے عرض کیا، انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض پیش کی انہوں نے بھی قبول نہ کیا۔ حضرت ابن عمرؓ کے پاس گئے انہوں نے بھی نہ مانا ساری کوششیں کر کے پھر حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خلافت قبول کرنے پر اصرار کرتے رہے آخر میں انہوں نے ذمہ داری قبول فرمائی۔ یہ تفصیل البدلیہ والنہایہ ص ۲۴۶ ج ۵ میں لکھی ہے۔

یہ چاروں خلفاء کا انتخاب تھا ان میں کبھی بھی پورے ملک میں الیکشن نہیں ہوا۔ بلکہ پورے صحابہؓ بھی شریک نہیں ہوئے نہ پورا مدینہ

شریک ہوا چند افراد نے منتخب کر لیا سب نے مان لیا۔ لیکن ہے یورپ کی جمہوریت جاہلیہ سے مرعوب ہو کر بعض ناواقف یہ کہنے لگیں کہ صحیح طریقہ وہی ہے جو آج کل رواج پائے ہوئے ہے۔ اُن حضرات نے انتخاب صحیح نہیں کیا۔ (العیاذ باللہ) اس جاہلانہ انتخاب کا جواب دینے کی ضرورت تو ہے نہیں لیکن پھر بھی ہم عرض کر دیتے ہیں کہ یہ اعتراض اللہ تعالیٰ کی ذات پر پہنچتا ہے۔ اللہ جل شانہ نے سورہ توبہ کی آیت نمبر ۱۰۰ میں مہاجرین اور انصار اور جو خوبی کے ساتھ ان کا اتباع کریں ان کی تعریف فرمائی اور اُن کے بارے میں رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ فرمایا اگر انہیں حضرات نے اسلام کو نہیں سمجھا اور امیر کا انتخاب جس طرح ہونا چاہیے تھا اُس طرح کیا تو اُن کے بعد اسلام کو اور اسلام کے تقاضوں کو جاننے والا کون ہے؟ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا علیکم بسنتی و سنتہ الخلفاء الراشدین المہدیین۔ (رواہ ابو داؤد و الترمذی) کہ میرے طریقے کو اور خلفاء راشدین کے طریقے کو اختیار کرنا اگر ان حضرات کا اپنا انتخاب صحیح نہیں اور انہوں نے دوسروں کا انتخاب صحیح نہیں کیا تو وہ خلفاء راشدین ہو ہی نہیں سکتے اگر آج کے جاہلوں کی بات مان لی جائے تو اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ حضرات صحابہ میں سے کوئی بھی خلیفہ راشد نہیں ہوا۔ (العیاذ باللہ) دشمنوں کے طریقہ کار سے مرعوب ہو کر اسلام کی تعریف اور تبدیل کرنے پر آمادہ ہو جانا ایمانی تقاضوں کے سراسر خلاف ہے۔

إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ؟

اگر اللہ تمہاری مدد فرمائے تو تم پر کوئی غالب آنے والا نہیں اور اگر وہ تمہیں بغیر مدد کے چھوڑ دے تو وہ کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے گا

وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۰۱﴾

اور اللہ ہی پر چھوڑ دے کریں تو من بند ہے۔

اللہ تعالیٰ مدد فرمائے تو کوئی غالب نہیں ہو سکتا

پہلی آیت میں ارشاد فرمایا: إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ (بإشارة إلى اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں) اس آیت شریفہ میں اللہ پر توکل کرنے کا حکم دیا ہے اور ساتھ ہی یہ ارشاد فرمایا ہے کہ کسی قوم پر غالب ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد ہی اصل چیز ہے قلت اور کثرت اور اسباب سے اس کا حقیقی تعلق نہیں ہے اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے تو تم پر کوئی غالب ہونے والا نہیں۔ بدر میں اللہ تعالیٰ نے نصرت فرمائی۔ مسلمان تھوڑے سے تھے سامان حرب بھی معمولی تھا دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی اور اُن کے پاس سامان بھی بہت تھا لیکن دشمن مغلوب ہوئے۔ پھر فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ تم کو مدد کے بغیر چھوڑ دے تو کون ہے جو تمہاری مدد کرے؟ اور واقعہ احد میں یہ بات کھل کر سامنے آ چکی ہے۔ حاصل یہ کہ مدد اور نصرت کے لئے ہمیشہ اللہ کی طرف رجوع کریں اور اسی سے مدد طلب کریں اور اسی پر توکل کریں۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ ۚ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفَّى

اور نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ خیانت کرے اور جو شخص خیانت کرے گا وہ اس خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن لے کر آئے گا پھر ہر شخص کو اس کے کئے

كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۰۲﴾

کا بدلہ دیا جائے گا اور اُن پر ظلم نہ ہوگا۔

جو شخص خیانت کرے گا قیامت کے دن ساتھ لے کر آئے گا

تفسیر و منشور ص ۵۱ ج ۲ میں ہے کہ غزوہ بدر کے موقع پر مال غنیمت میں سے ایک سرخ چادر نہیں مل رہی تھی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لے لی ہو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ نبی کی یہ شان نہیں ہے کہ غلول کرے؟ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ غلول کا اصل معنی یہ ہے کہ خفیہ طریقہ سے کوئی چیز لے لی جائے۔ پھر یہ لفظ مال غنیمت میں سے کوئی چیز چُرالینے کے لئے مخصوص کر دیا گیا اس کو غلول بھی کہا جاتا ہے۔ مطلق خیانت کو بھی غلول کہتے ہیں کیونکہ اس میں سے ایک طرح سے خفیہ طریقہ پر دوسرے کا مال اپنا مال بنالیا جاتا ہے جو اپنے لئے حلال نہ ہو۔

پھر فرمایا وَمَنْ يُغْلُلْ يُغْلَلْ يَأْتِ بِمَا غُلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ کہ جو شخص خیانت کرے گا۔ اپنی خیانت کی بہی چیز کو قیامت کے دن لے کر آئے گا (تاکہ اسکی خوب اچھی طرح رسوائی ہو اور لوگ جان لیں کہ اس نے خیانت کی تھی) سنن ابوداؤد میں ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب مال غنیمت حاصل ہوا تھا تو حضرت ببال رضی اللہ عنہ کو حکم فرماتے تھے کہ تم لشکر میں یہ پکارو کہ جس کے پاس جو بھی مال غنیمت ہو وہ حاضر کرو۔ جب مال جمع ہو جاتا تو آپ اس میں سے پانچواں حصہ لے کر (جس کا ذکر وَأَعْلَفُوا أَنْفُسًا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ (الآیۃ) میں ہے) باقی مال کو مجاہدین پر تقسیم فرما دیتے تھے، ایک دن ایک شخص تقسیم کے بعد باؤں کی ایک رسی لے کر آیا جسے باگ کے طور پر استعمال کیا جاسکتا تھا۔ اور اس نے عرض کیا یہ وہ ہے جو مجھے مال غنیمت میں سے ملتی تھی۔ آپ نے فرمایا کیا تو نے ببال کی آواز سنی تھی؟ تین مرتبہ سوال فرمایا اس نے کہا جی ہاں سنی تھی آپ نے فرمایا پھر تو کیوں نہیں لے کر آیا تجھے اس کے لانے سے کیا مانع تھا اس نے کچھ عذر پیش کیا۔ آپ نے فرمایا اب تو ہی اسے قیامت کے دن لے کر آئے گا میں تجھ سے ہرگز قبول نہیں کروں گا۔

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ مجھ سے حضرت عمرؓ نے بیان کیا کہ غزوہ خیبر کے موقع پر آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہؓ یہ کہتے ہوئے حاضر خدمت ہوئے کہ فلاں شہید اور فلاں شہید۔ اسی ذیل میں انہوں نے ایک آدمی کا ذکر کیا آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہرگز نہیں بلاشبہ میں نے اُسے دوزخ میں دیکھا ہے ایک چادر کے بارے میں جس کا اس نے غلول کر لیا تھا (یعنی چمپا کر رکھ لی تھی) پھر آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب ابن خطاب! جاؤ اور لوگوں میں پکار کر تین بار کہہ دو کہ جنت میں داخل نہ ہو گے مگر ایمان والے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے اس مضمون کا تین مرتبہ اعلان کر دیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۵۲ ج ۲)

مال غنیمت کے ناوہ اور بھی جو کوئی مال کسی طرح سے لے لیا جائے جو لینے والے کا حق نہ ہو اس مال کا لینے والا قیامت کے دن گردن پر لے کر آئے گا۔ حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو جو قبیلہ بنی ازد میں سے تھے۔ صدقات وصول کرنے پر مقرر فرمایا جب وہ آئے تو انہوں نے عرض کیا کہ یہ آپ کے لئے ہے اور یہ مجھے ہدیہ دیا گیا ہے۔ یہ سن کر آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور اللہ کی حمد و ثناء بیان کرنے کے بعد فرمایا: اہا! بعد میں بہت سے لوگوں کو ان کاموں پر مقرر کرتا ہوں جن کا اللہ نے مجھے والی بنایا پھر ان میں سے ایک شخص آتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ یہ تمہارے لئے ہے اور یہ مجھے ہدیہ دیا گیا ہے، کیوں نہ بیٹھ گیا وہ اپنے باپ یا ماں کے گھر میں پھر وہ دیکھتا کہ اُسے ہدیہ دیا جاتا ہے یا نہیں۔ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو بھی کوئی شخص اُس مال میں سے کچھ بھی لے لے گا جس کی تحصیل کے لئے مقرر کیا گیا تو قیامت کے دن اُسے لے کر

آئے گا جسے اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے ہوگا اگر اوٹ: دیگا تو وہ بولتا ہوا ہوگا اور گائے ہوگی تو وہ بھی آواز نکال رہی ہوگی اور بکری ہوگی تو وہ بھی ہنسنارہی ہوگی، پھر آپ نے ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ ہم نے آپ کی مبارک بغلوں کی سفیدی دیکھی۔ پھر دوبارہ آپ نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتَ اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتَ (متفق علیہ۔ مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۵۶) جو لوگ اوقاف کے اموال یا عمارت الناس کے مالوں میں، بیت المال کی املاک میں غبن کرتے ہیں۔ آخرت کے دن کا تصور کریں اور غور کریں کہ اموال میں خیانت کرنے اور غبن کرنے کا انجام کیا: وہ آیت کے ختم پر جو کچھ ارشاد فرمایا اسے بار بار ذہن میں بنھائیں۔ ثُمَّ نُوَفِّيْ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (پھر ہر جان کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے گا۔ اور ان پر ظلم نہ ہوگا)

اَقْبَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانِ اللّٰهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَا وَهْ جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ النَّصِيْرُ ﴿۷۳﴾

کیا جو شخص اللہ کی رضا کا تابع ہو وہ ایسے شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اللہ کے غضب کا مستحق ہو اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے۔

هُمۡ دَرَجَتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ بِصِيْرُہِمَا یَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک درجات میں مختلف ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کا ہوں کو دیکھتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب اس جیسا نہیں جو ناراضگی کا مستحق ہو

ان دونوں آیتوں میں اللہ کی رضا تلاش کرنے والے اور اللہ کے غصہ کے مستحق ہو جانے والے کے درمیان جو فرق ہے وہ بیان فرمایا ہے ارشاد ہے کہ اللہ کی رضا کے طالب اور وہ لوگ جو اپنے اعمال بد کی وجہ سے اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے یہ دونوں فریق برابر نہیں ہو سکتے۔ اس مضمون کو بیان فرمانے کے لئے استفہام انکاری کا طریقہ اختیار فرمایا تاکہ سننے والے خود بھی غور کر لیں۔ اللہ کی رضا مندی حاصل کرنے والوں کے ذیل میں جنت کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ وہ تو حاصل ہوئی جائے گی اور صرف اللہ کی رضا کے طالب ہونے پر اکتفا فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا جنت سے بھی بڑی چیز ہے اور دوسری جانب میں غضب الہی کا تذکرہ فرمایا اور یہ بھی ذکر فرمایا کہ غضب الہی کے مستحقین دوزخ میں داخل ہوں گے اور فرمایا کہ دوزخ بہت بُری جگہ ہے پھر ارشاد فرمایا کہ یہ دونوں فریق مختلف درجات والے ہوں گے (جو لوگ اللہ کی رضا کے طالب ہیں وہ جنتوں میں طرح طرح کی نعمتوں میں ہوں گے، اور جو لوگ غضب الہی کے مستحق ہوئے وہ دوزخ کے مختلف عذابوں میں ہوں گے) یہ درجات جنت اور درجات جہنم اللہ کے علم میں ابھی سے مقرر ہیں اور اللہ سب کے اعمال کو دیکھتا ہے اچھے بُرے اعمال کی جزا دے گا۔ کسی کا کوئی عمل اس کے علم سے باہر نہیں۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَكِّيْہُمْ

درحقیقت اللہ تعالیٰ نے مؤمنین پر احسان فرمایا جبکہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَاُنُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۵﴾

اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ اس سے پہلے کبھی ہونی گمراہی میں تھے۔

اپنا رسول بھیج کر اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا

اللہ جل شانہ بہت بڑا کریم ہے۔ صدیوں سے لوگ شرک اور کفر کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے، بجز خال خال چند افراد کے اللہ کے ماننے والے دنیا میں رہے ہی نہ تھے جو لوگ اپنے خیال میں اللہ کو مانتے اور جانتے تھے وہ بھی عموماً مشرک تھے عرب اور عجم سب پر شیاطین کا تسلط تھا۔ پوری دنیا کفر کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی ایسے موقع پر اللہ جل شانہ نے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ آپ کی ذات گرامی سے تاریکیاں چھٹ گئیں ایمان کا نور پھیل گیا۔ لاکھوں افراد جو کفر اور شرک کی وجہ سے مستحق دوزخ ہو چکے تھے انہوں نے اسلام قبول کیا اور وہ خود اور ان کی قیامت تک کی آنے والی نسلیں جو دین اسلام قبول کریں گی وہ سب جنتی بن گئے۔ یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے انسانوں میں سے رسول بھیجا تا کہ وہ قول سے بھی بتائے اور عمل سے بھی کر کے دکھائے اور انہیں کے اندر رہتے ہوئے ان کی اصلاح کرے ان کو اللہ کی آیات بھی سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت بھی سکھائے اور ان کا تزکیہ بھی کرے یعنی ان کے نفسوں کو صفات رذیلہ اور اخلاق ذمیہ سے پاک کرے، یہ مضمون تفصیل کے ساتھ سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۱۲۹ میں بیان ہو چکا ہے جو پارہ اول کے ختم کے قریب ہے اس کو دوبارہ دیکھ لیا جائے۔

أَوَلَمْ آصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ ۚ قُلْتُمْ أَأَنْتَ هَذَا ۚ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ ۚ

اور جس وقت تم کو ایسی مصیبت پہنچی جس کی دو گنی مصیبت تم پہنچا چکے ہو تو کیا تم یوں کہتے ہو کہ یہ کہاں سے ہے آپ فرما دیجئے یہ تمہاری ہی طرف سے ہے

إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ التَّتِيِّ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ

بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور جو تکلیف تمہیں پہنچی جس دن دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے مقابلے میں آئی تھیں سو یہ اللہ کے حکم سے تھا اور تا کہ اللہ تعالیٰ

الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ

جان لے مؤمنین کو۔ اور جان لے ان کو جنہوں نے نفاق اختیار کیا اور ان سے کہا گیا کہ آؤ جنگ کرو اللہ کی راہ میں یا

ادْفَعُوا ۚ قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالَ لَا اتَّبَعْنَاكُمْ ۚ هُمُ لِلْكَفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ۚ

دفاع کرو، وہ کہنے لگے کہ اگر ہم جنگ کرنا جانتے تو ضرور تمہارے ساتھ ہو لیتے، وہ لوگ بہ نسبت ایمان کے آج کفر سے زیادہ قریب ہیں

يَقُولُونَ يَا أَهْلَ هَذِهِ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۚ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ۚ الَّذِينَ قَالُوا

وہ اپنے منہوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے اور اللہ خوب جانتے والا ہے اُس بات کو جسے وہ چھپاتے ہیں۔ جنہوں نے اپنے بھائیوں سے کہا

إِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قَاتَلُوا ۚ قُلْ فَادْرَءُوا عَنْ أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِنْ

اور خود بیٹھ رہے کہ اگر ہماری بات مانتے تو نہ مارے جاتے، آپ فرما دیجئے تم اپنی جانوں سے موت کو دفع کرو

كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

اگر تم سچے ہو۔

مسلمانوں کو تسلی اور منافقوں کی بد حالی کا بیان

مسلمانوں کو جو غزوہ احد میں وقتی طور پر شکست ہوئی اور اس سلسلہ میں تکلیف پہنچی اس مصیبت پر کچھ لوگوں کے منہ سے یہ نکلا انسی
 ہذا (یہ مصیبت ہم کو کہاں سے پہنچی؟) اس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ اے نبی! (ﷺ) آپ ان کو جواب میں فرمادیں کہ یہ اسباب ظاہرہ
 میں تمہاری اپنی جانوں کی طرف سے ہے کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اور پیٹھ پیچھے پر جن تیر اندازوں کو ہٹھا دیا گیا تھا
 انہوں نے باوجود تاکید حکم کے اس جگہ کو چھوڑ دیا۔ اور مال غنیمت لوٹنے میں لگ گئے اس بات کو بیان فرماتے ہوئے فَلَمَّا أَصَابَكُمْ
مُشْلِفِيهَا بھی فرمایا کہ تم کو جو تکلیف پہنچی ہے گزشتہ سال غزوہ بدر میں اس سے دوگنی مصیبت تم دشمنوں کو پہنچا چکے ہو۔ ستر آدمی ان کے قتل
 ہوئے تھے اور ستر آدمیوں کو تم قیدی بنا کر مدینہ منورہ میں لے آئے تھے۔ اس میں تسلی دینے کا پہلو اختیار فرمایا کہ تم اپنے دشمنوں کو اپنی
 مصیبت سے دوگنی مصیبت پہنچا چکے ہو اب اگر تمہیں مصیبت پہنچی ہی گئی اور وہ بھی تمہاری نافرمانی کی وجہ سے تو اس پر شکمیں کیوں ہو رہے
 ہو، پھر فرمایا: وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَفَى الْخُمْفَانِ فَبَيَاذِنَ اللَّهُ (جس دن دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے مقابلہ میں آئی تھیں اس روز
 تمہیں جو تکلیف پہنچی ہو یہ تکلیف پہنچنا اللہ کے حکم سے تھا) یعنی سب ظاہرہ وہی تھا جس کا ذکر ہوا کہ تم نے نافرمانی کی اور حقیقت میں بات
 یہ ہے کہ جنگ کے موقع پر جو کچھ مصیبت پیش آئی وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو نبی سے تھی وہ ہر چیز پر قابو ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس کا کوئی
 فعل حکمت سے خالی نہیں ہے۔ بعض حکمتیں پہلے بیان ہو چکی ہیں اور بعض حکمتیں آگے بیان ہوتی ہیں اور وہ یہ ہیں۔ وَلْيَعْلَمِ الْمُؤْمِنُونَ
تَأْكُلُ اللَّهُ مَوْتَهُمْ كَوْنُ ہیں۔ وَلْيَعْلَمِ الَّذِينَ نَافَقُوا اور تاکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جان لے جنہوں نے
 منافقت کی جو اندر سے مسلمان نہ تھے۔ زبانوں سے کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہیں اور مسلمانوں میں گھل کر رہتے تھے اب جب جنگ کا
 موقع آیا تو ظاہری دہشتی بھی چھوڑ بیٹھے اور ان کا نفاق کھل کر ظاہر ہو گیا جس کی صورت آگے بیان فرمائی۔ وَقِيلَ لَهُمْ نَعَالُوا فَبَيَاذِنَ
لِللَّهِ أَوْ أَذْفَعُوا یعنی ان سے کہا گیا کہ آ جاؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو۔ اگر جنگ نہیں کر سکتے ہو تو ہمارے ساتھ رہو اگر ہمارے
 ساتھ رہو گے تو دشمن کو ہماری جماعت زیادہ نظر آئے گی اس سے بھی دشمن کے دفاع کی ایک صورت بنے گی (ذکرہ فی الروح عن ابن
 عباس رضی اللہ عنہما) آگے ان کا جواب نقل فرمایا: فَقَالُوا لَوْ نَعْلَمُ فَبَالَا لَا أَتَّبِعْنَاكُمْ وہ کہنے لگے اگر ہم جنگ کرنا جانتے تو ضرور
 تمہارے ساتھ ہو لیتے۔ ایک مطلب تو وہی ہے جو ترجمہ میں ظاہر کیا گیا اور ایک مطلب یہ ہے کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ واقعی لڑائی مفید
 ہو سکتی ہے تو ہم تمہارے ساتھ جنگ میں شرکت کر لیتے، ہمارے خیال میں تو لڑائی کا ڈھنگ نہیں ہے یہ کیا لڑائی ہے کہ تم تھوڑے سے آدمی
 ہو اور دشمن زیادہ ہے۔ سامان حرب بھی تمہارے پاس کم ہے۔ کم سے کم برابر کی ٹکر: تو لڑائی لڑی جائے۔ غالب ہونے کی امید نہ ہو تو کم از کم
 مدافعت کر نیکی قوت تو داب تو ظاہری حالات میں اپنے کو جنگ میں جھونک دینا سراسر ہلاکت میں ڈال دینا ہے۔ (ذکرہ فی الروح)

اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ هُمْ لِلْكَافِرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ یعنی اس بات کے کہنے سے وہ اب
 ظاہر میں بھی کفر سے زیادہ قریب ہو گئے جبکہ اس سے ایمان کے جھوٹے دعوے کر کے مسلمانوں میں گھلے ملے رہنے کی وجہ سے
 ظاہر میں ایمان کے قریب تھے۔ اندر سے کافر تو پہلے ہی سے تھے لیکن ظاہر میں جو ایمان کا دعویٰ کرتے تھے اس دعوے پر خود ان کے
 اپنے قول و فعل نے پانی پھیر دیا۔ ہر قتل و سزا کی باتوں کے پیش نظر یہ کہنے پر مجبور ہے کہ یہ مؤمن نہیں ہیں کیوں کہ باتیں کافروں
 جیسی کر رہے ہیں۔

پھر فرمایا: لَوْ نَبْغُوا هَمَّ مَالِكٍ فِي قُلُوبِهِمْ کہ وہ اپنے منہوں سے وہ باتیں کہہ رہے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں۔ ان

کہ یہ کہنا کہ ہم جنگ کو جانتے ہوتے یا یہ کہ جنگ کا جنگ دیکھتے تو تمہارے ساتھ ہو جاتے وہوں باتیں ایسی ہیں جو ان کے قلبی عزائم کے خلاف ہیں۔ حقیقی بات یہ ہے کہ وہ کوئی بھی حیلہ بہانہ کریں ان کو تمہارے ساتھ ہونا ہی منظور نہ تھا۔ پھر فرمایا **وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ** کہ اللہ تعالیٰ کو پوری طرح اس کا علم ہے جس کو وہ دلوں میں چھپاتے ہیں (مؤمنین تو اجمالی طور پر علامات سے ان کے ظاہر و باطن کو جان لیتے ہیں اور اللہ جل شانہ پوری طرح ان کے باطن سے باخبر ہے ان کے قلبی عزائم کو پوری طرح جانتا ہے۔

جنگ میں شرکت نہ کرنے سے موت سے چھٹکارہ نہیں ہو سکتا..... منافقین کا مزید حال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا **الَّذِينَ قَالُوا لَا تَنْحِرُوا الْبَيْعَ وَفَعَدُوا لَوْ اطَاعُوا مَا فُقِلُوا** کہ یہ وہ لوگ ہیں جو خود تو لڑائی سے جان بچا کر بیٹھ رہے اور اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا (جو ان کے نسب میں رشتہ دار تھے) کہ ہم نے تو پہلے ہی رائے دی تھی کہ جنگ نہ کی جائے ہماری بات مان لیتے تو مقتول نہ ہوتے، ان کے جواب میں بطور سرزنش اور توبیخ کے ارشاد فرمایا **فَلَمَّا قُضِيَ وَلَاحِقَ الْفَسَادُ** **وَاعْنِ الْفَسَادُ** **الْمَوْتَ** **إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ** کہ آپ فرما دیجئے موت سے کہاں بچاؤ ہے لڑائی چھوڑ کر گھر میں بیٹھ رہے اور یہ سمجھ لیا کہ موت سے بچ گئے یہ یہ تو فی ہے موت تو پھر بھی آتی ہی ہے۔ جب تم کو موت آنے لگے جو اپنے مقررہ وقت پر آنے لگی تو موت کو دفع کرو یا اور اسے نال دینا اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ جنگ میں شرکت نہ کرنے سے موت سے بچاؤ ہو سکتا ہے۔

منافق کے نزدیک جان کی قیمت زیادہ ہے اللہ کی راہ میں جان دینے سے کتراتا ہے مؤمن کو اللہ کی رضا مندی مقصود ہے وہ اللہ کے لئے جیتا ہے اور اسی کے لئے مرتا ہے اللہ کے لئے لڑنے اور جان دینے سے اسے کوئی چیز نہیں روک سکتی۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ﴿۱۵﴾

اور ہرگز گمان نہ کرو ان لوگوں کے بارے میں جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے کہ وہ مر رہے ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں۔

فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ ۚ

وہ خوش ہیں اس سے جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمایا اور وہ خوش ہو رہے ہیں ان لوگوں کی وجہ سے جو ان کے پاس نہیں پہنچے۔ ان کے پیچھے رہ گئے

أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۚ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ اللَّهِ وَفَضْلِهِ ۚ

کہ کوئی خوف نہیں ان پر اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔ وہ خوش ہو رہے ہیں بوجہ نعمت اور فضل خداوندی کے اور اس بات

أَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۶﴾

سے خوش ہیں کہ بلاشبہ اللہ ضائع نہیں فرماتا مؤمنین کے اجر کو۔

شہداء زندہ ہیں اور خوش ہیں

اگرچہ آیت میں نہ ذکر ہے کہ منافقین نے اللہ کی راہ میں قتل ہو جانے والوں کے بارے میں کیا کہا تھا مگر یہی بات اس لئے کہ جاتی تو مقتول نہ ہوتے، گویا کہ ان کا مقتول ہو جانا ان کے نزدیک اچھا نہ ہو اور ان کی خیر خواہی اس میں ظاہر کر رہے تھے کہ وہ مقتول نہ ہوتے اور دنیا میں اور زیادہ زندہ رہ جاتے، آیت بالا میں ان لوگوں کی جاہلانہ بات کا توڑ بھی ہے اور مؤمنین کو تسلی بھی ہے اور بشارت بھی

کہ جو حضرات اللہ کی راہ میں مقتول ہوئے اُن کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ تو اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور دنیا کی چیزیں ان کے پاس نہیں ہیں تو یہ کوئی نقصان کی بات نہیں کیونکہ اُن کو وہاں ان کے رب کے پاس سے رزق ملتا ہے جو دنیا کی نعمتوں سے کہیں زیادہ بڑھ کر اعلیٰ اور افضل ہے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انہیں عطا فرمایا اُس پر وہ خوش ہیں ہشاش بشاش ہیں۔ وہ تو نعمتوں میں ہیں اور رحمتوں میں ہیں اور منافقین خواہ خواہ کی ہمدردی ظاہر کر رہے ہیں کہ ہماری بات مانتے تو مقتول نہ ہوتے یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ اللہ کی راہ میں مرجانا موت نہیں ہے بلکہ وہ زندگی ہے اور عمدہ زندگی ہے اور بہت بڑی زندگی ہے۔

جو حضرات شہید ہو گئے وہ نہ صرف اپنی نعمتوں میں خوش ہیں بلکہ وہ اُن مسلمانوں کے بارے میں بھی خوش ہو رہے ہیں جو اُن تک ابھی نہیں پہنچے اس دنیا میں اُن سے پیچھے رہ گئے۔ کہ اگر یہ لوگ بھی اللہ کی راہ میں شہید ہو جائیں تو ان پر بھی ہماری طرح انعام ہوگا نہ خوف زدہ ہوں گے نہ مغموم ہوں گے۔ وہ سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا۔ نہ اُس نے ہمارا اجر ضائع فرمایا نہ ہمارے بعد میں آنے والے اہل ایمان کا اجر ضائع فرمائے گا۔ قال صاحب الروح ص ۲۳، ای یستبشرون بما تبین لهم من حسن حال اخوانهم الذین ترکوهم احياء وهو انهم عند قتلهم فی سبیل اللہ تعالیٰ یفوزون کما فازوا او یعوزون من النعم کما حازوا۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں: یعنی اپنے زندہ بھائیوں کے اچھے حالات و اعمال کی خبر ملنے پر خوش ہوتے ہیں کہ وہ بھی بھی قتال فی سبیل اللہ میں کامیاب ہوتے ہیں جیسا کہ یہ کامیاب ہوئے یا وہ بھی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں جیسا کہ یہ ہوئے۔)

حضرت مسروق تابعی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس آیت وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِینَ قُتِلُوا فِی سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْواتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُزَوِّجُوْنَہُمْ کَمَا مَطْلَبُ مَعْلُومُ کیا انہوں نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا مطلب معلوم کر چکے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ان کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں ان کے لئے قذیل ہیں جو عرش سے لٹکے ہوئے ہیں وہ جنت میں جہاں چاہیں چلتے پھرتے ہیں۔ پھر ان قیدیوں میں واپس آ جاتے ہیں۔ اللہ جل شانہ نے خاص توجہ فرمائی اور اُن سے دریافت فرمایا کیا تمہیں کسی چیز کی خواہش ہے انہوں نے عرض کیا ہمیں کس چیز کی خواہش ہوگی؟ اور حال یہ ہے کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں چلتے پھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے تین مرتبہ اسی طرح سوال فرمایا جب انہوں نے سمجھ لیا کہ ہمیں کچھ نہ کچھ جواب دینا ہی پڑے گا جب تک خواہش کا اظہار نہ کریں سوال ہوتا ہی رہے گا تو اللہ تعالیٰ شانہ سے عرض کیا کہ اے رب ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری روحیں ہمارے جسموں میں واپس کر دی جائیں تاکہ ہم ایک بار پھر آپ کی راہ میں قتل کر دیے جائیں جب یہ بات ظاہر ہو گئی کہ انہیں اور کوئی حاجت نہیں ہے تو سوال کرنا چھوڑ دیا گیا (اول تو کسی چیز کی خواہش ظاہر نہ کی اور ظاہر کی بھی تو یہ کہا کہ ہمیں دنیا میں دوبارہ واپس بھیج دیا جائے تاکہ ایک بار پھر شہید ہو جائیں وہاں سے واپس آنے کا قانون نہیں اور اس کے سوا اور کچھ مانگتے نہیں لہذا اگے سوال نہیں فرمایا)۔ (رواہ مسلم ص ۱۳۵ ج ۲)

شہادت اور شہداء کی فضیلت کا مزید بیان سورہ بقرہ کی آیت وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ یَقْتُلُ فِی سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْواتًا کے ذیل میں گزر چکا ہے۔

الَّذِینَ اسْتَجَابُوا لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۚ لِلَّذِینَ اَحْسَنُوا مِنْهُمْ

جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو مان لیا اس کے بعد کہ ان کو زخم پہنچ چکا تھا ان میں سے جنہوں نے نیکی کے کام کئے اور تقویٰ اختیار کیا

مع

وَاتَّقُوا أَجْرَ عَظِيمٍ ﴿۱۵۰﴾ الَّذِينَ قَالُوا لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ

ان کیلئے بہت بڑا ثواب ہے۔ یہ ایسے ہیں کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ بلاشبہ لوگوں نے تمہارے لئے سامان کیا ہے لہذا تم ان سے ڈرو تو ان کی اس بات نے

فَزَادَهُمْ إِيمَانًا ۖ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ﴿۱۵۱﴾ فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةِ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ

ان کا اور زیادہ ایمان بڑھا دیا اور کہنے لگے کہ ہم کو اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔ سو وہ اللہ کی نعمت اور اس کا فضل لے کر واپس ہوئے

لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ ۖ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ﴿۱۵۲﴾ إِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ

ان کو کچھ بھی تکلیف نہیں پہنچی اور وہ اللہ کی رضامندی کے تابع رہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ یہ جو بات شیطان آئی صرف اس وجہ سے کہ شیطان اپنے

أُولِيَآءَ ۖ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُوا إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۵۳﴾

دوستوں سے ڈراتا ہے سو تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو۔

صحابہ کی تعریف جنہوں نے زخم خوردہ ہونے کے باوجود اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم مانا

درمنثور ص ۱۰۱ ج ۲ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب ابوسفیان اور اس کے ساتھی (غزوہ احد کے بعد) واپس ہوئے اور مشرکین کا آپس میں مشورہ ہوا کہ ہم شکست دے کر واپس آ گئے (یہ تو کچھ بھی نہ ہوا) سب مسلمانوں کو ختم ہی کر دیتے لہذا واپس چل کر پھر حملہ کریں، اس کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو گئی تو آپ اپنے صحابہؓ کو لے کر ان کے پیچھے چلے اور مقام حمراء الاسد تک ان کا پیچھا کیا جب ابوسفیان کو یہ پتہ چلا کہ آپ ہمارے پیچھے آ رہے ہیں تو ابوسفیان اپنے ساتھیوں کو لے کر چلا گیا۔ راستے میں بنی عبدالمعزی کے چند سواروں سے ملاقات ہوئی ان سے ابوسفیان نے کہہ دیا کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کہہ دو کہ ہم واپس لوٹ کر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں تاکہ مسلمانوں کو بالکل ہی ختم کر دیں۔ ان لوگوں کی حمراء الاسد میں آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہو گئی انہوں نے ابوسفیان کی بات نقل کر دی اس پر آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ کہا کہ اللہ ہمارے لئے کافی ہے اور ہمارا کارساز ہے۔

اللہ جل شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی (جس میں مسلمانوں کی تعریف ہے کہ غزوہ احد میں زخم خوردہ ہونے کے بعد بھی) اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان لی اور دشمن کا پیچھا کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے حمراء الاسد تک پیچھا کیا اور جب دشمن کی طرف سے یہ بھیکی ملی کہ ہم نے بہت سا سامان تیار کر لیا ہے۔ تَوَحَّسَبْنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ مضبوط اعتقاد اور یقین کے ساتھ پڑھ لیا۔ اور دشمن واپس نہ ہوئے اور سیدھے مکہ معظمہ چلے گئے۔

اور ابن شہاب زہری نے بحوالہ بیہقی فی الدلائل نقل کیا ہے کہ ابوسفیان نے چلتے وقت یہ کہہ دیا تھا کہ اب بدر میں جنگ ہو گئی جہاں تم نے ہمارے آدمیوں کو قتل کیا تھا اس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے ساتھ بدر کے لئے روانہ ہوئے ساتھ ہی تجارت کے لئے سامان بھی لے لیا تھا کہ اگر جنگ ہوئی تو جنگ کر لیں گے۔ ورنہ تجارت تو ہو ہی جائے گی جب یہ حضرات بدر کے لئے جا رہے تھے تو راستہ میں شیطان نے اپنے دوستوں کو ان کے ڈرانے کے لئے کھڑا کر دیا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ ہم نے سنا ہے کہ تمہارے مقابلہ کے لئے

بہت ساسان تیار کر لیا گیا ہے۔ لہذا تم اپنے ارادہ سے باز آؤ اور احتیاط سے کام لو دشمن تم سے جنگ کرے گا اور تمہارا سامان چھین لے گا ان شیطانی حرکتوں کا ان حضرات پر کچھ اثر نہ ہوا اور برابر چلتے رہے حتیٰ کہ بدر میں پہنچ گئے وہاں دشمن کا نام دشمن بھی نہ تھا انہوں نے اپنے اموال کو فروخت کیا اور نفع کے ساتھ واپس ہوئے۔

مذکورہ بالا آیات میں حضرات صحابہؓ کی تعریف ہے جو غزوہ احد میں چوٹ کھانے کے باوجود دشمن کا پیچھا کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے اور دشمن کی جھوٹی بھیکوں اور شیطان کی حرکتوں کا بھی ذکر ہے۔ اور مسلمانوں کو جو مال تجارت میں نفع حاصل ہوا اس کا بھی تذکرہ ہے۔ شیطان کے دوستوں نے جو ڈرایا کہ تمہارا دشمن ایسے ایسے سامان حرب سے لیس ہو کر حملہ آور ہوئے والا ہے اس کا اثر لینے کی بجائے وہ اللہ کی طرف توجہ دینے اور مضبوط یقین کے ساتھ انہوں نے حَسْبُنَا اللہ وَبِعَمَّ الْوَكِيلُ کہا جس سے اُن کا قلب بھی قوی ہوا ایمان بڑھ گیا۔ مومن بندوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا لازم ہے۔ شیطان اور شیطان کے دوستوں کی شرارتیں تو جاری رہتی ہی ہیں لیکن مسلمان کو اللہ کافی ہے اور وہی اُن کا کارساز ہے اگر اللہ کی مدد اور نصرت نہ ہوتی تو اسلام پورے عالم میں کیسے پھیلتا۔ شیطان اور اس کے دوستوں نے کبھی بھی اسلام کی دشمنی میں کمی نہیں کی۔

لِيُذَوِّنَ لِبُطْفُوْا نُورَ اللّٰهِ بِاَفْوَاْهِهِمْ وَاللّٰهُ مُبْتٰمٌ نُّوْرِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ۔ (کافر چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کو اپنی پھوکوں سے بجھا دیں جبکہ اللہ تو اپنی روشنی کو کامل کر کے رہے گا اگرچہ کافر برا مانیں)۔

وَلَا يَحْزَنُكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَنْ يَضُرُّوْا اللّٰهَ شَيْئًا ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ

اور آپ کو وہ لوگ رنجیدہ نہ کریں جو تیزی کے ساتھ کفر میں جا پڑتے ہیں بے شک وہ لوگ اللہ کو کچھ بھی ضرر نہ دے سکیں گے، اللہ چاہتا ہے

اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اَشْتَرَوْا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ

کہ اُن کو آخرت میں کچھ بھی حصہ نہ دے اور اُن کے لئے بڑا عذاب ہے۔ بے شک جن لوگوں نے کفر کو ایمان کے

لَنْ يَضُرُّوْا اللّٰهَ شَيْئًا ۗ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّهٗمْ سُمِلٰى

بلکہ غریب لیا وہ چیز اللہ کو کچھ بھی ضرر نہ پہنچا سکیں گے اور اُن کیلئے دردناک عذاب ہے۔ اور ہرگز گمان نہ کریں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ ہم جو ان کو مہلت دے رہے ہیں

لَهُمْ خَيْرٌ لَّا نَفْسِهِمْ ۗ اِنَّمَا سُمِلٰى لَهُمْ لِيُزَادُوْا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝

وہ ان کی جانوں کیلئے بہتر ہے، بات یہی ہے کہ ہم انہیں مہلت دے رہے ہیں تاکہ وہ گناہوں میں اور زیادہ زرق کر سکیں۔ اور ان کیلئے عذاب ہے ذلیل کرنیوالا۔

جو لوگ تیزی کے ساتھ کفر میں گرتے ہیں ان کے عمل سے رنجیدہ نہ ہوں

اس آیت میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ پاک نے تسلی دی ہے۔ خطاب تو آپ کو ہے لیکن تسلی کے مضمون میں تمام مسلمان شریک ہیں مطلب یہ ہے کہ جو لوگ تیزی کے ساتھ کفر میں گر رہے ہیں اور کفر انہیں خوب زیادہ مرغوب ہے اُن کی حرکتوں اور اسلام و مسلمانوں کے خلاف ان کو ششوں سے رنجیدہ نہ ہوں اور یہ اندیشہ نہ کریں کہ یہ لوگ آپ کو نقصان پہنچا دیں گے اور آپ کے مقابلہ میں دوسروں کی مدد کریں گے۔ قال صاحب الروح ص ۳۳ ج ۳ والمراد لا يحزنك خوف ان يضروك ويعينوا عليك۔ (صاحب

روح المعانی فرماتے ہیں: لا یحزنک سے مراد یہ ہے کہ آپ کی مضرت رسانی اور اپنے مخالفوں کیلئے ان کی مدد کا غم نہ کریں) حضرت مجاہد تابعی نے فرمایا ہے کہ الذین یشکرون فی الکفر سے یہاں منافقین مراد ہیں۔ جنہوں نے غزوہ اُحد میں شرکت نہیں کی، اور حضرت حسنؑ نے فرمایا کہ اس سے تمام کفار مراد ہیں۔ آیت نازل ہونے کے وقت خواہ منافقین ہی مراد ہوں لیکن مضمون عام ہے۔ تمام کافروں کی ہر قسم کی حرکتیں سامنے ہوتے ہوئے بھی مسلمانوں کو ٹھگن نہیں دینا چاہیے۔ کافر تیزی کے ساتھ کفر میں پڑتے ہیں اور اسلام کے خلاف کافرانہ سازشیں کرتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہاں مضاف مقدر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لن یضرُوا اولیاء اللہ شیئا اور بعض اکابر نے یہاں لفظ "دین" کو مقدر مانا ہے۔ ای لن یضرُوا دین اللہ شیئا یعنی یہ لوگ اللہ کے دین کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ کافروں کی سازشیں ہمیشہ سے رہیں اور برابر رہیں گی۔ مومن بندے ٹھگن نہ ہوں کیونکہ دشمن کو تو دشمنی کرنی ہی ہے لیکن ان کی دشمنی سے اللہ کو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا جسے کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا وہی تمہارا مددگار ہے۔ لہذا اسی پر بھروسہ کرو اور اس سے مدد مانگو۔

دشمن جو تیزی سے کفر میں رگر رہے ہیں اور اسلام کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کا ذرا سا حصہ بھی نہ ہو ظاہری دنیا کے اعتبار سے ان کو غلط فہمی ہے کہ ہم اچھے رہے کہ اسلام قبول نہ کیا اور اپنے جان و مال کو بچالیا۔ یہ لوگ نہ صرف یہ کہ آخرت کے منافع سے بالکل محروم ہو گئے بلکہ وہ وہاں بڑے عذاب میں بھی مبتلا ہوں گے۔

پھر فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ اَشْكَرُوا الْکُفْرَ بِالْاٰیْمَانِ لَنْ یُضْرُوا اللّٰهُ شَیْئًا وَلِلّٰهِ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (بے شک جن لوگوں نے کفر کو ایمان کے بدلہ خرید لیا وہ ہرگز اللہ تعالیٰ کو کچھ بھی ضرر نہ پہنچا سکیں گے اور ان کے لئے عذاب ہے دردناک) کفر کو ایمان کے بدلے خرید کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے ایمان کے بدلہ کفر اختیار کر لیا۔ ایمان کو چھوڑ کر کفر و غیبت کی چیز بنالی۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ یہاں جو کمر لن یضرُوا اللہ شیئا فرمایا یہ بطور تاکید کے ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس سے تعریض مقصود ہے اور مطلب یہ کہ یہ لوگ صرف اپنی ہی ذاتوں کو ضرر دے رہے ہیں۔ اللہ کو کوئی ضرر نہیں دے سکتے اور اپنی حرکتوں کی وجہ سے دردناک عذاب کے مستحق ہیں۔

پھر فرمایا وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوا اَنَّمَا نُمَلِّیْ لَهُمْ خَیْرًا لَّاۤ اَنْفُسِهِمْ ۚ اِنَّمَا نُمَلِّیْ لَهُمْ لَیْسَ دَاۤخِرًا اٰثْمًا ۚ وَلِلّٰهِ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ (اور ہرگز گمان نہ کریں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ ہم جو ان کو مہلت دے رہے ہیں وہ ان کی جانوں کے لئے بہتر ہے بات یہ ہے کہ ہم ان کو مہلت دے رہے ہیں اس لئے ہے کہ وہ گناہوں میں اور زیادہ ترقی کر لیں اور ان کے لئے عذاب ہے ذلیل کرنے والا) کافروں کو جو یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم تو بہت اچھے حال میں ہیں۔ صاحب مال ہیں، صاحب اولاد ہیں۔ کھاتے پیتے ہیں ہمیں اسی حال میں اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور ہماری زندگیوں اور عزتوں پر ہی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض نہیں ہے۔ یہ ان کی ناکبھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو متنبہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ہمارے ڈھیل دینے کو یہ نہ سمجھیں کہ ہمارا ڈھیل دینا ان کے حق میں بہتر ہے ہم تو صرف اس لئے ڈھیل دیتے ہیں کہ وہ گناہوں میں ترقی کرتے چلے جائیں پھر ان کو خوب زیادہ سزا ملے۔ اور سزا ابھی خوب ذلیل کرنے والی ہوگی۔ یہ مضمون قرآن مجید میں کئی جگہ میں وارد ہوا ہے۔ سورہ اعراف میں فرمایا وَالَّذِیْنَ کَذَبُوا۟ بِآیَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ۚ وَ اَمَلِیْ لَهُمْ اِنَّ کَیْدَیْ فِتْنٰی (اور جن لوگوں نے کہ ہماری آیات کو جھٹلایا ہم ان کو اس طور پر بتدریج لئے جارہے ہیں کہ ان کو ظلم بھی نہیں اور میں ان کو مہلت دیتا ہوں، بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے)۔ سورہ توبہ میں فرمایا فَلَا تُعْجِبْکَ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ ۚ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ بِمَا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ لِیَرْزُقَ اَنْفُسَهُمْ وَ لَیْسَ لَهُمْ شَاقِیْرُوْنَ (سوان کے اموال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں

اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے دنیاوی زندگی میں اُن کو گرفتار عذاب رکھے اور اُن کی جانیں اس حال میں نکل جائیں کہ وہ کافر ہوں۔

مسلمانوں کو بھی اس سے عبرت حاصل کرنا چاہیے۔ دنیا میں مال اولاد زیادہ ہونا دلیل اس بات کی نہیں ہے کہ جس کے پاس یہ چیزیں ہوں وہ اللہ کا محبوب ہی ہو اللہ تعالیٰ جن سے ناراض ہے اُن کو بھی یہ چیزیں دیتا ہے بلکہ اپنے محبوبین سے زیادہ دیتا ہے۔ اپنے دشمنوں کو جو دنیاوی چیزیں زیادہ عنایت فرماتا ہے اس میں یہ حکمت ہے کہ یہ لوگ کفر اور معاصی میں زیادہ سے زیادہ ترقی کرتے رہیں پھر ان کو یکبارگی سخت ترین عذاب میں مبتلا کر دیا جائے۔ اسی طرح بہت سے فاسقوں اور فاجروں کو بھی مال بہت زیادہ دیتا ہے۔ مخلصوں اور متقیوں کو اتنا نہیں دیتا۔ جن لوگوں کو اللہ کا تکوینی قانون معلوم نہیں ہے وہ اس پر تعجب کرتے ہیں اور بعض تو تعجب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ پر اعتراض بھی کر دیتے ہیں، جنہیں ایمان اور اعمال صالحہ کے ساتھ ظال مال مل گیا گھوڑا اسی ہو وہ بہت مبارک ہے اور جسے کفر کے ساتھ مال دولت مل گیا یا فسق و فجور کے ساتھ مال مل گیا جس کی وجہ سے کافر ہو جاتے ہیں یا وہ شخص فسق و فجور میں ترقی کرتے رہتے ہیں تو یہ کوئی نعمت کی چیز نہیں ہے استدراج کا خطرہ پیش نظر رہنا چاہیے اگر مال حلال ہی ہو اور گناہوں میں خرچ ہو تو یہ زبردست مواخذہ کی چیز ہے اور اگر حرام ہو تو وہ سراپا عذاب ہی عذاب ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہرگز کسی فاجر کی نعمت پر رشک نہ کر کیونکہ تجھے معلوم نہیں کہ موت کے بعد اُسے کس معصیت سے دوچار ہونا ہے اس کے لئے اللہ کے نزدیک ایک قاتل ہے جو کبھی نہ مرے گا۔ یعنی دوزخ کی آگ۔ (مشکوٰۃ الصالح ص ۴۷۷)

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۚ وَمَا كَانَ

اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيٰ مِنْ رُّسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ فَاْمُنُوا بِاللَّهِ

اور غیب پر مطلع نہیں فرماتا لیکن اللہ منتخب فرماتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے۔ سو ایمان اللہ پر اور اس کے

وَرُسُلِهِ ۚ وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۱۰﴾

رسولوں پر اور اگر تم ایمان پو قائم رہے اور تم نے تقویٰ اختیار کیا تو تمہارے لئے ثواب عظیم ہے۔

اللہ تعالیٰ اچھے اور بُرے لوگوں میں امتیاز فرمائے گا

منافقین مخلص مسلمانوں میں گھلے ملے رہتے تھے ان کے ظاہری دعوؤں کی وجہ سے اور بعض نمازوں میں حاضر ہونے کی وجہ سے ظاہری طور پر یہ امتیاز نہ دیا جاتا تھا کہ منافق کون ہے اور مخلص کون ہے۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ تم کو اس حالت پر نہیں رکھنا چاہتا جس پر تم اب ہو بلکہ اللہ پاک کی طرف سے ایسے شدائد اور مصائب پیش آتے ہیں اور پیش آئیں گے کہ ناپاک لوگ یعنی منافقین کا پاک لوگوں (یعنی مسلمان) سے امتیاز ہو جائے کیونکہ معصیت کے وقت اپنے پرانے کا اچھی طرح پتہ چل جاتا ہے۔

پھر فرمایا وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيٰ مِنْ رُّسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ اس میں یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شانہ تمہیں منافقین کے نفاق پر اس طرح مطلع فرمادیں کہ تم اُن کے قلوب کو جان لو ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے حکمت یہ ہے کہ عملی طور

پر ظاہری طریقے پر منافقوں کا نفاق کھل جائے اور وہ اس طرح سے واضح ہو کہ جب مصیبتیں پیش آئیں اور اللہ کی راہ میں جان و مال خرچ کرنے کے مواقع آئیں تو منافقین بھاگ نکلیں غزوہ احد میں عمل سے بھی راہ فرار اختیار کی اور زبانی طور پر بھی ایسے کلمات بول اٹھے جن سے صاف ظاہر ہو گیا کہ یہ اندر سے مؤمن نہیں ہیں۔ اگر مسلمانوں کو منافقوں کے قلوب کا حال بتا دیا جاتا اور مسلمان اپنے اسی علم کی بنیاد پر یہ کہتے کہ تم منافق ہو تو وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ تمہارے پاس ہمارے منافق ہونے کی کیا دلیل ہے تم غلط کہتے ہو ہم تو سچے مسلمان ہیں۔ لیکن جب مصیبتوں کا سامنا ہوا اور منافق بھاگ کھڑے ہوئے تو ظاہری طور پر خود ہی مسلمانوں سے الگ ہو گئے اور اب ان کا یہ منہ نہ رہا کہ مؤمن مخلص ہونے کا دعویٰ کریں۔

ہاں اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے غیب کی بات بتا دیتا ہے اس غیب میں یہ بھی ہے کہ کسی کا نفاق اور دل کا چور اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بتا دے، اللہ تعالیٰ اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ظاہر فرمائے یا مصائب اور شداوند اور تکالیف اور قربانی کے مواقع سامنے لا کر منافقین کا نفاق ظاہر فرمائے اور سب کے سامنے رسول فرمائے یہ سب حکمت کے مطابق ہے قال صاحب الروح ص ۱۳۷ ج ۳ والاستدراک اشارۃ الی کفیفۃ وقوعہ علی سبیل الاجمال وان المعنی ما کان اللہ لیتحرک المخلصین علی الاختلاط بالمنافقین بل یرتب المبادی حتی ینخرج المنافقین من بینہم وما یفعل ذلک باطلاعکم علی ما فی قلوبہم من الکفر والنفاق ولکنہ تعالیٰ یوحی الی رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم فیجزہ بذلک وبما ظہر منہم من الاقوال والافعال حسبما حکم عنہم بعضہ فیما سلف فیفضحہم علی رؤس الاشہاد ویخلصکم مما نکرہون۔ (صاحب روح المعانی) فرماتے ہیں اور لکن استدراک اہمالی طور پر منافقین کی اطلاع کے وقوع کی طرف اشارہ ہے معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مختصوں کو منافقین کے ساتھ ملا ہوا نہیں چھوڑے گا بلکہ اللہ تعالیٰ ایسے حالات پیدا فرمائے گا کہ منافقین جدا ہو جائیں گے اور اس سے ان کے دلوں میں موجود کفر و نفاق کی اطلاع کر دے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کر کے اس کی خبر دیتا ہے اور اس سلسلہ میں ان سے ظاہر ہونے والے افعال و اقوال کو واضح کرتا ہے کہ خود انہی کے لوگ اپنی گزشتہ کسی بات کو ظاہر کر دیتے ہیں اس طرح اللہ تعالیٰ انہیں سب کے سامنے رسوا کر دیتا ہے اور تمہیں تکلیف دہ امور سے بچا دیتا ہے۔

آخر میں فرمایا فَاٰمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّکُمْ اَجْرُ عَظِیْمٍ (کہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ یعنی اسی پر ثابت قدم رہو، اور اگر تم مؤمن رہو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو تمہارے لئے اجر عظیم ہے)۔

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخُلُوْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَیْرًا لَّہُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّہُمْ ؕ

اور ہرگز خیال نہ کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس چیز میں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دی ہے کہ یہ بخل کرنا ان کے لئے بہتر ہے،

سَیَظْهَرُوْنَ مَا بَخَلُوْا بِہِ یَوْمَ الْقِیَمَۃِ ؕ وَ لِلّٰهِ مِیْرَاتُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰہُ

بلکہ وہ ان کے لئے برا ہے، جس چیز کے ساتھ انہوں نے بخل کیا مقرر قیامت کے دن ان کو اس کا طوق پہنایا جائے گا۔ اور اللہ کے لئے

بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ؕ

آسمانوں اور زمین کی میراث ہے اور اللہ ان کاموں کی خبر رکھتا ہے جو تم کرتے ہو۔

جولوگ بخیل ہیں وہ بخل کو اپنے حق میں اچھا نہ سمجھیں

جولوگ مومن نہ تھے وہ اللہ کی راہ میں جس طرح جان دینے سے بچتے تھے اسی طرح مال خرچ کرنے سے بھی گریز کرتے تھے۔ اس آیت میں بخل کی مذمت فرمائی اور فرمایا کہ اللہ کے دیئے ہوئے مال میں جولوگ کنجش کرتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کا یہ مل ان کے لئے بہتر ہے۔ یہ تو ان کے لئے بہت ہی بُرا ہے اور اس کا برا انجام آخرت میں سامنے آنے گا۔ ان کا مال قیامت کے دن طوق بنا کر ان کے گلوں میں ڈال دیا جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جسے اللہ نے مال دیا پھر اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہ کی تو اس کا مال قیامت کے دن گنجا سانپ بنا دیا جائے گا (جس سانپ کے زیاہ وز بر یا ہونے کی وجہ سے سر کے بال اڑ گئے ہوں اسے گنجا سانپ کہا جاتا ہے) یہ گنجا سانپ اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا پھر وہ اس کی دونوں باجھوں کو پکڑ کر کہے گا انا مالک انا کنزک (کہ میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں) پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَتَخَلَّفُونَ (الآیۃ) (رواہ البخاری ص ۱۸۸ ج ۱) پھر فرمایا لِلّٰهِ مِيزَاتُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (یعنی آسمانوں کی اور زمین کی میراث سب اللہ کے لئے ہے) سب کا وہی مالک ہے ملکیت حقیقی میں کوئی اس کا سا جھی نہیں۔ اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے اللہ کا حکم نازل ہونے پر خرچ نہ کرنا اور مال خرچ کرنے میں اللہ کی رضا کا خیال نہ کرنا بڑی بے وقوفی ہے جن مالوں کو آپس میں یکے بعد دیگرے میراث میں تقسیم کر لیتے ہیں وہ اولاً آخراً سب اللہ ہی کا ہے۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ اور جو بھی عمل کرتے ہو سخاوت ہو یا کنجش، خیر ہو یا شر اللہ تعالیٰ کو سب کی خبر ہے وہ ان سب کا بدلہ دے گا۔

لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ مَسَنَكْتُبُ مَا قَالُوا

اللہ نے سن لی ان کی بات جنہوں نے کہا ہے کہ بے شک اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں۔ فقیر یہ ہم ان کی بات کو

وَقَتْلَهُمُ الْاَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ اَيْدِيَكُمْ

لکھ لیں گے اور جو انہوں نے نبیوں کے ناحق قتل کئے ہیں اس کو بھی لکھ لیں گے اور ہم کہیں گے کہ تجھ کو جلتے کا عذاب۔ یہ ان اعمال کی وجہ سے ہے جو تمہارے

وَ اَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿۸۲﴾ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللَّهَ عٰهَدُ اِلَيْنَا اَلَا نُوْمِنُ

باتوں نے آگے بھیجا اور اللہ بندوں پر ظلم فرمانے والا نہیں ہے۔ جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ نے ہم سے یہ فرمایا کہ ہم کی رسول پر ایمان

لِرَسُوْلٍ حَتّٰی يٰۤاتِيَنَا بِقُرْبٰنٍ تَاْكُلُهٗ النَّارُ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ

نے ایمان جب تک کہ وہ تمہارے پاس اسی قربانی کی چیز نہ آئے تھے آگے لکھا جائے۔ آپ فرما دیجئے مجھ سے پہلے بہت سے رسول کھلی کتابیں لے کر آئے اور جو تم

وَبِالَّذِي قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ رُسُلُ

کہہ رہے ہو وہ بھی لائے پھر تم نے ان کو کیوں قتل کیا اگر تم سچے ہو؟ سو اگر وہ آپ کو جھٹلاں تو آپ سے پہلے رسول جھٹلائے

مِّنْ قَبْلِكَ جَاءُوْۤا بِالْبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيرِ ﴿۸۴﴾

جا چکے ہیں وہ کھلی کتابیں لائے اور صحیفے لائے اور روشن کتاب لائے۔

یہود کی یہودگی اور ان کے لئے عذاب کی وعید

لباب المقبول ص ۶۱ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک دن یہودیوں کے بیت المدارس (یعنی مدرسہ) میں تشریف لے گئے وہاں ایک شخص کے پاس یہودی جمع تھے جس کا نام فخاص تھا فخاص نے کہا اے ابو بکر ہمیں اللہ کی طرف کوئی محتاجی نہیں اور اللہ ہمارا محتاج ہے اگر وہ غنی ہوتا تو ہم سے قرض کیوں مانگتا۔ تمہارا نبی یہ بتاتا ہے کہ اللہ قرض طلب کرتا ہے۔ اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا اور فخاص کے چہرے پر طمانچہ مار دیا۔ فخاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گیا اور کہنے لگا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) دیکھو تمہارے ساتھی نے میرے ساتھ کیا کیا۔ آپ نے ابو بکر سے فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس نے بہت سخت بات کہی ہے۔ یہ کہتا ہے کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں۔ اس پر فخاص منکر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ جب آیت کریمہ ذَٰلِذِی یُفْضِلُ اللّٰهُ قَوْضًا حَسَنًا نازل ہوئی تو یہودی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اے محمد! تمہارا رب تو فقیر ہو گیا۔ وہ بندوں سے مانگتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الْبَنِیْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَنَحْنُ اَغْنِیَاءُ (آخر تک) نازل فرمائی۔ یہ تو مشہور ہی ہے کہ اعتراض کرنے والا اندھا ہوتا ہے۔ اللہ جل شانہ نے زکوٰۃ صدقات دینے کا جو حکم فرمایا پھر اس پر آخرت میں ثواب دینے کا وعدہ فرمایا اس کو مہربانی کے طور پر قرض سے تعبیر فرمادیا کہ یہاں میرے بندوں پر خرچ کرو اور اس کا اجر و ثواب میں تم کو آخرت میں دے دوں گا۔ سارے بندے اور بندوں کے سارے مال سب اللہ ہی کی ملکیت ہیں وہ اگر سارے مال خرچ کا حکم دیتا اور بالکل کچھ بھی ثواب نہ دیتا تو اُسے اس کا بھی اختیار ہے وہ تو بے غرض اور بے حاجت ہے غنی ہے غنی ہے بے نیاز ہے اُسے کسی چیز کی حاجت نہیں اس نے امتلاء اور امتحان کے طور پر بندوں کو حکم دیا کہ بندوں پر خرچ کریں اور اپنے پاس سے دینے کا وعدہ فرمایا۔ یہودیوں نے اس کرم اور فضل اور مہربانی کو نہ سمجھا کہ اللہ نے اپنے دیئے ہوئے مال میں سے حکم کے مطابق خرچ کرنے کا نام قرض رکھ دیا اور ثواب کا وعدہ فرمایا اور قرآن کی اس تعبیر پر اعتراض کر بیٹھے اور کہنے لگے کہ اللہ فقیر ہو گیا ہم سے مانگتا ہے۔ لہذا ہم مالدار ہوئے اور وہ فقیر ہوا۔ (العیاذ باللہ)

اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ انہوں نے جو کہا ہے اس کو ہم لکھ لیں گے۔ یعنی صحائف اعمال میں اس کو درج کرا دیں گے اور ان کی یہ بات محفوظ رہے گی۔ جس پر ان کو سزا ملے گی۔ یہودیوں کی اس بات میں اللہ جل شانہ کے بارے میں بدعتیدہ ہونے کا اظہار ہے اور قرآن کا استہزاء ہے اور ان کا ایک یہی قول باعث عذاب و عقاب نہیں ہے بلکہ وہ تو اور بھی بہت سی بری حرکتیں کر چکے جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہوں نے ناحق انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کیا۔ یہ کام کیا تو تھا ان کے آباء و اجداد نے لیکن موجود یہودیوں کو اس پر کوئی تکبر نہیں اور اپنے آباء و اجداد کے اس عمل سے راضی ہیں لہذا یہ بھی قیامت کے دن ان کے اعمال ناموں میں لکھا ہوا ملے گا۔ کافرانہ عقیدوں اور حرکتوں کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہوں گے اور کہا جائے گا کہ جلنے کا عذاب چکھ لو اور یہ عذاب تمہارے اعمال کی وجہ سے ہے جو تم نے دنیا میں کئے اور آخرت میں بھیج دیئے۔ جو کچھ بھی عذاب ہے تمہارے اپنے کئے کا پھل ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم فرمانے والا نہیں ہے۔

اس کے بعد یہودیوں کی ایک اور بات نقل فرمائی پھر اس کا جواب دیا۔ یہودیوں نے کہا کہ اے محمد ﷺ ہم تم پر کیسے ایمان لائیں۔ ہمیں تو اللہ نے تورات میں حکم دیا ہے اور تاکید فرمائی ہے کہ جو بھی کوئی شخص رسالت اور نبوت کا دعویٰ ہو ہم اس کی تصدیق نہ کریں جب تک

کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں قربانی پیش نہ کرے اور یہ قربانی ایسی ہو جسے آگ جلا کر بھسم کر دے۔ یہ آگ کا جلانا دلیل اس بات کی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قربانی قبول ہوگئی اور یہ شخص جس نے قربانی پیش کی ہے واقعی اللہ کا رسول ہے۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ آپ جواب میں فرما دیجئے کہ تم سے پہلے کثیر تعداد میں انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے ان کے پاس کھلے کھلے معجزات تھے اور تم جو یہ کہہ رہے ہو کہ قربانی پیش کی جائے جسے آگ جلا دے انہوں نے تمہارے سامنے یہ بھی کیا قربانیاں پیش کیں جنہیں آگ نے جلایا، تم تو اس پر بھی ایمان نہ لائے، اور نہ صرف یہ کہ ایمان نہ لائے بلکہ تم نے اُن کو قتل کر دیا اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو انبیاء سابقین پر ایمان لے آتے بات یہ ہے کہ تمہیں ایمان لانا نہیں ہے بطور کٹ جتنی جیلے بہانے تراشنے کے لئے ایسی باتیں کہتے ہو۔ (روح المعانی ص ۱۴۱-۱۴۲ ج ۴)

پھر فرمایا فَاِنْ كَذَّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاءُوا بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ اگر ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ آپ سے پہلے رسولوں کی تکذیب کی گئی ہے۔ وہ حضرات کھلے کھلے معجزات لے کر آئے اُن کے پاس اللہ کے عطا فرمودہ حقیقی تھے اور خوب اچھی طرح واضح کر کے بیان کرنے والی کتاب تھی۔ اس سب کے باوجود جنہیں ایمان نہ لانا تھا وہ ایمان نہ لائے اور رسولوں کی تکذیب کرتے رہے، اگر آپ کی تکذیب کی جائے تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اُن حضرات نے صبر کیا آپ بھی صبر کریں۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أَجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ فَمَنْ زُحِزَحَ عَنِ الثَّارِ وَ

ہر جان موت چکھنے والی ہے اور بات یہی ہے کہ تم کو قیامت کے دن پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، سو جو شخص بچا دیا گیا آگ سے

أَدْخَلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ۝۱۵

اور داخل کر دیا گیا جنت میں سو وہ کامیاب ہو گیا، اور دنیا والی زندگی دھوکہ کے سامان کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے

اس آیت شریفہ میں ازل تو یہ ارشاد فرمایا کہ ہر شخص کو مرنا ہے اور موت کا مزہ چکھنا ہے مومن ہو یا کافر سب کو یہاں سے چلا جانا ہے۔ اور زندگی کا مرحلہ موت پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ زندگی میں جو اچھے یا بُرے کام کئے موت کے بعد اُن کا بدلہ ملے گا اور پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ حساب ہوگا اعمال کی پیشی ہوگی۔ قاضی روز جزا جل مجدہ فیصلے فرمائے گا۔ ان فیصلوں کے نتیجے میں ایک جماعت دوزخ میں اور ایک جماعت جنت میں جائے گی جو شخص دوزخ سے بچا دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا اصل کامیاب وہی ہے۔

کامیاب کون ہے؟..... لوگوں نے دنیا میں اپنی کامیابی کے لئے بہت سے معیار تجویز کر رکھے ہیں۔ حکومتوں والے سمجھتے ہیں کہ ہم کامیاب ہیں۔ سیٹھ اور مہاجن اس دھوکہ میں مبتلا ہیں کہ ہم کامیاب ہیں، بڑے بڑے عہدوں پر پہنچنے والے اپنی کامیابی کے گھمنڈ میں ہیں، بڑے بڑے محلوں میں رہنے والے گمان کر رہے ہیں کہ ہم کامیاب ہیں، ان لوگوں کو آخرت کی کامیابی اور ناکامی کا ذرا بھی دھیان نہیں ہے۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ جو دوزخ سے بچا دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہے، اس میں یہودیوں کو بھی نصیحت ہوگئی جو اپنے احوال اور اموال میں مست ہیں اور کفر کو اختیار کرنے کے باوجود اپنے کو کامیاب سمجھ رہے ہیں یہ لوگ بہت بڑی گمراہی میں ہیں اور اپنی جانوں کو دوزخ میں دھکیل رہے ہیں یہاں کی عارضی زندگی کو کامیابی سمجھ رہے ہیں اور دوزخ کے داخلے کی صورت میں جو

ناکامی سامنے آئے گی اور جو جنت سے محرومی ہوگی اس بات کی طرف ذرا دھیان نہیں ہے۔

مسلمانوں کو بھی اس میں تعلیم دینی گئی کہ دنیا میں کسی قوم یا فرد کی مال اور دولت والی زندگی دیکھ کر اپنے کو نا کام نہ سمجھیں۔ جب مؤمن ہو اور جنت اور دوزخ کو مانتے ہو اور یہ بھی سمجھتے ہو کہ مؤمن جنت میں اور کافر دوزخ میں داخل ہوں گے تو اپنی وہاں کی کامیابی پر نظر رکھو اور اُسی پر خوش رہو۔

دنیا دھوکہ کا سامان ہے..... آخر میں فرمایا وَمِنَ الْخَيْرِ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعَ الْغُرُورِ (اور دنیا والی زندگی دھوکے کے سامان کے سوا کچھ بھی نہیں) اس جملے کی تشریح ہزاروں صفحات میں ہو سکتی ہے۔ دنیا اور احوال دنیا اور اصحاب دنیا اور اُن کے احوال پر نظر ڈالیں تاریخ کا مطالعہ کریں۔ بادشاہوں کی تاریخ دیکھیں۔ دولت مندوں کے واقعات سنیں، اپنے سامنے جو دنیا میں حوادث پیش آ رہے ہیں اُن کو دیکھیں انقلابات پر نظر ڈالیں تو واضح طور پر معلوم ہو جائے گا کہ دنیا والی زندگی صرف دھوکہ ہی دھوکہ ہے جس کی مثال کھیتی کی طرح ہے آج لہلہا رہی ہے۔ کل کو سوکھ گئی کسانوں نے کاٹ پیٹ کر برابر کر دی (فاصیح ہشیمنا نذروہ الریاح) لوگوں کے سامنے انقلابات ہیں، حوادث ہیں، قرون اولیٰ کی تاریخ ہے اور یہ بھی پتہ ہے کہ مریں گے۔ پھر بھی دنیا ہی سے دل لگائے ہوئے ہیں اُسی کے لئے سوچتے ہیں۔ اسی کے لئے جیتے ہیں اسی کے لئے مرتے ہیں اور آخرت کی دائمی اور عظیم نعمتوں کے حاصل کرنے کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں کرتے اور دوزخ کے عذاب سے بچنے کا ذرا دھیان نہیں کرتے۔

لَتَبْلُوْنَ فِيْ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ تَدْوِلْ تَسْمَعْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اَوْثَرُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ

تم لوگ ضرور ضرور آزمائے جاؤ گے اپنی جانوں اور مالوں کے بارے میں اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور جن لوگوں نے شرک کیا اُن کی

وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اَذٰى كَثِيْرًا وَاِنْ تَصِيْرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝۷

طرف سے ضرور ہا ضرور بہت سی باتیں دل آزاری کی سنو گے، اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بلاشبہ یہ بہت سے کاموں میں سے ہے۔

جانوں اور مالوں میں تمہاری ضرور آزمائش ہوگی

اس آیت شریفہ میں مسلمانوں کو بتا دیا ہے کہ صبر اور آزمائش کے جو واقعات تمہارے سامنے آئے یہ نہ سمجھو کہ یہ آخری ہیں ان کے بعد بھی ایسے واقعات پیش آتے رہیں گے جن سے تمہاری آزمائش ہوتی رہے گی۔ یہ آزمائش جانوں میں بھی ہوگی اور مالوں میں بھی ہوگی، بہت اور حوصلہ کے ساتھ سب کو برداشت کرتے رہو، نیز اہل کتاب یہود و نصاریٰ اور مشرکین تمہیں ایذا پہنچاتے رہیں گے اور اُن سے ایسی باتیں سنو گے جن سے تمہیں دکھ پہنچے گا۔ دشمن اپنی حرکت سے باز نہ آئے گا۔ تمہیں ان کی ایذاؤں سے اور بدزبانوں سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ صبر اختیار کرو اور تقویٰ کو ہاتھ سے نہ جانے دو تمہارے لئے اسی میں خیر ہے اور صبر اور تقویٰ اختیار کرنا بہت سے کاموں میں سے ہے۔

صبر کرنے سے تسلی ہوتی ہے اور تقویٰ سے اعمال صالحہ کی تکمیل ہوتی ہے۔ جب یہ دونوں چیزیں اختیار کر لیں دشمن کی دل آزاریوں سے صرف نظر کرنا آسان ہوگا۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ ۚ

اور جب اللہ نے ان لوگوں سے مضبوط عہد لیا جن کو کتاب دی گئی کہ تم ضرور ضرور کتاب کو لوگوں کے سامنے بیان کرنا اور اس کو نہ چھپانا۔

فَبَدَّلُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَبُئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿۸۵﴾ لَا تَحْسَبَنَّ

سو انہوں نے اس کو اپنی پشتوں کے پیچھے ڈال دیا اور انہوں نے اس کے ذریعہ تمہاری حقیت خرید لی، سو بُری ہے وہ چیز جو وہ خریدتے ہیں۔ آپ ہرگز

الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا ۖ فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ

خیال نہ کریں کہ جو لوگ اپنے لئے خوش ہوتے ہیں اور اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ جو کام انہوں نے نہیں کئے ان پر ان کی تعریف کی جائے ان کے بارے میں آپ ہرگز یہ خیال

مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۸۶﴾ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ

شے مہربان ہے۔ وہ عذاب سے چھوٹ گئے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور اللہ ہی کے لئے ہے ملک آسمانوں اور زمینوں کا اور اللہ ہر

شَيْءٍ قَدِيرٌ

خبردار ہے۔

اہل کتاب سے میثاق لینا اور اس کا عہد سے پھر جانا

جن لوگوں کو امت محمدیہ سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب دی گئی جن میں یہود و نصاریٰ کے علماء بھی تھے ان سے اللہ تعالیٰ نے عہد لیا تھا کہ جو کتاب تمہیں دی گئی ہے۔ اس کو لوگوں کے سامنے بیان کرو گے اور کسی چیز کو چھپانا نہیں۔ عہد کی ان لوگوں نے پاسداری نہ کی اور اس کو پس پشت ڈال دیا اور حقیر دنیا حاصل کرنے کے لئے کتاب کے مضامین کو چھپایا اور حق کو بیان کرنے سے پیچھے ہٹتے رہے۔ اللہ کے عہد کو پس پشت ڈال کر اور حق کو چھپا کر جو اپنے معتقدین سے ذرا بہت دنیا حاصل کر لی یہ انہوں نے بہت بڑے نقصان کا سبب کیا اپنی آخرت برباد کی اور دُراسی دنیا کے لئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، حق چھپانے کے واقعات یہودیوں کی طرف سے پیش آتے رہتے تھے ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء یہود سے کوئی بات پوچھی (جو تو ریت شریف میں تھی) ان لوگوں نے اصل بات کو چھپا دیا اور اس کی جگہ دوسری بات نقل کر دی۔ جب وہاں سے چلے گئے تو خوش ہو رہے تھے کہ واہ ہم نے خوب کام کیا اور ان کی خواہش تھی کہ ان کی اس پر تعریف کی جائے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب بیان کر دی اس پر آیت لَا تَحْسَبَنَّ

الَّذِينَ يَفْرَحُونَ نَازِلٌ هُوَ ۚ

اور بعض روایات میں یہ ہے کہ بہت سے لوگ منافقین میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں نہیں گئے اور مدینہ منورہ ہی میں بیٹھے رہے جب آپؐ واپس تشریف لائے تو جھوٹے عذر پیش کئے جن پر قسمیں کھا گئے اور ان کی یہ خواہش تھی کہ جو کام نہیں کیا اس پر تعریف کی جائے (یعنی جہاد سے شرم کا) اُن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اس پر آیت لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا

وَيُحِبُّونَ (آخر تک) نازل ہوئی۔ (درمنثور ص ۱۰۸ ج ۲)

دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ دونوں ہی باتیں سبب نزول ہو سکتی ہیں۔ انسان کے نفسانی تقاضوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس کی

تعریف کی جائے اور اس کی محبت اس درجہ میں ہے کہ جو عمل نہیں کئے وہ عمل اس کی طرف منسوب کئے جائیں اور پھر ان کی تعریف کی جائے، یہودیوں اور منافقوں کا یہی طریقہ تھا اور جی بہت سے لوگ اس مزان کے پائے جاتے ہیں، جو حضرات تقی اور محتاط ہیں وہ اپنے اعمال حسد پر بندوں کی طرف سے تعریف کئے جانے کی تمنا نہیں کرتے پھر جو عمل نہیں کئے ان پر کہاں تعریف کے متمنی ہو سکتے ہیں؟ حضرت امام ابوحنیفہؒ بازار میں گزر رہے تھے ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ دیکھو یہ شخص پوری رات نماز پڑھتا ہے۔ یہ سن کر حضرت امام صاحب پوری رات نماز پڑھنے لگے اور فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ اس عمل پر میری تعریف ہو جو میں نے نہیں کیا۔

یہودیوں نے اور منافقین نے جو اس بات کی آرزو کی کہ جو کام انہوں نے نہیں کئے ان پر ان کی تعریف کی جائے اور وہ سمجھتے تھے کہ ہم کامیاب ہو گئے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلا تحسبنہم بمقارۃ بین العذاب ولینہم عذاب الیم (آپ ہرگز یہ خیال نہ فرمائیں کہ یہ لوگ عذاب سے چھوٹ گئے بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے)۔

آخر میں فرمایا واللہ ملائک السموت والأرض واللہ علی کل شئی قدیو اس میں بہت سی باتیں آگئیں جو لوگ حقیر دنیا کے لئے حق کو چھپاتے تھے ان کو بھی بتا دیا کہ جو کچھ لینا ہے اللہ سے لو اس کی رضا کے کام کر کے لو۔ ہر چیز کا وہی مالک ہے اور مسلمانوں کو بھی توجہ دلا دی کہ اگر دنیا میں کسی فاسق فاجر کے پاس مال زیادہ ہے تو اس کی طرف نظریں نہ اٹھائیں سب کچھ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ وہ جب چاہے حکم کو بھی بطافر مادی کا اور اس کی مشیت ہوگی تو تمہیں دشمنوں سے زیادہ و بطافر مادے کا وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝

بالشبہ آیاتوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور ایک بعد دوسرے باتوں کے آنے ہونے میں تمہیں والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَمًا وَقَعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمُوتِ

جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے ہوئے بیٹھے ہوئے اور لیٹے ہوئے اور فکر کرتے ہیں آسمان اور زمین

وَالْأَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا ۖ سُبْحَنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ

کے پیدا کرنے میں اسے ہمارے رب آپ نے اسکو محبت پر نہیں فرمایا ہم آپ کی ہر بات کو سن رہے ہیں اور آپ سے دعا ہے کہ عذاب سے بچاؤ دیجئے۔ اسے ہمارے رب اس میں شک

تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْرَجْتَهُ ۚ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَا إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا

نہیں کہ جسے آپ دوزخ میں داخل فرما رہے ہو تو آتی آپ نے اسکو سوا کدو اور خالوں کیلئے کوئی مددگار نہیں۔ اسے ہمارے رب بالشبہ ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا کہ دو ایمان کیلئے پکار

يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ ۖ فَآمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا

پہلے کہ تم ایمان آؤ اپنے رب سے جو تم ایمان لے لے اسے ہمارے رب ہم آپ پر غم نہ فرمائیے ہم نے اپنے رب سے دعا کی اور غار کردیجئے ہمارے گناہوں کا اور ہمیں نیک بندوں کے ساتھ

وَتَوْفِّقْنَا مَعَ الْآبِرَارِ ۝ رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلَىٰ رُسْلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ إِنَّكَ

ہم سے ہمیں اسے ہمارے رب ہم آپ سے دعا فرمائیے جو آپ نے اپنے رسولوں کی معرفت وعدہ فرمایا اور قیامت کے دن ہمیں رسالہ نہ کیجئے بالشبہ آپ وعدہ فرمائی

لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ﴿۱۰۹﴾ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّمَّنْ ذَكَرَ

نہیں فرماتے۔ پس اللہ پاک نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ میں ضائع نہ کروں گا تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو مرد ہو یا

أَوْ أُنْثَىٰ ۖ بَعْضُكُم مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَ أُخْرِجُوا مِّنْ دِيَارِهِمْ وَأُودُوا فِي

تورت، تم آپس میں ایک دوسرے سے دوسو جن آدمیوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ان کو ایذا دی گئی

سَبِيلِي وَ قَتَلُوا وَ قَتِلُوا لَا كُفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَ لَا دُخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ

اور انہوں نے جنگ کی اور قتل کئے گئے سو میں ضرور ضرور ان کے گناہوں کا کفارہ کروں گا، اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ ۚ وَ اللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۱۰﴾

نہیں جاری ہوں گی یہ بدلہ ملے گا اللہ کے پاس سے اور اللہ کے پاس اچھا بدلہ ہے۔

عقلمندوں کی صفات اور ان کی دعائیں

ان آیات میں اول تو یہ ارشاد فرمایا کہ آسمانوں کو اور زمین کو جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اور رات اور دن کے آگے پیچھے آنے کا جو نظام رکھا ہے جس کے مطابق رات اور دن آگے پیچھے آتے رہتے ہیں اس میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں یعنی یہ چیزیں بتاتی ہیں کہ ان کا پیدا فرمانے والا قادر مطلق ہے، خالق ہے، حکیم ہے۔ یہ نشانیاں ایسی ہیں کہ عقل والے ان کو دیکھتے ہیں اور ان کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! یہ جو کچھ آپ نے پیدا فرمایا ہے بے کار عبث اور لالچ نہیں ہے۔ ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں اور تو ہمیں عذاب و دوزخ سے بچا دینا۔ درمیان میں ان عقل والوں کی یہ صفت بیان فرمائی کہ یہ لوگ کھڑے بیٹھے اور لیٹے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ زبان سے اور دل سے اللہ کو یاد کرتے ہیں اللہ کی ذات و صفات کا تذکرہ کرنا اس کی تلوین و تخلیق، بیان کرنا اس کی قدرت اور حکمت کا تذکرہ کرنا یہ سب ذکر اللہ میں داخل ہے جن لوگوں کو اللہ کی معرفت حاصل ہو جائے وہی حقیقت میں عقل والے ہیں اور ان کے عقل مند اور عارف ہونے کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔ بیٹھے ہوں، لیٹے ہوں، کھڑے ہوں، چل رہے ہوں کسی حال میں ذکر اللہ سے غافل نہیں ہوتے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ کسی جگہ پر بیٹھے جس میں انہوں نے اللہ کو یاد نہ کیا اور اپنے نبی پر درود نہ بھیجا تو یہ مجلس ان کے لئے نقصان کا باعث ہوگی۔ اللہ چاہے تو ان کو عذاب دے اور چاہے تو مغفرت فرمائے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جو شخص کسی جگہ میں لیٹا اس میں اللہ کو یاد نہ کیا تو اس کا یہ ایٹنا اللہ کی طرف سے اس کے لئے نقصان کا باعث ہوگا اور جو شخص کسی جگہ میں چلا اس نے چلنے کے دوران اللہ کو یاد نہ کیا تو یہ چلنا اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نقصان کا باعث ہوگا۔ (الترغیب ص ۹ ج ۲) اور حقیقت اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی اس عالم کی روح ہے جب تک اس دنیا میں ایک مرتبہ بھی اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی۔ (کنز الدواعی ص ۸۴ ج ۱)

آج کل بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہیں عقلمند سمجھا جاتا ہے۔ ان لوگوں نے اپنے طور پر سائنس کی معلومات میں اور دیگر امور کی معرفت حاصل کرنے میں بہت محنت کی ہے لیکن ان معلومات کے ذریعہ انہوں نے خالق کائنات جل مجدہ کو نہیں پہچانا۔ ان میں بہت

سے تو خالق جل مجدہ کے وجود ہی کے منکر ہیں اور جو لوگ اسے موجود مانتے ہیں وہ بھی اس کے صفات جلال و جمال کو نہیں جانتے اور اس کی نکتہ بینی حکمتوں کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اس کے مظاہر قدرت سے اس کی معرفت حاصل کرنے کی بجائے ماورہی کو یا طبیعت ہی کو سب کچھ مانتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ طبیعت خود ترقی کرتے کرتے یہاں تک پہنچ گئی۔ یہ ان لوگوں کی اپنے خالق کی معرفت سے محرومی ہے پھر انہیں یہ احساس نہیں کہ ہم کیوں پیدا ہوئے اور اس دنیا کے بعد ہمارا کیا بنے گا اور یہ کہ ہمارے خالق نے زندگی گزارنے کا جو نظام بھیجا ہے وہ ہم پر قبول کرنا فرض ہے ان کے علوم اور تجربات سب اسی دنیا تک ہیں **يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْخَبِيرَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ**۔

اولو الالباب (متل والے لوگوں) کی جو دعائیں ذکر فرمائی ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے **وَنَسَا اَنْتَا سَمِعْنَا مَنَادًا يُنَادِي لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا اٰخُذْنَا** (کہاے ہمارے رب! بلاشبہ آپ جسے دوزخ میں داخل فرمائیں اسے رسول فرمائیں گے) اور یہ ایسی رسوائی ہے جس سے بڑھ کر کوئی رسوائی نہیں۔ دوزخ کا عذاب عَذَابٌ مُّهِينٌ یعنی ذلیل کرنے والا ہے، اور وہاں کی رسوائی سے بڑھ کر کوئی رسوائی نہیں۔ تمام اولین و آخرین کے سامنے ذلیل ہونا بہت بڑی رسوائی ہے، لوگ یہ تو سوچتے ہیں کہ دنیا میں رسوائی نہ ہو اور آخرت کی رسوائی سے محفوظ رہنے کا کوئی خیال نہیں رکھتے **وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ اَخْوَفُ وَهُمْ لَا يُنْصَرُونَ** پھر فرمایا **وَمَا بِلِلْظَالِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ** (اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہ ہوگا) سب سے بڑا ظلم کفر ہے۔ کما قال تعالیٰ **وَالْكَافِرُوْنَ هُمْ الظَّالِمُوْنَ** میدان قیامت میں کافروں کا نہ کوئی دوست ہوگا نہ مددگار اور نہ سفارشی۔

اولو الالباب یعنی متل والوں کی یہ دعائیں ذکر فرمائی: **وَنَسَا اَنْتَا سَمِعْنَا مَنَادًا يُنَادِي لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَقَّنا مَعَ الْاَبْرَارِ**۔ **رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ** (اے ہمارے رب! بلاشبہ ہم نے ایک پکارنے والے کی پکار سنی جو ایمان کی دعوت دے رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ، سو اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے، سو ہمارے گناہوں کو عاف فرما اور ہمارے گناہوں کا کفارہ فرما اور ہمیں نیک بندوں کے ساتھ موت دیجئے، اے ہمارے رب اور ہمیں وہ اجر ثواب عطا فرما جس کا ہم سے آپ نے اپنے رسولوں کی معرفت وعدہ فرمایا ہے اور ہمیں قیامت کے دن رسولانہ کیجئے، بلاشبہ آپ وعدہ خلاف نہیں فرماتے) اس دعا میں جو منادینا **يُنَادِي لِلْاِيْمَانِ** وارد ہوا ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی نے مفسرین کے اقوال لکھے ہیں۔

اول یہ کہ اس سے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہی مروی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے قرآن کریم مراد ہے۔ مفسر طبری نے اسی کو اختیار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ قرآن ایسا مناد ہے جو قیامت تک باقی رہے گا اور ایمان کی دعوت دیتا رہے گا۔

پھر صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ جس جس کو بھی (تا قیامت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی اطلاع ملی اور آپ کی دعوت پہنچی (اگرچہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے) ان سب کے حق میں آپ منادی اور باوی اور داعی ہیں۔ اس لئے بعد میں آنے والے بھی آپ کے بارے میں **سَمِعْنَا مَنَادًا يُنَادِي لِلْاِيْمَانِ** کہہ سکتے ہیں۔ البذاہر اقول بھی صحیح ہے۔

صاحب روح المعانی یہ بھی لکھتے ہیں کہ منادینا فرمایا اور داعینا نہیں فرمایا کیونکہ نداء معنوی اعتبار سے ابلغ ہے کیونکہ نداء از بلند کرنے کے بغیر نہیں ہوتی اور ظاہر ہے نداء دور تک پہنچتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبوں میں خوب بلند آواز سے نصیحت اور موعظت

فرماتے تھے اور حاضرین سے یہ بھی فرماتے تھے ”لنبیغ الشاہد منکم الغائب“ (یعنی جو لوگ موجود ہیں ان لوگوں کو پہنچاویں جو موجود نہیں ہیں)۔

”فَإِنَّمَا رُزِقْنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا“ اس میں فافرضیہ ہے مطلب یہ کہ ہم مٹاؤ گی کی آواز سن کر ایمان لے آئے لہذا ہمارے گناہ معاف فرما دیجئے چونکہ مغفرت ایمان پر مرتب ہے اس لئے درمیان میں فاولائی گئی۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ایمان نہ ہو تو گناہوں کی مغفرت نہیں ہو سکتی اور کافر کی توبہ کافر ہوتے ہوئے مقبول نہیں۔

”وَكَفَّرَ عَنْ سَيِّئَاتِنَا“ (اور ہماری برائیوں کا کفارہ فرما دیجئے) ذُنُوبُنَا کے بعد جو سبب بنا دیا گیا ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ذُنُوبُنَا سے پہلے گناہ اور سبب بنا دینا سے پچھلے گناہ مراد ہیں اور دوسرا قول یہ لکھا ہے کہ ذُنُوبُنَا سے کہا بنا اور سبب بنا سے صفا مراد ہیں۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ اور بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا کہ ذُنُوبُنَا سے وہ گناہ مراد ہیں جن کا یہ جانتے ہوئے ارتکاب کیا ہو کہ یہ گناہ ہیں اور سبب بنا دینا سے وہ گناہ مراد ہیں جو جہالت اور لاعلمی کی بنا پر صادر ہو گئے (چونکہ لاعلمی بھی گناہ ہے اس لئے ایسے گناہوں کی بخشش طلب کرنے کی ضرورت بھی ہے)۔ (روح المعانی ص ۱۶۴ ج ۲)

وَنُوفِّرْنَا مَعَ الْأَنْبِرَادِ (اور ہمیں نیک آدمیوں کے ساتھ وفات دیجئے) مطلب یہ ہے کہ ہمیں صالحین میں شمار فرمائیے اور موت کے بعد ہم سے وہی معاملہ فرمائیے جو نیک آدمیوں کے ساتھ ہوگا۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی دعا میں یوں کہا تھا تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ نَفْظُ مَعَ الْأَنْبِرَادِ میں توضع ہے اور حسن ادب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم ابراہیم سے تو نہیں ہیں لیکن ہمیں ابراہیم میں شامل فرما دیجئے ہم اس کے امیدوار ہیں۔

رَبَّنَا وَاتِّمَامًا وَعِدَتَنَا عَلَى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ (اور اے ہمارے رب جس کا ہم سے آپ نے اپنے رسولوں کی زبانی وعدہ فرمایا ہے وہ ہمیں عطا فرما اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کیجئے اور بلاشبہ آپ وعدہ خلافی نہیں کرتے)۔

ایمان اور اعمال صالحہ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے جو اجر و ثواب عطا فرمائے کا وعدہ فرمایا ہے اس میں اس کے ملنے کی عاجزانہ درخواست ہے۔ اعمال میں جو کمی اور کوتاہی ہو اس سے درگزر فرما کر وہی ثواب پورا پورا عطا کیجئے جس کا رسولوں کی زبانی وعدہ فرمایا ہے اور بعض حضرات نے مَسَاوِعِدَتُنَا سے نصرت علی الأعداء یعنی دشمنوں کے مقابلہ میں مدد فرمانے کا جو وعدہ فرمایا ہے وہ مراد لیا ہے، اگر نصرت علی الأعداء مراد لیا جائے تو اس سے عطا و نیکوئی مراد ہوگی جیسا کہ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سے عطا نے اخروی مراد ہے۔ جسے آخرت میں ثواب مل گیا اور وہاں کے عذاب سے محفوظ ہو گیا وہ وہاں کی رسوائی سے بچ گیا۔

إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ (بلاشبہ آپ وعدہ خلافی نہیں کرتے) ان الفاظ میں اپنی رُعاؤں کی مقبولیت کا یقین ظاہر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وعدے سچے ہیں جو عوامین ہم نے کی ہیں وہ ضرور قبول ہوں گی۔ اس کا وعدہ سورۃ بقرہ کی آیت أَجِيبْ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَاكَ میں اور سورۃ مؤمن کی آیت وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ میں فرمایا۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں، تَسْذِيلٌ لِحَقِيقِ مَا نَظُمُوا فِي سِلْكِ الدَّعَاءِ۔

”الميعاد“ سے بعثت بعد الموت بھی مراد ہو سکتا ہے۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مراد ہے اور صحیح ہے اگر یہ معنی لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ یوم الحساب کا جو وعدہ آپ نے فرمایا وہ ضرور واقع ہوگا اس دن کے حساب

اور عذاب سے ہمیں محفوظ فرمائے اور تمہیں اس دن رسوا نہ کیجئے۔

وَمَا ذُو الْقَوْلِ مِن مَّقْبُولٍ ۖ فَسَجَدُوا لِقَوْلِهِ رَبَّنَا اِنِّیْ لَا اَصْنَعُ عَمَلًا سَلَامًا وَّلَا اُتِیُّ (موان سے اب نے ان کی دعا کو قبول فرمایا) اور فرمایا کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے فعل کو ضائع نہیں کروں گا مرد ہو یا سورت اعمال کا ثواب سب دے گا (جو بھی کوئی فرد ایمان قبول کرے گا۔ اعمال صالحہ میں لگے گا، جو مانیں کرے گا اس کا کچھ بھی فعل ضائع نہ ہوگا جیسے مردوں کے اعمال صالحہ قبول ہیں اسی طرح عورتوں کے اعمال صالحہ بھی قبول ہیں۔

بَغْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ (تم میں سے بعض بعض سے ہیں) اس کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں ماقبل سے مرتبہ: دُنَیْ کے اعتبار سے ”خاک“ کا قول اقرب معلوم ہوتا ہے جسے عالم التزویل ص ۳۲۷ ج ۱ میں نقل کیا ہے رجالکم شکل نسانکم و نسانکم شکل رجالکم فی الطاعة یعنی امت کی فرمانبرداری میں مرد عورتوں کی طرح ہیں اور عورتیں مردوں کی طرح ہیں۔ جو بھی فرمانبردار ہوگا اپنا اجر و ثواب پائے گا۔ نیز اعمال خیر میں مرد عورتوں کے اور عورتیں مردوں کی معاون ہیں ایک دوسرے کے لئے خیر کا سبب ہیں جیسا کہ سورۃ توبہ میں فرمایا وَ الْمُؤْمِنَاتُ الْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَاءُ بَعْضٍ (اور مومن مرد و مومن عورتیں بعض بعض کے معاون اور مددگار ہیں)

مہاجرین اور مجاہدین کا ثواب..... فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوا وَاُخْرِجُوا مِنْ دِیَارِهِمْ (الذی قبولہ تعالیٰ) وَاللّٰهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ (سو جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میرے راستے میں انہیں ایذا دی گئی اور جنہوں نے قتال کیا اور وہ مقتول ہوئے میں ضرور ضرور ان کی برائیوں کا کفارہ کروں گا اور ضرور اسیے بانگوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان کو اللہ کی طرف سے بدلہ دیا جائے گا، اور اللہ کے پاس اچھا بدلہ ہے) اس آیت میں چند اعمال خیر کا تذکرہ فرمایا۔ پھر اصحاب اعمال کے بدلہ کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا اور یہ حضرات جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ جن اعمال کا تذکرہ فرمایا ان میں ایک ہجرت ہے۔ جن لوگوں نے دشمنوں کے مجبور کرنے سے دین حق پر باقی رہنے کے لئے اپنے وطن کو اور جاگیر و جائیداد اور اغیر و اقربا کو چھوڑ ان کی بڑی قربانی ہے۔ نیز اللہ کی راہ میں جن لوگوں کو تکلیفیں پہنچائی گئیں اور وہ صبر و استقامت کے ساتھ ایمان پر باقی رہے۔ اور اعمال صالحہ میں لگے رہے یہ عمل بھی بہت بڑا ہے جسے وَ اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ سے تعبیر فرمایا۔ نیز اللہ کی راہ میں جنگ کرنے کا بھی تذکرہ فرمایا جس میں کافروں کو قتل کیا جاتا ہے اور اہل ایمان بھی مقتول ہو جاتے ہیں اس عمل کو قَاتِلُوا وُقُتِلُوا سے تعبیر فرمایا۔ جہاد بہت بڑا عمل ہے جسے ایک حدیث میں چوٹی کا مثل بتایا (ذروہ سہمہ الجہاد، مشکوٰۃ ص ۱۴) مذکور بالا اعمال خیر کا بدلہ تکفیر سینات اور عتق جنت کی صورت میں ہوگا۔ آخر میں فرمایا وَاللّٰهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ اس میں عمومی طور پر فرمایا کہ نیک اعمال کو جو بدلہ اللہ کے پاس سے ملے گا وہ اچھا ہی ہوگا۔

لَا یَغْرَنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوا فِی الْبِلَادِ ۖ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ۚ ثُمَّ مَا لَهُمْ جَهَنَّمُ

ہرگز دھوکہ میں نہ ڈالے آپ کو کافروں کا شہروں میں آنا جانا۔ یہ تو ذرا سانس نفع ہے پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہے

وَبِئْسَ الْاِهْلَادُ ۚ لٰكِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرٰی مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ

اور بڑا برا بھلا ہے۔ لیکن وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

خَلِدِينَ فِيهَا نُنْزِلُكَ مِنَ عِنْدِ اللَّهِ ۖ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّلْآبَرَارِ ﴿۱۰﴾

میں ہمیشہ رہیں گے، یہ مہمانی ہو گی اللہ کی طرف سے اور جہنم کے پاس ہے بہتر ہے نیک بندوں کے لئے۔

کافروں کے احوال و اموال دیکھ کر دھوکہ نہ کھائیں

گذشتہ آیت میں اہل ایمان کا اجر و ثواب بتایا ہے اہل ایمان میں تنگدست فقراء اور مساکین بھی ہوتے ہیں اور دنیاوی احوال و اموال کے اعتبار سے ان میں ایک گونہ کمزوری ہوتی ہے۔ اس لئے ان کی تسلی کے لئے فرمایا کہ اہل کفر کو جو دنیا میں ادھر ادھر آنے جانے اور اہل کمانے کی قدرت اور وسعت دی گئی ہے یہ کوئی قابل رشک چیز نہیں ہے ان لوگوں کی خوشحالی تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالے، یہ تو چند دن کی بہار ہے اس کے بعد ان کے لئے عذاب ہی عذاب ہے۔ عذاب بھی معمولی نہیں بلکہ جہنم کا عذاب ہے جو آگ ہی آگ ہے، ایسی خوشحالی پر کیا رستہ کرنا جس کے کچھ عرصہ کے بعد آگ کے دائمی عذاب میں داخل ہونا پڑے، اسباب النزال ص ۱۳۴ میں لکھا ہے کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی یہ لوگ خوشحال تھے تجارت کرتے تھے اور دنیا کے ساز و سامان سے مشغع ہوتے تھے۔ بعض اہل ایمان کے منہ سے نکل گیا کہ اللہ کے دشمن تو اچھے حال میں ہیں اور ہم بھوک اور مشقت سے بلاک ہو رہے ہیں اس پر آیت لا بُغْرُنَا لَكُمْ آخِرَتُكَ نازل ہوئی۔

جہنم کے بارے میں کہیں بفس المصبر اور کہیں بفس المہذب فرمایا اور کہیں دوسرے الفاظ میں اس کا بُرا ٹھکانہ دونا بتایا، یہاں بفس المہذب اذبرا لکھونا جو فرمایا ہے سیاق کلام کے اعتبار سے نہایت ہی بر محل ہے۔ کیونکہ جو لوگ اصحاب اموال ہوتے ہیں دنیاوی چیزوں سے مشغع اور متنع ہونے کے جوان کے طریقے ہیں ان میں جہاں عمدہ کھانا پینا اور لباس فاخر ہوتا ہے۔ وہاں بستر سے بھی عمدہ اور نرم ہوتے ہیں۔ آیت شریفہ میں بتا دیا کہ ان کے یہاں کے بستروں کو نہ دیکھو ان کے اصلی اور دائمی بستر پر نظر کرو جو دوزخ کی آگ کا دگکا۔ وہاں آرام کا نام نہیں اور نیند کا گمان نہیں۔

نزل قرآن کے وقت سفر کے ذرائع یہی چوپائے تھے گھوڑے، اونٹ، خیر وغیرہ، دور حاضر میں سارے اور طیارے ہیں۔ جن سے انقلاب کا مفہوم بہت زیادہ واضح ہے۔ ایک شخص ایک ہی دن میں ایشیا میں بھی ہے اور یورپ میں بھی، دوسرا شخص امریکہ جاتا ہے پھر شام تک واپس بھی آ جاتا ہے، ایشیا والوں کے لئے افریقہ اور آسٹریلیا ایسے ہیں جیسے کبھی دو تین میل کی مسافت تک جا کر واپس آ جاتے تھے۔ یہ انقلاب کا بہت بڑا مصداق ہے۔ قرآن مجید میں بلفظ انقلاب ہے قیامت تک آنے والی سواروں کے لئے شامل ہے۔

سورہ مؤمن میں بھی اس مضمون کو بیان فرمایا: **فَإِنَّا يُجَادِلُ فِیْهِ أَصَابَ اللَّهُ إِلَیْهِمْ كَفَرُوا فَلَآ یُغْزٰٓرُ لَکُمْ تَفَلَّنٰهُمْ فِی الْبِلَادِ** (نہیں جھگڑتے ہماری آیات کے بارے میں مگروہی لوگ جنہوں نے کفر کیا۔ سو دھوکہ میں نہ ڈالے آپ کو شہروں میں ان کا چلنا پھرنا)۔

متقیوں کا ثواب..... پھر فرمایا: **لَکِبْنَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبُّهُمْ لَیْهِمْ حَسَنَاتٌ تُجْزٰٓی مِنْ تَحْسِبُهَا الْاَنۡہَارُ خَالِدِیْنَ فِیْہَا** (جو لوگ اپنے رب سے ڈریں ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے) اس میں تسلی ہے اہل ایمان کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں کہ تمہیں ہمیشہ کے لئے دو نعمتیں ملیں گی جو اہل کفر کے تصور میں بھی نہیں ان نعمتوں کو پہنچ سکو۔ ان کی نعمتیں ان کے لئے باعث عذاب ہیں اور تمہاری نعمتیں واقعی اور حقیقی اور دائمی ہوں گی جو اللہ کی طرف سے بطور مہمانی کے عطا کی جائیں گی۔ **کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی..... نَزَّلَا مِنْ عِنۡدِ اللّٰہِ وَمَا عِنۡدَ اللّٰہِ خَیْرٌ لِّلْاَکْبَرٰ** (یہ مہمانی ہے اللہ کی طرف سے اور جو کچھ اللہ کے

پاس ہے وہ نیک بندوں کے لئے بہتر ہے) کیونکہ یہ دائمی ہے اور کثیر در کثیر اور کافروں کے پاس قلیل و قلیل اور عارضی ہے۔

وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ لِحُشْعَيْنَ

اور بلاشبہ بعض اہل کتاب ایسے ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو نازل کیا گیا تمہاری طرف اور جو نازل کیا گیا ان کی طرف جو عاجزی کرنے

للہ ۷ لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۝ أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ إِنَّ

والے ہیں اللہ کے لئے وہ نہیں خریدتے اللہ کی آیات کے بدلے تھوڑی سی قیمت، یہ: لوگ ہیں جن کے لئے ان کا اجر ہے ان کے رب کے پاس، بے شک

اللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝

اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

مؤمنین اہل کتاب کا اجر

مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب سب ہی ایسے نہیں جو کفر پر جتے رہیں۔ اور اللہ کے آخری نبی اور آخری کتاب کے انکار پر تلے رہیں۔ بلکہ ان میں ایسے بھی ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور جو کتاب تم پر یعنی اہل اسلام پر نازل ہوئی ہے۔ اس پر بھی ایمان لاتے ہیں اور جو کتاب ان لوگوں پر اتاری گئی (یعنی ان کے انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے) اس پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ ان میں غنا اور تکبر نہیں ہے۔ وہ اللہ کے سامنے جھکتے ہیں اور اللہ کی آیات کے ذریعہ تھوڑی سی قیمت حاصل نہیں کرتے یعنی یہ لوگ طالب دنیا نہیں ہیں جو پوری کی پوری آخرت کے مقابلہ میں ذرا سی چیز ہے یہ لوگ آخرت کے طالب ہیں اللہ کی رضا چاہتے ہیں۔ اللہ کے ہاں ان کو اپنا اجر ملے گا لہذا حق کو نہیں چھپاتے۔ اور اللہ کی آیات کو صحیح بیان کرتے ہیں اپنی قوم سے کسی طرح کی رشوت کے طالب نہیں۔

أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ (ان کے لئے ان کا اجر ہے ان کے رب کے پاس) یعنی ان کے اعمال کا ثواب ان کو ملے گا۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اضافت عہد کے لئے ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان کو وہ اجر عطا کرو یا جائے گا جس کا ان سے وعدہ فرمایا ہے جو سورہ قصص میں مذکور ہے۔ أُولَٰئِكَ يَوْمَئِذٍ أَجْرُهُمْ مَّتَرَتِينَ بِمَا صَبَرُوا (کہ انہیں: ہر اجر وہ یا جائے گا اس وجہ سے کہ انہوں نے صبر کیا)۔

اسباب النزول ص ۱۳۴ میں حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت انس اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ آیت بالا نجاشی کے بارے میں نازل ہوئی (جو حبشہ کا بادشاہ تھا اور وہیں اس نے اسلام قبول کر لیا تھا، حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نجاشی کی موت کی خبر دی آپ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ چلو اپنے بھائی کی نماز جنازہ پڑھو جو تمہاری اس سرزمین کے علاوہ دوسری جگہ وفات پا گیا۔ آپ بقیع کی طرف روانہ ہو گئے اور جب اس کی نماز پڑھانے لگے تو نجاشی کا جنازہ آپ کے سامنے کرویا گیا (یہ بطور معجزہ کے تھا) آپ نے نماز جنازہ پڑھی اور اس کے لئے استغفار کیا اور اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اس کے لئے استغفار کرو اس پر منافقین کہنے لگے کہ دیکھو یہ ایک حبشی نصرانی کی نماز جنازہ پڑھا رہے ہیں جس کو انہوں نے دیکھا بھی نہیں اور جو ان کے دین پر بھی نہیں تھا۔ اس پر آیت وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آخَرَتِكَ نازل ہوئی۔

پھر حضرت مجاہد اور ابن جریج اور ابن زید سے صاحب اسباب النزول نے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ان تمام اہل کتاب کے بارے میں

ناراض ہوئی جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا (وہوں میں کوئی تعرض نہیں۔ سبب نزول خاص ہوتے ہوئے بھی الفاظ کا عمومی مقام اس کتاب میں پیشکش نہیں ہے۔ اسی لئے اللہ سبحانہ نے اس حساب (ب شک اللہ بعدہ) حسب نیئے والا ہے) ابرار اور صالحین وان کا بدلہ دیا جانے کا اور کفار اور شرار وان کا بدلہ دیا جانے کا۔ یہ دنیاوی زندگی گزرنے میں جو دیر لگ رہی ہے اس کو ویرانہ سمجھنا چاہیئے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

اے ایمان والو صبر کرو اور مقابلہ میں تہمتوں اور ٹیپ کمانوں میں لگے رہو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

اہل ایمان کو چند نصیحتیں

یہ سورۃ آل عمران کی آخری آیت ہے اس میں اہل ایمان کو چار وصیتیں فرمائیں۔ جن میں صبر کا طریقہ بتایا ہے، عام حالات میں کیسے رہیں اور کافروں سے مقابلہ کیسے لڑیں اجمالی طور پر یہ بات بتا دی ہے۔ پہلی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: صبر کرو۔ صبر کے تینوں معنی ذہن میں لے آئیں (یعنی نیک کاموں پر مضبوطی سے قائم رہنا اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتے رہنا اور جو کچھ تکلیف پیش آئے اس کے بارے میں جزع و فزع سے باز رہنا)۔

دوسری نصیحت یہ فرمائی وَصَابِرُوا وچونکہ یہ باب مفاعلہ ہے اس لئے عربی قواعد کے اعتبار سے وہوں جانب سے اشتراک کو چاہتا ہے۔ اسی کے پیش نظر حضرات مفسرین نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ دشمنوں سے مقابلہ کی نوبت آ جائے تو خوب جم کر مقابلہ کرو گو اِصْبِرُوا میں بھی یہ مفہوم داخل ہے لیکن مستقل طریقہ پر اس کو تلخ و زکریا کیونکہ قتال کے موقع پر صبر کی اہمیت اور فضیلت زیادہ ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں و ذکرہ بعد الامر بالصبر العام لانه اشد فيكون افضل فالعطف كعطف جبريل على الملائكة والصلوة الوسطى على الصلوات۔ (صبر عام کا حکم دینے کے بعد پھر قتال کے موقع پر صبر کا حکم دیا کیونکہ یہ مشکل ہے اور اس کی فضیلت بھی زیادہ ہے پس صابر و اکا عطف اصبر و اپر ایسا ہی ہے جیسے جبریل کا عطف ملائکہ پر اور صلوة وسطی کا عطف صلات پر ہے)

تیسری نصیحت یہ فرمائی وَرَابِطُوا یہ بھی باب مفاعلہ سے ہے۔ جس کا مادہ ربط ہے اور ربط باندھنے کو اور اپنے نفس کو کسی کام پر جمائے رکھنے کو کہتے ہیں۔ کفار کے مقابلہ کے لئے گھوڑے باندھ کر رکنا اور ان کو کھانا پلانا چرانا جنگ کے لئے تیار کرنا اس کے لئے بھی لفظ رباط وارد ہوا ہے۔ جیسا کہ سورۃ انفال میں ہے وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ (اور تیاری کرو ان کے لئے جو بھی طاقت تمہارے بس میں ہو: دواہ گھوڑوں سے بھی تیاری کرو جو تمہارے پاس بندھے ہوئے ہیں تم اس کے ذریعہ اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر غلبہ ڈالنے کے لئے)۔ نیز لفظ رباط اسلامی ملکوں کی سرحدوں کی حفاظت کے لئے بھی آیا ہے۔ جنگ کے مواقع تو کبھی کبھار آتے ہیں لیکن چونکہ کافروں کی طرف سے حملہ کرنے کا خطرہ ہر وقت لگا رہتا ہے۔ اس لئے سرحدوں پر لشکروں کو پڑاؤ ڈالنے کی ضرورت رہتی ہے۔ اس کی بھی بہت فضیلت ہے۔ اسی معنی کے اعتبار سے صاحب روح المعانی نے لفظ رَابِطُوا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ اِی اَقِمُوا فِي الثُّغُورِ رَابِطِينَ خِيْلَكُمْ فِيهَا حَاسِبِينَ لَهَا مَرَصِدِينَ لِلْغُرُوِ مُسْتَعِدِّينَ لَهُ بِالْغَيْنِ فِي ذَلِكَ الْمَبْلَغِ الْاَوْفَى اَكْثَرُ مِنْ اَعْدَانِكُمْ (یعنی سرحدوں میں قیام کرنے والے گھوڑوں کو وہاں باندھ کر رکھو اور جہاد کے مواقع کی

تاک میں رہو۔ خوب اچھی طرح جنگ کے لئے تیار رہو۔ تمہاری تیاری دشمنوں کی تیاری سے بڑھ کر ہو۔

سرحد کی حفاظت کے لئے پڑاؤ ڈال کر رہنے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رباط یوم فی سبیل اللہ خیر من الدنیا وما علیہا (اللہ کی راہ میں ایک دن سرحد کی حفاظت میں گزارنا دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سب سے افضل ہے)۔

(رواہ البخاری ص ۴۰۵ ج ۱)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دن اور ایک رات اسلامی سرحد کی حفاظت میں گزارنا ایک ماہ کے روزے رکھنے اور ایک ماہ راتوں رات نماز میں قیام کرنے سے بہتر ہے اور اگر اسی عمل میں موت آگئی تو اس کا وہ عمل جاری رہے گا جو وہ کرتا تھا۔ اور اس کا رزق اسے ملتا رہے گا۔ اور وہ قبر میں عذاب دینے والوں سے بے خوف رہے گا۔ (رواہ مسلم ص ۱۴۲ ج ۲)

اور حضرت ابو دراء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں سرحد کی حفاظت کرتے ہوئے وفات پا گیا وہ بڑی گھبراہٹ (یعنی قیامت کے دن پریشانی سے محفوظ رہے گا۔ اور (قبر میں) اسے صبح شام رزق ملتا رہے گا اور اسے برابر رباط (یعنی رباط کے کام میں لگنے والے) کا ثواب ملتا رہے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے (قیامت کے دن قبر سے) اٹھائے۔ (رواہ الطبرانی و رواہ ثقات کما فی الترغیب ص ۲۳۴ ج ۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رباط کے ثواب کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ایک رات رباط کے کام میں مشغول رہا مسلمانوں کی حفاظت کرتا رہا تاکہ دشمن حملہ آور نہ ہو جائے تو اسے ان سب لوگوں کا ثواب ملے گا جو اس کے پیچھے روزہ رکھ رہے ہوں اور نماز پڑھ رہے ہوں۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط باسناد جید کما فی الترغیب ص ۲۴۵ ج ۲)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دن اللہ کی راہ میں رباط کے کام میں خرچ کرنا ان ہزار دنوں سے افضل ہے جو اس کے علاوہ دوسری عبادات میں خرچ کئے جائیں۔ (رواہ النسائی والترمذی و قال حدیث حسن غریب کما فی الترغیب ص ۲۴۶ ج ۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو آنکھیں ایسی ہیں جنہیں دوزخ کی آگ نہیں پہنچے گی، ایک وہ آنکھ جو اللہ کے ڈر سے روئی ہو اور دوسری وہ آنکھ جس نے اللہ کی راہ میں (مسلمانوں کی) حفاظت کرتے ہوئے رات گزاری ہو۔ (رواہ الترمذی و قال حدیث حسن غریب کما فی الترغیب ص ۲۴۸ ج ۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں ایسی رات بتا دوں جو شب قدر سے بھی افضل ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ وہ رات ہے کہ جس میں کسی نے خوف و خطرہ کی جگہ چوکیداری کی (مسلمانوں کی حفاظت میں رات گزاری) اسے خطرہ ہے کہ شاید اپنے گھر واپس ہی نہ جائیگا (لیکن پھر بھی حراست اور حفاظت کے کام میں لگا ہوا ہے)۔ (رواہ الحاکم و قال صحیح علی شرط البخاری کما فی الترغیب ص ۲۵۰ ج ۲)

روایات حدیث سے معلوم ہوا کہ عین سرحد پر ہی مسلمانوں کی حفاظت کے لئے رات گزارنا فضیلت عظیمہ کا باعث نہیں بلکہ جس موقع پر بھی شہر میں، محلہ میں آبادی سے باہر یا اندر مسلمانوں کی حفاظت میں وقت خرچ کیا جائے وہ سب بہت بڑے اجر و ثواب کا باعث

ہے، حدیث شریف میں بعض اعمال صالحہ میں پابندی سے لگے رہنے کو بھی رباط سے تعبیر فرمایا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں وہ اعمال نہ بتا دوں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ خطاؤں کو محو فرمادے گا (یعنی بالکل ختم کر دے گا) اور درجات کو بلند فرمادے گا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ ضرور ارشاد فرمائیں۔ آپ نے فرمایا (وہ کام یہ ہیں)

۱۔ ناگواریوں کے باوجود وضو کا پانی اچھی طرح اعضاء پر پہنچانا (سردی میں گرمی میں ہر حالت میں خوب اچھی طرح ہر جگہ اعضاء پر وضو پر پانی پہنچانا اگرچہ نفس کو ناگوار ہو، خاص کر سردی کے زمانہ میں ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا ہے)۔

۲۔ مسجدوں کی طرف کثرت کے ساتھ جانا۔

۳۔ نماز کے بعد نماز کا انتظام کرنا۔ یہ بیان فرما کر آپ نے فرمایا فذلکم الرباط (یہ رباط ہے جس میں نفس کو پابند رکھا جاتا ہے) بعض روایات میں ہے کہ آپ نے ذلکم الرباط دو مرتبہ فرمایا۔ (صحیح مسلم ص ۲۲۷ ج ۱) اور موطا میں ہے کہ اس لفظ کو تین بار فرمایا (کما فی شرح النووی)

اد پر جو ابطوا کا ترجمہ کیا گیا کہ نیک کاموں میں لگے رہو اسی عموم کے اعتبار سے کیا ہے جسکی طرف اس حدیث میں اشارہ ملتا ہے۔ چوتھی نصیحت فرماتے ہوئے وَاتَّقُوا اللَّهَ فرمایا۔ یہ حکم بار بار، جگہ جگہ قرآن مجید میں وارد ہوا ہے اور صفت تقویٰ ہی وہ چیز ہے جو خیر کے ہر کام پر لگاتی اور گناہوں سے بچاتی ہے۔ یہ صفت جامع الخیرات ہے اس لئے بار بار اس کا اعادہ فرمایا۔

آخر میں فرمایا لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ کہ تم یہ کام کر دو گے تو کامیاب ہو گے۔ اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے جو ایمان اور اعمال صالحہ پر اور تقویٰ اختیار کرنے پر موقوف ہے۔

فائدہ: حضرت ابن عباسؓ ایک دن رات کو اپنی خالہ حضرت میمونہؓ کے پاس سو گئے (یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ تھیں) اور مقصد یہ تھا کہ رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد دیکھیں۔ انہوں نے بیان فرمایا کہ جب آپ رات کو اٹھتے تو آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور اِنْ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے شروع فرما کر ختم سورت تک سورۃ آل عمران کی آخری آیات کی تلاوت فرمائی۔ (صحیح بخاری ص ۶۵۷ ج ۲، صحیح مسلم ص ۲۲۱ ج ۱) لہذا تہجد پڑھنے کے لئے انہیں تو ان آیات کو پڑھیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نے سورۃ آل عمران کا آخری حصہ اِنْ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے کسی رات میں پڑھ لیا تو اسے پوری رات نماز میں قیام کرنے کا ثواب ملے گا۔ (دواہ الدارمی ص ۲۲۵ ج ۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نے سورۃ آل عمران پڑھ لی وہ مالدار ہے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ فقیر آدمی کا خزانہ سورۃ آل عمران ہے۔ جسے وہ تہجد کی نماز میں پڑھتا ہے۔ (سنن دارمی ص ۲۲۵ ج ۲)

ولقد نم تفسیر سورۃ آل عمران بفضل اللہ وحسن توفیقہ والحمد للہ اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً



مدنی

سورۃ النساء

۱۷۰ آیتیں ۲۴ رکوع

بِأَنبَاءِهَا ۱۷۰ (۴) سُورَةُ النِّسَاءِ مَكِّيَّةٌ (۹۲) رُكُوعَاتُهَا ۲۴

سورۃ نساء مدینہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو ستر آیتیں اور ۲۴ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا، اور اُس جان سے اُس کا جوڑا، پیدا فرمایا اور اُن دونوں سے

وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ

بہت سارے مرد اور عورتیں پھیلا دیئے، اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے آپس میں سوال کرتے ہو، اور قرابت داریوں سے بھی ڈرو، بے شک

اللَّهُ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ۝ وَآتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا الْاِخْبِيثَ بِالطَّيِّبِ

اللہ تم پر نگہبان ہے۔ اور یتیموں کو اُن کے مال، اور مت بدلو خبیث مال کو اچھے مال سے، اور مت کھاؤ ان کے مالوں کو اپنے

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا ۝

مالوں میں ملا کر، بے شک ایسا کرنا بڑا گناہ ہے۔

بنی آدم کی تخلیق کا تذکرہ اور یتیموں کے مال کھانے کی ممانعت

ان آیات میں اول تو تمام انسانوں کو ان کے خالق و مالک اور پرورش کرنے والے سے ڈرنے کا حکم فرمایا، اور یہ حکم جگہ جگہ قرآن حکیم میں موجود ہے، اللہ تعالیٰ شانہ سے ڈرنا ہی سب کامیابیوں کی کنجی ہے کوئی شخص خلوت میں ہو یا جلوت میں اپنے رب تعالیٰ شانہ سے ڈرے گا اور خوف و خشیت..... کی صفت سے متصف ہو گا تو دنیا و آخرت میں اس کے لئے کامیابی ہی کامیابی ہے۔ دنیا و آخرت کی بربادی گناہوں میں مبتلا ہونے سے ہوتی ہے اور خوف و خشیت دل میں جگ پکڑ لے تو پھر گناہ چھوٹے چلے جاتے ہیں۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: عَلَيْكَ بِتَقْوَى اللَّهِ فَإِنَّهُ أَرْسَنُ لَأَمْرِكَ كَلْبَةً (کہ تم اللہ سے ڈرنے کو لازم پکڑ لو کیونکہ اس سے تمہارے ہر کام میں زینت آ جائے گی)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۵) پھر رب جل شانہ کی ایک صفت جلیلہ بیان فرمائی اور وہ یہ کہ اُس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اُس جان سے اُس کا جوڑا پیدا فرمایا پھر اس

جوڑے سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو دنیا میں پھیلا دیا۔ ایک جان سے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں۔

حضرت حوا کی تخلیق..... ان کا جوڑا یعنی حضرت حواء علیہا السلام کو ان ہی سے پیدا فرمایا۔ صحیح مسلم ص ۵۷ ج ۴ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ عورت پہلی سے پیدا کی گئی ہے وہ کسی طریقے پر تیرے لئے سیدھی نہیں ہو سکتی۔ سو اگر تو اس سے نفع حاصل کرنا چاہے تو اس کی کبھی یعنی میزھے پن کے ہوتے ہوئے ہی نفع حاصل کر سکتا ہے اور اگر تو اسے سیدھا کرنے لگا تو توڑ ڈالے گا۔ اور اُس کو توڑ دینا طلاق دینا ہے۔ صحیح بخاری ص ۷۹ ج ۲ کی ایک روایت میں بھی یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ قرآن مجید میں جو وَنَحْنُ خَلْقٌ مِّنْهَا فرمایا اس کی تفسیر حدیث شریف سے معلوم ہو گئی کہ حضرت حوا حضرت آدم علیہ السلام کی پہلی سے پیدا کی گئیں۔

بہت سے لوگ جن کا مزاج معتزلہ والا ہے وہ چونکہ اپنی عقل کو پہلے دیکھتے ہیں، بعد میں قرآن وحدیث پر نظر ڈالتے ہیں اور جو چیز ان کی عقل میں نہ آئے اس کے منکر ہو جاتے ہیں ایسے لوگوں نے یہاں بھی شک کر کھائی ہے۔ انہوں نے حضرت حوا کا حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا ہونے کا انکار کیا ہے۔ آیت کو انہوں نے سمجھنا نہیں چاہا آیت کے مفہوم صریح تک ان کے ذہن کی رسائی نہیں ہوئی، رہی حدیث تو اس مزاج کے لوگ احادیث کو مانتے ہی نہیں، ہذا ہم اللہ تعالیٰ۔ پھر فرمایا: وَبَثَّ مِنْهُمَا رَجُلًا كَثِيبًا وَنِسَاءً کہ ان دونوں (یعنی ایک مرد اور ایک عورت) سے بہت سارے مرد اور عورتیں دنیا میں پھیلا دیئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے بیس لڑکے اور بیس لڑکیاں پیدا ہوئیں ان ہی سے آگے نسل چلی جس سے کروڑوں انسان مرد اور عورتیں زمین پر پھیل گئے۔ (درمنثور ص ۱۱۶ ج ۲)

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا پھر ان کی بیوی پیدا فرمائی پھر ان دونوں سے خوب زیادہ نسل چلی اور پہلی، مہنوبی اور پہلی۔ موجودہ دور کے انسان اسی نسل سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کو بھی سامنے رکھیں اور صفیت ربوبیت کو بھی۔ کہ اُس نے پیدا بھی فرمایا اور پرورش بھی فرمائی اور پرورش کے سامان پیدا فرمائے کئی طرح سے اس کا شکر واجب ہے، اور شکر کا بہت بڑا جزو یہ ہے کہ اُس کی نافرمانی نہ کی جائے۔ یعنی جو مال و اولاد اس نے عطا فرمایا ہے اس کو گناہوں سے محفوظ رکھا جائے اور انہیں اللہ کی نافرمانی کا ذریعہ نہ بنایا جائے، یہ تقویٰ کی صفت ہے۔ شروع آیت میں تقویٰ کا حکم فرمایا اور یہ بھی بتا دیا کہ تقویٰ کیوں اختیار کیا جائے؟ جس نے اللہ تعالیٰ شانہ کی صفت خالقیت اور صفیت ربوبیت کو جان لیا وہ ضرور متقی ہوگا اور خلوت و جلوت میں گناہوں سے بچے گا۔

اللہ سے ڈرنے کا حکم..... پھر فرمایا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ (کہ تم اللہ سے ڈرو جس کے نام کا واسطہ دے کر آپس میں ایک دوسرے سے حقوق کا مطالبہ کرتے ہو) جس نے حق مار لیا ہو یا حق دینے میں دیر لگا دی ہو اس سے کہتے ہو کہ تو خدا سے ڈر اور میرا حق دے۔ حقوق مانگنے کے سوا دوسری ضروریات کے لئے بھی ایک دوسرے سے یوں کہتے ہو کہ اللہ کے لئے میرا یہ کام کرو، خدا کے لئے مجھے دے دو۔ جس خدا تعالیٰ کے نام سے اپنے کام چلاتے ہو اس سے ڈر اور گناہوں سے بچو۔

صلہ رحمی کا حکم اور قطع رحمی کا وبال..... پھر فرمایا وَالَّذِي حَامِ رَحْمِ كِي تَجْعَلُ۔ عربی میں رحم بچہ دانی کو کہا جاتا ہے جس کے اندر ماں کے پیٹ میں بچہ رہتا ہے، پھر یہ کلمہ مطلقا رشتہ داری کے تعلقات کے لئے استعمال ہونے لگا۔ زمانہ اسلام سے پہلے بھی اہل عرب کے نزدیک رشتہ داری کے تعلقات بانی رکھنا اور انہیں خوبی کے ساتھ نباہنا بہت اہم کام تھا۔ تعلقات باقی رکھنے کو صلہ رحمی اور تعلقات توڑ دینے کو قطع رحمی کہتے ہیں۔ اسلام نے بھی اس کی اہمیت کو باقی رکھا، صلہ رحمی پر بڑے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا اور قطع رحمی پر وعیدیں بیان

فرمائیں۔ اہل عرب آپس میں صلہ رحمی کے تعلقات کو یاد دلایا کرتے تھے اور قسم دلا کر کہتے کہ اے غلام! تجھے رحم کی قسم ہے تو ہماری رعایت کر اور قطع رحمی نہ کر۔ اس آیت شریفہ میں عرب کی اس عادت کو یاد دلایا ہے اور فرمایا کہ تم قرابت واری کے حقوق ضائع کرنے سے ڈرو۔ آپس میں ایک دوسرے کو رحم کا واسطہ دے کر جو سوال کرتے ہو اس واسطہ کی لاج رکھو اور آپس کے حقوق ضائع نہ کرو۔ صلہ رحمی کی شریعت اسلام میں بھی بہت اہمیت ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جسے پسند ہو کہ اس کا رزق زیادہ کر دیا جائے اور اس کی عمر بڑھا دی جائے تو اسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔ (رواہ البخاری ص ۸۸۵ ج ۱)

اپنے قرابت داروں سے ملنا جلنا اور شریعت کے قوانین کی پابندی کرتے ہوئے آنا جانا لینا دینا یہ سب صلہ رحمی میں شامل ہے، حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس قوم میں کوئی بھی شخص قطع رحمی کرنے والا نہ ہو ان پر رحمت نازل نہیں ہوتی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۰ ج ۲)

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (ایضاً) سنن ابوداؤد میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں اللہ ہوں، میں رحمن ہوں، میں نے لفظ رحم کو اپنے نام میں سے نکالا ہے جو شخص صلہ رحمی کرے گا میں اُسے اپنے سے ملا لوں گا۔ اور جو شخص قطع رحمی کرے گا۔ میں اُسے اپنے سے کاٹ دوں گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۰ ج ۲)

آج کل قطع رحمی کا گناہ بہت عام ہے جو لوگ دینداری کے مدعی ہیں نمازوں کے پابند ہیں تہجد گزار ہیں وہ بھی اس گناہ میں مبتلا رہتے ہیں۔ کسی کا بہن کے گھر آنا جانا نہیں کوئی بھائی سے روٹھا ہوا ہے۔ کوئی چچا سے ناراض ہے۔ ایسے لوگ بھی ہیں جن کے ماں باپ سے ہی تعلقات صحیح نہیں۔ لوگوں کا مزاج یہ بن گیا ہے کہ غیروں کے ساتھ گزارہ کر سکتے ہیں اچھے تعلقات رکھ سکتے ہیں مگر اپنوں کے ساتھ گزارہ نہیں کر سکتے۔ معمولی سی باتوں کی وجہ سے قطع تعلق کر بیٹھتے ہیں۔ ایمان کا تقاضا ہے کہ آپس کے تعلقات درست رکھے جائیں، ایک دوسرے سے جو تصور اور کوتاہی ہو جائے اس سے ورگزر کرتے رہیں اور صلہ رحمی کی فضیلت اور دنیاوی و اخروی منفعت کو ہاتھ سے نہ جانے دیں، حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور آپ کا دست مبارک پکڑ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے فضیلت والے اعمال بتا دیجئے۔ آپ نے فرمایا اِنَّا عَقِبْتُكَ مِنْ فِطْرَتِكَ وَ اَعْطَيْتُكَ مِنْ خَيْرِكَ وَ اَغْبَرْتُ عَنْكَ غَنًْى مِّنْ ظِلْمِكَ (کہ اے عقبہ! جو شخص تمہارے ساتھ قطع رحمی کا معاملہ کرے اس سے تعلقات جوڑے رکھو اور جو تمہیں نہ دے اُسے دیتے رہو اور جو شخص تم پر ظلم کرے اس سے اعراض کرتے رہو) یعنی اس کے ظلم کی طرف دھیان نہ دو) اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یوں فرمایا وَ اَغْفُ عَنْ مِّنْ ظِلْمِكَ (جو شخص تم پر ظلم کرے اسے معاف کر دو)۔ (الترغیب والترہیب ص ۳۳۲ ج ۳)

جو شخص یوں کہتا ہے کہ رشتہ دار میرے ساتھ اچھا سلوک کریں گے تو میں بھی کروں گا ایسا شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں وہ تو بدلہ اتارنے والا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تعلق جوڑنے والا وہ نہیں ہے جو بدلہ اتار دے بلکہ تعلق جوڑنے والا وہ ہے جب اس کے ساتھ قطع رحمی کا برتاؤ کیا جائے تب بھی وہ صلہ رحمی کرے۔ (صحیح بخاری ص ۸۸۶ ج ۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ مہمان کا اکرام کرے اور جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اچھی بات کرے یا خاموش رہے۔ (صحیح بخاری ص ۸۸۹ ج ۲)

اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے..... پھر فرمایا اِنَّ اللہَ كَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا (بارشید اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر نگران ہے) مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے۔ تمہارا کوئی عمل خیر یا شر اس کے علم سے باہر نہیں۔ وہ اعمال کے بدلے پورے پورے دیدے گا۔ اس میں تقویٰ کے مضمون کو دوسرے الفاظ میں دہرایا ہے۔ جو ذات پاک خالق اور مالک ہے جسے ہر عمل کا علم ہے جو مخلوق اور مخلوق کے تمام اعمال کو جانتا ہے۔ اس سے ڈرنا ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔

اموال یتامی کے بارے میں تین حکم..... پھر یتیموں کے اولیاء کو حکم دیا کہ تم اُن کے مال ان کو دے دو اور اچھے مال کو بُرے مال سے تبدیل نہ کرو اور اپنے مال اُن کے مالوں میں ملا کر نہ کھا جاؤ اس میں تین باتوں کا حکم فرمایا ہے۔

یتامی کے اموال دے دو..... اول: یہ کہ جو یتیم بچے تمہاری پرورش میں ہیں اُن کے مال جو ان میں میراث میں ملے ہیں یا کسی نے انہیں ہبہ کر دیئے ان کے بالغ ہونے تک ان کے مالوں کو محفوظ رکھو اور بقدر ضرورت اُن کے مالوں میں سے اُن پر خرچ کرتے رہو۔ پھر جب وہ بالغ ہو جائیں تو اُن کے مال اُن کے سپرد کرو۔ ایسا نہ کرو کہ جب وہ بالغ ہو جائیں تو اُن کا مال بلا وجہ اپنی تحویل میں رکھے رہو اور اُن کو دینے سے منع کرو۔ اسباب النزول ص ۱۳۶ میں ہے کہ یہ آیت بنی عطفان کے ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی اس کی پرورش میں ایک یتیم بچہ تھا جو اس کے بھائی کا لڑکا تھا۔ جب یتیم بالغ ہو گیا تو اُس نے اپنا مال طلب کیا۔ چچا نے اس کا مال سپرد کرنے سے انکار کر دیا اس پر وہ بڑا چچا بھیجے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جس پر یہ آیت نازل ہوئی، چچا نے جب یہ آیت سنی تو کہا کہ اللہ رسول کی اطاعت کرتے ہیں اور بڑے گناہ سے بچنا دماغتے ہیں یہ کہا اور یتیم کا مال اس کے حوالے کر دیا۔

یتامی کے اچھے مال کو بُرے مال سے تبدیل نہ کرو..... دوم: یہ فرمایا کہ بُرے مال کو اچھے مال سے تبدیل نہ کرو اس کا مطلب یہ ہے کہ یتیم بچے جو تمہاری پرورش اور نگرانی میں ہیں جن کا مال تمہارے قبضہ میں ہے ان کے اچھے مال کو خود اپنے حصے میں اور اپنا گھٹیا مال اس کے عوض ان کے حصے میں نہ لگاؤ، اُن کا جو مدد اور اچھا مال ہے اُس کو اپنا نہ بنا لو اپنے گھٹیا مال کو اُس کے عوض اُس کے حساب میں لگا کر حساب پورا نہ کرو۔ اپنی اولاد کی خاطر لوگ یتیم کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے ہیں کہ اچھی جائیداد اور اچھا مال جو یتیموں کی ملکیت ہوا ہے اپنا بنا کر اپنے نام رجسٹری کروا لیتے ہیں اور یتیم بچوں کو گھٹیا مال دے دیتے ہیں۔

اور بعض مفسرین نے لَا تَبْذُلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیْبِ کا یہ معنی بھی بتایا ہے کہ اپنے حلال مال کو چھوڑ کر یتیموں کا مال نہ کھا جاؤ۔ جن کا کھانا تمہارے لئے حرام ہے اگر ایسا کرو گے تو طیب کو چھوڑ کر خیانت کر کے دوسرے کا مال کھانے والے بن جاؤ گے اور یہ مال چونکہ تمہارے لئے حرام ہوگا اس لئے خبیث ہوگا۔ یہ معنی بھی لفظ قرآنی سے بعید نہیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب اپنا گھٹیا مال یتیم کے حصے میں لگا کر اُس کا اچھا مال لے لینا حرام ہے تو یہ تو بد رجحان اولیٰ حرام ہوگا کہ اُن کا مال بالکل ہی بلا بدل کے کھالیا جائے۔

یتامی کے مال کو اپنے مال میں ملا کر نہ کھا جاؤ..... سوم: یہ ارشاد فرمایا کہ وَلَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَهُمْ اِلَیَّ اَمْوَالُکُمْ (اور یتیموں کے مالوں کو اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر نہ کھا جاؤ) یتیم بچے جن لوگوں کی پرورش میں ہوتے ہیں اُن میں جن کا مزاج خیانت والا ہوتا ہے ایسے لوگ مختلف طریقوں اور تدبیروں سے یتیموں کا مال اپنے مالوں میں ملا کر کھا جاتے ہیں، کچھ لوگ تو غفلت اور بے دھیانی میں ایسا کر گذرتے ہیں کہ گھر کی مشترکہ ضرورتوں میں مشترکہ مال خرچ کرتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ یتیم بچے پر اُس کے اپنے ذاتی مال میں سے کتنا خرچ ہوا اور اُس کے مال میں سے مشترکہ ضروریات میں دوسروں پر کتنا خرچ ہوا ہے؟ اور کچھ لوگ قصداً ارادہً ایسا کرتے ہیں کہ یتیم بچوں کے بالغ ہونے سے پہلے ہی اُن کے مال کو کسی نہ کسی طرح اپنے نام میں یا اپنی اولاد کے نام میں لکھوا دیتے ہیں پھر جب وہ بالغ

ہو جاتا ہے تو اسے اپنے مال میں سے ذرا بہت ملتا ہے یا بالکل ہی محروم ہو جاتا ہے۔

فائدہ..... یتیم بچوں کا کھانا اپنے کھانے میں ملا کر پکانے کے بارے میں ضروری ہدایات سورۃ بقرہ کی آیت **وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ** کی تفسیر میں گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔ (دیکھنا انوار الہیان ص ۳۱۲ ج ۱)

آخر میں فرمایا **اِنَّهُ كَانَ حُبًّا خَبِيْثًا** (یعنی یتیم کے مال میں خیانت کرنا بڑا گناہ ہے) ہر امانت داری کی خلاف ورزی گناہ ہے لیکن یہاں مستقل طریقہ پر یتیم کے مال میں خیانت کرنے پر تنبیہ فرمائی اور صرف یہی نہیں فرمایا کہ گناہ ہے بلکہ یہ فرمایا کہ بڑا گناہ ہے، جو لوگ یتیموں کے مالوں کے محافظ و متولی ہیں پوری آیت کو بار بار پڑھیں۔

وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُنْفِصُوْا فِي الْيَتٰمٰی فَاَنْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَ ثَلٰثَ وَ رُبْعَ ۚ

اور اگر تم کو ڈر ہو کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان عورتوں سے نکاح کر لو جو عورتیں تم کو پسند ہوں دو دو، تین تین، چار چار،

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْۙ ذٰلِكَ اَدْنٰی اَلَّا تَعْوِلُوْا ۝

سو اگر تم کو ڈر ہو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی عورت سے نکاح کر لو، یا ان لونڈیوں پر بس کرو جو تمہاری ملکیت ہوں، یہ اس سے قریب ہے کہ تم زیادتی نہ کرو۔

یتیم بچوں کے نکاح کرنے کے بارے میں ہدایات

آیت کا مضمون سمجھنے سے پہلے سبب نزول ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ تفسیر درمنثور ص ۱۸ ج ۲ میں بخاری وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ عروہ بن زبیر نے حضرت عائشہؓ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اے میری بہن کے بیٹے اس آیت میں ایسی یتیم بچیوں کا ذکر ہے جن کا باپ فوت ہو جاتا تھا اور جو مال میراث میں ملتا وہ اُس بچی اور اس کے ولی کا مال مشترک ہوتا تھا جسے تقسیم کرنا لازم تھا۔

اب ہوتا یہ تھا کہ جو شخص اس یتیم بچی کا ولی (سرپرست) ہوتا تھا وہ اُس کے مال میں یا جمال میں رغبت رکھنے کی وجہ سے اُس سے نکاح کر لیتا تھا لیکن بچی چونکہ اپنے ہی گھر میں اپنی ہی پرورش میں ہے اس لئے اُس کا مہر جس قدر ہو چاہیے اتنا مقرر نہیں کرتے تھے، دوسری جگہ سے جو مہر ملتا اس سے کم مقرر کیا جاتا، لہذا اس بات سے منع فرمایا گیا کہ ان لڑکیوں سے نکاح کریں اور پورا مہر نہ دیں، بلکہ حکم یہ فرمایا کہ ان لڑکیوں کو پورا حق مہر دو جتنا زیادہ سے زیادہ ان کو دوسری جگہ سے مل سکتا تھا۔ (راجع صحیح البخاری ص ۷۲ ج ۲) اور یہ بھی حکم فرمایا کہ اگر ان یتیم لڑکیوں کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتے تو ان کے علاوہ اپنی پسند کی دوسری عورتوں سے نکاح کر لیں۔ دوسری عورتوں سے نکاح کریں گے تو چونکہ وہ خود سوچ سمجھ والی ہوں گی اور پہلے سے ان پر قابو نہ ہوگا تو حسب منشاء جتنا مہر چاہیں گی مقرر کرالیں گی کیونکہ اُن پر کوئی دباؤ نہ ہو گا۔ اگر کوئی شخص یتیم لڑکی ہی سے نکاح کرنا چاہے اور مہر اُس کو پورا پورا دے تو یہ بھی درست ہے اسی لئے **وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُنْفِصُوْا** فرمایا۔ نیز تفسیر درمنثور میں بحوالہ ابن جریر وغیرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ ایک شخص کی سرپرستی میں کوئی یتیم لڑکی ہے اور وہ مالدار بھی ہے تو جس کی سرپرستی میں ہے وہ اُس سے مال کی وجہ سے نکاح کر لیتا تھا لیکن چونکہ طبعی طور پر اُسے پسند نہ تھی اس لئے اُس کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آتا تھا لہذا اس بارے میں نصیحت فرمائی۔

سبب نزول کے جاننے سے معلوم ہوا کہ یتیم لڑکیاں جو صاحب مال ہوتی تھیں اُن سے نکاح تو کر لیتے تھے لیکن اُن سے سلوک اچھا نہ

رکھتے تھے۔ اور اُن کو مہر بھی اتنا نہ دیتے تھے جتنا ان کو اور جگہ سے مل سکتا تھا۔ البتہ اُن کو حکم دیا کہ اگر تمہیں یہ ڈر ہو کہ تمہیں بچیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو دوسری عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں پسند ہوں۔

چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت اور عدل کرنے کا حکم..... اور ساتھ ہی ساتھ عورتوں کی تعداد کے بارے میں بھی ارشاد فرمایا کہ جو عورتیں پسند ہوں ان میں دو، دو، تین تین، چار چار سے نکاح کر سکتے ہو، اور اگر یہ ڈر ہو کہ ان میں انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی عورت سے نکاح کرو، یا باندیوں پر بس کرو۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اول تو ہر شخص کو بیک وقت دو یا تین یا چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دے دی اور فرمایا کہ جو تمہیں اچھی لگیں اُن سے نکاح کرو ایک سے زائد نکاح کرنا جائز ہے۔ فرض اور واجب نہیں ہے اور جائز بھی اس شرط پر ہے کہ جتنی بیویاں ہوں اُن سب کے درمیان عدل و انصاف رکھے۔ قلبی تعلق پر تو کوئی مداخلہ (گرفت) نہیں ہے کہ یہ اختیاری چیز نہیں۔ البتہ اختیاری چیز میں عدل نہ کیا تو گرفت ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے پاس دو عورتیں ہوں اور وہ اُن دونوں عورتوں کے درمیان عدل یعنی برابری نہ کرتا ہو تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو گرا ہوا ہوگا (جتنی راتیں ایک کے پاس رہے اتنی ہی راتیں دوسری کے پاس رہے تقسیم جس طرح چاہے کرے اس کے اختیار میں ہے)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۹۷۹ از ترمذی وغیرہ)

بہت سے لوگ پیسہ زیادہ ہونے کی وجہ سے یا خواہ مخواہ شوق میں آ کر یا پہلی بیوی پرانی ہو جانے کی وجہ سے نئی بیوی کے مالدار ہونے کی وجہ سے دوسری شادی کر لیتے ہیں۔ لیکن پھر برابری نہیں کرتے اور کسی ایک کے ساتھ ظلم و زیادتی بھی کرتے رہتے ہیں یہ شرعاً حرام ہے۔ اگر کسی کو برابری پر قدرت نہ ہو تو ایک ہی بیوی رکھے تاکہ ظلم و زیادتی سے محفوظ رہے۔ پھر آیت کے خاتمے پر فرمایا: ذٰلِكَ اَدْنٰی اَلَّا تَعْبُوْا (یہ اس سے قریب تر ہے کہ تم زیادتی نہ کرو) یعنی نکاح کے بارے میں جو تفصیل اوپر بیان کی گئی ہے اُس کے مطابق عمل کرو گے تو ظلم و زیادتی سے محفوظ رہ سکتے ہو مذکورہ ہدایات پر عمل کرنا ظلم سے بچانے کے لئے بہت زیادہ قریب تر ہے۔

فائدہ..... شریعت اسلامیہ میں بیک وقت صرف چار تک بیویاں رکھنے کی اجازت ہے مگر مذکورہ بالا شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ دوسری قوموں میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن اُس کے بدلے اُن کے یہاں یہ جائز ہے کہ بہت سی دوستانیاں (گرل فرینڈز) رکھ لے۔ زنا کاری کرنا اُن کے نزدیک کچھ عیب کی بات نہیں ہے البتہ نکاح کر کے ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا اور حلال طریقہ سے زندگی گزارنا اُن کے نزدیک عیب ہے۔ اسلام پر جو بعض جابلوں کے اعتراضات ہیں اُن میں سے ایک یہ اعتراض بھی ہے کہ اسلام میں تعدد ازواج کی اجازت ہے۔ یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ اول تو چار تک کی اجازت ہے واجب نہیں۔ دوسرے دنیاوی احوال کے اعتبار سے اس اجازت کی ضرورت ہے۔ اول تو اس میں نسل بڑھانے کا فائدہ ہے اور دوسرا عظیم فائدہ یہ ہے کہ جب کسی وجہ سے مردوں کی قلت ہو جائے (جیسا کہ جہاد کے مواقع میں مرد شہید ہو جاتے ہیں) تو جو عورتیں بیوہ ہو جائیں۔ تحفظ آبرو کے ساتھ ان کے اخراجات کا انتظام ہو جائے۔ پھر جب عورتوں کی کثرت ہو اور مردوں کی کمی ہو (جیسا کہ اس کا دور شروع ہو چکا ہے) تو عورتوں کی عفت و عصمت اور شریفانہ معیشت کا انتظام اسی میں ہے کہ مرد ایک سے زیادہ نکاح کریں۔ جو لوگ گہرائیوں میں نہیں جاتے۔ حکمتوں کو نہیں سمجھتے انہوں نے اپنے ذمہ صرف اعتراض کرنا ہی لے رکھا ہے جب اجازت اور اباحت کو عدل کے ساتھ مشروط و مقید کر دیا گیا تو پھر کسی عقلمند کے لئے کسی طرح بھی اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی۔

مطلب یہ ہے کہ جب تمہارے احوال کے موافق اور مناسب نہ ہوگا تو خواہ مخواہ اس کی مار پیٹ کی طرف بھی طبیعت چلے گی اور کھلانے پلانے میں بھی کوتاہی ہوگی، اُسے بیچ دو گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ دوسری جگہ اس کے حال کے مناسب مل جائے گی، جب غلام اسی کھانے میں سے کھائے گا جو گھر والوں کے لئے پکایا گیا اور اُسی کپڑے میں سے پہنے گا جو دوسرے گھر والے پہنتے ہیں اور اُس کے علاوہ رواداری، ولداری اور حسن معاشرت کے مظاہرے اس کے سامنے آئیں گے تو حسن و خوبی کے برتاؤ کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو اجنبی محسوس نہ کرے گا اور رفتہ رفتہ اسلام قبول کرنے کے قریب تر آ جائے گا۔ اسلام کی تاریخ میں بڑے بڑے محدثین ایسے حضرات گذرے ہیں جو غلام تھے یا باندیوں کی اولاد تھے۔ حدیث کی کتابوں میں غلاموں کے ساتھ حسن معاشرت کے ساتھ گزارہ کرنے اور ان کے حقوق کی نگہداشت کرنے کے بارے میں مفصل ہدایات موجود ہیں۔ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الوفا میں بار بار یہ فرمایا اَلصَّلٰوۃُ وَ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ (تم نماز کا دھیان رکھنا اور جو تمہارے غلام اور باندیاں ہوں ان کے حقوق کی نگہداشت کرنا۔) (رواہ احمد ص ۸۱۷ ج ۳) یہ ہے وہ غلامی جسے یورپ کے متعصب جاہلوں نے اعتراضات کا نشانہ بنا رکھا ہے۔

فائدہ نمبر (۲)..... غلام اور باندیوں کے جو احکام بیان ہوئے ہیں یہ سب اب بھی شروع ہیں۔ کوئی بھی حکم منسوخ نہیں ہے لیکن اس دور میں مسلمان غلام اور باندیوں سے اس لئے محروم ہیں کہ اول تو اللہ کے لئے جہاد نہیں کرتے اور جو کوئی جنگ ہوتی ہے وہ دشمن کے اشارہ سے ہوتی ہے اور دشمن ہی کے اشارہ سے بند کر دی جاتی ہے۔ پھر دشمنوں نے مسلم حکومتوں کو ایسے معاہدوں میں جکڑ رکھا ہے جن کی وجہ سے وہ قیدیوں کو غلام اور باندیاں نہیں بنا سکتے، غلام اور باندیاں جو بہت بڑی نعمت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دی تھی کہ گھر گھرانے کے باندیاں اور غلام ہوں ان سب سے یکسر محروم ہو گئے ہیں، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو دشمنوں کے پنجے سے چھڑائے اپنے دین پر چلائے اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے اور اصول شریعت کے مطابق جہاد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

نوکرانیاں باندیاں نہیں ہیں ان سے جماع کرنا حرام ہے

اور آزاد لڑکے اور لڑکی کو فروخت کرنا بھی حرام ہے..... وہ باندیاں جن سے جماع کرنا جائز ہے وہ وہی قیدی ہیں جو جہاد کے موقع پر لائے گئے ہوں اور جنہیں امیر المؤمنین نے مجاہدین میں تقسیم کر دیا ہو۔ اس کے سوا ابتداً کسی مرد یا عورت کو غلام باندی بنانے کا کوئی راستہ نہیں، گھروں میں جو نوکرانیاں رکھ لیتے ہیں یہ باندیاں نہیں ہیں ان سے پردہ بھی واجب ہے اور ان سے جماع کرنا بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح دوسری عورتوں سے حرام ہے۔ ان عورتوں سے جماع کرنا سرِ اِپازنا کاری ہے اس کو خوب سمجھ لیا جائے، اگر کسی لڑکی کے ماں باپ لڑکی کو فروخت کر دیں یا کہیں سے ان کو کر کے کوئی لاکر بیچ دے یا کوئی عورت خود سے کہہ دے کہ میں باندی بن کر رہوں گی اس طرح سے وہ شرعی باندی نہ بنے گی اور اس سے جو جماع کیا جائے گا وہ زنا ہوگا۔

کیسی عورتوں سے نکاح کیا جائے..... فَانْکَحُوا مَا طَافَ لَکُمْ مِنَ النِّسَاءِ میں لفظ طَاف فرمایا ہے یہ خوبی بہتری اور عمدگی کے معنی میں آتا ہے اس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ جو عورتیں تمہیں پسند ہوں اس سے نکاح کر لو۔ پسند آنے کے اسباب میں حسن و جمال بھی ہے۔ مال بھی ہے اور دین داری بھی ہے۔ خوش خلقی بھی ہے اور بہت سے اوصاف ہیں جو عورتوں میں ہوتے ہیں۔ آیت کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ خوبی والی عورتیں تلاش کرنا غلط کام نہیں ہے بلکہ اس کی اجازت ہے اگر حسن و جمال دیکھا جائے تو یہ بھی جائز ہے البتہ دیندار کو ترجیح دینی چاہیے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا چار چیزوں کی وجہ سے عورت سے نکاح کیا جاتا ہے۔ اس کے مال کی وجہ سے، اس کے صاحب مرتبہ ہونے کی وجہ سے (شخصی حیثیت کی وجہ سے) اس کے جمال کی وجہ سے، اس کے دین کی وجہ سے، پس

اے مخاطب تو دین والی کو حاصل کر کے کامیاب ہو جا۔ اللہ تیرا بھلا کرے۔ (رواہ مسلم ص ۳۷۳ ج ۱)
 اچھی بیوی کی صفات ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا ساری کی ساری نفع کی چیز ہے اور دنیا کے منافع میں سب سے بہتر چیز نیک عورت ہے۔ (رواہ مسلم ص ۵۷۵ ج ۱)
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نقل فرماتے ہیں کہ بہتر عورتیں جو انہوں پر سوار ہیں (عرب عورتیں) قریش کی وہ عورتیں ہیں جو بچوں پر بہت زیادہ شفیق ہوتی ہیں اور شوہر کے مال کی بہت زیادہ حفاظت کرتی ہیں۔ (رواہ البخاری ص ۶۰ ج ۲)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تقوے کے بعد جو چیزیں بندہ کو حاصل ہوں ان میں نیک بیوی سے بڑھ کر کوئی بہترین نعمت نہیں ہے۔ پھر نیک بیوی کے اوصاف بیان فرمائے۔
 ۱..... اگر اُسے حکم دے تو فرمانبرداری کرے۔
 ۲..... اور اُس کی طرف دیکھے تو اُسے خوش کرے۔
 ۳..... اور شوہر کوئی قسم کھائے (جو عورت کے عمل کرنے سے متعلق جو مثالیوں کہے کہ تم فلاں کام ضرور ضرور کرو گی) تو اُس کی قسم پوری کرے۔

۴..... اور اگر شوہر کہیں چلا جائے تو اپنی جان اور شوہر کے مال میں خیر خواہی کرے۔ (رواہ ابن ماجہ ص ۱۳۳)
 جس طرح عورتوں میں دینداری کو دیکھ کر نکاح کرنے کو ترجیح دینی چاہیے اسی طرح لڑکیوں کے لئے مرد بھی نیک دیکھنے چاہئیں۔
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص پیغام بھیجے جس کی دینی اور اخلاقی حالت تمہیں پسند ہو تو اُس سے نکاح کرو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ ہو گا اور (لسبا) چوڑا فساد ہو گا۔ (رواہ الترمذی ص ۲۰۷ فی ابواب النکاح)

نکاح کرنا شرعی ضرورت ہے: نکاح انسان کی ضروریات میں سے ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے مرد میں عورت کی اور عورت میں مرد کی خواہش رکھی ہے۔ یہ خواہش فطری اور طبعی ہے نفس اور نظر کو پاک رکھنے کے لئے اس کی ضرورت ہے۔ سنن ترمذی (اول کتاب النکاح) میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چار چیزیں پیغمبروں کے طریقے میں سے ہیں۔ ۱۔ حیا، ۲۔ خوشبو لگانا، ۳۔ مسواک کرنا، ۴۔ نکاح کرنا۔

بے نکاح کے رہنا کوئی کمال اور دینداری کی بات نہیں ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اے جوانو! تم میں سے جسے نکاح کرنے پر قدرت ہو نکاح کر لے، کیونکہ وہ نظر کو پست رکھنے والا ہے اور شرم کی جگہ کو پاک رکھنے والا ہے، اور جسے نکاح کی قدرت نہ ہو وہ روزے رکھے کیونکہ اس سے شہوت دب جائے گی۔ (رواہ البخاری ص ۵۸ ج ۲)

قوت مردانہ زائل کرنے کی ممانعت اگر نکاح کرنے کا موقع نہ لگے تو قوت مردانہ ختم کرنے کی اجازت نہیں البتہ عارضی طور پر اور بقدر ضرورت روزے رکھ کر شہوت کو دبائے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے خفی ہونے اور قوت مردانہ زائل کرنے کی اجازت مانگی تو آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لیس منّا من خفّی ولا یختصی انّ خصاء امّتی الصبیام یعنی وہ شخص ہم میں سے نہیں جو کسی کو خفی کرے یا خود خفی ہو بلاشبہ میری امت کا خفی ہونا یہ ہے کہ روزے رکھا کریں۔ (رواہ فی شرح النکاح فی المصباح ۶۹)
 نکاح کرنے میں دینی، دنیاوی، بہت سے منافع ہیں مرد کو سکون کی جگہ مل جاتی ہے۔ کام کاج کر کے تھکا ماندہ آ کر آرام کا ٹھکانا پکڑ لیتا

ہے جسے عورت اعراف میں لیسٹنکن الیہا سے تعبیر فرمایا اور عورت کو بھی اخراجات کی طرف سے اطمینان دیا جاتا ہے۔ اسے کہا نہ میں پناہ دے دوں میں محفوظ رزق ہے مرد و عورت دونوں کی حیثیت اور شخصیت بن جاتی ہے گھر بار والے آل و اولاد والے لکھاتے ہیں پھر جو اولاد بنتی ہے اس سے دل خوش ہوتا ہے بچوں کو کھلانے پالنے پہنانے سے مسرت کی لہریں دوڑ جاتی ہیں اور اس اولاد کو جب دین اور علم دین پر ڈالا جائے تو آخرت میں بھی رفق و درجات کا ذریعہ بن جاتی ہے، اسلام کے احکام فطرت انسانیہ کے موافق ہیں۔ انسانی خواہشوں کو اس اسلام نے ختم نہیں فرمایا بلکہ ان کی حد و قعر فرمادی ہیں اور متعلقہ احکام کی تعلیم دے کر ان کا پابند بنا دیا ہے۔

وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدُقَتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا ۝

اور تم ہر عورت کو ان کے ہر خوش دلی کے ساتھ اور کرو، سو اگر وہ تم پر ہر چیز سے تم سے نفس کی خوشی سے کچھ چھوڑ دیں تو اس سے مبارک طور پر خوشگوار ہی کے ساتھ کھاؤ۔

عورتوں کے مہر ادا کرنے کا حکم

شریعت مطہرہ میں عورت کی ایک حیثیت ہے، جب کوئی مرد اس سے نکاح کرے تو اس کا مہر مقرر کرے اور جس قدر مہر پر وہ راضی ہو اتنے مہر پر نکاح ہوگا، مہر کی مقدار مقرر کرنے کے لئے اس پر زبردستی نہیں کی جاسکتی، پھر جب مہر مقرر کر دیا تو اس کا ادا کرنا فرض ہے اور مرد جب تک مہر ادا نہ کرے۔ بیوی کا قرض وار رہے گا اگر عورت پر اور مہر یا کچھ حصہ معاف کر دے یا کچھ حصہ لینے کے بعد واپس کر دے تو اس کو رکھ لینا جائز ہے البتہ اس میں ایک شرط لازم ہے اور وہ یہ کہ عورت نے جو کچھ دیا: دیا یا معاف کیا: وہ وہ اس نے طیب نفس کے ساتھ دیا ہو۔ طیب نفس کا معنی یہ ہے کہ اچھی طرح خوب خوشی سے دل کی گہرائی سے دے یا معاف کر دے اگر زبردستی معاف کر دیا یا لکھوا لیا یا دھوکہ دے کر دیا یا جھٹکا لیا تو خواہ اسکی وجہ سے دنیاوی نعمتوں میں دعویٰ نہ کر سکے لیکن اس کا حق باقی رہے گا۔ اور آخرت میں ادا کرنا ہوگا۔

وہ معافی معتبر ہے جو طیب نفس سے ہو۔۔۔ قرآن مجید میں مہر چھوڑنے کو جو طیب نفس کے ساتھ مشروط کیا ہے اس میں یہ بتایا ہے کہ جب تک حج حج اندر کے جذبات سے بلا دیا اور بلا کر ادا کر دیا، معاف نہ کیا گیا ہو اس وقت تک معاف نہ سمجھا جائے، بغیر طیب نفس کے معاف سمجھ لینا غلط ہے۔ طیب نفس کا لفظ استعمال فرمایا طیب قلب نہیں فرمایا اس میں یہ نکتہ ہے کہ انسان جب سوچنے بیٹھتا ہے تو بہت کچھ سوچ کر فیصلہ کرتا ہے اس سوچ بچار میں آئندہ حالات کے پیش نظر نقصان کا فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔ رشوت دینے والے سوچ سمجھ کر جان بوجھ کر رشوت دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ میں روپے دیں گے تو سو روپے بچیں گے یہ قلب (دل) کا اور دماغ کا کام ہے۔ لیکن نفس کبھی نہیں اپنا حق چھوڑنے یا بے جگہ پیر خرچ کرنے کو تیار نہ ہوگا۔ جب شوہر بیوی سے مہر معاف کر دیتے ہیں تو اسے یہ بھی نہیں ہوتا اگر میں معاف نہ کروں تو کتنے نوٹوں کے گندے ہیرے ملکیت میں آئیں گے اور ان کے خرچ کرنے کے بارے میں مجھے پورا پورا اختیار ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب معاف کرانے لگتے ہیں تو وہ دور تک سوچتی ہے کہ میں نے اگر معاف نہ کیا تو شوہر کو ناگواری ہوگی اور یہ ناراض ہو گیا تو کہاں جا کر رہوں گی۔ ماں باپ کب تک سہارا دیں گے۔ بھائی ہمیشہ رکھ نہیں سکتے ایسی باتیں سوچ کر اور یہ سمجھ کر کہ ملتا تو ہے نہیں لاؤ۔ معاف ہی کر دوں، لہذا اوپر کے دل سے معاف کر دیتی ہیں۔ شرعاً بدلی کی معافی کا کوئی اعتبار نہیں، زبردستی یہی نہیں ہے کہ کسی سے ڈنڈا مار کر چھین لیا جائے۔ جو بھی چیز بدلی کے ساتھ لی جائے وہ لینے والے کے لئے حلال نہیں ہوتی۔ آیت شریفہ میں مہر کی معافی یا بخشش کے بارے میں فرمایا کہ طیب نفس سے دیدیں تو کھاؤ اور حدیث شریف میں قاعدہ نکلیہ کے طور پر یہ قانون بتا دیا کہ اَلَا تَنْظِلُوْا

أَلَا لَا سِحْلُ مَا لِي أَصْرِي إِلَّا بَطْنِي نَفْسِي مَنْهُ (خبردار ظلم نہ کرو خبردار کسی شخص کا مال حلال نہیں ہے مگر اس کے نفس کی خوشی کے ساتھ)
(مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۵۵)

بہت سے لوگ دوسرے کا مال لے لیتے ہیں وہ لحاظ میں یا کسی قسم کے دباؤ میں کچھ نہیں کہتا اور اندر سے تاملاتا رہ جاتا ہے۔ اس کی خاموشی سے حلال سمجھ لینا غلط ہے اس طرح مال لے لینا حرام کھانے پی کے درجہ میں ہے۔ بعض لوگ مذاق میں کسی کی چیز لے لیتے ہیں پھر واپس نہیں کرتے اور جس کی چیز ہے وہ دل سے راضی نہیں ہوتا اس طرح سے کسی کا مال لے لینا حرام ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لَا يَأْخُذُ أَخَذْتُكُمْ غَصَا أَخِيهِ لَا عَبَا جَاذًا فَمَنْ أَخَذَ غَصَا أَخِيهِ فَلْيَرْزُقْهُ إِلَيْهِ (تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی لاشیٰ اس طرح سے نہ لے لے کہ (ظاہر میں) دل لگی ہو اور دل سے واقعی طور پر لینے کا ارادہ ہو، جو شخص اپنے بھائی کی لاشیٰ لے لے تو واپس کر دے) (الاشیٰ کی بطور مثال کے فرمایا چونکہ یہ معمولی چیز ہوتی ہے۔ ہر چھوٹی بڑی چیز کا یہی حکم ہے)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۵۵)

آخر میں یہ جو فرمایا فَلَْيَرْزُقْهُ فَإِنَّ اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز خوش دلی سے دی جائے اس کا کسمتا مبارک بھی ہو گا اور خوشگوار بھی ہو گا۔ دل میں فرحت بھی ہوگی اور خوبی کے ساتھ جسم و جان میں بھی لگے گا۔ برخلاف اس کے جو چیز کسی کو بد دلی سے دی جائے وہ مبارک نہ ہوگی نہ خوشگوار ہوگی اور نہ صحیح طور پر جسم و جان میں لگے گی۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَمًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ

اور یتیموں کو اپنے مال مت دو جن کو اللہ نے تمہارے لئے زندگی گزارنے کا ذریعہ بنایا ہے۔ اور اُن مالوں سے اُن کو کھانے پینے کیلئے دو۔ اور اُن کو کپڑے پہنا دو۔

وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۖ وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا

اور اُن سے بھلی بات کہہ دو۔ اور آزمائو تم یتیموں کو یہاں تک کہ وہ نکاح کے قابل ہو جائیں۔ سو اُن کو تم اُن کی طرف سمجھ داری محسوس کرو۔

فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ ۖ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا ۚ وَمَنْ كَانَ

تو اُنکے مال اُن کو دے دو۔ اور مت کھا جاؤ اُنکے مالوں کو بے دل خرچی کرتے ہوئے اور اُنکے بڑے ہو جانے سے پہلے جلدی کرتے ہوئے اور تم میں سے جو

عَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ

غنی صاحب مال ہو وہ پرہیز کرے۔ اور جو شخص تنگ دست ہو سو وہ مناسب طریقہ پر کھا لے۔ سو جب تم دے دو اُن کو اُن کے مال

أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ۝

تو اس پر گواہ بناؤ اور اللہ کافی ہے حساب لینے والا۔

یتیم بچوں کے مالوں کے بارے میں چند ہدایات

ان دونوں آیتوں میں متعدد احکام ذکر فرمائے ہیں، اول یہ فرمایا کہ یتیموں کو اپنے مال نہ دے دو۔ یتیموں سے یتیم مراد ہیں۔ اول یہ حکم فرمایا تھا کہ یتیموں کو اُن کے مال دے دو جب وہ بالغ ہو جائیں، اور یہاں یہ فرمایا کہ باوجود بالغ ہو جانے کے ان کا مال اُن کو نہ دو، اگر اُن کے اندر ہوش مندی اور سمجھداری نہ پائی جائے، بالغ ہو کر بھی اُن میں بچپن کی یتیموں کی موجودگی ہو جس سے اندیشہ ہو کہ مال کو برپا کر دیں

گے تو اُن کے مال ان کے سپرد نہ کرو بلکہ اپنی تحویل میں حفاظت سے رکھو اور اُن کے کھانے، پینے، پہننے کے اخراجات میں خرچ کرتے رہو اور جب وہ دُگیر ہوں بُرا مانیں کہ ہمارا مال ہمارے قبضہ میں نہیں آیا تو اُن کو سمجھاؤ کہ تمہاری مصلحت کے لئے میں نے اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔ ذرا اور بڑے ہو جاؤ تمہارا مال ہے تم ہی کو ملے گا وغیرہ وغیرہ۔

یہاں ایک نکتہ قابل ذکر ہے اور وہ یہ کہ اَمْوَالُہُمْ نہیں فرمایا بلکہ اَمْوَالُکُمْ فرمایا، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ یتیموں کے مالوں کو خور و برد کرنے اور اپنے اوپر خرچ کرنے کے بارے میں تو اُن کے مال کو اپنا مال نہ سمجھو لیکن حفاظت سے رکھنے کے بارے میں ایسا سمجھو جیسے تمہارا ہی مال ہے ان کے مال کی حفاظت میں کوتاہی نہ کرو، اور اس طرف بھی اشارہ ہوتا ہے کہ تم میں سے جو کوئی شخص کسی یتیم کو مال بہہ کرے تو اس مال کو بھی حفاظت سے رکھے اور اُن کو اُس وقت تک حوالہ نہ کرے جب تک کہ اُن میں بالغ ہونے کے بعد ہوشمندی سمجھداری نہ دیکھ لے۔

نیز ایک بات اور بھی قابل ذکر ہے، وہ یہ کہ مال کو قیام سے تعبیر فرمایا اس میں یہ بتایا کہ مال کے ذریعہ انسان کی زندگی اچھی طرح سے گذرتی ہے اور مال انسانی زندگی کے صحیح طریقے پر قائم رہنے اور انسانوں کو اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا ذریعہ ہے۔ اللہ کسی کو حلال مال دے تو اس کی قدر کرے اپنی جان پر اہل و عیال پر خرچ کرے مال کو ضائع نہ کرے فضول خرچی میں نہ اڑا دے۔ مال ضائع کرنا ہنرا اور کمال نہیں بلکہ حرام ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ نے تم پر حرام فرمایا ہے ماؤں کو تکلیف دینا، اور بیٹیوں کو زندہ دفن کرنا (جیسے اہل عرب کرتے تھے) اور جس کا حق چاہیے اس کا حق روک دینا اور جس پر اپنا حق نہ ہو اس سے مانگنا، اور اللہ نے اس کو پسند نہیں فرمایا کہ قیل و قال کی جائے، اور زیادہ سوال کئے جائیں، اور مال ضائع کیا جائے۔ (رواہ البخاری ص ۳۲۴ ج ۱)

دوسرا حکم یہ دیا کہ یتیموں کو آزار مالد، جب وہ بالغ ہو جائیں تو دیکھو ان کے اندر سمجھداری اور ہوشمندی ہے یا نہیں، اگر ان کا مال اُن کے سپرد کر دیا جائے تو حفاظت سے رکھتے ہوئے سلیقہ سے اچھے چال چلن کے ساتھ زندگی گزارنے کا ذریعہ بنا سکیں گے یا نہیں بے جا خرچ کر کے مال کو برباد تو نہ کریں گے، جب تم یہ محسوس کر لو کہ مال کو ضائع نہیں کریں گے خوبی سے خرچ کریں گے تو اُن کے مال ان کو دے دو اس صورت میں بالغ ہو جانے کے بعد ان کے مال اُن کے سپرد کرنے میں دیر نہ لگاؤ۔

تیسرا حکم یہ ارشاد فرمایا کہ یتیموں کے مالوں کو فضول خرچی کر کے نہ کھا جاؤ اور اس دُر سے نہ اڑاؤ کہ یہ بڑا ہوا جائے گا تو اپنا مال مانگ لے گا اور ضابطہ کے مطابق اس کو دینا پڑے گا، یہ سوچ کر اس کے بالغ ہونے سے پہلے ہی اپنی ذات یا اپنی اولاد پر یا احباب و اصحاب پر خرچ نہ کر ڈالو۔

چوتھا حکم یہ بیان فرمایا کہ جو اولیاء یتیموں کے مالوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں ان میں جو لوگ صاحب حیثیت ہیں وہ ان یتیموں کے مالوں میں سے نہ کھائیں، اور جو لوگ محتاج و ضرورت مند ہوں، وہ مناسب طریقے پر ان کے مال میں سے کھا سکتے ہیں، اس کے بارے میں علامہ آوسی نے روح المعانی ص ۲۰۸ ج ۴ میں تین قول لکھے ہیں۔ اول: یہ کہ پہلے ضرورت مند ولی کو یتیم کے مال سے کھانے کی اجازت تھی بعد میں آیت کریمہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتَامٰی (الآیہ) نے اس کو منسوخ کر دیا۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ دوسرا قول: یہ ہے کہ یتیم کا ولی جو تنگ دست ہو بطور قرض بقدر ضرورت اس کے مال سے کھا سکتا ہے، جب مال ہاتھ میں آ جائے

تو ادائیگی کر دے۔ یہ حضرت سعید بن جبیر اور حضرت مجاہد اور حضرت ابو العالیہ اور حضرت عبیدہ سلمانی اور حضرت باقر رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ تیسرا قول: یہ ہے کہ یتیم کا ولی جو ضرورت مند ہو اس کے مال کی نگرانی اور متعلقہ امور ضروریہ کی مشغولیت کے عوض بطور اجرت اس میں سے کھا سکتا ہے، مگر یہ کھانا بالعموم یعنی مناسب طریقہ پر ہو۔ مثلاً ایک یتیم ہے اس کے باپ نے جائیداد چھوڑی بہت وکانیں ہیں، مکان ہیں، کھیتیاں ہیں، باغات ہیں ان کی دیکھ بھال کرنے، کرائے وصول کرنے اور محکموں میں جانے، مزدوروں کسانوں کو تلاش کرنے میں کافی وقت صرف ہوتا ہے اس دوڑ دھوپ، محنت و کوشش کے عوض وہ شخص کھا سکتا ہے جو ان کاموں میں لگا ہوا ہے، اور یہ کھانا بھی بالعموم یعنی مناسب طریقہ پر ہو، اس میں یتیم کی ہمدردی کا پورا پورا لحاظ رہے مال اڑانے کا طریقہ اختیار نہ کیا جائے، اُس سے زیادہ نہ لے جتنا اور کسی شخص کو کسی کی اجرت دینا گوارا ہوتا، اور یہ بھی دیکھ لیں کہ ہم اپنے کام کے لئے آتے تو کتنا خرچ ہوتا۔ ایسا نہ کریں کہ یتیم کے مال کی نگہداشت کرنے کے سلسلہ میں سفر میں جائیں تو بڑے بڑے ہوٹلوں میں ٹھہر کر بے تحاشا مال خرچ کر دیں اور اپنی ضرورت سے اسی شہر میں جائیں تو معمولی سے کرائے کی جگہ لیں اور معمولی سا کھانا کھا کر گزار لیں۔ اصولی بات یہ ہے کہ جو اپنے لئے پسند کریں وہی یتیم کے لئے پسند کریں۔

پانچواں حکم یہ ہے کہ جب یتیموں کو ان کے مال پر دکنے لگو تو گواہ بنالیا کرو اس سے یہ ناکدہ ہوگا کہ بعد میں وہ یہ نہ کہہ سکیں گے کہ ہم نے مال نہیں لیا، اور جتنا مال دیا ہوگا اس کی مقدار کا علم بھی رہے گا اور کبھی کوئی بات مخالفت اور اعتراض کی پیش آگئی تو گواہوں کے ذریعہ فیصلہ ہو سکے گا۔

آخر میں فرمایا وَكَفَى بِاللّٰهِ حَسِيبًا (اللہ تعالیٰ حساب لینے کے لئے کافی ہے) اس لفظ میں بہت جامعیت ہے جو بھی ولی یا وصی یتیم کے مال کی نگرانی کرے گا اس سلسلہ میں غلط طریقہ اختیار کرے گا مثلاً حساب غلط لکھے گا۔ کسی حاکم کو رشوت دے کر غلط فیصلہ کرائے گا یا یتیم بالغ ہو کر مال لینے کے بعد وصول کرنے سے انکاری ہو جائے گا یا جتنا مال ملا ہے اس کی مقدار کم ظاہر کرے گا (غرض جس جانب سے بھی غبن یا خیانت ہو) تو وہ دنیا کی ظاہری کاغذی کارروائی کے ذریعہ مطمئن نہ ہو جائے اس کے پیش نظر رہے کہ یوم آخرت بھی سامنے ہے اللہ جل شانہ حساب لینے والا ہے وہ سب کچھ جانتا ہے وہاں کے حساب میں صحیح اترنا چاہیئے۔

فائدہ..... آیت بالا میں جو فرمایا حَسَىٰ اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ کہ یتیم بچے جب بالغ ہو جائیں تو سمجھداری محسوس ہونے پر ان کے مال ان کے حوالے کر دہ اس میں بلوغ کا ذکر ہے۔ لڑکا بالغ جب ہوتا ہے جب احتلام ہو جائے یا انزال ہو جائے اور لڑکی اس وقت بالغ ہوتی ہے جب اُسے حیض آجائے یا احتلام ہو جائے یا حاملہ ہو جائے اگر ان چیزوں میں سے کچھ بھی نہ ہو تو لڑکا یا لڑکی جب بھی ہجری سال کے اعتبار سے پندرہ سال کا ہو جائے شرعاً بالغ سمجھا جائے گا۔ قول منتهی یہی ہے۔

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ

مردوں کے لئے اس مال میں سے حصہ ہے جو ان کے ماں باپ نے اور رشتہ داروں نے چھوڑا، اور عورتوں کے لئے اس مال میں حصہ ہے جو ان کے

الْوَالِدِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۖ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴿۷﴾

ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا، وہ مال کم ہو یا زیادہ یہ حصہ مقرر کیا ہوا ہے۔

میراث میں مردوں اور عورتوں کے حصے مقرر ہیں

اس آیت شریفہ میں میراث جاری کرنے کی اہمیت بتائی ہے اور فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مردوں اور عورتوں کے جو حصے مقرر ہیں ان کا دین دینا فرض ہے۔ مردوں کا بھی اپنے والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے مترکہ مالوں میں حصہ مقرر ہے۔ اور عورتوں کے لئے بھی اپنے ماں باپ اور رشتہ داروں کے چھوڑے ہوئے اموال و املاک میں حصہ مقرر ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو مرنے والے کی میراث سے حصہ نہیں دیا کرتے تھے اور اب بھی بہت سی قوموں میں یہی رواج ہے، اول تو لوگ میراث تقسیم کرتے ہی نہیں جس کے قبضہ میں جو کچھ ہوتا ہے اس پر قبضہ جمائے پیشاں رہتا ہے۔ اور اگر حصہ دینے بھی لگتے ہیں تو مرنے والوں کی بیویوں اور لڑکیوں کو حصہ نہیں دیتے۔ خاص کر جہاں دیویوں کی اولاد نہ ہو ان میں جس بیوی کی اولاد کا قابو ہو گیا وہی سارا مال و بالیتہ میں شرعی طور پر حق دینے کا ذرا بھی خیال نہیں کیا جاتا۔ وارثین میں بچے بھی ہوتے ہیں ان کا مال بھی کھا جاتے ہیں اور میراث کا جو شرعی نظام ہے اس پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے، نماز پڑھنے کی حد تک تو مسلمان ہیں تاہم فکر انکار بھی خوب کرتے ہیں لیکن میراث جاری کرنا جو شریعت کا ایک لازمی حکم ہے اس کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ آیت بالا سے معلوم ہوا کہ جیسے والدین سے میراث پہنچتی ہے ایسے ہی دوسرے رشتہ داروں کے مال میں سے بھی بطور میراث مردوں اور عورتوں کو حصہ پہنچتا ہے جس کی کچھ تفصیلات ان شاء اللہ سورہ نساء کے دوسرے رکوع کی تفسیر میں معلوم ہوں گی ہر رشتہ دار کو حصہ نہیں پہنچتا ہے اس کے کچھ اصول مقرر ہیں جو کتب فرائض میں مذکور ہیں۔

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ فَأَرْزُقُوهُمْ مِّنْهُ

اور جب تقسیم کرنے کے موقع پر رشتہ دار اور یتیم اور مسکین حاضر ہو جائیں تو اس مال میں سے ان کو

وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۖ وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكَوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعْفًا

بھی کچھ دینا، اور ان سے اچھے طریقہ پر بات کرو۔ اور چاہئے کہ وہ لوگ ذریعہ جو اپنے پیچھے ضعیف بچوں کو چھوڑ جاتے اور ان

خَافُوا عَلَيْهِمْ ۖ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ

پر خوف ہوتا ہو یہ لوگ اللہ سے ذریعہ اور ٹھیک بات کریں۔ بیشک جو لوگ ظلم کے طریقہ پر

الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ۝

یتیموں کا مال کھاتے ہیں بات یہی ہے کہ وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں، اور مقرب و مکی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔

یتیموں کا مال کھانے پر سخت وعید اور ان کے مالوں کی نگرانی کا حکم

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ میراث کا مال تقسیم ہونے لگے تو عزیز رشتہ دار اور یتیم مسکین بھی حاضر ہو جاتے ہیں جن کو میراث میں شرعاً حصہ نہیں پہنچتا اگر یہ لوگ ایسے موقع پر حاضر ہو جائیں تو بالغ و رثاء اپنے حصوں میں سے کچھ دے دیں تاکہ ان کی ولداری ہو جائے اور ان کو مناسب طریقہ پر نرمی کے ساتھ اچھے الفاظ میں سمجھا دیں کہ شرعاً تمہارا کوئی حصہ نہیں ہے تم کو میراث میں سے نہ دینا کوئی ظلم زیادتی کی بات نہیں ہے اور یہ ہم اپنے پاس سے پیش کر رہے ہیں۔ آپ حضرات قبول کر لیں اور الگ گھر نہ ہوں اللہ کی قضا و قدر اور اس کی شریعت پر

راضی رہیں، پھر یہ ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں کے قبضہ میں مرنے والے کا مال آ جائے وہ لوگ مال کو خود ہی لے کر نہ بیٹھ جائیں، شرعی حصہ داروں کو ان کے حصہ دے کر شرعی فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں، ان میں ضعیف بھی ہوتے ہیں محتاج بھی، یتیم بھی، اور چھوٹے بچے بھی، اگر ان کا حصہ نہ دیا یا حصہ دینے میں دیر لگائی تو ان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے لہذا یہ غور کریں کہ اگر ہم مر جاتے اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو چھوڑ جاتے تو ہماری کیا خواہش ہوتی۔ اپنی اولاد کے بارے میں یہ سوچتے کہ پورا پورا حصہ ملے تا کہ ضائع ہو جانے سے بچ جائیں۔ یہی بات دوسروں کے چھوٹے چھوٹے بچوں کے بارے میں سوچنی چاہیے، لہذا اللہ سے ڈرو اور میراث صحیح طریقہ پر تقسیم کرو اور بچوں کا مال ایسے ولی یا وصی کے سپرد کرو جو مال کو ضائع نہ کر دے خیانت نہ کرے اور بچوں پر مناسب طریقہ پر خرچ کرے اور جب بالغ ہو جائیں تو ان کو دے دے عملی طور پر بھی بچوں کو مطمئن کر دے اور ان کا حصہ دے دے تا کہ حق بحق دار رسید پر عمل ہو جائے اور قوی طور پر بھی ایسی باتیں کرے جو مناسب ہوں جن میں ان کی دلداری ہو۔

پھر فرمایا کہ جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ دنیا ہی سب کچھ ہے، کھایا پیا یہیں برابر ہو جائے گا۔ خوب سمجھ لیں کہ آگے آنے والی گھائی بہت سخت ہے یوم آخرت میں حساب و کتاب ہے یتیموں کا مال کھانا آسان بات نہیں۔ یہاں وہ ضعیف ہیں معصوم بچے ہیں کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن بارگاہ خداوندی میں جب پیشی ہوگی تو اس حرام خوری کی سزا بھگتنی ہوگی۔ یتیم کا مال کھا رہے ہیں، بظاہر روٹی سے پیٹ بھر رہے ہیں لیکن حقیقت میں اپنے پیٹ میں ”نار“ آگ کے انگارے بھر رہے ہیں اور پھر قیامت کے دن دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔ جو لوگ ورثہ کا مال تقسیم نہیں کرتے یتیموں کا حق نہیں دیتے اور جو لوگ یتیم خانے کھول کر بیٹھے ہوتے ہیں۔ یتیموں کے نام سے چندے کرتے ہیں اور ان پر ذرا بہت خرچ کر کے خود ہی کھا جاتے ہیں۔ آیت کے مضمون پر بار بار غور کریں حقیقت یہ ہے کہ میراث کے مال تقسیم نہ کرنے کی وجہ سے گھر گھر یتیم کا مال کھایا جا رہا ہے اور کھانیوالوں کو ذرا اس طرف توجہ نہیں۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ

اللہ تم کو تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے لڑکے کے لئے اتنا حصہ ہے جتنا دو لڑکیوں کا ہے، سو اگر لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لئے

فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا

اس مال کا دو تہائی ہے جو مرنے والے نے چھوڑا، اور اگر ایک لڑکی ہو تو اس کے لئے آدھا ہے اور اس کے ماں باپ کیلئے یعنی ہر ایک کے لئے چھٹا چھٹا

السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ ۚ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَتْهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ

حصہ ہے اس مال میں سے جو مرنے والے نے چھوڑا بشرطیکہ اس کے اولاد ہو، پس اگر اس کیلئے اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کیلئے تہائی ہے،

فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ لِأَبَاؤُكُمْ

سو اگر مرنے والے کے بھائی ہوں تو اس کی ماں کیلئے چھٹا حصہ ہے۔ اس وصیت کے نافذ کرنے کے بعد جو مرنے والے نے کی ہو یا اس قرض کی ادائیگی کے بعد جو میت

وَأَبْنَاؤُكُمْ ۚ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ ۚ إِنْ أَلَّهِ

پر ہو، تمہارے باپ اور بیٹے جن تم نہیں جانتے کہ ان میں سے تم کو کون کون نفع پہنچانے میں زیادہ قریب تر ہے، یہ حصہ اللہ کی طرف سے

كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

مقرر ہیں۔ بے شک اللہ جاننے والا، حکمت والا ہے۔

میراث پانے والوں کے حصوں کی تفصیل

اس رکوع میں تفصیلی طور پر اللہ جل شانہ نے میراث کے احکام بتائے ہیں اور میراث کے بعض احکام سورہ نساء کے آخری رکوع میں بھی مذکور ہیں۔ مندرجہ بالا آیت میں ماں باپ اور اولاد کے حصے بیان فرمائے۔ اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تم کو اولاد کی میراث کے بارے میں حکم دیتا ہے اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ مرنے والے کے چھوٹے بھائی یا بہن کے حصے دینے جارہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ خود مرنے والے کو یا کسی بھی حکومت کے لئے جائز نہیں کہ ان میں رد و بدل کرے، قرآن کے بیان فرمودہ قانون کے خلاف جو کوئی قانون بنا دیا جائے وہ قانون باطل ہوگا اس کے بعد فرمایا: لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَىٰ یعنی لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ دے دو۔

۱..... مثلاً اگر ماں باپ نہ ہوں اور بیوی اور شوہر بھی نہ ہو اور ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہوں تو مرنے والے کے مال کے چار حصے کر کے دو حصے لڑکے کو اور ایک ایک حصہ ہر لڑکی کو دے دیا جائے۔

۲..... اور اگر مرنے والے کے ماں باپ ہیں یا دونوں میں سے ایک ہے یا شوہر یا بیوی ہے تو ان کا حصہ دے کر جو مال بچ جائے اس کو بھی اسی اصول کے مطابق تقسیم کر دیا جائے یعنی ہر لڑکے کو ہر لڑکی سے دو گنا دے دیا جائے۔

۳..... اور اگر مرنے والے نے اولاد میں صرف لڑکیاں چھوڑی ہیں لڑکا کوئی نہیں ہے تو اگر صرف ایک لڑکی ہے تو اس کو کل مال کا آدھا حصہ دے دیا جائے (اور باقی حسب ضابطہ دوسرے دارثوں کو دے دیا جائے گا)۔

۴..... اور اگر لڑکیاں دو یا دو سے زیادہ ہوں اور لڑکا کوئی نہ ہو تو ان دونوں لڑکیوں کو کل مال کا دو تہائی ۲/۳ حصہ دے دیا جائے یعنی ہر لڑکی کو تہائی تہائی حصہ دے دیں اور باقی ایک تہائی دوسرے دارثوں کو حسب ضابطہ دے دیا جائے۔

۵..... اگر مرنے والے کے ماں باپ بھی ہیں اور اولاد بھی ہے اگرچہ ایک لڑکا یا ایک لڑکی ہی ہو تو ہر ایک کو چھٹا چھٹا حصہ یعنی ۱/۶ دے دیا جائے۔ یعنی باپ کو بھی چھٹا حصہ اور ماں کو بھی چھٹا حصہ دے دیں، باقی مال جو بچے وہ اولاد پر تقسیم کرو یا جائے۔ جس کا اصول اوپر بیان کیا گیا۔

۶..... اور اگر مرنے والے کی اولاد نہ ہو نہ لڑکا نہ لڑکی۔ اور میراث پانے والے صرف والدین ہی ہوں تو کل مال کا ایک تہائی حصہ ۱/۳ والدہ کو اور دو تہائی ۲/۳ والد کو دے دیا جائے۔

۷..... اگر مرنے والے کے اولاد نہ ہو اور میراث پانے والے ماں باپ ہوں اور ساتھ ہی اس کے بھائی، بہن بھی ہوں جو ایک سے زیادہ ہوں (مثلاً ایک بھائی اور ایک بہن ہو) خواہ گئے ہوں یا باپ شریک ہوں یا ماں شریک ہوں تو اس صورت میں اس کی ماں کو کل مال سے چھٹا حصہ ۱/۶ ادا کیا جائے گا اور باقی جو بچا وہ اس کے والد کو دے دیا جائے (بہن یا بھائی کو کچھ نہیں ملے گا۔ البتہ ان کے موجود ہونے سے اتنا فرق پڑے گا کہ والدہ کا حصہ تہائی سے کم ہو کر چھٹا حصہ رہ گیا)۔

وَهَذَا حَبْطُ النَّفْصَانِ فِي إِضْطِلَاحِ أَهْلِ الْقَرَائِصِ وَانْقِصَ حِصَّةُ الْأُمِّ مَعَ أَنَّ الْإِخْوَةَ لَمْ يَنْأَلُوا شَيْئًا.

۸..... اور اگر مرنے والے کے اولاد نہ ہو اور میراث پانے والے ماں باپ ہوں اور ساتھ ہی اُس نے صرف ایک بھائی یا صرف ایک بہن چھوڑی ہو تو اس سے والدہ کے حصہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔ وہ حسب ضابطہ ۳/۱ حصہ لے گی اور باقی ۲/۳ باپ کو ملے گا۔

اولاد اور والدین کے حصے بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا اَبَاؤُكُمْ وَابْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَنِّيْكُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا یعنی یہ تمہارے اصول و فروع ہیں تمہیں یہ نہیں کہ ان میں سے کون سا شخص تم کو (امید کے اعتبار سے) نفع پہنچانے میں زیادہ قریب تر ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تمہاری رائے پر میراث کی تقسیم چھوڑ دی جاتی تو تم تو یہ دیکھتے کہ جو شخص ہمیں زیادہ نفع پہنچانے والا ہو اسی کو حصہ زیادہ دیں اسی طرح حصے مقرر ہی نہ ہو سکتے تھے اور پھر یہ بھی ممکن تھا کہ کسی سے زیادہ امید باندھ کر زیادہ مال دینے کی وصیت کر دی جاتی خواہ اُس نے کچھ بھی نفع نہ پہنچایا ہو لہذا نفع یا امید نفع پر میراث کے حصوں کی تقسیم نہیں رکھی گئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے دوسری مصلحتوں کے اعتبار سے خود ہی حصے مقرر فرما دیئے اور حصوں کی بنیاد اولاد یا ماں باپ ہونے پر رکھ دی، یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے ان میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا اور جس کا جو حصہ مقرر کیا گیا ہے اسے وہی دینا ہوگا۔ کسی بیشی کرنے کا کسی کو اختیار نہیں۔ وارث کو محروم کرنا بھی جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے اس نے جو کچھ حکم دیا وہ حکمت کے مطابق ہے۔

فائدہ..... بہت سے لوگ اپنی بعض اولاد کو عاق کر دیتے ہیں اور حاکم کے یہاں یہ لکھوا دیتے ہیں کہ اس کو ہماری میراث سے کچھ نہ دیا جائے ایسا کرنا حرام ہے اگر کوئی شخص ایسا لکھ بھی دے تب بھی کوئی اولاد حصہ شرعی سے محروم نہ ہوگی اور لامحالہ شرعی حصہ دینا ہی ہوگا۔ میراث کی تقسیم نفع پہنچانے یا خدمت زیادہ کرنے کی بنیاد پر نہیں ہے۔ بلکہ اولاد ہونے کی بنیاد پر ہے لہذا کسی بھی لڑکے یا لڑکی کو میراث سے محروم کرنا ایسی وصیت کر دینا کہ اسے میراث نہ ملے شرعاً حرام ہے۔

فائدہ ثانیہ..... اللہ تعالیٰ شانہ نے ماں باپ کی میراث میں تمام اولاد کو حصہ دار بنایا ہے لڑکے، لڑکیاں۔ البتہ لڑکی کا حصہ لڑکے سے آدھا رکھا ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ لڑکی کو شوہر کی طرف سے مہر بھی ملے گا اور اس کی اولاد کی پرورش بھی اس کے شوہر یعنی بچوں کے باپ کے ذمہ ہوگی۔ برخلاف اس کے لڑکوں کو اپنی بیویوں کو مہر دینے ہوں گے اور اولاد کی پرورش بھی خود کرنی ہوگی۔

بہنوں کو میراث سے محروم کرنا حرام ہے..... اور یہ بات ملحوظ رہے کہ لڑکیوں کو میراث سے محروم کر دینا اور ان کو جو میراث سے حصہ ملتا ہے وہ لڑکوں کا آپس میں ہی تقسیم کر لینا (جیسا کہ اکثر یہی ہوتا ہے) یہ سخت حرام ہے۔ بہنوں پر ظلم ہے اور قانون خداوندی سے بغاوت ہے اگر کسی فرد یا جماعت یا پچائت یا ملک کے احکام اپنے مروجہ قانون کے مطابق لڑکوں ہی میں مرنے والوں کی میراث تقسیم کر دیں اور لڑکیوں کو محروم کر دیں تو اس طرح سے لڑکوں کے لئے شرعاً بہنوں کا حصہ لے لینا حلال نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے لڑکیوں کے حصہ کی اہمیت بیان فرماتے ہوئے اَللّٰهُ تَعَالٰی مَثَلُ خَطِّ الْاُنثٰی فَرَمٰی لِعٰنِی لڑکیوں کا حصہ غلط ہے بتایا ہی نہیں بلکہ لڑکیوں کا حصہ بتاتے ہوئے لڑکوں کا حصہ بتایا ہے، غیر منقسم ہندوستان میں جب انگریزوں کا تسلط تھا اور انہیں کا قانون رائج تھا اس زمانہ میں ایک مسلمان، انگریز مجسٹریٹ کے یہاں اپنے باپ کی میراث تقسیم کرانے کے لئے گیا اور اس سے کہا کہ آپ انگریزی قانون کے مطابق تقسیم کر دیں۔ مجسٹریٹ نے کہا چونکہ میں سرکاری ملازم ہوں اس لئے میں اسی طرح تقسیم کر دوں گا جیسے آپ کہہ رہے ہیں لیکن میرا سوال یہ ہے کہ آپ مسلمان ہوتے ہوئے قرآن کے مطابق کیوں تقسیم نہیں کراتے؟ قرآن میں تو آدھی سطر سے بھی کم میں لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کا حصہ بیان فرما دیا ہے آپ قرآن کے لفظ لِّلذَّكَرِ کو تو ماننے کے لئے تیار ہیں مَثَلُ الْاُنثٰی ماننے کو تیار نہیں۔ یہ قرآن ماننے کا کون سا طریقہ ہے؟ مسلمان صاحب اپنا سامنہ لے کر رہ گئے۔

بعض لوگ بہنوں کا حصہ یوں کہہ کر دبا لیتے ہیں کہ وہ لیتی ہی نہیں یا انہوں نے معاف کر دیا ہے۔ اگر واقعی سچے دل سے معاف کر دیں تو وہ معاف ہو جاتا ہے لیکن اگر انہوں نے اوپر کے دل سے معاف کر دیا تو اس سے معاف نہیں ہوگا، اس میں بھی وہی تفصیل ہے جو قَبْلَ طَبْنِ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ کے ذیل میں مہر دین کی معافی کے سلسلہ میں ذکر ہو چکی ہے۔ اگر بہنوں کو بتادے کہ تمہارا اتنا اتنا حصہ ہے، اتنے اتنے ہزار روپے تمہارے حصے میں آ رہے ہیں اور باغ میں تمہارا اتنا حصہ ہے اور مکان میں، جائیداد میں اور زرعی زمین میں اتنا اتنا حصہ ہے۔ اور وہ سمجھ لیں کہ ہم اپنے اپنے حصہ میں صاحب اختیار ہیں۔ معاف نہ کریں تو ہمارے بھائی ضرور ہمارا حصہ ہم کو دے دیں گے اس کے باوجود معاف کر دیں تو یہ معافی معتبر ہوگی اگر انہوں نے یہ سمجھ کر اوپر کے دل سے معاف کر دیا کہ ملنا تو ہے ہی نہیں۔ بھائیوں کا دل بھی کیوں بُرا کیا، اگر شوہر سے مخالفت ہوگئی یا اس کی موت ہوگئی تو ان بھائیوں کے پاس آنا پڑے گا۔ اس وقت بھائی بُرا مانیں گے اور بھابھیاں طعنہ دیں گی اس لئے لاؤ مجبوراً زبانی طور پر معاف ہی کر دیں۔ ایسی معافی کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ یہ معافی طیب نفس سے اور اندر کی خوشی سے نہیں ہے۔

فائدہ..... میت کے مال میں سے جو حصے تقسیم ہوں گے۔ وہ قرضوں کی ادائیگی اور وصیت نافذ کرنے کے بعد جاری ہوں گے جس کو مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِيْ بِهَا اَوْ دَيْنٍ کے مختصر الفاظ میں بیان فرمادیا ہے یہ واضح رہے کہ قرضوں کی ادائیگی میراث نافذ کرنے سے پہلے ہوگی اس کی مزید تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب انہیں اور اق میں بیان ہوگی۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهَا وَلَدٌ

اور تمہارے لئے اس مال میں سے آدھا ہے جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں اگر ان کے اولاد نہ ہو، مگر ان کے اولاد ہو تو تمہارے لئے اس کا مال

فَلَكُمْ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَّ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوَصِيْنَ بِهَا اَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبْعُ

جو تمہاری بیویاں چھوڑا، اس وصیت کے نافذ کرنے کے بعد جو وہ وصیت کر گئیں اور اس قرض کی ادائیگی کے بعد جو ان کے ذمہ ہے، اور ان کیلئے اس مال

مِمَّا تَرَكَنَّ اِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُنَّ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّنُنُ مِمَّا تَرَكَنَّ

کا چھٹائی ہے جو تم نے چھوڑا اگر تمہارے اولاد نہ ہو، مگر اگر تمہارے اولاد ہو تو ان کے لئے آٹھواں ہے اس میں سے جو تم نے چھوڑا، اس وصیت کے

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا اَوْ دَيْنٍ ۚ

نافذ کرنے کے بعد جو تم وصیت کر گئے ہو یا قرض کی ادائیگی کے بعد جو تمہارے ذمہ ہو۔

میراث میں شوہر اور بیوی کا حصہ

اس آیت میں شوہر اور بیوی کا حصہ میراث بیان فرمایا ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱..... اگر بیوی فوت ہو جائے تو اس کے کل متروکہ اموال و املاک سے شوہر کو آدھا مال ملے گا۔ بشرطیکہ اس نے کوئی اولاد نہ چھوڑی ہو۔

۲..... اگر شوہر فوت ہو جائے تو اس کے کل متروکہ اموال و املاک سے بیوی کو آدھا مال ملے گا۔ بشرطیکہ اس نے کوئی اولاد نہ چھوڑی ہو۔

۳..... اگر عورت فوت ہو جائے تو اس نے کوئی اولاد چھوڑی ہو خواہ ایک لڑکا یا لڑکی ہی ہو، موجودہ شوہر سے ہو یا پہلے شوہر سے تو جس شوہر کی زوجیت میں ہوتے ہوئے فوت ہوئی ہے اس شوہر کو اس عورت کے متروکہ مال میں سے چوتھائی حصہ ملے گا اور دونوں صورتوں

میں یہ حصہ ادا نہ دین اور انفاذ وصیت کے بعد دیا جائے گا۔

۳.... اگر شوہر فوت ہو جائے اور اُس نے کوئی اولاد نہ چھوڑی ہو نہ موجودہ بیویوں میں سے کسی سے اور نہ کسی پہلی بیوی سے تو مرتے وقت متکوہ موجودہ بیوی کو کل متروکہ مال میں سے چوتھائی حصہ ملے گا۔

۴..... اور اگر شوہر نے کوئی اولاد بھی چھوڑی ہے خواہ ایک لڑکا یا ایک لڑکی ہی ہو (کسی سابقہ یا موجودہ بیوی سے) تو موت کے وقت جو بیوی اس کے نکاح میں تھی اس کو شوہر کی میراث سے آٹھواں حصہ ملے گا۔

یہ حصہ دونوں صورتوں میں ادا ہوگی دیون اور انفاذ وصیت کے بعد دیا جائے گا۔

فائدہ..... اگر مرنے والے نے ایک سے زیادہ بیویاں چھوڑی ہوں تو ۲/۸ یا ۱/۸ میں سب شریک ہوں گی اور مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق چوتھائی یا آٹھواں حصہ مشترکہ طور پر سب کو ملے گا۔ ایسا نہیں کہ ہر بیوی کو چوتھائی یا آٹھواں حصہ دیا جائے۔

وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَّةً أَوْ امْرَأَةً وَوَلَةً أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ

اور اگر مرنے والا کوئی مرد یا کوئی عورت ہو جس کو مورث بنایا جا رہا ہو اور حال^(۱) یہ ہے کہ اس کے مال باپ^(۲) میں سے کوئی نہ ہو اور نہ کوئی بیٹا بیٹی ہو اور نہ پوتا پوتی ہو اور اس نے کوئی بھائی

مِنْهُمْ السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ

یا بہن چھوڑی ہو تو ان میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ اگر بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب بھائی مال میں شریک ہوں گے اس وصیت کے

وَصِيَّةٍ يُوْطَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ غَيْرَ مُضَارٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ ۖ

نافذ کرنے کے بعد جس کی وصیت کی ہو اور ادائے قرض کے بعد اس حال میں کہ نقصان پہنچانے کی نیت نہ کی ہو یہ وصیہ اللہ کی طرف سے ہے

وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ۝

اور اللہ تعالیٰ علیم ہے اور حلیم ہے۔

اخانی بہن بھائی کا حصہ

یہاں پر کلامہ کی میراث کا حکم بیان فرمایا ہے۔ کلامہ مرد یا عورت ہے جس کی نہ ماں زندہ ہو نہ باپ نہ دادا نہ بیٹی ہو نہ بیٹا نہ بیٹی کی اولاد ہو، اگر کلامہ مر جائے اور اُس کے سگے بہن بھائی ہوں یا باپ شریک بہن بھائی ہوں تو ان کا حصہ سورۃ نساء کی آخری آیت تَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ میں بیان فرمایا ہے اور اگر ایسے مرد یا عورت کا کوئی بہن یا بھائی مال شریک ہو (جسے فقہاء کی اصطلاح میں اخانی بہن بھائی کہتے ہیں) تو ان کا حصہ یہاں بیان فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی مرد یا عورت کلامہ ہو اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن مال شریک ہو تو اس میں سے ہر ایک کو مرنے والے کے مال میں سے چھٹا حصہ ملے گا۔ یہ اُس صورت میں ہے جبکہ صرف ایک بھائی یا ایک بہن ہو، اور اگر یہ لوگ ایک سے زیادہ ہوں یعنی ماں شریک دو بھائی ہوں یا دو بہن ہیں یا ایک بھائی

(۱) کلامہ کی تفسیر کو ترجمہ میں لے لیا گیا ہے۔ (۲) دادا بھی باپ کے حکم میں ہے۔

اور وہ ہمیشہ دوں یا دو بھائی اور ایک بہن ہو یا اس سے بھی زیادہ ہوں تو وہ سب مرنے والے کے تہائی مال میں برابر کے شریک ہوں گے۔ ان میں نہ کرمۃ بنت کا حصہ برابر ہوگا اور باقی دو تہائی مال دوسرے وارثوں کو دے دیا جائے گا۔ ان کو وہ دونوں صورتوں میں جو حصہ ملے گا ادا دین اور انفاذ وصیت کے بعد دیا جائے گا یہ تفصیل اخپانی بہن بھائی کے حصوں کے بارے میں ہے۔

یعنی اور علاتی بہن بھائیوں کا حصہ.....: اگر کوئی ایسا شخص فوت ہو گیا جو کالہ ہے یعنی اس کی اولاد یا ماں باپ نہیں ہیں اور اس کی ایک بہن حقیقی یا باپ شریک ہے تو اس بہن کو مرنے والے کا آدھا مال دیا جائے گا اور اگر کوئی عورت وفات پاگئی جو کالہ ہے جس کے اولاد اور ماں باپ نہیں ہیں اور اس کا ایک بھائی حقیقی یا باپ شریک ہے تو یہ بھائی اپنی بہن کے کل مال کا وارث ہو جائے گا۔ اگر مرنے والا کالہ ہے اور اس کی دو بہن ہیں سگی یا باپ شریک ہیں تو یہ دونوں مرنے والے کے کل ترکہ سے دو تہائی ۲/۳ مال لے لیں گی اور اگر دو بہنوں سے زیادہ ہوں تب بھی سب دو تہائی ہی میں شریک ہوں گی

اور اگر کوئی شخص کالہ فوت ہو گیا اور اس نے سگے یا باپ شریک بہن بھائی چھوڑے ہوں تو ان میں مرنے والے کی میراث لیسۃ کسب مثل خطۃ الاثنین کے اصول پر تقسیم ہوگی یعنی ہر لڑکے کو لڑکی سے دو گنا حصہ دیا جائے گا۔ مثلاً ایک شخص کی وفات ہوگئی جس کی اولاد اور ماں باپ نہیں ہیں اور اس نے ایک سگہ بھائی اور دو سگی بہنیں چھوڑی ہیں تو کل مال کے چار حصہ کر کے دو حصے بھائی کو اور ایک ایک حصہ ہر بہن کو دے دیا جائے گا۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ کالہ کے بہن بھائیوں کی میراث کا حکم سورۃ نساء میں دو جگہ بیان کیا گیا ہے۔ سورۃ نساء کے دوسرے رکوع میں ماں شریک بہن بھائیوں کا حصہ بتایا ہے، اور سورۃ نساء کے آخری رکوع میں سگے اور باپ شریک بہن بھائیوں کا حصہ بتایا ہے۔

میراث کے مقررہ حصے ادا دین اور انفاذ وصیت کے بعد دیئے جائیں گے..... جتنے بھی حصے شروع رکوع سے اب تک بیان فرمائے ان سب میں یہ قید لگائی ہے کہ یہ حصے مرنے والے کی وصیت نافذ کرنے اور ادا دین کے بعد دیئے جائیں گے، یہاں یہ بات واضح رہے کہ وصیت کا ذکر اگرچہ دین سے پہلے آیا ہے لیکن اصول یہ ہے کہ پہلے مرنے والے کے مال سے اس کے کفن و دفن کے اخراجات پورے کئے جائیں جو واجب شرعی اخراجات ہوں، اس کے بعد اس کے قرضے ادا کئے جائیں۔ اگر پورا مال قرضوں کی ادائیگی میں خرچ ہو جائے تو اس نے جو کچھ وصیت کی ہو نہ اس کی کوئی حیثیت باقی رہے گی اور نہ کسی وارث کو کچھ ملے گا۔

ادائے دین انفاذ وصیت سے مقدم ہے..... حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ یہ آیت پڑھتے: وَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُؤْصِيْنَ بِهَا اَوْ ذَنْبٍ (جس سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وصیت مقدم ہے) اور حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت نافذ کرنے سے پہلے قرضے کی ادائیگی کا فیصلہ فرمایا ہے (رواہ ابن ماجہ والترمذی۔ مشکوٰۃ الصالح ص ۲۶۳)۔

وصیت تہائی مال میں نافذ ہوگی..... اگر قرضوں کی ادائیگی کے بعد کم یا زیادہ کچھ مال بچ گیا تو مرنے والے کے تہائی مال کے اندر اندر وہ وصیت نافذ کی جائے گی (بشرطیکہ وصیت شرعاً صحیح ہو) اگر اس نے تہائی سے زیادہ کی وصیت کی ہے تب بھی تہائی مال میں نافذ ہوگی ہاں اگر بالغ ورثاء اپنے حصہ میں سے خرچ کرنے پر راضی ہو جائیں تو جتنے مال کی اجازت ویں اسی قدر مال میں وصیت نافذ دے سکے گی، نابالغ وارث کی اجازت کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر مرنے والے کی کوئی وصیت نہیں ہے تو قرضوں کی ادائیگی کے بعد جو بھی مال بچے گا۔ اس سارے مال میں میراث جاری ہوگی، اگر نہ قرض ہے اور نہ وصیت ہے تو وارث اپنے اپنے مقررہ حصوں کے بقدر پورا مال تقسیم کر لیں گے۔

وصیت کے بعض احکام..... اگر کوئی شخص آخرت کے اجر و ثواب کے لئے بطور صدقہ جاریہ کچھ مال خرچ کرنے کی وصیت کر دے یا وارثوں کے علاوہ کسی دوسرے عزیز قریب یا کسی اجنبی کو اپنے مال میں سے کچھ دینے کے لئے وصیت کر دے تو صرف تہائی مال میں وصیت کرے اور بہتر یہ ہے کہ تہائی سے بھی کم میں کرے، جب مرنے والے نے وصیت کر دی تو اب وارثوں پر فرض ہے کہ جو وصیت شریعت کے مطابق ہو اس کو نافذ کریں اور وصیت کا مال خود نہ کھا جائیں اگر ایسا کریں گے تو گنہگار ہوں گے، قرآن مجید میں جو وصیت کو دین سے پہلے ذکر کیا ہے (اور بار بار ایسا ہی فرمایا ہے) بعض علماء نے اس کی یہی حکمت بتائی ہے کہ جن لوگوں کا قرض ہے وہ تو لا جھگڑ کر قوت و طاقت سے وصول کر لیں گے اور وصیت کا نافذ کرنا محض وارثوں کے رحم و کرم پر ہے۔ نہ مسجد و مدرسہ والے دعویٰ لے کر انہیں گے نہ دوسرا شخص جس کے لئے وصیت کی ہے جھگڑنے کے لئے کھڑا ہوگا (بلکہ بعض مرتبہ اسے پتہ بھی نہیں ہوتا جس کے لئے وصیت کی ہے) اس لئے قرآن مجید میں بطور تاکید اور شدت اہتمام ظاہر فرمانے کے لئے وصیت کو ترتیب ذکر میں مقدم فرمایا اگرچہ وہ علماء دین سے مؤخر ہے۔

مسئلہ..... اگر کسی شخص پر حج فرض تھا اور اس نے وصیت کر دی کہ میری طرف سے حج کر دیا جائے تو یہ وصیت بھی تہائی مال میں نافذ ہوگی۔ وارثوں پر فرض ہوگا کہ اس کے تہائی مال میں سے حج بدل کرادیں۔ یہ لوگ اس وصیت پر عمل نہ کریں گے تو گنہگار ہوں گے اگر تہائی مال سے حج کے مصارف پورے نہ ہوتے ہوں تو جہاں سے سفر کرانے سے تہائی مال سے مصارف پورے ہو سکتے ہوں وہاں سے کسی کو بھیج کر حج بدل کرادیں۔ اور اگر درمیان اپنے حصے میں سے باقی اخراجات برداشت کر لیں تو یہ بہتر ہے۔ ثواب میں شریک ہو جائیں گے۔

فائدہ..... وارثوں کو میراث سے محروم کرنا یا اس کی نیت کرنا حرام ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے وارث کی میراث سے کچھ کاٹ دیا اللہ تعالیٰ جنت سے اس کی میراث کاٹ دے گا۔ (رواہ ابن ماجہ ص ۱۹۵) (مثلاً کسی وارث کے بارے میں یوں کہا کہ اسے میراث نہ دی جائے یا خود ہی اپنی موت سے پہلے سارا مال ادھر ادھر کر دیا تاکہ وارث کو نہ ملے تو اللہ تعالیٰ جنت سے اس کی میراث کاٹ دے گا)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک مرد اور عورت ساٹھ سال تک اللہ کی فرمانبرداری کے مطابق عمل کرتے رہتے ہیں پھر موت کے وقت ایسی وصیت کر جاتے ہیں جس میں (وارثوں کو) ضرر پہنچا دیتے ہیں۔ لہذا ان کے لئے دوزخ واجب ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آیت میراث کا یہ حصہ تلاوت فرمایا مِّنْ تَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ ذَيْنِ غَيْرِ مُضَارٍّ وَ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ خَبِيرٌ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ قَوْلُهُ تَعَالٰى وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (رواہ احمد کافى مشکوٰۃ ص ۲۲۶)

مسئلہ..... وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہاں اگر دوسرے ورثاء اجازت دیں تو اس کی گنجائش ہے۔

مسئلہ..... قاتل کو مقتول کی میراث نہیں ملے گی۔

میراث کے بعض احکام مسئلہ..... مسلمان کا فر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ (رواہ البخاری ص ۱۰۰ ج ۲)

فائدہ..... میراث پانے والے تین قسم کے رشتہ دار ہیں۔ اول اصحاب القرأض جن کے حصے قرآن مجید نے مقرر کئے ہیں (جن کا بیان

تفصیل کے ساتھ اور گنڈر چکا ہے) دوم: عصبات، جو مال اصحاب الفرائض سے بچ جائے یہ لوگ اس کے مستحق ہوتے ہیں، مثلاً مرنے والے کی اولاد میں جبکہ لڑکے یا لڑکیاں دو ذنوں موجود ہوں تو دوسرے اصحاب الفروض کا حصہ دیکر جو بچے گا وہ لے لے گا مگر مقل حَقُّ الْأَنْفِیْنِ کے اصول پر تقسیم کریں گے اسی طرح میت کے باپ کی اولاد یعنی میت کے بھائی اور میت کے دادا کی اولاد یعنی چچا اور چچاؤں کے لڑکے یہ سب اقرب فال اقرب عصبہ ہونے کی بنیاد پر وارث ہوتے ہیں اور ان میں تفصیل بہت ہے جو میراث کی کتب میں مذکور ہے اس مختصر سے بیان کو پڑھ کر مفتی نہ بن جائے، اگر اصحاب الفرائض نہ ہوں تو پورا مال بعد ادائے دیون و انفاذ وصیت یہی لوگ لے لیتے ہیں۔ ان کے بعد ذوی الارحام کا درجہ ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں عصبات نہ ہونے کی صورت میں حصہ ملتا ہے جیسے بیٹیوں کی اولاد، بہنوں کی اولاد، بھائیوں کی بیٹیاں۔ ان کے مسائل میں تفصیلات بہت ہیں جو باقاعدہ استاد سے پڑھنے سے سمجھ میں آتی ہیں۔

مسئلہ..... بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ عصبات نہیں ہوتے اور اصحاب الفرائض سے جو مال بچ جاتا ہے ان ہی کو بقدر ان کے حصوں کے واپس کر دیا جاتا ہے اس کو علما، میراث کی اصطلاح میں رو کرنا کہتے ہیں، اس سے شوہر اور بیوی مستثنیٰ ہیں ان پر نہیں کیا جاتا۔ مسئلہ..... مرنے والے نے بیوی کا میراگرا نہیں کیا تو بیوی بحیثیت قرض خواہ ہونے کے اول اپنا قرض لے لگی جب بصورت مہر شوہر پر واجب ہے۔ پھر اپنا میراث کا مقررہ حصہ مستقل لے لگی۔ عام طور سے لوگ مرنے والے کی بیویوں پر ظلم کرتے ہیں مہر نہیں دیتے یا میراث نہیں دیتے یا دونوں ہی سے محروم کر دیتے ہیں یہ ظلم آخرت میں وبال بن کر سامنے آئے گا۔

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ

یہ اللہ کی حد بندیوں ہیں اور جو انہیں اطاعت کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی اسے اللہ تعالیٰ ایسے بانوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ

یوں گی، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور جو انہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی حدود سے آگے

حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا ۚ وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝

نکل جائے وہ اسے آگ میں داخل فرمائے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے عذاب ہے ذلیل کرنے والا۔

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم اور نافرمانی پر وعید

میراث کے حصے بیان فرمانے کے بعد احکام خداوندیہ پر عمل پیرا ہونے کی تاکید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ اوپر بیان ہوا یہ اللہ کی حد بندیاں ہیں خدائے پاک کے قانون کو توڑنا اور حد بندیوں سے آگے بڑھنا بغاوت ہے اور قانون کی پاسداری کرنا اور اس کی حفاظت کرنا اللہ تعالیٰ شانہ کی رضا مندی اور اس کے انعامات حاصل ہونے کا سبب ہے۔ فرمانبرداروں کے لئے باغ ہیں جو دارالنعیم میں ہوں گے۔ ان میں ہمیشہ رہیں گے ان باغوں میں داخل ہو جانا بہت بڑی کامیابی ہے اور جو لوگ حدود و قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ نافرمان ہیں۔ نافرمانوں کی سزا دوزخ کا عذاب ہے جو ذلیل کرنے والا ہے۔ اس میں ہمیشہ رہیں گے، جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کو نہیں مانتے یا جھوٹے منہ سے اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں لیکن اللہ کے قوانین کو غلط قرار دیتے ہیں ان کو ظالمانہ قوانین بتاتے ہیں ان کا مذاق اڑاتے ہیں وہ تو کافر ہیں ہی ان کے لئے سزا دہنکی اور ابدی ہے ان کو دوزخ سے کبھی نکلتا نہیں نہ ہوگا اور جو لوگ ایمان رکھتے ہوئے

بے غل ہیں سزا کے مستحق وہ بھی ہیں۔ اللہ کی جب مشیت ہوگی اُن کی دوزخ سے رہائی ہو جائے گی۔ تو انہیں میراث کے بارے میں جو غلطی خلاف ورزیاں ہوئی ہیں۔ ان کا تذکرہ سلسلہ بیان میں کچھ آچکا ہے، بعض باتیں جو روگنی ہیں اب اُن کے بارے میں عرض کیا جاتا ہے۔ ضروری مسائل و فوائد متعلقہ میراث ... ۱۔۔۔ دور حاضر کے جاہل کہتے ہیں کہ مرنے والے کا مال جو اس کے بیٹوں پر برابر تقسیم ہو اس میں یہ بھی ہونا چاہیے اگر کوئی بیٹا باپ سے پہلے مر گیا تو اس کا حصہ مرنے والے کے بیٹے کے بیٹوں کو دے دیا جائے۔ یہ بات طحہوں اور زندقوں نے نکالی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تقسیم میراث میں اقرہیت کو بنیاد بنایا ہے۔ مرنے والے کے بیٹے بیٹوں گے تو پوتوں کو میراث نہ ملے گی اور یہ کہنا کہ مرنے والے کے بیٹے کا حصہ اس کے بیٹے کے بیٹوں کو دے دیا جائے سراپا جہالت اور گمراہی ہے اس لئے کہ باپ کی زندگی میں اس کے مال میں اولاد کا کوئی حصہ نہیں ہوتا یعنی بطور میراث کسی کا کوئی استحقاق نہیں ہوتا۔ جس کسی کا کوئی حصہ ہے اصول کے مطابق مرنے والے کی موت کے بعد ہی ہے۔ جو میراث کے عنوان سے ملتا ہے۔

۲ مرنے والے لکی بیویوں، بیٹیوں کو غم و نامیراث نہیں دیتے یہ ظلم ہے جس کا ذکر پہلے آچکا۔

۳۔ مونا میراث تقسیم کرتے ہی نہیں اسے مل جل کر کھاتے پیتے رہتے ہیں۔ وارثوں میں یتیم بچے بھی ہوتے ہیں۔ ان کا مال کھاپی کر دوسرے لوگ برابر کرویتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ اپنے پیٹوں میں دوزخ کی آگ بھرتے ہیں۔

۴۔ کفن میں غیر شرعی اخراجات کھرتے ہیں۔ چار پائی کے اوپر کی چادر کفن کے ساتھ خریدی جاتی ہے۔ قبر میں اتارنے کے لئے علیحدہ ایک چادر خریدی جاتی ہے۔ پھر یہ چادریں قبرستان والوں کو یا رسم کے مطابق جس کو چاہتے ہیں وہ دیتے ہیں۔ یہ چیزیں کفن کی ضرورت میں شامل نہیں ہیں۔ میراث کے مشترک مال سے ان کو خریدنا خصماً جبکہ غائب وارث اور یتیم بچے بھی دوتے ہیں جائز نہیں ہے۔ جو لوگ یہ کپڑے لے لیتے ہیں ان کے لئے یہ کپڑے لے لینا حرام ہے کیونکہ یہ میراث کا مال مشترک ہے جو تقسیم سے بے دخل دیا گیا ہے۔

۵۔ بعض علاقوں میں اس میراث کے مشترک مال سے فن کے بعد قبر پر روٹیاں یا کوئی اور چیز تقسیم کی جاتی ہے اور بعض جگہ فن کے بعد فقیروں یا شرکائے جنازہ کو گھبرا کر کھانا کھلایا جاتا ہے اور یہ سب اسی مشترک مال میں سے خرچ کیا جاتا ہے یہ رسم بدعت بھی ہے اور اس میں مشترک مال سے خرچ کرنے کا وبال بھی ہے۔ کھانے والوں کو بخش نہیں کہ ہم کیا کھا رہے ہیں۔

۶۔ پھر اسی مشترک مال سے تینا، دسواں، چالیسواں کیا جاتا ہے اور سال بھر کے بعد برسی کی جاتی ہے ان کا بدعت ہونا تو سب کو معلوم ہی ہے۔ لیکن میراث کے مشترک مال میں سے خرچ کرنا یہ مستقل گنہ ہے۔

۷۔ بہت سے لوگوں کو قرآن پڑھنے کے لئے ایصالِ ثواب کے لئے گھر بلایا جاتا ہے یا بعض لوگوں کو مقرر کیا جاتا ہے کہ قبر پر چالیس دن تک قرآن پڑھتے رہو اور ان کو نذرانہ اور کھانا پینا اجرت کے طور پر دیا جاتا ہے اس میں اول تو مالِ مشترک میں سے خرچ کرتے ہیں جو ناجائز ہے دوسرے ایصالِ ثواب کے وجوہ کہ میں رہتے ہیں جو شخص دنیاوی لالچ کے لئے قرآن مجید پڑھے اسے خود ہی ثواب نہیں ہوتا دوسروں کو کیا ثواب بخشے گا۔

۸۔ بہت سے علاقوں میں جیلہ اسقاط کا رواج ہے۔ میراث کے اسی مال مشترک سے لے کر بیس تیس سیرغلہ میت کے چاروں طرف گھماتے ہیں پھر جو لوگ حاضر ہوتے ہیں آپس میں بانٹ لیتے ہیں، اور ان بخش علاقوں میں رواج ہے کہ اولیاء میت پر یکمشت خصوصاً رقم واجب کروئی جاتی ہے بالکل دکانداری کی طرح میت کا ولی گھنٹاتا ہے اور واجب کرنے والا بڑھاتا ہے اور جس مقدار پر اتفاق ہو جاتا

ہے اس کو بھی واجب کرنے والے آپس میں بانٹ لیتے ہیں یہ سب کچھ اسی مشترک مال میں سے ہوتا ہے جس میں نابالغوں کا بھی حصہ ہے اس کا خرچ کرنا جائز نہیں۔ تقسیم کرتے والے اور اس مال کے کھانے والے بظاہر اہل علم اور دیکھنے میں صالحین ہوتے ہیں یہ لوگ اپنی ظاہری دنیاوی آمدنی کو دیکھتے ہیں یہ نہیں سوچتے کہ آخرت میں اس کا کیا وبال ہوگا۔

وَالَّتِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ مِنْ نَسَائِكُمْ فَاَسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ - فَاِنْ

اور تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں بے حیائی کا کام کریں وہ ان پر چار آدمیوں کی گواہی طلب کر لو جو تم میں سے ہوں، اگر

شہیدوا فَاَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّى يَتَوَقَّعَهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يُجْعَلَ لِهِنَّ سَبِيلًا ۝۱۵

و گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں رکھو یہاں تک کہ مرنے کو متوقع ہو یا ان کے لئے کوئی راستہ نہ ہو۔

وَالَّذِي يَأْتِيَنَّهَا مِنْكُمْ فَادْءُوهُنَّ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوا عَنْهُمَا ۝۱۶

اور جو بھی وہ شخص تم میں سے بے حیائی کا کام کریں ان کو اذیت پہنچاؤ، پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو ان سے اعراض کرو، بلاشبہ

اللّٰهُ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝

اللہ توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے۔

احکام متعلقہ مرد و زن جو فواحش کے مرتکب ہوں

ان دونوں آیتوں میں زنا کاروں کے بارے میں بعض احکام بتائے ہیں۔ اول تو یہ ارشاد فرمایا کہ جو عورتیں فاحشہ کام کر گزریں ان کے اس فعل پر چار گواہ طلب کر لو جب کسی عورت کے بارے میں یہ بات سنی جائے کہ اس نے ایسا کام کیا ہے تو خبر چونکہ کانوں کا محلہ اور بہت سی گونج جاتی ہے (اگر چہ جھوٹی ہی ہو) اور یہ عورت کے لئے اور اس کے خاندان کے لئے باعث ننگ و عار بن جاتی ہے اس لئے شریعت اسلامیہ نے گواہ طلب فرمانے کا حکم دیا۔ اس قسم کے امور گواہوں کے بغیر ثابت نہیں ہوتے، جب حاکم کے پاس معاملہ چلا جائے تو وہ گواہ طلب کرے یہ گواہ صرف مرد ہوں گے۔ عورتوں کی گواہی اس سلسلہ میں معتبر نہیں۔ گواہ بھی چار ہوں گے اور مسلمان ہوں گے۔ دیگر امور میں وہ مردوں کی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی معتبر ہو جاتی ہے۔ لیکن چونکہ یہ ننگ و ناموس اور عزت و آبرو کا معاملہ ہے اس لئے اس میں سختی کی گئی۔ جب تک چار مرد گواہی نہ دیں اس وقت تک کوئی سزا نہیں دی جاسکتی۔ اگر چار گواہ نہ ملیں تو جن لوگوں نے یہ بات اڑائی ہے وہ سب اور خود گواہ جو چار سے کم رہ گئے ان سب پر حد قذف یعنی تہمت لگانے کی سزا نافذ کی جائے گی جو ۸۰ کوڑے ہیں۔ سورہ نور کے پہلے رکوع میں حد قذف بیان فرمادی ہے۔

اگر کسی عورت پر زنا کی تہمت لگائی گئی اور چار مرد مسلمان گواہ قائم نہ ہو سکے تو عورت پر سزا نافذ نہ کی جائے گی۔ البتہ اگر واقعی اس نے ایسا کام کیا ہو جسے وہ جانتی ہے تو اللہ کے حضور میں توبہ کرے اور یہ نہ سمجھے کہ چونکہ قاضی کے پاس ثبوت نہ ہو سکا اور مجھ پر سزا نافذ کرنے کا فیصلہ نہیں دیا گیا تو میں۔ کا کہہ کر توبہ کر دوں۔ اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے۔ بندہ کو ظلم ہو مانہ ہو وہ گناہوں پر گناہ لگائے گا۔ لہذا گناہ سے توبہ کرنا لازم ہے۔

اگر چار مسلمان مرد گواہی دے دیں کہ فلاں عورت نے زنا کیا ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ شادی شدہ عورت نے اگر ایسا کیا ہو تو اسے رجم

کر دیا جائے یعنی پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے۔ اور اگر شادی شدہ نہ ہو تو سو کوڑے مارے جائیں یہ شریعت کا حکم ہے جو سورۃ نور میں مذکور ہے۔ اس سے پہلے یہ حکم تھا کہ ان عورتوں کو گھروں میں رد کے رکھیں کیونکہ باہر نکلنے سے عوام زنا کاری کے واقعات پیش آتے ہیں یہ حکم سورۃ نساء میں مذکور ہے ارشاد ہے فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَخْضَعْنَ الْمَوْثَ أَوْ يَخْضَعَنَّ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا (یعنی ان کو گھروں میں روک رکھو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو موت دیدے یا ان کے لئے کوئی راستہ نکال دے) یہ حکم سورۃ نور کی آیت سے منسوخ ہو گیا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے أَوْ يَخْضَعَنَّ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا الرجم للثيب والجلد للبكر یعنی شادی شدہ زنا کار کو سنگسار کرنا اور غیر شادی شدہ کے لئے کوڑے لگانا، یہ سزا مرد عورت دونوں کے لئے ہے اس کی مزید تفصیل و توضیح ان شاء اللہ تعالیٰ سورۃ نور کے پہلے رکوع کی تفسیر میں بیان ہوگی۔

دوسری آیت وَالَّذَانِ يَأْتِيَانِيَا مِنْكُمْ فَأَذُوهُمَا فِي الْمَدَافِرِ فَامْسِكِيهِمَا (مرد و عورت) بدکاری کریں تو ان کو ایذا دو۔ ایذا دینے میں زبان سے عار دلانا اور زبردستی کوئی باتیں کرنا بھی شامل ہے اور اس آیت میں مار پیٹ کی صورت میں کوئی سزا مقرر نہیں کی گئی۔ اس کو حکام کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا۔ لیکن سورۃ نور کی آیت میں سزا مقرر کر دی گئی تو اب اس پر عمل کرنا لازم ہو گیا۔ ایذا دینے کا حکم دے کر فرمایا کہ اگر وہ توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو ان سے اعراض کر دالہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

غیر فطری طریقے پر قضاء شہوت کرنے والوں کی سزا..... وَالَّذَانِ يَأْتِيَانِيَا کے بارے میں بعض مفسرین نے یہ بھی فرمایا ہے کہ چونکہ یہ اسم موصول تشبیہ مذکر کے لئے ہے اس لئے اس سے مراد غیر فطری طریقہ سے قضائے شہوت کا کام کرنے والے بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ یعنی اس آیت میں حضرت اوطا علیہ السلام کی قوم کے عمل کا تذکرہ ہے۔ لفظوں کے اعتبار سے یہ تفسیر مستبعد نہیں ہے لیکن اس کو بھی منسوخ ہی کہا جائے گا۔ کیونکہ جو لوگ اس موجب اعتنا عمل کو کریں ان کے لئے اب اتنی ہی سزا نہیں ہے کہ ان کو ایذا دی جائے۔ بعض روایات حدیث میں فرمایا ہے کہ یہ جو لوگ ایسا کریں فاعل اور مفعول و ذنوب کو قتل کیا جائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۱۲) قتل کی کیا صورت ہو؟ اس کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور دوسرے صحابہ کے مشورہ سے جلانے کا حکم دیا تھا۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ایسا کام کرنے والے کو سب سے اونچی جگہ پر لے جا کر لاندھڑے منہ کر کے گرا دیا جائے۔ (رواہ ابن ابی شیبہ کما فی فتح القدیر)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کے لئے وہی سزا مقرر فرمائی جو زانی یا زانیہ کی ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس کی کوئی سزا خاص مقرر نہیں ہے پہلی بار ایسا کرے تو امام المسلمین مار پیٹ کی سزا دیدے اور دوسری بار کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے۔ (کما ذکرہ الشافعی عن الاشباہ وغیرہ)

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ

پس اللہ کے ذمہ ان لوگوں کی توبہ قبول کرنا ہے جو حماقت کے ساتھ گناہ کر لیتے ہیں پھر قریب ہی وقت میں توبہ کر لیتے ہیں، سو یہ وہ

فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ

لوگ ہیں جن کی توبہ اللہ قبول فرمائے گا۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے۔ اور اُن لوگوں کی توبہ نہیں جو بُرے کام کرتے رہتے ہیں

السَّيِّئَاتِ ۚ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْكُفْرَ وَلَا الَّذِينَ يَمْوَتُونَ

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت حاضر ہو جائے تو کہتا ہے کہ بے شک میں نے اب توبہ کی اور نہ ان لوگوں کی توبہ جو کافر ہوئے کی حالت میں مرتے ہیں۔

وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۵﴾

یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔

توبہ کی ضرورت اور اس کا طریقہ

ان دونوں آیتوں میں توبہ کا قانون بیان فرمایا ہے۔ اولاً توبہ فرمایا کہ جو لوگ حماقت سے گناہ کر بیٹھیں پھر جلدی ہی توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرماتا ہے اگر توبہ سچی ہو تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ضرور قبول ہوگی اور گناہ و عاف ہو جائے گا۔ صغیرہ گناہوں کا کفارہ تو نیکوں سے بھی ہوتا رہتا ہے لیکن کبیرہ گناہ (یعنی طور پر) صرف توبہ ہی سے معاف ہوتے ہیں اور صغیرہ گناہ پر اصرار کرنے سے صغیرہ بھی کبیرہ ہو جاتا ہے، اور صغیرہ گناہ کو بھی معمولی نہ سمجھا جائے کیونکہ یہ بھی خالق و مالک جل مجدہ کی بغاوت ہے اور اس پر بھی مواخذہ اور عذاب ہو سکتا ہے جب کوئی گناہ ہو جائے چھوٹا ہو یا بڑا جلد سے جلد توبہ کریں جیسا کہ آیت بالا میں یَسْتَوُونَ مِنْ قَرِيبٍ فرما کر جلدی توبہ کرنے کی ترغیب دی ہے۔

توبہ کی حقیقت..... توبہ کی کیا حقیقت ہے اس کو سمجھنا چاہیے، بہت سے لوگ زبان سے توبہ کہتے ہیں اور ان کے دل میں ذرا بھی اس بات کی کک نہیں ہوتی کہ گناہ کو چھوڑیں، سو جانا چاہیے کہ توبہ کے تین جزو ہیں۔ اول یہ کہ جو گناہ ہو گئے ہیں ان سب پر سچے دل سے خوب ندامت ہو اور اس بات کی شرمندگی و پشیمانی ہو کہ ہائے! میں نے کیا کر دیا! میں نے اپنے خالق و مالک کی نافرمانی کر دی۔

دوسرا جزو یہ ہے کہ آئندہ گناہ نہ کرنے کا خوب پکا مضبوط عہد ہو۔

تیسرا جزو یہ ہے کہ جو حقوق ضائع کئے (اللہ کے حقوق ہوں یا بندوں کے) ان کی ادائیگی کرے۔ اللہ کے حقوق مثلاً زکوٰۃ میں نہیں دیں۔ حج فرض تھا وہ ادا نہیں کیا، دیگر فرائض و واجبات چھوڑے ان سب کی تلافی کرے گذشتہ تمام سالاں کی زکوٰۃ میں حساب کر کے دے اور اتنا مال دیدے کہ یقین ہو جائے کہ اس سے زیادہ کی ادائیگی فرض نہ ہوگی اور حج بھی کرے اور نمازوں کی بھی قضا کرے۔ فرضوں اور بتروں کی قضا ہوگی ان میں بھی حساب لگائے کہ زیادہ سے زیادہ اتنی ہوں گی ان سب کو ادا کرے۔ اگر رمضان کے روزے چھوڑے ہوں ان کی بھی قضا کرے اور ان کے علاوہ بھی غور کرے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کیا کیا ضائع کئے ہیں اور ان کی تلافی کی فکر کرے۔ بندوں کے حقوق کی بھی ادائیگی کرے۔ کس کس کی مالی خیانت کی ہے، چوری کی ہے، سود یا بچتے وقت ناپ تول میں کمی کی ہے اور خرید و فروخت میں دھوکہ دیا، قرض لے کر مار لیا ہے، غیبتیں کی ہیں یا سنی ہیں، بہتان باندھے ہیں، کسی کو گالیاں دی ہیں، مار پیٹ کی ہے وغیرہ وغیرہ ان سب امور کی تلافی کرے، مالی حقوق کو ادا کرے ادائیگی کا انتظام نہ ہو تو ان لوگوں سے معاف کرائے جن کے حقوق میں جن کی غیبتیں کی ہیں یا سنی ہیں ان سے معافی مانگے اور جن پر بہتان باندھے ہیں ان سے بھی معافی مانگے اور جن کو گالیاں دی ہیں ان سب سے معافی مانگے ظالمانہ مار پیٹ کی تلافی کرے یعنی جس کو بلا اجازت شرعی مارا ہوا اگر چہ وہ اپنے سے چھوٹا ہی ہو اس کو بدلہ دے یا معافی مانگے اس میں

خفت اور ذلت محسوس نہ کرے۔ کیونکہ آخرت میں اصحابِ حقوق کے گناہ ظلم کرنے والے کے ذمہ ڈال دیئے جائیں گے۔

حاصل یہ ہے کہ توبہ کے تین اہم جزو ہیں اول گناہ پر تادم، دوماً آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عہد کرنا، سوم ضائع کردہ حقوق کی تلافی کرنا، یہ چیزیں نہ ہوں اور زبانی توبہ تو بہ کرتا رہے تو اس سے مطلوبہ توبہ نہیں ہوتی خوب سمجھ لیا جائے، آجکل غفلت کے ساتھ توبہ کی جاتی ہے جو زبان کی حد تک ہوتی ہے اور دل میں اس کا ذرا سا بھی اثر نہیں ہوتا۔ دل کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ میری زبان سے توبہ کے الفاظ نکل رہے ہیں۔ اسی کو حضرت رابعہؓ نے فرمایا اَسْبَغْ فَاِنْ لَمْ يَخْضُجْ اِلَيْهِ اسْتَغْفَرَ كَيْفَ نَعْنِي ہمارا استغفار بھی ایک طرح کا گناہ ہے (کیونکہ غفلت کے ساتھ ہے) اس کے لئے بھی استغفار کی ضرورت ہے۔ ع

ہست استغفار ما محتاج استغفار ما

جب چپے دل سے پوری شرطوں کے ساتھ توبہ کی جائے گی تو ضرور قبول ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ!

فائدہ..... آیت شریفہ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ بِجَهْلِهِ فرمایا ہے اس میں جہالت حماقت کے معنی میں ہے جو بھی کوئی شخص گناہ کرتا ہے وہ حماقت ہی سے کرتا ہے کیونکہ یہ شخص اپنے آپ کو عذابِ آخرت میں مبتلا کرنے کا راستہ اختیار کرتا ہے گناہ میں جو ذرا سا مزہ ہے اس مزہ کے لئے آخرت کے بڑے عذاب کے لئے اپنی جان کو تیار کرنا حماقت نہیں ہے تو کیا ہے؟ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جہالت کے یہی معنی منقول ہیں۔ لہذا آیت کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ عدا گناہ کو گناہ جانتے ہوئے کوئی شخص گناہ کرے تو توبہ قبول نہ ہوگی۔ گناہ عدا ہوں یا سبوا خطا ہوں یا جہل توبہ سے سب محاف ہو جاتے ہیں مگر شرط وہی ہے کہ توبہ اصول و شرائط کے مطابق ہو۔

موت کے وقت توبہ قبول نہیں ہوتی..... پھر ارشاد فرمایا کہ جو لوگ گناہ کرتے چلے جائیں اور جب موت آنے لگے تو توبہ کرنے لگیں ایسے لوگوں کی توبہ کوئی توبہ نہیں۔ اور جو لوگ کفر پر مر رہے ہیں ان کی توبہ بھی کوئی توبہ نہیں۔

حاصل یہ ہے کہ جب موت کا وقت آ جائے۔ دوسرے عالم کے حالات نظر آنے لگیں اس وقت جو کوئی توبہ کرے وہ توبہ قبول نہیں۔ حدیث شریف میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يَغْرُغْ بِتَقْسِبِهِ (رواہ احمد و رجالہ رجال الصصحیح غیر عبد الرحمن وهو ثقة کما فی مجمع الزوائد) کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ قبول فرماتا ہے جب تک کہ غرغری کی حالت نہ ہو جائے جب روح نکلنے لگے اور اندر سے جان نکلنے کی آواز آنے لگے اس وقت کو غرغری کہا جاتا ہے۔ اس وقت چونکہ عالم غیب کی چیزیں سامنے آ جاتی ہیں فرشتے نظر آنے لگتے ہیں اور جان کنی کی تکلیف شروع ہو جاتی ہے اور اس طرح سے دوسرے عالم سے تعلق ہو جاتا ہے اس لئے اس حالت میں توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اس وقت نہ مؤمن کی توبہ قبول ہوتی ہے جو گناہوں سے توبہ کرے اور نہ کافر کی توبہ قبول ہوتی ہے جو کفر سے توبہ کرنے لگے کیونکہ ایمان وہ معتبر ہے جو ایمان بالغیب ہو۔ جب عالم برزخ کی چیزیں نظر آنے لگیں اور اُن کا مشاہدہ کر لیا تو اب ایمان بالغیب نہ رہا اس لئے اس وقت کسی کا ایمان معتبر نہیں ہے۔

غرغری کی حالت سے پہلے سب کی توبہ قبول ہے۔ اگر غرغری سے پہلے کافر ایمان لے آئے تو وہ بھی معتبر ہے مؤمن ہمیشہ توبہ کرتا رہے اور جب توبہ کرے پکی توبہ کرے اگر توبہ کے بعد گناہ ہو جائے تو پھر توبہ کرے اور توبہ کی شرائط جو اوپر لکھی گئی ہیں ان کا لحاظ رکھے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ

اے ایمان والو! تمہارے لئے یہ حلال نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث ہو جاؤ اور تم ان عورتوں کو اس غرض سے مقید مت رکھو کہ جو مال تم نے اُن کو

لَتَذَهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوهُنَّ

ہاں ہے اس میں سے کچھ ایسی لے لو، مگر یہ کہ وہ عورتیں کوئی صریح فحش کام کر جنھیں، اور تم ان کے ساتھ اچھے طریقہ پر زندگی گزارو،

بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ﴿۱۰﴾

سو اگر تم کو وہ ناپسند ہیں تو ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں زیادہ خیر رکھ دے۔

جبر و اکراہ کے ساتھ عورتوں کی جان و مال کا وارث بننے کی ممانعت

جالیہ کے زمانہ میں عورتوں پر لوگ طرح طرح سے ظلم و زیادتی کرتے تھے۔ یہ ظلم ان کی جانوں پر بھی ہوتا تھا اور ان کے مالوں پر بھی۔ ان کی جانوں پر اس طرح ظلم ہوتا تھا کہ جب کسی عورت کا شوہر مر گیا تو اس عورت کو میت کے مال کی طرح اپنی میراث سمجھتے تھے۔ عورت کو اپنی جان میں کوئی اختیار نہ ہوتا تھا اور خود سے کہیں اپنا نکاح نہیں کر سکتی تھی۔ پھر جو لوگ وارث ہوتے وہ اس عورت کو اپنی مرضی سے جہاں چاہتے یاہ دیتے تھے اور یہ بیابنا ایک طرح کا بیچنا ہوتا تھا۔ مہر میں جو مال ملتا تھا خود ہی کھا جاتے تھے یا باقاعدہ باندی کی طرح بیچ دیتے تھے اور قیمت پر قابض ہو جاتے تھے۔ نیز عورت کے مال کے جبر و مالک بن جاتے تھے۔ میراث میں جو اس کا حق نکلتا۔ اسے خود ہی دبا لیتے تھے یا اس کو نکاح نہ کرنے دیتے تھے۔ تاکہ یہیں ہمارے گھر پڑی پڑی مر جائے اور ہم اس کا مال لے لیں یا وہ اپنے مال میں سے دینے پر مجبور ہو جائے (یہ چیزیں اب بھی بہت سے خاندانوں میں پائی جاتی ہیں) عورتوں کا مال زبردستی وصول کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ عورت کو طرح طرح سے تکلیفیں دیں، ایذا کیں پہنچائیں اور جب وہ اپنی جان چھڑانے کے لئے طلاق مانگے تو اس سے کہیں کہ اتنی رقم دیدے یا حق معاف کر دے تو میں چھوڑ دوں، وہ بیچاری مصیبت زدہ اپنی جان چھڑانے کے لئے مجبور ہو کر مال دے دیتی ہے۔ یا مہر معاف کر دیتی ہے۔ آیت کے عمومی الفاظ سے اہل ایمان کو اس طرح کی تمام حرکتوں سے منع فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ تمہارے لئے ایسا کرنا حلال نہیں ہے۔ الْبَتَّةَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ فرما کر یہ بتا دیا کہ اگر عورتیں کوئی صریح نازیبا حرکت کر لیں تو ان سے مال لیا جاسکتا ہے۔

صریح نازیبا حرکت سے کیا مراد ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے عورت کی زبان و رازی، بد خلقی یا فرامانی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر عورت ایسی حرکتیں کرے تو شوہر اپنا مال جو مہر کی صورت میں دیا تھا وہ بطور خلع لے سکتا ہے۔ اور اس صورت میں یہ مال لینا جائز ہوگا اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ ان سے العیاذ باللہ اگر زنا صادر ہو جائے تو خاوند اس سے اپنا دیا ہوا مال واپس لے لے اور اس کو طلاق دے کر جدا کر دے۔ یہ حکم ابتدائے اسلام میں حدود و نازل ہونے سے پہلے تھا اب جب زنا کی حد نازل ہو گئی تو یہ حکم باقی نہیں رہا۔ لہذا عورت کے زنا کر لینے سے مہر کا جو ب ساقط نہیں ہوگا۔

عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت کا حکم..... پھر ارشاد فرمایا وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ اور تم عورتوں کے ساتھ اچھے طریقہ پر زندگی گزارو یعنی خوش اخلاقی سے پیش آؤ۔ نان نفقہ خوراک و پوشاک کی خیر و خیر رکھو اور اگر تمہیں ان کی کوئی او طبعی طور پر ناپسند ہو تو اس کو برداشت کرو اور یہ سمجھ لو کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کسی ایسی چیز میں کوئی بڑی منفعت رکھ دے جو چیز تمہیں ناپسند ہو۔

بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ رنگ و روپ اور شکل و صورت کے لحاظ سے عورت دل کو نہیں بھاتی لیکن خدمت گزار ہوتی ہے۔ مال کی

حفاظت کرتی ہے گھریار کو سنبھال کر رکھتی ہے۔ بچوں کی اچھی تربیت کرتی ہے ان کو تقویٰ اور اعمال صالحہ پر ڈالتی ہے۔ یہ خیر کی صورتیں ہیں۔ تھوڑی سی طبعی ناگواری اس طرح کے منافع کے لئے برداشت کرنی چاہیے۔

سمجھدار اور دیندار مرد ایسا بن کر تے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی مرد مؤمن کسی مؤمنہ (بیوی) سے بغض نہ رکھے اگر اس کی ایک خصلت ناپسند ہوگی تو دوسری خصلت پسند آ جائے گی۔ (ردالمسلم ص ۵۷۴ ج ۱)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کامل ایمان والوں میں سے دو لوگ بھی ہیں جو اپنی بیوی کے ساتھ سب سے اچھے اخلاق والے اور سب سے زیادہ مہربان ہوں (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۸۲) حضرت عائشہؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنے اہل کے لئے سب سے بہتر ہیں اور میں تم میں اپنے اہل کے لئے سب سے زیادہ بہتر ہوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۸۱ از ترمذی)

درحقیقت بات یہ ہے کہ بیویوں کے ساتھ معاشرت ہو یا دوسرے لوگوں کے ساتھ مرافقت و مصاحبت ہو سو فیصدی ہر ایک کا ہر ایک کے ساتھ دل مل جائے اور ذرا سی بھی طبعی یا عقلی اذیت نہ پہنچے اس دارالمصائب میں عموماً ایسا ہوتا ہی نہیں، فوائد و منافع کو دیکھ کر ناگواریوں کو برداشت کرنے ہی سے مصاحبت اور مرافقت باقی رہ سکتی ہے۔

وَإِنْ أَرَدْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَهُمْ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا

اور اگر ایک بیوی کو دوسری بیوی کی جگہ بدلنا چاہو اور تم ان میں سے ایک کو بہت سا مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ

منہ شیئا آتَاخُذُوهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ۖ وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَى

بھی نہ ہو۔ تم اس کو واپس لو گے بہتان رکھ کر اور صریح گناہ کا ارتکاب کر کے اور تم اس کو جیسے بیٹے ہو حالانکہ تم ایک

بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنْكُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ۖ

دوسرے تک پہنچ چکے، وہ دوسروں نے تم سے خوب پختہ عہد لے لیا ہے۔

بیویوں کو جو کچھ دے دیا ہو اس کے واپس لینے کی ممانعت

اگر کسی شخص کے نکاح میں کوئی عورت ہو اور وہ اسے طلاق دے کر دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہے اس کے متعلق آیت بالا میں ہدایت فرمائی ہے کہ اگر کسی بیوی کو چھوڑ رہے ہو جسے تم مہر میں یا مہر کے علاوہ کچھ بھی بطور مہر دے چکے ہو تو اس مال میں سے کچھ نہ لو، اول تو طلاق دینا ہی مبنیٰ بغض چیز ہے پھر ایسی عورت کو جو ایک عرصہ ساتھ رہی ہے خصوصاً جبکہ اس کا کوئی قصور نہ ہو اس کو طلاق دینا اور جو مال اس کو دے دیا ہو وہ اس سے واپس لے لینا اخلاق اسلامیہ کے خلاف ہے اس قسم کے مواقع میں عورتیں مال واپس کرنے سے گریز کرتی ہیں البتہ مال لینے کے لئے طرح طرح سے انہیں تنگ کیا جاتا ہے یا ان پر کسی طرح کی تہمت رکھ دی جاتی ہے یا زبردستی چھین لیا جاتا ہے۔ یہ سراپا ظلم ہے اس سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا آتَاخُذُوهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا (کیا تم واپس لو گے بہتان رکھ کر اور صریح گناہ کا ارتکاب کر کے؟)

پھر فرمایا وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ کہ جو مال تم نے اپنی بیوی کو دے دیا ہے حالانکہ تم ایک دوسرے سے بے حجاب ہو کر مل بھی چکے ہو، وہ اپنی

انت تمہارے حوالے کر چکی ہے (اور میرا حق کا فرض ہے) تو اب اس غرض کو جو تم دے چکے ہو کس طرح واپس لو گے؟ یہ تو عقلاً بھی بُرا ہے اور مزید یہ ہے کہ وہ عورتیں تم سے منسوب اقرار لے چکی ہیں کہ تم نے جو میرا مقرر رکھے، وہ میرا کرو گے۔ لہذا اس عہد کی خلاف ورزی کرنا عقلاً و شرعاً مذموم ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ بوقت نکاح اداۓ مہر کا عہد و پیمان ہوا۔ پھر آپس میں مل کر بے جہانہ میل جول بھی رکھتے رہے اب اُن کو مجبور کرنا کہ مال واپس کر دیا۔ حاف کر دیا یہ سراپا ظلم و جور ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۚ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً

اور ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہیں مگر جو پہلے گزر چکا۔ بے شک یہ بے حیائی کا

وَمَقْتًا ۚ وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿۷﴾

اور نصیب کا کام ہے اور بُرا راستہ ہے۔

والد کی بیوی سے نکاح کرنے کی حرمت

اسباب نزول میں (ص ۱۴۱) نقل کیا ہے کہ یہ آیت حصن بن ابی قیس کے بارے میں نازل ہوئی جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرنا چاہا نیز اسود بن خلف اور صفوان بن امیہ نے اور بھی دو تین افراد کے نام لکھے ہیں جو باپ کی بیوی سے نکاح کرنے کے مرتکب ہوئے ابوقیس کی بیوی کو جب ابوقیس کے بیٹے نے نکاح کا پیغام دیا تو وہ کہنے لگی کہ میں تجھے اپنا بیٹا سمجھتی ہوں تجھ سے کیسے نکاح کروں؟ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر رو یا منت کرو گی چنانچہ وہ نبی کی خدمت میں حاضر ہوئیں (اور بات سامنے رکھی) اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

زمانہ جاہلیت میں لوگ مرنے والے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا کرتے تھے۔ ابتداً اسلام میں بعض ایسے واقعات پیش آئے پھر ہمیشہ کے لئے باپ کی بیوی سے نکاح کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیدیا۔ واضح رہے کہ جس کسی بھی عورت سے کسی شخص نے نکاح کر لیا صرف نکاح کر لینے سے ہی وہ عورت اس شخص کے بیٹوں پر حرام ہوگئی باپ کے ساتھ اس عورت کی خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

حضرت برا، بن غازی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میرے ماں والے برید و میرے پاس سے گزرے ان کے پاس ایک جھنڈا تھا میں نے کہا آپ کہاں جا رہے ہیں انہوں نے جواب دیا کہ مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی طرف بھیجا ہے جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے، مجھے حکم دیا ہے کہ میں اُس کا سر کاٹ کر لاؤں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۷۴)

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ

حرام کی گئیں تین تم یہ تمہاری مائیں، اور تمہاری بیٹیاں، اور بہنیں، اور تمہاری چچو پھیاں، اور تمہاری خالائیں اور بھائی کی

وَبَنَاتُ الْأَخْتِ وَأُمَّهَاتُ مَن تَرَضَعْنَ بِهِنَّ الْأَخَوَتُكُمْ وَأَخَوَتُكُمْ مِنَ الرِّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ

بیٹیاں، اور بہن کی بیٹیاں، اور تمہاری دو مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا، اور تمہاری دودھ شریک بہنیں، اور تمہاری بیویوں کی مائیں

وَرَبَائِبُكُمُ الَّتِي فِي حُجُورِكُمْ مِّنْ نِّسَائِكُمُ الَّتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِنْ لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ

اور تمہاری اُن بیویوں کی بیٹیاں جن بیویوں سے دخول کر چکے ہو جو تمہاری گودوں میں ہیں، سو اگر تم نے ان بیویوں سے دخول نہ کیا ہو

بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ذَوَلَّائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ

تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ ان کی لڑکیوں سے نکاح کرو، اور حرام ہیں تمہارے ان بیٹیوں کی بیٹیاں جو تمہاری پشت سے ہیں اور یہ بھی حرام ہے کہ تم دو بہنوں

الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿۲۷﴾

کو اپنے نکاح میں جمع کر دیکر جو گزر چکا، بلاشبہ اللہ غفور سے رحیم ہے۔

جن عورتوں سے نکاح حرام ہے ان کا تفصیلی بیان

ان آیات میں تفصیل کے ساتھ محرمات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ محرمات میں وہ عورتیں ہیں جن سے نکاح جائز نہ ہو۔ بعض عورتیں تو وہ ہیں جن سے کبھی بھی نکاح جائز ہونے کا کوئی راستہ نہیں ہے، پہلی آیت میں ان عورتوں کا ذکر ہے، اور بعض عورتیں وہ ہیں جن سے کسی موجودہ سبب کی وجہ سے نکاح جائز نہیں۔ اگر وہ سبب دور ہو جائے تو نکاح جائز ہو جاتا ہے مثلاً کوئی عورت کسی مرد کے نکاح میں ہو تو جب تک وہ عورت اس مرد کے نکاح سے نہ نکل جائے (اس مرد کی وفات ہو جائے یا طلاق دینے کی وجہ سے) اور عدت نہ گزر جائے۔ اس وقت تک کسی دوسرے مرد سے اس عورت کا نکاح نہیں ہو سکتا، طلاق یا موت کے بعد عدت گزر جائے تو یہ عورت کسی ایسے مرد سے نکاح کر سکتی ہے جس سے نکاح کرنا حلال ہو۔ اسی طرح جب کسی عورت نے کسی مرد سے نکاح کر لیا تو جب تک یہ عورت اس مرد کے نکاح میں رہے گی اس وقت تک اس عورت کی بہن سے اس مرد کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ منکوحہ بہن کا شوہر طلاق دیدے یا فوت ہو جائے اور اس کی عدت گزر جائے تو اُس کی بہن اس کے شوہر کے نکاح میں آ سکتی ہے جس نے طلاق دی ہے یا فوت ہوا ہے۔

محرمات ابدیہ..... جن سے کبھی بھی نکاح درست نہیں تین طرح کی ہیں۔ اول محرمات نسبیہ (جو نسب کے رشتے کی وجہ سے حرام ہیں) دوم محرمات رضاعیہ (جو دودھ پینے کے رشتے کی وجہ سے حرام ہیں) سوم محرمات بالمصاہرہ (جو سسرالی رشتے کی وجہ سے حرام ہیں)۔ محرمات نسبیہ..... بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا خَيْرَ مَثَلٍ عَلَيْكُمْ اَمْهَاتُكُمْ (حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں) اس کے عموم میں مائیں اور ماؤں کی مائیں اور پر تک جہاں تک سلسلہ چلا جائے سب کی حرمت آگئی۔

وَبَنَاتُكُمْ (اور حرام کی گئیں تمہاری بیٹیاں) اس کے عموم میں بیٹیاں اور بیٹیوں کی بیٹیاں اور اُن کی بیٹیاں سب داخل ہو گئیں۔

وَآَخَوَاتُكُمْ (اور حرام کی گئیں تمہاری چھو بھھیاں) اس میں باپ کی سگی بہنیں اور باپ شریک بہنیں اور ماں شریک بہنیں سب داخل ہو گئیں۔

وَوَحْلَتُكُمْ (اور حرام کی گئیں۔ تمہاری خالائیں) اس کے عموم میں بھی ماں کی سگی بہنیں اور باپ شریک بہنیں اور ماں شریک بہنیں سب داخل ہو گئیں۔

وَبَنَاتُ الْأَخِ (اور بھائی کی بیٹیاں حرام کی گئیں) اس کے عموم میں سگے بھائی کی بیٹیاں اور باپ شریک بھائی کی بیٹیاں اور ماں شریک

مسئلہ..... محض کسی ایک عورت یا چند عورتوں کے کہنے سے کہ فلاں عورت نے فلاں لڑکے یا لڑکی کو دودھ پلایا ہے۔ حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی بلکہ اس کے ثبوت کے لئے دو مردوں کی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ہونا شرط ہے، البتہ احتیاط اسی میں ہے کہ اگر ایک عورت بھی کہہ دے کہ میں نے فلاں لڑکے اور لڑکی کو دودھ پلایا ہے تو اُن کا آپس میں نکاح نہ کیا جائے۔

مسئلہ..... اگر مردہ عورت کا دودھ چھاتی سے نکال لیا جائے اور کسی بچہ یا بچی کے حلق میں ڈال دیا جائے تو اس سے بھی حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔

مسئلہ..... اگر مرد کے دودھ اتر آئے اور وہ کسی بچہ کو پلا دیا جائے تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی رضاعت سے متعلقہ مسائل میں کچھ مزید تفصیل بھی ہے اور حرم من الرضاع ما حرم من النسب کے مضمون میں تھوڑا سا استثناء بھی ہے جو کتب فقہ میں مذکور ہے۔

محرمات بالمصاہرہ..... اس کے بعد محرمات بالمصاہرہ کا تذکرہ فرمایا: وَأُمَّهَاتُ بَنَاتِكُمْ یعنی تمہاری بیویوں کی مائیں تم پر حرام کی گئیں۔ ان سے بھی نکاح نہیں ہو سکتا، کسی عورت سے نکاح ہو جانا ہی اس کی ماں سے نکاح ہونے کی حرمت کے لئے کافی ہے۔ بیوی سے خلوت ہوئی، ویانہ ہوئی ہو۔

وَبَنَاتُكُمْ البنتی فی حُبُورِكُمْ مِنْ بَنَاتِكُمْ البنتی ذَخْلَتْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا ذَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ۔ یعنی جن عورتوں سے تم نے نکاح کیا ان کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں جنہیں تم گودوں میں لیتے ہو اور کھلاتے ہو ان لڑکیوں سے بھی نکاح کرنا حرام ہے، بشرطیکہ تم نے ان لڑکیوں کی ماؤں سے جماع کیا ہو۔ اگر کسی عورت سے نکاح تو کر لیا لیکن جماع نہیں کیا پھر اسے طلاق دے دی تو اس عورت کے پہلے شوہر والی لڑکی سے نکاح جائز ہے۔ فَإِنْ حُبُورُكُمْ قَدِ احْتَرَزْتُمُوهُنَّ یعنی جس بیوی سے نکاح کر کے جماع کر لیا اس کی لڑکی سے نکاح درست نہیں اگرچہ وہ کسی دوسرے رشتہ دار کے پاس پرورش پاتی ہو اور اس کی گود میں پلتی ہو۔

وَحَلَائِلُ أَبْنَاءِكُمْ البَنَاتُ مِنْ أَبْنَاءِكُمْ یعنی تمہارے اُن بیٹیوں کی بیٹیاں جو تمہاری پشتوں سے ہیں، وہ بھی تم پر حرام ہیں۔ اس میں بھی مومن ہے حرمت کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ بیٹے نے کسی عورت سے نکاح کر لیا ہو۔ نکاح کے بعد جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو بہر حال اب نکاح کرنے والے کے باپ سے اس عورت کا نکاح حرام ہوگا۔

مسئلہ..... پوتوں کی بیویوں سے بھی نکاح کرنا حرام ہے۔

مسئلہ..... رضاعی بیٹے کی بیوی سے بھی نکاح کرنا حرام ہے۔

منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنے کا حکم..... مسئلہ..... اگر کسی کو منہ بولا بیٹا بنالیا جائے اور وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے اور عدت گزر جائے تو اسکی بیوی سے نکاح کرنا جائز ہے (بشرطیکہ اور کوئی مانع نہ ہو) مفسرین نے فرمایا ہے کہ مِنْ أَصْلَابِكُمْ کی قید ذکر فرما کر اسی مسئلہ کو بیان فرمایا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبائی (منہ بولے بیٹے) حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی بیوی سے ان کے طلاق دینے کے بعد نکاح فرمایا تھا اس پر دشمنانِ دین نے اعتراض کیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی حلت کی تصریح نازل ہوئی اور فرمایا: فَلَمَّا قُضِيَ زَيْنَدُ مَنِيهَا وَطَرَا زَوْجَهَا تَحِلَّ لَكَ لَا يَكُونُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِیْ أَزْوَاجِ

أَذْعِبَابِهِمْ إِذَا قُضُوا مِنْهُمْ وَطَرَا (سورۃ الاحزاب ۵) (پھر جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی ہم نے اس کا آپ سے نکاح کر دیا تاکہ مسلمانوں پر کسی طرح کی کوئی تنگی نہ رہے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے کے بارے میں جبکہ وہ

اپنی حاجت پوری کر چکیں)۔

فائدہ..... جس طرح منہ بولا بیٹا اصلی بیٹا نہیں ہوتا۔ اسی طرح منہ بولا باپ یا منہ بولا بھائی یا بہن یا منہ بولی ماں حقیقی ماں، باپ اور بھائی، بہن نہیں ہو جاتے اگر کوئی دوسرا رشتہ محرمیت کا نہ ہو تو صرف منہ بولا باپ یا ماں یا بھائی یا بہن یا بیٹا یا بیٹی بنالینے سے محرم والے احکام جاری نہیں ہوتے۔ ان کا آپس میں پردہ کرنا واجب ہوتا ہے اور آپس میں نکاح کرنا بھی جائز ہے (بشرطیکہ کوئی اور مانع نہ ہو)۔
جمع بین الاختین کی حرمت..... اس کے بعد ان محرمات کا ذکر فرمایا جو بعض اسباب کی وجہ سے حرام ہوتی ہوں اگر وہ عارض دور ہو جائے تو نکاح اپنی شرائط کے ساتھ جائز ہو جاتا ہے، ارشاد فرمایا: وَ اَنْ تَتَجَمَّعُوْا بَيْنَ الْاَخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ کہ یہ بھی تم پر حرام کیا گیا کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ اپنے نکاح میں جمع کرو، جب ایک بہن سے کسی نے نکاح کر لیا تو جب تک اسے طلاق نہ دیدے یا فوت نہ ہو جائے اور اس کی عدت نہ گزر جائے اس وقت تک اس کی کسی بھی بہن سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ ایک بہن کے نکاح میں ہوتے ہوئے دوسری بہن سے نکاح کر لیا تو شرعاً وہ نکاح نہ ہوگا۔

فائدہ..... جس طرح دو بہنوں کو بیک وقت ایک مرد کے نکاح میں جمع نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح سے پھوپھی اور بھتیجی، خالہ اور بھانجی، ایک مرد کے نکاح میں بیک وقت جمع نہیں ہو سکتیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ کسی عورت کا اس کی پھوپھی پر یا پھوپھی کا اس کے بھائی کی بیٹی پر اور کسی عورت کا اس کی خالہ پر یا خالہ کا اپنی بہن کی بیٹی پر نکاح کیا جائے نہ بڑی کا نکاح چھوٹی پر کیا جائے اور نہ چھوٹی کا بڑی پر کیا جائے۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد و مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۷۲ و بیہقی البخاری ص ۶۶۷ ج ۲ باختصار)

مطلب یہ ہے کہ چونکہ خالہ بھانجی اور پھوپھی بھتیجی ایک مرد کے نکاح میں بیک وقت جمع نہیں ہو سکتی اس لئے پہلے سے کسی مرد کے نکاح میں بڑی ہو تو چھوٹی سے اور چھوٹی ہو تو بڑی سے اس مرد کا نکاح نہیں ہو سکتا۔
فائدہ..... حضرات فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جن دو عورتوں میں ایسا رشتہ ہو کہ ان میں سے کسی ایک کو مرد فرض کر لیا جائے تو دونوں کا آپس میں نکاح نہ ہو سکے ایسی دو عورتیں بھی بیک وقت ایک مرد کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں۔



پارہ نمبر ۵ / وَالْمُحْصَنَاتُ

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ ۝

اور حرام ہیں وہ عورتیں جو کسی مرد کے نکاح میں ہوں، سوائے ان عورتوں کے جن کے تم مالک ہو جاؤ، اللہ نے ان احکام کو تم پر فرض فرما دیا ہے،

وَإِحْلَ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ

اور تمہارے لئے حلال کی گئیں ہیں وہ عورتیں جو ان کے علاوہ ہیں کہ تم اپنے مالوں کے بدلہ طلب کرد اس حال میں کہ تم پاک دامن اختیار کرنے والے ہو،

مُسْفِحِينَ ۖ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً ۖ وَلَا جُنَاحَ

پانی بہانے والے نہ ہو، سو ان میں سے جن عورتوں سے نفع حاصل کرو ان کے ہر دے دو جو مقرر ہو چکے ہیں اور تم پر اس بات

عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرْضَيْنَهُ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

میں کوئی گناہ نہیں کہ مقرر ہر کے بعد آپس کی رضامندی سے کسی بات پر راضی ہو جاؤ بلاشبہ اللہ علیم ہے حکیم ہے۔

جو عورت کسی کے نکاح میں ہو اس سے نکاح کرنے کی حرمت

محرمات بالسبب میں وہ عورتیں بھی ہیں جو کسی مرد کے نکاح میں ہوں یعنی جب کسی عورت کا کسی مرد سے نکاح ہو گیا ہو اگر چہ رخصتی ابھی نہ ہوئی ہو تو اس کا نکاح کسی دوسرے مرد سے نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ عورت اپنے شوہر کے نکاح سے نہ نکلے اس کا شوہر مر جائے یا طلاق دیدے اور پھر اس کی عدت گزر جائے تب کسی دوسرے مرد سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے۔ اس کے بغیر نہیں ہو سکتا اسی کو وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ میں بیان فرمایا ہے ہاں اگر ایسی صورت پیش آئے کہ مسلمان کافروں سے جہاد کریں اور وہاں سے عورتوں کو قید کر کے لے آئیں اور امیر المؤمنین عورتوں کو باندی بنا کر مجاہدین پر تقسیم کر دے تو یہ مجاہدین بحق ملکیت (بإشراف المعتمد) ان باندیوں سے جماع کر سکتے ہیں اگرچہ وہ اپنے شوہر دار الکفر میں چھوڑ کر آئی ہوں، اصول یہ ہے کہ جب دار الحرب کی عورتوں کو قید کر کے دارالاسلام میں لے آئیں تو اپنے سابقہ شوہروں کے نکاح سے نکل جاتی ہیں۔ ان کو باندی بنا کر امیر المؤمنین جس کسی مسلمان کو دے دے وہ ان سے جماع کر سکتا ہے شروط اور قیود کے لئے کتب فقہ کی مراجعت کر لی جائے۔

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ کے بعد جَوَالَا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فرمایا ہے اس استثناء میں ان ہی عورتوں کا ذکر ہے جو دار الحرب سے قید کر کے لائی گئی ہوں اور ان کے شوہروں دار الحرب میں رہ گئے ہوں۔ (راجح صحیح مسلم ص ۴۷۰)

پھر فرمایا وَاجِلَ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ یعنی جن عورتوں سے نکاح کرنے کی حرمت اب تک بیان ہوئی ان کے علاوہ دوسری عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں۔ مثلاً خالہ اور بیچا کی لڑکی، ماموں زاد اور بھوپھی زاد بہن یا ماموں اور بیچا کی بیوی جس کی عدت ماموں یا بیچا کی وفات یا طلاق کے بعد گزر جائے۔ بشرطیکہ اور کوئی رشتہ یا کوئی سبب حرمت کا موجود نہ ہو، لفظوں کے عموم میں بہت

سی صورتیں داخل ہیں، اور اسی مضمون میں بعض استثناء کی صورتیں بھی ہیں ان میں سے بعض گذشتہ صفحات میں بیان ہو چکی ہیں اور بعض فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

مہروں کے ذریعہ ازواج طلب کرو..... اَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ میں یہ بتایا ہے کہ اپنے مالوں کے ذریعہ نکاح میں لانے کے لئے عورتوں کو تلاش کرو (جن سے نکاح کرنا حلال ہو) اس سے معلوم ہوا کہ نکاح میں مہر بنو ضروری ہے، اگر مرد عورت بلا مہر کے آپس میں نکاح کرنے پر راضی ہو جائیں تب بھی مہر لازم ہوگا جس کی کم سے کم مقدار حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دس درہم ہے۔ اگر نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہ کیا گیا ہو نکاح تب بھی ہو جائے گا لیکن مہر پھر بھی دینا ہوگا جس کی تفصیل سورۃ بقرہ کے رکوع نمبر ۳۱ کے ذیل میں بیان کی گئی ہے۔

نکاح سے عفت و عصمت مقصود ہے..... اور مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُتَسَاوِفِينَ..... میں یہ ارشاد فرمایا کہ مالوں کے ذریعہ جو عورتیں تلاش کی جائیں اس سے عفت و عصمت کو باقی رکھنا اور پاکدامن رہنا مقصود ہو محض شہوت رانی پیش نظر نہ ہو۔ مومن کے نکاح کا مقصد تکثیر نسل اور نفس و نظر کی حفاظت اور عفت و عصمت کے ساتھ زندگی گزارنا ہے زنا کاری میں بھی گومال خرچ ہوتا ہے لیکن اس میں صرف شہوت رانی مقصود ہوتی ہے عفت و عصمت کا خون کر کے یہ کام کیا جاتا ہے۔ جس میں طلب اولاد کا مقصد بالکل نہیں ہوتا اور اولاد ہو بھی جاتی ہے تو ثابت المنسب نہیں ہوتی۔ حرامی بچوں کو لوگ عزت کا مقام نہیں دیتے اور وہ بچہ چونکہ کسی باپ کا نہیں ہوتا تو کئی طرح سے اس کی بربادی ہوتی ہے اسی لئے کسی دین میں بھی زنا کی اجازت نہیں دی گئی۔

متعہ کی حرمت..... مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُتَسَاوِفِينَ میں متعہ کی حرمت کی طرف بھی اشارہ ہو گیا جس کا بعض گمراہ فرقوں میں رواج ہے۔ متعہ مخصوص وقت کے لئے کیا جاتا ہے اس سے عفت و عصمت مقصود نہیں ہوتی اور نہ اولاد حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے محض شہوت رانی کے لئے کیا جاتا ہے، متعہ کی حرمت خوب واضح کر کے سورۃ مؤمنون کے پہلے رکوع میں اس طرح بیان فرمائی ہے۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِأُفْرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ اِلَّا غُلَّتْ اُزْوَاجُهُمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ غَيْرُ مَلْؤُومِينَ فَمِنْ ابْتِغَاءِ وَرَاءِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝ (اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا مملوکہ باندیوں سے جو استمتاع کر لیتے ہیں اس پر کوئی ملامت نہیں ہو جو شخص اس کے عداوہ کا طلب گار نہ تو یہ لوگ حد سے نکل جانے والے ہیں) اس میں صاف بتا دیا گیا کہ اپنی شرمگاہوں کو صرف بیویوں اور باندیوں میں استعمال کرنا جائز ہے ان کے عداوہ کوئی جگہ تلاش کرنے والا حلال کی حدود سے آگے بڑھ جانے والا ہے جو لوگ متعہ کرتے ہیں وہ لوگ بھی متعہ والی عورت کو منکوحہ بیوی کی حیثیت نہیں دیتے نہ اُس کو بیوی شمار کرتے ہیں اور نہ اُس کو میراث دیتے ہیں اس لئے ان کے نزدیک بھی ان کا شمار ازواج میں نہیں ہے۔

مہر کی ادائیگی کا حکم..... پھر فرمایا فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَلَهُنَّ اُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً (سوان میں سے جس عورت سے نفع حاصل کرو تو ان کے مہر دے دو جو مقرر ہو چکے ہیں) اس میں ادائیگی مہر کی تاکید فرمائی ہے۔ اگر نکاح کرنے کے بعد خلوت صحیح ہو گئی تو جو مہر مقرر ہوا تھا پورا ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے اور اگر خلوت سے پہلے ہی طلاق دے دی تو نصف مہر ادا کرنا واجب ہے جیسا کہ سورۃ بقرہ کے رکوع ۳۱ میں گذر چکا ہے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو میاں بیوی بن کر رہتے ہیں لیکن بیوی کے مہر کی ادائیگی کا فکر نہیں کرتے اور بیوی لحاظ میں کچھ نہیں کہتی اس آیت میں اُن لوگوں کے لئے تاکید اور تنبیہ ہے کہ ادائیگی مہر کی فکر کریں اور بیوی کے تقاضے کے بغیر ادا کریں۔

پھر فرمایا وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاۤءَيْتُمْ بَہٗ مِنْ بَعْدِ الْفَرۡیضَةِ اس میں یہ بتایا ہے کہ مہر مقرر کرنے کے بعد آپس میں میاں

بیوی جس بات پر مہر کے سلسلے میں خوشی کے ساتھ راضی ہو جائیں اس میں کچھ حرج نہیں۔ مثلاً یہ کہ عورت بخوشی پورا مہر معاف کر دے یا کچھ حصہ چھوڑ دے یا شوہر مہر میں اپنی طرف سے اضافہ کر دے تو یہ سب درست ہے اس میں کوئی گناہ نہیں۔ اگر عورت مہر مقبل کو مؤجل کر دے یعنی یہ مان لے کہ میرا مہر بعد میں دے دینا تو یہ بات بھی درست ہے۔

آیت کے ختم پر فرمایا اِنَّ اللہَ تَعَالٰی عَلٰی مَا نَحْنُ عَلٰیہٗ حَکِیْمٌ بلاشبہ اللہ تعالیٰ علیم ہے حکیم ہے اُس نے اپنی مخلوق کے احوال و طبائع کو جانتے ہوئے احکام مقرر فرمائے ہیں اور تمام احکام حکمت پر مبنی ہیں ان احکام کی تعمیل کرنے میں بندوں کا سر اسرفع ہے جو کوئی ان کی خلاف ورزی کرے گا اسے اللہ تعالیٰ اپنے علم و حکمت کے موافق سزا دے گا۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْکُمْ طَوْلًا اَنْ یَنْکَحِ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ

اور تم میں جس شخص کو اس کا مقدور نہ ہو کہ آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرے تو آپس کی ایمان والی باندیوں سے نکاح کر لے

مَنْ فِتٰیٰتِکُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۝ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِاَیْمَانِکُمْ ۝ بَعْضُکُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَاَنْکِحُوْھُنَّ

جو تمہاری ملک ہو ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے ایمان کو، تم سب آپس میں ایک دوسرے کے برابر ہو، سو تم مذکورہ باندیوں سے ان

بِاِذْنِ اٰہْلِہُنَّ وَاَتُوْھُنَّ اَجُوْرَھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَیْرَ مُسْفَحٰتٍ وَلَا مُتَّخِذٰتِ

کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرو اور انہیں ان کے مہر بہتر طریقہ پر دیدو، یہ منکوحہ باندیاں نہ طمانیہ بدکاری کرنے والی ہوں اور نہ خفیہ طریقہ پر دوست

اَحْدَانٍ ۚ فَاِذَا اُحْصِنَ فَاِنْ اَتٰیَنَّ بِفَاحِشَةٍ فَعَلٰیہُنَّ نِصْفُ مَا عَلٰی الْمُحْصَنٰتِ مِّنْ

بنانے والی ہوں، پس جب وہ باندیاں نکاح میں آجائیں تو اگر کوئی بے حیائی کا کام کر لیں تو ان پر اس کی آدھی سزا ہے جو آزاد عورتوں

الْعَذٰبِ ۚ ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ الْعَنَتَ مِنْکُمْ ۚ وَاَنْ تَصْبِرُوْا حَیْرٌ لَّکُمْ ۝ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

پر ہے، یہ اس کے لئے ہے جو تم میں سے زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ رکھتا ہو، اور یہ بات کہ مہر کرہ بہتر ہے تمہارے لئے، اور اللہ غفور ہے رحیم ہے۔

باندیوں سے نکاح کرنے کی اجازت

اپنی ملک ہو باندی سے تو (شرط و قیود کے مطابق) بلا نکاح بھی جماع کرنا جائز ہے اور اپنی باندی سے نکاح درست بھی نہیں۔ اور نہ اس کی حاجت ہے کیونکہ اس سے جماع بھی حلال ہے اور اس سے جو اولاد ہوگی وہ بھی (حسب ضابطہ) ثابت النسب ہوگی، البتہ دوسرا کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی باندی سے نکاح کرنا چاہے تو یہ نکاح کرنا درست ہے، یہ نکاح باندی کے مالک کی اجازت سے ہو سکتا ہے اور جو مہر مقرر کر دیا گیا ہو وہ خوبی کے ساتھ ادا کر دیا جائے اس مہر کا مالک اس باندی کا آقا ہی ہوگا۔ وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْکُمْ طَوْلًا سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جو شخص آزاد عورت سے نکاح کرنے کی قدرت رکھتا ہو وہ باندی سے نکاح نہ کرے۔ چونکہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مفہوم شرط اور مفہوم وصف معتبر ہے اس لئے ان کے نزدیک آزاد مسلمان عورت سے نکاح کرنے کی قدرت ہوتے ہوئے کسی بھی باندی سے نکاح کرنا درست نہیں۔ اگر آزاد مسلمان عورت سے نکاح کرنے کی قدرت نہ ہو تو ان کے نزدیک باندی سے نکاح کرنا جائز ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک آزاد عورت سے نکاح کرنے کی قدرت ہوتے ہوئے بھی باندی سے نکاح درست ہے۔ بشرطیکہ وہ باندی

مسلمہ ہو یا کتابیہ لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے۔ آزاد مسلمان عورت سے نکاح کی قدرت ہو تو باندی سے نکاح نہ کرے اور اگر باندی سے نکاح کرے تو مؤمنہ تلاش کرے۔ (من البحر الرائق ص ۱۱۲ ج ۳) یہ مفہوم شرط اور مضبوط وصف والی بحث علمی بات ہے جس کی تفصیل اصول فقہ کی کتابوں میں لکھی ہے اس کے سمجھنے کے لئے کسی عالم سے رجوع کر لیں۔

بات یہ ہے کہ شادی کا مقصد پاک دامن رہنا اور اولاد کا طلب کرنا ہے۔ اولاد کی تربیت میں ماؤں کا بہت زیادہ دخل ہوتا ہے جس طرح بچہ ماں کی زبان سیکھتا ہے (اور اسی لئے اس کی زبان کو مادری زبان کہتے ہیں) اسی طرح سے دین و ایمان، اخلاق و آداب، اطوار و عادات بھی ماں سے سیکھتا ہے اول تو یہی کوشش رہے کہ آزاد مسلمان عورت سے نکاح کیا جائے پھر مسلمان عورتوں میں بھی دیندار صالحہ اور تقویٰ طہارت والی عورت کو تلاش کیا جائے۔ اگر آزاد مسلمان عورت سے نکاح پر قدرت نہ ہو۔ اس کے مہر کی ادائیگی اور دیگر اخراجات کا تحمل نہ ہو تو پھر لونڈی سے نکاح کر لے۔ اس میں بھی مؤمنہ باندی کو ترجیح دی جائے۔

یہ جو فرمایا **وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِمَانِيَكُمْ بِغَضَبِكُمْ مِّنْ بَعْضِ** اس میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے ایمان کا خوب اچھی طرح علم ہے۔ ایمان ہی وجہ فضیلت ہے بعض مرتبہ مؤمن باندی مرتبہ ایمانیہ میں آزاد عورت کے مقابلہ میں بڑھی ہوئی ہوتی ہے اس کے نکاح سے عار نہ کریں اور باندی کے آقا کی اجازت سے اس سے نکاح کریں اور جنس انسانیت کے اعتبار سے سب حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کی اولاد ہیں اور کسی نے باندی سے نکاح کیا تو اپنی جنس ہی سے نکاح کیا۔

اور یہ جو فرمایا **مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسْلِمَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتٍ أَخْدَانٍ** اس کا مطلب یہ ہے کہ مؤمن باندیوں سے نکاح کر لو جو پاک دامن ہوں **مُتَّخِذَاتٍ أَخْدَانٍ** (اعلانیہ زنا کرنے والی) اور **مُتَّخِذَاتٍ أَخْدَانٍ** (خفیہ طریقہ پر آشنا تلاش کرنے والی نہ ہوں) پاک دامن عورت ہی نکاح کے لائق ہے آزاد ہو یا باندی ہو۔

یہاں خصوصیت کے ساتھ باندیوں کے نکاح کے ذیل میں اس بات کا اس لئے تذکرہ فرمایا کہ باندیوں کی نگرانی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ کام کاج کے لئے وہ باہر جاتی ہیں۔

پھر فرمایا **فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ** اس کا مطلب یہ ہے کہ جب باندیاں نکاح میں آجائیں اور اس کے بعد زنا کا ارتکاب کر لیں تو ان کو آدھی سزا ملے گی بمقابلہ اس سزا کے جو آزاد عورتوں کے لئے مقرر ہے اگر وہ زنا کر بیٹھیں، یہاں آزاد عورتوں سے غیر شادی شدہ آزاد عورتیں مراد ہیں۔ غیر شادی شدہ عورت اگر زنا کرے تو اس کی سزا سو کوڑے ہے اس اعتبار سے باندی اگر زنا کرے تو اس کو پچاس کوڑوں کی سزا ملے گی۔ شادی شدہ مرد یا عورت زنا کرے تو اس کی سزا جرم ہے۔ یعنی پتھروں سے مار دینا ہے۔ چونکہ جرم میں تنصیف نہیں ہو سکتی اس لئے اگر باندی اور غلام شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ اس سے زنا سرزد ہو جائے تو پچاس کوڑے ہی لگیں گے۔ زنا کی سزا کا تفصیلی بیان ان شاء اللہ سورہ نور کے پہلے رکوع کی تفسیر میں لکھا جائے گا۔

آخر میں فرمایا **ذٰلِكَ لِمَنْ حَشِيَ الْغَنَّةَ مِنْكُمْ وَاَنْ تَصْبِرُوْا وَخَيْرٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** (کہ باندیوں سے نکاح کرنا اس شخص کے لئے ہے جو زنا میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ رکھتا ہو، اور باوجود اجازت کے صبر کرنا بہتر ہے)۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنْنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ

اللہ چاہتا ہے کہ بیان فرمائے تمہارے لئے اور تم کو بتلا دے طریقے ان لوگوں کے جو تم سے پہلے تھے اور یہ کہ وہ تمہاری توبہ قبول فرمائے،

وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ وَاللّٰهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ

اور اللہ تعالیٰ ہی حکمت والا ہے۔ اور اللہ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول فرمائے اور جو لوگ خواہشات نفسانیہ کے پیچھے چلتے ہیں وہ چاہتے ہیں

أَنْ تَمِيلُوا سِيلًا عَظِيمًا ۝ يُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخَلَقَ الْإِنْسَانَ ضَعِيفًا

کہ تم بڑی بھاری گنجی میں پڑ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ تخفیف کا ارادہ فرماتا ہے اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو منظور ہے کہ تمہاری توبہ قبول فرمائے اور نفس کی خواہشوں

کے پیچھے چلنے والے تمہیں راہِ حق سے ہٹانا چاہتے ہیں

ان آیات میں اول تو یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے اس میں تمہارا فائدہ ہے، تم سے پہلے جو صالحین تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے طریقے بھی تمہیں بتائے ہیں تاکہ تم سمجھو کہ گزشتہ امتوں کے لئے بھی احکام آئے تھے اور وہ ان پر عمل کرتے تھے۔ (تم کو بھی عمل کرنا چاہیے) اللہ تعالیٰ کو تمہاری توبہ قبول کرنا منظور ہے اس نے جو بھی کچھ حکم دیا ہے۔ تمہارے لئے اس میں خیر ہے وہ غلیم ہے تمہارے انفرادی و اجتماعی اعمال کو جانتا ہے اور حکیم بھی ہے اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تمہاری توبہ قبول فرمائے (لہذا تم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اور اُس کے احکام پر چلو) اور جو لوگ نفسانی خواہشوں کا اتباع کرتے ہیں جنہوں نے خواہشات ہی کو اپنا پیشوا بنا رکھا ہے وہ خود وہ بے ہیں اور تمہارے لئے بھی یہی چاہتے ہیں کہ راہِ حق سے ہٹ جاؤ اور بہت دور تک ہٹتے چلے جاؤ۔ ان لوگوں کو اپنے لئے عفت و عصمت اور حیا و شرم محبوب نہیں ہے۔ فحاشی اور شہوت پرستی ہی ان کے پیش نظر ہے یہ تم کو بھی اپنی راہ پر لانا چاہتے ہیں۔ تمہاری عفت و عصمت بھی ان کو تکلیفی ہے اور انہیں یہ گوارا نہیں کہ تم حیا و شرم کے ساتھ زندگی گزارو، تم احکام خداوندیہ پر مضبوطی سے جتنے رہو تاکہ یہ شہوت کے بندے اور خواہشوں کے غلام تمہیں اپنے راستے پر نہ ڈالیں (ناول افسانے لکھنے والے سینما میں کام کرنے والے ایکٹروں کی۔ وی اور وی۔ سی۔ آریس بے حیائی اور فحاشی کے مناظر سامنے لانے والے سب ہی عفت و عصمت کے دشمن ہیں)۔

احکام شرعیہ میں انسانی کمزوریوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔۔۔۔۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تمہارے لئے احکام میں تخفیف فرمائے یعنی آسانی فرمائے۔ اس نے انسان کو پیدا فرمایا ہے۔ انسان کا ضعف اور انسان کی کمزوری اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ ان کمزوریوں کا احکام میں لحاظ رکھا ہے اور ایسے احکام دیئے ہیں جو بندہ کی قدرت سے باہر نہیں ہیں۔ اول تو نکاح کی نہ صرف اجازت دی بلکہ اس کا حکم دیا اور ایک سے لے کر چار بیویوں تک کی اجازت دی، اور عورتوں کے لئے مہر مقرر فرمانے کا حکم دیا تاکہ معاشرہ میں عورت کی بھی حیثیت و عزت قائم رہے اور مردوں کو باندیوں سے استمتاع کرنے کی بھی اجازت دی، مملوکہ بنوں یا مملوکہ، یہ سب آسانیاں ہیں جن کی انسان کو حاجت ہے احکام نکاح کے علاوہ دوسرے احکام میں بھی آسانیاں رکھی ہیں اور کوئی حکم ایسا نہیں دیا جس کی تعمیل انسان کے بس سے باہر ہو۔ البتہ انسان کو شتر بے مہار کی طرح آزاد بھی نہیں چھوڑا، جو مرد و عورت سے چاہے استمتاع کرے اس کی اجازت نہیں دی کیونکہ یہ تو حیوانی زندگی ہے اگر سب کچھ حلال کر دیا جائے تو انسان اور حیوان میں فرق ہی کیا رہے گا؟ اس طرح سے تو انسانیت کا شرف ہی ختم ہو جائے گا جس پر پابندی نہیں و تو انسان ہی نہیں۔

شہوت پرستوں کا طریق کار..... جو لوگ شہوتوں کے بندے ہیں انہیں انسانیت محبوب و مرغوب ہی نہیں وہ تو انسان ہو کر کچھ تار ہے ہیں اور نفس کے مزہ کے لئے محض حیوانیت پر اتر آئے ہیں۔

یورپ، امریکہ میں بے ہودگی، آوارگی، فحاشی، زنا کاری کا جو سیلاب آیا ہوا ہے۔ چھوٹے بڑے حاکم و محکوم اور ہر طبقہ کے لوگ اس میں بہہ چکے ہیں۔ حکومتوں کا یہ حال ہے کہ کوئی قانون بناتے ہیں پھر جبر دیکھتے ہیں کہ عوام اس کے مطابق نہیں چلتے قانون کو بدل دیتے ہیں۔ تھوڑا بہت جو قانون کا بھرم باقی ہے تو صرف اتنا سا ہے کہ زنا بالجبر ممنوع ہے۔ آپس کی خوشی سے زنا کاری جتنی مرتبہ بھی ہو جائے اس پر ان کے نزدیک کوئی مداخلہ نہیں اور اب تو اسٹلڈ اور بالٹل کا قانون پاس کر دیا ہے ان شہوت پرستوں کے نزدیک عورت عورت سے اور مرد مرد سے استمتاع کر سکتا ہے۔ اور خلاف فطرت قضائے شہوت میں ان کے بڑے لوگ بھی مبتلا ہیں (دینی بڑے بے ہودہ یا دنیاوی ذمہ دار ہوں) ایسے پارک ہیں جن میں کسی فعل پر کوئی پابندی نہیں، اس پارک میں علانیہ طور پر مرد اور عورت جو فعل کرے ان کے یہاں اس پر قانون کی کوئی گرفت نہیں ہے۔ قرآن مجید میں جو نُصَمَعُونَ وَبَا تَكْلُونَ كَمَا تَاكُلُونَ الْأَنْعَامَ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ فرمایا ہے اس کے پورے پورے مصداق بنے ہوئے ہیں۔

جن ملکوں میں مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہیں وہاں بھی بہت سے لوگ یورپ اور امریکہ کے حیوانوں کی طرح جنسی خواہشات پورا کرنے کے متوالے ہیں، یہ لوگ نہ صرف یہ کہ خود بے حیائیوں، فحاشیوں اور زنا کاریوں میں مبتلا ہیں بلکہ باقاعدہ ان کی سوسائٹیاں بنی ہوئی ہیں جن کی برابر اور مستقل یہ کوشش ہے کہ نکاح اور حیا و شرم کو بالائے طاق رکھ دیا جائے، ایسے جراند ہفت روزہ اور ماہنامے جاری ہیں جن میں بے حیائی کے کاموں کو اچھالا جاتا ہے نگلی تصویریں شائع کی جاتی ہیں، جذبات نفسانیہ کو ابھارا جاتا ہے اور ایسی انجمنیں بنی ہوئی ہیں جو عامۃ المسلمین کو بے حیائی اور زنا کاری کی غار میں دھکیلنے کی پوری کوشش کر رہی ہیں۔ نگلوں کے کلب ہیں زنا کاری کے اڈے ہیں ان کی سرپرستی کی جاتی ہے، فاحشہ عورتوں کو حکومتیں لائسنس دیتی ہیں، پہلے تو اتنا ہی تھا کہ سینما ہال میں معاشقہ کے نظارے کئے جاتے تھے اور نگلی سے نگلی اور گندی سے گندی فلمیں بنوا کر سینماؤں کے مالکان خوش ہوتے تھے (کیونکہ اس میں ذریعہ آمدنی بہت زیادہ ہے) اور اب تو گھر گھر عشقیہ فلمیں اور ڈرامے دیکھے جا رہے ہیں، ٹی وی کے پروگراموں نے اور وی سی آر (ویڈیو کیسٹ ریکارڈ) نے بچوں سے لے کر بوڑھوں تک سب کے جذبات میں تلاطم پیدا کر دیا ہے، بے حیماں باپ بچوں کے ساتھ بیٹھ کر یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور بچوں کو دکھاتے ہیں۔ جن حکومتوں کے سربراہوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ہماری اسلامی حکومت ہے ان کے ٹی وی پروگراموں میں اور یورپ امریکہ کے پروگراموں میں کوئی فرق نہیں۔ وی سی آر بازاروں میں فروخت ہو رہے ہیں۔ وینداری کے دعویدار بھی اپنے بچوں کو اس سے منع نہیں کرتے۔ پورا معاشرہ عریانی و فحاشی کی راہ سے گذر رہا ہے۔ پرانے قسم کے جو کچھ لوگ باقی ہیں وہ نئی نسل کے نوجوانوں کو کھلتے ہیں اور قرآن وحدیث کی عفت و عصمت کی تعلیم نوجوانوں کو پسند نہیں۔ بے حیائی کے داعیوں نے عامۃ الناس کو اس طرح سطح پر لا کر کھڑا کر دیا ہے کہ پیچھے مڑنے اور حیا و شرم اختیار کرنے کے لئے بہت بڑی محنت کی ضرورت ہے۔ گذشتہ زمانوں میں کوئی شخص زنا کرتا تو چھپ چھپا کر کرتا تھا اور اس طرح کا پیشہ کرنے والی عورتوں کو بھی بُری نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ معاشرہ میں اس کے لئے کوئی جگہ نہ تھی لیکن آج تو عفت و عصمت حیا و شرم عیب بن گئی ہے اور بے حیائی اور فحاشی و عریانی ہنر اور کمال سمجھی جا رہی ہے اور اسے معاشرہ کا جزو اعظم سمجھا جاتا ہے۔

حیا و شرم انبیاء کرام علیہم السلام کے اخلاق عالیہ میں سے ہیں..... عفت و عصمت اور حیا و شرم کی تمام انبیاء کرام نے اپنی

اپنی اُمتوں کو تعلیم دی ہے اور یہ اہل ایمان کا شعار ہے۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چار چیزیں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے طریقہ زندگی میں سے ہیں۔ (۱) حیا، (۲) تعطر (یعنی خوشبو لگانا)، (۳) مسواک کرنا، (۴) نکاح کرنا۔ (رواہ الترمذی فی اول کتاب النکاح) نیز رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر مومن کا ایک خاص مزاج ہے اور مومن اسلام کا مزاج حیا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۳۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حیا اور ایمان دونوں ساتھ ساتھ ہیں جب اُن میں سے ایک چھین لیا جاتا ہے تو دوسرا بھی چلا جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۳۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا نظروں کے سامنے ہے کہ جن قوموں میں حیا نہیں ان میں ایمان نہیں اور جو قوم میں مسلمان ہونے کی دعویدار ہیں ان میں جیسے جیسے بے حیائی بڑھ رہی ہے ویسے ویسے ایمان اور ایمانیات سے محروم ہوتے جا رہے ہیں، یورپ اور امریکہ میں جو مسلمان جا کر رہے ہیں ان میں جو تھوڑا بہت ایمان و اسلام تھا وہ ان کی نسلوں میں وہاں تباہ و برباد ہو رہا ہے۔ شریعت اسلامیہ نے عفت و عصمت کے لئے جو قانون بنائے اور اُن کی حفاظت کے لئے جو پابندیاں رکھی ہیں ان میں پہلی پابندی نظر پر ہے اور بد نظری کو حرام قرار دیا ہے، نیز عورتوں کے لئے پردہ لازمی قرار دیا ہے۔ عورتوں کو گھر میں بیٹھنے کا حکم دیا ہے جو کوئی عورت خوشبو لگا کر باہر نکلے اُسے زنا کا قرار دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ عورت چھپا کر رکھنے کی چیز ہے جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس پر نظریں ڈالنے لگتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۲۹) تعجب اُن لوگوں پر ہے جو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور ساتھ ہی بے حیا بھی ہیں اور عفت و عصمت کے دشمن بھی ہیں، جو لوگ عفت و عصمت کے دشمن ہیں عام مسلمانوں کو بڑی حد تک بے حیائی پر ڈال چکے ہیں ان کی کوششیں جاری ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان بالکل ہی عفت و عصمت اور حیا و شرم سے ہاتھ دھو بیٹھیں، وَلَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ تَعَالَىٰ. وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ نَمْلِكُوا مِنْهَا غَظِيبًا اللَّهُ تَعَالَىٰ کی بات نہ ماننا اور دشمنوں کی راہ اختیار کرنا یہ کیسی مسلمانی ہے؟ فَاللَّهُ يَهْدِيهِمْ وَبِوَفْقِهِمْ لِمَا يَحِبُّ وَبِرُضَىٰ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مالوں کو باطل طریقہ سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ کوئی تجارت آپس کی

تراویں مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ

رضا بندی سے ہو، اور مت قتل کرو اپنی جانوں کو، بے شک اللہ تم پر بہت بڑا مہربان ہے۔ اور جو شخص زیادتی اور

عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسُوفَ نُنْصِلِيهِ نَارًا ۖ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝

ظلم اختیار کرے گا سو مقرر یہ ہم اسے دوزخ میں داخل کر دیں گے اور یہ اللہ پر آسان ہے۔

باطل طریقے پر مال کھانے کی ممانعت اور تجارت کا اصول

اس آیت کریمہ میں یہ ارشاد فرمایا کہ آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ پر نہ کھاؤ۔ صاحب معالم التنزیل ص ۳۱۷ پر لکھتے ہیں بالحرام یعنی بالربوا والقممار والغصب والسرقة والخيانة ونحوها، وقيل هو العقود الفاسدة یعنی باطل سے مراد یہ ہے کہ حرام طریقہ پر ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ مثلاً سود لے کر جوئے بازی کے طریقے سے اور چھین کر، چوری کر کے، خیانت کر کے اور اسی

طرح کے دوسرے غیر شرعی طریقوں سے ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے عقود فاسدہ مراد ہیں یعنی خرید و فروخت اور اجارہ غیرہ کے وہ طریقے جو شرعاً فاسد ہیں ان کے ذریعہ ایک دوسرے کا مال حاصل نہ کرو۔ لفظ باطل بہت عام ہے مال حاصل کرنے کا ہر وہ طریقہ جو شرعاً جائز نہ ہو وہ سب باطل کے عموم میں داخل ہے۔

پھر **الْأَنْ تَكُونُوا بَخِيلًا** یعنی **تَوَاضَعُوا** فرماتے ہوئے تجارت کے ذریعہ مال حاصل کرنے کو جائز قرار دیا اور ساتھ ہی عن **نَرَا ضًا** کی بھی تید لگا دی یعنی تجارت کے ذریعہ وہ مال حاصل کرنا حلال ہے جو آپس کی رضامندی سے ہو۔ خریدار یا صاحب مال دونوں کسی عالم پر راضی ہو جائیں اور یہ رضامندی خوش دلی سے، دوا لین دین جائز ہے کسی فریق کو خریدنے یا بیچنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ کسی کی چیز اٹھا کر چل دیتے ہیں یہ فحش یا لوٹ مار ہے اور بعض لوگ صاحب مال کو کچھ پیسے دے دیتے ہیں۔ اول تو وہ بیچنے پر راضی نہیں ہوتا اور اگر راضی ہو جائے تو اتنی قیمت نہیں دیتے جس پر وہ خوش دلی سے راضی ہو، بروستی کسی کی چیز لینا یا اپنے پاس سے خود قیمت تجویز کر کے دے دینا جس سے صاحب مال راضی اور خوش نہ ہو یہ سب حرام ہے۔

چند غیر شرعی معاملات کا تذکرہ..... جتنے بھی غیر شرعی معاملات ہیں ان کے ذریعہ جو مال حاصل ہوگا وہ باطل طریقہ پر کھانے میں شمار ہوگا۔ شراب، خمر، مراد مردار کی بیع حرام ہے۔ رشوت لینا حرام ہے جو پیسہ اس ذریعہ سے ملے وہ بھی حرام ہے جو چیز اپنی ملکیت میں نہیں اس کی بیع باطل ہے۔ پرندہ کی بیع جبکہ وہ زراہ ہے اور مچھلی کی بیع جبکہ وہ سمندر میں ہو یہ بھی بیع باطل ہے۔ اگر مال مثلاً سورہ بچے کا لیا ہو اور خریدار سے یوں کہے کہ میں نے ایک سو دس میں لیا ہے اور تمہیں اصل دام پر دیتا ہوں یہ بھی حرام ہے اس میں جھوٹ بھی ہے اور فریب بھی۔ کرایہ پر مکان، دکان کا دینا لینا بھی ایک قسم کی تجارت ہے اس میں بھی باہمی رضامندی شرط ہے بہت سے لوگ کسی خالی مکان کو دیکھ کر قبضہ کر لیتے ہیں پھر صاحب مکان کو مجبور کرتے ہیں کہ کرایہ لے لو اگر وہ کرایہ لینا منظور کرے تو اپنا منہ بولا کرایہ دینے پر مجبور کرتے ہیں وہ مجبور، ذکر بدولی کے ساتھ تمہوڑا کرایہ منظور کر لیتا ہے یہ بھی حرام ہے اور بعض لوگ حکومتوں کے غیر شرعی قانون کی آڑ لے لیتے ہیں، حکومتوں کا قانون ہے کہ کرایہ دار سے خالی نہیں کرا سکتے۔ کرایہ بھی نہیں بڑھا سکتے۔ ایسے قانون بنانا اور ایسے قانون کو استعمال کر کے مالک مکان کو نقصان پہنچانا یہ بھی حرام ہے۔ بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ مال ایک ہزار کا خرید اور دکاندار سے کیش میوہ بارہ سو کا، خوالیا پھر جب کوئی شخص خریدنے آیا تو اس کو وہ کیش میوہ دکھا کر یہ باور کرا دیا کہ یہ مال ہم نے بارہ سو میں خریدا ہے لہذا تم دام کے دام خرید لو یا سو روپیہ نفع دے کر لے لو۔ یہ سب دھوکہ دہی ہے اور حرام ہے۔

پھر **فَرِيضًا وَلَا تَنْفُلُوا أَنْفُسَكُمْ** (اپنی جانوں کو قتل نہ کرو) اس کی تفسیر میں بعض مفسرین نے یوں فرمایا ہے کہ حرام مال کھا کر اپنی جانوں کو قتل نہ کرو (کیونکہ آخرت میں عذاب دنیاوی قتل کی تکلیف سے کہیں زیادہ ہے) اور بعض حضرات نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا **لَا يَفْضُلُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا** کہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کرو، اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس میں خودکشی کی ممانعت فرمائی ہے۔ (۱۰) عالم بقول ص ۳۱۸) چونکہ الفاظ میں عموم ہے اس لئے آیت کا مفہوم ان سب کو شامل ہے۔

اس زمانہ میں قتل و غارت کی بہت کثرت ہے۔ مسلمان مسلمان کو قتل کرتا ہے، لسانی اور صوبائی عسکریوں اور طرح طرح کی جاہلانہ باتوں کی وجہ سے خونریزی کا بازار گرم ہے، دشمنوں نے مسلمانوں کو آپس کے جنگ و جدال پر آمادہ کر رکھا ہے۔ بظاہر دنیاوی مفاد سامنے آتا ہے۔ اس لئے بے تحاشا قتل کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں اس کے بارے میں جو وعیدیں ہیں سورۃ النساء کی آیت **وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا** (الایہ رکوع ۱۴) کے ذیل میں ان شاء اللہ بیان ہوں گی۔

خود کشی کا گناہ..... جیسا کہ کسی دوسرے مسلمان کو قتل کرنا حرام ہے اپنی جان کو قتل کرنا بھی حرام ہے۔ یہ جان اس ذات پاک کی ملکیت ہے جس نے جان بخشی ہے کسی کے لئے حلال نہیں کہ وہ کسی بھی طرح سے خود کشی کرے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے پہاڑ سے گر کر خود کشی کر لی وہ دوزخ کی آگ میں ہوگا ہمیشہ ہمیشہ اس میں (چڑھتا) اور گرتا رہے گا، اور جس شخص نے زہر پی کر خود کشی کر لی۔ اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا دوزخ کی آگ میں وہ ہمیشہ ہمیشہ اس کو پیتا رہے گا اور جس شخص نے کسی لوہے کی چیز سے خود کشی کر لی اس کا وہ لوہا اس کے ہاتھ میں ہوگا دوزخ کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ اس لوہے کو اپنے پیٹ میں گھونپتا رہے گا۔ (رواہ البخاری کافی المستملہ ص ۹۹) دنیا کی مصیبتوں سے تنگ آ کر بعض لوگ خود کشی کر لیتے ہیں وہ یہ نہیں جانتے کہ آخرت کا عذاب اس دنیا کی تکلیف سے بہت زیادہ ہے۔

آخر میں فرمایا اِنَّ اللہَ سَخَانَ بَحْمٍ رَّحِيْمًا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر بہت بڑا مہربان ہے، اس نے جو احکام بھیجے ہیں ان کو اپنے حق میں خیر سمجھو۔ ان احکام کی تعمیل ہی میں تمہارے لئے دنیا و آخرت کی خیر ہے۔ جس حکم کی تعمیل میں تکلیف محسوس ہوتی ہو ہمت کر کے اس کی بھی تعمیل کرو کیونکہ حکم کی خلاف ورزی میں تمہارے لئے سراپا ضرر ہے اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیئے ہیں ان میں تمہیں نقصان اور ضرر سے بچایا ہے۔

دوسری آیت میں قتل نفس کی وعید بتائی اور ارشاد فرمایا وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ عُذُوْنَا وَظَلَمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا کہ جو شخص زیادتی اور ظلم کے طور پر کسی جان کو قتل کرے ہم اس کو دوزخ میں داخل کریں گے۔ بعض صورتوں میں قتل کرنے کا جو شرعی جواز ہے اس سے آگے بڑھ جانا اور حدود شرعی سے نکل کر کسی کو قتل کر دینا حرام ہے۔ قتل نفس کی سزا جہنم کا داخلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کو سب پر قدرت ہے کوئی اس کی قدرت سے باہر نہیں اور اس کے ملک سے کوئی نہیں نکل سکتا نہ موت سے پہلے نہ موت کے بعد۔ اللہ تعالیٰ کو سب کچھ آسان ہے۔ اور ہر طرح کی قدرت ہے جس کو جیسے چاہے سزا دے سکتا ہے۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا کِبٰرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْکُمْ سَيِّاَتِکُمْ وَنَدْخِلْکُمْ مَّذٰخِلًا کَرِيْمًا ۝

جن چیزوں سے تمہیں منع کیا جاتا ہے اگر ان میں سے بڑے بڑے گناہوں سے اجتناب کر گے تو ہم تمہارے گناہوں کا کفارہ کر دیں گے اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کریں گے۔

تکفیر سیئات کا وعدہ

اس آیت میں کبار سے بچنے کی ترغیب دی گئی ہے اور صغائر کو معاف کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے تو اللہ تعالیٰ صغیرہ گناہوں کو معاف فرما دیں گے۔ دیگر نصوص کثیرہ کی بنا پر بعض علماء نے یہ اشکال کیا ہے کہ محض اجتناب کبار سے (جن میں عدم ادائے فرائض بھی داخل ہے) اگر صغیرہ گناہ معاف ہو جائیں تو جتنے بھی صغائر ہیں بظاہر نتیجہ کے طور پر مباح کا درجہ لے لیں گے کیونکہ ان کے ارتکاب کرنے والے کو یہ یقین رہے گا کہ کبار سے بچنے کی وجہ سے میرے تمام صغائر معاف ہیں۔ لہذا صغائر پر کوئی عتاب اور عذاب نہ ہوگا اور مباح ہونے کا یہی معنی ہے اس اشکال کو رفع کرنے کے لئے معتزلہ کی تردید کے ذیل میں صاحب مدارک

فرماتے ہیں رَدُّ الشُّبُهَاتِ ص ۱۰۱ (مترجم) ان الصغائر واجبة للمغفرة باجتناب الكبائر وعلى ان الكبائر غير مغفورة باطل لان الكبائر والصغائر في مشيئة الله تعالى سواء ان شاء عذب عليهما وان شاء عفا عنهما لقوله تعالى ان الله لا يغفر ان يشرك به ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء، فقد وعد المغفرة لما دون الشرك وقرنها

بسمِ شہید تعالیٰ و قوله ان الحسنات يذهبن السيئات في هذه الآية تدل على ان الصغائر والكبائر يجوز ان يذهبا بالحسنات لان لفظ السيئات يطلق عليهما۔ (معتزل کا اس آیت سے اس بات پر دلیل پکڑنا کہ صغیرہ گناہ کی مغفرت کبیرہ گناہوں سے منچنے کی وجہ سے واجب ہے اور اسی پر کہ کبیرہ گناہ ہرگز معاف نہیں ہوں گے باطل ہے کیونکہ صغیرہ کبیرہ گناہ کی مغفرت کرنا نہ کرنا اللہ تعالیٰ کی مشیت میں برابر ہے چاہے تو ان پر عذاب دے اور چاہے تو بخش دے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ترجمہ) بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کو معاف نہیں کرے گا اور اس کے علاوہ جس کے لئے چاہتا ہے معاف کرویتا ہے پس اللہ تعالیٰ نے شرک کے علاوہ کسی بتفیش کا وعدہ کیا ہے البتہ اسے اپنی مشیت کے ساتھ مقید کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: (ترجمہ) بے شک نیکیاں سیئات کو ختم کر دیتی ہیں یہ کبیرہ جو غیر وہ فوٹوں قسم کے گناہوں کا نیکوں سے ختم ہونا ممکن ہے کیونکہ سیئات کے لفظ کا اطلاق وہ فوٹوں پر ہوتا ہے۔) مطلب یہ ہے کہ وعدہ مغفرت تو ہے لیکن مشیت الہی پر موقوف ہے وہ جس گناہ کو چاہے گا معاف فرما دے گا۔

اور بعض حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ یہاں کبائر ما تنھون عنہ سے وہ کفر مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تمام وہ کفر سے اجتناب کرو گے یعنی مسلمان رہو گے تو تمہارے سب گناہ معاف کرنے کا وعدہ ہے۔ کفر کے علاوہ جو باقی گناہ ہیں وہ چونکہ کفر کے مقابلہ میں صغائر ہیں (اگرچہ فی نفسہ ان میں بھی فرق مراتب ہے ان میں صغیرہ بھی ہیں اور کبیرہ بھی) ان کے معاف فرمانے کا وعدہ فرمایا۔ لیکن یہ وعدہ تحت اُمیۃ ہے اور اس آیت کا ترجمہ اور آیت کریمہ ان الله لا يغفر ان يُشرك به ويغفر ما دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ کا ایک ہی مفہوم ہے۔

علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وقيل المراد بها انواع الكفر بدليل قراءة عبد الله كبير ما تنھون عنہ وهو الكفر (اور بعض نے کہا اس سے مراد کفر کی انواع ہیں عبد اللہ کی قرات "کبائر ما تنھون" کی دلیل ہے علامہ قرطبی نے بھی یہ بات کہی ہے اور تنوع والی قرات کبائر ما تنھون عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے اجناس کفر مراد ہیں پھر فرماتے ہیں والآية التي قيدت الحكم فتروا اليها هذه المطلقات كلها قوله تعالى ويغفر ما دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ (س ۱۵۹ ج ۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ الصلوات الخمس والجمعة الى الجمعة ورمضان الى رمضان مكفورات لما بينهن اذا اجتبت الكبائر (یعنی پانچوں نمازیں اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک اپنے درمیانی وقفہ کے گناہوں کا کفارہ کرنے والے ہیں جبکہ بڑے گناہوں سے پرہیز کیا جائے)۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۲۲)

اور صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۲۱ کی ایک حدیث مرفوعہ میں یوں ہے کہ ما من امرئ مسلم تحضره صلوة مكتوبة فيحسن وضوءها وخشوعها وركوعها الا كانت كفارة لما قبلها من الذنوب ما لم يؤت كبيرة (یعنی جس مسلمان کی موجودگی میں فرض نماز کا وقت ہو گیا اور اس نے اچھی طرح وضو کیا اور اس کا رکوع سجود اچھی طرح ادا کیا تو اس سے اس کے پچھلے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا جب تک کہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ ہو۔)

ان حدیثوں میں بظاہر وہی بات ہے کہ جب بڑے گناہوں سے پرہیز کیا جائے گا تو نیکوں سے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ لیکن علامہ نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں۔

معناه ان الذنوب كلها تغفر الا الكبائر فانها لا تغفر، وليس المراد ان الذنوب تغفر ما لم تكن كبيرة فان كانت

لا یغفر شئی من الصغائر فان هذا وان كان محتملا فسیاق الحدیث باباہ قال القاضی عیاض هذا المذکور فی الحدیث من غفران الذنوب مالم یؤت کبیرۃ ہو مذهب اہل السنۃ وان الکبائر انما یغفرها التوبۃ ورحمۃ اللہ تعالیٰ وفضلہ واللہ اعلم۔ (اس کا معنی یہ ہے کہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں سوائے کبیرہ کے کیونکہ روایتیں بخشتے جاتے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ گناہ بخشتے جاتے ہیں جب تک کہ کبیرہ نہ ہوں اگرچہ صغیرہ معاف نہ ہوں، اس کا احتمال تو ہے مگر حدیث کا سیاق اس کا انکار کرتا ہے۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ حدیث میں جو گناہوں کی معافی کا ذکر ہے یہ اس وقت تک ہے جب تک کہ گناہ کبیرہ نہ ہو اہل سنت کا مذہب یہی ہے کبیرہ گناہوں کو تو بہ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و فضل معاف کرتا ہے) (شرح صحیح مسلم ص ۱۲۱ ج ۱)

مطلب یہ ہے کہ نیکوں کے ذریعہ جو گناہ معاف ہونے کا وعدہ ہے یہ صغیرہ گناہوں سے متعلق ہے کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہ ہوں گے۔ اور یہ مطلب نہیں ہے کہ بڑے گناہ نہ ہوں تو چھوٹے گناہ معاف ہوں گے۔ ظاہری الفاظ میں اس معنی کا احتمال تو ہے لیکن حدیث کا سیاق اس سے انکار کرتا ہے۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ یہ جو حدیث میں گناہوں کی مغفرت کا ذکر ہوا کہ جب تک کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ ہو صغائر معاف کر دیئے جائیں گے یہ اہلسنت والجماعت کا مذہب ہے اور کبار صرف توبہ سے یا اللہ کی رحمت و فضل سے معاف ہوں گے۔ بظاہر آیت شریفہ ان تَجْنِبُوا کِبَائِرَ مَا تَنْهَوْنَ اور حدیث اذا اجتنبت الکبائر اور مالم یؤت کبیرۃ سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ بڑے گناہوں کے ہوتے ہوئے چھوٹے گناہوں کا کفارہ نہ ہوگا لیکن علامہ نووی فرماتے ہیں کہ حدیث کا یہ مطلب نہیں اگرچہ محتمل ہے۔ امام نوویؒ نے جو بات فرمائی ہے اور جو بات قاضی عیاض سے نقل کی ہے اور جو کچھ علامہ نسفی نے لکھی ہے اس کو سامنے رکھتے ہوئے آیت اور حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم چاہیں گے تو تمہارے سارے گناہوں کا کفارہ کر دیں گے بشرطیکہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ ہو۔ (کبیرہ گناہوں کا کفارہ نہ ہوگا کیونکہ ان کی مغفرت اور کفارہ کے لئے توبہ شرط ہے) امام نوویؒ کی بات ان منصب کی وجہ سے اہل کوکبتی بن جن میں افعال صالحہ کے ذریعہ گناہوں کے کفارہ کا تذکرہ ہے اور ان میں کبیرہ گناہوں سے بچنے کی کوئی قید یا شرط نہیں۔ ورہو میں فرمایا ہے ان الحسنات تذهبُن السَّیِّئَاتِ (کہ باشتہ نیکیاں گناہوں کو ختم کر دیتی ہیں) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کا بوسہ لے لیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے واقعہ کی خبر دی۔ تو اللہ تعالیٰ نے آیت وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي الْبِقَارِ وَذُلْفَا مِنَ اللَّيْلِ ط إِنَّ الْحَسَنَاتِ تَذْهِبُن السَّيِّئَاتِ نازل فرمائی اس شخص نے عرض کیا کہ یہ بشارت میرے ہی لئے ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میری امت کے تمام افراد کے لئے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۸ ج ۱) آیت بالا کے الفاظ میں جو مجموعہ ہے اس سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ نیکوں کے ذریعہ گناہ معاف ہوتے ہیں اور بے شمار احادیث میں ان نیکوں کا ذکر ہے جن کے ذریعہ گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ جن کا شمار کرنا مشکل ہے۔

لفظ ان تَجْنِبُوا سے جو شرط معلوم ہو رہی ہے اس کے بارے میں جو اکابر نے فرمایا ہے وہ ہم نے لکھ دیا ہے۔ بعض حضرات نے اور بھی توجیہات کی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ آیت کا تعلق گذشتہ آیت سے ہے۔ گذشتہ آیت میں یہ فرمایا تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل ذریعہ سے مت کھاؤ اب یہاں یہ بات بیان فرمائی کہ باطل مال لینے کے لئے کوئی شخص چاہا جس کا ارادہ مثلاً غصب کرنے یا چوری کرنے کا تھا پھر وہ غصب یا چوری کرنے سے پہلے ہی گناہ کے ارادہ سے باز آ گیا تو ارتکاب کبیرہ کے لئے جو وہ اپنے گھر سے روانہ ہوا یہ راہگی اور وہ سب گناہ معاف ہو گئے جو غصب یا چوری کے ارتکاب کے لئے کئے تھے جب اُس نے چوری اور غصب کو اللہ کے خوف سے چھوڑ دیا تو اس سلسلہ میں جو عمل کئے تھے وہ بھی معاف ہو گئے۔

اور بعض حضرات نے یوں فرمایا کہ اِنِّیْ تَجَنَّبُوْا میں مفہوم شرط معتبر نہیں یعنی کبائر سے اجتناب کرنے کی وجہ سے تو صغیرہ گناہ معاف ہوں گے لیکن عدم اجتناب کبائر سے صغیرہ معاف نہ ہوں اس پر اس کی دلالت نہیں ہے۔

کبیرہ گناہ کون سے ہیں؟..... کبیرہ گناہ کون سے ہیں اس کے بارے میں حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الکبائر کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے اس میں انہوں نے فرمایا کہ ان کی تعیین میں حضرات علماء کے مختلف اقوال ہیں ایک یہ ہے کہ کبیرہ گناہ سات ہیں جنہیں بخاری و مسلم کی حدیث اجتنبوا السبع الموبقات میں بیان فرمایا اور حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ کبیرہ گناہ ستر کے قریب ہیں پھر فرمایا کہ جس حدیث میں سات گناہ ذکر ہے اس میں حصر مقصود نہیں ہے۔ بلکہ اس میں بہت بڑے بڑے گناہوں کا تذکرہ فرما دیا ہے۔ نیز یہ بھی فرماتے ہیں کہ جو کبیرہ گناہ ہیں اُن میں خود فرق مرا جب ہے۔ بعض بعض سے بڑے ہیں۔

علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں ص ۱۵۹ ج ۳ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ کبیرہ وہ گناہ ہے جس پر دوزخ کے داخلے کی یا اللہ کے غصے کی یا عنت کی یا عذاب کی وعید آئی ہو، نیز حضرت ابن عباسؓ سے یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ کبیرہ گناہ سات سو کے قریب ہیں۔ ساتھ ہی ان کا یہ مقول بھی نقل کیا ہے کہ لا کبیرۃ مع استغفار ولا صغیرۃ مع اصرار یعنی جب استغفار ہوتا رہے تو کبیرہ کبیرہ نہیں رہتا (بشرطیکہ استغفار سچے دل سے ہو، زبانی جمع خرچ نہ ہو) اور صغیرہ پر اصرار ہوتا رہے تو پھر وہ صغیرہ نہیں رہتا۔ پھر لکھتے ہیں وقد اختلف الناس فی تعددها وحصرها اختلاف الآثار فیہا۔ والذی اقول انه قد جاءت فیہا احادیث کثیرۃ صحاح و حسان لم یقصد بہ الحصر ولكنها بعضها اکبر من بعض الی ما یکثر ضررہ الی اخر ما قال۔ (اور علماء نے کبیرہ گناہوں کی تعداد اور اس بارے میں احادیث میں مذکور تعداد کے اختلاف کی وجہ سے اختلاف کیا ہے جو چیز میری سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ اس بارے میں بہت سی صحیح اور حسن احادیث مذکور ہیں جن سے مقصود حصر نہیں ہے لیکن اتنا ہے کہ بعض گناہ بعض سے بڑے ہیں اس لئے کہ ان کا ضرر زیادہ ہے)

حافظ ذہبیؒ نے اپنی کتاب میں ستر گناہ لکھے ہیں اور اُن کے بارے میں جو وعیدیں ہیں وہ بھی درج ہیں۔ ان کی کتاب کا مراجعہ کر لیا جائے۔

کبیرہ گناہوں کی فہرست..... اجمالی طور پر ہم حافظ ذہبیؒ کی کتاب سے کبیرہ گناہوں کی فہرست لکھتے ہیں۔

۱۔ شرک اور شرک کے علاوہ وہ عقائد و اعمال جن سے کفر لازم آتا ہے (کفر و شرک کی مغفرت کبھی نہ ہوگی کما جاء مصرحاً فی کتاب اللہ تعالیٰ)

۲۔ کسی جان کو عمداً قتل کرنا۔

۳۔ جادو کرنا۔

۴۔ فرض نماز کو چھوڑنا یا وقت سے پہلے پڑھنا۔

۵۔ زکوٰۃ نہ دینا۔

۶۔ بلا رخصت شرعی رمضان شریف کا کوئی روزہ چھوڑنا یا رمضان کا روزہ رکھ کر بلا عذر توڑ دینا۔

۷۔ فرض ہوتے ہوئے حج کئے بغیر مر جانا۔

۸۔ والدین کو تکلیف دینا۔ اور اُن امور میں ان کی نافرمانی کرنا جن میں فرمانبرداری واجب ہے۔

۹۔ رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنا۔

۱۰۔ زنا کرنا۔

۱۱۔ غیر فطری طریقے پر عورت سے جماع کرنا یا کسی مرد یا لڑکے سے انعام کرنا۔

۱۲۔ سود کا لین دین کرنا یا سود کا کاتب یا شاہد بننا۔

۱۳۔ ظلماً قیم کا مال کھانا۔

۱۴۔ اللہ پر یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنا۔

۱۵۔ میدانِ جہاد سے بھاگنا۔

۱۶۔ جو اقدار اعلیٰ پر ہو اس کا رعیت کو دھوکہ دینا اور خیانت کرنا۔

۱۷۔ تکبر کرنا۔

۱۸۔ جھوٹی گواہی دینا یا کسی کا حق مارا جا رہا ہو تو جانتے ہوئے گواہی نہ دینا۔

۱۹۔ شراب پینا یا کوئی نشہ والی چیز کھانا پینا۔

۲۰۔ جوا کھیلنا۔

۲۱۔ کسی پاکدامن عورت کو تہمت لگانا۔

۲۲۔ مالِ غنیمت میں خیانت کرنا۔

۲۳۔ چوری کرنا۔

۲۴۔ ادا کرنا۔

۲۵۔ جھوٹی قسم کھانا۔

۲۶۔ کسی بھی طرح سے ظلم کرنا (مار پیٹ کر ہو یا ظلم مال لینے سے ہو یا گالی گلوچ کرنے سے ہو)۔

۲۷۔ ٹیکس وصول کرنا۔

۲۸۔ حرام مال کھانا یا پینا یا پہننا یا خرچ کرنا۔

۲۹۔ خودکشی کرنا یا اپنا کوئی عضو کاٹ دینا۔

۳۰۔ جھوٹ بولنا۔

۳۱۔ قانون شرعی کے خلاف فیصلے کرنا۔

۳۲۔ رشوت لینا۔

۳۳۔ عورتوں کا مردوں کی یا مردوں کا عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا (جس میں واڑھی مونڈنا بھی شامل ہے)۔

۳۴۔ اپنے اہل و عیال میں فحش کام یا بے حیائی ہوتے ہوئے دور کرنے کی فکر نہ کرنا۔

۳۵۔ تین طلاق دی ہوئی عورت کے پرانے شوہر کا حلالہ کروانا اور اس کے لئے حلالہ کر کے دینا۔

۳۶۔ بدن میں یا کپڑوں میں پیشاب لگنے سے پرہیز نہ کرنا۔

۳۷۔ وحی کے لئے افعال کرتا۔

۳۸۔ کسب دنیا کے لئے ہمہ دین حاصل کرنا اور ہمہ دین کو چھپانا۔

۳۹۔ خیانت کرنا۔

۴۰۔ کسی کے ساتھ سلوک کر کے احسان جتنا۔

۴۱۔ تقدیر کو چھپانا۔

۴۲۔ لوگوں کے خفیہ حالات کی فوہ لگانا۔ تجسس کرنا اور کنسپائی لینا۔

۴۳۔ چغلی کھانا۔

۴۴۔ اعنت بکنا۔

۴۵۔ جو کہ دینا اور جو مبد کیا: وہ اس کو پورا نہ کرتا۔

۴۶۔ کاہن اور منجم (غیب کی خبریں بتانے والے) کی تصدیق کرنا۔

۴۷۔ شوہر کی نافرمانی کرنا۔

۴۸۔ تصویر بنانا یا گھر میں لٹکانا۔

۴۹۔ کسی کی موت پر نوہ کرنا۔ منہ پیٹنا، کپڑے پھاڑنا، سر منڈانا، بلاکت کی دغا کرنا۔

۵۰۔ سرکشی کرنا۔ اللہ کا باغی: وہ ناہمسلمانوں کو تکلیف دینا۔

۵۱۔ مخلوق پر ہست ورازی کرنا۔

۵۲۔ پڑوسی کو تکلیف دینا۔

۵۳۔ مسلمانوں کو تکلیف دینا اور ان کو نرا کہنا۔

۵۴۔ خاص کر اللہ کے نیک بندوں کو تکلیف دینا۔

۵۵۔ نختوں پر یا اس سے نیچے کوئی کپڑا پہننا: دالاکا۔

۵۶۔ مردوں کو ریشم اور سونا پہننا۔

۵۷۔ نام کا آقا سے بھاگ جانا۔

۵۸۔ غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا۔

۵۹۔ جانتے بوجھتے: وہ اپنے باپ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو باپ بنا لینا۔ یعنی یہ دعویٰ کرنا کہ فلاں میرا باپ ہے حالانکہ وہ اس کا

باپ نہیں۔

۶۰۔ فساد کے طور پر لڑائی جھگڑا کرنا۔

۶۱۔ (بوقت حاجت) بچا: وہ اپنی دوسروں کو نہ دینا۔

۶۲۔ آپ بول میں کمی کرنا۔

۶۳۔ اللہ کی گرفت سے بے خوف: وہ جانا۔

۶۴۔ اولیاء اللہ کو تکلیف دینا۔

۶۵۔ نماز باجماعت کا اہتمام نہ کرنا۔

۶۶۔ بغیر شرعی عذر نماز جمعہ چھوڑ دینا۔

۶۷۔ ایسی وصیت کرنا جس سے کسی وارث کو ضرر پہنچانا مقصود ہو۔

۶۸۔ مکر کرنا اور دھوکہ دینا۔

۶۹۔ مسلمانوں کے پوشیدہ حالات کی نوبہ لگانا اور ان کی پوشیدہ چیزوں پر دلالت کرنا۔

۷۰۔ کسی صحابی کو گالی دینا۔

یہاں تک حافظ ذہبی کی کتاب سے اقتباس ختم ہوا۔ ہم نے ترتیب سے نمبر ڈالے ہیں بعض چیزیں مکرر بھی آگئی ہیں اور بعض مشہور چیزیں ان سے رہ گئی ہیں۔ اور ان کی کتاب کے بعض نسخوں میں بعض چیزیں زائد ہیں (جو ذیل میں درج شدہ فہرست میں آگئی ہیں)۔ صفائے کبار کے بیان میں علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی صاحب بحر الرائق رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک رسالہ ہے جو الاشباہ والنظائر کے آخر میں چھپا ہوا ہے۔ انہوں نے مزید کبیرہ گناہوں کی فہرست دی ہے جو حافظ ذہبی کی فہرست سے زیادہ ہے مثلاً

۱۔ کسی ظالم کا مددگار بننا قدرت ہوتے ہوئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ترک کرنا۔

۲۔ جادو کا سیکھنا اور سکھانا یا اس پر عمل کرنا۔

۳۔ قرآن کو بھول جانا۔

۴۔ کسی حیوان کو زندہ جلانا۔

۵۔ اللہ کی رحمت سے ناامید ہو جانا۔

۶۔ مردار یا خنزیر بغیر اضطرار کے کھانا۔

۷۔ صغیرہ گناہ پر اصرار کرنا۔

۸۔ گناہوں پر مدد کرنا اور ان پر آمادہ کرنا۔

۹۔ گانے کا پیشہ اختیار کرنا۔

۱۰۔ لوگوں کے سامنے ننگا ہونا۔

۱۱۔ ناچنا۔

۱۲۔ دنیا سے محبت کرنا۔

۱۳۔ حاملین قرآن اور علماء کرام کے حق میں بدگوئی کرنا۔

۱۴۔ اپنے امیر کے ساتھ غدر کرنا۔

۱۵۔ کسی کے نسب میں طعن کرنا۔

۱۶۔ گمراہی کی طرف دعوت دینا۔

۱۷۔ اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرنا۔

۸۸۔ اپنے غلام کو خفی کرنا یا اس کے اعضاء میں سے کوئی عضو کاٹ دینا۔

۸۹۔ کسی محسن کی ناشکری کرنا۔

۹۰۔ حرم میں الحاد کرنا۔

۹۱۔ نزد سے کھیلنا، اور ہر وہ کھیل کھیلنا جس کی حرمت پر امت کا اجماع ہے۔

۹۲۔ بھنگ پینا (بیر و ن اسی کے حکم میں ہے)۔

۹۳۔ کسی مسلمان کو کافر کہنا۔

۹۴۔ بیویوں کے درمیان عدل نہ کرنا۔

۹۵۔ مشت زنی کرنا۔

۹۶۔ حالت حیض میں جماع کرنا۔

۹۷۔ مسلمانوں کے ملک میں مزگائی ہو جائے تو خوش ہونا۔

۹۸۔ جانور کے ساتھ بد فعلی کرنا۔

۹۹۔ عالم کا اپنے علم پر عمل نہ کرنا۔

۱۰۰۔ کھانے کو عیب لگانا۔

۱۰۱۔ بے ریش حسین لڑکے کی طرف دیکھنا۔

۱۰۲۔ کسی کے گھر میں بلا اجازت نظر ڈالنا اور بلا اجازت اندر چلے جانا۔

علامہ ابن نجیم کی فہرست متعاقبہ کبار ختم ہوئی۔ ہم نے مکررات کو ختم کر دیا یعنی حافظ ذہبی کے رسالہ میں جو چیزیں آئی تھیں ان کو نہیں لیا اور بعض دیگر چیزیں کو بھی چھوڑ دیا ہے۔

صغیرہ گناہوں کی فہرست اس کے بعد حافظ ابن نجیم نے صغائر کی فہرست دی ہے جو یہ ہے۔

۱۔ جہاں نظر ڈالنا حرام ہو وہاں دیکھنا۔

۲۔ بیوی کے سوا کسی کا شہوت سے بوسہ لینا یا بیوی کے سوا کسی کو شہوت سے چھونا۔

۳۔ لاجبیہ کے ساتھ خلوت میں رہنا۔

۴۔ سونے چاندی کے برتن استعمال کرنا۔

۵۔ کسی مسلمان سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرنا یعنی سلام کلام بند رکھنا۔

۶۔ کسی نمازی کا نماز پڑھتے ہوئے اپنے اختیار سے ہنسنا۔

۷۔ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا۔

۸۔ مصیبت پر نوحہ کرنا اور منہ پٹینا (یا گریبان پھاڑنا اور جاہلیت کی دہائی دینا)۔

۹۔ مرد کو ریشم کا کپڑا پہننا۔

۱۰۔ تکبر کی چال چلنا۔

۱۱۔ فاسق کے ساتھ بیٹھنا۔

۱۲۔ مکروہ وقت میں نماز پڑھنا۔

۱۳۔ مسجد میں نجاست داخل کرنا یا دیوانے کو یا بچے کو مسجد میں لے جانا جس کے جسم یا کپڑے پر نجاست ہونے کا غالب گمان ہو۔

۱۴۔ پیشاب یا خانہ کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنا یا پشت کرنا۔

۱۵۔ تنہائی میں بطور عیبت شرم گاہ کو کھولنا۔

۱۶۔ لگاتار نفلی روزے رکھنا جس میں بیچ میں افطار نہ ہو۔

۱۷۔ جس عورت سے ظہار کیا ہو کفارہ دینے سے پہلے اس سے وطی کرنا۔

۱۸۔ کسی عورت کا بغیر شوہر اور محرم کے سفر کرنا۔

۱۹۔ کسی دوسرے خریدار سے زیادہ قیمت دوانے کے لئے مال کے دام زیادہ لگا دینا جبکہ خود خریداری کا ارادہ نہ ہو۔

۲۰۔ ضرورت کے وقت مہنگائی کی انتظار میں غلہ روکنا۔

۲۱۔ کسی مسلمان بھائی کی بیع پر بیع کرنا یا کسی کی متغنی پر متغنی کرنا۔

۲۲۔ باہر سے مال لانے والوں سے شہر سے باہر ہی سودا کر لینا (تاکہ سارا مال اپنا ہو جائے اور پھر دام چڑھا کر بیچیں)۔

۲۳۔ جو لوگ دیہات سے مال لائیں اُن کا مال اپنے قبضہ میں کر کے مہنگا بیچنا۔

۲۴۔ اذان جمعہ کے وقت بیع و شراء کرنا۔

۲۵۔ مال کا عیب چھپا کر بیچنا۔

۲۶۔ شکار یا موسیقیوں کی حفاظت کی ضرورت کے بغیر کتاپالنا۔

۲۷۔ مسجد میں حاضرین کی گردنوں کو پھاند کر جانا۔

۲۸۔ زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہو جانے کے بعد ادائیگی میں تاخیر کرنا۔

۲۹۔ راستے میں بیع و شراء کسی ضرورت کے لئے کھڑا ہونا جس سے راہ گیروں کو تکلیف ہو یا راستے میں پیشاب یا خانہ کرنا (سائے اور

دھوپ میں جہاں لوگ اٹھتے بیٹھتے ہوں اور پانی کے گھاٹ پر پیشاب کرنا یا خانہ کرنا بھی اسی ممانعت میں داخل ہے)

۳۰۔ بحالت جنابت اذان دینا یا مسجد میں داخل ہونا یا مسجد میں بیٹھنا۔

۳۱۔ نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنا اور کپڑے وغیرہ سے کھیلنا۔

۳۲۔ نماز میں گردن موڑ کر دائیں بائیں دیکھنا۔

۳۳۔ مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا۔ اور وہ کام کرنا جو عبادت نہیں ہیں۔

۳۴۔ روزے دار کو بوس و کنار کرنا۔ اگر اپنے نفس پر اطمینان نہ ہو۔

۳۵۔ گھٹیا مال سے زکوٰۃ ادا کرنا۔

۳۶۔ ذبح کرنے میں اخیر تک (پوری گردن) کاٹ دینا۔

۳۷۔ بالغ عورت کا اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لینا۔

۳۸۔ ایک سے زیادہ طلاق دینا۔

۳۹۔ زمانہ حیض میں طلاق دینا۔

۴۰۔ جس طہر میں جماع کیا ہو اُس میں طلاق دینا۔

۴۱۔ اولاد کو لینے دینے میں کسی ایک کو ترجیح دینا۔ (اے کہ علم یا صلاح کی وجہ سے کسی کو ترجیح دے۔)

۴۲۔ قاضی کو مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان برابری نہ کرنا۔

۴۳۔ سلطان کا یا جس کے مال میں غالب حرام ہو یہ قبول کرنا اور اس کا کھانا کھانا اور اس کی دعوت قبول کرنا۔

۴۴۔ کسی کی زمین میں بغیر اجازت کے چلنا۔

۴۵۔ انسان یا کسی حیوان کا مثلہ کرنا (یعنی ہاتھ پاؤں ناک کان کاٹ دینا)

۴۶۔ نماز پڑھتے ہوئے تصویر پر سجدہ کرنا یا ایسی صورت میں نماز پڑھنا کہ نمازی کے مقابل یا اُس کے برابر تصویر ہو۔

۴۷۔ کافر کو سلام کرنا۔

۴۸۔ بچے کو وہ لباس پہنانا جو بالغ کے لئے جائز نہ ہو۔

۴۹۔ پیٹ بھرنے کے بعد بھی کھاتے رہنا۔

۵۰۔ مسلمان سے بدگمانی کرنا۔

۵۱۔ لبو و لعب کی چیزیں سننا۔

۵۲۔ غیبت سن کر خاموش رہ جانا (غیبت کرنے والے کو منع نہ کرنا اور تردید نہ کرنا)۔

۵۳۔ زبردستی امام بننا (جبکہ مقتدیوں کو اس کی امامت گوارا نہ ہو اور اس کی ذات میں دینی اعتبار سے کوئی قصور ہو)۔

۵۴۔ خطبے کے وقت باتیں کرنا۔

۵۵۔ مسجد کی چیمت پر یا مسجد کے راستے میں نجاست ڈالنا۔

۵۶۔ دل میں یہ نیت رکھتے ہوئے کسی سے کوئی وعدہ کر لینا کہ پورا نہیں کروں گا۔

۵۷۔ مزاح یا مدح میں افراط کرنا۔

۵۸۔ غصہ کرنا (ہاں اگر دینی ضرورت سے ہو تو جائز ہے)

عام طور پر جن چیزوں میں لوگ مبتلا ہیں وہ ہم نے ذکر کر دی ہیں بعض چیزیں جو ابن نجیم کی کتاب میں ہیں وہ ہم نے چھوڑ دی ہیں اور صغائر میں انہوں نے بعض وہ چیزیں ذکر کی ہیں جن کو ذہبی نے کبائر میں شمار کیا ہے اور یوں بھی مذکورہ گناہوں میں بعض کو صغائر میں شمار کرنا محل نظر ہے۔ خاص کر کسی مسلمان سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرنا اور سلام کلام بند رکھنا اس کو صغائر میں شمار کرنا درست ہے اس پر حدیث شریف میں سخت وعید آئی ہے اور یہ ایک اجتہادی امر ہے کہ صغیرہ گناہ کون کون سے ہیں اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق حضرات اکابر نے تعین فرمادی ہے۔

حج یا عمرہ کا احرام میں داخل ہو کر اُسے فاسد کر دینا یا ممنوعات احرام کا قصد اور تکاب کرنا یا نماز شروع کر کے بغیر عذر شرعی توڑ دینا اس کا

ذکر نہ خانہ بہی نے کیا نہ ابن حکیم نے، اگر وہیگر احادیث شریفہ پر نظر ڈالی جائے تو بہت سے اور گناہ بھی سامنے آجائیں گے۔

ہمارا رسالہ گناہوں کی فہرست بھی ملاحظہ کر لیا جائے جس میں گناہ اور گناہوں پر جو عمیدیں ہیں وہ ذکر کر دی گئی ہیں۔

صغیرہ گناہ بھی گناہ ہے۔ اس سے بھی بچنا واجب ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چھوٹے گناہوں سے بھی بچو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا بھی مواخذہ کرنے والے ہیں یعنی فرشتے جو نیکی بدی لکھنے پر مامور ہیں وہ ان کو بھی لکھتے ہیں۔ (مشکوٰۃ الصالح ص ۳۵۸)

فائدہ..... صغیرہ گناہ کا ارتکاب اگر عذاب اور مواخذہ سے ڈرتے ہوئے کر لیا جائے تو صغیرہ ہے۔ اگر لاپرواہی سے کیا جائے اور یہ سمجھ کر کرے کہ اس میں کوئی بات نہیں تو پھر کبیرہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح صغیرہ پر اصرار کرنے یعنی بار بار ارتکاب کرنے سے بھی صغیرہ کبیرہ ہو جاتا ہے اور جس عمل کی جو ممانعت قرآن و حدیث میں وارد ہوئی ہے اُس ممانعت کو کوئی حیثیت نہ دینا یہ کفر ہے۔ خواہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ ۖ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا ۖ

اور تم کسی چیز کی تمنا نہ کرو جس نے ذریعہ اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ مردوں نے جو اعمال کئے ان کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ہے

وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۖ وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ

اور عورتوں نے جو اعمال کئے ان کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ہے، اور اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو، یا اللہ! اللہ ہر چیز

شئیء عَلِيمًا ۝ وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ

کو جانتے والا ہے۔ اور ہر ایک کے لئے ہم نے اُس مال میں وارث مقرر کر دیے ہیں جو والدین اور رشتہ دار چھوڑ جائیں۔ اور جن لوگوں سے تمہارا عابد

آيْمَانُكُمْ فَاتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ۝

ہو، ان کو ان کا حصہ دے وہ ہے شک اللہ کو ہر چیز کی اطلاع ہے۔

امور غیر اختیاریہ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی آرزو مت کرو

معالم التنزیل ص ۳۲۰ ج ۱ میں حضرت مجاہد تابعیؒ سے نقل کیا ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مرد و عباد کرتے ہیں اور ہم عباد نہیں کرتیں اور اُن کا میراث میں بھی دو گنا حصہ ہے اگر ہم مرد ہوئے تو ہم بھی عباد کرتے اور ہم کو بھی میراث میں ان کے برابر حصہ ملتا۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ پھر بعض حضرات سے یوں نقل کیا گیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے میراث کے حصے بیان فرماتے ہوئے اِلٰلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنثٰی فرمایا تو عورتوں نے کہا کہ ہم زیادہ حصہ کی مستحق ہیں کیونکہ ہم ضعیف ہیں اور مرد قوی ہیں اور انہیں روزی حاصل کرنے پر قدرت زیادہ ہے۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ جب اِلٰلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنثٰی نازل ہوئی تو بعض مردوں نے کہا کہ ہم امید رکھتے ہیں کہ نیکوں کے اعتبار سے عورتوں سے بڑھ جائیں اور ہمارا ثواب عورتوں کے ثواب سے دو گنا ہوگا۔ جیسا کہ دنیا میں میراث کے حصہ میں زیادہ دیا گیا ہے۔ اس پر آیت اِلٰلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا نازل ہوئی اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ علیم ہے حکیم ہے

تشریع اور تکوین اس کے سب کام اور سب فیصلے اور احکام حکمت کے مطابق ہیں اس نے جس کو جس حال میں رکھا ہے اور جتنی قوت دی ہے اور جس کام کا اہل بنایا ہے۔ اور جس کام پر لگایا ہے یہ سب حکمت کے موافق ہے اگر کبھی کی ایک جنس ہو جاتی یا سب قوت میں برابر ہوتے تو دنیاوی معیشت و معاشرت میں بہت سارے خدشے پڑ جاتا رہا آخرت کا معاملہ اس کا تعلق اعمال سے اور اخلاص سے ہے۔ جو شخص مرد ہو یا عورت اپنی فطری قوت و توانائی کے اعتبار سے اخلاص کے ساتھ عمل کرے گا۔ اس کا وہ اجر و ثواب پائے گا جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے۔ صرف مرد ہونے کی وجہ سے یا عورت ہونے کی وجہ سے کسی کے ثواب میں اضافہ یا نقصان نہ ہوگا۔ یہ بات کہ اللہ نے جس کو جو فضیلت دی ہے دوسرا اُس کی آرزو نہ کرے اس کا تعلق امور غیر اختیار سے ہے اور جو امور اختیار سے ہیں اس میں محنت و کوشش کر کے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔ البتہ حسد نہ ہو، ریاکاری نہ ہو، اغائب نفس نہ ہو، اپنی تعریف کرنا مقصود نہ ہو، آپس میں نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی ترغیب دیتے ہوئے فَانْتَبِهُوا الْخَيْرَاتِ اور سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فرمایا ہے۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص میں دو خصلتیں ہوں گی اللہ تعالیٰ اُسے شکر صابر لکھ دیں گے۔ (۱) جس نے اپنے دین میں اپنے سے اوپر کو دیکھا اور اس نے اُس کی اقتداء کی۔ (۲) جس نے اپنی دنیا میں اپنے سے نیچے کو دیکھا اور اس نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اللہ نے مجھے اس سے زیادہ دیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو شکر صابر لکھ دیں گے۔ اور جس نے اپنے دین میں اپنے سے نیچے والے کو دیکھا اور دنیا میں اپنے سے اوپر والے کو دیکھا اور اس پر رنج کیا (کہ مجھے تو اس قدر مال نہ ملا) تو اللہ تعالیٰ اُسے شکر صابر نہ لکھیں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۸) آنحضرت سرورہ و عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ ایک شخص کو اللہ نے مال و علم دیا۔ وہ مال کے بارے میں اللہ سے ڈرتا ہے اور صلہ رحمی کرتا ہے اور مال میں جو حقوق ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ادا کرتا ہے تو (مالی اعتبار سے) یہ شخص سب سے افضل ہے اور ایک وہ بندہ ہے جسے اللہ نے علم دیا اور مال نہیں دیا لیکن اُس کی نیت سچی ہے وہ کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی فلاں شخص کی طرح خرچ کرتا تو ان دونوں شخصوں کا اجر برابر ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح از ترمذی ص ۴۵۱)

جن کمالات کے حاصل کرنے میں عملی کوشش کو دخل نہیں۔ ان کی تمنا نہ کرے اور جو کام کر سکتا ہے ان میں سخت کوشش کر کے آگے بڑھے۔

پھر فَرِیْضًا بِاللَّهِ جَبَالًا فَصِیْبًا مِمَّا اُخْتَسِبُوا مردوں کے لئے ان کے عمل کا حصہ ہے جو انہوں نے کمایا وَلِلنِّسَاءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اُخْتَسِبْنَ اور عورتوں کے لئے ان کے عمل کا حصہ ہے جو انہوں نے کمایا، مرد ہو یا عورت ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کا اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے مطابق ثواب ملے گا جیسے مردوں کو ایک نیکی کا کم از کم ہس گناہ ثواب ملے گا ایسے ہی عورتیں بھی اسی قدر ثواب کی مستحق ہوں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ سے فضل کا سوال کرنے کا حکم فرمایا وَسْئَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ لہذا عمل بھی کرتے رہیں اور اُس کے فضل کا سوال بھی کرتے رہیں۔ عمل کی توفیق، شکر کی توفیق، عمل کو قبول فرمانا۔ مزید توفیق و ینایہ سب اللہ کا فضل ہے۔

چونکہ بعض خواتین نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم ضعیف ہونے کی وجہ سے میراث کا وہ گنا حصہ ملنے کے زیادہ مستحق ہیں اس لئے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا: وَلِكُلِّیْ جَعَلْنَا مَوَالِیَہِیْ (الآیۃ) کہ ہم نے اس مال کے وارث مقرر کر دیئے۔ جسے والدین اور رشتہ دار چھوڑ جائیں۔ حصوں کی یہ تقسیم حکمت پر مبنی ہے جس کا جو حصہ مقرر کیا گیا ہے اس کا حصہ دے دو۔ اللہ حکمت والا ہے اور ہر ایک کی مصلحت کو جانتا ہے۔ مَوْلٰی الْمَوَالِیَہِ کی میراث..... آیت کے ختم پر جو فرمایا: وَالَّذِیْنَ عَقَّدْتَ اٰیْمَانُکُمْ فَاتُوْهُمْ نَصِیْبُہُمْ (اور جن لوگوں سے تمہارا معاہدہ ہوا وہ ان کو ان کا حصہ دے دو) اس میں عقد موالیات کا تذکرہ ہے۔ زمانہ جاہلیت میں یہ تھا کہ شخص آپس میں یوں اقرار

کر لیتے تھے کہ ہماری تمہاری آپس میں دوستی ہے جب ہم میں سے کوئی جنایت کرے تو دوسرا اس کی دیت کا قتل ہو اور جب دونوں میں سے کوئی مر جائے تو اس کے مال کا وارث ہوا ان میں سے ہر شخص کو مولیٰ الموالاة کہا جاتا تھا۔ کیا اس کا حکم اسلام میں باقی ہے؟ اس کے بارے میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ اگر ایسا معاقدہ اور معاہدہ دو آدمی آپس میں کر لیں پھر ان میں سے کوئی شخص مر جائے۔ اور مرنے والے کا کوئی بھی وارث اصحاب فرائض میں سے اور عصبات کے رشتہ داروں میں سے اور ذوی الارحام میں سے موجود نہ ہو تو مولیٰ الموالاة کو میراث مل جائے گی اگر وہ شخصوں نے آپس میں کوئی ایسا معاہدہ کیا ہو تو اُسے آپس میں منسوخ بھی کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ان میں سے کسی ایک نے دوسرے کی طرف سے دیت ادا نہ کی ہو اگر ان میں سے کوئی شخص دوسرے کی دیت ادا کر چکا ہے تو اب یہ موالاة منسوخ نہیں ہو سکتی۔

حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ عقد موالاة کی وجہ سے اب ایک کی دوسرے کو میراث نہیں ملے گی۔ بلکہ جس کسی شخص نے کسی سے موالاة کی ہو۔ اگر وہ مر جائے اور اس کا کوئی وارث رشتہ داروں میں سے نہ ہو تو اس کی میراث عامۃ المسلمین کو ملے گی (یعنی اس کا ترکہ بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا)۔ علامہ ابوبکر جصاص فرماتے ہیں کہ آیت بالا سے مولیٰ الموالاة کی میراث ثابت ہو رہی ہے اور کوئی ایسی چیز کتاب و سنت میں نہیں ہے جس سے اس کو منسوخ کیا جاسکے۔ اور آیت کریمہ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بِغَضَبِهِمْ أُولَىٰ بِبَعْضٍ فِیْ كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُحَاجِرِیْنَ سے امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے کیونکہ اس میں ذوی الارحام کو مولیٰ الموالاة سے اولیٰ بتایا ہے (امام ابوحنیفہؒ کا یہی مذہب ہے) پس اگر ذوی الارحام میں سے کوئی موجود نہ ہو تو بتقاضائے آیت کریمہ مولیٰ الموالاة کو میراث ملنی چاہیے۔ (احکام القرآن ص ۱۸۶ ج ۲)

علامہ نسفی مدارک التنزیل میں فرماتے ہیں والمراد به عقد الموالاة وهي مشروعة والوراثۃ بها ثابتة عند عامة الصحابة رضی اللہ عنہم وهو قولنا۔ آخر میں فرمایا ان الله یسكن علی كل شیء شیئاً (بإشادہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر مطلع ہے کوئی شخص اپنے کسی عمل کو اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں رکھ سکتا)۔

الرِّجَالُ قَوُّمُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ

مرد عورتوں پر عام ہیں۔ اس سبب سے کہ اللہ نے ان میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مالوں میں سے خرچ کیا

فَالصِّلَاحُ فَبِنْتُ حَفِظَتْ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ وَالَّتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ

سو جو عورتیں نیک ہیں وہ اطاعت کرنے والی ہیں، مروت کی عدم موجودگی میں یہ حفاظت الہی تمہاری کرنے والی ہیں، اور جن عورتوں کی بدخوئی کا تمہیں ڈر ہو ان کو نصیحت

وَاهْجُرُوهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلاً

کر دو اور انہیں لیٹنے کی جگہوں میں تنہا چھوڑ دو، اور ان کو مارو، سو اگر وہ تمہاری فرمانبرداری کریں تو ان پر زیادتی کرنے کے لئے بہانہ نہ ڈھونڈو

اللَّهُ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا

بے شک اللہ تعالیٰ رفعت والا ہے بڑا ہے۔

زن اور شوہر کے بارے میں چند ہدایات

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کا شان نزول بیان کیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طمانچہ مار دیا تھا۔ وہ عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فریاد لے کر حاضر ہوئی۔ اس کے گھروالے بھی ساتھ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قصاص (بدلہ) ہوگا۔ اس پر یہ آیت السَّوَجَّالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ نازل ہوئی۔ آیت کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے ایک بات کا ارادہ کیا (یعنی بدلہ دلانے کا) اور اللہ تعالیٰ نے دوسری بات کا ارادہ فرمایا۔ (اسباب النزول للاحادی ص ۱۴۵)

مرد عورتوں پر حاکم ہیں..... آیت بالا میں ازل تو یہ فرمایا کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں اور ساتھ اس کے دو سبب بیان فرمائے اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی (جس میں یہ بھی ہے کہ عموماً مردوں کی سمجھ زیادہ ہوتی ہے اور ان کے فکر میں بہت کچھ نشیب و فراز آتا رہتا ہے وہ پیش آنے والے حالات کے پھیلاؤ اور گہراؤ کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ عورت ناقص العقل ہوتی ہے ان کی نارسافہم وہاں تک نہیں پہنچتی جہاں تک مردوں کی رسائی ہوتی ہے) لہذا جن گھریلو معاملات میں اختلاف ہو جائے اور کوئی بھی قضیہ کھڑا ہو جائے اس میں مردوں کی رائے معتبر ہوگی اور مرد جو کہیں گے اس کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔ عورتیں محکوم ہیں وہ مردوں کی فرمانبرداری کریں۔ دوسرا سبب مردوں کے حاکم ہونے کا یہ بیان فرمایا کہ مرد عورتوں پر اپنے مال خرچ کرتے ہیں عورت کا نان و نفقہ، روٹی کپڑا مرد کے ذمہ ہے وہ چونکہ خرچ کرتا ہے اس لئے عورتوں کو پابند رہنا چاہیئے۔ یہی عقل سلیم کا تقاضا ہے۔ عورت خرچہ تو لے کر رہے اور کرے اپنی من مانی یہ کسی بھی طرح درست نہیں ہے۔ بہت سی عورتیں جن کے مزاج میں نیکی ہوتی ہے وہ شوہر کی فرمانبرداری کرتی ہیں۔ وہ سمجھتی ہیں کہ اللہ کا حکم ہے کہ شوہر کی فرمانبرداری کریں اور عقل کا بھی یہی تقاضا ہے کہ شوہر کی فرمانبرداری کرتے ہوئے زندگی گذاریں۔

صالحات کی تعریف..... ایسی عورتوں کے بارے میں فرمایا الصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ کہ نیک عورتیں فرمانبرداری کرنے والی ہوتی ہیں۔ اللہ کی فرمانبرداری کرتی ہیں اور شوہروں کی فرمانبرداری بھی کرتی ہیں اور مرد گھر پر موجود نہ ہوتے بھی اپنی آبرو اور شوہر کے مال کی حفاظت کرتی ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس حفاظت اور نگہداشت کی توفیق دی ہے اور انہیں برائیوں سے بچایا ہے۔ (تال صاحب الروح ص ۲۴ ج ۵)

قَالِ الصَّالِحَاتُ مِنْهُنَّ مُطِيعَاتٌ لِلّٰهِ تَعَالٰی وَلَا ذَوَّاجِهِنَّ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ اَنّٰی يَحْفَظُنَّ اَنْفُسَهُنَّ وَفُرُوجَهُنَّ فِیْ خَالِ غِیْبَةٍ اَزْوَاجِهِنَّ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ اَنّٰی بِمَا حَفِظَهُنَّ اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْ مَهْوَرِهِنَّ وَالزَّوَامِ اَزْوَاجِهِنَّ النِّفَقَةَ . قَالَ الزَّجَّاجُ وَقِيلَ بِحَفِظَ اللّٰهُ تَعَالٰی لِهِنَّ وَعَصَمْنَهُنَّ اِيَّاهُنَّ ، وَلَوْلَا اِنَّ اللّٰهُ تَعَالٰی حَفِظَهُنَّ وَعَصَمَهُنَّ لَمَا حَفِظْنَ اَنْفُسَهُنَّ بِحَذْفٍ . (نیک و کار عورتیں یعنی جو اللہ تعالیٰ کی اور شوہر کی فرمانبرداری اور حفاظت للغیب یعنی شوہروں کی غیر موجودگی میں اپنی جانوں اور شرمگاہوں کی حفاظت کرتی ہیں۔ بما حفظ اللہ یعنی جیسا کہ اللہ نے شوہروں کے ذمہ ان کے نفقات اور مہر لازم کر کے ان کی حفاظت کی ہے۔ یہ زجاج کا قول ہے۔ اور ایک قول میں ہے جیسے کہ اللہ نے ان کی آبرو کی حفاظت کی۔ اگر اللہ ان کی حفاظت نہ کرتا تو وہ خود اپنی آبرو کی حفاظت نہ کر پاتیں)

حفاظات للغیب کے عموم میں سب چیزیں داخل ہیں۔ مرد کے مال کی حفاظت کرنا اس کی اولاد کی حفاظت کرنا۔ اور اپنی جان میں خیانت نہ کرنا یعنی دوسرے غیر مردوں کو گھر میں نہ آنے دینا۔ غیر مردوں سے تعلقات پیدا نہ کرنا۔ یہ سب اس کے عموم میں داخل ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ عورتوں میں کون سی عورت بہتر ہے؟ فرمایا

وہ عورت بہتر ہے کہ شوہر اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کرے اور حکم دے تو اس کی اطاعت کرے اور اپنی جان و مال کے بارے میں شوہر کی مخالفت نہ کرے (یعنی ایسے کام نہ کرے جو شوہر کو ناگوار ہوں) (رواہ النسائی کافی المستطاب: ص ۲۸۳)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کو چار چیزیں مل گئیں اس کو دنیا و آخرت کی خیر مل گئی۔ (۱) شکر گزار دل، (۲) ذکر کرنے والی زبان، (۳) مصیبت پر صبر کرنے والا بدن، (۴) ایسی بیوی جو اپنی جان میں اور شوہر کے مال میں خیانت نہیں کرتی۔ (رواہ الترمذی فی شعب الایمان کافی المستطاب: ص ۲۸۳)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو عورتیں اونٹوں پر سوار ہیں (غرب عورتیں) ان میں سب سے بہتر قریش کی نیک عورتیں ہیں جو بچوں پر ان کی چھوٹی عمر میں بہت زیادہ شفقت کرنے والی ہوتی ہیں اور شوہر کے مال کی خوب زیادہ حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں۔ (رواہ البخاری ص ۶۰ ج ۲)

معلوم ہوا کہ مؤمن عورت کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ بچوں کی ہر طرح سے حفاظت کرے، اور شوہر کے مال کی بھی حفاظت کرے اس کے مال کو بے جا خرچ نہ کرے۔ اس کی مرضی کے خلاف خرچ نہ کرے۔ اور اپنی عفت و عصمت محفوظ رکھے۔ شوہر ہر وقت گھر میں نہیں رہتا۔ وہ بیوی کی اور اپنے بچوں کی ہر وقت دیکھ بھال نہیں کر سکتا۔ وہ کسب معاش اور دیگر ضروریات کے لئے گھر سے باہر چلا جاتا ہے۔ اب عورت ہی کی ذمہ داری ہے کہ اپنی آبرو اور شوہر کی آبرو اور اپنے شوہر کے مال اور اپنی اولاد اور اپنے شوہر کی اولاد کی نگہداشت کرے۔ بچوں کی حفاظت اور نگہداشت میں یہ بھی شامل ہے کہ ان کی اچھی تربیت کرے دیندار اور خوش اخلاق بنائے اگر وہ عظیم بے دین بد اخلاق ہو گئے تو اس میں ان کی سرپا پر باوقی اور بلاکت ہے۔

نافرمان عورتوں کے بارے میں ہدایات اس کے بعد ان عورتوں کے بارے میں ہدایات دیں جن کے مزاج میں نافرمانی ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا۔ وَالْبَنَىٰ خَافُونَ نُسُوزَهُنَّ فِعْظُهُنَّ وَاهْجُوزَهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ کہ جن عورتوں کی نافرمانی کا خوف ہو (یعنی احتمال قوی ہو) ان کو ناسخاۃ طور پر سمجھاؤ تاکہ وہ نافرمانی سے باز رہیں اگر وہ نہ مانیں نافرمانی پر ہی اتر آئیں تو ان کے بستر میں لیٹنا چھوڑ دو جو ایک سمجھ دار و فادار دیندار عورت کے لئے اچھی خاصی سزا ہے۔ اگر یہ طریق کار کامیاب نہ ہو تو پھر مار پیٹ اختیار کر سکتے ہو۔ حِجَةُ الْاَوْدَاعِ کے موقع پر عرفات میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اس میں یہ بھی تھا فَاتَّقُوا اللَّهَ فِي النَّبَسَاءِ فَبِأَنِّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانٍ اللَّهُ اسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةٍ اللَّهُ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يُولِجْنَ فُرُوجَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُنَّ فَإِنْ فَعَلْنَ ذَلِكَ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبْرَحٍ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ۔

(کہ عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ کیونکہ تم نے ان کو ایسے عبد کے ذریعہ لیا ہے جو تمہارے اور اللہ کے درمیان ہے اور تم نے ان کی شرم گاہوں کو اللہ کی شریعت کے مطابق حلال کیا ان پر تمہارا یہ حق ہے کہ تمہارے بستر میں پر کسی کو نہ آنے دیں۔ جسے تم (غیرت ایمانی کی وجہ سے) ناگوار سمجھتے ہو۔ اگر وہ ایسا کریں تو تم ان کو ایسا مارنا مارو کہ جس سے ہڈی پھیل نہ لٹوئے، اور تم پر ان کی خوراک اور پوشاک واجب ہے جسے اچھے طریقہ پر ادا کر دو)۔ (رواہ مسلم ص ۳۹ ج ۱)

معلوم ہوا کہ جن عورتوں میں مارنے کی اجازت ہے اس میں یہ بھی شرط ہے کہ سخت مارنا مارے جس سے ہڈی پھیل نہ لٹ جائے یا اس طرح کی کوئی اور تکلیف پہنچ جائے۔ صاحب روح المعانی ص ۲۵ ج ۵ لکھتے ہیں کہ اول نصیحت کرنا پھر ساتھ لیٹنا چھوڑ دینا، پھر مارنا ترتیب کے ساتھ ہے قَالَ وَالَّذِي بَدَلَ عَلَيْهِ السِّيَاقُ وَالْقَرِينَةُ الْعَقْلِيَّةُ إِنَّ هَذِهِ الْأُمُورَ الثَّلَاثَةَ مَرْتَبَةً فَإِذَا خِيفَ نُسُوزُ الْمَرْأَةِ

تَنْصَحُ ثُمَّ تَهْجُرُ ثُمَّ تَضْرِبُ إِذَا لَوْ عَكْسُ اسْتَغْنَى بِالْأَشَدِّ عَنِ الْإِضْعَافِ اِهـ۔ (فرمایا سیاق اور نقلی قرینہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ تینوں کا حکم ترتیب کے ساتھ ہے پس جب بیوی کی نافرمانی کا خدشہ ہو تو پہلے اسے نصیحت کرے پھر بستر الگ کرے پھر مارے اگر اس ترتیب کے الٹ کیا تو زیادہ سخت عمل کرنے کی وجہ سے اس سے کمزور کی ضرورت نہیں رہے گی)

پھر فرمایا فَاِنْ اَطَعْتَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا یعنی اگر عورتیں تمہاری فرمانبرداری کریں تو انہیں تکلیف دینے کا راستہ تلاش نہ کرو ان پر کوئی زیادتی نہ کرو۔ ظلم سے پیش نہ آؤ زبانی ڈانٹ ڈپٹ سے بھی پرہیز کرو اور عملی طور پر کوئی تکلیف نہ دو۔

قال صاحب الروح فلا تظلموا سبيلا و طرئفا الى العديني عليهن او تظلموهن بطريق من الطريق بالنوبخ اللساني والاذى الفغلي وغيره۔ اس میں ان لوگوں کو نصیحت ہے جو بیویوں کو خواہ مخواہ ساس نہ کے ا کسانے پر جھوٹی شکایتوں پر یا ان کاموں کے نہ کرنے پر سزا دیتے ہیں جو شرعاً ان کے ذمہ نہیں ہیں جو لوگ ضعیفوں پر ظلم کرتے ہیں انہیں یہ بھی سامنے رکھنا چاہیے کہ روز محشر میں پیشی ہوگی اور ضعیف کو قوی سے بدلہ دلایا جائے گا۔ آیت کے ختم پر جو ان اللہ سبحانہ علیہا کتبنا فرمایا اس میں اس بات کو واضح طور پر بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ برتر ہے بڑا ہے اس کو سب پر قدرت ہے تمہیں جو اپنے ماتحتوں پر قدرت ہے اللہ تعالیٰ کو تم پر اس سے زیادہ قدرت ہے قال صاحب الروح فاحذروا فان قدوته سبحانه عليكم اعظم من قدوتكم على من تحت ايديكم۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں پس تم ڈرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تم پر جو قدرت ہے وہ اپنے ماتحتوں پر تمہاری قدرت سے کہیں زیادہ ہے)

عورتوں کو مارنے کے بارے میں تنبیہ..... یہ جوار شاد فرمایا کہ ان کو نصیحت کرو اور ان کے بستروں میں ساتھ لیٹنا چھوڑ دو اس سے معلوم ہوا کہ ناراضگی میں گھر چھوڑ کر نہ نکل جائیں خود بھی گھر میں رہیں بیوی بھی گھر میں رہے اور نافرمانی کی سزا کے طور پر ساتھ لیٹنا چھوڑ دیں۔ اگر گھر چھوڑ کر چلے گئے تو اس میں اور بہت سے خطرات ہیں۔ حضرت معاویہ قشیری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! بیوی کا ہم پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا حق یہ ہے کہ جب تو کھائے تو اسے بھی کھلا اور جب تو پیئے اسے بھی پہنا۔ اور چہرہ پر نہ مار۔ اور بُرے الفاظ زبان سے نہ نکال اور اس سے تعلق مت چھوڑ مگر گھر میں رہتے ہوئے۔ (ابوداؤد ص ۲۹۱ ج ۱)

جیتہ الاداء کی حدیث کا مکمل اجراء و نقل کیا ہے اس میں ارشاد ہے کہ سخت مار نہ مارو اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مارنا ہو تو چہرہ پر نہ مارو، بیوی کو مارنا درجہ مجبوری میں ہے جب کسی بھی طرح کام نہ چلے تو بقدر ضرورت اس کو اختیار کیا جاسکتا ہے، حضرت ایاس بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی بندویں کو نہ مارو (چند دن کے بعد) حضرت عمرؓ حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! عورتیں تو دلیر ہو گئیں (یعنی جب انہیں پتہ چل گیا کہ مارنے کی ممانعت ہے تو سر چڑھ گئیں) اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مارنے کی اجازت دے دی۔ اب تو عورتیں آنحضرتؐ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں پہنچیں اور شوہروں کے مارنے کی شکایتیں کرنے لگیں۔ لہذا آپؐ نے فرمایا کہ محمدؐ کے گھر والوں کے پاس بہت سی عورتیں آئی ہیں جو اپنے شوہروں کی شکایتیں کر رہی تھیں۔ یہ لوگ تم میں اچھے لوگ نہیں ہیں۔ (رواہ ابوداؤد ص ۲۹۲ ج ۱)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں ص ۲۵ ج ۵ کہ عورتوں کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف کو برداشت کریں اور صبر سے کام لینا مارنے سے افضل ہے۔ ہاں اگر کوئی بہت سی مجبوری پیش آ جائے تو مار پیٹ سے کام چلاؤ۔ اور مارنے میں اعتدال ملحوظ رہے۔ سخت مار نہ دی جائے جیسا کہ اوپر گذرا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی بیویوں کو ایسے نہ مارو جیسے غلام کی پٹائی کی جاتی ہے کیونکہ اس کے بعد دن کے آخر حصہ میں اس سے جماع کرنے لگو گے۔ (رواہ البخاری ص ۸۴ ج ۲)

مطلب یہ ہے کہ مرد کو عورت کی حاجت ہے اس سے مطلب نکلتا ہے ابھی تو مار بجائی پھر چند گھنٹے بعد ساتھ لیٹنے لگیں گے۔ اس وقت شریف الطبع آدمی کو لحاظ آنے کا ابھی تو اُس کو مارا تھا اور اب اسے مجبور بن کر ساتھ لٹا لیا۔ ایسا کام کیوں کرتے جس سے خفت ہو۔ اپنے نفس کو بھی خفت محسوس ہوگی اور عورت کے دل میں عزت کم ہوگی وہ کہے گی کہ یہ کیسا مرد مولا ہے۔ ذرا سے میں کچھ بے ادب اور میں کچھ صاحب روح العالی ص ۲۵ ج ۵ پر لکھتے ہیں کہ مرد چار باتوں پر عورت کو مار سکتا ہے۔

۱۔ بناؤ سنگھار چھوڑنے پر جبکہ شوہر اُس کو چاہتا ہو۔

۲۔ شوہر کے پاس آنے سے انکار کرنے پر جبکہ وہ اپنے بستر پر بلائے۔

۳۔ فرض نماز اور فرض غسل چھوڑنے پر۔

۴۔ گھر سے نکلنے پر جبکہ نکلنے کے لئے کوئی شرعی مجبوری نہ ہو۔

ان چار چیزوں جیسی کوئی اور بات نہ ہو تو اس پر بھی سزا دی جاسکتی ہے۔

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ

اور اگر تم کو شوہر اور بیوی کے آپس کے اختلاف کا ذریعہ تو بھیج دو ایک آدمی فیصلہ کرنے والا مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی فیصلہ کرنے والا عورت کے

أَهْلِهَا ۚ إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا ﴿٥﴾

خاندان میں سے، اگر دونوں اصلاح چاہتے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کے درمیان موافقت پیدا فرمادے گا، بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا خبر رکھنے والا ہے۔

میاں بیوی کے درمیان مخالفت ہو جائے تو دو آدمی موافقت کرانے کے لئے بھیجے جائیں

جب دو آدمی ساتھ رہتے ہیں تو کبھی کبھی کوئی ناگواری کی بات پیش آتی جاتی ہے اور میاں بیوی کا تو روزانہ رات دن کا ساتھ ہے اس میں ناگواری پیش آ جانا کوئی بعید بات نہیں۔ سمجھ دار میاں بیوی تو بات کو آئی گئی کر دیتے ہیں گویا کہ کچھ تھا ہی نہیں، لیکن کبھی بات بڑھ جاتی ہے اور زیادہ ناچاتی ہو جاتی ہے اس لئے اللہ جل شانہ نے صلح کرانے کے بارے میں ایک طریق کار تجویز فرمایا ہے اور وہ یہ کہ جب میاں بیوی کے درمیان آپس میں اختلاف ہو جائے (ان خفتم بمعنی علمتم علی ما قال بعض المفسرین) تو ایک آدمی مرد کے گھر والوں میں سے اور ایک آدمی عورت کے گھر والوں میں سے بھیج دیں جو حکم (فیصلہ کرنے والے) ہوں گے۔ یہ دونوں طرف کی شکایتیں سنیں اور مصالحت کی کوشش کریں۔ جوڑ بٹھائیں جس کی بھی زیادتی ہو اُس کو سمجھائیں اگر ان دونوں فیصلہ کرنے والوں میں نیک جذبات: دل گے اور اخلاص کے ساتھ کام کریں گے۔ تو اللہ تعالیٰ ان دونوں میں موافقت پیدا فرمادے گا، ان شاء اللہ۔ میاں بیوی کو بھی ایک دوسرے پر زیادتی کرنا اور ایک دوسرے کے بارے میں غلط بیان دینا جائز نہیں۔ اور جو لوگ فیصلہ کرنے کے لئے گئے ہیں ان کو بھی اختلاف بڑھانے کی باتیں کرنا اور مخالفت کی خلیج وسیع کرنا جائز نہیں۔ جو کوئی شخص غلط عمل کرے گا غلط بات کہے گا اس کا مواخذہ ہوگا۔ اس پر تنبیہ فرماتے ہوئے آیت کے اخیر میں فرمایا کہ إِنَّ اللَّهَ شَهِيدٌ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا خبر رکھنے والا ہے) اللہ تعالیٰ کو سب کے ظاہر اور باطن کا علم ہے، جو شخص ظلم اور زیادتی کرے گا مستحق سزا ہوگا۔

میاں بیوی میں جو جھگڑے ہوتے ہیں اور طول پکڑ جاتے ہیں جس میں بعض مرتبہ جدائی کی نوبت آ جاتی ہے اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ دونوں ایک دوسرے پر زیادتی کرتے چلے جاتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کی ہمدردی کے جذبات ختم کر دیتے ہیں۔ پھر اُپر

تے اس اور۔ پر دونوں فریق کے خاندانوں کا قتل آپ کا کام دیتا ہے۔ دونوں خاندان مسیح جوئی اور آپس میں مخالفت کی فضا بنانے کی بجائے مزید مخالفت و شبہ دیتے ہیں، جوڑ بھانے کے لئے حکم بھانے کی بجائے آپس میں اتنا بعد پیدا کر دیتے ہیں کہ مل بیٹھنے اور صلح صفائی کا موقع ہی نہیں رہتا۔ اللہ جل شانہ نے جو طریقہ اصلاح کا بیان فرمایا اس کی خلاف ورزی کے باعث میاں بیوی میں افتراق ہو جاتا ہے اور دونوں خاندانوں میں بغض و عناد اور دشمنی جگہ پکڑ لیتی ہے۔ بغض و عناد اور دشمنی کی فضا بنانا اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے اور یہ دنیا دہ آخرت میں گرفت کا باعث ہے۔

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ۚ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ

اللہ کی عبادت کرو۔ اور اس سے شائق کسی بھی چیز کو شریک نہ کرو۔ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اور قرابت داروں اور یتیموں

وَالْمَسْكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنُبِ وَ

اور مسکینوں و پان والے پادری اور دور والے پادری اور یتیم۔ اور حق۔ اور مسافر کے ساتھ۔ اور ان لوگوں کے ساتھ

ابْنِ السَّبِيلِ ۚ وَبِمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَلًا فُخُورًا ۝

جو مانع ہو۔ پر تمہارے۔ قید میں ہیں ایسا ہو کہ۔ ب شک اللہ تعالیٰ سے چند نہیں فرمایا جو اپنے آپ کو بڑا سمجھے غی کی باتیں کرے۔

الَّذِينَ يَبْخُلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ

جو لوگ کچھ ہی کرتے ہیں اور انہیں کہتے ہیں کہ کچھ ہی ہے۔ اور جو کچھ ہے۔ انہیں اپنے فضل سے آویز ہے۔

فَضْلِهِ ۚ وَاعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۝ وَالَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ

سے بچھتے ہیں اور ہم نے کافروں کے لئے دہلیز کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔ اور جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو انہیں کو دیکھنے

رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا

کے لئے اور اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ آخرت کے دن پر اور شیطان جس کا ساتھی ہو وہ نہایت برا ساتھی ہے۔

فَسَاءَ قَرِينًا ۚ وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَانْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ

اور کیا نقصان ہے ان کو اگر وہ ایمان الہی پر اور آخرت کے دن پر اور خرچ کریں اس میں سے جو اللہ

اللَّهُ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا ۝ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَإِنْ تَكَ حَسَنَةً

نے انہیں دیا ہے۔ اور اللہ ان کو خوب جانتا ہے۔ ب شک اللہ ظلم نہیں فرمائے گا۔ ذرہ برابر بھی اور اگر نیکی ہو گی تو اس کو

يُضْعِفُهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

چند ور چھو کر دے گا اور اپنے پاس سے بڑا ثواب عطا فرمائے گا۔

والدین، اقرباء، پڑوسی، یتامی، مساکین اور مسافروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم

ان آیات میں اول تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا۔ و حقیقت اللہ تعالیٰ نے انسان کو عبادت ہی کے لئے پیدا فرمایا ہے اس لئے بار بار قرآن میں اس کی یاد دہانی فرمائی ہے۔ سب سے بڑی عبادت تو حید ہے اور شرک سے تو حید ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے بار بار شرک سے بیزار ہونے کا بھی حکم فرمایا۔ عبادت اللہ کا حق بحق و قائمہ کر فرمانے کے بعد حقوق العباد کا تذکرہ فرمایا جن میں سب سے پہلے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا چونکہ ماں باپ اس دنیا میں اولاد کے وجود میں آنے کا سبب ہیں اس لئے ان کا حق بہت بڑا ہے۔ حق اللہ بیان فرمانے کے ساتھ ہی حکم فرمایا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ لفظ حسن سلوک میں سب باتیں آ جاتی ہیں۔ جس کو سورۃ بقرہ میں اور یہاں سورۃ نساء میں اور سورۃ انعام میں اور سورۃ اسراء میں و بسالوا الذین احسانا سے تعبیر فرمایا ہے۔ ماں باپ کی فرمانبرداری و راحت رسانی اور ہر طرح کی خدمت ان لفظوں کے عموم میں آ جاتی ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی فرمانبرداری جائز نہیں۔ مزید تشریح سورۃ بقرہ کے دسویں رکوع کے ذیل میں گزر چکی ہے۔ و بسبذی القربی فرما کر دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم فرمایا، ان کے ساتھ اچھی طرح پیش آنے اور انہیں لینے دینے کو صلہ رحمی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ صلہ رحمی کی دین اسلام میں بہت بڑی فضیلت ہے۔ اور اس کے برخلاف قطع رحمی کی بہت زیادہ مذمت آئی ہے۔ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کا کچھ بیان اور اس کی تفصیلات سورۃ بقرہ (۲۲ع) کے ذیل میں گزر چکی ہیں، نیز یتامی اور مساکین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے بارے میں بھی وہیں لکھا جا چکا ہے۔ اس کو دیکھ لیا جائے (انوار الایمان ص ۲۳۸ ج ۱) قطع رحمی کے بارے میں اسی سورۃ نساء کے پہلے رکوع کی تفسیر دہ بار دیکھ لیں۔

پھر و الجار ذی القربی اور و الجار الجنب اور الصاحب بالجنب اور ابن السبیل کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم فرمایا ہے و الجار ذی القربی کا ترجمہ پاس والا پڑوسی اور الجار الجنب کا ترجمہ دور دور والا پڑوسی کیا گیا ہے اور الصاحب بالجنب سے مفسرین نے ہم مجلس مراد لیا ہے۔

یوں تو تمام مسلمانوں بلکہ سارے انسانوں کے ساتھ خوش اخلاقی والی زندگی گزارنا اور ہر ایک کے حقوق پہچاننا اور ان کا ادا کرنا ضروری ہے۔ لیکن عام طور پر چونکہ والدین اور عزیز قریب اور پڑوسی سے اور ہم مجلس سے واسطہ زیادہ پڑتا ہے اس لئے ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان کے حقوق کی نگہداشت کرنے کی خصوصیت سے نصیحت فرمائی۔

پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کا حکم..... حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبریل علیہ السلام مجھے برابر پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے یہ خیال ہو گیا کہ وہ پڑوسی کو وارث ہی بنا دیں گے۔ (رواہ البخاری ص ۸۸۹) حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پڑوسیوں میں اللہ کے نزدیک سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے پڑوسیوں کے ساتھ تعلقات میں اور حسن سلوک میں سب سے بہتر ہو۔ (رواہ الترمذی)

ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ میں نے اچھا عمل کیا یا بُرا عمل کیا آپؐ نے فرمایا کہ جب تو اپنے پڑوسیوں سے سنے کہ تیرے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ تو نے اچھا کیا تو سمجھ لے کہ واقعی تو نے اچھا کیا اور جب تو اپنے پڑوسیوں سے سنے کہ وہ تیرے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ تو نے بُرا کیا تو سمجھ لے کہ تو نے بُرا کیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۳)

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسیوں کو

تکلیف نہ دے اور جو شخص اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔ (رداء البخاری ص ۸۸۹ ج ۲)
 ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی قسم وہ مؤمن نہیں، اللہ کی قسم وہ مؤمن نہیں، اللہ کی قسم وہ مؤمن نہیں۔
 غرض کیا گیا، کون یا رسول اللہ؟ فرمایا جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے بے فکر نہیں۔ (رداء البخاری ص ۸۸۹ ج ۲)
 اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے بے خوف نہ ہو۔
 (رداء مسلم ص ۵۰ ج ۱) بہت سے لوگوں کو فتنیں پڑھنے اور ذکر و تسبیح میں مشغول رہنے کا تو خیال ہوتا ہے لیکن پڑوسیوں کو ان سے تکلیف پہنچتی رہتی ہے حالانکہ حقوق العباد کا خیال رکھنا نفل عبادت سے زیادہ ضروری ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ! فلاں عورت کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ نمازیں بہت پڑھتی ہے روزے بہت رکھتی ہے اور صدقہ بہت دیتی ہے لیکن وہ پڑوسیوں کو اپنی زبان سے ایذا بھی پہنچاتی ہے آپ نے فرمایا کہ وہ دو روز میں ہے۔ اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! فلاں عورت کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ فظی روزے کم رکھتی ہے اور صدقہ بھی کم دیتی ہے اور نفل نماز بھی کم پڑھتی ہے اور پیر کے کچھ ٹکڑوں کا صدقہ دیتی ہے اور اپنی زبان سے پڑوسیوں کو تکلیف نہیں دیتی آپ نے فرمایا کہ وہ جنت میں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۲۰)

حضرت ابن عباسؓ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ وہ شخص مؤمن نہیں جو پیٹ بھر لے اور اس کا پڑوسی اس کی بغل میں بھوکا رہ جائے۔ (رداء التہذیب فی شبہ الامان کما فی المشکوٰۃ ص ۳۲۲) تمام ہی پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا دھیان رکھا جائے۔ اگر کچھ لینا دینا ہو (اور زیادہ نہ ہو) تو اُس میں قریب ترین پڑوسی کا خیال رکھے۔ حضرت ابو ذرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تو شور بارپاکے تو اُس کا پانی زیادہ کر دینا اور اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھنا۔ (رداء مسلم ص ۳۲۹) حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے وہ پڑوسی ہیں، میں اُن میں سے کس کو بدیدہوں؟ آپ نے فرمایا ان دونوں میں سے جس کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہو اس کو دے دو۔ (صحیح بخاری ص ۸۹۰ ج ۲)

التَّجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ کا ایک مطلب تو وہی ہے جو اوپر بیان ہوا یعنی نزدیک والا پڑوسی اور دوسرا مطلب وہ ہے جو حضرت ابن عباسؓ نے بیان فرمایا کہ پڑوسی بھی ہو اور رشتہ دار بھی اس طرح سے اس کے دو حق ہو جائیں گے۔ ایک پڑوسی ہونے کا اور دوسرا قرابت دار ہونے کا اور التَّجَارِ الْجُنُبِ سے صرف وہ پڑوسی مراد ہوگا، جو رشتہ دار نہ ہو۔

الصَّاحِبِ بِالْجُنُبِ کا ترجمہ تو وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا یعنی پیلاؤ کا ساتھی اور مفسرین نے اس سے تہنشین یعنی مجلس میں ساتھ بیٹھنے والا مراد لیا ہے، پاس بیٹھنے والوں کے بھی حقوق ہیں، ان کو تکلیف نہ پہنچانے۔ اپنی ایسی حالت نہ رکھے جس سے انہیں تکلیف ہو اور مجلس کی بات کو امانت سمجھے دوسری جگہ نہ پہنچائے۔ چغل خوری نہ کرے۔ ادھر کی ادھر نہ لگائے اور عموم لفظ کی وجہ سے بعض مفسرین نے سفر کے ساتھی کو بھی اس میں شامل کیا ہے۔

لہذا ہر رفیق سفر رشتہ دار، غیر رشتہ دار سب کے ساتھ حسن سلوک کرے، نقول سے تکلیف دے اور نہ عمل سے۔ اور نہ کسی اور طرح سے، جگہ تنگ ہو تو فراخ کرنے کی کوشش کرے تاکہ اپنا اور سب کا سفر اچھی طرح سے گزرے، جو لوگ کسی جگہ ایک ساتھ کام کرتے ہیں وہ بھی الصَّاحِبِ بِالْجُنُبِ کے عموم میں شامل ہیں۔ (سن روح العانی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے خیر الصَّاحِبِ عِنْدَ اللَّهِ خَيْرُهُمْ لِمَصَاحِبِهِ یعنی ساتھیوں میں سب سے بہتر اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اپنے ساتھی کے لئے بہتر ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۲۳)

حضرت سمیل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سفر میں جماعت کا سردار وہی ہے جو ان کا خدمت گزار ہو جو شخص اپنے ساتھیوں سے خدمت میں بڑھ گیا۔ وہ شبید ہونے کے علاوہ کسی عمل کے ذریعہ اس سے آگے نہ بڑھیں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۴۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے الصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ (پہلو کا ساتھی) کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا هو المراقۃ تكون معه الى جنبہ یعنی اس سے بیوی مراد ہے جو پہلو میں ساتھ رہتی ہے۔ (ذکر فی معالم التنزیل) یہ تفسیر بھی الفاظ قرآنیہ سے قریب ہے بلکہ قریب تر ہے۔

وَابْنِ السَّبِيلِ یعنی مسافر۔ صاحب معالم التنزیل ص ۴۳۵ ج ۱ لکھتے ہیں کہ اکثر حضرات نے اس کو مہمان پر محمول کیا ہے۔ درحقیقت مسافر کے عوم میں مہمان بھی آجاتا ہے۔ مسافر مہمان ہو یا غیر مہمان اس کی دل داری کی مدد اور اعانت ضروری ہوتی ہے۔ پردیس میں وہ ذرا ذرا سی پٹنمی بات کو ترستا ہے اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا بہت بڑے اجر و ثواب کی چیز ہے۔

غلام باندیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم..... پھر فرمایا وَصَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ کہ جو تمہارے باندی اور غلام ہیں اور وہ تمہارے تصرف میں ہیں ان کے ساتھ بھی خوبی کا برتاؤ کرو۔ اور ان کے ساتھ اچھی طرح سے پیش آؤ۔ ان کی خوراک پوشاک کا خیال کرو۔ ان پر ظلم نہ زیادتی نہ کرو۔ طاقت سے زیادہ کام نہ لو۔ حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ یہ باندی غلام تمہارے بھائی ہیں (اور) تمہارے خادم ہیں۔ اللہ نے ان کو تمہارے تصرف میں دے دیا ہے۔ سو جس کے تصرف میں کوئی غلام ہو وہ اُسے اُسی میں سے کھائے جس میں سے خود کھاتا ہے اور اُسی میں سے پہنائے جس میں سے خود پہنتا ہے۔ اور ان سے وہ کام نہ لو جس کی ان کو طاقت نہ ہو۔ اگر طاقت سے زیادہ کام آؤ تو ان کی مدد کرو۔ (رداء البخاری ص ۳۴۶)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے غلام کو ایسے عمل پر سزا دی جو عمل اس نے نہیں کیا تھا یا اُسے طمانچہ مار دیا تو اُس کا کفارہ یہ ہے کہ اُس کو آزاد کر دے۔ (رداء المسلم ص ۵۱ ج ۲)

حضرت ابو بکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جو اپنے مملوک کے ساتھ بُری طرح پیش آتا ہو۔ (رداء التنزیل باب ما جاء فی الاحسان الی الخادم)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض الوفاۃ میں یہ وصیت فرماتے رہے کہ نمازوں کا اہتمام کرنا اور غلاموں اور باندیوں کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرنا۔ (رداء البیہقی فی شعب الایمان کما فی المثل ۲ ص ۲۹۱) مسلمانوں میں شرعی جہاد نہیں رہا تو غلاموں اور باندیوں کی نعمت سے بھی محروم ہو گئے اللہ وہ دن لائے کہ شرعی جہاد ہوں اور کار فریدی بھی آئیں اور غلام اور باندیاں بنیں۔

تکبر کی مذمت..... پھر فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا (کہ بلا شک اللہ دوست نہیں رکھتا اس شخص کو جو اپنے آپ کو بڑا سمجھے اور شنی کی باتیں کرے) آیت کے اس جزو میں ان لوگوں کی مذمت فرمائی جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں اور دوسروں کو حقیر جانتے ہیں فخر، کبر اور نخوت کے نشے میں بھرے رہتے ہیں یہ مضمون سورۃ لقمان میں اور سورۃ الحدید میں بھی بیان فرمایا ہے لفظ مختال، خیال سے ماخوذ ہے اور باب افعال سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ یہ لفظ اپنے کو بڑا سمجھنے، اترانے، آپے میں پھولے نہ سامنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اپنے کو بڑا سمجھنا یہ دل کا بہت بڑا روگ ہے اور اکثر گناہ اسی وجہ سے ہوتے ہیں۔ شہرت کا طالب ہونا، اعمال میں ریا کاری کرنا، بیاہ

شادی میں دنیا داری کی رسمیں برتنا اور یہ خیال کرنا کہ ایسا نہ کیا تو لوگ کیا کہیں گے، یہ سب تکبر کے شعبے ہیں۔

نچنے سے نیچے کپڑا پہننا تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ جو شخص تکبر کرتے ہوئے اپنا کپڑا گھسیٹ کر چلا۔ اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت سے نہ دیکھے گا۔ (رداۃ البخاری ص ۸۶۱)

حضرت ابو سعید خدریؓ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مؤمن کا تہمد آدھی پنڈلیوں تک ہونا چاہیے (اور) اس میں اس پر کوئی گناہ نہیں کہ آدھی پنڈلیوں اور ٹخنوں کے درمیان ہو اور جو اس کے نیچے ہو وہ دوزخ میں لے جانے والا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا۔ جس نے اپنا تہمد اتراتے ہوئے گھسیٹا۔ (رداۃ البیہاق ص ۲۱۰ ج ۲) کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کا گناہ صرف تہمد ہی میں نہیں، بلکہ دوسرے کپڑوں میں بھی ہے۔ کرتا، غلامہ، پانجامہ کو اگر کوئی ٹخنوں سے نیچے لٹکالے تو یہ بھی اس ممانعت میں شامل ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الاسبال فی الازار والقمیص والعمامة من جور منها شیئا خیلاء لم ينظر الله الیه یوم القیامة۔ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تہمد، قمیص اور بگڑی کو لٹکانے کے بارے میں فرمایا جس نے ان میں سے کسی کو تکبر کے طور پر لٹکایا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر نہیں فرمائے گا) (رداۃ البیہاق ص ۲۱۰ ج ۲)

حضرت جابر بن سلیمؓ کو آنحضرت ﷺ نے جو نصیحتیں فرمائیں ان میں سے یہ بھی ہے۔ اِنَّکَ وَالْاَسْبَالَ الْاِزَارَ فَاَنْتَ مِنَ الْمُخْبِلَةِ وَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُخْبِلَةَ (کہ تہمد کو لٹکانے سے پرہیز کر دیکہ نہ کہ یہ تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ تکبر پسند نہیں فرماتا۔) (رداۃ البیہاق ص ۲۰۸ ج ۲)

آنحضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنْفِصَالُ مِنَ الْمُخْبِلَةِ فرما کر ان لوگوں کی بات کی تردید فرمادی جو ٹخنوں سے نیچا کپڑا پہنتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تکبر کی وجہ سے نہیں پہنتے، جو لوگ ٹخنوں سے نیچا کپڑا پہنتے ہیں اگر اونچا کپڑا پہن لیں تو اس میں اپنی ابانت سمجھتے ہیں اور جو لوگ اونچا کپڑا پہنتے ہیں ان کو حقیر جانتے ہیں یہی تو تکبر ہے یہ لوگ کسی بھی طرح آدھی پنڈلی تک تہمد باندھ کر بازار میں جا کر دکھادیں دیکھو نفس گوار کرتا ہے یا نہیں؟ اس سے پتہ چل جائے گا کہ ٹخنوں سے نیچا پہننا تکبر کے لئے ہے یا نہیں؟ سابقہ امتوں میں سے ایک شخص کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ تکبر سے اپنے تہمد کو گھسیٹتا، داجار ہاتھ لہذا اُس کو زمین میں دھنسا دیا گیا۔ وہ قیامت تک زمین میں دھنسا جاتا جائے گا۔ (رداۃ البخاری ص ۸۶۱ ج ۲)

تکبر کے چند شعبے..... ناحق پر اصرار کرنا، ناحق کو ٹھکرانا، غلط بات کہہ کر غلطی واضح ہو جانے پر حق قبول نہ کرنا۔ شریعت پر چلنے میں خفت محسوس کرنا۔ گناہوں کو اس لئے نہ چھوڑنا کہ معاشرہ والے کیا کہیں گے۔ یہ سب تکبر سے پیدا ہونے والی چیزیں ہیں۔ ایک صحابیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایک آدمی پسند کرتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو، جو اتنا اچھا ہو (کیا یہ تکبر ہے؟) فرمایا۔ اللہ جل شانہ جمیل ہے جمال کو پسند فرماتا ہے، تکبر یہ ہے کہ حق کو ٹھکرائے اور لوگوں کو حقیر جانے۔ (رداۃ المسلم ص ۶۵ ج ۱) مختار کی مذمت کے ساتھ فسخود کی مذمت بھی فرمائی ہے۔ لفظ فسخود فخر سے ماخوذ ہے شیخی بگھارنا اپنی جھوٹی حقی تعریفیں کرنا، ان سب کو فخر شامل ہے بہت سے لوگوں میں یہ مرض ہوتا ہے کہ مال یا علم یا عہدہ کی وجہ سے نشہ میں پھوڑ رہتے ہیں۔ شیخی بگھارتے ہیں اور فخر کرتے ہیں۔ ان کا ذہن اس طرف نہیں جاتا کہ ان کے پاس جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ نے اُن کو دیا ہے۔ اور وہ اللہ کے عاجز بندے ہیں۔ جو کچھ نعمتیں اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی ہیں اس انداز میں لوگوں کے سامنے ان کا مظاہرہ کرتے ہیں جیسے ان کے حاصل ہونے میں ان کا کمال شامل ہے اور جن کے پاس وہ چیزیں نہیں ان سے اپنے کو بلند اور برتر سمجھتے ہیں اور اپنے خالق و مالک کو بھول جاتے ہیں، اُس نے جس کو دیا ہے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اور جس کو نہیں دیا اس

میں اس کی حکمت ہے، بندہ کا ستام یہ ہے کہ اپنے کو عاجز سمجھے اور شکر گزار رہے۔ اور اللہ کے دوسرے بندوں کو حقیر نہ سمجھے۔

صاحب روح المعانی نے مذکور بالا احکام ذکر کرنے کے بعد مصلحتاً تکبر، فخر و مباہات کی مذمت بیان کرنے کا ارتباط ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے ای ذا خيلاء و کبر يانف من جبرانه مثلاً واقاربہ ولا يلفسف اليهم بعد مناقبه عليهم تطاولاً و تعاضفا والجمله تعليل للامر السابق۔ مطلب یہ ہے کہ تکبر و غرور اور شنی والا اپنے عزیزوں پر دہیوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور ان کے مقابلہ میں اپنی فنیالیتیں شمار کرتا ہے اور اس تکبر و فخر کی وجہ سے حسن سلوک سے متعلق جو احکام ہیں ان پر عمل نہیں کرتا۔ صاحب روح المعانی نے ٹھیک فرمایا جن لوگوں میں اپنی بڑائی اور برتری کا دھیان ہوتا ہے۔ وہ اعزہ و اقربا پر دہیوں کی مدد تو کیا کرتے ان کی تو خواہش یہی رہتی ہے کہ یہ لوگ حاجت مند غریب اور فقیر ہی رہیں تاکہ ہماری برابری نہ کر سکیں۔ اگر ایک بھائی پیسے والا ہے تو غریب بھائی کے گھر آنا جانا بھی گوارا نہیں کرتا۔ اور اس میں خفت و بے بروئی محسوس کرتا ہے۔ یہ جذبہ تکبر صمد رحمی سے مانع رہتا ہے۔

بخل کی مذمت..... پھر فرمایا الَّذِينَ يَخْلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ (یعنی یہ لوگ ایسے ہیں جو بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اس کو چھپاتے ہیں) اس میں بھی ان لوگوں کی مذمت بیان فرمائی ہے جن کا اوپر تذکرہ ہوا ہے۔ یعنی یہ لوگ متکبر ہیں، فخر کرنے والے ہیں اور کنجوس بھی ہیں، اور صرف خود ہی کنجوس نہیں بلکہ دوسروں کو بھی کنجوسی کا حکم دیتے ہیں۔ خود کو اعزہ و اقربا، شعفاء، یتامی اور مساکین اور مسافروں پر خرچ کرتے ہی نہیں دوسروں کو بھی خرچ نہیں کرنے دیتے۔ جن لوگوں کا مزاج اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا نہیں ہوتا۔ انہیں دوسروں کا خرچ کرنا بھی گھسٹا ہے۔ مال کی محبت اس درجہ میں بیٹھ جاتی ہے کہ دوسروں کا خرچ کرنا بھی انھوں کو ناگوار اور شاق ہوتا ہے۔

سورۃ النحر میں فرمایا تَلَّا بَلَّ لَا تُكْرُمُونَ الْيَتِيمَ وَلَا تَهَاجِرُوا عَلَى طَعَامِ الْمَسْكِينِ وَنَاكُلُونَ الثَّرَاثَ أَكْثَلًا لَّمَّا وَنَبْجُونَ الْفَسَالِ حُبًّا جَنًّا (کہ تم لوگ یتیم کا اکرام نہیں کرتے اور مسکین کو کھانا دینے کی ترفیہ نہیں دیتے اور میراث کا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال سے بہت ہی محبت رکھتے ہو)

کنجوسی کرنے والے مال کو چھپاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے نہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں نہ اس کی مخلوق پر خرچ کرتے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ یہ مال کس نے دیا ہے؟ مال صرف اللہ نے دیا ہے۔ اور وہ بھی اپنے فضل سے، اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ خوب بڑھ چڑھ کر اللہ کی رضا مندی کے کاموں میں خرچ کرتے رہیں۔

پھر فرمایا وَاعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا (کہ ہم نے کافروں کے لئے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہاں کفر سے کفرانِ نعمت یعنی ناشکری کے معنی بھی مراد لئے جاسکتے ہیں۔ اور کافر بمعنی معروف بھی مراد ہو سکتا ہے۔ پھر آیت کا سبب نزول بتاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ یہودی انصار کے پاس آتے تھے اور ان سے خیر خواہانہ طور پر کہتے تھے کہ تم لوگ اپنے مال کو خرچ نہ کرو ورنہ تمہارے مال ختم ہو جائیں۔ اگر اخراجات میں بڑھ چڑھ کر حصہ اوگے تو نہ جانے آگے کیا ہوگا؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے الَّذِينَ يَخْلُونَ سے وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا تک آیت نازل فرمائی۔ اگر سبب نزول کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو کافروں سے کفر کا معنی معروف ہی مراد ہوگا۔

ریا کاری کے طور پر مال خرچ کرنے کی مذمت..... پھر فرمایا الَّذِينَ يَنْفَقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ (اور جو لوگ اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں لوگوں کو دکھانے کے لئے اور انہیں ایمان لاتے اللہ پر اور آخرت کے دن پر) یہ

بھی مٹھنا یا فخر و ادا کی صفت ہے۔ درمیان میں بطور جملہ مقررہ کافروں کے لئے عذاب مہین کا تذکرہ فرمایا اس میں یہ بتایا کہ یہ تکبر اور فخر کے متوالے اللہ کی رضا کے کاموں میں تو خرچ نہیں کرتے البتہ لوگوں کے دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ دنیا دار کو جاہ و شہرت مطلوب ہوتی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ میری تعریف ہو اور لوگوں پر میری الماداری ظاہر ہو۔ اسی لئے اہل دنیا اللہ کی رضا کے کاموں میں مال خرچ کرنے سے جان چراتے ہیں۔ ان لوگوں کی مذمت فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ یہ لوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے۔ اللہ پر ایمان لاتے تو اس سے ثواب لینے کی امید رکھتے اور عذاب سے ڈرتے اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے (جہاں اعمال کی جزا ملتی ہے) تو اپنی زندگی کو درست کرتے۔

آخر میں فرمایا: وَمَنْ يُكْسِنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرْبَنًا فَمَسَاءُ قَرْبَنًا (یعنی اور شیطان جس کا ساتھی ہو وہ بدتر ساتھی ہے) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہاں الشیطان سے الٹیس اور اس کے مددگار جو اس کے قبیلہ سے ہیں اور وہ لوگ جو اس کی باتوں پر چلتے ہیں یہ سب مراد ہیں۔ پھر لکھتے ہیں کہ نفسانی قوتیں اور خواہشیں اور شیاطین الانس والجن بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ شیطان کو بدتر ساتھی اس لئے بتایا کہ ہمیشہ گناہوں کی طرف بلاتا ہے اور گناہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور گناہ و دوزخ میں داخل ہونے کا سبب ہے۔

پھر فرمایا: وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (الآیہ) (یعنی یہ لوگ جو کفر میں مبتلا ہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اور آخرت کے منکر ہیں اور اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ نہیں کرتے ان پر کیا وبال آجائے اور کیا ضرر لاحق ہو جائے اگر ایمان لائیں اور اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کریں) یہ سوال بطور استفہام انکاری کے ہے۔ بطور زجر و توبیخ یہ سوال کیا ہے اور ان کی توجہ دلائی ہے کہ اپنے طرز زندگی کے بارے میں فکر مند ہوں اور نفع و نقصان کے بارے میں سوچیں۔ اگر غور کریں گے تو ان پر واضح ہو جائے گا کہ ان کا طریقہ غلط ہے اور جو اہل ایمان کا طریقہ ہے اس کا اختیار کرنا لازم ہے اسی میں ان کا بھلا ہے اور اس کی مخالفت میں ضرر ہے اور وبال ہے۔ قال صاحب الروح (ص ۳۱ ج ۵) بل المراد توبيخهم غلبی الجہل بمكان المنفعة والاعتقاد فی النسی غلبی بخلاف ما هو عليه وتخریضهم علی ضرب الفکر لحصل الجواب لغلة یؤدی بہم الی العلم الخ۔

اللہ تعالیٰ ذرہ بھر بھی ظلم نہ کرے گا..... پھر فرمایا: إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ بَشَاتٍ ذُرَّةً (بلاشبہ اللہ تعالیٰ ذرہ کے برابر بھی ظلم نہیں فرماتا) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو نا فرمائی کے بغیر عذاب نہیں دے گا اور کسی کی کوئی نیکی ضائع نہیں فرمائے گا۔ اگر ذرہ برابر بھی کسی کی نیکی ہو گی اس کا ثواب بھی عطا فرمائے گا بلکہ وہ اس نیکی کو چند در چند بڑھا دے گا اور اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ ایک نیکی کم از کم دس نیکی کے برابر تو کر دی ہی جاتی ہے۔ جیسا کہ سورہ انعام وغیرہ میں فرمایا: مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ مِثَالِهَا اور اس کے بعد سات سو تک اور سات لاکھ تک اور اس سے بھی بڑھ کر جہاں تک اللہ چاہے ایک نیکی کا ثواب عطا کر دیا جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھ کر دیکھے اور گناہ چھوڑے نیکیوں میں گئے پھر دیکھے کیسا مال ہوتا ہے۔ حقیر دنیا کو نہ نظر کے سامنے ہے اس لئے اس کے لئے گناہ بھی کر لیتے ہیں۔ اور نیکیوں سے بھی محروم رہتے ہیں۔ جعلنا الله من السابقين الى الخيرات والمبادرين الى الحسنات۔

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا ۝

پس کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان پر گواہ بنائیں گے۔

قیامت کے دن ہر امت کے ساتھ ایک گواہ ہوگا

اس آیت میں میدانِ آخرت کا ایک منظر بتایا ہے کہ قیامت کے دن حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کے ساتھ آئیں گے اور ہر نبی اپنی اپنی امت کے بارے میں گواہی دے گا کہ یہ ادگ عقائد و اعمال کے لحاظ سے ایسے ایسے تھے ان لوگوں کی گواہیوں پر حضرت خاتم الانبیاء سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم گواہی دیں گے کہ یہ حضرات سچ فرما رہے ہیں اور ان کی گواہی صحیح ہے۔ سورۃ بقرہ میں لُکھُونَا شَهِدَاءُ عَلٰی النَّاسِ وَیَکُونُ الرَّسُولُ عَلَیْکُمْ شَهِدًا کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام کی امتیں جب منکر ہو جائیں گی کہ کسی نے ہم کو تبلیغ نہیں کی تو امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے گواہی دے گی کہ واقعی ان حضرات نے تبلیغ کی تھی۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گواہی دیں گے کہ میری امت کی گواہی صحیح ہے اور یہ گواہی دینے کے لائق ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ میں نے عرض کیا کیا آپ کے سامنے تلاوت کر دوں حالانکہ آپ پڑھنا تو نازل ہی ہوا ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں! میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ کسی دوسرے سے سنوں اس پر میں نے سورۃ نساء پڑھنی شروع کی یہاں تک کہ جب میں اس آیت پر پہنچا: فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ نَحْلِ اٰفَہٖ بِشَہِیْدٍ تو آپ نے فرمایا کہ بس کر۔ میں نے جو نظر اٹھا کر دیکھا تو آپ کی مبارک آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ (رواہ البخاری ص ۶۵۹ ج ۲)

یہ حدیث نقل کر کے صاحبِ روح المعانی لکھتے ہیں کہ جب شاہد کا یہ حال ہے کہ اس شہادت کے استحضار سے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تو مشہودِ عالیہ یعنی اُس کا کیا حال ہوگا جس کے خلاف یہ گواہی ہوگی اور جسے یومِ قیامت کے مصائب نے گھیر رکھا ہوگا۔

یَوْمَیْذِ یَوْمَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَعَصَوْا الرَّسُوْلَ لَوْ تَسْوٰی بِہِمُ الْاَرْضُ وَلَا یَکْتُمُوْنَ

جس دن وہ لوگ آرزو کریں گے جنہوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی کہ کاش! ان پر زمین برابر نہ کر دینی جاتی اور یہ لوگ اللہ سے کوئی بات

اللہ حَدِیثًا

بھی نہ چھپائیں گے۔

قیامت کے دن کافروں کی آرزو کہ کاش زمین کا پیوند ہو جاتے

گذشتہ آیت میں جس دن کی گواہی کا ذکر ہے اس دن کی مصیبت اور شدت اور بد حالی اس آیت میں بیان فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ جس دن یہ گواہیاں ہوں گی اس دن کفار اور وہ لوگ جنہوں نے رسولوں کی نافرمانی کی (علی ارادۃ الجنس) اس بات کی تمنا کریں گے کہ ہائے کاش! ہم آج کے دن دفن کر دیئے جاتے اور زمین کا پیوند بنا دیئے جاتے اور جس عذاب اور مصیبت میں مبتلا ہیں اس سے رہائی ہو جاتی۔ اور اس دن اللہ سے کوئی بات نہ چھپا سکیں گے خود اپنے اقرار اور اپنے اعضاء و جوارح کے اقرار سے دوزخ میں داخل ہوں گے اُس دن حالات مختلف ہوں گے۔ کبھی تو پوشیدہ رکھیں گے اور کہیں گے وَاللّٰہُ زَبْنَا مَا کُنَّا مُشْرِئِیْنَ (کہ قسم ہے اللہ کی جو ہمارا رب ہے

بہم شرک کرنے والے نہ تھے) لیکن پھر اعتناء اور جوارج کی گواہیوں کے بعد اپنی نافرمانیوں کا اقرار کر لیں گے اس وقت یہ کہیں گے کہ ہائے کاش! ہم زمین کا پیوند بنا دیے جاتے۔ (من روح المعانی ص ۵۳۵ ج ۵)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَرَىٰ حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا

اے ایمان والو! اس حال میں کہ تم نشہ میں ہو نماز کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ تم جان لو کہ کیا کہہ رہے ہو اور نہ اس حالت میں نماز

إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّى تَغْتَسِلُوا ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ

کے پاس جاؤ جبکہ تم پر غسل فرض ہو، مگر یہ کہ رات گزرنے والے ہو یہاں تک کہ تم غسل کر لو۔ اگر تم مریض ہو یا تم میں سے کوئی شخص قضاء حاجت کی

الْعَاطِئِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ

جگہ سے آؤ۔ یا تم نے عورتوں کے پیچھا کر پھر پانی نہ پاؤ تو ارادہ کرو پاک مٹی کا، مسح کر لو اپنے چہروں پر

وَأَيْدِيكُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُورًا غَفُورًا ۝

اور ہاتھوں کا بہ شک اندھ قلی عاف فرمانے والا، غفرت فرمانے والا ہے۔

حالت نشہ میں نماز پڑھنے کی ممانعت

اس آیت شریفہ میں اولاً تو یہ فرمایا کہ نشہ کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ، اگر کوئی حالت نشہ میں ہو تو اس وقت تک نماز نہ پڑھے جب تک کہ وہ نشہ نہ آجائے اور یہ نہ جان لے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ ابتداء اسلام میں جب تک شراب پینا حرام قرار نہیں دیا گیا تھا اس عرصہ میں ایک واقعہ پیش آیا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے بیان فرمایا کہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے کھانا تیار کیا اور ہم لوگوں کو کھانے پر بلایا، کھانا کھلایا اور شراب بھی پلا دی۔ شراب نے اپنا اثر دکھایا پینے والوں کو نشہ آ گیا اور اسی وقت نماز کا وقت ہو گیا حاضرین نے مجھے امامت کے لئے آگے بڑھا دیا۔ میں نے قُلْ لَا يُهَا الْكَافِرُونَ پڑھی جس میں وَلَنُخَنِّ نَخْبَةً مَا نَعْبُدُونَ پڑھ دیا (جس سے مذہب بدل گیا اور معنی اُلت گیا) اس پر اللہ جل شانہ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جاؤ اس حال میں کہ تم نشہ میں ہو جب تک یہ نہ جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو (اخر جہ الترمذی فی تفسیر سورۃ النساء قال حسن غریب صحیح) اس کے بعد قطعی طور پر شراب بالکل حرام کر دی گئی جس کا ذکر سورہ مائدہ کی اس آیت میں ہے لَقَدْ يُهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسُورُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رَجَسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوا (الآیۃ)۔

لباب التعلیل میں دوسرا سبب نزول یوں نقل کیا ہے کہ حضرت اسلم بن شریکؓ نے بیان فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کا کجاوہ باندھا کرتا تھا۔ ایک رات مجھ پر غسل فرض ہو گیا۔ ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے سے موت یا مرض کا اندیشہ ہو گیا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے آیت لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ (آخر تک) نازل فرمائی۔ (جس میں تیمم کی بھی اجازت دی گئی ہے)

تیمم کے مسائل..... یہ پہلی آیت ہے جس میں تیمم کرنے کی اجازت مذکور ہے۔ دوسری آیت تیمم سورہ مائدہ میں ہے جو دوسرے

رکوع کی ابتداء میں ہے اس آیت میں وضو کا طریقہ بھی بتایا ہے اور تیمم کا طریقہ بھی۔ دونوں آیتوں کے ملانے سے معلوم ہوا کہ پانی نہ ہونے کی صورت میں یا مریض یا مسافر ہونے کی حالت میں حدث اکبر اور حدث اصغر دونوں سے پاک ہونے کے لئے تیمم کرنا درست ہے، غسل فرض ہو جائے تو اس کو حدث اکبر، اور وضو ٹوٹ جائے تو اسے حدث اصغر کہا جاتا ہے اور دونوں آیتوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حدث اکبر یا حدث اصغر کے ہوتے ہوئے نماز پڑھنا ممنوع ہے اور چونکہ تیمم کی اجازت دے دی گئی ہے اس لئے پانی نہ ہونے کا عذر بنا کر نماز چھوڑ دینا جائز نہیں ہے، جیسے حدث اکبر یا حدث اصغر دوتے ہوئے نماز پڑھنا حرام ہے اس طرح سے نماز کو قصد اوعدا اس وقت سے مؤخر کر دینا بھی حرام ہے۔ لفظ وَلَا جُنُبًا میں غسل فرض ہونے کی حالت بیان فرمائی ہے اور أَحَدٌ مِّنْكُمْ بَيْنَ الْغَائِطِ میں حدث اصغر کی حالت بیان فرمائی ہے۔ الْغَائِطُ شبی زمین کو کہتے ہیں جس میں قضاے حاجت کے لئے جاتے ہیں۔ لفظ أَوِ الْمَسْتَمِ النِّسَاءِ سے حضرت علیؓ و حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک حدث اکبر کی حالت بیان کرنا مقصود ہے لِمَسْتَمٍ کا اصل معنی چھونے کا ہے لیکن ان حضرات نے اس کو بطور کنایہ جَامِعَتُمْ کے معنی میں لیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کو اپنے حقیقی معنی پر رکھا ہے وہ فرماتے ہیں کہ عورت کو بغیر حائل کے چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت امام شافعیؒ اور بعض دیگر حضرات کا بھی یہی مذہب ہے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور لِمَسْتَمٍ، جَامِعَتُمْ کے معنی میں ہے جیسا کہ حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے فرمایا۔

حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ آنحضرتؐ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نماز پڑھتے رہتے تھے اور میں آپؐ کے سامنے جنازہ کی طرح لیٹی رہتی تھی۔ یہاں تک کہ آپؐ بتر پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو میرے پاؤں کو ہاتھ لگا دیتے تھے۔ (رواہ النسائی ص ۳۸)

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، جب حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہو گیا تو آیت شریفہ میں جو أَوِ الْمَسْتَمِ وارد ہے اس کا معنی جَامِعَتُمْ متعین ہو گیا۔ تین صورتوں میں تیمم کرنے کی اجازت معلوم ہوئی اول یہ کہ پانی موجود نہ ہو، دوم یہ کہ مریض ہو، سوم یہ کہ مسافر ہو، ان سب کی تفصیلات اور توضیحات کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ مختصر طریقہ پر یہ جان لینا چاہیے کہ پانی ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نمازی جہاں بیٹھا لیٹا ہے اسی جگہ پانی موجود ہو۔ قریب میں اگر پانی ہو تو پانی کا طلب کرنا اور وضو کرنا لازم ہے۔ گھر میں یا ہستی میں عموماً پانی ہوتا ہے۔ کنوئیں ہوتے ہیں، تل ہوتے ہیں۔ عام طور سے قیمۃ یا بلا قیمت پانی مل جاتا ہے۔ ان صورتوں میں پانی تک پہنچ کر وضو کرے۔ یہ سمجھ کر کہ میرے گھر میں پانی نہیں ہے غسل یا وضو کی جگہ تیمم کرنا درست نہیں ہے اگر کنوئیں پر کھڑا ہے لیکن ڈول رسی نہیں ہے تو تیمم کر سکتا ہے۔ اگر پانی کہیں بھی نہیں ہے تو مجبوراً تیمم کرنا ہی لازم ہوگا۔ مریض کو بھی تیمم کرنے کی اجازت ہے۔ لیکن ہر مریض کو نہیں، بعض امراض تو ایسے ہوتے ہیں جن میں پانی کا استعمال مضر ہوتا ہی نہیں۔ بلکہ مفید ہوتا ہے۔ سخت سردی ہو یا پانی بہت ٹھنڈا ہو گرم کرنے کی کوئی صورت نہ ہو۔ سخت مریض ہو جانے کا یا مرض بڑھ جانے یا کسی عضو یا جان کے تلف ہو جانے کا غالب اندیشہ ہو تو تیمم کرے۔ اسی طرح کوئی شخص سفر میں ہے اور پانی موجود نہیں ہے تو وہ بھی تیمم کرے۔ اس میں کچھ تفصیل ہے جو کتب فقہ میں مذکور ہے مثلاً آس پاس قریب میں پانی ہو تو تلاش کرے اپنے ساتھیوں سے طلب کرے اگر پانی قیمۃ مل جاتا ہو اور مناسب قیمت پر یا کچھ زیادہ قیمت میں ملتا ہو تو حسب ضرورت پانی خرید کر غسل یا وضو کرے۔ تیمم انت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کی خصوصیات میں سے ہے۔ آنحضرتؐ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے انبیاء کرام علیہم السلام پر چھ چیزوں کے ذریعہ فضیلت دی گئی۔ اول مجھے جو امع الکلم عطا کئے گئے۔ دوم رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی (کہ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے دلوں میں

میرا رب ذال دیا جس کی وجہ سے حملہ آور ہونے سے ڈرتے ہیں)۔ سو ہم میرے لئے مال غنیمت حلال کرو یا گیا (جو کافرؤں سے جنگ کے موقع پر ہاتھ لگتا ہے) چارم ساری زمین میرے لئے مسجد و گاہ یعنی نماز پڑھنے کی جگہ بنا دی گئی اور ساری زمین میرے لئے پاک کرنے والی بنا دی گئی (کیونکہ اگر پاک مٹی سے تیمم کر لیا جائے جبکہ شرائط تیمم متحقق ہوں تو اس سے وہی پاکی حاصل ہوتی ہے جو وضو اور غسل سے حاصل ہوتی ہے) پنجم میں ساری مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں (آپ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام خاص اپنی قوموں کی طرف بھیجے جاتے تھے)۔ ششم انبیاء کرام علیہم السلام کی آمد میری آمد پر ختم کر دی گئی اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۱۴)

اس حدیث میں فضیلت والی چھ چیزوں کا ذکر ہے، دوسری احادیث میں اور بہت سے فضائل مذکور ہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت سرور و عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پاک مٹی مسلمان کو پاک کرنے والی ہے۔ اگرچہ دس سال تک پانی نہ ملے۔ پس جب پانی مل جائے تو اسے استعمال کرے۔ (رواہ الترمذی)

تیمم کا طریقہ..... پھر تیمم کرنے کا طریقہ بتایا اور فرمایا فامسحوا بوجوهکم وابدینکم (پس مسح کرو اپنے چہروں اور ہاتھوں کا) سورہ ماند میں اس کے آگے لفظ ہفتہ بھی ہے یعنی مٹی سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو۔ احادیث شریفہ میں وارد ہے کہ مٹی پر ہاتھ مار کر ایک مرتبہ اوپر سے چہرہ کا مسح کیا جائے اور پھر دوسری دفعہ مٹی پر ہاتھ مار کر دو ذوں ہاتھوں کا مسح کمبویں تک کر لیا جائے یعنی جہاں تک وضو میں ہاتھوں کو دھویا جاتا ہے وہاں تک دو ذوں ہاتھوں کا مسح کیا جائے۔ تیمم میں نیت بھی شرط ہے اگر کسی نے کوئی نیت گرائی اس سے چہرہ اور ہاتھ مٹی میں نہر گئے تو اس سے تیمم نہ ہوگا۔

پھر آخر میں فرمایا: إِنَّ اللَّهَ شَاحِنٌ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (بارشاد اللہ تعالیٰ حاف کرنے والا بخشنے والا ہے) وہ بخشنا اور عاف کرتا ہے اس نے احکام میں آسانی بھی دی ہے پانی نہ ہونے یا مسافر و مریض ہونے کی حالت میں تیمم کو مظہر بنا دیا اور حدیث اکبر و حدیث الصغیر و ذوں کے لئے تیمم کا طریقہ مشروع فرما دیا جو ایک ہی طریقہ ہے و ذوں کے تیمم میں کوئی فرق نہیں ہے۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَتَابَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَذُكِّرُوا بِالْآيَةِ وَلَا يَجِدُ لَهُمْ فِي السَّبِيلِ مَسْجِدًا لَّهُمْ يُصَلُّونَ ۚ

انہی قوم نے ان لوگوں کو دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا وہ گمراہی کو خیریت سے ہیں اور یہ ارادہ کرتے ہیں کہ قرآن السبیل ۛ واللہ اعلم باعدائکم ۛ وکفی باللہ نصیراً ۛ مِنَ الَّذِينَ

رہو سے بچک جائے۔ اور رحمتہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو دھوپ جائے ۛ ۛ ہے اور اللہ کافی ہے دلی ہونے کے اعتبار سے اور اللہ کافی ہے مددگار ہونے کے اعتبار سے۔ جو لوگ

هَادُوا يُخَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمِعْ غَيْرَ مَسْمُوعٍ

یہ وہی ہیں ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کلمات کی تحریف کرتے ہیں ان کی جگہوں سے اور کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور نہیں مانیں گے اور کہتے ہیں کہ ہم نے

وَرَاعَا لِيَا بِالسِّنِّيهِمْ وَطَعْنَا فِي الدِّينِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمِعْ

اس حال میں کہ تو سننے والا نہ ہو اور اپنی زبان کو دوزخ سے بولنے اور دین میں طعن کرتے ہوئے لفظ رعنا کہتے ہیں اور اگر وہ یوں کہتے کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا

وَأَنْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَقْوَمًا وَلَكِنْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۵﴾

اور آپ سن لیجئے اور ہم پر نظر فرمائیے تو ان کے لئے بہتر ہے اور لیکن اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کر دی سو ایمان نہیں لائیں گے مگر تھوڑے سے آدمی۔

یہودیوں کی شرارت اور شقاوت

تفسیر درمنثور ص ۱۶۸ ج ۴ میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ رفاعہ بن زید یہودیوں کا ایک چودھری تھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتا تو اپنی زبان موڑ کر بات کرتا پھر اس نے اسلام میں طعنہ زنی شروع کر دی اور احکام اسلام میں میب نکالنے لگا اس پر یہ آیت شریفہ الا فلینلا تک نازل ہوئی۔ یہودیوں کو اللہ تعالیٰ نے قرأت کا علم دیا تھا باوجودیکہ اس میں تحریف کر لی تھی۔ پھر بھی اس میں آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور نبوت و رسالت کا ذکر موجود تھا۔ ہر قوم کے چھوٹے اپنے بڑوں کے پیچھے لگتے ہیں۔ یہودیوں کے علماء اور زعماء حق جانتے ہوئے نہ اسلام کی طرف آتے تھے اور نہ عوام کو اس کی طرف آنے دیتے تھے، ہدایت کی جگہ گمراہی اختیار کی، اپنی قوم کو بھی کفر پر بنایا اور مسلمانوں کو بھی اسلام سے ہٹانا چاہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے فرمایا کہ اللہ کو تمہارا دشمنوں کا خوب علم ہے اور تمہاری مدد کے لئے کافی ہے۔

یہودی آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو زبان موڑ کر بات کرتے تھے۔ ایسے الفاظ بولتے تھے جن کا ظاہری معنی کچھ اور ہوتا تھا اور دل سے دوسرے معنی لیتے تھے ان الفاظ میں سے لفظ زاعنا بھی تھا۔ جس کا معنی عربی میں تو یہ ہے کہ ہماری رعایت فرمائیں اور ان کی زبان میں یہ لفظ موت کی بدعا کے لئے بولا جاتا تھا۔ جس کی تشریح سورہ بقرہ کے رکوع نمبر ۱۳ میں آیت لَئِيْهَا السَّبِيْحُ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا زَاعِنًا وَّقُوْلُوْا اَنْظُرْنَا کے ذیل میں گزر چکی ہے۔ اس آیت شریفہ میں بھی ان لوگوں کی اس حرکت بدکا ذکر فرمایا ہے وہ بات سنتے تھے ساتھ ہی غصہ بھی کھتے تھے کہ ہم فرمانبردار کی نہیں کریں گے اس بات کو نہیں مانیں گے (یہ تو ان کا مطالب دل میں تھا اور ظاہری مطالب یہ تھا کہ آپ کے خلاف کسی کی بات نہ مانیں گے) اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے اسمع کہتے تھے تو ساتھ ہی غیور مُسْمِع بھی لگا دیتے تھے۔ صاحب روح المعانی ص ۴۷ ج ۵ لکھتے ہیں کہ اس لفظ کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک معنی شرک ہے اور دوسرے کہ تم سننے والے نہ رہو جس کا مقصد قوتِ سماع ختم ہو جانے کی بددعا دینا تھا۔ اور یہی ان لوگوں کا مقصد ہوتا تھا۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ آپ کو کوئی کمزوری نہ رہے۔ یہودی ملعون قوم ہے وہ بطور استہزاء، یہ لفظ بولتے تھے تاکہ ظاہر میں کچھ اور سمجھا جائے اور اپنے دلوں میں وہ اپنی نیت کے مطابق معنی لیتے رہے۔ ان کے بارے میں فرمایا کہ اگر یہ سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا (کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا) کہتے اور اِسْمَعُ (سن لیجئے) کہتے اور ساتھ ہی غیور مُسْمِع کا لفظ نہ ملاتے اور اَنْظُرْنَا (ہماری طرف توجہ فرمائیے) کہتے (اور زاعنا کہتے) تو ان کے لئے اچھا تھا اور ٹھیک تھا۔ انہوں نے یہود کی اختیار کی۔ اللہ پاک نے ان کے کفر کے سبب ان کو ملعون قرار دے دیا۔ اب یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے ہاں ان میں سے تھوڑے سے آدمی ایمان لائیں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آؤْتُوا الْكِتَابَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلُ

اے وہ لوگو! جن کو کتاب دی گئی ایمان آؤ اس پر جو ہم نے نازل کیا جو اس کی تصدیق کرنے والے سے جو تمہارے پاس ہے۔ اس سے پہلے کہ

أَنْ تَضْمِنَ وُجُوهًا قَنَرَدَهَا عَلَىٰ أَذْبَارِهَا أَوْ تَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ السَّبْتِ ۚ

ہم چہرہوں کو منہ دینا چاہیں یا ان کو اپنی جانب سے ناپاک بنادیں یا ان پر لعنت نمودیں جیسا کہ ہم نے ہفتے کے دن والوں پر لعنت کی۔

وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ۝

اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے۔

یہود کا ملعون ہونا

درمنثور ص ۶۸ ج ۲ میں حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رؤساء یہود سے بات کی جن میں عبداللہ بن صوریہ اور کعب بن اسد بھی تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ اے یہودیو! اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کرو۔ اللہ کی قسم تم جانتے ہو کہ جو دین میں لے کر آیا ہوں وہ حق ہے، کہنے لگے کہ اے محمد! ہم اس کو نہیں پہچانتے، اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالانازل فرمائی اور فرمایا کہ اے اہل کتاب جو کتاب ہم نے نازل کی ہے اس پر ایمان لاؤ جو کتاب تمہیں دی گئی تھی یعنی تورات شریف یہ کتاب اس کی بھی تصدیق کرتی ہے اس سے پہلے ایمان لے آؤ کہ ہم (سزا کے طور پر) چہروں کو بالکل مٹا دیں اور ان کو الہی جانب یعنی گدھی کی طرح بالکل صفا چٹ بنا دیں۔ ناک آنکھ منہ کچھ بھی نہ رہے۔ یا ہم ان لوگوں پر لعنت کر دیں، جیسا کہ ہم نے سپیچر کے دن زیادتی کرنے والوں پر لعنت کی تھی، یہودیوں کو سپیچر کے دن کی تعظیم کا حکم دیا گیا تھا جس میں یہ بھی تھا کہ اس دن شکار نہ کریں، دو لوگ نہ مانے نافرمانی کی، تو ان کو بندر بنا دیا گیا۔ جیسا کہ سورہ بقرہ کوخ ۸ میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ چونکہ یہ واقعہ یہودیوں کا تھا ان ہی میں پیش آیا تھا اور باب دادوں سے سنتے چلے آئے تھے۔ اس لئے ان کو یاد دلایا اور بتایا کہ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہو سکتا ہے۔ آخر میں فرمایا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ کسی امر کا ہو جائے تو وہ ہو کر ہی رہے گا۔ اس کے فیصلہ کو کوئی روک نہیں سکتا۔

آیت بالا میں جو طمس الوجوہ (یعنی چہروں کے مسخ) فرمانے کا ذکر ہے۔ اس کے بارے میں مفسرین نے بڑی لمبی بحث کی ہے اور یہ سوال اٹھایا ہے کہ یہ مسخ دنیا میں یہودیوں کے ساتھ ہو چکا ہے، یا آنکھ نہ کبھی ہوگا؟ صاحب روح المعانی نے اس کے بارے میں دو صفحے خرچ کئے ہیں اور مفسرین کے متعدد اقوال نقل فرمائے ہیں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ واقعہ پیش نہیں ہوا کیونکہ اس کے بعد بعض یہود مسلمان ہو گئے تھے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے یہ واقعہ پیش آئے گا اور یہودیوں میں مسخ ہوگا۔ بعض حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ وہ چیزوں کا ذکر تھا۔ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَضْمِنَ وُجُوهًا قَنَرَدَهَا عَلَىٰ أَذْبَارِهَا أَوْ تَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ السَّبْتِ اس میں حرف عطف أو استعمال فرمایا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ چہرے مسخ کر دینا یا لعنت کر دینا دونوں میں سے ایک ہوگا جب یہود پر لعنت ہوگئی تو دونوں میں سے ایک چیز وجود میں آگئی اور وعید پوری ہوگئی۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ آخرت میں مسخ کرنا مراد ہے۔

لیکن حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ بیان القرآن میں فرماتے ہیں کہ قرآن میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ ایمان نہ لاؤ گے تو مسخ ضرور ہوگا۔ بلکہ بطور احتمال ایک سزا کا ذکر فرمایا ہے اس کے وہ مستحق تو ہیں اللہ کو اختیار ہے کہ عذاب دے نہ دے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے علاوہ جس گناہ کو چاہے بخش دے گا اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے

فَقَدْ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ﴿٢٨﴾

تو اس نے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا۔

شرک بہت بڑا گناہ ہے اور شرک کی بخشش نہیں ہوگی

اس آیت میں اس بات کا واضح طور پر اعلان فرمایا کہ شرک کرنے والا جو بغیر ایمان لاے مَر جائے اس کی بخشش کبھی نہ ہوگی اور شرک کے علاوہ دوسرے جو گناہ ہیں اللہ جن کو چاہے گا وہ عاف فرما دے گا اور جس گناہ پر چاہے گا عذاب دے گا۔ شرک بہت ہی بڑا جرم ہے۔ پیدا کیا اللہ نے زندہ وہ رکھے، کھانے پینے کو وہ دے، حاجتیں وہ پوری کرے اور عبادت میں یا استعانت میں یا ایسی تعلیم میں جو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے زیبا ہے دوسروں کو شریک کر لیا جائے عقلی طور پر بھی یہ بہت بڑی حماقت ہے اور سفاقت ہے اور نا انصافی ہے قرآن مجید میں جگہ جگہ تو حید کا حکم فرمایا صرف اللہ تعالیٰ کو خالق و مالک اور رب سمجھیں اور صرف اس کی عبادت کریں اور اس کی ذات و صفات میں کسی کو شریک نہ کریں، شرک کی جگہ جائے مختلف عنوانات سے تو دید فرمائی ہے اور مشرکین کی بے عقلی پر تنبیہ فرمائی۔ دنیا میں کوئی شخص کسی چیز کا مالک نہ ہو اور دوسرے لوگ کسی شخص کے بارے میں کہنے لگیں کہ وہ بھی اس میں شریک ہے تو مالک کو کتنا ناگوار ہوتا ہے حالانکہ وہ صرف مالک مجازی ہے، نہ مالک حقیقی ہے نہ خالق ہے نہ فہر بھی اسے دوسرے کی شرکت کا تصور ناگوار ہوتا ہے جن کو مشرکین اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں وہ سب مل کر ایک کبھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود اپنے وجود میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ وہ اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں ان کو موت بھی آتی ہے نوٹے پھونٹے بھی ہیں۔ کھاتے پیتے بھی ہیں، عاجز محض ہیں ان کو خدائی کا درجہ دینا نہایت ہی حماقت کی بات ہے اور خالق کائنات جل مجدہ کی ناراضگی کا باعث ہے جو بھی کوئی شخص حالت شرک میں مرے گا ہمیشہ کے لئے وہ زخ کے عذاب میں داخل ہوگا۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں جیسے مشرکین مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بتاتے تھے اور جیسے نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بتاتے ہیں اور جیسے یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مٹا دینے کا اعتقاد رکھتے ہیں یہ سب شرک ہے

مشرکوں کے علاوہ دوسرے کافروں کی بھی بخشش نہ ہوگی.... مشرک کے عاادہ اور جو کفر کی دوسری صورتیں ہیں جو شخص ان کا مرتکب ہوگا وہ بھی ہمیشہ کے لئے دوزخ کے عذاب میں داخل ہوگا۔ جس کی تصریح قرآن مجید کی دوسری آیات میں وارد ہوئی ہے۔ سورہ احزاب میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا۔ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا لَا يَخْرُجُوْنَ وَلِيْلًا وَلَا نَصِيْرًا۔ (بے شک اللہ نے کافروں کی لعنت کی ہے اور ان کے لئے تیار کی ہے کوئی آگ، اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ہمیں پائیں گے کوئی دوست اور مددگار) سورہ نساء میں فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرْ لَهُمْ وَاَلَّا لِيُعَذِّبَهُمْ طَرِيقًا اِلَّا طَرِيقًا جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا وَاَكٰفَرُوْا عَلٰى اللّٰهِ نِسْبًا (جو لوگ کافر ہوئے اور ظلم کیا ہرگز اللہ ان کو بخشنے والا نہیں اور نہ دیکھا جائے گا ان کو کوئی راہ مگر دوزخ کی راہ، اس میں ہمیشہ رہیں گے اور نہ اللہ پیرآسان ہے)۔

خدا تعالیٰ شافیہ کے وجود کے منکر، ہرے اور اسلام کے منکرین اور خدا تعالیٰ پر اعتراض کرنے والے قرآن کے منکر اور ارکان اسلام

کے منکر قرآن و سنت کا مذاق بنانے والے ختم نبوت کے منکر اور ہر اس بات کے منکر جو قطعی الثبوت ہو یہ سب کافر ہیں، مشرک اور کافر بھی ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

الْمَرَّةَ إِلَى الَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنْفُسَهُمْ ۖ بَلِ اللَّهُ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۝

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنی جانوں کو پاکیزہ بتاتے ہیں، بلکہ اللہ جس کو چاہے پاکیزہ بناتا ہے اور انہوں پر کجی کی گتھلی کے تار کے برابر کجی نہیں ہوگا۔

أَنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۖ وَكَفَىٰ بِهِ إِثْمًا مُّبِينًا ۝

دیکھو کہ یہ لوگ اللہ پر کیسے جھوٹ باندھتے ہیں اور ان کا یہ انتہا، سرایت گندہ ہونے کیلئے کافی ہے۔

یہودیوں کی مذمت جو اپنے کو پاکیزہ بتاتے تھے

گذشتہ آیت میں یہودیوں کی بعض بد حرکتوں کا ذکر تھا۔ اس میں بھی ان کے ایک فعل بد کا ذکر ہے۔ صاحب روح المعانی بحوالہ ابن جریر حضرت حسن سے نقل فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ دونوں فریق کے بارے میں نازل ہوئی۔ کیونکہ ان لوگوں نے یہ کہا تھا کہ نَحْنُ ابْنَاءُ اللَّهِ وَ أَحِبَّاءُهُ (کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے محبوب بندے ہیں) اور انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُذًا أَوْ نَصَارَى (ہرگز جنت میں داخل نہ ہوگا مگر جو یہودی ہو یا نصرانی ہو) اس طرح انہوں نے اپنے نفوس کا تزکیہ کیا یعنی اپنے کو نیک اور صالح اور مستحق جنت بتایا اور اللہ کا محبوب ہونے کا دعویٰ کیا۔ باوجود کفر میں مبتلا ہونے کے اپنے نفوس کی تعریف کی اور اپنے کو اچھا بتایا۔ اور اپنے بارے میں عقیدہ بھی اچھا رکھا۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ اے مخاطب کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنی جانوں کا تزکیہ کرتے ہیں یعنی اپنے کو پاک بتاتے ہیں، حالانکہ وہ پاک نہیں ہیں، خود اپنی تعریف کرنے سے انسان نہ پاک ہوتا ہے اور نہ مستحق نجات ہوتا ہے، خود اپنا تزکیہ طاقت ہے بلکہ وہ بال ہے اللہ تعالیٰ شانہ کو سب کے عقائد اور اعمال کی خبر ہے اور انجام کی بھی خبر ہے وہ جس کا تزکیہ فرمائے وہی پاک ہے جو لوگ کفر میں مبتلا ہوتے ہیں اپنے کو پاک کہاں بتا رہے ہیں اللہ تعالیٰ شانہ ان کی بدکرداری کی مراد سے گا۔ اور ان کو جو عذاب دیا جائے گا وہ ان کے اعمال بد کے اعتبار سے مناسب اور موافق ہوگا ان پر ذرا بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ ایسا نہ ہوگا کہ جتنا جرم کیا ہے اس سے زیادہ مراد سے دی جائے۔

حقیر اور غیر چیز کی مثال دینے کے لئے اہل عرب لفظ نقیر اور فصیل اور قطمیر استعمال کیا کرتے تھے۔ کھجور کی گتھلی میں جو گڑھا ہے اُسے نقیر اور اس گڑھے میں جوتا گا ہوتا ہے اُسے فصیل اور گتھلی پر جو ہاک سا چھلکا ہوتا ہے اُسے قطمیر کہا جاتا ہے۔ یہ بتاتے ہوئے ان پر ذرا سا بھی ظلم نہ ہوگا یہاں لفظ فصیل استعمال فرمایا ہے۔ اسی سورت کے آئندہ رکوع میں اور چند رکوع کے بعد لفظ نقیر آ آیا ہے اور سورہ فاطر میں فرمایا ہے مَا يَمْضِيكَوْنَ مِنْ قَطْمِيرٍ (کہ وہ کھجور کی گتھلی کے چھلکے کے برابر بھی مالک نہیں)۔

پھر فرمایا اَنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ کہہ دیکھو ایہ لوگ اللہ پر کیسے جھوٹ باندھتے ہیں ان کا یہ کہنا کہ ہم اللہ کے مقبول بندے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ العیاذ باللہ اللہ کے نزدیک کفر پسندیدہ چیز ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ پر بڑی تہمت ہے۔

پھر فرمایا اِنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ کہہ دیکھو ایہ لوگ اللہ پر کیسے جھوٹ باندھتے ہیں ان کا یہ کہنا کہ ہم اللہ کے مقبول بندے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ العیاذ باللہ اللہ کے نزدیک کفر پسندیدہ چیز ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ پر بڑی تہمت ہے۔

تزکیہ نفس کی ضرورت اور اہمیت: اپنے نفس کو رذائل سے اور برے اخلاق سے پاک صاف کرنا چاہیے اور یہ بہت مبارک عمل ہے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کارہائے نبوت میں يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ فرمایا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے موافق جو شخص اپنے نفس کو رذائل سے اور برے اخلاق اور برے اعمال سے پاک کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تعریف میں فرمایا قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى (کہ بے شک وہ کامیاب و ناجو پاک ہوا) جو لوگ رذائل اور بد اخلاق میں مبتلا ہیں ان کا اپنے کو پاکیزہ بنانا یہ تو ہر انہرم ہے، جس نے برے اور بُرے میں اچھے۔ لیکن جو لوگ سچ مچ نیک اور صالح ہیں، رذائل سے پاک ہیں اخلاق حسنہ سے متصف ہیں ان کو بھی اپنی تعریف اور تزکیہ کرنا زیب نہیں۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللَّهَ مَا كَانَ بَشَرًا لَّيْفَ تَعْلَمُونَ (اے لوگو! اللہ سے ڈرو جو نہ انسان نہ جانور نہ شیطان نہ فرشتہ نہ کوئی مخلوق ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی تعریف اور تعظیم کے لیے تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے کہ تم اللہ سے ڈرو)۔

اپنی تعریف کرنے کی ممانعت۔ اگر کوئی شخص عمومی طور پر گناہوں سے اور روائے سے اور بد اخلاقیوں سے چٹا دہتب بھی کچھ نہ کچھ خرابی کو تاہی رہی جاتی ہے۔ پھر انجام کا پتہ نہیں کہ خاتمہ کس حالت پر ہوگا اس لئے اپنے تزکیہ سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ایسا نام رکھنا بھی پسند نہیں فرمایا جس سے اپنی تعریف کا پہلو نکلتا ہو۔ حضرت زینب بنت ابی سلمہؓ نے بیان فرمایا کہ میرا نام بردہ (نیک عورت) رکھ دیا گیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو ارشاد فرمایا کہ اپنی جانوں کو پاکیزہ نہ بتاؤ۔ اللہ کو خوب معلوم ہے کہ تم میں نیک کون ہے اس کا نام نہ زینب رکھ دو۔ (راہ مسلم ص ۲۰۸/۲)

تحدیث بالعمۃ کی اجازت..... اللہ نے اگر کسی کو اچھے اعمال اور اچھے اخلاق کی نعمت سے نوازا تو وہ بطور تحدیث بالعمۃ اپنی اچھی حالت بیان کرو۔ تو اس کی حجابائش ہے۔ لیکن بیان کرتے وقت اپنے باطن کا جائزہ لے لے کہ نفس کہیں دھوکہ تو نہیں دے رہا ہے، تحدیث بالعمۃ کے پرہیز میں اپنی تعریف اور تزکیہ کا کام تو نہیں دہرا رہا ہے۔

الْمُتَرِّ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجُبَّتِ وَالصَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ

کیا تو نے ان انہماں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا فیہ حصہ دیا گیا، جو مانتے ہیں کہ انہماں کو اور شیطان کہہ اور کہہ انہماں کے

لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَؤُلَاءِ أَهْدَى مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ۖ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ

بارے میں پہنچے ہیں کہ جو لوگ ایمان الے ان کی بہت یہ کافر زیادہ راہ راست پر تھیں۔ لہذا سب نے ہالے وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی

اللَّهُ ۖ وَمَنْ يَلْعَنِ اللَّهُ فْلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ﴿٥٠﴾

اور جس پہ اللہ لعنت کرے۔ تو اس کے کوئی مددگار نہ پائے گا۔

یہودیوں کی جسارت جنہوں نے شرک کو تو حید سے افضل بتا دیا

الباب النقول ص ۱۷ میں اس آیت کا شان نزول بتاتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہودیوں کے علماء اور رؤساء جو قبیلہ بنی نضیر میں سے تھے مکہ معظمہ پہنچے قریش مکہ نے آپس میں کہا کہ یہ لوگ علماء یہودی ہیں پہلی کتابوں کا بھی علم رکھتے ہیں۔ ان سے دریافت کرو کہ ہمارا دین بہتر ہے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین بہتر ہے؟ چنانچہ انہوں نے علماء یہودیوں سے دریافت کیا۔ اُن

لوگوں نے (یہ جانتے ہوئے کہ قریش مکہ مشرک ہیں اور بنی اسرائیل کو چھوڑ چکے ہیں اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہیں واقعی اللہ کے نبی ہیں) جواب میں کہہ دیا کہ تم لوگ محمد سے اور ان کا اتباع کرنے والوں کی نسبت زیادہ بدایت پر ہو، اس پر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو نصیحتیں فرمائی کہ تم لوگ غصہ نہ کرو کہ تم لوگ ان کے پیروں سے لڑو۔

یہودی یہ جانتے تھے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں، وہ آپ کی آمد کے انتظار میں بھی تھے اور جو علامات پہلے سے انہیں معلوم تھیں ان کے اعتبار سے آپ کو پہچان بھی لیا لیکن چند افراد کے علاوہ یہود کے علماء اور عوام نے اسلام قبول نہ کیا۔ فلما جاءهم ماعزوا به فلغنه الله على الكافرين اور مشرکین کو بھی انہوں نے یہ بتا دیا کہ تم نسبت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب اور اتباع کے زیادہ بدایت والے ہو۔ نفسانیت اور عناد کا ناس ہو۔ جب یہ دونوں چیزیں کسی کے دل میں جگہ پکڑ لیتی ہیں تو حق اور حقیقت کو دیکھنے ہی نہیں دیتیں، آنکھوں پر پٹی باندھ دیتی ہیں دل کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔ جن لوگوں کے پاس توحید شریف کا علم تھا اور وہ جانتے تھے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام توحید کی دعوت دینے کے لئے تشریف لاتے رہے ہیں اور یہ بھی جانتے تھے کہ مشرک بدترین چیز ہے اس بات کو جانتے ہوئے علماء یہود نے مشرکین مکہ کو ضد اور عناد میں داعی تو حید سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب اور اتباع سے زیادہ بدایت پر بتا دیا۔ جو کچھ علم ان کے پاس تھا اس کی کچھ لاج نہ رکھی اور جہت اور طاغوت پر ایمان لے آئے۔

جہت اور طاغوت کا معنی..... لفظ جہت اور طاغوت کے بارے میں مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ جہت ایک بت کا نام تھا۔ اس کے بعد وہ ہر جہو و باطل کے لئے استعمال ہونے لگا۔ اور طاغوت ہر باطل چیز کو کہا جاتا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ جہت جادوگر کے لئے اور طاغوت شیطان کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔ ہم نے بعض اقوال کے مطابق آیت شریفہ کا ترجمہ کر دیا ہے یہودیوں کی شرارت نفس دیکھو کہ علم کے تقاضوں کو بالائے طاق رکھ دیا اور جہالت اختیار کر لی اور اہل شرک کو ہدایت پر بتا دیا اور اس طرح وہ بتوں پر اور شیطان پر ایمان لے آئے۔

ایسی جاہلانہ باتیں عصبيت جاہلیہ کی وجہ سے دور حاضر کے بعض فرقوں اور بعض جماعتوں سے بھی صادر ہوتی رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا: اُولَئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان پر لعنت کی یعنی اپنی رحمت سے دور کر دیا۔ اس لعنت نے ان کو کہیں کا نہ رکھا۔ ملعون ہونے کی وجہ سے نڈر اور بے باک ہو کر کفر اور شرک کی حمایت کر رہے ہیں اور مشرکین کو اصحاب توحید کی نسبت زیادہ بدایت پر بتا رہے ہیں۔

پھر فرمایا وَمَنْ يَلْعَبِ اللّٰهُ فَلْيَنْصِبْ لَهُ نَصِيْرًا (کہ اللہ نے جس کو ملعون قرار دے دیا تو اس کے لئے کوئی مددگار نہ پائے گا) دنیا و آخرت میں جب اسے سزا ملنے لگے گی تو کوئی مددگار اور بچانے والا نہ ہوگا۔

مشرکوں اور کافروں پر تو لعنت ہے ہی بہت سے گنہگاروں پر بھی حدیثوں میں لعنت آئی ہے۔ گناہ تو کبھی چھوڑنے لازم ہیں لیکن خصوصیت کے ساتھ ان گناہوں سے پرہیز کریں جن کے کرنے والوں پر لعنت وارد ہوئی ہے۔ ذیل میں چند وہ احادیث لکھی جاتی ہیں جن میں گناہوں پر لعنت کا ذکر ہے۔

شراب کے بارے میں دس آدمیوں پر لعنت..... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے بارے میں دس آدمیوں پر لعنت بھیجی۔

- ۱۔ شراب بنانے والے پر۔
- ۲۔ شراب بنانے والے پر۔
- ۳۔ اس کے پینے والے پر۔
- ۴۔ اس کے اٹھانے والے پر۔
- ۵۔ جس کی طرف اٹھا کر لے جاتی جائے اس پر۔
- ۶۔ اس کے پلانے والے پر۔
- ۷۔ اس کے بیچنے والے پر۔
- ۸۔ اس کی قیمت کھانے والے پر۔
- ۹۔ اس کے خریدنے والے پر۔
- ۱۰۔ جس کے لئے خریدی جائے اس پر۔

(مشکوٰۃ ص ۲۴۲، از ترمذی، ۱۰۱۰ھ)

مسلمان کو نقصان پہنچانا یا اس کے ساتھ مکاری کرنا..... حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص ماعون ہے جو کسی مومن کو نقصان پہنچائے یا اس کے ساتھ مکر کرے۔ (مشکوٰۃ ص ۲۴۸، از ترمذی)

تقدیر کو جھٹلانا اور کتاب اللہ میں کچھ بڑھا دینا: حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چھ شخص ایسے ہیں جن پر میں نے لعنت کی ہے۔ اور ہر نبی کی وعاء قبول کی جاتی ہے۔ (وہ چھ اشخاص یہ ہیں)۔

۱۔ اللہ کی کتاب میں بڑھانے والا۔

۲۔ تقدیر کو جھٹلانے والا۔

۳۔ اللہ نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ان کو حلال کرنے والا۔

۴۔ میری عترت یعنی اولاد کی بے حرمتی کرنے والا۔

۵۔ اور سنت کو چھوڑنے والا۔

(بخاری، ۲۰۵۵ ق ۷ عن الطبرانی فی الاوسط ورجالہ ثقات)

اس حدیث میں ابتداء چھ افراد کا ذکر کیا گیا جن میں پانچ ہیں۔ ممکن ہے کسی کا تب سے کچھ رہ گیا ہو۔ مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۲ میں بھی یہ حدیث ہے۔ اس میں چھٹا آدمی اس شخص کو ذکر کیا ہے جو برہنہی اقتدار حاصل کر لے تاکہ اس کو عزت دے جس کو اللہ نے ذلیل کیا اور اس کو ذلت دے جس کو اللہ نے عزت دی۔ صاحب مشکوٰۃ نے یہ حدیث امام بیہقی کی کتاب البدخل سے نقل کی ہے۔ اس حدیث میں تارک سنت کو جو ماعون قرار دیا ہے اس سے وہ شخص مراد ہے جو بالکل ہی آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے روگردانی کرے یا کسی بھی سنت کا مذاق اڑائے۔ (کہا کر وہی القاری فی المرقۃ)

عورتوں کا قبروں پر جانا اور وہاں چراغ جلانا..... حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کے لئے جانے والی عورتوں پر اور ان لوگوں پر لعنت فرمائی جو قبروں کو سجدہ گاہ بنائیں اور جو قبروں پر چراغ جلائیں (ابوداؤد، ترمذی) اس حدیث میں قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور ان لوگوں پر جو قبروں کو سجدہ گاہ بنائیں اور وہاں چراغ جلائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۷۱)

نوحہ کرنے والی اور نوحہ سننے والی پر لعنت..... حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی عورت اور (اس کا نوحہ) سننے والی پر لعنت کی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۵۱، از ابوداؤد)

شوہر کی نافرمانی..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کر دے جس کی وجہ سے شوہر غصہ کی حالت میں رات گزارے تو اس عورت پر صبح ہونے تک فرشتے

لعنت کرتے ہیں۔ (مشکوٰۃ ص ۱۵۱، از ابوداؤد)

حضرات صحابہ کرامؓ کو بُرا کہنا..... حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہؓ کو بُرا کہہ رہے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ تمہارے شر پر اللہ کی لعنت۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۵۳ از ترمذی)

سو دیکھنا اور سود کا کاتب اور گواہ بننا..... حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی سوہ کھانے والے پر اور سوہ کھلانے والے پر اور اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہ بننے والوں پر اور فرمایا کہ (گناہ میں) یہ سب برابر ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۴ از مسلم) اور ایک حدیث میں ہے کہ اللہ نے لعنت کی ہے سوہ کھانے والے پر اور سوہ کھلانے والے پر اور گواہ بننے والے پر اور تصویر بنانے والے پر لعنت بھیجی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۱ از بخاری)

رشوت کا لینا دینا اور اس کا واسطہ بننا..... حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی رشوت دینے والے پر اور رشوت لینے پر (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۶ از ابو داؤد، ابن ماجہ) اور حضرت ثوبانؓ کی روایت میں یہ بھی ہے جو شخص رشوت لینے والے اور دینے والے کے درمیان واسطہ بنے اس پر بھی اللہ کی لعنت ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۱ از ابن ماجہ)

ضرورت کے وقت غلہ روکنا..... حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص دوسری جگہ سے (شہر یا بستی میں) غلہ لے کر آئے (جس سے لوگوں کو خوراک ملتی ہے) ایسا شخص مرزوق ہے (یعنی اللہ اس کو رزق دے گا) اور جو شخص (ضرورت کے وقت) غلہ روک کر رکھے (مہنگائی کا انتظار کرتا ہے) ایسا شخص ملعون ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۱ از ابن ماجہ)

جاندار چیز کو تیر اندازی کا نشانہ بنانا..... حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص پر لعنت کی جو کسی جاندار چیز کو نشانہ بنائے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۵۷ از بخاری و مسلم) زندہ فحشلی کو کاٹنے میں لگا کر مچھلیاں پکڑنا بھی حرام ہے۔ مردوں کو زنا نہ بین اور عورتوں کو مردانہ وضع اختیار کرنا..... حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کریں اور ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کریں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۸۰ از بخاری)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یحییٰ بن زکریاؑ کو اپنے گھر سے نکال دیا۔ (ایضاً) اس حدیث پاک میں ان مردوں اور عورتوں پر لعنت بھیجنے کا ذکر ہے جو فطرت خداوندی کو چھوڑ کر دوسری جنس کی وضع قطع شکل و صورت لباس و پوشاک اختیار کریں۔ البتہ جو پیدائشی یحییٰ بن زکریاؑ ہو چونکہ وہ اپنے اختیار سے نہیں بنا ہے اس لئے اسے ملعون نہ کہا جائے گا۔ لیکن جو مرد و قصداً ترکیب اور تدبیر کر کے عورت بن اختیار کرتے ہیں یعنی اپنے اعضائے مردی کو ختم کر دیتے ہیں یا عورتوں کی طرح بال بڑھا کر چوٹی بناتے ہیں یا زنا نہ لباس پہنتے ہیں۔ حدیث بالا کی رد سے بلاشبہ وہ ملعون ہیں۔ ایسے لوگوں کو اپنے گھروں میں آنے کی اجازت و ممانعت گناہ ہے۔

مردوں کو عورتوں کا اور عورتوں کو مردوں کا لباس پہننا..... حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ لعنت بھیجی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس مرد پر جو عورت کا لباس پہنے اور اس عورت پر جو مردوں کا لباس پہنے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۸۳ از ابو داؤد)

کسی مرد یا عورت سے اغلام کرنا سبب لعنت ہے..... حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص ملعون ہے جو اپنی بیوی کے پیچھے والے حصہ میں شہوت پوری کرے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۷۶ از احمد، ابو داؤد) اور مسند احمد ص ۳۰۹

ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ کی لعنت ہو اس شخص پر جو لو ط علیہ السلام کی قوم جیسا عمل کرے تین بار یوں ہی فرمایا اور مسند احمد ص ۷۳ ج ۱ میں یہ بھی ہے کہ وہ شخص ملعون ہے جو کسی چوپائے سے اپنی شہوت پوری کرے۔

عورتوں کا بالوں میں بال ملانا اور گود وانا..... حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی بالوں میں بال ملانے والی پر اور بالوں میں بال ملوانے والی پر اور گودنے والی پر اور گدوانے والی پر۔ (الترغیب والترہیب ص ۱۲۰ ج ۲ از بخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی گودنے والیوں پر اور گدوانے والیوں پر اور چہرے کے بال اکھاڑنے والیوں پر اور لعنت بھیجی اُن عورتوں پر جو حسن کے لئے دانتوں کو گھس کر باریک بناتی ہیں جو اللہ کی تخلیق کو بدلنے والی ہیں۔ (الترغیب والترہیب ص ۱۲۰ ج ۲ از بخاری و مسلم)

عیب چھپا کر بیچ دینا..... حضرت واصلہؓ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے کسی (چیز) کو عیب (کے ساتھ) فروخت کر دیا جس سے خریدار کو آگاہ نہیں کیا تو برابر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں رہے گا یا (فرمایا کہ) اس پر فرشتے لعنت کرتے رہیں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۳۹ از ابن ماجہ)

غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا اور زمین کی حد بندی کی نشانی چرانا..... حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اس پر جو غیر اللہ تعالیٰ کے لئے ذبح کرے، اور اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اس پر جو زمین کی نشانی چرائے اور اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اس پر جو اپنے باپ پر لعنت کرے اور اللہ کی لعنت ہو اس پر جو کسی ایسے شخص کو ٹھکانہ دے جس نے (دین اسلام میں عمل یا عقیدہ کے اعتبار سے) کوئی نئی چیز نکالی ہو۔ (صحیح مسلم ص ۱۶۰ ج ۲)

اس حدیث میں کئی شخصوں پر لعنت کی ہے اُن میں سے ایک وہ شخص ہے جو زمین کی حد بندی کی نشانی کو چرالے، یعنی کھیتوں کے درمیان جو نشانیاں مقرر کر دیتے ہیں ان کو ہٹا دے یا چرا کر پھینک دے یا مینڈھ کو کاٹ دے۔ اور اس طرح دوسرے کی زمین اپنی زمین میں ملا لے، بہت سے لوگ پٹواری سے مل کر اور کچھ لے وے کر نقشہ بدلو کر یا کسی بھی طرح دوسرے کی زمین اپنے نام کرا لیتے ہیں یہ سب حرام ہے اور سبب لعنت ہے جو کسان ایسی حرکت کرتے ہیں اس حدیث سے عبرت حاصل کریں۔

نامحرم مرد و عورت کا دیکھنا اور دکھانا موجب لعنت ہے..... حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی لعنت ہو دیکھنے والے پر اور جس کی طرف دیکھا جائے اس پر بھی۔ (مشکوٰۃ ص ۱۷۰ از شعب الایمان) یہ حدیث بہت سے جزئیات پر حاوی ہے جس میں بطور قاعدہ کلیہ کے ہر نظر حرام کو مستحق لعنت بتایا ہے اور نہ صرف دیکھنے والے پر لعنت بھیجی بلکہ اپنی خوشی اور اختیار سے جو کوئی مرد یا عورت کسی ایسی جگہ کھڑا ہو جہاں اس پر نظر بد ڈالی جاسکے اس پر بھی لعنت بھیجی۔

نیز اگر کوئی بھی مرد و عورت کسی بھی مرد و عورت کے سامنے وہ حصہ کھول دے یا کھلا رہنے دے جس کا دیکھنا اس کے لئے حلال نہ ہو جس کے سامنے کھولا ہے تو یہ کھلانے والا بھی مستحق لعنت ہے۔

نسب بدلنا..... حضرت عمرو بن خطابؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کو اپنا باپ بنایا یا اپنے موالی کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی طرف اپنی نسبت ظاہر کی تو اس پر اللہ کی لعنت ہے اور اس پر فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے نہ فرض قبول فرمائے گا نہ نفل۔ (مسند احمد ص ۱۸۷ ج ۳)

اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے تنبیہ ہے جو اپنا نسب بدلتے ہیں، اونچے خاندان کی طرف اپنی نسبت کر لیتے ہیں اور ناموں کے ساتھ انہیں نسبتوں کو لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ جو فرمایا کہ جس نے اپنے موالی کے علاوہ دوسرے کسی شخص کی طرف اپنی نسبت ظاہر کی تو اس پر لعنت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب مسلمانوں کے پاس باندی اور غلام تھے اس وقت وہ غلام اور باندیوں کو آزاد کر دیا کرتے تھے۔ آزاد کرنے والے اُن کے موالی تھے اُن کے درمیان جو نسبت قائم ہوتی تھی۔ اس کو دلائے کہا جاتا تھا۔ اس نسبت کے بدلے پر بھی لعنت وارد ہوئی ہے۔

مُحَلِّلٌ اور مُحَلِّلٌ لَهُ:..... حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ اعنت بھیجی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محلل پر اور اُس شخص پر جس کے لئے حلال کی جائے۔ (مشکوٰۃ المصابیح عن الدارمی ص ۳۸۴ درودا ابن ماجہ عن علی بن عباس وعقبة بن عامرؓ) شریعت مطہرہ میں اول تو طلاق دینا ہی مغبوض ہے پھر اگر طلاق دے تو طلاق رجعی سے کام چلائے جس میں عدت میں رجوع ہو جاتا ہے۔ اگر تین طلاقیں دے دیں (چاہے ایک ساتھ دی ہوں یا متفرق کر کے) تو پھر طلاق دینے والے شوہر کے نکاح میں دوبارہ اس طرح آ سکتی ہے کہ عدت گزرنے کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح ہو جائے جس سے نکاح جائز ہو پھر وہ مرد جماع کرے پھر وہ مرد سے یا طلاق دے پھر اس کی عدت گزرے۔ بعض ادگ تین طلاق دے کر کسی دوسرے مرد سے اس شرط پر نکاح کر دیتے ہیں کہ تو جماع کر کے طلاق دے دینا ایسی صورت میں جو شخص حلال کر کے دے یعنی نکاح کر کے جماع کر کے طلاق دے اس کو مُحَلِّلٌ اور شوہر اول کو مُحَلِّلٌ کہہ جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں پر لعنت فرمائی۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ نکاح اس لئے ہے کہ دونوں میاں بیوی بن کر رہیں اس لئے نہیں ہے کہ جدا ہو جائیں اور جدائی بھی ایسی جس کا نکاح سے پہلے ہی ارادہ کر لیا گیا تھا۔ یہ مقاصد شریعت کے خلاف ہے اس لئے یہ تحلیل کا کام موجب اعنت ہے۔

ناہینا کو غلط راستہ پر ڈال دینا اور والدین کو تکلیف دینا..... حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے اس پر لعنت کی جو زمین کی نشانیوں کو بدل دے۔ اللہ نے اعنت کی اس شخص پر جو ناہینا کو راستہ سے بھٹکا دے۔ اللہ نے اس پر لعنت کی جو اپنے ماں باپ کو دکھ دے۔ (مسند احمد ص ۳۱ ج ۱) پیسے کا غلام بننا..... حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دینار کا غلام اور درہم کا غلام اعنت کیا گیا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۱ از ترمذی)

اس حدیث میں اصلی دنیا دار کا نقشہ کھینچا ہے، یوں دنیا میں پیسے تو سبھی کماتے ہیں اور کمانا پڑتا بھی ہے۔ حلال کمانیں، حلال کھانیں، اس میں کچھ حرج نہیں بلکہ اپنی ضرورتوں کے لئے حلال کمانے میں ثواب بھی ہے۔ لیکن یہ بات کہ پیسے ہی کا غلام ہو کر رہ جائے پیسے ہی کے لئے کمائے اور نہ حلال دیکھے نہ حرام دیکھے۔ سوائے بھی پیسے کے لئے جاگے بھی پیسے کے لئے کسی سے ملے تو بھی پیسے کے لئے نزن کا ہوش نہ پیٹ کا خیال، نہ ماں باپ اور اولاد کا فکر، نہ اللہ کے فرائض و واجبات کا دھیان، بس کمانا ہی کمانا ہے ایسا شخص دینار اور درہم کا غلام ہے۔ اس پر لعنت کی گئی ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہلاک ہو دینار کا غلام اور درہم کا غلام اور چادر کا غلام (اگر ان چیزوں میں سے) کچھ دے دیا گیا تو راضی ہو گیا اور اگر نہ دیا گیا تو ناراض ہو گیا، ایسا شخص ہلاک ہو اور اندھے منہ ہو کر گرے، اور جب اس کو کاشا لگ جائے تو خدا کرے اس کا کاشا بھی نہ نکلے۔ (رواہ البخاری کمانی مشکوٰۃ ص ۴۳۹) غور کیا جائے کہ رحمتہ للعالمین صلی اللہ

علیہ وسلم نے دنیا دار کو، پیسے کے غلام کو کسی بدو عادی۔

ان اوراق کے لکھتے وقت یہ چند احادیث ذہن میں آگئیں، مزید تتبع اور تلاش سے ان شاء اللہ تعالیٰ مزید احادیث بھی مل سکتی ہیں جن میں لعنت کے اسباب مذکور ہوں۔

أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذَا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ۖ أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ

کیا ان لوگوں کا ملک میں کچھ حصہ ہے سو ایسی صورت میں لوگوں کو وہ ذرا سی چیز بھی نہ دیتے۔ کیا وہ لوگوں سے اس چیز پر حسد

عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ

کرتے ہیں جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے، سو ہم نے آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت دی اور ہم نے ان کو

مُلْكًا عَظِيمًا ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ۝۵۵

بڑا ملک عطا کیا۔ سو ان میں سے بعض اس پر ایمان لائے اور بعض نے اس سے روگردانی کی، اور کافی ہے دوزخ کا دھنکی ہوئی آگ : دوتا۔

یہودیوں کو بغض اور حسد کھا گیا

لباب بقول ص ۱۷ میں ہے کہ اہل کتاب نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یوں کہتے ہیں کہ ان کو جو کچھ دیا گیا تو ضعیف کی وجہ سے دیا گیا اور ان کی نوبتوں پر ہیں۔ اور ان کا مقصد بس نکاح کرنا ہی ہے اور اس سے بڑھ کر کون سا بادشاہ ہوگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالآئم یتَحْسَدُونَ النَّاسَ آخر تک نازل فرمائی۔

یہود حق کو قبول کرتے نہ تھے۔ البتہ اعتراضات اور جھوٹے بہانے تلاش کرتے رہتے تھے اور کچھ نہ ملتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کثرت ازواج پر ہی اعتراض کر دیا جب دلائل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت ثابت ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہے کہ نبی اور رسول، اللہ تعالیٰ کے قانون کے خلاف نہ خود چلتے ہیں نہ دوسروں کو چلاتے ہیں تو اب یہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہوا کہ اس نے ایسے شخص کو کیوں نبی بنایا جس کی بیویوں کی تعداد زیادہ ہے، اعتراض کرنا یہودیوں کی جہالت کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ ان کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے اگر ملک کا کچھ حصہ ان کے پاس ہے تو کسی کو تقیر کے برابر بھی کچھ نہیں دیتے۔ (تقیر کھجور کی گٹھلی کے اندر کے گڑھے کو کہا جاتا ہے جس کا ترجمہ ہم نے یوں کیا ہے کہ کسی کو ذرا بھی کچھ نہ دیتے) خود تو کسی کو بھونی گڑی دینے کو تیار نہیں اور اللہ نے اپنے فضل سے جو کچھ کسی کو عطا فرمایا اس پر حسد کرتے ہیں۔ حسد کرنے والا بہت بڑا بیوقوف ہوتا ہے اس کے حسد سے کسی کی نعمت چھن نہیں جاتی اور وہ خواجہ خواندہ ان نعمتوں کو دیکھ دیکھ کر جو اللہ نے کسی کو دی ہیں اندر اندر گڑھتا رہتا ہے اور حسد کی آگ میں جلتا بھٹتا ہے، حسد کی یہ سب سے بڑی شاعت اور قباحت ہے کہ حاسد اللہ کی قضا و قدر پر راضی نہیں۔ اللہ نے تو اپنی مہربانی سے نعمت عطا فرمادی۔ لیکن حاسد اللہ کے اس انعام سے راضی نہیں۔

آل ابراہیم کو اللہ نے کتاب اور حکمت اور ملک عظیم عطا فرمایا..... چونکہ یہودی بنی اسرائیل کی تاریخ سے واقف تھے اس لئے ان کو اللہ تعالیٰ نے یاد دلایا کہ ہم نے آل ابراہیم کو کتاب بھی دی اور حکمت بھی دی اور ان کو بڑا ملک بھی عطا کیا۔ آل ابراہیم سے حضرت داؤد علیہ السلام مروا ہیں۔ داؤد علیہ السلام کو اللہ نے اپنی کتاب زبور عطا فرمائی تھی اور داؤد علیہ السلام کو حکومت اور سلطنت بھی عطا کی تھی

اور ان حضرات کی بیویاں بھی بہت زیادہ تھیں۔ معالم التنزیل ص ۴۴۲ ج ۱ میں لکھا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی ایک ہزار تین سو بیویاں تھیں۔ اور داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں، جیسے وہ حضرات آل ابراہیم میں سے تھے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ بھی آل ابراہیم میں سے ہیں ان کی بیویاں متعدد ہو گئیں تو اس میں کیا اشکال کی بات ہے۔ سورۃ ابراہیم میں فرمایا وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً (اور البتہ تحقیق ہم نے بھیجے آپ سے پہلے رسول اور ہم نے ان کو بیویاں دیں اور ذریت بھی دی)۔

اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے جس کو جو نعمت چاہے عطا فرمائے اس میں کسی کو کیا اعتراض ہے اللہ کی عطا اور بخشش پر اعتراض کرنا اور اس سے راضی نہ ہونا کفر ہے پھر جس طرح تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ کو پورا پورا اختیار ہے جس کو جو چاہے عطا فرمائے اسی طرح تشریفی طور پر اُسے اختیار ہے کہ جس کے لئے جو کچھ چاہے حلال قرار دے۔ حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کے لئے بہت سی بیویاں حلال فرمادیں اور سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نو بیویوں کی اجازت دے کر ارشاد فرمایا: لَا يَجْعَلُ لَكَ الْبَيْتُ مِنْ مِّنْ بَعْدُ (الآیۃ) اور امت محمدیہ کو صرف چار بیویوں تک کی اجازت دے دی۔ وہ مالک تکوین و تشریع ہے اس پر اعتراض کرنا جہالت اور ضلالت ہے۔

پھر فرمایا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهِ (الآیۃ) یعنی ان لوگوں میں سے بعض ایمان لے آئے اور بعض نے اعراض کیا۔ صاحب روح المعانی تحریر فرماتے ہیں کہ اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلی ہے اور مطلب یہ ہے کہ آل ابراہیم کو جو کچھ کتاب و حکمت دی گئی بعض اس پر ایمان لے آئے اور بعض منکر ہوئے۔ اسی طرح آپ کے زمانہ کے لوگ بعض ایسے ہیں جو ایمان لے آئے اور بعض ایسے ہیں جو اعراض کر رہے ہیں۔ یہ پہلے سے ہوتا آیا ہے آپ رنجیدہ نہ ہوں جو لوگ منکر ہیں ان کے لئے دیکتی ہوئی آگ ہے جو ان کے لئے کافی ہے۔ ان کی ساری شرارتوں اور حرکتوں پر انہیں سخت ترین عذاب مل جائے گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا

بلشبہ جن لوگوں نے ہماری آیات کے ساتھ کفر کیا غفریب ہم ان کو آگ میں داخل کریں گے جب بھی ان کی کھالیں پک جائیں گی تو ہم ان کی کھالوں کے

غیرھا لیں وَلَوْ لَوْ الْعَذَابُ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

علاوہ ان کی دوسری کھالیں پلٹ دیں گے تاکہ عذاب یکساں، بیشک اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام

الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرٰى مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا لَّهُمْ

کئے غفریب ہم ان کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، ان میں

فِيْهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيْهَا خٰلِدِيْنَ ۝۵۰

ان کے لئے پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور ہم ان کو گھنے سائے میں داخل کریں گے۔

کافروں کو دوزخ میں سخت عذاب، کھالوں کا بار بار جلنا اور بار بار نئی کھال پیدا ہونا

اور اہل ایمان کا جنتوں میں عیش کرنا

اوپر مومنین اور منکرین کا ذکر تھا۔ اب یہاں کافروں کا عتاب اور مومنین کا ثواب ذکر کیا جاتا ہے۔ پہلی آیت میں کافروں کے سخت

عذاب کا اور دوسری آیت میں اہل ایمان کا اجر و ثواب اور انعامات کا ذکر ہے۔

کافروں کے بارے میں فرمایا کہ بلاشبہ ہم اُن کو آگ میں داخل کریں گے یہ آگ معمولی نہ ہوگی بہت بڑی آگ ہوگی جس پر لفظ نَار کی تعین دلالت کرتی ہے۔ اور سورۃ اَعْلٰی میں اس آگ کے بارے میں فرمایا ہے يَصْلٰى النَّارُ الْكُبْرٰى حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری یہ آگ (جو دنیا میں ہے) جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے عرض کیا گیا یا رسول اللہ (انسانوں کے عذاب کے لئے) تو یہی کافی تھی آپؐ نے فرمایا (اس کے باوجود) دوزخ کی آگ دنیاوی آگ پر ۶۹ درجہ زیادہ بڑھا دی گئی ہے ہر درجہ حرارت اسی قدر ہے جس قدر دنیا کی آگ میں حرارت ہے۔ (صحیح بخاری ص ۴۶۲ ج ۱)

اہل دوزخ کے عذاب کی کچھ تفصیل بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جب اُن کی کھالیں جل کر پک جائیں گی تو ہم اُن کی جگہ دوسری کھالیں پلٹ دیں گے اور بار بار ایسا ہی دہرائے گا دنیا میں جس طرح ہوتا ہے کہ آگ نے جلادیا اور جل کر ختم اور بھسم ہو گئے۔ وہاں ایسا نہ ہوگا وہاں تو ہمیشہ ہی عذاب ہوگا اور وہ عذاب والی زندگی ایسی ہوگی جس کے لئے لَا يَمُوتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰی فرمایا کہ نہ تو زندگی ہی ہوگی جس میں آرام و آسائش ہو اور نہ موت آئے گی تاکہ عذاب ختم ہو جائے۔ اسی لئے فرمایا لَا يَمُوتُ وَلَا يَحْيٰی یعنی ہم کھالوں کو پلٹتے رہیں گے تاکہ وہ عذاب چکیں۔

پھر فرمایا اِنَّ اللہَ تَعَالٰی عَزَّ وَجَلَّ حَكِيْمٌ کہ بلاشبہ اللہ زبردست ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے اور غالب ہے اس کے ارادہ سے اُسے کوئی روکنے والا نہیں اور وہ حکیم بھی ہے اس کا ہر فیصلہ اور ہر فعل حکمت کے موافق ہے۔

اہل کفر کی سزا بیان فرمانے کے بعد اہل ایمان کے انعامات کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلْهُمْ جَنَّٰتٍ جَنَّتْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ (الآیۃ) یعنی جو لوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے ہم اُن کو عنقریب ایسے باغوں میں داخل کریں گے جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ان کے لئے پاکیزہ بیویاں ہوں گی وہ ظاہری آلائش جیسن و نفاس اور باطن اور میل کچیل سے پاک ہوں گی اور بُرے اخلاق اور بد مزاجی اور ہر اس چیز سے پاک ہوں گی جو نفرت اور وحشت کا سبب ہو۔

آخر میں فرمایا وَسَنُزَوِّجُهُمْ ذٰلٰتِ خِلٰفٍ (اور ہم اُن کو گھنے یعنی گنجان سایہ میں داخل کریں گے) مطلب یہ ہے کہ وہ جن باغوں میں داخل ہوں گے اُن میں گنجان اور گھنا سایہ ہوگا۔ گھنا سایہ خوب ٹھنڈا ہوتا ہے اور بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ سایہ بھی ہوتا ہے لیکن پتوں کے درمیان سے دھوپ بھی چھن کر آتی رہتی ہے وہاں ایسا نہ ہوگا۔ سارا سایہ متصل ہوگا اور گنجان ہوگا۔

اِنَّ اللہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُوَدُّوا الْاٰمِنِیْنَ اِلٰی اٰہْلِہَا ۚ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ

بے شک اللہ تمہیں حکم فرماتا ہے کہ امانت والوں کو امانتیں دے دیا کرہ اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلے کرو تو

اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۚ اِنَّ اللہَ نِعِمَّا یُعْظَمُ بِہٖ ۚ اِنَّ اللہَ كَانَ سَمِیْعًا بَصِیْرًا ۝۵۰

انصاف کے ساتھ فیصلے کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جس چیز کی تمہیں نصیحت فرماتا ہے وہ بہت اچھی ہے، بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

امانت کی ادائیگی اور فیصلوں میں انصاف کا حکم

اس آیت کے سبب نزول میں حضرات مفسرین کرام نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ فتح مکہ کے دن آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے

عثمان بن طلحہ جی سے کعبہ شریف کی چابی لے لی تھی (ان کے خاندان میں عرصہ دراز سے کعبہ شریف کے کھولنے اور بند کرنے کی خدمت آ رہی تھی جس کو اہل عرب سداۃ البیت کے نام سے تعبیر کرتے تھے) آپ کعبہ شریف میں داخل ہوئے وہاں نماز پڑھی جب باہر نکلے تو حضرت علیؑ نے عرض کیا کہ چابی ہمیں دے دیجئے تاکہ بنی ہاشم میں سقاۃ الحاج (حاجیوں کو پانی پانا) اور سداۃ البیت دونوں جمع ہو جائیں۔ اور بعض روایات میں ہے کہ عباس بن عبدالمطلبؑ نے یہ سوال کیا تھا۔ آپؑ نے ان دونوں میں سے کسی کو چابی نہ دی۔

جب آپ کعبہ شریف سے باہر تشریف لائے تو آیت **بِالْإِثْمِ وَالْآثَامِ تَمَنَّوْا أَنْ قَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا** تلاوت فرما رہے تھے رب العالمین جل مجدہ کے فرمان کے مطابق آپؑ نے چابی اسی کو دے دی جس سے لی تھی۔ جب آپؑ نے ان کو چابی عطا فرمائی تو فرمایا **خَذُوهَا يَا بَنِي أَبِي طَلْحَةَ بِأَمَانَةِ اللَّهِ لَا يَنْزِعُهَا مِنْكُمْ إِلَّا ظَالِمٌ** (اے بنی طلحہ اس چابی کو اللہ کی امانت کے طور پر لے لو اس چابی کو تم سے ظالم کے علاوہ کوئی نہیں چھینے گا) اور ایک روایت میں ہے کہ آپؑ نے فرمایا **خَذُوهَا يَا بَنِي أَبِي طَلْحَةَ خَالِدَةً قَالِدَةً** (اے بنی ابی طلحہ اس کو ہمیشہ کے لئے لے لو یہ تمہارے لئے خاندانی میراث ہے)۔ اس کے بعد سے آج تک یہ چابی انہیں کے خاندان میں ہے، جس کے پاس چابی ہوتی ہے اہل مکہ اس کو بھی کہتے ہیں۔ عثمان بن طلحہ کے والد ابو طلحہ تھے جن کا نام عبداللہ بن عبد العزیٰ تھا اور عثمان، شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کے چچا زاد بھائی تھے۔ یہی شیبہ بن عثمان ابن ابی طلحہ ہیں جن کے خاندان میں اب تک کعبہ شریف کی کلید برواری چلی آ رہی ہے اور اسی لئے اس خاندان کو شیبی خاندان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن طلحہ سے ہی چابی لی تھی اور درمیان میں حضرت علیؑ و حضرت عباسؑ اس کے طالب بن گئے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ امانت کو امانت والوں کے پاس پہنچاؤ۔ (تفسیر درمنثور ص ۴۷ ج ۲ تفسیر ابن کثیر ص ۵۱۵ ج ۱، اسباب النزول للہادی ص ۱۵۱)

قرآن مجید کی متعدد آیات میں اداۃ امانت کا حکم فرمایا ہے اور خیانت کرنے والوں کی مذمت کی ہے سورۃ الانفال میں ارشاد ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ** اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول کے حقوق میں خیانت نہ کرو اور آپس کی امانتوں میں خیانت نہ کرو حالانکہ تم جانتے ہو۔

سورۃ یوسف میں فرمایا **وَأَنْ لَا يُخْلَىٰ كَيْدُ الْخَائِنِينَ** اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے فریب کو راہ نہیں دیتا۔

سورۃ انفال میں فرمایا **وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْخَائِبِينَ** بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

سورۃ حج میں فرمایا **وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ** بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والے ناشکرے کو پسند نہیں فرماتا۔

سورۃ معارج میں اچھے لوگوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا **وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ** اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرنے والے ہیں۔

امانتوں کی تفصیل سورۃ نساء کی آیت بالا اور دیگر آیات جو ہم نے نقل کی ہیں ان سب سے عمومی طور پر ہر قسم کی امانتوں کی ادائیگی کا حکم اور ہر قسم کی خیانت کی مذمت معلوم ہوئی۔ اللہ کے حقوق جو بندوں پر ہیں، نماز، زکوٰۃ، روزے، کفارات نذر اور ان کے علاوہ بہت سی چیزیں یہ سب امانتیں ہیں۔ جن کی ادائیگی یا اخلاعت ہر شخص کو معلوم ہوتی ہے کہ میں نے کس حکم پر عمل کیا اور کس حکم کی حکم عدولی کی، دوسروں کو خبر بھی نہیں ہوتی اسی طرح سے آپس میں حقوق العباد جو ایک دوسرے پر واجب ہیں وہ بھی امانتیں ہیں ان کی ادائیگی فرض ہے، کسی نے مال امانت رکھ دیا فرض ہے دیا کسی سے مال غصب کر لیا کسی کے مال میں خیانت کر لی یا چوری کر لی یہ سب اموال امانتیں ہیں ان کی ادائیگی فرض ہے حکام کو بلکہ صاحب مال کو معلوم ہو یا نہ ہو ہر شخص اپنے اپنے متعلقہ احکام میں امانت دار ہے چھوٹے بڑے حکام اور

ملوک اور رؤسا اور وزراء امانتدار ہیں انہوں نے جو عہدے اپنے ذمہ لئے ہیں وہ ان کی ذمہ داری شریعت اسلامیہ کے مطابق پوری کریں۔ کسی بھی معاملے میں عوام کی خیانت نہ کریں۔ اسی طرح سے بائع اور مشتری اور سفر کے ساتھی اور پڑوسی اور میاں بیوی اور ماں باپ اور اولاد سب ایک دوسرے کے مال کے اور دیگر متعلقہ امور کے امانتدار ہیں جو بھی کوئی کسی کی خیانت کرے گا گنہگار ہوگا اور میدان آخرت میں پکڑا جائے گا۔

سورۃ بقرہ میں ارشاد فرمایا فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اُوْتِيَ اَمَانَتَهُ وَاَلَيْتَبٰ اللّٰهُ رَبَّهُ سوا اگر تم میں سے ایک دوسرے پر اعتماد کرے تو جس پر اعتماد کیا گیا وہ دوسرے کی امانت کو ادا کرے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔

امانتداری ایمانی تقاضوں میں سے ہے: حضرت انسؓ نے بیان فرمایا کہ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے خطاب فرمایا ہو اور یہ نہ ارشاد فرمایا ہو کہ لا ایمان لمن لا امانة له ولا دين لمن لا عهد له (اس کا کوئی ایمان نہیں جو امانتدار نہیں اور اس کا کوئی دین نہیں جو عہد کا پورا نہیں)۔ (مشکوٰۃ المصابیح عن البیہقی فی شعب الایمان ص ۱۵)

صحیح مسلم ص ۵۶ ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں اگرچہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے اور وہ یہ خیال کرے کہ میں مسلمان ہوں۔

۱۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔

۲۔ جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے۔

۳۔ اور جب اُس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص میں چار چیزیں ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا اور جس میں ان میں سے ایک خصلت ہوگی تو یوں سمجھا جائے گا کہ اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے جب تک اُسے چھوڑ نہ دے۔

۱۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

۲۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔

۳۔ جب عہد کرے تو وھوکہ دے۔

۴۔ جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکے۔ (صحیح بخاری ص ۱۰ ج ۱)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تیرے اندر چار خصلتیں ہوں تو تجھے اس بات کا کوئی ضرر نہیں کہ دنیا کی باقی چیزیں تیرے پاس نہیں۔ (۱) امانت کی حفاظت، (۲) بات کی سچائی، (۳) اخلاق کی خوبی، (۴) لقمے کی پاکیزگی۔ (رواہ احمد و البیہقی فی شعب الایمان)

موظا امام مالک میں ہے کہ حضرت لقمان حکیم سے کسی نے پوچھا کہ آپ علم و فضل کے اس مرتبے پر کیسے پہنچے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ بات کی سچائی، امانت کی ادائیگی اور لالچ سے پرہیز ان تینوں کی وجہ سے میں اس مرتبہ پر پہنچا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۵)

اداروں کے اموال کی حفاظت میں امانتداری..... جن لوگوں کے ہاتھوں میں دوسروں کے اموال ہیں ان میں ملوک اور حکام بھی ہیں اور یتیموں کے اولیاء بھی، مسجدوں کے متولی بھی اور مدارس کے مہتمم بھی، اور بیت المال کے نگران بھی، اور کہیں پر پڑا ہوا مال اٹھانے

والے بھی، اور بہت سے عہدیدار ہیں جن پر دوسروں کے مالوں کی حفاظت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے یہ سب لوگ اس بات کے مامور ہیں کہ مالوں کی حفاظت کریں اور ذرا سی بھی خیانت نہ کریں، امانت کی حفاظت اور اس کی ادا نگلی بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ یہ سارے عہدے جنہیں دنیا میں خوشی خوشی قبول کر لیا جاتا ہے۔ پھر اُن سے متعلقہ ذمہ داریوں کو پورا نہیں کیا جاتا۔ قیامت کے دن وبال بن جائیں گے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ مجھے کسی عمل پر نہیں لگاتے؟ (یعنی مجھے کوئی عہدہ عنایت نہیں فرماتے) اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے مونڈھے پر ہاتھ مارا پھر فرمایا اے ابوذر تو ضعیف ہے اور بلاشبہ یہ عہدہ امانت ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ قیامت کے دن رسوائی اور ندامت کا ذریعہ ہوگا۔ سوائے اس شخص کے جس نے حق کے ساتھ لیا اور متعلقہ ذمہ داری کو پورا کیا۔ اور ایک روایت یوں ہے کہ آپؐ نے فرمایا اے ابوذر میں تمہیں ضعیف دیکھتا ہوں اور میں تمہارے لئے وہ پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں دو آدمیوں کا میر مت بننا اور متیم کے مال کا متولی نہ ہونا۔ (رواہ مسلم)

نااہلوں کو عہدے دینا خیانت ہے..... بہت سے لوگ نااہلوں کو اپنی کوشش سے یا اپنے اقتدار سے چھوٹے بڑے عہدے دے دیتے ہیں یا دلا دیتے ہیں حالانکہ یہ جانتے ہیں کہ جس کو عہدہ دیا جا رہا ہے یہ اس عہدہ کا اہل نہیں ہے یہ عہدہ ایک امانت ہے اس کی ذمہ داری بہت بڑی ہے لیکن دنیاوی تعلقات اور دنیاوی منافع کے پیش نظر جو فاسقوں، فاجروں، ظالموں، بے نمازیوں کو عہدے دیئے اور دلا دیئے جاتے ہیں، یہ سب امانت میں خیانت ہے۔ یہ نہیں دیکھا جاتا کہ جسے اقتدار سپرد کیا جا رہا ہے یہ شریعت اسلامیہ سے واقف ہے یا ناواقف ہے۔ اس کے عقائد اسلامی ہیں یا غیر اسلامی، جسے اقتدار اعلیٰ سپرد کر دیا جاتا ہے جب وہ عہدے تقسیم کرنے لگتا ہے تو یہ نہیں دیکھتا کہ جس کو عہدہ دیا جا رہا ہے اس میں خدا ترسی کی شان ہے بھی یا نہیں اور یہ دین پر چلے گا یا نہیں اور عوام کے ساتھ اس کا سلوک اچھا ہوگا یا بُرا۔ عہدہ سپرد کرنے میں رشتہ دار یا اپنی پارٹی کا آدمی دیکھا جاتا ہے، یا وطنی عصیتوں کی رعایت کی جاتی ہے، یعنی صرف یہ دیکھتے ہیں کہ یہ ہمارا آدمی ہے۔ اپنوں کو نوازنا مقصود ہوتا ہے دین خداوندی پر چلنے اور چلانے اور امت مسلمہ کے ساتھ عدل و انصاف اور خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبات کا کہیں سے کہیں تک بھی دھیان نہیں ہوتا۔ اسی لئے سارے فیصلے غیر شرعی ہوتے ہیں اور عوام عہدہ داروں کے ظالمانہ فیصلوں کو ہلکتے رہتے ہیں، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کے متعلقہ امور سے جو شخص کسی امر کا والی بنا۔ پھر اُس نے اُن پر کسی شخص کو (ذاتی) مروّت اور تعلقات کی بنا پر امیر بنا دیا تو اس پر اللہ کی لعنت ہے اور اُس سے کوئی فرض یا نفل قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اللہ اس کو دوزخ میں داخل فرما دے گا۔ (الترغیب والترہیب ص ۱۷۹)

پھر جن لوگوں کے سیاسی وعدے ہوتے ہیں جب عہدہ مل جاتا ہے تو عوام پر ظلم بھی کرتے ہیں اور وعدہ فراموشی بھی کرتے ہیں اور غدر بھی کرتے ہیں۔ اس بارے میں جو ارشادات نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سامعین والی رعیۃ من المسلمین فی موت وھو غاشّ لھم الا حرم اللہ علیہ الجنۃ (صحیح بخاری ص ۱۰۵۲ ج ۲) جو بھی کوئی شخص مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں کا والی بنا (یعنی ان کی دیکھ بھال اس کے ذمہ کی گئی) پھر وہ اس حال میں مر گیا کہ وہ اُن کے ساتھ خیانت کرنے والا تھا تو اللہ اس پر جنت حرام فرما دے گا۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ ما من عبد یستر عیہ رعیۃ فلم یحطھا بنصیحۃ الا کم یجد راحۃ الجنۃ۔ (صحیح بخاری ص

ترجمہ: جس کسی بندہ کو اللہ نے چند افراد کا نگہبان بنایا پھر اس نے ان لوگوں کی اچھی طرح خیر خواہی نہ کی تو جنت کی خوشبو بھی نہ سونگے سکے گا۔

رعیت کو دھوکہ دینے کے بارے میں حدیث ذیل پڑھیے: عن سعید رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لكل غادر لواء عند استہ يوم القيامة وفي رواية لكل غادر لواء يوم القيامة يرفع له بقدر غدره الا ولا غادر اعظم غدرًا من امير عامة: (رواہ مسلم، کما فی مشکوٰۃ ص ۳۲۳)

ترجمہ: حضرت سعیدؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن ہر دھوکہ دینے والے کے لئے ایک جھنڈا ہوگا جو اس کے پاخانہ کے مقام پر نصب کیا جائے گا وہ اس کے دھوکہ کے بقدر بلند کیا جائے گا (پھر فرمایا) کہ خبردار جو شخص عوام کا امیر ہو اس کے غدر یعنی دھوکے سے بڑھ کر کسی کا غدر نہیں۔

کام پورا نہ کرنا اور تنخواہ پوری لینا خیانت ہے..... جو لوگ تنخواہ پوری لیتے ہیں اور کام پورا نہیں کرتے یا وقت پورا نہیں دیتے یہ سب ادگ خیانت کرنے والے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ رشوت لیتے ہیں اور رشوت لینے کی وجہ سے کار مشورہ انجام دینے کی بجائے رشوت دینے والے کی مرضی کے مطابق اس کا کام کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ بھی خیانت کرنے والے ہیں۔ رشوت تو حرام ہے ہی، ملازمت کی تنخواہ بھی پوری حلال نہیں ہوتی کیونکہ جس کام کی تنخواہ دی جاتی ہے اس کے خلاف کام کرتے ہیں۔ درحقیقت امانتداری کی صفت بہت بڑی صفت ہے اور اس کو پورا کرنا ایمان کا بہت بڑا مطالبہ ہے۔ یہ ایسی عظیم صفت ہے۔ جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ یہ صفت صرف مالیات ہی سے متعلق نہیں۔

مجلس امانت کے ساتھ ہیں..... دیگر امور میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امانتداری پر قائم رہنے کا حکم دیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ المجالس بالا مانہ کہ مجلس امانت کے ساتھ ہیں۔ (رواہ ابو داؤد، فی کتاب الادب) یعنی مجلس میں جو باتیں ہوتی ہیں وہ امانت ہوتی ہیں ان کو مجلس سے باہر لے جانا اور تجھ مجھ سے بیان کر دینا امانتداری کے خلاف ہے۔ اور اہل مجلس کی خیانت ہے ہاں اگر مجلس میں کسی کا خون کرنے یا زنا کاری کا یا کسی کا ناحق مال حاصل کرنے کا مشورہ کیا گیا: تو اس کو دوسروں سے بیان کر سکتے ہیں تاکہ اس گناہ پر عمل نہ ہو و قد زاد فی الحدیث الا ثلثة مجالس سفک دم حرام و فرج حرام او اقتطاع مال بغير حق ایک حدیث میں ہے کہ جب کسی آدمی نے کوئی بات کہی پھر اس نے ادھر ادھر دیکھا (کہ کوئی سن تو نہیں رہا) تو یہ بات امانت ہے۔ (رواہ الترمذی و ابو داؤد)

مشورہ دینا امانت ہے..... اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان المستشار مؤتمن کہ جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے۔ (رواہ الترمذی فی ابواب الزہد) مطلب یہ ہے کہ جس سے مشورہ لیا جائے اُس پر واجب ہے کہ صحیح مشورہ دے جو اس کے نزدیک مشورہ لینے کے حق میں بہتر ہو۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے بھائی کو کسی ایسی بات کا مشورہ دیا جس کے بارے میں وہ جانتا ہے کہ یہ مشورہ مصلحت کے خلاف ہے تو اس نے مشورہ لینے والے کی خیانت کی۔ (خرجہ ابو داؤد فی کتاب العلم)

بلا اجازت کسی کے گھر میں نظر ڈالنا خیانت ہے..... آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ تین کام ایسے ہیں کہ جن کا کرنا کسی کے لئے حلال نہیں۔

- (۱) شخص کسی جماعت کا امام بنے پھر اُن کو چھوڑ کر صرف اپنے لئے بی وعا کرے اگر ایسا کیا تو اس نے خیانت کی۔
 (۲) کوئی شخص اجازت لئے بغیر کسی گھر میں نظر نہ ڈالے، اگر اس نے ایسا کیا تو گھر والوں کی خیانت کی۔
 (۳) کوئی شخص پیشاب پاخانہ کے ہوئے نماز نہ پڑھے جب تک ہلکا نہ ہو جائے (یعنی ان سے فارغ نہ ہو جائے)۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

س ۹۶

ان احادیث شریفہ سے معلوم ہوا کہ اموال کے علاوہ دیگر امور میں بھی امانت واری کی صفت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔
عدل و انصاف کا حکم..... ادائیگی امانت کا حکم فرمانے کے بعد فیصلوں میں عدل و انصاف کرنے کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلے کرو تو عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کرو) شریعت اسلامیہ میں جن امور کا بہت زیادہ اہمیت اور تاکید کے ساتھ حکم دیا گیا ہے اُن میں انصاف کے ساتھ فیصلے کرنا بھی ہے۔ عدل و انصاف کرنے والوں کو بلند مراتب کی خوشخبری دی گئی ہے اور ظالمانہ فیصلے کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے اور اُن کے لئے بڑی بڑی وعیدیں ہیں، اللہ تعالیٰ شانہ نے جو فیصلوں کے قوانین اپنی کتاب اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ بھیجے ہیں، انکے مطابق فیصلے کرنے ہی سے انصاف ہوگا، نیز اللہ کے قانون میں جس کی جو چیز ہو اور جس کا جوتق ہو وہ حق اور وہ چیز مستحق کو دلانے سے انصاف قائم ہوگا۔
 قرآن وحدیث کیخلاف فیصلے ظالمانہ ہیں..... انسانوں نے اپنی طرف سے جو دستاویز اور قوانین بنائے ہیں عوامادہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہیں۔ قرآن وحدیث کے خلاف فیصلے کرنا ظلم ہے اگرچہ اہل دنیا اسے انصاف ہی کہتے ہوں۔ میراث اور وصیت دیت اور قصاص حدود اور جنایات کے شرعی قوانین، تجارت وزراعت سے متعلقہ احکام نکاح و طلاق کے مسائل، حکومت سپرد کرنے اور حکومت چلانے کے قوانین، اور انسانی زندگی میں جو کچھ پیش آتا ہے اس کے اصول وقواعد جو شریعت اسلامیہ نے بتائے ہیں۔ ان کے خلاف فیصلے دینا ظلم ہے۔

سورۃ مائدہ میں فرمایا وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَلَا يُلَاقِهُمْ الظّٰلِمُوْنَ (اور جو شخص اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے اُنہارا تو یہ لوگ ظلم کرنے والے ہیں) جن ملکوں میں کافروں کی مملداری ہے وہاں تو اللہ کی شریعت کے خلاف فیصلے ہوتے ہی ہیں لیکن جن ملکوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اقتدار دیا ہے وہاں کے ذمہ دار بھی اسلامی احکام کو قبول کرے اور اُن کے مطابق فیصلے کرنے کو تیار نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ لیکن جب اُن کے سامنے یہ بات آتی ہے کہ اسلامی قوانین نافذ کر دو تو کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ عوام جو مغربی قوانین کے مطابق فیصلوں کے باعث ظلم سہتے ہیں وہ بھی اسلامی نظام نافذ کرنے کے حق میں نہیں۔ دعویٰ مسلمان ہونے کا کرتے ہیں اور قوانین اور احکام دشمنانِ دین کے نافذ کرتے ہیں۔

سورۃ مائدہ میں فرمایا اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَنْفَعُوْنَ وَهُمْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُوْنَ (کیا پھر یہ لوگ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں اور فیصلہ کرنے میں اللہ سے اچھا کون ہوگا، یقین رکھنے والوں کے لئے)۔

ظالمانہ فیصلوں کی وجہ سے مصائب کی کثرت..... اب جو غیر اسلامی فیصلے ہو رہے ہیں اُن کی وجہ سے آفات اور مصائب کا طوفان آیا ہوا ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے آپؐ نے فرمایا تمہارا کیا حال ہوگا۔ جب تمہارے اندر پانچ چیزیں موجود ہو جائیں اور میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں کہ وہ چیزیں تمہارے اندر موجود ہوں۔

۱..... جس قوم میں زنا کاری حکم کھلا ہونے لگے ان میں طاعون پھیل جائے گا اور ایسے ایسے مرض ظاہر ہو جائیں گے جو اُن کے آباؤ

اجدا میں نہیں تھے۔

۴..... اور جو لوگ زکوٰۃ دینا روک دیں گے اُن کو آسمان کے قطروں سے یعنی بارش سے محروم کر دیا جائے گا۔ اگر چوپائے نہ ہوں تو (بالکل بھی) بارش نہ ہو۔

۳..... اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کریں گے ان کو قحط بھیج کر مزا دی جائے گی اور اُن کو سخت محنت میں اور صاحب اقتدار کے ظلم میں مبتلا کر دیا جائے گا۔

۴..... اور جس قوم کے امراء اس فیصلے کے علاوہ کوئی فیصلہ کریں گے جو اللہ نے نازل فرمایا تو اللہ تعالیٰ اُن پر دشمن مسافر مادے گا پھر یہ دشمن اُن کے قبضے کی بعض چیزوں پر قبضہ کر لیں گے۔

۵..... اور جو لوگ اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت کو معطل کر دیں گے (یعنی اس پر عمل کرنا چھوڑ دیں گے) اللہ تعالیٰ ان کے درمیان جنگ و جدال کی صورت پیدا فرما دیں گے۔ (ذکرہ المنذر فی الترغیب والترہیب ص ۱۳۰ ج ۳ وعزاه الی البیہقی وفال فی آخرہ رواہ الحاکم بنحوہ من حدیث بربدہ وفال صحیح علی شرط مسلم)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جس کسی قوم میں خیانت ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں رعب ڈال دیتے ہیں اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کرنے لگتے ہیں ان کا رزق کاٹ دیا جاتا ہے اور جو لوگ ظلم کے فیصلے کرتے ہیں ان میں خونریزی پھیل جاتی ہے اور جو لوگ عہد شکنی کرتے ہیں ان پر دشمن مسلط کر دیا جاتا ہے۔ (رواہ مالک فی الموطا وهو موقوف فی حکم المرفوع)

تقویٰ کے بغیر انصاف نہیں ہو سکتا..... انصاف جہی ہو سکتا ہے جبکہ اللہ کا خوف ہو، تقویٰ ہو، حق کا اتباع مقصود ہو قرآن وحدیث کا علم ہو قضا کے احکام اور مسائل سے واقفیت ہو۔ امیر وغریب، اپنے پرانے، چھوٹے بڑے کی کوئی رعایت نہ ہو۔ عادلانہ فیصلے کا معیار ایک حدیث میں یوں بتایا۔ وحکموا للناس کحکمکم لانفسکم کہ لوگوں کے درمیان وہی فیصلے کرتے ہیں جو اپنی جانوں کے بارے میں فیصلے کرتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۲۲) مطلب یہ ہے کہ جیسے اپنے لئے حق اور انصاف چاہتے ہیں اسی طرح جب دوسروں کے بارے میں فیصلہ کرنے لگیں تب بھی حق و انصاف اختیار کریں۔ آج کل فیصلہ اُس کے حق میں ہوتا ہے جو ہم وطن ہو یا ہم پیشہ ہو یا ہم زبان ہو، ایسے حاکم کے لئے آخرت میں سخت عذاب ہے جو ظلم کا فیصلہ دے اور ظالم کا ساتھی بنے اور اس کی رعایت کرے جس سے کسی قسم کا تعلق ہو، اور جس کا واقعی شرعی حق بنتا ہو اسے حق سے محروم کر دے۔ رشوتیں لے کر بھی فیصلے دیئے جاتے ہیں، جس نے رشوت دے دی، موٹی رقم پکڑ دی اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ یہ رشوتیں اور موٹی رقمیں دونوں کے گڈے دنیا میں اچھے لگتے ہیں لیکن آخرت میں جو ان کا وبال ہوگا اس کی طرف سے بے خبر ہیں۔

انصاف کے فیصلے کرنے والوں کے لئے بشارت اور ظالموں کی ہلاکت..... جیسے ظلم کرنے والوں کے لئے وعیدیں ہیں ایسے ہی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ کرنے والوں کے لئے بشارتیں ہیں حضرت بربدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قاضی (فیصلہ دینے والے) تین قسم کے ہیں ان میں سے ایک جنت میں ہے اور دوزخ میں ہیں، جنت والا تو وہ شخص ہے جس نے حق کو پہچانا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا اور اُن میں سے ایک وہ شخص ہے جس نے حق کو پہچانا اور ظلم کا فیصلہ کیا سو یہ شخص دوزخ میں ہوگا اور ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو جہالت کے ساتھ لوگوں کے درمیان فیصلے کرتا ہے (اس کو حق ناحق کا کچھ پتہ نہیں) سو یہ بھی دوزخ میں ہوگا۔ (رواہ ابو داؤد والترمذی وابن ماجہ کانئ الزغیب ص ۱۵۶ ج ۳)

جن سات آدمیوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ قیامت کے دن وہ اللہ کے عرش کے سائے میں ہوں گے جس دن اللہ کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا اُن میں سب سے پہلے امام عادل کا ذکر ہے یعنی مسلمانوں کا وہ اعلیٰ اقتدار والا شخص جو انصاف کرنے والا ہو۔ (رواہ البخاری ص ۱۹۱ ج ۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اہل جنت تین قسم کے اوگ ہوں گے۔

۱۔ وہ صاحب اقتدار جو انصاف والا ہے اور اسے خیر کی توفیق دی گئی ہے۔

۲۔ وہ شخص جو رحم کرنے والا ہے نرم و مل ہے۔ ہر قربت و ار کے لئے جو مسلمان ہو۔

۳۔ وہ شخص جو صاحب اہل و عیال ہوتے ہوئے (حرام سے اور سوال سے) پرہیز کرنے والا ہو اور پرہیز کرنے کا اہتمام کرتا ہو۔ (رواہ مسلم کما فی الترغیب ص ۱۶ ج ۳)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ کو سب سے زیادہ پیارا اور اللہ سے سب سے زیادہ قریب مجلس کے اعتبار سے امام عادل ہوگا اور اللہ کو سب سے زیادہ مبغوض اور مجلس کے اعتبار سے اللہ سے سب سے زیادہ دور امام جائز ہوگا۔ (الترغیب ص ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶

امام جائز سے مراد ہے ظالم کرنے والا شخص جسے اقتدار اعلیٰ حاصل ہو۔

حاکم بننا اور فیصلے کرنے کی ذمہ داری اپنے سر لینا یہ معمولی چیز نہیں یہ ذمہ داری بہت بڑی ہے اور آخرت میں اس کا حساب بہت بڑا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے والا مقرر کر دیا گیا تو وہ بغیر چھری کے فوج کر دیا گیا۔ (رواہ احمد و الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ کانی المشکوٰۃ ص ۳۲۸) مطلب یہ ہے کہ اس عہدے کا انجام بہت بُرا ہے، عام طور سے لوگ عدل و انصاف پر قائم نہیں رہتے، قیامت کے دن یہ عہدہ وبال بنے گا اور اس عہدے کی ذمہ داریوں کو پورا نہ کرنے پر جو عذاب ہوگا اس کو اس دنیا میں اس طرح سمجھ لیا جائے جیسے کسی کو چھری کی بجائے (دھار وار آلے کے علاوہ) کسی چیز سے فوج کر دیا جائے چھری سے فوج کرنے کی تکلیف ذرا اور بڑھتی ہے لیکن اگر بغیر چھری کے فوج کیا جائے تو اس کی تکلیف بہت ہی زیادہ ہوتی ہے۔

حاکموں کو ضروری تنبیہ..... اس حدیث پر ہر وہ شخص غور کرے جو حاکم و قاضی و مجسٹریٹ بنا ہوا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو بھی کوئی حاکم لوگوں کے درمیان فیصلے کرتا ہے قیامت کے دن اُسے لایا جائے گا پھر جہنم کے کنارے پر اُسے کھڑا کر دیا جائے گا پھر اگر حکم ہوگا کہ اسے دھکا دے دیا جائے تو اس کو دھکیل دیا جائے گا جس کے نتیجے میں وہ ستر سال تک گہرائی میں گر جاتا چلا جائے گا۔ (رد الوہمہ ارکانی الترتیب ص ۱۷۳ ج ۳)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ الصاف کرنے والے قاضی پر قیامت کے دن ضرور ایک ایسی گھڑی آئے گی کہ وہ حساب کی تختی کی وجہ سے یتیمنا کرے گا کہ میں کبھی کسی ایک کھجور کے یارے میں بھی فیصلہ نہ کرتا تو اچھا تھا۔ (الترغیب ص ۱۷۷ ج ۳)

حاکم کیسے شخص کو بنایا جائے؟..... شاید کسی کو یہ خیال گذرے کہ جب یہ وعیدیں ہیں تو اوگوں کے درمیان جو جھگڑے ہوں اُن کے فیصلے کون کرے گا؟ جواب یہ ہے کہ شریعت کے اصول کے مطابق اگر کسی کو حاکم بنا دیا جائے اور پھر وہ شریعت کے مطابق فیصلے کرے حق و انصاف کو سامنے رکھے قرآن و حدیث کے مطابق اپنی زندگی گزارے اور دوسروں کو بھی اسی پر ڈالے تو ایسا قاضی ان شاء اللہ

کامیاب ہوگا۔ وہ اصول کون سا ہے جس کے موافق قاضی بنایا جائے؟ وہ یہ ہے کہ جو شخص قاضی بننے کی تمنا نہ کرے نہ اس کا طلب گار ہو نہ اس کے لئے کوشش کرے نہ سفارشیں کروائے نہ رشوتیں دے اور عہدہ قضا سے بچتا رہے اس کو قاضی بنا دیا جائے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص عہدہ قضا کا طلب گار ہو اور اس سلسلے میں سفارش کرنے والوں سے سوال کرے (جس پر اُسے عہدہ دے دیا جائے) تو وہ اپنے نفس کے حوالے کر دیا جائے گا (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مدد نہ ہوگی وہ جانے اس کا نفس جانے، جب ایسا ہوگا تو ظاہر ہے کہ نفس کے موافق فیصلے ہوں گے اور جس کو قاضی بننے پر مجبور کیا جائے اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ بھیج دیتا ہے جو اُسے ٹھیک راستے پر چلاتا رہتا ہے۔ (رداۃ المؤمنین ص ۱۶۲ ج ۳) مکافی الترتیب ص ۱۶۲ ج ۳)

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص عہدہ قضا کا طلب گار ہو اُسے تو عہدہ سپرد کیا ہی نہ جائے جس کے دل میں خواہش ہے کہ میں فیصلے کرنے والا ہوں وہ حق پر قائم نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اس کی رغبت اور خواہش بتا رہی ہے کہ وہ اس سے دنیاوی منافع حاصل کرے گا۔ اُسے جاہ اور مال کی رغبت ہے اسی لئے وہ اس عہدے کا طالب ہوا۔ اُسے عہدہ مل جائے گا تو فیصلے اپنی مرضی کے مطابق کرے گا اور جہالت کے ساتھ کرے گا۔ رشوتیں بھی لے گا اور اپنے پرانے کا خیال بھی کرے گا اور جس پر زبردستی کرے عہدہ قضا ڈال دیا گیا وہ اس کی ذمہ داریوں سے جیسا پہلے ذکر تھا ایسی ہی اب اپنے نفس کو ذمہ داریاں پورا کرنے کا پابند بنائے گا۔ یہ ایک ایسا سنہری اصول ہے کہ اسے اختیار کر لیا جائے تو فیصلوں میں جو ظلم ہوتے ہیں اُن کی روک تھام ہو جائے گی۔ اب تو ہوتا یہ ہے کہ جن کو جج اور مجسٹریٹ بننا ہے وہ پڑھتے ہی اس لئے ہیں کہ ہم ڈگری لے کر اس کام میں لگیں گے پھر درخواستیں دیتے ہیں۔ سفارشیں لاتے ہیں رشوتیں دیتے ہیں پھر جن لوگوں کے ہاتھ میں تقرر ہوتا ہے وہ بھی رشوتوں اور سفارشوں اور ڈگریوں کی بنیاد پر جج اور مجسٹریٹ بنا دیتے ہیں۔ اور اوپر جسٹس تک یہی سلسلہ چلتا ہے یہ جس کا تقرر کرتے ہیں اس کے بارے میں یہ تو دیکھا ہی نہیں جاتا کہ اسے قرآن و حدیث کا کچھ علم ہے یا نہیں اور اس میں تقویٰ کتنا ہے خدا ترسی کتنی ہے۔ اس سے انصاف کی امید کتنی ہے۔

حاکم تک کوئی شخص خود نہیں پہنچ سکتا وکیل کے بغیر حاکم کے ہاں کسی مظلوم کا کیس پیش نہیں ہو سکتا اول و وکیل کی فیس فراہم کرتے پھر اُس کا استغاثہ دائر ہو پھر تارینوں پر تار نیچیں پڑتی رہتی ہیں جس سے اس کے وقت اور پیسے کا خون ہوتا رہتا ہے یہ دشمنان اسلام کا طریق کار ہے مجسٹریٹ اسی سے مانوس ہیں اور اسی پر چلتے ہیں اور اسی کی تنخواہ لیتے ہیں مظلوم کی دواوری کا ذرا ہشیانہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی نصیحت قبول کرنے میں خیر ہے۔۔۔۔۔ آخر میں فرمایا اِنَّ اللہَ یُعَذِّبُکُمْ بِہٖ اِنَّ اللہَ شَکَّانٌ سَبِّحُوْا (باشبہ اللہ تعالیٰ جس چیز کی تمہیں نصیحت فرماتا ہے وہ بہت اچھی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا ویکھنے والا ہے) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شاید نے جو حکم دیا ہے اس میں تمہارے لئے بہتری ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد اور ہدایت تمہارے لئے سراپا بہتر ہے اس میں دنیا و آخرت کی خیر ہے اس کو خوشی سے قبول کرو اور عمل کرو۔ اور جو شخص نصیحت نہ مانے گا۔ خیر کو قبول نہ کرے گا اللہ تعالیٰ اُسے اس کی جزا دے گا وہ وسیع یعنی سننے والا ہے اور بصیر یعنی دیکھنے والا ہے۔ کسی کا کوئی عمل اس کے علم سے خارج نہیں، اور حقیقت یہ بہت بڑی تنبیہ ہے جو لوگ خلاف شرع فیصلے کرنے اور نا اہلوں اور ظالموں کو اور رشوت خوروں کو عہدہ قضا دینے کے جو گرہ بگھنے ہیں۔ وہ سب لوگ اس کا مراقبہ کریں اور غور کریں کہ آخر بارگاہ خداوندی میں پیش ہونا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ

اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو رسول کی، اور ان لوگوں کی فرمانبرداری جو اولوالامر ہیں تم میں سے۔

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

پس اگر تم آپس میں کسی چیز کے بارے میں جھگڑنے لگو تو اس کو لوٹا دو اللہ کی طرف اور رسول کی طرف۔ اگر تم اللہ اور یوم آخرت

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا

پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے بہت خوب تر ہے۔

اللہ اور رسول ﷺ اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم اور امور متنازعہ

میں کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنے کا فرمان

آیت کا سبب نزول بتاتے ہوئے علامہ واحدی نے اسباب النزول ص ۵۲ میں اور علامہ آلوسی نے روح المعانی ص ۶۵ ج ۵ میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت خالد بن ولیدؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فوجی دستہ کا امیر بنا کر بھیجا ان کی زیر امارت حضرت غمار بن یاسرؓ بھی تھے۔ انہوں نے حضرت خالدؓ سے اجازت لئے بغیر ایک شخص کو امان دے دی۔ حضرت خالدؓ نے اس پر ناگوارگی کا اظہار فرمایا اور ان سے کہا کہ میری بغیر اجازت تم نے کیوں امان دی۔ اس میں دونوں میں فتنہ پیدا ہو گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاملہ پیش ہوا تو آپ نے غمار کی امان کو نافذ فرمایا اور ان سے فرمایا کہ آئندہ امیر سے رائے لئے بغیر امان نہ دیا کریں پھر آپس میں دونوں کی رضامندی ہو گئی۔

سبب نزول جو بھی ہو آیت کا مفہوم عام ہے جس میں اللہ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری کا حکم دیا ہے اور اولوالامر کی فرمانبرداری کا بھی حکم دیا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جب تم میں کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اس معاملے کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو جو حکم اور فیصلہ وہاں سے ملے اُسے قبول کر لو اور اس پر راضی ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ شانہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری کا حکم قرآن مجید میں جگہ جگہ موجود ہے اللہ تعالیٰ خالق اور مالک ہے احکم الحاکمین ہے اس نے اپنا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھیجا ان پر اپنی کتاب نازل فرمائی اور ان کے ذریعہ احکام نازل فرمائے۔ ان کی اطاعت ہر شخص پر فرض ہے اور نافرمانی باعث مواخذہ اور سبب عتاب و عذاب ہے۔

اس آیت میں اللہ جل شانہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے ساتھ اولی الامر کی اطاعت کرنے کا بھی حکم دیا ہے بات یہ ہے کہ جب کسی کو امیر بنالیا جسے امام اور خلیفہ کے نام سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اس کا حکم ماننے ہی سے امت کا شیرازہ مجتمع رہ سکتا ہے امیر کی فرمانبرداری نہ کرنے سے شیرازہ منتشر ہو جاتا ہے اور ہر ایک اپنی اپنی راہ پکڑتا ہے۔ جب انتشار ہوتا ہے تو وحدت قائم نہیں رہتی اور دشمن حاوی ہو جاتا ہے پھر امیر اعلیٰ جن لوگوں کو مختلف جماعتوں کا امیر بنائے یا چند مسلمان مل کر کسی کو امیر بنائیں تو اس کی اطاعت بھی ضروری ہے اس کی اطاعت نہ کرنے سے بھی پھوٹ پڑے گی اور آپس میں نزاع اور جدال کی صورتیں پیدا ہوں گی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ امیر کی اطاعت کرو اس لئے امیر کی اطاعت کرنا اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ اس اطاعت میں ثواب بھی ہے اور امت مسلمہ کا اتحاف

بھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ (معاہل التنزیل ص ۴۴۴ ج ۱)

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی فرمانبرداری نہیں ہے..... حضرت ام المومنین سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم پر ایسا شخص امیر بنا دیا جائے جس کے ناک کان کٹے ہوئے ہوں اور وہ تم کو اللہ کی کتاب کے مطابق لے کر چلتا ہو اس کی بات سنو اور اطاعت کرو۔ (رداء مسلم ص ۲۵ ج ۲)

جو لوگ امیر ہوں اُن کی اطاعت واجب ہے لیکن انہی امور میں اطاعت واجب ہے جو شریعت کے خلاف نہ ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان آدمی پر بات سننا اور فرمانبرداری کرنا واجب ہے ول چاہے یا نہ چاہے جب تک کہ گناہ کا حکم نہ دیا جائے۔ سو جب گناہ کا حکم دیا گیا تو کوئی بات سننا نہیں اور کوئی فرمانبرداری نہیں۔ (رداء البخاری ص ۱۰۵ ج ۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گنہ گاری میں کوئی فرمانبرداری نہیں۔ فرمانبرداری صرف اچھے کام میں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۱۹)

آجکل جو لوگ عہدے لے لیتے ہیں امدت سنبھال لیتے ہیں اُن کو یہ تو خیال ہو جاتا ہے کہ ہم اولوالامر ہیں اور اس خیال کے مطابق وہ چاہتے ہیں کہ عوام اور خود اس ہماری اطاعت کریں۔ لیکن خود یہ نہیں سوچتے کہ ہم جو حکم دے رہے ہیں اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی تو نہیں ہے؟ خود بھی اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہوتے ہیں اور ماتحتوں سے بھی اللہ کی نافرمانی کراتے ہیں اور جب کوئی بات منوانی ہو اور جاہلی قانون کے مطابق کوئی فیصلہ کرنا ہو یا آرڈی نینس جاری کرنا ہو تو آیت مذکورہ بالا ریڈیا اور ٹی وی پر نشر کر دیتے ہیں اور لوگوں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ہمارا فرمان واجب العمل ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف طور پر فرمایا کہ اللہ کی نافرمانی میں کسی کی فرمانبرداری نہیں۔ جن لوگوں کو اقتدار حاصل ہو جائے وہ لوگ خود بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کے پابند رہیں اور دوسروں کو بھی شرعی احکام پر چلائیں۔

حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا کہ امام المسلمین پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل فرمودہ احکام کے مطابق فیصلے کرے اور امانت ادا کرے۔ وہ جب ایسا کرے گا تو رعیت پر واجب ہوگا کہ اس کی بات سنیں اور فرمانبرداری کریں۔ (معاہل التنزیل ص ۴۴۴ ج ۱)

أُولُوا الْأَمْرِ سے کون مراد ہیں؟..... اولوالامر سے امراء مراد ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے یہی فرمایا اور حضرت ابن عباس اور حضرت جابرؓ نے فرمایا ہے کہ اولوالامر سے فقہاء اور علماء مراد ہیں جو لوگوں کو دینی احکام سکھاتے ہیں، حضرت حسن اور حضرت مجاہدؓ کا بھی یہی قول ہے اور حضرت عکرمہؓ نے فرمایا کہ اولوالامر سے حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما مراد ہیں اور حضرت عطاء نے فرمایا کہ اس سے مہاجرین و انصار اور تابعین بالاحسان مراد ہیں۔ (ذکر الہدی فی تفسیر ص ۴۴۴، ۴۴۵ ج ۱)

مفسر ابن کثیر ص ۵۱۸ ج ۱ فرماتے ہیں والظاہر واللہ اعلم انہا عامۃ فی کل اولی الامر من الامراء والعلماء (یعنی بظاہر آیت شریفہ کا موم تمام اولی الامر کو شامل ہے امراء اور علماء بھی اولی الامر ہیں) اور وجہ اس کی یہ ہے کہ علماء کے ہاتھ میں نظام دین ہے ان کی فرمانبرداری بھی ضروری ہے اور امراء کے ہاتھ میں نظام حکومت ہے دونوں فریق کی فرمانبرداری سے دین کے تمام شعبوں پر عمل ہو سکتا ہے اور اتحاد باقی رہ سکتا ہے۔

رفع تنازع کے لئے کیا کیا جائے؟..... پھر فرمایا: **فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ** اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (پس اگر تم آپس میں کسی چیز کے بارے میں جھگڑنے لگو تو اس کو لوٹاؤ اللہ کی طرف اور رسول کی طرف اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو) آپس کے اختلاف کو رفع کرنے کے لئے اس آیت میں سب سے بڑا سنہری اصول بتایا ہے اور وہ یہ کہ جب اللہ پر ایمان لے آئے اور آخرت کے دن کی پیشی اور وہاں کے حساب کتاب کو کبھی جزو ایمان بنا لیا۔ تو مؤمن کی شان یہ ہے کہ ہر معاملے میں اور ہر موقع پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرے آپس میں جب کوئی نزاع ہو جائے تو اس کو نبھانے کے لئے ہر فریق کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (ﷺ) کی طرف رجوع کرے اور جو کتاب و سنت کا فیصلہ ہے اس پر راضی ہو جائے۔ اور اپنی رائے کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے سامنے ختم کر دے۔ بہت سے لوگ جن میں رؤسا، وزراء، امراء، عوام و خواص سب ہی شامل ہیں اپنی رائے پر ضد کرتے ہیں اور بہت سے وہ لوگ جن کا کوئی دنیاوی نفع قرآن و حدیث کے فیصلے پر چلنے کی وجہ سے مارا جاتا ہے وہ بھی بس اپنے ہی دعوے کو دیکھتے ہیں مؤمن بندہ کا یہ طریقہ نہیں۔ مؤمن بندہ کا یہ طریقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر راضی رہے۔

مسلم حکومتوں کا غلط طریق کار..... مسلمانوں کی حکومتیں جس صاحب اقتدار اسلام کے وعویدار ہیں اسمبلی میں قانون بناتے ہیں تو یورپ کے طرز حکومت کو سامنے رکھتے ہیں۔ قرآن و حدیث کو سامنے نہیں رکھا جاتا۔ یورپین حکومتوں نے جو قوانین بنا رکھے ہیں انہیں میں کچھ رد و بدل کر کے قوانین نافذ کر دیتے ہیں۔ حدود اور جنایات کے احکام شریعت کے مطابق نافذ کرنے کو کہا جاتا ہے تو کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں دیت اور قصاص کا قانون نافذ کرنے کے لئے کہا جاتا ہے تو بات سننے کو تیار نہیں۔ کسی ملک میں اقتدار مل جاتا ہے تو دشمنوں کو خوش کرنے کے لئے اعلان کرتے ہیں کہ ہمارا طریقہ کار نیشنل ازم ہو گا کوئی ملک اعلان کرتا ہے کہ ہم کمیونزم اور سوشلزم جاری کریں گے کچھ لوگ مغربی جمہوریت کے ولد اوہ ہیں۔ اور کچھ لوگ لادینی حکومت بنانے کا اعلان کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اور اسلامی نظام نافذ کرنے میں شرماتے ہیں۔ مسلمان ہونے کا وعوڈی کرتے ہوئے یہ طور طریق کہاں تک زیب ویتا ہے۔ ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (ﷺ) چلیں اور عوام کو کبھی چلائیں۔ **إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ** فرما کر اسی پر تنبیہ فرمائی ہے۔

یہ صورت حال مسلمانوں کے تقریباً تمام ہی طبقات میں ہے کہ جو حکم قرآنی اپنے فائدہ کے مطابق ہوا سے تو ماننے کے لئے تیار ہیں اور جو حکم طبیعت کے خلاف ہو اور اپنے مفاد کے خلاف ہو دنیاوی رواج کے خلاف ہوا سے نہیں مانتے۔ حاکم حکومت سرمایہ دار فیکٹری کے مالک مستاجر اور اجیر کسان اور مزدور سب ہی اختلافات کے مواقع میں اپنے ذاتی منافع کو اور اپنی اپنی رایوں کو اور قبیلوں کے رواج کو سرداروں کے فیصلوں کو دیکھتے ہیں قرآن کی طرف دیکھنے کو تیار نہیں ہوتے۔

بدعت اور سنت ہونے کا معیار..... بہت سے امور جن کو ایک جماعت بدعت کہتی ہے اور دوسری جماعت ان کو امور دین بتاتی ہے۔ ان اختلافات کا حل بالکل آسان ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع ہوں جو فیصلہ قرآن و حدیث سے ملے اسی پر راضی ہو جائیں۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ جو لوگ بدعتوں کے جاری کرنے والے ہیں اور ان کے خوگر ہو چکے ہیں وہ آیات اور حدیث کے مقابلہ میں اپنی رائے اور اپنی جاری کردہ بدعت ہی کی پاسداری کرتے ہیں۔

آخر میں فرمایا **ذَلِكُمْ خَيْرٌ وَأَخْسَنُ نَسْأَةً** (یہ بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے بہت خوب تر ہے) اس میں تنبیہ فرمائی کہ اپنی اپنی رایوں پر چلنے میں خیر نہیں ہے۔ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میری رائے یا میری جماعت کی رائے بہتر ہے۔ بہتر وہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے

حکم دیا۔ دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا انجام بہتر ہوگا خیر اور بہتری اللہ ہی کا قانون ماننے میں ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی فرمانبرداری میں ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ

کيا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لائے جو اللہ نے آپ کی طرف نازل فرمایا اور اس پر بھی ایمان لائے جو آپ سے پہلے

قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ ۚ وَيُرِيدُ

نازل کیا گیا یہ لوگ چاہتے ہیں کہ شیطان کی طرف اپنا قضیہ لے جائیں حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اس کے منکر ہوں اور

الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ۚ وَإِذْ قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ

شیطان چاہتا ہے کہ ان کو گمراہ کر کے دور کی گمراہی میں ڈال دے۔ اور جب ان سے کہا گیا کہ آ جاؤ اس حکم کی طرف جو اللہ نے نازل فرمایا اور آ جاؤ رسول کی

رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا ۚ فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ

طرف تو آپ منافقین کو دیکھیں گے کہ وہ آپ سے بچتے ہیں۔ پس کیا حال ہوگا جب ان کو کوئی مصیبت پہنچے ان کے ہاتھوں کے کئے ہوئے

أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ۚ

کہ تو توں کی وجہ سے پھر وہ آئے آپ کے پاس اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہمارا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ بھلائی کی صورت نکلتی آئے اور آپس میں وہ الفت ہو

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ ۚ فَأَعْرَضَ عَنْهُمْ وَعِظُهُمْ وَقُلْ لَهُمْ

جائے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو چھان کے دلوں میں ہے اللہ اسے جانتا ہے سو آپ ان سے اعراض کیجئے اور ان کی ذواتوں سے متعلق ان سے ایسی باتیں کہہ دیجئے

فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ۚ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ

جو ان کے حق میں خوب زیادہ فائدہ مند ہوں۔ اور ہم نے پیغمبر نہیں بھیجا مگر اسی لئے کہ حکم خداوندی ان کی فرمانبرداری کی جائے اور جب انہوں نے

إِنْ ظَنَّمُوا أَنَّهُمْ جَاءُوكَ لِيُغْفِرُوا لَهُمْ التَّوْبَةَ فَقُلْ لَكُمْ تَوْبَةٌ وَتَوْبَةٌ ۚ وَاللَّهُ يَتُوبُ إِلَىٰ رَحِيمَةٍ ۚ

اپنی جانوں پر ظلم کیا آپ کے پاس آتے پھر اللہ سے مغفرت مانگتے اور رسول ان کیلئے استغفار کرتا تو ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربانی فرمانے والا پالیتے۔

ایک منافق کا واقعہ جو یہودی کے پاس فیصلہ لے گیا

صاحب معالم التنزیل نے ص ۴۴۶ ج ۱ اسب نزول بتاتے ہوئے یہاں ایک واقعہ نقل کیا ہے جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اور وہ یہ کہ بشر نامی ایک منافق تھا اس کے اور ایک یہودی کے درمیان جھگڑا تھا۔ فیصلہ کرانے کے لئے کہیں جانا تھا۔ یہودی نے کہا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلیں اُن سے فیصلہ کرائیں لیکن بشر منافق نے کہا کہ کعب بن اشرف کے پاس چلتے ہیں۔ کعب بن اشرف یہودیوں کا سردار تھا۔ یہودی نے کہا کہ نہیں، میں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاس لے چلوں گا، جب منافق نے یہ دیکھا کہ یہ اور

کسی جگہ جانے کو تیار نہیں ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وہ لوگ حاضر ہو گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کے حق میں فیصلہ فرمایا جب باہر آئے تو بشر منافق نے یہودی سے کہا کہ تم کے پاس چلیں چنانچہ حضرت عمرؓ کے پاس آئے یہودی نے اپنا واقعہ سنایا اور بتا دیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے بارے میں یہ فیصلہ فرما دیا ہے اور اب یہ چاہتا ہے کہ آپ سے فیصلہ کرائے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ذرا ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں یہ کہہ کر وہ اندر گھر میں تشریف لے گئے اور اندر سے تلوار لے کر نکلے جس سے بشر منافق کو انہوں نے قتل کر دیا اور فرمایا کہ جو اللہ کے اور اللہ کے رسول کے فیصلے پر راضی نہ ہو ہمارے نزدیک اس کا یہ فیصلہ ہے اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ اور حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ عمرؓ نے حق اور باطل کے درمیان فرق کر کے دکھایا اسی وجہ سے ان کو فاروق کہا جانے لگا۔

غیر اسلامی قانون کا سہارا لینے والے کی مذمت واقعہ مذکورہ کے علاوہ کتب تفسیر میں سبب نزول بتاتے ہوئے بعض دیگر واقعات بھی لکھے ہیں۔ سبب نزول جو بھی کچھ ہوا آیت مذکورہ میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم قرآن پر بھی ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کی کتب سابقہ پر بھی ایمان لائے۔ دعویٰ تو ان کا یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں لیکن جب کوئی قضیہ درپیش ہو جائے اور فیصلہ کرنا پڑے تو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق فیصلہ کرانے پر راضی نہیں ہوتے بلکہ مقدمہ ایسے لوگوں کے پاس لے جانے کی کوشش کرتے ہیں جن سے امید ہو کہ غیر اسلامی قانون کو سامنے رکھ کر یا رشوت لے کر ان کی خواہش کے مطابق فیصلہ کر دیں، یوں تو بڑے زور و شور سے اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن جب معاملات اور خصوصیات کا موقعہ سامنے آتا ہے تو طاغوت کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اسی سے فیصلہ چاہتے ہیں، لفظ طاغوت شیطان کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہاں قرآن مجید میں یہ لفظ کعب بن اشرف یہودی کے لئے استعمال فرمایا ہے جو بہت بڑا یہودی شیطان تھا۔ ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ کسی بھی شیطان کی بات نہ مانیں اور ہر غیر اسلامی قانون سے پرہیز کریں جس کو وَقَدْ أَبْرَأُوا أَنْ يُكْفَرُوا بِهِ میں بیان فرمایا۔ لیکن دنیا کے غلام اور مادی منافع کے طالب اسلام کے مدعی ہونے کے باوجود ان لوگوں سے فیصلہ کرنا چاہتے ہیں جو اسلامی قوانین کے خلاف ان کے حق میں فیصلہ کر دیں جب کوئی شخص یہ راہ اختیار کرے گا تو شیطان اس کو راہ حق سے ہٹا دے گا اور اسے دور پھینک دے گا اور اسی کو فرمایا وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا۔

بشر منافق کا جو واقعہ پیش آیا اس کو الفاظ کے عموم میں اس طرح بیان فرمایا: وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتُ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ غَلْظًا صَدُودًا (کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس حکم کی طرف آؤ جو اللہ نے نازل کیا اور اللہ کے رسول کی طرف آؤ تو منافقین رسول کے پاس آنے سے بچتے ہیں اور کہتے ہیں) مسلمان ہونے کے دعوے تو بڑھ چڑھ کر کرتے ہیں لیکن فیصلہ کرانے کے لئے کسی دوسرے کا مدد دیکھتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم بنانے کی بجائے دوسروں سے فیصلہ چاہتے ہیں۔ اس طرح کے لوگ بشر کے علاوہ بھی پائے جاتے ہیں۔ اس لئے آیت شریفہ میں عام الفاظ استعمال فرمائے تاکہ سب کو تنبیہ ہو جائے۔

منافق مذکور کے قبیلہ والوں کی غلط تاویلیں صاحب روح المعانی نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ جس شخص کو حضرت عمرؓ نے قتل کر دیا تھا اس کے ورثاء خون کا بدلہ طلب کرنے کے لئے حاضر ہو گئے اور جب ان کے سامنے یہ بات لائی گئی کہ تمہارا آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ سن کر دوبارہ فیصلہ کرانے کے لئے اپنے ساتھی یعنی یہودی کو حضرت عمرؓ کے پاس کیوں لے گیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سے کیوں ناراض ہوا جو مراسر کفر ہے۔ تو وہ اپنے آدمی کے اس عمل کی تاویلیں کرنے لگے۔ ان کی ان باتوں کا ذکر

فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ (الآیۃ) کہ ان لوگوں کا کیا حال ہوگا کہ جب ان کے کرتوتوں کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچ جائے تو آپ کے پاس (مدد طلب کرنے کے لئے) آئیں اور قسمیں کھا کھا کر کہیں کہ بشر والے معاملے میں ہم لوگوں کا مقصد اچھی صورت نکالنا اور باہمی رضامندی کے ذریعہ موافقت پیدا کرنا تھا۔ دل سے ہم کسی غیر کے فیصلے پر راضی نہ تھے۔ جو کچھ تھا اوپر اوپر سے تھا اس میں ان لوگوں کے لئے وعید ہے اور یہ بتایا ہے کہ وہ عذر پیش کریں گے لیکن عذر کوئی فائدہ نہ دے گا۔ اُن کا نفاق کھل کر سامنے آ گیا لہذا کوئی معذرت قابل قبول نہ ہوگی۔

پھر فرمایا وَلَيَسَّافِ لِّلَّذِينَ يَكْلَمُونَ اللّٰهَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ (الآیۃ) کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے دلوں کا حال معلوم ہے وہ ان کو سزا دے گا۔ آپ ان سے اعراض کریں زجرو تو بخ نہ کریں ہاں ان کو نصیحت کرتے رہیں جو ان کی ذاتوں کے بارے میں ہو اور انتہائی وضاحت کے ساتھ ان سے ایسی باتیں فرمائیں جو موثر ہوں راہِ حق پر لانے والی ہوں۔

فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ کا ایک مطلب تو مفسرین نے یہی بتایا ہے جو ابھی اوپر بیان ہوا کہ اُن سے اعراض کریں اور زجرو تو بخ سے کام نہ لیں اور دوسرا مطلب یہ بتایا ہے کہ ان کا عذر قبول کرنے سے اعراض فرمائیں اور انہوں نے جو بشر مقتول کے خون کا دعویٰ کیا ہے اس طرف توجہ نہ فرمائیں کیونکہ اس کے خون کی کوئی قیمت نہیں نیز وَقُلْ لَّهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ کا ایک مطلب تو وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ ان کی ذاتوں کے بارے میں انہیں نصیحت فرماتے رہیں اور دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا کہ ان کو تنہائی میں نصیحت فرمائیں کیونکہ تنہائی میں سمجھانا نصیحت قبول کرنے کے لئے زیادہ قریب تر ہوتا ہے۔ (ازہار کثیر ص ۵۱۹ ج ۱ روح المعانی ص ۶۹ ج ۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اطاعت ہی کیلئے ہے..... جن لوگوں نے اپنے عمل کی تاویلیں پیش کیں اور جھوٹے عذر سامنے لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے لگے۔ اُن کیلئے مزید تنبیہ فرمائی اور توبہ و استغفار کی طرف متوجہ فرمایا۔ ارشاد فرمایا وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ کہ ہم نے جو بھی کوئی رسول بھیجا اسی لئے بھیجا کہ حکم خداوندی اس کی اطاعت کی جائے رسول کا کام اللہ کے احکام پہنچانا ہے۔ اور رسول کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے اور رسول کی نافرمانی اللہ ہی کی نافرمانی ہے۔ جن لوگوں نے طاغوت کی طرف مقدمہ لے جانے کا ارادہ ظاہر کیا اور پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمادیا اس سے راضی نہ ہوئے اور حضرت عمرؓ کے پاس پھر سے مقدمہ پیش کرنے کی ضد کی اس میں سراسر اللہ کے رسولؐ کی اور اللہ کی نافرمانی ہے۔ نافرمانی کے باعث بشر منافق تو مقتول ہو گیا لیکن اس کے متعلقین نے جو اس کے عمل کی تاویل کی اور عملِ شر کو عملِ خیر بنانے کی کوشش کی ان لوگوں نے بھی اللہ کی نافرمانی کی۔ ان کو چاہیے تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے اور آپؐ بھی اُن کے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا فرماتے تو اس طرح ان کی مغفرت اور بخشش کی صورت بن جاتی۔ توبہ صحیح کے بعد اللہ تعالیٰ مغفرت فرما دیتا ہے۔ خواہ تنہائی میں توبہ کی جائے یا مجمع میں لیکن خاص طور سے اُن لوگوں کے لئے یہ فرمانا کہ آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اللہ سے استغفار کرتے اور آپؐ بھی ان کے لئے استغفار کرتے تو اللہ کو توبہ اور رحیم پالیتے اس سے جو خدمت عالی میں حاضر ہونے کی شرط مفہوم ہو رہی ہے اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ چونکہ انہوں نے آپؐ کے منصبِ نبوت پر حملہ کیا اور آپؐ کے فیصلے کو نظر انداز کرنے کا تاویلوں کے ذریعہ جواز نکالا اور آپؐ کو دکھ پہنچایا اس لئے ان کے جرم کی توبہ کے لئے یہ شرط لگائی گئی کہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ سے توبہ کریں، اور یہ بھی کہ آپؐ اُن کے لئے استغفار کریں۔ پوشیدہ گناہ کی توبہ پوشیدہ طریقے پر اور اعلانیہ گناہ کی توبہ اعلانیہ طور پر ہو یہ توبہ کا اصول ہے۔ اُن کی حرکت معروف و مشہور ہو گئی اور رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو اُن سے دکھائی گئی البتہ یہ ضروری ہوا کہ بارگاہِ عالی میں حاضر ہو کر اللہ کے حضور میں توبہ کریں۔

فَلَا وَدَّيْكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي

دو ترجمے آپ کے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ جو ان کے آپس کے جھگڑے ہوں ان میں آپ کو فیصلہ کرنے والا بنا کر آپ کے فیصلے سے

الْقِسْمَ حَرَجًا لِّمَا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿۶۵﴾

اپنے دلوں میں کسی بھی طرح کی جنگی محسوس نہ کریں اور اپورا تسلیم کر لیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو دل و جان سے قبول کئے بغیر مومن نہ ہوں گے

صحیح بخاری کتاب التفسیر ص ۶۶۰ ج ۱ میں حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے کہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کا ایک انصاری سے کاشت کے سیراب کرنے کے سلسلے میں جھگڑا ہو گیا۔ دونوں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے (پانی کا بہاؤ کچھ اس طرح سے تھا کہ پہلے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی زمین پڑتی تھی) آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسے زبیر اتم اپنی کھیتی کو سیراب کر لو پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دو۔ اُس انصاری نے کہا کہ یا رسول اللہ! یہ آپ رضی اللہ عنہ کی کھیتی کا بیٹا ہے اس لئے آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے حق میں فیصلہ دیا اور اس کو ترجیح دیدی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا اور فرمایا کہ اسے زبیر اتم اپنی زمین کو سیراب کر دو اور پانی کو یہاں تک روک لو کہ تمہاری کیاریوں کے اوپر تک آ جائے پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انصاری کے قصہ دلانے والے کلمات کی وجہ سے زبیر کو اُن کا صاف صاف پورا حق دلا دیا۔ حالانکہ آپ رضی اللہ عنہ نے پہلے ایسی بات فرمائی تھی جس میں دونوں کے لئے گنجائش تھی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ یہ آیت فلا وَدَّيْكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ میرے ہی بارے میں نازل ہوئی (مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر جب فریقِ مقابل راضی نہیں ہوا بلکہ اعتراض بھی کر دیا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی کھیتی کے بیٹے کو ترجیح دیدی تو اس پر تنبیہ فرمانے کے لئے آیت شریفہ نازل ہوئی) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو اپنی زمین کو سیراب کرنے کا حق پہلے اس لئے دیا کہ اُن کی زمین پہلے پڑ رہی تھی اور آپ رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ پہلے اپنی کیاریوں میں اوپر تک پورا پانی بھر لینا بلکہ صرف اتنا فرما دیا تھا کہ تم اپنی زمین سیراب کر کے اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دینا۔ لیکن انصاری نے جب ایسی بات کہہ دی جو اوپر مذکور ہوئی کہ آپ رضی اللہ عنہ نے زبیر رضی اللہ عنہ کو اُن کا پورا پورا حق دے دیا کہ پہلے تم اچھی طرح سیراب کر لو پھر پانی چھوڑ دو۔ پہلا فیصلہ انصاری کے حق میں بہتر تھا اس نے یہ تو نہ دیکھا کہ زبیر کو پوری کیاریاں پُر کرنے کو نہیں فرمایا ہے بلکہ یہ دیکھ لیا کہ ان کو پہلے اپنی زمین سیراب کرنے کا حق دے دیا۔

آیت بالا میں مستقل یہ قانون بتا دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں پر دل و جان سے راضی ہونا یہی ایمان کا تقاضا ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فیصلہ سامنے آ جائے تو اس کے خلاف اپنے نفس میں ذرا بھی کچھ جنگی محسوس نہ کرے۔ سبب نزولِ خواہ وہی ہو جو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا لیکن آیت کے عموم نے بتا دیا کہ جب کبھی بھی کوئی واقعہ پیش آ جائے جہاں ایک شخص دوسرے پر دعویٰ کرتا ہو اور اُن کے جھگڑے ہٹانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ موجود ہو تو ہر فریقِ دل و جان سے اسی پر راضی ہو جائے۔ دل میں ذرا سا بھی کوئی تکدر اور میل نہ لائے۔ بہت سے لوگ جو اپنے معاملات اور مختصات میں غیر اسلامی قوانین کی طرف

دوڑتے ہیں اور ان کے سامنے قرآن وحدیث کا فیصلہ لایا جاتا ہے تو اس سے راضی نہیں ہوتے ایسے لوگ اپنے ایمان کے بارے میں غور کر لیں، اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت بالا میں قسم کھا کر خوب واضح طریقے پر بتا دیا کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جھگڑوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا نہ بنائیں اور فیصلہ نہ کر آئیں آپ کے فیصلے پر دل و جان سے راضی نہ ہوں اور پوری طرح فیصلے کو تسلیم نہ کر لیں تو ایسے لوگ مؤمن نہ ہوں گے، جب تک آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تھے اس وقت تک آپ کی ذات اطہر سامنے تھی اور آپ کے تشریف لے جانے کے بعد قرآن مجید اور آپ کی احادیث موجود ہیں۔ اب ان کو سامنے رکھ کر اپنے فیصلے چکائیں اور جو مسلمان قاضی اور حاکم ہیں انہیں کے مطابق فیصلے کریں۔ اگر ایسا نہ کریں گے تو قرآن مجید کی تصریح کے مطابق لَا يُؤْمِنُونَ کا مصداق ہوں گے۔

دور حاضر کے لوگوں کی بد حالی لوگوں کے ذہن مغرب کے بنائے ہوئے ظالمانہ قوانین سے اس قدر مغلوب اور مانوس ہو چکے ہیں کہ ان کے مطابق ظالم بننے اور مظلوم بننے کو تیار ہیں لیکن اسلام کے عادلانہ قوانین پر عمل کرنے کو تیار نہیں۔ زنا کاری کے عام ہو جانے پر خوش ہیں چوری اور ڈکیتی کی وارداتیں، وٹی رہتی ہیں جنہیں جھگڑتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ شانہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے قوانین کو نافذ کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ان قوانین کو نہ صرف دل سے بُرا جانتے ہیں بلکہ صاف الفاظ میں ظالمانہ کہہ کر کفر اختیار کر لیتے ہیں اگر چوروں کے ہاتھ کاٹے جائیں اور زانیوں کو سنگسار کرنے اور کوڑے لگانے کی حد جاری کی جائے اور شراب پینے والوں کو کوڑے لگانے جائیں اور ڈاکوؤں کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو سورہ مائدہ میں مذکور ہے۔ کہ اُن کو (حسب واردات) قتل کیا جائے یا سولی پر چڑھایا جائے یا اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں یا جیل میں ڈالا جائے اور قاتلوں سے قصاص دلایا جائے اور دیت کے احکام نافذ ہوں تو یہ جھگڑے فسادات، چوریاں، ڈکیتیاں اور زنا کاری کا وجود ختم ہو جائے کہنے کو مسلمان ہیں لیکن احکام قرآنیہ پر راضی نہیں، کافروں کے قوانین کے مطابق فیصلے کرتے ہیں اور فیصلے کراتے ہیں ایسے لوگ غور کر لیں کہ اُن کا کیا دین و ایمان ہے، آیت بالا میں فرمایا کہ مؤمن ہونے کے لئے صرف یہی شرط نہیں ہے کہ اپنے جھگڑوں کے فیصلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کرائیں بلکہ یہ بھی شرط ہے کہ آپ کے فیصلے پر دل میں ذرا سی بھی تنگی محسوس نہ کریں۔

وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنْ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ أَوْ أَخْرِجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ

اور اگر ہم ان پر یہ فرض کر دیتے کہ اپنی جانوں کو قتل کرو یا یہ کہ اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو اس پر عمل نہ کرتے مگر تھوڑے

مَنْهُمْ ۖ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَشَدَّ ثَبَاتًا ۖ وَإِذَا لَا تَنِيَّهُمْ

سے لوگ، اور اگر وہ لوگ ان کا سواں کو کرتے جن کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا، اور یہ ان کے ایمان کو زیادہ پختہ کرنے والا عمل ہوتا، اور اس

مَنْ لَدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا ۖ وَلَهْدَيْنَهُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝

وقت ان کو ہم اپنے پاس سے ضرور اجر عظیم عطا کرتے۔ اور ہم ان کو سیدھے راستے پر چلاتے۔

جاتوں کے قتل کرنے اور گھروں سے نکلنے کا حکم ہوتا تو تھوڑے افراد عمل کرتے

اوپر کی آیات میں یہ بتایا کہ مؤمن کی شان یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فیصلے پر بلا چون و چرا سچے دل سے راضی ہو اور دل میں ذرا سی بھی تنگی محسوس نہ کرے۔ اور اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا کہ ان کو جو یہ حکم دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کریں

اور آپ کے حکم کو تسلیم کریں اور آپ کے فیصلہ پر راضی ہو جائیں یہ کوئی ایسی مشکل چیز نہیں ہے جس پر عمل نہ ہو سکے، اور اگر ہم اُن پر یہ فرض کر دیتے کہ اپنی جانوں کو قتل کرو (جیسا کہ بنی اسرائیل کو بچھڑے کی عبادت کرنے کی وجہ سے بطور توبہ جانوں کے قتل کرنے کا حکم ہوا تھا) یا یہ حکم دیتے کہ اپنے گھروں سے نکل جاؤ (جیسا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے نکلنے کا حکم دیا تھا) تو اس پر عمل نہ کرتے مگر تھوڑے سے افراد۔ جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر مجھے حکم دیں کہ اپنی جان کو قتل کروں تو میں ضرور ایسا کر گذروں گا۔ آپؐ نے فرمایا اے ابوبکرؓ! تم نے سچ کہا اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ اگر یہ چیز فرض کی جاتی تو یہ بھی انہیں قلیل افراد میں سے ہوتے جو اس پر عمل کر لیتے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا۔ حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہؓ میں سے چند حضرات نے کہا کہ اگر یہ ہمیں حکم ہو گا تو ہم ضرور عمل کر لیں گے۔ اُن لوگوں کی یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچ گئی آپؐ نے فرمایا کہ ایمان ان کے قلوب میں مضبوطی کے ساتھ جمے ہوئے پہاڑوں سے بھی زیادہ جما ہوا ہے۔ حضرت عمرؓ نے بھی یہی کہا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے سب تعریف ہے جس نے ہمیں عافیت سے رکھا اگر ہمیں حکم ہوتا کہ اپنی جانوں کو قتل کریں تو ہم ضرور ایسا کر لیتے آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو آپؐ نے فرمایا کہ بلاشبہ میری امت میں بعض لوگ ایسے ہیں کہ اُن کے دلوں میں ایمان جمے ہوئے پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط ہے۔ (روح المعانی ص ۲۷۵ ج ۵، عالم التزیل)

بعض آثار میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت زبیرؓ زمین کی سیرانی والے قنزیہ کا فیصلہ کرنا کر رہے تھے تو حضرت مقدادؓ پر ان کا گذر ہوا حضرت مقدادؓ نے پوچھا کہ کس کے لئے فیصلہ ہوا۔ انصاری نے اپنا منہ پھیرتے ہوئے جواب دیا اپنی پھوپھی کے بیٹے کے لئے فیصلہ کر دیا وہاں ایک یہودی بھی موجود تھا اس نے بات کو سمجھ لیا اور کہنے لگا کہ اللہ ان لوگوں کا بُرا کرے یہ لوگ گواہی دیتے ہیں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور اس کے باوجود اگر آپؐ کوئی فیصلہ کر دیں اس میں آپؐ کو (جانبداری کی) تہمت لگاتے ہیں۔ قسم اللہ کی ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ایک گناہ کیا تھا۔ انہوں نے توبہ کی دعوت دی اور توبہ کے سلسلے میں جانوں کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ تو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر عمل کرتے ہوئے ہم لوگوں نے اس پر عمل کیا یہاں تک کہ مقتولین کی تعداد ۷۰ ہزار کو پہنچ گئی۔ اور اس سے ہمارا رب راضی ہو گیا۔ واقعہ مذکورہ ایک ہی انصاری کا تھا لیکن یہودی نے تمام انصار و مہاجرین پر طعن کر دیا۔ اس پر ثابت بن قیسؓ اور ابن مسعود اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ہمیں جان کے قتل کا حکم ہو گا تو ہم ضرور عمل کریں گے۔ یہودی کا یہ کہنا اور حضرات صحابہؓ کی طرف سے اس کا جواب دینا اس کی سند تو بیان نہیں کی گئی لیکن بشرط ثبوت آیت شریفہ کا ربط آیت سابقہ سے واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے۔ (از روح المعانی ص ۲۷۵ ج ۵) جس شخص کا یہ واقعہ ہے وہ منافق تھا، انصار کے کسی قبیلہ سے ہونے کی وجہ سے اسے انصاری کہہ دیا گیا تھا۔

پھر فرمایا وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِه لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ (الآیۃ) کہ اگر یہ لوگ اس پر عمل کرتے جو اُن کو نصیحت کی جاتی ہے تو دنیا و آخرت میں ان کے لئے بہتر تھا اور ان کو سختی کے ساتھ حق پر رہنے کا ذریعہ ہوتا۔ اور جب یہ اس پر عمل کر لیتے جس کی اُن کو نصیحت کی جاتی ہے تو ہم اُن کو اپنے پاس سے اجر عظیم عطا کر دیتے۔ اور اُن کو سیدھے راستہ پر چلا دیتے۔ (روح المعانی ص ۲۷۵ ج ۵)

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ

اور جو لوگ اللہ کی اور رسول ﷺ کی فرمانبرداری کریں سو یہ اُن اشخاص کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین

وَالشُّهَدَاءُ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۚ ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ ۖ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عَلِيمًا ۝

اور شہداء اور صالحین اور یہ حضرات اچھے رفیق ہیں۔ یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ کافی ہے جاننے والا۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرنے والوں کے لئے بشارتِ عظیمہ

اوپر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری کا ذکر ہے۔ یہاں بطور قاعدہ کلیہ فرمانبرداروں کا عظیم مرتبہ ذکر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کا یہ صلہ ہے کہ ایسے لوگوں کو آخرت میں حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کی رفاقت حاصل ہوگی۔

معالم التنزیل ص ۴۵۰ ج ۱ لکھتے ہیں کہ حضرت ثوبانؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ محبت تھی اور آپؐ کی زیارت کے بغیر صبر نہیں کر سکتے تھے۔ ایک دن حاضر خدمت ہوئے تو ان کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا جس کی وجہ سے رنج و غم کا اثر ظاہر ہو رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تمہارا رنگ کس چیز نے بدل دیا عرض کیا یا رسول اللہ! نہ مجھے کوئی مرض ہے نہ کوئی تکلیف ہے صرف اتنی بات ہے کہ مجھے آپؐ کی ملاقات کا بہت زیادہ شوق ہوا اور اس کے بغیر مجھے چین نہ آیا اور اپنے اندر بہت سخت وحشت محسوس کرتا رہا پھر مجھے آخرت یاد آگئی اس پر یہ خیال آیا کہ وہاں آپؐ کو نہ دیکھ سکوں گا کیونکہ آپؐ نبیوں کے درجات میں ہوں گے اور اگر میں جنت میں داخل ہو گیا تو آپؐ کے درجے سے نیچے کے درجے میں ہوں گا اور اگر جنت میں داخل نہ ملا تو کبھی بھی آپؐ کو نہ دیکھ سکوں گا اس پر آہستہ بالانازل ہوئی۔ معلوم ہوا کہ باوجود درجات مختلف ہونے کے اہل جنت کی آپس میں معیت اور ملاقات ہوگی۔

جس سے محبت ہو اسی کے ساتھ ہوں گے..... حضرت ابن مسعودؓ نے بیان فرمایا کہ ایک شخص حاضر خدمت ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایسے شخص کے بارے میں آپؐ کا کیا ارشاد ہے جس نے کسی قوم سے محبت کی اور (علم و عمل) کے اعتبار سے اُن (کے مقام) کو نہ پہنچا اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ المصروع مع من احب یعنی انسان اُس کے ساتھ ہے جس سے محبت کرتا ہے۔ (رواہ البخاری کافی المشکوٰۃ ص ۴۲۶)

آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ المصروع مع من احب (انسان اسی کے ساتھ ہے جس سے اُس نے محبت کی) اس کے عموم میں دونوں باتیں داخل ہیں، اچھوں سے محبت کی تو اچھوں کے ساتھ ہوگا اور بُروں سے محبت کی تو بُروں کے ساتھ ہوگا۔ نیز اس کا عموم دنیا و آخرت دونوں کے لئے شامل ہے۔ دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ بُروں کے ساتھ بُرے لوگ ہوتے ہیں اور اچھوں کے ساتھ اچھے لوگ ہوتے ہیں اسی طرح سے آخرت میں تقسیم ہو جائیں گے۔ ہر ایک اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا المصروع علی دین خلیلہ فلینظر احدکم من ینخالل (رواہ الترمذی و ابوداؤد) (یعنی انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے سو تم میں سے ہر شخص غور کرے کہ وہ کس سے دوستی رکھتا ہے)

جس نے نماز کی پابندی نہ کی قارون و فرعون کے ساتھ ہوگا:..... حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے بیان فرمایا کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا جس نے نماز کی پابندی کی وہ اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگی اور (اس کے ایمان کی) دلیل ہوگی اور (اس کی) نجات (کا سامان) ہوگی اور جس نے اس کی پابندی نہ کی اس کے لئے نہ نور ہوگی نہ دلیل ہوگی اور

نہ نجات کا سامان ہوگی اور وہ قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ (رواہ احمد والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان کما فی مشکوٰۃ ص ۵۹)

علماء حدیث نے حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا کہ نماز کی پابندی نہ کرنے والے کئی قسم کے ہیں، کچھ لوگ مال کی وجہ سے نماز کی پابندی نہیں کرتے۔ یہ لوگ قارون کے ساتھی ہوں گے اور کچھ لوگ حکومت کی وجہ سے نماز کی پابندی نہیں کرتے یہ لوگ فرعون کے ساتھ ہوں گے اور کچھ لوگ ملازمت کی وجہ سے نماز کی پابندی نہیں کرتے یہ لوگ ہامان کے ساتھ ہوں گے (یہ شخص فرعون کا وزیر تھا) اور جو لوگ تجارت کی مشغولیت کی وجہ سے نماز کی پابندی نہیں کرتے وہ ابی بن خلف کے ساتھ ہوں گے یہ ایک مشرک تھا، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے قتل کیا تھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح اچھے لوگ اچھے لوگوں کے ساتھ ہوں گے اسی طرح بد عمل نرے لوگوں کے ساتھ ہوں گے۔

صاحب روح المعانی ص ۸ ج ۵ پر لکھتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کی معیت کا جو آیت میں ذکر ہے اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ درجات میں اختلاف نہ ہوگا اور یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ صرف دخول جنت کے اشتراک کو معیت سے تعبیر فرمایا ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ نیچے کے درجات والے اوپر کے درجات والوں کو بعد مسافت کے باوجود کچھ بھی سکیں گے اور زیارت بھی کر سکیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نیچے درجے والوں کو زیارت کے لئے اوپر جانے کی اجازت دی جائے اور بلند درجات والوں کو نیچے آنے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ اپنے بھائیوں کی زیارت کر لیں جو بھی صورت ہو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والوں کو مذکور بالا حضرات کی معیت نصیب ہوگی۔ ان حضرات سے جو قلبی محبت ہے وہ ان کی معیت کا ذریعہ بن جائے گی۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ بندوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے آپس میں محبت کی اگر ان میں سے ایک شخص مشرق میں تھا اور دوسرا مغرب میں تھا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان دونوں کو جمع فرمائیں گے اور ارشاد ہوگا کہ یہ ہے وہ شخص جس سے تو میرے لئے محبت کرتا تھا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲)

حضرت ربیعہ بن کعبؓ کا واقعہ..... حضرت ربیعہ بن کعبؓ نے بیان فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رات گزارا کرتا تھا (یہ بعض احوال اور بعض اوقات کا بیان ہے) اور (رات کو جب آپ بیدار ہوتے تو) آپ کی خدمت میں وضو کا پانی اور دوسری چیزیں حاضر کرو دیتا تھا (ایک دن آپ نے) فرمایا کہ سوال کرو (جو تم چاہتے ہو) میں نے عرض کیا میں جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں آپ نے فرمایا اس کے سوا اور کچھ چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا میرا مقصود تو یہی ہے آپ نے فرمایا اگر ایسی ہی بات ہے تو اپنے نفس کے خلاف میری اس طرح مدد کرو کہ بعد سے زیادہ کرتے رہو (یعنی نفل نمازیں خوب زیادہ پڑھو)۔ (رواہ مسلم ص ۱۹۳ ج ۱)

معلوم ہوا کہ بلند درجات والوں کی معیت حاصل ہونے کے لئے اعمال صالحہ میں لگا رہنا چاہیے اور نماز ایمان کے بعد سب سے بڑی چیز ہے جتنی زیادہ نمازیں پڑھیں گے اتنے زیادہ بعد سے ہوں گے اور بعدوں کی یہ کثرت معیت کا ذریعہ بنے گی۔ آرزو کے ساتھ عمل بھی ہونا چاہیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ اپنے نفس کے مقابلہ میں میری مدد کرو اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ نفس انسان کو آگے نہیں بڑھنے دیتا اعمال صالحہ کرنے میں ہمت کرنی پڑتی ہے اور نفس سے مقابلہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعض اعمال صالحہ ایسے ہیں کہ خصوصیت کے ساتھ ان اعمال پر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور صدیقین اور شہداء کی معیت کا وعدہ فرمایا ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سچا امانت دار تاجر میوں و صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔

(رواہ الترمذی فی البیوۃ) جنت میں درجات میں فرق مراتب بہت زیادہ ہوگا۔ لیکن اس کے باوجود باہمی ملاقاتوں اور زیارتوں کے مواقع عطا کئے جائیں گے۔

جنت کے بالا خانے..... حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جنت میں سو درجے ہیں جن کو اللہ نے ان لوگوں کے لئے تیار فرمایا ہے جو اس کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین کے درمیان فاصلہ ہے سو جب تم اللہ سے سوال کرو جنت الفردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت کا سب سے زیادہ بہتر اور بلند درجہ ہے اور اس کے اوپر حسن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی نہریں جاری ہیں۔ (رواہ البخاری ص ۱۰۴ ج ۲)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ (عام) جنتی بالا خانوں کے رہنے والے کو اپنے اوپر اس طرح دیکھیں گے جیسے تم (دنیا میں) چمکدار ستارہ کو دیکھتے ہو جو آسمان کے کناروں میں مشرق یا مغرب کی جانب دیر نظر آ رہا ہو اور یہ ان کے آپس کے فرق مراتب کی وجہ سے ہوگا۔ صحابہؓ نے غرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو انبیاء کرام علیہم السلام کے رہنے کی جگہیں ہوں گی جہاں اور کوئی نہ پہنچے گا۔ آپؐ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ وہ لوگ ان میں رہیں گے جو اللہ پر ایمان لائے اور پیغمبروں کی تصدیق کی۔ (ابو بخاری ج ۶ ص ۱۸۱)

جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ان حضرات کو چار ہمناموں میں ذکر فرمایا اول حضرات انبیاء اکرام علیہم السلام، دوم حضرات صدیقین یعنی وہ حضرات جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی تصدیق میں ذرا بھی تاثر نہیں کیا۔ جب نبی کی دعوت سامنے آئی فوراً لبیک کہا اور پھر آخر تک نہایت اخلاص کے ساتھ اپنے جان و مال اور ہر طرح کی خدمات سے حاضر رہے۔ حضرت ابو بکرؓ کو اسی لئے صدیق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سنتے ہی فوراً تصدیق کی۔ ہر منصب کی ایک ذمہ داری ہوتی ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن حضرت ابو بکرؓ کے پاس سے گزرے وہ اس وقت اپنے بعض غلاموں پر اہانت کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف توجہ فرمائی اور فرمایا لَعَنَیْکُمْ وَصَدِیْقَیْکُمْ (یعنی کیا اہانت کرنے والے صدیق ہو سکتے ہیں؟) پھر فرمایا کَلَّا وَ رَبِّ الْکَعْبَةِ (یعنی رب کعبہ کی قسم ایسا ہرگز نہیں) (یعنی اہانت کرنے کی صفت اور صدیقیت دونوں جمع نہیں ہو سکتے)۔ حضرت ابو بکرؓ نے یہ سن کر اس دن اپنے بعض غلاموں کو آزاد کر دیا پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اب ایسا نہیں کروں گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۱۵)

سوم شہداء یعنی وہ حضرات جنہوں نے اللہ کے دین کو بلند کرنے کے لئے، شہیمان اسلام سے جنگ لڑی اور کافروں کے ہاتھوں مقتول ہو گئے۔ یہ بھی مقررین بارگاہ الہی ہیں اور ان کے بڑے درجات ہیں۔

چہارم صالحین یعنی وہ حضرات جن کے قلوب برائیوں سے دور ہیں اور نیکیوں کی طرف راغب ہیں۔ اخلاص کے ساتھ نیکیوں ہی میں لگے رہتے ہیں۔ ہر حقیقت یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے کہ کوئی شخص صلاح و اس کی طبیعت اور مزاج میں نیکی کرنا۔ پوری طرح اثر انداز ہو چکا ہو۔ صالح ہونا بہت بڑا وصف ہے اس لئے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی اس صفت کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں نبیِّ الصَّالِحِین اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وَ مِّنَ الصَّالِحِینَ فرمایا ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے غم میں عرض کیا: تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَّ اَلْحَقْنِي بِالصَّالِحِینَ (اے اللہ مجھے اس حال میں موت دے کہ میں مسلمان ہوں اور مجھے نیکوں کے ساتھ تھما دے)۔ چونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا ذکر اہل آپ چکا ہے۔ اس لئے یہاں: و الصالحین مراد ہیں

جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ ہیں آیت کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں پر انعام فرمایا ہے وہ چار ہی قسم کے حضرات ہیں۔ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین اور ان ہی حضرات کی راہ پر چلنے کی دعا کرنے کی تلقین فرمائی۔ ہر نماز کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں اس میں صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ تلاوت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! میں ان لوگوں کے راستے پر چلاؤ جن پر تو نے انعام فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بہت زیادہ ہیں۔ کافر اور فاسق بھی اُن سے منفعہ متمتع ہوتے ہیں لیکن اصل انعام وہی ہے جو مذکورہ اشخاص پر ہوا۔ کیونکہ ہدایت اور تعلق مع اللہ اور صلاح فلاح کا جو انعام ہے وہی حقیقی انعام ہے آخرت میں اس کی وجہ سے بلند درجات نصیب ہوں گے دوسرے انعامات اور اُن کے فوائد اسی دنیا میں رہ جائیں گے۔

آخر میں فرمایا وَحَسَنُ أَوْلِيَاكَ رَفِيقًا کہ مذکورہ بالا حضرات کی رفاقت بہت ہی اچھی ہے کیونکہ جنتوں میں ان کی معیت اور رفاقت حاصل ہوگی۔ پھر فرمایا ذَلِكِ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ کہ یہ مہربانی اللہ کی طرف سے ہے کہ اُس نے اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی توفیق دے دی اور اسی میں لگائے رکھا۔ یہاں تک کہ آخرت میں ان حضرات کا ساتھ نصیب ہوا جو اللہ کے مقرب بندے ہیں۔

آخر میں فرمایا وَخَفِي بِاللَّهِ غَيْبُكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ جاننے والا کافی ہے، اسے ہر عمل کا پتہ ہے اور وہ عمل کرنے والوں کو ان کے اعمال کے مطابق جزا و سزا دے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوا ثُبَاتٍ أَوْ انفِرُوا جَمِيعًا ۚ وَإِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ

اے ایمان والو! تم اپنے بچاؤ کا سامان لے لو پھر نکل کھڑے ہو چھوٹی جماعتیں یا بڑی جماعتیں بنا کر، اور بلاشبہ تم میں بعض ایسے لوگ ہیں جو دیر

لَيَبْطِئْنَ ۚ فَإِنْ أَصَابَكُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْنَا إِذْ لَمْ أَكُنْ مَعَهُمْ شَهِيدًا ۚ

لگتے ہیں، و اگر تم کو کوئی مصیبت پہنچ جائے تو کہتے ہیں اللہ نے مجھ پر انعام فرمایا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ حاضر نہ تھا۔

وَلَكِنْ أَتَاكُمْ فَضْلٌ مِنَ اللَّهِ لَئِنْ كُنْتُمْ تَكُنُونَ ۚ بَنَنَاهُ مَوَدَّةً تَلْتَمِئْنَ

اور اگر تم کو اللہ کا فضل حاصل ہو جائے تو کہنے لگتے ہیں گویا کہ تمہارے اور اُن کے درمیان کوئی دھڑی ہی نہیں۔ اسے کاش میں

كُنْتُ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا ۚ فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ

ان کے ساتھ ہوتا تو مجھ کو بڑی کامیابی حاصل ہوتی۔ سو جو لوگ آخرت کے بدلہ دنیا والی زندگی کو اختیار کرتے ہیں ان کو چاہیئے کہ

الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۚ وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُشْتَدَّ أَوْ يَغْلِبْ يُسَوِّفْ لَكُمْ أُجْرًا عَظِيمًا ۚ

اللہ کی راہ میں جنگ کریں اور جو شخص اللہ کی راہ میں جنگ کرے پھر دقت پیدا جائے یا غالب ہو جائے سو بے قریب ہم اسے اجر عظیم عطا کریں گے۔

دشمنوں سے ہوشیار رہنے اور قتال کرنے کا حکم

ان آیات میں اول تو مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ دشمنوں کی جانب سے چوکے رہیں ہتھیار تیار رکھیں اور موقع کے مطابق نکل کھڑے

ہوں، جہاں چھوٹی جماعتوں سے ضرورت پوری ہوتی ہو وہاں چھوٹی جماعتیں چلی جائیں اور جہاں بڑی جماعت کی ضرورت ہو وہاں بڑی جماعت چلی جائے۔

منافقوں کا طرزِ عمل..... اس کے بعد منافقوں کے طرزِ عمل کا تذکرہ فرمایا۔ چونکہ منافقین مسلمانوں میں مل کر رہتے تھے اس لئے فرمایا کہ تم میں بعض وہ لوگ ہیں کہ جب اُن کے سامنے جہاد میں جانے کی بات آتی ہے تو چونکہ اندر سے ایمان نہیں ہے اس لئے اُن پر جہادِ شاق گذرتا ہے دل سے شرکت کرنا نہیں چاہتے اس لئے بدولی کے ساتھ نکلتے ہیں۔ لَيْبَطَنَّ بَابُ تَفْعِيل سے ہے اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنی جانوں کو روکتے ہیں اور جہاد کی شرکت سے پیچھے رہ جانے اور نکلنے میں ویرگانے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ وہ دوسروں کو جہاد کی شرکت سے روکتے ہیں جیسا کہ غزوہٴ احد میں منافقین نے ایسا کیا تھا۔ چونکہ یہ لوگ صرف صاحبِ دنیا ہیں۔ باہر سے مسلمانوں میں شریک ہیں اور اندر سے ان کے دشمن ہیں اس لئے اُن کی زبانوں پر وہ باتیں آ جاتی ہیں جو اُن کے نفاق اور دل کے مرض کو ظاہر کر دیتی ہیں۔ جب مسلمانوں کو کوئی تکلیف پہنچ جائے تو کہتے ہیں کہ اچھا ہی ہوا کہ اللہ نے مجھے گھر میں بیٹھنے کے انعام سے نوازا اور میں ان لوگوں کے ساتھ حاضر نہ ہوا جہاں ان لوگوں کو مصیبت پہنچی، اور جب مسلمانوں کو اللہ کا فضل شامل حال ہو جائے، فتحِ یابی نصیب ہو جائے یا مالی غنیمت مل جائے تو ایسے طور پر خود غرضی کے ساتھ کہ گویا مسلمانوں سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں۔ یوں کہتا ہے کہ ہائے کیا خوب ہوتا جو میں بھی ان لوگوں کے ساتھ ہوتا اور مجھے بھی بڑی کامیابی حاصل ہوتی۔ مجھے بھی مال و دولت مل جاتا۔ چونکہ منافق دل سے مسلمانوں کا ساتھی نہیں اس لئے اُن پر جو اللہ کا فضل ہوا اُس فضل پر اُسے خوشی نہیں۔ بلکہ اُسے اس کا افسوس ہے کہ میں ساتھ نہ ہوا اور مالِ غنیمت سے محروم رہ گیا۔ جو لوگ دل سے مسلمان ہیں وہ اگر کسی وجہ سے جہاد میں نہ گئے اور مسلمانوں کو کامیابی ہو گئی تو وہ اس پر ایسی ہی خوشی مناتے ہیں جیسا کہ اُن کے ساتھ جاتے اور فتحِ یابی میں شریک ہوتے، منافق دنیا و مال کا لالچی اس غم میں ڈوب رہا ہے کہ ہائے میں اُن کے ساتھ نہ ہوا، اور اس کے نزدیک مال ہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ جبکہ مسلمانوں کے نزدیک اعلیٰ کلمۃ اللہ اور کفر اور اہل کفر کی شکست سب سے بڑی کامیابی ہے۔

اس کے بعد فرمایا فَلَیْقَاتِلُ فِی سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یَشْرُوْنَ الْحَیْوَۃَ الدُّنْیَا بِالْآخِرَةِ یعنی جو لوگ طالبِ دنیا ہیں اپنی دنیا بنانے کے لئے آخرت کو چھوڑ رہے ہیں اور دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ بھی مسلمانوں کی طرح سے اللہ کی راہ میں جنگ لڑیں اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے گھروں سے نکلیں کفر کو بائیں اور کافروں کو شکست دیں۔ هَذَا اِذَا كَانَ شَرِیْ مُعْنٰی اِشْتَرٰی یعنی الذین یتختارون الدنیا علی الآخرة و جاز ان یشترؤا فی سبیل اللہ ولا یشترؤا بالمنافقین الذین یشترؤون فی سبیل اللہ (یعنی یہ معنی اس صورت میں ہونگے جبکہ شری یعنی اشتراکی ہو یعنی وہ لوگ جو آخرت کے بدلہ دنیا کو اختیار کر رہے ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ یشترؤن بمعنی یشترؤن ہوں اس صورت میں اسم موصول الذین سے مؤمنین مراد ہونگے اور معنی یہ ہوگا اگر منافقین مؤمنین کو روکیں تو مؤمنین کو چاہئے کہ وہ اللہ کے راستے میں لڑتے رہیں اور منافقین کے روکنے کی پرواہ نہ کریں)۔

جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت..... اس کے بعد اللہ کی راہ میں قتال کرنے والوں کے لئے اجرِ عظیم کا وعدہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا وَمَنْ یُقَاتِلْ فِی سَبِيلِ اللّٰهِ فُتُتِلْ اَوْ یَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا یعنی جو شخص اللہ کی راہ میں جنگ کرے گا وہ خواہ مقتول ہو جائے خواہ غالب ہو جائے ہر حال میں اس کے لئے اجرِ عظیم کا وعدہ ہے اصل تو آخرت ہی کا اجر ہے اور دنیا میں جو مالِ غنیمت مل جائے

مومن کا نیکو دلیہاں سے اللہ کا فضل ہے۔ اس میں منافقوں کو تنبیہ ہے کہ جب مسلمانوں کو مال غنیمت مل جاتا ہے تو انہیں اس سے بچنا چاہیے۔ اگر وہ اس سے بچیں گے تو اللہ کی تعریف اور اجر بڑا ہوگا۔ اگر وہ اس سے بچیں گے تو اللہ کی تعریف اور اجر بڑا ہوگا۔ اگر وہ اس سے بچیں گے تو اللہ کی تعریف اور اجر بڑا ہوگا۔

وَمَا لَكُمْ لَا تَقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ

اور انہیں یہ علم ہے کہ قرآن ہی راہِ نجات ہے اور اللہ تعالیٰ ہی غیور و جبار ہے۔

الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ

یہ ہیں کہ جس نے اسے تو اللہ رب العزت پر ایمان بنایا جس سے اپنے اپنے نظریات میں جو باتوں کے بارے میں اپنے اپنے خیالات سے کوئی

لَذٰلِكَ وَاٰجَعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيْرًا ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يٰقَاتِلُوْنَ فِيْ

حیث کہ وہ "امیر ہند" کے اپنے بچوں سے بولی ہو، یہ تو ایک ایسا ہی ایسا ہی ہے کہ اس نے

١٠٩

إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ۝

... میں سے ایک :۔ بالآخر ریٹائرمنٹ پر مجبور ہو گیا۔

قتال کے دواغی ہوتے ہوئے قتال کیوں نہیں کرتے؟

اس آیت میں مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں جنگ کرنے کی تاکید فرمائی اور فرمایا تمہیں کیا عذر ہے کہ تم اللہ کی راہ میں قتال نہ کرو۔ یہ قتال نہ کرنے کو کوئی عذر ہے جسے نہیں قتال کرنے کا ایک بہت بڑا اور عظیمہ دعوہ ہے اور دعوہ یہ کہ مردوں اور عورتوں اور بچوں میں جو ایک ضعیف ہیں اور اپنے ضعیف بن بچے ہجرت کرنے سے عاجز ہیں اور ممالک میں گھمے ہوئے ہیں اور دشمنین کے ظلم سے جنگ ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کر رہے ہیں کیا اب ہمارے رب ہمیں اس ہمتی سے نکال دے جس کے رہنے والے ظالم ہیں جو شرک کی ہمت سے ظلم عظیم کے مرتکب ہیں اور اہل ایمان کو بھی تکلیفیں دے رہے ہیں، یہ ضعیف و مظلومین یہ دعا بھی کر رہے ہیں کہ ہمارے رب ہمارا کوئی تمنا بھی بنادے اور ہمارا کوئی مددگار بنادے۔ صاحب روح المعانی ص ۸۲ ج ۵ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کی دعا قبول فرمائی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں مکہ فتح ہوا اور آپ نے ان سب ضعیفوں کی مدد فرمائی۔ پھر آپ نے اپنے صحابی عتاب بن اسیدؓ کو مکہ کا والی بنادیا۔ انہوں نے ان ضعیفوں کی حمایت اور مدد کی یہاں تک کہ لوگ سب سے زیادہ عزت والے ہو گئے۔

صحیح بخاری ص ۱۶۰ ج ۲ میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ میں اور میری والدہ بھی انہیں لوہوں میں سے تھے جن کا الْمُسْتَظْعِفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ میں ذکر ہے۔

جو حضرات ضعیف تھے ہجرت نہ کر سکتے تھے اور مکہ معظمہ میں مشرکین کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے اُن میں ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام، عیاش بن ابی ربیعہ بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے نماز میں رکوع کے بعد کھڑے ہو کر (آخری رکعت میں) دعا فرمایا کرتے تھے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۱۳) پھر یہ حضرات کافروں کی بندش سے آزاد ہو کر مدینہ منورہ حاضر ہو گئے تھے۔

مؤمن اور کافر کی جنگ میں نیتوں کا فرق..... پھر مؤمن کافر کی جنگ کے مقاصد کا تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ الَّذِينَ اصْنَوْا لِنَفْسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ (الآیۃ) یعنی جو لوگ مؤمن ہیں وہ اللہ کی راہ میں جنگ لڑتے ہیں اُن کا مقصد صرف اللہ کو راضی کرنا اور اس کے دین کو بلند کرنا ہوتا ہے اور کافر جو جنگ لڑتے ہیں وہ طاغوت یعنی شیطان کی راہ میں جنگ کرتے ہیں ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کفر کو رواج دیں اور کفر کا غلبہ ہو۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے مسلمانوں کو حکم دیا فَاَقْسَمُوا لِيْ وَاُولَآئِكَ الشَّيْطَانُ کہ شیطان کے دوستوں سے جنگ کرو۔ شیطان اپنے دوستوں کی مدد تو کرتے ہیں لیکن ان کی مدد اللہ کی مدد کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی، جب مؤمن بندے اللہ کا بول بالا کرنے کے لئے میدان میں نکلتے ہیں اور ان کو اللہ کی مدد حاصل ہو جاتی ہے تو شیطان اور اس کے اولیاء اور فرار اختیار کرتے ہیں۔ اور مسلمانوں کی تھوڑی سی جماعت کے مقابلہ میں عاجز رہ جاتے ہیں۔ اور شیطان اور اس کی ساری تدبیریں بھری رہ جاتی ہیں، بس اہل ایمان میں ایمان کی قوت اور اخلاص یعنی جہاد فی سبیل اللہ دونا چاہیئے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ

کیا تو نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روک کے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دینے رہو۔

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ

پھر جب ان پر جنگ کرنا فرض کیا گیا تو اس وقت ان میں سے ایک فریق لوگوں سے اس طرح ڈرنے لگا جیسا اللہ سے ڈرتے ہیں بلکہ اس سے

خَشْيَةً ۚ وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كُتِبَتْ عَلَيْنَا الْقِتَالُ ۚ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ

بھی زیادہ ڈرنے لگے اور کہتے تھے کہ اے رب آپ نے ہم پر جنگ کیوں فرض کی ہم کو تھوڑی مدت کے لئے بہت کیوں نہ دینی

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ ۚ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۝۱۰

آپ فرمادیجئے کہ دنیا کا نفع تھوڑا سا ہے اور آخرت بہتر ہے اس کیلئے جو پرہیزگاری اختیار کرے اور تم لوگوں پر کھجور کی گٹھلی کے برابر بھی ظلم نہیں ہو جائے گا۔

قتال سے پہلو تہی کرنے والوں کا تذکرہ

لباب القبول ص ۴۷ میں بحوالہ نسائی اور متدرک حاکم حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ عبدالرحمن بن عوفؓ اور اُن کے بعض ساتھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے (یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے) اور انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی ہم جب مشرک تھے تو عزت میں تھے پھر جب ہم ایمان لے آئے تو ذلت والے ہو گئے (لہذا ہمیں ہشمان دین سے جنگ کرنا چاہیے) آپؐ نے فرمایا کہ مجھے معاف اور درگزر کرنے کا حکم دیا گیا۔ لہذا جنگ نہ کرو جب آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ پہنچا دیا تو قتال کا حکم دیا اس وقت لوگ جنگ کرنے سے بچنے لگے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیۃ بالا نازل فرمائی۔

مطلب یہ ہے کہ پہلے تو جہاد اور قتال کا شوق رکھتے تھے اور اس کی اجازت چاہتے تھے اس وقت اُن سے کہا گیا تھا کہ ابھی قتال نہ کرو نمازیں پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو لیکن جب قتال کا حکم آ گیا اور قتال فرض قرار دے دیا گیا تو وہی لوگ جو قتال کی خواہش ظاہر کرتے تھے ان پر ہزول، سوار ہو گئی اور بزدلی بھی معمولی نہیں۔ اُن میں سے ایک جماعت لوگوں سے خوف کھانے لگی جیسے اللہ سے ڈرتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ ڈرنے لگے۔ اور کہنے لگے کہ اے ہمارے رب آپ نے ابھی سے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا۔ ہمیں تھوڑی سی مہلت اور مل جاتی تو اچھا ہوتا۔ یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ پہلے سے جہاد کا مطالبہ کیا: بویا نہ کیا: ہو، ہر حال میں یہ الفاظ تو اعتراض کے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا مؤمن کی شان نہیں۔ عام مؤمنین بھی ایسی بات نہیں کہتے چہ جائیکہ حضرات صحابہؓ ایسا کہیں۔ اس کے جواب میں علامہ بغویؒ، عالم التنزیل ص ۴۵۳ ج ۴ میں لکھتے ہیں کہ یہ الفاظ منافقین نے کہے تھے (یہ بات جب صحیح ہو سکتی ہے جبکہ مدینہ منورہ میں بھی فرضیت جہاد سے پہلے جہاد کی اجازت طلب کی گئی ہو، اور ایسا ممکن ہے کہ ہجرت سے پہلے بھی جہاد کا مطالبہ کیا گیا ہو اور ہجرت کے بعد بھی اور قرینہ اس کا یہ ہے کہ ان کے جواب میں اقامت صلوٰۃ کے ساتھ اداۓ زکوٰۃ کا بھی حکم ہے اور یہ معلوم ہے کہ زکوٰۃ مدینہ منورہ میں فرض ہوئی) علامہ بغویؒ نے دوسرا قول یہ لکھا ہے کہ یہ قول ایسے مسلمانوں سے سرزد ہوا جو ظلم میں راسخ نہ تھے۔ خوف اور بزدلی کی وجہ سے ان کی زبان سے یہ الفاظ اُگل گئے، بطور اعتقاد ایسا نہ تھا پھر بعد میں انہوں نے توبہ بھی کر لی، اور تیسرا قول یہ لکھا ہے کہ جن لوگوں نے یہ بات کہی پہلے مؤمن تھے جب قتال فرض ہوا تو بزدلی کی وجہ سے منافق ہو گئے اور جہاد سے پیچھے رہ گئے۔

حُب دنیا و بزدلی کا سبب ہے..... بہر حال جو بھی صورت ہو (اعتراض ہو یا صورت اعتراض) اس کا باعث بزدلی تھا اور بزدلی انسان پر حب دنیا کی وجہ سے طاری ہو جاتی ہے۔ اگر آخرت کی محبت ہو (جو باقی رہنے والی ہے) اور حقیر دنیا سے بے رغبتی ہو تو لڑنا مرنا اور اللہ کے لئے جان و دینا سب آسان ہو جاتا ہے اسی لئے ان کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا قُلْ هُنَا الدُّنْيَا قَلِيلٌ کہ آپ فرما دیجئے کہ دنیا کا فائدہ ذرا سا ہے، دنیا اول تو پہلے ہی تھوڑی ہے پھر اس تھوڑی میں سے بھی جس کو ملی ہے تھوڑی سی ملی ہے۔ اس ذرا سی دنیا کی وجہ سے آخرت کی رغبت نہ کرنا سمجھی ہے۔ مزید فرمایا وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ (آخرت بہتر ہے اس شخص کے لئے جو تقویٰ اختیار کرے) تقویٰ اختیار کرنے میں کفر و شرک سے بچنا اور صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے بچنا سب کچھ داخل ہے۔ اہل تقویٰ کے لئے آخرت ہی بہتر ہے اور دنیا (خواہ کتنی ہی زیادہ ہو) آخرت کی ذرا سی نعمت کے سامنے بیچ ہے۔ پھر دنیا فانی ہے اسے ختم ہونا ہی ہے اور اس کے ختم ہونے سے پہلے دنیا والے ختم ہو جائیں گے۔ اور آخرت ابد الابد تک ہے، باقی کافانی سے اٹلی اور افضل ہونا ظاہر ہے۔

پھر فرمایا وَلَا تَظْلُمُوْنَ قَبِيْلًا کہ تم لوگوں پر (فیتل کے برابر یعنی) ذرا سا بھی ظلم نہ کیا جائے گا ہر عمل خیر پر پورا پورا بدلہ ملے گا بلکہ جس قدر عمل کیا چند در چند کر کے اس پر اجر عظیم عطا کیا جائے گا، پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ فیتل سمجھو رکھی گئی تھی کہ جو تاگا ہوتا ہے اُسے کہا جاتا ہے اور اہل عرب اسے حقیر چیز کے لئے بطور مثال پیش کیا کرتے تھے۔

اَيِّنَ مَا تَكُوْنُوْا يٰۤاُدْرٰكُكُمْ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشِيْدَةٍ ؕ وَاِنْ تَصْبِهُمْ

تم جہاں بھی ہو تم کو موت پکڑ لے گی، اگرچہ تم مضبوط قلعوں کے اندر ہو اور اگر اُن کو کوئی اچھی

حَسَنَةٌ يَقُوْلُوْا هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاِنْ تَصْبِهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُوْلُوْا هٰذَا مِنْ عِنْدِكَ ؕ

حالت پیش آ جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے ہے، اور اگر اُن کو کوئی بری حالت پیش آ جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ میری وجہ سے ہے

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۖ فَمَالِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ﴿۸۶﴾

آپ فرما دیجئے کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے سو ان لوگوں کو کیا ہوا کہ بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں جاتے۔

مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ۚ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنَ نَفْسِكَ ۚ وَ

تجھے جو کوئی اچھی حالت پہنچ جائے سو وہ اللہ کی طرف سے ہے، اور تجھے جو کوئی بری حالت پہنچ جائے سو وہ تیری طرف سے ہے، اور ہم نے

أَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا ۚ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿۸۷﴾

آپ کو لوگوں کے لئے پیغام پہنچانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کافی ہے گواہی دینے والا۔

تم جہاں کہیں بھی ہو گے موت پکڑ لے گی

جو لوگ بزدلی اختیار کرتے ہیں اور فی سبیل اللہ جہاد کرنے سے کتراتے ہیں موت کے دُور سے ایسا کرتے ہیں، موت کا وقت مقرر ہے جب موت آئے گی مرنا ہی پڑے گا اور جہاں کہیں بھی ہوں موت پہنچ جائے گی۔

اس آیت میں فرمایا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو گے تمہیں موت پکڑ لے گی اگرچہ مضبوط قلعوں کے اندر ہو، موت سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں، صاحب عالم التزیل ص ۴۵۳ ج ۱ لکھتے ہیں کہ آیت اِنْ سَمَا تَنْكُفُونَ اُولٰٓئِكَ نَحْنُ الْغَالِبُونَ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی، جب غزوہ احد میں مسلمان شہید ہو گئے تو منافقین نے کہا کہ لَوْ كُنَّا لَوْنًا عِندَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا (اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ وہ مرتے اور نہ مقتول ہوتے) اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کی بات کی تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو گے موت تمہیں پکڑ ہی لے گی، اگر مضبوط قلعے میں ہو تب بھی موت سے مغر نہیں۔

منافقوں اور یہودیوں کی احمقانہ باتیں..... جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہ لوگ کہنے لگے کہ جب سے ان کی آمد ہوئی ہے ہمارے پھل کم ہوتے جا رہے ہیں اور کیتوں کی پیداوار بھی گھٹتی جا رہی ہے، انہیں جو کوئی تکلیف پہنچی یا پیداوار میں کمی ہوئی یا مہر گائی ہو گئی تو اسے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی طرف منسوب کر دیا، ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ یہ سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کے آنے کی نحوست ہے، اچھی حالت کو تو انہوں نے اللہ کی طرف منسوب کر دیا، اور جو کوئی چیزوں کی کمی یا مہر گائی کی زیادتی ہو گئی اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا، ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ کہ آپ فرمادیجئے کہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔

مطلب یہ ہے کہ آپ ان سے فرما دیں کہ سب کچھ نعمت اور نعمت، خوشحالی اور بد حالی اللہ ہی کی طرف سے ہے، میرا اس میں کوئی دخل نہیں، نعمت تو محض اللہ کے فضل سے ہے، اور نعمت و مصیبت کے آنے میں تمہاری بد اعمالیوں کو بھی دخل ہے۔ لیکن ہے سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ سے۔

پھر فرمایا فَمَالِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا (ان لوگوں کو کیا ہوا کہ بات سمجھنے کے پاس نہیں پھٹکتے) باتوں کو سمجھتے تو کیا سمجھنے کے پاس بھی نہیں گذرتے ان کا جہل ان پر غالب ہے۔ (روح المعانی ص ۸۸ ج ۵)

پھر فرمایا مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنَ نَفْسِكَ (جو کچھ تجھے اچھی حالت پہنچ جائے وہ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو کچھ تجھے بد حالی پہنچ جائے وہ تیری طرف سے ہے) یہ خطاب ہر انسان کو ہے اور اس میں اچھی حالت، بری حالت پیش آنے کا قانون بتا دیا اور دیکھ کہ اللہ تعالیٰ پر اس کا کوئی حق واجب نہیں جو بھی نعمت اور اچھی حالت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل جائے وہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، نیک اعمال کرنے سے بھی اللہ پر کسی کا کچھ حق واجب نہیں ہوتا۔ نیک اعمال پر جو نعمتوں اور برکتوں کے وعدے ہیں وہ سب اس کا فضل ہے، اور جو کوئی نعمت یا مصیبت بد حالی انسان کو پہنچ جائے وہ انسان کے اپنے بُرے اعمال کی وجہ سے ہے۔

سورۃ شوریٰ میں فرمایا: **وَإِنَّمَا أَصَابَكُمْ مِمَّنْ مُصِيبَةٍ قِيمًا كَسَبَتْ** اِذْ بَدَأْتُمْ كُفْرًا **وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ** (جو کچھ تم کو دکھ آکلیف پہنچ جائے سو وہ تمہارے اپنے کئے بدنے اعمال کی وجہ سے ہے، اور اللہ تعالیٰ بہت سے اعمال بد سے درگزر فرما دیتے ہیں) مصیبتیں آتی ہیں تو انسانوں کے اعمال کی وجہ سے لیکن اس میں مذموم بندوں کو یہ فائدہ پہنچتا ہے کہ ان کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

آخر میں فرمایا: **وَأَوْسَلْنَا لَإِنْسَانٍ لِّلنَّاسِ رُسُولًا** وَكُفِّي بِٱللَّهِ شَهِيدًا اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب عظیم یعنی رسالت کا بیان ہے، لفظ للناس میں اس بات کی تصریح ہے کہ آپ تمام انسانوں کے لئے رسول ہیں اور وکفنی باللہ شہیداً میں یہ فرمایا کہ اگر کوئی شخص آپ کی رسالت کا منکر ہو تو اس کے انکار سے آپ کے منصب رسالت میں کوئی فرق نہیں آتا، منکرین کی باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں، آپ کی رسالت پر اللہ کا گواہ ہونا کافی ہے۔

بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر گواہ ہے سب کے اعمال خیر و شر سے باخبر ہے وہ سب کا بدلہ دے دیگا۔ (روح المعانی ص ۹۰-۹۱ ج ۵) یہ مطلب لینا بھی مضمون سابق کے مناسب ہے۔

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَفِيطًا

جو شخص فرمانبردار ہو کر رسول کی تو اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی، اور جس نے توجہ دانی کی وہ تم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے

اس آیت کریمہ میں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری اللہ ہی کی فرمانبرداری ہے۔ عالم التذلیل ص ۵۵۵ ج ۴ میں اس کا سبب نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ ارشاد فرمایا کہ **مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ أَحْسَنِي فَقَدْ أَحَبَّ اللَّهَ** (جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی اس نے اللہ سے محبت کی) تو بعض منافقین نے کہا کہ بس جی یہ آدمی تو یہی چاہتا ہے کہ ہم اسے رب ہی بنالیں۔ جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کو رب بنایا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ جس میں یہ بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری اللہ تعالیٰ ہی کی فرمانبرداری ہے کیونکہ آپ جو کچھ حکم دیتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ پیغام پہنچانے والے کے واسطے سے جو پیغام پہنچے اور اس پر عمل کیا جائے وہ پیغام بھیجنے والے کے ہی حکم پر عمل کرنا ہوتا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ پیغام لانے والا رب ہو جائے۔ نصاریٰ نے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت و رسالت کے وجہ سے آگے بڑھا دیا ان کو خدا کا بیٹا بتا دیا اور ان کو الٰہیت کا درجہ دے دیا۔ کہاں نصاریٰ کی جہالت اور حماقت اور کہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری، وہوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

فتنہ انکار حدیث پر ایک نظر..... دورِ حاضر میں جن لوگوں نے انکارِ حدیث کا فتنہ اٹھا رکھا ہے۔ آیت شریفہ میں ان کا بھی جواب ہے یہ لوگ عوام کو طرح طرح کی باتیں کر کے بہکاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجت نہیں (العیاذ باللہ) قرآن مجید میں جگہ جگہ اطاعتِ رسول اور اتباعِ رسول کا حکم دیا ہے اور آپ کو مقتدی بتایا ہے اور فرمایا ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ اور آپ کے بارے میں فرمایا ہے يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ (وہ حلال قرار دیتے ہیں ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو اور خبیث چیزوں کو ان پر حرام قرار دیتے ہیں) قرآن مجید، محل ہے تفصیلی احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے ہیں جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کو شرعی حجت نہ مانے وہ درحقیقت قرآن کا بھی منکر ہے۔ منکرینِ حدیث نے اہل قرآن ہونے کا لبیل تو لگالیا اور حقیقت میں قرآن و حدیث دونوں کے منکر ہیں جو قرآن ماننے کا دعویدار ہے وہ قرآن کی اس بات کو کیوں نہیں مانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اتباع اور اقتداء فرض ہے اور آپ کے اتباع کو اللہ کا محبوب بننے کا ذریعہ بتایا ہے۔ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ

آپ کا کام صرف ابلاغ ہے..... پھر فرمایا وَمَنْ تَوَلَّى فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِظًا (کہ جو شخص روگردانی کرے آپ کی ہدایت قبول نہ کرے راہِ حق اختیار نہ کرے تو آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں آپ کے ذمہ پہنچا دینا ہے زبردستی عمل کروانا آپ کے ذمہ نہیں ہے) اگر کوئی شخص ایمان قبول نہ کرے تو آپ سے کسی قسم کی باز پرس نہیں۔ کما قال تعالیٰ فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِظًا کما قال تعالیٰ فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصْطَفٍ

صاحبِ معالمِ التزیل اور صاحبِ درمنثور نے بعض علماء کا قول نقل کیا ہے کہ یہ جہاد فرض ہونے سے پہلے کی بات ہے جب کہ آپ کی بعثت کا ابتدائی زمانہ تھا بعد میں جہاد کا اور سختی کرنے کا حکم نازل ہوا۔ اور جن آیات میں قتال کا حکم ہے وہ اس مضمون کے لئے ناخ ہو گئیں۔

سخ کی بات اسی صورت میں صحیح ہے جبکہ آیت کا مضمون یہ ہو کہ ابھی جہاد و قتال نہ کرو، اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا مقصود ہو کہ آپ ہدایت قبول نہ کرنے والوں کی طرف سے فکر مند نہ ہوں کیونکہ آپ کے ذمہ صرف پہنچانا ہے۔ قبول کرنا نہیں ہے تو منسوخ کہنے کی کوئی وجہ نہیں۔

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ وَاللَّهُ يَكْتُبُ

اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا کام بات ماننا ہے، پھر جب آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو ان میں سے کچھ لوگ اس بات کے خلاف کہتے ہیں جو وہ کہہ چکے تھے، اور اللہ لکھتا

مَا يَبَيَّتُونَ فَأَعْرَضَ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلَ عَلَى اللَّهِ ۖ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿١٥﴾ أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ

ہے جو کچھ وہ راتوں کو مشورے کرتے ہیں، سو آپ ان کی طرف سے اعراض کریں اور اللہ پر بھروسہ کریں، اور اللہ کافی سے کارساز۔ کیا وہ قرآن میں

الْقُرْآنَ ۖ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴿١٦﴾

نور نہیں کرتے اور اگر وہ اللہ کے سوا کسی غیر کے پاس سے ہوتا تو اس میں بکثرت اختلاف پاتے۔

منافقین کی ایک عادت بد کا تذکرہ

اس آیت میں منافقین کی ایک عادت بد کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جب آپ کی خدمت خالی میں موجود ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم آپ کے حکم سے کیسے باہر ہو سکتے ہیں ہمارا کام تو بات ماننا اور فرمانبرداری کرنا ہے (ای امرنا و شائننا طاعة) علیٰ انہ خیر مبتدأ محذوف پھر جب آپ کی مجلس سے باہر نکل جاتے ہیں ان میں سے ایک جماعت (یعنی ان کے رؤساء) راتوں کو اس بات کے علاوہ مشورے کرتے ہیں جو انہوں نے آپ کی مجلس میں کہا تھا۔ یعنی آپ کے ارشاد کے خلاف چلتے ہیں اور آپ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور خلاف ورزی کے منصوبے بناتے ہیں۔

وَاللّٰهُ يَكْتُمُ مَا يَشَاءُ (اور اللہ لکھتا ہے جو وہ رات کو مشورے کرتے ہیں) وہ دنیا اور آخرت میں ان کے عمل کا بدلہ دے دیگا۔ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ (ان سے اعراض کیجئے) اور ان سے بدلے لینے کا فکر نہ کیجئے۔ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (اور اللہ پر بھروسہ کیجئے) تمام امور اللہ تعالیٰ کے سپرد کیجئے۔ وَكَفَى بِاللّٰهِ وَكِيلًا (اور اللہ کافی ہے کام بنانے والا) وہی آپ کے سب کام بنائے گا۔ ان کے شر اور ضرر سے بھی محفوظ فرمائے گا۔ (روح المعانی ص ۵۲ ج ۵)

قرآن میں تدبر کرنے کی ترغیب..... پھر فرمایا: اَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْفُتُوٰنَ (الآیہ) کیا یہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے۔ اگر قرآن میں غور و فکر کریں تو ان کو یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ یہ قرآن اللہ ہی کی طرف سے ہے اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقعی اللہ کے رسول ہیں جن کے رسول ہونے کی گواہی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں دی ہے وَلَوْ كُنَّا مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا اور اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ اور کہیں سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے۔ اس کی خبروں میں بھی تعارض ہوتا۔ اس کی نظم و باغت میں تفاوت ہوتا۔ بعض خبریں صحیح ہوتیں اور بعض غلط ہوتیں، کہیں معنی فاسد ہوتا کہیں صحیح ہوتا۔ لیکن ایسا نہیں ہے، اس کے الفاظ، معانی اور اخبار میں کہیں کچھ کہنے اور انکلی رکھنے کی جگہ نہیں ہے۔ قرآن نے مقابلے میں ایک آیت لانے کا چیلنج کیا جو اب تک قرآن میں موجود ہے اور اب بھی سارے انسانوں کو چیلنج ہے۔ کوئی بھی اس کے مقابل نہ لاسکا اور نہ اس پر کوئی اعتراض کر سکا۔ اور اپنی ہدفی سے جس کسی نے کوئی اعتراض کیا اس کا جواب اس کو قرآن ہی میں مل گیا۔ یا اہل دانش نے اس کا جواب دے دیا۔ (روح المعانی ص ۹۲-۹۳ ج ۵)

قرآن میں تدبر کرنے کے اہل کون ہیں؟..... آیت بالا میں تدبر قرآن کی دعوت دی گئی ہے جن لوگوں کو اللہ نے علم و فہم دیا ہے وہ قرآن میں تدبر کریں ہر شخص اپنے اپنے فہم اور استعداد کے مطابق تدبر کر سکتا ہے اور جہاں کہیں کچھ سمجھ میں نہ آئے یا کوئی اشکال ہو تو اہل علم سے رجوع کرے۔ اہل فہم کے درجات مختلف ہیں اور تدبر کی صورتیں بھی مختلف ہیں معانی میں تدبر، حقائق و معارف کی تلاش، احکام و مسائل کا استنباط، فصاحت و بلاغت کی گہرائی میں اُترنا، اسلوب و بیان کو دیکھنا یہ سب تدبر میں آتا ہے حضرات ائمہ مجتہدین نے خوب تدبر کیا مسائل کا استنباط کیا، معارف و حقائق کو سمجھا۔ ان کے بعد دوسرے علماء بھی تدبر کرتے رہے ہیں انہوں نے بھی قرآن سے مسائل کا استنباط اور اثبات کیا ہے۔

تدبر کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ذرا بہت عربی اور اردو پڑھے، وہ لوگ جنہیں نصیغوں کی پہچان نہ علم الصرف کا علم نہ وجود اعراب کا پتہ نہ مشتق و مشتق منہ کی خبر نہ حروف اصلیہ اور زائدہ کا علم ان جیسے لوگ تدبر کرنے لگیں اور اپنے آپ کو علماءِ اٹخین کے برابر سمجھ کر جو اپنی سمجھ

میں آئے اُسی کو قرآن کا مطلب بتانے لگیں یہ تو ان کی جہالت ہوگی۔

تفسیر بالرائے کی قباحت..... لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن پر مولویوں کی ہی اجارہ داری کیوں ہے۔ ہم اہل فہم ہیں اور اہل غم ہیں ہم بھی قرآن کا مطلب بتا دیتے ہیں۔ ان میں سے بعض جاہلوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو درمیان سے نکال دیا اور کہنے لگے کہ قرآن اللہ نے ہمارے پاس بھیجا ہے ہم خود سمجھ لیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کی ضرورت نہیں۔ (العیاذ باللہ) جو شخص قرآن لانے والے سے قرآن نہ سمجھے گا اور قرآن لانے والے کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں کو درمیان سے نکال دے گا وہ تفسیر بالرائے کرے گا۔ تفسیر بالرائے گمراہی ہے بہت سے لوگ علم کے بغیر قرآن کی تفسیر لکھنے بیٹھے تو گمراہ ہو گئے اور اپنے اتباع اور اذنا ب کو گمراہی میں ڈال گئے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ من قال فی القرآن برأیہ فلیسوا مفعده من النار (کہ جس شخص نے قرآن کے بارے میں اپنی رائے سے کچھ کہا وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانہ بنالے) اور حضرت جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا من قال فی القرآن برأیہ فاصاب فقد اخطا کہ جس نے قرآن کے بارے میں اپنی رائے سے کچھ کہا اور ٹھیک کہا تب بھی اس نے غلط کام کیا (رواہما الترمذی کافی الشافعی ۳۵)

معلوم ہوا کہ اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرنا ممنوع ہے۔ اگر کوئی بات ٹھیک بھی کہے وی تب بھی خطا کی کیونکہ جو منصب اس کا نہیں تھا اس نے اس کو اختیار کر لیا۔ قرآن میں تدبر کریں تو تدبر کے قابل نہیں۔

یہی بات کہ قرآن پر مولویوں کی اجارہ داری کیوں ہے تو یہ جاہلانہ سوال ہے۔ جب علاج پر ڈاکٹروں کا قبضہ ہے اور قانون سازی پر قانون دانوں کا قبضہ ہے اور انجینئرنگ کے کاموں پر انجینئروں کا قبضہ ہے تو قرآن کے معانی اور مفہام ہم بتانے کے لئے قرآن کے عالم کا قبضہ کیوں نہ ہوگا؟ شاید کسی کے دل میں یہ خطرہ بھی گزرے کہ قرآن حکیم میں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے قرآن کو آسان کر دیا پھر اس کا تدبر اور سمجھنا سب کے لئے آسان کیوں نہیں؟ اس وسوسے کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ قرآن آسان ہے، مگر اصول و قواعد کے ساتھ آسان ہے کوئی بھی آسان چیز اپنے قاعدوں اور اصولوں کے بغیر آسان نہیں ہوتی۔ مثلاً سب سے آسان کام حلوہ کا لقمہ نگل لینا ہے اور اُسے آسانی کی مثالوں میں بیان کیا جاتا ہے مگر نکلنے سے پہلے چینی، سوچی، گھی وغیرہ کا انتظام کرنا، بنانے اور پکانے کا طریقہ جانتا پھر قاعدے کے مطابق اسے تیار کرنا پھر لقمہ اٹھا کر منہ تک لے جانا تو بہر حال ضروری ہے۔ قرآن آسان تو ہے مگر عربی میں ہے۔ عربی سمجھنے کے لئے جن علوم کی ضرورت ہے ان کے بغیر قرآن سمجھنے کا ارادہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص نہ حلوہ بنانے کی چیزوں سے واقف ہو نہ حلوہ بنائے نہ منہ تک لے جائے مگر حلوہ کا لقمہ نکلنے کی مجنونانہ حرکت کرنے لگے۔ قرآن مجید کے ادا امر و نواہی کا سمجھ لینا اور حلال و حلال جان لینا تو اس قدر آسان ہے کہ جس نے قرآن نہ پڑھا اس کے سامنے بیان کروئیے جائیں تو وہ بھی سمجھ لے گا لیکن اول سے آخر تک پورے قرآن مجید کی تفسیر جانتا اور معارف و وقائع کا نکالنا۔ جمل و مبہم کی تعیین کرنا۔ مشترک الفاظ کے معانی میں سے کسی ایک کو سیاق و سباق دیکھ کر طے کرنا اس کے لئے بہر حال عربیت کا بھرپور علم ہونا ضروری ہے۔

اس زمانہ کے جہلاء اپنی طرف سے قرآن کا مطلب بتانے میں ذرا بھی نہیں جھجکتے اور جن کی عمریں قرآن فہمی میں ختم ہو گئیں۔ وہ لب کھولتے ہوئے لرزتے ہیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی احتیاط..... حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے زیادہ قرآن سے واقفیت رکھنے والا آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے بعد کون ہو سکتا ہے جب ان سے سورہ عیس کی آیت وَفَاكِهَةً وَأَبْكَامًا مطلب پوچھا گیا تو فرمایا کہ اَیُّ سَمَاءٍ تُظِلُّنِیْ أَوْ اَیُّ اَرْضٍ تُقِلُّنِیْ اِنْ قُلْتُ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ مَا لَا اَعْلَمُ (تاریخ الخلفاء) مجھے کون سا آسمان سایہ دے گا اور کون سی زمین مجھے اٹھائے گی اگر میں اللہ کی کتاب کے بارے میں وہ بات کہہ دوں جس کا مجھے علم نہیں۔

مفسر کی ذمہ داریاں مفسر کے لئے ضروری ہے کہ اولاً قرآن کی تفسیر خود قرآن شریف ہی میں تلاش کرے کیونکہ قرآن شریف میں اکثر ایسا ہے کہ ایک آیت کی توضیح تفسیر دوسری آیات میں مل جاتی ہے۔ اگر کسی جگہ کی تفسیر قرآن شریف میں نہ ملے تو آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں تلاش کرے کیونکہ سنت نبویہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحبہ) قرآن شریف کی مستند اور معتمد مفسر اور بہترین شارح ہے۔ ظاہر ہے کہ جس ذات گرامی پر قرآن نازل ہوا اس نے جو قرآن کی تفسیر کی ہو وہ سراسر حق ہوگی اور اس کے خلاف جو بھی شخص تشریح کرے گا وہ اور اس کی تفسیر مردود ہوگی۔ قال اللہ تعالیٰ اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَا اَرْسَلْنَا اللّٰہَ

اگر کسی آیت کی تفسیر حدیث شریف میں بھی نہ ملے تو حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اقوال کی طرف رجوع کرے کیونکہ یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قرآن شریف کے سب سے زیادہ عالم تھے۔ حضرات صحابہؓ نزول قرآن کے وقت موجود تھے اور ان قرآن و احوال سے باخبر تھے جو نزول قرآن کے وقت سامنے آتے رہتے تھے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے فہم کامل، علم صحیح اور عمل صالح کی دولت سے مالا مال تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ اپنے صحابہؓ کو قرآن شریف کے الفاظ سکھاتے تھے۔ اسی طرح قرآن شریف کے معانی بھی بیان فرماتے تھے۔

ابو عبد الرحمن سلمیٰ نے بیان کیا کہ حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہم نے فرمایا کہ جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دس آیات سیکھتے تھے تو جب تک ان سے متعلقہ علم و عمل کو نہ جان لیتے تھے (دوسرے سبق کے لئے) آگے نہ بڑھتے تھے، قرآن اور قرآن کا علم و عمل ہم نے سب ساتھ ساتھ سیکھا ہے۔

بے پڑھے مفسرین کو تنبیہ یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ جو بھی آدمی کسی فن کی کتاب پڑھتا ہے (مثلاً حساب یا طب کی کتاب) تو ضرور بالضرور اس کے معانی اور مطالب کو اچھی طرح سمجھنے اور جاننے اور یاد رکھنے کی کوشش کرتا ہے، کیا یہ ہو سکتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ کی مقدس کتاب کے معانی اور مطالب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم نہ کئے ہوں، حالانکہ قرآن کو نجات کا ذریعہ اور دونوں عالم کی صلاح و فلاح کا وسیلہ سمجھتے تھے۔

قرآن وحدیث اور تفسیر صحابہؓ پر جسے عبور نہ ہو ایسا شخص محض عربی دانی کے زور پر جو قرآن کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرے گا ضرور گمراہ ہو گا اور امت کو گمراہ کرے گا۔ قرآن کے صحیح مطالب واضح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ عقیدہ اور عمل درست ہو، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو جن عقائد و اعمال پر ڈالا تھا ان کا پابند ہو، فقیہ و فہم اور الحاد و زندقتہ سے پاک ہو۔ قرآن پر چلنے کا ارادہ رکھتا ہو اس کی نیت قرآن کو اپنے نظریہ اور خواہ مخواہ مبنی پر چپکانے کی نہ ہو۔

وَ اِذَا جَاءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوْ الْخَوْفِ اَدْعَاوُا بِہٖ ۚ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَی الرَّسُوْلِ

اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر آ جاتی ہے تو اُسے مشہور کر دیتے ہیں، اور اگر اس خبر کو پہنچا دیتے رسول کی طرف

وَالِیْ اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَہُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْبِطُوْنَہُ مِنْهُمْ ۚ وَکَوْلَا فَضَّلَ اللّٰہُ

اور ان لوگوں کی طرف جو ان میں سے فہم رکھنے والے ہیں تو ان میں جو ایسے حضرات ہیں جو اس سے استخراج کر لیتے ہیں وہ اس کو جان لیتے اور اگر تم پر اللہ

عَلِیْکُمْ وَرَحْمَۃُ لَا تَبْعَثُمُ الشَّیْطٰنَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۸۰﴾

کافضل اور اس کی رحمت نہ ہوئی تو تم شیطان کے پیرو ہو جاتے سوائے چند آدمیوں کے۔

غیر محقق بات کو پھیلانے کی مذمت اور خبروں کو اہل علم تک پہنچانے کی اہمیت

صحیح مسلم ص ۴۸۰ ج ۱ میں ایک تفصیلی واقعہ ذکر کیا ہے جو حضرت عمرؓ سے مروی ہے۔ آنحضرتؐ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے (طلاق دیئے بغیر کچھ عرصے کے لئے) ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار فرمائی تھی اس بات کی خبر لوگوں کو پہنچی تو اس کو طلاق پر محمول کر کے آگے بڑھانا شروع کر دیا اور یہ مشہور ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ حضرت عمرؓ نے بارگاہ رسالت میں حاضری کی اجازت چاہی، اجازت مل جانے پر خدمت عالی میں حاضر ہوئے اور سوال لیا یا رسول اللہ! کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دی ہے؟ آپؐ نے فرمایا نہیں! عرض کیا کہ میں مسجد میں داخل ہوا تو وہاں لوگ جمع تھے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی، آپؐ کی اجازت دے دو تو میں ان کو بتا دوں کہ آپؐ نے طلاق نہیں دی آپؐ نے فرمایا اگر چاہو تو بتا دو میں مسجد کے دروازے پر کھڑا ہوا اور بلند آواز سے پکار کر اعلان کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی اور یہ آیت نازل ہوئی (جس کا اوپر ترجمہ کیا گیا) لہذا میں ان لوگوں میں ہوں جنہوں نے اس امر کا کھوج لگایا اور تحقیق کی کہ آپؐ نے واقعی طلاق دی ہے یا طلاق کی بات منط مشہور ہو گئی۔

منافقین کی عادت بد کا تذکرہ..... علامہ بغویؒ معالم التنزیل ص ۴۵۶ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مختلف علاقوں میں فوجی دستے بھیجا کرتے تھے۔ جب وہاں سے واپس ہوتے تو منافقین جلدی سے آگے بڑھ کر ان سے پوچھتے تھے کہ نتیجہ کیا ہوا آپؐ لوگ غالب ہوئے یا مغلوب ہوئے وہ حضرات باخبر کر دیتے تھے تو یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک بات پہنچنے سے پہلے اس خبر کو پھیلا دیتے تھے (اگر شکست و ہزیمت کی خبر ہوتی تو اس سے نقصان پہنچتا تھا کیونکہ) اس سے منافقین کے قلوب میں ضعف پیدا ہو جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ جب ان کے پاس کوئی خبر اس کی (یعنی فتح اور غنیمت کی) یا کوئی خبر خوف کی (یعنی قتل اور شکست کی) پہنچ جاتی ہے تو اسے شہرت دے دیتے ہیں اور اگر اس خبر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاتے اور ان لوگوں کے پاس لے جاتے جو صحابہؓ میں صاحب رائے حضرات ہیں تو ان میں جو اہل علم ہیں جو بات کو سمجھتے ہیں اونچ نیچ کو جانتے ہیں اس کی گہرائی میں اترتے ہیں وہ اس کو سمجھتے اور اپنے علم کے مطابق عمل کرتے، جو چیز چھپانے کی تھی پھیلانے کی نہ تھی اسے آگے نہ بڑھاتے اور جو چیز آگے بڑھانے کی تھی اس کو آگے بڑھاتے اور پھیلا دیتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب علم اور اصحاب رائے صحابہؓ تک پہنچانے سے پہلے ہی خبر کو آزادینے سے مسلمانوں کو نقصان ہونے کا اندیشہ تھا لیکن چونکہ منافقین کو مسلمانوں کی خیریت مطلوب ہی نہ تھی اس لئے ذرا احتیاط نہ کرتے تھے ادھر بات کو سنا ادھر اس کو پھیلا دیا۔ بات کا نشیب و فراز کیا ہے اس طرف ذرا بھی دھیان نہ دیا، لفظ یَسْتَنْبِطُوْنَہُ سے مضارع کا صیغہ ہے استنباط لغت میں زمین کے اندر سے پانی نکالنے کے لئے استعمال ہوتا ہے، یہاں بات کی

تحقیق کرنے اور اس کی اونچ نیچ کو سمجھنے اور اس کی گہرائی میں اترنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

اللہ کا فضل اور رحمت..... پھر فرمایا: لَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَا تَبَعْتُمْ الشَّيْطَانَ الْآفِلِينَ (اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم شیطان کے پیرو ہو جاتے سوائے چند آدمیوں کے) اللہ تعالیٰ نے دین اسلام بھیجا جو اس کا فضل ہے اور قرآن نازل فرمایا جو اس کی رحمت ہے ارشاد ہے کہ اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم سب لوگ شیطان کے پیچھے لگ لیتے۔ بجز چند افراد کے یہ چند افراد وہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور نزول قرآن سے پہلے دین فطرت پر تھے اور توحید اختیار کئے ہوئے تھے شرک سے متنفر تھے جیسا کہ زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل وغیرہا۔ مشرکین کے ماحول میں رہتے ہوئے عقل کی رہنمائی سے توحید اختیار کرنا بھی اللہ ہی کے فضل اور اس کی رحمت سے ہے لیکن چونکہ رسول کا بھیجنا اور کتاب کا نازل کرنا خاص فضل اور خاص رحمت ہے اس لئے یوں فرمایا کہ اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم سب شیطان کا اتباع کر لیتے۔ بجز چند لوگوں کے۔ (از عالم التنزیل ص ۴۵۶ ج ۱)

فائدہ (۱)..... آیت شریفہ کے ترجمہ اور سبب نزول سے معلوم ہوا کہ جب کوئی بات سننے میں آئے تو اس کی تحقیق کی جائے۔ سنتے ہی اس کو آگے بڑھنا شروع نہ کر دے کیونکہ غلط ہونے کا امکان ہے، ہر سنی ہوئی بات صحیح نہیں ہوتی اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: كُفَى بِالْمَرْءِ تَكْذِبًا أَنْ يُخْذِلَ بِكَلِمَةٍ مَّا سَمِعَ (کہ انسان کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ جو بات سنے اسے آگے بیان کر دے) (رواہ مسلم فی مقدمہ) آج کل نہ صرف یہ کہ سنی ہوئی باتوں کی نقل کرنے میں پیش پیش رہتے ہیں بلکہ خود خبریں گھڑی جاتی ہیں اور ان کو شائع کیا جاتا ہے اور جھوٹی خبروں کے ذریعے پیسے کمائے جاتے ہیں۔ جماعتیں اور حکومتیں ایسے افراد مہیا کرتی ہیں جنہیں پیسے دے کر جھوٹی خبریں بنانے اور پھیلانے کے کام پر لگایا جاتا ہے۔ اصولی بات یہ ہے جو قرآن مجید سے بالترتیب معلوم ہوئی کہ جو خبر سنی بھی ہو اس کے پھیلانے اور آگے بڑھانے میں بھی احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ سنی خبر کے پھیلانے سے بھی بعض مرتبہ نقصان پہنچ جاتا ہے۔ منافقین جنگ سے واپس آنے والے حضرات سے فتح اور شکست کی صورتحال معلوم کر کے پھیلا دیتے تھے۔ اس پر ان کو متاب ہوا اور فرمایا کہ اگر اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب رائے تک پہنچا دیتے تو وہ اس کی اونچ نیچ اور نشیب و فراز کو سمجھ لیتے۔ پھر اس کو پھیلا نا مناسب ہوتا تو پھیلا دیتے، اور اس میں جو سمجھنے کی بات ہوتی اس کی تہہ تک پہنچ جاتے۔ بہر حال سننے میں پھر تحقیق کرنے میں پھر بات کے آگے بڑھانے میں احتیاط کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

فائدہ (۲)..... علامہ بغویؒ عالم التنزیل ص ۴۵۶ ج ۱ میں لکھتے ہیں: وفى الآية دليل على جواز القياس فان من العلم ما يدرك بالسلالة والرواية وهو النص ومنه ما يدرك بالاستنباط وهو القياس على المعاني المودعة فى النصوص یعنی آیت بالا میں قیاس (نقشب) کے جواز کی دلیل ہے۔ کیونکہ علم کا ایک حصہ وہ ہے جو تلاوت اور روایت کے ذریعہ حاصل ہو جاتا ہے اور یہ وہ چیزیں ہیں جو نص (صریح) سے معلوم ہوتی ہیں اور علم کا ایک حصہ وہ ہے جو استنباط کے ذریعہ حاصل ہو جاتا ہے اور یہ استنباطی قیاس ہے جس کا معنی یہ ہے کہ جو معانی انصوح میں موجود ہیں ان معانی پر غیر منصوص چیزوں کو قیاس کر لیا جائے، جو امور منصوصہ ہیں ان کے بارے میں اجتہاد و استنباط کی ضرورت نہیں، اور انصوح کے ہوتے ہوئے قیاس جائز بھی نہیں۔ البتہ جو حکم نصوص شرعیہ میں نہ ملے اور امت کو ان کا حکم جاننے کی ضرورت ہو اس کے بارے میں اجتہاد، استنباط اور قیاس سے کام لیا جاتا رہا ہے۔ حضرات ائمہ مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم استنباط فرماتے تھے اور متقیس متقیس علیہ میں جو کوئی چیز جامع ہوتی تھی اس کو دیکھ کر قیاس کر لیتے تھے، جن لوگوں کو قرآن و حدیث کا

بھر پور علم ہے اور اجتہاد کے لئے جن علوم کی ضرورت ہے ان سے بھی مالا مال ہیں ایسے حضرات حوادث اور نوازل میں آج بھی اجتہاد کر لیتے ہیں لیکن ان کو یہ بھی دیکھنا پڑتا ہے کہ آئمہ مجتہدین اور سلف صالحین نے اس قسم کے حالات اور حالات میں کیا رخ اختیار کیا۔ اگر آئمہ سلف کو نہ دیکھیں گے تو بے راہ ہو جائیں گے جیسا کہ بہت سے گروہ اجتہاد کے مدعی ہو کر راہ صواب سے ہٹ چکے ہیں، ان لوگوں کا یہ عالم ہے کہ ان کے اندر نہ تقویٰ ہے نہ انہیں پورے قرآن مجید پر عبور ہے نہ صرف نحو اور علم اشتقاق سے واقف ہیں نہ احادیث شریفہ کا ذخیرہ ان کے پیش نظر ہے مگر وہی اجتہاد ہے۔ ایسے لوگوں کے اجتہاد سے دور رہنا لازم ہے۔

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضَ الْمُؤْمِنِينَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَكْفِكَ

سو آپ اللہ کی راہ میں قتال کیجئے آپ تکلف نہیں ہیں مگر اپنی جان کے، اور ایمان والوں کو ترغیب دیجئے، عفریب اللہ کا فروں

بِأَسَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاللَّهُ أَشَدُّ بَاسًا وَأَشَدُّ تَنكِيلًا ﴿۳۷﴾

کے زور کو روک دے گا اور اللہ بہت سخت سے زور کے اعتبار سے، اور بہت سخت ہے سزا دینے کے اعتبار سے۔

اللہ کی راہ میں قتال کیجئے، اہل ایمان کو ترغیب دیجئے

علامہ بغویؒ معالم التنزیل ص ۴۵۷ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ غزوہٴ احد کے بعد آنحضرتؐ سردار عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان سے (جو مشرکین مکہ کا سپہ سالار تھا) وعدہ فرمایا تھا کہ ذیقعدہ میں بدر کے موقع پر پھر جنگ ہوگی وعدہ کے مطابق جنگ کے لئے پیش قدمی کرنے کی ضرورت ہوئی تو آپؐ نے لوگوں کو چلنے کے لئے دعوت دی اس پر بعض لوگوں کو ناگوار ہوا۔ لہذا اللہ جل شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی جس میں یہ ارشاد فرمایا کہ آپ اللہ کی راہ میں جنگ کریں اگر کوئی ساتھ نہ دے تب بھی جہاد نہ چھوڑیں آپؐ صرف اپنی جان کے تکلف میں اپنی جان کے ساتھ میدان میں حاضر ہو جائیں اللہ تعالیٰ کا آپؐ سے نصرت کا وعدہ ہے اور مؤمنین کو جہاد کی ترغیب دیتے رہیں اور اس کا ثواب بتاتے رہیں۔ جو ساتھ ہوگا وہ ثواب پالے گا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سزاواروں کو لے کر نکلے اور اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی قتال کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے وعدہ فرمایا کہ عفریب اللہ کا فروں کے زور کو روک دے گا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ زور والا ہے دنیا میں جب اہل ایمان کی مدد فرمانے تو ان پر کوئی غالب ہونے والا نہیں اور دنیا و آخرت میں وہ سخت عذاب دینے والا بھی ہے (کافروں کے لئے سخت عذاب ہے)۔

مَنْ يَشْفَعُ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا وَمَنْ يَشْفَعُ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ

جو کوئی شخص اچھی شفاعت کرتا ہے اس میں سے حصہ ملے گا اور جو شخص بُری شفاعت کرتا ہے اس کو اس میں

لَهُ كِفْلٌ مِنْهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُقْبِلًا ﴿۳۸﴾

سے حصہ ملے گا اور اللہ ہر چیز پر توجہ رکھنے والا ہے۔

اچھی شفاعت کا ثواب اور بُری شفاعت کا گناہ

اس آیت شریفہ میں شفاعت یعنی شفاعت کرنے کی ترغیب دی ہے جبکہ شفاعت اچھی ہو، اور شفاعت کرنے پر وعید بھی بتائی ہے جبکہ

سفارش بُری ہو۔ جب کسی کا مطلوب اچھا ہو تو اس کی سفارش کر دینا ثواب کا کام ہے، سفارش سے صاحب ضرورت کا کام بن جانے کا اور سفارش کرنے والے کو ثواب مل جانے کا، بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی بات پوری طرح نہیں پہنچا سکتے اور بات کو صحیح طریقے پر نہیں کہہ سکتے اور بہت سے لوگ اپنے علم و فہم اور لسان و بیان کے اعتبار سے اپنا مقصد ادا کرنے پر قادر تو ہوتے ہیں لیکن جن لوگوں سے کام ہے اُن لوگوں تک پہنچ نہیں پاتے ورنہ قسم کے لوگوں کے لئے سفارش کر دی جائے تو یہ بہت مبارک ہے اور ثواب کا کام ہے، ضروری نہیں کہ جس کی سفارش کی جائے اس کا کام وہی جائے البتہ سفارش کرنے والے کو سفارش کا ثواب ضرور مل جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اِشْفَعُوا فَلَئِنْ جُرُوا وَتَقَضَىٰ اللّٰهُ عَلٰی لِسَانِ رَسُوْلِهِ مَا شَاءَ۔ (رواہ البخاری ص ۸۹۱ ج ۲) (یعنی تم سفارش کر دیا کرو تم کو ثواب دیا جائے گا۔ اور اللہ اپنے رسول کی زبانی جو چاہے فیصلہ فرمائے گا) مطلب یہ ہے کہ تم سفارش کر کے ثواب لے لو جس کی سفارش میرے پاس لائے گا اس کا پورا ہونا نہ ہو نا یہ دوسری بات ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوگی تو میرے ذریعے سے کام ہو جانے کا اگر اس کا کام نہ ہو تب بھی تمہارا ثواب تو کہیں نہیں گیا۔ شامل ترمذی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وَ اَبْلَغُوْنِي حَاجَةً مَنْ لَا يَسْتَطِيعُ اِبْلَاغَهَا فَاِنَّهُ مَنْ اَبْلَغَ سُلْطَانًا حَاجَةً مَنْ لَا يَسْتَطِيعُ اِبْلَاغَهَا بَوَّبَ اللّٰهُ فَدَمِيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ یعنی تم اس شخص کی حاجت مجھ تک پہنچا دیا کرو جو خود اپنی حاجت نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ جو شخص کسی صاحب اقتدار کو کسی ایسے شخص کی حاجت پہنچا دے جو خود اپنی حاجت نہیں پہنچا سکتا تو اللہ تعالیٰ شانہ قیامت کے دن اس کو ثوابت قدم رکھے گا۔

جس طرح اچھی سفارش کرنے پر ثواب ہے اسی طرح بُری سفارش کرنے پر گرفت ہے اور بُری سفارش کرنا گناہ ہے۔ کوئی شخص کسی گناہ کے کام میں لگنا چاہتا ہے کسی ایسے مکملہ میں ملازمت چاہتا ہے جو شرعاً حرام ہے سود یا تمار کا کاروبار کرنا چاہتا ہے حرام چیزیں بیچنے کے لئے دکان کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو ایسے شخص کے لئے سفارش کرنا حرام ہے اور یہ شفاعت سیدہ یعنی بُری سفارش ہے بہت سے لوگ یہ دیکھ لیتے ہیں کہ یہ ہمارا عزیز قریب ہے یا کسی دوست کا لڑکا ہے اس کے لئے سفارش کر دیتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ کس مقصد اور کس عمل کے لئے سفارش کر رہا ہوں یہ عمل اور یہ مقصد حرام ہے یا حلال، گناہ ہے یا ثواب؟ گناہ کی سفارش کر کے گناہ میں شریک ہو جاتے ہیں جس کے لئے سفارش کی ہے وہ جب تک گناہ کا کام کرتا رہے گا اس کے زیر اثر جو لوگ گناہ کریں گے ان سب کے گناہ میں سفارش کرنے والے کی شرکت رہے گی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ کی حدود میں سے کسی حد کے بارے میں جس کسی کی شفاعت حائل ہو گئی تو اس نے اللہ کا مقابلہ کیا اور جس نے باطل کے بارے میں جھگڑا کیا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ باطل ہے تو وہ برابر اللہ کی ناراضگی میں رہے گا جب تک کہ باز نہ آ جائے، اور جس کسی نے کسی مؤمن کے بارے میں ایسی بات کہی جو اُس میں نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے دوزخیوں کے جسموں سے نکلنے والے خون پیپ میں ٹھہرا دے گا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی کہی ہوئی بات سے نکل جائے۔ (رواہ احمد ابوداؤد و ترمذی و مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۵)

مسئلہ..... اللہ تعالیٰ نے جرائم کی جو حدود مقرر فرمائی ہیں۔ اُن کے رکوانے کے لئے سفارش کرنا حرام ہے۔ بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کر لی تھی۔ قریش نے چاہا کہ اس کا ہاتھ نہ کٹے انہوں نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو سفارش کے لئے آمادہ کیا جب وہ سفارش کرنے لگے تو آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اتشفع فی حد من حدود اللہ (کیا تم اللہ کی مقرر فرمودہ حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو۔ پھر آپؐ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ اسی لئے ہلاک ہوئے کہ کوئی اونچے خاندان کا

شخص چوری کرتا تو اُسے چھوڑ دیتے تھے اور کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے تھے۔ اللہ کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد (علیہ السلام) بھی چوری کرتی (اعاذھا اللہ تعالیٰ) تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔ (رواہ البخاری ص ۱۰۰۳ ج ۲)

جس طرح گناہ کے کاموں کیلئے سفارش حرام ہے اسی طرح سے نااہل کیلئے بھی سفارش نہ کرے۔ کیونکہ جس شخص کو جو کوئی چھوٹا بڑا منصب یا عہدہ یا ملازمت دلائی جائے اگر وہ اس کا اہل نہ ہو تو اس میں حکومت کی اور عوام کی خیانت ہے اور نااہل کیلئے سفارش کر دینا عذر ہے اور فریب ہے۔ سفارش کرنے میں صرف اپنے اور پرانے ہی کو نہ دیکھے بلکہ حلال و حرام کو بھی دیکھے اور نااہل کو بھی دیکھ لیا کرے۔ فائدہ..... سفارش کی حقیقت اتنی ہی ہے کہ جس شخص سے کام بن سکتا ہو اس سے کہہ دیا جائے کہ فلاں شخص کا کام کر دے یہ اچھا آدمی ہے صاحب ضرورت ہے لیکن جس سے سفارش کی جائے اس پر واجب نہیں ہو جاتا کہ جس کام کی سفارش کی گئی اسے کریں وے، سفارش کر کے ثواب لے لیں لیکن اگر وہ شخص کام نہ کرے تو اس کی طرف سے رنجیدہ و ناصح نہیں۔ اور اسی سے یہ بات بھی ظاہر ہو گئی کہ کسی طرح کا زور ڈال کر سفارش کرنا صحیح نہیں۔ جس شخص پر کوئی کام کرنا واجب نہیں وہ کرے یا نہ کرے خوشی کا سودا ہے، دباؤ ڈال کر کام کروانا سفارش کے اصول کے خلاف ہے۔

مسئلہ.....: کسی بھی طرح کی سفارش پر کسی طرح کی کوئی رقم یا بدیہ لینا حلال نہیں اگر کچھ لے لیا تو وہ رشوت کے حکم میں ہو گا اور حرام ہو گا۔

اخیر میں فرمایا وَكَانَ اللَّهُ عَلَنِي كَلْبًا مَشِيًّا (اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے) اُسے ہر چیز پر قدرت ہے وہ نیکی پر ثواب دے اور برائی پر عذاب دے اُسے کوئی روکنے والا نہیں۔ لفظ مقیتا کے بارے میں امام راغب مفردات میں لکھتے ہیں قیل مقتدرا وقیل حافظا وقیل شاهدةا یعنی مقیت کا ترجمہ تینوں طرح کیا گیا۔ قدرت رکھنے والا، محافظت کرنے والا اور ہر چیز کی اطلاع رکھنے والا، مفردات القرآن میں اتنا ہی لکھا ہے لیکن معالم التنزیل میں اس کا ایک معنی یہ بھی لکھا ہے کہ یوصل القوت الی کل حیوان یعنی وہ ہر حیوان کی طرف اس کی خوراک پہنچاتا ہے اگر یہ معنی لئے جائیں تو مطلب یہ ہو گا کہ روزی تقسیم فرمانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اگر کسی کی سفارش نہ مانی گئی تو جس کے لئے سفارش کی ہے اس کی روزی میں کچھ فرق نہ پڑے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو روزی جس کے لئے تقسیم فرمائی ہے وہ اُسے ملتی ضرور ہے۔

وَإِذَا حُيِّتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ﴿۱۱۰﴾

اور جب تمہیں کسی تحیہ کے ذریعہ دعا دی جائے تو تم اس سے اچھی دعا دے دو، یا اسی کو ادا دو، بے شک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔

سلام اور جواب سلام کے احکام و مسائل

لفظ حُيِّتُمْ باب تفعیل سے بروزن سَمِعْتُمْ صیغہ جمع مذکر حاضر ہے اور فَحَيُّوا اسی سے امر کا صیغہ ہے۔ اس کا مصدر تَحِيَّةٌ ہے اس کا اصل معنی ہے حیا کہنا یعنی یہ دعا دینا کہ اللہ تجھے زندہ رکھے۔ یہ تو اس کا اصل انوی معنی ہوا۔ پھر لفظ تحیہ ملاقات کے وقت سلام کرنے کے لئے استعمال ہونے لگا کیونکہ اسلام میں زندگی کے ساتھ سلامتی ہی اسی دعا ہے۔ سورہ نور میں ارشاد فرمایا فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَیْ أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً پھر جب تم گھر میں جانے لگو تو اپنے لوگوں کو سلام کرو دعا کے طور پر جو خدا کی طرف سے مقرر ہے برکت والی عمدہ چیز ہے۔

اس لئے بعض اکابر نے اذا خيبتكم کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ جب تمہیں سلام کیا جائے۔

سلام کی ابتداء: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کے اندر روح پھونک دی تو ان کو چھینک آئی انہوں نے الحمد للہ کہا ان کے رب نے فیو خمک اللہ فرمایا (اور فرمایا) کہ اے آدم! ان فرشتوں کی طرف جاؤ جو (وہاں) بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کو جا کر السلام علیکم کہو، حضرت آدم علیہ السلام نے وہاں پہنچ کر السلام علیکم کہا تو فرشتوں نے اس کے جواب میں علیک السلام ورحمة اللہ کہا پھر وہ واپس آئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلاشبہ یہ تجھے ہے تمہارا اور آپس میں تمہارے بیٹوں کا۔ (رواہ الترمذی کما فی المثلو چس ۴۰۰)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسانوں میں سلام کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے سب انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرشتوں کو جا کر سلام کہو، انہوں نے السلام علیکم کہا فرشتوں نے اس کا جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ سلام تمہارا اور تمہاری اولاد کا تحیہ ہے کہ جب آپس میں ملاقات کریں تو اس طرح ایک دوسرے کو دعا دیا کریں۔ اللہ تعالیٰ کا دین اسلام ہے اس میں: نیاہ آخرت کی سلامتی ہے۔ جب آپس میں ملاقات کریں تو ملاقات کرنے والا بھی سلامتی کی وعادے یعنی السلام علیکم کہے اور جس کو سلام کیا وہ بھی اس کے جواب میں سلامتی کی وعادے اور وعلیکم السلام کہے۔ دونوں طرف سے لفظ سلام کے ذریعہ ہر وقت باسلامت رہنے کی وعادے کی سلامتی کسی وقت اور کسی حال کے ساتھ مخصوص نہیں۔

ان کلمات کا تذکرہ جو غیر اقوام کے یہاں ملاقات کے وقت استعمال کئے جاتے ہیں..... یہ جو بعض قوموں میں گدہ مورنگ اور گڈ ایونگ اور گڈ نائٹ کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں ان میں اول تو سلامتی کے معنی کو پوری طرح ادا کرنے والا کوئی لفظ نہیں ہے بلکہ ان میں انسانوں کے بارے میں کوئی وعادہ ہی نہیں وقت کو اچھا بتایا جاتا ہے پھر اس سے بطور استعارہ انسانوں کی اچھی حالت مراد لی جاتی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ ان الفاظ میں وائی سلامتی کی وعادہ نہیں ہے بلکہ اوقات مخصوصہ کے ساتھ وعادہ مقید ہے۔ اسلام نے جو ملاقات کا تحیہ بتایا ہے وہ ہر لحاظ سے کامل اور جامع ہے۔ حضرت عمران بن حمیمؓ نے بیان فرمایا کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں (ملاقات کے وقت) یوں کہا کرتے تھے انعم اللہ بک غینا (اللہ تیری آنکھیں کھنڈی رکھے) اور انعم صباحا (تو صبح کے وقت اچھے حال میں رہے) اس کے بعد جب اسلام آیا تو ہمیں اس سے منع کر دیا گیا۔ (دواہ ابو داؤد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام کے بتائے ہوئے طریقے کے علاوہ ملاقات کے وقت دوسروں کے طریقے اختیار کرنا اور ان کے رواج کے مطابق کلمات منہ سے نکالنا ممنوع ہے جو لوگ انگریزوں کے طریقے پر گدہ مورنگ وغیرہ کہتے ہیں یا عربوں کے رواج کے مطابق صباح الخیر یا مساء الخیر کہتے ہیں اس سے پرہیز کرنا لازم ہے۔

دنیا کی مختلف اقوام میں ملاقات کے وقت مختلف الفاظ کہنے کا رواج ہے لیکن اسلام میں جو سلام کے الفاظ مشروع کئے گئے ہیں ان سے بڑھ کر کسی کے یہاں بھی کوئی ایسا کلمہ مروج نہیں جس میں اظہار محبت بھی ہو اور اللہ تعالیٰ سے وعادہ بھی ہو کہ آپ کو اللہ تعالیٰ ہر قسم کی اور ہر طرح کی آفات اور مصائب سے محفوظ رکھے، لفظ السلام جہاں اپنا مصدر یعنی رکھتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ شرح حدیث نے فرمایا ہے۔ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو سلامتی دینے والا ہے تمہیں اس کے حفظ و امان میں دیتا ہے وہ تمہیں ہمیشہ سلامت رکھے۔

سلام کی کثرت محبوب ہے..... اسلام میں سلام کی کثرت بہت زیادہ مرغوب اور محبوب ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ

ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تک تم مؤمن نہ ہو گے جنت میں داخل نہ ہو گے اور مؤمن نہ ہو گے جب تک کہ آپس میں محبت نہ کرو گے (پھر فرمایا) کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتا دوں کہ اس پر عمل کرو گے تو آپس میں محبت پیدا ہوگی؟ پھر فرمایا آپس میں خوب سلام کو پھیلادو۔ (رواہ مسلم ص ۵۳ ج ۱) یہ سلام کا پھیلاتا اور ایک دوسرے کو سلام کرنا ایمان کی بنیاد پر ہے جان پہچان کی بنیاد پر نہیں۔ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو حقوق ہیں ان کو بیان فرماتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا اِذَا لَقِيتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ کہ جب تو مسلمان سے ملاقات کرے اس کو سلام کر۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۳۳)

پھر جس طرح سلام کرنا حقوق مسلم میں سے ہے اسی طرح سلام کا جواب دینا بھی مسلم کے حقوق میں سے ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں۔ (۱) سلام کا جواب دینا، (۲) مریض کی غیابت کرنا، (۳) جنازوں کے ساتھ جانا، (۴) دعوت قبول کرنا، (۵) چھینکنے والے کا جواب دینا (یعنی جب وہ الحمد للہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا)۔ (رواہ مسلم ص ۲۱۳ ج ۲)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اسلام کے اعمال میں سب سے بہتر کون سا عمل ہے آپؐ نے فرمایا یہ کہ کھانا کھلایا کرے اور اس کو بھی سلام کرے جس سے جان پہچان ہے اور اس کو بھی سلام کرے جس سے جان پہچان نہیں ہے۔ (صحیح بخاری ص ۶ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی شخص اپنے بھائی سے ملاقات کرے تو سلام کرے اس کے بعد اگر درمیان میں کوئی درخت یا دیوار یا پتھر کی آڑ ہو جائے اور پھر ملاقات ہو جائے تو پھر سلام کرے۔ (رواہ ابو داؤد)

راستہ کے حقوق: گھروں سے باہر اگر راستوں میں بیٹھیں تو راستے کے حقوق ادا کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ راستوں میں نہ بیٹھو اور اگر تمہیں راستوں میں بیٹھنا ہی ہے تو راستے کا حق ادا کرو عرض کیا یا رسول اللہ! راستہ کا حق کیا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ نظریں نیچی رکھنا (تاکہ کسی ایسی جگہ نظر نہ پڑے جہاں نظروں کا ناجائز نہیں) اور تکلیف دینے سے بچنا، اور سلام کا جواب دینا اور بھلی بات کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا۔ (رواہ مسلم ص ۲۱۳ ج ۲)

کسی مجلس میں یا کسی گھر میں جائیں تو سلام کریں..... حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی مجلس میں پہنچو تو سلام کرو اور اگر موقع مناسب جاوے تو بیٹھ جاؤ پھر جب (روانہ ہونے کے لئے) کھڑے ہو تو دوبارہ سلام کرو۔ چونکہ جس طرح پہلی مرتبہ سلام کرنے کی اہمیت تھی اسی طرح دوسری مرتبہ بھی سلام کرنا اہم ہے۔ (ترمذی: ۷۰۷۰ داؤد)

حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو اور جب وہاں سے چلے لگو تو انہیں سلام کے ساتھ رخصت کرو۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان مسند کافی مشکوٰۃ ص ۳۹۹)

اپنے گھر والوں کو سلام..... حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ہوا! جب تو اپنے گھر والوں کے پاس جائے تو سلام کر، یہ چیز تیرے لئے اور تیرے گھر والوں کے لئے برکت کا ذریعہ بنے گی۔ (رواہ الترمذی)

ابتداء السلام کی فضیلت..... سلام ابتداء کو کرنے کی کوشش کی جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا البادئ بالسلام برؤی من الکبر یعنی جو شخص خود سے ابتداء سلام کرے وہ تکبر سے بری ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۰۰)

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ لوگوں میں اللہ سے قریب تر وہ شخص ہے جو ابتداءً خود سلام کرے۔ (رواہ ابوداؤد، ج ۳ ص ۵۰)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ اسلام میں کثرت سلام محبوب اور مرغوب ہے اور سلام اور سلام کا جواب دینا مسلم کے حقوق میں سے ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی کے گھر جاتے تو گھر والوں کو سلام کرے اور جب وہاں سے چلنے لگے تب بھی سلام کرے، کسی مجلس میں پہنچے تو اس وقت سلام کرے، چلنے لگے تب بھی سلام کرے، اپنے گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرے۔ آیت بالا میں ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص تمہیں سلام کرے تو تم اس کے سلام کا اس سے اچھا جواب دیا (کم از کم) جواب میں اسی قدر الفاظ کہہ دو جتنے الفاظ سلام کرنے والے نے کہے ہیں اگر کسی نے السلام علیکم کہا ہے تو اس کے جواب میں کم از کم و علیکم السلام کہہ دیا جائے تاکہ واجب ادا ہو جائے اور بہتر یہ ہے کہ اس کے الفاظ پراضافہ کر دیا جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جب فرشتوں کو خطاب کر کے السلام علیکم فرمایا تو انہوں نے جواب میں ورحمۃ اللہ کا اضافہ کر دیا تھا۔ اگر سلام کرنے والا ورحمۃ اللہ بھی کہہ دے تو جواب دینے والا ویرکاتہ اضافہ کرے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے کہا السلام علیکم آپؐ نے اس کا جواب دے دیا پھر وہ بیٹھ گیا آپؐ نے فرمایا اس کو دس نیکیاں ملیں پھر دوسرا شخص آیا اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ آپؐ نے اس کا جواب دے دیا وہ بیٹھ گیا آپؐ نے فرمایا اس کو بیس نیکیاں ملیں، پھر تیسرا شخص آیا اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ آپؐ نے اس کا جواب دے دیا وہ بیٹھ گیا۔ آپؐ نے فرمایا اس کو بیس نیکیاں ملیں ایک اور شخص آیا اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ و مغفرۃ آپؐ نے فرمایا اس کو چالیس نیکیاں ملیں اور یہ بھی فرمایا کہ اسی طرح فضائل بڑھتے جاتے ہیں۔

یہ حدیث سنن ابوداؤد میں ہے نیز سنن ترمذی میں بھی ہے لیکن اس میں ومغفرۃ کا ذکر نہیں ہے امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن بتایا ہے پھر فرمایا فی الباب عن ابی سعید وعلی و سہیل بن حنیف اور مفسر ابن کثیر ص ۵۳۱ ج ۱ نے بحوالہ ابن جریر ایک روایت یوں نقل کی ہے کہ جب ایک شخص نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ کہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا و علیک اور فرمایا کہ تو نے ہمارے لئے کچھ نہیں چھوڑا۔ لہذا ہم نے اسی قدر واپس کر دیا جتنا تم نے کہا۔ اس کے بعد مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ برکاتہ سے آگے سلام میں اضافہ نہیں ہے۔ مفسر قرطبی ص ۲۹۹ ج ۵ نے بھی یہی لکھا ہے کہ فان قال سلام علیک ورحمۃ اللہ زدت فی ردک و برکاتہ وهذا هو النہایۃ فلا مزید، مطلب یہ ہے کہ برکاتہ سے آگے اضافہ نہیں ہے۔ صاحب درختار نے کتاب النظر والاباحہ میں لکھا ہے ولا یزید الراد علی و برکاتہ یعنی جواب میں برکاتہ سے زیادہ نہ کہا جائے۔ سنن ابوداؤد میں جو سلام کرنے والے کی طرف سے و مغفرۃ کا اضافہ ہے اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ و برکاتہ سے آگے بھی اضافہ درست ہے لیکن جس روایت میں ومغفرۃ کا اضافہ آیا ہے سند کے اعتبار سے ضعیف ہے اسی لئے فقہاء نے اس کو نہیں لیا۔ حضرت ابن عباسؓ کے عمل سے بھی حضرات فقہاء کی تائید ہوتی ہے۔ مؤطا امام مالک میں ہے کہ یمن کے ایک شخص نے ان کو سلام کیا اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ تک کہنے کے بعد کچھ اور اضافہ کر دیا تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ان السلام انتہی الی البرکۃ (یعنی سلام برکت تک ختم ہو گیا) امام محمدؓ نے بھی اپنے مؤطا میں حضرت ابن عباسؓ والی روایت کو لکھا ہے پھر فرمایا و بهذا نأخذ اذا قال و برکاتہ فلیکف فان اتبع السنۃ الفضل (یعنی ہم بھی اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ جب و برکاتہ تک کہہ دے تو ختم کر

دے کیونکہ سنت کا اتباع افضل ہے۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ایسی احادیث جمع کی ہیں جن سے وہ برکتانہ پر اضافہ ثابت ہوتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ احادیث ضعیف ہیں لیکن سب کے مجموعے سے ایک طرح کی قوت حاصل ہوجاتی ہے۔ حافظ کی بات سے اس طرف اشارہ نکلتا ہے کہ وہ برکتانہ پر اضافہ کرنا مسنون نہیں تو بہر حال جائز تو ہے ہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

چند مسائل

مسئلہ..... سلام کرنا سنت ہے اور سلام کا جواب دینا واجب ہے اور یہ ان چند چیزوں میں سے ہے جن میں سنت کا ثواب واجب سے بڑھا ہوا ہے۔

مسئلہ..... جب کسی کے گھر جانا ہو تو پہلے سلام کرے پھر اندر آنے کی اجازت مانگے۔ جس کے الفاظ حدیث شریف میں یوں آئے ہیں السَّلامُ عَلَیْکُمْ ؕ اَدْخُلْ (تم پر سلام ہو کیا میں داخل ہو جاؤں) تین مرتبہ سلام کرے اور اجازت طلب کرے اجازت نہ ملے تو واپس ہو جائے۔ بغیر اجازت نہ کسی کے گھر میں داخل ہو نہ نظر ڈالے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے لَا تَدْخُلُوا الْمَنْ لَمْ یَبْدَأِ بِالسَّلامِ (اُسے اندر آنے کی) اجازت نہ دو جو شروع میں سلام نہ کرے (یعنی سلام کر کے اجازت نہ مانگے)۔ (مشکوٰۃ الصالح ص ۳۰۰-۳۰۱)

مسئلہ..... جب کوئی شخص کسی کے ذریعہ سلام بھیجے تو سلام کے جواب میں سلام لانے والے کو بھی شریک کرے مثلاً یوں کہے غَلِیْکَ وَغَلِیْہِ السَّلامُ ایک صحابی نے اپنے لڑکے کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام بھیجا تو آپ نے جواب میں فرمایا علیک وعلیٰ ابیک السَّلام (تجھ پر اور تیرے باپ پر سلام)۔ (رواہ ابوداؤد ص ۳۵۴)

مسئلہ..... جب دو آدمیوں میں رخصت ہو قطع تعلق ہو اور سلام کلام بند ہو دو دونوں کو چاہیے کہ جلد سے جلد رخصت دور کریں تین دن سے زیادہ سلام کلام بند رکھنا حرام ہے۔ حضرت ابوالیوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے لئے یہ حلال نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے۔ ملاقات کر رہے ہیں تو یہ ادھر کو اغراض کر رہا ہے اور وہ دوسری طرف کو اغراض کر رہا ہے۔ اور ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔ (رواہ البخاری ص ۸۹۷ ج ۲)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کسی مؤمن کے لئے حلال نہیں کسی مؤمن سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے جب تین دن گذر جائیں تو ملاقات کرے اور سلام کرے۔ جس کو سلام کیا تھا اگر اس نے سلام کا جواب دے دیا تو دونوں ثواب میں شریک ہو گئے اور اگر اس نے جواب نہ دیا تو وہ گنہگار ہو اور سلام کرنے والا قطع تعلق کے گناہ سے نکل گیا۔ (رواہ ابوداؤد ص ۸۹۷ ج ۲)

تین دن تک قطع تعلق کی اجازت یہ آخری حد ہے اس سے پہلے ہی تعلق صحیح کرنے کی کوشش کر لیں اور نفس کو آمادہ کر لیں چونکہ نفس متکبر ہوتا ہے اور جھکتا نہیں چاہتا اس لئے جو شخص سلام میں پہل کرے اس کی فضیلت زیادہ ہے صحیح بخاری میں ہے وخیر ہما الذی یبدأ بالسَّلام یعنی اُن دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔ (کما فی حدیث ابی ایوب)

مسئلہ..... جو شخص سواری پر جا رہا ہو وہ پیدل چلنے والے کو سلام کرے، اور پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے شخص کو سلام کرے، اور تھوڑی جماعت بڑی جماعت کو سلام کرے اور چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔ (صحیح بخاری ص ۹۲ ج ۲)

مسئلہ..... اگر بیٹھی ہوئی جماعت کو کسی نے سلام کیا تو ایک شخص کا جواب دے دینا کافی ہے اور گزرنے والوں میں سے اگر ایک

شخص سلام کرے تو یہ بھی سب کی طرف سے کافی ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۳ ص ۳۵۲)

مسئلہ..... نماز پڑھنے میں اگر کسی کو زبان سے سلام کرے یا کسی کے سلام کا زبان سے جواب دے اگرچہ بھول کر ہو اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور اگر نماز میں ہاتھ سے سلام کیا یا ہاتھ سے سلام کا جواب دیا تو یہ مکروہ ہے۔

مسئلہ..... نماز پڑھنے والے اور تلاوت کرنے والے اور ذکر الہی میں مشغول ہونے والے اور حدیث بیان کرنے والے اور خطبہ دینے والے اور خطبہ سننے والے اور غلیم دین پڑھنے پڑھانے میں جو شخص مشغول ہو اور جو شخص تلبیہ پڑھ رہا ہو اسی طرح جو قاضی قضا کے کام میں مشغول ہو ان سب کو کام کرنا مکروہ ہے۔ اسی طرح اذان دینے والے اور اقامت کہنے والے کو سلام کرنا مکروہ ہے۔ ان لوگوں کو کوئی شخص سلام کرے تو جواب دینا واجب نہیں۔

مسئلہ..... جو لوگ شطرنج کھیل رہے ہوں اور کسی گناہ میں مشغول ہوں ان کو بھی سلام نہ کیا جائے جو شخص قضا نے حاجت کے لئے بیٹھا ہو اس کو بھی سلام نہ کیا جائے۔

مسئلہ..... کافر کو سلام نہ کیا جائے۔

مسئلہ..... جو ان عورتیں جو اجنبی ہیں یعنی محرم نہیں ہیں ان کو سلام کرنا بھی مکروہ ہے۔

مسئلہ..... سونے والے کو اور جو شخص نشہ پئے ہوئے ہے۔ ان کو بھی سلام نہ کیا جائے۔

مسئلہ..... گانے بجانے والے اور کبوتر اڑانے والے کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

مسئلہ..... فاحش معلن (جو علانیہ گناہ کرتا ہو) کو بھی سلام کرنا ممنوع ہے۔ (یہ مسائل درالافتاء اور درالمختار ص ۴۱۳-۴۱۵ ج ۱ میں مذکور ہیں)۔

اس کے بعد فرمایا اِنَّ اللّٰهَ كَنَّا عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا (بے شک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے) ہر شخص کو اس کا استحضار رہنا چاہیے تاکہ او ایسی حقوق میں کوتاہی نہ کرے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد (جس میں سلام کا جواب بھی داخل ہے) سب کی ادائیگی کرتا رہے۔

اِنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لِيَجْمَعَ بَيْنَكُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِيَمَةِ لَا رَيْبَ فِیْہِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا ۝۱۱۰

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ضرور بالضرور قیامت کے دن تمہیں جمع فرمائے گا جس میں کوئی شک نہیں، اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہوگی۔

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ قیامت کے دن سب کو جمع فرمائے گا

اس آیت میں عقیدہ توحید اور عقیدہ حشر و نشر اور قیام قیامت کو بیان فرمایا اور فرمایا ہے کہ قیامت کے دن میں کوئی شک نہیں و ورنہ جزا ہے جس میں خیر و شر کا بدلہ دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ شائد نے اسکی خبر دی ہے اور اسکی بات سے بڑھ کر کسی کی بات سچی نہیں لہذا یقین مانو اور عمل کرو۔

فَمَا لَكُمْ فِی الْمُنْفِقِیْنَ فِتْنَتَیْنِ ۚ وَاللّٰهُ اَرٰکُمْہُمْ بِمَا کَسَبُوْا ؕ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ

سو منافقین کے بارے میں تم کو کیا ہوا کہ دو گروہ بن گئے اور اللہ نے ان کے کرتوتوں کی وجہ سے انہیں الٹا پیچھڑایا، کیا تم چاہتے ہو کہ اُسے ہدایت دے لے

أَصْلَ اللَّهِ ۖ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ۝ وَذُؤُوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ

آؤ جسے اللہ نے گمراہ کر دیا اور جسے اللہ گمراہ کر دے سو تو اس کے لئے کوئی راستہ نہ پائے گا۔ ان کی نفرتیں ہیں کہ کوشش کرنا نہ چاہتے ہیں۔ انہوں نے کفر اختیار کیا

سَوَاءٌ فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يَهَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوا مِنْهُمْ

پھر تم سب برابر نہ جاؤ، سو تم ان میں سے دوست نہ بناؤ یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اللہ کے راستے میں، سو اگر وہ اعراض کریں تو ان کو پکڑو

وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ ۖ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۚ إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ

اور ان کو قتل کرو جہاں بھی تم ان کو پاؤ، اور نہ بناؤ ان میں سے کسی کو دوست اور نہ مددگار۔ مگر جو لوگ ایسے ہیں جو ان لوگوں سے

إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَنْ يَقَاتِلُوكُمْ أَوْ يَاقَاتِلُوكُمْ

میل ملاپ رکھتے ہیں جن کے اور تمہارے درمیان عہد ہے یا تمہارے پاس اس حال میں آجائیں کہ اُنکے دل تمہارے ساتھ اور اپنی قوم کے ساتھ

قَوْمَهُمْ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتِلُوكُمْ ۖ فَإِنْ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يَقَاتِلُوكُمْ وَأَلْفَوْا

جنگ کرنے سے رک رہے ہوں، اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر مسلط فرمادیتا سو وہ ضرور تم سے لڑتے پس اگر وہ تم سے ایک قوم سے قتال نہ کریں اور تم سے

إِلَيْكُمْ السَّلَامَ ۖ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ۝ سَتَجِدُونَ الْآخِرِينَ يَرِيدُونَ

ساتھ سلامت رومی کا حامی۔ انہیں تو اللہ نے تمہارے لئے ان پر کوئی راہ نہیں دی۔ مغرب تم دوسرے لوگوں کو پاؤ گے جو یہ چاہیں گے کہ تمہاری طرف سے

أَنْ يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ ۖ كُلَّمَا رُذِّقُوا إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكِسُوا فِيهَا ۚ فَإِنْ لَمْ يَعِزُّوْكُمْ

بے خطر نہ کر رہیں اور اپنی قوم سے بھی بے خطر نہ کر رہیں، جب بھی لوگ آپ کی فتنے کی طرف تو اس کی طرف، اور لوٹ پر میں، اگر وہ تم سے بھونہ ہوں اور تمہاری طرف

وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَامَ وَيَكْفُرُوا أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوا مِنْهُمْ ۖ وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ ۖ

سلامت رومی کا حامی۔ نہ رکھیں اور اپنے ہاتھوں کو نہ رکھیں سو ان کو پکڑو، اور قتل کرو، جہاں بھی ان کو پاؤ

وَأُولَٰئِكَ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا ۝

اور یہ وہ لوگ ہیں جن پر ہم نے تمہارے لئے ایسی حجت دے دی ہے جو واضح ہے۔

منافقوں اور دشمنوں کے ساتھ کیا، حامی کیا جائے

روح المعانی ص ۷۱۵ ج ۵ میں مجاہد سے نقل کیا ہے کہ یہاں ان لوگوں کا بیان ہے جو مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ آئے اور انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ ہم مہاجر ہیں پھر وہ مرتد ہو گئے اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی کہ ہم مکہ معظمہ جا کر اپنا تجارتی سامان لے آئیں تاکہ تجارت کیا کریں۔ مسلمانوں کا آپس میں ان کے بارے میں اختلاف ہوا ایک جماعت نے کہا کہ یہ منافق ہیں دوسری جماعت نے کہا کہ یہ مؤمن ہیں۔ اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان کا اتفاق کھول کر بیان فرما دیا۔ اور ان کو قتل کرنے کا حکم دیا

اور نضاک سے نقل کیا ہے کہ یہ دو لوگ تھے جو مکہ معظمہ ہی میں رہ گئے تھے انہوں نے اپنے ایمان کا اعلان تو کیا لیکن ہجرت نہیں کی ان کے بارے میں حضرات صحابہ کرامؓ کا اختلاف ہوا کچھ لوگوں نے ان سے میل محبت باقی رکھی اور کچھ لوگوں نے ان سے بیزاری ظاہر کر دی اور کہنے لگے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ آئے اور ہجرت نہیں کی لہذا ان سے ہماری بیزاری ہے۔ اللہ تعالیٰ شاف نے اس آیت میں بتا دیا کہ وہ لوگ منافق ہیں اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ جب تک وہ ہجرت کر کے نہ آئیں ان سے دوستی کا اطلاق نہ رکھیں۔

ان دو روایتوں کے بعد صاحب روح المعانی نے بحوالہ بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی و احمدیوں نقل کیا ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ احد کے موقع پر جب احد کی طرف روانہ ہوئے تو آپ کے ساتھ روانہ ہونے والوں میں سے کچھ لوگ واپس ہو گئے ان واپس ہونے والوں کے بارے میں حضرات صحابہؓ میں اختلاف ہوا ایک جماعت کہتی تھی کہ ان کو قتل کر دیں اور دوسری جماعت کہتی تھی کہ قتل نہ کئے جائیں اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ صحیح بخاری میں یہ حدیث ص ۶۶۰ ج ۲ پر ہے۔ اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کو کیا دوا کہ منافقین کے بارے میں وہ جماعتیں بن گئیں اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے اعمال بد کی وجہ سے واپس آنا دیا، اور ان کو گمراہ فرما دیا جسے اللہ نے گمراہ کر دیا کیا تم ارادہ کرتے ہو اس کو ہدایت دے دو؟ اور فرمایا کہ جسے اللہ گمراہ فرما دے اس کے لئے تم کوئی صحیح راستہ پائی نہیں سکتے اس کے بعد ان منافقین کے عزائم اور ارادوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُنْزُوا فَنُكْزُوا نُونٌ سَوَاءٌ کہ یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ جیسا کہ انہوں نے کفر اختیار کیا اور اس طرح سے وہ اور تم برابر ہو جاؤ۔ ایسے نالائقوں کو دوست نہ بناؤ۔ ہاں اگر فی سبیل اللہ ہجرت کر لیں جس سے ان کا ایمان تحقیق ہو جائے تو ان سے دوستی کی جاسکتی ہے۔ ہجرت کو لفظ فسی سبیل اللہ کے ساتھ متقدم فرمایا کیونکہ جو ہجرت اللہ کی رضا کے لئے نہ ہو نہ دنیوی اغراض کے لئے ہو وہ ہجرت معتبر نہیں ہے۔ (آیات کا پورا مضمون سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات تینوں قسم کے منافقین کے بارے میں نازل ہوئیں لیکن تمام احکام سب کے بارے میں نہیں ہیں کیونکہ مدینہ منورہ میں جو منافق تھے ان کو قتل نہیں کیا گیا ۱۲۔)

مزید فرمایا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اخْذُوا هُمْ وَأَقْلُوا هُمْ خَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَلَا تَجْزُوا مِنْهُمْ زَيْلًا وَلَا نَصِيرًا کہ یہ لوگ اگر ہجرت فی سبیل اللہ سے اعراض کریں تو جب بھی تمہیں ان پر قدرت حاصل ہو جائے ان کو جہاں بھی پاؤ ان کو قتل کرو۔ اور ان میں سے کسی کو بھی دوست اور مددگار نہ بناؤ۔ ان سے بالکل ہی کلی طریقے پر اجتناب کرو، قال صاحب الروح ای جانبہم مجانبة کلبہ ولا تلبسوا منهم ولا یة و نصرۃ ابدا۔

پھر فرمایا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّبَاقٌ أَوْ جَاءَ وَكُمْ خَصِرَتٌ لَّهُمْ فَاُذِرُوهُمْ أَنْ يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا فَمِنْهُمْ اس میں ان لوگوں کو قتل سے مستثنیٰ فرمایا جو ان لوگوں سے مل جائیں جن سے مسلمانوں کا عہد ہے یعنی صلح ہے اور ان لوگوں کو بھی مستثنیٰ فرمایا جو مسلمانوں کے پاس اس حالت میں آجائیں کہ ان کا دل جنگ کرنے سے منقبض ہو وہ مسلمانوں سے لڑنا گوارہ کریں اور نہ اپنی قوم سے جنگ کریں۔ (یعنی دونوں جماعتوں سے صلح رکھیں ایسے لوگ بھی پکڑنے اور قتل کرنے سے مستثنیٰ ہیں)

پھر اللہ تعالیٰ نے بطور امتنان ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو تم پر مسلط فرما دیتا اور وہ تم سے قتال کرتے اب جب وہ تم سے کنارہ کش ہو گئے اور تم سے جنگ نہ کی اور تمہارے سامنے صلح کی پیش کش کر دی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے قتل کرنے اور پکڑنے کا کوئی راستہ نہیں بنایا یعنی ان کو پکڑنے اور قتل کرنے کی اجازت نہیں دی۔

یہاں تک وہ جماعتوں کا ذکر ہوا اول وہ جماعت جو اسلام تو قبول کر لیں مگر ہجرت نہ کریں یا ہجرت کرنے کے بعد واپس

دار الحرب میں چلے جائیں۔ دوسری وہ جماعت جو مسلمانوں سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر لیں یا معاہدہ کرنے والوں سے جا کر مل جائیں۔ اس کے بعد تیسری جماعت کا تذکرہ فرمایا جو دفع الوقتی کے طور پر صلح کر لیں جن کا مقصد یہ ہو کہ مسلمانوں کی طرف سے بے خطر ہو کر رہیں اور اپنی قوم کی طرف سے بھی، لیکن جب کبھی ان کو شرارت اور فتنہ گری کی طرف متوجہ کیا جائے تو فوراً اس کو قبول کر لیں اور مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لئے آمادہ ہو جائیں اور اپنا عہد توڑ دیں۔ اس جماعت کا ذکر **مَسْجِدُونَ** انھیں میں فرمایا ہے ان کے بارے میں فرمایا کہ اگر یہ تم سے کنارہ کش نہ ہوں اور سلامت روی کے ساتھ نہ رہیں اور اپنے ہاتھوں کو نہ روکیں تو ان کو پکڑو اور جہاں کہیں ان کو پاؤ قتل کرو ہم نے تم کو ان پر صاف حجت دے دی ہے یعنی ان کے قتل کی واضح طور پر اجازت عنایت فرمائی ہے، واضح رہے کہ ابتدائے اسلام میں مسلمانوں پر فرض تھا کہ وہ دارالاسلام یعنی مدینہ منورہ میں ہجرت کر کے آجائیں اور ہجرت کو ایمان کی شرط قرار دے دیا گیا تھا۔ جو لوگ ہجرت کر کے نہ آئیں اُن سے مسلمانوں جیسا معاملہ کرنا ممنوع تھا جیسا کہ اوپر آیت سے معلوم ہوا۔ اس کے بعد جب مکہ معظمہ فتح ہو گیا تو مدینہ منورہ کو ہجرت کرنا فرض نہ رہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لا ہجرۃ بعد الفتح ولکن جہاد ونبیۃ واذا استغفرتم فانفروا۔ (بخاری و مسلم مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۲۱) یعنی فتح مکہ کے بعد مدینہ منورہ کو ہجرت کرنا فرض نہیں رہا جو ترک وطن کی صورت میں تھا اب جہاد ہے اور نیت ہے۔ جیسی ضرورت پڑے گی ہجرت کی یا جہاد کی اس پر عمل کرنا ہوگا۔ اور جب جہاد کے لئے نکلے تو کہا جائے تو نکل کھڑے ہونا۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَاقُتَلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَاً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ

اور کسی مؤمن کی شان نہیں ہے کہ وہ کسی مؤمن کو قتل کرے مگر خطا کے طور پر اور جو شخص کسی مؤمن کو بطور خطا قتل کر دے تو اس پر واجب ہے کہ ایک مؤمن

مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهَا إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ

لِاِسْلَامٍ آزار دہ اور اس کے خاندان والوں کو دیت ادا کرے، الا یہ کہ وہ لوگ محتاف کر دیں، اور اگر وہ مقتول ایسی قوم میں سے ہو جو تمہارے مخالف ہیں

لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ

اور وہ شخص خود مؤمن سے تو ایک مؤمن غلام آزاد کرنا واجب ہے، اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو کہ تمہارے اور اُن کے درمیان معاہدہ

مِيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ لِمَنْ لَمْ يَجِدْ قُصِيَامًا

تو تو دیت بھی واجب ہے جو اس کے خاندان والوں کو سپرد کر دی جائے اور ایک مؤمن غلام آزاد کرنا بھی واجب ہے، پھر جس شخص کو غلام نہ ملے تو وہ

شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ذِ تَوْبَةٍ مِّنَ اللَّهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ٥

لگا تار دو ماہ کے روزے رکھے بطریق توبہ کے جو اللہ کی طرف سے مقرر ہوئی ہے اور اللہ علم والا اور حکمت والا ہے۔

قتل خطا کے مسائل

گذشتہ آیات میں قتل و قتل کا ذکر تھا یہاں قتل کے کچھ دنیوی اور اخروی احکام بیان فرمائے ہیں، قتل عمد میں تو قصاص ہے جس کا ذکر سورہ بقرہ کے رکوع ۲۱ میں گذر چکا ہے اور قتل خطا میں دیت ہے اور ایک مؤمن غلام آزاد کرنا ہے، مؤمن غلام نہ ملے تو دو ماہ کے لگا تار

روزے رکھنا فرض ہے، الا تو یہ فرمایا کہ کسی مؤمن کے شایانِ شان نہیں ہے کہ وہ کسی مؤمن کو قتل کر دے، قتل کرنا ہر اس جان کا گناہ کبیرہ ہے جس کی حفاظت شرعاً واجب ہو اس میں ذی اور معاد کا قتل بھی داخل ہے جب ذمی اور معاد کا قتل بھی حرام ہے تو مؤمن کا قتل کرنا بطور اولیٰ حرام ہوا سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ کہ کسی جان کو قتل نہ کرو جس کا قتل کرنا اللہ نے حرام قرار دیا ہو مگر حق کے ساتھ قتل کر سکتے ہو، کافر حربی کو جو کسی معادہ میں شامل نہیں ہے اور جو مستامن بھی نہیں ہے اس کا قتل کرنا جائز ہے، اور جو شخص محصن ہوتے ہوئے زنا کر لے وہ بھی قتل کیا جائے گا۔ (یعنی اسے سنگسار کی سزا دی جائے گی) اور جو شخص کسی کو عداوت کر دے جس کا شرعاً قتل کرنا حلال نہیں ہے اس کے قتل کرنے سے قصاص لازم ہوگا۔

مؤمن کو قتل کرنے کا بہت بڑا گناہ ہے اور اس پر بہت سخت وعید قرآن و حدیث میں وارد ہوئی ہے لہذا کسی مؤمن سے یہ تصور ہونی نہیں سکتا کہ وہ اپنے مؤمن بھائی کو قصداً قتل کر دے، ہاں خطا یعنی غلطی سے کوئی قتل ہو جائے تو یہ دوسری بات ہے۔ غلطی سے قتل ہو جانے کو قتل خطا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قتل خطا کی دو صورتیں ہیں خطائی القصد اور خطائی الفعل، خطائی القصد یہ ہے کہ اُس نے کسی چیز کو دیکھا اُسے شکار سمجھ کر تیر مار دیا اور وہ شکار نہ تھا بلکہ کوئی آدمی تھا یا اُس نے یہ سمجھا کہ سامنے کافر حربی کھڑا ہے اس کو مار دیا بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ مسلمان تھا، اور خطائی الفعل یہ ہے کہ کسی نشانہ پر تیر پھینکے اور وہ تیر کسی آدمی کو لگ جائے، ان دونوں صورتوں میں کفارہ بھی واجب ہوتا ہے اور دیت بھی واجب ہوتی ہے۔ دیت خون بہا کو کہتے ہیں یعنی جان کے بدلہ جو مال دیا جائے وہ دیت ہے یہ لفظ اصل میں وَذِي تھا۔ وَذِي ذَنَّةٌ اور وَغَدٌ عِدَّةٌ کی طرح اس کا فاعل یعنی واؤ حذف کر دیا گیا اور آخر میں اس کے عوض تال گا دی گئی۔ وَذِي يَدِي لَفِيفٌ مفروق ہے جس کا معنی بننے کا ہے۔ چونکہ خون بہانے کا عوض دیا جاتا ہے اس لئے اُسے دیت کہتے ہیں۔ شریعت مطہرہ کے قانون میں دیت اور قصاص جانوں کی حفاظت کے لئے شروع کئے گئے ہیں افسوس ہے کہ حکومتوں کے ذمہ دار جو اسلام سے انتساب رکھتے ہیں وہ دیگر احکام شریعت کی طرح ان احکام کو بھی عمل میں نہیں لاتے لہذا جانیں بے قیمت ہو کر رہ گئی ہیں۔ بعض ممالک میں جہاں دیت کی ادائیگی کرانے کا اہتمام ہے وہاں بڑی حد تک جانوں کی حفاظت ہے۔

دیت اور کفارہ ادا کرنا حکم..... آیت شریفہ میں یہ بتانے کے بعد کہ کسی مؤمن کے شایانِ شان نہیں ہے کہ کسی مؤمن کو قتل کرے۔ اَوَّلًا دیت قتل خطا کا عمومی بیان فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَّةٌ مُسْلِمَةً اِلَىٰ اَهْلِهِ یعنی جو شخص کسی مؤمن کو خطا قتل کر دے تو اس پر یہ فرض ہے کہ ایک غلام آزاد کرے یا ایک باندی آزاد کرے اور ان کا مؤمن ہونا شرط ہے اور دیت بھی ادا کرے جو مقتول کے وارثوں کے سپرد کر دی جائے پھر فرمایا اَلَا اَنْ يُّصَدَّقُوا کہ اگر یہ لوگ (یعنی وارثین) اس قاتل پر دیت کو صدقہ کر دیں یعنی معاف کر دیں تو یہ دیت معاف ہو جائے گی اگر سب معاف نہ کریں تو جو شخص معاف کر دے اس کا حصہ معاف ہو جائے گا۔

اس کے بعد فرمایا اِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ یعنی اگر مقتول ایسی جماعت سے ہو جن سے تم ہماری دشمنی ہے یعنی وہ حربی کافروں میں رہتا ہے خود تو وہ مؤمن ہے لیکن اس کی قوم مسلمان نہیں ہوئی اور ان لوگوں سے صلح بھی نہیں ہے تو بطور کفارہ ایک رقبہ مؤمنہ یعنی مؤمن غلام یا باندی آزاد کرنا ہوگا۔ رہی دیت تو وہ اس لئے واجب نہ ہوگی کہ اُس کے متعلقین کافر ہیں اور دیت میراث کے اصول پر تقسیم ہوتی ہے اور چونکہ کافر اور مؤمن کے درمیان میراث نہیں چلتی اس لئے دیت واجب نہ ہوگی۔ کسی کو بھی نہ دی جائے گی۔

غلام آزاد کرنا یا دو ماہ کے روزے..... پھر فرمایا اِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيثَاقٌ فَدِيَّةٌ مُسْلِمَةً اِلَىٰ اَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ

رَقَبَةً مُّؤْمِنَةً یعنی مؤمن مقتول اگر کسی ایسی قوم سے ہو جن کے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ ہو تو اگرچہ وہ قوم کافر ہے لیکن یہ مقتول چونکہ مؤمن ہے اس لئے اس کے قاتل پر دیت واجب ہوگی جو اس کے خاندان کی طرف سپرد کردی جائے گی، بشرطیکہ اس کے خاندان میں اہل اسلام موجود ہوں، اور اگر ان میں کوئی بھی مسلمان نہیں ہے تو دیت واجب نہ ہوگی، البتہ رقبہ مؤمنہ آزاد کرنا پھر بھی واجب ہوگا۔ (مزید تشریح آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

واضح رہے کہ قتل مؤمن میں دیت کا اور تحریر رقبہ یعنی غلام آزاد کرنے کا جو حکم ہے یہ صرف اسی صورت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے کہ مقتول ایسی قوم میں سے ہو جن سے مسلمانوں کا معاہدہ ہو بلکہ دارالاسلام میں مسلمانوں کے درمیان ہوتے ہوئے کوئی مؤمن کسی مؤمن کو خطا قتل کر دے۔ تب بھی دیت اور تحریر رقبہ واجب ہے۔ (روح المعانی ص ۱۱۲ ج ۵)

اس کے بعد فرمایا قَتْلَ مَنْ لَمْ يَجِدْ قَصِيَامَ شَهْرَيْنِ مُتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ کہ جو رقبہ یعنی غلام، باندی نہ پائے (مثلاً غلام باندی ملتے ہی نہ ہوں کما فی هذا الزمان، یا ملتے تو ہوں لیکن خریداری کی طاقت نہ ہو) تو دو مہینے کے روزے لگاتا رکھے ان روزوں میں رمضان المبارک کا مہینہ نہ ہو۔ رمضان کے علاوہ پورے دو مہینوں کے روزے ہوں۔ یہ غلام آزاد کرنے کی جگہ روزے رکھنا بطور کفارہ ہے۔ دیت بہر حال واجب رہے گی۔

پھر فرمایا تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ یعنی یہ غلام آزاد کرنا یا روزے رکھنا بطور توبہ کے مشروع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا جو اس پر عمل کرے گا۔

پھر فرمایا وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا کہ اللہ تعالیٰ علیم ہے وہ سب کچھ جانتا ہے اسے قاتل کا بھی علم ہے اور مقتول کا بھی اگر کسی نے قتل کر دیا اور بندوں کو حال معلوم نہ ہوا قاضی تک بات نہ پہنچی تو یہ نہ سمجھے کہ دونوں جہاں میں میرا چھٹکارا ہو گیا جس کی شریعت ہے وہ دیکھنے والا اور جاننے والا ہے۔ وہ آخرت کے دن احکام کی خلاف ورزی کی سزا دیدے گا۔ نیز وہ حکیم بھی ہے اس کے تمام احکام حکمت پر مبنی ہیں، دیت اور تحریر رقبہ وغیرہ جو بھی کچھ احکام خداوندی بندوں کے لئے مشروع فرمائے ہیں ان سب میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں۔

تنبیہ..... وَأَنَّ كَانَ مِنْ قَوْمٍ يُبَيِّنُكُمْ وَيَبَيِّنُهُمْ مِّنَ قَوْمٍ لِّمَنَ لَّهُمْ قَوْلٌ مِّنْ قَوْلِ اللَّهِ وَبَيِّنُهُمْ مِّنَ قَوْمٍ لِّمَنَ لَّهُمْ قَوْلٌ مِّنْ قَوْلِ اللَّهِ..... علامہ قرطبیؒ نے اپنی کتاب احکام القرآن ص ۳۲۵ ج ۳ میں فرماتے ہیں کہ یہ حضرت ابن عباسؓ اور شعبيؒ اور شعی کا اور شامی کا قول ہے اور طبری نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، پھر بحث کے ختم پر بعض علماء کا قول نقل کیا کہ مضمون عرب کے ان مشرکوں کے بارے میں تھا جنہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا معاہدہ کیا ہوا تھا کہ وہ اسلام قبول کر لیں گے یا ان کو جنگ کا اعلان کر دیا جائے گا۔ یہ معاہدہ ایک مخصوص میعاد کے لئے تھا اس زمانہ میں ان میں سے کوئی شخص مقتول ہو جاتا تو دیت اور کفارہ دونوں واجب ہوتے تھے پھر جب آیت کریمہ بَرَاءَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ نازل ہوئی تو یہ معاہدہ بھی ختم اور اس کے ساتھ معاہدہ کی وجہ سے جو کچھ التزام کیا گیا تھا وہ بھی ختم اب یہ حکم باقی نہیں رہا۔

مسائل متعلقہ دیت..... مسئلہ..... قتل خطا میں ایک جان کی دیت سواونٹ ہیں جن میں سے بیس بنت مخاض اور بیس بنت لبون اور بیس ابن مخاض اور بیس بٹے اور بیس جذعے ہوں۔ حضرت ابن مسعودؓ سے اسی طرح مروی ہے۔ (اونٹوں کے یہ القاب ان کی عمروں کے اعتبار سے ہیں اہل عرب نے اونٹوں کے نام اس طرح رکھ رکھے تھے)۔

مسئلہ..... اگر اونٹوں کے علاوہ دوسرے مال سے دیت دی جائے تو ہزار دینار سونے کے، اور دس ہزار درہم چاندی کے

دیئے جائیں۔

مسئلہ..... حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ویت صرف انہی تین چیزوں سے ادا کی جائے گی یعنی اونٹوں سے اور دینار سے اور درہم سے، اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ گایوں اور بکریوں اور کپڑوں سے بھی ادا کی جاسکتی ہے۔ اگر گایوں سے ویت ادا کی جائے تو سو گائیں دی جائیں، اور بکریوں سے دی جائے تو ہزار بکریاں دی جائیں، اور کپڑوں سے ادا کی جائے تو دو سو جوڑے ادا کئے جائیں کیونکہ حضرت عمرؓ نے اس طرح مقرر فرمایا تھا۔

مسئلہ..... عورت کی ویت مرد کی ویت سے آدھی ہے۔

مسئلہ..... مسلم اور ذمی کی ویت برابر ہے (ذمی وہ کافر لوگ ہیں جو مسلمانوں کی عملداری میں رہتے ہیں)۔

مسئلہ..... ویت میراث کے حکم میں ہے۔ جو مقتول کے شرعی ورثاء میں حسب حصص شرعیہ مقررہ فی الارث تقسیم کی جائے گی۔ اگر سب وارث معاف کر دیں تو سب معاف ہو جائے گی اور بعض ورثاء معاف کریں تو ان کے حصے کے بقدر معاف ہو جائے گی۔

مسئلہ..... جس مقتول کا کوئی وارث نہ ہو اس کی ویت بیت المال میں جمع کر دی جائے گی۔

مسئلہ..... قتل خطا کی ویت عاقلہ پر واجب ہوتی ہے اور کفارہ (تحریر رقبة یا صیام شہرین متتابعین) بہر حال قاتل ہی پر واجب ہوتا ہے۔ عاقلہ سے اہل نصرت مراد ہیں جن میں قاتل رہتا۔ ہتتا ہوا ہر جو آپس میں مل جل کر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوں اہل نصرت نہ ہوں تو پھر قاتل کا قبیلہ ہی عاقلہ ہوگا۔ اس اجمال کی تفسیر کتب فقہ میں مذکور ہے۔

حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ویت صرف قاتل کے کنبہ اور قبیلے پر ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قتل تو صرف ایک شخص نے کیا ہے اس کی ویت اہل قرابت یا اہل نصرت پر کیوں پڑے اس کا اصل جواب تو یہ ہے کہ احادیث اور آثار سے ایسا ہی ثابت ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ بے احتیاطی قاتل سے اسی لئے ہوتی ہے کہ وہ اپنے اہل نصرت اور اہل قرابت پر بھروسہ کرتا ہے اور ان کی نصرت اور حمیت کے پیش نظر وہ اپنے اندر ایک قوت محسوس کرتا ہے جن لوگوں پر اسے اعتماد ہے ان لوگوں کو بھی ویت کی ادائیگی میں شریک کر لیا جائے تو وہ بھی اپنے قبیلے کے ہر فرد کو اور متعلقین کو جن سے نصرت اور حمیت کا تعلق ہے بہت زیادہ احتیاط کی تاکید کریں گے۔ اور اس طرح سے قتل خطا کا جو بہت کم ہوگا۔ ویت کی ادائیگی کے خوف سے وہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو برابر منع کرتے رہیں گے۔ کچھ قتل کا کوئی واقعہ نہ ہو جائے ورنہ سب کو بھگتتا پڑے گا۔

مسئلہ..... عاقلہ سے تین سال میں تھوڑی تھوڑی کر کے ویت وصول کی جائے گی۔ قاتل کا اپنا قبیلہ اس لائق نہ ہو کہ ویت ادا کر سکے تو اس کے قبیلے سے جو قریب ترین قبیلہ نسب کے اعتبار سے ملتا ہو اس کو بھی ادائیگی ویت میں شامل کر لیا جائے گا۔ خود قاتل بھی عاقلہ کا ایک فرد ہوگا اور اس سے بھی حصہ مقررہ وصول کیا جائیگا۔ تفصیلات فقہ میں مذکور ہیں۔

قتل شبہ عمدہ..... مسئلہ: قتل خطا کے علاوہ ایک قسم قتل عمدہ ہے اور قتل شبہ عمدہ ہے قتل عمدہ کا ذکر آئندہ آیت میں ان شاء اللہ تعالیٰ آ رہا ہے اور قتل شبہ عمدہ ہے جس میں قصد مارنے کا ارادہ کیا ہو لیکن دھار دار ہتھیار سے یا ہتھیار جیسی چیز سے (جس سے تفریق اعضاء ہو) نہ مارا ہو۔ مثلاً کوڑوں سے یا لٹھی سے مارا ہو، قتل شبہ عمدہ میں بھی ویت اور کفارہ ہے اس کی ویت بھی عاقلہ پر ہوگی۔ دینار اور درہم سے ویت ادا کی جائے تو وہ تو اسی قدر ہے، جتنی قتل خطا میں ہے۔ اور اگر اونٹوں کے ذریعہ ادا کی جائے تو اس میں کچھ فرق ہے اور وہ یہ کہ اونٹ تو سوہی ہوں گے لیکن اونٹوں کی پانچ قسموں کی بجائے چار قسمیں کی جائیں گی یعنی پچیس بنت مخاض اور پچیس بنت لبون اور پچیس بٹھ اور پچیس

جذعے دینے ہوں گے۔ یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے جو حضرت ابن مسعودؓ سے منقول اور مروی ہے۔

مسئلہ..... کفار و قتل میں آزاد کرنے کے لئے لفظ رقبہ وارد ہوا ہے یہ لفظ اونڈی اور غلام دونوں کو شامل ہے جسے بھی آزاد کرو گے گا کفارہ ادا ہو جائے گا۔ بشرطیکہ مؤمن ہو، اور اعضا صحیح سالم ہوں۔

مسئلہ..... اگر غلام نہ ملے تو دو ماہ کے روزے رکھنا لازم ہوگا۔ اگر مرض کی وجہ سے تسلسل ٹوٹ جائے تو دوبارہ روزے رکھنے ہوں گے۔ البتہ عورت کو اگر درمیان میں حیض آ جائے تو اس کی وجہ سے تسلسل باطل نہ ہوگا اور رمضان کے روزے کفارہ کے حساب میں نہیں لگ سکتے۔ (نکاذ کرناہ من قبل)

قتل کی کچھ اور صورتیں..... قتل خطا کے ساتھ فقہاء نے دو چیزیں اور لکھی ہیں ایک ما اجبری مَجْبُورِی الخطاء اور دوسری القتل بسبب پہلی صورت کی مثال یہ ہے کوئی شخص سوتے ہوئے کسی پر پلٹ پڑے جس سے وہ قتل ہو جائے، اس میں کفارہ اور دیت دونوں واجب ہوتے ہیں اور دوسری صورت کی مثال یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص کسی دوسرے کی ملک میں کنواں کھود دے یا کوئی پتھر رکھ دے جو کسی کی جان جانے کا سبب بن جائے۔ اس صورت میں بھی عاقلہ پر دیت واجب ہوتی ہے لیکن اس میں کفارہ نہیں ہے۔

مسئلہ..... اگر کسی حاملہ عورت کے پیٹ میں مار دیا جس کی وجہ سے مراد یا بچہ گر گیا تو اس میں ایک غلام یا پانچ سو درہم واجب ہوں گے۔ فقہاء کی اصطلاح میں اس کو غزہ کہتے ہیں۔ اور اگر زندہ بچہ گر کر مر گیا تو اس کی پوری دیت دینی ہوگی اور اگر مردہ بچہ گرنے کے بعد ماں مر گئی تو ماں کی پوری دیت دینی ہوگی اور بچے کا غزہ دینا ہوگا اور اگر چوٹ لگنے سے ماں مر گئی پھر بچہ زندہ نکل کر مر گیا تو ماں کی اور بچے کی علیحدہ علیحدہ دو دیتیں دینی ہوں گی اور حمل ساقط ہونے کی وجہ سے جو کچھ واجب ہوگا وہ اس بچے کے وارثوں پر تقسیم ہوگا۔

مسئلہ..... جو شخص جانور پر سوار ہو کر جارہا ہو۔ اس کے ذمہ لازم ہے کہ سلامت روی کے ساتھ چلے اگر اس کی سواری نے کسی کو روند دیا یا کمر مارویا یا دانتوں سے کاٹ لیا تو ان سب صورتوں میں نشان لازم آئے گا۔

مسئلہ..... اگر دو گھوڑے سوار جارہے تھے جو آپس میں ٹکرا کر مر گئے تو ہر ایک کی عاقلہ پر دوسرے کی دیت واجب ہوگی۔

فائدہ..... قصاص اور دیت کا نظام و حقیقت جانوں کی حفاظت کے لئے ہے اللہ کا قانون جاری نہ کرنے کی وجہ سے پورے عالم میں قتل و خون کا بازار گرم ہے تو انہیں شرعیہ کو نافذ نہ کرنے والے ظالم ہیں جیسا کہ سورۃ مائدہ میں فرمایا وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (اور جو لوگ اس کے مطابق فیصلہ نہ کریں جو اللہ نے نازل فرمایا وہ لوگ ظالم ہیں)۔

وزراء حکومت و زعمائے سیاست میں جو لوگ احکام خداوندیہ کو ظالمانہ کہتے ہیں وہ کافر ہیں اگرچہ وہ مسلمان ہونے کے مدعی ہوں۔ قصاص اور قتل کا قانون خداوندی نافذ نہ ہونے کی وجہ سے قاتلین کسی بھی جان کے قتل کرنے میں باک محسوس نہیں کرتے وہ بڑی بیباکی کے ساتھ جس کو چاہتے ہیں قتل کر دیتے ہیں اگر کسی کو قتل کر دیا تو اول تو بغیر رشوت کے مقدمہ درج نہیں ہوتا اور درج ہوتا ہے تو قاتل کو سزا سے بچانے یا ہلکی سزا دلانے کے لئے قاتل سے رشوت لے کر رپورٹ کے الفاظ ہلکے کر دیئے جاتے ہیں۔ جو قانون کی گرفت میں نہیں آتے پھر جب مقدمہ چلتا ہے تو وکیل قانونی موٹائی کے ذریعے قاتل کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں، اور حاکم بھی رشوت کھانے کو تیار بیٹھ رہتے ہیں اور اگر سارے مرحلوں سے گذر کر حاکم نے کسی قاتل کو سزا دے دی تو وہ سزا قید و بند کی صورت میں ہوتی ہے۔ مقتول کے وارثوں کو ذرا بھی ویت نہیں ملتی۔ ان سب چیزوں نے امن عام کو بر باد کر رکھا ہے۔ قصداً اور اوقاف قتل کرنے کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں اور چونکہ قصاص جاری نہیں کیا جاتا اس لئے قاتل بے فکر ہو کر گھومتے پھرتے ہیں۔ حاکم بہت سے بہت عمر قید کا فیصلہ دے دیتا ہے

(بشرطیکہ حاکم تک معاملہ پہنچا جو اور اس نے ہمت کر کے فیصلہ دے دیا ہو) پھر یہ سزا اقتدارِ اعلیٰ کو رحم کی درخواست دینے سے یا حکومت کے بدل جانے سے (اقتدارِ جدید کی خوشی میں) معاف کر دی جاتی ہے مقتول کے ورثاء و دیت اور قصاص سے محروم پھرتے ہیں حالانکہ اولیاء مقتول کا حق کسی کو معاف کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ جو لوگ قانونِ الہی کو تسلیم نہیں کرتے اور اسے نافذ نہیں کرتے اس کی بجائے دوسرے قانون نافذ کر رکھے ہیں اور ان کو موجودہ دور کے لئے مناسب سمجھتے ہیں (العیاذ باللہ) ان سب کا جواب اللہ تعالیٰ شانہ نے و سکان اللہ غلبینا حکیمنا فرما کر دے دیا اللہ جل شانہ نے اپنے علم اور حکمت کے مطابق قوانین عطا فرما دیئے ہیں ان کے خلاف لکھنا یا بولنا اللہ کے علم اور حکمت پر اعتراض ہے۔

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ

اور جو شخص کسی مؤمن کو قصداً قتل کر دے تو اس کی جزا جہنم سے اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہو گا اور اس پر اللہ کی لعنت ہوگی۔

وَاعْدَلَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ۝

اور اس کے لئے اللہ نے بڑا عذاب تیار فرمایا ہے۔

کسی مؤمن کو قصداً قتل کرنے کا گناہ عظیم

قتلِ خطا کے احکام بتانے کے بعد اس آیت میں قصداً قتل کرنے والے کی اخروی سزا کا تذکرہ فرمایا اور یہ کہ جو شخص کسی مؤمن کو قصداً قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اس کو غضب ہو گا اور اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی اور اللہ نے اس کے لئے بڑا عذاب تیار فرمایا ہے۔ کسی مؤمن کا قتل درحقیقت بہت ہی بڑا گناہ ہے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پوری دنیا کا ختم ہو جانا اللہ کے نزدیک ایک مسلمان آدمی کے قتل کے مقابلے میں معمولی چیز ہے۔ (رواہ الترمذی والنسائی ولفظہ بعضہم ورواہ ابن ماجہ عن البراء بن عازب کما فی مشکوٰۃ ص ۳۰۰)

حضرت ابوسعیدؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمام آسمان و زمین والے کسی مؤمن کے خون میں شریک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اوندھے منہ کر کے دوزخ میں ڈال دے گا۔ (رواہ الترمذی کما فی مشکوٰۃ ص ۳۰۰) حضرت ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ امید ہے اللہ ہر گناہ کو معاف فرما دے مگر جو شخص مشرک ہوتے ہوئے مر گیا اور جس نے کسی مؤمن کو قتل کرویا ان کی مغفرت نہیں ہے۔ (رواہ ابو داؤد ورواہ النسائی عن معاویہ کما فی مشکوٰۃ ص ۳۰۱) اتنی سخت وعیدیں ہوتے ہوئے دنیا میں قتل و خون کی گرم بازاری ہے اسلام کا نام لینے والے اور اپنے کو مسلمان سمجھنے والے آپس میں لسانی، قومی، قبائلی، وطنی اور صوبائی عصبیتوں کی بنیاد پر ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں۔ قوم اور برادری اور ملک و وطن سب یہیں دھڑک رہے ہیں۔ قتل مؤمن کا گناہ کبیرہ سا تھا لے کر قبر میں جانے والوں کو اپنی آخرت کا فکر نہیں دوزخ میں داخل ہونا اور اس میں سزا پانا، آگ میں جلنا معمولی سی بات سمجھ رکھا ہے۔ جاہلی عصیتیں پھرا بھرا آئی ہیں، دشمنوں کے درغلا نے اور بھڑکانے سے آپس میں کٹنا چھنی ہے دشمنوں کو تقویت پہنچا رہے ہیں اور اپنا اتحاد پاش پاش کر رہے ہیں۔ انصار کے دونوں قبیلے اوس اور خزرج حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے پر متحد ہو گئے تھے پرانی لڑائیاں جو صدیوں سے جاری تھیں بند ہو گئی تھیں۔ اسلام نے سب کو متحد کر دیا تھا۔

ایک مرتبہ بعض یہودیوں کے ابھارنے سے پھر لڑائی کی فضا بن گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رفع دفع کیا اور اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت شریفہ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا نازل فرمائی جس کی تفسیر اور واقعہ کا تذکرہ اسی آیت کے ذیل میں گذر چکا ہے۔ دشمن تو ہمیشہ مسلمانوں کو لڑانا ہی چاہتے ہیں ان کا اتحاد و اتفاق انہیں گوارا نہیں مسلمان ہیں کہ آپس میں قتل و قتل کر کے اپنی دنیا و آخرت دونوں تباہ کرتے ہیں اور ایک جماعت کے آدمی دوسری جماعت کے لوگوں کو محض اس وجہ سے قتل کرتے ہیں کہ وہ ہماری جماعت کا آدمی نہیں ہے۔

آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دسویں ذوالحجہ کو حجۃ الوداع کے موقع پر جو خطبہ دیا تھا اس میں فرمایا تھا لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض (میرے بعد کافر مت ہو جانا جس کی وجہ سے ایک دوسرے کی گردن مارو)۔ (رواہ البخاری ص ۱۰۳۸ ج ۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا من حمل علينا السلاح فليس منا (جو شخص ہم پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے) (رواہ البخاری ص ۱۰۳۷ ج ۲) کسی مسلمان کا قتل کرنا تو بڑی بات ہے کسی ہتھیار سے اس کی طرف اشارہ کرنا بھی حرام ہے۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ بھی نہ کرے وہ نہیں جانتا کہ ممکن ہے شیطان اس کے ہاتھ سے چھڑا دے (جس کی وجہ سے قتل کا حادثہ ہو جائے) پھر دوزخ کے گڑھے میں گر پڑے۔ (صحیح البخاری ص ۱۰۳۷ ج ۲)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے دنیا ختم ہونے سے پہلے ایسا دن ضرور آئے گا کہ قاتل کو بھی پتہ نہ ہوگا کہ میں نے کیوں قتل کیا۔ اور مقتول کو بھی پتہ نہ ہوگا کہ میں کیوں قتل ہوا۔ کسی نے عرض کیا، ایسا کیوں ہوگا؟ فرمایا قتہ کی وجہ سے ایسا ہوگا، قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں ہوں گے۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب دو مسلمان اپنی تلواریں لے کر آمنے سامنے آجائیں تو وہ دونوں دوزخ والوں میں سے ہیں ایک شخص نے عرض کیا کہ ان میں سے جو قتل کر دے اس کا دوزخ میں جانا سمجھ میں آتا ہے جو قتل ہو گیا وہ دوزخ میں کیوں جائے گا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہ قتل صوابہ کے مقتول بھی تو یہی ارادہ کئے ہوئے تھا کہ میں اس شخص کو قتل کر دوں لہذا وہ اپنی نیت کی وجہ سے دوزخ میں گیا (نیت تو دونوں ہی کی ایک دوسرے کو قتل کرنے کی تھی یہ بات اور ہے کہ ایک کا داؤ لگ گیا)۔ (رواہ البخاری ص ۱۰۳۹ ج ۲)

فائدہ..... جمہور اہلسنت کا یہی مذہب ہے کہ قاتل مؤمن عدا کی بالآخر بخشش ہو جائے گی جیسے دوسرے گناہوں کا حکم ہے۔ البتہ حضرت ابن عباسؓ کا مشہور قول یہ ہے کہ اس کی مغفرت نہ ہوگی اور ان سے اس کے خلاف بھی منقول ہے۔

قال سعيد بن جبیر اختلف فيها (ای فی الآیۃ) اهل الكوفة فرحلت فيها الى ابن عباس فسالته عنها فقال نزلت هذه الآیۃ ومن يقتل مؤمناً متعمداً فجزاءه جهنم خالد فيها هی آخر ما نزل وما نسخها شیء (رواہ البخاری ص ۶۶۱)

قال البیضاوی قال ابن عباس رضی اللہ عنہما لا تقبل توبة قاتل المؤمن عمداً ولعله اراد به التشدید اذ روی عنه خلافة والجمہور علی انہ مخصوص بمن لم یتب بقوله تعالیٰ وانی لغفار لمن تاب ونحوہ او المراد بالخلود المكث الطویل فان الدلائل متظاہرة علی ان عصاة المسلمین لا یدوم عذابہم او هو محمول علی المستحل

(۱۷ بحذب) (سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ اہل کوفہ نے اس آیت میں اختلاف کیا تو میں حضرت ابن عباسؓ کے پاس گیا اور ان سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ آیت ومن يقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤه جہنم خالداً فیہا آخر میں نازل ہوئی اور اسے کسی چیز نے منسوخ نہیں کیا۔ قاضی بیضاویؒ کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کسی مؤمن کو عمدہ قتل کرنے والے کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ ممکن ہے کہ ابن عباسؓ کا ارادہ اپنے اس فرمان سے اس امر کی شدت و شاعت بیان کرنا ہو کیونکہ ان سے اس کے خلاف بھی مروی ہے۔ جوہر اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ غلو کا حکم اس قاتل کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو اپنے گناہ سے توبہ نہ کرے۔ ان کی دلیل و انسی لغفار لمن تاب اور اس جیسی دیگر آیات ہیں۔ یا خلود سے مراد طویل عرصہ تک آگ میں رہنا ہے کیونکہ دلائل اس کے متقاضی ہیں کہ گناہگار مسلمانوں کو ان کی عذاب نہیں ہوگا۔ ... یا دانی غلو کا حکم اس کیلئے ہوگا جو کسی مؤمن کے قتل کو حلال سمجھے)

مسئلہ..... جو شخص قصداً اور اذیت قتل کروے اس میں اول تو بہت بڑا گناہ ہے جیسا کہ اوپر آیت میں گذرا اور قصاص بھی ہے جس کی کچھ تفصیل سورہ بقرہ رکوع ۲۴ میں گذری چکی ہے اور کچھ ان شاء اللہ سورہ باندہ کے رکوع کی تفسیر میں آئے گی۔ قصاص وارثوں کا حق ہے وہ چاہیں تو معاف کرویں اور چاہیں تو قصاص میں قتل کرویں کسی بھی بادشاہ یا صدر یا وزیر یا کسی بھی چھوٹے بڑے حاکم کو معاف کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ (کما ذکرنا من قبل)

مسئلہ..... جو شخص اپنے کسی مورث کو قتل کروے (جس سے میراث پانے والا تھا) تو قاتل میراث سے محروم کر دیا جائے گا (اُس نے چاہا کہ اپنے مورث کو قتل کر کے جلدی میراث پالے لہذا شریعت نے اُسی میراث سے بالکل محروم کر دیا)۔
مسئلہ..... شبہ عدم میں بھی میراث سے محروم ہو جاتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ

اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کرو تو تحقیق کر لیا کرو اور جو شخص تمہارے سامنے اطاعت ظاہر کرے

أَلْفَى إِلَيْكُمْ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِذَ اللَّهُ

اُسے یوں نہ کہو کہ تو مؤمن نہیں ہے، تم دنیا والی زندگی کا سامان تلاش کرتے ہو، سو اللہ کے پاس

مَعَانِمُ كَثِيرَةٌ ۖ كَذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا إِنَّ اللَّهَ

مینمت کے بہت مال ہیں، اس سے پہلے تم ایسے ہی تھے، سو اللہ نے تم پر احسان فرمایا، سو خوب تحقیق کر لیا کرو، بے شک اللہ

كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا

ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔

جو شخص اپنا اسلام ظاہر کرے اسے یوں نہ کہو کہ تو مؤمن نہیں

تفسیر درمنثور ص ۱۹۹ ج ۲ میں بحوالہ بخاری و نسائی وغیرہما حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگ جارہے تھے، ان سے کسی ایسے شخص کی ملاقات ہو گئی جو اپنا مال لئے ہوئے جارہا تھا۔ اُس نے کہا السلام علیکم ان لوگوں نے

اس کو قتل کر دیا اور اس کا مال لے لیا۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ (راجع صحیح البخاری ص ۶۰۶ ج ۲) پھر حضرت ابن عباسؓ ہی سے بحوالہ ترمذی وغیرہ نقل کیا ہے کہ بنی سلیم میں سے ایک شخص اپنی بکریاں چراتے ہوئے چند صحابہؓ پر گذرا اس نے انہیں سلام کر لیا۔ آپس میں کہنے لگے کہ اس نے ہمیں جان بچانے کے لئے سلام کیا (یعنی وہ مسلمان نہیں ہے، ہمیں دیکھ کر ڈر گیا کہ یہ قتل کر دیں گے اس لئے سلام کیا تاکہ مسلمان سمجھ کر چھوڑ دیں) ان حضرات نے اس کو قتل کر دیا اور اسکی بکریاں لے لیں، بکریاں لے کر بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ آیت شریفہ میں اس پر تنبیہ فرمائی کہ جو شخص اسلامی فرمانبرداری کا اظہار کرے، مثلاً سلام کرے یا اسلام کا کلمہ پڑھے یا کسی بھی طرح اپنا مسلمان ہونا ظاہر کر دے تو تم یوں نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے چونکہ ان حضرات نے اس کا سامان بھی لے لیا تھا۔ اس لئے یہ بھی تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو شے تھیں ہیں ان کی طرف رغبت کرو واللہ تم کو بہت دے گا کسی شخص کو با تحقیق کا فر قرار دے کر اس کا مال لینے کی جسارت نہ کرو۔

نیز یہ بھی فرمایا کہ آج تم سلام کرنے والے کو یہ کہتے ہو کہ مؤمن نہیں ہے تم اپنا زمانہ یاد کرو کہ تم بھی کبھی ایسے ہی تھے تمہارا اسلام کا ظاہری دعویٰ کرنا ہی جانوں کی حفاظت کے لئے کافی تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا اور تم اسلامی کاموں میں آگے بڑھ گئے تمہاری جماعت بگنی اور تمہارے بارے میں سب نے جان لیا کہ تم مسلمان ہو اسلام والے ہو اور یہاں تک کہ تم اپنی اس معرفت اسلامیہ کی وجہ سے دوسروں کو یہ کہنے لگے کہ تم مسلمان نہیں ہو۔

آیت بالا سے بالخصوص معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص سلام کرے یا اسلام کا کلمہ پڑھے یا یوں کہہ دے کہ میں مسلمان ہوں تو اس کے ظاہری قول اور ظاہری دعوے پر اعتماد کرنا چاہیے خواہ مخواہ اس کے ایمان میں شک کرنا یا اس کے ساتھ کافروں جیسا معاملہ کرنا درست نہیں ہے۔ حقیقی ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اور قلب کی تصدیق یا تکذیب کو بندے نہیں جانتے وہ ظاہر کے مکلف ہیں ان کو جو حکم دیا گیا ہے وہ اس کے پابند رہیں۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کی گواہی دے دیں اور ساتھ یہ گواہی بھی دیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، سو جب وہ ایسا کر لیں گے تو اپنی جانوں اور مالوں کو میری طرف سے محفوظ کر لیں گے ہاں اگر اسلام کے حق کی وجہ سے قتل کرنے کی صورت پیش آجائے تو یہ اور بات ہے (مثلاً قصاص میں قتل کرنا پڑے) اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔ (رواہ البخاری و مسلم الا ان مسلما لم يذكر الا بحق الاسلام كما في المشكوة ص ۱۲)

جو شخص اسلام کو ظاہر کرتا ہو، ہم اس کو مسلمان سمجھیں گے اگر وہ دل سے مسلمان نہیں تو اللہ تعالیٰ کو چونکہ دلوں کے احوال بھی معلوم ہیں اس لئے وہ اس سے اس کے عقیدہ کے مطابق معاملہ فرمائے گا۔ منافق ہے تو کافروں میں شمار ہوگا۔ سخت سے سخت عذاب میں جائے گا۔ دل سے مسلمان ہوگا تو اپنے ایمان اور اعمال صالحہ کا ثواب پائے گا۔

فائدہ (۱)..... آیت بالا میں قَبِلْتُمْ اَوْ بَارِدُ مَذْكَور ہے پہلی جگہ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَبِتَنَوْنَا ہے اور دوسری جگہ كَذَلِكُمْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلٍ فَمَنْ اللّٰهُ غَلِبَكُمْ فَبِتَنَوْنَا فرمایا ہے، دوسری جگہ سفر کا ذکر نہیں ہے معلوم ہوا کہ سفر ہو یا حضر؛ مسلمانوں کو ایک عام ہدایت دی گئی ہے کہ با تحقیق شخص گمان پر عمل نہ کریں۔ تحقیق کے ساتھ کام کریں خصوصاً لوگوں کی جانوں اور مالوں کی حفاظت کے بارے میں تو بہت زیادہ سنبھل کر چلنے کی ضرورت ہے، اسلام سلامتی والا دین ہے، ظلم والا دین نہیں ہے۔ محض گمان پر کسی کو بھی کچھ کہہ دینا یا کسی کی ذات کو مطعون کرنا درست نہیں ہے۔ بدگمانی کی وجہ سے تہمتوں اور فیبتوں کا بازار گرم ہو جاتا ہے اور ظلم و زیادتی کے مواقع فراہم ہو جاتے ہیں۔

فائدہ (۲)..... احتیاط میں بے احتیاطی کرنا درست نہیں۔ جو شخص یہ کہے کہ میں مسلمان ہوں اور ساتھ ہی کفریہ عقیدوں کا اعلان بھی کرتا ہو جیسے بہت سے لوگ ختم نبوت کے منکر ہیں یا جیسے بعض لوگ اسلامی حدود اور قصاص کو ظلم کہتے ہیں یا جیسے کچھ لوگ حدیث شریف کی حجیت کے منکر ہیں یا جیسے بعض فرقے تحریف قرآن کے قائل ہیں، ایسے لوگوں کو کافر کہنے میں احتیاط کرنا مسلمانوں کو دھوکے میں رکھنا ہے جس کا کفر ظاہر ہو جائے اس کا کفر ظاہر کرنا واجب ہے عام لوگوں میں جو یہ بات مشہور ہے کہ کسی کلمہ گو کو کافر نہ کہو اس سے وہ کلمہ گو مراد ہے جس سے دعویٰ ایمان کے ساتھ کفر کی کوئی نشانی ظاہر نہ ہو رہی ہو۔

بہت سے لوگ فقہاء کی عبارت (لا نکفر احد من اهل القبلة) کا مفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے ایوں کہتے ہیں کہ سب کلمہ گو مسلمان ہیں یا یوں کہتے ہیں کہ اہل قبلہ سب مسلمان ہیں یہ ان لوگوں کی سخت غلطی ہے جو جہالت پڑنی ہے۔ ملا علی قاری شرح فقہ اکبر کے تعلقہ میں فرماتے ہیں۔

وان المراد بعدم تكفير احد من اهل القبلة عند اهل السنة انه لا يكفر ما لم يوجد شيء من امارات الكفر وعلاماته ولم يصدر عنه شيء من موجباته (ترجمہ) جاننا ضروری ہے کہ حضرات اہلسنت نے یہ جو فرمایا ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر نہ کہا جائے یہ اس وقت ہے جب اہل قبلہ سے کوئی چیز کفر کی علامت میں سے ظاہر نہ ہو اور کوئی ایسی چیز صادر نہ ہو جس سے اس پر کفر عائد ہوتا ہو۔

فائدہ (۳)..... کسی گناہ میں ماوث ہونے کی وجہ سے کسی کو کافر نہ کہا جائے گا جب تک کہ گناہ کو حلال نہ سمجھتا ہو، اگر کسی گناہ کو حلال سمجھ کر کرتا ہو یا کسی فرض کے فرض ہونے کا انکار کرتا ہو تو اُسے کافر کہا جائے گا۔ ورنہ شخص گناہ کرنے سے کسی مدعی اسلام کو کافر نہ کہیں گے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین چیزیں ایمان کے تقاضوں میں سے ہیں۔ ایک یہ کہ جو شخص کلمہ اسلام پڑھ لے اس کی طرف سے (زبان اور ہاتھ کو) روک لیا جائے، دوم یہ کہ کسی گناہ کی وجہ سے اُسے کافر نہ ہو (یعنی کسی عمل کی وجہ سے اُسے اسلام سے خارج نہ کرو) سوم یہ کہ جہاد باقی رہے گا جب سے اللہ نے مجھے بھیجا ہے یہاں تک کہ اس امت کے آخری لوگ وصال سے قتال کریں گے۔ حکم جہاد کو کسی ظالم کا ظلم اور کسی عادل کا عدل باطل نہیں کر سکتا (پھر فرمایا کہ) تقدیروں پر ایمان لانا (بھی ایمان کے تقاضوں میں سے ہے)۔ (رواہ ابوداؤد)

لَا يَسْتَوِي الْقُعْدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي

جو مسلمان غزوہ والے نہیں ہیں، ان میں جو پیشہ رہنے والے ہیں اور جو اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے

سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ، فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقُعْدِينَ

والے ہیں برابر نہیں ہیں، جو لوگ اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرنے والے ہیں ان کو پیشہ رہ جانے والوں پر اللہ نے بڑے درجہ کی

دَرَجَةً ۖ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۖ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقُعْدِينَ أَجْرًا

فضیلت دی ہے اور سب سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا اور اللہ نے فضیلت دی ہے جہاد کرنے والوں کو پیشہ رہ جانے والوں پر اجر

عَظِيمًا ۚ دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً ۖ وَرَحْمَةً ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝

عظیم عطا فرما کر۔ جو اس کی طرف سے درجات اور بخشش اور مہربانی کی صہرت میں ملے گا، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

مجاہدین اور قاعدین برابر نہیں

جیسا کہ اوپر حدیث میں گذرا، جہاد قیامت تک جاری ہے یہاں تک کہ اس امت کے آخری لوگ دجال سے قتال کریں گے۔ جان اور مال سے جہاد کیا جائے۔ بس اللہ کے دین کو بلند کرنا مقصود ہے۔ اس آیت شریفہ میں اول تو یہ فرمایا کہ جو لوگ جہاد میں شریک نہیں گھروں میں بیٹھے ہیں اور ان کو غدر بھی کچھ نہیں تو یہ لوگ ان لوگوں کے برابر نہیں ہیں جو اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں کسی قسم کا بھی جہاد ہو بہر حال مجاہد گھر میں بیٹھ رہنے والے سے افضل ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جانوں و مالوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر بڑے درجہ کی فضیلت دی ہے۔ لفظ درجہ مکرمہ ہے اس کی تفسیر تعظیم کے لئے ہے صاحب روح المعانی فرماتے ہیں، لا یقادر قدرھا ولا یبلغ کشفھا ابتداءً آیت میں فرمایا کہ مجاہدین اور قاعدین برابر نہیں ہیں۔ اس کے بعد یہ فرمایا کہ مجاہدین کو قاعدین پر بڑے درجہ کی فضیلت حاصل ہے اس میں یہ واضح فرمادیا کہ قاعدین یہ سمجھ کر بیٹھے نہ رہ جائیں کہ ہمارا تھوڑا سا نقصان ہوا۔ بلکہ وہ بڑے درجے کی فضیلت سے محروم ہوں گے البتہ اولی الضرر کی اور بات ہے کیونکہ وہ معذوری کی وجہ سے مجبور ہیں۔

حضرت براء بن عازبؓ نے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (کاتب وحی) زید بن ثابتؓ کو بلایا تاکہ آیت کریمہ لَا یَسْتَوِی الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَکَیْدِیْنَ۔ وودعات اور لوح لے کر آئے آپؐ نے فرمایا لکھو لَا یَسْتَوِی الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِی سَبِیلِ اللّٰهِ آپؐ کے پیچھے ابن ام مکتوم موجود تھے (جو نابینا تھے) انہوں نے عرض کیا کہ میں تو بینائی سے محروم ہوں۔ مجھے یہ فضیلت کیسے ملے گی۔ اس پر لفظ غَبْرُ اُولِی الضَّرَرِ نازل ہوا۔ اور اب آیت اس طرح ہو گئی لَا یَسْتَوِی الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَبْرُ اُولِی الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِی سَبِیلِ اللّٰهِ جس میں یہ بتا دیا کہ جو لوگ صاحب غدر ہیں آیت کا عموم ان کو شامل نہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو غزوہ بدر کی شرکت سے رو گئے۔ یعنی جنہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی وہ اور جو شریک نہ ہوئے برابر نہیں ہوں گے۔ یہ روایات صحیح بخاری ص ۶۶۰ و ۶۶۱ ج ۲ میں مذکور ہیں۔ بات یہ تھی کہ غزوہ بدر میں عام طور سے سب کو نکلنے کا حکم نہیں ہوا تھا۔ اس لئے بہت سے حضرات شریک نہ ہوئے تھے شرکت نہ کرنے کی وجہ سے گناہ تو نہ ہوا لیکن شرکت کرنے والوں کو جو فضیلت ملی بہر حال وہ انہیں کو ملی۔ حضرت ابن عباسؓ نے جو اس کو اسباب غزوہ بدر پر محمول فرمایا یہ اس اعتبار سے ہے کہ اسی زمانے میں نازل ہوئی تھی جب غزوہ بدر ہو چکا تھا اور نہ آیت کا مقبوم ہمیشہ کے لئے عام ہے۔

وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی: پھر فرمایا وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی کہ اللہ نے مجاہدین اور قاعدین سب سے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے بھلائی سے جنت مراد ہے جیسا کہ روح المعانی میں قنابہ سے نقل کیا ہے۔ چونکہ ایمان اور فرائض کی ادائیگی میں سبھی برابر ہیں اس لئے سب کے جنت میں داخل ہونے کا وعدہ فرمایا۔ یوں فرق مراتب دوسری بات ہے اور جہاد فرض عین ہونے کی صورت میں جو اسے ترک کرے گا گنہگار ہوگا۔ پھر مجاہدین کی فضیلت دوبارہ بیان فرمائی اور فرمایا کہ اللہ نے مجاہدین کو قاعدین پر اجر عظیم عطا فرما کر فضیلت دی ہے۔ اللہ پاک کی طرف سے مجاہدین کو درجہات ملیں گے مغفرت اور رحمت سے نوازے جائیں گے۔

آخر میں فرمایا وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِیْمًا کہ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے اس میں اجمالاً مضمون سابق کو دہرایا ہے فائدہ..... وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی سے معلوم ہوا کہ جہاد فرض عین نہ ہونے کی صورت میں جو لوگ اپنے فرائض و واجبات میں مشغول رہتے ہوئے جہاد میں شریک نہ ہوں خصوصاً جو حضرات جہاد بالسیف کے علاوہ دوسری دینی خدمات میں مشغول ہوں ان کو

طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا درست نہیں ہے۔ قرآن وحدیث اور ان دونوں سے متعلقہ علوم کی تعلیم اور تدریس بھی تو دینی مشغلہ ہے اور اس میں بھی بڑا عبادت ہے جو حضرات اس میں لگے ہوئے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا کام کرتے ہیں اور ان کی محنت سے بھی دین بلند ہوتا ہے اور اس کی اشاعت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں نیوؤں پر بھی ثواب ملتا ہے جو لوگ خروج فی سبیل اللہ سے معذور ہوں اگر ان کی نیت یہ ہوگی کہ ہم معذور نہ ہوتے تو ضرور جہاد میں شریک ہوتے تو ان کو بھی شرکت کا ثواب ملتا ہے۔

حضرت انسؓ نے بیان فرمایا کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک سے واپس ہوئے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا بلاشبہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کو ہم نے مدینہ میں پیچھے چھوڑا تھا، ہم جس گھائی اور وادی میں چلے وہ ہمارے ساتھ ہی رہے (یعنی ثواب میں وہ بھی شریک تھے) ان کو عذر نے روک دیا تھا۔ (رد الوہاب ص ۶۳ ج ۲)

جن حضرات کو عذر کی وجہ سے جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت دے دی گئی وہ ان میں جو صاحب ذوق و شوق ہوتے ہیں وہ پھر بھی کسی طرح شریک ہو جاتے ہیں آیت بالا میں لفظ غیور اولی الضور حضرت ابن ام مکتومؓ کی اس بات پر نازل ہوئی تھی کہ میں معذور ہوں شریک نہیں ہو سکتا پھر بھی وہ جہادوں میں شریک ہوتے تھے جنگ تو نہیں کر سکتے تھے لیکن جہنم اٹھانے کی خدمت اپنے ذمہ لے لیتے تھے۔ (کما ذکرہ فی روح المعانی ص ۱۲۴ ج ۵)۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفَّیْهُمْ الْمَلٰٓئِکَةُ ظَالِمِیْنَ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ کُنْتُمْ

بے شک فرشتے جن لوگوں کی جان ایسی حالت میں قبض کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی جان پر ظلم کر رکھا تھا ان سے فرشتے کہتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے

قَالُوْا کُنَّا مُسْتَضْعِفِیْنَ فِی الْاَرْضِ قَالُوْا اَلَمْ تَکُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاِسْعَۃً فَتَہَاجِرُوْا

وہ کہتے ہیں کہ ہم بے بس تھے زمین میں، فرشتے کہتے ہیں کہ کیا اللہ کی زمین کشادہ نہیں تھی کہ تم ترک وطن کر کے دوسری جگہ چلے

فِیْہَاؕ فَاُولٰٓئِکَ مَا وُہِبَہُمْ جَہَنَّمُ وَاَسَآءُ مَّصِیْرًا ۝۱۱ اِلَّا الْمُسْتَضْعِفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ

جانتے۔ سو یہ لوگ ہیں جن کا نمکدانہ جہنم ہے اور وہ بُری جگہ ہے۔ لیکن جو مرد اور عورتیں اور بچے قادر

وَالنِّسَآءُ وَالْوُلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَۃً وَلَا یُهْتَدُوْنَ سَبِیْلًا ۝۱۲ فَاُولٰٓئِکَ عَسٰی

نہ ہوں کہ کوئی تدبیر کر سکیں اور نہ راستہ سے واقف ہوں۔ امید ہے کہ

اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُو عَنْہُمْ ۝۱۳ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝۱۴

اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے گا اور اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔

کافروں کے درمیان رہنے والوں کو تنبیہ

صحیح بخاری ص ۶۶۱ ج ۲ میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کچھ لوگ ایسے تھے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا (انہوں نے ہجرت نہ کی تھی) وہ مشرکین ہی کے ساتھ رہتے تھے مشرکین کی جماعت کی تکثیر کرتے تھے (مشرکین کہیں جنگ کرنے جاتے تو یہ بھی ساتھ چلے جاتے تھے جس سے مشرکین کی جماعت میں اضافہ ہو جاتا تھا) نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ان کو باطنی مرتبہ تیر لگ جاتا تھا جس سے قتل ہو

جاتے تھے یا تلو اور غیرہ سے مقتول ہو جاتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔

لباب القتل ص ۹ میں نقل کیا ہے کہ کچھ لوگ مکہ میں مسلمان ہو گئے تھے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو ان لوگوں کو ہجرت کرنا گوارا نہ ہوا (اور اپنے جان و مال پر) خوف کھانے لگے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ دونوں باتیں سبب نزول ہو سکتی ہیں۔ آیت شریفہ میں اس بات پر ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے کہ کوئی شخص ہجرت کے مواقع میسر ہونے کے باوجود ہجرت نہ کرے اپنے دین و ایمان اور اعمال اسلام کے لئے فکر مند نہ ہو اور کافروں ہی میں گھسار ہے۔ اول تو ایسے لوگوں کو ظالمی انفسہم فرمایا کہ یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور فرمایا کہ جب فرشتے ان کی جانیں قبض کرنے لگتے ہیں تو کہتے ہیں کہ تم کہاں تھے۔ دین کے ضروری کام کیوں نہیں بجالاتے تھے۔ وہ جواب دیتے ہیں ہمارا رہنا سہنا ایسی سرزمین میں تھا جہاں ہم مغلوب تھے اس لئے بہت سی ضروریات دین پر عمل نہ کر سکتے تھے۔ فرشتے جواب میں کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع اور کشادہ نہ تھی، تم ترک وطن کر کے دوسری جگہ چلے جاتے وہاں فرائض ادا کرتے۔

ابتدائے اسلام میں مدینہ کے لئے ہجرت کرنا واجب تھا جن لوگوں نے بطور نفاق اسلام قبول کیا وہ لوگ اپنے نفاق کی وجہ سے مستحق عذاب ہوئے اور جن لوگوں نے اسلام قبول سے قبول کیا لیکن قدرت ہوتے ہوئے ہجرت نہ کی تو وہ ترک فرض کی وجہ سے اور اس لئے کہ ان کی وجہ سے دین کے دشمنوں کی مدد ہوتی تھی مستحق عذاب ہوئے۔ ہجرت کوئی سفر تجارت نہیں ہے کہ مال کے ساتھ اور آسانیوں کے ساتھ گھر سے نکل جائیں اور پھر واپس آجائیں یہ تو ایک مشکل چیز ہے دین ایمان کو بچانے کے لئے گھریار زمین و جائیداد چھوڑنا پڑتا ہے وطن کو مستقل طریقے پر خیر باور دیا جاتا ہے۔ پھر دشمن بھی نکلے نہیں دیتے۔ موقع لگ گیا تو آل اولاد کو ساتھ لے لیا ورنہ ان کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ نے ابتدائے اسلام میں جو ہجرتیں کی ہیں ان کے دروناک واقعات کتابوں میں موجود ہیں۔ اولاً چند حضرات حبشہ چلے گئے تھے ان کے بعد مدینہ منورہ کے لئے ہجرت شروع ہوئی پھر حبشہ والے بھی مدینہ منورہ آ گئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے یار غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ آل و اولاد کو چھوڑ کر مدینہ منورہ روانہ ہوئے وہ دنوں کے متعلقین مکہ ہی میں رہے بعد میں وہ حضرات بھی آ گئے لیکن آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو مکہ معظمہ ہی میں اپنے شوہر کے ساتھ رہنا پڑا جب ہجرت کرنے کے ارادہ سے تشریف لانے لگیں تو ایک کافر نے بطن مبارک پر لات مار دی جس سے حمل ساقط ہو گیا۔

حضرت ام سلمہؓ کے پہلے شوہر حضرت ابوسلمہؓ ہجرت کے ارادہ سے حضرت ام سلمہؓ کو اور اپنے بیٹے سلمہ کو اونٹ پر بٹھا کر نکلے مکہ والے آڑے آ گئے حضرت ام سلمہؓ کے گھر والوں نے حضرت ام سلمہؓ کو روک لیا پھر ابوسلمہؓ کے گھر والے آئے اور ان کے بیٹے سلمہؓ کو لے کر چلے گئے اس طرح تینوں میں جدائی ہو گئی۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں صبح سے شام تک روتی رہتی تھی اور اس پر ایک عرصہ گزر گیا بعد میں ایک آدمی نے میرے خاندان والوں سے کہا کہ تم نے اس عورت کو اس کے شوہر اور اس کے بچے سے جدا کر دیا اس مسکینہ کو کیوں جانے کی اجازت نہیں دیتے اس پر انہوں نے مدینہ منورہ جانے کی اجازت دے دی اور ابوسلمہؓ کے خاندان والے بچہ بھی وے گئے وہ فرماتی ہیں کہ میں اس حالت میں نکل کھڑی ہوئی کہ میرے ساتھ کوئی بھی نہ تھا تنہا میں پہنچی تو عثمان بن طلحہؓ مل گئے انہوں نے کہا کہاں جاتی ہو میں نے کہا مدینہ منورہ اپنے شوہر کے پاس جا رہی ہوں، پوچھا تمہارے ساتھ کوئی ہے میں نے کہا اللہ کے اور اس بچے کے سوا کوئی ساتھ نہیں ہے یہ سن کر انہوں نے اونٹ کی مہار پکڑ لی اور مدینہ منورہ پہنچا دیا۔ (ذکرہ الحافظ فی الاساطیر)

اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں جو ہجرت کے مواقع پر حضرات صحابہؓ کے ساتھ پیش آئے ان میں ایک واقعہ حضرت صہیبؓ رومی کا

بھی ہے جو آیت وَمِنْ النَّاسِ مَنْ يُشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ کی تفسیر میں گذر چکا ابتدائے اسلام میں مدینہ منہویہ کی طرف ہجرت کرنا فرض تھا اس کی فرضیت فتح مکہ کے بعد منسوخ ہو گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ لاہجرۃ بعد الفتح لیکن حسب حالات دین و ایمان بچانے کے لئے ہمیشہ ہجرت کی فرضیت شروع ہے۔

اس زمانے میں بھی مختلف علاقوں میں مختلف اوقات میں ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں جن میں ہجرت کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ انقلابات کے مواقع میں ایسا بہت ہوتا ہے کہ کچھ مسلمان کافروں کے علاقے میں رہ جاتے ہیں باوجود موقع پانے کے گھر در مال جائیداد یا رشتہ داریوں کی محبت میں اپنے جائے پیدائش ہی میں جے رہتے ہیں اذان بھی نہیں دے سکتے لیکن حُب دنیا ان کو وطن نہیں چھوڑنے دیتی۔ ایسے لوگ ترک ہجرت سے گنہگار ہوتے ہیں ان پر ہجرت فرض ہوتی ہے۔ جس کے چھوڑنے سے گنہگار ہوتے ہیں اور یہ اس خطاب کے ذیل میں آتے ہیں کہ اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا۔

۳۶۶ھ میں شرقی پنجاب میں اس طرح کے واقعات پیش آ گئے تھے اور اب بھی یورپ اور ایشیا اور افریقہ کے علاقوں میں ایسے حالات پیش آتے رہتے ہیں جہاں سے مسلمانوں کو ہجرت کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ جب کوئی شخص اللہ کے لئے ہجرت کا ارادہ کرے گا تو اس کے لئے اللہ ضرور کوئی صورت پیدا فرما دے گا۔ جیسا کہ آئیت میں وعدہ فرمایا ہے يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مَرْغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً شرط یہ ہے کہ ہجرت اللہ کے لئے ہو۔

یورپ اور امریکہ جا کر بسنے والے اپنے دین و ایمان اور اعمال کی فکر کریں..... آجکل تو لوگ الٹی راہ پر چل رہے ہیں اچھے خاصے دینی ماحول سے نکل کر دنیا کمانے کیلئے یورپ، امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا جا جا کر بس رہے ہیں اور وہاں اپنے دین و ایمان کا خون کر رہے ہیں اور اپنی نساوں کیلئے دین و ایمان سے محرومی کا انتظام کر رہے ہیں۔ وہاں پہنچ کر خود بھی دین میں کمزور ہو جاتے ہیں اور ابلا دیں بے دینی میں اُن سے بھی آگے بڑھ جاتی ہیں۔ اَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْ جَمِيعِ الْبَلَاءِ وَالْمَحْنِ وَسَائِرِ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔

پھر فرمایا اَلَا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ اس میں یہ بتایا کہ جو مرد اور عورتیں اور بچے کافروں میں پھنس جائیں وہاں مغلوب ہوں ہجرت سے عاجز ہوں کوئی تدبیر سامنے نہ دے اور راستہ بھی معلوم نہ ہو کہ کہاں جائیں اور کیا کریں تو ایسے لوگ مواخذے سے مستثنیٰ ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں اور میری والدہ بھی انہیں لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے معذور قرار دیا۔ (صحیح بخاری) ان کے علاوہ اور متعدد صحابہؓ تھے جو مکہ مکرمہ میں پھنسے ہوئے تھے اور وہاں سے نکلنے کی کوئی صورت نہ تھی اور کافروں کے ماحول میں مصیبت میں پڑے ہوئے تھے۔ اُن کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قنوت نازل میں دعا کیا کرتے تھے اُن میں سے عیاش بن ابی ربیعہ اور سلمہ بن ہشام اور ولید بن ولید کے اسماء گرامی روایات میں آتے ہیں۔

آخر میں فرمایا وَلْيَا فَاوِ لَيْلَا عَسَى اللَّهُ اَنْ يُّعْظِمَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا غَفُورًا کہ اللہ جل شانہ ان مستضعفین مغلوبین پھنسے ہوئے لوگوں کو معاف فرما دے گا وہ معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے۔ صاحب روح المعانی ص ۱۲۷ ج ۵ لکھتے ہیں کہ اس میں یہ بتایا ہے کہ ہجرت کا چھوڑ دینا بڑے خطرہ کی چیز ہے یہاں تک کہ مجبور حال جس پر ہجرت فرض نہیں اس کا ہجرت چھوڑ دینا بھی اس درجے میں ہے کہ اس کو گناہ شمار کر لیا جائے کیونکہ معافی گناہ سے متعلق ہوتی ہے۔ ایسے مجبور حال کو بھی چاہیے کہ موقع کی تلاش میں رہے اور اس کا دل ہجرت کے خیال میں لگا رہے۔ جیسے ہی موقع ملے روانہ ہو جائے۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرْعًا كَثِيرًا وَسَعَةً ۖ وَمَنْ

در جو شخص اللہ کی راہ میں وطن چھوڑے وہ زمین میں جانے کی بہت سی جگہ پائے گا اور اسے بہت کٹھاوگی ملے گی اور جو شخص

يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ

اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنے کی نیت سے نکل کھڑا ہو پھر اس کو موت آ پکڑے تو یقینی طور پر اس کا ثواب اللہ

أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

کے ذمہ ثابت ہو گیا اور اللہ بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

فی سبیل اللہ ہجرت کرنے والوں کے لئے وعدے

لباب القول ص ۷۹ میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ حضرت ضمیر بن جندب نے ہجرت کی نیت سے نکلنے کا ارادہ کیا اپنے گھر والوں سے کہا کہ مجھے سواری پر سوار کرو اور مشرکین کی سرزمین سے نکال دو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاؤں جب وہ روانہ ہو گئے تو راستہ میں موت آ گئی آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچ سکے آپ پر وحی کا نزول ہوا اور آیت بالا نازل ہوئی۔

دوسرا واقعہ ابو ضمیرہ زرقی کا نقل کیا ہے وہ مکہ معظمہ میں مشرکین میں پھنسے ہوئے تھے۔ جب آیت کریمہ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً نازل ہوئی تو انہوں نے کہا کہ میں مالدار ہوں میں نکلنے کی تدبیر کر سکتا ہوں لہذا انہوں نے ہجرت کا سامان تیار کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے کے ارادے سے نکل کھڑے ہوئے ان کو مقام تنعیم میں موت آ گئی (جو حرم سے قریب تر جگہ ہے) اس پر آیت بِالْأَوْفَنِ يَخْرُجُ مِنْ كُنُوزِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ نازل ہوئی اور ایک واقعہ خالد بن حرامؓ کا لکھا ہے وہ حبشہ سے (مدینہ منورہ آنے کے لئے) روانہ ہوئے راستے میں ان کو سانپ نے کاٹ لیا جس کی وجہ سے موت ہو گئی اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ صاحب لباب القول نے اسی طرح کا ایک واقعہ اکثم بن صیفی کا بھی نقل کیا ہے۔ کسی آیت کے اسباب نزول متعدد بھی ہو سکتے ہیں۔ لہذا ان میں کوئی تعارض نہیں۔ پھر یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ سبب نزول اگرچہ وہ واقعات ہیں جو اوپر مذکور ہوئے لیکن آیت کا مفہوم عام ہے اس میں واضح طور پر یہ اعلان فرمایا کہ جو کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کے لئے نکل کھڑا ہو اور اس کا مقصد صرف اللہ کی رضا و دین ایمان کو بچانا چاہتا ہو تو اس کا یہ سچی نیت سے نکل کھڑا ہونا ہی باعث اجر و ثواب بن گیا اگرچہ وہاں تک نہ پہنچ سکا جہاں تک اس کو پہنچنا تھا۔ راستے میں موت ہو جانے کی وجہ سے مقصد ظاہری تک تو نہ پہنچ پایا لیکن حقیقی مقصد حاصل ہو گیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا ثواب لکھ دیا گیا اور اس کی ہجرت منظور ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑے مغفرت والے اور بہت بڑے رحیم ہیں اچھی نیت پر بھی ثواب عطا فرمادیتے ہیں اگرچہ عمل ابھی پورا نہ بھی ہوا ہو۔

لفظ ہجرت عربی زبان میں چھوڑ دینے کو کہتے ہیں اور شرعی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کے دین پر عمل کرنے کے لئے اپنا وطن چھوڑ کر کوئی دوسرا وطن اختیار کرنے کو ہجرت کہا جاتا ہے بعض مرتبہ مومن بندے کفر کے ماحول سے جان چھڑانے کے لئے خود سے وطن چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور بعض مرتبہ اہل کفر ان کو وطن سے نکال دیتے ہیں۔ ان دونوں صورتوں پر ہجرت صادق آتی ہے آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے ساتھ بہت سے صحابہؓ نے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تھی اور بھی مختلف علاقوں سے صحابہ کرامؓ

ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے۔ اس کے بعد بھی مختلف اوار اور مختلف ازمان میں ہجرت کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ چونکہ ہجرت میں بہت سخت تکلیف ہوتی ہے آبی ہلن چھوڑنا پڑتا ہے۔ جائیدادوں سے ہاتھ دھوئے پڑتے ہیں۔ اعزہ و اقرباء جدا ہو جاتے ہیں۔

ہجرت کا ثواب اس لئے اس بڑے ثل کا ثواب بھی بہت بڑا ہے۔ سورہ آل عمران کے آخری رکوع میں فرمایا اَلَّذِينَ هَاجَرُوا وَ اٰخَرُ جُؤًا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اُوْذُوا فِيْ سَبِيْلِيْ وَ قَاتَلُوْا وَ قُتِلُوْا لَا كُفْرُ فِيْهِمْ سَبَّحُوْهُمُ سُبْحٰتُہُمْ وَ لَا ذُلٌّ خَلَتْہُمْ جَنَابُ نَجْرٰی مِنْ تَحْتِہَا اَلْاِنْفِصَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ اللّٰہُ عِنْدَہُ حُسْنُ الثَّوَابِ (سبحن اوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور انہیں میری راہ میں تکلیفیں دی گئیں۔ اور انہوں نے قتال کیا اور مقتول ہوئے میں ضروران کی خطاؤں کا کفارہ کروں گا اور ضروران کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یہ انہیں بدلہ ملے گا اللہ کے پاس سے، اور اللہ ہی کے پاس اچھا بدلہ ہے)۔

اور سورہ بقرہ میں فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَ جَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِکَ یَرْجُوْنَ رَحْمَۃَ اللّٰهِ وَ اللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے)۔

اور سورہ توبہ میں فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِہِمْ وَ اَنْفُسِہِمْ اَعْظَمُ دَرَجَۃً عِنْدَ اللّٰهِ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمْ الْمُسَابِقُوْنَ (جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے درجہ والے ہیں اور یہی لوگ کامیاب باہر ادھیں)۔

اور سورہ نحل میں فرمایا اَلَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِيْ اللّٰہِ مِنْ مَّ بَعْدَ مَا ظَلَمُوْا لِنَبِیِّنَہُمْ فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃٌ وَ لَا جُزْاُ الْاٰخِرَۃِ اَکْبَرُ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ (جن لوگوں نے اللہ کیلئے ہجرت کی اس کے بعد کہ ان پر ظلم کیا گیا، ہم ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا ثواب بہت بڑا ہے کاش یہ لوگ سمجھ لیتے)۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ ہجرت اور جہاد دونوں کی شریعت اسلامیہ میں بڑی اہمیت ہے ان دونوں کی برکات بھی بہت ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ کیلئے ہجرت کرے گا اس کو ضرور ہی کسی نہ کسی جگہ ٹھکانہ مل جائے گا اور اس کو مالی کشائش بھی نصیب ہوگی۔ پردیس میں نیا نیا پہنچنے کی وجہ سے ابتداء کوئی تکلیف پہنچ جائے تو یہ اور بات ہے لیکن جلد ہی رحمت اور برکت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ظاہری و باطنی منافع ملنے لگتے ہیں اور معاش میں بھی فراوانی ہو جاتی ہے۔ حضرات صحابہؓ نے مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ کو ہجرت کی تھی چند سال بعد مکہ معظمہ بھی فتح ہو گیا۔ خیر فتح و داہبت سے علاقے قبضے میں آئے بڑی بڑی جائیدادیں ملیں، اموال قیمت ہاتھ آئے۔ پھر آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مصر شام عراق فتح ہوئے جو حضرات مکہ میں مجبور اور بے کس تھے ان کو بڑے بڑے اموال ملے۔

تاریخ اس پر شاہد ہے کہ ہجرت اور جہاد سے کامیابی مل جاتی ہے اور مسلمان نہ صرف یہ کہ ثواب آخرت کے اعتبار سے (جس کے برابر کوئی چیز نہیں ہو سکتی) بلکہ دنیاوی اعتبار سے بھی ہجرت اور جہاد کی وجہ سے عزت اور شرف اور کافروں پر غلبہ اور مالداری اور غلام اور باندیوں کی ملکیت کے اعتبار سے کامیاب اور فائز المرام ہو جاتے ہیں۔

اصل ہجرت یہ ہے کہ گناہ چھوڑ دیئے جائیں ہجرت کس لئے کی جائے، اس لئے کہ اللہ کے دین پر چل سکیں احکام اسلام بجا لانے میں جو دشمن رکاوٹ ڈالتے ہیں وہ رکاوٹ دور ہو جائے اور اہل ایمان میں پہنچ کر سکون و اطمینان کے ساتھ دینی کاموں میں لگ سکیں۔ صرف وطن چھوڑ دینا ہی ہجرت نہیں ہے۔ ہجرت کے لوازم میں سے یہ بھی ہے کہ گناہوں کو چھوڑ دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی

فرمانبرداری اور اطاعت کو شعار بنایا جائے۔ صبح بخاری ص ۶ ج ۱ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المہاجر من ہجر ما نہی اللہ عنہ (حقیقی مہاجر وہ ہے جو ان چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ نے منع فرمایا ہے) ایک اور حدیث میں ہے المہاجر من ہجر الخطایا و الذنوب (واقعی مہاجر وہ ہے جو خطاؤں اور گناہوں کو چھوڑ دے) مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۵۱۔ حضرت عمرو بن عبد اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ای الصبحرة افضل (کون سی ہجرت افضل ہے) آپ نے فرمایا اَنْ تَهْجُرَ مَا نَكَرَ رَبُّكَ کہ تو ان کاموں کو چھوڑ دے جو تیرے رب کو ناگوار ہوں۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ صرف وطن چھوڑ دینے ہی کا نام ہجرت نہیں ہے۔ ہجرت کے اوزم کو بھی اختیار کرنا لازم ہے۔

آجکل لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وطن تو چھوڑ دیتے ہیں لیکن جہاں آ کر آباد ہوتے ہیں وہاں نہ صرف یہ کہ گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں بلکہ سابق وطن میں جو دینی زندگی تھی اس کو چھوڑ کر زیادہ سے زیادہ گناہوں میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ نمازیں بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ شرعی پروہ بھی انہیں ناگوار ہونے لگتا ہے اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے اس کے حقوق ادا نہیں کرتے۔ زکوٰۃیں حساب سے نہیں دیتے۔ باتن یا مغلط طلاق دے کر بھی جاہلی قانون کا سہارا لے کر عورت کو گھر میں رکھے رہتے ہیں اور غنا و فساد اور جنگ و جدال کو اپنا وظیرہ بنا لیتے ہیں۔ کوئی دین کی طرف متوجہ کرے تو اس کے گلے پڑتے ہیں۔ کفریہ کلمات تک بگ جاتے ہیں، ان سب باتوں کے باوجود اپنے کو مہاجر ہی کہتے ہیں۔

جو شخص ہجرت کر کے آئے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس مہاجر کی مدد کریں۔

انصار مدینہ کا بے مثال عمل..... حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جب مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو مدینہ منورہ کے مسلمانوں نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا ہر طرح سے اُن کی مدد کی۔ اسی لئے ان کو انصار (مدد کرنے والے) کا لقب دیا گیا۔ سورہ حشر میں فرمایا وَ الَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُفُوهِمْ حَاجَةً مِمَّا أَوْتَوْا وَيُؤْتُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شَحْنَقْبِهِ فَلَوْلَتْكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔

ترجمہ: اور وہ لوگ جنہوں نے دار الاسلام کو پہلے سے اپنا گھانا بنایا اور ایمان کو مضبوطی سے پکڑا ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جنہوں نے اُن کی طرف ہجرت کی اور جو کچھ اُن کو دیا گیا اس سے اپنے سینوں میں کوئی شک محسوس نہیں کرتے اور اپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود ان کو حاجت ہو اور جو شخص اپنے نفس کے نکل سے بچا دیا گیا سو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں)

انصار مدینہ نے مہاجرین کے ساتھ جو کچھ لینے دینے کا اور نصرت و خدمت کا برتاؤ کیا اس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ آجکل تو مہاجرین ہی مہاجرین ہیں انصار کا وجود نہیں ہے اس کی ایک وجہ تو وہی ہے کہ دینی تقاضوں کے مطابق زندگی گزارنے کا مزاج نہیں رہا مہاجرین کی خدمت کو اپنا کام سمجھنے کی بجائے دارالہجرت کے لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ تو ہماری ذمہ داری ہے اور ہمارے علاقے میں آ کر ہمارے حقوق چھیننے لگی، حضرات انصار کو یہ بھی گوارا نہیں کہ مہاجرین اپنے دست و بازو سے اور تجارت و زراعت سے مال حاصل کر کے کمائیں اور کھائیں، دونوں فریق کو عصبیت کھائے جاتی ہے، ہر شخص اپنی نیت کا جائزہ لے کہ اس نے کیوں ہجرت کی۔ ہجرت اللہ کے لئے ہوتی ہے تو اس کی برکات ہی اور ہوتی ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ مہاجرین صاحبان دین پر قائم نہیں رہتے اعمال صالحہ سے بچتے ہیں بڑھ چڑھ کر گناہوں میں حصہ لیتے ہیں اور دشمنان دین کی شہرہ پر معافی لوگوں کو دینا چاہتے ہیں اور قاتل و قاتل میں حصہ لیتے ہیں، دینی تقاضے کو چھوڑ دیے۔ خالص دنیا دارانہ اور

گنہگار میں لگ گئے۔ اس کے باوجود یہ امید کرتے ہیں کہ انصار ہماری مدد کریں، مدد تو دین داری کی وجہ سے ہوتی ہے۔ دین داری کو پس پشت ڈال دیا۔ دنیا ہی دنیا رہ گئی اس کے لئے مرتے ہیں اُس کے لئے جیتے ہیں، اہل دنیا سے تو اسی طرح صلح ہو سکتی ہے کہ اُن کی ذاتی اشیاء سے گریز کیا جائے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازہد فی الدنیا یحبک اللہ وازہد فیما عند الناس یحبک الناس (رواہ الترمذی و ابن ماجہ) (کہ تو دنیا سے بے رغبت ہو جا تجھ سے اللہ محبت فرمائے گا اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے بے رغبت ہو جا لوگ تجھ سے محبت کریں گے) اُس پر عمل نہ کیا تو وہی ہو گا جو ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا۔ حضرت امام شافعی نے فرمایا

فان تجتنبہا کنت سلمًا لاهلہا وان تجتنبہا نازعتک کلہا

سو اگر تو دنیا سے پرہیز کرے گا تو دنیا والوں سے تیری صلح رہے گی۔ اور اگر تو اس کو اپنی طرف کھینچے گا تو دنیا کے کتے تجھ سے جھگڑا کریں گے۔

بہت سے ملکوں سے مسلمان نکالے گئے جن کو نکالا گیا ہے یہ خود دینی زندگی پر نہیں آتے۔ لامحالہ مقامی لوگ بھی ان سے محبت نہیں کرتے۔ جیسے ہر عمل میں اخلاص یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت شرط ہے اسی طرح ہجرت میں بھی اخلاص ضروری ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اعمال نیتوں کے ساتھ ہیں اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی۔ جو جس شخص کی ہجرت اس کی نیت میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوگی تو ثواب کے اعتبار سے بھی اس کی نیت اللہ اور اس کے رسول کی طرف مانی جائے گی اور جس کی ہجرت کسی دنیا کے حاصل ہونے کے لئے ہو یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے کی ہو تو جزا کے اعتبار سے بھی اس کی نیت اسی کے لئے مانی جائے گی جس کے لئے اس نے ہجرت کی۔

یہ حدیث بہت مشہور ہے اور حدیث کی تقریباً کبھی کتابوں میں ہے۔ ایک آدمی نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا تھا، اس عورت کو ام قیس کہتے تھے جب نکاح کا پیغام آیا تو اس نے اس مرد سے نکاح کرنے کے لئے ہجرت کرنے کی شرط لگائی، وہ ہجرت کر کے آ گیا، عذرات صحابہؓ سے مجاہد ام قیس کہا کرتے تھے۔ کما ذکرہ محشی البخاری ص ۱۲۱، عن الطبرانی فی الکبیر باسناد رجالہ نقات۔

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ

اور جب تم زمین میں سفر کر رہے ہو تو تم پر کوئی عذاب نہیں کہ نماز میں قصر کر لو اگر تم کو اس بات کا خوف

أَنْ يَفْتِنَكُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا ﴿١٠﴾

ہے کہ کافر لوگ تمہیں فتنہ میں ڈال دیں گے، بے شک کافر تمہارے کٹے ہوئے دشمن ہیں۔

سفر میں نماز قصر پڑھنے کا بیان

جہاد اور ہجرت میں چونکہ سفر و پیش ہوتا ہے اس لئے ہجرت کے ساتھ سفر میں نماز قصر کرنے کا حکم بھی بیان فرما دیا، بموجب احکام کتاب و سنت مسلمان ہمیشہ نماز قصر پڑھتے آئے ہیں۔ قصر صرف چار رکعت والی نماز میں ہے یعنی ظہر، عصر اور عشاء کی چار رکعتوں کے بجائے دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں۔ نماز مغرب اور نماز فجر میں قصر نہیں ہے ان کو سفر میں بھی پورا ہی پڑھنا فرض ہے۔ اگر مسافر کسی مقیم امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اسے بھی امام کی اقتداء میں چار رکعت والی نماز پوری پڑھنی فرض ہے۔ مقیم اگر مسافر کے پیچھے اقتداء کر لے تو جب

امام بدو رکعت میں سلام پکیرے تو مقیم مقتدی کھڑے ہو کر اپنی چار رکعت پوری کرنے کے لئے باقی رکعات پڑھے۔

بر سفر میں قصر پڑھنا درست نہیں ہے اگر تین منزل کا سفر ہو تو قصر کرنا درست ہے۔ ایک منزل سولہ میل کی لینے سے مسافت قصر ۲۸ میل ہے اور کلومیٹر کے حساب سے ۸۸ کلومیٹر ہے یہ مسافت قصر ہے، اتنی مسافت کے لئے جب اپنی ہستی کی حدود سے نکل جائے تو نماز سفر شروع کر دو۔ اگر چہ ذرا دور ہی پہنچا ہو اور جب تک کسی ہستی یا شہر میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہ کرے۔ نماز قصر ہی پڑھتا رہے۔ اگر کسی جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کر لی تو وہاں سے چلنے تک بر نماز پوری پڑھے قصر نہ کرے۔

سفر میں سنتیں پڑھنے کا حکم..... سنتوں میں قصر نہیں ہے البتہ اگر جلدی ہو۔ سواری چھوٹ جانے کا ذریعہ تو سنتیں بالکل ہی چھوڑی جاسکتی ہیں۔ اطمینان ہو اور جلدی کا تقاضا نہ ہو تو سنتیں بھی پڑھ لے البتہ وتر ہرگز نہ چھوڑے اور فجر کی سنتیں بھی اہتمام سے پڑھ لے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں دو رکعت نماز ظہر پڑھی اور اس کے بعد دو رکعتیں پڑھیں اور عصر کی دو رکعتیں آپؐ کے ساتھ پڑھیں اور اس کے بعد کوئی نماز نہیں پڑھی اور مغرب کی سفر اور حضر میں تین رکعت نماز پڑھی ان میں سفر اور حضر میں کوئی کمی نہیں کی جاتی تھی اور یہ دن کے وتر میں اور ان کے بعد دو رکعتیں پڑھیں۔ (رواہ الترمذی ص ۱۰۵)

حضرت براہ بن عازبؓ نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اشعارہ دن سفر میں رہا۔ میں نے نہیں دیکھا کہ آپؐ نے سورج ڈھلنے کے بعد دو رکعتیں چھوڑی ہوں۔ معلوم ہوا کہ سفر میں سنتیں پڑھنا بھی مشروع ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں ثم اختلف اهل العلم بعد النبي صلى الله عليه وسلم فرأى بعض اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ان يتطوع الرجل في السفر وبه يقول احمد واسحق ولم ير طائفة من اهل العلم ان يصلي قبلها ولا بعدها ومعنى من لم يتطوع في السفر قبول الرخصة ومن تطوع فله في ذلك فضل كثير وهو قول اكثر اهل العلم بختارون التطوع في السفر۔ (یعنی سفر میں سنتیں پڑھنے کی بابت اہل علم کا اختلاف ہے بعض صحابہ کرامؓ کی رائے یہ ہے کہ آدمی کو دوران سفر فرضوں کے ساتھ ساتھ سنتیں بھی پڑھنی چاہئیں یہی امام احمد اور اسحاق کا بھی مسلک ہے اور اہل علم کی ایک جماعت سفر میں سنتیں پڑھنے کی قائل نہیں نہ فرضوں سے پہلے نہ فرضوں کے بعد۔ مقصد یہ ہے کہ جس نے سفر میں سنتیں نہیں پڑھیں اس نے رخصت پر عمل کیا اور جس نے سنتیں پڑھیں اس کیلئے بہت اجر و ثواب ہے۔ اہل علم کی کثیر تعداد کا یہی مسلک ہے کہ وہ سفر میں سنتیں پڑھنے کو پسند کرتے ہیں)

مسافر اگر پوری چار رکعت پڑھ لے؟..... قرآن مجید کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کافروں کے فتنے میں ڈالنے یعنی تکلیف پہنچانے کا اندیشہ ہو تو نماز قصر کرنے کی اجازت ہے۔ اسی لئے حضرت یعلیٰ بن امیہؓ نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا کہ اَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَفْشَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا (جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ امن و امان ہو تو قصر نہ ہو) اب تو امن و امان ہو گیا (البتہ پوری پڑھنی چاہیئے) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے بھی اس بات سے تعجب ہوا تھا جس سے تمہیں تعجب ہو رہا ہے (کہ اب تو امن و امان ہے) البتہ پوری نماز پڑھا کریں (میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال کیا تھا، آپؐ نے فرمایا کہ یہ اللہ کی طرف سے تم پر صدقہ ہے لہذا اللہ کا صدقہ قبول کرو۔ (رواہ مسلم ص ۲۴۱)

اس سے دو باتیں معلوم ہوتیں اول یہ کہ کافروں کی طرف سے فتنے میں ڈالنے کی شرط جو الفاظ قرآن سے مفہوم ہو رہی ہے یہ شرط ابتداء تھی، بعد میں یہ شرط نہیں رہی اور نماز قصر مستقل ایک حکم بن گئی اور مسافت قصر کے سفر پر ہی قصر کا مدار ہو گیا۔ کسی قسم کا کوئی خوف اور کافروں کی فتنہ گری نہ ہو تب بھی چار رکعت والی نماز قصر ہی پڑھی جائے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے مکہ سے مدینہ کا سفر فرمایا اللہ کے سوا کسی کا ذر نہ تھا۔ آپ دو دور کعتیں ہی پڑھتے رہے۔ (مجمع الزوائد ص ۱۵۶ ج ۲)

حضرت حارث ابن وہب نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں اور یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ لوگ خوب زیادہ امن و امان میں تھے۔ (رواہ مسلم ص ۲۳۳ ج ۱) دوسرے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بصرہ امرار شاد فرمایا فاقبلوا صدقہ کہ اللہ کے صدقے کو قبول کرو اسی لئے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قصر کرنا واجب ہے۔ مسافر پوری نماز پڑھ لے گا تو اچھا نہ کرے گا۔ اور چونکہ اس پر دو رکعتیں فرض ہیں اسی لئے دو رکعتوں پر ہی اس کا قعدہ اخیرہ ہے اگر دوسری رکعت پر بیٹھے بغیر کھڑا ہو گیا اور اس طرح چار رکعتیں پڑھ لیں تو دوبارہ نماز پڑھے کیونکہ ترک فرض ہو گیا اور ترک فرض ہو جائے تو سجدہ سب سے بھی اس کی تلافی نہیں ہوتی۔ اور عبد اللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں رہا ہوں آپ نے دو رکعتوں سے زیادہ (چار رکعت والی فرض) نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی اور حضرت ابو بکر کے ساتھ رہا ہوں انہوں نے سفر میں دو رکعتوں سے زیادہ (فرض) نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو اٹھالیا اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ رہا ہوں انہوں نے بھی سفر میں دو رکعت سے زیادہ (فرض) نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو اٹھالیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (البتہ تمہارے لئے اللہ کے رسول کی ذات شریفہ میں اسوۂ حسنہ یعنی اچھی اقداس ہے) صحیح مسلم ص ۲۳۲ ج ۱

حضرت عثمانؓ اپنے آخری زمانہ خلافت میں چار رکعتیں پڑھنے لگے تھے۔ (صحیح مسلم ص ۲۳۳ ج ۱) اس پر لوگوں کو اشکال ہوا تو جواب میں کہا گیا کہ انہوں نے تاویل کر لی ہے۔ یہ تاویل خود حضرت عثمانؓ سے مروی ہے۔ مجمع الزوائد ص ۱۵۶ ج ۲ میں مسند احمد سے نقل کیا ہے کہ عبدالرحمن بن ابی ذباب نے بتایا کہ حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں چار رکعت نماز پڑھائی تو لوگوں نے اس کو اچھا نہیں جانا حضرت عثمانؓ نے جب لوگوں کی طرف سے انکار دیکھا تو فرمایا کہ میں نے مکہ میں وطن بنالیا ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص کسی شہر میں وطن بنالے تو وہاں مقیم والی نماز پڑھے، حضرت عثمانؓ کا تاویل کرنا اور وطن بنانے کی نیت کر کے چار رکعت پڑھنا اور حاضرین کا پوری نماز پڑھنے پر تعجب کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مسافر کو قصر ہی پڑھنا لازم ہے اگر سفر میں چار رکعت والی نماز پوری پڑھنا جائز ہوتا یا افضل ہوتا۔ تو حاضرین کو حضرت عثمانؓ کے پورے نماز پڑھنے پر تعجب نہ ہوتا (جبکہ یہ حضرات صحابہؓ اور تابعین تھے) اور حضرت عثمانؓ کو بھی تاویل نہ کرنی پڑتی۔

وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَافِيفَةً مِنْهُمْ مَعَكَ وَلِيَاخُذُوا

اور جب آپ ان میں سجدہ ہوں پھر ان کے لئے نماز قائم کریں تو چلتے کہ ان میں سے ایک جماعت آپ کے ساتھ کھڑی ہو جائے اور باقی اپنے ہتھیار

اسلحتہمؓ فإذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَرَائِكُمْ وَلْتَأْتِ طَافِيفَةٌ أُخْرَى لَمْ يُصَلُّوا

لے لیں، پھر جب سجدہ کر چکیں تو یہ تمہارے پیچھے نہ جائیں اور دوسری جماعت آ جائے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی، سو وہ آپ

فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلِيَاخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَالدِّينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ

کے ساتھ نماز پڑھیں، اور اپنے پیچھے کا سامان اور اپنے ہتھیار ساتھ لے لیں، کافروں کی یہ خواہش ہے کہ اگر تم اپنے ہتھیاروں

عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَاحِدَةً ۖ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

تے اور اسباب سے غافل ہو جاؤ تو تم پر ایک بارق حملہ کر نہیں، اور تم پر اس بات کا کوئی گناہ نہیں

إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِنْ مَّطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَنْ تَصْعَوْا أَسْلِحَتَكُمْ ۖ وَخُذُوا

کہ اگر بارش سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو اپنے ہتھیار رکھ دو اور اپنے بچاؤ کا

حِذْرُكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ۝ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَادْكُرُوا

سامان لے لو، بے شک اللہ نے کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار فرمایا ہے۔ سو جب تم نماز ادا کر چکے تو اللہ کو

اللَّهُ قِيَمًا وَفَعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۚ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ

یاد کرو کھربے اور نیسے اور اپنے پیلوں پر ہر جانب مطمئن ہو جاؤ تو نماز قائم کرو، بے شک نماز عظیم

عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا ۝

پرفرض ہے جس پر وقت مقرر ہے۔

صلوۃ الخوف کا طریقہ اور اس کے بعض احکام

اس آیت شریفہ میں صلوۃ الخوف (خوف کی نماز) کا ذکر ہے، لباب القبول ص ۸۱ میں حضرت ابو میاش زرقیؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقام عسفان میں تھے سامنے سے مشرکین آ گئے جو خالد بن ولید کی سرکردگی میں تھے (وہ اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) یہ لوگ ایسی جگہ تھے جو ہمارے اور ہمارے قبلہ کے درمیان تھی، آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز ظہر پڑھائی تو مشرکین کہنے لگے کہ ہم نے غلطی کی جب یہ لوگ نماز پڑھ رہے تھے اُس وقت ان پر حملہ کر دیتے ان کو تو ہمارے حملے کا خیال بھی نہ تھا۔ پھر کہنے لگے کہ ابھی ایک اور نماز آنے والی ہے (یعنی نماز عصر) وہ نماز ان کو اپنے بیٹوں سے اور اپنی جانوں سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ جب یہ لوگ آئندہ نماز میں مشغول ہو جائیں تو ان پر حملہ کر دیا جائے۔ اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام ظہر اور عصر کے درمیان یہ آیت لے کر نازل ہوئے وَإِذَا كُنْتُمْ فِيهِمْ فَأَقِمْهُمْ الصَّلَاةَ (الآیۃ) نماز خوف کی طرح سے ثابت ہے امام ابو داؤد درجتہ اللہ علیہ نے یہ طریقہ نقل کئے آیت بالا میں صلوۃ خوف کا جو طریقہ ذکر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ امام نمازیوں کی دو جماعتیں بنائے اُن میں سے ایک جماعت شیطان کی طرف متوجہ رہے اور دشمن کی نگرانی کرے اور ایک جماعت امام کے پیچھے کھڑی ہو جائے جب امام کے ساتھ کھڑی ہونے والی جماعت پہلی رکعت کے دونوں سجدوں سے فارغ ہو جائے تو یہ لوگ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں اور دشمن کی طرف چلے جائیں اور دوسری جماعت آ جائے جنہوں نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی، ان کے آنے تک امام ان کی انتظار میں بیٹھا رہے۔ اب یہ گروہ ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھ لے۔ امام سلام پھیر دے امام کی دو رکعتیں ہو گئیں اور دونوں جماعتوں کی ایک ایک رکعت ہوئی۔ اب یہ دوسری جماعت سلام پھیرے بغیر دشمن کی طرف چل جائے اور پہلی جماعت آ جائے جس کی ایک رکعت باقی ہے یہ اپنی باقی ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے اور دشمن کی طرف چل جائے پھر دوسری جماعت آ جائے ان کی بھی اب

تک ایک رکعت باقی ہے وہ اپنی باقی ایک رکعت پڑھ لیں۔

یہ جماعت کو ایک ایک رکعت پڑھانا اس صورت میں ہے جبکہ امام اور مقتدی مسافر ہوں اگر امام مقیم ہو تو ہر جماعت کو دو رکعتیں پڑھانے باقی رکعتیں وہ لوگ پوری کر لیں اگر نماز مغرب میں ایسا واقعہ پیش آئے تو پہلی جماعت کو دو رکعتیں اور دوسری جماعت کو ایک رکعت پڑھانے نماز میں آنا جانا چند حالت اضطرار کی وجہ سے ہے اور شرعی اجازت سے ہے اس لئے اس سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ صلوٰۃ الخوف کی مشروءیت سے نہ صرف نماز کی بلکہ نماز باجماعت کی اہمیت معلوم ہو رہی ہے جبکہ دشمن سر پر سوار ہے اس وقت بھی نماز چھوڑنے کا ذکر تو کیا ہوتا باجماعت نماز پڑھنے کا بھی موقع نہیں دیا گیا۔ ہاں اگر دشمن کا ہجوم اس انداز سے ہو جائے کہ ان کے حملے کی حفاظت سے کوئی راستہ ہی نہ ہو۔ اور نماز خوف پڑھنے کی صورت میں بھی حفاظت کی کوئی صورت نہ بن رہی ہو تو پھر علیحدہ علیحدہ نماز پڑھ لیں اور اگر یہ صورت بھی ممکن نہ ہو تو نماز بالکل بھی چھوڑی جاسکتی ہے۔ جس کا ذکر سورۃ البقرہ کی آیت فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے جب دشمن کا ہجوم نہ رہے تو چھوٹی ہوئی سب نمازیں قضا پڑھ لیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احزاب کے موقع پر کیا تھا۔

مسئلہ: اگر وہ امام بنائیں اور یکے بعد دیگرے ہر جماعت الگ الگ امام کے پیچھے نماز پڑھ لے تو یہ زیادہ افضل ہے۔ اگر سب ایک ہی کے پیچھے پڑھنے پر اصرار کریں تو اس کا وہ طریقہ ہے جو اوپر لکھا گیا۔

مسئلہ۔۔۔ اگر جنگ کرنے کی حالت میں نماز پڑھیں گے تو عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جائے گا اس سلسلہ کے بعض مسائل سورہ
 بقرہ کے رُوح (۳۱) میں گزر چکے ہیں آیت فَانْجِفْنِمْ فِرْجَالَا وَرُكْبَانَا کی تفسیر دیکھ لی جائے۔

ولبناخذوا اسلحتھم میں یہ بتایا کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوں تو ہتھیار ساتھ رکھ لیں اگر مقابلہ کی ضرورت پڑ جائے تو ہتھیار لینے میں ہیر نہ لگاؤ۔ چاقو اٹھانے سے نماز ٹوٹ جائے لیکن دشمن کا دفاع کرنے کی وجہ سے نماز توڑنے کا گناہ نہ ہوگا۔

پھر فرمایا: لَا جَنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّنْ مَّطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَّرْضَىٰ أَوْ تَعَفَّوْا أَسْبَلِحْتُمْ وَخَذُوا جِلْدَكُمْ (اگر تم کو بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا بیمار ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں کہ اپنے ہتھیاروں کو رکھ دو اور اپنے بچاؤ کا سامان ساتھ لے لو) مطلب یہ ہے کہ بارش یا بیماری کی مجبوری سے ہتھیار نہیں باندھ سکتے تو اتار کر رکھ سکتے ہیں لیکن دشمنوں سے حفاظت کا وہیان پھر بھی رکھنا ضروری ہے۔ مثلاً ہتھیار باندھ نہیں سکتے تو قریب رکھیں یا دشمن کی نگرانی کے لئے کسی کو مقرر کر دیں پھر نماز پڑھیں، پھر فرمایا: فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَاذْكُرُوا اللَّهَ فَإِنَّمَا وُفِّعُوا وَأَعْلَىٰ جُنُوبِكُمْ کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ کی یاد میں لگ جاؤ کھڑے بھی بیٹھے بھی، اور لیٹے بھی۔ نماز خود ذکر ہے اور ذکر بتی کے لئے مشروع ہوئی ہے جیسا کہ سورہ طہ میں فرمایا: اَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي (کہ نماز کو میری یاد کے لئے قائم کرو) نماز اول سے آخر تک ذکر ہے ذکر قلبی بھی ہے اور ذکر لسانی بھی اور ہر عبادت کی روح ذکر ہی ہے۔ ہر حالت میں ذکر کرتے رہنا چاہئے۔ کھڑے، بیٹھے، لیٹے، چلتے پھرتے ہر حال میں ذکر کریں۔ جب اس دنیا میں کوئی بھی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا تو قیامت آ جائے گی۔ (کنز الدقائق ص ۸۴ ج ۱)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو چند لوگ کسی جگہ بیٹھے انہوں نے اپنی مجلس میں اللہ کا ذکر نہ کیا اور اپنے نبی پروردہ نہ بھیجا تو یہ مجلس ان کے لئے نقصان کا سبب ہوگی۔ پھر اگر اللہ چاہے تو ان کو عذاب دے اور اگر چاہے تو ان کی مغفرت فرما دے اور اگر کوئی شخص کسی جگہ لیٹا اور اس نے لیٹنے میں اللہ کو یاد نہ کیا تو یہ لیٹنا اس کے لئے اللہ کی طرف سے نقصان کا سبب

دو جہاد اور جو شخص کسی جہاد چلا اور اس چلنے میں اس نے اللہ کو یاد نہ کیا تو اللہ کی طرف سے اس کا یہ چھٹا نقصان کا باعث ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو لوگ کسی جگہ بیٹھے جس میں انہوں نے اللہ کو یاد نہ کیا اور اپنے نبی پر درود نہ بھیجا تو قیامت کے دن ان کا یہ بیٹھنا حسرت اور افسوس کا باعث ہوگا۔ اگرچہ ثواب کے لئے جنت میں داخل ہو جائیں۔ (الترغیب والترہیب ص ۳۰۹، ۳۱۰ ج ۲)

جہاد بہت بڑی عبادت ہے اس عبادت کو بھی ذکر سے مہمور رکھنا چاہیے، ہر عبادت میں اللہ کے ذکر سے خوب زیادہ فوریانیت آجاتی ہے۔ یوں نہ سمجھیں کہ جہاد میں تو لگ ہی رہے ہیں ذکر سے غافل ہو گئے کوئی بات نہیں، ذکر ہر حال میں ہر نوعی من کی جان کا ساتھی ہے۔

فی سبیل اللہ نماز روزہ اور ذکر کا ثواب حضرت سہل بن عاص نے اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ فی سبیل اللہ جو مال خرچ کیا جائے نماز روزہ اور ذکر کا ثواب اس پر سات سو گنا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ (الترغیب والترہیب ص ۲۶۷ ج ۲)

پھر فرمایا **فَإِذَا أَطْمَأَنَّتُمْ فَاقِمُْوا الصَّلَاةَ** (پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو نماز کو قائم کرو) تفسیرین نے فرمایا کہ اس کا مطلق وادھا **صِرَافُ** فی الاذنی سے ہے مطلب یہ ہے کہ جب سفر سے واپس ہو کر تقیم ہو جاؤ تو پھر نماز پڑھو، نیز اس کا تعلق نماز خوف سے بھی ہو سکتا ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ جب حالت خوف ختم ہو جائے تو نماز کو خشک طرح سے اس کے قواعد و مقررات کے مطابق پڑھو۔

آخر میں فرمایا **إِنِ الْمُؤْمِنِينَ كُنَّا مُؤَفَّقُونَ** ہے شک نہ ہو زمین پر فائز ہے جس کے اوقات مقرر ہیں۔ سفر میں سفر میں، امن میں خوف میں، مرض میں صحت میں، ہر حال میں تو ہمہ شیعہ کے مطابق نماز کو اس کے اوقات میں پڑھو۔ چونکہ نماز کے اوقات مقرر ہیں اس لئے کسی نماز کو وقت سے پہلے پڑھنا جائز نہیں اور ایک نماز کو دوسری نماز کے وقت پڑھنے کے لئے دو نماز کو ناجائز نہیں، قصد اور ارادہ نماز کو قضا کر دینا سخت گنہگار ہے۔ اور سوتا رہ جائے یا بھول جائے یا ایسی کوئی مجبوری ہو جائے جس میں دشمن کا ہر طرف سے هجوم ہو اور نماز پڑھنے کا موقع نہ ہو تو بعد میں قضا پڑے۔ سفر میں جمع صبر کی کی جاسکتی ہے، متن صبر کی کے طریقے پھر نماز ظہر و عصر اور مغرب و مشاء، اور ان کی جاسکتی ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ نہ ظہر و عصر اور نماز عصر اول وقت میں اس طرح نماز مغرب و خیر وقت میں اور نماز مشاء اول وقت میں پڑھے۔ دیکھئے میں تو جمع کر کے پڑھیں اور حقیقت میں اپنے وقت میں پڑھیں۔ آیت بالا میں چونکہ نماز کے بارے میں کتبنا **مَوْفُقُونَ** فرمایا ہے یعنی اس کے اوقات زمین اور محمد و پیغمبر دہائے ہیں۔ ان لئے حضرت امام ابوحنیفہ کے نوویک سفر میں بھی جمع حقیقی نہیں ہے۔ یعنی یہ کہ دو نمازیں ایک ہی نماز کے وقت میں پڑھی جائیں، یہ جائز نہیں ہے۔

مسئلہ..... اگر کوئی شخص قصد نماز ترک کر دے تو بعد اس کی قضا پڑھے اور بہت زیادہ توبہ و استغفار کرے۔

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۚ إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۚ وَتَرْجُونَ

اور دشمنوں کا پیچھا کرنے میں سستی نہ کرو۔ اگر تم کو تھکائی ہوئی ہے تو ان کو بھی تھکائی ہوئی ہے جیسا کہ تمہیں تھکائی ہوئی ہے۔ اور تم اللہ سے

مِّنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

اور اللہ سے تمہیں کیا توقع ہے۔ اور اللہ اللہ سے تمہیں کیا توقع ہے۔

دشمنوں کا پیچھا کرنے میں سستی نہ دکھاؤ

جب دشمنوں کا پیچھا نہ کیا جائے تو دوشیز ہو جاتے ہیں اور اہل ایمان کو ضعیف اور کمزور سمجھتے جاتے ہیں اور تمہارے کرنے کے ارادے کرتے

رہتے ہیں اس آیت میں اہل ایمان کو حکم دیا گیا کہ دشمنوں کا پیچھا کرنے میں ہمت نہ بارہ، کمزور نہ ہو جاؤ، سستی کا مظاہرہ نہ کرو۔ پھر چونکہ دشمنوں کا پیچھا کرنے سے قتال کے مواقع بھی آ جاتے ہیں اور اس میں قتل بھی ہوتے ہیں زخم بھی آتے ہیں اور بھی تکلیفیں پہنچ جاتی ہیں۔ اس لئے ان تکلیفوں کا احساس کم کرنے کے لئے اور طبعی طور پر جو کچھ محسوس ہو اس کا ازالہ کرنے کے لئے۔

اگر تم دکھ پاتے ہو تو دشمن بھی تو تکلیف اٹھاتے ہیں..... ارشاد فرمایا اگر تم دکھ پاتے ہو اور بے آرام ہوتے ہو تو یہ بات کوئی تمہارے ہی ساتھ خاص نہیں تمہارے دشمن بھی تو دکھ میں مبتلا ہوتے ہیں تکلیفیں سب سے ہیں مقتول اور مجروح ہوتے ہیں، تم دیکھ لو انہیں کیا ملتا ہے اور تمہیں کیا ملتا ہے؟ تم تو اللہ سے آخرت کے ثواب کی امید رکھتے ہو بڑے بڑے درجات کی امید میں تکلیف اٹھاتے ہو جنت کے آرزو مند ہوتی بڑی نعمتوں کے سامنے یہ ذرا سی تکلیف کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتی اور کافر جو دکھ اٹھاتے ہیں اور تکلیف سب سے ہیں ان میں بہت سے تو موت کے بعد جزا سزا کے قائل ہی نہیں اور جو لوگ موت کے بعد حشر و نشر کے قائل ہیں وہ بھی قتل، قتال کی تکلیفوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے موت کے بعد کسی خیر کے آرزو مند نہیں ہیں وہ تو اپنے باطل و بیوقوفی کے لئے لڑتے ہیں اور آخرت میں ثواب لینے کا کہیں سے کہیں تک بھی انہیں تصور نہیں۔ جب وہ جنگ کرتے ہیں اور جان و مال خرچ کرتے ہیں (حالانکہ وہ باطل پر ہیں اور موت کے بعد انہیں امید بھی خیر کی نہیں) تو تمہیں تو ان سے زیادہ بڑھ چڑھ کر خوب غم کھنکھنا کرنا چاہئے۔ جنگ میں تو تکلیف ہی ہے لیکن تم جنت کی آرزو لئے ہوئے ہو اور کافر کے سامنے اس کے دین باطل کے سوا کچھ بھی نہیں۔ لہذا تمہارے لئے کمزوری کا کوئی پہا نہیں ہمیشہ ہمت سے رہو اور شجاعت دلیری اور بہادری سے کام لو۔ جسے تو غازی مرے تو شہید تمہیں تو کوئی نقصان ہی نہیں۔

پھر فرمایا وَتَمَایَا وَتَمَایَا اللَّهُ غَلَبْنَا خَبِیْثًا کہ اللہ تعالیٰ شانہ کو سب کچھ علم ہے تمہاری مصلحتوں کو بھی جانتا ہے تمہارے اعمال سے بھی باخبر ہے۔ حکمت والا ابھی ہے اسکا امر اور نواہی حکمت کے مطابق ہیں۔ ان کے مطابق عمل کرو گے تو کامیابی ہی کامیابی ہے۔ قال صاحب الروح ص ۱۳۸ ج ۵ فاجتذوا فی الامتثال فان فیہ عواقب حمیدہ و فوزاً بالمطلوب۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں احکام الہی کی فرمانبرداری میں کوشش کرو کیونکہ اس کے نتائج بہت عمدہ ہیں اور اسی میں مقصد کی کامیابی ہے)

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ۖ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِبِينَ

بیشبہہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب انوار فی ہما کہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ دیں جو اللہ نے آپ کو سکھایا اور نہ ہو جائے خیانت کرنے

خَصِيْمًا ۚ وَاسْتَغْفِرِ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيْمًا ۝ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَلُونَ

دلوں کے طرف دار۔ اور اللہ سے استغفار کیجئے، بے شک اللہ بخشنے والا ہے مہربان ہے۔ اور آپ ان لوگوں کی طرف سے جواب دہی نہ کیجئے جو اپنی جانوں

أَنْفُسُهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا أَثِيْمًا ۚ يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ

کی خیانت کر رہے ہیں بے شک اللہ پسند نہیں فرماتا اس شخص کو جو خیانت کرنے والا گنہگار ہو۔ جو شرماتے ہیں

مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّنُ مَا لَا يَرْضَى مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ۝

لوگوں سے اور اللہ سے نہیں شرماتے حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہے جبکہ وہ باتوں کو اس بات کا مشورہ کرتے ہیں جس سے اللہ راضی نہیں ہے،

هَاتَمْتُمْ هَؤُلَاءِ جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُجَادِلُ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ

اور اللہ ان کے سب کاموں کو جاننے والا ہے۔ خیر و اترقہ لوگ جو جھگڑتے ہیں ان کی طرف سے دنیا والی زندگی میں سوکون بھگتے ہیں کہ ان کی طرف سے قیامت کے

اَمَ مَنْ يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ وَمَنْ يَكْسِبْ اِثْمًا فَاثْمًا يَكْسِبْهُ عَلٰى نَفْسِهِ ۝ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا

یا کون یا کون ہو گا ان کا کارساز۔ اور جو شخص کوئی گناہ کرنے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے مغفرت چاہے تو اللہ کو

غَفُورًا رَحِيمًا ۝ وَمَنْ يَكْسِبْ اِثْمًا فَاثْمًا يَكْسِبْهُ عَلٰى نَفْسِهِ ۝ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا

پائے گا بخشنے والا مہربان۔ اور جو شخص کوئی گناہ کرے تو یہ گناہ کرنا ہی پر پڑے گا۔ اور اللہ علیم ہے

حَكِيمًا ۝ وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيًّا فَتَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَاِثْمًا مُّبِينًا ۝

حکیم ہے اور جو کوئی شخص چھوٹا گناہ کرے یا بڑا گناہ کرے پھر کسی بری آدمی کو اس کی تہمت لگا دے تو اس نے بڑا بہتان اور صریح گناہ اپنے اوپر لاد لیا۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُضْلُوْكَ ۝ وَمَا يُضِلُّوْنَ

اور اگر آپ پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ نے یہ ارادہ کرتی لیا تھا کہ آپ کو ہکا بکا کر دینا اور وہ نہیں ہرکتے مگر

اِلَّا اَنْفُسُهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ۝ وَاَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ

اپنی ہی جانوں کو، اور آپ کو کچھ بھی ضرر نہ پہنچائیں گے اور اللہ نے نازل فرمائی ہے آپ پر کتاب اور حکمت، اور آپ کو وہ باتیں بتائیں

مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۝ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ۝ لَّا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ تَّجْوِهٍمُ اِلَّا مَنْ

جس کو آپ نہیں جانتے تھے، اور آپ پر اللہ کا فضل بہت بڑا ہے۔ نہیں ہے کوئی بھلائی ان کے بہت سے مشوروں میں مگر

اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۝ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ

جو شخص صدقہ کا یا اچھی باتوں کا یا لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے کا حکم دے اور جو شخص یہ کام اللہ کی رضا جوئی

اللّٰهِ فَسَوْفَ نُوْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى

کے لئے کرے گا سو ہم اس کو بڑا ثواب دیں گے اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ اس کے لئے ہدایت ظاہر ہو چکی

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلٰى وَنُضِلْهُ جَهَنَّمَ ۝ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا ۝ اِنَّ اللَّهَ

اور مسلمانوں کے راستے کے خلاف کسی کو نہ دے راستے کا اتنا عرصہ تو ہم اس کو دے گا کہ کرنے والے کے بعد کہ اس کے لئے ہدایت ظاہر ہو چکی

لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَآءُ ۝ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ

اللہ اس بات کو نہ بخشنے والا کہ اس کے ساتھ شریک کیا جائے اور اس کے علاوہ جتنے گناہ ہیں جس کیلئے اسے منظور ہوگا بخش دے گا، اور جو شخص اللہ کیساتھ شریک کرے تو وہ دور کی

ضَلَّالًا بَعِيدًا

[illegible]

ایک منافع کا چوری کرنا اور اس کی طرف سے دفاع کرنے پر چند تنبیہات

آیت بالا کا سبب قبول ایک واقعہ ہے جسے امام مرتضیٰ نے اپنی کتاب میں حضرت قتادہ بن نعمان سے نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے قبیلے میں تین آدمی تھے۔ شہزادہ، شیر اور مہر۔ ان کو کئی انہرق کہا جاتا تھا۔ ان میں بشیر منافق آدمی تھا وہ ایسے شعر کہتا تھا جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ججہ بوق تھی پھر ان اشعار کو بعض اہل عرب کی طرف منسوب کرویتا تھا اور کہتا رہتا تھا کہ فلاں نے یوں کہا فلاں نے یوں کہا آخر حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بہ (جب ان اشعار کو سنتے تھے تو سمجھ لیتے تھے کہ یہ اسی کی حرکت ہے اور) کہتے تھے کہ الہی قسم یہ شعر تو اسی غیث نے کہے ہیں اور کہتے تھے کہ یہ ابن ادایہرق کے اشعار ہیں، یہ تینوں آدمی حاجت مند تھے ان کو فاقے رتبے تھے جاہلیت میں بھی ان کا یہ حال تھا اور زمانہ اسلام میں بھی ان کی یہ حالت تھی۔ اہل مدینہ کا گذار اس وقت کچھجوروں اور جوہر پر تھا۔ جب ملک شام سے مال برآمد کرنے والے باہر آتے تو مید و فروخت کرنے کے لئے لاتے تھے یہ مید وایت لوگ خاص راہپئے لئے شہریدیتے تھے جو میسے والے ہوتے تھے جبکہ ان کے اہل و عیال تجوروں اور جوہری گذارہ کرتے تھے۔

حضرت قتادہ بن نعمان نے مزید بیان فرمایا کہ شام سے پہنچتا تو آج رات سے میرے چچا رفاعہ بن زید نے میدہ وغیرہ لیا اور اُسے اوپر کی منزل کے ایک کمرہ میں رکھ دیا اس کمرہ میں ہتھیار بھی تھے زرد تھی اور تلووار بھی، نیچے سے کسی نے اس کمرے میں نقاب ڈال کر کھانے کی چیز (یعنی میدہ) اور ہتھیار چرا لائے۔ جب صبح ہوئی تو میرے چچا رفاعہ میرے پاس آئے اور فرمایا کہ اب میرے بھائی کے بیٹے اس رات میں ہمارے اوپر زیادتی کی گئی ہے کمرہ میں نقب لگایا گیا ہے اور ہمارا کھانے کا سامان اور ہتھیار کوئی شخص لے گیا۔ اس پر ہم نے تجسس کیا اور پتہ چلانے کی کوشش کی (محلے میں) پوچھ گچھ کی تو ہمیں لوگوں نے بتایا کہ بنی امیرق نے اس رات میں آگ جلائی ہے (یعنی کھانے پکائے ہیں) اور ہمارا اندازہ یہی ہے کہ انہوں نے آپ بنی لوگوں کا مال چرا کر کھانے پکانے میں رات گزاری ہے۔ جب ہم پوچھ گچھ کر رہے تھے اس وقت بنو امیرق بھی موجود تھے وہ یہ کہتے جا رہے تھے کہ اللہ کی قسم آپ لوگوں کا یہ مال لبید بن سہل نے چرایا ہے۔ لبید بن سہل نیک آدمی تھے۔ سچے مسلمان تھے جب انہوں نے یہ بات سنی تو اپنی تلوار نکالی اور کہنے لگے کیا میں چراؤں گا؟ اللہ کی قسم یا تو یہ چوری پوری طرح ظاہر ہو جائے گی، ورنہ میں اس تلوار سے تمہاری خیر لے لوں گا۔ میرے خاندان والوں نے کہا کہ آپ اس فکر میں نہ پڑیں۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ یہ کام کرنے والے نہیں ہیں ہم برابر پوچھ گچھ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اس بات میں کوئی شک نہ رہا کہ اس کام کے کرنے والے بنو امیرق ہی ہیں میرے چچا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پورا واقعہ بیان کر دو چنانچہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا میں نے عرض کیا کہ ہمارے قبیلے میں ایک خاندان ہے جن سے دوسروں کے تعلقات اچھے نہیں ہے انہوں نے میرے چچا رفاعہ کے گھر میں نقب لگا کر ہتھیار اور کھانے کا سامان چرا لیا ہے ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے ہتھیار واپس کر دیں۔ اب رہا کھانے کا سامان ہمیں اس کی کچھ حاجت نہیں یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس بارے میں مشورہ کروں گا جب بنو امیرق کو اس کا پتہ چلا تو انہوں نے امیر بن عروہ نامی ایک شخص سے بات کی اور کچھ لوگ جمع ہو کر آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! قتادہ بن نعمان اور اس کے چچا نے ہمارے قبیلے کے ایک خاندان کو جو مسلمان ہیں

اور نیک لوگ ہیں بغیر کسی گواہ اور ثبوت کے چوری کی تہمت لگائی ہے، حضرت قتادہؓ نے فرمایا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ سے بات کی تو آپ نے فرمایا کہ ایک خاندان جس کے بارے میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور نیک لوگ ہیں تم بغیر کسی دلیل اور گواہوں کے ان کو چوری کی تہمت لگا رہے ہو۔ میں داپس دو اور مجھے یہ تمنا ہوئی کہ میرا کچھ مال جاتا رہتا اور اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں بات نہ کرتا تو اچھا ہوتا میرے چار فاع میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ تم نے کیا کیا؟ میں نے ان کو وہ بات بتادی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی اس پر چچانے کہا اللہ المستعان کہ اللہ ہی سے مدد طلب کرتا ہوں اس کے بعد تھوڑا سا وقت ہی گزر ا تھا کہ قرآن مجید میں آیات بالا نازل ہوئیں۔ ان آیات میں خائفین سے ہوا یہ فرق مراد ہیں۔ ارشاد: **وَأُولَٰئِكَ نَكُنْ بِلُخَاتَنِیْنِ حَٰصِمِیْنَا** (یعنی آپ خیانت کرنے والوں کے طرفدار نہ بننے) نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا **وَالسُّغْفَرُ** اللہ (کہ قتادہ سے جو آپ نے بات کہی اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے استغفار کیجئے)۔

جب قرآن مجید کی آیات بالا نازل ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہتھیار حاضر کر دیئے گئے، آپ نے ہتھیار ر فاع کو واپس فرمادیئے اس کے بعد بشیر مشرکین کے ساتھ جا کر مل گیا اور سلافہ بنت سعد کے پاس جا کر ٹھہر گیا۔ اس پر آیت شریفہ **وَمَنْ یُّسَاقِقِ الرَّسُولَ (الِی قَوْلِهِ) فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا** نازل ہوئی۔ جب بشیر سلافہ کے پاس جا کر تعظیم ہو گیا تو حسان بن ثابت نے کچھ شعر کہے۔ جن میں سلافہ و تہم یا سلافہ نے بشیر کی ادبئی کا بڑا ٹھٹھا کر اپنے گھر سے باہر سنگ ریزہوں والی زمین پر جا کر پھینک دیا اور کہنے لگی: میرے بارے میں حسان کے اشعار کا ذکر یہ ہیں یہ مجھے سمجھتے کسی خیرین امید نہیں۔

مفسرین حدیث کی ترویید: اللہ تعالیٰ شانہ نے اولا تو اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ پر کتاب اتاری تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اپنی اس سمجھ کے ذریعہ فیض فرمائیں۔ اللہ نے آپ کو عطا فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن نازل فرمایا اور قرآن کے معانی اور مفاہیم بھی آپ کو بتائے ہیں۔ وہ درحاضر میں ایک ایسا فرقہ پیدا ہوا جو یہ کہتا ہے کہ العیاذ باللہ نبی کی حیثیت ایک ذائقہ کی ہے۔ اُس نے قرآن الکریم دیا اُسے ہم اپنی سمجھ سے سمجھ لیں گے۔ یہ ان لوگوں کی جہالت ہے آیت بالا سے ان لوگوں کی کھلی ترویید: درجی ہے۔ درجی میں فرمایا **وَاَنْزَلْنَا الْكِتَابَ الَّذِیْ فِیْہِ اٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَذَنُّوْنَ** (اور ہم نے آپ کی طرف ذکر نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لئے بیان کریں جو ان کی طرف اتارا گیا اور تاکہ وہ فکر کریں) معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام صرف کتاب کا پہنچانا ہی نہ تھا بلکہ کتاب کا سمجھانا اور اس کے معانی اور مفاہیم کا بیان کرنا بھی منصب نبوت میں شامل تھا۔

خیانت کرنے والوں کی طرفداری کی ممانعت..... اس کے بعد ارشاد فرمایا **وَلَا تَكُنْ بِلُخَاتَنِیْنِ حَٰصِمِیْنَا** کہ آپ خیانت کرنے والوں کے طرفدار نہ بنیں۔ اور اللہ سے استغفار کریں۔ چونکہ آپ نے حضرت قتادہؓ جیسے خاص صحابی کی بات پر زیادہ توجہ دینے کے بجائے یہ فرمایا کہ میں مشورہ کر رہا ہوں گا جس سے اصلی چوروں کو اپنی بات کو آگے چلانے کا اور اپنے آپ کو بری کرنے کا کچھ موقع مل گیا اور اس طرح سے فیہ شعوری طور پر ان کی کچھ نہایت سی ہو گئی جس کا ارادہ نہ تھا اور جو صورت حال سامنے آئی تھی اس میں جہاں یہ پہلو تھا کہ بغیر گواہ اور دلیل کے کسی پر یقین نہ کیا جائے وہاں یہ پہلو بھی سامنے آنا مناسب تھا کہ جو خاندان مسلمانوں سے مل جل کر نہیں رہتا تھا اور ان میں ایک فرد بدترین منافق بھی تھا۔ اس وجہ سے تحقیقی حال میں جلدی کی جاتی اور حضرت قتادہؓ کو تسلی بخش جواب دیا جاتا اس لئے آپ کو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ آپ خیانت کرنے والوں کے طرفدار نہ بنیں اور استغفار کا بھی حکم فرمایا۔ بدوں کی بڑی باتیں ہوتی ہیں پھر مزید تاکید فرمائی

کہ جو لوگ اپنے نفسوں کی خیانت کرتے ہیں آپ ان کی طرف سے جواب دہی نہ کیجئے، ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ دوسروں کا مال چرا کر تو خیانت کی ہی ہے اپنے نفسوں کی بھی خیانت کر رہے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے مال چرا کر اپنے کھانے پینے کا کام چلا کر بڑی ہوشیاری کا کام کیا اور اپنے خیال میں اس سے زیادہ ہوشیاری یہ کہ اپنا کیا ہوا عمل دوسرے کے سر ڈال دیا اس میں خود اپنے نفسوں کی خیانت ہے کیونکہ اس کا وبال آخرت میں خود ان پر پڑے گا۔ اور جب دنیا میں حقیقت ظاہر ہوگئی تو یہاں بھی ذلیل ہوئے۔ ان خیانت کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگوں سے چھپتے ہیں تاکہ ان کے سامنے شرمندہ نہ ہوں اور اللہ سے تو چھپ ہی نہیں سکتے۔ لوگوں سے شرماتے ہیں اللہ سے نہیں شرماتے حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہے جبکہ وہ راتوں کو بیٹھ کر ایسی باتیں کرتے ہیں جن سے وہ راضی نہیں ہے۔

پھر فرمایا کہ تم دنیا والی زندگی میں ان کی طرف سے جواب دہی کرتے ہو یہاں کی جواب دہی کرنے سے اگر کوئی شخص اپنے کالے کرکوت سے بری ہو بھی جائے تو قیامت میں جب ہواخذہ ہوگا اس وقت کون اللہ کے سامنے پیشی کے وقت ان کی طرف سے جواب دہی کرے گا۔ اور وہاں ان کا کون وکیل ہوگا۔ وہاں نہ کوئی حمایتی ہوگا نہ وکیل ہوگا۔ اپنا کیا ہر ایک کو خود جھگھٹا ہوگا۔ اس میں ان لوگوں کو تنبیہ ہے جو مال چرا کر یا خیانت کر کے یا ڈاکہ ڈال کر یا فائدوں میں رو بہ دل کر کے یا کسی صاحب اقتدار سے مل جل کر اپنا کیس دبا دیتے ہیں اور دوسروں کا مال کھا جاتے ہیں یہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ دنیا میں ہم نے کائنات ٹھیک کر کے یا کسی صاحب اقتدار کی پیغام لے کر اپنی جان کو دنیا میں بچا لیا تو آخرت میں بچ گئے۔ آخرت کا حساب ہر گھڑی سامنے رکھنا لازم ہے وہاں کوئی مددگار اور وکیل نہ ہوگا۔

پھر فرمایا مَنْ يَغْمِلْ سَوْءًا يَنْظِلْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهُ يَجِدِ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا (جو شخص کوئی گناہ کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے مغفرت چاہے تو اللہ تعالیٰ کو غفور رحیم پائے گا) جو بھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو بہ استغفار کرے اور اسی توبہ میں یہ بھی شامل ہے کہ جس کسی کا کوئی مال لیا ہے وہ واپس کرے وہ چرانے والا شخص جو چوری ظاہر ہونے کے بعد مدینہ منورہ سے فرار ہو گیا اور دین اسلام کو بھی چھوڑ دیا اسے اور اس طرح کے تمام لوگوں کو تنبیہ ہے کہ گناہ ہو جانے پر اللہ سے دور نہ ہوتے چل جائیں بلکہ قریب آئیں اور توبہ استغفار میں مشغول ہوں۔

پھر فرمایا وَمَنْ يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ عَلَى نَفْسِهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا (اور جو شخص کوئی گناہ کر لے تو اپنی ذات ہی کے لئے گناہ کرتا ہے اپنے کئے کی مزا بھیگتے گا، اور اللہ علم والا ہے جسے سب کچھ پتہ ہے اور حکمت والا ہے۔ حکمت کے مطابق مزا دے گا)۔ اپنا جرم کسی دوسرے پر ڈالنے کی مذمت اور اس پر وعید..... پھر فرمایا وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرَاهُ يَتَّخِذْهَا خُصْمًا (کہ جس شخص نے کوئی چھوٹا یا بڑا گناہ کیا پھر اس کو کسی دوسرے پر پھینک مارا جو اس سے بری ہے تو اس نے بہت بڑا بہتان اور صریح گناہ اپنے اوپر لا دیا) چونکہ اس میں دوہرا گناہ ہے ایک تو وہ گناہ جس کا ارتکاب کیا اور اوپر سے دوسرا گناہ یہ کہ کسی ایسے شخص پر ہال دیا جو اس سے بری ہے۔ اس کو صریح گناہ بتایا جو ظاہر ہے اور بڑا بہتان اس لئے فرمایا کہ اس نے جانتے بوجھتے ہوئے خود گھڑا ہے کسی غلط فہمی کی بنیاد پر یا کسی دوسرے سے سن کر نہیں کہا البتہ ایہ بہتان عظیم ہے اس کی سزا ظاہر ہے خوب زیادہ ہوگی جو لوگ ایسی حرکتیں کرتے رہتے ہیں وہ غور و فکر کریں۔

پھر فرمایا وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت آپ کے ساتھ نہ ہوتی جس نے بذراہمہمہ آپ کو حقیقت حال سے باخبر فرمادیا تو کچھ لوگ یہ ارادہ کر ہی چکے تھے کہ آپ کو غلطی میں مبتلا کر دیں۔ ان لوگوں نے جو کچھ کیا اس کے ذریعہ خود ہی راجح سے بٹے، یہ لوگ آپ

کا کچھ نہیں رکاڑ سکتے، اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی اور آپ کو وہ چیزیں بتائیں جنہیں آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔

فائدہ..... یہ جو فرمایا لَتُخَيِّمَنَّ النَّاسَ بِمَا أَرَادَ اللّٰهُ اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض مرتبہ اپنے اجتہاد سے فیصلہ فرماتے تھے یہ فیصلے اسی فہم پڑتی تھے جو آپ اصولی طور پر قرآن مجید سے سمجھتے تھے۔ ان میں غلطی کا امکان نہ تھا اور اگر کبھی کوئی لغزش ہوئی جو آپ کے بلند مرتبہ کے شایان شان نہ تھی تو اللہ تعالیٰ اس پر متنبہ فرمادیتے تھے۔

آپ کے علاوہ دیگر قضا اور آئمہ جو اپنے اجتہاد سے فیصلہ کریں یا امور غیر منصوصہ میں کوئی اجتہاد کریں تو ان کو بھی لازم ہے کہ قرآن و حدیث کے اصول و فروع کو سامنے رکھ کر اجتہاد کریں خالص اپنی ذاتی رائے اور ذاتی خیال معتبر نہیں۔ پھر ان کے اجتہاد پر غلطیوں کا بھی امکان ہے۔ اسی لئے آپس میں مجتہدین کا اختلاف ہوا۔ باوجود غلطیاں ہو جانے کے ثواب پھر بھی ملتا ہے کیونکہ اجتہاد کا کام یہ حضرات دینی ضرورت سے اللہ کی رضا کے لئے کرتے ہیں، امور غیر منصوصہ میں اجتہاد جائز نہیں۔ خوب سمجھ لیں۔

کون سے مشوروں میں خیر ہے؟..... پھر فرمایا لَا خَيْرَ فِيْ تَكْبِيْرٍ مِّنْ تَّجْوِیْعٍ یعنی جو لوگ آپس میں مشورے کرتے ہیں ان کے بہت سے مشوروں میں کوئی خیر نہیں کیونکہ یہ مشورے اللہ کی رضا کے خلاف بھی ہوتے ہیں اور ان مشوروں میں احکام اسلامیہ کے خلاف بھی باتیں سوچی جاتی ہیں۔ ہاں ان مشوروں میں اگر کوئی ایسی بات ہو کہ ایک دوسرے کو آپس میں صدقہ دینے کے لئے کہا جائے یا کسی نیک کام کے کرنے کا حکم ہو یا لوگوں کے درمیان صلح کروانے کی بات ہو تو یہ مشورے خیر کے مشورے ہوں گے۔ اللہ کی رضا کے لئے جو شخص یہ کام کرے گا اسے اللہ تعالیٰ بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا۔ اس کا تعلق اِذْ يَبْسُوْنَ صَالًا يَنْزِلُ حُضًى مِّنَ الْقَوْلِ سے ہے۔ جن لوگوں نے چوری کی تھی۔ وہ رات کو ایسے مشورے کرتے رہے کہ ہم چوری کے الزام سے کیسے بچیں اور اس چوری کو کس کے سر دھریں، سبب نزول تو ان چوری کرنے والوں کا مکمل ہے۔ لیکن قرآن مجید میں ایک عام طریقے پر مشورہ کا حکم بیان فرما دیا کہ لوگوں کے مشوروں میں عام طور سے خیر نہیں ہوتی۔ جو لوگ اللہ کی رضا کے لئے کوئی مشورہ کرتے ہیں اور خیر کے کام کے لئے فکر کرتے ہیں اور اس فکر کے لئے سر جوڑ کر بیٹھتے ہیں یہ لوگ بڑے اجر کے مستحق ہیں۔ سورہ مجادلہ میں فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَسَّاجِنْتُمْ فَلَا تَتَسَاجَرُوْا بِالْاٰلِئِمِ وَالْعٰذُوْنَ وَ مَغْضُوْبِ الرُّسُوْلِ وَ تَنَاجَوْا بِالْبَیْرِ وَ النَّقُوْبِ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ (کہ اے ایمان والو! جب تم آپس میں خفیہ طریقے پر مشورے کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسولؐ کی نافرمانی کے مشورے نہ کرو۔ اور بھلائی کے، تقویٰ کے مشورے کرو اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف تم سب جمع کئے جاؤ گے) مؤمن کی انفرادی اور اجتماعی زندگی سب اللہ کی رضا کے لئے ہونی چاہیئے، ہر عمل میں تقویٰ اور آخرت کی پیشی سامنے رہے۔

صلح کروانے کی فضیلت..... آیت میں فرمایا کہ صدقہ کا حکم اور امر بالمعروف (بھلائی کا حکم دینا) اور لوگوں کے درمیان صلح کروانا ان کاموں کا مشورہ ہونا چاہیے اصلاح میں الناس یعنی لوگوں کے درمیان صلح کروانا ان کی رنجشیں دور کروانا اور ان کے دلوں کو جوڑنے کی کوشش کرنا، روٹھے ہوئے دوستوں کو منادینا، میاں بیوی کے درمیان موافقت پیدا کروانا بہت بڑی ثواب کی چیزیں ہیں، حضرت ابودرداءؓ نے بیان فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا میں تم کو نفل روزوں اور صدقہ دینے اور نفل نماز پڑھنے کے درجے سے بھی افضل چیز نہ بتاؤں۔ ہم نے عرض کیا ضرور ارشاد فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ چیز آپس میں صلح کروانا ہے، (پھر فرمایا کہ) آپس کا رکاڑا موند دینے والا ہے۔ (رواہ ابوداؤد و الترمذی وقال هذا حدیث صحیح)

دوسری حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ نفیٹ موندنے والی صفت ہے میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بالوں کو موند دیتی ہے بلکہ وہ دین کو دوند دیتی ہے۔ (رواہ الترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف راہ اختیار کرنا داخلہ و دوزخ کا سبب ہے..... پھر فرمایا وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ (الآیۃ) کہ جو شخص ہدایت ظاہر ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مومنین کے راستے کے علاوہ دوسرے راستے کا اتباع کرے ہم اسے وہ کرنے دیں گے جو کرتا ہے (یعنی اپنے اختیار سے جس برائی میں لگا دے وہ دنیا میں ہم اسے مرنے دیں گے اس کا اختیار سب نہیں کریں گے) اور آیت جنم میں داخل کریں گے (یہ اس کو آخرت میں سزائے گی) اور دوزخ میں جگہ ہے اس آیت میں دو باتوں میں دوزخ کے داخلہ کی خبر دی گئی اول یہ کہ جو شخص ہدایت ظاہر ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے گا وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔ دو تمام لوگ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا علم ہوا اور پھر اسلام قبول نہ کیا اور ہر شخص جس نے اسلام قبول کر لیا اور پھر اسلام قبول کر کے اسلام سے پھر گیا وہ سب لوگ اس آیت کی وعید میں شامل ہیں۔ چوری کرنے والا، شخص جس کا واقعہ ان آیات کا سبب نزول بنا۔ مرتد ہو کر چلا گیا تھا اس لئے اس بات کو یہاں ذکر کیا گیا لیکن مفہوم اس کا عام ہے ہمیشہ جب کبھی بھی کوئی شخص اسلام کو قبول کرے پھر مرتد ہو جائے اس آیت کا مضمون اس پر صادق آئے گا یعنی وہ دوزخ میں جائے گا۔

اجماع امت بھی حجت ہے..... دوسری بات یہ بتانی کہ جو شخص مومنین کے راستے کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ اختیار کرے گا وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جیسا کہ دین اسلام میں قرآن حدیث حجت ہیں۔ اسی طرح اجماع امت بھی حجت ہے کیونکہ قرآن مجید کا مطلب اور عقائد و اعمال کی تفصیلات جو حضرات صحابہ سے لے کر ہر زمانے کے علماء، صلحا، اور مشائخ کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے ان کو ماننا اور ان پر عمل کرنا ہی ذریعہ نجات ہے۔ ان ہی کے ذریعہ قرآن مجید کی تفسیر ہم تک پہنچی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی آپ سے سمجھ کر حضرات صحابہ نے تابعین کو بتائی پھر انہوں نے آگے اس کی روایت کی۔ عقائد بھی انہی حضرات کے ذریعہ ہم تک پہنچے اور فرائض و واجبات کا بھی انہی کے ذریعہ پتہ چلا، اب جو کوئی شخص ان حضرات کو حج میں سے نکال کر خود اپنے پاس سے قرآن کی تفسیر کرے گا اور آیات کے معانی و مفہام اپنے پاس سے تجویز کرے گا اور احکام اسلام کی اپنے طور پر تشریح کرے گا یا حجیت حدیث کا منکر ہوگا یا امت مسلمہ کے مسلمہ عقائد کا انکار کرے گا۔ وہ کافر ہوگا، دوزخی ہوگا۔ جو لوگ قرآن میں تحریف کے قائل ہیں یا جو لوگ پانچ نمازوں کے منکر ہیں یا جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہونے کے منکر ہیں یا جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل ہونے یا ان کی طبعی موت واقع ہونے کے قائل ہیں یہ سب لوگ کافر ہیں اور دوزخی ہیں کیونکہ حضرات صحابہ کرام سے لے کر اب تک پوری امت کے جو عقائد ہیں یہ لوگ ان کے منکر ہیں، اپنے تراشیدہ عقیدہ کے حامل ہیں۔ (اہل السنۃ کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ مقتول ہوئے نہ طبعی موت سے دنیا سے تشریف لے گئے، وہ قیامت سے قبل دنیا میں تشریف لا کر امن و امان اور عدل و انصاف قائم کریں گے)

روح المعانی ص ۱۴۶ ج ۵ میں ہے کہ حضرات امام شافعی سے ایک شخص نے کہا کہ اجماع کے حجت ہونے کی کیا دلیل ہے۔ حضرت امام شافعی نے تین دن تک روزانہ رات اور دن میں تین تین بار اپنا قرآن مجید پڑھا ان کو یہ آیت مل گئی جس سے انہوں نے اجماع امت کے حجت ہونے پر استدلال کیا۔ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بلاشبہ اللہ نے مجھ سے میری امت کے بارے میں تین وعدے فرمائے اور ان کو تین چیزوں سے امان دی۔

اول یہ کہ کبھی پوری امت قطع کے ذریعے ہلاک نہ ہوگی۔

دوم یہ کہ ان کا کوئی دشمن ان دبا لک بنی ایک ایسے نوہم کے ختم نہ کر سکے گا۔

سوم یہ کہ ان کو گمراہی پہنچ نہ فرمائے گا (رواہ احمد ابنی سنن ابی امامہ ۱۵۱۵)

حضرت ابوہریرہؓ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم کو تین چیزیں دی ہیں۔

اول یہ کہ تمہارا نبی تم پر ہدایت کرے گا جس سے تم سب بلاک ہو جاؤ۔

دوم یہ کہ اہل باطل اہل حق پر غلبہ نہ پائیں گے (جس سے حق مٹ جائے اور نور حق ختم ہو جائے)

سوم یہ کہ تم لوگ گمراہی پہنچ نہ دو گے۔ (مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۵۱۳ ق ۲)

گمراہیوں کی ایک جابلہ نہ بات کی تردید گمراہی کی دعوت دینے والے بعض لوگ یوں بھی کہتے ہیں کہ اگر ہم گمراہیوں کو اللہ تعالیٰ ہمیں گمراہی کی دعوت کیوں دینے دیتا ہے؟ اگر اسی کی باتوں کی دعوت دینے پر اللہ تعالیٰ ہمیں بلاک کیوں نہیں فرماتا؟ آیت بالا میں اس کا بھی جواب دے دیا گیا ہے۔ اللہ جل شانہ نے قولہ خدا تعالیٰ فرمایا کہ جو شخص گمراہی کے راستے پر چلتا ہے ہم اسے اس راہ پر چلنے دیتے ہیں کیونکہ یہ دنیا اتنا اور امتحان کی جگہ ہے۔ دنیا میں ایمان بھی ہے اور کفر بھی ہے اگر کسی پر جبر کیا جائے تو اختیار باقی نہ رہنے کی وجہ سے دنیا وار امتحان نہ رہے گی۔ جو شخص گمراہی کو اختیار کرتا ہے اور تنبیہ کرنے والوں کی تنبیہ پر بھی واپس نہیں آتا۔ اللہ جل شانہ اس کے دل میں مزید نفع اور گمراہی نہ ڈال دیتے ہیں جیسا کہ سورہ صاف میں ارشاد فرمایا: فَلَمَّا وَاعَاؤْا زَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ (پھر جب وہ لوگ ٹھہرے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو اور زیادہ ٹھہرا کر دیا)۔

دنیا میں جو شخص اپنے لئے ہدایت و اختیار کرے گا۔ اس کی اسی پر مدد کی جائے گی اور اس کے مطابق اسی کے لئے اللہ کی طرف سے آسانی فراہم ہوتی رہے گی۔ اور جو شخص اپنے لئے گمراہی کو اختیار کرے گا۔ اس کے لئے گمراہی کے راستے کھلتے رہیں گے۔ اور آخرت میں ہر شخص اپنے عقائد و اعمال کے اعتبار سے جنت یا دوزخ میں چلا جائے گا۔ آیت بالا سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ جو زمین کے راستے کے علاوہ ہر راستہ اختیار کرنے دوزخ میں لے جانے والا ہے۔

مشرکین کی بخشش نہیں وہ دوزخ کی گمراہی میں ہیں آخر میں فرمایا اللہ لا یغفر ان یبشروا بہ (الایہ) یہ آیت شریفہ چند رکوع پہلے سورہ نساء ہی میں گزر چکی ہے اہل آخر کے الفاظ میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ آیت کی تفسیر اور تشریح ہم وہاں لکھ چکے ہیں۔ یہاں اس مناسبت سے سابقہ مضمون کا اعادہ فرمایا ہے کہ چوری کرنے والا منافق ظاہر ابھی کافر ہو گیا تھا اور شرکوں میں جا کر مل گیا تھا۔

فائدہ صاحب روح المعانی ص ۱۲۸ ق ۵ فرماتے ہیں کہ چند رکوع پہلے اس آیت کے ختم پر فقہ اقصیٰ النما عظمیٰ فرمایا اور یہاں فقہ حنفی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا۔ اس میں یہ نکتہ ہے کہ وہاں یہودیوں کے بارے میں بات ہو رہی تھی انہوں نے جو یہودی اپنی کتاب میں پڑھا تھا اس کی وجہ سے اس بات میں انہیں بالکل شک نہیں تھا کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقعہ اللہ کے رسول ہیں اور ان کی شریعت کا اتباع فرض ہے اور وہ جو کچھ ایمان کی دعوت دیتے ہیں اس کا ماننا لازم ہے ان سب کے باوجود انہوں نے شرک کی راہ اختیار کی اور کفر پر تھے رہے لہذا ان کا یہ عمل افتراد ہو گیا اور اپنی طرف سے جھوٹ بنا کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر رہے ہیں کہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ اللہ کی طرف سے ہے اور ہم جس دین پر ہیں وہی اللہ تعالیٰ کا محبوب دین ہے، اور یہاں خاص مشرکین سے بات ہو رہی ہے جو اس سے پہلے نہ کتاب کو جانتے تھے نہ وحی سے واقف تھے۔ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماہر ہدایت اور

ہیں حق لے کر کوئی شخص نہیں آیا تھا، لیکن حجت کے ساتھ حق واضح ہونے کے بعد اپنی سابقہ گمراہی پر ہی برقرار رہے اور شرک ہی کو اختیار کئے رہے۔ اس لئے ان کے حق میں فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا فرمایا اور یہ بتایا کہ یہ لوگ گمراہ تو تھے ہی اور زیادہ گمراہ ہوتے چلے گئے اور دور کی گمراہی میں جا پڑے۔

ملت ابراہیمیہ میں جو توحید کا حکم تھا اس کو پس پشت ڈال کر شرک ہو گئے تھے اور سمجھانے پر بھی شرک سے باز نہ آئے، گمراہی میں ہی آگے بڑھتے چلے گئے۔

إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنْتَاءً وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا ۝ لَعَنَهُ اللَّهُ وَقَالَ

یہ لوگ اللہ کے سوا صرف مجوقوں کو پکارتے ہیں اور نہیں پکارتے مگر شیطان کو جو سرکش ہے۔ جس پر اللہ نے لعنت کی اور شیطان نے کہا

لَا تَخْذَنْ مِنْ عِبَادِكْ نَصِيبًا مَفْرُوضًا ۝ وَلَا ضَلَّتْهُمْ وَلَا مَنِيَّتْهُمْ وَلَا مَرْنَتْهُمْ فَلْيَبْتَكَنْ

کہ میں تیرے بندوں میں سے ایک مقررہ حصہ لے لوں گا۔ اور میں ان کو گمراہ کر دوں گا اور انہیں دلائل کا اور ان کو تفسیر دوں گا سو وہ جانوروں کے

اِذَا الْاَنْعَامِ وَلَا مَرْنَتْهُمْ فَلْيَغْيِرَنَّ خَلْقَ اللَّهِ ۝ وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِّنْ

کانوں کو کانیں گے اور میں ان کو تعلیم دوں گا سو وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو بدلا کر دیں گے اور جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان

دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِينًا ۝ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۝ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا

کو دوست بنا لے گا سو صریح نقصان میں پڑ گیا۔ شیطان ان سے وعدے کرتا ہے اور ان کو آرزوئیں دلاتا ہے اور شیطان ان سے صرف فریب والے

غُرُورًا ۝ اُولَٰئِكَ مَا لَهُمْ جَهَنَّمَ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا ۝

دھتے کرتا ہے، ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور اس سے کہیں بچنے کی جگہ نہ پائیں گے۔

مشرکین مورتیوں کی پوجا کرتے ہیں اور شیطان کے فرمانبردار ہیں

اوپر شرک کا ذکر تھا ان آیات میں شرک کی بعض صورتوں کا تذکرہ فرمایا ہے شرک اور کفر اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا ہر کام یہ سب شیطان کے سمجھانے سے اور اس کے راہ بتانے سے وجود میں آتا ہے شیطان نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ آدم کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے جو مجھے گمراہ قرار دیا ہے تو میں بنی آدم سے اس کا بدلہ لے لوں گا۔ بنی آدم کا ایک بہت بڑا حصہ اپنی طرف لگا لوں گا تھوڑے بہت ہی لوگ بچیں گے۔ اکثر لوگوں کو اپنی اطاعت پر ڈال دوں گا جب حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں آئے اور ان کی ذریت پھیلنے شروع ہوئی اور شیطان مردود بھی دنیا میں آ گیا جو اپنی سرکشی کی وجہ سے راندہ دور گا جو چکا تھا تو اس نے انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر ڈالنا شروع کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اور توحید چھوڑ کر کفر اور شرک پر لگا دیا۔ بتوں کی پوجا کرنے کی تعلیم دی اور بتوں کے نام بتائے اور ان کے زمانے نام رکھوائے۔

اہل عرب نے جو بت تراش رکھے تھے ان میں لات اور منات اور عزیٰ کے نام معروف و مشہور ہیں یہ سب نام نسوانی ہیں یعنی ان کے لفظوں میں تانیث ہے۔ ہندوستان کے مشرکین میں جیسے کالی دیوی اور دُرُگی وغیرہ مشہور ہیں ایسے ہی عربوں میں بتوں کے زمانے نام

تھے۔ یہ سب شیاطین کے بنائے ہوئے اور بتائے ہوئے بت ہیں۔ ان بتوں کو سجدہ بھی کرتے ہیں ان کی نذریں بھی مانتے ہیں اور ان کے نام پر جانور بھی چھوڑتے ہیں اور نشانی کے لئے ان کے کان چروہیتے ہیں یا کانوں میں سوراخ کر دیتے ہیں تاکہ یہ نشانی رہے کہ یہ بت کے نام پر چھوٹا دوا ہے، جو کچھ شیطان نے کہا تھا اس نے بنی آدم سے وہ سب کچھ کروا لیا۔ اکثر بنی آدم نے دشمن کی بات مان لی اور خالق و مالک جل مجدہ کی ہدایت پر عمل نہ کیا۔ شرک اختیار کر لیا اور توحید سے منہ موڑ لیا۔ کانوں کا چیرنا اور سوراخ کرنا بہت سے نام نہاد مسلمانوں میں بھی ہے بچوں کے کانوں کو چھید دیتے ہیں۔ اُن میں کوئی ہندو فیروز ڈال دیتے ہیں اور اس کا نام ہندو رکھ دیتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ایسا کرنے سے بچہ زندہ رہے گا۔ جو تو میں ظاہری طور پر اسلام میں داخل ہوئیں اور اسلام کو پڑھا اور سمجھا نہیں ان لوگوں میں دین سابق کے شرک کے اثرات باقی رہ گئے۔ قبروں کی پرستش بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ بتوں کو چھوڑ کر قبروں پر شرک کرنے لگے۔ یہی قبر پرست اگر ان سے بت کو سجدہ کرنے کے لئے کہا جائے تو کبھی نہیں کریں گے اور قبروں کو سجدہ کرنے میں کچھ حرج نہیں سمجھتے حالانکہ غیر اللہ ہونے میں دونوں برابر ہیں۔

تغییر خلق اللہ..... ابلیس نے یہ بھی کہا وَاٰمُرُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُوْنَ فَلْيَغْيِرْ خَلْقَ اللّٰهِ کہ میں بنی آدم کو سکھاؤں گا کہ اللہ کی پیدا کی ہوئی صورتوں کو بدل ڈالیں، شیطان اس کی بھی تعلیم دیتا ہے اور لوگ اس کی تعلیم پر عمل کرتے ہیں۔ اس کی بہت سی صورتیں ہیں جو بنی آدم میں رواج پائے ہوئے ہیں۔ مشہور ترین تو یہی ہے کہ دائرہ یاں مونڈی جاتی ہیں آج کی دنیا میں شاید ہی کوئی گھر ایسا خالی ہو جس میں دائرہ ہی نہ مونڈی جاتی ہو اس کے علاوہ گونا گویا بھی رواج پذیر ہے سوئی سے گود کر رنگ دیتے ہیں۔ اس سے جسم پر کئی طرح کی تصویریں بنالیتے ہیں۔ ہندوؤں میں تو گودنے کا بہت زیادہ رواج ہے مگر مسلمان بھی گودنے کا کام کرتے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا لَعَنَ اللّٰهُ الْاَوْابِصْمَاتِ وَالْمُسْتَوْبِصْمَاتِ وَالْمُتَمَصَّصَاتِ لِلْحَنَنِ الْمَغْيِرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ یعنی اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو گودنے والیوں پر اور گدوانے والیوں پر اور ان عورتوں پر جو (ابر یعنی بھوؤں کے بال) چننے والی ہیں (تاکہ بتوں یا ایک بار یک ہو جائیں) اور خدا کی لعنت ہو ان عورتوں پر جو حسن کے لئے دانتوں کے درمیان کشادگی کراتی ہیں جو اللہ کی خالقیت کو بد لئے والی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ بات سن کر ایک عورت آئی اور اس نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ اس طرح کی عورتوں پر لعنت بھیجتے ہیں؟ فرمایا کہ میں اُن لوگوں پر کیوں لعنت نہ بھیجوں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی، اور جن پر اللہ کی کتاب میں لعنت آئی ہے، وہ عورت کہنے لگی کہ میں نے سارا قرآن پڑھ لیا۔ مجھے تو یہ بات کہیں نہ ملی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ اگر تو نے قرآن پڑھا ہوتا تو تجھے ضرور یہ بات مل جاتی کیا تو نے یہ نہیں پڑھا: وَمَا اَوْصَاكُمْ الرَّسُوْلُ فَاِخْذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (اور رسول تم کو جو (ہدایت) دے اسے قبول کر لو اور جس چیز سے روکے اس سے رک جاؤ)۔

یہ سن کر وہ عورت کہنے لگی کہ ہاں یہ تو قرآن میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں نے جن کاموں کے کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کاموں سے منع فرمایا ہے۔ لہذا قرآن کی رو سے بھی ان کاموں کی ممانعت ثابت ہوئی کیونکہ قرآن نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن باتوں کا حکم دیں ان پر عمل کرو اور جن چیزوں سے روکیں اُن سے رک جاؤ۔ (مکھوۃ المصاحف ص ۳۸۱) کسی انسان کو خصی کرنا یا خود خصی ہونا یہ بھی تغیر خلق اللہ میں شامل ہے جو شرعاً ممنوع ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیس منا من خصی ولا اختصی وہ ہم میں سے نہیں ہے جو کسی کو خصی کرے یا خود خصی ہو۔ (رداؤنی شرح السنہ کا فی الحشاؤہ ص ۶۹) ختنہ کرنا اور ناخن کاٹنا اور جن بالوں کو صاف کرنے کا شرعاً حکم دیا گیا جیسے بغلوں کے بال وہ حکم شرعی ہونے کی وجہ سے اُس

تغیر میں داخل نہیں جس کا شیطان نے حکم دیا بلکہ بعض قوموں کو تو اس نے ان جگہوں کے بالوں کو بڑھانے کا بھی حکم دے رکھا ہے۔ جیسے کہ سکھ کرتے ہیں، ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اللہ کے حکم پر چلے۔

شیطان مردود سے دوستی کرنے والے کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ صریح نقصان میں چلا گیا اور یہ نقصان آخرت کا عذاب ہے جو شیطان کی دوستی کے نتیجے میں ہمیشہ بھگتنا پڑے گا۔

شیطان چھوٹے وعدے کرتا ہے اور آرزوؤں پر ڈالتا ہے..... پھر فرمایا يَعِدُّهُمْ وَيُؤْتِيهِمْ کہ (شیطان لوگوں سے وعدے کیا کرتا ہے اور آرزوئیں دلاتا ہے) اللہ کی رضا مندی کے جو کام ہیں اُن کے خلاف اُجھارتا ہے اور کہتا ہے کہ ایسا کرو گے تو اس تکلیف میں پڑ جاؤ گے اور ایسی ایسی لذت سے محروم ہو جاؤ گے۔ سورہ بقرہ میں فرمایا: الشَّيْطَانُ يَعِدُّكُمْ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ (شیطان تم سے تنگدستی کے وعدے کرتا ہے یعنی یہ ظاہر کرتا ہے کہ نیک کاموں میں خرچ کرو گے تو تنگدست ہو جاؤ گے اور تمہیں برائیوں کا حکم دیتا ہے) آرزوئیں دلانے کا مطلب یہ ہے کہ جو انوں کو کہتا ہے کہ دل کھول کر گناہ کر لو بڑی زندگی پڑی ہے تو بہ کر لینا، کوئی بوزھا شخص تو بہ کرنا چاہے تو اس سے کہتا ہے ابھی تو تمہاری عمر اچھی خاصی ہے ابھی تھوڑا ہی مر رہے ہو اسی طرح سے کوئی حلال کمائی میں لگے تو اس سے کہتا ہے کہ میاں اتنے ذرا سے پیسوں میں کیا ہوگا دنیا کما کھا رہی ہے تم ہی کو تقویٰ سوار ہے، ایسی باتیں سمجھا کر حرام آمدنی اور حرام کاموں کی ترغیب دیتا ہے۔ اور اس میں بڑے بڑے فائدے بتاتا ہے اور اس طرح سے شیطان کے بہت سے وعدے ہوتے رہتے ہیں اور وہ آرزوئیں دلاتا رہتا ہے یہ سب کچھ محض دھوکہ اور فریب ہوتا ہے اس کی باتوں میں آ کر خدا پاک کا نافرمان بن جانا اپنے کو عذاب دوزخ میں دھکیلنا ہے جب دوزخ میں داخل ہونے لگیں گے تو کوئی راہ نہ بچنے کی اور فرار کی نہ پائیں گے۔ اسی کو یوں فرمایا: وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيضًا۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے، مقرب ہم اُن کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اُن میں ہمیشہ ہمیشہ

فِيهَا أَبَدًا وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ۝ لَيْسَ بِأَمَانِيكُمْ

رہیں گے اللہ تعالیٰ نے سچا وعدہ فرمایا ہے، اور کون ہے جس کا کہنا اللہ سے زیادہ سچا ہو۔ نہ تمہاری آرزوؤں پر

لَا أَمَانِي أَمِلِ الْكِتَابِ مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ

مدد ہے اور نہ اہل کتاب کی امیدوں پر جو شخص بُرا عمل کرے گا اُس کا بدلہ دیا جائے گا اور نہ یائے گا اللہ کے سوا

وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ

کوئی دوست اور مددگار۔ اور جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت اور وہ مؤمن ہو تو یہ لوگ داخل ہوں گے

يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ۝ وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ

جنت میں، اور اُن پر اتنا ظلم بھی نہ ہوگا جتنا گڑھا کھجور کی گٹھلی میں ہے۔ اور اس سے براہ کرو جن کے اعتبار سے کون اچھا ہوگا جس نے اپنی ذات کو اللہ کیلئے چھوڑ دیا، اور وہ اچھے

يَلَهُ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيفًا وَاَتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾

کام کرنے والا ہے، اور اس نے ابراہیمؑ کی ملت کا اتباع کیا جو سارے دینوں کو چھوڑ کر اللہ ہی کی طرف مائل ہونے والے تھے، اور اللہ نے ابراہیمؑ کو دوست بنالیا

وَاللّٰهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾

اور اللہ ہی کے لئے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ فرمائے ہوئے ہے۔

اہل ایمان کے لئے بشارت اور آرزوؤں پر بھروسہ کرنے کی ممانعت

ان آیات میں تو ان حضرات کے لئے جو اہل ایمان ہوں اور اعمال صالحہ میں مشغول رہتے ہوں ایسے باغوں میں داخلگی خوشخبری دی جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور فرمایا کہ یہ اللہ کا وعدہ ہے جو بالکل سچا پکا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ سے بڑھ کر اپنی بات میں سچا کون ہو سکتا ہے۔ جب اللہ نے وعدہ فرمایا تو اب ایمان اور اعمال صالحہ کو اپنانا اور اس کے مطابق زندگی گزارنا بندوں کا سب سے بڑا اہم فریضہ ہوا۔

اس کے بعد فرمایا اَلَيْسَ بِاَمَانِيْكُمْ وَلَا اَمَانِيْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لِبَابِ النُّقُولِ ص ۸۳ میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ نے کہا کہ جنت میں ہمارے سوا کوئی داخل نہ ہوگا اور قریش نے کہا کہ ہم موت کے بعد اٹھائے ہی نہ جائیں گے (تاکہ کوئی عذاب کی صورت سامنے آئے) اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ پھر حضرت مسروق تابعی سے نقل کیا کہ نصاریٰ اور مسلمان جمع ہوئے اور آپس میں فخر کرنے لگے ہر فریق نے یہ کہا ہم تم سے افضل ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ حضرت ابن عباسؓ کی بات زیادہ اقرب و انسب معلوم ہوتی ہے۔ جس میں قریش کو خطاب ہے کہ تم خود ہی سارے فیصلے کر رہے ہو تمہارا عجیب حال ہے، شرک بھی کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے کاموں میں لگے رہو اور جب موت کے بعد کے مواخذہ کا ذکر آئے تو یوں کہہ کر مطمئن ہو جاؤ کہ ہمیں تو موت کے بعد اٹھنا ہی نہیں ہے، نہ جزا نہ سزا، نہ ثواب نہ عقاب، یہ جو تمہارا خیال ہے محض ایک جھوٹی آرزو ہے۔ فیصلے کا حق خالق اور مالک جل مجدہ کو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور زندگی دی اور زندگی کے بعد موت دے گا اس نے اپنے رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ بتایا کہ موت کے بعد جی اٹھنا ہے اور کفر اور شرک پر دوزخ کا داخلہ ہوگا جس میں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ خالق و مالک جل مجدہ نے کافر و مشرک کے لئے جو کچھ طے کیا ہے اور جو خبر دی ہے اسی کے مطابق ہوگا، اپنے خیال سے یہ طے کر کے مطمئن ہو جانا کہ موت کے بعد کچھ نہیں اور ہم جو کچھ کرتے ہیں اس پر کوئی مواخذہ نہیں یہ سب جھوٹی آرزوئیں ہیں۔ آرزوؤں پر مدد نہیں ہے۔ مدارئس فیصلے پر ہے جو خالق مالک نے اپنے بندوں کے لئے طے فرمایا اور پھر بتا بھی دیا۔ اسی طرح سے اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا یہ کہنا کہ جنت میں ہمارے سوا کوئی نہیں جائے گا یہ ایک اپنا خود ساختہ خیال ہے۔ محض ایک آرزو ہے جو خود سے تجویز کر لی ہے۔ آرزو سے کچھ نہیں ہوتا۔ نجات کا مدار ایمان اور اعمال صالحہ پر ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنا آخری نبی بھیج دیا (صلی اللہ علیہ وسلم) جس کی نبوت کے بارے میں یہود و نصاریٰ پہلے سے جانتے تھے۔ اپنی کتابوں میں لکھا ہوا پاتے تھے۔ علامات سے پہچان لیا کہ واقعی یہ اللہ کے وہی نبی ہیں جن کا ہمیں انتظار تھا۔ معجزات سے پرکھ لیا۔ اس کے باوجود اللہ کے آخری نبی پر ایمان نہیں لاتے۔ کفر پر جسے ہوئے ہیں اور آرزو یہ لئے بیٹھے ہیں کہ جنت میں بس ہم ہی ہم ہوں گے اور کسی کا

داخل نہ ہوگا۔ آرزوؤں سے کام چلنے والا نہیں ہے حقائق کو سامنے رکھو۔ دلائل کو دیکھو، جھوٹی آرزوئیں برباد کر دیں گی۔

حضرت مسروق نے جو آیت کا سبب نزول بتایا کہ انصاری نے اور مسلمانوں نے آپس میں ایک دوسرے پر فخر کیا تھا اور ہر ایک نے اپنے کو افضل بتایا تھا اس پر آیت شریفہ نازل ہوئی اس کے اعتبار سے لیس بِأَمَانِيكُمْ میں مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم بھی آرزوئیں لئے بیٹھے ہو آرزوؤں سے کام نہیں چلتا۔ ایمان تو تم نے قبول کر لیا۔ اب اس پر استقامت بھی ضروری ہے اور ایمان پر مرنا بھی لازم ہے عمل صالح کی وجہ سے بلند درجات بھی نصیب ہوں گے اس معنی کی تشریح کرتے ہوئے صاحب روح المعانی ص ۱۵۲ ج ۵ حضرت حسن کا قول نقل کرتے ہیں لیس الايمان بالتمنى ولكن ما وافر في القلب وصدقه العمل ان قوما آلهتهم امانى المغفرة حتى خرجوا من الدنيا ولا حسنة لهم وقالوا احسن الظن بالله تعالى وكذبوا لو احسنوا الظن لاحسنوا العمل یعنی ایمان صرف آرزو کا نام نہیں ہے۔ ایمان وہ ہے جو دل میں جم جائے اور عمل اس کی تصدیق کرے، بہت سے لوگوں کو مغفرت کی امیدوں نے غفلت میں ڈال دیا یہاں تک کہ دنیا سے اس حال میں چلے گئے کہ ان کے پاس ایک نیکی بھی نہ تھی انہوں نے کہا کہ ہم اللہ سے اچھا گمان رکھتے ہیں اور وہ اپنے اس خیال میں جھوٹے تھے۔ اگر اللہ سے اچھا گمان رکھتے تو عمل بھی اچھے کرتے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اہل کتاب اپنی آرزوؤں پر بھروسہ کر کے ہلاک ہوئے تم آرزوؤں پر بھروسہ نہ کرو۔ ایمان پر استقامت رکھتے ہوئے اعمال صالحہ انجام دیتے رہو۔

بُرے اعمال کا بدلہ ملے گا..... پھر فرمایا مَنْ يَغْمَلْ سُوءًا اُنْجِزْ بِهِ (یعنی جو شخص کوئی برائی کرے گا اس کا بدلہ دیا جائے گا) ان الفاظ میں یہ بتایا ہے کہ قانونی اعتبار سے ہر برائی پر مواخذہ ہے اس کی جزا مل جائے گی یہ قانون ہے ضروری نہیں کہ واقعی طور پر ہر گناہ پر سزا مل ہی جائے کیونکہ توبہ و استغفار سے بھی گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اعمال صالحہ سے بھی برائیوں کا کفارہ ہو جاتا ہے اور دنیا میں جو کچھ سزا ملتی ہے وہ جھوٹی موتی تکلیف اور مصیبتوں کی صورت میں ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سناٹی انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ہم میں سے ایسا کون ہے جس نے گناہ نہیں کئے اور ہمیں ہر گناہ کی سزا بھی ملنی ہے (تو ہمارا کیا بنے گا) اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابو بکر! تم اور تمہارے ساتھی اہل ایمان کا گناہوں پر گرفت کر کے دنیا ہی میں معاملہ صاف کر دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ جب اللہ سے ملو گے تو تم پر گناہ نہ ہوں گے اور دوسرے لوگ (جو اہل ایمان نہیں ہیں) ان کے گناہ جمع کئے جاتے رہیں گے یہاں تک کہ قیامت کے دن ان کی سزا پائیں گے۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں کو سخت پریشانی ہوئی لہذا انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی پریشانی پیش کی آپ نے فرمایا ٹھیک ٹھیک چلتے رہو اور کام کرتے رہو کیونکہ مسلمان کو جو بھی کچھ تکلیف پہنچتی ہے وہ اس کے لئے کفارہ بن جاتی ہے یہاں تک کہ جو کاٹا لگ جاتا ہے یا جو کوئی چوٹ لگ جاتی ہے ان سب کے ذریعے (گناہوں کا) کفارہ ہو جاتا ہے۔ (رواہ مسلم ص ۱۹ ج ۲)

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کو جو بھی کوئی تھکن، دکھن، فکر، رنج، تکلیف، غم پہنچ جائے یہاں تک کہ کاٹا بھی لگ جائے تو اللہ تعالیٰ اُس کے ذریعہ اس کے گناہوں کا کفارہ فرما دیتے ہیں۔ (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی بندہ کو جو ذرا بہت کوئی بھی

تکلیف پہنچ جاتی ہے تو وہ گناہ ہی کی وجہ سے پہنچتی ہے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ معاف فرمادیتے ہیں وہ تو اس سے بہت زیادہ ہوتا ہے جتنے پر مواخذہ ہوتا ہے پھر آپ نے سورۃ شوریٰ کی یہ آیت تلاوت فرمائی وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فِيمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن مرد اور مومن عورت کو برابر اس کی جان میں، اس کے مال میں اور اولاد میں تکلیف پہنچتی رہتی ہے۔ (اور اس سے گناہوں کا کفارہ ہوتا رہتا ہے) یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا تو اس پر کوئی گناہ بھی نہ ہوگا۔ (رواہ الترمذی) اللہ پاک کا کتنا بڑا انعام ہے کہ مومن بندوں کو دنیا میں تکلیفیں دے کر ان کے گناہوں کا کفارہ فرمادیتے ہیں اور آخرت کے عذاب سے بچادیتے ہیں۔

مؤمنین مومنات کے لئے بھرپور ثواب..... پھر فرمایا وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثٰی (الآیۃ) اس آیت کے بارے میں لباب النقول میں حضرت مسروق تابعی سے نقل کیا ہے کہ جب آیت کریمہ لَيْسَ بِأَمَانِيْكُمْ وَلَا أَمَانِيْ اَهْلِ الْكِتَابِ نازل ہوئی تو اہل کتاب نے مسلمانوں سے کہا کہ پھر ہم اور تم برابر ہو گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں یہ بتادیا کہ جو بھی کوئی شخص مرد ہو یا عورت نیک عمل کرے اور وہ مومن بھی بدتو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ اس میں لفظ مومن بڑھا کر یہ بتادیا کہ اہل کتاب جب تک مومن نہ ہوں گے انہیں کسی عمل کا کوئی ثواب نہ ملے گا اور وہ جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ لہذا مومن کافر میں برابری کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اہل ایمان سے جو یہ فرمایا کہ آرزوؤں پر مدار نہ رکھو۔ اس میں ایمان پر استقامت اور اعمال صالحہ میں مشغول رہنے کی تاکید فرمائی یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کا ایمان کام نہ دے گا۔ اہل کتاب کافر ہیں اگر کفر پر مر گئے تو ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور اہل ایمان کا ٹھکانہ جنت ہے۔ پھر برابری کہاں ہوئی؟

جو بندہ ایمان کے ساتھ کوئی بھی نیک عمل لے کر قیامت کے دن حاضر ہوگا اُسے اپنے عمل کا پورا پورا ثواب ملے گا جو بہت زیادہ ہوگا۔ اسی کو فرمایا وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا کھجور کی گٹھلی کے اندر جوڑا سا گڑھا ہوتا ہے اُسے نقیر کہتے ہیں۔ اہل عرب جب کسی چیز کی کمی ظاہر کرتے تھے تو اُسے نقیر سے تشبیہ دیتے تھے۔ وقد ذكرناه من قبل۔

محسنین کی تعریف..... پھر فرمایا وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيفًا وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا اس میں لفظ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وارد ہوا ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں ای اخلص نفسه له تعالٰی لا يعرف لها ربا سواہ وقيل اخلص توجهه له سبحانه وقيل بذل وجهه له عز وجل في السجود۔ مطلب یہ ہے کہ اسلم وجہہ للہ کا مصداق وہ شخص ہے جس نے اپنی جان کو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص اور متعین کر دیا وہ اپنے لئے اللہ کے سوا کسی کو رب نہیں پہچانتا، اور بعض حضرات نے اس کا معنی یہ بتایا ہے کہ اس نے اپنی توجہ خالص اللہ کے لئے کر دی، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ اپنے چہرے کو اللہ جل شانہ کے لئے سجدہ میں ڈال دیا پھر وہو مُحْسِنٌ فرمایا جس کا معنی یہ ہے کہ وہ اعمال صالحہ کو اس طریقے پر ادا کرتا رہا جو ان کے ادا کرنے کا حق ہے۔ یہ لفظ احسان سے مشتق ہے۔ اسم فاعل کا صیغہ ہے احسان کا معنی ہے کسی چیز کو خوب اچھی طرح سے ادا کر دینا جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ احسان کیا ہے تو آپؐ نے فرمایا لا احسان ان تعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك (کہ احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے جیسا کہ تو اُسے دیکھ رہا ہے سوا اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے) اس میں عبادت کا احسان بیان فرمایا ہے اب پوری

آیت کا مطلب یہ ہوا کہ دین کے اعتبار سے اس سے اچھا کون ہوگا جس نے اپنی ذات کو اللہ ہی کے لئے خالص کر دیا۔ اس کی توجہ ظاہر سے اور باطن سے جسم سے اور جان سے صرف اللہ ہی کی طرف ہے۔ اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اتباع کرتا ہے وہ ابراہیم جو حنیف تھے جنہوں نے تمام ادیان کی طرف سے پرہیز کیا اور اللہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہی دین ابراہیمی ہے جس کے اتباع کا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپؐ کی امت کو حکم ہوا۔

جو کوئی ان مذکورہ بالا صفات سے متصف ہو وہی دینی اعتبار سے سب سے اچھا ہے کیونکہ دوسرے سب دین جو اس کے سوا ہیں وہ سب کفر ہیں جن پر اللہ کے قانون میں عذاب دائمی مقرر ہے۔ آخر میں فرمایا کہ اللہ نے ابراہیم کو دوست بنالیا۔ اللہ نے جسے دوست بنایا اُس کے دین پر چلنے والا ظاہر ہے کہ اللہ کا محبوب ہوگا اور آخرت میں نجات اور ثواب دائمی کا مستحق ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی راہ میں بہت تکلیفیں اٹھائیں۔ علاقے کے لوگ بت پرست تھے خود اُن کا باپ بھی بت پوجتا تھا۔ اُن لوگوں کو توحید کی دعوت دی بڑے بڑے مقابلے ہوئے ان لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا اللہ نے آگ ٹھنڈی کر دی پھر اپنے بیٹے اسماعیل اور اُن کی والدہ کو مکہ معظمہ کی چٹیل سرزمین میں جہاں آب و گیاہ کچھ بھی نہ تھا چھوڑ کر چلے گئے جب اسماعیل علیہ السلام بڑے ہوئے تو دونوں نے مل کر کعبہ شریف بنایا۔ اور اس وقت امت محمدیہ کے وجود میں آنے کی دعا کی جس کا ذکر سورہ بقرہ کے رکوع نمبر ۱۵ میں گذر چکا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بہت قربانیاں دیں جو کبھی کوئی شخص اللہ کے لئے قربانیاں دے گا اللہ کا محبوب ہوگا۔ مؤمن کا کام یہ ہے کہ اللہ ہی کے لئے خالص ہو جائے اور ظاہر و باطن سے اللہ کے لئے جھک جائے اور صفت احسان کے ساتھ اللہ کی عبادت کرے اور قربانی کے موقع پر قربانی بھی دے۔ یہ صفات صرف مؤمنین ہی کو حاصل ہیں اہل کفر اُن کے برابر کہاں ہو سکتے ہیں اگرچہ اہل کتاب ہی ہوں۔

آخر میں فرمایا وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کہ اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور سب اس کی مخلوق ہیں اور مملوک ہیں۔ اسے اختیار ہے کہ تنکوینی طور پر اُن کو جس حال میں رکھے اور تشریحی طور پر جو حکم دے۔ جس کام کا چاہے حکم دے اور جس سے چاہے منع کرے۔ وَتَحٰنَ اللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا اور ہر چیز اللہ کے علم اور قدرت کے احاطہ میں ہے اسے تمام اعمال کا اور عمل کرنے والوں کا علم ہے اور حکمت کے مطابق ہر ایک کو جزا و سزا دینے پر اسے قدرت ہے۔

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ۚ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيْهِنَّ ۚ وَمَا يُتْلٰی عَلَیْكُمْ فِی الْكِتٰبِ

اور وہ آپ سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں، آپ فرمادیجئے کہ اللہ تمہیں اُن کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے اور وہ جو کتاب میں تم پر تلاوت کیا جاتا ہے

فِیْهَا یَتْلٰی النِّسَاءَ الَّذِیْنَ لَا تُؤْتُوْنَھُنَّ مَا کَتَبَ لَھُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْسِیَھُوْنَ

اُن بیہیم عورتوں کے بارے میں جن کو تم وہ حق نہیں دیتے جو اُن کیلئے مقرر کیا گیا اور تم رغبت رکھتے ہو کہ ان سے نکاح کرو

وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الْوُلْدَانِ ۚ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰی بِالْقِسْطِ ۚ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ

اور ضعیف بچوں کے بارے میں بھی تم پر آیات تلاوت کی جاتی ہیں اور یہ کہ تم یتیموں کے حق میں انصاف کے ساتھ قائم رہو۔ اور جو کوئی خیر کا کام کر دے

اللّٰهُ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا

سوالہ تعالیٰ اُس کا جانتے والا ہے۔

یتیم بچوں اور یتیموں کے حقوق کی نگہداشت کا حکم

صحیح بخاری ص ۶۶۱ ج ۲ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، انہوں نے بیان فرمایا کہ کسی شخص کے پاس کوئی یتیم بچی ہوتی تھی وہ اس کا ولی بھی ہوتا تھا (اور شریک میراث بھی کیونکہ اس یتیم بچی کو اور اس کے ولی کو کسی وفات پانے والے سے میراث ملی) اب یہ ولی نہ تو اُسے اپنے نکاح میں لیتا تھا اور نہ کسی دوسرے مرد سے اُس کا نکاح کرتا تھا کیونکہ یہ ڈرتھا کہ دوسرے سے نکاح کر دوں گا تو وہ حق زوجیت اس کا مال لے جائے گا۔ لہذا یتیم بچی کو تنگ کرتا تھا اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ صاحب فتح الباری ص ۲۶۵ ج ۸ نے ابن ابی حاتم سے روایت نقل کی ہے کہ جابرؓ کی ایک چچا زاد بہن تھی اس کا مال تھا جو اُسے اپنے باپ کی میراث میں ملا تھا جابر کو اس سے اپنا نکاح کرنا منظور نہ تھا لیکن کسی دوسرے سے بھی اس ڈر سے کہ اس کا شوہر مال لے جائے گا نکاح کرنا نہیں چاہتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ سوال پیش کیا گیا اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ وہ آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ ان کو فتویٰ دیتا ہے اور اس سے پہلے جو قرآن میں آیات نازل ہوئی ہیں وہ بھی ان کو فتویٰ دے رہی ہیں جو ان پر تلاوت کی جاتی ہیں۔ یہ فتویٰ یتیم عورتوں کے بارے میں ہے جس کو تم ان کا مقررہ حق نہیں دیتے (یعنی میراث میں جو مال انہیں ملا ہے وہ دینا نہیں چاہتے) اور تم ان سے نکاح کرنے سے بے رغبت ہو۔ اس طرح سے ان کو تکلیف ہوتی ہے۔ ایسی کوئی صورت اختیار نہ کرو جس سے ان کو تکلیف ہو۔ اسی طرح ضعیف بچوں کے بارے میں بھی تمہارے اوپر آیات تلاوت کی جا رہی ہیں ان میں ان کے حقوق کی نگہداشت کی تعلیم دی گئی ہے، خلاصہ یہ ہوا کہ یتیم لڑکیوں اور ضعیف بچوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تمہارے لئے احکام موجود ہیں ان پر عمل کرو جن کو تم آپس میں پڑھتے اور سنتے رہتے ہو۔ اس آیت میں جن آیات کا حوالہ دیا گیا ہے سورہ نساء کے شروع میں گزر چکی ہیں، وہو قولہ تعالیٰ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ اور وَأَتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہ بھی فتویٰ دیتا ہے کہ تم یتیموں کے بارے میں انصاف کے ساتھ قائم رہو صاحب روح المعانی ص ۱۶۱ ج ۵ لکھتے ہیں وهو خطاب للامة ان ينظروا لهم ويستوفوا حقوقهم او للاولياء والاوصياء بالنصفه في حقهم یعنی یہ حکام کو حکم ہے کہ یتیموں کی دیکھ بھال کریں اور ان کا جو کسی پر حق ہو پورا پورا وصول کریں یا اولیاء اور اوصیاء کو حکم ہے کہ یتیم بچوں کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کریں، اوصیاء وصی کی جمع ہے، جیسا کہ کہتے ہیں جسے خود مرنے والا یا حاکم بچوں کے اموال کی دیکھ بھال کے لئے مقرر کرتا ہے آخر میں فرمایا وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهِ عَلِيْمًا کہ جو کچھ تم خیر کا کام کرو گے اللہ کو اس کا علم ہے اپنے عمل خیر کا ثواب پاؤ گے، یتیم بچی کے ساتھ جو انصاف اور حسن سلوک سے پیش آؤ گے اللہ تعالیٰ اس کا ثواب بھی عطا فرمائیں گے۔

وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا

اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی طرف سے بد مزاجی کا یا بے رفتی کا اندیشہ کرے تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں کہ آپس میں کسی

بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۖ وَأُحْضِرَتِ الْأَنفُسُ الشُّحَّ ۚ وَإِنْ تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ

خاص طریقہ پر صلح کر لیں۔ اور صلح اچھی چیز ہے۔ اور انسانوں کے نفسوں میں تجویزی حاضر کر دی گئی ہے اور اگر تم اچھا برتاؤ رکھو اور پرہیزگاری اختیار کرو

اللَّهُ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝ وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ

تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔ اور تم ہرگز اس بات پر قادر نہیں ہو کہ عورتوں کے درمیان عدل قائم رکھو اگرچہ تم حرص کرو۔

فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمِيلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۚ وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ

ہند اتم بالکل ہی نہ ڈھل جاؤ، جس کی جگہ سے ایک دھرت کو اوپر میں لٹکی ہوئی چھوڑ دو، اور اگر تم اصلاح کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ

غَفُورًا رَحِيمًا ۝ وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا ۝

غفور ہے رحیم ہے۔ اور اگر دونوں جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنی وسعت سے بھر دے گا اور اللہ شامش و سورہ صافات ۱۱۱ ہے

میاں بیوی کا آپس میں صلح کر لینا، اور بیویوں میں انصاف کرنا

سُنن ابی داؤد میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ ام المؤمنین حضرت سوڈہؓ کو یہ ڈر ہوا کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے جدا کی اختیار نہ فرمائیں یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ بوڑھی ہو گئی تھیں انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنی باری کا دن عائشہؓ کو دیتی ہوں اس پر آیت ابن اضرأۃ خافت نازل ہوئی اور لباب النقول ص ۸۴ میں بحوالہ سعید بن منصور، حضرت سعید بن مسیب تابعی سے نقل کیا ہے کہ محمد بن مسلمہ کی بیٹی رافع بن خدیج کے نکاح میں تھی۔ شوہر کو بیوی کی کسی بات سے ناگواری ہوئی یا بڑھا پے وغیرہ سے بے رغبتی ہوئی لہذا اس نے طلاق کا ارادہ کر لیا۔ اس پر عورت نے کہا کہ مجھے طلاق نہ دو اور میری طرف سے دوسری بیویوں کے مقابلے میں راتیں تقسیم کرنے کی کوئی پابندی نہیں جیسے چاہو تقسیم کر لو۔ اس پر آیت وَإِنْ اِضْرَأۡتَاْ خَافَتَا نازل ہوئی۔

مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ آیت وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ایک ایسے شخص کے بارے میں نازل ہوئی جس کی ایک بیوی تھی جس سے کئی بچے پیدا ہو چکے تھے اس مرد کو خواہش ہوئی کہ اس کو چھوڑ کر دوسری کسی عورت سے نکاح کرے لہذا اس عورت نے اس سے صلح کر لی کہ وہ اُسی کے نکاح میں رہے اور راتوں کی تقسیم میں اُسے شامل نہ کیا جائے۔ نکاح بھی انسان کی ایک بہت بڑی ضرورت ہے، مردوں کو بھی اس کی ضرورت ہے اور عورتوں کو بھی، اور اس میں مرد اور عورت کی بہت ساری دینی اور دنیاوی منسلکات ہیں اور نکاح اسی لئے کیا جاتا ہے کہ زندگی بھر دونوں ساتھ رہیں اور حسن معاشرت کے ساتھ دونوں میاں بیوی خیر و خوبی اور محبت و الفت کے ساتھ زندگی گذاریں لیکن کبھی بعض امور ایسے پیش آ جاتے ہیں کہ کچھ ناگواری کی صورتیں سامنے آ جاتی ہیں اور بعض مرتبہ ناہم شکل ہو جاتا ہے اس لئے شریعت مطہرہ نے اس کے لئے طلاق اور خلع کی صورتیں بھی جائز رکھی ہیں۔ بعض مرتبہ مرد کو انیک سے زیادہ نکاح کرنے کی ضرورت پڑ جاتی ہے کیونکہ بسا اوقات جہاد کے موقع پر مجاہدین شہید ہو جاتے ہیں ان کی بیواؤں اور بچوں کو سنبھالنے کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں کہ ان بیواؤں سے مسلمان نکاح کر لیں۔ جب ایک سے زیادہ نکاح کر لیا تو اس میں تمام بیویوں کے ساتھ عدل کو سامنے رکھ کر زندگی گزارنا فرض ہے۔ اخراجات اور خوراک و پوشاک تو سبھی کے لئے ضروری ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ہر بیوی کے

پاس راتوں کو قیام کرنے میں برابری کرے، یعنی جتنی راتیں ایک کے پاس رہے دوسری کے پاس بھی اُسی قدر راتیں گزارے یہ وہ عدل ہے جس کا حکم دیا گیا ہے، جو انسان کے اختیار میں ہے، اور جو چیز اختیار میں نہیں ہے، یعنی یہ کہ قلبی میلان کسی کی طرف زیادہ ہو تو اس پر مواخذہ نہیں لیکن اس کی وجہ سے عدل اختیاری کو نہ چھوڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں میں عدل فرماتے تھے یعنی انصاف کے ساتھ راتیں تقسیم کرتے تھے لیکن بعض بیویوں کی طرف قلبی رجحان زیادہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا اللھم انھذا قسمی فیما املک فلا تلمنی فیما تملک ولا املک (اے اللہ یہ میری تقسیم ہے جو میرے اختیار میں ہے سو آپ اس میں مجھے ملامت نہ فرمائیے، جو چیز میرے اختیار میں نہیں)۔ (رواہ الترمذی)

اگر کوئی شخص امر اختیار میں عدل و انصاف نہ کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو گراؤا ہوگا۔ (رواہ الترمذی) اگر اپنے اختیار سے عدل کرنے میں کامیابی بدتی نظر نہیں آتی اور اُسے خیال ہوتا ہے یا عزم پختہ کر لیتا ہے کہ میں اس عورت کو طلاق دیتا ہوں جس کے ساتھ برابری کا معاملہ نہیں کر سکتا یا اس لئے طلاق دینا چاہتا ہے کہ اس کی عمر زیادہ ہوگئی اور وہ عورت صورت حال کو سمجھ کر یوں صلح کر لے کہ چلو راتیں تقسیم کرنے والا، میرا حق فلاں بیوی کو دے دیا کریں یا یہ کہ نان نفقہ معاف کرتی ہوں یا مقدار کم کرتی ہوں تو ایسی صلح کر لینے میں کوئی گناہ کی بات نہیں اور صلح اچھی ہی چیز ہے۔ جب اتنی بڑی زندگی ساتھ گزاری ہے تو طلاق دے کر نچ پہنچانا اچھی بات نہیں، خصوصاً جب کہ وہ اپنا حق چھوڑنے پر بھی راضی ہے تو طلاق دینا بہت ہی نامناسب ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں والصلح خیر ای من الفرقۃ وسوء العشرۃ او من الخصومة یعنی صلح کرنا جدا ہونے سے اور بُرے طریقے پر زندگی گزارنے سے یاڑتے جھگڑتے رہنے سے بہتر ہے وَالصُّلْحُ خَيْرٌ فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا وَاَوْخَضِرَبَ الْاَنْفُسِ الشُّحُّ لفظ الشُّحُّ کے بارے میں مفسرین لکھتے ہیں کہ هو البخل مع الحرص یعنی شح اس بخل کو کہتے ہیں جس میں حرص بھی ہو، اور درحقیقت بات یہ ہے کہ بخل اور حرص آپس میں ایک دوسرے کو لازم ہوتے ہیں، کیونکہ جو شخص حرص سے بچتا ہے وہ حرص بھی ہوتا ہے اور جو حرص ہوتا ہے حرص بھی ہوتا ہے۔ چونکہ ان دونوں بڑی خصلتوں کا سبب حب دینا ہے اس لئے سورہ تغابن اور سورہ حشر میں فرمایا وَفَنِّ يُّوقُ شَحِّ نَفْسِهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (جو شخص شح نفس سے بچا لیا گیا سو یہ لوگ کامیاب ہیں) حدیث شریف میں فرمایا شَرُّ مَا فِي الرَّجُلِ شَحُّ مَالٍ وَجُبْنُ خَالٍ کہ انسان کے اندر سب سے زیادہ بڑی چیز حرص اور بخل ہے جو خوب زیادہ گمراہی میں ڈالنے والا ہے اور دوسری چیز بزدلی ہے جو جان نکالنے والی ہے۔ (رواہ ابوداؤد کما فی المسند: ص ۱۶۸) (دہوئی السنن فی کتاب الجہاد ص ۳۴ ج ۱)

مفسرین نے فرمایا ہے کہ جملہ وَاَوْخَضِرَبَ الْاَنْفُسِ الشُّحُّ میں یہ بتایا ہے کہ چونکہ نفوس انسانیہ میں ایک طرح کی حرص ہے اور خرچ نہ کرنے کے جذبات بھی ہیں اس لئے صلح میں آسانی ہوگی۔ جب شوہر یہ دیکھے گا کہ عورت پورایا آدھا اپنا مالی حق چھوڑ رہی ہے یا یہ کہ دوسری عورت کو اپنی باری کا حق سپرد کر رہی ہے تو اس طرح سے میری طبعی حرص میں کچھ خلل نہیں آتا اور عورت بھی مفت میں میرے نکاح میں رہ جاتی ہے تو وہ نکاح میں رکھنے پر راضی ہو جائے گا اور عورت کو جو حرص ہے کہ وہ پرانے شوہر ہی کے نکاح میں رہے اس کی یہ حرص بھی پوری ہو جائے گی۔ اور اس طرح سے صلح آسان ہوگی۔ اگر بچے ہیں تو کسی فریق کو بچوں سے جدا ہونا بھی نہ پڑے گا اور بخل جل کر سب کی خوشگوار زندگی گزرے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پھر فرمایا وَانْ تُحْسِنُوْا وَتَقْسِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ سَمَّانٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيرًا کہ اگر تم بھلائی کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی خبر ہے وہ تمہیں نیکی اور تقویٰ کا اچھا بدلہ دے گا۔ اس میں مرد اور عورت دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک

اختیار کرنے اور پرہیزگاری کرنے کی ترغیب دی ہے۔

صلح کا ذکر فرمانے کے بعد ایک بہت اہم بات کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا اَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ کہ تم سے ہرگز یہ نہ ہو سکے گا کہ سب بیویوں میں ہر طرح کی برابری کرو، کیونکہ قلبی غیر اختیاری چیز ہے اس لئے اس میں برابری نہ کر سکو گے پس اگر کسی بیوی کی طرف قلبی میلان زیادہ ہو تو اس کی وجہ سے کسی دوسری بیوی کے حقوق تلف نہ کریں۔ جس سے وہ دوسری بیوی مظلوم ہو جائے اور وہ درمیان میں لٹک کے رہ جائے نہ اس کے حقوق ادا ہوں تاکہ وہ خاوندہ الی سمجھی جائے اور نہ اس کو طلاق دی جائے تاکہ وہ بے خاوندہ الی ہو کر کسی اور جگہ اپنا نکاح کر سکے۔ اسے رکھنا ہے تو اچھی طرح سے رکھو۔ اور اگر اصلاح کرو گے اور پرہیزگاری اختیار کر دے گے (جس میں گذشتہ حق تلفی کی تلافی بھی ہو) تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے وہ سب کچھ بخش دے گا۔

پھر فرمایا وَلَنْ يَسْفُرُوا عَنْ اللّٰهِ كَلَامًا مِّنْ سَعْيِهِ لَعْنَى اِذَا رَفِئُوْا مِیَاں بیوی میں کسی طرح موافقت نہ ہو پائے اور خلع یا طلاق کے ذریعہ آپس میں جدائی نہ ہو ہی جائے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہر ایک کو ایک دوسرے سے بے نیاز فرما دے گا۔ کوئی فریق یہ نہ سمجھے کہ میرے بغیر اس کا کام چلے گا ہی نہیں اللہ تعالیٰ سب کا کارساز ہے ہر ایک کیلئے جو مقدر فرمایا ہے وہ اس کے لئے میسر فرمائے گا۔ اس میں فریقین کو تسلی دی ہے کہ آپس میں صلح نہ کر سکیں تو جدا ہو ہی جائیں تو اللہ تعالیٰ دونوں کیلئے خیر فرمائے گا۔ مرد کو کوئی دوسری بیوی مل جائے گی اور عورت کا بھی کوئی ٹھکانہ ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی بڑی قدرت ہے وہ اپنی رحمت اور قدرت سے دونوں کا کام بنادے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

جو لوگ دوسری شادی کر لیتے ہیں اور پہلی بیوی کے ساتھ نہ برابری کا برتاؤ کرتے ہیں نہ طلاق دیتے ہیں اور اس پر ظلم کرتے رہتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ تو ایسے ہی پڑی پڑی سڑتی رہے گی۔ ایسے ظالموں کو ان آیات کے مضامین پر خاص توجہ دینا لازم ہے۔ دنیا میں وہ مظلوم اگر کچھ نہیں کر سکتی تو آخرت تو سامنے ہے۔ اگر انصاف نہیں کر سکتے اور برابری کے ساتھ دونوں کو نہیں رکھ سکتے تو ایک ہی بیوی کے ساتھ گزارو کریں جیسا کہ سورہ نساء کے شروع میں فرمایا فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَاَوْحَدُوْا۔

دشمنان اسلام نے تعدد ازواج کے بارے میں جو اسلام پر اعتراض کیا ہے۔ اُن کا جواب دینے کیلئے نام نہاد اسلام کے جنہوں نے ہمدردوں نے آیت وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا اَنْ تَعْدِلُوْا کو پیش کر کے یوں کہا ہے کہ تعدد ازواج ممنوع ہے کیونکہ برابری کر ہی نہیں سکتے اس لئے ایک ہی پر بس کرنا لازم ہے۔ ان جاہل خیر خواہوں نے دشمنوں کو جواب دینے کیلئے مسئلہ شرعیہ میں تحریف کر دی۔ وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا اَنْ تَعْدِلُوْا میں فرمایا ہے کہ تم قلبی محبت میں برابری نہیں کر سکتے جن امور میں اپنے اختیار سے برابری کر سکتے ہیں اس کیلئے وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا میں فرمایا اور اسی اختیار برابری کی بنیاد پر چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے جس کا ذکر سورہ نساء کے شروع میں گذر چکا ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ وَلَقَدْ وَصَّیْنَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ

اور اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور البتہ ہم نے اُن لوگوں کو وصیت کی جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی وَ اِیَّاكُمْ اِنْ اَتَقُوا اللّٰهَ ۚ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ

درہم کو بھی وصیت کی کہ اللہ سے ڈرو اور اگر کفر کرو گے تو بلاشبہ اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ بے نیاز ہے

غَنِيًّا حَمِيدًا ۝ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ وَكَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ۝

لائیق حمد و ستائش ہے۔ اور اللہ ہی کے لئے ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے، اور کارساز ہونے کے لئے اللہ کافی ہے۔

إِنْ يَشَاءُ يُدْهِبْكُمْ أَتَيْهَا النَّاسُ وَيَأْتِ بِآخَرِينَ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ قَدِيرًا ۝

اے لوگو! اگر اللہ چاہے تو تم سب کو ختم کر دے اور دوسروں کو لے آئے، اور اللہ کو اس پر قدرت ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝

جو شخص ارادہ کرے دنیا کے ثواب کا تو اللہ کے پاس دنیا و آخرت کا ثواب ہے اور اللہ سنے والا دیکھنے والا ہے۔

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے، وہ غنی اور حمید ہے، سمیع اور بصیر ہے

ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے سب اس کی مخلوق ہیں، مملوک ہیں اور اس کے بندے ہیں۔ اسے سب اختیار ہے۔ تکنوینی طور پر جس حال میں رکھے اور تشریفی طور پر جو چاہے حکم دے۔ کسی کو کچھ ذرا بھی اعتراض کا حق نہیں، اور فرمایا کہ جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ان کو اور تم کو اللہ نے یہ وصیت فرمائی ہے یعنی تاکیدی طور پر حکم دیا ہے کہ اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرنے ہی میں سارے دین پر عمل کرنے کا حکم آ جاتا ہے، فرائض و واجبات کی پابندی اور گناہوں کا چھوڑنا یہ سب تقویٰ ہے۔ مزید فرمایا کہ اگر تم کفر اختیار کرو گے تو اللہ کا اس میں کچھ بھی ضرر نہیں آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے اور وہ غنی ہے بے نیاز ہے اُسے کسی کی حاجت نہیں۔ کسی کی اطاعت سے اس کا کوئی نفع نہیں، اور ترک اطاعت اور عبادت سے اُس کا کوئی ضرر نہیں۔

وحمید بھی ہے یعنی ہمیشہ سے وہ اپنی ذات و صفات کے اعتبار سے محمود ہے، لائق تعریف ہے، مستحق حمد ہے۔ کسی کی مخالفت سے اس کی صفات میں کوئی نقص لازم نہیں آتا اور کسی کی اطاعت سے اس کے کمال میں ذاتی کوئی زیادتی نہیں ہوتی۔ ساری مخلوق اس کی ملک ہے وہ سب کا کارساز ہے۔

پھر فرمایا: إِنْ يَشَاءُ يُدْهِبْكُمْ أَتَيْهَا النَّاسُ وَيَأْتِ بِآخَرِينَ اے لوگو! اگر اللہ چاہے تو تم سب کو ختم کر دے اور تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئے وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ قَدِيرًا اور اللہ تعالیٰ کو اس پر پوری پوری قدرت ہے باوجود قدرت ہونے کے اس نے تم کو باقی رکھا ہے تم اس کی اطاعت و عبادت کو نصیحت جانو۔

آخر میں فرمایا: مَنْ كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ کہ جو شخص دنیا کے ثواب کا ارادہ کرتا ہے اُسے دنیا کا طالب ہو کر آخرت کا ثواب نہیں کھونا چاہیے اللہ سے آخرت کا ثواب مانگے اور اس کی آرزو بھی رکھے، جو شخص دنیا کا طالب ہے اُسے بتا دو کہ اللہ کے پاس دونوں جہاں کا ثواب ہے۔ اشرف ترین چیز یعنی ثواب آخرت کا طالب ہونا چاہیئے۔ (روح المعانی ص ۱۶۶ ج ۵)

حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کا مقصد آخرت ہی بن جائے اللہ تعالیٰ اس کے منتشر امور کو جمع فرما دے گا اور اس کے دل کو مٹی کر دے گا اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آئے گی، اور جس کی نیت حصول دنیا ہو اس کے کاموں کو منتشر فرما دے گا اور اس کی آنکھوں کے سامنے تنگی کر دے گا۔ اور دنیا اُسے اتنی ہی ملے گی جتنی اس کے لئے لکھ دی گئی ہے۔

(الترغیب والترہیب ص ۱۲۱ ج ۳)

آخر میں فرمایا: وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا بَصِيرًا یعنی اللہ تعالیٰ تمام اقوال کو سنتا ہے اور تمام احوال کو دیکھتا ہے۔ جو لوگ طالب دنیا ہیں صرف دنیا کے لئے عمل کرتے ہیں۔ آخرت کی طرف نہیں بڑھتے۔ اللہ تعالیٰ کو ان سب کا علم ہے، جو لوگ ریاکاری کے طور پر عمل کرتے

ہیں اللہ تعالیٰ سے ان کا حال پوشیدہ نہیں ہے وہ اپنے علم کے مطابق بدل دے گا۔

قال صاحب الروح ص ۱۶ ج ۵ ای کیف یرانی المرانی وان اللہ تعالیٰ سمیع بما یرجس فی خاطره وما نامرہ بہ دو اعید بصیر باحوالہ کلہا ظاہرہا و باطنہا و بجازہ علی ذلک۔ (صاحب روح المعانی) فرماتے ہیں کہ ریاکار یا کاری کیسے کرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں آنے والے سوسے کو بھی سنتا ہے اور اس سوسے کے تقاضوں کو بھی جانتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے تمام حالات کو بخوبی جاننے والا ہے خواہ وہ ظاہرہ دل یا پوشیدہ اور اس پر پھرا سے بدل دے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوِّمِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ

۱۔ ایمان والو! انصاف پر قائم ہونے والے اللہ ہی کے لئے گواہی دینے والے بن کر رہو اگرچہ تمہاری جانوں یا تمہارے ماں باپ یا تمہارے

وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۚ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا ۚ

رشتہ داروں کے خلاف پڑ جائے، اگر غنی ہے یا فقیر ہے تو اللہ تعالیٰ کو دونوں کے ساتھ تم سے زیادہ تعلق ہے سو تم انصاف کرنے میں خود انہی نفس کا اتنا بن کر نہ

وَأِنْ تَلَوْا أَوْ تَعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝

اور اگر تم سچ بیانی کر دے تو بلاشبہ اللہ تمہارے سب کاموں سے باخبر ہے۔

بچی گواہی دینے اور انصاف پر قائم رہنے کا حکم

باب العقول ص ۸۵ میں اس آیت کا سبب نزول بتاتے ہوئے بحوالہ ابن ابی حاتم مفسر شافعی سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ دو شخصوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا مقدمہ پیش کیا ان میں ایک غنی تھا اور ایک فقیر تھا۔ آپ کا رجحان فقیر کی طرف ہوا کیونکہ خیال مبارک میں یہ آیا کہ فقیر غنی پر کیا ظلم کرے گا۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ انصاف کو قائم رکھا جائے۔

اصل چیز انصاف ہے وہی مطلوب ہے کسی کی بھی طرفداری کرنے سے انصاف باقی نہیں رہتا انصاف کرنے کے جو اصول ہیں یعنی گواہی اور قسم اسی کے مطابق فیصلے کئے جائیں البتہ گواہ سچے ہوں اسی لئے جہاں یہ حکم دیا کہ انصاف پر قائم رہو وہاں یہ بھی حکم دیا کہ اللہ کیلئے گواہی دینے والے بنو۔ گواہ بھی جھوٹی گواہی نہ دیں اور کسی کی طرفداری نہ کریں۔ حق کو خوب اچھی طرح واضح کریں۔ گواہی دینے میں غلط بیانی نہ کریں۔ جیسے زبان موڑ کر یا الفاظ کی ہیرا پھیری کر کے بعضے گواہ گواہی دے جاتے ہیں۔ اس میں ظالم کی طرفداری ہو جاتی ہے یا حق واضح نہ ہونے سے حاکم فیصلہ دینے سے عاجز رہ جاتا ہے جس سے مظلوم کا حق مارا جاتا ہے اور گواہی دینے سے اعراض بھی نہ کرتے کیونکہ جہاں کسی کا حق مارا جاتا ہو وہاں حق گواہی دینا واجب ہے اس واجب کی خلاف ورزی گناہ ہے۔ اسی کو فرمایا وَإِنْ تَلَوْا أَوْ تَعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا اور سورۃ بقرہ کے آخری رکوع میں فرمایا وَلَا تَأْتِبِ الشَّهَادَةَ إِذَا مَا دُعُوا اور فرمایا وَلَا تَكُنُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكُنْهَا فَإِنَّهُ آتَمَ قَلْبُهُ۔

مزید ارشاد فرمایا کہ اللہ ہے، جسے وہاں دو اور وہاں یہ نہ دیکھو کہ یہ اس کے خلاف جانے کی اگر حق کی گواہی تمہاری اپنی جانوں کے خلاف ہو یا تمہارے والدین کے خلاف ہو یا رشتہ داروں کے خلاف ہو تب بھی سچ اور حق گواہی دے دو۔ اگر تمہارا لیا تمہارے عزیزوں کا کچھ نقصان ہوگا تو حقیر دنیا کا نقصان، دو کا حق قائم کرنے اور حق دلانے کے سامنے حقیر دنیا کے نقصان کی کوئی حیثیت نہیں، وَلَوْ عَلَىٰ

انفسکم سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی کا کوئی حق اپنے ذمہ نہ تھا، مگر وہ واضح طور پر اس کا اقرار کرنا لازم ہے گویہ نفس کے خلاف گواہی ہے۔ نفس حق دینا نہیں چاہتا لیکن آخرت کی پیشی کو سامنے رکھ کر حقدار کا حق دے دینا لازم ہے۔

یہ جو فرمایا ان یسکن غیباً اَوْ فَبَیْرًا ۱۰ قَالَ اللّٰهُ اُولٰٓئِیْہِیْمَا اس میں یہ بتایا کہ تم یہ نہ دیکھو کہ جس کے خلاف گواہی پڑ رہی ہے اور جس کے خلاف فیصلہ ہو رہا ہے یہ فنی ہے یا فقیر ہے، امیری غریبی اللہ کی دی ہوئی ہے اور امیر اور غریب سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعلق ہے کیونکہ وہ اس کی مخلوق ہیں وہ ان کا حاجت روا ہے۔ تمہیں کسی امیر غریب سے اتنا تعلق نہیں ہے جتنا اللہ تعالیٰ کو تعلق ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے سب کی مصلحت اسی میں رکھی ہے کہ صحیح گواہی دی جائے حق بات کہی جائے تو تم اسی حکم پر عمل کرو۔ یہ نہ دیکھو کہ مالدار کے پاس مال جارہا ہے یا اُسے دینا پڑ رہا ہے یا غریب کو نہیں مل رہا ہے یا غریب کو دینا پڑ رہا ہے بلکہ ہمیشہ حق ہی کو اختیار کرو اور صحیح گواہی دو۔

جس طرح رشتہ داری سامنے آ جاتی ہے اور گواہی میں اور فیصلے میں حق کو اختیار نہیں کیا جاتا بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ جس کے خلاف فیصلہ جارہا ہے وہ ہمارا رشتہ دار ہے اسی طرح یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہم جس کے خلاف گواہی دے رہے ہیں یا فیصلہ لکھ رہے ہیں وہ ہمارا دوست ہے یا ہم وطن ہے یا ہم پیشہ ہے یا ہم زبان ہے، ایسے گواہ اور حاکم کے لئے سخت وبال اور گناہ کی بات ہے کہ ظالم کا ساتھ دے اور اس کی رعایت کرے جس سے کسی قسم کا تعلق ہے اور جس کا واقعی حق بنتا ہو اُسے محروم کرو۔ لسانی اور وطنی مصیبتوں کی وجہ سے متعصب عوام سے دب کر بہت سے اہل علم بھی عصیت کے سیلاب میں بہہ جاتے ہیں۔ زمانہ قریب کی تاریخ شاہد ہے کہ تقسیم ہند کے بعد کافروں کے مظالم سے بچ کر بہت سے مسلمان دوسرے مسلمانوں کے بعض علاقوں میں ہجرت کر کے پہنچ گئے اور پھر وہاں گھر در بنا لیے اور زمینیں خرید لیں اور پیسے کمائے جب علاقے کے لوگوں کو علاقائی عصیت کا خیال آتا تو ان پناہ گزین مسلمانوں کو اپنے علاقے سے نکالنے پر تل گئے۔ پناہ گزینوں کو بے تحاشہ ختم کیا اور ان کے مالوں اور جائیدادوں پر قبضہ بھی کر لیا ہے اس وقت حکام اور عوام بلکہ اہل علم تک اس جہالت پر آمادہ ہو گئے کہ یہ ہماری زمین ہے۔ یہ رقم ہمارے یہاں رہتے ہوئے کمائی ہے۔ لہذا یہ سب کچھ ہمارا ہے اس عصیت جاہلیت کی وجہ سے پناہ گزینوں پر بڑے بڑے مظالم ہوئے اور حکام اور عوام سب نے کھوٹو اَفْوَامِیْن بِالْبَقْسِطِ کی خلاف ورزی کی۔ اگر کسی کے دل میں انصاف کی بات تھی تو عوام کے خوف سے وہ زبان پر نہ لاسکا۔ انصاف پر قائم رہنے میں یہ سب داخل ہے کہ کوئی کسی پر ظلم نہ کرے اور ظالم کو قتل سے روکا جائے۔ ظالم کی حمایت نہ کی جائے مظلوم کا حق دیا جائے اور دلا جائے گواہی دینے میں کسی اپنے پرانے کا خیال نہ رکھا جائے۔ گواہی حق ہو، خواہ کسی کے بھی خلاف پڑے۔ اپنے نفس پر اور مظلوموں پر ظلم کرنے والے وہ لوگ بھی ہیں جو اللہ کے لئے گواہی نہیں دیتے جبکہ قرآن مجید میں شَہِدَاۃً لِّہٖ فرمایا اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو روزانہ کچہری میں حاضر ہو جاتے ہیں اور جس کے خلاف گواہی دلاوائی جائے تھوڑے سے پیسے لے کر گواہی دے دیتے ہیں، جھوٹی گواہی دینا بہت سے لوگوں کا کاروبار ہے۔ ایسی گواہی دینا حرام ہے اور اس پر جو اجرت لیتے ہیں وہ بھی حرام ہے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو قیامت کے دن اللہ کے سامنے کی طرف سب سے پہلے پہنچنے والے کون ہیں، عرض کیا اللہ اور اس کا رسولؐ ہی جانتے ہیں۔ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جب انہیں حق دیا جاتا ہے تو قبول کر لیتے ہیں اور اگر ان پر کسی کا حق ہو تو جب مانگا جائے وہ دیتے ہیں اور لوگوں کے بارے میں وہی فیصلے کرتے ہیں جو فیصلے اپنے لئے کرتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جیسے اپنے لئے حق اور انصاف چاہتے ہیں ایسے ہی جب دوسروں کے بارے میں فیصلہ کرنے کا موقع آ جائے اس وقت بھی انصاف کرتے ہیں۔ (۱۰۰: ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳)

شروع آیت میں رَآٰ یٰہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَرَاکَیْہِ تَاوِیَا کہ انصاف قائم کرنا اور سچی گواہی دینا یہ تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے، جو

لوگ حکام ہیں اُن کو پوری اُمت انصاف کا پابند کرے تاکہ دنیا میں انصاف کی فضا بنے۔ جو لوگ حاکم بناتے ہیں اُن پر فرض ہے کہ ایسے شخصوں کو حاکم بنائیں جو علم اور تقویٰ والے ہوں۔ ظالمانہ فیصلے نہ کریں قرآن وحدیث کے موافق فیصلے کریں۔ کافرانہ قانون کو سامنے رکھ کر فیصلے نہ کریں۔

فائدہ..... اس آیت میں کُتُبُوا قَوَّامِیْنَ بِالْقِسْطِ شَہِدَآءَ لِلّٰہِ فرمایا اور سورۃ مائدہ میں قَوَّامِیْنَ لِلّٰہِ شَہِدَآءَ بِالْقِسْطِ فرمایا۔ دونوں کلمات سے معلوم ہوا کہ انصاف قائم کرنا اور صحیح گواہی دینا یہ دونوں کام اللہ کی رضا کے لئے کریں۔ لفظ لِّلّٰہِ میں یہ بتایا کہ انصاف اور گواہی اللہ کی رضا کے لئے ہو، اور آیت کے ختم پر اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا فرما کر..... یہ بتایا کہ اللہ سے ڈر دیتا ہے کہ تم جیسی کادھیان رکھو۔ جب اللہ کی رضا بھی مقصود ہوگی اور اللہ کا خوف بھی ہوگا تو انصاف بھی قائم ہو سکے گا اور گواہی بھی دے سکیں گے۔

فائدہ..... اس آیت میں جو یہ فرمایا قَلَّ تَبِعُوا الْفُجُورَ اَنْ تَعْبُدُوْا اِس میں اجمالی طور پر مضمون بالا کی تاکید فرمادی کہ خواہش نفس کا اتباع نہ کرو۔ ظلم اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ حق کو اختیار کرنے کی بجائے خواہش نفس کا اتباع کیا جاتا ہے اور اللہ کی رضا کو سامنے نہیں رکھا جاتا اسی وجہ سے ظالمانہ فیصلے ہوتے ہیں اور جھوٹی گواہیاں دی جاتی ہیں۔

لفظ اَنْ تَعْبُدُوْا میں ایک احتمال تو یہ ہے کہ عدول سے مشتق ہو جس کا معنی یہ ہوگا کہ اتباع تو ہی نہ کرنا جس کی وجہ سے حق سے ہٹ جاؤ گے اور یہ بھی احتمال ہے کہ عدل سے مشتق ہو جس کا معنی یہ ہوگا کہ اتباع ہوئی نہ کرو۔ کیونکہ اتباع ہوئی کی وجہ سے عدل نہ کر سکیں گے۔
وفیہ حذف مضاف ای کراہیۃ ان تعدلوا۔

گواہیوں اور فیصلوں میں رشتہ داریوں کو نہ دیکھا جائے..... بے انصافی اختیار کرنے اور ظلم پر آمادہ ہونے کے لئے جس طرح رشتہ داروں کی یاد دہانیوں کی یا کسی بھی قسم کے تعلقات کی رعایت آڑے آ جاتی ہے اسی طرح سے کسی قوم کی دشمنی اور بغض اور عداوت بھی انصاف سے روکنے والے بن جاتے ہیں۔ اس پر سورۃ مائدہ میں تنبیہ فرمائی اور فرمایا وَلَا یَجْعَلُوْا مَنکُمْ شُرَکَآءَ فِیْ دِیْنِکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْبُدُوْا (کہ کسی قوم کی دشمنی کرنا انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روک دیا ہے اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم زیادتی کر جاؤ) اور فرمایا لَا یَجْعَلُوْا مَنکُمْ شُرَکَآءَ فِیْ دِیْنِکُمْ عَلٰی اَنْ لَا تَعْبُدُوْا (اور تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف نہ کرو)۔

اسلام ظلم کا ساتھی نہیں..... دین اسلام میں حق اور انصاف کی قدر و قیمت ہے اور اسی کا حکم دیا گیا ہے اور انصاف کے اصول مقرر فرما دیئے ہیں۔ صاحب حق امیر ہو یا غریب ہو اس کا حق دلانا فرض ہے۔ کسی سے اس لئے عداوت کرنا کہ وہ امیر ہے یا غریب ہے یہ اسلام میں نہیں ہے اسلام حق کا ساتھی ہے ظلم کا ساتھی نہیں ہے، جب سے دنیا میں کمیونزم کا نظریہ چلا ہے اس وقت سے لوگوں کا کچھ مزاج ایسا ہو گیا کہ جس طرح سے ممکن ہو مالدار کو دباؤ۔ اگرچہ ظلم غریب کی طرف سے ہو جہاں کہیں کسی امیر اور غریب میں کوئی جھگڑا ہو جائے تو دیکھا جاتا ہے کہ عام لوگ غریب ہی کے ساتھی ہو جاتے ہیں حالانکہ حق کا ساتھی ہونا چاہیے اگر کسی امیر نے مزدور رکھا اور کام لے کر اس کی مزدوری نہ دی یا کم دی تو اس صورت میں غریب کا ساتھی ہونا چاہیے اور اس کا جو حق ہے وہ دلائیں اور اگر کسی غریب نے کسی امیر کا پیسہ مار لیا تو اس غریب سے اس امیر کا پیسہ دلائیں، اسلام حرام کا مخالف ہے۔ اگر امیر کے پاس حرام ہے تو وہ گنہگار، فاسق، فاجر ہے۔ جس کا مال مارا ہے اس کا حق ادا کرے، اور اگر کسی غریب نے کسی امیر کا ناجائز طور پر مال لے لیا ہے تو وہ بھی فاسق فاجر ہے اس کے ذمہ بھی واجب ہے کہ جس کا مال مارا ہے اس کا مال واپس کرے۔ امیری یا غریبی حق ہونے کا اور حق دار ہونے کا معیار نہیں ہے اب مزدور یہ کرتے ہیں کہ جتنا مال ملے کے اعتبار سے ان کا حق بنتا ہے اس سے زیادہ مانگتے ہیں اگر کارخانہ دار نہ دے تو ہڑتال کر دیتے ہیں پھر ہڑتال کے زمانے

اس کے بعد منافقوں کا ذکر فرمایا، سورہ بقرہ کے شروع میں ہم نے بتایا تھا کہ منافقوں کا ظہور کیوں ہوا۔ اور منافقت اختیار کرنے والے کون لوگ تھے اور انہوں نے اس کی ضرورت کیوں محسوس کی وہاں دیکھ لیا جائے..... ان لوگوں کے سامنے دنیا تھی۔ طلب دنیا کی وجہ سے منافظا ہری کے پیش نظر ظاہری طور پر..... ایمان قبول کر لیتے تھے اور اندر سے کافر ہی رہتے تھے۔

اُن میں سے بعض کو تو ایمان کی توفیق ہو گئی۔ اور بعض کفر ہی میں بڑھتے چلے گئے۔ جب انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا تو پیچھے پلٹ کر دیکھنے اور آخرت کا نفع نقصان سمجھنے کا موقع ہی ختم کر دیا جو شخص کفر اور شرک پر مر جائے اس کی بخشش کبھی نہیں ہے اور جب کفر پر مر گیا تو اب موت کے بعد جنت کی راہ دکھانے کا کوئی راستہ ہی نہیں رہا۔

آیت بالا کی تفسیر کرتے ہوئے بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ آیت یہودیوں کے بارے میں ہے کہ وہ اول ایمان لائے پھر گائے کے پیچڑے کی نہات کر کے کافر ہو گئے پھر توبہ کر کے مؤمن ہوئے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منکر ہوئے پھر انکار میں بڑھتے ہی چلے گئے۔ یہاں تک کہ جانتے بوجھتے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور رسالت کے بھی منکر ہو گئے۔ (ذکر ربی الروح)

وَلَا يَنْفَعُهُمْ سَبِيلًا اس کا ایک مطلب تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بہشت کا راستہ نہ دکھائے گا کیونکہ وہ کفر پر چکے ہوں گے۔ اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اُن کے بار بار کفر کی طرف اوٹنے کی وجہ سے قبول حق کی توفیق ہی سب ہو جائے گی۔ اور آئندہ توبہ کرنے اور ایمان لانے کا موقع ہی نصیب نہ ہوگا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے سورہ بقرہ میں بنی اسرائیل کے بارے میں ارشاد فرمایا فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ قَالَ صاحب الروح ص ۱۷۱ ج ۵ فان من تكور منهم ارتدادا و ازدياد الكفر والاصرار عليه صاروا بحيث قد ضربت قلوبهم بالكفر و تمرنت على الردة۔

بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۔

منافقین کو خوشخبری سنا دیجئے کہ اُن کیلئے دردناک عذاب ہے۔ جو منافقین کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں۔

أَيُّبْتَغُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۝

کیا اُن کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں بلاشبہ ساری عزت اللہ کے لئے ہے۔

عزت اللہ ہی کے لئے ہے

اس آیت میں بھی منافقین کی بد حالی کا تذکرہ ہے ارشاد فرمایا ہے کہ ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے خوشخبری تو اچھی حالت کی دی جاتی ہے لیکن عذاب الیم کی خبر کو بھی خوشخبری سے تعبیر فرمایا کیونکہ وہ لوگ اپنی حرکتوں کے نتیجے میں اچھی حالت کے منتظر ہیں، اُن کی بے وقوفی ظاہر کرنے کے لئے اس خبر کو بشارت سے تعبیر فرمایا۔ منافقین نے جو نفاق اختیار کیا تھا۔ اس میں انہیں کافروں سے دوقر کشی پڑتی ہے۔ مسلمانوں سے کہتے تھے کہ ہم ایمان لائے اور کافروں سے کہتے تھے کہ تم تمہارے ساتھ ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں کسی بھی فریق کے ساتھ نہ تھے۔ جیسا کہ آئندہ رکوع میں ہے لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ۔ سمجھتا تھا لیکن وہ یہی سمجھتے تھے کہ ہم بڑے کامیاب ہیں دونوں فریق کو اپنے تعلق میں الجھا رکھا ہے اس فریق سے بھی نفع حاصل کرتے ہیں اور دوسرے فریق سے بھی۔ اُن کی یہ چالاکی انہیں لے ڈوبی ایمان سے محروم رکھا۔ اخلاص کے ساتھ ظاہر و باطن اسلام قبول کر کے

سچے کے مسلمان اس لئے نہیں بنتے تھے کہ انہیں یہ خیال تھا کہ اگر مسلمانوں کا غلبہ نہ ہو تو ہم اسلام قبول کر کے اس عزت سے محروم ہو جائیں گے جو کافروں سے دوستی کرنے میں حاصل ہے۔ اسی کو فرمایا اَللّٰهُمَّ الْعِزَّةُ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا (کیا کافروں کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں عزت تو ساری اللہ ہی کے لئے ہے) اللہ خود عزیز ہے وہ جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے یہ کافروں کی ذرا سی مال و جائیداد اور جتھہ کی جو عزت نظر آ رہی ہے اس کی کچھ حیثیت نہیں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جو عزت دے گا اس کے سامنے یہ کچھ بھی نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو عزت دی وہ سب کافر ذلیل ہوئے جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا اور منافقین نے بھی اُن کے ساتھ ذلت اٹھائی۔ کافر زیر بوتے چلے گئے اور اہل اسلام کا غلبہ ہوتا گیا اور ممالک فتح ہوتے چلے گئے یہ تو دنیا میں ہوا اور آخرت میں تو ہر کافر کے لئے عذاب مہین (ذلیل کرنے والا عذاب) مقرر ہے ہی۔ دنیا میں جو اب مسلمانوں کی بد حالی ہے وہ اس لئے ہے کہ عمومی طور پر مسلمانوں نے ایمانی تقاضوں کو اور ایمان کے مطالبات کو چھوڑ دیا ہے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اسلام کو سب سے بڑی عزت سمجھے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی سے عزت مانگے اور مسلمانوں کی دوستی ہی میں عزت سمجھے مسلمان ہوتے ہوئے کافروں سے دوستی کرنے میں یا ان کے افعال و اخلاق اختیار کرنے میں یا اُن کی شکل و صورت اور وضع قطع اختیار کرنے میں عزت نہ سمجھے، جو لوگ اللہ کے ہاں ذلیل ہیں اُن کے ساتھ یا اُن جیسا ہونے میں عزت نہیں ہے۔ طارق بن شہاب بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ (اپنے زمانہ خلافت میں) شام کی طرف روانہ ہوئے اور اُس وقت ہمارے ساتھ حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ بھی تھے، چلتے چلتے حضرت عمرؓ اپنی اونٹنی سے اتر گئے اور اپنے موزے اپنے کاندھے پر ڈال لئے اور اونٹنی کی باگ پکڑ کر چلنا شروع کر دیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین! آپ ایسا کرتے ہیں کہ موزے نکال کر کاندھے پر ڈال کر اونٹنی کی باگ پکڑ کر چل رہے ہیں؟ مجھے تو یہ اچھا نہیں لگتا کہ یہاں کے شہر والے اور لشکر اور نصاریٰ کے بڑے لوگ آپ کو اس حال میں دیکھیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا افسوس ہے تیری بات پر، اے ابو عبیدہؓ تیرے علاوہ کوئی شخص یہ بات کہتا تو اُسے عبرتناک سزا دیتا جو امت محمدیہ کے لئے عبرتناک ہوتی پھر فرمایا کہ بلاشبہ ہم لوگ (یعنی عرب) ذلیل قوم تھے اللہ نے ہم کو اسلام کے ذریعہ عزت دی اس کے بعد جب کبھی بھی ہم اس چیز کے علاوہ عزت طلب کریں گے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزت دی ہے تو اللہ تعالیٰ ہمیں ذلیل فرما دے گا۔ (رواہ الحاکمی)

المستدرک ص ۲۲ ج ۱

آج دیکھا جاتا ہے کہ مسلمان ہونے کے دعویدار نصاریٰ کے طور طریقے اختیار کرنے میں واڈھی موڈ نے میں افرنجی لباس پہننے میں کھانے پینے میں اور معیشت میں اور معاشرت میں حکومت میں اور سیاست میں دشمنان دین کی تقلید کرنے کو عزت کی چیز سمجھتے ہیں۔ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنے میں، اسلامی لباس پہننے میں، بیاہ شادی میں، سنت کا طریقہ اختیار کرنے میں، اسلامی قوانین اختیار کرنے میں خفت اور ذلت محسوس کرتے ہیں۔ جس طرح منافقین کافروں سے دوستی کر کے اُن کے یہاں عزت چاہتے تھے آج کے مسلمان بھی انہیں کے طرز کو اپنا رہے ہیں، اسلام اور اعمال اسلام میں عزت نہ سمجھنا اور کافروں سے دوستی کرنے اور ان کی طرف جھکنے اور ان کی تقلید میں عزت سمجھنا بہت بڑی محرومی ہے۔ حضرات صحابہؓ سچے مسلمان تھے کافروں سے ڈرتے تھے اب جبکہ مسلمان ہی کافروں کی طرف جھک رہے ہیں اور ان کے رنگ میں رنگے جا رہے ہیں تو عزت کہاں رہی؟ یہود و نصاریٰ اور ہنود کا اتباع کرنے والے غور کر لیں۔

سورۃ منافقون میں فرمایا: وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ (یعنی عزت اللہ ہی کے لئے ہے اور اس کے رسول کے لئے اور مؤمنین کے لئے لیکن منافقین نہیں جانتے) ایمان کا دعویٰ کرتے ہوئے جو ذلت دیکھ رہے ہیں۔ اسی سے سمجھ

لیں کہ ایمان کے تقاضوں کے خلاف جارہے ہیں جس کی وجہ سے عزت سے محروم ہیں۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتَ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا

اور اللہ نے تم پر کتاب میں یہ حکم نازل فرمایا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا انکار کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق کیا

فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِثْلَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ جَارِحٌ

جا رہا ہے تو ان کے ساتھ نہ بیٹھو یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں۔ بالمشہد تم اس حالت میں ان جیسے ہو جاؤ گے، بالمشہد اللہ

الْمُنْفِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ۝ الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فِتْحٌ

منافقوں کو اور کافروں کو سب کو دوزخ میں قیام فرمادے گا۔ جو اس بات کے انکار میں رہتے ہیں کہ تمہارے اوپر کوئی مصیبت آئے، اور اگر تمہارے لئے اللہ کی طرف سے نجات

مِّنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَإِنْ كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحِذْكُمْ ۚ وَ

حاصل ہو جائے تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے اور اگر کافروں کو کچھ حصہ مل جائے تو ان سے کہتے ہیں کیا ہم تم پر غالب نہ آ گئے تھے

نَسْتَعْلِمُ هَٰؤُلَاءِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ قَالَ اللَّهُ يَعْزِبُ عَنْكُمُ رَأْيَهُمْ يَوْمَ تَلْقَوُاهُمْ ۚ وَلَئِنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى

اور کیا ہم نے تم کو مسلمانوں سے نہیں بچایا، سو اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان فیصلے فرمائے گا اور اللہ ہرگز کافروں کو مسلمانوں کے مقابلہ

الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ۝

میں غالب نہ فرمائے گا۔

کافروں کی مجلس میں بیٹھنے کی ممانعت اور منافقین کی دوغلی باتوں کا تذکرہ

ان آیات میں اول تو مسلمانوں کو ایک اہم حکم قرآنی یاد دلایا جو اس آیت سے پہلے نازل ہو چکا تھا۔ اور وہ یہ ہے وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ

يَخُوضُونَ فِي آثَانَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ وَأَمَّا نَسْتَأْذِنُكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمُ الدُّعَىٰ

مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ (یعنی جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیات میں (لہو و لعب کے طور پر) مشغول ہوتے ہیں تو تم ان سے اعراض

کراؤ) (یعنی ان کو چھوڑ دو) یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں اور اگر تمہیں شیطان بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالم قوم

کے ساتھ نہ بیٹھو۔ یہ آیت سورۃ انعام کی ہے جو کی سورت ہے۔ کافر اور شرک بطور لہو و لعب قرآنی آیات کا تذکرہ کرتے اور بطور مجلسی

مشغلہ کے باتیں کرتے تھے۔ اور آیات قرآنیہ پر طعن کرتے تھے مسلمانوں کو حکم ہوا کہ جب ایسا موقع ہو تو ان کو چھوڑ کر چلے جائیں ان

کے ساتھ نہ بیٹھیں، جب تک وہ اس مشغلے کو چھوڑ کر کسی اور مشغلے میں نہ لگیں ان سے دہریہ رہیں۔

سورۃ انعام کی آیت کے مضمون کو یہاں سورۃ نساء میں یاد دلایا اور فرمایا کہ تمہیں پہلے یہ حکم دیا جا چکا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات

کے ساتھ کفر کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق بنایا جا رہا ہے تو اس عمل میں جو لوگ مشغول ہوں ان کے ساتھ نہ بیٹھو اگر تم ایسے موقع پر وہاں سے نہ

ہٹے تو تم بھی انہیں جیسے ہو جاؤ گے۔ کھلے کافر بھی آیت قرآنیہ پر اعتراض کرتے تھے اور منافقین بھی اس مشغلہ کو اختیار کرتے تھے۔

مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی کہ تم ایسے موقع پر ان کے ساتھ نہ بیٹھو۔ اٹھ کر چلے جاؤ کیونکہ اگر اعتقاد میں ان کے ساتھ شریک ہو جاؤ گے تو ان ہی جیسے کافر ہو جاؤ گے اور اگر اعتقاد میں شریک نہ ہوئے تو گناہ کی شرکت تو بہر حال ہو ہی جائے گی۔ قال صاحب الروح والمراد من المماثلۃ فی الجزاء المماثلۃ فی الاثم لانہم قادرون علی الاعراض والانتکار لا عاجزون کما فی مکہ او فی الکفر علی معنی ان رضیہم بذلک وهو مبني علی ان الرضی بکفر الغیر کفر من غیر تفصیل الخ۔ (صاحب روح المعانی) فرماتے ہیں جزاء میں ہم مثل ہونے سے مراد گناہ میں برابری ہے کیونکہ وہ ان سے اعراض اور انکار پر قادر تھے جیسا کہ مکہ میں تھے یا اگر ساتھ بیٹھنے والے ان کے کفر پر راضی تھے تو پھر کفر میں ان کے مثل ہیں اور یہ اس اصول پر مبنی ہے کہ غیر کے کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے تفصیلات کی تفتیش کے بغیر)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ بعض حضرات نے آیت بالا سے اس پر استدلال کیا ہے کہ فاستبوا اور اہل بدعت کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا حرام ہے۔ حضرت ابن مسعود اور ابراہیم نخعی نے اسی کو اختیار کیا ہے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ ایک روز سہار شخص شراب پینے والوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کی پٹائی کی اور یہی آیت تلاوت کی۔ صاحب روح المعانی یہ بھی لکھتے ہیں کہ آیت بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ کفر یہ کاموں میں لگے ہوئے ہوں ان کی مخالفت اس طرح سے فرض ہے کہ وہاں سے اٹھ کر چلا جائے۔ محض قلب یا چہرہ سے اعراض کرنا کافی نہیں ہے۔ (ص ۷۲ ج ۵)

اگر کافر کسی جگہ جمع ہوں اور ان کی باتوں اور اعتراضوں کا منہ توڑ جواب دینے کے لئے کوئی شخص وہاں چلا جائے تو یہ ممانعت کے دائرہ میں نہیں آتا کیونکہ اہل کفر اور اہل بدعت سے مناظرہ و مجاہدہ کرنا مشروع ہے۔ البتہ بہت سے وہ لوگ جو ہندوؤں یا نصرانیوں کی مجلسوں میں ہوتے ہیں اور ان سے اسلام کے خلاف باتیں سنتے ہیں اور اسلام کی باتوں کا وہ لوگ جو مذاق اڑاتے ہیں اُسے بیٹھے ہوئے سنتے رہتے ہیں اور جہالت کی وجہ سے یا کافروں کی قوت ظاہرہ کی وجہ سے ان باتوں کا جواب دینے سے عاجز ہوتے ہیں ایسے لوگوں پر فرض ہے کہ وہاں سے اٹھ جائیں، آجکل بہت سے ممالک مثلاً انگلینڈ وغیرہ میں ایسا پیش آ جاتا ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا اِنَّ اللہَ جَامِعُ الْمُضَافِقِیْنَ وَالْکَافِرِیْنَ فِی جَهَنَّمَ جَمِیْعًا (کہ اللہ تعالیٰ منافقوں کو اور کافروں سب کو دوزخ میں جمع کرنے والا ہے) پھر مسلمان ان کی طرف کیوں مائل ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کو اہل جنت کے پاس رہنا چاہیے انہیں کی مجلس میں بیٹھنا چاہیے۔ پھر منافقوں کا طریقہ کار اور کردار بیان فرمایا اور فرمایا کہ یہ لوگ بظاہر تو یہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں لیکن چونکہ اندر سے مسلمان نہیں ہیں اس لئے وہ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی مصیبت آ پڑے (یہ مصیبت بعض مرتبہ کھلے کافروں کے ساتھ جنگ کرنے کی صورت میں رونما ہو جاتی ہے) جب مسلمان کافروں سے لڑنے لگے اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہو گئی تو یہ منافق مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ دیکھو کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ لہذا جو کچھ غنیمت تمہیں ملی ہے اس میں سے ہم کو بھی حصہ دو، اور اگر کافروں کو کوئی حصہ مل گیا۔ یعنی لڑائی میں انہیں غلبہ حاصل ہو گیا تو یہ منافق کافروں سے کہتے ہیں کیا مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو کر ہم تم پر غالب نہیں آ گئے تھے؟ پھر کیا ہم نے تمہیں غالب کرنے کے راستے نہیں بتائے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کے ہمید تم تک نہیں پہنچائے اور کیا ہم نے تم کو مسلمانوں سے نہیں بچایا؟ ہماری کارکردگی ہی سے تو تم کو غلبہ ہوا ہے۔ ہم نے مسلمانوں کو تمہارے خلاف اٹھنے سے روکا اور وہ جب لڑائی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تو ہم ان کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے۔ تمہاری فتح یابی میں ہمارا دخل ہے۔ لہذا اپنے منافع میں ہم کو بھی شریک کرو چونکہ منافق نفاق کو ہی لئے اختیار کرتا ہے کہ دونوں جماعتوں سے فائدہ اٹھائے اور چیت اور پٹ دونوں اسی

کی رہیں اسی لئے اس زمانہ کے منافقین یہ چال چلتے تھے جس کا اوپر ذکر ہوا، ایسے لوگوں کو متنبہ کرنے کے لئے ارشاد فرمایا **فَاللّٰهُ يُخَكِّمُ**
بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان قیامت کے دن فیصلے فرمادے گا۔ اہل ایمان کو جنت و عطا فرمائے گا اور منافقوں اور
کافروں کو دوزخ کی سزا دے گا۔ یہ دنیا کی ذرا سی زندگی اگر نفاق اور کمرو فریب اور دغا بازی کے ساتھ بظاہر کچھ اچھی گذاری تو یہ کوئی خوش
ہونے کی چیز نہیں ہے اس کے بعد منافقوں اور کافروں کے لئے دوزخ کا عذاب دھرا ہوا ہے۔

آخر میں ارشاد فرمایا **وَلَنْ يُجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا** مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جب فیصلے ہوں گے تو
اللہ کافروں کو ایمان والوں پر غلبہ نہ دے گا دنیا میں تو مسلمانوں کے ابتلاء کے لئے اور کافروں کے استدراج کے لئے کبھی کافروں کا غلبہ ہو
جاتا ہے لیکن آخرت میں برحیثیت سے مسلمانوں ہی کا غلبہ ہوگا۔ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے اس آیت کا یہی
مطلب مروی ہے۔ صاحب روح المعانی اس کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو دنیا میں
مسلمانوں پر غلبہ تام نہیں دے گا کہ جس سے سب مسلمان ایک ایک کر کے ختم ہو جائیں، اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ کافروں کو کبھی بھی
مؤمنین کے مقابلے میں کوئی ایسی جہت اور دلیل نہیں مل سکتی جس کے ذریعہ وہ مسلمانوں سے جیت جائیں۔ دلائل کے اعتبار سے اہل
ایمان ہی ہمیشہ غالب رہیں گے۔ (ص ۵۷ ج ۵)

اور صاحب ہدایہ نے اس آیت کو اس امر کے استدلال میں پیش کیا ہے کہ کسی کافر کی ولایت کسی مسلمان پر نہیں ہے جس کا معنی
یہ ہے کہ کوئی کافر اپنی مسلمان اولاد کا ولی نہیں ہو سکتا۔ کافر اپنی کافر اولاد کا نکاح کر سکتا ہے۔ اپنی مسلمان اولاد کے نکاح کی
ولایت اُسے حاصل نہیں ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۖ وَاِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُزَآءُوْنَ

بے شک منافق اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور حال یہ ہے کہ اللہ ان کی دھوکہ بازی کی ان کو سزا دینے والا ہے اور جب وہ نماز کو کھڑے ہوتے ہیں

اَلْتَّامِسِ ۚ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۚ شَدِيْدٌ بَيْنَ بَيْنٍ ۚ ذٰلِكَ ۚ اِلٰى سُوْرٰتٍ ۭ وَرَآءِ اِلٰى

تو کس مندی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر تھوڑا سا۔ ادھر میں لکھتے ہوئے ہیں اس کے درمیان، نہ ان لوگوں کی طرف نہ

هٰؤُلَاءِ ۚ وَ مَنْ يُضِلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيْلًا ۝۱۰ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا

ان لوگوں کی طرف، اور جسے اللہ گمراہ کر دے اس کے لئے تو ہرگز کوئی راستہ نہ پائے گا۔ اے ایمان والو! مؤمنوں کو چھوڑو

الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ ۚ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝۱۱

کے کافروں کو دوست نہ بنادو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے اہل اللہ کی صریح جہت کاٹ کر لو۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرَكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۖ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۝۱۲ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا

بے شک منافق دوزخ کے سب سے نیچے طبقے میں ہوں گے اور تو ہرگز ان کے لئے کوئی مددگار نہ پائے گا۔ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کر لی

وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَسَوْفَ يُؤْتِي

اور اصلاح کر لی اور اللہ پر مضبوط چھریسر رکھا اور اپنا دین اللہ کے لئے خالص کر دیا، تو یہ لوگ مؤمنین کے ساتھ ہوں گے اور مقرب

اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ ۖ

اللہ مؤمنین کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ اللہ تم کو عذاب دے گا کیا کرے۔ مگر اگر تم شکر گزار بنو اور ایمان آؤ

وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ۝

اور اللہ قدر دان ہے جانتے والا ہے۔

منافقوں کی چال بازی اور امور دینیہ میں کسل مندی کا تذکرہ
اور مسلمانوں کو حکم کہ کافروں کو دوست نہ بنائیں

ان آیات میں منافقین کے کردار پر مزید روشنی ڈالی ہے۔ اور ان کا طور طریق بتایا ہے۔ پھر ان کا وہ مقام بتایا ہے جہاں انہیں دوزخ میں جانا ہے، پھر یہ بھی فرمایا کہ ان میں سے جو لوگ توبہ کر لیں اور اصلاح حال کر لیں اور اللہ پر پختہ بھروسہ کر لیں اور اللہ کے لئے اپنے دین کو خالص کر لیں تو یہ مؤمنین کے ساتھ ہوں گے جس کا مطلب یہ ہے کہ توبہ کی راہ بروقت کھلی ہوئی ہے۔ شروع میں ارشاد فرمایا کہ منافقین اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور سورہ بقرہ کے دوسرے رکوع میں فرمایا یَا خُدَّاعُونَ اللَّهُ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا کہ اللہ کو اور اہل ایمان کو دھوکہ دیتے ہیں۔ (مسلمانوں سے) جھوٹ کہہ دیتے ہیں کہ ہم مؤمن ہیں اندر سے مؤمن نہیں ہیں اور پھر انہیں نعمتوں اور برکتوں کے آرزو مند ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا۔ گویا ان کا عقیدہ اور ان کا ایمان سے منحرف ہونا اللہ کو معلوم ہی نہیں۔

پھر فرمایا وَهُوَ خَادِعُكُمْ (اللہ ان کے جھوٹ کے کی ان کو سزا دینے والا ہے)۔ لفظ وَهُوَ خَادِعُكُمْ علی سبیل المشاکلۃ فرمایا ہے۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ بعض حضرات نے وَهُوَ خَادِعُكُمْ کو اس صورت حال پر محمول کیا ہے جو قیامت کے دن ان کے سامنے آئے گی اور وہ یہ کہ روشنی میں مسلمانوں کے ساتھ چلتے رہیں گے۔ پھر وہ روشنی سلب کر لی جائے گی اور منافقین کے اور اہل ایمان کے درمیان دیوار لگا دی جائے گی۔ جس کا ذکر سورہ حدید میں ہے قِيلَ اذْجِعُوا وَرَآئَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا ۖ فَضُرِبَ بَيْنَهُم بِسُورٍ لَّهُ بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهَرُهُ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ۔

چونکہ منافقین کی حرکت بدکا وبال انہیں پر پڑنے والا ہے اس لئے سورہ بقرہ میں فرمایا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ (وہ دھوکہ نہیں دیتے مگر اپنی ہی جانوں کو اور وہ اس بات کو سمجھتے نہیں ہیں)۔ منافقین کی جھوکہ دہی کے تذکرہ کے بعد ان کی نماز کا حال بیان فرمایا، اور فرمایا إِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ فَأَمَّاؤُا كُتَّالِي (اور جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو کسل مندی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں) جس کی وجہ یہ ہے کہ دل میں ایمان نہیں ہے پھر نماز کی کیا اہمیت ہوتی۔ لیکن چونکہ ظاہر یہ کہہ چکے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اس لئے ظاہر داری کے طور پر نماز بھی پڑھ لیتے ہیں اور چونکہ نماز کی اہمیت اور ضرورت ان کے دلوں میں اتنی ہی ہوتی نہیں ہے اس لئے سستی کے ساتھ کھاتے ہوئے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ مؤمن ہوتے تو اچھی نماز پڑھتے اور اللہ کو راضی کرنے کی فکر کرتے لیکن وہاں تو مسلمانوں کو دکھانا مقصود ہے کہ ہم تمہاری طرح سے نمازی ہیں تاکہ اسلام سے جو ظاہری دیاوی منافع ہیں ان سے محروم نہ ہوں۔ اللہ سے ثواب لینا

مقصود یہ تھا کہ چھ نماز پڑھیں۔ دیکھا وہ کے لئے جو قتل کیا جائے وہ اور طرح کا ہوتا ہے۔ اس میں خوبی اور عمدگی اختیار نہیں کی جاتی۔ ان کی اسی ریاکاری کو بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا **وَمَنْ السَّاسُ وَلَا يَذْكُرُوا اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا** (کہ وہ لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر قلیل اسما) صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں یعنی شخص صورت نماز کی بنا لیتے ہیں جس میں نماز کا نام نہ جائے اور عجب نہیں کہ انھیں بینہ نہ ہو۔ کیونکہ جہر کی ضرورت تو بعض نمازوں میں امام کو ہوتی ہے امامت تو ان کو کہاں نصیب ہوتی مقتدی ہونے کی حالت میں اگر کوئی بالکل نہ پڑھے فقط لب بلاتا رہے تو کسی کو کیا خبر؟ تو ایسے بد اعتقادوں سے کیا بعید ہے کہ زبان بھی نہ ملتی ہو۔

منافقوں کی دوسری حالت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا **يُؤْمِنُ بِلُزُومِ الْبَيْتِ ذَلِكِ** کہ وہ اس کے درمیان ادھر میں لٹکے ہوئے ہیں۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ ذالک مجموعہ ایمان و کفر کی طرف اشارہ ہے جس پر مؤمنین اور کافرین کے ذکر سے دلالت ہے۔ دوسری ہے پھر فرماتے ہیں کہ مؤمنین اور کافرین کی طرف اشارہ مانا جائے تو یہ بھی صحیح ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ عالم حیرانی میں تردد میں پڑے ہوئے ہیں شیطان نے اُن کو حیرت میں ڈال دیا ہے، پھر امام راغب سے الصذبذب کا معنی نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں صوت السحرة للشيء المعلق ثم استعير لكل اضطراب و حركة او تردد بين الشيئين یعنی ذبذبا آواز کہا جاتا ہے جو کسی لٹکی ہوئی چیز سے نکل رہی ہو۔ پھر بطور استعارہ ہر اضطراب اور ہر حرکت کے لئے یاد چیزوں کے درمیان متردد ہونے کے لئے استعمال کر لیا گیا۔ منافقین کفر و ایمان کے درمیان اپنی حالت ظاہرہ کے اعتبار سے متردد ہیں ورنہ حقیقت میں تو کافر ہی ہیں۔

مزید فرمایا **الشيء هو لاء ولا إلى هو لاء** یعنی منافقین بظاہر دونوں طرف ہیں مسلمانوں سے بھی ملتے ہیں اور کافروں سے بھی۔ اور ہر ایک کے ساتھ اپنی محبت اور دوستی ظاہر کرتے ہیں لیکن حقیقت میں نہ ان کی طرف ہیں نہ ان کی طرف، جو لوگ منافق ہوتے ہیں اپنے خیال میں تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے چالاک ہیں دیکھو دونوں جماعتوں کو اپنا بنا رکھا ہے۔ حالانکہ ایسے لوگوں کو کوئی جماعت بھی اپنا نہیں سمجھتی۔ منافق کا کردار خود کو کتنی ہی قسمیں کھائے کسی فریق کو مطمئن نہیں کر سکتا۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مثل المنافق كالشاة العائرة بين الغنمين تعير الى هذه مرة والى هذه مرة (رواہ مسلم بن عمر) یعنی منافق کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بکری دو ریوڑوں کے درمیان ہو کبھی اس ریوڑ کی طرف جاتی ہے اور کبھی اس ریوڑ کی طرف جاتی ہے۔ شرح حدیث نے لکھا ہے کہ اس سے وہ بکری مراد ہے جو گاہ بھن ہونے کے لئے کبھی اس ریوڑ میں اپنے لئے ترسلاش کرتی ہے اور کبھی دوسرے ریوڑ میں۔ (ذکرہ القاری فی المرتات) فائدہ..... معلوم ہوا کہ نماز میں سستی کرنا کسلا تے ہوئے نماز کے لئے انھیں بددلی سے نماز کے افعال ادا کرنا منافقوں کا طریقہ ہے۔ اہل ایمان کو چاہیے کہ خوب خوشی اور بشاشت اور نشاط کے ساتھ نماز پڑھیں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا، دوسرے کا انتظار کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب اس میں زروی آ جاتی ہے اور شیطان کے دونوں سیٹگوں کے درمیان ہوتا ہے تو کھڑے ہو کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے ان میں اللہ کو نہیں یاد کرتا مگر تمغور اسما۔ (رواہ مسلم)

چار ٹھونگیں مارنے کا مطلب یہ ہے کہ لپ جھپ سجدہ کرتا ہے، سر رکھا بھی نہیں کہ اٹھالیا جیسا کہ مرغا جلدی جلدی ٹھونگیں مار کر دانہ ٹھاتا ہے اور شیطان کے سیٹگوں کے درمیان سورج کے ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جب سورج چھپتا ہے اور نکلتا ہے تو شیطان ایسی جگہ کھڑا ہو جاتا ہے جو سورج کے اور اس کے دیکھنے والوں کے درمیان ہو وہاں کھڑے ہو کر سر بلاتا ہے جس سے دیکھنے والوں کو سورج کی شعاعوں کی حکم گاہت محسوس ہوتی ہے وہ یہ حرکت اس لئے کرتا ہے کہ سورج کی پرستش کرنے والے اس وقت اس کی عبادت کریں۔

چونکہ منافقین مسلمانوں کو کھانے کے لئے نماز پڑھتے تھے نماز کی فرضیت اور فضیلت اور اس کے اجر و ثواب کا یقین نہیں تھا اس لئے بڑے دل سے نمازوں میں حاضر ہو جاتے تھے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھی اور سلام پھیر کر فرمایا کیا فلاں حاضر ہے؟ حاضرین نے عرض کیا نہیں، پھر فرمایا کیا فلاں حاضر ہے؟ غرض کیا گیا کہ نہیں، آپ نے فرمایا بلاشبہ یہ دو نمازیں (عشاء اور فجر) منافقین پر سب نمازوں سے زیادہ بھاری ہیں، اور اگر تم کو معلوم ہو جائے کہ ان میں کیا اجر و ثواب ہے تو ان نمازوں میں حاضر ہوتے اگرچہ گھٹنوں کے بل چل کر آنا پڑتا۔ (رواہ ابوداؤد، الترمذی، کما فی المسند: ۹۶)

اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر ان میں سے (یعنی جماعت میں غیر حاضر ہونے والوں میں سے) کسی کو پتہ چل جائے کہ اسے ایک چکنی ہڈی مل جائے گی یا بکری کے دو ایتھے کھر مل جائیں گے تو عشاء کی نماز کے لئے حاضر ہو جائے۔ (صحیح بخاری ص ۸۹ ج ۱) طالب دنیا کو ذرا سی دنیا بھی مل جائے تو تکلیف اٹھانے اور نیک قربان کرنے کو حاضر ہو جاتا ہے اور جسے اعمال صالحہ پر اجر و ثواب ملنے کا یقین نہیں وہ اپنے نفس کو اجر و ثواب والے عمل کے لئے آمادہ نہیں کر سکتا اس بات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے کھر کی مثال دے کر واضح فرمایا۔

فائدہ..... معلوم ہوا کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں نماز اور جماعت کا اس قدر اہتمام تھا کہ منافقوں کو بھی اس ماحول میں رہنے کی وجہ سے نماز پڑھنی پڑتی تھی جب دینی فضا بن جاتی ہے تو جو اپنے دل سے دین دار نہ ہو اسے بھی مجبوراً دینداروں کے ساتھ گھسنا پڑتا ہے۔ اور یہی حال بد عمل اور بے دینی کا ہے جب بد عملی اور بے دینی کی فضا ہوتی ہے تو ایتھے جذبات والا بھی بے عمل اور بے دینوں کے طور طریق اختیار کر لیتا ہے آج بے دینی اور بے عملی کی فضا ہے بے نمازی بغیر کسی شرم و حیا کے دینداروں میں گھل مل کر رہتے ہیں اور اپنا کوئی قصور محسوس نہیں کرتے، انہیں ایک نماز چھوٹے کا ذرا بھی مال نہیں ہوتا۔ اگر دو بار دینی فضا بن جائے تو پھر وہی عمل کی فضا لوٹ آئے جو زمانہ نبوت میں تھی۔

پھر مسلمانوں کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا الْكَافِرِيْنَ اَوَّلِيَّاءَ مِنْ ذٰلِکَ الْمُؤْمِنِيْنَ (مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ) کافر منافق ہوں یا دوسرے عام کافر ہوں ان کو دوست بنانا اور اہل ایمان کو چھوڑ دینا منافقوں کا طریقہ ہے تم اسے اختیار نہ کرو: اَنْ تَتَّبِعُوْا اِلٰهَ غُلِيْکُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا (کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی حجت صریح قائم کر لو) یعنی اللہ تعالیٰ نے جس چیز سے منع فرمایا ہے اس چیز کو اختیار کر کے اپنے کو مجرم اور مستحق عذاب بنانے کے لئے اپنے عمل سے اپنے اوپر کیوں حجت قائم کرتے ہو۔

اس کے بعد منافقین کا عذاب ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرَجٰتِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ کہ منافق دوزخ میں سب سے نیچے کے طبقہ میں ہوں گے۔ صاحب روح المعانی ص ۷۷ ج ۵ لکھتے ہیں کہ دوزخ کے سات طبقے ہیں پہلے طبقے کا نام جہنم اور دوسرے کا لظی اور تیسرے کا حطمہ اور چوتھے کا سعیر اور پانچویں کا سفور اور چھٹے کا جحیم اور ساتویں کا ہاوہ ہے اور کبھی کبھی ان سب کے مجموعے کو النار سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان طبقات کو درجات اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ متدارک ہیں یعنی ایک دوسرے کے نیچے ہیں۔ درک اور درج میں یہ فرق ہے کہ اوپر سے نیچے آئیں تو ہر طبقہ کو درک سے موسوم کرتے ہیں اور نیچے سے اوپر کو جائیں تو ہر طبقہ کو درج سے تعبیر کرتے ہیں۔

اس کے بعد صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ منافق کو نسبت دوسرے کافروں کے سخت عذاب اس لئے ہو گا کہ اس نے کفر کے ساتھ

مزید اس بات کو اختیار کر لیا کہ اسلام کا مذاق اڑایا اور اہل اسلام کو ہتھوک دیا۔

پھر فرمایا وَلَنْ تَحْدِلَ فِيْهِمْ نَصِيْرًا کہ اے مخاطب! منافقوں کے لئے تو کوئی مددگار نہ پائے گا جو انہیں عذاب سے نکال دے یا اُن کا عذاب ماک کر دے۔

پھر فرمایا اِلَّا الدِّیْنِ تَابُوْا کہ وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جنہوں نے نفاق سے توبہ کی وَاصْلَحُوْا اور اپنی نیکیوں کو درست کر لیا اور نفاق کی حالت میں جو بگاڑ کیا تھا اس کو درست کر دیا وَاغْصَصُوْا بِالله اور اللہ پر مضبوط پھروسہ رکھا (یعنی اپنی تدبیروں پر اور کافروں سے تعلق رکھنے پر جو پھروسہ تھا اس کو چھوڑا اور اللہ تعالیٰ ہی پر پھروسہ کیا اور توکل اختیار کیا)۔

وَاصْلَحُوْا دینیہم لِلّٰہ اور اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کیا (یعنی اسلام کو سچے دل سے قبول کیا جس سے صرف اللہ کی رضا مقصود ہو لوگوں کو دکھانا مقصود نہ ہو اور یہ غرض سامنے نہ ہو کہ مسلمانوں کے سامنے اظہار اسلام کر کے مسلمانوں سے منافع حاصل کرتے رہیں گے اور ان سے جو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے اس سے بچتے رہیں گے) ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا فَاَوْقَلَبْتُ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ کہ یہ لوگ مخلص مؤمنین کے ساتھ جنت کے بلند درجات میں ہوں گے۔ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا (غفریب اللہ مؤمنین کو اجر عظیم عطا فرمائے گا)۔

آخر میں فرمایا مَا يَفْعَلُ اللهُ بَعْدَ اِيْحٰكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَانْتُمْ مطاب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کے سزاوینے سے کوئی نفع نہیں پہنچتا اس کا کوئی کام انکار نہیں ہے جو تم کو سزا دینے سے پورا ہو جائے وہ حکمت کے مطابق کافروں کو سزا دیتا ہے اور کفر بہت بڑا کفر ان نعمت ہے اگر شکر گزار بندے جو جس کا تقاضا یہ ہے کہ ایمان قبول کر دے عذاب نہ ہوگا۔

وَسَكَنَ اللهُ شَاكِرًا عَلَيْهِمَ (اور اللہ تعالیٰ قدردان ہے) اصحاب ایمان کے ایمان کی اور اعمال صالحہ کی قدردانی فرماتا ہے (اسے ہر چیز کا علم بھی ہے) سب کا ثواب عطا فرمائے گا۔

قال صاحب الروح ص ۷۹ ج ۵ ای ای شئی یفعل الله سبحانه بسبب تعذيبكم ایتشفی به من الغیظ؟ ام یدرك به النار ام يستجلب نفعاً؟ او يستدفع به ضرراً كما هو شأن الملوک وهو الغنی المطلق المتعالی عن امثال ذلك وانما هو امر یقتضیه مرض کفرکم ونفاقکم فاذا احتتمیت عن النفاق ونقیم نفوسکم بشریة الایمان والشکر فی الدنیا برنتم وسلمتم والا هلكم هلاکالا محیص عنه بالخلود فی النار۔ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں تمہیں عذاب دے کر اللہ تعالیٰ کیا کرے گا کیا اس سے اس کے غضب کو تسکین مل جائے گی یا اس سے اسے بدلہ ملے گا یا کوئی اور نفع ملے گا یا اس سے اس کی کوئی تکلیف دور رہے گی جیسا کہ بادشاہوں کی حالت ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ تو غنی مطلق ہے اس طرح کی چیزوں سے بلند ہے عذاب کا معاملہ تو تمہارا کفر و نفاق کا تقاضا ہے جب تم اپنے آپ کو نفاق سے آزاد کرو اور اپنے نفوس کو پاک کر کے دنیا میں ایمان و شکر اختیار کرو تو تم آزاد ہو گئے اور سزا ساقی والے ہو گئے ورنہ تو ایسی بلا کت تم پر آئے گی کہ پھر ہمیشہ کے جہنم کے عذاب کے علاوہ کوئی راستہ نہ ہوگا)۔